حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی

Shaykh Pod BOOKS

Shaykh Pod URDU

مثبت خصوصیات کو اپنانا ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی

شیخ پوڈ کتب

شیخ پوڈ کتب، 2025 کے ذریعہ شائع کردہ

اگرچہ اس کتاب کی تیاری میں تمام احتیاط برتی گئی ہے، ناشر غلطیوں یا کوتاہی یا یہاں موجود معلومات کے استعمال کے نتیجے میں ہونے والے نقصانات کے لیے کوئی ذمہ داری قبول نہیں کرتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی

چوتھا ایڈیشن۔ 25 مارچ 2025۔

کاپی رائٹ ©2025 شیخ پوڈ کتب۔

شیخ پوڈ کتب کے ذریعہ تحریر کردہ۔

مندرجات کا جدول

مندرجات کا جدول
اعترافات
مرتب کرنے والے کے نوٹس
تعارف
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی
مکہ میں بابرکت زندگی
یتیموں کی عزت کرنا
حق سے خیانت کرنا
ایک مبارک دن
روحانی تزکیہ
الہی ہدایت یافتہ پرورش
باطل کو رد کرنا
الفضول کا معاہدہ
نوبل مرچنٹ
ایک ایماندار زندگی
خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح
خانہ کعبہ کی تعمیر نو
آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توقع
اندھی وفاداری۔
اعلیٰ صفات
غار حرا میں تنہائی
ختم نبوت کا مشن شروع
پہلی وحی
اخلاص اور علم
فطری خوف اور اضطراب

اخلاص اور اعلیٰ کردار
مشکلات کا انتباہ
پیغام پھیلانا
منظم نقطہ نظر
پہلے مومنین
دوسروں کو ایمان کی طرف رہنمائی کرنا
خوشی کی کلید
علم کو سننا
علم کے لیے اجتماع
اسلام کی عوامی دعوت
حق پر ثابت قدم
حق کو قبول کرنا اور اس پر ثابت قدم رہنا
برائی کے وقت صبر
خواہشات کی عبادت کرنا
عذاب اور نماز میں تاخیر
سچائی کی تلاش
کاروبار میں انصاف
ایک خالص نیت
احمقانہ گزارشات
الہی قربت
یقین پر ثابت قدم
قرآن پر سمجھوتہ کرنا
قیامت
تحفہ یا دینے والا
کنٹرولر نہیں۔
مہلت یا تباہی۔
مختلف اوقات کا سامنا کرنا
اللہ کی بندگی
ثابت قدمی بہادری۔
مکہ میں اہل ایمان پر تشدد
برائی کا حکم دینا اور نیکی سے منع کرنا

مشکل ٹیسٹ

مراعات دینا

کمزوروں کی مدد کرنا

ایمان پہلے آتا ہے۔

ٹیسٹ کا اختتام

خواتین کے لیے معیاری

ضد

برے منصوبے بنانا

مثبت طور پر سمجھنا

غیر جانبدار رہو

دوسروں کو گمراہ کرنا

برائی کا حکم دینا

گمراہ کرنے والے دوست

دنیاوی مقابلہ

بردباری

ایک دیرپا چیلنج

اقتدار اور دولت کا لالچ

سچائی سے مخلص

صبر کے ساتھ حالات کا سامنا کرنا

ایتھوپیا کی طرف پہلی ہجرت

ہمدردی کا احساس

ایمان کے لیے قربانی دینا

ایتھوپیا میں مومنین کے لیے مسائل

منفیت اور غلط عقائد کو درست کرنا

نیکی کی دعوت

خدائی حفاظت

شکر گزاری کا ایک سبق

سیدھا راستہ

حق کا دفاع کرنا

جہالت اور اس کے لوگ

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔

اسلام کی مضبوطی۔
حق پر عمل کرنا
ایک مختلف راستے کا انتخاب
اپنی حفاظت کرنا
اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ولایت
ایتھوپیا کی طرف ایک اور ہجرت
شیطانی منصوبوں کا نتیجہ
سوشل بائیکاٹ
دوستو
دلیل
جھوٹ پر تعاون
اسلام سب کے لیے
مہربان اور نرم تبلیغ
مکہ میں قحط
بہترین کمپنی
حق کو رد کرنا
ابو طالب کی وفات - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا
وفات خدیجہ رضی اللہ عنہا - زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
پرانے تعلقات کو برقرار رکھنا
گارڈین
طائف کا دورہ
نجی گفتگو
فرمان الٰہی کو قبول کرنا
مثبتیت
معافی اور نظر انداز
حقیقت کا سامنا کرنا
آسمانی سفر
تمام غالب
یقینی کے لیے کوشش کرنا
اعلیٰ ترین درجہ
کمپنی آف دی گریٹ

زندگی ایک آئینہ ہے۔

مزید اہم مسائل کو حل کرنا

فرض نمازیں۔

ابوبکر (رضی اللہ عنہ) - حق کے چیمپئن

مختلف قبائل میں اسلام کی تبلیغ

نرم استقامت

ایک اچھی نیت

گمراہ صحابہ

مدینہ کے مددگاروں نے اسلام قبول کیا۔

مددگاروں کا پہلا عہد (رضی اللہ عنہ)

مدینہ میں اسلام پھیلا

اچھا پھیلانا

نرمی سے مشورہ دینا

مقررہ طریقہ پر قائم رہنا

مددگاروں کا دوسرا عہد (رضی اللہ عنہ)

اللہ کے لیے متحد

آپ کی دیکھ بھال کے تحت

چیلنجز کا سامنا کرنا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدینہ کی طرف ہجرت

لوگوں سے اخلاص

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت

ہجرت کی اجازت

ایک بری اجتماع

حمایتی دعوے۔

ایک راستہ

ٹرسٹ کی ادائیگی

آزادی کے لیے جدوجہد کرنا

حق پر قائم رہنا

سچی محبت

بہترین ساتھی

صحیح طریقے سے بھروسہ کرنا

بہترین مقامات

مدینہ کی بابرکت زندگی

ہجرت کے بعد پہلا سال

مدینہ میں مسجد نبوی کی تعمیر

ایک خوبصورت میراث

مثال کے ذریعے رہنمائی کریں۔

حسد کے اثرات

کاروبار درست طریقے سے کرنا

عظیم قربانیاں

محبت کی علامت

سیدھی راہ پر چلنا

آسمانی خصوصیات

مکمل جمع کروانا

دنیا کے لیے محبت

فائن اتحادی

مدینہ منورہ میں جمعہ کا پہلا خطبہ

زمین پر بہترین مقامات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپارٹمنٹس

نماز کی اذان

مہربان علاج

مدد کرنے والوں اور مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ

شکر گزاری کے دو حصے

سخاوت اور رزق

سچا علم

مدینہ میں منافقین

دو چہروں والا

تفرقہ پیدا کرنا

الٰہی سرپرستی

اچھے کاروبار کی اہمیت

لڑنے کی اجازت

ہجرت کے بعد دوسرا سال

نماز کی سمت میں تبدیلی

ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے سامنے

نماز کی ہدایت

اچھی کوشش اور ایمان کو قائم کرنا

بنچ کے لوگ

دوسروں کو گمراہ کرنا

روزے کی فرضیت

واجب صدقہ

ایک بری نیت

کرپشن کو روکنا

بدر کی جنگ

عظمت عاجزی میں ہے۔

والدین کا احترام کرنا

شرافت تقویٰ میں مضمر ہے۔

وکیل تلاش کرنا

شیطانی سازشوں کا خاتمہ

اچھی نصیحت کو قبول کرنا

قائدین سے اخلاص

تقدیر میں نیکی

الٰہی نعمتیں اور حمایت

سچی امید

سیدھا اخلاق

مخلصانہ مشورہ دینا

وعدوں کی تعظیم

ڈوئل

بہادری۔

آسمانوں سے مدد

ایک برا ساتھی

آخرت کا ادراک

ایمان میں غیر سمجھوتہ

اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے نفرت

اعمال کے نتائج

آخرت کی تلاش

خدائی فیصلہ

بہترین طرز عمل

جنگ بدر کے بعد

ایک رحم والا عمل

ایک منصفانہ سزا

نرمی کا مظاہرہ کرنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی میراث

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت

خبریں پھیلانا

شاندار کردار

نرمی بغیر کمزوری کے

کوئی ترجیحی علاج نہیں۔

بہتر حاصل کرنا

تعلیم کی اہمیت

کیسے جیتنا ہے۔

دوسرا چانسز

دو چہرے والا سلوک

سیدھا ہونا

توڑنے والے بانڈز

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کی

ایک دانشمندانہ تجویز

سادہ زندگی

ہجرت کے بعد تیسرا سال

صحیح طریقے سے نمائندگی کرنا

بدلہ لینا

اسلام میں شرافت

بنو قینقاع

بری نصیحت

غداری کی سزا

بات چیت کو نجی رکھنا

جو آس پاس جاتا ہے وہ آس پاس آتا ہے۔

جنگ احد

ایک بری گفتگو

لوگوں کا شکر گزار ہونا

بات چیت کی حفاظت کرنا

کورس پر باقی ہے۔

پر بھروسہ (SWT) اسباب کا استعمال اور اللہ

موزوں ساتھیوں کا انتخاب

آل ٹاک نو ایکشن

یقینی ایمان

ایمان پر قائم رہنا

احد میں ایک متاثر کن تقریر

بزدلی سے بچنا

خون سے زیادہ مضبوط

دنیا پر آخرت

ہمیشہ مخلص

تمام حالات میں برکت

مشن کو جاری رکھنا

تمام مشکلات

لوگوں کے لیے تشویش

سب کے لیے رہنمائی کی خواہش

حق کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا

نظر انداز اور اچھی مرضی

اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ثواب حاصل کرنا

مصیبت میں مدد

خواتین کے لیے بینچ مارک

مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا

یہ سب قربان کرنا

ایمان کی پکار پر لبیک کہنا

تھوڑے سے بہت کچھ

غصے پر حکم

ایک عہد پورا ہوا۔

قرآنی علم

جب دوسرے روانہ ہوتے ہیں۔

مثبت رویہ

غم کے اوقات

مشکلات میں اطاعت

تقسیم کا باعث بننا

جنگ احد کی حکمتیں

رحم کا مظاہرہ کرنا

دو زبانیں۔

ایمان پر سخت

تقویٰ کی تلاش

ہجرت کے بعد چوتھا سال

استقامت کے ساتھ مشکلات کا سامنا کرنا

محبت کا ثبوت

نظر انداز کرنے والا اور معاف کرنے والا

مشکلات میں پختگی

بنو نضیر

عہد توڑنا

سچا انصاف

بدی کی حمایت

بدلہ لینا چھوڑنا

ایمان میں کوئی جبر نہیں۔

انتہائی سخاوت

اندھی تقلید اور فریب

شراب کی ممانعت

جوئے کی ممانعت

قرآن پاک سے اخلاص

خوبصورت کردار

اضافہ یا نقصان

مشکل کے ساتھ آسانی

دوسری بدر

پیاروں کو کھونا

ہجرت کے بعد پانچواں سال

قائدین کے لیے نیک خواہشات

جنگ احزاب

ایک سچا لیڈر

کوشش ثواب کی طرف لے جاتی ہے۔

جدوجہد میں کمزوری۔

حقیقی زندگی

صبر کے ساتھ شکر ادا کرنا

ٹیسٹ کے نتائج

دوسروں کے لیے تشویش

ہم میں سے ایک

مضبوط ایمان

سمجھداری سے دوستوں کا انتخاب کرنا

دوست اور اعتماد

مشکوک ہونا

تمام حالات میں ثابت قدم

عوام کے لیے تشویش

ثابت قدمی اطاعت

اچھا کاروبار کرنا

شیطانی منصوبے ناکام

ہمت اور استقامت

مشکلات اور آسانی

ایک خیانت کی ذہنیت

ایک ایگزٹ

بنو قریظہ

نتائج کا سامنا کرنا

درست فیصلے کرنا

بہترین لوگ
حق کا انکار کرنا
حق پر قائم رہو
ناقدین سے ڈرنا
غداری
اندھی وفاداری اور تقلید
لوگوں کو خوش کرنے والا
باغ یا گڑھا ۔
غداری کی سزا - 2
شیطانی محرکات
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کی
بے بنیاد رواج کو ترک کرنا
دوسروں کا دورہ کرنا
ہجرت کے بعد چھٹا سال
رحم اور مہربانی کا مظاہرہ کرنا
منافقین انتشار کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔
ایمان کا بندھن
تفرقہ پیدا کرنا
آگ کی دو زبانیں۔
حسد اور نفرت
ایمان کو بہترین بنانا
اچھا علاج
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت
اپنے آپ کو فائدہ پہنچائیں۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے شادی کی
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی غیبت - زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ایک صریح بہتان
مثبت سوچنا
حسن اخلاق
دوسروں کو تسلی دینا
گپ شپ پھیلانا

اتحاد کو خراب کرنا

اپنے کاروبار کو ذہن میں رکھیں

شیئرنگ کے مسائل

غصے پر قابو پانا

صبر ثواب کی طرف لے جاتا ہے۔

چیزوں کو جانے دو

دوسروں کے لیے احساس

معاہدہ حدیبیہ

حقیقی زیارت

غیر جانبدار رہنا

آگے کو دبانا

نماز کی اہمیت

مشکلات کا سامنا کرنا

اچھی چیزوں کو قبول کرنا

تقویٰ کے لیے آزمایا

خیر سگالی

ایمان میں متحد

سچا پیار دکھانا

لچکدار ہونا

عجلت میں برتاؤ سے گریز کرنا

لیڈروں کے لیے مخلص ہونا

صراط مستقیم پر قائم رہو

رضوان کا عہد

بندگی کا عہد

خبروں کی تصدیق

سچی محبت اور خلوص

عظمت مشکلات میں ہے۔

شک میں پختہ رہنا

مشورہ طلب کرنا

ایک واضح فتح

شیطانی سازشیں ناکام

غیر ملکیوں کو اسلام کی دعوت دینا

سادہ اور شائستہ تقریر

برائی کے نتائج

ہجرت کے بعد 7 واں سال

خیبر کی جنگ

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی محبت حاصل کرنا

دوسروں کی رہنمائی کرنا

نیت کے اثرات

آپ جو دیتے ہیں وہی آپ کو ملتا ہے۔

خیانت سے بچنا

انصاف کو پکڑو

خراب عناصر کو ہٹانا

مہربان ہونا

ناجائز کا استعمال

آپ کی میراث

تعلقات کو بہتر بنانا

ہجرت کرنے والے

کوئی صنفی تعصب نہیں۔

چیزوں کی مثبت تشریح کرنا

ایمان پر عمل کرنا

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں

موخر دورہ (عمرہ)

وعدوں کا وفادار

کمزوری کے بغیر عاجزی

مہربانی کو ترجیح دی جاتی ہے۔

نبوی شادیاں

خواتین کی عزت کرنا

ہجرت کے بعد آٹھواں سال

زندگی میں باطل

موتہ کی جنگ

درست ادراک

مندرجہ ذیل بہترین ہے۔

ایمان میں مضبوطی۔

شاندار حکمت عملی

دوسروں کو تسلی دینا

دوسروں کے لیے ماتم کرنا

قائدین کا احترام

رومن ای شہنشاہ

جھوٹ بولتے ہوئے شرم آتی ہے۔

نبوت کا ثبوت

حق پر سمجھوتہ کرنا

آخر تک وفادار

ذوالسلسل کی طرف مہم

اتحاد تلاش کریں۔

شک کا فائدہ

فتح مکہ

معاہدوں کو برقرار رکھنے میں ناکامی۔

کے ذریعے چیزیں سوچنا

فرمانبرداری پہلے آتی ہے۔

اخلاص سب سے پہلے اسلام سے

خفیہ گفتگو

رحم کے ساتھ دوسروں کا مشاہدہ

دوسروں پر رحم کرنا

عظمت پیروی میں ہے۔

برتری ظاہری شکل میں نہیں ہے۔

عوام سے اخلاص

پناہ گاہ انتقام نہیں۔

اسلام مخلصانہ اطاعت ہے۔

نافرمانی ناکامی کی طرف لے جاتی ہے۔

ایوان کو آزاد کرانا

عاجزی کی انتہا

چیزوں کو آسان بنائیں
انصاف کا سامنا کرنا
معاف کرنا اور آگے بڑھنا
برتری اور کامیابی
اسلام نرمی ہے۔
اسلامی تعلیمات پر عمل کریں۔
حقیقی شرافت
اسلام میں نسل پرستی نہیں۔
معاف کرنا بلندی کی طرف لے جاتا ہے۔
خواتین کا عہد
ختم نبوت کے دوست
عوام کے لیے اخلاص
انصاف سب کے لیے
کوشش اور نیک نیت
انجام کی نشاندہی کرنا
حنین کی جنگ
کرپشن کا خاتمہ
اسلام کی پاکیزگی کو برقرار رکھیں
اطاعت میں فتح
عادل ہونا
طائف کا محاصرہ
ذلت آمیز غلامی سے آزادی
دو چہرے ہونے کے خطرات
نرمی اور دوسرا امکان
انتہائی مہربانی
جنگ حنین کا غنیمت
حرام سے بچنا
آپ کیا ڈھونڈتے ہیں۔
آزادی کے لیے جدوجہد کریں۔
مسائل کو چھوٹا بنائیں
مستقبل کے باغی

رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک
اچھا کرنا
برائی کے خلاف اچھا
ایک کامیاب حج
خطرے کا سامنا
ایک سادہ زندگی
ہجرت کے بعد نواں سال
حلال کی پابندی کرنا
تبوک کی جنگ
آسانی اور مشکل میں اطاعت
برکات کا استعمال
غریب بہانے
دوسروں کو بیوقوف بنانا
غداری کی سزا
مفید دولت
وسائل اور مواقع
ہدایت کا انعام
نیت میں خالص
بہت باتیں چھوٹی ایکشن
پریشانی پیدا کرنے والے
ایمان کا مذاق اڑانا
کمال کی کوئی طلب نہیں۔
اسلام میں فضیلت
ایک اجنبی
حق کے اندھے
صبر اور قناعت
مشاہدہ کرنے والا
لازوال معجزہ
اللہ کے لیے ناراض ہونا
تبوک میں خطبہ نبوی
ایک مبارک قبر

فتح اطاعت میں ہے۔
برائی کے خلاف معافی
نقصان پہنچانے کے لیے مسجد
اپنے ذرائع استعمال کریں۔
نرم رویہ بہترین ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت
کنارے پر اطاعت
سچائی کامیابی کی طرف لے جاتی ہے۔
ذرائع کے مطابق متوازن خرچ
بخشش حاصل کرنا
غمگین
ثقیف قبیلہ
سمجھوتہ ناکامی کی طرف لے جاتا ہے۔
نمازیں جنت کی طرف لے جاتی ہیں۔
ایک محفوظ گھر اور معاشرہ
سود سے بچنا
بدی کی ماں
سمجھوتہ کے بغیر لچک
سچا اچھا
ایک اچھا لیڈر
چیزوں کو آسان بنائیں
رحمت کی امید
معاف کرو اور بھول جاؤ
چیزوں کو چھوڑنا
منافقوں کے سردار کی موت
استقامت
سب کا شکریہ ادا کریں۔
رحمت کامیابی کی طرف لے جاتی ہے۔
مقدس زیارت کو پاک کرنا
غربت سے مت ڈرو
ایک اچھے مہمان بنیں۔

دو بابرکت صفات

مسیلمہ، جھوٹا۔

حقیقی خوبصورتی

عیسائی وفد کا مدینہ منورہ کا دورہ

اعلیٰ ترین درجہ

واضح حقیقت

دنیا کے غلام

قابل اعتماد

برے منصوبے بیک فائر

نیک کردار جنت کی طرف لے جاتا ہے۔

عاجزی میں حقیقی عزت

مسلمانوں کے حقوق

چیزوں کو جانے دینا

قیادت میں اخلاص

آزاد

اور لوگوں کی محبت (SWT) اللہ

شفاعت

زندگی کے تمام پہلوؤں میں ایمانداری

مخالف مسیح کی کہانی

اپنے آپ کو پسند کرنا

جہاں عظمت مضمر ہے۔

سچی عقیدت

سچا عقیدہ

امن کا سلام

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو اختیار دیا گیا

ہجرت کے بعد 10 واں سال

نظر انداز کرنا اور معاف کرنا

دشمنوں پر قابو پانا

گورنروں کو یمن بھیجنا

آپ کے اختیار کے تحت

آسانی اور خوشخبری۔

نیکی میں مدد کریں۔

اندھیرے سے بچیں۔

نبوی صحبت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین

اور لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنا (SWT) اللہ

ایک پرتعیش زندگی

علم کا صحیح استعمال کرنا

ہر چیز سے ثواب حاصل کرنا

یمن کی طرف ایک مہم

انصاف کرو

بہترین بنیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان پہنچانا

سچا ہونا

اعتماد دکھا رہا ہے۔

اعمال کا مثبت انداز میں فیصلہ کرنا

الوداعی مقدس زیارت

اعمال میں اخلاص

مقدس کیا ہے

عرفات میں خطبہ

تقویٰ کیا ہے؟

صحیح طریقہ

فتنوں پر قابو پانا

آسانی کا مذہب

سچی قربانی

محبت اعمال میں ہے۔

کوئی نقصان نہیں پہنچانا

دوسروں کی مدد کرنا

منیٰ میں خطبہ

خطبہ غدیر خم

حفاظتی تقریر

ہجرت کے بعد گیارہواں سال

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بیماری
دوسروں کو یاد کرنا
ایمان سے چمٹے رہو
ابدی کو ترجیح دینا
احد کی زیارت کرنا اور خطبہ دینا
آسانی اور مشکل میں حقوق کو پورا کریں۔
شرافت اطاعت میں ہے۔
قیادت کی خواہش سے بچیں۔
آخری خطبہ
مولڈنگ زندگی
ایک عملی رول ماڈل
تمام درد
اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بارے میں سوچنا
سادگی سے رہنا
خوبصورتی
الٰہی محبت
آخری مشورہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات
اللہ کی عبادت
ایک مثبت رویہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خطاب
فرمانبردار رہنا
ابوبکر رضی اللہ عنہ - پہلے خلیفہ
حق کا ساتھ دینا
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین
اتحاد
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا پہلا خطبہ
مزید متعلقہ مسائل پر توجہ مرکوز کرنا
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عمدہ بیان
نتیجہ

اچھے کردار پر 500 سے زیادہ مفت ای بکس

دیگر شیخ پوڈ میڈیا

اعترافات

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جو تمام جہانوں کا رب ہے، جس نے ہمیں اس جلد کو مکمل کرنے کی تحریک، موقع اور طاقت بخشی۔ درود و سلام ہو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کا راستہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی نجات کے لیے چنا ہے۔

ہم شیخ پوڈ کے پورے خاندان، خاص طور پر اپنے چھوٹے ستارے یوسف کے لیے اپنی تہہ دل سے تعریف کرنا چاہیں گے، جن کی مسلسل حمایت اور مشورے نے شیخ پوڈ کتب کی ترقی کو متاثر کیا ہے۔ اور ہمارے بھائی حسن کا خصوصی شکریہ، جن کے سرشار تعاون نے شیخ پوڈ کو نئی اور دلچسپ بلندیوں پر پہنچا دیا ہے جو ایک مرحلے پر ناممکن لگ رہا تھا۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم پر اپنا کرم مکمل فرمائے اور اس کتاب کے ہر حرف کو اپنی بارگاہِ عالی میں قبول فرمائے اور اسے روزِ آخرت میں ہماری طرف سے گواہی دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے اور بے شمار درود و سلام ہو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر، آپ کی آل اور صحابہ کرام پر، اللہ ان سب سے راضی ہو۔

مرتب کرنے والے کے نوٹس

ہم نے اس جلد میں انصاف کرنے کی پوری کوشش کی ہے تاہم اگر کوئی شارٹ فال نظر آئے تو مرتب کرنے والا ذاتی طور پر ذمہ دار ہے۔

ہم ایسے مشکل کام کو مکمل کرنے کی کوشش میں غلطیوں اور کوتاہیوں کے امکان کو قبول کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم نے لاشعوری طور پر ٹھوکر کھائی ہو اور غلطیوں کا ارتکاب کیا ہو جس کے لیے ہم اپنے قارئین سے درگزر اور معافی کے لیے دعا گو ہیں اور ہماری توجہ اس طرف مبذول کرائی جائے گی۔ ہم تہہ دل سے تعمیری تجاویز کی دعوت دیتے ہیں جو ShaykhPod.Books@gmail.com پر دی جا سکتی ہیں۔

تعارف

یہ بات عالمی طور پر تسلیم شدہ ہے کہ مثبت خصوصیات کو اپنانے سے ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام مثبت خصوصیات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں ڈال دی ہیں۔ باب 68 القلم، آیت 4:

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

لہٰذا یہ کتاب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی کے بہت سے واقعات پر بحث کرے گی تاکہ انسان آپ کی مثبت خصوصیات کو سیکھے اور اپنائے تاکہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل ہو۔

مثبت خصوصیات کو اپنانا ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی

مکہ میں بابرکت زندگی

یتیموں کی عزت کرنا

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ آمنہ بنت وہب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاملہ تھیں، آپ کے والد عبداللہ بن عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا۔ چنانچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں پیدا ہونے سے پہلے ہی یتیم تھے۔ اس پر سیرت ابن ہشام صفحہ 20 میں بحث ہوئی ہے۔

یہ حقیقت کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یتیم تھے مسلمانوں کے لیے تمام یتیموں کی ان کی استطاعت کے مطابق عزت اور مدد کے لیے کافی ہونا چاہیے۔

اسلامی تعلیمات میں اکثر یتیموں کا تذکرہ کیا جاتا ہے کیونکہ وہ اکثر اپنی سماجی کمزوری کی وجہ سے اپنے حقوق سے محروم رہتے ہیں۔ لہٰذا، ایک مسلمان کو اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ ان لوگوں کی مدد کریں جو معاشرے میں سماجی طور پر کمزور سمجھے جاتے ہیں، جیسے کہ یتیم اور بیوائیں، اپنے وسائل کے مطابق۔ آج کے دور میں یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کرنا انتہائی آسان ہو گیا ہے کیونکہ کوئی بھی اسے چند منٹوں میں آن لائن ترتیب دے سکتا ہے۔ اور کفالت کی رقم اکثر ان کے ماہانہ فون بل سے کم ہوتی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو اسلام کے اس اہم حصے کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی مسلسل تائید کا باعث ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ وصیت فرمائی ہے کہ یتیم کی کفالت کرنے والے کو جنت میں اس کا قرب حاصل ہوگا۔ صحیح بخاری نمبر 6005 میں موجود حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی

۔ آخرکار بیوہ جیسے مسکینوں کی دیکھ بھال کرنے والے کو رات بھر عبادت کرنے اور روزے ہے رکھنے والے کے برابر ثواب ملے گا۔ صحیح بخاری نمبر 6006 میں موجود ایک حدیث میں اس ۔ لہٰذا جس شخص کو نفلی اعمال مثلاً نفلی رات کی نماز اور نفلی روزے کرنا کی تلقین کی گئی ہے مشکل ہو اسے اس حدیث پر عمل کرنا چاہیے تاکہ کم سے کم محنت سے یہ ثواب حاصل ہو سکے۔

یہ بات ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ ان کے پاس جو بھی اسباب ہیں، جیسے کہ دولت، اللہ تعالیٰ نے انہیں قرض کے طور پر عطا کیا ہے نہ کہ بطور تحفہ۔ قرض اس کے مالک کو ادا کرنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو قرض دیا گیا ہے اسے ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان کا استعمال اس کی رضا کے لیے ہو۔ لہٰذا ضرورت مندوں کی مدد کرنے والا صرف وہی قرض ادا کرتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ پر قرض ہے۔ جب کوئی اس کو یاد کرے گا تو یہ اسے اس طرح برتاؤ کرنے سے روک دے گا جیسے وہ اللہ تعالیٰ یا کسی ضرورت مند پر احسان کر رہے ہوں۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی نعمتوں سے نوازا اور ضرورت مندوں کی مدد کرکے ان گنت انعامات حاصل کرنے کا موقع عطا فرمایا۔ اس کے علاوہ ضرورت مند شخص نے عطیہ دہندگان کی مدد کو قبول کرکے ایک احسان کیا ہے۔ اگر ہر ضرورت مند دوسروں کی امداد کو ٹھکرا دے تو اللہ کی تعلیمات میں بیان کردہ اجر کیسے ملے گا؟ ان نکات کو یاد رکھنے سے غلط رویہ اپنانے سے ثواب ضائع ہونے سے بچ جائے گا۔

آخر میں، ضرورت مندوں کی مدد کرنے میں کسی بھی شخص کی جائز ضرورت کو پورا کرنا شامل ہے۔ اس میں جذباتی، جسمانی اور مالی ضروریات شامل ہیں۔ لہٰذا کوئی بھی مسلمان، خواہ اس کے پاس کتنی ہی کم دولت کیوں نہ ہو، اپنے آپ کو ضرورت مندوں کی مدد سے عذر نہیں کر سکتا۔

حق سے خیانت کرنا

اہل کتاب کے علماء، یہود و نصاریٰ، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی آمد سے بخوبی واقف تھے، کیونکہ ان دونوں کا ان کے آسمانی صحیفوں میں بحث کیا گیا ہے۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں‘‘۔

ان میں سے بہت سے لوگ نسل در نسل مدینہ میں مقیم رہے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ یہ وہ شہر ہوگا جس میں آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کریں گے۔

جس رات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی، حسن بن ثابت رضی اللہ عنہ مدینہ میں رہنے والا آٹھ سالہ لڑکا تھا۔ اس رات ایک باشعور یہودی نے چیخ چیخ کر لوگوں کی توجہ دلائی اور ان کے سامنے اعلان کیا کہ اسی رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہونے والی ہے۔ اس پر ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 1، صفحہ 152 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن مجید کو واضح طور پر پہچان لیا تھا، لیکن ان میں سے بہت سے لوگوں نے دنیاوی فائدے، جیسے قیادت اور دولت کی محبت میں اسلام کو رد کر دیا تھا، لیکن انہوں نے خدائی تعلیمات کی غلط تشریح کے ذریعے حاصل کی تھی۔

سنن ابن ماجہ نمبر 253 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ جس نے علمائے کرام کو دکھانے، دوسروں سے بحث کرنے یا اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے علم حاصل کیا وہ جہنم میں جائے گا۔

حالانکہ دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں تمام بھلائیوں کی بنیاد علم ہے، لیکن مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ علم سے انہیں فائدہ تب ہی ہوگا جب وہ سب سے پہلے اپنی نیت درست کریں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ باقی تمام وجوہات صرف اس صورت میں ثواب اور سزا کے نقصان کا باعث بنیں گی جب کوئی مسلمان سچے دل سے توبہ نہ کرے۔

حقیقت میں علم بارش کے پانی کی طرح ہے جو مختلف قسم کے درختوں پر گرتا ہے۔ کچھ درخت اس پانی سے اگتے ہیں تاکہ دوسروں کو فائدہ پہنچے، جیسے پھل کا درخت۔ جبکہ اس پانی سے دوسرے درخت اگتے ہیں اور دوسروں کے لیے پریشانی کا باعث بنتے ہیں۔ اگرچہ بارش کا پانی دونوں صورتوں میں ایک جیسا ہے پھر بھی نتائج بہت مختلف ہیں۔ اسی طرح دینی علم بھی لوگوں کے لیے یکساں ہے لیکن اگر کوئی غلط نیت اختیار کرے تو وہ ان کی تباہی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی صحیح نیت اختیار کرے تو یہ ان کی نجات کا ذریعہ بن جائے گا۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ تمام معاملات میں اپنی نیت درست کریں، جیسا کہ اس پر ان کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اور انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ جہنم میں داخل ہونے والے پہلے لوگوں میں سے ایک ایسا عالم ہوگا جس نے

علم صرف دوسروں کو دکھانے کے لیے حاصل کیا ہو۔ صحیح مسلم نمبر 4923 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ، اپنے علم پر عمل کے ساتھ اپنی نیک نیت کو جوڑنا چاہیے، کیونکہ عمل کے بغیر علم فائدہ مند علم نہیں ہے، یہ محض معلومات ہے۔ کسی کے علم پر عمل کرنے میں ناکامی ایک ڈاکٹر کی طرح ہے جو لوگوں کے علاج کے لیے اپنے علم پر عمل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ اسی طرح وہ نہ اپنے آپ کو فائدہ پہنچاتے ہیں اور نہ ہی کسی مسلمان کو جو اسلامی علم رکھتا ہے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ درحقیقت اس شخص کو گدھے سے تشبیہ دی گئی ہے جو علم کی کتابیں اٹھائے ہوئے ہے۔ باب 62 الجمعہ، آیت 5:

”اور پھر اس پر عمل نہیں کیا)اپنے علم پر عمل نہیں کیا (اس گدھے کی طرح ہے جو کتابوں کی کتابیں اٹھائے ہوئے ہے“۔

اس کے علاوہ جو شخص بغیر کسی معقول وجہ کے علم کو چھپائے گا اسے قیامت کے دن آگ سے لگا دیا جائے گا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2649 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے مفید علم کو دوسروں تک پہنچائیں۔ یہ محض بے وقوفی ہے کیونکہ یہ عمل صالح میں سے ایک ہے جو مرنے کے بعد بھی مسلمان کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 241 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ علم کا ذخیرہ کرنے والوں کو تاریخ بھلا دیتی ہے لیکن جو اسے دوسروں تک پہنچاتے ہیں وہ بنی نوع انسان کے عالم اور استاد کہلانے لگے۔

آخر میں، علم حاصل کرنے کا مقصد بحث میں دوسروں کو شکست دینا نہیں ہے۔ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ سچائی کو مضبوط ثبوت کے ساتھ دوسروں کے سامنے پیش کرے۔ انہیں یہ فرض نہیں سونپا گیا کہ وہ لوگوں کو بحث و مباحثہ کے ذریعے سچائی کو قبول کرنے پر مجبور کریں۔ یہ رویہ ہی لوگوں کو سچائی سے آگے دھکیلتا ہے۔ اس کے بجائے بغیر بحث کیے لوگوں کو سچ سمجھانا چاہیے اور خود اس پر عمل کر کے اس سچائی کو دکھانا چاہیے۔ صالح پیشواؤں کا یہی طرز عمل تھا اور یہ طریقہ دوسروں کو حق کی طرف لانے میں زیادہ کارگر ہے۔

اس کے علاوہ، یہ واقعہ مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ دنیاوی فائدے کی خاطر دی گئی خدائی تعلیمات پر سمجھوتہ نہ کریں۔ اس سمجھوتہ میں الٰہی تعلیمات کی غلط تشریح کرنا یا اپنی خواہشات کے مطابق کن تعلیمات پر عمل کرنا ہے اور کن تعلیمات کو نظر انداز کرنا شامل ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کو ایک زرہ کی طرح نہ سمجھے جسے وہ جب چاہے پہنا اور اتار دیا جائے۔ جو اس طریقے پر عمل کرتا ہے وہ صرف اپنی خواہشات کی عبادت کرتا ہے، اگرچہ وہ اس بات پر بے وقوف بنایا جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کر رہے ہیں۔ باب 25 الفرقان، آیت 43:

''کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جو اپنی خواہش کو اپنا معبود بناتا ہے؟''

جو شخص اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ بلاشبہ ان نعمتوں کو استعمال کرنے میں ناکام رہے گا جو انہیں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ انہیں متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرنے سے روک دے گا، جس کے نتیجے میں وہ اس دنیا یا آخرت میں ذہنی سکون حاصل کرنے سے روکیں گے، چاہے وہ تفریحی لمحات کا تجربہ کریں۔ یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جب کوئی ان لوگوں کا مشاہدہ کرتا ہے جو اس طرح کا برتاؤ کرتے ہیں۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور [پھر] زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے" قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اس لیے ایک شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے مفاد کے لیے اسلامی تعلیمات کو قبول کرے اور اس پر عمل کرے، چاہے وہ اس کی خواہشات کے خلاف ہو۔ انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی گئی ہیں اور ایک سخت خوراک کا منصوبہ ہے۔ جس طرح یہ عقلمند مریض اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کرے گا، اسی طرح وہ شخص جو اسلامی تعلیمات کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف وہی علم ہے جس کے پاس کسی شخص کو متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کے حصول کو یقینی بنانے کے لیے ضروری علم ہے، وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ معاشرے میں موجود انسانوں کی ذہنی اور جسمانی حالتوں کا علم تمام تر تحقیق کے باوجود اس نتیجے کو حاصل کرنے کے لیے کبھی بھی کافی نہیں ہو گا، کیونکہ وہ ہر اس مسئلے کو حل نہیں کر سکتے جو انسان کو اپنی زندگی میں درپیش ہو اور نہ ہی ان کے مشورے محدود علم، تجربے اور دور اندیشی کی وجہ سے ہر قسم کے ذہنی اور جسمانی دباؤ سے بچ سکیں۔ یہ علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اس نے اسے قرآن مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی صورت میں انسانوں کو عطا کیا ہے۔ یہ حقیقت اس وقت عیاں ہوتی ہے جب کوئی ان لوگوں کو دیکھتا ہے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق عطا کی گئی نعمتوں کو استعمال کرتے ہیں اور جو نہیں کرتے۔

ایک مبارک دن

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر پیر کے دن روزہ رکھتے تھے۔ جب ان سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ دن تھا جس دن وہ پیدا ہوئے تھے اور جس دن ان پر پہلی وحی نازل ہوئی تھی۔ صحیح مسلم نمبر 2750 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا جشن منانا اپنی روایت کے مطابق پیر کا روزہ رکھنا ہے۔

سنن نسائی نمبر 2219 میں موجود الہی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ تمام اعمال صالحہ جو لوگ انجام دیتے ہیں سوائے روزے کے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور وہ اس کا براہ راست بدلہ دے گا۔

یہ حدیث روزے کی انفرادیت پر دلالت کرتی ہے۔ اس کے اس انداز میں بیان ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ باقی تمام اعمال صالحہ لوگوں کو نظر آتے ہیں، جیسے نماز، یا وہ لوگوں کے درمیان ہیں، جیسے خفیہ صدقہ۔ جبکہ، روزہ ایک منفرد نیک عمل ہے، کیونکہ دوسرے یہ نہیں جان سکتے کہ کوئی شخص صرف روزہ رکھنے سے روزہ رکھتا ہے۔

اس کے علاوہ، روزہ ایک نیک عمل ہے جو اپنے آپ کے ہر پہلو پر قفل لگاتا ہے۔ یعنی جو شخص صحیح طریقے سے روزہ رکھتا ہے اسے زبانی اور جسمانی گناہوں سے روک دیا جائے گا جیسے کہ حرام چیزوں کو دیکھنا اور سننا۔ یہ بھی نماز کے ذریعے حاصل ہوتا ہے لیکن نماز صرف تھوڑی دیر کے لیے ادا کی جاتی ہے اور دوسروں کو دکھائی دیتی ہے جبکہ روزہ دن بھر ہوتا ہے اور دوسروں کو نظر نہیں آتا۔ باب 29 العنکبوت، آیت 45:

‘‘...بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے’’

مندرجہ ذیل آیت سے واضح ہوتا ہے کہ جو شخص بغیر کسی جواز کے فرض روزے پورے نہیں کرتا وہ سچا مومن نہیں ہو گا کیونکہ دونوں کا براہ راست تعلق ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 183:

"اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ"

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 723 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ اگر کوئی مسلمان بغیر کسی شرعی وجہ کے ایک فرض روزہ بھی پورا نہ کرے تو اس کے اجر وثواب کی تلافی نہیں ہو سکتی، چاہے وہ ساری زندگی روزے ہی رکھے۔

اس کے علاوہ جیسا کہ پہلے نقل کی گئی آیت سے اشارہ کیا گیا ہے کہ روزہ صحیح طور پر تقویٰ کی طرف لے جاتا ہے۔ یعنی صرف دن کو بھوکا رہنے سے تقویٰ حاصل نہیں ہوتا بلکہ روزے کی حالت میں گناہوں سے بچنے اور اعمال صالحہ کی طرف زیادہ توجہ دینے سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 707 میں موجود حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر کوئی جھوٹ بولنے اور اس پر عمل کرنے سے پرہیز نہ کرے تو روزہ اہم نہیں ہوگا۔ اسی طرح کی ایک حدیث سنن ابن ماجہ نمبر 1690 میں ہے کہ بعض روزہ داروں کو بھوک کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ جب کوئی شخص روزے کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ ہوشیار اور ہوشیار ہو جاتا ہے تو آخرکار یہ عادت ان پر اثر انداز ہوتی ہے اس لیے وہ روزہ نہ رکھتے ہوئے بھی اسی طرح کا برتاؤ کرتے ہیں۔ یہ دراصل حقیقی تقویٰ ہے۔

اس آیت میں جس نیکی کا ذکر پہلے کیا گیا ہے اس کا تعلق روزے سے ہے، کیونکہ روزہ انسان کی بری خواہشات اور شہوتوں کو کم کرتا ہے۔ یہ غرور اور گناہوں کی ترغیب سے روکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ پیٹ کی بھوک اور نفسانی خواہشات کو روکتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں بہت سے گناہوں کو جنم دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ ان دونوں چیزوں کی خواہش دیگر حرام چیزوں کی خواہش سے زیادہ ہے۔ پس جو شخص روزے کے ذریعے ان پر قابو پالے گا اس کے لیے کمزور خواہشات پر قابو پانا آسان ہو جائے گا۔ یہ حقیقی راستبازی کی طرف جاتا ہے۔

جیسا کہ مختصراً پہلے اشارہ کیا گیا، روزے کے مختلف درجات ہیں۔ روزہ کا پہلا اور ادنیٰ درجہ وہ ہے جب کوئی ایسی چیزوں سے پرہیز کرے جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، جیسے کہ کھانا۔ اگلا درجہ ان گناہوں سے پرہیز کرنا ہے جو روزہ کو نقصان پہنچاتے ہیں اور روزے کے ثواب کو کم کر دیتے ہیں، جیسے جھوٹ بولنا۔ سنن نسائی نمبر 2235 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ روزہ جس میں جسم کے ہر عضو کو شامل کیا جائے اگلا درجہ ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب جسم کا ہر عضو گناہوں سے بچتا ہے، مثلاً آنکھ حرام کو دیکھنے سے، کان حرام کو سننے سے، وغیرہ۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی روزہ نہ رکھتے ہوئے بھی اس طرح کا برتاؤ کرے۔ آخر میں، روزہ کا اعلیٰ ترین درجہ ان تمام چیزوں سے پرہیز کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ سے مربوط نہیں ہیں، یعنی کوئی شخص ان نعمتوں کو استعمال کرنے سے گریز کرتا ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں، جیسے کہ ان کا وقت، ایسے طریقوں سے جو گناہ یا باطل ہیں۔

ایک مسلمان کو باطنی طور پر بھی روزہ رکھنا چاہئے جیسا کہ ان کا جسم گناہ یا لغو خیالات سے پرہیز کرتے ہوئے ظاہری طور پر روزہ رکھتا ہے۔ انہیں اپنی خواہشات کے حوالے سے اپنے منصوبوں پر قائم رہنے سے روزہ رکھنا چاہئے اور اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے پر توجہ دینے کی کوشش کرنی چاہئے۔ مزید برآں، انہیں اللہ تعالیٰ کے فرمان کو باطنی طور پر چیلنج کرنے سے روزہ رکھنا چاہیے، اور اس کے بجائے تقدیر کے علاوہ اور جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے، وہ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین انتخاب کرتا ہے، خواہ وہ ان انتخاب کے پیچھے حکمت کو نہ سمجھیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

”لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

آخر میں، ایک مسلمان کو چاہیے کہ اپنے روزے کو پوشیدہ رکھ کر اجر عظیم کا ارادہ کرے اور اگر اس سے بچنا ممکن ہو تو دوسروں کو مطلع نہ کرے، کیونکہ غیر ضروری طور پر دوسروں کو بتانے سے ثواب ضائع ہو جاتا ہے کیونکہ یہ دکھاوے کا ایک پہلو ہے۔

اس کے علاوہ زیر بحث اہم حدیث بھی اسلام کے اندر نئی چیزوں کو ایجاد کرنے کے بجائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر عمل کرنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ جو شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا جشن منانا چاہتا ہے اسے سوموار کا روزہ رکھنا چاہیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت یا کسی اور چیز کے سلسلے میں ایسے معمولات کو اختیار کرنے سے گریز کرنا چاہیے جن کی جڑیں قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں نہیں ہیں۔ دینی علم کے دوسرے ذرائع پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، خواہ وہ اچھے کاموں کی طرف لے جائے، اتنا ہی کم وہ ہدایت کے دو منابع پر عمل کرے گا :قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات، جو کہ گمراہی کا باعث بنتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ ہر وہ چیز جس کی جڑیں ہدایت کے دو منابع میں نہ ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رد کر دیا جائے گا۔ درحقیقت مندرجہ ذیل آیت خاص طور پر اس وقت نازل ہوئی تھی جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے جو پہلے یہودی یا عیسائی تھے، اپنے سابقہ مذہب کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہتے تھے جو اسلامی تعلیمات سے متصادم نہیں تھیں۔ تفسیر القرطبی، جلد 1، صفحہ 531 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 208:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔"

اس کے علاوہ، مذہبی علم کے دوسرے ذرائع پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، اتنا ہی وہ ان چیزوں پر عمل کرنے لگے گا جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہیں۔ اس طرح شیطان قدم قدم پر لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، مشکلات کا سامنا کرنے والے شخص کو کچھ ایسی روحانی مشقیں کرنے کا مشورہ دیا جائے گا جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم اور چیلنج ہوں۔ چونکہ یہ شخص جاہل ہے اور اسے دینی علم کے دوسرے ذرائع پر عمل کرنے کی عادت ہے، اس لیے وہ آسانی سے اس جال میں پھنس جائیں گے اور ایسی روحانی مشقیں کرنے لگیں گے جو براہ راست

اسلام کی تعلیمات کو چیلنج کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور کائنات کے بارے میں ایسی باتوں پر بھی یقین کرنے لگیں گے جو اسلام کی تعلیمات سے بھی متصادم ہیں، جیسے کہ ماننے والے لوگ یا مافوق الفطرت مخلوق اپنی تقدیر کو کنٹرول کر سکتے ہیں، کیونکہ ان کا علم ہدایت کے دو ذرائع کے علاوہ کسی اور سے لیا گیا ہے۔ ان گمراہ کن طریقوں اور عقائد میں سے کچھ واضح کفر ہیں، جیسے کالا جادو کرنا۔ باب 2 البقرہ، آیت 102:

”سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا بلکہ شیاطین نے کفر کیا، لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر نازل ہوا تھا، لیکن وہ [یعنی دونوں فرشتے] کسی کو نہیں سکھاتے جب تک کہ یہ نہ کہیں کہ "ہم آزمائش ہیں، اس لیے کفر نہ کرو [جادو کرکے]"۔

اس لیے ایک مسلمان اس کا احساس کیے بغیر بھی اپنا ایمان کھو سکتا ہے، کیونکہ انہیں مذہبی علم کے دوسرے ذرائع پر عمل کرنے کی عادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی مذہبی بدعات پر عمل کرنا جن کی جڑیں ہدایت کے دو ذرائع میں نہیں ہیں، شیطان کے نقش قدم پر چلنا ہے۔

روحانی تزکیہ

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر دو سال تھی اور آپ کی رضاعی والدہ حلیمہ بنت ذویب کی دیکھ بھال میں دو آدمی سفید کپڑے پہنے ہوئے برف سے بھرا ہوا ایک سنہری حوض لے کر آپ کے پاس آئے۔ وہ اسے لے گئے اور اس کا سینہ کھول دیا۔ انہوں نے اس کا دل نکالا، اسے الگ کر دیا اور پھر اس میں سے ایک سیاہ لوتھڑا نکال کر خارج کر دیا۔ پھر انہوں نے اس کے دل اور سینہ کو اس برف سے دھویا یہاں تک کہ وہ انہیں پوری طرح سے پاک کر لیں۔ اس پر سیرت ابن ہشام، صفحہ 23-24 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو اپنے روحانی دل اور ان کے روحانی دل کو صاف کرنے کے لیے اقدامات کرنے چاہئیں جو ان کی دیکھ بھال میں ہیں، جیسے کہ ان کے بچے۔ یہ اسلامی علم سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 52 کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اگر کسی کا روحانی دل درست ہو تو سارا جسم ٹھیک ہو جاتا ہے اور اگر اس کا روحانی دل فاسد ہو تو سارا جسم فاسد ہو جاتا ہے۔

سب سے پہلے تو یہ حدیث اس احمقانہ عقیدے کی تردید کرتی ہے جہاں کوئی شخص اپنے قول و فعل کے خراب ہونے کے باوجود پاکیزہ دل کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو کچھ اندر ہے وہ آخرکار باہر سے ظاہر ہوگا۔

روحانی قلب کی تطہیر اسی وقت ممکن ہے جب انسان اپنے اندر سے برائیوں کو ختم کر دے اور ان کی جگہ اسلامی تعلیمات میں مذکور اچھی خصوصیات کو لے آئے۔ یہ تب ہی ممکن ہے جب کوئی شخص اسلامی تعلیمات کو سیکھے اور اس پر عمل کرے تاکہ وہ خلوص دل سے اللہ تعالیٰ

کے احکامات کو بجا لائے، اس کی ممانعتوں سے باز آجائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرے۔ اس طرح کا برتاؤ ایک پاک روحانی دل کی طرف لے جائے گا۔ یہ طہارت پھر جسم کے ظاہری اعضاء جیسے کہ کسی کی زبان اور آنکھ میں جھلکتی ہے۔ یعنی وہ اپنی نعمتوں کو صرف ان طریقوں سے استعمال کریں گے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں۔ صحیح بخاری نمبر 6502 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اپنے نیک بندے سے محبت کی علامت ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ تزکیہ تمام دنیاوی مشکلات میں کامیابی کے ساتھ رہنمائی کرے گا تاکہ وہ دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں سکون اور کامیابی حاصل کر سکے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ" زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

دوسری طرف جب کوئی اسلامی علم سیکھنا اور اس پر عمل کرنا چھوڑ دیتا ہے تو وہ ان برے خصلتوں کو اپنا لے گا جن کی معاشرے، سوشل میڈیا، ثقافت اور فیشن کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ یہ بری خصلتیں انہیں ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کی ترغیب دیں گی جو انہیں عطا کی گئی ہیں۔ اس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں تناؤ اور مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔ باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے" قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اور باب 26 اشعرا، آیات 88-89:

"جس دن مال و اولاد کسی کے کام نہیں آئے گی، مگر وہ جو اللہ کے پاس سچے دل کے ساتھ آئے۔"

الہی ہدایت یافتہ پرورش

اپنے بچپن میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ان برائیوں سے بچایا جو زمانہ جاہلیت میں پھیلی ہوئی تھیں :اسلام سے پہلے۔ اس کے والد اس کی پیدائش سے پہلے ہی فوت ہو گئے اور اس کی ماں کا انتقال اس وقت ہو گیا جب وہ صرف ایک بچہ تھا، لگ بھگ چھ سال کا تھا۔ اس کے بعد ان کی پرورش ان کے دادا عبدالمطلب نے کی، جن کا انتقال چند سال بعد ہوا، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر آٹھ سال تھی۔ آخر کار ان کی پرورش ان کے چچا ابو طالب بن عبدالمطلب نے کی۔

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلوغ کو پہنچے تو آپ اپنی امت میں سب سے بہترین شخصیت تھے، ان میں سب سے اچھے کردار اور شہرت کے حامل، سب سے اچھے پڑوسی، سب سے زیادہ ہوشیار، بات میں سب سے زیادہ ایماندار اور سب سے زیادہ امانت دار تھے۔ وہ بے حیائی اور دیگر بری خصلتوں سے بالکل دور ہو گیا تھا۔ اسی وجہ سے وہ اہل مکہ میں امین یعنی امانت دار کے نام سے مشہور ہوئے۔ امام ابن کثیر کی کتاب حیات النبی جلد 1 صفحہ 168، 173 اور 180 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اس الہٰی حفاظت، نگہداشت اور پرورش میں سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مسلمانوں کے لیے ایک سبق ہے کہ وہ اپنے زیر کفالت افراد کے ساتھ صحیح سلوک کریں اور ان کی پرورش کریں۔

صحیح بخاری نمبر 2409 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ ہر شخص ایک ولی ہے اس لیے اس کی زیر نگرانی چیزوں کا ذمہ دار ہے۔

ایک مسلمان سب سے بڑی چیز جس کا محافظ ہے وہ ان کا ایمان ہے۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری کو نبھانے کی کوشش کریں۔

اس ولایت میں ہر وہ نعمت بھی شامل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے، جس میں ظاہری چیزیں شامل ہیں، جیسے مال، اور اندرونی چیزیں، جیسے کہ جسم۔ ایک مسلمان کو ان چیزوں کو اسلام کے بتائے ہوئے طریقے سے استعمال کرکے ان کی ذمہ داری پوری کرنی چاہیے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان کو صرف حلال چیزوں کو دیکھنے کے لیے، اپنی زبان کو صرف حلال اور فائدہ مند الفاظ اور اپنے مال کو فائدہ مند اور نیک طریقوں سے دیکھنے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

یہ سرپرستی کسی کی زندگی میں دوسروں تک بھی پھیلتی ہے، جیسے رشتہ دار اور دوست۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق ایک مسلمان کو یہ ذمہ داری اپنے حقوق کی ادائیگی کے ذریعے ادا کرنی چاہیے، جیسے کہ ان کو فراہم کرنا اور نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا۔ کسی کو دوسروں سے الگ نہیں ہونا چاہیے، خاص کر دنیاوی مسائل میں۔ اس کے بجائے، انہیں اس امید پر ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا جاری رکھنا چاہیے کہ وہ بہتر کے لیے بدل جائیں گے۔ اس سرپرستی میں کسی کے بچے بھی شامل ہیں۔ ایک مسلمان کو مثال کے طور پر رہنمائی کرتے ہوئے ان کی رہنمائی کرنی چاہیے، کیونکہ یہ بچوں کی رہنمائی کا سب سے مؤثر طریقہ ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، اور اپنے بچوں کو بھی ایسا ہی کرنا سکھائیں۔ اس کی جڑ میں اسلامی علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا شامل ہے۔

نتیجہ اخذ کرنا کہ اس حدیث کے مطابق ہر ایک کو کسی نہ کسی قسم کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ علم حاصل کریں اور ان کی تکمیل کے لیے اس پر عمل کریں، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک حصہ ہے، اس لیے قیامت کے دن ان سے سوال کیا جائے گا۔ باب 17 الاسراء، آیت 34:

"اور]ہر [عہد کو پورا کرو۔ بیشک عہد ہمیشہ]جس کے بارے میں سوال کیا جائے گا[۔..."

اپنے زیر کفالت افراد کی صحیح پرورش کی اہمیت جامع ترمذی نمبر 1952 میں موجود ایک حدیث میں بھی بیان کی گئی ہے جہاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت کی ہے کہ والدین اپنے بچوں کو سب سے افضل تحفہ جو دے سکتے ہیں وہ انہیں اچھے اخلاق سکھانا ہے۔

یہ حدیث مسلمانوں کو یاد دلاتی ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں جیسے کہ ان کے بچوں کے ایمان کے بارے میں زیادہ فکر مند رہیں، ان کو مال و جائیداد کے حصول اور ان کی فراہمی میں۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دنیاوی ورثے آتے جاتے ہیں۔ کتنے امیر اور طاقتور لوگوں نے بڑی بڑی سلطنتیں صرف اس لیے بنائی ہیں کہ ان کے مرنے کے فوراً بعد انہیں توڑ دیا جائے اور انہیں بھلا دیا جائے۔ ان میں سے کچھ وراثت سے پیچھے رہ جانے والی چند نشانیاں صرف لوگوں کو ان کے نقش قدم پر نہ چلنے کی تنبیہ کرنے کے لیے پائی جاتی ہیں۔ ایک مثال فرعون کی عظیم سلطنت ہے۔ بدقسمتی سے بہت سے مسلمان اپنے بچوں کو سلطنت بنانے اور بہت زیادہ دولت اور جائیدادیں حاصل کرنے کی تعلیم دینے میں اس قدر فکر مند ہیں کہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت سکھانے میں کوتاہی کرتے ہیں جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا شامل ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے ساتھ حسن سلوک شامل ہے۔ ایک مسلمان کو یہ یقین کرنے میں بے وقوف نہیں بنایا جانا چاہئے کہ ان کے پاس اپنے بچوں کو اچھے اخلاق سکھانے کے لئے کافی وقت ہے، کیونکہ ان کی موت کا لمحہ نامعلوم ہے اور اکثر غیر متوقع طور پر لوگوں پر جھپٹتا ہے۔

اس کے علاوہ، جب بچے بڑے ہو جاتے ہیں اور اپنے طریقے پر قائم ہو جاتے ہیں تو انہیں اچھے اخلاق سکھانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اگر کوئی اپنے بچے کو اچھے اخلاق سکھانے میں ناکام رہتا ہے تو وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے تناؤ کا باعث بنتا ہے۔

والدین اپنے بچے کو اچھے اخلاق سکھانے کا بہترین طریقہ مثال کے طور پر رہنمائی کرنا ہے۔ انہیں اسلام کی تعلیمات کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے اور اپنے بچے کے لیے عملی نمونہ بننا چاہیے۔

آج وہ دن ہے جب ایک مسلمان کو صحیح معنوں میں اس تحفے پر غور کرنا چاہیے جو وہ اپنے بچوں اور رشتہ داروں کو دینا چاہتے ہیں۔ اس طرح ایک مسلمان آخرت کے لیے نیکی بھیجتا ہے لیکن پیچھے نیکی بھی چھوڑ جاتا ہے، جیسا کہ ایک صالح بچہ جو اپنے فوت شدہ والدین کے لیے دعا کرتا ہے، اس کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1376 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ امید ہے کہ اس طرح سے خیر میں گھرنے والے کو اللہ تعالیٰ بخش دے گا۔

باطل کو رد کرنا

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر 12 سال تھی تو آپ اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ تجارتی سفر پر شام گئے۔ راستے میں بحیرہ نامی ایک راہب سے ان کی ملاقات ہوئی۔ راہب نے ان کی میزبانی کی اور تبصرہ کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانوں کے مولیٰ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری نبی ہونا مقصود ہے۔ اس نے اسے ان کی خصوصیات سے پہچانا جن کا ذکر سابقہ آسمانی صحیفوں میں کیا گیا ہے۔ بحیرہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بحث کی جس سے ان کی تقدیر مزید ثابت ہوئی۔ اس گفتگو کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے ان دو مشہور بتوں کے علاوہ کسی چیز سے نفرت نہیں تھی، جن کو عرب کے غیر مسلم پوجتے تھے، لات اور عزی۔ اس پر ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 1، صفحہ 174-176 میں بحث کی گئی ہے۔

اس کے بعد بحیرہ نے ابو طالب کو مشورہ دیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ واپس بھیج دیں اور آپ کو مزید شام میں نہ لے جائیں، کیونکہ یہودی علماء انہیں پہچان لیں گے اور اس کے نتیجے میں اسلام کے آنے سے ان کی عزت اور مال کے ضائع ہونے کے خوف سے انہیں نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس پر امام صفی الرحمٰن کی کتاب، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 60-61 میں بحث کی گئی ہے۔

اتنی چھوٹی عمر میں بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کے بنائے ہوئے، بے جان اور بے طاقت بتوں کی پرستش میں اپنی قوم کی اندھی تقلید کو رد کرنے کی ہدایت کی تھی۔

عام طور پر دیکھا جائے تو اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید لوگوں کے سچائی کو مسترد کرنے کی ایک بڑی وجہ ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی عقل کو بروئے کار لاتے ہوئے شہادتوں اور واضح نشانیوں پر مبنی طرز زندگی کا انتخاب کرے اور مویشیوں کی طرح دوسروں کی اندھی تقلید نہ کرے۔ اندھی تقلید اسلام میں بھی ناپسندیدہ ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4049 میں ایک حدیث ہے جو اسلام قبول کرنے میں دوسروں کی اندھی تقلید نہ کرنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے، جیسے کہ کسی کے اہل خانہ، بغیر اسلامی علم حاصل کیے اور اس پر عمل کیے، تاکہ کوئی شخص اندھی تقلید سے آگے نکل جائے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے، اور اپنی ربوبیت اور اپنی بندگی کو صحیح معنوں میں پہچانے۔ یہ دراصل بنی نوع انسان کا مقصد ہے۔ باب 51 ذریات، آیت 56:

‘‘اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔’’

کوئی ایسے شخص کی عبادت کیسے کر سکتا ہے جسے وہ پہچانتا بھی نہیں؟ اندھی تقلید بچوں کے لیے قابل قبول ہے لیکن بڑوں کو چاہیے کہ وہ علم کے ذریعے اپنی تخلیق کے مقصد کو صحیح معنوں میں سمجھ کر صالح پیشرووں کے نقش قدم پر چلیں۔ جہالت ہی یہی وجہ ہے کہ جو مسلمان اپنے فرائض کی ادائیگی کرتے ہیں وہ آج بھی اللہ تعالیٰ سے قطع تعلق محسوس کرتے ہیں۔ یہ پہچان ایک مسلمان کو دن بھر اللہ کے سچے بندے کے طور پر برتاؤ کرنے میں مدد دیتی ہے، نہ کہ صرف پانچ وقت کی فرض نمازوں کے دوران۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کی طرف جاتا ہے جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں ذہنی اور جسمانی سکون حاصل ہوتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

اس کے ذریعے ہی مسلمان اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی کو پورا کریں گے۔ اور یہی وہ ہتھیار ہے جو مسلمانوں کو اپنی زندگی میں پیش آنے والی تمام مشکلات پر قابو پاتا ہے۔ اگر ان کے پاس یہ نہیں ہے تو انہیں اجر حاصل کیے بغیر مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ درحقیقت یہ دونوں جہانوں میں

مزید مشکلات کا باعث بنے گا۔ اندھی تقلید کے ذریعے فرائض کی ادائیگی سے فرض تو پورا ہو سکتا ہے لیکن یہ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کے قرب تک پہنچنے کے لیے ہر مشکل میں محفوظ طریقے سے رہنمائی نہیں کرے گا۔ درحقیقت، زیادہ تر صورتوں میں، اندھی تقلید آخرکار اپنے واجبات کو ترک کرنے کا باعث بنتی ہے۔ یہ مسلمان صرف مشکل کے وقت اپنی ذمہ داریاں ادا کرے گا اور آسانی کے وقت ان سے منہ موڑے گا یا اس کے برعکس۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے یہ سمجھنا چاہیے کہ اسلام میں اندھی تقلید ناقابل قبول ہے، کیونکہ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ واضح دلائل کے ذریعے اسلام کی حقانیت کو پہچانے اور اپنی تخلیق کے مقصد کو جان لے، تاکہ وہ اسے ہر لمحہ اور سانس کے دوران پورا کر سکے۔ اندھی تقلید انسان کو مسلمان تو بنا سکتی ہے لیکن ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت پر ثابت قدم نہیں رہے گی اور اس کے نتیجے میں وہ اس دنیا میں ذہنی اور جسمانی سکون حاصل نہیں کر سکے گا۔ باب 20 طہٰ، آیت 124:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، یقیناً اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی۔"

اور باب 12 یوسف، آیت 108:

کہو، "یہ میرا راستہ ہے؛ میں بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، میں اور میری پیروی کرنے والے..."

اس واقعہ کا آخری حصہ جہاں بحیرہ نے ابو طالب کو مشورہ دیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ واپس بھیج دیں، اس خوف سے کہ اہل کتاب کے علماء آپ کو اس خوف سے نقصان پہنچا سکتے ہیں کہ اسلام کے آنے سے ان کی عزت اور دولت ختم ہو جائے گی، دنیاوی چیزوں جیسے دولت سے زیادہ محبت کرنے سے بچنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ایک مسلمان

کا کردار یہ ہے کہ وہ دنیاوی چیزوں کو ترک نہ کرے، جیسے کہ مال۔ ان کا کردار ہر دنیوی نعمتوں کو ایک آلہ کے طور پر دیکھنا ہے جو دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کرنے میں ان کی مدد کرے۔ یہ تب ہی حاصل ہوتا ہے جب وہ اسے صحیح طریقے سے استعمال کریں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ جو شخص اس اہم مقصد کو بھول جاتا ہے وہ آسانی سے ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو اسے دی گئی ہیں اور وہ اپنی دنیاوی چیزوں کو جمع کرنے اور اسے تھامنے کے لیے بڑے قدم اٹھائیں گے، خواہ اس کا مطلب یہ ہو کہ اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا پڑے، جیسے کہ دوسروں کو نقصان پہنچانا۔ یہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے تناؤ، مشکلات اور پریشانیوں کا باعث بنے گا۔ باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

لہٰذا، ایک مسلمان کو اس اہم سچائی کو کبھی نہیں بھولنا چاہیے، کہ ہر دنیاوی نعمت جو اسے عطا کی گئی ہے وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کرنے میں ان کی مدد کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

الفضول کا معاہدہ

یہ معاہدہ ایک معاہدہ تھا کہ مکہ کے اندر کوئی بھی کسی اور خاص طور پر غیر ملکی سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھائے گا۔ یہ معاہدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ میں اعلان نبوت سے 20 سال پہلے ہوا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عظیم معاہدے میں حصہ لیا اور نبوت کا اعلان کرنے کے بعد ایک بار یہ تبصرہ کیا کہ وہ اب بھی اس معاہدے کو برقرار رکھیں گے۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 1، صفحہ 186 میں تفصیل سے بحث ہوئی ہے۔

یہ واقعہ مسلمانوں کو ہمیشہ ایسے کاموں میں حصہ لینے کا درس دیتا ہے جو معاشرے کے لیے صالح پیشواؤں کے گزرنے کے اچھی اور فائدہ مند ہوں، قطع نظر اس کے کہ کوئی بھی ملوث ہو۔ بعد سے مسلم قوم کی طاقت ڈرامائی طور پر کمزور ہوئی ہے۔ یہ منطقی بات ہے کہ جتنے زیادہ لوگوں کی تعداد ایک گروہ میں ہوگی اتنا ہی وہ گروہ مضبوط ہوگا لیکن مسلمانوں نے کسی نہ کسی طرح اس منطق کی نفی کی ہے۔ مسلمانوں کی تعداد بڑھنے کے ساتھ ہی مسلم قوم کی طاقت میں کمی آئی ہے۔ اس کے پیش آنے کی ایک اہم وجہ قرآن کریم کی سورہ 5 المائدہ، آیت 2 سے مربوط ہے:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو''۔ ''

اللہ تعالیٰ واضح طور پر مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ کسی بھی اچھے معاملے میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور کسی برے معاملے میں ایک دوسرے کا ساتھ نہ دیں۔ اس پر نیک پیشواؤں نے عمل کیا لیکن بہت سے مسلمان ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہے ہیں۔ بہت سے مسلمان اب اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں اس کا مشاہدہ کرنے کے بجائے کون عمل کر رہا ہے۔ اگر وہ شخص ان سے جڑا ہوا ہے، مثال کے طور پر، کوئی رشتہ دار، تو وہ ان کا ساتھ دیتے ہیں چاہے بات اچھی نہ ہو۔ اسی طرح اگر اس شخص کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے تو وہ ان کی حمایت سے منہ موڑ لیتے ہیں خواہ بات اچھی ہو۔ یہ رویہ صالح پیشواؤں کی روایات کے بالکل خلاف ہے۔ وہ بھلائی میں دوسروں کی حمایت کریں گے قطع نظر اس کے کہ کون کر رہا

ہے۔ درحقیقت وہ قرآن کریم کی اس آیت پر عمل کرتے ہوئے اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ وہ ان کی حمایت بھی کریں گے جب تک کہ یہ اچھی بات نہ ہو۔

اس سے جڑی دوسری چیز یہ ہے کہ بہت سے مسلمان ایک دوسرے کی اچھی مدد کرنے میں ناکام رہتے ہیں کیونکہ انہیں یقین ہے کہ جس شخص کی وہ حمایت کر رہے ہیں وہ ان سے زیادہ اہمیت حاصل کرے گا۔ اس صورتحال نے علماء اور اسلامی تعلیمی اداروں کو بھی متاثر کیا ہے۔ وہ دوسروں کی بھلائی میں مدد نہ کرنے کے لیے لنگڑے بہانے بناتے ہیں کیونکہ ان کا ان کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہے اور انہیں ڈر ہے کہ ان کا اپنا ادارہ بھلا دیا جائے گا اور وہ جن کی مدد کریں گے وہ معاشرے میں مزید عزت حاصل کریں گے۔ لیکن یہ سراسر غلط ہے کیونکہ حقیقت کا مشاہدہ کرنے کے لیے صرف تاریخ کے اوراق پلٹنے پڑتے ہیں۔ جب تک کسی کی نیت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہو، دوسروں کی بھلائی میں مدد کرنے سے معاشرے میں اس کی عزت بڑھے گی۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف متوجہ کرے گا خواہ ان کا تعاون کسی اور ادارے، ادارے یا شخص کے لیے ہو۔ مثال کے طور پر جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آسانی سے خلافت کو چیلنج کر سکتے تھے اور ان کے حق میں کافی حمایت حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اسلام کے پہلے خلیفہ کے طور پر نامزد کرنا صحیح ہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اس بات کی فکر نہیں تھی کہ اگر وہ کسی دوسرے شخص کا ساتھ دیں تو معاشرہ اسے بھول جائے گا۔ اس کے بجائے اس نے پہلے بیان کی گئی آیت میں حکم کی تعمیل کی اور جو صحیح تھا اس کی تائید کی۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 3667 اور 3668 میں موجود احادیث سے ہوتی ہے۔ اس عمل سے معاشرے میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی عزت و تکریم میں اضافہ ہی ہوا۔ یہ بات ان لوگوں پر واضح ہے جو اسلامی تاریخ سے واقف ہیں۔

مسلمانوں کو اس پر گہرائی سے غور کرنا چاہیے، اپنی ذہنیت کو بدلنا چاہیے اور دوسروں کی بھلائی میں مدد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، قطع نظر اس کے کہ یہ کام کون کر رہا ہے اور اس خوف سے پیچھے نہیں ہٹیں گے کہ ان کی حمایت انہیں معاشرے میں بھلا دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والوں کو دنیا اور آخرت دونوں میں کبھی فراموش نہیں کیا جائے گا۔ درحقیقت ان کی عزت و تکریم دونوں جہانوں میں ہی بڑھے گی۔

اس کے علاوہ، زیر بحث اہم واقعہ مسلمانوں کو اپنے وعدوں کو نبھانے کی اہمیت سکھاتا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ وعدہ خلافی منافقت کا ایک پہلو ہے۔

ایک مسلمان کا سب سے بڑا وعدہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، جو اس کی سچی اطاعت کرنا ہے۔ اس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ لوگوں کے ساتھ کیے گئے دیگر تمام وعدوں کو بھی برقرار رکھا جانا چاہیے جب تک کہ کسی کے پاس کوئی معقول عذر نہ ہو، خاص طور پر جو والدین بچوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ وعدوں کی خلاف ورزی بچوں کو صرف برے کردار کی تعلیم دیتی ہے اور انہیں یہ ماننے کی ترغیب دیتی ہے کہ دھوکے باز ہونا ایک قابل قبول خصوصیت ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2227 اور پھر بغیر پر وعدہ کرے میں موجود حدیث میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا ہے کہ جو اس کے نام کسی عذر کے اسے توڑ دے وہ اس کے خلاف ہو گا۔ جس کے خلاف اللہ تعالیٰ ہے وہ قیامت کے دن کیسے کامیاب ہو سکتا ہے؟

آخر میں، زیر بحث مرکزی تقریب مسلمانوں کو ضرورت مندوں کی مدد کرنے کی اہمیت سکھاتی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص کسی مسلمان کی تکلیف کو دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی ایک مصیبت کو دور کرے گا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہی سلوک ہوتا ہے جس طرح وہ عمل کرتے ہیں۔ اسلام کی تعلیمات میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر، باب 2 البقرہ، آیت 152:

پس مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا‘‘۔’’

ایک اور مثال جامع ترمذی نمبر 1924 میں موجود حدیث میں مذکور ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو دوسروں پر رحم کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر رحم کیا جائے گا۔

پریشانی وہ چیز ہے جو کسی کو پریشانی اور مشکل میں ڈال دیتی ہے۔ لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کسی دوسرے کے لیے ایسی تکلیف کو آسان کرے خواہ دنیوی ہو یا دینی، وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے سختیوں سے محفوظ رہے گا۔ متعدد احادیث میں مختلف طریقوں سے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2449 میں موجود حدیث میں نصیحت فرمائی کہ جو شخص کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلائے گا اسے قیامت کے دن جنت کے پھل کھلائے جائیں گے۔ اور جو شخص کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو جنت کا پانی پلائے گا۔

چونکہ آخرت کی مشکلات دنیا میں پائی جانے والی مشکلات سے کہیں زیادہ ہیں، اس لیے یہ ثواب ایک مسلمان کے لیے اس وقت تک روک رکھا جاتا ہے جب تک کہ وہ آخرت تک نہ پہنچ جائیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو دنیا کی مصیبتوں سے بڑھ کر قیامت کی سختیوں کی فکر کرنی چاہیے۔ انسان کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ دنیا کی مصیبتیں ہمیشہ عارضی، کم سخت اور آخرت کی مصیبتوں کے مقابلے میں بہت دور رس ہوں گی۔ یہ فہم اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ آخرت کی مشکلات سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں بھرپور کوشش کریں گے۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک مسلمانوں کی مدد کرتا رہے گا جب تک وہ دوسروں کی مدد کرتا رہے گا۔ ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ جب وہ کسی کام

کے لیے کوشش کرتے ہیں یا کسی خاص کام کو مکمل کرنے کے لیے کسی دوسرے کی مدد کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ کامیاب یا ناکامی پر ختم ہو سکتا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی کی مدد کرتا ہے تو اس کا کامیاب نتیجہ یقینی ہے۔ یہ غور کرنا ضروری ہے کہ یہ الہی مدد اس وقت حاصل ہوتی ہے جب کوئی شخص دینی اور حلال دنیاوی دونوں معاملات میں دوسروں کی مدد کرتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں کی مدد کرے، اگر وہ اس اجر کا خواہاں ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ انہیں امید نہیں رکھنی چاہئے، امید نہیں رکھنی چاہئے اور نہ ہی ان سے شکر گزاری کی کوئی علامت پوچھنی چاہئے جس سے وہ مدد کر رہے ہیں۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے مفاد کے لیے تمام اچھے کاموں میں دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کریں تاکہ انہیں دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہو۔

نوبل مرچنٹ

خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا اسلام کے آنے سے پہلے اور اس کے بعد بھی مکہ میں بڑے قد و قامت کی تاجر تھیں۔ وہ دور دراز ممالک میں اپنی طرف سے اپنے سامان کی تجارت کے لیے مردوں کو ملازمت دیتی۔ اعلان نبوت اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی شادی سے پہلے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی، امانت دار طبیعت اور اعلیٰ کردار کے بارے میں سنا۔ اس نے تجویز پیش کی کہ اسے شام میں اس کی طرف سے اپنے سامان کی تجارت کرنی چاہیے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شام میں نہایت اخلاص اور دیانتداری کے ساتھ اس کے سامان کی خرید و فروخت کی اور اس کاروبار سے اس نے خوب منافع کمایا۔ یہ واقعہ امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 1، صفحہ 189-190 میں نقل ہوا ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اسلام زندگی کے تمام پہلوؤں میں اچھے کردار کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ واقعہ تمام کاروباری لین دین میں ایماندار اور مخلص ہونے کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ درحقیقت سنن ابن ماجہ نمبر 2146 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی طور پر ظاہر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ تاجروں کو قیامت کے دن فاسقوں کے طور پر اٹھایا جائے گا سوائے ان لوگوں کے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، نیک عمل کرتے ہیں اور سچ بولتے ہیں۔

اس حدیث کا اطلاق ان تمام لوگوں پر ہوتا ہے جو تجارتی لین دین میں حصہ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، اس کے احکام کو بجا لاتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اس میں اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے ۔ درحقیقت، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ لوگ چاہتے ہیں کہ وہ سلوک کرے۔

کاروباری لین دین کے سلسلے میں، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی بات میں ایماندار ہو اور اس لین دین کی تمام تفصیلات اس میں شامل تمام لوگوں کو بتائے۔ صحیح بخاری نمبر 2079 میں

موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جب مسلمان مالی لین دین میں چیزوں کو چھپاتے ہیں جیسے کہ اپنے سامان میں خرابی تو یہ نعمتوں میں نقصان کا باعث بنتی ہے۔

راستبازی سے کام لینے میں دوسروں کو سامان کی ضرورت سے زیادہ ادائیگی کرکے دھوکہ دینے سے گریز کرنا شامل ہے۔ ایک مسلمان کو صرف دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ وہ ایمانداری اور پورے انکشاف کے ساتھ معنی خیز سلوک کریں۔ جس طرح ایک مسلمان مالی معاملات میں برا سلوک کرنا پسند نہیں کرے گا، اسی طرح وہ دوسروں کے ساتھ برا سلوک نہ کرے۔

نیک عمل کرنے میں اسلام اور زمین کے قانون میں زیر بحث غیر قانونی طریقوں سے بچنا شامل ہے۔ اگر کوئی اپنے ملک کے کاروباری قوانین سے خوش نہیں ہے تو اسے وہاں کاروبار نہیں کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ، نیک عمل کرنے میں یہ بھی شامل ہے کہ کسی کی کاروباری کامیابی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے استعمال کیا جائے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ ان کا کاروبار اور دولت دونوں جہانوں میں ان کے لیے سکون اور سکون کا ذریعہ بن جائے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

لیکن جو لوگ اپنی کاروباری کامیابی کا غلط استعمال کرتے ہیں وہ پائیں گے کہ یہ ان کے تناؤ اور پریشانی کا باعث بنتا ہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو بھول چکے ہیں، جس نے انہیں کامیابی عطا کی تھی۔ باب 20 طٰہٰ، آیت 124:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے"
"قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔

کاروبار کرنے والوں کو ہمیشہ جھوٹ بولنے سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ بے حیائی کی طرف لے جاتا ہے اور فانی جہنم میں لے جاتا ہے۔ درحقیقت ایک شخص جھوٹ بولتا اور اس پر عمل کرتا رہے گا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا درج نہ ہو جائے۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ، زیر بحث اہم واقعہ اچھی خصوصیات کو اپنانے کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کیونکہ یہ اچھے لوگوں اور اچھی چیزوں کو اپنی زندگی میں راغب کرتا ہے، جیسے اچھے کاروبار کے مواقع۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعارف ان کی ہونے والی بیوی سے ہوا، جو بعد میں اپنی اچھی خصوصیات کی وجہ سے لوگوں میں ان کے لیے طاقت اور حوصلہ افزائی کا بے مثال ذریعہ بنیں۔ سچ تو یہ ہے کہ انسان ان کی اپنی خصوصیات کے مطابق لوگوں کو اپنی زندگی میں راغب کرے گا۔ مثبت خصوصیات اچھے لوگوں کو اپنی زندگی میں راغب کرنے کا باعث بنیں گی اور منفی خصوصیات برے لوگوں کو اپنی زندگی میں راغب کرنے کا باعث بنیں گی۔ جب کوئی معاشرے پر غور کرتا ہے تو یہ ظاہر ہوتا ہے، کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اچھے لوگ اکٹھے ہوتے ہیں اور برے لوگ اکٹھے ہوتے ہیں۔ برے لوگ جو اپنی زندگی میں برے خصلتوں کے مالک ہوتے ہیں وہ صرف ان کے لیے تناؤ کا باعث بنتے ہیں، چاہے یہ ان پر واضح نہ ہو۔ لہٰذا جو شخص اپنی زندگی میں اچھے لوگوں کی خواہش رکھتا ہو، جیسا کہ ایک اچھا شریک حیات اور دوست، جو اس کے ذہنی سکون کو بڑھاتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ اچھے خصلتوں کو اپنائے۔

ایک ایماندار زندگی

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 2262 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ ہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے اپنی مبارک زندگی کے ایک موقع پر بھیڑ بکریوں کا چرواہے تھے۔ اور نبوت کا اعلان کرنے سے پہلے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ میں کچھ لوگوں نے چرواہے کے طور پر ملازم رکھا تھا۔

صحیح بخاری نمبر 2072 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ کسی نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر چیز نہیں کھائی۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے لیے سستی کا شکار نہ ہوں۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان حلال کام کرنے سے منہ موڑ لیتے ہیں، سماجی فوائد حاصل کرتے ہیں اور مساجد میں رہتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے، ان کے رزق کے لیے۔ یہ اللہ تعالیٰ پر بالکل بھروسہ نہیں ہے۔ یہ صرف سستی ہے جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہے۔ دولت کمانے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ پر حقیقی توکل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو ان کی جسمانی طاقت جیسے ذرائع فراہم کیے ہیں تاکہ وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق حلال مال حاصل کر سکیں اور پھر یہ بھروسہ رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ان ذرائع سے انہیں حلال مال مہیا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے بنائے ہوئے ذرائع کو استعمال کرنے سے دستبردار ہو جائے کیونکہ اس سے وہ بے کار ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ بے کار چیزوں کو تخلیق نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کسی کو مشتبہ یا ناجائز ذرائع سے مال کمانے سے روکا جائے، جیسا کہ ایک مسلمان کو ان کے رزق پر پختہ یقین رکھنا چاہیے، جس میں دولت بھی شامل ہے، آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے ان کے لیے مختص کی گئی تھی ۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ تقسیم کسی بھی حالت میں نہیں ہو سکتی۔ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ اسے حلال ذرائع سے حاصل کرنے کی کوشش کرے جو کہ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2072 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراہم کردہ ذرائع کو استعمال کرنا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا ایک پہلو ہے، کیونکہ اس نے انہیں اسی مقصد کے لیے پیدا کیا ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے سستی نہیں

کرنی چاہیے جب کہ ان کے پاس اپنی کوششوں سے حلال مال کمانے کے ذرائع ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں فراہم کیے گئے ذرائع ہوں۔

آخر میں، بنیادی حدیث کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا بھی کسی کو اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ دوسروں پر انحصار کرنے سے آزاد ہو جائے، جیسے کہ حکومت یا رشتہ دار۔ اس کے بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراہم کردہ ذرائع کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق استعمال کرنا چاہیے اور اس یقین کے ساتھ کہ ان کا مختص کردہ حلال رزق ان تک پہنچ جائے گا۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ اکیلے اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ، زیر بحث اہم واقعہ مسلمانوں کو یہ بھی سکھاتا ہے کہ وہ ان جائز پیشوں سے باز نہ آئیں جنہیں معاشرہ حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ایک ایماندارانہ زندگی جس کے تحت اپنی ضروریات اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے حلال رزق حاصل کرنے کی کوشش کرنا ایک مسلمان کا فرض ہے اور اس لیے جب تک اس عظیم مقصد کی تکمیل ہو جائے ملازمت کا انتخاب کرتے وقت انہیں معاشرے، سوشل میڈیا، فیشن یا ثقافت کی آراء سے متاثر نہیں ہونا چاہیے۔ اسلام معاشرے کے ہر پہلو میں مساوات کا درس دیتا ہے۔ اس لیے کسی شخص کو اسلام کی نظر میں محض اس کی ملازمت کی وجہ سے اعلیٰ مقام نہیں سمجھا جاتا۔ صرف ایک معیار یہ بیان کرتا ہے کہ اسلام کی نظر میں کس کا مقام بلند ہے، یعنی تقویٰ۔ یعنی جتنا زیادہ انسان اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو ان طریقوں سے استعمال کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں، جیسا کہ قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے، وہ اتنا ہی اعلیٰ مقام کا حامل ہوگا۔ دیگر تمام معیارات کی اس حوالے سے کوئی اہمیت نہیں ہے، جیسے کہ جنس، نسل یا کسی کی نوکری۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

”بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے“۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی حلال روزی کے حصول کے لیے جو وسائل دیے گئے ہیں ان کو استعمال کرنے کے لیے محنت کرے اور لوگوں کی تنقید سے پریشان نہ ہو۔

خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح

اعلانِ نبوت سے پہلے جب خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسنِ کردار کا مشاہدہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شادی کی پیشکش کی۔ اس نے یہ تجویز قبول کر لی کیونکہ وہ خود ایک فیصلہ کن، عظیم، انتہائی قابل احترام اور ذہین خاتون تھیں۔ یہ امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 1، صفحہ 190 میں نقل ہوا ہے۔

یہ واقعہ واضح کرتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے اچھے کردار کی بنیاد پر شریک حیات کا انتخاب کرنا چاہیے۔ صحیح بخاری نمبر 5090 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ چار وجوہات کی بنا پر شادی کی جاتی ہے :مال، نسب، حسن یا تقویٰ۔ انہوں نے تنبیہ کرتے ہوئے نتیجہ اخذ کیا کہ آدمی کو تقویٰ کی خاطر شادی کرنی چاہیے ورنہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس حدیث میں مذکور پہلی تین چیزیں بہت عارضی اور ناقص ہیں۔ وہ کسی کو عارضی خوشی تو دے سکتے ہیں لیکن آخرکار یہ چیزیں ان کے لیے بوجھ بن جاتی ہیں کیونکہ ان کا تعلق مادی دنیا سے ہے نہ کہ اس چیز سے جو حتمی اور مستقل کامیابی عطا کرتی ہے یعنی ایمان۔ یہ سمجھنے کے لیے کہ دولت خوشی نہیں لاتی، صرف امیر اور مشہور کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت، امیر زمین پر سب سے زیادہ غیر مطمئن اور ناخوش لوگ ہیں۔ اپنے نسب کی خاطر کسی سے شادی کرنا بے وقوفی ہے کیونکہ یہ اس بات کی ضمانت نہیں دیتا کہ وہ شخص ایک اچھا شریک حیات بنائے گا۔ درحقیقت، اگر شادی کام نہیں کرتی ہے، تو یہ شادی سے پہلے دونوں خاندانوں کے خاندانی بندھن کو ختم کر دیتی ہے۔ صرف خوبصورتی یعنی محبت کی خاطر شادی کرنا عقلمندی نہیں ہے کیونکہ یہ ایک بے چین جذبہ ہے جو وقت کے ساتھ اور مزاج کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ قیاس محبت میں ڈوب جانے والے کتنے جوڑے ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگے؟

لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی ایسا شریک حیات تلاش کرے جو غریب ہو، کیونکہ یہ ضروری ہے کہ کسی ایسے شخص سے شادی کی جائے جو خاندان کی

مالی مدد کر سکے۔ نہ ہی اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو اپنے شریک حیات کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ یہ صحت مند شادی کا ایک اہم پہلو ہے۔ لیکن اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں کسی کی شادی کی بنیادی یا حتمی وجہ نہیں ہونی چاہئیں۔ ایک مسلمان کو شریک حیات میں جو بنیادی اور حتمی خوبی تلاش کرنی چاہیے وہ تقویٰ ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لاتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز آتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے۔ سادہ لفظوں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اپنی شریک حیات کے ساتھ خوشی اور مشکل دونوں وقتوں میں اچھا سلوک کرے گا۔ دوسری طرف، جو لوگ بے دین ہیں وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ بدسلوکی کریں گے جب بھی وہ پریشان ہوں گے۔ حالیہ برسوں میں مسلمانوں کے درمیان گھریلو تشدد میں اضافے کی یہ ایک اہم وجہ ہے۔ اور جب وہ اپنے شریک حیات سے راضی ہوں گے تب بھی وہ اپنی لاعلمی کی وجہ سے اپنے حقوق ادا کرنے میں ناکام رہیں گے جس کو دور کرنے میں تقویٰ مدد کرتا ہے۔ باب فاطر، آیت 28 35:

"اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں۔"

آخر میں، متقی شخص ہمیشہ دوسروں کے حقوق ادا کرنے کی فکر میں رہتا ہے، جیسے کہ ان کی شریک حیات، پھر وہ لوگوں کے حقوق ادا کرنے کی فکر میں رہتا ہے۔ اس لیے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے سوال کرے گا کہ انہوں نے لوگوں کے حقوق ادا کیے یا نہیں؟ وہ ان سے یہ نہیں پوچھے گا کہ کیا لوگوں نے ان کے حقوق ادا کیے ہیں، جیسا کہ یہ اس وقت کیا جائے گا جب اللہ تعالیٰ دوسروں سے سوال کرتا ہے، نہ کہ جب وہ ان سے سوال کرتا ہے۔ جبکہ ظالم مسلمان صرف اپنے حقوق، حقوق کی پرواہ کرے گا جو اس نے معاشرے، ثقافت، فیشن اور اپنے تخیل سے لیے ہیں اسلام سے نہیں۔ نتیجے کے طور پر، وہ اپنے شریک حیات سے کبھی بھی حقیقی طور پر راضی نہیں ہوں گے، خواہ ان کی شریک حیات اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنے حقوق ادا کرے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام سے لاعلمی اور طلاق کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔

آخر میں، اگر کوئی مسلمان شادی کرنا چاہتا ہے تو اسے سب سے پہلے اس سے متعلق علم حاصل کرنا چاہیے، جیسے کہ اس پر اپنی شریک حیات کے واجب الادا حقوق، جو حقوق اس پر اپنی شریک حیات سے واجب الادا ہیں اور مختلف حالات میں اپنی شریک حیات کے ساتھ صحیح سلوک کرنے کا طریقہ۔ بدقسمتی سے، اس سے لاعلمی بہت سے دلائل اور طلاقوں کا باعث بنتی ہے

کیونکہ لوگ ایسی چیزوں کا مطالبہ کرتے ہیں جن کو پورا کرنے کے لیے ان کا شریک حیات پابند نہیں ہوتا۔ لہٰذا علم، جو تقویٰ کی جڑ ہے، صحت مند اور کامیاب ازدواجی زندگی کی بنیاد ہے۔

خانہ کعبہ کی تعمیر نو

اعلان نبوت سے قبل خانہ کعبہ کو نقصان پہنچا تھا اس لیے اہل مکہ نے اسے دوبارہ تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ مکہ کے غیر مسلموں کے قائدین نے فیصلہ کیا کہ وہ دولت جو اچھے ذرائع سے حاصل کی گئی تھی اسے کعبہ کی تعمیر نو کے لیے استعمال کیا جائے۔ اس پر سیرت ابن ہشام صفحہ 29 میں بحث ہوئی ہے۔

جب حجر اسود کو اس کی جگہ پر اٹھانے کی ضرورت تھی تو وہ ایک سنگین اور ممکنہ طور پر متشدد تنازعہ میں پڑ گئے کہ اسے کس کو رکھنا چاہیے۔ ان سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ وہ پہلے شخص کو خانہ کعبہ کے اطراف میں داخل ہونے کا فیصلہ کرنے دیں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ شخص تھے اور جیسا کہ سب نے آپ کو قابل اعتماد اور قابل اعتماد تسلیم کیا تھا، وہ آپ کی نصیحت قبول کرنے پر خوش ہوئے۔ اس نے تجویز پیش کی کہ حجر اسود کو ایک کپڑے کے بیچ میں رکھا جائے اور اس نے مقامی قبائل کے رہنماؤں کو حکم دیا کہ ہر ایک کو کپڑے کا ایک کونا پکڑیں۔ پھر انہوں نے حجر اسود کو اوپر اٹھایا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجر اسود کو لے کر اس کی جگہ رکھ دی۔ اس واقعہ پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 1، صفحہ 197-198 میں بحث کی گئی ہے۔

اگر مشرکین صرف اچھی چیز کو استعمال کرنے کی اہمیت کو سمجھتے ہیں، تو مسلمانوں کو اس بات کو یقینی بنانے کے لیے اور بھی زیادہ محتاط ہونا چاہیے کہ وہ صرف حلال کی کمائی اور استعمال کریں۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ایک بڑی رکاوٹ حرام مال کمانا اور استعمال کرنا ہے۔ یہ گناہ کبیرہ ہے اور اس سے ہر صورت بچنا چاہیے۔ قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسے عمل کو قبول نہیں کرتا جس کی بنیاد حرام پر ہو۔ مثال کے طور پر جو شخص ناجائز مال کماتا ہے اور پھر اسے حج کے لیے استعمال کرتا ہے اسے معلوم ہوگا کہ اس نے اپنا وقت ضائع کیا اور گناہوں کے علاوہ کچھ حاصل نہیں کیا۔ یہ رویہ اللہ تعالیٰ کے

خوف سے مکمل طور پر متصادم ہے۔ وہ صرف ان لوگوں سے چیزیں قبول کرتا ہے جو اس سے ڈرتے ہیں۔ باب 5 المائدة، آیت 27:

"بے شک اللہ صرف نیک لوگوں سے ہی قبول کرتا ہے]جو اس سے ڈرتے ہیں[..."

صحیح بخاری نمبر 1410 میں موجود ایک حدیث متنبہ کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف حلال مال کو قبول کرتا ہے جو اس کی رضا کے لیے خرچ کیا جائے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 2346 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ فرمائی ہے کہ حرام مال کمانے اور استعمال کرنے والے کی دعا بھی اللہ تعالیٰ نے رد کردی ہے۔

درحقیقت انسان کو اس دنیا میں زندہ رہنے کے لیے تھوڑی سی ضرورت ہوتی ہے۔ صالح پیشواؤں سے یہ بات واضح ہے کہ حرام یا مشتبہ مال سے مکمل طور پر پرہیز کرنا ایک معتدل زندگی گزارنے سے ممکن ہے جو اسراف سے دور ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ صرف اپنی غیر ضروری خواہشات اور خواہشات کی وجہ سے ناجائز دولت کی طرف جھکاؤ ہے۔

اہمیت کی طرف مسلمانوں کو مثبت رویہ اپنانے کی اس کے علاوہ حجر اسود کو رکھنے کا واقعہ اشارہ کرتا ہے جس کے تحت وہ لوگوں کے درمیان جھگڑوں اور اختلافات کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ درحقیقت اس اہم خصوصیت کا تذکرہ قرآن پاک کی سورۃ النساء آیت نمبر 114 میں کیا گیا ہے:

"ان کی زیادہ تر نجی گفتگو میں کوئی بھلائی نہیں سوائے ان لوگوں کے جو خیرات کا حکم دیتے ہیں یا حق بات یا لوگوں کے درمیان صلح کرواتے ہیں اور جو شخص یہ کام اللہ کی رضامندی کے لیے کرے گا تو ہم اسے بہت بڑا اجر دیں گے۔"

لوگوں کے درمیان مفاہمت میں ایک تعمیری ذہنیت کے ساتھ دوسروں کے ساتھ بات چیت کرنا شامل ہے جو لوگوں کو تباہ کن ذہنیت رکھنے کی بجائے مثبت انداز میں اکٹھا کرتا ہے جو معاشرے میں تقسیم کا باعث بنتا ہے۔ اگر کوئی شخص محبت بھرے انداز میں لوگوں کو اکٹھا نہیں کر سکتا تو کم از کم وہ کر سکتا ہے کہ ان کے درمیان تفرقہ پیدا نہ ہو۔ یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کیا جائے تو یہ ایک نیکی کے طور پر درج ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2518 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

درحقیقت سنن ابوداؤد نمبر 4919 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دو مخالف مسلمانوں کے درمیان صلح کرنا نماز اور روزہ سے افضل ہے۔ معاشرے میں پائی جانے والی ہر اچھی چیز اسی پاکیزہ رویے کا نتیجہ تھی جیسے سکول، ہسپتال اور مساجد کی تعمیر۔

لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو اس آیت میں مذکور عظیم اجر تبھی ملے گا جب وہ نہ صرف ان کے جسمانی ہر ایک شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نیک اعمال انجام دیں گے۔ عمل کی بنیاد پر ان کی نیت پر انعام دیا جائے گا ۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود لوگوں سے ان مسلمان کو قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ بے ایمان ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اپنا اجر حاصل کریں جن کے لیے انہوں نے عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ حجر اسود کو رکھنے کا واقعہ لوگوں میں مثبت خصوصیات کو اپنانے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے جس سے معاشرے میں اتحاد پیدا ہوتا ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6541 میں موجود ایک حدیث میں معاشرے کے اندر اتحاد پیدا کرنے کے بعض پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے حسد نہ کرنے کی تلقین کی۔

یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص اس نعمت کو حاصل کرنے کی خواہش کرتا ہے جس کا کوئی دوسرا معنی رکھتا ہے، وہ اس نعمت سے محروم ہونے کی خواہش کرتا ہے۔ اور اس میں اس حقیقت کو ناپسند کرنا شامل ہے کہ مالک کو اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے یہ نعمت دی تھی۔ کچھ صرف یہ چاہتے ہیں کہ یہ ان کے دلوں میں پیدا ہو جائے بغیر ان کے عمل یا تقریر کے ذریعہ۔ اگر وہ اپنے خیالات اور احساسات کو ناپسند کرتے ہیں، تو امید ہے کہ وہ ان کی حسد کے لئے جوابدہ نہیں ہوں گے .بعض اپنے قول و فعل کے ذریعے دوسرے شخص سے نعمت چھیننے کی کوشش کرتے ہیں جو کہ بلا شبہ گناہ ہے۔ بدترین قسم وہ ہے جب کوئی شخص نعمت کو مالک سے دور کرنے کی کوشش کرے خواہ حسد کرنے والے کو نعمت نہ ملے۔

حسد تب ہی جائز ہے جب کوئی شخص اپنے جذبات پر عمل نہیں کرتا، اپنے جذبات کو ناپسند کرتا ہے اور اس کے بدلے اس جیسی نعمت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے بغیر اس کے کہ مالک اس کے پاس موجود نعمت سے محروم ہو۔ اگر چہ یہ قسم گناہ گار نہیں ہے پھر بھی یہ ناپسندیدہ ہے اگر حسد کسی دنیوی نعمت پر ہو اور صرف اس صورت میں قابل تعریف ہے جب اس میں دینی نعمت شامل ہو۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 1896 میں موجود ایک حدیث میں قابل تعریف قسم کی دو مثالیں بیان کی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ جب کوئی شخص اس شخص سے حسد کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے حلال مال حاصل کرتا ہے اور خرچ کرتا ہے۔ دوسرا وہ ہے جب کوئی شخص اس شخص سے حسد کرتا ہے جو اپنی حکمت اور علم کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔

حسد کی بری قسم، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، براہ راست اللہ تعالیٰ کے انتخاب کو چیلنج کرتا ہے۔ حسد کرنے والا ایسا برتاؤ کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کے بجائے کسی اور کو خاص نعمت دے کر غلطی کی ہو۔ اس لیے یہ کبیرہ گناہ ہے۔ درحقیقت جیسا کہ سنن ابوداؤد نمبر 4903 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

ایک غیرت مند مسلمان کو جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ لہٰذا ایک غیرت مند مسلمان کو چاہیے کہ وہ جس شخص سے حسد کرتے ہیں اس کے ساتھ حسن سلوک اور مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس احساس کو اپنے دل سے نکالنے کی کوشش کریں، جیسے کہ ان کی خوبیوں کی تعریف کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا یہاں تک کہ ان کی حسد ان سے محبت بن جائے۔ انہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق جس شخص سے وہ حسد کرتے ہیں اس کے حقوق ادا کرتے رہیں۔ انہیں اسلامی علم سیکھنا اور اس پر عمل کرنا چاہئے تاکہ یہ سمجھ سکیں کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو بہترین چیز عطا کرتا ہے اور اگر انہیں کوئی خاص دنیوی نعمت عطا نہیں کی گئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا نہ ہونا ہی بہتر ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

"لیکن شاید تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

ایک اور چیز جس کی نصیحت شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایک دوسرے سے نفرت نہیں کرنی چاہیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو صرف اسی صورت میں ناپسند کرنا چاہئے جب اللہ تعالیٰ اسے ناپسند کرے۔ اسے سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث میں ایمان کی تکمیل کا ایک پہلو بتایا گیا ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی خواہشات کے مطابق چیزوں یا لوگوں کو ناپسند نہ کرے۔ اگر کوئی اپنی خواہشات کے مطابق دوسرے کو ناپسند کرتا ہے تو اسے کبھی بھی اپنے قول و فعل پر اثر انداز نہیں ہونے دینا چاہیے کیونکہ یہ گناہ ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسرے کے ساتھ اسلام کی تعلیمات کے مطابق احترام اور مہربانی کے ساتھ سلوک کرتے ہوئے احساس کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ دوسرے لوگ بالکل ایسے نہیں جیسے وہ کامل نہیں ہیں۔ اور اگر دوسروں میں کوئی بری خصلت ہے تو وہ بھی بلاشبہ اچھی صفات کے مالک ہوں گے۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرے کہ وہ اپنی بُری خصلتوں کو چھوڑ دیں لیکن ان میں موجود اچھی صفات سے محبت کرتے رہیں۔ ایک مسلمان کو گناہوں کو ناپسند کرنا چاہیے لیکن انسان کو نہیں، جیسا کہ ایک شخص ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کر سکتا ہے۔ انہیں اسلام کی حدود میں گناہوں سے ناپسندیدگی کا اظہار کرنا چاہیے۔ انہیں بری باتوں کے خلاف نرمی سے دوسروں کو نصیحت کرنی چاہیے، کیونکہ سختی اکثر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے سے مزید دور کر دیتی ہے۔

اس موضوع پر ایک اور نکتہ بیان کرنا ضروری ہے۔ ایک مسلمان جو کسی خاص عالم کی پیروی کرتا ہے جو کسی مخصوص عقیدے کی حمایت کرتا ہے اسے متعصب کی طرح کام نہیں کرنا چاہئے اور اپنے عالم کو ہمیشہ حق پر یقین رکھنا چاہئے اس لئے ان لوگوں سے نفرت کرنا چاہئے جو ان کے علماء کی رائے کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ طرز عمل اللہ تعالیٰ کے لیے کسی چیز/کسی کو ناپسند کرنے والا نہیں ہے۔ جب تک علماء کے درمیان جائز اختلاف موجود ہے، کسی خاص عالم کی پیروی کرنے والے مسلمان کو اس کا احترام کرنا چاہئے اور دوسروں کو ناپسند نہیں کرنا چاہئے جو ان کے ماننے والے عالم سے مختلف ہوں۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایک دوسرے سے منہ نہ موڑنا چاہیے۔ اس کا مطلب ہے کہ انہیں دنیاوی مسائل پر دوسرے مسلمانوں سے تعلقات منقطع نہیں کرنے چاہئیں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کی حمایت سے انکار کر دینا چاہیے۔ صحیح بخاری نمبر 6077 میں موجود حدیث کے مطابق کسی مسلمان کے لیے کسی دنیاوی معاملے میں دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ تعلقات منقطع کرنا ناجائز ہے۔ درحقیقت کسی دنیوی مسئلہ میں ایک سال سے زیادہ عرصہ تک تعلقات منقطع کرنے والا دوسرے مسلمان کو قتل کرنے والے کی طرح سمجھا جاتا ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4915 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ دوسروں کے ساتھ تعلقات منقطع کرنا صرف ایمان کے معاملات میں جائز ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کو خلوص دل سے توبہ کرنے کی تلقین جاری رکھنی چاہئے اور صرف اس صورت میں ان کی صحبت سے گریز کرنا چاہئے جب وہ بہتر کے لئے تبدیل کرنے سے انکار کریں۔ جب بھی ان سے ایسا کرنے کی درخواست کی جائے تو انہیں حلال چیزوں پر ان کا ساتھ دینا چاہیے، کیونکہ یہ احسان مندی انہیں اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دے سکتی ہے۔

ایک اور بات جو زیر بحث مرکزی حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ اس حدیث میں دی گئی سابقہ نصیحت پر عمل کریں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسرے مسلمانوں کے تئیں اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کریں، جیسے کہ بھلائی کے کاموں میں دوسروں کی مدد کرنا اور برائیوں سے ڈرانا۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

صحیح بخاری نمبر 1240 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمانوں کے درج ذیل حقوق ادا کرنے چاہئیں :سلام کا جواب دینا، بیماروں کی عیادت کرنا، ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا اور چھینکنے والے کو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کا جواب دینا۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ وہ تمام حقوق سیکھے اور پورا کرے جو دوسرے لوگوں کے، خاص کر دوسرے مسلمانوں کے ان پر ہیں، کیونکہ ہر ایک سے پوچھا جائے گا کہ کیا اس نے قیامت کے دن دوسرے لوگوں کے حقوق ادا کیے؟ کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ سلوک کریں۔

ایک اور بات جو زیر بحث مرکزی حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر ظلم نہیں کرنا چاہیے، اسے چھوڑنا یا نفرت نہیں کرنی چاہیے۔ انسان کے گناہوں سے نفرت ہونی چاہیے لیکن گناہ گار ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ کسی بھی وقت صدق دل سے توبہ کر لے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4884 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے مسلمان کی تذلیل کرے گا اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل کرے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کو ذلت سے بچاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے گا۔

شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں مذکور منفی خصوصیات اس وقت پیدا ہو سکتی ہیں جب کوئی شخص غرور اختیار کر لے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث کے مطابق تکبر اس وقت ہوتا ہے جب انسان دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے۔ مغرور شخص خود کو کامل دیکھتا ہے جبکہ دوسروں کو نامکمل دیکھتا ہے۔ یہ انہیں دوسروں کے حقوق ادا کرنے سے روکتا ہے اور دوسروں کو ناپسند کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اور فخر انسان کو اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ سچائی کو مسترد کر دے جب وہ ان کے سامنے پیش کیا جائے، کیونکہ یہ ان کی طرف سے نہیں آیا اور ان کی خواہشات کے خلاف ہے۔

ایک اور بات جو اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ حقیقی تقویٰ کسی کی ظاہری شکل و صورت میں نہیں ہے جیسا کہ اسلامی لباس پہننا، بلکہ یہ ایک باطنی صفت ہے۔ یہ باطنی خصلت ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ کوئی شخص ان نعمتوں کا استعمال کرے جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں۔ اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 4094 میں موجود ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ جب روحانی قلب پاک ہوتا ہے تو سارا جسم پاک ہوجاتا ہے لیکن جب روحانی قلب فاسد ہوتا ہے تو سارا جسم فاسد ہوجاتا ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہری صورتوں مثلاً مال و دولت کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی نیتوں اور اعمال پر غور کرتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6542 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے باطنی تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرے تاکہ یہ ظاہری طور پر اس طرح ظاہر ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے ساتھ تعامل کرتے ہیں۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے بغض رکھنا گناہ ہے۔ اس نفرت کا اطلاق دنیاوی چیزوں پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر دوسروں کو ناپسند نہیں کرنا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور بغض رکھنا ایمان کی تکمیل کا ایک پہلو ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو ہر حال میں دوسروں کا احترام کرنا چاہیے اور اس شخص سے نفرت کیے بغیر صرف ان کے گناہوں کو ناپسند کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ، ان کی ناپسندیدگی انہیں کبھی بھی اسلام کی تعلیمات کے خلاف کام کرنے پر مجبور نہیں کرے گی، کیونکہ اس سے یہ ثابت ہو گا کہ ان کی نفرت ان کی اپنی خواہشات پر مبنی ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے۔ دنیاوی وجوہات کی بنا پر دوسروں کو حقیر سمجھنے کی اصل وجہ تکبر ہے۔ یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ ایک ایٹم کا فخر کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

اس کے بعد جو اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کی جان، مال اور آبرو سب مقدس ہیں۔ ایک مسلمان کو ان حقوق میں سے کسی کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں اعلان

فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ غیر مسلموں سمیت دیگر لوگوں کو ان کی ضرر رساں باتوں اور افعال سے محفوظ نہ رکھے۔ اور سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کی برائیوں کو دور رکھے۔ ان حقوق کی خلاف ورزی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ ان کا شکار پہلے انہیں معاف نہ کر دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو قیامت کے دن انصاف قائم ہو گا جس کے تحت مظلوم کو ظالم کی نیکیاں ملیں گی اور اگر ضرورت پڑی تو مظلوم کے گناہ مظلوم کو ملیں گے۔ اس سے ظالم کو جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ یہ ایک فرد کے لیے بہت زیادہ برکتوں کا باعث بنے گا اور اس کے معاشرے میں اتحاد پیدا ہوگا۔

آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توقع

اعلانِ نبوت سے قبل یہودیت اور عیسائیت کے علماء، جو بنیادی طور پر مدینہ میں مقیم تھے، سب کے سب آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے منتظر اور منتظر تھے، جیسا کہ ان کی آسمانی صحیفوں میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں“۔

مثلاً یوشا نامی ایک یہودی عالم مدینہ میں رہتا تھا۔ وہ اکثر اعلان کرتے کہ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل عرب کی طرف مبعوث ہونے کا وقت قریب ہے۔ وہ لوگوں کو اس آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی ترغیب دیں گے، اگر وہ اس کے زمانے میں زندہ رہیں اور اس کی دعوت کو دیکھیں۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا تو انہی لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبول کرنے کی تلقین کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبول کر لیا اور مسلمان ہو گئے لیکن یوشع نے خود بغض اور بغض کی وجہ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کو جھٹلایا۔ یہ واقعہ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 1 صفحہ 212 میں درج ہے۔

حسد ایک بڑا گناہ ہے جس سے ہر حال میں بچنا چاہیے۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے کیونکہ حسد کرنے والا براہ راست اللہ تعالیٰ کے انتخاب کو چیلنج کرتا ہے۔ وہ ایسا برتاؤ کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کے بجائے کسی اور کو خاص نعمت عطا کر کے غلطی کی ہو۔ جو شخص اپنی حسد کو زبانی اور جسمانی طور پر اس کے خلاف لڑنے دیتا ہے جس سے وہ حسد کرتے ہیں وہ صرف ان کے اپنے اعمال کو تباہ کر دے گا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4210 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ حلال حسد وہ ہے جب کوئی شخص کسی دوسرے کے لیے اس جیسی نعمت حاصل کرنا چاہے بغیر اس کے کہ وہ اسے عطا کیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ قسم حلال ہے، لیکن یہ صرف دینی معاملات میں قابل تعریف اور دنیوی معاملات میں قابل ملامت ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 1896 میں موجود ایک حدیث میں حلال اور قابل تعریف حسد کی دو صورتیں بتائی ہیں۔ جو شخص اپنے علم کا صحیح استعمال کرتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے اس سے حسد کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے شخص سے حسد وہ ہے جس نے حلال مال حاصل کیا اور اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کیا۔

یہ سمجھ کر حسد سے بچنا چاہیے کہ یہ ایک بڑا گناہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی تقسیم کے انتخاب کو چیلنج کرتا ہے۔ انہیں یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو وہ عطا کرتا ہے جو ان کے لیے بہتر ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

”لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

لہٰذا، دوسروں سے حسد کرنے کے بجائے انہیں ان نعمتوں کو استعمال کرنے پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے مزید برکات اور ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملے گی۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

‘‘...اگر تم شکر گزار رہو گے تو میں تمہارے حق میں ضرور اضافہ کروں گا’’

اور باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

جبکہ دوسروں سے حسد کرنے سے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنا ہی بھول جائے گا جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں مصیبتیں آئیں گی۔ باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

حسد کرنے والے مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے حسد کرنے والے کی زبانی اور جسمانی حرکات پر صبر کرے اور صرف اسلام کی حدود میں اپنا دفاع کرے۔ صبر میں کسی کی بات اور عمل سے شکایت کرنے سے گریز کرنا اور اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو برقرار رکھنا شامل ہے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو ان کو اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح ان کے حسد سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہے۔ باب 113 الفلق، آیات 1 اور 5:

”کہہ دو میں صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں ...اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرتا ہے۔“

اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں ان کے حسد کے منفی اثرات سے محفوظ رکھے گا، خواہ یہ ان پر ظاہر نہ ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنے لامحدود علم اور حکمت کے مطابق کام کرتا ہے نہ کہ لوگوں کی محدود سوچ کے مطابق۔

اس کے علاوہ یہودی اور عیسائی علماء نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رد کر دیا کیونکہ آپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھے، بجائے اس کے کہ وہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد ہوں، ان کی طرح۔ اگر چہ اسلام کو رد کرنے کی یہ ایک احمقانہ وجہ تھی لیکن درحقیقت وہ اس خیال میں تھے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بہت زیادہ عزت کریں گے اور اخوت کی وفاداری کی بنا پر انہیں بنی نوع انسان کا پیشوا مقرر کریں گے۔ ان کے عقیدے کے مطابق یہ قیادت ان کی سماجی حیثیت اور دولت میں اضافہ کرے گی۔ لیکن جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی ان کی صریح نافرمانی پر تعمیری تنقید کی جو کہ مال و دولت اور سماجی رتبے سے ان کی شدید محبت کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی، تو انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کو رد کر دیا۔ اس کے علاوہ چونکہ اہل کتاب خصوصاً یہود حسب و نسب کی محبت میں مبتلا تھے جو کہ ان کے ایمان کا مرکزی پہلو ہے، اس لیے وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تو مان سکتے تھے اور نہ ان کی پیروی کر سکتے تھے، کیونکہ وہ ایک الگ نسب سے تھے۔ انہوں نے کسی ایسے شخص کو قبول کرنے اور اس کی پیروی کرتے ہوئے پایا جو ان کے ذیل میں ان کے نسب میں سے نہیں تھا کیونکہ اس سے وہ برتری ختم ہو جائے گی جو ان کے نسب کی وجہ سے بنی نوع انسان پر ان کا دعویٰ تھا، جو انہوں نے گھڑ لیا تھا۔

لہٰذا ایک مسلمان کو اس نسل پرستانہ رویہ سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ یہ اسلام کی تعلیمات سے بالکل متصادم ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے‘‘۔

اللہ تعالیٰ واضح فرماتا ہے کہ جتنا زیادہ خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے، ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو اس کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ آسمانی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے، وہ اتنا ہی اعلیٰ ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ چونکہ کسی کی نیت اور اس کے بہت سے اعمال پوشیدہ ہوتے ہیں، صرف اللہ تعالیٰ ہی اس بات سے پوری طرح واقف ہے کہ کون سچے دل سے اس کی اطاعت کرتا ہے۔ لہٰذا، کسی کو کبھی بھی یہ تصور نہیں کرنا چاہیے کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں، چاہے وہ اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کے لیے سخت کوشش کریں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سے مسلمانوں نے اہل کتاب کے راستے پر ایسا برتاؤ کیا ہے کہ گویا اسلام ان کی قوم اور نسل سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ مختلف قوموں اور پس منظر سے تعلق رکھنے والے دوسرے مسلمانوں کو یہ سمجھتے ہوئے حقارت سے دیکھتے ہیں کہ وہ ان سے کمتر ہیں۔ اسلام واضح کرتا ہے کہ یہ ایک جاہلانہ رویہ ہے کیونکہ کوئی بھی دنیاوی چیز جو لوگوں کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کرتی، جیسے کہ نسل، جنس یا نسل، اللہ تعالیٰ کی نظر میں ان کی حیثیت پر کوئی اثر نہیں رکھتی۔

اندھی وفاداری۔

یہودیت اور عیسائیت کے بعض علماء اس بات کا کھلے دل سے اعتراف کریں گے کہ ان کے آسمانی صحیفوں میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی جو نشانیاں مذکور ہیں، وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 146:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ان کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں لیکن ان میں سے ایک گروہ حق کو چھپاتا ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں“۔

لیکن بعض نے محض اپنی قوم سے اندھی وفاداری کی بنا پر اس کو اور اسلام کو رد کر دیا جنہوں نے بغض اور دشمنی کی وجہ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سختی سے جھٹلایا۔ مثال کے طور پر عبداللہ بن سوریہ نامی ایک یہودی عالم ایک بار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہجرت کے بعد مدینہ آیا اور اقرار کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین ہیں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نشانیاں اور خصوصیات ان کے آسمانی صحیفوں میں واضح ہیں۔ جب ان سے سوال کیا گیا کہ جب وہ حقیقت جانتے ہیں تو انہوں نے اسلام قبول کیوں نہیں کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ اپنے لوگوں سے اختلاف کرنا پسند نہیں کرتے اور مزید کہا کہ اگر ان کی قوم اسلام قبول کر لیتی تو وہ بھی ایسا ہی کرتے۔ یہ واقعہ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 1 صفحہ 234 میں درج ہے۔

دوسروں کی وفاداری کی وجہ سے اندھا ہو کر ان کی پیروی کرنا انتہائی تنقیدی رویہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو عقل اور ذہانت کے ساتھ پیدا کیا ہے اس لیے چوپایوں کی طرح برتاؤ نہیں کرنا چاہیے۔ دوسرے مذاہب اور طرز زندگی کے برعکس، اسلام لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اپنی عقل اور ذہانت کا استعمال کرتے ہوئے اسلام کی سچائی کا اندازہ لگا سکیں اور اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں سچائی کو پہچانیں۔ باب 12 یوسف، آیت 108:

کہو، "یہ میرا راستہ ہے؛ میں اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ دعوت دیتا ہوں، میں اور وہ لوگ" "...جو میری پیروی کرتے ہیں

اور باب 34 سبا، آیت 46:

کہہ دو میں تمہیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں وہ یہ کہ تم اللہ کے لیے جوڑے اور الگ’’ الگ کھڑے ہو جاؤ اور پھر سوچو، تمہارے ساتھی میں کوئی جنون نہیں ہے، وہ تو تمہیں سخت ‘‘عذاب سے پہلے ڈرانے والا ہے۔

لہٰذا، ایک شخص کو دوسروں کی وفاداری میں اندھی تقلید کرنے سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ یہ ایک مسلمان کے رویے کے خلاف ہے۔ ایک شخص کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھے اور اس پر عمل کرے، خواہ یہ دوسرے لوگوں کی خواہشات کے خلاف کیوں نہ ہو، کیونکہ یہی واحد راستہ ہے جس سے انسان متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کر سکتا ہے۔ اس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ" "زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔

جبکہ معاشرے، سوشل میڈیا، فیشن اور کلچر کی اندھی تقلید انسان کو ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کی ترغیب دیتی ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں، جو انسان کو متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرنے سے روکتی ہے۔ یہ کسی کو ذہنی سکون حاصل کرنے سے روکے گا، چاہے وہ تفریحی لمحات کا تجربہ کرے۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

:اور باب 20 طہٰ، آیات 124-126

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اس کے علاوہ، جیسا کہ لوگوں کو خوش کرنا مشکل ہوتا ہے اور اکثر ناشکرے ہوتے ہیں، اس لیے جو شخص ان کی وفاداری کے لیے اندھا ہو کر دوسروں کی پیروی کرتا ہے، وہ نہ ان کی خوشنودی حاصل کرے گا اور نہ ہی ان سے کوئی قدردانی حاصل کرے گا۔ یہ صرف تلخ ہونے کا سبب بنے گا، جس کے نتیجے میں وہ ذہنی سکون کو اپنانے سے روکتا ہے۔ جبکہ جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے وہ اسے آسانی سے حاصل کر لیتا ہے، کیونکہ وہ بہت کچھ نہیں مانگتا اور جو کچھ بھی وہ لوگوں سے مانگتا ہے وہ ان کو فائدہ پہنچاتا ہے اور بالآخر ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔ اس کے علاوہ، اللہ تعالیٰ اس شخص کو لوگوں کے ان کے بارے میں منفی رویہ سے بھی محفوظ رکھے گا، خواہ یہ تحفظ ان پر ظاہر نہ ہو۔

اعلیٰ صفات

یہودیت اور عیسائیت کے بعض علماء اس بات کا کھلے دل سے اعتراف کریں گے کہ ان کے آسمانی صحیفوں میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی جو نشانیاں مذکور ہیں، وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 146:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ان کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں لیکن ان میں سے ایک گروہ حق کو چھپاتا ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں“۔

لیکن بعض نے محض اپنی قوم سے اندھی وفاداری کی بنا پر اس کو اور اسلام کو رد کر دیا جنہوں نے بغض اور دشمنی کی وجہ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سختی سے جھٹلایا۔

تورات میں مذکور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض صفات اور خصوصیات جن کو اہل کتاب کے علما نے چھپایا ہے، صحیح بخاری نمبر 2125 میں موجود ایک حدیث میں زیر بحث آئی ہے، اس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنی نوع انسان کی طرف جنگی اور جنگجوی کے طور پر بھیجا گیا تھا۔

جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں پر گواہ ہیں، اس کا مطلب ہے کہ وہ یا تو ان کے حق میں گواہی دیں گے یا قیامت کے دن ان کے خلاف۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلمان اکثر اسلامی تعلیمات کا تذکرہ کرتے ہیں جس میں یہ بحث ہوتی ہے کہ یہ قیامت کے دن مسلمانوں کی شفاعت کیسے کرے گی لیکن اکثر اس حقیقت کا ذکر کرنے میں ناکام رہتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے خلاف بھی گواہی دے گا۔ باب 25 الفرقان، آیت 30:

"اور رسول نے کہا اے میرے رب، میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا ہے۔"

اس سے مراد مسلمان ہیں کیونکہ کوئی بھی قرآن پاک کو قبول کرنے کے بعد ہی چھوڑ سکتا ہے۔ جیسا کہ قیامت کے دن کسی شخص کے خلاف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گواہی ایک سنگین معاملہ ہے، لہٰذا قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کو سیکھ کر اس پر عمل کرتے ہوئے اس نتیجہ سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کا صحیح استعمال کریں جو انہیں عطا کی گئی ہیں۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرتا ہے وہ قیامت کے دن ان کی طرف سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے گواہی حاصل کرنے کے لائق ہے۔ جبکہ سست شخص جو سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوتاہی کرتا ہے، اسے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ قیامت کے دن ان کے خلاف گواہی دے گا۔

اس کے علاوہ، جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو بشارت اور تنبیہ فرماتے ہیں۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ بشارت اور تنبیہ دونوں ہی فائدہ مند ہوں گے جو ان پر عمل کرتا ہے۔ جو شخص اپنے ڈاکٹر کی طرف سے دی گئی انتباہات اور نصیحتوں پر عمل کرنے میں ناکام رہے گا اس کی ذہنی اور جسمانی صحت خراب ہو جائے گی اور اسی طرح وہ شخص جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دی گئی نصیحتوں اور تنبیہات کو نظر انداز کرے گا۔

اس کے بعد زیر بحث مرکزی حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان پڑھوں پر نگہبان بنا کر بھیجا گیا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشن کا آغاز جزیرہ نمائے عرب سے ہوا اور اس وقت عرب عربی بولنے میں ماہر تھے لیکن اکثر صورتوں میں وہ پڑھ لکھ نہیں سکتے تھے اور نہ ہی اس وقت کے دیگر معاشروں کی طرح دنیاوی معاملات میں تعلیم یافتہ تھے۔ باب 62 الجمعہ، آیت 2:

‘‘...وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول بھیجا’’

ایک اہم بات یہ ہے کہ قرآن مجید کے ابتدائی سامعین ان پڑھ لوگ تھے، علماء نہیں تھے۔ لہٰذا کسی شخص کو یہ یقین کرنے میں دھوکہ نہیں دینا چاہیے کہ قرآن پاک کی تعلیمات کو سمجھنے کے لیے اس کا مطالعہ کرنا صرف اہل علم کے لیے ہے۔ یہ ایک گمراہ کن رویہ ہے جو پچھلی قوموں نے عام لوگوں کو قابو کرنے کے لیے اپنایا تھا۔ اسلام لوگوں کو اسلام کی تعلیمات کو اپنے لیے سیکھنے کی تلقین کرتا ہے تاکہ وہ دوسروں کی اندھی تقلید کرنے کے بجائے اس کی سچائی کو پہچانیں اور بصیرت کے ساتھ اس پر عمل کریں۔ باب 12 یوسف، آیت 108:

کہو، "یہ میرا راستہ ہے؛ میں اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ دعوت دیتا ہوں، میں اور وہ لوگ جو میری پیروی کرتے ہیں..."

اور باب 34 سبا، آیت 46:

’’کہہ دو میں تمہیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں وہ یہ کہ تم اللہ کے لیے جوڑے اور الگ الگ کھڑے ہو جاؤ اور پھر سوچو، تمہارے ساتھی میں کوئی جنون نہیں ہے، وہ تو تمہیں سخت عذاب سے پہلے ڈرانے والا ہے۔‘‘

اس لیے اندھی تقلید سے بچنا چاہیے اور اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ ان کا ایمان مضبوط ہو، جس کے نتیجے میں وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہیں۔ اس میں اسلامی تعلیمات کے مطابق ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا شامل ہے۔ یہ بدلے میں ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کی طرف جاتا ہے اور بالآخر ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔ جبکہ جو شخص اسلامی تعلیمات سے غافل رہے گا وہ کمزور ایمان اختیار کرے گا، جو اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے سے روکے گا، خصوصاً مشکل کے وقت۔ یہ انہیں ذہنی سکون حاصل کرنے سے روک دے گا۔ یہی ایک بڑی وجہ ہے کہ بہت سے مسلمان جو اسلام کے بنیادی اور کم سے کم فرائض کو پورا کرتے ہیں وہ ذہنی سکون حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں کیونکہ

وہ اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت کی وجہ سے ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے سے ناواقف ہیں۔

اس کے بعد زیر بحث مرکزی حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کے بندے، اس کے رسول اور اس کے رسول سے تعبیر کیا گیا ہے۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ انسان جس بلند ترین مقام پر پہنچ سکتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا مخلص بندہ۔ اگر اس سے بڑا کوئی درجہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع فرماتے۔ اس کی طرف بہت سی احادیث میں اشارہ کیا گیا ہے، جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 851 میں موجود ہے، جہاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی رسالت کا اعلان کرنے سے پہلے اپنے آپ کو اللہ کا بندہ کہا ہے۔ یہ تمام مسلمانوں کے لیے ایک واضح سبق ہے کہ اگر وہ آخری کامیابی اور دونوں جہانوں میں اعلیٰ مقام چاہتے ہیں تو انہیں اللہ تعالیٰ کے سچے بندے بننا چاہیے۔ یہ اللہ کے سب سے بڑے بندے، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ بندگی کا حصول کسی اور طریقے سے ممکن نہیں۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

اس کے بعد زیر بحث مرکزی حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک لقب دیا گیا ہے جس کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ کرنے والا۔

اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جو وسائل انسان کو عطا کیے گئے ہیں، مثلاً جسمانی طاقت، دینی اور دنیاوی دونوں معاملات میں صحیح طریقے سے استعمال کرنا، جیسے روزی کمانا

اور پھر یہ بھروسہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ بھی ان کے لیے چنتا ہے وہ ان کے لیے بہترین ہے، چاہے وہ اس کے انتخاب کے پیچھے موجود حکمتوں کو نہ سمجھیں۔ مثال کے طور پر بیمار کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ وسائل مثلاً دوائی کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق استعمال کرے اور پھر اس بات پر بھروسہ کرے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے جو کچھ بھی چنتا ہے، خواہ وہ بیماری سے شفایاب ہو یا نہ ہو، وہ ان کے لیے بہترین ہے، چاہے وہ اس کے انتخاب کے پیچھے موجود حکمتوں کو نہ سمجھے۔ اللہ تعالیٰ کے فراہم کردہ وسائل کو ترک کرنا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کی شرط نہیں ہے ۔ اور نہ ہی کسی کو اپنے وسائل پر حد سے زیادہ انحصار کرنا چاہیے اور اس کے بجائے ایک توازن برقرار رکھنا چاہیے جس کے تحت وہ ان وسائل کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق استعمال کریں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں کہ وہ ہر حال میں ان کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرے گا۔

اس کے بعد زیر بحث مرکزی حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ تو بدتمیز ہیں، نہ سخت ہیں اور نہ ہی بازاروں میں شور مچانے والے۔ اور جو لوگ اس کے ساتھ برائی کرتے ہیں ان کے ساتھ وہ برائی نہیں کرتا بلکہ ان کے ساتھ درگزر اور مہربانی سے پیش آتا ہے۔

یہ تفصیل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ، اہل ایمان کی والدہ عائشہ بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے دی گئی تفصیل سے ملتی ہے، جس کا ذکر جامع ترمذی نمبر 2016 میں موجود ایک حدیث میں ہے۔ اس نے کبھی برائی کا جواب برائی سے نہیں دیا بلکہ دوسروں کے عیبوں کو معاف اور نظر انداز کیا۔

سب سے پہلے تو تمام مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ان پر یہ فرض ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کو اپنائیں ۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

اور باب 33 الاحزاب، آیت 21:

’’یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہے۔‘‘

امام بخاری رحمہ اللہ کی ادب المفرد نمبر 464 میں موجود حدیث کے مطابق مسلمان کو کبھی بھی فحش حرکت یا بات نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ بات اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ اور جیسا کہ جامع ترمذی نمبر 2003 میں موجود حدیث کے مطابق قیامت کے ترازو میں حسن اخلاق سب سے بھاری چیز ہو گی، اس لیے قیامت تک پہنچنے والے کے برے انجام کی پیشین گوئی ایک فحش آدمی کی حیثیت سے کی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ جو شخص فحش کلامی کرتا ہے اس کے جہنم میں داخل ہونے کا زیادہ امکان ہوتا ہے کیونکہ قیامت کے دن جہنم میں جانے کے لیے صرف ایک ہی فحش کلام کی ضرورت ہوتی ہے۔ جامع ترمذی نمبر 2314 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ سادہ لفظوں میں سچا ایمان اور فحاشی کبھی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتی۔

ایک مسلمان کو اونچی آواز میں نہیں بولنا چاہئے کیونکہ اس سے دوسروں کی عزت میں کمی واقع ہوتی ہے، خاص کر رشتہ دار۔ اونچی آواز والے اکثر جارحانہ انداز میں آتے ہیں اور دوسروں کو آسانی سے خوفزدہ کر سکتے ہیں جو ایک سچے مسلمان کے رویے سے متصادم ہے۔ ایک مسلمان کو دوسروں کے ساتھ بات چیت کرتے وقت نرم اور مہربان ہونا چاہیے کیونکہ یہ اسلام کی حقیقی اور پرامن فطرت کو ظاہر کرتا ہے۔ باب 31 لقمان، آیت 19:

’’اور اپنی آواز کو پست رکھو، بے شک آوازوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ آواز گدھوں کی ہے۔‘‘

آخر میں، ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ غلطیاں کرنے کے پابند ہیں۔ جس طرح کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ دوسروں سے درگزر کرے اور معاف کرے۔ سیدھے الفاظ میں، ایک دوسرے کے ساتھ کیسا سلوک کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کیسا سلوک کرے گا۔ دوسروں کو معاف نہ کرنا پھر بھی اللہ تعالیٰ سے معافی کی امید رکھنا حماقت ہے۔ باب 24 النور، آیت 22:

‘‘اور وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا آپ پسند نہیں کریں گے کہ اللہ آپ کو معاف کر دے؟’’

اس کے بعد زیر بحث مرکزی حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک موت نہیں آنے دے گا جب تک کہ وہ ٹیڑھے لوگوں کو سیدھا نہ کر دیں اور انہیں اس ایمان کی گواہی قبول کرنے پر مجبور کر دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت کا حق نہیں۔ ایمان کی گواہی سے اندھی آنکھیں، بہرے کان اور ڈھکے ہوئے دل کھل جائیں گے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سی احادیث ہیں جو بنی نوع انسان کو نصیحت کرتی ہیں کہ جو شخص گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور آخری رسول ہیں، وہ جہنم کی آگ سے محفوظ رہے گا۔ ایسی ہی ایک مثال صحیح بخاری نمبر 128 میں موجود ہے۔

ان احادیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص اس گواہی پر ایمان لاتے ہوئے مرے گا وہ یا تو جنت میں جائے گا اور جہنم سے بچ جائے گا یا وہ اپنے گناہوں کی حد تک جہنم میں داخل ہوں گے اور پھر آخرکار جنت میں داخل ہو جائیں گے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ صحیح بخاری نمبر 7510 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ جو لوگ جہنم میں داخل ہوئے بغیر جنت میں داخل ہونے کی خواہش رکھتے ہیں انہیں نہ صرف زبانی طور پر اسلام پر ایمان کا اعلان کرنا چاہیے بلکہ اس کی شرائط اور فرائض کو بھی پورا کرنا چاہیے۔ ایمان کی گواہی بلاشبہ جنت کی کنجی ہے لیکن ایک مخصوص دروازے کو کھولنے کے لیے چابی کو دانتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جنت کی کنجی کے دانت اس کے فرائض اور فرائض ہیں۔ ان کے بغیر معنی، دانتوں کے بغیر چابی، جنت کا دروازہ نہیں کھولے گی۔ یہ بات بہت سی احادیث سے ثابت ہے جو کہ جنت میں داخل ہونے کے لیے اسلام کی شرائط اور فرائض کو پورا کرنے کا تقاضا کرتی ہے۔ مثال کے طور پر صحیح بخاری نمبر 1397 میں موجود ایک حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ گواہی کی تائید اسلام کے ستونوں کی شکل میں ہونے والے اعمال سے ہونی چاہیے، جیسے کہ فرض نماز۔

گواہی کا پہلا حصہ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، یعنی اللہ تعالیٰ ہی واحد ہے جس کی اطاعت لازم ہے اور کبھی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔ جب کوئی اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود تسلیم کرتا ہے تو اسے کسی ایسی چیز کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے جو اس کی نافرمانی کا باعث بنتی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ان کا مالک ہے اور وہ صرف اس کے بندے ہیں۔ لیکن جس لمحے کوئی ایسی بات مانتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا باعث بنتی ہے تو انہوں نے اس کی وحدانیت پر اپنے اعتقاد کو خراب کر دیا جس کی طرف باب 45 الجثیہ آیت 23 میں اشارہ کیا گیا ہے:

''کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا ہے؟''

قرآن کریم نے مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے کہ جو کوئی گناہ کرتا ہے وہ درحقیقت شیطان کی عبادت کرتا ہے جیسا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر اس کی اطاعت کی ہے۔ باب 36 یاسین، آیت 60:

''اے بنی آدم کیا میں نے تم کو یہ وصیت نہیں کی تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرو کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

وہ مسلمان جو اپنی خواہشات، دوسروں کی خواہشات اور شیطان کے احکام کو ٹھکرا کر صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں، انہوں نے واقعی اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود بنا لیا ہے۔ ان مسلمانوں کو دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی حفاظت عطا کی گئی ہے۔ ان مسلمانوں نے عملی طور پر اسلام کی گواہی کو عملی جامہ پہنایا ہے کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق مخلصانہ عمل کے ساتھ اپنے زبانی اور باطنی دعوے کی تائید کی۔ جب کوئی اپنی روایات کے مطابق عمل کرتا ہے تو اس نے گواہی کے دوسرے پہلو کو پورا کیا ہے، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور آخری رسول ہیں۔ یہ وہ مسلمان ہیں جن کا ذکر صحیح بخاری نمبر 128 میں موجود حدیث میں ہے۔ اس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جہنم کی آگ سے بچائے گا۔

جو شخص زبان سے اسلام کا اعلان کرتا ہے اور باطنی طور پر اسے قبول کرتا ہے وہ بلاشبہ مسلمان ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ان کا سچا ایمان ان کے گناہوں کے حساب سے کم ہو جاتا ہے۔

گواہی پر صحیح معنوں میں عمل کرنے کا ایک پہلو اللہ تعالیٰ سے مخلصانہ محبت کرنا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص ان چیزوں سے محبت کرتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اور اس سے نفرت کرتا ہے جس سے وہ نفرت کرتا ہے۔ جیسا کہ یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت تھی، سنن ابن ماجہ نمبر 2333 میں موجود ایک حدیث کے مطابق مسلمانوں کو آپ کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ باب علی عمران، آیت 31 3:

”کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا“۔

اسلامی تعلیمات سے یہ بات واضح ہے کہ جس چیز سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اسے ناپسند کرتا ہے اور جس چیز سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اسے ناپسند کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ انسان اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اوپر ان کی اطاعت کرتا ہے۔ یہ رویہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین کو کم کر دیتا ہے۔ درج ذیل آیت سے واضح ہوتا ہے کہ اس ذہنیت کو اختیار کرنا اسلام کی گواہی کے حقیقی عقیدہ سے انحراف ہے۔ باب 9 توبہ آیت 24:

"کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارے رشتہ دار، وہ مال جو تم نے کمایا ہو، تجارت جس کے زوال کا تمہیں ڈر ہو، اور وہ مکانات جن سے تم خوش ہو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہو، تو انتظار کرو جب تک کہ اللہ اپنا حکم صادر نہ کرے۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے، اپنی خواہشات کے مطابق اس کی عبادت کنارے پر کرتا ہے۔ جو یعنی جب ان پر آسانی ہوتی ہے تو وہ راضی ہو جاتے ہیں لیکن جب ان پر مشکلات آتی ہیں تو غصے میں اس کی اطاعت سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ باب 22 الحج، آیت 11:

"اور لوگوں میں سے کوئی وہ ہے جو اللہ کی عبادت کنارے پر کرتا ہے، اگر اسے کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو اسے تسلی ملتی ہے، اور اگر اسے کوئی آزمائش آتی ہے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے، اس نے دنیا اور آخرت کو کھو دیا، یہی صریح نقصان ہے۔"

صحیح بخاری نمبر 6502 میں موجود ایک حدیث مسلمانوں کو بتاتی ہے کہ ایمان کی گواہی پر صحیح طریقے سے کیسے ایمان لایا جائے اور اس پر عمل کیا جائے جو کہ اگلے جہان میں جہنم کی آگ سے نقصان پہنچنے سے بچ جائے۔ یہ سب سے پہلے فرض کے فرائض کو ان کی تمام شرائط اور آداب کو پورا کرتے ہوئے صحیح طریقے سے ادا کرنا ہے۔ پھر اس میں رضاکارانہ طور پر اعمال صالحہ کا اضافہ کرنا چاہیے، جن میں سے سب سے افضل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت شدہ روایات ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا باعث بنتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ان کے جسم کے ہر عضو کو طاقت بخشتا ہے تاکہ وہ صرف اس کی اطاعت کریں۔ یہ سچی اور مخلصانہ

اطاعت ایمان کی شہادت کی تکمیل ہے۔ یہ وہ دل ہے جس میں صرف اللہ تعالیٰ کی محبت ہے اور دنیاوی خواہشات اور مادی دنیا کی محبت سے پاک ہے۔ باب 26 اشعرا، آیات 88-89:

"جس دن مال و اولاد کسی کے کام نہیں آئے گی، مگر وہ جو اللہ کے پاس سچے دل کے ساتھ آئے۔"

غور طلب ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمان گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان سے سچے دل سے توبہ کرتے ہیں جب بھی وہ کم ہی کرتے ہیں۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسلام کی شہادت کو نہ صرف داخلی اور زبانی طور پر بیان کریں بلکہ اپنے عمل میں بھی اس کا اظہار کریں کیونکہ یہی دنیا میں حقیقی کامیابی اور آخرت میں عذاب سے مکمل طور پر بچنے کا واحد راستہ ہے۔

غار حرا میں تنہائی

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کا پہلا اشارہ سچے خوابوں کی صورت میں آیا۔ اس نے دیکھا ہر خواب پورا ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر تنہائی کا شوق پیدا کیا۔ وہ مکہ کے قریب غار حرا میں اکیلے وقت گزارتا، جہاں وہ عقیدت کے ذریعے مذہبی تزکیہ حاصل کرتا۔ یہ صحیح مسلم نمبر 403 میں موجود حدیث میں درج ہے۔

بعض علماء کی طرف سے یہ تجویز کیا گیا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ پر پہلی وحی نازل ہونے سے پہلے جو مذہبی عقیدت اس وقت کی تھی، وہ ان کی عکاسی تھی۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر یہ عکاسی اسلام کی حقانیت کو پہچاننے کا ایک طاقتور طریقہ ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 119:

اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے بارے میں سوچو، "اے ہمارے رب، تو نے اسے بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ تو بلند ہے]ایسی چیز سے اوپر[۔ تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔"

جو شخص آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر کھلے ذہن کے ساتھ غور و فکر کرے گا وہ بلاشبہ ایک اللہ، اللہ تعالیٰ کی ہستی اور قیامت کے آنے کا نتیجہ اخذ کرے گا۔ اگر ایک عمارت کسی بلڈر کے بغیر صحیح طور پر نہیں بن سکتی تو آسمانوں اور زمین کے اندر کامل نظام خالق کے بغیر کیسے پیدا ہو سکتے ہیں؟ جیسے سورج سے زمین کا کامل فاصلہ، سمندروں کی کامل کثافت، جو سمندر کی زندگی کو اپنے اندر پھلنے پھولنے دیتی ہے جب کہ ان کے اوپر بڑے بڑے بحری جہاز چلتے ہیں، زمین کی کامل ترکیب جس سے کمزور پودے اس سے اگتے ہیں جبکہ اس پر بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کی جاسکتی ہیں اور پانی کے چکر کا کامل نظام جو مخلوق کو خالص اور صاف پانی فراہم کرتا ہے۔ بے ترتیب کوئی چیز کبھی بھی اتنے کامل نظاموں کی طرف نہیں لے جا سکتی۔ اگر وہ ایک سے زیادہ خدا تھے، تو ہر خدا کچھ مختلف چاہتا ہے، جو مخلوق کے لئے افراتفری کا باعث بنتا ہے .باب 21 الانبیاء، آیت 22:

‘‘اگر ان کے اندر اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو وہ دونوں برباد ہو جاتے۔’’

جیسا کہ ظاہری طور پر ایسا نہیں ہے، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ صرف ایک ہی خدا ہو سکتا ہے، اللہ، بلند۔ آسمانوں اور زمین کے اندر جو کامل نظام پائے جاتے ہیں، جن میں سے کچھ کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے، سب بالکل متوازن ہیں تاکہ مخلوق ان سے فائدہ اٹھائے۔ تخلیق کے اندر اب تک جو سب سے بڑی چیز غیر متوازن رہی ہے وہ لوگوں کے اعمال ہیں۔ نیکی کرنے والے کو اس کا پورا بدلہ اس دنیا میں نہیں ملتا اور نہ برائی کرنے والے کو اس کی پوری سزا ملتی ہے۔ یہ قبول کرنا غیر منطقی ہے کہ جس نے کائنات کے اندر بے شمار متوازن نظام بنائے ہیں وہ لوگوں کے اعمال کو غیر متوازن چھوڑ دے گا۔ لہٰذا، ایک دن ضرور آنا ہے جب بنی نوع انسان کے اعمال متوازن ہوں گے، یعنی قیامت کا دن۔ اس کے علاوہ، حقیقت یہ ہے کہ قیامت کے بغیر، اس دنیا کی زندگی بے معنی ہے کیونکہ اس میں ہر چیز نامکمل ہے اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کسی کو جو کچھ بھی حاصل ہو وہ آخرکار وقت کے گزرنے یا موت کے ذریعے اس سے الگ ہو جائے گا۔ اس لیے اس دنیا میں وجود قیامت اور آخرت کے بغیر بے معنی اور بے معنی ہو گا کیونکہ کسی کے پاس کوئی اعلیٰ، کامل اور مستقل مقصد نہیں ہو گا۔

اس کے علاوہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تنہائی اختیار کی ہے، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنی غیر ضروری اجتماعیت کو بھی کم کرنا چاہیے تاکہ وہ زیادہ اہم امور پر توجہ مرکوز کر سکیں۔

جامع ترمذی نمبر 2406 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجات حاصل کرنے کا طریقہ بتایا۔ ان چیزوں میں سے ایک یہ ہے کہ انسان بلا ضرورت گھر سے نہ نکلے۔ اس طرز عمل سے وقت ضائع ہوتا ہے اور زبانی اور جسمانی دونوں گناہ ہوتے ہیں۔ اگر کوئی سچے دل سے غور کرے تو وہ سمجھے گا کہ ان کے زیادہ تر گناہوں اور مسائل کا سامنا دوسروں کے ساتھ غیر ضروری طور پر میل جول کی وجہ سے ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ ہمیشہ دوسروں کی غلطی تھی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی غیر ضروری طور پر اپنا گھر چھوڑنے سے گریز کرے تو وہ کم گناہ کرے گا اور کم پریشانیوں اور مشکلات کا سامنا کرے گا۔ اس سے ان کا مفید علم سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کا وقت بھی نکل جائے گا، جیسا کہ اسلامی علم، جو کسی کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں فائدہ مند ہے۔ اجتماعیت غیر ضروری طور

پر وقت کی انوکھی نعمت کو ضائع کر دیتی ہے، جو گزر جانے کے بعد واپس نہیں آتی۔ جن لوگوں نے فضول اور گناہ کے کاموں میں اپنا وقت ضائع کیا انہیں اس دنیا میں تناؤ اور قیامت کے دن بڑے پشیمانی کا سامنا کرنا پڑے گا، خاص طور پر جب وہ اپنے وقت کا صحیح استعمال کرنے والوں کے اجر کا مشاہدہ کریں گے۔ اس کے علاوہ، غیر ضروری طور پر اجتماعیت بھی انسان کو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے تئیں اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کی ادائیگی سے روکتی ہے۔ یہ خود کی عکاسی کے اہم کام سے بھی روکتا ہے۔ اس کی ضرورت اس بات کو یقینی بنانے کے لیے ہے کہ کوئی شخص زندگی میں صحیح سمت میں جا رہا ہے اور آیا وہ اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کو پورا کر رہا ہے یا نہیں۔ خود غور و فکر کی کمی ایک بے مقصد زندگی کی طرف لے جاتی ہے جس کے تحت انسان کو اپنی دنیوی یا مذہبی زندگی میں کوئی ٹھوس سمت نہیں ہوتی۔ ضرورت سے زیادہ سماجی ہونا بھی انسان کو لوگوں سے وابستہ ہونے اور ان سے منسلک ہونے کی ترغیب دیتا ہے، اور یہ ہمیشہ جذباتی، ذہنی اور سماجی مسائل کا باعث بنتا ہے، کیونکہ کسی کی پوری زندگی، ان کی خوشی اور غم، سب کچھ لوگوں اور ان کے رشتوں کے گرد گھومتا ہے۔ ان تمام منفی اثرات سے ان تمام منفی اثرات سے بچایا جا سکتا ہے جب یہ ضروری ہو تو صرف سوشلائز کر کے۔

اس کے علاوہ، ضرورت سے زیادہ سماجی کاری کسی کو اپنی زندگی میں مختلف مسائل سے صحیح طریقے سے نمٹنے سے روکتی ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کا خوف رکھنے والے چند باشعور لوگوں سے مشورہ لینا اچھا ہے، کیونکہ دوسرے لوگ کسی دوسرے کو درپیش کسی مسئلے کی پوری طرح تعریف نہیں کر سکتے، لیکن اس مسئلے کا سامنا کرنے والے کو لوگوں سے وقت نکالنا چاہیے تاکہ وہ اپنے مسئلے پر غور و فکر کریں اور مختلف مثبت اور منفی نتائج کو تول سکیں تاکہ وہ واضح ذہن کے ساتھ بہترین فیصلہ کر سکیں۔ زیادہ سماجی کرنا اس عمل کو روکتا ہے اور اکثر غلط فیصلے کرنے میں جلدی کرنے کا سبب بنتا ہے، جس سے ان کے تناؤ اور پچھتاوے میں اضافہ ہوتا ہے۔

ختم نبوت کا مشن شروع

پہلی وحی

اخلاص اور علم

صحیح مسلم کی ایک حدیث نمبر 403 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہونے کا ذکر ہے۔ جب آپ غار حرا میں تھے تو فرشتہ جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور پہلا کلمہ نازل کیا یعنی "پڑھو"۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ میں ان پڑھ ہوں۔ جب یہ تبادلہ چند بار ہوا تو فرشتہ جبرائیل علیہ السلام نے پھر آپ کو باب 96 العلق کی پہلی پانچ آیات پڑھ کر سنائیں:

"پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، انسان کو چپکے ہوئے مادے سے پیدا کیا، پڑھو، تمہارا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم سے سکھایا، انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔"

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان پڑھ ہونا ضروری تھا کیونکہ اگر وہ علم اور تعلیم دوسرے لفظوں میں یافتہ ہوتے تو ان پر سابقہ آسمانی صحیفوں سے سرقہ کرنے کا الزام لگایا جاتا۔ یہ حقیقت کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پڑھ ہونے کے باوجود سچے تاریخی واقعات اور نفع بخش اسباق پڑھ رہے تھے اور سابقہ آسمانی صحیفوں کا مطالعہ نہیں کیا تھا، جنہیں مکہ کے غیر مسلم بخوبی جانتے تھے، آپ کی نبوت کی واضح نشانی تھی۔

اس کے علاوہ، پہلی آیت جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی، اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عمل اور بولنا چاہیے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ اس کی طرف سے دیے گئے تمام فرائض کو احکام و ممنوعات کی صورت میں ادا کرنا، صرف اس کی رضا کے لیے۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ سب ان کی نیت سے پرکھیں گے۔ پس اگر کوئی نیک عمل کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلص نہ ہو تو اسے نہ دنیا میں اجر ملے گا اور نہ آخرت میں۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جن لوگوں نے گستاخیاں کیں ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اجر طلب کریں جن کے لیے انہوں نے عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ باب 98 البیینہ، آیت 5۔

"اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس کے لیے خالص ہو کر۔"

اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے تو یہ اخلاص کی کمی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ صدق دل سے توبہ کریں اور ان سب کو پورا کرنے کے لیے جدوجہد کریں۔ یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر کبھی بھی ایسے فرائض کا بوجھ نہیں ڈالتا جو وہ انجام نہیں دے سکتا اور نہ ہی نبھا سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286۔

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

اللہ تعالیٰ کے لیے مخلص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ اپنی اور دوسروں کی خوشنودی پر اس کی رضا کو پسند کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ ان اعمال کو ترجیح دینی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوں۔ انسان کو چاہیے کہ دوسروں سے محبت کرے اور اپنے گناہوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسند کرے نہ کہ اپنی خواہشات کے لیے۔ جب وہ دوسروں کی مدد کرتے ہیں یا گناہوں میں حصہ لینے سے انکار کرتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے۔ جس نے اس ذہنیت کو اپنایا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے مخلص ہونے کا ایک پہلو یہ ہے کہ اس پر بھروسہ کیا جائے کہ اس کے احکام اور انتخاب اس میں شامل لوگوں کے لیے بہترین ہیں، چاہے اس کے احکام کے پیچھے جو حکمتیں ہیں وہ لوگوں پر ظاہر نہ ہوں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

''لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

صرف ان احکام پر راضی ہونا جو خواہشات کے مطابق ہوں اور خواہشات کے خلاف ہونے والے احکام پر ناراض ہونا اللہ تعالیٰ سے صریح بے وفائی ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرتا ہے، اس کے احکام کی تعمیل کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتا ہے، وہ ہر حال اور حالت میں سچا مخلص ہے۔

اس کے علاوہ زیر بحث اہم واقعہ مفید علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کیونکہ اس پر نازل ہونے والی پہلی آیات تعلیم اور علم پر بحث کرتی ہیں۔ باب العلق، آیات 1-5 96:

"پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، انسان کو چپکے ہوئے مادے سے پیدا کیا، پڑھو، تمہارا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم سے سکھایا، انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔"

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2645 میں موجود حدیث میں نصیحت فرمائی کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو بھلائی دینا چاہتا ہے تو اسے اسلامی علم عطا کرتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مسلمان خواہ اس کے ایمان کی مضبوطی ہو دونوں جہانوں میں بھلائی کا خواہاں ہے۔ اگرچہ بہت سے مسلمان غلط طور پر یہ مانتے ہیں کہ وہ جو بھلائی چاہتے ہیں وہ شہرت، دولت، اختیار، صحبت اور اپنے کیرئیر میں مضمر ہے، لیکن یہ حدیث اس بات کو واضح کرتی ہے کہ حقیقی دیرپا بھلائی اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے میں ہے۔ غور طلب ہے کہ دینی علم کی ایک شاخ مفید دنیاوی علم ہے جس کے ذریعے انسان اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات پوری کرنے کے لیے حلال رزق کماتا ہے۔ اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی نشاندہی کر دی ہے کہ بھلائی کہاں ہے پھر بھی یہ شرم کی بات ہے کہ کتنے مسلمان اس کی قدر نہیں کرتے۔ وہ زیادہ تر معاملات میں اپنے واجبات کو پورا کرنے کے لیے کم سے کم اسلامی علم حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور زیادہ حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں، جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات۔ اس کے بجائے وہ اپنی کوششیں دنیاوی چیزوں کے لیے وقف کر دیتے ہیں، سچی بھلائی کا یقین وہاں پایا جاتا ہے۔ بہت سے مسلمان اس بات کی تعریف کرنے میں ناکام رہتے ہیں کہ نیک پیشروؤں کو صرف ایک آیت یا حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیکھنے کے لیے ہفتوں تک سفر کرنا پڑا، جب کہ آج کوئی بھی اپنا گھر چھوڑے بغیر اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کر سکتا ہے۔ اس کے باوجود، بہت سے لوگ آج کے دور کے مسلمانوں کو دی گئی اس نعمت کو استعمال کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت سے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے نہ صرف یہ بتا دیا ہے کہ سچی بھلائی کہاں ہے بلکہ اس نیکی کو انگلی کے اشارے پر بھی رکھا ہے۔

ایک مسلمان کو یہ یقین کرنے میں بے وقوف نہیں بنایا جانا چاہئے کہ اسلامی علم صرف یہ بتاتا ہے کہ عبادات کیسے کی جائیں اور کیا حرام اور حلال ہے۔ درحقیقت یہ لوگوں کو یہ سکھاتا ہے کہ کس طرح صحیح رویہ اور طرز عمل اختیار کیا جائے تاکہ وہ ان تمام دنیاوی نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کریں جو انہیں عطا کی گئی ہیں تاکہ وہ دونوں جہانوں میں اپنے اور دوسروں کو فائدہ پہنچائیں اور اس طرح دونوں جہانوں میں ذہنی سکون اور کامیابی حاصل کریں۔ انسانوں کو یہ سکھانے والا صرف وہی ہے جس نے تمام چیزوں کو پیدا کیا اور جانتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ۔ اس لیے دینی علم پر دنیاوی علم کو حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کو ترجیح دینا عقلمندی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو بتا دیا ہے کہ ایک ابدی دفن خزانہ کہاں ہے جو دونوں جہانوں میں پیش آنے والے تمام مسائل کو حل کر سکتا ہے۔ لیکن مسلمانوں کو یہ بھلائی تبھی ملے گی جب وہ اسے حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی جدوجہد کریں گے۔ اس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں امن اور کامیابی ہوگی۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

آخر میں زیر بحث اہم واقعہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کیونکہ انسان کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کے علاوہ کسی اور نے پیدا کیا اور عطا کیا ہے۔ لہٰذا یہ صرف مناسب ہے کہ جو کچھ دیا گیا ہے اسے اس کے حکم کے مطابق استعمال کرے۔ باب 96 العلق، آیات 1-5:

"پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، انسان کو چپکے ہوئے مادے سے پیدا کیا، پڑھو، تمہارا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم سے سکھایا، انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔"

کسی کی نیت کے ساتھ شکر گزاری میں شامل ہے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عمل کرے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ جو شخص کسی اور وجہ سے عمل کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر نہیں پائے گا۔ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ زبان سے شکر ادا کرنے میں یہ شامل ہے کہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔ اور اپنے عمل کے ساتھ شکر گزاری میں شامل ہے کہ جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کا صحیح طریقے سے استعمال کیا جائے، ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ شکر کرنے والے کو دونوں جہانوں میں زیادہ نعمتیں، رحمتیں اور بخششیں ملیں گی۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

‘‘...اگر تم شکر گزار رہو گے تو میں تمہارے حق میں ضرور اضافہ کروں گا’’

اس کے علاوہ جو شخص اس طرح شکر ادا کرتا ہے وہ متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرے گا جس سے دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی ذات کے لیے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں اس کے فائدے کا باعث بنتا ہے، بالکل اسی طرح جب کوئی مریض اپنے ڈاکٹر کے مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ اس کے لیے بہتر ہے، حالانکہ اسے کڑوی دوائیں تجویز کی گئی ہیں اور سخت خوراک کا منصوبہ ہے۔

فطری خوف اور اضطراب

جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 403 میں موجود ایک حدیث میں مذکور ہے کہ پہلی وحی الٰہی کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر اور بیوی کی طرف واپس تشریف لے گئے جب آپ کا دل دھڑک رہا تھا۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ وہ اپنی پریشانی اور خوف کے باعث اسے کمبل سے ڈھانپ لے۔

یہ واقعہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مختلف حالات کا سامنا کرتے وقت حد کے اندر جذباتی ہونا قابل قبول ہے جیسے کہ مشکل وقت میں اداس ہونا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عام اور فطری انداز میں ردعمل ظاہر کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر کوئی تنقید نہیں کی گئی کیونکہ جذبات کا اظہار انسان ہونے کا ایک حصہ ہے۔ جب تک جذبات اسلام کی حدود میں ہیں اس کا ظاہر کرنا مکمل طور پر قابل قبول ہے۔ کوئی بھی مسلمان سے مشکل حالات میں روبوٹ کی طرح کام کرنے کی توقع نہیں رکھتا۔ ہر حال میں ایک مسلمان کو ایک توازن برقرار رکھنا چاہیے جس کے تحت وہ اسلام کی حدود سے تجاوز کیے بغیر اپنے جذبات کے ذریعے اپنے تناؤ کو دور کرے۔ اس کی طرف باب 57 الحدید، آیت 23 میں اشارہ کیا گیا ہے:

"تاکہ تم اس چیز پر نا امید نہ ہو جاؤ جو تم سے چھوٹ گئی ہے اور جو کچھ اس نے تمہیں دیا ہے اس پر فخر نہ کرو اور اللہ تعالیٰ ہر کسی کو خود فریبی اور تکبر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔"

یہ آیت کسی شخص کو غمگین یا خوش ہونے سے منع نہیں کرتی۔ لیکن یہ کسی کو نصیحت کرتا ہے کہ ان دو جذبات میں حد سے زیادہ نہ ہو، یعنی غم اور خوش ہونا دونوں ہی گناہوں کا باعث بن سکتے ہیں۔

ایک مسلمان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ جب تک وہ ان حدود میں رہیں گے وہ تمام مشکلات سے کامیابی کے ساتھ نکلیں گے، دونوں جہانوں میں اجر وثواب حاصل کریں گے۔ اس کی طرف اشارہ

اس عظیم واقعہ کے آخر میں کیا گیا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اس کی اطاعت کرنے والے کو حفاظت عطا فرمائی۔ یہ حفاظت کسی مسلمان پر مختصر مدت میں ظاہر نہیں ہو سکتی لیکن آخرکار اس دنیا میں یا آخرت میں ان پر ظاہر ہو جائے گی۔

اخلاص اور اعلیٰ کردار

جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 403 میں موجود ایک حدیث میں مذکور ہے کہ پہلی وحی الٰہی کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر اور بیوی کی طرف واپس تشریف لے گئے جب آپ کا دل دھڑک رہا تھا۔ اس نے پریشانی اور خوف کی وجہ سے اپنی بیوی سے کہا کہ وہ اسے کمبل سے ڈھانپ لے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کو اپنی اہلیہ سے بیان کرنے کے بعد، انہوں نے اپنی پریشانی کے لمحات میں آپ کو تسلی دے کر ان کے ساتھ خلوص کا مظاہرہ کیا۔ اس نے سچائی پر قائم رہتے ہوئے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض بابرکت خصوصیات بیان کرکے یہ کامیابی حاصل کی تاکہ انہیں یقین دلایا جائے کہ انہیں کسی قسم کا خوف نہیں ہے۔

جیسا کہ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے، مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو اس اخلاص کا اظہار کریں کیونکہ یہ ایمان کا حصہ ہے۔ صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں

کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 53:

''شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے‘‘۔

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی دونوں میں بہتری آئے۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا کسی مسلمان کا رویہ نہیں ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77:

''اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے‘‘۔

دوسروں کے لیے مخلص ہونے کا ایک پہلو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے ان کی مدد کرنا ہے۔ انسان کو لوگوں سے شکرگزاری کی خواہش نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس سے اجر ضائع ہو جاتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں سے صریح بے وفائی ہے۔

زیر بحث اہم واقعہ اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ جو شخص اعلیٰ کردار اختیار کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ ہمیشہ عزت دیتا ہے خواہ اسے آزمائشوں اور آزمائشوں کا سامنا ہو۔

اعلیٰ کردار کو اپنانے میں اسلامی تعلیمات کے اندر زیر بحث مثبت خصوصیات کو سیکھنا اور اپنانا شامل ہے، جیسے سخاوت، شکرگزاری اور صبر اور اس میں اسلامی تعلیمات میں زیر بحث منفی خصوصیات، جیسے غرور، لالچ اور حسد سے بچنا شامل ہے۔ لہٰذا نیک کردار انسان کو ان خصوصیات کو اپنانے کی ترغیب دے گا جو انہیں متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کے حصول میں مدد فراہم کرے گی جس کے نتیجے میں ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ، اعلیٰ کردار اس بات کو یقینی بنائے گا کہ کوئی شخص ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرے جو انہیں دی گئی ہیں، اسلامی تعلیمات کے مطابق، اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے طریقے۔ اس سے ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کو اپنانے میں بھی مدد ملے گی جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں ذہنی اور جسمانی سکون حاصل ہوتا ہے۔ جبکہ برے خصلتوں کو اپنانا انسان کی ذہنی اور جسمانی حالت میں عدم توازن کا باعث بنے گا۔ اور یہ عدم توازن اس وقت بڑھے گا جب وہ عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کریں گے۔ یہ حقیقت اس وقت عیاں ہوتی ہے جب کوئی ان لوگوں کا مشاہدہ کرتا ہے جو مثبت خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں اور جو نہیں رکھتے۔ اس کے علاوہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی لوگوں کے روحانی دلوں کو کنٹرول کرتا ہے، ذہنی سکون کا گھر، وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کون اسے حاصل کرتا ہے اور کس کو نہیں۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے"۔"

اور یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کو ذہنی سکون دیتا ہے جو اس کی عطا کردہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہیں، جس کی جڑ اچھی خصوصیات کو اپنانا ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی ذات کے لیے اچھے خصلتوں کو اپنانے کی کوشش کرے، خواہ وہ اس کی خواہشات کے خلاف کیوں نہ ہو، کیونکہ اس سے ہی ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی پہلی مبارک خصوصیت جس کا تذکرہ مرکزی واقعہ میں کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ رشتہ داری کو برقرار رکھا۔

اسلام ہمیشہ ہمہ گیر مشورہ دیتا ہے۔ اس معاملے میں، اسلام اکثر اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کرتا ہے، کیونکہ صرف اس ایک نصیحت پر عمل کرنے سے ہی معاشرے میں خوشحالی، امن اور انصاف یقینی ہو گا۔ اگر ہر شخص اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرے تو کبھی کسی بیرونی ذریعہ سے کسی اور امداد کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ یہ یقینی بنائے گا کہ خاندان کی ہر اکائی کے ہر فرد کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، جس کے نتیجے میں پورے معاشرے پر مثبت اثرات مرتب ہوں گے۔

ضروری ہے کہ اپنے رشتہ داروں کی ہر اس چیز میں مدد کرے جو اسلام میں قابل تعریف ہے اور انہیں ہر اس چیز سے خبردار کرے جو قابلِ ملامت ہو۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

افسوس کی بات ہے کہ آج بہت سے مسلمان اس نصیحت کو نظر انداز کرتے ہیں اور اس کے بجائے دوسروں کی مدد کرتے ہیں ان کے ساتھ اپنے تعلق کے مطابق، اس بات سے قطع نظر کہ جس چیز میں وہ ان کی مدد کر رہے ہیں وہ اچھی ہے یا بری۔ ایک مسلمان کو آیت 83 کی ترتیب پر عمل کرنا چاہیے اور اپنے رشتہ داروں کی صرف ان چیزوں میں مدد کرنی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت سے براہ راست جڑی ہوئی ہیں۔ باب 2 البقرہ، 83:

اللہ کے سوا عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ نیکی کرو اور رشتہ داروں کے ساتھ‘‘۔ ’’

اپنے رشتہ داروں کو ان کے وسائل کے مطابق مدد کرنی چاہیے، جس میں جذباتی، جسمانی اور مالی مدد شامل ہے۔ یہ سب سے بہتر اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرتا ہے جیسا وہ چاہتا ہے کہ دوسرے لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ ایک بار پھر، کسی کو لوگوں کے ذریعہ بیان کردہ اچھے رشتہ دار کے معیار اور تعریف پر زیادہ توجہ نہیں دینی چاہئے، کیونکہ ان کا معیار اور تعریف اکثر اسلام کے مقرر کردہ تعریف اور معیار سے متصادم ہوتی ہے۔ اس کے بجائے، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اسلام کی تعلیمات کے مطابق رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے چاہئیں، خواہ وہ رشتہ دار ان کو اچھا رشتہ دار سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ آخر میں، ایک مسلمان کو اپنے رشتہ داروں سے دنیاوی وجوہات کی بنا پر کبھی بھی رشتہ نہیں توڑنا چاہیے، جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 5984 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص اپنے رشتہ داروں سے دنیوی وجوہات کی بنا پر تعلق توڑے گا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ اس کے علاوہ، اگرچہ ایک مسلمان اپنے رشتہ دار سے مذہبی وجوہات کی بناء پر تعلقات منقطع کر سکتا ہے، لیکن یہ بہتر ہے کہ اپنے رشتہ دار سے اچھے کاموں میں ان کی مدد کر کے اور برے کاموں میں ان کو تنبیہ کرتے ہوئے تعلقات قائم رکھے، کیونکہ اس سے ان کے رشتہ دار کو اپنی گمراہی سے سچی توبہ کی ترغیب مل سکتی ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اگلی مبارک خصوصیت جس کا ذکر خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کیا ہے، زیر بحث اہم واقعہ میں یہ تھا کہ آپ ہمیشہ سچ بولتے تھے۔

تقریر کو تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلی بری تقریر ہے جس سے ہر حال میں بچنا چاہیے۔ دوسری اچھی تقریر ہے جو مناسب وقت پر بولی جائے۔ تقریر کی آخری قسم فضول تقریر ہے۔ اس قسم کی تقریر کو گناہ یا نیکی نہیں سمجھا جاتا لیکن چونکہ یہ قسم برائی کی طرف لے جاتی ہے اس سے بچنا بھی بہتر ہے۔ مزید برآں، فضول گفتگو ایک شخص کے لیے قیامت کے دن ندامت کا باعث ہو گی جب وہ ان مواقع اور وقت کو دیکھے گا جو اس نے فضول گفتگو میں ضائع کیے تھے۔ اس لیے مسلمان کو چاہیے کہ وہ اچھی بات کہے یا پھر خاموش رہے۔ صحیح مسلم کی حدیث نمبر 176 میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ جامع ترمذی نمبر 1971 میں ایک حدیث میں نصیحت کی گئی ہے کہ حق بات کرنے اور اس پر عمل کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بڑا سچا لکھا جائے گا۔ جبکہ جھوٹ بولنے اور ان پر عمل کرنے والا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا جھوٹا لکھا جائے گا۔ یہ نتیجہ اخذ کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں ہے کہ اس شخص کا کیا حال ہو گا جسے اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں اور قیامت کے دن بہت بڑا جھوٹا لکھا ہے۔ درحقیقت اسی حدیث کا ذکر ہے کہ جھوٹ گناہوں کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ جہنم میں لے جاتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اگلی بابرکت خصوصیت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جس کا ذکر زیر بحث مرکزی واقعہ میں کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے ہمیشہ ضرورت مندوں اور مشکلات کا سامنا کرنے والوں کی مدد کی۔

اسلامی تعلیمات میں اکثر ضرورت مندوں کا تذکرہ کیا گیا ہے کیونکہ وہ اپنی سماجی کمزوری کی وجہ سے اکثر اپنے حقوق سے محروم رہتے ہیں۔ لہٰذا، ایک مسلمان کو اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ ان لوگوں کی مدد کریں جو معاشرے میں سماجی طور پر کمزور سمجھے جاتے ہیں، جیسے کہ یتیم اور بیوائیں، اپنے وسائل کے مطابق۔ آج کے دور میں یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کرنا انتہائی آسان ہو گیا ہے کیونکہ کوئی بھی اسے چند منٹوں میں آن لائن ترتیب دے سکتا ہے۔ اور کفالت کی رقم اکثر ان کے ماہانہ فون بل سے کم ہوتی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو اسلام کے اس اہم حصے کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی مسلسل تائید کا باعث ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ وصیت فرمائی ہے کہ یتیم کی کفالت کرنے والے کو جنت میں اس کا قرب حاصل ہوگا۔ صحیح بخاری نمبر 6005 میں موجود حدیث میں اس ۔ آخرکار بیوہ جیسے مسکینوں کی دیکھ بھال کرنے والے کو رات بھر کی نصیحت کی گئی ہے عبادت کرنے اور روزے رکھنے والے کے برابر ثواب ملے گا۔ صحیح بخاری نمبر 6006 میں ۔ لہٰذا جس شخص کو نفلی اعمال مثلاً نفلی رات موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے کی نماز اور نفلی روزے کرنا مشکل ہو اسے اس حدیث پر عمل کرنا چاہیے تاکہ کم سے کم محنت سے یہ ثواب حاصل ہو سکے۔

یہ بات ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ ان کے پاس جو بھی اسباب ہیں، جیسے کہ دولت، اللہ تعالیٰ نے انہیں قرض کے طور پر عطا کیا ہے نہ کہ بطور تحفہ۔ قرض اس کے مالک کو ادا کرنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو قرض دیا گیا ہے اسے ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان کا استعمال اس کی رضا کے لیے ہو۔ لہٰذا ضرورت مندوں کی مدد کرنے والا صرف وہی قرض ادا کرتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ پر قرض ہے۔ جب کوئی اس کو یاد کرے گا تو یہ اسے اس طرح برتاؤ کرنے سے روک دے گا جیسے وہ اللہ تعالیٰ یا کسی ضرورت مند پر احسان کر رہے ہوں۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی نعمتوں سے نوازا اور ضرورت مندوں کی مدد کرکے ان گنت انعامات حاصل کرنے کا موقع عطا فرمایا۔ ضرورت مند شخص نے عطیہ دہندگان کی مدد قبول کرکے ایک احسان کیا ہے۔ اگر ہر ضرورت مند دوسروں کی امداد کو ٹھکرا دے تو

اللہ کی تعلیمات میں بیان کردہ اجر کیسے ملے گا؟ ان نکات کو یاد رکھنے سے غلط رویہ اپنانے سے ثواب ضائع ہونے سے بچ جائے گا۔

آخر میں، ضرورت مندوں کی مدد کرنے میں کسی بھی شخص کی جائز ضرورت کو پورا کرنا شامل ہے۔ اس میں جذباتی، جسمانی اور مالی ضروریات شامل ہیں۔ اس لیے کوئی بھی مسلمان خواہ اس کے پاس کتنی ہی کم دولت کیوں نہ ہو، اپنے آپ کو ضرورت مندوں کی امداد سے عذر نہیں کر سکتا۔

آخر کار سنن ابن ماجہ نمبر 1601 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص کسی غم زدہ کو تسلی دیتا ہے اسے قیامت کے دن عزت کا لباس پہنایا جائے گا۔

چونکہ مشکلات کا سامنا کرنا ان سب باتوں کی ضمانت ہے یہ ایک عظیم اجر حاصل کرنے کا ایک انتہائی آسان طریقہ ہے جس میں زیادہ وقت، توانائی یا پیسے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس میں اپنے ذرائع کے مطابق مشکل کا سامنا کرنے والے خاندان کی مدد کرنے کی کوشش کرنا شامل ہے، جیسے کہ جذباتی، مالی اور جسمانی مدد۔ ایک مسلمان کو مشکل کا سامنا کرنے والوں کو پوری آزمائش کے دوران صبر کرنے کی ترغیب دینی چاہیے اور انہیں قرآن پاک کی آیات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث یاد دلانی چاہیے، جو صبر کی اہمیت اور اجر عظیم کے بارے میں بتاتی ہیں۔ انہیں یہ یاد دلاتے ہوئے مثبت بات کرنی چاہئے کہ چیزیں صرف اچھی وجہ سے ہوتی ہیں یہاں تک کہ اگر لوگ ان کے پیچھے کی حکمت کو سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں۔ درحقیقت اس نیک عمل کو انجام دینے کے لیے کسی شخص کو عالم نہیں بننا چاہیے کیونکہ اکثر صورتوں میں مدد کے چند مہربان الفاظ کسی مشکل کا سامنا کرنے والے کو بہتر محسوس کرنے کے لیے کافی ہوتے ہیں۔ اور بعض صورتوں میں صرف جسمانی طور پر موجود ہونا ہی انہیں سہارا دینے کے لیے کافی ہوتا ہے چاہے کوئی لفظ نہ بولے۔

،آخر میں، یہ ضروری ہے کہ مسلمان اس نیک عمل کو انجام دیتے وقت اپنی نیت کو درست کریں اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کریں، اور اپنے رشتہ داروں جیسے دوسروں کو دکھانے کے

لیے ایسا نہ کریں، اور نہ ہی اس خوف سے کریں کہ اگر وہ اس میں ناکام ہو جائیں تو دوسروں کی طرف سے تنقید کا نشانہ بنیں۔ دوسروں کی خاطر عمل کرنے والوں کو قیامت کے دن بتایا جائے گا کہ وہ ان کاموں سے اپنا اجر حاصل کریں جس کے لیے وہ عمل نہیں کر سکے گا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

مشکلات کا انتباہ

جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث نمبر 403 میں مذکور ہے کہ پہلی وحی الٰہی کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر واپس تشریف لائے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کا واقعہ اپنی اہلیہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا۔ اس کے بعد وہ اسے اپنے کزن ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، جو ایک عیسائی تھا جس نے پچھلے آسمانی صحیفوں کا مطالعہ کیا تھا۔ جب اسے اس واقعہ کی اطلاع ملی تو اس نے تصدیق کی کہ یہ فرشتہ جبرائیل علیہ السلام ہیں، اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنبیہ کی کہ جو پیغام وہ لے کر آئیں گے، اس کی وجہ سے ان کی قوم ان کے خلاف ہو جائے گی، یعنی اسلام کا پیغام۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ عام طور پر جب کوئی ایسا راستہ چنتا ہے جو دوسروں کے راستے سے مختلف ہو، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست، تو انہیں ان کی طرف سے تنقید اور مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ درحقیقت تنقید کی اکثریت کسی شخص کے رشتہ داروں کی طرف سے آتی ہے۔ مثال کے طور پر، جب کوئی مسلمان اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے پر زیادہ توجہ دینے کا فیصلہ کرتا ہے اور اگر یہ ایسی چیز ہے جس پر اس کے خاندان نے خود عمل نہیں کیا ہے تو اسے ان کی طرف سے تنقید کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان پر وہ لوگ بے وقوف اور انتہا پسند قرار دیں گے جن کے بارے میں وہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ ان کے راستے پر ان کا ساتھ دیں گے۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس حلال راستے کا انتخاب کرتے ہیں اس پر ثابت قدم رہیں اور اللہ تعالیٰ کی مدد پر بھروسہ رکھیں، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرتے ہوئے ان مشکلات سے نکلنے کے لیے۔

لوگوں کی طرف سے یہ ایک عام ردعمل ہے کیونکہ جب کوئی شخص زندگی میں دوسروں سے مختلف راستے کا انتخاب کرتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اس کا راستہ برا یا برا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس شخص نے ایک مختلف راستہ چنا ہے۔ اگرچہ وہ شخص اس پر یقین نہیں کرتا ہے لیکن صرف یہ مانتے ہوئے ایک مختلف راستہ چنتا ہے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے لیکن پھر بھی انہیں تنقید کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو اپنی قوم کی طرف سے تنقید کا نشانہ بنایا گیا کیونکہ انہوں نے دوسروں کو ایک اور بہتر راستے کی طرف دعوت دی۔

نتیجہ یہ کہ جب تک زندگی میں کسی کا راستہ حلال ہے اسے ثابت قدم رہنا چاہیے اور دوسروں کی تنقید سے باز نہیں آنا چاہیے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنے حالات اور کردار کو بہتر بنانے کی کوشش نہ کریں۔ اس کا مطلب ہے کہ انہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنے حلال انتخاب کی پیروی سے باز نہیں آنا چاہیے۔

ایک مسلمان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے صحیح طریقے سے رہنمائی کرتے ہیں کیونکہ دوسروں پر ان کی تنقید کی بنیاد قرآن پاک میں موجود تنقید اور نصیحت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر ہوتی ہے۔ یہ قسم ہمیشہ تعمیری رہے گی اور دونوں جہانوں میں نعمتوں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی طرف رہنمائی کرے گی۔ یہ لوگ دوسروں کی زیادہ یا کم تعریف کرنے سے بھی گریز کریں گے۔ دوسروں کی زیادہ تعریف کرنا انہیں مغرور اور تکبر کا باعث بن سکتا ہے۔ دوسروں کی تعریف کرنے سے وہ کاہل بن سکتے ہیں اور انہیں اچھے کام کرنے سے روک سکتے ہیں۔ یہ ردعمل اکثر بچوں میں دیکھا جاتا ہے .اسلام کی تعلیمات کے مطابق تعریف کرنے سے دوسروں کو دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں زیادہ محنت کرنے کی ترغیب ملے گی اور یہ انہیں تکبر کرنے سے روکے گا۔ اس لیے اس شخص کی تعریف اور تعمیری تنقید کو قبول کرنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے خواہ کسی اجنبی کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو۔

دوسری قسم کے لوگ اپنی خواہشات کی بنیاد پر تنقید کرتے ہیں۔ یہ تنقید زیادہ تر غیر تعمیری ہے اور صرف کسی کے خراب مزاج اور رویے کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ لوگ اکثر دوسروں کی تعریف کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنی خواہشات کی بنیاد پر کام کرتے ہیں۔ ان دونوں کے منفی اثرات کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا اس شخص کی تنقید اور تعریف کو اکثر صورتوں میں نظر انداز کر دینا چاہیے خواہ وہ کسی عزیز کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو کیونکہ یہ تنقید کے معاملے میں غیر ضروری طور پر اداس اور تعریف کے معاملے میں تکبر کا باعث بنتا ہے۔

یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ جو شخص دوسروں کی زیادہ تعریف کرتا ہے وہ اکثر ان پر بھی تنقید کرتا ہے۔ جس اصول پر عمل کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ وہ صرف اسلام کی تعلیمات پر مبنی تنقید اور تعریف قبول کریں۔ باقی تمام چیزوں کو نظر انداز کرنا چاہیے اور ذاتی طور پر نہیں لینا چاہیے۔

پیغام پھیلانا

اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مزید وحی الٰہی تھوڑی دیر کے لیے موخر کر دی گئی۔ پھر ایک موقع پر جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں چہل قدمی کر رہے تھے تو آپ نے آسمان کی طرف دیکھا تو فرشتہ جبرائیل علیہ السلام کو آسمان و زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوفزدہ ہو کر گھر واپس آئے اور اپنے گھر والوں سے کہا کہ آپ کو کمبل میں ڈھانپ لیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر قرآن مجید کی درج ذیل آیات نازل فرمائیں :باب 74 المدثر، آیات 1 تا 5:

"اے اپنے آپ کو)کپڑے سے (ڈھانپنے والے، اٹھو اور ڈراؤ، اور اپنے رب کی تسبیح کرو، اور اپنے لباس کو پاک کرو، اور ناپاکی سے بچو۔"

صحیح بخاری نمبر 3238 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

اگرچہ اسلام کے پیغام کو پھیلانے سے پہلے بہت سی خصوصیات ہیں جن کو اپنانا ضروری ہے، لیکن یہ آیات ایک اہم ترین چیز کی طرف اشارہ کرتی ہیں، مثال کے طور پر۔

اسلام کی تبلیغ کرنے والوں کو پہلے اپنے علم پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں اسلامی علم کے اجتماع میں شرکت کے لیے کئی دن سفر کرنا پڑتا تھا لیکن اب لاتعداد لیکچر آن لائن مل سکتے ہیں۔ اس کے باوجود، صالح پیشواؤں کے گزرنے کے بعد سے صحیح راستے سے لاعلمی میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگوں نے قرآن مجید کی آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث حفظ کر کے علم حاصل کیا ہے، لیکن ان کا استعمال اپنی سیرت کو سنوارنے کے لیے نہیں کیا۔ یعنی انہوں نے اپنے علم پر عمل نہیں کیا۔ جو لوگ اس طرح کام کرتے ہیں وہ اپنی نصیحت سے دوسروں کے دلوں پر اثر کرنے کی

طاقت کھو دیتے ہیں۔ کچھ لیکچررز نیوز بلیٹن کی طرح ہوتے ہیں جو دوسروں کو کام کرنے کی ترغیب دیے بغیر صرف معلومات فراہم کرتے ہیں اس طرح وہ اپنے خدا کے دیے ہوئے علم کے ذریعے دوسروں کی رہنمائی کرنے کے اپنے فرض میں ناکام رہتے ہیں۔ غیر مسلم بنیادی طور پر ایک کامیاب مسلمان کی عملی مثال کو دیکھنے کے بجائے اسلام کی اپنی تحقیق کے ذریعے اسلام قبول کر رہے ہیں۔ جو شخص اسلام کو پھیلانا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ علم کے ذریعے اپنے کردار کی تطہیر کو اپنی اولین ترجیح بنائے۔ باب 61 الصف، آیت 3:

‘‘اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں۔’’

جب کوئی اس طرح سے کام کرتا ہے تو تھوڑا سا درست علم خود پر اور دوسروں پر بہت زیادہ اثر ڈالتا ہے۔ جبکہ اس صحیح رویہ کو رد کرنے والے زیادہ علم کے مالک ہو سکتے ہیں لیکن اس کا کسی پر کوئی مثبت اثر نہیں پڑے گا۔ قرآن پاک میں اس قسم کے شخص کی وضاحت کی گئی ہے۔ باب 62 الجمعہ، آیت 5:

اور پھر اس پر عمل نہیں کیا)اپنے علم پر عمل نہیں کیا(اس گدھے کی طرح ہے جو]کتابوں کی[جلدیں اٹھائے ہوئے ہے۔’’

منظم نقطہ نظر

جب سورۃ الشعراء 26، آیت 214 نازل ہوئی:

"اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کرو۔"

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں کوہ صفا پر چڑھے اور اپنے رشتہ داروں کو اپنے گرد جمع کیا۔ اس نے سب سے پہلے ان سے پوچھا کہ کیا وہ اس پر یقین کریں گے اگر اس نے انہیں بتایا کہ وادی میں ایک گھڑسوار فوج ہے جو ان پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے، ان کو اپنی قابل اعتماد اور دیانت دار فطرت کی یاد دلائی۔ سب نے مثبت جواب دیا اور اس کی ایمانداری کا اعلان کیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے خبردار کیا اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ اس کے غیر مسلم چچا ابو لہب نے اس پر لعنت بھیجی۔ جواب کے طور پر، اللہ تعالیٰ نے باب 111 المساد، آیات 1-5 نازل فرمایا:

"ابو لہب کے ہاتھ برباد ہو جائیں اور وہ برباد ہو جائے، نہ اس کا مال اس کے کام آئے گا اور نہ اس نے جو کمایا ہے، وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں جلے گا، اور اس کی بیوی)بھی (لکڑیاں اٹھانے والی ہے۔ اس کے گلے میں ریشے کی رسی ہے۔"

یہ واقعہ صحیح بخاری نمبر 4770 میں موجود حدیث میں مذکور ہے۔

کہ اپنے صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت فرماتا ہے حضرت محمد اعلیٰ نے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو پھیلانے اسلام رشتہ داروں سے اسلام کی تبلیغ شروع کریں۔ یہ ایک اور اہم پہلو ہے۔

کا ایک کو ہمیشہ رشتہ داروں سے شروع کرنا چاہئے اور پھر معاشرے کے دوسرے افراد کی طرف بڑھنا چاہئے۔ کسی شخص کے قریبی رشتوں اور ان کے رشتہ داروں سے واقفیت کی وجہ سے انہیں مشورہ دینے سے اجنبیوں کو مشورہ دینے سے زیادہ اثر پڑے گا۔ درحقیقت، اگر ہر رشتہ داروں کی ضرورت شخص اپنے اپنے رشتہ داروں پر توجہ مرکوز کرے تو مشورہ نہیں دیتا
:باب 26 اشعرا، آیت 214 صرف چند مواقع پر ہوگی۔

"اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کرو۔ "

ان کے مقامی معاشرے میں اسلام کا لفظ اس قدم کے بعد قرآن پاک پھیلنے کی نصیحت کرتا ہے۔
:باب 42 شوریٰ، آیت 7

اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف عربی قرآن نازل کیا ہے تاکہ آپ شہروں کی ماں]یعنی مکہ["
"اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو خبردار کر دیں۔

باب 34 سبا، آیت آخری مرحلہ بنی نوع انسان کو قومی سطح پر اسلام کی طرف دعوت دینا ہے۔
28:

"اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ "

اس تدریجی عمل کو اختیار کرنے کا اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضور نبی اکرم صلی تعالیٰ نے اللہ چاہیے اس کام کو انجام دیتا ہے اسے بھی اس طریقہ کو اختیار کرنا جو حکم دیا ہے لہٰذا ہر مسلمان
۔

زیر بحث اہم واقعہ قابل اعتماد ہونے کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے، خاص طور پر جب کوئی اسلام کی دعوت کو پھیلانا چاہتا ہے۔

قرآن پاک میں اسلام کو صحیح طریقے سے پھیلانے کے لیے ایک قابل اعتماد ہونا ضروری ہے۔ خاص طور پر اس بات کا ذکر ہے کہ کس طرح انبیاء علیہم السلام نے ان سب کو ثقہ قرار دیا اور صرف دوسروں کے فائدے کے خواہشمند تھے۔ مثال کے طور پر، باب 26 اشعرا، آیات 161-162:

"جب ان کے بھائی لوط نے ان سے کہا کہ کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ بے شک میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔''

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا تو تمام لوگوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ وہ ثقہ ہیں حالانکہ بہت سے لوگ اپنی باتوں سے پھر گئے اور ان کی تکذیب کی۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 10، صفحہ 622 - 623 میں اس کا ذکر ہے ۔

آخر میں، زیر بحث اہم واقعہ مسلمانوں کو لوگوں کے ساتھ نرمی اور صبر سے پیش آنے کی اہمیت سکھاتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا کو کوئی جواب نہیں دیا بلکہ ان کے نازیبا رویے کو نظر انداز کر دیا۔ ایک مسلمان کو اپنے دفاع کا حق ہے ، خاص طور پر جسمانی نقصان کی صورتوں میں، لیکن ایسا کرتے وقت انہیں بے ہودہ رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ ہر وقت، انہیں دوسروں کے ساتھ احترام اور مہربان انداز میں بات کرنا اور برتاؤ کرنا چاہئے اور اپنے غصے کو اپنے قول و فعل پر قابو پانے سے گریز کرنا چاہئے۔ ایک بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس وقت تک خاموش رہیں جب تک غصہ ان سے نہ نکل جائے اور غیر جانبدارانہ جسمانی پوزیشن اختیار کی جائے تاکہ وہ غصہ کرنے والے کے خلاف جسمانی طور پر بدلہ لینے سے گریز کریں۔

پہلے مومنین

مشہور ہے کہ ابوبکر بن ابو قحافہ رضی اللہ عنہ پہلے بالغ مرد تھے جنہوں نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت اسلام قبول کی، جبکہ باقی تمام مردوں نے مختلف درجات میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق صفحہ 51 میں اس پر بحث ہوئی ہے اور صحیح بخاری نمبر 3661 میں موجود حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اسلام کی حقانیت کو قبول کرنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان کی پہلے سے ہی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گہری دوستی تھی۔ لہٰذا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دعوتِ اسلام سے قبل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بے عیب کردار کو جان کر اسلام کی سچائی کا مشاہدہ کیا۔ حالانکہ مکہ کے غیر مسلموں نے بھی اسی چیز کو دیکھا لیکن انہوں نے ضد کے ساتھ اسلام کا انکار کیا۔

اس کے علاوہ، اس نے سچائی کو آسانی سے قبول کر لیا کیونکہ وہ سچے آدمی تھے۔ یعنی اسلام سے پہلے اس نے سچائی کی خصوصیات کو تلاش کیا، قبول کیا اور اپنایا۔ اس لیے جب اسلام کی حقانیت ان کے سامنے پیش کی گئی تو انہوں نے بلا جھجک اسے قبول کر لیا۔

جیسا کہ علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی پرورش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ہوئی، آپ نے اپنے تمام معاملات میں سچائی کو اپنایا۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بحیثیت پیغمبر مبعوث کیا گیا تو آپ نے علی رضی اللہ عنہ کو اسلام کی دعوت دی۔ علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں اس بارے میں پہلے اپنے والد ابو طالب سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن اگلے دن اپنے والد سے بات کیے بغیر وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور اسلام قبول کر لیا۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً 10 سال تھی۔ اس طرح وہ اسلام قبول کرنے والے پہلے بچے بن گئے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 68-69 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

مزید برآں، خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اپنے شوہر، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو آسانی سے قبول کیا، اور اسلام قبول کرنے والی پہلی خاتون بن گئیں۔

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ خادم تھے۔ اسلام کی آمد کے وقت وہ بچہ تھا اور جب حق ان کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے آسانی سے قبول کر لیا۔ اس طرح وہ اسلام میں داخل ہونے والے پہلے آزاد کردہ غلام بنے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک نے، بشمول ان کے بچوں سمیت، تسلیم کیا کہ انسان کے بنائے ہوئے اور بے جان بت عبادت کے لائق نہیں ہیں، اس لیے اسلام اور اس کے ایک خدا کے تصور کو قبول کیا۔ اس کے علاوہ، اگرچہ انہوں نے اپنے معاشرے کے سماجی نظام کو براہ راست چیلنج کیا جو ظاہر ہے کہ ان کے لیے مسائل کا باعث بنے گا، لیکن وہ سمجھتے تھے کہ اپنے طرز زندگی میں دوسروں کی اندھی تقلید کرنا جو ان کے لیے صرف تناؤ، پریشانی اور مشکلات کا باعث بنتا ہے، کوئی معنی نہیں رکھتا۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اس سچائی کو اکثر لوگ نظر انداز کر دیتے ہیں، جو مویشیوں کی طرح برتاؤ کرنے میں زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں جو سوشل میڈیا کے رجحانات، فیشن اور ثقافت کی آنکھیں بند کر کے پیروی کرتے ہیں، حالانکہ اس سے ذہنی اور جسمانی صحت خراب ہوتی ہے۔ یہ نتیجہ بالکل واضح ہوتا ہے جب کوئی ان لوگوں کا مشاہدہ کرتا ہے جو اس طرح کا برتاؤ کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ سمجھا کہ ایک رب کی اطاعت متعدد ربوں کی اطاعت جیسے معاشرہ، فیشن اور ثقافت سے بہت افضل ہے۔ یہ عام فہم ہے کہ جب کوئی ایک واحد رب، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے، جو صرف وہی فیصلہ کرتا ہے جو ان کے لیے بہتر ہے، تو یہ اچھی ذہنی اور جسمانی صحت کا باعث بنے گا۔ جبکہ ایک سے زیادہ رب کی اطاعت کرنے والا اتنی مختلف سمتوں میں کھینچا جائے گا کہ وہ کبھی بھی ذہنی سکون حاصل نہیں کر سکے گا۔ یہ ایک ایسے ملازم کی طرح ہے جس کے پاس ایک ہی مہربان مینیجر ہے اس ملازم کے مقابلے میں جس کے پاس مینیجر ہیں جو ان سے مختلف چیزوں کا مطالبہ کرتے ہیں۔ باب 39 از زمر، آیت 29:

اللہ تعالیٰ ایک مثال پیش کرتا ہے :ایک آدمی جو جھگڑا کرنے والے شریکوں کا ہو اور دوسرا صرف ایک آدمی کا ہو، کیا وہ مقابلے میں برابر ہیں؟ الحمد للہ !لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔"

اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ سوشل میڈیا، فیشن اور کلچر کی اطاعت اور پیروی سے گریز کریں، خواہ یہ ان کی خواہشات کے خلاف ہو، اور اس کے بجائے خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں، تاکہ وہ ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کریں، جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل ہو۔ اس اطاعت میں اسلامی تعلیمات کے مطابق ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا شامل ہے۔ انہیں اس عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہئے جو اپنے ڈاکٹر کے مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لئے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی گئی ہیں اور ایک سخت غذا کا منصوبہ ہے۔ جس طرح ڈاکٹر اچھی صحت کے بارے میں جانتا ہے، اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ انسان کس طرح دونوں جہانوں میں ذہنی اور جسمانی سکون حاصل کر سکتا ہے۔

دوسروں کو ایمان کی طرف رہنمائی کرنا

اسلام قبول کرنے کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ دوسروں کو حق کی دعوت دینے میں مصروف ہو گئے۔ ان کی کوششوں سے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ یہ لوگ آگے بڑھ کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ممتاز اور بزرگ صحابی بن گئے۔ ان لوگوں میں شامل ہیں :زبیر بن عوام، عثمان بن عفان، طلحہ ابن عبید اللہ، سعد ابن ابی وقاص، ابو عبیدہ ابن جراح، عبدالرحمٰن بن عوف اور بہت سے، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق صفحہ 55 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے باب 31 لقمان آیت 15 نازل فرمائی:

اور ان لوگوں کا راستہ اختیار کرو جو میری طرف پلٹتے ہیں‘‘۔’’

اس پر امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ، اصباب النزول، 31:15، صفحہ 126 میں بحث کی گئی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جس طریقے سے اس عظیم کارنامے کو حاصل کیا ان میں سے ایک نمونہ پیش کرنا ہے۔ جب دوسرے لوگوں نے ان کے کردار و عمل میں اسلام کی نشانیاں دیکھی تو ان کی زبان کے بجائے اس نے انہیں حق کو قبول کرنے کی ترغیب دی۔

تمام مسلمانوں خصوصاً والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو جو نصیحت کرتے ہیں اس پر عمل کریں۔ اگر کوئی تاریخ کے اوراق پلٹائے تو ظاہر ہے کہ جنہوں نے اپنی تبلیغ پر عمل کیا ان کا دوسروں پر ان لوگوں کے مقابلے میں بہت زیادہ مثبت اثر پڑا جنہوں نے مثال کے طور

پر رہنمائی نہیں کی۔ بہترین نمونہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے نہ صرف اس پر عمل کیا بلکہ ان تعلیمات پر کسی اور سے زیادہ سختی سے عمل کیا۔ صرف اس رویہ سے مسلمان بالخصوص والدین کا دوسروں پر مثبت اثر پڑے گا۔ مثال کے طور پر، اگر ایک ماں اپنے بچوں کو خبردار کرتی ہے کہ جھوٹ نہ بولیں کیونکہ یہ گناہ ہے لیکن اکثر ان کے سامنے جھوٹ بولتی ہے تو اس کے بچے اس کی نصیحت پر عمل کرنے کا امکان نہیں رکھتے۔ ایک شخص کے اعمال کا ہمیشہ دوسروں پر اس کی تقریر سے زیادہ اثر ہوتا ہے۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسروں کو مشورہ دینے سے پہلے کسی کو کامل ہونا ضروری ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے اپنے مشورے پر عمل کرنے کی مخلصانہ کوشش کریں۔ قرآن کریم نے مندرجہ ذیل آیت میں واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرز عمل کو ناپسند کرتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 3267 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص نیکی کا حکم دیتا ہے لیکن خود اس سے باز رہتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے اور خود اس پر عمل کرتا ہے تو اسے جہنم میں سخت سزا دی جائے گی۔ باب 61 الصف، آیت 3:

‘‘اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں۔’’

لہٰذا تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان کی نصیحت پر خود عمل کرنے کی کوشش کریں پھر دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین کریں۔ مثال کے طور پر رہنمائی کرنا تمام انبیاء علیہم السلام کی روایت ہے اور دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

خوشی کی کلید

،اگرچہ اسلام قبول کرنے والے بہت سے لوگوں کا شمار معاشرے کے نچلے طبقے سے ہوتا تھا جیسے کہ غلام، پھر بھی معاشرے کے بہت سے نامور اور قابل احترام افراد نے بھی اسلام کے الٰہی پیغام کو قبول کیا، جیسے :ابوبکر، زبیر ابن عوام، عثمان بن عفان، طلحہ ابن عبید اللہ، سعد ابن ابی الرحمٰن، ابن ابی الرحمٰن۔ ابن عوف، سعید ابن زید، عبداللہ ابن جحش، علی ابن ابو طالب، جعفر ابن ابو طالب اور بہت سے دوسرے، اللہ ان سے راضی ہیں۔ لیکن جب معاشرے کے ان نمایاں افراد نے اسلام قبول کر لیا تو وہ وہ عزت و احترام کھو بیٹھے جو کبھی مکہ کے اندر انہیں حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر اسلامی مورخین کہتے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی دور میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا ان کی اکثریت کا شمار معاشرے کے نچلے طبقے سے ہوتا تھا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 161-163 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر دیکھا جائے تو یہ لوگوں اور معاشرے کی خوشنودی پر اللہ تعالیٰ کی رضا کی تلاش کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ اگر یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لوگوں کی خوشنودی تلاش کرتے تو کبھی اسلام قبول نہ کرتے۔

بہت سے لوگ اپنی خوشی کے معیارات دوسرے لوگوں کے اصولوں اور خواہشات کے مطابق طے کرتے ہیں۔ اس ذہنیت کا مسئلہ یہ ہے کہ لوگوں کی خواہشات کے مطابق کوئی غمگین یا خوش ہو جائے گا۔ اگر وہ اس رویے پر قائم رہتے ہیں تو وہ اس سطح پر پہنچ جاتے ہیں جہاں وہ لوگوں کی خواہشات کے مطابق محبت، نفرت، دیتے، روکتے اور کام کرتے ہیں۔ یہ رویہ کسی کی زندگی میں مجموعی طور پر اداسی کا باعث بنے گا کیونکہ واقعی دوسروں کو خوش کرنا ناقابل حصول ہے۔ لوگ اللہ سے راضی نہیں ہوتے جب اس نے ان کو بے شمار نعمتیں عطا کیں تو وہ ان لوگوں سے کیسے راضی ہو سکتے ہیں جنہوں نے انہیں فطری طور پر کچھ نہیں دیا۔ لہٰذا ہمیشہ دوسروں کو خوش کرنے کے ارادے کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا نتیجہ صرف اداسی ہی ہوگا۔

اس کے علاوہ، جیسا کہ لوگ عام طور پر ناشکرے ہوتے ہیں، اس لیے جو لوگ دوسروں کو خوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ دوسروں کی طرف سے کوئی حقیقی تعریف نہیں پاتے ہیں اور اس

سے ان کی تلخی اور اداسی میں اضافہ ہوتا ہے۔ جبکہ اللہ عزوجل انسان کی ہر نیک نیت، قول اور فعل کی قدر کرتا ہے جو اسے خوش کرنے کے لیے کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ انسان اپنے کیے ہوئے چھوٹے چھوٹے کاموں کو بھول جائے لیکن اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرے گا اور اس کے بدلے میں اسے دونوں جہانوں میں کئی گنا اجر دے گا۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ جامع ترمذی نمبر 661 میں موجود حدیث میں یہ نصیحت فرمائی کہ جب کوئی اپنی حلال کمائی میں سے ایک قلیل صدقہ مثلاً ایک کھجور وغیرہ دے گا تو اللہ تعالیٰ اسے پہاڑ کے برابر اجر عطا فرمائے گا۔ ایک شخص کبھی بھی لوگوں سے اپنی کوششوں کے لئے اس قسم کی تعریف اور اعتراف حاصل نہیں کرے گا۔

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرے جو آسانی سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کرے گا، نفرت کرے گا، دے گا اور روکے گا، جو کہ ایمان کی تکمیل کا ایک پہلو ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابو داؤد نمبر 4681 میں موجود ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت سے حاصل ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر پر صبر کرنا شامل ہے۔ یہ دونوں جہانوں میں حقیقی خوشی کا باعث بنے گا اور اس لیے یہ خوشی کی کلید ہے۔

علم کو سننا

وحی الٰہی کے ابتدائی دور میں وحی الٰہی حاصل کرنے کے شوق کی وجہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تلاوت کے ذریعے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ مل جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے پھر اسے وحی کو غور سے سننے کا حکم دیا اور اس سے وعدہ کیا کہ وہ اسے اپنے دل میں محفوظ کرے گا اور اسے سمجھنے، اس پر عمل کرنے اور اس کے بعد دوسروں کو بتانے کی توفیق دے گا۔ باب 75 القیامۃ، آیات 16-19:

اس کے ساتھ اپنی زبان کو نہ ہلاؤ، اس کے ساتھ جلدی کرو، بے شک ہم پر اس کا ذخیرہ]آپ کے دل میں [اور اس کی تلاوت]ممکن [ہے، پس جب ہم اسے پڑھ لیں تو اس کی پیروی کرو، پھر اس کی وضاحت ہمارے ذمہ ہے۔"

سنن نسائی نمبر 936 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

اس واقعہ سے ایک سبق یہ ہے کہ ایک مسلمان کو اسلامی علم کو صحیح طریقے سے سننا چاہیے تاکہ اس پر عمل کرنے کی ترغیب حاصل ہو۔

اللہ تعالیٰ کے کلام کو صحیح طور پر سننا ہی اس کی تعلیمات پر صحیح طریقے سے عمل پیرا ہو سکتا ہے۔ سننے اور سننے کے درمیان فرق کو سمجھنا ضروری ہے۔ سننا محض کسی کے دماغ سے آواز کو تسلیم کرنا ہے چاہے وہ شور کا احساس نہ کر سکے۔ مثال کے طور پر، ایک شخص بہت دور سے کسی کو چیختے ہوئے سن سکتا ہے لیکن وہ یہ نہیں سمجھ پائے گا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ جبکہ، سننے میں آواز سننا اور اسے سمجھنا شامل ہے تاکہ کسی کا طرز عمل بدل جائے۔ مثال کے طور پر، ایک شخص دوسرے کو مخصوص زبانی ہدایات دیتا ہے جو ہدایات کو سننے اور سمجھنے کے بعد مناسب جواب دیتا ہے۔

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کا کلام سننے اور اسے سمجھنے کی کوشش کرنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ ان کے طرز عمل پر مثبت اثر ڈالے۔ افسوس کی بات ہے کہ بہت سے مسلمان قرآن پاک کے حوالے سے اس پر عمل کرنے میں ناکام رہے ہیں کیونکہ وہ قرآن پاک کی تلاوت سننے میں تو اچھے ہیں لیکن اسے صحیح طور پر سننے میں ناکام رہے ہیں جس میں اس کی تعلیمات کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا شامل ہے۔ اس کے علاوہ قرآن پاک کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا اسی وقت ممکن ہے جب کوئی اسے اس زبان میں سنتا اور پڑھتا ہے جسے وہ سمجھتا ہے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، صرف اللہ تعالیٰ کا کلام سننا، کامیابی حاصل کرنے کے لیے کافی نہیں ہے، اس کے بجائے اسے سننے کی کوشش کرنی چاہیے۔

علم کے لیے اجتماع

جیسے جیسے اسلام کی دعوت مخفی طور پر مختلف گھرانوں تک پہنچ رہی تھی، مکہ کے غیر مسلموں کے سرداروں کی طرف سے خطرہ اور خطرہ تیزی سے بڑھنے لگا۔ لیکن اس خطرناک وقت میں بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اسلام کی تعلیم دینے کے لیے جمع ہوتے رہے۔ ارقم کے گھر کو ان کی خفیہ ملاقات کی جگہ کے طور پر چنا گیا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 167-168 میں بحث کی گئی ہے۔

بڑے خطرے کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے اسلامی علم کی تلاش اور اس پر عمل جاری رکھا۔ یہ شرم کی بات ہے کہ آج بہت سے مسلمانوں کو اس علم تک آسان اور محفوظ رسائی حاصل ہے لیکن اس پر شاید ہی توجہ دی جائے۔

صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص حصول علم کے راستے پر چلے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دے گا۔

یہ دونوں جسمانی راستے کی طرف اشارہ کرتا ہے جو کوئی علم حاصل کرنے کے لیے اختیار کرتا ہے، جیسے کہ لیکچرز اور کلاسز میں شرکت کرنا، اور وہ راستہ جس کے ذریعے کوئی شخص بغیر جسمانی سفر کے علم حاصل کرتا ہے۔ اس میں علم کی تمام اقسام شامل ہیں، جیسے علم کے بارے میں سننا، پڑھنا، مطالعہ کرنا اور لکھنا۔ جنت کے راستے میں بہت سی رکاوٹیں ہیں جو مسلمان کو اس تک پہنچنے سے روکتی ہیں۔ صرف وہی شخص جنت میں جائے گا جس کے پاس ان کا علم ہو اور ان پر کیسے قابو پایا جائے۔ اس کے علاوہ، یہ آسانی سے سمجھا جاتا ہے کہ کوئی شخص اس دنیا کے کسی شہر تک اس کے محل وقوع اور اس کی طرف جانے والے راستے کے بغیر نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح جنت ان چیزوں کے بارے میں جانے بغیر حاصل نہیں کی جا سکتی، جیسے اس کی طرف جانے والا راستہ۔

لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کا علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کا ارادہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہونا چاہیے۔ جو کوئی دنیوی وجہ سے دینی علم حاصل کرتا ہے، جیسے دکھاوے، وہ جہنم میں جائے گا اگر وہ سچے دل سے توبہ کرنے میں ناکام رہے گا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 253 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو اپنے علم پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ عمل کے بغیر علم کی کوئی قیمت یا فائدہ نہیں ہے۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جس کے پاس حفاظت کے راستے کا علم ہے لیکن اسے اختیار نہیں کرتا اور اس کے بجائے خطرات سے بھرے علاقے میں رہتا ہے۔ اس لیے علم کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا وہ ہے جب کوئی اپنے علم پر عمل کرے جس سے تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ ہو۔ دوسرا وہ ہے جب کوئی اپنے علم پر عمل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ اس قسم سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا، درحقیقت یہ ان کے تکبر میں اضافہ کرے گا کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں، حالانکہ وہ گدھے کی طرح ہیں جو کتابیں اٹھائے ہوئے ہیں جو اسے فائدہ نہیں پہنچاتی۔ باب 62 الجمعہ، آیت 5:

’’اور پھر اس پر عمل نہیں کیا)اپنے علم پر عمل نہیں کیا (اس گدھے کی طرح ہے جو کتابوں کی کتابیں اٹھائے ہوئے ہے‘‘۔

اس کے علاوہ زیر بحث اہم واقعہ یہ بھی واضح کرتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھ لیا تھا کہ صرف اسلام قبول کرنا کافی نہیں ہے۔ وہ جانتے تھے کہ انہیں اسلام کی تعلیمات پر سیکھنا ہے تاکہ وہ ان نعمتوں کا صحیح استعمال کر سکیں جو انہیں دی گئی ہیں تاکہ ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کی جا سکے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ ایک اور حقیقت ہے جسے اکثر مسلمان نظر انداز کر دیتے ہیں۔ بہت سے مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ اپنی زبان سے ایمان کا اعلان کرنا ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی کے لیے کافی ہے۔ یہی ایک بڑی وجہ ہے کہ مسلمان جو کم سے کم فرائض ادا کرتے ہیں وہ ذہنی سکون حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں کیونکہ وہ اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت کی وجہ سے جو نعمتیں انہیں دی گئی ہیں ان کا صحیح استعمال کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔

مزید برآں، جہالت ہی اس کا سبب بنتی ہے کہ وہ اسلام میں کمزور ایمان اپنائے۔ کمزور ایمان والا ہر حال میں، جیسے کہ مشکل وقت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم نہیں رہ سکتا۔ اس لیے ان کا طرز عمل انہیں ذہنی سکون حاصل کرنے سے روک دے گا کیونکہ وہ کبھی کبھار اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں گے۔ یہ ایک ایسے مریض کی طرح ہے جو کبھی کبھار اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے پر عمل کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مریض اپنے رویے کی وجہ سے اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل نہیں کرے گا۔ لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ مضبوط ایمان حاصل کر سکیں۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم رہیں گے۔ اس کے نتیجے میں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملتی ہے۔ یہ ایک ایسے مریض کی طرح ہے جو اپنے ڈاکٹر کی تمام ہدایات پر عمل کرتا ہے اور اس وجہ سے اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کرتا ہے۔

اسلام کی عوامی دعوت

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد 38 کے قریب ہو گئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت دینے اور دوسروں کو کھلے عام دعوت دینے کی تاکید کی۔ جب اس پر اتفاق ہوا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خانہ کعبہ کے اردگرد کے مقدس علاقے میں داخل ہوئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھے اور مسجد میں اور اس کے ارد گرد موجود تمام لوگوں سے خطاب کیا جب کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ پہلے آدمی تھے جنہوں نے کھلے عام لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول کرنے کی طرف بلایا۔ جب مکہ کے غیر مسلموں نے آپ کی پکار سنی تو سخت غصے میں آگئے اور ان کے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان مسجد میں پرتشدد لڑائی چھڑ گئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ شدید زخمی ہوئے۔ اسے اپنے گھر لے جایا گیا جہاں اسے ہوش آیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال دریافت کیا۔ یہ واقعہ امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 1، صفحہ 319-320 میں درج ہے۔

جب بھی کوئی شخص اسلام قبول کرنے یا اس کا مزید مطالعہ کرنے کا فیصلہ کرتا ہے تو اکثر صورتوں میں اسے اپنے اردگرد کے لوگوں خصوصاً اپنے رشتہ داروں کی طرف سے تنقید اور مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو اپنے چہرے کی تنقید سے گھبرانے کے بجائے اسلام کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے اپنے عزم پر قائم رہنا چاہیے۔ اس تنقید پر قابو پانا ایک امتحان ہے جس سے زیادہ تر لوگوں کو اپنے عزم کو ثابت کرنے کے لیے گزرنا پڑتا ہے۔ جس طرح کسی شخص کو بغیر جدوجہد اور قربانی کے ڈگری حاصل کرنے جیسی دنیاوی کامیابی حاصل نہیں ہوتی اور نہ ہی کوئی شخص اسلامی علم سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی جدوجہد اور قربانی کے بغیر ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرسکتا ہے۔ لوگوں کی تنقید تب ہی قبول کی جانی چاہیے جب وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق ہو اور اس لیے تعمیری ہو۔ باقی تمام تنقیدوں کو نظر انداز کر دینا چاہیے ورنہ ایک شخص مسلسل اداسی کا تجربہ کرے گا۔ اس کے علاوہ، صرف اس وجہ سے کہ دوسرے لوگ اسلام کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کا فائدہ نہیں دیکھتے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انہیں خوش کرنے کے لیے ایسا کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ اس کے بجائے، ایک شخص کو اپنی زندگی کا کنٹرول خود سنبھالنا چاہیے، کیونکہ وہ دونوں جہانوں میں ہر نیت، قول اور عمل کے لیے جوابدہ ہوں گے اور اگر وہ لوگوں کی تنقید کی وجہ سے اسلامی تعلیمات کو نظر انداز کرنے کا انتخاب کرتے ہیں تو وہ الزام دوسروں پر نہیں ڈال سکیں گے۔ باب 30 اروم، آیت 60:

"پس صبر کرو، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور وہ تمہیں پریشان نہ کریں جو یقین نہیں رکھتے۔"

حق پر ثابت قدم

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے لیے دن رات، چھپ کر اور کھلے عام بلاتے رہے، بغیر کسی کو روکنے، روکنے یا روکنے کی طاقت نہ تھی۔ وہ ہر جگہ لوگوں کو ان کی تقریبات، جلسوں اور اجتماعات، میلوں اور زیارت گاہوں میں ان کی پیروی کرتا تھا۔ وہ جس سے بھی ملا، آزاد ہو یا غلام، کمزور ہو یا طاقتور، امیر ہو یا غریب، اس نے اسلام کی طرف بلایا۔ جہاں تک اس کا تعلق تھا سب برابر اور یکساں تھے۔ جسمانی اور زبانی تشدد کے باوجود اس نے کمزوری یا ناامیدی کے بغیر اپنا مشن جاری رکھا۔ یہ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 1 صفحہ 334 میں درج ہے۔

کئی مواقع پر مکہ کے غیر مسلموں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے مشن کو روکنے کی تاکید کی لیکن آپ نے کبھی نہیں چھوڑا۔ ایک موقع پر انہوں نے اعلان کیا کہ اگر مکہ کے غیر مسلموں کے رہنما سورج کو ان کے دائیں ہاتھ میں اور چاند کو بائیں ہاتھ میں رکھیں تب بھی وہ اسلام کی دعوت کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے، چاہے اس سے ان کی موت ہی کیوں نہ ہو جائے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کوئی دنیاوی اثر و رسوخ اسے اپنے مشن کی تکمیل سے نہیں روک سکے گا۔ اس پر سیرت ابن ہشام صفحہ 44 میں بحث ہوئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسلام کی تعلیمات پر استقامت اختیار کریں۔ صحیح مسلم نمبر 159 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مختصر مگر دور رس نصیحت فرمائی۔ انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا صدق دل سے اعلان کریں اور پھر اس پر ثابت قدم رہیں۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکمیل پر مشتمل ہے، جو اس سے متعلق ہیں، جیسے فرض روزے اور جو لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کہ دوسروں سے حسن سلوک کرنا۔ اس میں اسلام کی ان تمام ممنوعات سے پرہیز کرنا بھی شامل ہے جو ایک شخص اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں اور جو دوسروں کے درمیان ہیں۔ ایک مسلمان کو بھی صبر

کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا چاہیے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

’’لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔‘‘

آخر میں ان پہلوؤں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق پورا کرنا شامل ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

ثابت قدمی میں دونوں قسم کے شرک سے پرہیز شامل ہے۔ سب سے بڑی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی عبادت کرتا ہے۔ معمولی قسم یہ ہے کہ جب کوئی نیک کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی خاطر، جیسے دکھاوا کرنا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے ۔ لہٰذا استقامت کا ایک پہلو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنا ہے۔

اس میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنا اور چیری چننے سے پرہیز کرنا شامل ہے کہ کب اور کن اسلامی تعلیمات پر کوئی شخص اپنی خواہشات کے مطابق عمل کرے گا۔

ثابت قدمی میں شامل ہے خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا، بجائے اس کے کہ اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کیا جائے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ نہ ان کی خواہشات اور نہ ہی لوگ انہیں اللہ تعالیٰ سے محفوظ رکھیں گے۔ دوسری طرف جو اللہ تعالیٰ کا سچے دل سے فرمانبردار ہے وہ ہر چیز سے محفوظ رہے گا خواہ یہ حفاظت ان پر ظاہر نہ ہو۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے میں یہ شامل ہے کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا اور اس سے ہٹنے والے راستے کو اختیار نہ کرنا۔ جو شخص اس راہ کو اختیار کرنے کی کوشش کرے گا اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ یہی ان کے ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے کافی ہے۔ باب 4 النساء آیت 59:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے حاکم ہیں..."

جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ثابت قدم رہنے کا ایک پہلو ہر اس شخص کی اطاعت ہے جس کے احکام و نصیحت کی جڑیں اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخلصانہ اطاعت میں ہیں۔

چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ بلاشبہ غلطیاں کریں گے اور گناہ کریں گے۔ لہٰذا ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کریں۔ اس کی طرف باب 41 فصیلات، آیت 6 میں اشارہ کیا گیا ہے:

‘‘...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو’’

اس کی مزید تائید جامع ترمذی نمبر 1987 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور کسی نیک عمل سے سرزد ہونے والے)معمولی (گناہ کو مٹانے کی تلقین کی گئی ہے۔ امام مالک کی موطا، کتاب 2، حدیث نمبر 37 میں موجود ایک اور حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی پوری کوشش کریں، اگرچہ وہ اس پر پوری طرح عمل نہ کر سکیں۔ لہٰذا ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی نیت اور جسمانی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں اس کو حاصل کرنے کی صلاحیت کو پورا کرے۔ انہیں کمال حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ کوئی شخص اپنے جسمانی اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ثابت قدم نہیں رہ سکتا جب تک کہ وہ اپنے روحانی قلب کو پہلے پاک نہ کرے۔ جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جسم کے اعضاء صرف اسی صورت میں کام کریں گے جب روحانی قلب پاک ہو۔ دل کی پاکیزگی صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ثابت قدمی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی زبان پر قابو رکھے جیسا کہ یہ دل کا اظہار کرتی ہے۔ زبان پر قابو رکھے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ممکن نہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2407 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں اگر اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں کوئی کمی واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنی چاہیے اور لوگوں سے معافی مانگنی چاہیے، اگر اس میں ان کے حقوق شامل ہوں۔ باب 46 الاحقاف، آیت 13:

”بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ راہ راست پر رہے، ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

اس کے علاوہ زیر بحث اہم واقعہ اسلام میں مساوات کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلا تفریق اور تعصب کے تمام لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دی۔

صحیح مسلم نمبر 6543 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ ان کی ظاہری شکل وصورت یا مال کی بنیاد پر نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی باطنی نیت اور ان کے جسمانی اعمال کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ کوئی بھی عمل کرتے وقت ہمیشہ اپنی نیت کو درست کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس وقت اجر دے گا جب وہ اس کی رضا کے لیے عمل صالح کریں گے۔ جو لوگ دوسرے لوگوں اور چیزوں کی خاطر اعمال انجام دیتے ہیں ان سے کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اپنا اجر حاصل کریں جن کے لیے انہوں نے قیامت کے دن عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ یہ حدیث اسلام میں مساوات کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ ایک شخص دنیاوی چیزوں جیسے اس کی نسل یا دولت کے لحاظ سے دوسروں سے برتر نہیں ہے۔ اگرچہ بہت سے مسلمانوں نے یہ رکاوٹیں کھڑی کی ہیں، جیسے کہ سماجی ذاتیں اور فرقے، اس طرح بعض کو دوسروں سے بہتر مانتے ہوئے، اسلام نے واضح طور پر اس تصور کو رد کر دیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ اس لحاظ سے اسلام کی نظر میں تمام لوگ برابر ہیں۔ صرف ایک چیز جو ایک مسلمان کو دوسرے پر فضیلت دیتی ہے وہ ہے ان کی تقویٰ کا مطلب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو کس قدر پورا کرتے ہیں، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

”بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے“۔

اس کے علاوہ زیر بحث اہم حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ عورتوں کو مردوں کے مقابلے میں دنیا میں اپنے مقام کے بارے میں بحث و تکرار میں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

اس کے بجائے، انہیں یہ سمجھنا چاہیے کہ برتری مردوں کی نقل کرنے یا آگے بڑھنے میں نہیں ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت میں مضمر ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس کے حقوق اور لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں مصروف ہو جائے اور اس بات پر یقین نہ کرے کہ جو چیز ان کے پاس ہے یا اس کی ملکیت ہے وہ کسی طرح انہیں عذاب سے بچا لے گی۔ صحیح مسلم نمبر 6853 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح فرمایا ہے کہ جس مسلمان میں اعمال صالحہ کا فقدان ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس کے نسب کی وجہ سے کوئی اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ حقیقت میں، یہ تمام دنیاوی چیزوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دولت، نسل، جنس یا سماجی بھائی چارے اور ذات پات۔

آخر میں، جس طرح اسلام لوگوں کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی بنیاد پر کرتا ہے، اسی طرح لوگوں کو بھی ہونا چاہیے۔ وہ دوسروں کو اپنے سے کمتر نہ سمجھیں اور نہ ہی دنیاوی معیارات کی بنیاد پر، کیونکہ یہ اکثر فخر اور دوسروں کے حقوق ادا کرنے میں ناکامی کا باعث بنتا ہے، دونوں جہانوں میں تباہی کا باعث بنتے ہیں۔

انسان کی اصل حیثیت پوشیدہ ہے، جیسا کہ کسی کی نیت لوگوں سے پوشیدہ ہے، خواہ وہ اس کے اعمال کو دیکھ سکے۔ اس لیے دوسروں کو حقیر سمجھنا بے وقوفی ہے، کیونکہ وہ ان سے برتر ہو سکتے ہیں۔

حق کو قبول کرنا اور اس پر ثابت قدم رہنا

اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کی اکثریت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید مخالفت کی، آپ کے چچا ابو طالب نے آپ کو ان کی خوبیوں کی وجہ سے تمام مردوں پر فضیلت دی۔ اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہایت شفقت اور مہربانی سے پیش آئے اور ان کی حمایت اور حفاظت کی۔ ایسا کرتے ہوئے وہ اپنے ہی لوگوں اور مذہب کے خلاف تھا۔ اگرچہ ابو طالب نے اپنے قبائلی تحفظ کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچایا اور آپ سے بہت محبت کرتے تھے لیکن انہوں نے اپنی قوم سے غلط وفاداری کی بنا پر کبھی اسلام قبول نہیں کیا، حالانکہ وہ جانتے تھے کہ اسلام ہی حق ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 1، صفحہ 337 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ اس زمین پر کسی شخص کا مقصد لوگوں کو خوش کرنا نہیں ہے۔ ،جو شخص لوگوں کو خوش کرنے کے لیے جیتا ہے اسے کبھی بھی ذہنی سکون نہیں ملے گا کیونکہ اس سے توقع کی جائے گی کہ وہ ایسے کام کریں جو دوسروں کو خوش کرنے کے لیے ان کی اپنی خوشی کے خلاف ہوں۔ اور جیسا کہ لوگ عام طور پر ناشکرے ہوتے ہیں، اس لیے یہ شخص دوسروں کی تعریف بھی حاصل نہیں کرے گا۔ نتیجے کے طور پر، وہ تلخ اور اداس ہو جائیں گے .یہ انہیں ذہنی سکون حاصل کرنے سے مزید روک دے گا۔ اس کے علاوہ، انہوں نے لوگوں کو خوش کرنے کے لیے جو کام کیا، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اجر حاصل نہیں کریں گے۔ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اس سے دونوں جہانوں میں مصیبت ہی بڑھے گی۔ اس کے بجائے، ایک شخص کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق لوگوں کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے لیکن ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا مقصود ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی کوششوں کی قدر کرتا ہے، وہ انہیں دونوں جہانوں میں خوب اجر دے گا۔ یہ انعام اور رحمت انہیں ذہنی سکون حاصل کرنے میں مدد دے گی۔ مزید برآں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی ،خوشنودی ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے میں مضمر ہے جو عطا کی گئی ہیں اس لیے اسلام کی تعلیمات کے مطابق اس سے ان کے ذہنی سکون میں مزید اضافہ ہو گا، کیونکہ اس طرح برتاؤ کرنے سے ذہنی اور جسمانی توازن برقرار رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام انسان کو اپنی زندگی میں ہر چیز اور ہر ایک کو صحیح جگہ پر رکھنے کا درس دیتا ہے تاکہ وہ ذہنی سکون حاصل کریں۔ یہ منظم کتابوں کی لائبریری کی طرح ہے۔ ایک مخصوص کتاب تلاش کرنے میں کم سے کم محنت اور تناؤ درکار ہوتا ہے۔ جب کہ، غیر منظم کتابوں کی لائبریری ایک شخص کو بہت زیادہ دباؤ کا باعث بنتی ہے جب وہ کوئی خاص کتاب تلاش کرنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح جب کوئی ان کو عطا کی گئی چیزوں کا غلط استعمال کرتا ہے اور لوگوں کو اپنی زندگی میں غلط جگہ دیتا ہے تو یہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے تناؤ کے سوا کچھ نہیں لے گا۔ اس لیے انسان

کو اپنے تمام کاموں میں ہمیشہ اللہ رب العزت کو راضی کرنے کی نیت کرنی چاہیے کیونکہ دونوں جہانوں میں سکون قلب حاصل کرنے کا یہی واحد طریقہ ہے۔ اس کی ایک مثبت علامت یہ ہے کہ انسان لوگوں سے کسی قسم کی شکر گزاری یا تعریف کی امید نہیں رکھتا۔

برائی کے وقت صبر

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اسلام کی طرف بلانے کے لیے ہر موقع سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ لیکن جن لوگوں نے اس کی مخالفت کی، جیسے کہ اس کے چچا ابو لہب نے اسلام کے پیغام کو پھیلنے سے روکنے کے لیے اس کے خلاف بھرپور کوشش کی۔ مثلاً ذی المجاز کے میلے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں گے۔ اس کا چچا ابو لہب یہ واقعہ امام ابن کثیر کی سیرت جہاں بھی جاتا اس کا پیچھا کرتا اور اس پر جھوٹ اور گالیاں بکتا۔ نبوی جلد 1 صفحہ 335 میں درج ہے۔

یہ واقعہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ جب بھی کوئی نیک کام کرنے کی کوشش کرتا ہے تو صبر نیکی کا حکم دیتا ،دوسروں کو اسلام کی طرف دعوت دیتا ہے کرنے کی اہمیت ہے۔ جب بھی کوئی کر کے غافل طرز زندگی کو چیلنج بہت سے دوسرے لوگوں ہے اور برائی سے روکتا ہے تو وہ کہ وہ جس طرح بھی ہو سکے حق کے ایم کو اس بات کی ترغیب ملتی ہے جس سے رہا ہوتا ہے کو جھٹلانے کی بڑی وجہ یہی السلام خلاف مزاحمت کریں۔ تمام پچھلی امتوں نے اپنے انبیاء علیہم تھی۔ وہ اپنے طرز زندگی اور خصائل کو ترک نہ کر سکے اور ان کے دفاع میں اللہ تعالیٰ کے اس پر صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رسول ،عالی مقام ۔ خلاف جنگ کرنے کے لیے تیار ہو گئے کی طرف سے ہو جب کوئی یہ اہم فرض ادا کرتا ہے تو اسے اپنے رشتہ داروں سمیت دوسروں ، انبیاء علیہم السلام پیش آنے والی بہت سی مشکلات کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ پھر بھی انہیں بے شمار ،بلند پایہ ۔ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں ،ان پر ہو سلامتی ان کی قوموں سے انسان کو صرف قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اس حقیقت کا مشاہدہ کرنے کے ۔ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے اور آپ علیہ وآلہ وسلم مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ اس پر درود و سلام ہو ۔ لیے نمبر 2472 میں جامع ترمذی ایک حدیث میں بیان ہوا ہے۔ ایک بار ،صلی اللہ علیہ وسلم پر درود ۔ اُس سے بڑھ کر ۔ اللہ کی راہ میں ایذاء نہیں پہنچائی گئی کو سے کسی کہ مخلوق میں ہے

ردعمل کو پڑھا لکھا، احترام والا ہونا دوسروں کے برے رویے پر معاملات میں اس طرح کے : میں ملتی ہے 47-46 آیات ، اس کی ایک مثال باب 19 مریم اور نرم چاہیے۔

]اس کے باپ [نے کہا، "اے ابراہیم، کیا تم میرے معبودوں کی خواہش نہیں رکھتے؟ اگر تم باز نہ" آئے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا، لہٰذا مجھ سے زیادہ دیر بچو۔ ‘‘ابراہیم نے کہا، ’’تم پر سلامتی ‘‘ہو گی۔ میں اپنے رب سے تمہارے لیے معافی مانگوں گا۔ بے شک وہ مجھ پر ہمیشہ مہربان ہے۔

اس کے بڑے کے ،اس پر ہے۔ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مہربان اور احترام والا جواب .بحث کی جاتی ہے پر سخت رویے

اگر ایک شخص ہر کسی کے ساتھ مل کر چلنے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس ، زیادہ تر معاملات میں میں کردار کی خامی ہونی چاہیے۔ معاشرے کے ارکان کے اندر اختلافات کی وجہ سے ایک شخص ان کبھی بھی سب کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ وہ ہمیشہ ایک یا زیادہ ہوں گے جو متفق نہیں ہوں گے۔ کی ذہنیت، طرز زندگی اور مشورے کے ساتھ یہ تنوع تناؤ اور کبھی کبھار مسائل کا باعث بنے اکثر صورتوں میں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تو گا۔ لیکن اگر کسی شخص کو سب پسند کرتے ہیں والسلام اس نے دو رخی ہو کر منافقوں کی ذہنیت اختیار کر رکھی ہے۔ اگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ اس حیثیت کو ایک عام آدمی کیسے کر سکتا ہے سب کی طرف سے پیار نہیں کیا گیا تھا ،ان پر ہو پروپیگنڈے پر یقین نہیں کرنا چاہیے کیونکہ جس گروہ کے ساتھ اس کہ حاصل کریں؟ یہی وجہ ہے ان پر ہو اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ السلام تھے۔ طرح سب سے زیادہ ظلم کیا گیا وہ انبیاء علیہم میں موجود حدیث سے ہوتی ہے ۔ نمبر 4023

ایک بار ایک بے شرم عورت نے ناجائز تعلقات السلام پر مثال کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ بلند ۔ کا جھوٹا الزام لگایا تھا۔ وہ اللہ کے دشمن کی طرف سے اس پر بہتان لگانے پر آمادہ ہوئی تھی ایک مذہبی اجتماع کے دوران ،اس نے السلام حضرت موسیٰ علیہ قرعون۔ جب اس نے الزام لگایا ، عوامی طور پر اس سے پوچھ گچھ کی۔ جب اس نے اس کا ردعمل دیکھا تو اس نے فوراً اپنا الزام تباہ شدہ قرعون نے ،سربلند تعالیٰ واپس لے لیا اور سچائی کا اعتراف کیا۔ جس کے نتیجے میں اللہ زمین کو حکم دیا کہ اسے اور اس کے عظیم خزانے کو نگل جائے۔ یہ واقعہ امام ذہبی رحمۃ اللہ :باب 28 القصص، آیت 81 ۔ میں درج ہے کبیرہ گناہوں صفحہ 166-167 کے علیہ

اور ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا‘‘۔ ’’

کئی مواقع پر تہمتیں لگائی گئیں لیکن وہ اپنے مشن پر ثابت قدم ان پر سلامتی ، انبیاء علیہم السلام کام کو مکمل کسی جب اللہ تعالیٰ سربلند ۔ رہے یہاں تک کہ اللہ کی طرف سے انہیں فتح نصیب ہوئی پھیلاتا ایمان کا سچا کلمہ پوری مخلوق میں اس کی مدد کرنا کرنے کا فیصلہ کرتا ہے جیسے کہ اسے روک نہیں سکتا۔ ہے ۔

مسلمانوں کو یہ مان لینا چاہیے کہ وہ بھی اس بات کو پھیلاتے وقت مشکلات کا سامنا کریں گے۔ میں ثابت قدم رہنے مشکلات ۔ کو چاہیے کہ انبیاء کرام کے نقش قدم پر چلیں ان اسلام کا اس لیے اور نیک پیشرو۔ اگر کوئی ،ان سے راضی رہو کا یہی رویہ تھا ۔ رضی اللہ عنہم سے صحابہ کرام ان کے ساتھ اگلے جہان میں شامل ہونا چاہتا ہے تو اسے بھی یہ رویہ اختیار کرنا چاہیے۔

زیر بحث مرکزی تقریب میں ابو لہب کی طرف سے جو رویہ ظاہر کیا گیا ہے وہ منافقت کا ایک پہلو ہے جس سے مسلمانوں کو بچنا چاہیے۔

اس قسم کے لوگ معاشرے میں فساد پھیلاتے ہیں۔ یہ منفی خصوصیت خاندانی اکائی سے شروع ہوکر بین الاقوامی سطح پر ختم ہونے والی تمام سماجی سطحوں کو متاثر کرتی ہے۔ اس قسم کے لوگ لوگوں کو اچھائی پر متحد ہوتے دیکھنا ناپسند کرتے ہیں کیونکہ اس سے دوسروں کی دنیاوی حیثیت ان کے اپنے سے بڑھ جاتی ہے۔ یہ انہیں غیبت اور غیبت کی طرف لے جاتا ہے تاکہ لوگ ایک دوسرے کے خلاف ہو جائیں۔ ان کا برا رویہ ان کے اپنے رشتے داروں کو تباہ کر دیتا ہے اور جب وہ دوسرے خاندانوں کو دیکھتے ہیں جو خوش ہوتے ہیں تو یہ انہیں ان کی خوشیوں کو بھی تباہ کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ وہ فالٹ فائنڈر ہیں جو اپنا وقت دوسروں کی غلطیوں کی نقاب کشائی کرنے کے لیے وقف کرتے ہیں تاکہ ان کی سماجی حیثیت کو نیچے لے جا سکیں۔ وہ پہلے لوگ ہیں جنہوں نے دوسروں کے بارے میں گپ شپ شروع کی اور جب بھی اچھی بات کی جائے تو بہرے کام کرتے ہیں۔ امن اور سکون انہیں پریشان کرتا ہے لہذا وہ اپنے آپ کو تفریح کرنے کے لئے مسائل پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ سنن ابن ماجہ نمبر 2546 میں موجود حدیث کو یاد کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ یہ نصیحت کرتی ہے کہ جو شخص دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالے

گا اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں پر پردہ ڈالے گا۔ لیکن جو شخص دوسروں کے عیب تلاش کرتا ہے اور ان کی پردہ پوشی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو لوگوں پر ظاہر کر دیتا ہے۔ تو درحقیقت اس قسم کے افراد معاشرے کے سامنے صرف اپنے عیبوں کی پردہ پوشی کر رہے ہوتے ہیں حالانکہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ دوسروں کے عیبوں کو بے نقاب کر رہے ہیں۔

خواہشات کی عبادت کرنا

مکہ کے غیر مسلموں نے اپنی زندگی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گزاری اور بخوبی جانتے تھے کہ وہ جھوٹے یا دیوانے نہیں ہیں۔ عربی زبان کے ماہر ہونے کی وجہ سے وہ بخوبی جانتے تھے کہ قرآن پاک کسی انسان یا جن کا کلام نہیں ہے۔

یہ حقیقت کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پڑھ ہونے کے باوجود سچے تاریخی واقعات اور نفع بخش اسباق پڑھ رہے تھے اور سابقہ آسمانی صحیفوں کا مطالعہ نہیں کیا تھا، جنہیں مکہ کے غیر مسلم بخوبی جانتے تھے، آپ کی نبوت کی واضح نشانی تھی۔

اس کے علاوہ جس طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پوری زندگی مکہ کے غیر مسلموں کے درمیان گزاری وہ آپ کی نبوت کے اعلان کی دلیل کے لیے کافی ہے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کے غیر مسلموں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو آپ نے اپنے 40 سال ان کے درمیان اس بات کا ثبوت دیا کہ وہ سچ بول رہے ہیں۔ یہ ثبوت غیر مسلموں کی طرف سے بھی ناقابل تردید تھا۔ یہ واقعہ صحیح بخاری نمبر 4553 میں موجود ایک حدیث میں درج ہے، صرف کچھ لوگوں کے تکبر نے انہیں حق کے آگے سر تسلیم خم کرنے سے روک دیا۔ باب 10 یونس، آیت 16:

"کیونکہ میں اس سے پہلے زندگی بھر تمہارے درمیان رہا تھا، پھر کیا تم عقل نہیں کرو گے؟..."

اگرچہ مکہ کے غیر مسلم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کریم کی سچائی کے قائل تھے، ان میں سے اکثر نے اسلام سے انکار کیا اور اپنے دین پر ڈٹے رہے۔

سچ تو یہ ہے کہ جھوٹے دیوتاؤں کا ہر پرستار صرف اپنی خواہشات کی پوجا کرتا ہے۔ ان کے دیوتا ان کی خواہشات کا محض ایک جسمانی مظہر ہیں جن کی وہ پوجا کرتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ جو شخص بت کی شکل میں دیوتا کی پوجا کرتا ہے وہ جانتا ہے کہ بے جان بت انہیں اپنی زندگی کسی خاص طریقے سے گزارنے کا حکم نہیں دے سکتا، اس لیے پوجا کرنے والا خود فیصلہ کرتا ہے کہ وہ اپنے بے جان بت کو کس طرح جینا پسند کرے گا۔ اور یہ ضابطہ اخلاق ان کی اپنی خواہشات کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس لیے ان کی خواہشات کی عبادت ہی ان کی عبادت کی جڑ ہے۔ بااثر اور امیر لوگ اس ذہنیت میں زیادہ ڈوبے ہوئے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ حق کے معنی اسلام کو قبول کرنا انہیں ایک مخصوص ضابطہ حیات کے مطابق زندگی گزارنے پر مجبور کر دے گا جو انہیں اپنی گمراہ خواہشات پر عمل کرنے سے روک دے گا۔ وہ دوسروں کو ان کی پیروی کرنے کا مشورہ دیتے ہیں کیونکہ وہ اپنا اثر و رسوخ اور اختیار کھونا نہیں چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جیسا کہ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کرنے والے تھے۔ اس رویہ کا واضح ثبوت پر مبنی اسلام کے صحیح یا غلط مذہب ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ صرف اپنی خواہشات کی تکمیل کے بارے میں ہے۔ اس جدید دور میں وہ بت جو انسان کو اپنی تمام خواہشات پوری کرنے دیتے ہیں اب سوشل میڈیا، فیشن اور کلچر ہیں۔ اس لیے ان چیزوں کی اطاعت اور پیروی سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ صرف اپنی خواہشات کی عبادت کرنے کا باعث بنے گا، خواہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کا دعویٰ ہی کیوں نہ کرے۔ باب 25 الفرقان، آیت 43:

''کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جو اپنی خواہش کو اپنا معبود بناتا ہے؟''

اگر کوئی شخص دونوں جہانوں میں ذہنی سکون چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ کسی ایسے جانور کی سطح پر اٹھ جائے جو صرف اپنی خواہشات کے مطابق کام کرتا ہے۔ اس کے بجائے انہیں اسلامی تعلیمات کو سیکھنا اور ان پر عمل کرنا چاہیے تاکہ وہ ان نعمتوں کا صحیح استعمال کریں جو انہیں عطا کی گئی ہیں تاکہ وہ متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کریں۔ اس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ جدید دنیا کے بت کسی کو ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کی ترغیب نہیں دیں گے جو انہیں دی گئی ہیں، کیونکہ یہ دولت حاصل کرنے اور لوگوں پر اثر و رسوخ حاصل کرنے کے ان کے مقصد کے خلاف ہوگا۔ نتیجے کے طور پر، جو ان بتوں کی پیروی کرتا ہے وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو انہیں دی گئی ہیں جو انہیں ذہنی سکون حاصل کرنے سے روکے گی، خواہ وہ تفریح کے لمحات کا تجربہ کریں۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے" قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اس کے علاوہ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی لوگوں کے روحانی دلوں کو کنٹرول کرتا ہے، ذہنی سکون کا گھر، وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کون اسے حاصل کرتا ہے اور کس کو نہیں۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے‘‘۔’’

اور یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کو ذہنی سکون دے گا جو اس کی عطا کردہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔

عذاب اور نماز میں تاخیر

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر مسلم چچا ابو جہل نے ایک مرتبہ یہ تبصرہ کیا کہ اگر میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خانہ کعبہ کے قریب نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو سجدے کی حالت میں ان کی گردن روند ڈالے گا۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھنے لگے تو ابو جہل اپنے شیطانی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے آپ کے پاس پہنچا لیکن وہ جلدی سے بھاگتا ہوا اس طرح بھاگا جیسے گدھے شیر سے بھاگتا ہے۔ جب ان سے اس کے اعمال کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ میں نے آگ کی ایک کھائی دیکھی ہے جو دہشت اور پروں سے بھری ہوئی ہے جو اس کے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان نمودار ہوئی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعد میں تبصرہ فرمایا کہ اگر ابو جہل اپنے شیطانی منصوبے پر قائم رہا تو فرشتے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیات نازل کیں، جہاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز جاری رکھنے کا حکم دیا گیا، باب 96 العلق، آیات 6-19:

”نہیں، انسان حد سے بڑھ جاتا ہے، کیونکہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز دیکھتا ہے، بے شک تیرے رب کی طرف لوٹنا ہے، کیا تم نے دیکھا ہے کہ منع کرنے والے کو، بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے، کیا تم نے دیکھا ہے کہ وہ ہدایت پر ہے یا نیکی کا حکم دیتا ہے؟ کیا تم نے دیکھا ہے کہ اگر وہ جھٹلائے اور منہ پھیرے، کیا وہ نہیں جانتا کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے دیکھے گا تو ہم یقین نہیں کریں گے؟ ایک جھوٹا، گناہگار ہے تو ہم جہنم کے فرشتوں کو بلائیں گے اور سجدہ کریں گے۔

صحیح مسلم نمبر 7065 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس واقعے کے دوران ابوجہل کو ہلاک کر سکتا تھا لیکن اس نے اپنے عذاب کو روک دیا تاکہ اسے سچے دل سے توبہ کرنے کا موقع مل سکے۔

اللہ تعالیٰ نرمی کی وجہ سے اس کے لیے عذاب میں جلدی نہیں کرتا۔ اس کے بجائے وہ انہیں خلوص دل سے توبہ کرنے اور اپنے طرز عمل کو درست کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 61:

"اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر ان کے ظلم کا الزام لگاتا تو اس پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا، لیکن وہ ان کو ایک معینہ مدت کے لیے مہلت دیتا ہے، اور جب ان کی میعاد آ جائے گی تو وہ ایک گھڑی بھی پیچھے نہیں رہیں گے اور نہ آگے بڑھیں گے۔"

جو مسلمان اس بات کو سمجھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی امید نہیں چھوڑے گا بلکہ حد سے تجاوز بھی نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر خواہش مندانہ سوچ اختیار کرے گا، انہیں کبھی عذاب نہیں دے گا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ سزا میں صرف تاخیر ہوتی ہے جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہیں کرتے۔ پس یہ خدائی صفت ایک مسلمان میں امید اور خوف پیدا کرتی ہے۔ ایک مسلمان کو اس تاخیر کو توبہ کرنے اور نیک کاموں کی طرف جلدی کرنے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

ایک مسلمان کو اس الٰہی صفت پر لوگوں کے ساتھ نرمی سے کام لینا چاہیے، خاص طور پر جب وہ برے کردار کا مظاہرہ کریں۔ انہیں دوسروں کے ساتھ نرمی کا مظاہرہ کرنا چاہئے جس طرح وہ اللہ تعالیٰ سے ان کی غفلت کے لمحات میں ان کے ساتھ نرمی برتنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہیں اپنی بری خصوصیات کے ساتھ نرمی نہیں برتنی چاہئے یہ جانتے ہوئے کہ گناہوں کی سزا میں تاخیر ہوتی ہے جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کر لیں تب تک ہمیشہ کے لئے ترک نہیں کیا جاتا۔ انہیں بھی چاہیے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق برائی کا جواب اچھائی سے دیتے ہوئے نرمی پر ثابت قدم رہیں۔ باب 41 فصیلات، آیت 34:

"اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، برائی کو اس سے دور کرو جو بہتر ہو، پھر جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسے وہ ایک مخلص دوست ہو۔"

اس کے علاوہ زیر بحث مرکزی واقعہ سے یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اس طرح کے خطرے اور تشدد کے عالم میں بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نماز پنجگانہ کے فرض ہونے سے پہلے کبھی بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا نہیں چھوڑا۔ لہٰذا اس سے نماز قائم کرنے کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2618 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ فرض نمازوں کو چھوڑنا ایمان اور کفر میں فرق ہے۔

اس دن اور عمر میں یہ بہت عام ہو گیا ہے۔ بہت سے لوگ معمولی وجوہات کی بنا پر اپنی فرض نمازیں ترک کر دیتے ہیں جو کہ بلاشبہ رد ہیں۔ اگر جنگ کرنے والے پر نماز کی فرضیت ختم نہیں ہوئی تو کسی اور سے کیسے ہٹائی جائے گی؟ باب 4 النساء، آیت 102:

’’اور جب تم ان کے درمیان ہو اور ان کی امامت کرو تو ان میں سے ایک گروہ تمہارے ساتھ کھڑا ہو اور وہ اپنے ہتھیار اٹھائے اور جب وہ سجدہ کر لیں تو وہ تمہارے پیچھے ہوں اور دوسرے گروہ کو آگے آنے دیں جنہوں نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی ہے اور وہ احتیاط کرتے ہوئے اور اپنے ہتھیار اٹھائے ہوئے تمہارے ساتھ نماز پڑھیں۔‘‘

نہ مسافر اور نہ بیمار اپنی فرض نمازوں سے مستثنیٰ ہیں۔ مسافر کو بعض فرض نمازوں میں چکروں کی مقدار کو کم کرنے کی تلقین کی گئی ہے تاکہ ان پر بوجھ کم ہو جائے لیکن وہ ان کی ادائیگی سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ باب 4 النساء، آیت 101:

’’...اور جب تم پورے ملک میں سفر کرتے ہو تو تم پر نماز قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں‘‘

بیماروں کو خشک وضو کرنے کی تلقین کی گئی ہے اگر پانی سے رابطہ انہیں نقصان پہنچاتا ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 6:

"لیکن اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کی جگہ سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے رابطہ کیا ہو اور پانی نہ ملے تو صاف زمین تلاش کرو اور اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو۔"

اس کے علاوہ بیمار فرض نماز اس طریقے سے ادا کرسکتے ہیں جو ان کے لیے آسان ہو۔ یعنی اگر کھڑے نہیں ہو سکتے تو بیٹھ سکتے ہیں اور اگر بیٹھ نہیں سکتے تو لیٹ کر فرض نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 372 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ لیکن پھر یہ کہ بیمار کو مکمل رعایت نہیں دی جاتی جب تک کہ کوئی ذہنی مریض نہ ہو جو اسے نماز کی فرضیت کو سمجھنے سے روکتا ہو۔

دوسرا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ بعض مسلمان اپنی فرض نمازوں میں تاخیر کرتے ہیں اور صحیح اوقات سے زیادہ پڑھتے ہیں۔ یہ قرآن کریم سے واضح طور پر متصادم ہے کیونکہ مومنین کو اپنی فرض نمازیں وقت پر ادا کرنے والے کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ باب 4 النساء، آیت 103:

"بے شک نماز مومنوں پر مقررہ اوقات کے لیے فرض کی گئی ہے۔"

بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ قرآن کریم کی درج ذیل آیت سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی فرض نمازوں میں بلاوجہ تاخیر کرتے ہیں۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 10، صفحہ 603-604 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ باب 107 المعون، آیات 4-5:

"پس خرابی ہے ان نمازیوں کے لیے، جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔"

یہاں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ان لوگوں پر لعنت فرمائی ہے جنہوں نے اس بری صفت کو اختیار کیا ہے۔ اگر کوئی اللہ کی رحمت سے دور ہو جائے تو اس دنیا یا آخرت میں کامیابی کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 512 میں موجود ایک حدیث میں فرمایا کہ فرض نماز میں بلا ضرورت تاخیر کرنا نفاق کی علامت ہے۔ قرآن کریم نے واضح کیا ہے کہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی ایک بڑی وجہ فرض نمازوں کو قائم نہ کرنا ہے۔ باب المدتثیر، آیات 42-43 74:

"اور ان سے پوچھنا" [تمہیں کس چیز نے سقر میں ڈالا؟ "وہ کہیں گے" :ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہیں تھے۔"

فرض نمازوں کا ترک کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2621 میں موجود حدیث میں اعلان فرمایا کہ جس نے یہ گناہ کیا اس نے اسلام سے کفر کیا۔

اس کے علاوہ کوئی اور نیک عمل کسی مسلمان کو اس وقت تک فائدہ نہیں دے گا جب تک کہ اس کی فرض نمازیں قائم نہ ہوں۔ صحیح بخاری نمبر 553 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر عصر کی فرض نماز چھوٹ جائے تو اس کے نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ اگر ایک فرض نماز کے ترک کرنے کا یہ حال ہے تو کیا ان سب کو چھوڑنے کی سزا کا تصور کیا جا سکتا ہے؟

صحیح مسلم کی حدیث نمبر 252 میں فرض نمازوں کو ان کے صحیح اوقات میں پڑھنے کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین اعمال میں سے ایک ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ فرض نمازوں میں وقت سے زیادہ تاخیر کرنا یا ان کو مکمل طور پر غائب کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ کام ہے۔

تمام بزرگوں کے لیے یہ ایک اہم فریضہ ہے کہ وہ اپنے زیر کفالت بچوں کو چھوٹی عمر سے ہی فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دیں تاکہ وہ ان پر شرعی طور پر پابند ہونے سے پہلے ہی اسے قائم کر لیں۔ وہ بالغ جو اس میں تاخیر کرتے ہیں اور بچوں کے بڑے ہونے تک انتظار کرتے ہیں اس انتہائی اہم فریضے میں ناکام رہے ہیں۔ جن بچوں کو صرف فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دی گئی تھی جب یہ ان پر فرض ہو گئی تھی، وہ بہت کم ہی انہیں جلدی قائم کرتے تھے۔ زیادہ تر معاملات میں اس اہم فرض کو صحیح طریقے سے نبھانے میں انہیں برسوں لگ جاتے ہیں۔ اور قصور خاندان کے بزرگوں پر، خاص طور پر والدین پر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 495 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت کی ہے کہ خاندان سب سے زیادہ اپنے بچوں کو جب سات سال کے ہو جائیں تو فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

ایک اور بڑا مسئلہ جس کا بہت سے مسلمانوں کو سامنا ہے وہ یہ ہے کہ وہ فرض نماز تو ادا کر سکتے ہیں لیکن صحیح طریقے سے ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر، بہت سے لوگ نماز کے مراحل کو صحیح طریقے سے مکمل نہیں کر پاتے اور اس کے بجائے اس میں جلدی کرتے ہیں۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 757 میں موجود ایک حدیث واضح طور پر تنبیہ کرتی ہے کہ اس طرح کی نماز پڑھنے والے نے بالکل نماز نہیں پڑھی۔ یعنی ان کا ذکر اس شخص کے طور پر نہیں ہے جس نے اپنی نماز پڑھی اور اس وجہ سے ان کی ذمہ داری پوری نہیں ہوئی۔ جامع ترمذی نمبر 265 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص نماز کے ہر مقام پر قائم نہیں رہتا اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں رکوع اور سجدہ نہ کرنے والے کو بدترین چور قرار دیا۔ موطا مالک، کتاب نمبر 9، حدیث نمبر 75 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے۔ بدقسمتی سے بہت سے مسلمان جنہوں نے کئی دہائیاں فرض اور اس جیسی بہت سی نفلی نمازیں ادا کی ہیں، ان میں سے کسی نے بھی شمار نہیں کیا اور اس طرح ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے گا جس نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر 1313 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

قرآن پاک عام طور پر مسجد میں جماعت کے ساتھ فرض نماز ادا کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 43:

‘‘اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔’’

درحقیقت اس آیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی بنا پر بعض معتبر علماء نے اس کو مسلمان مردوں پر واجب قرار دیا ہے۔ مثال کے طور پر سنن ابوداؤد نمبر 550 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ جو مسلمان اپنی فرض نمازیں مسجد میں باجماعت ادا نہیں کریں گے انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے منافق قرار دیا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مردوں کے گھروں کو جلانے کی دھمکی بھی دی تھی جو بغیر کسی عذر کے باجماعت مسجد میں اپنی فرض نمازیں ادا کرنے میں ناکام رہے تھے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 1482 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ جو مسلمان اس اہم عمل کو انجام دینے کی پوزیشن میں ہوں وہ کریں۔ انہیں یہ دعویٰ کرنے میں خود کو بیوقوف نہیں بنانا چاہئے کہ وہ دوسرے نیک کام انجام دے رہے ہیں جیسے کہ گھر کے کاموں میں اپنے خاندان کی مدد کرنا۔ یوں تو صحیح بخاری نمبر 676 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے، لیکن ضروری ہے کہ آپ کی روایات کی اہمیت کو اپنی خواہشات کے مطابق ترتیب نہ دیا جائے۔ جو کوئی ایسا کرتا ہے وہ اس کی روایات کی پیروی نہیں کر رہا ہے وہ صرف اپنی خواہشات کی پیروی کر رہا ہے خواہ وہ نیک عمل ہی کیوں نہ کر رہا ہو۔

درحقیقت اسی حدیث کا اختتام اس نصیحت سے ہوتا ہے کہ جب فرض نماز کا وقت ہوتا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد کی طرف روانہ ہوتے۔

اس کے علاوہ، فرض نمازوں کا قیام قرآن پاک میں اکثر دہرایا گیا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ پر ایمان ،کا سب سے اہم عملی ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ، جیسا کہ روزانہ کی نمازیں تمام پھیلی ہوئی ہیں یہ روزِ قیامت کی مستقل یاد دہانی کے طور پر کام کرتی ہیں اور عملی طور پر اس کی تیاری کرتی ہیں، کیونکہ فرض نماز کا ہر مرحلہ قیامت سے جڑا ہوا ہے۔ جب کوئی صحیح معنوں میں کھڑا ہوتا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح کھڑا ہوتا ہے۔ باب 83 المطففین، آیات 4-6:

کیا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے، ایک عظیم دن کے لیے جس دن انسان " "رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے؟

جب وہ جھکتے ہیں، تو یہ انہیں بہت سے لوگوں کی یاد دلاتا ہے جن پر قیامت کے دن تنقید کی جائے گی کہ انہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ نہ کیا۔ باب 77 المرسلات، آیت 48:

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رکوع کرو تو وہ رکوع نہیں کرتے۔

اس تنقید میں زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو عملی طور پر تسلیم نہ کرنا بھی شامل ہے۔ جب کوئی نماز میں سجدہ کرتا ہے تو یہ انہیں یاد دلاتا ہے کہ کس طرح لوگوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے کی دعوت دی جائے گی۔ لیکن وہ لوگ جنہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران اسے صحیح طریقے سے سجدہ نہیں کیا، جس میں ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں

میں اس کی اطاعت شامل ہے، وہ قیامت کے دن ایسا نہیں کر سکیں گے۔ باب 68 القلم، آیات 42-43:

"جس دن حالات سنگین ہو جائیں گے، انہیں سجدہ کرنے کی دعوت دی جائے گی، لیکن ایسا کرنے سے روکا جائے گا، ان کی نظریں جھکی ہوئی ہوں گی، ذلت ان پر چھائی ہوئی ہے، اور انہیں سجدے کی طرف بلایا جاتا تھا جب وہ ٹھیک تھے۔"

جب کوئی نماز میں گھٹنوں کے بل بیٹھتا ہے تو یہ انہیں یاد دلاتا ہے کہ وہ کس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے آخری فیصلے سے ڈرتے ہوئے اس مقام پر بیٹھے ہوں گے۔ باب 45 الجثیہ، آیت 28:

اور تم ہر امت کو گھٹنے ٹیکتے ہوئے دیکھو گے اور ہر قوم کو اس کے اعمال نامے کی طرف بلایا جائے گا کہ آج تمہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

جو ان عناصر کو ذہن میں رکھ کر نماز پڑھے گا وہ اپنی نماز کو صحیح طور پر قائم کرے گا۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ نماز کے درمیان خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ باب 29 العنکبوت، آیت 45:

‘‘...بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے’’

اس اطاعت میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو راضی کرنے کے طریقے سے عطا کی گئی ہیں جیسا کہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

سچائی کی تلاش

ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ ایسے شخص تھے جنہوں نے اسلام قبول کرنے سے پہلے ہی بتوں کی پرستش نہ کی اور ایک خدا پر ایمان لایا۔ جب اس نے اسلام کے بارے میں سنا تو وہ مکہ میں داخل ہوا اور چھپ چھپ کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی، کیونکہ وہ مکہ کے غیر مسلموں کی اسلام سے نفرت سے واقف تھا۔ علی بن ابو طالب، ابوذر رضی اللہ عنہ سے ملے، اور ان کے مقصد کے بارے میں معلوم ہونے کے بعد، انہوں نے اپنی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان خفیہ ملاقات کرانے میں مدد کی۔ اس کے نتیجے میں ابوذر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 71-72 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جو شخص حقیقی طور پر زندگی میں صحیح رہنمائی کا خواہاں ہے خواہ وہ ان کی خواہشات کے خلاف ہو اسے اللہ تعالیٰ حق کی طرف لے جائے گا۔ لیکن جو صرف یہ چاہتا ہے کہ اس کی خواہشات دنیا میں پوری ہوں، اسے صحیح ہدایت نہیں ملے گی، چاہے وہ اسلام قبول کر لے۔ ہر حال میں صحیح رہنمائی تاکہ دونوں جہانوں میں سکون قلب حاصل ہو یہ بہت قیمتی نعمت ہے جو قربانی اور جدوجہد کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ جس طرح کسی شخص کو دنیاوی کامیابی حاصل نہیں ہوتی، جیسے کہ طبی ڈاکٹر بننا، جدوجہد اور قربانی کے بغیر نہ ہی انسان کو صحیح رہنمائی حاصل ہوتی ہے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں اس وقت تک ذہنی سکون حاصل کرے جب تک کہ وہ جدوجہد، قربانی اور خواہشات پر قابو نہ رکھے۔ یہ بالکل ایسے مریض کی طرح ہے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کر کے اور اس پر عمل کر کے اپنی خواہشات پر قابو پا لیتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، حالانکہ اسے کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور غذا کا سخت منصوبہ۔ جس طرح یہ مریض اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کرے گا، اسی طرح وہ شخص جو قربانی کرے گا اور اسلامی تعلیمات کو قبول کرکے اور اس پر عمل کرکے اپنی خواہشات پر قابو پالے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس حقیقت کو سمجھا اور اس کے نتیجے میں اسلامی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے بڑے خطرات مول لیے۔ لوگوں کو شکر گزار ہونا چاہیے کہ زیادہ تر معاملات میں انہیں اسلامی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے اس دن اور دور میں ایسے خطرات مول لینے کی ضرورت نہیں ہے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کر سکیں۔

اس کے علاوہ زیر بحث اہم واقعہ دوسروں کو اچھی باتوں کی طرف رہنمائی کرنے کی اہمیت کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2674 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ دوسروں کو نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والے کو ان کی نصیحت پر عمل کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا۔ اور جو لوگ دوسروں کو گناہوں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، ان سے ایسے حساب لیا جائے گا جیسے انہوں نے گناہ کیے ہوں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو نصیحت اور رہنمائی کرتے وقت محتاط رہیں۔ ایک مسلمان کو صرف دوسروں کو نیکی کی نصیحت کرنی چاہیے تاکہ وہ اس سے ثواب حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نصیحت کرنے سے گریز کریں۔ قیامت کے دن کوئی شخص محض یہ دعویٰ کر کے سزا سے نہیں بچ سکے گا کہ وہ صرف دوسروں کو گناہوں کی طرف دعوت دے رہا ہے چاہے اس نے خود گناہ کیوں نہ کیے ہوں۔ اللہ تعالیٰ رہنما اور پیروکار دونوں کو ان کے اعمال کے لیے جوابدہ ٹھہرائے گا۔ لہٰذا مسلمانوں کو دوسروں کو صرف وہی کام کرنے کی تلقین کرنی چاہیے جو وہ خود کریں گے۔ اگر وہ اپنے نامہ اعمال میں کسی عمل کو ناپسند کرتے ہیں تو انہیں دوسروں کو اس عمل کی تلقین نہیں کرنی چاہیے۔

اس اسلامی اصول کی وجہ سے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے مناسب علم حاصل کر لیں کیونکہ اگر وہ دوسروں کو غلط نصیحت کرتے ہیں تو وہ آسانی سے اپنے گناہوں کو بڑھا سکتے ہیں۔

مزید برآں، یہ اصول مسلمانوں کے لیے ان اعمال کا اجر حاصل کرنے کا ایک انتہائی آسان طریقہ ہے جو وہ وسائل کی کمی کی وجہ سے خود انجام نہیں دے سکتے، جیسے کہ دولت۔ مثال کے طور پر، ایک شخص جو مالی طور پر صدقہ دینے کی استطاعت نہیں رکھتا ہے وہ دوسروں کو ایسا کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ صدقہ کرنے والے کے برابر ثواب حاصل کرے گا۔

اس کے علاوہ، یہ اسلامی اصول ایک بہترین طریقہ ہے کہ کسی کے مرنے کے بعد بھی نیک اعمال کی نشوونما کو یقینی بنایا جائے۔ جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اس کی جتنی زیادہ رہنمائی کرے گا، اتنا ہی ان کی نیکیوں میں اضافہ ہوگا۔ یہ وہ میراث ہے جس کے بارے میں ایک مسلمان کو اپنی فکر کرنی چاہیے، کیونکہ دیگر تمام وراثتیں، جیسے املاک کی سلطنتیں، آئیں گی اور جائیں گی اور ان کے مرنے کے بعد ان کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اگر کچھ بھی ہے تو، وہ اپنی سلطنت کمانے اور ذخیرہ کرنے کے لیے جوابدہ ہوں گے جبکہ ان کے وارثوں کو اس سلطنت سے لطف اندوز ہوں گے جو مرحوم نے پیچھے چھوڑ دیا تھا۔

کاروبار میں انصاف

ایک شخص مکہ میں کچھ اونٹ لے کر آیا جو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو جہل کو بیچ دیے۔ لیکن ابوجہل نے ان کی ادائیگی میں تاخیر کی اور جب اس شخص نے اہل مکہ سے مدد کی درخواست کی کیونکہ وہ شہر میں ایک اجنبی تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مدد فرمائی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شخص کو ابوجہل کے گھر لے گئے، اس کا دروازہ کھٹکھٹایا، جب اس نے جواب دیا تو آپ نے اسے حکم دیا کہ اس آدمی کا قرض ادا کر دو۔ ابوجہل بڑے خوف کے مارے جلدی سے اپنے گھر میں داخل ہوا اور رقم لے کر واپس آیا اور وہ شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شکریہ ادا کر کے چلا گیا۔ بعد ازاں ابو جہل نے لوگوں کو بتایا کہ اس واقعہ کے وقت اس کا دل دہشت سے بھر گیا تھا اور جب اس نے دروازہ کھولا تو اس نے ایک خطرناک اور غصے والے اونٹ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دیکھا اور اسے خدشہ تھا کہ مخلوق اسے کھا جائے گی، اس لیے اس نے اس آدمی کو جو واجب تھا ادا کر دیا۔ یہ واقعہ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 1، صفحہ 340-341 میں درج ہے۔

یہ واقعہ برے طریقوں پر اعتراض کرنے کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابو داؤد نمبر 4340 میں موجود ایک حدیث میں برائیوں پر اعتراض کرنے کی اہمیت بتائی ہے۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اپنی طاقت اور اسباب کے مطابق ہر قسم کی برائی پر اعتراض کریں۔ سب سے کم درجہ، جیسا کہ اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے، برائی کو دل سے رد کرنا ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اندرونی طور پر برے کاموں کی منظوری ان چیزوں میں سے ایک بدترین چیز ہے جو حرام ہیں۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4345 کی ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص برائی کے وقت موجود ہو اور اس کی مذمت کرتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو موجود نہیں تھا۔ لیکن جو غائب تھا اور برائی

کو منظور کرتا تھا وہ اس شخص کی طرح ہے جو اس کے ارتکاب کے وقت حاضر اور خاموش تھا۔

برائی پر اعتراض کرنے کے پہلے دو پہلو جن کا ذکر مرکزی حدیث میں زیر بحث آیا ہے وہ جسمانی افعال اور گفتگو سے ہیں۔ یہ صرف اس مسلمان پر فرض ہے جس میں ایسا کرنے کی طاقت ہو، مثال کے طور پر ان کے فعل یا قول سے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

نوٹ کرنا ضروری ہے، برائی پر ہاتھ سے اعتراض کرنے کا مطلب لڑائی نہیں ہے۔ اس سے مراد دوسروں کے برے اعمال کو درست کرنا ہے، جیسے کسی کے حقوق کو لوٹانا جس کی غیر قانونی خلاف ورزی کی گئی ہو۔ جو شخص ابھی تک ایسا کرنے کی پوزیشن میں ہو، وہ ایسا کرنے سے باز رہے، سنن ابوداؤد نمبر 4338 میں موجود ایک حدیث میں عذاب کی تنبیہ کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی کی حدیث نمبر 2191 میں مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ حق بات کہنے میں مخلوق سے نہ ڈریں۔ درحقیقت مخلوق کے خوف کو بری چیزوں پر اعتراض کرنے سے روکنے والے کو وہ شخص قرار دیا گیا ہے جو اپنے آپ سے نفرت کرتا ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس پر تنقید کرے گا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4008 میں موجود ایک حدیث سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اس سے مراد وہ نہیں ہے جو نقصان کے خوف سے خاموش رہے کیونکہ یہ ایک قابل قبول عذر ہے۔ اس کے بجائے اس سے مراد وہ شخص ہے جو لوگوں کی نظروں میں اس حیثیت کی وجہ سے خاموش رہتا ہے، حالانکہ اگر وہ اس برائی کے خلاف بات کرے تو اسے ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 4341 میں موجود حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جب دوسرے ان کی حرص کو مانیں، ان کی غلط آراء اور خواہشات کی پیروی کریں اور مادی دنیا کو آخرت پر ترجیح دیں تو انسان اپنے افعال اور گفتگو سے بری چیزوں پر اعتراض کرنا چھوڑ سکتا ہے۔ یہ نتیجہ اخذ کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں کہ یہ وقت آ گیا ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 105۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم پر ہی ذمہ داری ہے، جو لوگ گمراہ ہو گئے ہیں وہ تمہارا کچھ" نہیں بگاڑ سکیں گے جب کہ تم ہدایت پا چکے ہو"۔

لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ مسلمان کو اپنے زیر کفالت افراد کے حوالے سے اس اہم فریضے کو جاری رکھنا چاہیے کیونکہ سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ ان پر فرض ہے اور ان لوگوں کے بارے میں جن سے وہ جسمانی اور زبانی طور پر محفوظ محسوس کرتے ہیں، کیونکہ یہی اعلیٰ رویہ ہے۔

جو برائیاں ظاہر ہیں ان پر اعتراض کرنا وہ چیز ہے جو زیر بحث مرکزی حدیث ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ دوسروں کی جاسوسی کریں تاکہ اعتراض کرنے والی بری چیزیں تلاش کریں۔ اس سلسلے میں جاسوسی اور اس سے وابستہ کوئی بھی چیز حرام ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 12:

"...اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ...جاسوسی نہ کرو"

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو برائی پر اعتراضات اسلام کی تعلیمات کے مطابق کرنا چاہیے نہ کہ اپنی خواہشات کے مطابق۔ ایک مسلمان یہ مان سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے کام کر رہے ہیں، جب کہ وہ نہیں ہیں۔ یہ اس وقت ثابت ہوتا ہے جب وہ برائی پر اس طرح اعتراض کرتے ہیں جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہے۔ درحقیقت جس چیز کو نیکی سمجھا جاتا ہے وہ اس منفی رویہ کی وجہ سے گناہ بھی بن سکتا ہے۔

ایک مسلمان کو برائی پر نرمی سے اعتراض کرنا چاہیے، ترجیحاً نجی طور پر قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق۔ اسلامی علوم کو سیکھے اور اس

پر عمل کیے بغیر اس کا حصول ممکن نہیں۔ ان خصوصیات کا مخالف صرف لوگوں کو خلوص دل سے توبہ کرنے سے دور کرے گا اور دوسروں کو ناراض کرنے کے نتیجے میں مزید گناہوں کا باعث بن سکتا ہے۔ آخر میں، کسی کو صحیح وقت پر برائی پر اعتراض کرنا چاہیے، کیونکہ غلط وقت پر کسی پر تعمیری تنقید کرنا، جیسے کہ جب وہ غصے میں ہوں، ان پر مثبت اثر ڈالنے میں مؤثر ثابت ہونے کا امکان نہیں ہے۔

اس کے علاوہ زیر بحث اہم واقعہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تجارتی معاملات کو منصفانہ اور سیدھے طریقے سے انجام دینے میں ناکامی ایک مسلمان کا کردار نہیں ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 2146 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ تاجروں کو قیامت کے دن فاسقوں کے طور پر اٹھایا جائے گا سوائے ان لوگوں کے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، نیک عمل کرتے ہیں اور سچ بولتے ہیں۔

اس حدیث کا اطلاق ان تمام لوگوں پر ہوتا ہے جو تجارتی لین دین میں حصہ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، اس کے احکام کو بجا لاتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اس میں اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ درحقیقت، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ لوگ چاہتے ہیں کہ وہ سلوک کرے۔

کاروباری لین دین کے سلسلے میں، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی بات میں ایماندار ہو اور اس لین دین کی تمام تفصیلات اس میں شامل تمام لوگوں کو بتائے۔ صحیح بخاری نمبر 2079 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جب مسلمان مالی لین دین میں چیزوں کو چھپاتے ہیں جیسے کہ اپنے سامان میں خرابی تو یہ نعمتوں میں نقصان کا باعث بنتی ہے۔

راستبازی سے کام لینے میں دوسروں کو سامان کی ضرورت سے زیادہ ادائیگی کرکے دھوکہ دینے سے گریز کرنا شامل ہے۔ ایک مسلمان کو صرف دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ وہ ایمانداری اور پورے انکشاف کے ساتھ معنی خیز سلوک کریں۔ جس طرح

ایک مسلمان مالی معاملات میں برا سلوک کرنا پسند نہیں کرے گا، اسی طرح وہ دوسروں کے ساتھ برا سلوک نہ کرے۔

نیک عمل کرنے میں اسلام اور زمین کے قانون میں زیر بحث غیر قانونی طریقوں سے بچنا شامل ہے۔ اگر کوئی اپنے ملک کے کاروباری قوانین سے خوش نہیں ہے تو اسے وہاں کاروبار نہیں کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ، نیک عمل کرنے میں یہ بھی شامل ہے کہ کسی کی کاروباری کامیابی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے استعمال کیا جائے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ ان کا کاروبار اور دولت دونوں جہانوں میں ان کے لیے سکون اور سکون کا ذریعہ بن جائے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

لیکن جو لوگ اپنی کاروباری کامیابی کا غلط استعمال کرتے ہیں وہ پائیں گے کہ یہ ان کے تناؤ اور پریشانی کا باعث بنتا ہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو بھول چکے ہیں، جس نے انہیں کامیابی عطا کی تھی۔ باب 20 طہٰ، آیت 124:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔"

کاروبار کرنے والوں کو ہمیشہ جھوٹ بولنے سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ بے حیائی کی طرف لے جاتا ہے اور فانی جہنم میں لے جاتا ہے۔ درحقیقت ایک شخص جھوٹ بولتا اور اس پر عمل کرتا رہے گا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا درج نہ ہو جائے۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

آخر میں، زیر بحث اہم واقعہ دوسروں کی اپنے ذرائع کے مطابق مدد کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ جس طرح ہر نعمت ان کو اللہ تعالیٰ نے قرض کے طور پر عطا کی تھی، اسی طرح دنیاوی قرضوں کی طرح اسے بھی ادا کرنا ہوگا، ورنہ دونوں جہانوں میں عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ قرض صرف اس صورت میں ادا کیا جاتا ہے جب کوئی شخص ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرے جو انہیں قرآن پاک اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کی گئی ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 254:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ کوئی بدلہ ہوگا اور نہ دوستی اور نہ کوئی سفارش، اور کافر ہی ظالم ہیں۔"

اس قرض کی ادائیگی کا ایک پہلو دوسروں کی اپنے ذرائع کے مطابق مدد کرنا ہے، جیسے کہ جسمانی، جذباتی اور مالی مدد۔ لہذا، کسی کو کبھی بھی یقین نہیں کرنا چاہئے کہ جب وہ دوسروں کی مدد کرتے ہیں تو وہ دوسروں کا احسان کر رہے ہیں۔ درحقیقت انسان صرف اپنے اوپر احسان کرتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا قرض ادا کر رہا ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 7:

’’اگر تم نیکی کرو گے تو اپنے لیے بھلائی کرو گے اور اگر تم برائی کرو گے تو ان کے ساتھ کرو گے۔‘‘

اس کے علاوہ اس قرض کی ادائیگی سے انسان بے شمار انعامات حاصل کرتا ہے۔ مثال کے طور پر جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دوسروں کی مدد کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مسلسل حمایت حاصل کرے گا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی نصرت حاصل کر لیتا ہے وہ ہر حال میں کامیابی کے ساتھ سفر کرے گا تاکہ اسے ذہنی سکون حاصل ہو۔ یہی حدیث نصیحت کرتی ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی تکلیف کو دور کرتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی ایک مصیبت کو دور کرے گا۔ جیسا کہ قیامت کی مصیبت اس دنیا میں کسی بھی مصیبت سے زیادہ ہے، یہ ایک اہم انعام ہے جسے ہر ایک کو حاصل کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

ایک خالص نیت

ایک دفعہ مکہ کے غیر مسلموں کے سرداروں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ تمام دولت پیش کی جو آپ نے چاہی۔ انہوں نے اسے اپنا قبائلی سردار اور یہاں تک کہ اپنا بادشاہ بنانے کی پیشکش بھی کی لیکن اسے صرف اسلام کی تبلیغ کو ترک کرنا پڑا۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اسلام کے پیغام کو پہنچانے میں میرا مقصد مال، عزت یا بادشاہی حاصل کرنا نہیں ہے۔ اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ اللہ کے آخری نبی کی حیثیت سے اپنے مشن کو پورا کرے تاکہ اسے خوش کیا جاسکے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 1 صفحہ 347-348 میں بحث کی گئی ہے۔

اس واقعہ سے ایک مسلمان اسلام کے علم کو پھیلاتے وقت دنیاوی چیزوں کی خواہش نہ کرنے کی اہمیت سیکھ سکتا ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 253 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ جس نے علمائے کرام کو دکھانے، دوسروں سے بحث کرنے یا اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے علم حاصل کیا وہ جہنم میں جائے گا۔

حالانکہ دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں تمام بھلائیوں کی بنیاد علم ہے، لیکن مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ علم سے انہیں فائدہ تب ہی ہوگا جب وہ سب سے پہلے اپنی نیت درست کریں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ باقی تمام وجوہات صرف اس صورت میں ثواب اور سزا کے نقصان کا باعث بنیں گی جب کوئی مسلمان سچے دل سے توبہ نہ کرے۔

حقیقت میں علم بارش کے پانی کی طرح ہے جو مختلف قسم کے درختوں پر گرتا ہے۔ کچھ درخت اس پانی سے اگتے ہیں تاکہ دوسروں کو فائدہ پہنچے، جیسے پھل کا درخت۔ جبکہ اس پانی سے دوسرے درخت اگتے ہیں اور دوسروں کے لیے پریشانی کا باعث بنتے ہیں۔ اگرچہ بارش کا پانی دونوں صورتوں میں ایک جیسا ہے پھر بھی نتائج بہت مختلف ہیں۔ اسی طرح دینی علم بھی لوگوں کے لیے یکساں ہے لیکن اگر کوئی غلط نیت اختیار کرے تو وہ ان کی تباہی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی صحیح نیت اختیار کرے تو یہ ان کی نجات کا ذریعہ بن جائے گا۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ تمام معاملات میں اپنی نیت درست کریں، جیسا کہ اس پر ان کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اور انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ جہنم میں داخل ہونے والے پہلے لوگوں میں سے ایک ایسا عالم ہوگا جس نے علم صرف دوسروں کو دکھانے کے لیے حاصل کیا ہو۔ صحیح مسلم نمبر 4923 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ، اپنے علم پر عمل کے ساتھ اپنی نیک نیت کو جوڑنا چاہیے، کیونکہ عمل کے بغیر علم فائدہ مند علم نہیں ہے، یہ محض معلومات ہے۔ کسی کے علم پر عمل کرنے میں ناکامی ایک ڈاکٹر کی طرح ہے جو لوگوں کے علاج کے لیے اپنے علم پر عمل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ اسی طرح وہ نہ اپنے آپ کو فائدہ پہنچاتے ہیں اور نہ ہی کسی مسلمان کو جو اسلامی علم رکھتا ہے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ درحقیقت اس شخص کو گدھے سے تشبیہ دی گئی ہے جو علم کی کتابیں اٹھائے ہوئے ہے۔ باب 62 الجمعہ، آیت 5:

’’اور پھر اس پر عمل نہیں کیا)اپنے علم پر عمل نہیں کیا (اس گدھے کی طرح ہے جو کتابوں کی کتابیں اٹھائے ہوئے ہے‘‘۔

اس کے علاوہ جو شخص بغیر کسی معقول وجہ کے علم کو چھپائے گا اسے قیامت کے دن آگ سے لگا دیا جائے گا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2649 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے مفید علم کو دوسروں تک پہنچائیں۔ یہ محض بے وقوفی ہے کیونکہ یہ عمل صالح میں سے ایک ہے جو مرنے کے بعد بھی مسلمان کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ سنن

ابن ماجہ نمبر 241 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ علم کا ذخیرہ کرنے والوں کو تاریخ بھلا دیتی ہے لیکن جو اسے دوسروں تک پہنچاتے ہیں وہ بنی نوع انسان کے عالم اور استاد کہلانے لگے۔

آخر میں، علم حاصل کرنے کا مقصد بحث میں دوسروں کو شکست دینا نہیں ہے۔ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ سچائی کو مضبوط ثبوت کے ساتھ دوسروں کے سامنے پیش کرے۔ انہیں یہ فرض نہیں سونپا گیا کہ وہ لوگوں کو بحث و مباحثہ کے ذریعے سچائی کو قبول کرنے پر مجبور کریں۔ یہ رویہ ہی لوگوں کو سچائی سے آگے دھکیلتا ہے۔ اس کے بجائے بغیر بحث کیے لوگوں کو سچ سمجھانا چاہیے اور خود اس پر عمل کر کے اس سچائی کو دکھانا چاہیے۔ صالح پیشواؤں کا یہی طرز عمل تھا اور یہ طریقہ دوسروں کو حق کی طرف لانے میں زیادہ کارگر ہے۔

عام طور پر، ایک مسلمان کو یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عمل کریں، تاکہ وہ دونوں جہانوں میں اجر اور برکت حاصل کریں۔ جو شخص دوسروں کی وجہ سے عمل کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اجر نہیں ملے گا۔ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے ۔ اس کے علاوہ جو شخص لوگوں کو خوش کرنے کے لیے عمل کرے گا وہ یہ پائے گا کہ وہ کبھی بھی ایسا نہیں کر سکتا، کیونکہ اس کی زندگی میں تمام لوگوں کو خوش کرنا ممکن نہیں۔ اس کے علاوہ، جیسا کہ لوگ عام طور پر ناشکرے ہوتے ہیں، وہ اپنے اعمال کی تعریف نہیں کریں گے اور اس کے نتیجے میں وہ تلخ اور غمگین ہو جائیں گے۔ یہ انہیں لوگوں کے حقوق کی ادائیگی سے روک دے گا، جو اسلام میں ایک اہم فریضہ ہے اور یہ انہیں ذہنی سکون حاصل کرنے سے روک دے گا۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی نیت کو درست کریں تاکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کریں جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں رحمت اور اجر ملے۔

احمقانہ گزارشات

لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے باز رکھنے کے لیے مکہ کے غیر مسلم احمقانہ درخواستیں لے کر آئے، جن میں سے کچھ قرآن پاک میں درج ہیں، جیسے کہ فرشتہ سے درخواست کی کہ وہ کھلے عام ان کے سامنے حاضر ہو کر تصدیق کرے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 1، صفحہ 348-349 میں بحث کی گئی ہے۔ باب 15 الحجر، آیت 7:

"اگر تم سچے ہو تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لاتے؟"

غیب پر یقین ایمان کا بنیادی عنصر ہے اور اس کے بغیر ایمان اپنی اہمیت کھو دیتا ہے۔ اگر غیب کی چیزیں مثلاً فرشتوں کو اس دنیا میں لوگوں پر ظاہر کر دیا جائے تو اس سے ان کے ایمان کا معیار کم ہو جائے گا۔ لیکن اس کے باوجود، ان نادیدہ عناصر کی تائید آسمانوں اور زمین کے اندر بہت سے ثبوتوں اور اشارے سے ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر، ایک پینٹنگ کی موجودگی ایک پینٹر کی طرف اشارہ کرتی ہے .تخلیق کی موجودگی ایک خالق کی طرف اشارہ کرتی ہے، خاص طور پر جب تخلیق مکمل طور پر تخلیق کی گئی ہو۔ اس کے علاوہ، بے شمار دنیاوی چیزیں ہیں جہاں انسان ان کا ادراک کرنے میں ناکام رہتا ہے پھر بھی وہ انہیں شکایت کیے بغیر استعمال کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، بے شمار لوگ یہ سمجھے یا سمجھے بغیر دوا لیتے ہیں کہ دوا انسانی جسم میں کیسے کام کرتی ہے۔ اگرچہ اسلام کے ذریعے بنی نوع انسان کو جو ضابطہ اخلاق دیا گیا ہے وہ مکمل طور پر ثبوت اور عقل پر مبنی ہے، لیکن اسلام کے کچھ دوسرے پہلو بھی ان دیکھی چیزوں پر مبنی ہیں، کیونکہ یہ ایمان کو اہمیت دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص غیب کی چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے، جیسے کہ فرشتوں کا، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے ایمان کا دعویٰ قبول نہیں ہوگا، کیونکہ ان غیب چیزوں کے گواہ ہونے کے بعد ان پر ایمان لانا کوئی خاص بات نہیں۔

لوگوں کا امتحان اس بات میں ہے کہ کیا وہ حقیقت کو قبول کرتے ہیں حالانکہ وہ اپنے حواس سے براہ راست اس کا ادراک نہیں کر پاتے اور کیا اسے قبول کرنے کے بعد وہ سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں، حالانکہ ان میں اس کی نافرمانی کی طاقت اور صلاحیت موجود ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو بھیجنے اور آسمانی صحیفوں کے نزول میں اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اس بات کا خیال

رکھا ہے کہ لوگوں کی قوت فیصلہ اور ان کی اطاعت کو جانچنے کی گنجائش چھوڑ دی جائے۔ اس نے کبھی حقیقت کو اس حد تک ظاہر نہیں کیا کہ لوگ اسے ماننے پر مجبور ہو جائیں۔ کیونکہ اگر ایسا کیا جاتا تو کچھ بھی آزمائش کے لیے باقی نہیں رہتا اور لوگوں کی کامیابی یا ناکامی کا تصور ہی بے معنی ہو جاتا۔ اس لیے یہ آیت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کے سامنے آنے کا انتظار نہیں کرنا چاہیے۔ اگر ایسا ہوا تو یہ سب کچھ ختم ہو جائے گا اور لوگوں کے لیے کوئی فیصلہ کرنے کا کوئی موقع باقی نہیں رہے گا۔ ایمان لانا اور خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا صرف اس وقت تک اہمیت رکھتا ہے جب تک حقیقت کو اس طرح پیش کیا جائے کہ اس کا انکار ممکن ہو۔ اگر حقیقت کو پوری طرح ظاہر کر دیا جائے اور اگر لوگ کائنات اور آخرت کے غیب عناصر کو دیکھ لیں تو ان کے ایمان اور اطاعت کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اگر یہ سب چیزیں جسمانی طور پر قابل مشاہدہ ہوتیں تو سخت ترین کافر اور بد ترین گنہگار بھی کفر یا نافرمانی کرتے۔ ایمان اور اطاعت کی اہمیت تب تک ہے جب تک حقیقت پر پردہ باقی رہے۔ وہ لمحہ جب حقیقت کو پوری طرح سے بے نقاب کیا جائے گا لوگوں کو فیصلہ کرنے کے لیے دی گئی مدت اور ان کی آزمائشی مدت کے اختتام کی نشان دہی کرے گا۔ یہ لمحہ جزا کا دن ہے۔

اس کے علاوہ جو مسلمان غیب پر یقین رکھتا ہے، جیسے کہ جنت، حالانکہ اس نے اس کا مشاہدہ نہیں کیا ہے، اسے یہ بھی پختہ یقین رکھنا چاہیے کہ ان کی زندگی میں جو کچھ بھی پیش آتا ہے خواہ وہ ان کے لیے خوش ہو یا نہ ہو، اچھی وجہ سے ہوتا ہے، چاہے وہ وجہ ان کے لیے غیب ہو۔ پس جس طرح کوئی شخص ان غیب چیزوں پر پختہ یقین رکھتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کے حکیمانہ انتخاب پر یقین رکھنا چاہیے جو کہ غیب بھی ہیں۔ یہ انہیں صبر کی طرف ترغیب دے گا اور انہیں بے شمار انعام کی طرف لے جائے گا۔ باب 39 از زمر، آیت 10:

مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا]یعنی حد[۔

مکہ کے غیر مسلموں کو تو یہ بات بھی عجیب لگی کہ اللہ تعالیٰ فرشتے کی بجائے ایک انسان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنا کر بھیجے گا۔

بحیثیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں کے لیے بھیجے گئے ہیں ان کو فرشتوں کی طرح کسی اور چیز کے طور پر بھیجنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہی یہ ہے کہ لوگوں کو اس بات کا عملی نمونہ حاصل ہو کہ وہ اپنی زندگی کے ہر پہلو میں کیسے برتاؤ کریں۔ فرشتہ اس چیز کا تجربہ نہیں کرتا جو انسان محسوس کرتے ہیں، جیسے تھکاوٹ، اس لیے لوگ اپنے فرشتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق نہیں رکھ سکیں گے، اور یہ انہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے عذر پیش کرے گا۔

اس لیے غیر مسلم کیوں حیران ہوئے کہ ایک انسان دوسرے انسانوں کو خبردار کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ اسی طرح نوع انسانی کی رہنمائی کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کرنے میں کیا کوئی عجیب بات ہے؟ کیونکہ اگر لوگ گمراہی میں ڈوبے ہوئے پائے جائیں اور حق سے غافل ہوں تو پھر کیا عجیب بات ہے کہ ان کا خالق اور رب ان کی رہنمائی کا انتظام کرے یا انہیں گمراہی اور گمراہی میں مبتلا رہنے دے؟ اور اگر الہٰی ہدایت انسانوں کے لیے مہیا کر دی جائے تو کیا یہ معنی نہیں رکھتا کہ جو لوگ اسے قبول کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں، بجائے اس کے کہ جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت کے مستحق ہیں؟ اس پر حیرت کا اظہار کرنے والوں کا طرز عمل درحقیقت حیران کن ہے۔

الہی قربت

جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر دو تین دن تک وحی نازل نہ ہوئی تو ایک غیر مسلم بزرگ نے اعلان کیا کہ آپ کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ جواب کے طور پر۔ اللہ تعالیٰ نے باب 93 اضحیٰ، آیات 1-3 نازل فرمایا:

"صبح کی چمک کی قسم، اور رات کی جب وہ اندھیرے میں چھا جائے، تیرے رب نے نہ آپ کو چھوڑا اور نہ اس نے آپ سے نفرت کی۔"

صحیح بخاری نمبر 4950 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح ترک کر سکتا ہے جب کہ وہ مسلسل ان کو یاد کرتے تھے؟ صحیح بخاری نمبر 7405 میں موجود ایک طویل الٰہی حدیث میں اللہ تعالیٰ نے نصیحت کی ہے کہ وہ ہر اس شخص کے ساتھ ہے جو اسے یاد کرتا ہے۔

ذہنی مسائل اور عوارض جیسے کہ ڈپریشن کے بڑھنے کے ساتھ، مسلمانوں کے لیے اس اعلان کی اہمیت کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ کسی شخص کے دماغی مسئلے کا سامنا کرنے کا بہت کم امکان ہوتا ہے جب وہ مستقل طور پر کسی ایسے شخص سے گھرا رہتا ہے اور اس کی مدد کرتا ہے جو واقعی ان سے پیار کرتا ہے۔ اگر یہ کسی شخص کے لیے درست ہے تو یہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے لیے زیادہ مناسب ہے، جس نے اپنے ذکر کرنے والے کے ساتھ رہنے کا وعدہ کیا ہے۔ صرف اس اعلان پر عمل کرنے سے ذہنی مسائل جیسے کہ ڈپریشن ختم ہو جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ دوسروں سے الگ تھلگ رہنے یا دوسروں کے درمیان ہونے سے نیک پیشواؤں کی ذہنی حالت پر کوئی فرق نہیں پڑا کیونکہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی صحبت میں رہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی صحبت

حاصل ہو جاتی ہے تو وہ تمام رکاوٹوں اور مشکلات کو کامیابی سے عبور کر لیتا ہے یہاں تک کہ آخرت میں اس کے قرب تک پہنچ جاتا ہے۔

مزید برآں، اللہ تعالیٰ نے اپنی لامحدود رحمت سے اس اعلان کو کسی طرح بھی محدود نہیں کیا۔ مثال کے طور پر، اس نے یہ اعلان نہیں کیا کہ وہ صرف نیک لوگوں کے ساتھ ہے یا ان لوگوں کے ساتھ ہے جو مخصوص اچھے کام کرتے ہیں۔ اس نے درحقیقت ہر مسلمان کو گھیر لیا، قطع نظر اس کے کہ ان کے ایمان کی مضبوطی کتنی ہے یا کتنے ہی گناہوں کا ارتکاب کیا ہے۔ اس لیے مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن اس حدیث میں جو شرط بیان کی گئی ہے اس پر غور کرنا ضروری ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا۔ اس یاد میں اپنی نیت کو درست کرنا بھی شامل ہے تاکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے کام کرے اور اس لیے لوگوں سے کسی قسم کی شکر گزاری کی امید نہ رکھے۔ زبان سے یاد کرنے میں اچھی بات کہنا یا خاموش رہنا شامل ہے۔ اور ذکر کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لیے استعمال کریں جیسا کہ قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حقیقی یاد ہے۔ ایسا سلوک کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی صحبت اور نصرت نصیب ہوگی۔

سادہ لفظوں میں اللہ تعالیٰ کی جتنی زیادہ اطاعت اور یاد کرے گا، اتنا ہی اس کی صحبت حاصل کرے گا۔ جو دیتا ہے وہی وصول کرے گا۔

عام طور پر، ایک مسلمان کو کبھی بھی یہ فیصلہ نہیں کرنا چاہیے کہ آیا اسے اللہ تعالیٰ کی حمایت حاصل ہے، دنیاوی معیارات کے مطابق۔ مثال کے طور پر، صرف اس وجہ سے کہ وہ کسی مشکل سے گزر رہے ہیں، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں چھوڑ دیا ہے۔ اور نہ ہی آسانی کے اوقات کا یہ مطلب ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی نصرت حاصل ہے۔ باب 89 الفجر، آیات 15-20:

”اور انسان کا تعلق ہے کہ جب اس کا رب اسے آزماتا ہے اور اس پر رحم کرتا ہے اور اس پر احسان کرتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت بخشی ہے، لیکن جب وہ اسے آزماتا ہے اور اس کے رزق کو محدود کر دیتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا ہے،

نہیں، لیکن تم یتیم کی عزت نہیں کرتے، اور ایک دوسرے کو مسکینوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے، اور اپنی محبت کے ساتھ کھانا کھاتے ہو۔ بے پناہ محبت کے ساتھ دولت"

درحقیقت مشکل اور آسانی دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان ہیں۔ امتحان یہ ہے کہ کیا وہ کسی کی نیت میں آسانی کے وقت شکر گزاری اور مشکل کے وقت صبر کا مظاہرہ کریں گے۔ شکر ادا کرنے میں صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عمل کرنا شامل ہے۔ کسی کی تقریر میں شکر گزاری میں وہ بات کرنا شامل ہے جو اچھی ہے یا خاموش رہنا۔ اور اپنے اعمال میں شکرگزاری میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کی طرف اوپر کی آیات میں اشارہ کیا گیا ہے۔ مزید برآں، صبر میں کسی کی بات یا عمل سے شکایت کرنے سے گریز کرنا اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر ثابت قدم رہنا، اس بات پر یقین رکھنا کہ وہ صرف وہی انتخاب کرتا ہے جو ان کے لیے بہتر ہے، چاہے یہ ان کے لیے واضح نہ ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ" تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

لہٰذا ہر حال میں صحیح طریقے سے عمل کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی مسلسل مدد اور رحمت حاصل ہوتی ہے جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں سکون قلب حاصل ہوتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 7500 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیات 15-16:

تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور روشن کتاب آچکی ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ " ان لوگوں کو جو اپنی رضا کی راہ پر چلتے ہیں سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے اور اپنے حکم سے ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔"

یقین پر ثابت قدم

مکہ کے غیر مسلموں کے سرداروں میں سے ایک حارث بن عثمان نے ایک بار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ غیر مسلموں کے سردار جانتے تھے کہ آپ اسلام کے بارے میں سچے ہیں لیکن انہیں ڈر تھا کہ اسلام قبول کرنے سے باقی غیر مسلم عرب انہیں اپنی سرزمین سے نکال دیں گے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ 28 القصص آیت 57 نازل فرمائی:

اور وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم تمہارے ساتھ ہدایت پر چلیں تو ہم اپنی سرزمین سے اکھڑ جائیں گے، کیا ہم نے ان کے لیے ایک محفوظ پناہ گاہ نہیں بنائی جس میں ہماری طرف سے ہر چیز کے پھل لائے جاتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

اس پر امام واحدی کی، اصباب النزول، 28:57، صفحہ 123-124 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ کوئی معقول عذر نہیں تھا کیونکہ اس وقت پورا جزیرہ نما عرب مکہ والوں کا بہت زیادہ احترام کرتا تھا کیونکہ وہ خانہ کعبہ کے متولی تھے، ایک ایسی جگہ جو زمانہ جاہلیت میں بھی انتہائی قابل احترام تھی۔ اگر ان کا یہ عذر کسی حد تک درست بھی تھا تو بھی کم نہیں، ایمان کا تقاضا ہے کہ سختیوں میں بھی حق پر قائم رہے، جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا۔ مزید برآں، اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں سلامتی اور رزق عطا کیا جب کہ وہ بت پرستی میں غرق تھے، جب وہ اس کی سچی فرماں برداری کے بعد ان نعمتوں کو کیوں چھین لے گا؟ باب 106 قریش، آیات 1-4:

"قریش کی عادی سلامتی کے لیے، سردیوں اور گرمیوں کے قافلے میں ان کی عادی سلامتی، وہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں، جس نے انہیں کھانا کھلایا، بھوک سے]بچایا [اور خوف سے محفوظ رکھا۔"

اس کے علاوہ وہ جو بھی طاقت، سماجی اثر و رسوخ اور دولت کھو دیتے، ان بتوں کو ہٹا کر جو مکہ کے اندر پوجا جاتے تھے، جو جزیرہ نما عرب کے قبائل سے تعلق رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ اس کی تلافی کر دیتا۔ اگر وہ خلوص دل سے اس کی اطاعت کرتے تو وہ انہیں زیادہ طاقت، اختیار اور دولت عطا کرتا، جیسا کہ اس نے آخرکار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عطا کیا۔ باب 24 النور، آیت 55:

”تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین پر ضرور جانشینی عطا کرے گا جیسا کہ اس نے ان سے پہلے والوں کو دیا تھا اور یہ کہ وہ ان کے لیے ان کے دین کو ضرور قائم کرے گا جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے اور یہ کہ وہ ان کی جگہ ضرور لائے گا، ان کے خوف اور سلامتی کے بعد جو مجھ سے بیزاری کرتے ہیں، وہ میری عبادت نہیں کرتے۔ کہ پھر وہی لوگ نافرمان ہیں۔

لہٰذا اگر مسلمان دنیا میں برتری چاہتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ تمام عذرات کو ترک کر دیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت سے روکتے ہیں۔ اس اطاعت میں اسلامی تعلیمات کے مطابق ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا شامل ہے ۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی رویہ تھا، جنہوں نے ان کے زبانی اعلانِ عقیدہ کی تائید عمل سے کی، جس کے نتیجے میں انہیں دونوں جہانوں میں برتری، قلبی سکون اور کامیابی نصیب ہوئی۔ باب 3 علی عمران، آیت 139:

”پس تم کمزور نہ ہو اور غم نہ کرو اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو“۔

قرآن پر سمجھوتہ کرنا

مکہ کے غیر مسلموں کے قائدین نے ایک بار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن مجید کی تدوین کی درخواست کی تاکہ وہ سب اس کی تعلیمات کو قبول کر کے اس پر متحد ہو جائیں۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ یونس آیت نمبر 10 نازل فرمائی:

’’اور جب ان پر ہماری آیات واضح دلیل کے طور پر پڑھی جاتی ہیں تو جو لوگ ہم سے ملاقات کی امید نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اس کے سوا کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں تبدیلی لاؤ، کہہ دو کہ مجھے یہ کام نہیں کہ میں اپنی مرضی سے اس میں تبدیلی کروں۔ میں صرف اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل ہوتی ہے۔ بے شک میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو ایک بڑے دن کے عذاب سے۔"

اس پر امام واحدی کی، اصباب النزول، 10:15، صفحہ 95 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک مسلمان ایسا سلوک کر سکتا ہے جب وہ جان بوجھ کر قرآن کریم کے بعض ایسے حصوں کو نظر انداز کر دے جو ان کی خواہشات کے خلاف ہوں اور دوسرے حصوں کو قبول کر لیں جو ان کی خواہشات کے مطابق ہوں۔ اس رویہ سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ اس طرح کسی کتاب الٰہی کے ساتھ سلوک کرنا کفر کے زمرے میں آتا ہے اور دونوں جہانوں میں عذاب کا باعث بنتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیات 84-85:

’’اور یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ تم اپنا خون نہ بہاؤ اور نہ ایک دوسرے کو اپنے گھروں سے بے دخل کرو۔ ‘‘پھر تم نے اس بات کا اقرار کیا جب کہ تم گواہی دے رہے تھے، پھر تم وہی ہو جو ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں اور اپنی قوم کے ایک گروہ کو نکال رہے ہیں، اور اگر وہ ان کے گھروں میں گھس کر لڑائی کر رہے ہیں۔ آپ کے پاس قیدی بن کر آتے ہیں، حالانکہ ان

کا بیدخل کرنا آپ پر حرام ہے، تو کیا آپ کتاب کے کچھ حصے کو مانتے ہیں، پھر جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کے لیے دنیا کی زندگی میں رسوائی کے سوا اور کیا بدلہ ہے؟

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی روایت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، اس لیے ان لوگوں کے لیے جو سابقہ آسمانی صحیفوں سے اس طرح برتاؤ کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے وہی نتیجہ ان مسلمانوں کو ملے گا جو قرآن مجید کے ساتھ اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ باب 35 فاطر، آیت 43:

”لیکن تم اللہ کی راہ میں کبھی کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے اور اللہ کی راہ میں کبھی کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔“

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک کے حوالے سے اپنا فرض ادا کرے ورنہ دونوں جہانوں میں اپنی نافرمانی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

امام منذری کی بیداری اور اندیشہ نمبر 30 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قرآن کریم قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس کی پیروی کرتے ہیں وہ قیامت کے دن اس کے ذریعہ جنت میں لے جائیں گے۔ لیکن جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس کو نظرانداز کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ یہ انہیں قیامت کے دن جہنم میں دھکیل دے گا۔

قرآن پاک ہدایت کی کتاب ہے۔ یہ محض تلاوت کی کتاب نہیں ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک کے تمام پہلوؤں کو پورا کرنے کی کوشش کریں تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ یہ دونوں جہانوں میں کامیابی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ پہلا پہلو اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اسے کسی معتبر عالم کے ذریعے سمجھ لیا جائے۔ اور آخری پہلو یہ ہے کہ اس کی تعلیمات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کیا جائے۔ یہ اس بات

کو یقینی بنائے گا کہ وہ قرآن پاک پر صحیح طریقے سے عمل کریں، جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی، قرآن پاک کا عملی نفاذ ہے۔ ایسا سلوک کرنے والوں کو دنیا کی ہر مشکل سے راہنمائی اور قیامت کے دن اس کی شفاعت کی بشارت دی جاتی ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

لیکن جیسا کہ مرکزی حدیث سے متنبہ کیا گیا ہے کہ قرآن کریم صرف ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو اس کے پہلوؤں پر صحیح طریقے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے سے گریز کرتے ہیں یا جان بوجھ کر اس کی غلط تشریح کرتے ہیں اور بجائے اپنی خواہشات کے مطابق عمل کرتے ہیں وہ قیامت کے دن اس صحیح ہدایت اور اس کی شفاعت سے محروم رہیں گے۔ درحقیقت دونوں جہانوں میں ان کا مکمل نقصان اس وقت تک بڑھے گا جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں۔ باب 20 طہٰ، آیت 124:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔"

آخر میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ قرآن پاک اگرچہ دنیاوی مسائل کا علاج ہے لیکن مسلمان کو صرف اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ یعنی قرآن کریم کو ایک آلے کی طرح سمجھ کر نہ صرف اس کی تلاوت کریں تاکہ وہ اپنے دنیوی مسائل کو حل کر سکیں، جسے مشکل کے وقت دور کیا جاتا ہے اور پھر مسئلہ حل ہونے پر اسے دوبارہ ٹول باکس میں رکھ دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کا بنیادی کام دنیا کی مشکلات میں رہنمائی کرنا ہے تاکہ آخرت میں محفوظ طریقے سے پہنچ سکے۔ یہ مقصد قرآن کریم کو سمجھے اور اس پر عمل کیے بغیر پورا ہونا ممکن نہیں۔ اندھی تلاوت ہی کافی نہیں ہے۔ اس اہم کام کو نظر انداز کرنا اور اسے صرف اپنے دنیوی مسائل کے حل کے لیے استعمال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ ایک سچے مسلمان کے طرز عمل کے خلاف ہے۔

یہ اس شخص کی طرح ہے جو بہت سے مختلف لوازمات کے ساتھ کار خریدتا ہے لیکن اسے نہیں چلایا جا سکتا، جو کہ کار کا بنیادی مقصد ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شخص محض بے وقوف ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 82:

"اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔"

قیامت

غیر مسلموں کے سرداروں میں سے ایک ابی بن خلف نے ایک بار اپنے ہاتھ میں بوسیدہ ہڈی پکڑی اور اسلام کے اس دعوے کا مذاق اڑایا کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو ان کی ہڈیوں کے گلنے اور مٹی میں تبدیل ہونے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ 19 مریم آیت 66 نازل فرمائی۔

"اور انسان کہتا ہے کہ جب میں مر جاؤں گا تو کیا میں زندہ کر کے نکالا جاؤں گا؟"

اس پر امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ، اصباب النزول، 19:66، صفحہ 110 میں بحث کی گئی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو کسی بھی چیز سے پیدا نہیں کیا تو انہیں مٹی اور ہڈیوں سے زندہ کرنا اس کے لیے آسان ہو جائے گا، حالانکہ دونوں اس کے لیے آسان ہیں۔

منطقی طور پر دیکھا جائے تو قیامت ایک ایسی چیز ہے جو واقع ہونی چاہیے۔ اگر کوئی کائنات کا مشاہدہ کرے تو اسے توازن کی بہت سی مثالیں نظر آئیں گی۔ مثال کے طور پر، زمین سورج سے ایک کامل اور متوازن فاصلے پر ہے۔ اگر زمین سورج سے قدرے قریب یا اس سے زیادہ دور ہوتی تو یہ رہنے کے قابل نہ ہوتی۔ اسی طرح پانی کا چکر، جس میں سمندر سے پانی کے بخارات بن کر فضا میں شامل ہوتے ہیں جو کہ بارش پیدا کرنے کے لیے گاڑھا ہو جاتا ہے، بالکل متوازن ہے تاکہ مخلوق زمین پر زندہ رہ سکے۔ زمین کو متوازن طریقے سے بنایا گیا تھا تاکہ بیج کی کمزور شاخیں اور ٹہنیاں اس میں گھس سکیں تاکہ تخلیق کے لیے فصلیں مہیا ہو سکیں لیکن وہی زمین اتنی سخت ہے کہ اس کے اوپر بنی ہوئی بھاری عمارتوں کو برداشت کر سکے۔ ایسی بہت سی مثالیں ہیں جو نہ صرف واضح طور پر ایک خالق کی نشاندہی کرتی ہیں بلکہ توازن بھی رکھتی ہیں۔ لیکن اس دنیا میں ایک بڑی چیز ہے جو واضح طور پر غیر متوازن ہے، یعنی بنی نوع انسان

کے اعمال۔ اکثر ظالم اور جابر لوگوں کا مشاہدہ ہوتا ہے جو اس دنیا میں سزا سے بچ جاتے ہیں۔ اس کے برعکس، بے شمار لوگ ہیں جو دوسروں کے ہاتھوں مظلوم ہیں اور دیگر مشکلات کا سامنا کرتے ہیں لیکن ان کے صبر کا پورا پورا اجر نہیں ملتا۔ بہت سے مسلمان جو سچے دل سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں ان کو دنیا میں اکثر بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور انہیں اجر میں تھوڑا سا حصہ ملتا ہے جب کہ جو کھلے عام اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں وہ دنیا کی آسائشوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور صرف کچھ مشکلات کا سامنا کرتے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات میں توازن قائم کیا ہے اسی طرح اعمال کی جزا اور سزا بھی متوازن ہونی چاہیے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ اس دنیا میں نہیں ہوتا اس لیے اسے کسی اور وقت یعنی یومِ جزا میں واقع ہونا چاہیے ۔

اللہ تعالیٰ اس دنیا میں پوری طرح جزا اور سزا دے سکتا ہے۔ لیکن اس دنیا میں پوری طرح سزا نہ دینے کے پیچھے ایک حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں موقع کے بعد موقع فراہم کرتا ہے تاکہ وہ سچے دل سے توبہ کریں اور اپنے طرز عمل کو درست کریں۔ وہ اس دنیا میں مسلمانوں کو پوری طرح سے اجر نہیں دیتا کیونکہ یہ دنیا جنت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ غیب پر ایمان لانا یعنی اگلے جہان میں مسلمان کے لیے مکمل اجر کا انتظار کرنا، ایمان کا ایک اہم پہلو ہے۔ درحقیقت غیب پر یقین ہی ایمان کو خاص بناتا ہے۔ کسی ایسی چیز پر ایمان لانا جسے پانچ حواس کے ذریعے محسوس کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ اس دنیا میں پورا اجر ملنا، کوئی خاص بات نہیں۔

سزا کا خوف اور آخرت میں پورا اجر ملنے کی امید انسان کو گناہوں سے بچنے اور نیک اعمال کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔

جزا کے دن کے آغاز کے لیے اس مادی دنیا کا خاتمہ ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سزا اور جزا تب ہی مل سکتی ہے جب ہر ایک کا عمل ختم ہوجائے۔ لہٰذا یومِ جزا اس وقت تک واقع نہیں ہو سکتا جب تک لوگوں کے اعمال مکمل نہ ہو جائیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مادی دنیا کو جلد یا بدیر ختم ہونا چاہیے۔

اس کے علاوہ، قیامت کے دن انسانوں کے دوبارہ زندہ ہونے کے امکان سے انکار کرنا ایک عجیب دعویٰ ہے جب کہ قیامت کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جو دنوں، مہینوں اور سالوں میں ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر، اللہ تعالیٰ بارش کا استعمال کرتے ہوئے ایک مردہ بنجر زمین کو زندہ کرتا ہے اور مخلوق کو مہیا کرنے کے لیے ایک مردہ بیج کو زندہ کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اس مردہ بیج کو بھی زندہ کر سکتا ہے جس کا نام انسان ہے، جو زمین میں دفن ہے، اس مردہ بیج کی طرح جو زندہ ہو جاتا ہے۔ موسموں کا بدلنا قیامت کو صاف ظاہر کرتا ہے۔ مثال کے طور پر سردیوں میں درختوں کے پتے مر کر گر جاتے ہیں اور درخت بے جان دکھائی دیتا ہے۔ لیکن دوسرے موسموں میں، پتے ایک بار پھر اگتے ہیں اور درخت زندگی سے بھرا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ تمام مخلوقات کی نیند کے جاگنے کا چکر قیامت کی ایک اور مثال ہے۔ نیند موت کی بہن ہے جیسے سونے والے کے حواس کٹ جاتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کسی شخص کی روح ان کو واپس کردیتا ہے اگر وہ اس پر زندہ رہنا مقصود ہو تو سوئے ہوئے شخص کو ایک بار پھر زندگی بخشتا ہے۔ باب 39 از زمر، آیت 42:

"اللہ تعالیٰ روحوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے اور جو نہیں مرتے ان کی روحیں ان کی نیند میں قبض کرتا ہے، پھر جن کے لیے موت کا حکم دیا ہے ان کی روحیں قبض کر لیتا ہے اور باقیوں کو ایک مقررہ مدت کے لیے چھوڑ دیتا ہے، بیشک اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔"

ان اور بہت سی مثالوں پر غور کرنا قیامت کے دن آخری قیامت کے امکان کو واضح طور پر ظاہر کرتا ہے۔

تحفہ یا دینے والا

لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے باز رکھنے کے لیے مکہ کے غیر مسلم احمقانہ درخواستیں لے کر آئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں کہ وہ آپ کو باغات، قلعے اور سونے چاندی کے خزانے عطا فرمائے تاکہ آپ کی ضروریات پوری ہوں۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے ایسی دنیاوی چیزوں کی درخواست نہیں کروں گا کیونکہ یہ ان کے مشن کا حصہ نہیں ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 1، صفحہ 348-349 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ دوسرے مذاہب اور فرقوں کے برعکس، اسلام کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جس کا مقصد کسی شخص کو دنیاوی چیزیں حاصل کرنے میں مدد کرنا ہو، جیسے کہ دولت اور اختیار۔ اس کے بجائے، اسلام دونوں جہانوں میں سب سے بڑی نعمت حاصل کرنے میں مدد کرتا ہے، جو کہ ذہنی سکون ہے۔ یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے جو انہیں دی گئی ہیں، اسلامی تعلیمات کے مطابق۔ اس کی وجہ سے انسان اپنی زندگی میں ہر چیز اور ہر ایک کو صحیح طریقے سے جگہ دیتا ہے اور اسے ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ یہ سب دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کی طرف جاتا ہے۔ اسلام دنیاوی چیزوں جیسے دولت، خاندان یا اختیار حاصل کرنے کے لیے کرنسی نہیں ہے۔ یہ مسلمانوں کو اس مادی دنیا سے بالاتر اور اعلیٰ مقصد کا درس دیتا ہے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کر سکیں۔ اس کے علاوہ، چونکہ لوگ علم کی کمی رکھتے ہیں اور انتہائی کم نظر ہوتے ہیں، وہ نہیں جانتے کہ ان کے لیے کیا اچھا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

"لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

اس لیے اسلام لوگوں کو اس دنیا میں عمومی خیر و عافیت مانگنے اور مخصوص دنیوی چیزوں سے پرہیز کرنے کا درس دیتا ہے۔ جو اپنے ایمان کے ذریعہ صرف دنیاوی چیزوں کا ارادہ رکھتا ہے اس لئے دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل نہیں ہوگا۔ باب 2 البقرہ، آیات 200-201:

اور لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں دے اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں لیکن ان میں وہ ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

اسلام کو دنیاوی چیزوں کے حصول کے لیے بطور کرنسی سمجھنا، جیسے کہ بچے اور ویزہ، مسلمانوں کو ذہنی سکون حاصل نہ ہونے کی ایک بڑی وجہ ہے، یہاں تک کہ اگر وہ بنیادی فرائض کو پورا کرتے ہیں، کیونکہ وہ اسلام کی تعلیمات کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ اسلام کی تعلیمات کا غلط استعمال کرنے سے انسان کو صرف ان دنیاوی نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کی ترغیب ملتی ہے جو انہیں دی گئی ہیں، جس کے نتیجے میں وہ ذہنی سکون حاصل کرنے سے روکتا ہے۔ اور ان کا تناؤ، اداسی اور اضطراب صرف اسی صورت میں بڑھتا ہے جب انہیں دنیاوی چیزیں نہ ملیں جو وہ چاہتے ہیں۔ باب 22 الحج، آیت 11:

"اور لوگوں میں سے کوئی وہ ہے جو اللہ کی عبادت کنارے پر کرتا ہے، اگر اسے کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو اسے تسلی ملتی ہے، اور اگر اسے کوئی آزمائش آتی ہے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے، اس نے دنیا اور آخرت کو کھو دیا، یہی صریح نقصان ہے۔"

لہٰذا اسلام کے مقصد اور اپنی جہالت کو سمجھنا چاہیے اور مخصوص دنیاوی چیزوں کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے دونوں جہانوں میں سکون قلب حاصل کرنا چاہیے جو اکثر دونوں جہانوں میں تناؤ، مشکلات اور پریشانیوں کا باعث بنتے ہیں۔

کنٹرولر نہیں۔

مکہ کے غیر مسلموں کے رہنما اکثر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بحث کرتے تھے تاکہ دوسروں کو اسلام قبول کرنے سے روکا جا سکے۔ ان گفتگو کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے لیے حق کو قبول کرنے کے لیے سب سے زیادہ بے چین ہوتے۔ لیکن اکثر وہ اسے صرف الگ کر دیتے اور اس کی توہین کرتے جس پر وہ اسلام قبول کرنے پر آمادہ نہ ہونے پر غمگین اور پشیمان ہو کر گھر لوٹ جاتے۔ ایسا ہی ایک واقعہ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 1، صفحہ 348-349 میں مذکور ہے۔

مسلمانوں کے لیے دوسروں کو نصیحت کرنے کے سلسلے میں ایک اہم نکتہ کو سمجھنا ضروری ہے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ دوسروں کو نیکی کی تلقین کریں اور برائی سے روکیں لیکن مسلمان کو ایسا سلوک نہیں کرنا چاہیے جیسے وہ دوسروں پر حاکم بنا ہوا ہو۔ یہ رویہ صرف غصے اور تلخی کا باعث بنتا ہے خاص طور پر جب دوسرے ان کے مشورے پر عمل نہیں کرتے۔ مسلمانوں کے لیے یہ بہتر ہے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کر کے اپنا فرض ادا کریں لیکن انہیں اپنے مشورے کے معنی پر زور دینے سے گریز کرنا چاہیے، چاہے وہ شخص ان کے مشورے پر عمل کرے یا نہ کرے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے سب سے بڑے استاد اور رہنما یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت فرمائی کہ قرآن مجید کے متعدد مقامات پر اس کے نتائج پر زور نہ دیا جائے تو ایک مسلمان کیسے یہ دعویٰ کر سکتا ہے یا برتاؤ کر سکتا ہے جیسے وہ دوسروں کے ذمہ دار بنا دیا گیا ہو۔ باب 88 الغاشیہ، آیات 21-22:

"تو یاد دلائیں، آپ صرف ایک یاد دہانی ہیں، آپ ان پر قابو پانے والے نہیں ہیں۔"

مسلمان جو کنٹرولر کے طور پر برتاؤ کرتا ہے وہ نہ صرف اس وقت تلخ ہوتا ہے جب لوگ ان کی نصیحت پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں بلکہ اس سے وہ دوسروں کو نصیحت کرنا چھوڑ دیتے ہیں جو ان کی استطاعت کے مطابق تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔

اس کے علاوہ یہ رویہ مسلمانوں کو اپنے اور اپنے فرائض سے بھی غافل کر دے گا کیونکہ وہ دوسروں کے فرائض میں اپنے بارے میں بہت زیادہ مصروف ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے میں ثابت قدم رہیں لیکن ان کی نصیحت کے نتائج کو دیکھنے اور اس کی فکر کرنے سے گریز کریں۔

مہلت یا تباہی۔

مکہ کے غیر مسلموں نے ایک بار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ مکہ کے ایک پہاڑ کوہ صفا کو سونا بنا دیں اور دوسرے پہاڑوں کو ہٹا دیں تاکہ وہ فصلیں اگائیں۔ اسے اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ یہ فیصلہ اس پر ہے کہ وہ مہلت دے اور ان کی احمقانہ درخواستوں کو نظر انداز کرے یا اگر وہ چاہے تو اللہ تعالیٰ ان کی حاجتیں پوری کر دے گا۔ لیکن اگر اس کے بعد انہوں نے اسلام سے کفر کیا تو وہ بالکل اسی طرح تباہ ہو جائیں گے جس طرح پچھلی قوموں نے جن مخصوص معجزات کا مطالبہ کیا تھا ان کو رد کر دیا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مہلت دینے اور ان کی احمقانہ درخواستوں کو نظر انداز کرنے کا انتخاب کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ اس کے بعد بھی کفر کریں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن پاک کی سورہ 17 الاسراء آیت 59 نازل فرمائی:

’’اور ہمیں نشانیاں بھیجنے سے کسی چیز نے نہیں روکا سوائے اس کے کہ پہلی قوموں نے ان کو جھٹلایا اور ہم نے ثمود کو اونٹنی دی تھی جو ظاہری نشانی کے طور پر دی تھی لیکن انہوں نے اس پر ظلم کیا اور ہم نشانیاں صرف تنبیہ کے لیے نہیں بھیجتے۔‘‘

اس پر امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ، اصباب النزول، 17:59، صفحہ 104 میں بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نرمی کی وجہ سے اس کے لیے عذاب میں جلدی نہیں کرتا۔ اس کے بجائے وہ انہیں خلوص دل سے توبہ کرنے اور اپنے طرز عمل کو درست کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 61:

اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر ان کے ظلم کا الزام لگاتا تو اس پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا، لیکن " وہ ان کو ایک معینہ مدت کے لیے مہلت دیتا ہے، اور جب ان کی میعاد آ جائے گی تو وہ ایک "گھڑی بھی پیچھے نہیں رہیں گے اور نہ آگے بڑھیں گے۔

جو مسلمان اس بات کو سمجھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی امید نہیں چھوڑے گا بلکہ حد سے تجاوز بھی نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر خواہش مندانہ سوچ اختیار کرے گا، انہیں کبھی عذاب نہیں دے گا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ سزا میں صرف تاخیر ہوتی ہے جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہیں کرتے۔ پس یہ الہی نام ایک مسلمان میں امید اور خوف پیدا کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو اس تاخیر کو توبہ کرنے اور نیک کاموں کی طرف جلدی کرنے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

ایک مسلمان کو اس الٰہی نام پر لوگوں کے ساتھ نرمی برتتے ہوئے عمل کرنا چاہیے، خاص طور پر جب وہ برے کردار کا مظاہرہ کریں۔ انہیں دوسروں کے ساتھ نرمی کا مظاہرہ کرنا چاہئے جس طرح وہ اللہ تعالیٰ سے ان کی غفلت کے لمحات میں ان کے ساتھ نرمی برتنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہیں اپنی بری خصوصیات کے ساتھ نرمی نہیں برتنی چاہئے یہ جانتے ہوئے کہ گناہوں کی سزا میں تاخیر ہوتی ہے جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کر لیں تب تک ہمیشہ کے لئے ترک نہیں کیا جاتا۔ انہیں بھی چاہیے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق برائی کا جواب اچھائی سے دیتے ہوئے نرمی پر ثابت قدم رہیں۔ باب 41 فصیلات، آیت 34:

اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، برائی کو اس سے دور کرو جو بہتر ہو، پھر جس کے اور" "تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسے وہ ایک مخلص دوست ہو۔

اس کے علاوہ زیر بحث اہم واقعہ اس بات کو سمجھنے کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مخلوق کے ساتھ سلوک نہ کبھی بدلا ہے اور نہ کبھی بدلے گا۔ تمام نسلوں میں، اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ہمیشہ نوازا ہے جنہوں نے خلوص دل سے اس کی اطاعت کی ہے اور ان کو عطا کی گئی نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہوئے اس نے ان کو سزا دی ہے جو اس کی مسلسل نافرمانی کرتے ہیں اور یہ طریقہ کبھی نہیں بدلے گا۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سے

،مسلمانوں نے یہ غلط عقیدہ اختیار کر لیا ہے کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے احکام و روایات بدل گئی ہیں۔ مثال کے طور پر، اگر وہ اس کی نافرمانی پر قائم رہیں تو بھی وہ انہیں نہ اس دنیا میں سزا دے گا اور نہ ہی آخرت میں۔ یہ وہی احمقانہ عقیدہ تھا جو پچھلی امتوں نے اختیار کیا تھا جس کی قرآن پاک میں بہت زیادہ تنقید کی گئی تھی۔ باب 5 المائدۃ، آیت 18:

لیکن یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے فرزند اور اس کے پیارے ہیں "کہو "پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں کی سزا کیوں دیتا ہے؟ "بلکہ تم ان لوگوں میں سے ہو جو اس نے پیدا کیے ہیں، وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ مخلوقات کے ساتھ قوموں کے درمیان تبدیلیوں کے ساتھ برتاؤ کرتا ہے اس پر ایمان لانا اس بات پر دلالت کرے گا کہ اللہ تعالیٰ ظالم اور غیر منصفانہ ہے جو کہ انتہائی بے عزتی اور کفر ہے۔ لہٰذا اس احمقانہ رویہ کو اختیار کرنے سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ صرف ایک سست رویہ اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے جس کے تحت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اڑے رہتے ہیں اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ وہ انہیں نہ دنیا میں سزا دے گا اور نہ ہی آخرت میں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے، اس سے کم نہیں، اس کی روایت اور لوگوں کے ساتھ برتاؤ کا طریقہ کبھی نہیں بدلا اور نہ کبھی آئے گا۔ باب 35 فاطر، آیت 43:

زمین میں تکبر اور برائی کی تدبیروں کی وجہ سے لیکن شیطانی تدبیر اس کے اپنے لوگوں کے سوا کچھ نہیں گھیرتی، پھر کیا وہ پہلے لوگوں کے طریقے کے سوا انتظار کرتے ہیں لیکن تم اللہ کے راستے میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے اور اللہ کی راہ میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔

مختلف اوقات کا سامنا کرنا

جامع ترمذی نمبر 2347 میں موجود حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کی وادی کو میرے لیے سونے میں بدلنے کی پیشکش کی۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ میری خواہش ہے کہ ایک دن کھانا کھاؤں تاکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر سکوں اور دوسرے دن بھوکا رہوں تاکہ اللہ تعالیٰ کے حضور صبر اور عاجزی کا مظاہرہ کر سکیں۔

جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کے لیے بنی نوع انسان کے لیے نمونہ عمل تھے، اس لیے انہیں آسانی اور مشکلات دونوں وقتوں سے گزرنا پڑا۔ لہٰذا جو شخص اس پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اس کے طرز عمل کو اختیار کرے خواہ اس پر آسانی کسی کی نیت میں شکر ادا کرنے میں ہو یا مشکلات۔ آسانی کے وقت، انہیں شکرگزار ہونا چاہیے۔ صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عمل کرنا شامل ہے۔ کسی کی تقریر میں شکر گزاری میں وہ بات کرنا شامل ہے جو اچھی ہے یا خاموش رہنا۔ اور اپنے اعمال میں شکرگزاری میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا ،کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مشکلات کے وقت انہیں صبر کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ صبر میں شامل ہے کہ کسی کی بات یا عمل سے شکایت کرنے سے گریز کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر ثابت قدم رہے، یہ یقین رکھتے ہوئے کہ وہ صرف وہی منتخب کرتا ہے جو ان کے لیے بہتر ہے، خواہ یہ ان پر ظاہر نہ :ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ" "تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ہر حال میں صحیح طریقے سے عمل کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی مسلسل مدد اور رحمت حاصل ہوتی ہے جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں سکون قلب حاصل ہوتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ 7500

اس کے علاوہ زیر بحث اہم واقعہ اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ کسی کی زندگی کا اصل مقصد دنیاوی آسائشیں جمع کرنا اور اس سے لطف اندوز ہونا نہیں ہے۔ اس کے بجائے، ایک مسلمان کو ایک سادہ طرز زندگی اپنانا چاہیے جس کے تحت وہ اسراف سے بچتے ہوئے اپنی ضروریات اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔ سادہ زندگی گزارنے سے ذہنی سکون حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان جتنی دنیاوی چیزوں مثلاً مال و دولت کے لیے کوشش کرے گا، اتنا ہی زیادہ دباؤ کا سامنا کرے گا اور اتنا ہی وہ اسلامی علوم کے سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے غافل ہو جائے گا۔ یہ انہیں ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے سے روک دے گا جو انہیں عطا کی گئی ہیں، جس کے نتیجے میں وہ متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرنے سے روکیں گے اور یہ انہیں اپنی زندگی میں ہر چیز اور ہر چیز کو صحیح جگہ پر رکھنے سے روک دے گا۔ یہ چیزیں بالآخر انہیں ذہنی سکون حاصل کرنے سے روکیں گی۔ یہی ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ کی ایک حدیث نمبر 4118 میں یہ نصیحت فرمائی ہے کہ سادگی ایمان کا حصہ ہے۔

اللہ کی بندگی

مکہ کے غیر مسلموں کے سرداروں نے اپنے دو آدمیوں کو مدینہ کے یہودی علماء سے ملاقات کے لیے بھیجا تاکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں دریافت کریں کیونکہ یہ وہ لوگ تھے جن کے پاس سابقہ آسمانی صحیفے تھے اور اس لیے اس مسئلہ میں زیادہ علم رکھتے تھے۔ یہودی علماء نے ان سے تین سوال کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کو جانچنے کے لیے آگاہ کیا۔ جیسا کہ مکہ کے لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جانتے تھے، انہوں نے سابقہ آسمانی صحیفوں کا بالکل مطالعہ نہیں کیا تھا، وہ صرف اسی صورت میں سوالات کے صحیح جواب دے سکیں گے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتے۔ تین سوالات غار کے لوگوں کے بارے میں تھے، بادشاہ جس نے مشرق اور مغرب کا سفر کیا اور اس کا سامنا کیا اور آخر میں انسانی روح کے بارے میں۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سوالات پوچھے گئے تو آپ نے جواب دیا کہ اگلے دن ان کا جواب دوں گا لیکن اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو یہ جملہ چھوڑ دیا۔ ان سوالات کے جوابات پندرہ دن بعد قرآن پاک میں نازل ہوئے۔ یہ واقعہ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 1، صفحہ 350-352 میں زیر بحث آیا ہے۔

سب سے پہلے تو یہ جاننا ضروری ہے کہ ان سوالات کے جوابات میں تاخیر درحقیقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی واضح نشانی تھی کیونکہ جھوٹا لوگوں کو بے وقوف بنانے اور اپنی دنیوی خواہشات کو جلد از جلد پورا کرنے کے لیے سوالات کے جوابات فوراً دے دیتا تھا۔

اس کے علاوہ یہ تاخیر اسلام کے بارے میں سمجھنے کے لیے ایک اہم حقیقت کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے۔ اسلام انسانوں کو اس لیے عطا کیا گیا تھا تاکہ ان کو فائدہ پہنچے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کر سکیں۔ اسلام لوگوں سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کرتا کیونکہ یہ اپنی عزت اور طاقت براہ راست اللہ تعالیٰ سے حاصل کرتا ہے۔ باب 61 الصف، آیت 8:

"وہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دینا چاہتے ہیں، لیکن اللہ اپنے نور کو مکمل کر کے رہے گا، اگرچہ کافروں کو یہ ناپسند ہی کیوں نہ ہو۔"

لہذا، اسلام لوگوں کی خواہشات کو پورا نہیں کرتا، جیسا کہ مکہ کے غیر مسلم جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امتحان لینا چاہتے تھے، حالانکہ وہ پہلے ہی آپ کی سچائی کے قائل تھے۔ مکہ کے غیر مسلم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت کے اعلان سے 40 سال پہلے تک جانتے تھے اور انہیں پورا یقین تھا کہ وہ امانت دار اور دیانت دار ہیں۔ وہ عربی زبان کے ماہر تھے اور پوری طرح جانتے تھے کہ قرآن پاک کسی مخلوق سے نہیں آیا۔ باب 10 یونس، آیت 16:

"کیونکہ میں اس سے پہلے زندگی بھر تمہارے درمیان رہا تھا، پھر کیا تم عقل نہیں کرو گے؟..."

اس کے علاوہ یہ حقیقت کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پڑھ ہونے کے باوجود سچے تاریخی واقعات اور نفع بخش اسباق پڑھ رہے تھے اور سابقہ آسمانی صحیفوں کا مطالعہ نہیں کیا تھا، جنہیں مکہ کے غیر مسلم بخوبی جانتے تھے، آپ کی نبوت اور اسلام کی حقانیت کی واضح نشانی تھی۔

اس لیے ان کے سوالوں کے جواب میں تاخیر ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے نظام الاوقات اور خواہشات پر عمل نہیں کرتا۔

عام طور پر دیکھا جائے تو مسلمانوں کو دنیاوی چیزوں کے حصول کے لیے اسلام کو کرنسی کے طور پر سمجھنے سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ اس کا کام لوگوں کی خواہشات اور خواہشات کو پورا کرنا نہیں ہے۔ مسلمانوں کو اس کے بجائے اللہ کی بندگی کرنی چاہیے، اور اس کے نتیجے میں جب وہ اس کی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں تو انہیں ذہنی سکون حاصل ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام انسانوں کو یہ سکھاتا ہے کہ انہیں عطا کی گئی نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنا ہے تاکہ وہ متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کر سکیں اور یہ انہیں سکھاتا ہے کہ کس طرح اپنی زندگی میں ہر چیز اور ہر چیز کو صحیح جگہ پر رکھنا ہے۔ یہ دونوں چیزیں ذہنی سکون کا

باعث بنتی ہیں۔ جو شخص ایسا برتاؤ کرتا ہے جیسے اسلام ان کی خواہشات اور خواہشات کی خدمت کرے اسے یہ ذہنی سکون حاصل نہیں ہو گا بلکہ اس کا طرز عمل ان کے لیے دونوں جہانوں میں تناؤ، پریشانی اور پریشانی کا باعث بنے گا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی بندگی اور قلبی سکون حاصل کرنے سے راضی نہیں ہے، وہ اپنی خواہشات کو کسی اور جگہ پورا کرنے کی کوشش کر سکتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ، اور اسلام کو ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ باب 18 الکہف، آیت 29:

اور کہہ دو کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے، پس جو چاہے ایمان لے آئے۔ اور جو چاہے کفر کرے۔''

ثابت قدمی بہادری۔

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک بار تبصرہ کیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ مردوں میں سب سے زیادہ بہادر تھے۔ مکہ کے غیر مسلموں نے ایک بار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جسمانی حملہ کیا اور یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے ان میں سے ایک کو مار کر، دوسرے کو روک کر اور دوسرے کو نیچے پھینک کر ان کا دفاع کیا۔ اس پر امام سیوطی تاریخ الخلفاء، صفحہ 13 میں بحث ہوئی ہے۔

یہ واقعہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق اور اپنی طاقت کے مطابق برے کاموں اور طریقوں پر اعتراض کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ برائی پر اعتراض کرنے کا سب سے اعلیٰ درجہ جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دکھایا ہے، جب کوئی اپنے عمل سے برائی پر اعتراض کرتا ہے۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ برائی کو روکنے کے لیے کسی کو تشدد کی طرف مائل ہونا چاہیے۔ ایک مسلمان کو اجازت ہے کہ وہ تشدد کے خلاف اپنا اور دوسروں کا دفاع کرے لیکن اسے اس کی ابتدا نہیں کرنی چاہیے۔ اس کے بجائے، انہیں اپنی جسمانی طاقت کو دوسروں کی غلطیاں درست کرنے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ اگر کوئی جسمانی طور پر برائی پر اعتراض نہیں کرسکتا تو اسے زبانی طور پر اس پر اعتراض کرنا چاہیے۔ ایک بار پھر، یہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق ہونا چاہیے، جس کے تحت کوئی بھی بد زبانی سے گریز کرے جس سے ظالم کے برے رویے میں اضافہ ہی ہوگا۔ اس کے بجائے دوسروں کی برائیوں پر آداب اور احترام اور واضح ثبوت کے ساتھ زبانی طور پر اعتراض کیا جائے تاکہ معاشرہ واضح طور پر ظالم اور ان پر اعتراض کرنے والے میں فرق دیکھے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اکثر مسلمانوں کی طرف سے اس بات کو نظر انداز کیا جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں معاشرہ بدکردار اور برائی پر اعتراض کرنے والے کے برے رویے اور گفتگو کی وجہ سے ظالم اور ان کے رویے پر اعتراض کرنے والے میں فرق نہیں کر سکتا۔ برائی پر اعتراض کرنے کا سب سے نچلا درجہ اسے دل میں ناپسند کرنا ہے۔ ایسی صورتوں میں جہاں کسی شخص کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو اور وہ زبانی یا جسمانی طور پر برائی پر اعتراض کرنے کی پوزیشن میں نہ ہو تو اسے کم از کم اپنے دل میں برائی پر اعتراض کرنا چاہیے۔ یہ مختلف مراحل سنن ابوداؤد نمبر 4340 میں موجود حدیث میں بیان ہوئے ہیں ۔

مکہ میں اہل ایمان پر تشدد

برائی کا حکم دینا اور نیکی سے منع کرنا

غیر مسلم رہنما ابو جہل وہ تھا جس نے مکہ کے غیر مسلموں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کرنے پر اکسایا تھا۔ جب اس نے کسی ایسے شخص کے بارے میں سنا جس نے اسلام قبول کر لیا تھا تو وہ اس پر تنقید کرتا، اس کی توہین کرتا اور اس پر اپنے آباؤ اجداد کے صحیح طریقے سے چلنے کا الزام لگاتا۔ وہ معاشرے میں ان کی قدر کو کم کرنے کی کوشش کرے گا، ان کی رائے پر تنقید کرے گا اور ان کی ساکھ کو تباہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ اگر صحابی رضی اللہ عنہ تاجر ہوتے تو دوسروں کو ان کے ساتھ تجارت کرنے سے باز رکھنے کی ترغیب دیتے۔ اگر صحابی رضی اللہ عنہ معاشرتی طور پر کمزور ہوتے تو ابوجہل ان پر جسمانی تشدد کرتا اور دوسروں کو امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 1 صفحہ 358 میں اس پر بحث بھی ایسا کرنے کی ترغیب دیتا۔ کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس بری ذہنیت کو نہ اپنائے۔ یہ درحقیقت منافقت کا ایک پہلو ہے۔ یہ شخص نہ صرف خود برے کام کرتا ہے اور نیک کاموں سے پرہیز کرتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے بھی ان کی طرح اسی کشتی میں سوار ہوں تاکہ انہیں اپنے برے کردار میں کچھ سکون ملے۔ وہ نہ صرف خود ڈوبتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایک شخص ہر دوسرے شخص کے لیے جوابدہ ہوگا جو ان کی دعوت کی وجہ سے گناہ کرتا ہے۔ اس شخص کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے گا جیسے اس نے گناہ کیا ہے اگرچہ اس نے صرف دوسروں کو اس کی طرف دعوت دی۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 203 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ اسی لیے بعض نے کہا ہے کہ مبارک ہے وہ شخص جس کی برائی ان کے ساتھ مر جائے کیونکہ اس کے گناہ بڑھ جائیں گے اگر دوسرے ان کی بُری نصیحت پر عمل کریں اگرچہ وہ زندہ نہ ہوں۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہر ایک کو دنیا اور آخرت میں اپنے برے اعمال کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا، چاہے یہ ان پر ظاہر نہ ہو۔ باب 35 فاطر، آیت 43:

’’لیکن شیطانی تدبیر سوائے اپنے لوگوں کے گھیرے میں نہیں آتی، پھر کیا وہ پہلے لوگوں کے راستے کے سوا انتظار کرتے ہیں؟‘‘

اس دنیا میں انسان کے پاس جو چیزیں ہیں، جیسے کہ دولت اور خاندان، وہ اس کے لیے تناؤ، مصائب اور پریشانی کا باعث بنتے ہیں۔ یہ شخص ذہنی سکون سے محروم رہے گا حالانکہ وہ تفریح کے لمحات کا تجربہ کرتا ہے اور دنیاوی آسائشوں تک رسائی رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ، یہ شخص یہ نہیں سمجھ پائے گا کہ وہ ذہنی صحت کے مسائل کا سامنا کیوں کر رہے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ اپنی زندگی میں موجود چند اچھے لوگوں کو مورد الزام ٹھہرائیں گے، جیسے کہ ان کی شریک حیات۔ اس کے بعد وہ ان چیزوں اور لوگوں سے تعلقات منقطع کر لیں گے، جس سے ان کی ذہنی صحت میں اضافہ ہی ہو گا۔ بعض صورتوں میں، ان کا تناؤ، ڈپریشن اور منشیات کی لت انہیں خودکشی کی طرف لے جا سکتی ہے۔ لیکن آخرت میں جو ان کا انتظار ہے وہ اس سے بھی بدتر ہے اگر وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں اور برے کردار کو اپنانے سے باز آجائیں جس سے وہ معاشرے میں فساد، دشمنی اور برائی پھیلاتے ہیں۔ کسی کو یاد رکھنا چاہیے کہ اگر وہ معاشرے میں اچھائی نہیں پھیلا سکتے تو کم سے کم وہ کر سکتے ہیں جو اس کے اندر برائی نہیں پھیلا سکتے۔

مشکل ٹیسٹ

جب مکہ کے غیر مسلموں کی جارحیت میں اضافہ ہوا تو انہوں نے بے دفاع اور معاشرتی طور پر کمزور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کرنا شروع کر دیا۔ انہوں نے انہیں قید کیا، انہیں زبانی اور جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا، انہیں خوراک اور پانی سے محروم کیا اور ان پر انتہائی قسم کے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا۔ مثال کے طور پر بلال بن رباح رضی اللہ عنہ مکہ کے ایک غیر مسلم امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ امیہ بلال رضی اللہ عنہ کو جلتی ہوئی ریت پر لیٹنے پر مجبور کرے گی اور پھر ان کے سینے پر ایک بہت بڑا پتھر رکھ دے گی تاکہ انہیں اسلام چھوڑنے پر مجبور کرے۔ لیکن بلال رضی اللہ عنہ اسلام پر ثابت قدم رہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 1، صفحہ 356-357 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو شکرگزار ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان سے اس قسم کی ہولناک آزمائشوں کا سامنا کرنے کا تقاضا نہیں کرتا جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کو ہوا تھا۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو آزمائشوں اور مشکلات کا سامنا کرنے والا ہے جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کیا تھا۔ انہوں نے اپنا مال، گھر، خاندان اور جانیں قربان کر دیں۔ اس کے بجائے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو چند فرضی فرائض سونپے ہیں اور انہیں ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کی ترغیب دی ہے جو اس نے انہیں عطا کی ہیں تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کریں۔ اگر کوئی شخص ذہنی سکون کی اہمیت اور آخرت میں جنت کی عظمت پر غور کرے تو انہیں احساس ہو گا کہ وہ قربانیاں دینے کی ترغیب دی گئی ہے جو وعدہ شدہ انعام کے مقابلے میں بہت کم ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے، تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرتے ہوئے اور اس کی عطا کردہ نعمتوں کو اس کی رضا کے لیے استعمال کرتے ہوئے اس کا شکر ادا کریں۔

اس کے علاوہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو قربانی اور جدوجہد کا تقاضا کرتا ہے۔ جس طرح کوئی شخص قربانی اور جدوجہد کے بغیر طبی ڈاکٹر بننے جیسی دنیاوی کامیابی حاصل نہیں کرسکتا، اسی طرح جدوجہد سے دونوں جہانوں میں سکون اور کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی ۔ لہذا، کسی کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اسلام کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا کوئی تعطیل نہیں ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آرام اور خدمت کی جائے۔ اسلام دوسرے مذاہب کی طرح نہیں ہے جو جدوجہد اور قربانی کے بغیر کامیابی کا جھوٹا وعدہ کرتا ہے۔ یہ دنیا جنت نہیں ہے، لہٰذا انسان کو ہر قسم کی آزمائشوں، دباؤ اور مشکلات سے نجات کی امید صرف اس لیے نہیں کرنا چاہیے

کہ وہ زبانی طور پر اسلام پر ایمان لائے۔ اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان اور اطاعت اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب انسان مختلف حالات کا سامنا کرتا ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو برقرار رکھتے ہوئے آسانی اور مشکل کے اوقات۔ لہٰذا، ہر حال میں اسلامی تعلیمات میں بیان کردہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت جاری رکھنی چاہیے تاکہ وہ اپنے ایمان کے زبانی اعلان کو ثابت کر سکے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے جدوجہد اور قربانیاں دینے والوں سے اسلام کے وعدے کے مطابق ذہنی سکون حاصل ہو۔ جو شخص دنیا اور آخرت میں بغیر کسی کوشش کے جنت کی خواہش رکھتا ہے وہ ایک خیالی دنیا میں رہتا ہے اس لیے اسے چاہیے کہ وہ یا تو اپنا رویہ درست کرے یا پھر کسی اور جگہ اپنے تصور کو پورا کرنے کی کوشش کرے، کیونکہ اسلام کے ذریعے وہ اپنی احمقانہ خواہش پوری نہیں کر سکے گا۔ باب 29 العنکبوت آیات 2-3:

"کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انہیں یہ کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی، لیکن ہم نے ان سے پہلے والوں کو ضرور آزمایا ہے، اور اللہ ضرور ان لوگوں کو ظاہر کرے گا جو سچے ہیں اور وہ ضرور جھوٹوں کو ضرور ظاہر کر دے گا۔"

مراعات دینا

اسلام قبول کرنے کے بعد عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو ان کے مالک نے ستایا اور اذیت دی۔ اس پر اس قدر وحشیانہ تشدد کیا گیا کہ وہ اس سے بچنے کے لیے کفر کے کلمات کہنے پر مجبور ہوئے۔ جب اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ سے آگاہ کیا تو موصوف نے ان سے آپ کے روحانی قلب کا حال دریافت کیا۔ جب عمار رضی اللہ عنہ نے اس بات کی تصدیق کی کہ ان کا روحانی قلب ایمان میں پختہ ہے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اگر اس کا مطلب جان بچانا ہے تو اپنے اعمال کو دہراؤ۔ اسی کے سلسلے میں باب النحل آیت 106 نازل ہوئی 16:

"جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرتا ہے، سوائے اس کے جس پر مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان میں محفوظ ہو، لیکن جو لوگ اپنے سینوں کو کفر کے لیے کھول دیتے ہیں، ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔"

اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 399-401 میں بحث کی گئی ہے۔

اپنی مثال کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اسی طرح کی مشکلات کا سامنا کرنے والے لوگوں کو آسانی اور رعایت دی۔ عام طور پر، یہ اسلام کی آسان فطرت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 39 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ دین سادہ اور سیدھا ہے۔ اور مسلمان کو اپنے اوپر بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے کیونکہ وہ اس کو برداشت نہیں کر سکیں گے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو ہمیشہ سادہ دینی اور دنیاوی زندگی گزارنی چاہیے۔ اسلام مسلمانوں سے یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ وہ اعمال صالحہ کی ادائیگی میں اپنے اوپر بوجھ ڈالیں۔ لیکن درحقیقت یہ سادگی سکھاتا ہے جو کہ اللہ عزوجل کے نزدیک سب سے زیادہ پیارا دین ہے، امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 287 میں موجود ایک حدیث کے مطابق، ایک مسلمان کو سب سے پہلے اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے کوشش کرنی چاہیے، جو بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی طرح ادا کرنے کی اس کی طاقت میں ہے، وہ اس سے زیادہ مسخر نہیں ہو سکتا۔ اس کی تصدیق قرآن مجید کی سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 286 میں ہوتی ہے:

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

اس کے بعد انہیں چاہیے کہ وہ اپنے دن میں سے کچھ وقت اسلامی تعلیمات کے مطالعہ کے لیے نکالیں تاکہ وہ اپنی طاقت کے مطابق قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ روایات پر عمل کر سکیں۔ صحیح بخاری نمبر 6502 میں موجود حدیث کے مطابق یہ اللہ تعالیٰ کی محبت کو راغب کرتا ہے۔

اگر کوئی مسلمان اس طرز عمل پر قائم رہے تو ان پر ایسی رحمت نازل کی جائے گی کہ وہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے تئیں اپنے تمام فرائض ادا کریں گے اور اس دنیا کی حلال لذتوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے وقت نکالیں گے اور اسراف اور اسراف کے بغیر۔

اس طرح ایک مسلمان اپنے لیے آسانیاں پیدا کرتا ہے۔ اور اگر ان کے زیر کفالت افراد ہوں، جیسے کہ بچے، تو انہیں چاہیے کہ انہیں بھی یہی سکھائیں، اس طرح ان کے لیے بھی آسانیاں پیدا ہوں۔ خود پر زیادہ بوجھ ڈالنا چیزوں کو مشکل بنا دیتا ہے اور کسی کو مکمل طور پر چھوڑنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ اور بہت زیادہ آرام کرنا چیزوں کو مشکل بنا دے گا کیونکہ انسان سستی کی وجہ سے دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جائے گا۔ اس لیے توازن بہترین ہے جس کی اسلام ہمیشہ حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

جیسا کہ اسلام سادہ ہے، حلال اور حرام واضح، سمجھنے میں آسان اور عمل کرنے میں آسان ہے۔ لہٰذا کسی کو اپنے یا اپنے زیر کفالت افراد کے لیے دینی علم کی تحقیق اور اس پر عمل کر کے ایسی چیزوں کو پیچیدہ نہیں کرنا چاہیے جس کی جڑیں ہدایت کے دو ماخذ قرآن مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں نہ ہوں۔ جب کوئی ان دونوں ذرائع پر سختی سے عمل کرے گا تو وہ اسلام کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں آسانی محسوس کرے گا۔

آخر میں، توسیع کے ذریعہ انسان کو اپنی دنیاوی زندگی کو سادہ رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی اسراف اور فضول خرچی سے گریز کرتے ہوئے اپنی ضروریات اور ذمہ داریوں کے مطابق حلال مال جیسی مادی دنیا کے لیے کوشش کرتا ہے۔ جو جتنا زیادہ اس پر عمل کرے گا اس کی دنیاوی زندگی اتنی ہی پر سکون ہوتی جائے گی۔ جب یہ ان کے سادہ مذہب کے ساتھ جوڑا جاتا ہے، تو یہ ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی کا باعث بنتا ہے۔

کمزوروں کی مدد کرنا

جب معاشرتی طور پر کمزور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کے غیر مسلموں کی طرف سے ظلم و ستم کا نشانہ بن رہے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بلال رضی اللہ عنہ جیسے اسلام قبول کرنے والے غلاموں اور غلاموں کو خرید کر آزاد کر کے ان کی مدد کی۔ صحیح بخاری نمبر 3754 میں موجود ایک حدیث میں اس کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کریم کی درج ذیل آیات ان کے نیک اعمال کی وجہ سے نازل ہوئیں۔ باب 92 آل لیل، آیات 5-7:

"اور وہ جو دیتا ہے اور اللہ سے ڈرتا ہے اور بہترین]اجر [پر یقین رکھتا ہے، ہم اسے آسانی کی طرف آسانی دیں گے۔"

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 1، صفحہ 357-358 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص کسی مسلمان کی تکلیف کو دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی ایک مصیبت کو دور کرے گا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہی سلوک ہوتا ہے جس طرح وہ عمل کرتے ہیں۔ اسلام کی تعلیمات میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر، باب 2 البقرہ، آیت 152:

’’پس مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا‘‘۔

ایک اور مثال جامع ترمذی نمبر 1924 میں موجود حدیث میں مذکور ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو دوسروں پر رحم کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر رحم کیا جائے گا۔

پریشانی وہ چیز ہے جو کسی کو پریشانی اور مشکل میں ڈال دیتی ہے۔ لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کسی دوسرے کے لیے ایسی تکلیف کو آسان کرے خواہ دنیوی ہو یا دینی، وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے سختیوں سے محفوظ رہے گا۔ متعدد احادیث میں مختلف طریقوں سے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2449 میں موجود حدیث میں نصیحت فرمائی کہ جو شخص کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلائے گا اسے قیامت کے دن جنت کے پھل کھلائے جائیں گے۔ اور جو شخص کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو جنت کا پانی پلائے گا۔

چونکہ آخرت کی مشکلات دنیا میں پائی جانے والی مشکلات سے کہیں زیادہ ہیں، اس لیے یہ ثواب ایک مسلمان کے لیے اس وقت تک روک رکھا جاتا ہے جب تک کہ وہ آخرت تک نہ پہنچ جائیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو دنیا کی مصیبتوں سے بڑھ کر قیامت کی سختیوں کی فکر کرنی چاہیے۔ انسان کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ دنیا کی مصیبتیں ہمیشہ عارضی، کم سخت اور آخرت کی مصیبتوں کے مقابلے میں بہت دور رس ہوں گی۔ یہ فہم اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ آخرت کی مشکلات سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں بھرپور کوشش کریں گے۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک مسلمان کی مدد کرتا رہے گا جب تک وہ دوسروں کی مدد کرتا رہے گا۔ ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ جب وہ کسی کام کے لیے کوشش کرتے ہیں یا کسی خاص کام کو مکمل کرنے کے لیے کسی دوسرے کی مدد کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ کامیاب یا ناکامی پر ختم ہو سکتا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی کی مدد کرتا ہے تو اس کا کامیاب نتیجہ یقینی ہے۔ یہ غور کرنا ضروری ہے کہ یہ الہی مدد اس وقت حاصل ہوتی ہے جب کوئی شخص دینی اور حلال دنیاوی دونوں معاملات میں دوسروں کی مدد کرتا ہے۔ اس کے

علاوہ ایک مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں کی مدد کرے، اگر وہ اس اجر کا خواہاں ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ انہیں امید نہیں رکھنی چاہئے، امید نہیں رکھنی چاہئے اور نہ ہی ان سے شکر گزاری کی کوئی علامت پوچھنی چاہئے جس سے وہ مدد کر رہے ہیں۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے مفاد کے لیے تمام اچھے کاموں میں دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کریں تاکہ انہیں دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہو۔

اس کے علاوہ، یہ سمجھنا ضروری ہے کہ غلامی کی دوسری شکلیں بھی ہیں جن میں مسلمانوں کو ان کی مدد کرنی چاہیے، جیسے قرضوں کے ذریعے مالی غلامی۔ اس میں دوسروں کو دوسرے لوگوں کے قرضوں کی ادائیگی میں مدد کرنا یا کسی مسلمان پر دوسرے کا قرض واجب الادا ہونے پر چیزوں کو آسان بنانا شامل ہے۔ درحقیقت جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے قرض اتارتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے دونوں جہانوں میں معاف کر دیتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 225 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

ایمان پہلے آتا ہے۔

جب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو ان کی غیر مسلم والدہ نے نذر مانی کہ وہ اس وقت تک نہ کھائیں گے جب تک کہ وہ اپنا ایمان نہ چھوڑ دیں۔ سعد رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کے ساتھ بہت زیادہ فرض شناس تھے لیکن ان کی محبت اور ان کی دیکھ بھال نے انہیں اپنے ایمان پر سمجھوتہ نہیں کیا۔ کچھ دن گزرنے کے بعد، اس نے اسے خبردار کیا کہ اگر وہ 100 بار مر بھی جائے تو پھر بھی وہ اپنا ایمان نہیں چھوڑے گا۔ جب اس نے اس کے ثابت قدم کردار کو دیکھا تو اس نے اپنی منت توڑ دی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے باب 29 العنکبوت آیت 8 نازل فرمایا:

"اور ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ نیکی کی تاکید کی ہے، لیکن اگر وہ تمہیں میرے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک کرنے کی کوشش کریں جس کا تمہیں کوئی علم نہیں تو ان کی بات نہ مانو، تمہاری واپسی میری طرف ہے، پھر میں تمہیں بتاؤں گا کہ تم کیا کرتے تھے۔"

اس پر امام محمد السلّابی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرتِ نبوی، جلد 1، صفحہ 402 میں بحث کی گئی ہے۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ مادی دنیا سے کچھ حاصل کرنے کے لیے اپنے ایمان پر کبھی سمجھوتہ نہ کریں۔ باب 4 النساء، آیت 135:

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔‘‘

چونکہ مادی دنیا عارضی ہے اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ آخرکار ختم ہو جاتا ہے اور آخرت میں ان کے اعمال اور رویوں کا جوابدہ ہو گا۔ دوسری طرف، ایمان وہ قیمتی زیور ہے جو ایک مسلمان کی دنیا اور آخرت میں تمام مشکلات سے باحفاظت رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے کسی عارضی چیز کی خاطر جو چیز زیادہ فائدہ مند اور پائیدار ہو اس سے سمجھوتہ کرنا صریح حماقت ہے۔

بہت سے لوگ خاص طور پر خواتین، اپنی زندگی میں ایسے لمحات کا سامنا کریں گے جہاں انہیں اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر، بعض صورتوں میں اور کسی خاص طریقے اسکارف اتار دیا ایک مسلمان عورت یہ مان سکتی ہے کہ اگر اس نے اپنا سے لباس پہن لیا تو وہ کام پر زیادہ عزت دار ہو گی اور کارپوریٹ کی سیڑھی بھی زیادہ تیزی سے چڑھ سکتی ہے۔ اسی طرح کارپوریٹ دنیا میں کام کے اوقات کے بعد ساتھیوں کے ساتھ گھل مل جانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ لہذا ایک مسلمان اپنے آپ کو کام کے بعد کسی پب یا کلب میں مدعو کر سکتا ہے۔

ایسے وقت میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ حتمی فتح اور کامیابی صرف انہی کو ملے گی جو اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم رہیں۔ اس طرح عمل کرنے والوں کو دنیوی اور دینی کامیابیاں نصیب ہوں گی۔ لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان کی دنیاوی کامیابی ان کے لیے بوجھ نہیں بنے گی۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بنی نوع انسان کے درمیان ان کے درجات اور ذکر کو بڑھانے کا ذریعہ بنے گا۔ اس کی مثالیں خلفائے راشدین اسلام ہیں۔ انہوں نے اپنے عقیدے پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ زندگی بھر ثابت قدم رہے اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی اور مذہبی سلطنت عطا فرمائی۔

کامیابی کی دیگر تمام شکلیں بہت وقتی ہیں اور جلد یا بدیر وہ اس کے علمبردار کے لیے مشکل بن جاتی ہیں۔ صرف ان بہت سی ہستیوں کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے شہرت اور خوش قسمتی کے حصول کے لیے اپنے نظریات اور عقیدے پر سمجھوتہ کیا اور صرف یہی چیزیں ان کی اداسی، پریشانی، ڈپریشن، منشیات کے استعمال اور یہاں تک کہ خودکشی کا سبب بنیں۔

اس کے علاوہ، زیر بحث مرکزی واقعہ مسلمانوں کو یہ بھی سکھاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو لوگوں کی خوشنودی پر ترجیح دیں۔ انسان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ لوگوں کو ان کی زندگی میں خوش کرنا ان کی مختلف خواہشات اور خواہشات کی وجہ سے ممکن نہیں ہے۔ نتیجے کے طور پر، چاہے کوئی کتنی ہی کوشش کرے وہ اپنی زندگی میں ہر کسی کو خوش نہیں کر سکے گا۔ اس کے علاوہ، جیسا کہ لوگ عام طور پر ناشکرے ہوتے ہیں، وہ اس شخص کی قدر نہیں کریں گے جو انہیں خوش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ صرف اس شخص کو تلخ اور غمگین ہونے کا سبب بنے گا، جو اسے ذہنی سکون حاصل کرنے سے روکے گا۔ مزید برآں، جو لوگوں کو خوش کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ آسانی سے اسلام کی تعلیمات کو نظر انداز کر دے گا۔ نتیجتاً وہ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے میں ناکام ہو جائیں گے جو انہیں عطا کی گئی ہیں اور وہ اپنی زندگی میں موجود ہر چیز کو صحیح جگہ پر رکھنے میں ناکام ہو جائیں گے۔ یہ دونوں چیزیں انہیں ذہنی سکون حاصل کرنے سے روکیں گی۔ اس لیے جو شخص دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا ارادہ کرے کیونکہ یہی انہیں ہر نعمت کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے اور اپنی زندگی میں موجود ہر چیز کو صحیح جگہ پر راضی کرنے کی ترغیب دے گا تاکہ وہ متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کر سکیں۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

ٹیسٹ کا اختتام

اسلام قبول کرنے کے بعد، خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کو مکہ کے غیر مسلموں نے ستایا اور اذیتیں دیں۔ مثال کے طور پر، وہ آگ جلائیں گے اور اسے اس پر لیٹنے پر مجبور کریں گے۔ خباب نے ایک بار حضور نبی اکرم صلی رضی اللہ عنہ مشکلات کے باوجود اسلام پر ثابت قدم رہے۔ اس اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس شدید جسمانی اذیت کی شکایت کی جس کا آپ اور دوسرے لوگ سامنا کر رہے تھے اور آپ سے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا کریں۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پچھلی امتوں کے مومنین کو درپیش مشکلات کا ذکر کر کے صبر کی ترغیب دی۔ مثال کے طور پر سابقہ مومنین کو اس طرح اذیتیں دی گئیں کہ ان کی جلد پر ایک دھاتی کنگھی ڈالی جائے گی تاکہ اسے ان کی ہڈیوں سے اکھاڑ پھینکا جائے پھر بھی وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ چھوڑیں۔ دوسرے کے سر پر آری رکھی جائے گی اور اس سے ان کے جسم کے دو ٹکڑے ہو جائیں گے لیکن وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں چھوڑیں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ضرور فتح عطا فرمائے گا۔ اس کا ذکر صحیح بخاری نمبر 3852 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔

اگرچہ آزمائشوں اور آزمائشوں نے مومنین کو ازل سے ہی متاثر کیا ہے خاص طور پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں، لیکن ایسا لگتا ہے کہ جدید دور کے امتحانات مسلمانوں کے لیے مزید مشکلات اور ذلت کا باعث بنتے ہیں۔ جبکہ نیک پیشواؤں کو جن آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا وہ دونوں جہانوں میں عزت کا باعث بنے۔ امتحانات کے نتائج اور نتائج میں اس فرق کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جب صالح پیش رووں کو درحقیقت دورِ حاضر کے مسلمانوں سے زیادہ ،آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا، جس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 4023 کی حدیث سے ہوتی ہے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی سچی اطاعت کرتے ہوئے اپنی آزمائشوں اور مشکلات کا سامنا کیا۔ ممانعت اور تقدیر پر صبر کرنا ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بحفاظت امتحان پاس کر گئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دونوں جہانوں میں بڑی عزت و عنایت حاصل کی۔ جبکہ اس دور میں بہت سے مسلمان آزمائشوں کا سامنا کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم نہیں رہتے۔ وہ یہ سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں کہ امتحان میں کامیابی اور عزت صرف انہی کو ملتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہتے ہیں جبکہ نافرمانی صرف رسوائی کا باعث بنتی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کنارے پر نہ کریں جہاں وہ آسانی کے وقت صرف اس کے فرمانبردار ہوں اور مشکل کے وقت غصے اور نافرمانی سے اس سے منہ موڑ لیں۔ یہ حقیقی بندگی یا اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں ہے۔ سیدھے الفاظ میں، کوئی بھی عمل طویل مدت میں مسلمانوں کی مدد نہیں کرے گا اگر وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مبنی نہ ہو۔ نافرمانی صرف ایک

مشکل سے دوسری مشکل کی طرف لے جائے گی، ایک سے دوسری رسوائی۔ باب 4 النساء، آیت 147:

‘‘اللہ تمہارے عذاب کا کیا کرے گا اگر تم شکر گزار ہو اور ایمان لاؤ؟’’

اس کے علاوہ، زیر بحث اہم واقعہ یہ بھی سکھاتا ہے کہ مشکلات کا سامنا کرتے وقت اپنے صبر کو کیسے بڑھایا جائے۔ انہیں اپنی مشکل کا موازنہ ان بڑی مشکلات سے کرنا چاہیے جن کا سامنا دنیا بھر میں دوسروں کو کرنا پڑا ہے اور کر رہے ہیں۔ یہ اس مشکل کو کم کر دے گا جس کا وہ سامنا کر رہے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ صبر سے اس سے نمٹنے کے زیادہ امکان رکھتے ہیں۔ صبر میں شامل ہے کہ کسی کے قول و فعل میں شکایت کرنے سے گریز کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو برقرار رکھا جائے، جبکہ یہ یقین رکھتے ہوئے کہ وہ صرف وہی انتخاب کرتا ہے جو ان کے لیے بہتر ہو، خواہ یہ ان کے لیے ظاہر نہ ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

’’لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔‘‘

اس کے علاوہ، ایک شخص کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ چاہے وہ کتنی ہی مشکل صورتحال کا سامنا کر رہا ہو، یہ ہمیشہ بدتر ہو سکتا ہے۔ جو شخص اس کو صحیح معنوں میں پہچان لے گا وہ مشکل کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے گا۔ کسی کی نیت میں شکر ادا کرنے میں صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عمل کرنا شامل ہے۔ کسی کی تقریر میں شکر گزاری میں وہ بات کرنا شامل ہے جو اچھی ہے یا خاموش رہنا۔ اور اپنے اعمال میں شکرگزاری میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

آخر میں، اگرچہ صحیح رویہ اختیار کرنے کے مقابلے میں صحیح رویہ کے بارے میں نصیحت کرنا آسان ہے، لیکن اس سے اچھی نصیحت کی سچائی نہیں بدلتی اور اس وجہ سے اچھی نصیحت کو رد نہیں کرنا چاہیے۔

خواتین کے لیے معیاری

اسلام کی پہلی شہید درحقیقت ایک خاتون سمیہ بنت ثابت رضی اللہ عنہا تھیں۔ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کی طرف سے ان پر بہت زیادہ تشدد کیا گیا لیکن اس نے اسلام کو ترک کرنے سے انکار کر دیا اور اس کے نتیجے میں وہ شہید ہو گئیں۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 1 صفحہ 358 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

قرآن کریم نے واضح کیا ہے کہ سب سے زیادہ عزت والا اور اعلیٰ ترین شخص وہ ہے جس کے پاس سب سے زیادہ تقویٰ ہو۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

’’ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے‘‘۔

یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز رہتا ہے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے۔ بدقسمتی سے، شیطان نے بہت سی خواتین کو مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی حیثیت پر بحث کرنے کے لیے دھوکہ دیا ہے۔ حالانکہ اسلام نے عورتوں کو ایسی عزت دی ہے جو کسی اور ادارے یا ایمان نے کبھی نہیں دی ہے جیسا کہ جنت جو کہ آخری نعمت ہے، عورت کے قدموں کے نیچے یعنی ماں کے نیچے میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے - جامع نسائی نمبر 3106 رکھ دی ہے۔ اس کی تصدیق سنن ترمذی نمبر 3895 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ بہترین مرد وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اور بھی بے شمار مثالیں ہیں۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ عورتوں کو اپنے آپ کو مردوں سے تشبیہ دینے کی فکر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہ خواہش نہیں ہے۔ اس کے بجائے عورتوں کو تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اگر وہ اسے حاصل کر لیں تو وہ ہر اس مرد یا عورت سے افضل ہوں گی جس میں ان سے کم تقویٰ ہو گا۔ یہ وہ معیار ہے جو الگ کرتا ہے کہ کون کس سے برتر ہے۔ اور اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ یہ صرف مردوں تک محدود نہیں ہے۔ تاریخ کے اوراق پلٹیں تو وہ عظیم خواتین مسلمان نظر آئیں گی جنہوں نے مرد و زن کے فرق پر بحث و

مباحثہ کے بجائے اس اہم کام پر توجہ مرکوز کی اور نتیجہ یہ نکلا کہ وہ مردوں اور عورتوں کی اکثریت سے بہتر ہوئیں۔ یہاں تک کہ اگر مسلمان خواتین کو وہ تمام حقوق مل جائیں جن کا وہ خواب دیکھتی تھیں تب بھی یہ انہیں دوسروں پر اس وقت تک فوقیت نہیں دے سکتی جب تک کہ وہ تقویٰ اختیار نہ کریں۔ یہ اس وقت بالکل واضح ہوتا ہے جب کوئی خبر کو دیکھتا ہے اور جو اپنی مرضی کے مطابق برتاؤ کرتا ہے اور یہ اگلے جہان میں بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی مسلمان دوسروں پر برتری حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے بحث و مباحثہ میں نہیں بلکہ تقویٰ سے تلاش کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ، زیر بحث اہم واقعہ ایمان کی اہمیت کو سمجھنے اور اسے ہر قیمت پر اپنی زندگی میں نافذ کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ سمیہ بنت ثابت رضی اللہ عنہا نے سمجھ لیا کہ ایمان کے بغیر زندگی کا کوئی مطلب یا قیمت نہیں ہے کیونکہ یہ دنیا یا آخرت میں کبھی بھی ذہنی سکون کا باعث نہیں بن سکتی۔ جیسا کہ ایمان سکھاتا ہے کہ انسان کو دی گئی نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنا ہے تاکہ وہ ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کر سکے اور جیسا کہ یہ سکھاتا ہے کہ آخرت میں جوابدہی کے لیے مناسب تیاری کرتے ہوئے اپنی زندگی میں ہر چیز اور ہر ایک کو صحیح جگہ پر کیسے رکھا جائے، اسی لیے ایمان کی حقیقت دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنتی ہے۔ جہاں ایمان کے بغیر زندگی گزارنا، جس کے تحت کوئی شخص ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں اور اپنی زندگی میں لوگوں اور چیزوں ،کو غلط جگہ پر رکھ کر آخرت میں اپنے احتساب کے لیے مناسب تیاری کرنے میں ناکام رہتے ہیں دونوں جہانوں میں صرف تناؤ، پریشانی اور مشکلات کا باعث بنتے ہیں، خواہ اسے تفریح کے لمحات ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی سچائی ہے کہ اس نے بغیر ایمان کے زندہ رہنے پر قتل ہونے کو ترجیح دی، کیونکہ اس طرح قتل ہونے سے آخرت میں جنت اور دنیا میں عزت کی میراث ہے۔ اور یہ اس زندگی سے بہتر تھا جس میں دنیا میں سکون نہ ہو جو آخرت میں پریشانی کا باعث ہو۔ اس لیے اس اہم حقیقت کو سیکھنا چاہیے اور اسلامی تعلیمات کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، خواہ وہ ان کی خواہشات کے خلاف کیوں نہ ہو، کیونکہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے حاصل کرنے کا یہی واحد راستہ ہے۔ ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی گئی ہیں اور ایک سخت خوراک کا منصوبہ ہے۔ جس طرح یہ عقلمند مریض اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کرے گا، اسی طرح وہ شخص جو اسلامی تعلیمات کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف وہی علم ہے جس کے پاس کسی شخص کو متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کے حصول کو یقینی بنانے کے لیے ضروری علم ہے، وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ معاشرے میں موجود انسانوں کی ذہنی اور جسمانی حالتوں کا علم تمام تر تحقیق کے باوجود اس نتیجے کو حاصل کرنے کے لیے کبھی بھی کافی نہیں ہو گا، کیونکہ وہ ہر اس مسئلے کو حل نہیں کر سکتے جو انسان کو اپنی زندگی میں درپیش ہو اور نہ ہی ان کے مشورے محدود علم، تجربے اور دور اندیشی کی وجہ سے ہر قسم کے ذہنی اور جسمانی دباؤ سے بچ سکیں۔ یہ علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اس نے اسے قرآن

مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی صورت میں انسانوں کو عطا کیا ہے۔ یہ حقیقت اس وقت عیاں ہوتی ہے جب کوئی ان لوگوں کو دیکھتا ہے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق ،عطا کی گئی نعمتوں کو استعمال کرتے ہیں اور جو نہیں کرتے۔ اگرچہ، زیادہ تر معاملات میں مریض اپنی تجویز کردہ دوائیوں کے پیچھے سائنس کو نہیں سمجھتے اور اس لیے اپنے ڈاکٹر پر اندھا اعتماد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ لوگوں کو اسلام کی تعلیمات پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے تاکہ وہ اپنی زندگی پر اس کے مثبت اثرات کو سمجھ سکیں۔ وہ لوگوں سے یہ توقع نہیں کرتا کہ وہ اسلام کی تعلیمات پر اندھا اعتماد کریں بلکہ وہ چاہتا ہے کہ وہ اس کی سچائی کو اس کے واضح دلائل سے پہچانیں۔ لیکن اس کے لیے انسان کو اسلام کی تعلیمات سے رجوع کرتے ہوئے غیر جانبدارانہ اور کھلے ذہن کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ باب 12 یوسف، آیت 108:

کہو، "یہ میرا راستہ ہے؛ میں اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ دعوت دیتا ہوں، میں اور وہ لوگ جو میری پیروی کرتے ہیں..."

اس کے علاوہ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی لوگوں کے روحانی دلوں کو کنٹرول کرتا ہے، ذہنی سکون کا گھر، وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کون اسے حاصل کرتا ہے اور کس کو نہیں۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے‘‘۔’’

اور یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کو ذہنی سکون دے گا جو اس کی عطا کردہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔

ضد

اگرچہ بہت سے غیر مسلموں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کو سمجھا اور اس پر ایمان لایا، لیکن انہوں نے سراسر ضد اور حسد کی بنا پر آپ کی سختی سے انکار اور مخالفت کی۔ مثال کے طور پر مکہ کے ایک غیر مسلم رہنما ولید بن مغیرہ نے ایک بار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن پاک سنا اور اس سے بظاہر متاثر ہوئے۔ چونکہ وہ عربی شاعری میں ماہر تھے، اس لیے وہ جانتے تھے کہ قرآن پاک شاعری نہیں ہے اور اس کے بجائے یہ مانتے تھے کہ یہ خاص اور منفرد ہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے اعتراف کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتہائی مکرم تھے اور کسی اور سے زیادہ علمی اور اخلاقی بلندیوں پر فائز تھے۔ اس کا اعتراف اس نے مکہ کے ایک اور غیر مسلم رہنما ابو جہل کے سامنے نجی طور پر کیا۔ ابو جہل نے اصرار کیا کہ ولید بن مغیرہ نے کھلے عام اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذمت کی۔ سچائی کو تسلیم کرنے کے بجائے، اس کی ضد اور حسد نے اسے کھلم کھلا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا الزام لگانے کی ترغیب دی۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 1 صفحہ 361 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے باب 74 المدثر آیات 11 تا 24 نازل فرمایا۔

مجھے اس کے ساتھ چھوڑ دو جس کو میں نے اکیلا پیدا کیا ہے اور جس کو میں نے بہت زیادہ مال دیا ہے اور اس کے ساتھ اولاد بھی ہے اور اس کے سامنے ہر چیز کو پھیلا دے گا اور اس کی زندگی کو آسان کر دے گا، پھر وہ چاہتا ہے کہ میں مزید اضافہ کروں، نہیں، وہ ہماری آیات کی طرف متوجہ ہے، میں اسے سخت عذاب سے ڈھانپ دوں گا، اس طرح وہ تباہ ہو جائے گا ۔ اس نے سوچا کہ اس نے کس طرح سوچا پھر اس نے منہ موڑا اور گھمنڈ کیا اور کہا کہ یہ تو جادو ہے۔

اس پر امام واحدی کی، اصباب النزول، 74:11-24، صفحہ 160-161 میں بحث کی گئی ہے۔

بعض دنیوی معاملات میں ہٹ دھرمی اختیار کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے کردار میں بہتری نہیں لاتے۔ اس کے بجائے، وہ اپنے رویے پر ثابت قدم رہتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ یہ کسی نہ کسی طرح ان کی عظیم طاقت اور دانشمندی کی علامت ہے۔ ایمان کے معاملات میں ثابت قدمی ایک قابل تعریف رویہ ہے لیکن اکثر دنیاوی معاملات میں اسے صرف ضد کہا جاتا ہے جو کہ قابل ملامت ہے۔

بدقسمتی سے، کچھ کا خیال ہے کہ اگر وہ اپنا رویہ بدلتے ہیں تو یہ کمزوری کو ظاہر کرتا ہے یا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنی غلطی تسلیم کر رہے ہیں اور اس وجہ سے وہ ضد کے ساتھ بہتر کے لیے تبدیل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ بالغ لوگ یہ مان کر نادان بچوں کی طرح برتاؤ کرتے ہیں کہ اگر وہ اپنا رویہ بدل لیتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ہار گئے ہیں جبکہ دوسرے جو اپنے رویے پر ثابت قدم رہتے ہیں وہ جیت گئے ہیں۔ یہ محض بچگانہ ہے۔

درحقیقت ایک ذہین آدمی ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہے گا لیکن دنیاوی معاملات میں جب تک گناہ نہ ہو اپنی زندگی کو آسان بنانے کے لیے اپنا رویہ بدلے گا۔ لہٰذا اپنی زندگی کو سنوارنے کے لیے بدلنا کمزوری کی علامت نہیں بلکہ دراصل ذہانت کی علامت ہے۔

بہت سے معاملات میں، ایک شخص اپنا رویہ تبدیل کرنے سے انکار کرتا ہے اور اپنی زندگی میں دوسروں سے توقع کرتا ہے کہ وہ اپنا رویہ بدلیں، جیسے کہ ان کے رشتہ دار۔ لیکن جو اکثر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ضد کی وجہ سے سب ایک ہی حالت میں رہتے ہیں جس سے باقاعدہ اختلاف اور جھگڑے ہی ہوتے ہیں۔ ایک عقلمند شخص یہ سمجھتا ہے کہ اگر اس کے ارد گرد کے لوگ اس سے بہتر نہیں ہوتے جو ان کی ضرورت سے بہتر ہوتی ہے۔ یہ تبدیلی ان کی زندگی کے معیار اور دوسروں کے ساتھ ان کے تعلقات کو بہتر بنائے گی جو لوگوں کے ساتھ سرکلر بحث کرنے سے کہیں بہتر ہے۔ یہ مثبت رویہ بالآخر دوسروں کو ان کا احترام کرنے کا سبب بنے گا کیونکہ کسی کے کردار کو بہتر بنانے کے لیے حقیقی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔

جو لوگ ضدی رہتے ہیں وہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ ناراض پاتے ہیں جس سے ان کی زندگی سے سکون ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں مزید مشکلات پیدا ہوں گی، جیسے کہ

ان کی ذہنی صحت۔ لیکن جو لوگ بہتر کے لیے اپناتے اور بدلتے ہیں وہ ہمیشہ امن کے ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتے ہیں۔ اگر کوئی یہ امن حاصل کر لیتا ہے تو کیا اس سے واقعی کوئی فرق پڑتا ہے اگر دوسرے یہ مانتے ہیں کہ وہ صرف اس لیے بدل گئے کہ وہ غلط تھے؟

آخر میں قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر ثابت قدم رہنا قابل تعریف ہے۔ لیکن دنیاوی معاملات میں اور ایسے معاملات میں جہاں کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو انسان کو اپنا رویہ بدلنا سیکھنا چاہیے تاکہ وہ اس دنیا میں سکون حاصل کر سکے۔

سنن ابن ماجہ اس کے علاوہ، یہ واقعہ حسد کے بڑے گناہ سے بچنے کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ نمبر 4210 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

حسد ایک سنگین اور کبیرہ گناہ ہے کیونکہ حسد کرنے والے کا مسئلہ دوسرے انسان سے نہیں ہوتا۔ درحقیقت ان کا مسئلہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے کیونکہ اسی نے وہ نعمت عطا فرمائی جس پر رشک کیا جاتا ہے۔ لہٰذا انسان کی حسد صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار اور انتخاب سے ناراضگی کو ظاہر کرتی ہے۔ وہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے غلطی کی ہے جب اس نے ان کے بجائے کسی دوسرے شخص کو ایک خاص نعمت مختص کی تھی۔

بعض لوگ حسد کرنے والے سے نعمت چھیننے کی کوشش کرتے ہیں جو کہ بلا شبہ گناہ ہے۔ سب سے بری قسم وہ ہے جب حسد کرنے والا مالک سے نعمت چھیننے کی کوشش کرتا ہے خواہ حسد کرنے والا خود نعمت حاصل نہ کرے۔ حسد تب ہی جائز ہے جب کوئی شخص اپنے جذبات پر عمل نہ کرے، ان کے جذبات کو ناپسند کرے اور اسی طرح کی نعمت حاصل کرنے کی کوشش کرے بغیر اس کے کہ مالک ان کی نعمتوں سے محروم ہو۔ اگرچہ یہ قسم گناہ نہیں ہے لیکن اگر حسد کسی دنیوی نعمت پر ہو اور دینی نعمت پر ہو تو قابل تعریف ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 1896 میں موجود ایک حدیث میں قابل تعریف قسم کی دو مثالیں بیان کی ہیں۔ پہلا شخص جس پر حلال رشک کیا جا سکتا ہے وہ ہے جو اللہ تعالیٰ

کی رضا کے لیے حلال مال حاصل کرے اور خرچ کرے۔ دوسرا وہ شخص جس سے حسد کیا جا سکتا ہے وہ ہے جو اپنے علم کو صحیح طریقے سے استعمال کرے اور دوسروں کو سکھائے۔

ایک غیرت مند مسلمان کو چاہیے کہ وہ حسد کرنے والے کے ساتھ حسن سلوک اور حسن سلوک سے اس احساس کو اپنے دل سے نکالنے کی کوشش کرے، جیسے کہ ان کی خوبیوں کی تعریف کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا، یہاں تک کہ اس کی حسد ان کے لیے محبت بن جائے۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق، انہیں اپنی حسد کو دوسروں کے حقوق کی ادائیگی سے کبھی نہیں روکنا چاہیے۔

ایک مسلمان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے لامحدود علم اور حکمت کے مطابق نعمتیں مختص کرتا ہے۔ یعنی وہ ہر ایک کو وہی دیتا ہے جو اس کے لیے بہتر ہے۔ باب 2 البقرہ آیت 216:

’’لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔‘‘

اس لیے دوسروں سے حسد کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو اس کی رضا کے لیے استعمال کرنے میں مصروف رہنا چاہیے۔ یہ نعمتوں میں اضافے کا باعث بنے گا، کیونکہ یہ رویہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہا ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

اس کے علاوہ، یہ ذہنی سکون کا باعث بنے گا، جو مستقل حسد کرنے والے کو کبھی حاصل نہیں ہوتا۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

، ابوجہل نے اسلام کی مخالفت کی ترغیب دی آخر کار، جیسا کہ ولید بن مغیرہ کو اس کے دوست یہ واقعہ اچھے ساتھیوں کو اپنانے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان اپنے سنن ابو داؤد قریبی ساتھیوں سے متاثر ہوتا ہے، خواہ یہ اثر ظاہر ہو یا لطیف، مثبت ہو یا منفی۔ میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔ اس لیے اسلام ہمیشہ نمبر 4833 مسلمانوں کو اچھے ساتھی اپنانے کی ترغیب دیتا ہے تاکہ وہ دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں مثبت انداز میں متاثر ہوں۔ مثبت طور پر متاثر ہونا ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے میں مدد کرتا ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کریں گے، جس کے نتیجے میں ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ جبکہ منفی طور پر متاثر ہونا ہمیشہ زندگی میں غلط فیصلے کرنے کی ترغیب دیتا ہے، جس میں ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنا بھی شامل ہے جو انہیں دی گئی ہیں۔ یہ صرف کشیدگی، مصیبت اور مشکلات، جیسے گناہ، جرائم اور جیل کی طرف جاتا ہے .اس لیے اچھے ساتھی کو اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے اور اپنے رشتہ داروں جیسے کہ ان کے بچوں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دینی چاہیے۔

برے منصوبے بنانا

مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں میں سے ایک ولید بن مغیرہ نے ایک بار حج کے دوران دوسرے غیر مسلم رہنماؤں سے ملاقات کی۔ زیارت اسلام سے پہلے موجود تھی لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیح طریقے بالکل بدل چکے تھے۔ ولید بن مغیرہ نے دوسرے قائدین کو مشورہ دیا کہ بہت سے لوگ عنقریب حج کی وجہ سے مکہ میں داخل ہوں گے اور انہیں اسلام کا پیغام ملے گا اس لیے انہیں متفقہ طور پر اس بات پر متفق ہونا چاہیے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہنا چاہیے تاکہ لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکا جا سکے۔ کسی نے مشورہ دیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کاہن کا لیبل لگا دیں۔ لیکن ولید نے جواب دیا کہ ظاہر ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاہن نہیں تھے کیونکہ ان میں کوئی دیوانہ صفت نہیں تھی اس لیے لوگ اسے قبول نہیں کریں گے۔ ایک اور نے مشورہ دیا کہ وہ لوگوں کو بتائیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیوانے تھے اور بد روحوں میں مبتلا تھے۔ لیکن ولید نے جواب دیا کہ ظاہر ہے کہ یہ درست نہیں ہے کیونکہ یہ علامات اس میں ظاہر نہیں تھیں۔ آخر میں کسی نے مشورہ دیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شاعر کا لیبل لگا دیں تاکہ لوگ ان کی باتوں پر توجہ نہ دیں۔ لیکن ولید نے پھر جواب دیا کہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید یا اس کی تقریر شاعری نہیں تھی کیونکہ عرب شاعری کے ماہر تھے۔ ولید نے سب کو نصیحت کی کہ وہ یہ دعویٰ کریں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک جادوگر تھے جو لوگوں اور ان کے مذہب کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتے تھے اور خاندانوں میں تفرقہ ڈالنا چاہتے تھے۔ اس منصوبے پر راضی ہونے کے بعد وہ منتشر ہو گئے اور حج کے لیے مکہ میں لوگوں کے سیلاب آنے کا انتظار کرنے لگے اور انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے سے منع کیا جیسا کہ انہوں نے پہلے اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 1، صفحہ 362 میں بحث کی سے منصوبہ بنا رکھا تھا۔ گئی ہے۔

مسلمانوں کو کبھی بھی کسی برے کام کی سازش نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ ہمیشہ، کسی نہ کسی طرح، ان پر الٹا فائر ہی رہے گا۔ یہاں تک کہ اگر یہ نتائج اگلے جہان تک موخر کر دیے جائیں تو آخرکار ان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو نقصان پہنچانا چاہا جیسا کہ وہ اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت، احترام اور پیار چاہتے تھے۔ لیکن یہ واضح ہے کہ ان کی تدبیریں انہیں اپنی خواہش سے دور کر دیتی ہیں۔ باب یوسف، آیت 18 12:

اور وہ اس کی قمیص پر جھوٹا خون لے آئے،]یعقوب [نے کہا، "بلکہ تمہاری جانوں نے تمہیں"
"کسی چیز پر آمادہ کیا ہے، اس لیے صبر سب سے زیادہ مناسب ہے۔

جتنی زیادہ برائی کی تدبیریں کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں ان کے مقصد سے دور کر دے گا۔ خواہ وہ ظاہری طور پر اپنی خواہش پوری کر لیں، اللہ تعالیٰ جس چیز کی خواہش کی تھی وہ دونوں جہانوں :میں ان کے لیے لعنت بن جائے گا الا یہ کہ وہ سچے دل سے توبہ کریں۔ باب 35 فاطر، آیت 43

لیکن شیطانی تدبیر سوائے اپنے لوگوں کے گھیرے میں نہیں آتی، پھر کیا وہ پہلے لوگوں کے’’
‘‘راستے کے سوا انتظار کرتے ہیں؟

اس کے علاوہ یہ واقعہ دوسروں کے ساتھ ہمیشہ نیکی کی خاطر جمع ہونے کی اہمیت کو ظاہر کرتا :یہ باب 4 النساء، آیت 114 سے مربوط ہے ہے نہ کہ برائی کے لیے۔

ان کی اکثر گفتگو میں کوئی بھلائی نہیں سوائے ان لوگوں کے جو خیرات کا حکم دیتے ہیں یا حق" بات یا لوگوں کے درمیان صلح کرواتے ہیں اور جو شخص یہ کام اللہ کی رضا مندی کے لیے کرے "گا تو ہم اسے بہت بڑا اجر دیں گے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی ہے کہ لوگوں کو دوسروں کے ساتھ گفتگو کرتے وقت اپنے آپ کو کیسا برتاؤ کرنا چاہیے تاکہ وہ اپنے اور دوسروں کے لیے فائدہ اٹھا سکیں۔ پہلا یہ کہ جب مسلمان جمع ہوں تو وہ اس بات پر بحث کریں کہ دوسروں کو کس طرح فائدہ پہنچانا ہے جس میں مال اور جسمانی امداد کی شکل میں صدقہ شامل ہے۔ اگر کوئی مسلمان کسی ضرورت مند کی مدد کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے تو یہ ان کی مدد کرنے کے برابر ثواب حاصل کرنے کا ایک بہترین طریقہ ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6800 میں ایک حدیث ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کو نیکی کی طرف ترغیب دیتا ہے اسے اس طرح اجر ملے گا جیسے اس نے خود اچھا عمل کیا۔ اگر

کوئی مشکل میں کسی کی مدد نہیں کر سکتا یا دوسرے کو اس کام کو پورا کرنے کی ترغیب نہیں دے سکتا تو وہ کم از کم دوسروں کو ضرورت مند کے لیے دعا کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے۔ غائب شخص کے لیے دعا کرنے سے فرشتے دعا کرنے والے کے لیے دعا کرتے ہیں۔ سنن ابوداؤد نمبر 1534 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ یہ ذہنیت گروہ کو ضرورت مندوں سے ملنے کی ترغیب دے سکتی ہے جو انہیں جذباتی مدد فراہم کرتا ہے۔ اس کا ایک طاقتور نفسیاتی اثر پڑتا ہے اور ان کی مشکلات سے نمٹنے کے دوران انہیں طاقت کا ایک نیا انداز فراہم کرتا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ جب کوئی کسی ضرورت مند کی حالت کا تذکرہ کرتا ہے تو اس کا مقصد اس کی ضرورت کے وقت ان کی مدد کرنا ہوتا ہے۔ وقت گزرنے اور انہیں طنز کا نشانہ بنانے کی خاطر ہرگز ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

برکت حاصل کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی کسی حلال کے بارے میں بات کرتا ہے جو اس دنیا یا آخرت میں کسی کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ اس پہلو میں اپنی زندگی کے ہر پہلو میں دوسروں کو نیکی کرنے اور برائی سے باز رہنے کی تلقین کرنا شامل ہے۔

تیسرا پہلو جس کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے وہ تعمیری ذہنیت کے ساتھ دوسروں کے ساتھ بات چیت کرنا ہے جو لوگوں کو تباہ کن ذہنیت رکھنے کی بجائے مثبت انداز میں اکٹھا کرتا ہے جو معاشرے میں تفرقہ کا باعث بنتا ہے۔ اگر کوئی شخص محبت بھرے انداز میں لوگوں کو اکٹھا نہیں کر سکتا تو کم از کم وہ کر سکتا ہے کہ ان کے درمیان تفرقہ پیدا نہ ہو۔ یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کیا جائے تو یہ ایک نیکی کے طور پر درج ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2518 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

درحقیقت سنن ابوداؤد نمبر 4919 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دو مخالف مسلمانوں کے درمیان صلح کرنا نماز اور روزہ سے افضل ہے۔ معاشرے میں پائی جانے والی ہر اچھی چیز اسی پاکیزہ رویے کا نتیجہ تھی جیسے سکول، ہسپتال اور مساجد کی تعمیر۔

لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو اس آیت میں مذکور عظیم اجر تبھی ملے گا جب وہ نہ صرف ان کے جسمانی ہر ایک شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نیک اعمال انجام دیں گے۔ عمل کی بنیاد پر ان کی نیت پر انعام دیا جائے گا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود لوگوں سے ان مسلمان کو قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ بے ایمان ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اپنا اجر حاصل کریں جن کے لیے انہوں نے عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ زیر بحث اہم واقعہ اس بات کو سمجھنے کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ جب بھی کوئی شخص معاشرے میں بھلائی پھیلانے کی خواہش کرے گا جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تو اس نیکی کی راہ میں رکاوٹ بننے سے فائدہ اٹھانے والے معاشرے کے افراد اسے ایسا کرنے سے روکنے کی بھرپور کوشش کریں گے۔ اس سے انسان کو نیکی کرنے سے باز نہیں آنا چاہیے۔ اس کے بجائے، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے معاشرے میں زیادہ سے زیادہ بھلائی پھیلانے کے لیے اپنے فرض کو قبول کرے اور اس پر عمل کرے اور ان ،کی مخالفت کرنے والوں کو نظر انداز کرے۔ اگرچہ ایک مسلمان کو اپنے دفاع کا حق حاصل ہے لیکن انہیں برائی کا جواب برائی سے نہیں دینا چاہئے، جیسے کہ ان لوگوں کے بارے میں بری افواہیں پھیلانا جو ان کے بارے میں بری افواہیں پھیلاتے ہیں۔ اس کے بجائے، انہیں اپنی طاقت کے ،مطابق معاشرے میں خیر پھیلانے پر ثابت قدم رہنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا چاہیے جو ان کی مخالفت کرنے والوں سے نمٹنے کے لیے اور معاشرے میں خیر کو پھیلانے کے لیے۔ مثال کے طور پر، بہت سے لوگ سوشل میڈیا مواد کے ذریعے صحیح اسلامی تعلیمات کے پھیلاؤ کو روکنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں، بہت سے مسلمان میڈیا مواد تیار کرکے ان کی مخالفت کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں جو ان کے میڈیا مواد کو چیلنج کرتا ہے۔ یہ صرف مسلمانوں کو اسلام کی صحیح تعلیمات کو پھیلانے اور ان بنیادی مسائل سے نمٹنے سے روکتا ہے جن کا مسلمان اس دن اور دور میں سامنا کر رہے ہیں۔ اس کے بجائے، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی صحیح تعلیمات کو عام کرنے اور مسلمانوں کو درپیش بنیادی مسائل پر بات کرنے پر توجہ مرکوز کرے اور اپنی توانائی اور وقت ایسے مواد کی تیاری میں ضائع کرنے سے گریز کرے جو اسلام کی مخالفت کرنے والوں کے میڈیا مواد کی مخالفت اور تنقید کرتا ہو۔

مثبت طور پر سمجھنا

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے فوت ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف بیٹیوں کے ساتھ رہ گئے تو مکہ کے غیر مسلموں کے سرداروں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کی اور یہ دعویٰ کیا کہ آپ کا نسب منقطع ہو گیا ہے اور آپ کی وفات کے بعد آپ کا نام بھلا دیا جائے گا۔ اس کے نتیجے میں، اللہ تعالیٰ نے سورہ 108 الکوثر، آیات 1-3 نازل کی:

"بے شک ہم نے تمہیں بہت سی بھلائیاں عطا کی ہیں، پس تم اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو، بے شک تمہارا دشمن ہی کٹا ہوا ہے۔"

اس پر امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ، اصباب النزول، 108:1-3، صفحہ 166 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ آیات مسلمانوں کو حالات کو ہمیشہ مثبت انداز میں دیکھنے کا درس دیتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے بیٹوں کے نقصان پر صبر کا مظاہرہ کرنے کی ہدایت نہیں کی۔ اس کے بجائے، اس نے اسے ہدایت کی کہ وہ ان بے شمار نعمتوں کا شکر ادا کرے جو اس نے اسے عطا کی تھیں۔ کسی کی نیت میں شکر ادا کرنے میں صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عمل کرنا شامل ہے۔ کسی کی تقریر میں شکر گزاری میں وہ بات کرنا شامل ہے جو اچھی ہے یا خاموش رہنا۔ اور اپنے اعمال میں شکرگزاری میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ مثبت سوچ اپنائیں کیونکہ یہ مشکلات سے نمٹنے کے لیے ان کی مدد کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہیں۔ جب بھی

کسی شخص کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اسے ہمیشہ ایک سچائی کو سمجھنا چاہیے کہ مشکل اس سے کہیں زیادہ خراب ہو سکتی تھی۔ اگر یہ دنیاوی مسئلہ تھا تو انہیں شکر گزار ہونا چاہئے کہ یہ ان کے ایمان کو متاثر کرنے والی مصیبت نہیں تھی۔ مشکل کے ساتھ آنے والے فوری غم پر غور کرنے کے بجائے انہیں انجام اور اس انعام پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صبر کا مظاہرہ کرنے والوں کے لیے منتظر ہے۔ جب کوئی شخص چند نعمتوں سے محروم ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ ان گنت نعمتوں کا ذکر کرے جو اس کے پاس موجود ہیں۔ ہر مشکل میں ایک مسلمان کو قرآن کریم کی آیت یاد رکھنی چاہیے جو مسلمانوں کو یاد دلاتی ہے کہ مشکلات اور آزمائشوں میں بہت سی پوشیدہ حکمتیں ہیں جن کا اس نے مشاہدہ نہیں کیا۔ لہٰذا وہ جس صورتحال کا سامنا کر رہے ہیں وہ اس صورتحال سے بہتر ہے جس کی ان کی خواہش تھی۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

"لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

ایک مسلمان کو ان حقائق اور دیگر پر غور کرنا چاہیے تاکہ وہ ایک مثبت سوچ اپنائے جو مشکلات سے اس طرح نمٹنے کے لیے ایک کلیدی عنصر ہے جس سے دونوں جہانوں میں بے شمار نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ یاد رکھیں، کپ آدھا خالی نہیں ہے بلکہ آدھا بھرا ہوا ہے۔

اس کے علاوہ زیر بحث واقعہ لوگوں کو مشکل کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے اپنے مقصد پر ثابت قدم رہنے کا درس دیتا ہے۔ ایک شخص کو اپنی تخلیق کے مقصد پر اپنی توجہ مرکوز رکھنی چاہیے اور کسی مشکل کی وجہ سے اس کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ جب کوئی شخص ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کے اپنے مقصد پر مرکوز رہتا ہے، تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کر سکیں، تو یہ ان کو صبر کے ساتھ جس مشکل کا سامنا ہے اس سے نمٹنے میں مدد کرے گا۔ صبر میں شامل ہے کہ کسی کی بات یا عمل سے کر رہا ہے شکایت کرنے سے گریز کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر ثابت قدم رہے، یہ یقین رکھتے ہوئے کہ وہ صرف وہی منتخب کرتا ہے جو ان کے لیے بہتر ہے، خواہ یہ ان پر ظاہر نہ ہو۔ جبکہ کسی مشکل کی وجہ سے اپنے مقصد سے محروم ہوجانا آسانی سے زندگی کے صحیح راستے سے بھٹک جائے گا۔ اس سے انہیں صرف اس نعمت کا غلط استعمال کرنے کی ترغیب ملے گی جو

انہیں دی گئی ہے۔ اس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں مزید تناؤ، پریشانی اور مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔

غیر جانبدار رہو

مکہ کے غیر مسلموں کے ایک رئیس عتبہ بن ربیعہ نے ایک بار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے مشن پر سمجھوتہ کرنے کے بارے میں بات کی۔ اس کے جواب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں قرآن مجید کی چند آیات سنائیں۔ اس کے بعد عتبہ مکہ کے غیر مسلموں کے رہنماؤں کے پاس واپس آیا اور جو کچھ اس نے سنا اس سے بظاہر متاثر ہوا۔ انہوں نے انہیں بتایا کہ قرآن پاک منفرد ہے، یہ شاعری یا جادوگری نہیں ہے۔ اس کے بعد اس نے انہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے کاروبار سے دور رہنے کا مشورہ دیا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ قرآن پاک پورے عرب کو متاثر کرے گا۔ انہوں نے مزید کہا کہ اگر عرب کے دوسرے غیر مسلم اسلام کو تباہ کر دیں تو اس سے ان کا مسئلہ حل ہو جائے گا لیکن اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلبہ حاصل کر لیا تو وہ اس میں آپ کے ساتھ شریک ہوں گے کیونکہ وہ آپ کے رشتہ دار تھے جنہوں نے آپ کو اور آپ کے مشن کو نقصان پہنچانے سے پرہیز کیا۔ لیکن مکہ کے غیر مسلموں کے قائدین نے ان کے مشورے کو رد کر دیا۔ اس پر ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 1، صفحہ 365-366 میں بحث کی گئی ہے۔

عتبہ کا مشورہ دوسروں کے تئیں غیر جانبدار رہنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے، خاص طور پر اگر کوئی ان کے اچھے مقصد میں دوسروں کی مدد نہیں کرنا چاہتا ہے۔

عام طور پر، مسلمان اکثر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ چونکہ وہ اپنی دنیاوی سرگرمیوں میں بہت مصروف ہیں، انہیں رضاکارانہ طور پر نیک اعمال کرنے میں مشکل پیش آتی ہے، خاص طور پر وہ کام جو لوگوں سے متعلق ہوتے ہیں، جیسے کسی کی جسمانی مدد کرنا۔ اگرچہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ زیادہ سے زیادہ نفلی اعمال انجام دینے کی کوشش کریں جس سے دونوں جہانوں میں ان کا فائدہ ہو، حالانکہ ان کی دنیاوی سرگرمیاں ان کو اس دنیا میں ہی فائدہ پہنچائیں گی، ان مسلمانوں کو کم از کم دوسروں کے بارے میں غیر جانبدارانہ ذہنیت اختیار کرنا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان دوسروں کی مدد نہیں کرسکتا تو اسے ان کے حلال اور اچھے کاموں میں رکاوٹ نہیں ڈالنی چاہیے۔ اگر وہ دوسروں کو خوش نہیں کر سکتے تو انہیں غمگین نہ کریں۔ اگر وہ دوسروں کو نہیں ہنسا سکتے تو انہیں رونا نہیں چاہیے۔ اس کا اطلاق بے شمار منظرناموں پر کیا جا سکتا ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ بہت سے مسلمان دوسروں کے ساتھ بھلائی کر سکتے ہیں، جیسے کہ انہیں جذباتی مدد فراہم کرتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ لوگوں کی طرف منفی رویہ اختیار کر کے اپنے اچھے اعمال کو تباہ کر دیتے ہیں۔ یہ نوٹ کرنا ضروری

ہے کہ اگر کوئی مسلمان دوسروں کے بارے میں حد سے زیادہ منفی رویہ اختیار کرتا ہے تو یہ اسے قیامت کے دن جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ غیر جانبدارانہ ذہنیت کا ہونا دراصل ایک نیک عمل ہے جب اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا جائے۔ صحیح مسلم نمبر 250 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، دوسروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا بہتر ہے جو کہ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث کے مطابق ایک سچے مومن کی علامت ہے۔ لیکن اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو کم از کم دوسروں کے ساتھ غیر جانبدارانہ سلوک کرنا چاہیے۔ جیسا کہ دوسروں کے ساتھ منفی سلوک کرنا کسی کی تباہی کا باعث بن سکتا ہے۔

اس کے علاوہ زیر بحث اہم واقعہ بھی عجلت میں برتاؤ سے گریز کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ عجلت گناہوں، جرائم اور جھگڑوں کا بڑا سبب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جلد بازی انسان کو اپنے جذبات کے مطابق حالات پر ردعمل کا باعث بنتی ہے، جو ثبوت، منطق اور عقل کے مطابق کام کرنے کے بجائے آسانی سے غلط انتخاب، الفاظ اور اعمال کا باعث بنتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 2012 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی ہے کہ سوچنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، جب کہ جلد بازی کرنا شیطان کی طرف سے ہے۔ اس لیے ایک شخص کو چاہیے کہ فیصلہ کرنے سے پہلے حالات کے تمام مختلف پہلوؤں کے بارے میں سوچ کر صبر کے ساتھ ہر صورت حال سے نمٹنے کی کوشش کرے اور جلد بازی میں کیے گئے فیصلوں سے گریز کرے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں اکثر پشیمانی کا باعث بنتا ہے۔

دوسروں کو گمراہ کرنا

مکہ کے غیر مسلموں میں سے ایک رئیس، نادر بن حارث، ایسی خواتین گلوکاروں کو خریدتا تھا جو اپنے سحر اور گانوں کے ذریعے لوگوں کو اسلام کی دعوت سننے اور قبول کرنے سے دور کر دیتی تھیں۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے باب 31 لقمان آیت 6 نازل فرمایا۔

’’اور لوگوں میں سے کوئی ایسا ہے جو بغیر علم کے)دوسروں کو (اللہ کی راہ سے گمراہ کرنے کے لیے لذت کا سامان خریدتا ہے اور اس کا مذاق اڑاتے ہیں، ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔‘‘

اس پر امام صفی الرحمٰن کی کتاب مہر بند نیکٹر صفحہ 91 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2674 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ دوسروں کو نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والے کو ان کی نصیحت پر عمل کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا۔ اور جو لوگ دوسروں کو گناہوں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، ان سے ایسے حساب لیا جائے گا جیسے انہوں نے گناہ کیے ہوں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو نصیحت اور رہنمائی کرتے وقت محتاط رہیں۔ ایک مسلمان کو صرف دوسروں کو نیکی کی نصیحت کرنی چاہیے تاکہ وہ اس سے ثواب حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نصیحت کرنے سے گریز کریں۔ قیامت کے دن کوئی شخص محض یہ دعویٰ کر کے سزا سے نہیں بچ سکے گا کہ وہ صرف دوسروں کو گناہوں کی طرف دعوت دے رہا ہے چاہے اس نے خود گناہ کیوں نہ کیے ہوں۔ اللہ تعالیٰ رہنما اور پیروکار دونوں کو ان کے اعمال کے لیے جوابدہ ٹھہرائے گا۔ لہٰذا مسلمانوں کو دوسروں کو صرف وہی کام کرنے کی تلقین کرنی چاہیے جو وہ خود کریں گے۔ اگر وہ اپنے نامہ اعمال میں کسی عمل کو ناپسند کرتے ہیں تو انہیں دوسروں کو اس عمل کی تلقین نہیں کرنی چاہیے۔

اس اسلامی اصول کی وجہ سے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے مناسب علم حاصل کر لیں کیونکہ اگر وہ دوسروں کو غلط نصیحت کرتے ہیں تو وہ آسانی سے اپنے گناہوں کو بڑھا سکتے ہیں۔

مزید برآں، یہ اصول مسلمانوں کے لیے ان اعمال کا اجر حاصل کرنے کا ایک انتہائی آسان طریقہ ہے جو وہ وسائل کی کمی کی وجہ سے خود انجام نہیں دے سکتے، جیسے کہ دولت۔ مثال کے طور پر، ایک شخص جو مالی طور پر صدقہ دینے کی استطاعت نہیں رکھتا ہے وہ دوسروں کو ایسا کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ صدقہ کرنے والے کے برابر ثواب حاصل کرے گا۔

مزید برآں، یہ اسلامی اصول کسی کے مرنے کے بعد بھی نیک اعمال کی نشوونما کو یقینی بنانے کا ایک بہترین طریقہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اس کی جتنی زیادہ رہنمائی کرے گا، اتنا ہی ان کی نیکیوں میں اضافہ ہوگا۔ یہ وہ میراث ہے جس کے بارے میں ایک مسلمان کو اپنی فکر کرنی چاہیے، کیونکہ دیگر تمام وراثتیں، جیسے املاک کی سلطنتیں، آئیں گی اور جائیں گی، اور ان کے مرنے کے بعد ان کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اگر کچھ بھی ہے تو، وہ اپنی سلطنت کمانے اور ذخیرہ کرنے کے لیے جوابدہ ہوں گے جبکہ ان کے وارثوں کو اس سلطنت سے لطف اندوز ہوں گے جو مرحوم نے پیچھے چھوڑ دیا تھا۔

مرکزی تقریب مسلمانوں کو یہ بھی سکھاتی ہے کہ جو لوگ اسلام سے دوسروں کی توجہ ہٹانے سے فائدہ اٹھاتے ہیں، جیسے کہ تفریحی صنعت، اس مقصد کے حصول کے لیے بھرپور کوشش کریں گے۔ اس خلفشار پر قابو پانے کے لیے، ایک شخص کو ان چیزوں کے فوائد اور نقصانات پر غور کرنا چاہیے جن میں وہ شامل ہونا چاہتے ہیں اس سے پہلے کہ وہ اس سرگرمی میں حصہ لیں یا نہیں۔ اگر نقصانات فائدے سے زیادہ ہوں تو اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔ ان نقصانات میں وسائل کا ضیاع شامل ہے، جیسے کہ وقت، توانائی اور دولت۔ اور ان نقصانات میں فضول کاموں کے ساتھ ساتھ گناہ کی چیزیں بھی شامل ہیں۔ فضول چیزوں کو گناہوں میں شمار نہیں کیا جاتا لیکن جیسا کہ وہ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کا باعث نہیں بنتی جو کسی کو عطا کی گئی

ہیں، اسی طرح بیہودہ چیزیں ذہنی سکون کا باعث نہیں بنتی ہیں۔ مزید برآں، جیسا کہ فضول چیزیں وسائل کا ضیاع ہیں، اس لیے جو شخص فضول کاموں میں مشغول ہوتا ہے، وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ اور پشیمانوں سے بھرا ہو گا، خاص طور پر جب دوسرے لوگ نیک اعمال لے کر آئیں گے کیونکہ انہوں نے فضول چیزوں سے اجتناب کیا اور اپنے وسائل کا صحیح استعمال کیا۔ جب کوئی یہ اندازہ لگاتا ہے کہ آیا اس طریقے سے سرگرمیوں میں حصہ لینا چاہیے یا نہیں، تو اس بات کا امکان کم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے ان کو دی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کریں۔

برائی کا حکم دینا

مکہ کے غیر مسلموں کے قائدین نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے بہت کوششیں کیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غیر مسلم چچا ابو لہب خاصا بدکار تھا۔ اس نے ایک مرتبہ اپنے دونوں بیٹوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیویوں رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دیں جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں تھیں۔ ابو لہب نے اپنے دونوں بیٹوں کی شادیوں میں خلل ڈالا اور صرف اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان پہنچایا۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 93 میں بحث کی گئی ہے۔

منافقت کا ایک حصہ یہ ہے کہ انسان نہ صرف خود برے کام کرتا ہے اور عمل صالح سے باز رہتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے بھی ان کی طرح اسی کشتی میں سوار ہوں تاکہ انہیں اپنے برے کردار میں کچھ سکون ملے۔ وہ نہ صرف خود ڈوبتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایک شخص ہر دوسرے شخص کے لیے جوابدہ ہوگا جو ان کی دعوت کی وجہ سے گناہ کرتا ہے۔ اس شخص کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے گا جیسے اس نے گناہ کیا ہے اگرچہ اس نے صرف دوسروں کو اس کی طرف دعوت دی۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 203 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ اسی لیے بعض نے کہا ہے کہ مبارک ہے وہ شخص جس کی برائی ان کے ساتھ مر جائے کیونکہ اس کے گناہ بڑھ جائیں گے اگر دوسرے ان کی بُری نصیحت پر عمل کریں اگرچہ وہ زندہ نہ ہوں۔

اپنے رشتہ داروں کے ساتھ غلط طریقے سے کام کرنے سے گریز کریں۔ ایک مسلمان کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے اردگرد کے لوگوں کی اطاعت نہ کرے کیونکہ یہ ہمیشہ گناہوں اور جرائم کا باعث بنتا ہے۔ ایک مسلمان کا فرض یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرے اور اپنے اردگرد کے لوگوں کے حقوق ان طریقوں سے ادا کرے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں۔ اس میں اسلامی تعلیمات کے مطابق ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا شامل ہے۔ اس فہم کو اختیار کرنے والا عمل کرنے سے پہلے ہمیشہ لوگوں کی نصیحتوں کا موازنہ اسلام کی تعلیمات سے کرے گا۔ یہ انہیں غلط انتخاب کرنے سے روکے گا۔ یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے وہ دوسروں کے منفی اثرات سے محفوظ رکھے گا، چاہے یہ تحفظ ان پر ظاہر نہ ہو۔ جبکہ

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے لوگوں کی اطاعت کرنے والا اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ نہیں رہے گا۔ باب 2 البقرہ، آیات 166-167:

" [ان کے] اپنے آپ کو [ان کے] پیروی کرنے والے [جب پیروی کرنے والے اپنے آپ کو [ان کے]]اور انہیں اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ [جب پیروی کرنے والے اپنے آپ کو]ان کے[پیروکاروں سے الگ کر لیتے ہیں، اور وہ]سب [عذاب کو دیکھتے ہیں، اور ان سے تعلقات منقطع ہوجاتے ہیں، تو وہ لوگ کہیں گے، "کاش ہمیں]دنیوی زندگی میں [ایک اور موڑ ہوتا تو ہم ان سے خود کو الگ کر لیتے جیسا کہ انہوں نے خود ہم سے علیحدگی ظاہر کی ہے۔ "ان پر افسوس ہے اور اور وہ کبھی آگ سے نکلنے والے نہیں ہیں۔

گمراہ کرنے والے دوست

ایک مرتبہ مکہ کے غیر مسلموں میں سے تین بزرگ ابوجہل، ابو سفیان اور اخنس بن شریک نے رات چھپ کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنتے اور قرآن پاک کی تلاوت کی۔ یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے سے چھپے ہوئے تھے اور صرف اس بات کا احساس کرتے تھے کہ جب وہ صبح کے وقت اپنے گھروں کی طرف روانہ ہوئے تو دوسروں نے کیا کیا تھا۔ انہوں نے ایک دوسرے کی سرزنش کی اور ایک دوسرے کو حکم دیا کہ وہ اپنی حرکتیں نہ دہرائیں کیونکہ اس سے صرف یہ تاثر ملے گا کہ اسلام ہی حق ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی ان کے مشورے پر قائم نہیں رہا اور اس کے بجائے انہوں نے اگلی رات اور اس کے بعد کی رات بھی یہی کیا۔ تیسری رات، انہوں نے ایک بار پھر ایک دوسرے پر تنقید کی اور ایک دوسرے پر زور دیا کہ وہ اپنے رویے کو نہ دہرانے کا وعدہ کریں۔ یہ امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 1، صفحہ 366-367 میں درج ہے۔

اگر وہ ایک دوسرے کے اتنے برے ساتھی نہ ہوتے تو شاید وہ حق کو قبول کر لیتے۔ لہٰذا، یہ بری صحبت سے بچنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ سچی محبت کی ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ جب کوئی اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتا ہے، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ اس لیے کہ اطاعت دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی اور سلامتی کا باعث بنتی ہے۔ جو شخص کسی شخص کے لیے حفاظت اور کامیابی کا خواہاں نہیں ہے وہ کبھی بھی ان سے حقیقی محبت نہیں کر سکتا چاہے وہ کیا دعویٰ کرے یا دوسرے شخص کے ساتھ کیسا سلوک کرے۔ جس طرح بندہ اس وقت خوش ہوتا ہے جب اس کے محبوب کو دنیاوی کامیابی ملتی ہے، جیسے نوکری کی، وہ بھی اپنے محبوب سے آخرت کی کامیابی کی تمنا کرے گا۔ اگر کوئی شخص دوسرے کی حفاظت اور کامیابی کی پرواہ نہیں کرتا ہے خاص طور پر اگلے جہان میں تو وہ اس سے محبت نہیں کرتا۔

ایک سچا عاشق اپنے محبوب کو دنیا یا آخرت میں مشکلات اور عذاب کا سامنا کرتے ہوئے جاننا اور دیکھنا برداشت نہیں کرسکتا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اس لیے وہ ہمیشہ اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتے۔ اگر کوئی شخص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کے بجائے کسی دوسرے کو اپنے ذاتی مفاد یا دوسروں کے مفاد کی طرف لے جائے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں رکھتے۔ یہ تمام رشتوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دوستی اور رشتہ دار۔

لہٰذا ایک مسلمان کو یہ اندازہ لگانا چاہیے کہ آیا ان کی زندگی میں وہ لوگ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو یہ ان کے لیے ان کی محبت کی واضح علامت ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں کرتے۔ باب 43 از زخرف، آیت 67:

‘‘اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔’’

زیر بحث اہم واقعہ بھی قرآن کریم کی طاقت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ مکہ کے غیر مسلموں کے تینوں رہنما بار بار اور چھپ کر قرآن پاک کو سنتے رہے کیونکہ وہ اس سے حیران رہ گئے تھے۔ ایک مسلمان کا زیادہ فرض ہے کہ وہ قرآن پاک کی حیرت انگیز اور معجزاتی خصوصیات کی قدر کرے۔ لیکن یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب کوئی قرآن پاک کا مطالعہ کرنے کے بجائے صرف اس زبان میں پڑھے جسے وہ سمجھ نہیں پاتے۔ جو اس کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے وہ قرآن کریم کی حیرت انگیز اور معجزاتی خصوصیات اور اس میں مذکور اسلام کے واضح دلائل سے اپنے ایمان کو مضبوط کرتا ہے۔ مضبوط ایمان انہیں ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی ترغیب دے گا، جس میں ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا شامل ہے، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ بدلے میں ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت اور بالآخر ذہنی سکون کا باعث بنے گا۔ لیکن اس نتیجہ کی جڑ، قرآن کریم کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیات 15-16:

تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور روشن کتاب آچکی ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ’’ ان لوگوں کو جو اس کی خوشنودی کی راہ پر چلتے ہیں سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے اور اپنے حکم سے ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی ‘‘کرتا ہے۔

دنیاوی مقابلہ

مکہ کے غیر مسلم رہنما اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو جہل سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کریم کے بارے میں آپ کی دیانت دارانہ رائے کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ جانتے ہیں کہ اسلام حق ہے لیکن اس نے تبصرہ کیا کہ ان کا قبیلہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ سماجی حیثیت کے لیے ہمیشہ سے حریف رہا ہے۔ وہ غریبوں کو کھانا کھلانے، لوگوں کی مدد کرنے، خیرات دینے اور دیگر سماجی کاموں میں مقابلہ کرتے۔ لیکن جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا تو آپ کا اپنا قبیلہ اس کا مقابلہ نہ کر سکا۔ چنانچہ اس دنیاوی مقابلے کی وجہ سے اس نے قسم کھائی کہ وہ کبھی بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کو قبول نہیں کریں گے، حالانکہ وہ جانتے تھے کہ وہ سچ کہہ رہے ہیں۔ یہ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 1 صفحہ 367 میں درج ہے۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام آیت نمبر 33 نازل فرمائی۔

”ہم جانتے ہیں کہ ان کی باتوں سے آپ کو دکھ ہوتا ہے، اور درحقیقت وہ آپ کو جھوٹا نہیں کہتے بلکہ یہ اللہ کی آیات ہیں جن کو ظالم جھٹلاتے ہیں۔“

اس پر امام واحدی کی، اصباب النزول، 6:33، صفحہ 75-76 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ دنیاوی مقابلے کے خلاف خبردار کرتا ہے کیونکہ یہ حق کو رد کرنے اور حسد جیسی منفی خصوصیات کو اپنانے کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ترغیب دیتا ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 3997 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی کہ وہ مسلمان قوم کے لیے غربت سے نہیں ڈرتے۔ اس کے بجائے، وہ ڈرتا تھا کہ دنیاوی نعمتیں ان کے لیے آسان اور بہت زیادہ ہو جائیں گی۔ اس سے وہ اس کا مقابلہ کریں گے اور اس کے نتیجے میں یہ ان کی تباہی کا باعث بنے گا، جیسا کہ اسی مقابلے نے پچھلی امتوں کو تباہ کیا۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس کا اطلاق صرف دولت پر نہیں ہوتا۔ لیکن یہ تنبیہ لوگوں کی دنیاوی خواہشات کے ان تمام پہلوؤں پر لاگو ہوتی ہے جن میں شہرت، دولت، اختیار اور کسی کی زندگی کے سماجی پہلوؤں جیسے خاندان، دوست اور کیرئیر کی خواہش شامل ہو سکتی ہے۔ جب بھی کوئی ان چیزوں کو اپنی ضروریات سے بالاتر کر کے اپنی خواہشات کو پورا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، چاہے وہ حلال ہی کیوں نہ ہوں، تو یہ اس کو عملی طور پر آخرت کی تیاری سے غافل کر دے گا، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے دی گئی ہیں۔ یہ ان کو برے کردار کی طرف لے جائے گا، جیسے فضول خرچی اور اسراف، اور ان چیزوں کو حاصل کرنے کے لیے انہیں گناہوں کی طرف بھی لے جا سکتا ہے۔ ان کو حاصل کرنے میں ناکامی بے صبری اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور نافرمانی کے دیگر اعمال کا باعث بن سکتی ہے۔ دوسروں کے ساتھ دنیوی نعمتوں کے حصول کے لیے مقابلہ کرنا ان میں دیگر منفی خصوصیات کو اپنانے کی طرف لے جائے گا، جیسے کہ حسد، کینہ اور دشمنی، جو کہ تفرقہ، کدورت اور دوسروں کے حقوق ادا کرنے میں ناکامی کا باعث بنتی ہے۔ یہ مقابلہ ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کا سبب بھی بن سکتا ہے۔ یہ دونوں جہانوں میں تباہی کا باعث بنتا ہے، خواہ اس دنیا میں کسی شخص پر یہ بات واضح نہ ہو۔

یہ ظاہر ہے کہ ان دنیاوی خواہشات نے بہت سے مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے کیونکہ وہ آدھی رات کو خوشی سے اٹھ کر دنیاوی نعمتیں حاصل کریں گے، مثلاً مال، یا چھٹی پر جائیں گے لیکن جب نفل رات کی نماز پڑھنے یا صبح کی فرض نماز جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرنے کا مشورہ دیا جائے گا تو وہ ایسا کرنے میں ناکام رہیں گے۔

ان چیزوں کو حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں جب تک کہ یہ حلال ہوں اور کسی شخص کی ضروریات اور اس کے محتاجوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ضروری ہوں۔ لیکن جب کوئی شخص اس سے آگے بڑھ جاتا ہے تو وہ اپنی آخرت کے نقصان میں مبتلا ہو جاتا ہے کیونکہ

اس سے اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حقوق کی پامالی ہو سکتی ہے۔ انسان جتنا زیادہ اپنی دنیوی خواہشات کی پیروی کرے گا وہ آخرت کی تیاری میں اتنی ہی کم کوشش کرے گا، کیونکہ ایک شخص یا تو ان نعمتوں کو استعمال کر سکتا ہے جو اسے اللہ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں یا پھر اپنی خواہشات کے مطابق۔ یہ اس تباہی کا باعث بنے گا جس کی بحث مرکزی حدیث میں کی گئی ہے۔ ایسی تباہی جو دنیا میں تناؤ اور پریشانی سے شروع ہوتی ہے اور آخرت میں سخت مشکلات کا باعث بنتی ہے۔ باب 20 طہٰ، آیت 124:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔"

زیر بحث اہم واقعہ حسد سے بچنے کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ حسد ایک بہت بڑا گناہ ہے کیونکہ یہ براہ راست اللہ تعالیٰ کے انتخاب کو چیلنج کرتا ہے کہ وہ حسد کرنے والے کو دینے کے بجائے کسی اور کو مخصوص نعمت عطا کرے۔ انسان کو اپنی حسد پر قابو پانا چاہیے اور اسے اپنے قول و فعل پر اثر انداز ہونے سے روکنا چاہیے اور اس کے بجائے اس شخص کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جس سے وہ حسد کرتا ہے۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ ان کے حسد کے منفی اثرات سے محفوظ رہے گا۔ اس کے علاوہ، حسد کرنے والے کو یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو وہ عطا کرتا ہے جو ان کے لیے بہتر ہے، چاہے یہ ان پر واضح نہ ہو۔ لہٰذا، ہر شخص کو ان نعمتوں کو استعمال کرنے پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے جو اسے عطا کی گئی ہیں تاکہ وہ ذہنی سکون حاصل کر سکیں، بجائے اس کے کہ دوسرے لوگوں کو کیا دیا گیا ہے۔ باب 42 اشورہ، آیت 27:

’’اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لیے رزق میں فراخی کرتا تو وہ زمین پر ظلم کرتے لیکن وہ جتنا چاہتا ہے نازل کرتا ہے، بیشک وہ اپنے بندوں سے باخبر اور دیکھنے والا ہے۔‘‘

اور باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ" "زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔

ایسا کرنے میں ناکامی صرف ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کی ترغیب دے گی جو انہیں عطا کی گئی ہیں، جس کے نتیجے میں وہ ذہنی سکون حاصل کرنے سے روکے گا۔ اس لیے اگر وہ ذہنی سکون حاصل کرنا چاہتا ہے تو حسد کے منفی اثرات سے خود کو بچانا چاہیے۔

بردباری

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غیر مسلم چچا ابو جہل نے ایک بار کھلے عام اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اگر اسلام اس کی طرف سے حق ہے تو ان پر پتھر برسائے یا ان پر دردناک عذاب نازل کرے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ 8 انفال، آیات 32-33 نازل فرمائی:

"اور)یاد کرو (جب انہوں نے کہا کہ اے اللہ اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی دردناک عذاب لے آ "لیکن اللہ ان کو عذاب نہیں دے گا جب تک کہ آپ)صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ان میں سے ہیں اور اللہ ان کو معاف نہیں کرے گا جب تک وہ استغفار کر رہے ہوں۔

صحیح بخاری نمبر 4649 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

عام طور پر، اسلام میں ایک اصول کو سمجھنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہمیشہ لوگوں پر ظاہر نہیں ہوتا جیسا کہ آسمان سے پتھروں کا برسنا۔ اکثر سزا اتنی باریک ہوتی ہے کہ غلط کرنے والے کو یہ سمجھنے میں بھی مشکل پیش آتی ہے کہ انہیں ان کی مسلسل نافرمانی کی سزا دی جا رہی ہے۔ اس کی ایک مثال ذہنی اور جذباتی مسائل کا سامنا ہے جیسے کہ تناؤ اور اضطراب، جو معمول کی حد سے باہر ہیں اور اس وجہ سے ذہنی صحت کے سنگین مسائل جیسے ڈپریشن، مادے کی لت اور خودکشی کے رجحانات کا باعث بنتے ہیں۔ ایسا اس وقت ہوتا ہے جب کسی کو عطا کی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کیا جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ اس کے بردار کے لیے تناؤ کا باعث بن جاتے ہیں ، چاہے وہ تفریح کے لمحات کا تجربہ کریں۔ جب کوئی امیر اور مشہور لوگوں کا مشاہدہ کرتا ہے تو یہ نتیجہ بالکل واضح ہوتا ہے۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

اور باب 20 طہ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اس کے علاوہ ایک ضدی اور بدکار قوم کو مکمل طور پر تباہ کر دینا قبل اس کے کہ پیغام پوری طرح پہنچا دیا جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم سے نکل جانے کا حکم دیا جائے یہ اللہ تعالیٰ کی سنت کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ نرمی کی وجہ سے اس کے لیے عذاب میں جلدی نہیں کرتا۔ اس کے بجائے وہ انہیں خلوص دل سے توبہ کرنے اور اپنے طرز عمل کو درست کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ جو مسلمان اس بات کو سمجھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی امید نہیں چھوڑے گا، بلکہ حد سے تجاوز نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر خواہش مندانہ سوچ اختیار کرے گا، انہیں کبھی عذاب نہیں دے گا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ سزا میں صرف تاخیر ہوتی ہے جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہیں کرتے۔ پس یہ خدائی صفت ایک مسلمان میں امید اور خوف پیدا کرتی ہے۔ ایک مسلمان کو اس تاخیر کو توبہ کرنے اور نیک کاموں کی طرف جلدی کرنے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

ایک مسلمان کو اس الٰہی صفت پر لوگوں کے ساتھ نرمی برتتے ہوئے عمل کرنا چاہیے، خاص طور پر جب وہ برے کردار کا مظاہرہ کریں۔ انہیں دوسروں کے ساتھ نرمی کا مظاہرہ کرنا چاہئے جس طرح وہ اللہ تعالیٰ سے ان کی غفلت کے لمحات میں ان کے ساتھ نرمی برتنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہیں اپنی بری خصوصیات کے ساتھ نرمی نہیں برتنی چاہئے یہ جانتے ہوئے کہ گناہوں کی سزا میں تاخیر ہوتی ہے جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کر

لیں تب تک ہمیشہ کے لئے ترک نہیں کیا جاتا۔ انہیں بھی چاہیے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق برائی کا جواب اچھائی سے دیتے ہوئے نرمی پر ثابت قدم رہیں۔ باب 41 فصیلات، آیت 34:

"اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، برائی کو اس سے دور کرو جو بہتر ہو، پھر جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسے وہ ایک مخلص دوست ہو۔"

ایک دیرپا چیلنج

مکہ کے غیر مسلموں نے اپنی زندگی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گزاری اور بخوبی جانتے تھے کہ وہ جھوٹے یا دیوانے نہیں ہیں۔ عربی زبان کے ماہر ہونے کی وجہ سے وہ بخوبی جانتے تھے کہ قرآن پاک کسی انسان یا جن کا کلام نہیں ہے۔ لیکن وہ اس حقیقت کا کھلے عام اعلان نہیں کر سکتے تھے کیونکہ اسلام قبول کرنے کے نتیجے میں انہیں ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کی ترغیب دی جائے گی جو انہیں دی گئی تھیں اور اس لیے انہوں نے دعویٰ کیا کہ مصنف یا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں یا کوئی اور۔ اللہ تعالیٰ نے ایک سے زیادہ موقعوں پر ان کے سامنے قرآن مجید سے ملتی جلتی کوئی چیز پیش کرنے کا چیلنج دیا۔ انہوں نے جتنی کوشش کی وہ کبھی نہیں کر سکے اور نہ ہی کوئی اور کر سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 23:

"اور اگر تمھیں اس چیز میں شک ہے جو ہم نے اپنے خاص بندے پر نازل کی ہے تو اس جیسا ایک باب لاؤ اور اللہ کے سوا اپنے تمام مددگاروں کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔"

قرآن پاک میں ایسی بے شمار صفات ہیں جو اسے کسی بھی دنیوی کتاب سے ممتاز کرتی ہیں۔ قرآن کریم کا یہ پہلو اتنا شدید ہے کہ اس کی بے شمار زندگیوں میں وضاحت یا بحث بھی نہیں کی جا سکتی۔ لیکن ان میں سے چند ایک خوبیوں کا یہاں ذکر کیا جائے گا۔ سب سے پہلے، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات (صرف انسانوں کو نہیں) کو کھلا چیلنج دیا ہے اور نہ صرف ان لوگوں کے لیے جو اس الٰہی وحی کے نازل ہونے کے وقت موجود تھے، بلکہ تمام مخلوقات کے لیے جو آخر وقت تک موجود تھے۔ چیلنج یہ ہے کہ اگر لوگ یہ مانتے ہیں کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ وحی نہیں ہے تو انہیں چاہیے کہ وہ ایک ایسا باب تیار کریں جو قرآن پاک کے کسی باب کا مقابلہ کر سکے۔ باب 2 البقرہ، آیت 23:

"اور اگر تمھیں اس چیز میں شک ہے جو ہم نے اپنے خاص بندے پر نازل کی ہے تو اس جیسا ایک باب لاؤ اور اللہ کے سوا اپنے تمام مددگاروں کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔"

پوری کرہ ارض پر کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جو اس قسم کا کھلا چیلنج دے سکتی ہو۔ لیکن 1400 سال پہلے قرآن کریم نے پوری کائنات کو یہ چیلنج دیا تھا اور آج تک یہ چیلنج نہ غیر مسلم جیتے ہیں اور نہ ہی انشاء اللہ کبھی مل سکے گا۔

قرآن کریم کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ اس نے مستقبل کے واقعات کے نتائج کو بیان کیا ہے۔ لیکن ان بیانات کے بارے میں زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس کے نتائج اس وقت ناممکن نظر آتے تھے۔ مثال کے طور پر باب 48 الفتح، آیت 28:

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ بھیجا ہے۔ دین حق کو تمام مذاہب پر غالب کر" دے اور اللہ گواہ کافی ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو مکہ کا پورا شہر اسلام تھا چنانچہ جب اہل مکہ نے یہ آیت سنی تو بدقسمتی سے ان کے نزدیک اسلام بہت کمزور ہے اس لیے وہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہے گا اور یقیناً مکہ کی سرحدوں سے باہر پوری دنیا میں پھیل نہیں سکے گا۔ لیکن چند ہی سالوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ پورا کر دیا۔

اس کی ایک اور مثال کس طرح قرآن پاک نے مستقبل کے واقعہ کی پیشین گوئی کی جو اس وقت ناقابل تصور تھا باب 30 اروم، آیات 2-5 میں پایا جاتا ہے:

رومیوں کو مغلوب کر دیا گیا ہے، قریبی سرزمین میں اور ان کے زیر تسلط ہونے کے بعد وہ جلد" ہی غالب آجائیں گے۔ چند سالوں میں۔ حکم صرف اللہ کا ہے پہلے اور بعد میں۔ اور اس دن مومن

خوش ہوں گے۔ اللہ کی مدد سے وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے۔ اور وہ غالب اور رحم کرنے والا ہے۔‘‘

قرآن پاک کی یہ آیات ایسے وقت میں نازل ہوئیں جب رومی)عیسائی (فارسیوں)آگ پرستوں (کے ساتھ جنگ میں تھے۔ اس جنگ کی تصدیق کئی مستند تاریخی کتب سے ہوئی ہے۔ اس خاص وقت میں فارسی جنگ جیتنے کے راستے پر تھے۔ ایک موقع پر روم خود فارسیوں سے گھرا ہوا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رومی بالآخر فتح یاب ہو کر حکومت کریں گے۔ مکہ کے غیر مسلم جو خود بت پرست تھے انہوں نے فارسیوں کی حمایت کی اور اکثریت سے اتفاق کیا کہ رومیوں کا جیتنا ناممکن ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کی طرح ان آیات کو درست ثابت کیا اور رومیوں کو فتح کی اجازت دی۔

ایک آخری مثال جو دنیا کے سائنسدانوں کو دلکش ہے، باب 21 الانبیاء، آیت 33 میں نظر آتی ہے:

’’اور وہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند بنائے، ہر ایک ایک دائرے میں تیر رہا ہے۔‘‘

صدیوں سے سائنس دان ان نظریات پر لڑتے رہے ہیں کہ نظام شمسی کو کس طرح ترتیب دیا گیا ہے جیسے کہ آیا سورج ساکن رہتا ہے اور زمین گرد گھومتی ہے یا اس کے برعکس۔ صرف نسبتاً حال ہی میں تمام مختلف عقائد اور پس منظر سے تعلق رکھنے والے سائنسدانوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ ہر اعتراض؛ سورج، چاند اور زمین سب اپنے اپنے محور پر گھومتے ہیں اور ایک مقررہ مدار میں ایک دوسرے کے گرد گھومتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے 1400 سال پہلے اس کا اعلان کر دیا تھا۔ قرآن پاک کی سائنس سے متعلق تمام آیات کو آج سائنسدان آہستہ آہستہ ثابت کر رہے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا ثبوت ہے جو اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ قرآن پاک ایک اور واحد سچے خدا، اللہ تعالٰی کے الفاظ ہیں، جس نے اس کائنات اور اس میں موجود ہر چیز کو پیدا کیا ہے، کیونکہ صرف ایک خالق ہی اپنی تخلیقات کی صحیح معنوں میں وضاحت کر سکتا ہے۔

جب قرآن پاک کا مطالعہ کیا جائے گا تو یہ احساس ہوگا کہ اس میں واضح اور لطیف معانی دونوں کے ذریعے برتری کے مختلف درجات موجود ہیں جن پر یہ بحث کرتا ہے۔ باب 11 ہود، آیت 1:

"...یہ [ایک کتاب ہے جس کی آیات کو مکمل کیا گیا ہے اور پھر اس کی طرف سے تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے جو حکمت اور باخبر ہے۔"

قرآن پاک میں الفاظ بے مثال ہیں اور اس کے معانی سیدھے سادے طریقے سے بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے الفاظ اور اشعار انتہائی فصیح و بلیغ ہیں اور کوئی کتاب اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ قرآن پاک میں پچھلی امتوں کی تاریخ کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے حالانکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاریخ میں تعلیم یافتہ نہیں تھے۔ ہر نیکی کا حکم دیتا ہے اور ہر برائی سے روکتا ہے۔ جو ایک فرد پر اثر انداز ہوتے ہیں اور جو پورے معاشرے کو متاثر کرتے ہیں، تاکہ ہر گھر اور معاشرے میں انصاف، سلامتی اور امن پھیل جائے۔ قرآن مجید مبالغہ آرائی، جھوٹ یا کسی بھی جھوٹ سے اجتناب کرتا ہے، شاعری، کہانیوں اور افسانوں کے برعکس۔ تمام آیات فائدہ مند ہیں اور ان کا عملی طور پر کسی کی زندگی پر اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ یہاں تک کہ جب قرآن پاک میں ایک ہی کہانی کو دہرایا جاتا ہے تو مختلف اہم اسباق کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ دوسری تمام کتابوں کے برعکس، قرآن پاک کا بار بار مطالعہ کرنے پر کوئی شخص بور نہیں ہوتا۔ قرآن پاک وعدے اور تنبیہات فراہم کرتا ہے اور ناقابل تردید اور واضح دلائل کے ساتھ ان کی تائید کرتا ہے۔ جب قرآن پاک کسی ایسی چیز پر بحث کرتا ہے جو تجریدی معلوم ہو سکتی ہے، جیسے صبر کو اپنانا، تو یہ ہمیشہ اسے اپنی زندگی میں نافذ کرنے کا ایک سادہ اور عملی طریقہ فراہم کرتا ہے۔ یہ لوگوں کو اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا کرنے کی ترغیب دیتا ہے، جس میں خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری شامل ہے، ان نعمتوں کا استعمال کرتے ہوئے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، اور اس طرح انہیں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی کو یقینی بنانا ہے۔ یہ سیدھا راستہ اس شخص کے لیے واضح اور پرکشش بناتا ہے جو ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں حقیقی کامیابی چاہتا ہے۔ قرآن پاک کا علم لازوال ہے کیونکہ اس کا اطلاق ہر معاشرے اور دور میں ہو سکتا ہے۔ یہ ہر جذباتی، معاشی اور جسمانی مشکل کا علاج ہے جب اسے صحیح طریقے سے سمجھا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔ یہ ہر اس مسئلے کا حل فراہم کرتا ہے جس کا سامنا ایک فرد یا پورے معاشرے کو ہوسکتا ہے۔ صرف تاریخ کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے کہ جن معاشروں نے قرآن کریم کی تعلیمات پر عمل کیا وہ اس کی ہمہ گیر اور لازوال تعلیمات سے کس طرح مستفید ہوئے۔ صدیاں گزر گئیں ابھی تک قرآن پاک میں ایک حرف بھی نہیں بدلا گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا۔ تاریخ کی کوئی اور کتاب اس معیار کی حامل نہیں ہے۔
باب 15 الحجر، آیت 9:

بے شک ہم نے ہی اس پیغام کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں‘‘۔’’

اللہ تعالیٰ نے ایک کمیونٹی کے اندر پائے جانے والے بنیادی مسائل پر بحث کی اور ان سب کا عملی علاج بھی تفصیل سے بتایا۔ جڑ کے مسائل کو درست کرنے سے، ان گنت شاخوں کے مسائل جو ان سے پیدا ہوتے ہیں خود بخود درست ہو جائیں گے۔ اس طرح قرآن پاک نے ان تمام چیزوں کو بیان کیا ہے جن کی ایک شخص اور معاشرے کو دونوں جہانوں میں کامیابی کے لیے ضرورت ہے۔
باب 16 النحل، آیت 89:

‘‘اور ہم نے آپ پر ہر چیز کی وضاحت کے لیے کتاب نازل کی ہے۔’’

یہ سب سے بڑا لازوال معجزہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا ہے۔ لیکن حق کی تلاش اور اس پر عمل کرنے والوں کو ہی اس سے فائدہ پہنچے گا جبکہ اپنی خواہشات اور اس سے چیری چننے والوں کو دونوں جہانوں میں نقصان ہی ہوگا۔ باب 17 الاسراء، آیت 82:

اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ" ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔"

اگرچہ قرآن کریم کے بہت سے احکام لوگوں کو سمجھ نہیں آتے اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ غلط ہیں۔ قرآن کریم کی بعض آیات جن کی حکمت انسان پر مخفی تھی وہ اس وقت ظاہر ہوئیں جب معاشرہ ترقی کی ایک خاص منزل پر پہنچ گیا۔ چونکہ پورا قرآن حکیم اور ہدایت کی کتاب ہے اس

کو قبول کرنا چاہیے خواہ کوئی اس کے احکام کو سمجھے یا نہ سمجھے۔ یہ صورت حال بالکل ایسے بچے جیسی ہے جو نزلہ زکام میں مبتلا ہو اور آئس کریم کا خواہش مند ہو لیکن اس کے والدین اسے نہیں دیتے۔ بچہ پیچھے کی حکمت کو سمجھے بغیر روتا رہے گا لیکن جو علم رکھتے ہیں وہ والدین کی بات سے اتفاق کریں گے اگرچہ ظاہری طور پر ایسا لگتا ہے جیسے والدین کا فیصلہ بچے پر ظلم کر رہا ہے۔ لہٰذا قرآن کریم کی تعلیمات کو قبول کرنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو قبول کرنا چاہیے، خواہ وہ ان کی خواہشات کے خلاف ہو۔ انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی گئی ہیں اور ایک سخت خوراک کا منصوبہ ہے۔ جس طرح یہ عقلمند مریض اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کرے گا، اسی طرح وہ شخص جو اسلامی تعلیمات کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف وہی علم ہے جس کے پاس کسی شخص کو متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کے حصول کو یقینی بنانے کے لیے ضروری علم ہے، وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ معاشرے میں موجود انسانوں کی ذہنی اور جسمانی حالتوں کا علم تمام تر تحقیق کے باوجود اس نتیجے کو حاصل کرنے کے لیے کبھی بھی کافی نہیں ہو گا، کیونکہ وہ ہر اس مسئلے کو حل نہیں کر سکتے جو انسان کو اپنی زندگی میں درپیش ہو اور نہ ہی ان کے مشورے محدود علم، تجربے اور دور اندیشی کی وجہ سے ہر قسم کے ذہنی اور جسمانی دباؤ سے بچ سکیں۔ یہ علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اس نے اسے قرآن مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی صورت میں انسانوں کو عطا کیا ہے۔ یہ حقیقت اس وقت عیاں ہوتی ہے جب کوئی ان لوگوں کو دیکھتا ہے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق عطا کی گئی نعمتوں کو استعمال کرتے ہیں اور جو نہیں کرتے۔ اگرچہ، زیادہ تر معاملات میں، مریض اپنی تجویز کردہ دوائیوں کے پیچھے سائنس کو نہیں سمجھتے اور اس لیے اپنے ڈاکٹر پر اندھا اعتماد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ لوگوں کو اسلام کی تعلیمات پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے تاکہ وہ اپنی زندگی پر اس کے مثبت اثرات کو سمجھ سکیں۔ وہ لوگوں سے یہ توقع نہیں کرتا کہ وہ اسلام کی تعلیمات پر اندھا اعتماد کریں بلکہ وہ چاہتا ہے کہ وہ اس کی سچائی کو اس کے واضح دلائل سے پہچانیں۔ لیکن اس کے لیے انسان کو اسلام کی تعلیمات سے رجوع کرتے ہوئے غیر جانبدارانہ اور کھلے ذہن کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ باب 12 یوسف، آیت 108:

کہو، "یہ میرا راستہ ہے؛ میں اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ دعوت دیتا ہوں، میں اور وہ لوگ جو میری پیروی کرتے ہیں..."

اس کے علاوہ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی لوگوں کے روحانی دلوں کو کنٹرول کرتا ہے، ذہنی سکون کا گھر، وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کون اسے حاصل کرتا ہے اور کس کو نہیں۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے‘‘۔’’

اور یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کو ذہنی سکون دے گا جو اس کی عطا کردہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔

اور دولت کا لالچ

مکہ کے غیر مسلموں کے قائدین کی طرف سے قرآن مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رد کرنے کی ایک بڑی وجہ ان کی حقانیت کے قائل ہونے کے باوجود ان کا اختیار اور دولت کا لالچ تھا۔ قائدین جزیرہ نمائے عرب کے اندر خانہ کعبہ کے نگہبان کے طور پر مشہور تھے اور اس کی وجہ سے کاروبار کے مواقع اور دولت حاصل کرنے کے دوسرے طریقے جیسے کہ ان کے تجارتی قافلے شاہراہ پر ڈاکوؤں سے محفوظ رہے۔ اس لیے انہیں خوف تھا کہ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو وہ اپنی قیادت اور دولت سے محروم ہو جائیں گے۔ باب 28 القصص، آیت 57:

"اور وہ)قریش (کہتے ہیں کہ اگر ہم تمہارے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں تو ہم اپنی سرزمین سے اکھڑ جائیں گے، کیا ہم نے ان کے لیے ایک محفوظ پناہ گاہ نہیں بنائی جس میں ہماری طرف سے ہر چیز کے پھل لائے جاتے ہیں، لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔"

جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ مال و دولت کی خواہش ایمان کے لیے اس تباہی سے زیادہ تباہ کن ہے جو بکریوں کے ریوڑ پر دو بھوکے بھیڑیوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید ہی کسی مسلمان کا ایمان محفوظ رہے اگر وہ اس دنیا میں دولت اور شہرت کی تمنا کرے جس طرح دو بھوکے بھیڑیوں سے شاید ہی کوئی بھیڑ بچ سکے۔ لہٰذا اس عظیم مثال میں دنیا میں زیادہ دولت اور سماجی حیثیت کے بعد حرص کی برائی کے خلاف سخت تنبیہ ہے۔

دولت کی طلب کی پہلی قسم وہ ہے جب کسی کو دولت سے شدید محبت ہو اور وہ اسے حلال ذرائع سے حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اس طرح کا برتاؤ کسی عقلمند کی نشانی نہیں ہے کیونکہ ایک

مسلمان کو پختہ یقین رکھنا چاہیے کہ ان کا رزق ان کے لیے ضامن ہے اور یہ تقسیم کبھی نہیں بدل سکتی۔ درحقیقت خلقت کا رزق زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مختص کیا گیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ شخص بلا شبہ اپنے فرائض اور ذمہ داریوں میں کوتاہی کرے گا کیونکہ وہ دولت کے حصول میں بہت زیادہ مشغول ہے۔ جو جسم دولت کے حصول میں بہت زیادہ مصروف ہو وہ آخرت کے لیے کبھی بھی مناسب تیاری نہیں کر سکے گا، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے دی گئی ہیں۔ درحقیقت یہ شخص زیادہ دولت کے حصول کے لیے اتنی محنت کرے گا کہ اسے لطف اندوز ہونے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔ اس کے بجائے، وہ اس دنیا ،سے چلے جائیں گے اور اسے دوسرے لوگوں کے لئے لطف اندوز کرنے کے لئے چھوڑ دیں گے اگرچہ وہ اس کے لئے جوابدہ ہوں گے .یہ شخص حلال طریقے سے دولت حاصل کر سکتا ہے لیکن پھر بھی اسے ذہنی سکون نہیں ملے گا کیونکہ وہ جتنا بھی حاصل کر لیں وہ صرف اور کی خواہش کرے گا۔ یہ شخص محتاج ہے اور اس لیے حقیقی مفلس ہے خواہ اس کے پاس بہت زیادہ مال ہو۔ چونکہ زیادہ دولت حاصل کرنے کی کوشش میں زیادہ دنیاوی دروازے کھولنا اور مصروفیات شامل ہیں، وہ جتنا زیادہ اپنی دولت بڑھانے کی کوشش کریں گے، اتنا ہی کم ذہنی اور جسمانی سکون حاصل کریں گے۔ اور جتنا زیادہ وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کریں گے جو انہیں ان کی قسمت کے حصول میں دی گئی ہیں۔ صرف وہی جو اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے، اس کی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے۔ باب 20 طٰہٰ، آیت 124:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔"

ایک ہی خواہش جو فائدہ مند ہے وہ ہے حقیقی دولت جمع کرنے کی خواہش، یعنی اعمال صالحہ تاکہ واپسی کے دن کی تیاری ہو۔

دوسری قسم کی دولت کی طلب پہلی قسم کی طرح ہے لیکن اس کے علاوہ یہ قسم کے لوگ ناجائز ذرائع سے مال حاصل کرتے ہیں اور لوگوں کے حقوق مثلاً صدقہ فطر ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد احادیث میں اس کے خلاف تنبیہ فرمائی ہے۔ مثال کے طور پر صحیح مسلم نمبر 6576 میں موجود ایک حدیث میں آپ نے تنبیہ کی کہ اس رویے نے پچھلی امتوں کو تباہ کر دیا کیونکہ انہوں نے حرام چیزوں کو حلال کیا، دوسروں کے

حقوق کو روکا اور مال کی زیادتی کی خاطر دوسروں کو قتل کیا۔ یہ شخص اس دولت کے لیے کوشش کرتا ہے جس کا وہ حقدار نہیں ہے جس سے بے شمار کبیرہ گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ جب کوئی یہ رویہ اختیار کرتا ہے تو وہ شدید لالچی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ کیا ہے کہ جامع ترمذی نمبر 1961 میں موجود ایک حدیث میں لالچی شخص اللہ تعالیٰ سے دور، جنت سے دور، لوگوں سے دور اور جہنم کے قریب ہوتا ہے۔ درحقیقت سنن نسائی نمبر 3114 میں پائی جانے والی ایک حدیث متنبہ کرتی ہے کہ ایک سچے مسلمان کے دل میں شدید لالچ اور سچا ایمان کبھی جمع نہیں ہوگا۔

اگر کوئی مسلمان اس قسم کی حرص کو اپنائے تو اس کا شدید خطرہ ان پڑھ مسلمان پر بھی واضح ہے۔ یہ ان کے ایمان کو تباہ کر دے گا یہاں تک کہ سوائے تھوڑے کے کچھ باقی نہ رہے گا۔ جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ کسی کے ایمان کی یہ تباہی دو بھوکے بھیڑیوں کی تباہی سے زیادہ شدید ہے جنہیں بکریوں کے ریوڑ پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ مسلمان اپنی موت کے وقت اپنے پاس موجود تھوڑے سے ایمان کو کھونے کا خطرہ رکھتا ہے، جو کہ سب سے بڑا نقصان ہے۔

ایک شخص کی شہرت اور رتبے کی خواہش اس کے ایمان کے لیے زیادہ دولت کی خواہش سے زیادہ تباہ کن ہے۔ ایک شخص اکثر اپنی محبوب دولت کو شہرت اور سماجی حیثیت کے حصول پر خرچ کرتا ہے۔

ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی شخص مقام و شہرت حاصل کر کے صحیح راستے پر قائم رہے جس کے تحت وہ مادی دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 6723 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص معاشرے میں قیادت جیسی حیثیت کا خواہاں ہے اسے خود اس سے نمٹنے کے لیے چھوڑ دیا جائے گا لیکن اگر کوئی اسے مانگے بغیر حاصل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا اور اس کی اطاعت میں رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی ایسے شخص کا تقرر نہیں کرتے تھے جو کسی منصب پر فائز ہونے کی درخواست کرتا ہو یا اس کی خواہش بھی ظاہر کرتا ہو۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 6923 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ صحیح بخاری نمبر 7148 میں موجود ایک اور حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ لوگ مقام و مرتبہ حاصل کرنے کے خواہش مند ہوں گے لیکن قیامت کے دن ان کے لیے یہ بڑی پشیمانی ہوگی۔ یہ ایک خطرناک خواہش ہے کیونکہ یہ انسان کو اس

کو حاصل کرنے کے لیے شدید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے اور پھر اس کو برقرار رکھنے کے لیے مزید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے، خواہ یہ ظلم اور دیگر گناہوں کا ارتکاب کرے۔

رتبہ کی خواہش کی بدترین قسم وہ ہے جب کوئی اسے مذہب کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2654 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ شخص جہنم میں جائے گا۔

لہٰذا ایک مسلمان کے لیے زیادہ مال و دولت اور اعلیٰ سماجی رتبے کی حرص سے بچنا زیادہ محفوظ ہے کیونکہ یہ دو چیزیں ہیں جو ان کے ایمان کی تباہی کا باعث بنتی ہیں اور آخرت کی تیاری سے غافل ہو جاتی ہیں، جن میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ احادیث مبارکہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں بیان کی گئی ہیں۔

اس کے علاوہ مکہ کے غیر مسلموں کو اپنی دولت اور سماجی حیثیت کے کھو جانے کے خوف سے اسلام کو رد کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تحفظ اور مال دونوں مہیا کیے تھے جب کہ وہ بت پرست تھے تو پھر وہ ان کو یہ چیزیں کیوں نہیں دیتا جب کہ وہ اس کی سچی اطاعت کرتے تھے؟ باب 106 قریش، آیات 1-4:

"قریش کی عادی سلامتی کے لیے، سردیوں اور گرمیوں کے قافلے میں ان کی عادی سلامتی، وہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں، جس نے انہیں کھانا کھلایا، بھوک سے]بچایا [اور خوف سے محفوظ رکھا۔"

آخر کار جب کوئی شخص اسلام کی تعلیمات کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے تو اسے معاشرہ حتیٰ کہ ان کے رشتہ داروں کی طرف سے بھی چیلنج کیا جائے گا لیکن اس سے انہیں

اپنے مقصد سے باز نہیں آنا چاہیے۔ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہے گا اسے دونوں جہانوں میں سکون قلب عطا کیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی تمام چیزوں کو کنٹرول کرتا ہے، بشمول لوگوں کے روحانی دل، ذہنی سکون کا گھر۔ اور یہ کسی بھی دنیوی نعمت سے کہیں بہتر ہے جو انسانوں کو خوش کرتے ہوئے اس کی نافرمانی کر کے حاصل کر سکتا ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جب کوئی ان لوگوں کو دیکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں اور جو نہیں مانتے۔ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرے گا جو اس کی اطاعت کی کوشش کرتا ہے، چاہے یہ تحفظ ان پر ظاہر نہ ہو۔ جبکہ لوگوں کو خوش کرتے ہوئے اس کی نافرمانی کرنے والا اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ نہیں رہے گا۔ لہٰذا، اگر کوئی شخص ذہنی سکون چاہتا ہے، تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کرے، ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرتے ہوئے، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔

سچائی سے مخلص

اسلام قبول کرنے سے پہلے، دمد رحمہ اللہ کو ایک ڈائن ڈاکٹر سمجھا جاتا تھا جو کالے جادو سے متاثر ہونے والے لوگوں کو ٹھیک کر سکتا تھا۔ جب اس نے مکہ کے غیر مسلموں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کالے جادو سے متاثر ہونے کا الزام لگاتے ہوئے سنا تو آپ نے ان کے علاج کا فیصلہ کیا۔ جب اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پایا اور آپ کی خدمات پیش کیں تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :حمد اللہ ہی کے لیے ہے، ہم اسی کی حمد کرتے ہیں، اس سے مدد مانگتے ہیں، اور جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، اور جس کو گمراہ کیا جائے اس کی کوئی رہنمائی کرنے والا نہیں، اور اللہ تعالیٰ کی آزمائش میں صرف وہی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کے سوا کوئی نہیں اٹھایا۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ دمد رضی اللہ عنہ نے آپ سے کہا کہ آپ اپنا قول دہرائیں اور تین بار ایسا کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ یہ کسی کاہن، جادوگر یا شاعر کا کلام نہیں ہے۔ پھر اس نے اسلام قبول کیا۔ صحیح مسلم نمبر 2008 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

دمد رضی اللہ عنہ نے ان پیچیدہ یا گہرے روحانی مسائل کے بارے میں سوال نہیں کیا جس سے وہ حیران ہوں اور نہ ہی انہیں اسلام کی حقانیت پر قائل کرنے کے لیے کوئی معجزہ دکھایا گیا، پھر بھی آپ نے حق کے لیے سر تسلیم خم کیا اور اپنے عقیدے، طرز عمل اور طرز زندگی کو بالکل بدل دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سچائی کو قبول کرنے والا شخص تھا۔ جب کوئی یہ اعلان کر کے اخلاص اختیار کرے گا کہ وہ سچائی کو قبول کریں گے اور اپنی استطاعت کے مطابق اس پر عمل کریں گے، خواہ وہ اس کی خواہشات کے خلاف ہو، تو پھر سادہ ترین سچائی، دوسروں کی نظروں سے اوجھل ہونے والی سچائیاں بھی ان کو بالکل بدل دیتی ہیں۔ جب کہ جو شخص اپنی خواہشات کے مطابق کس چیز کو قبول کرنے اور اس کی پیروی کرنے اور کس چیز کو نظر انداز کرنے کا انتخاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے پاس آتا ہے وہ کبھی بھی حق کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتا خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ اسی اخلاص کی وجہ سے تاریخ میں بہت سے لوگوں نے گہرے روحانی تجربات سے نہیں بلکہ آسان ترین چیزوں کا سامنا کرنے کے بعد اسلام قبول کیا۔ مثال کے طور پر، ایک خدا کی حقیقت کو صرف آسمانوں اور زمین پر غور کرنے سے قبول کیا جا سکتا ہے۔ جب کوئی کائنات کے اندر ان گنت متوازن نظاموں کا مشاہدہ کرتا ہے، جیسے سورج کا زمین سے کامل فاصلہ، پانی کا چکر، سمندروں کی کثافت جو بحری جہازوں کو ان پر چلنے کی اجازت دیتی ہے جبکہ سمندری زندگی کو اپنے اندر پنپنے دیتا ہے، اور بہت کچھ، وہ ایک خالق کے ہاتھ کا مشاہدہ کرے گا۔ بہت سارے بالکل متوازن نظام بے ترتیب واقعات کا نتیجہ نہیں ہو سکتے۔ اس کے علاوہ، اگر ایک سے زیادہ خدا ہیں تو یہ افراتفری کا باعث بنے گا کیونکہ ہر خدا

کائنات میں کچھ مختلف چاہتا ہے۔ یہ واضح طور پر معاملہ نہیں ہے اور اس وجہ سے ایک واحد خدا، اللہ، بلند کی طرف اشارہ کرتا ہے .باب 21 الانبیاء، آیت 22:

‘‘اگر ان کے اندر اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو وہ دونوں برباد ہو جاتے۔’’

لہٰذا جو شخص خلوص دل سے اس دنیا میں اپنے مقصد کو سمجھنے اور پورا کرنے کی خواہش رکھتا ہے، وہ آسانی سے اسلام کی تعلیمات کو تلاش، پہچاننے، قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے والا ہے۔ لیکن جو اس دنیا میں اپنے مقصد کو سمجھنا نہیں چاہتا اور صرف اپنی خواہشات کو پورا کرنا چاہتا ہے وہ اسلام کی تعلیمات پر عمل نہیں کرے گا خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے مسلمانوں کو اسی اخلاص کو اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ اسلام کی صحیح پیروی اس کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

صبر کے ساتھ حالات کا سامنا کرنا

جب مکہ کے غیر مسلموں کی جارحیت میں اضافہ ہوا تو انہوں نے بے دفاع اور معاشرتی طور پر کمزور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کرنا شروع کر دیا۔ اگرچہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنگ کی ترغیب دی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں لڑائی سے باز رہنے اور ظالموں کو معاف کرنے کا حکم دیا۔ اس پر امام محمد السلّابی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرتِ نبوی، جلد 1، صفحہ 416 میں بحث کی گئی ہے۔

مکہ کے غیر مسلموں کے خلاف پرامن موقف اختیار کرنے کے پیچھے ایک حکمت یہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تربیت دی جائے، لوگوں اور مشکلات سے نمٹنے میں صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا جائے۔ ان کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کو قبول کرنے کی تربیت دی جا رہی تھی، خواہ یہ ان کے نقطہ نظر کے خلاف ہو۔

مکہ کے غیر مسلموں سے لڑنے سے انہیں مسلمانوں کے خلاف مہلک طاقت استعمال کرنے کی ایک بڑی وجہ مل جاتی، حتیٰ کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف بھی، جو قبائل کی حفاظت میں تھے۔ اس سے اسلام کے مشن کو تبلیغ سے جنگ کی طرف موڑ دیا جاتا۔

مکہ کے اندر لڑائی کے نتیجے میں ایسے بے گناہ لوگ مارے جاتے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ظاہر کی گئی جارحیت میں براہ راست ملوث نہیں تھے۔

مکہ کے غیر مسلموں سے لڑنے اور قتل کرنے سے ان کا انجام جہنم میں بھی مہر ہو چکا ہو گا۔ ،صبر نے ان متشدد غیر مسلموں میں سے بہت سے لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی اجازت دی جیسے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ۔

مکہ کے غیر مسلموں سے لڑنے اور قتل کرنے سے ان کے رشتہ داروں کو مشتعل کیا جائے گا جو اسلام قبول کرنے کی طرف مائل ہوں گے۔ انتقام کے احساس نے اسلام کی طرف ان کے جھکاؤ پر قابو پا لیا ہو گا جس کی وجہ سے وہ اسے قبول کرنے سے روک رہے ہیں۔

جارحیت کے سامنے صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے کچھ طاقتور غیر مسلموں کو قبائلی وفاداری سے ہٹ کر اپنے مسلمان رشتہ داروں کو تحفظ فراہم کرنے کی ترغیب دی۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کے غیر مسلموں کے خلاف لڑنا شروع کر دیتے تو یہ ختم ہو جاتا۔

لڑائی صرف مسلمانوں کی تعداد کو ختم کر دیتی، جو جزیرہ نما عرب میں اسلام کے پیغام کو پھیلانے کے لیے درکار تھی۔

غیر مسلموں کے خلاف جنگ کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کے طور پر استعمال کیا جاتا کیونکہ آپ پر زمین میں اقتدار کے سوا کچھ نہیں مانگنے کا الزام لگایا جاتا۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ بہت سے لوگ جو صرف اقتدار کے خواہاں تھے وہ جلد ہی تشدد کی طرف مائل ہو گئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صبر کی اس گھڑی میں متحد رہنے کی تربیت دی جا رہی تھی، اس طرح ان کے اتحاد کو تقویت ملتی تھی۔

اس کے پیچھے اور بھی بہت سی وجوہات اور حکمتیں ہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ میں اپنی زندگی کے دوران جنگ نہ کرنے کا حکم دیا۔

ایتھوپیا کی طرف پہلی ہجرت

جیسے جیسے سماجی طور پر کمزور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مکہ کے غیر مسلموں کا تشدد بڑھتا گیا، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے بعض کو ایتھوپیا کی طرف ہجرت کرنے کا مشورہ دیا۔ اس نے انہیں نصیحت کی کہ ان کا بادشاہ ایک عادل آدمی ہے اور انہیں وہاں ظلم و ستم کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اپنے گھر والوں، کاروبار اور گھر بار سب کچھ اللہ کی رضا کے لیے چھوڑ کر چلے گئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 1-2 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے ان مشکلات پر قابو پانے کا مطالبہ نہیں کرتا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے برداشت کیں۔ مثال کے طور پر یہ واقعہ جس میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایتھوپیا کی طرف ہجرت کا ذکر ہے۔

اس کے مقابلے میں مسلمانوں کو اس وقت جن مشکلات کا سامنا ہے وہ اتنا مشکل نہیں جتنا کہ صالح پیشروؤں کو درپیش تھا۔ لہٰذا مسلمانوں کو شکر گزار ہونا چاہیے کہ ان سے صرف چند چھوٹی قربانیاں کرنے کی ضرورت ہے، جیسے فرض فجر کی نماز ادا کرنے کے لیے کچھ نیند کی قربانی اور فرض صدقہ کرنے کے لیے کچھ مال۔ اللہ تعالیٰ ان کو یہ حکم نہیں دے رہا ہے کہ وہ اپنے گھر اور اہل و عیال کو اس کی خاطر چھوڑ دیں۔ اس شکر کو عملی طور پر ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے ظاہر کیا جانا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ، جب کسی مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اسے ان مشکلات کو یاد رکھنا چاہیے جو نیک پیشروؤں کو پیش آئیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی سے ان پر کیسے قابو پایا، جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ علم ایک مسلمان کو اپنی مشکلات پر قابو پانے کی طاقت فراہم کر سکتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ صالح پیش رو اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب تھے، پھر بھی انہوں نے صبر کے ساتھ زیادہ سخت مشکلات کو برداشت کیا۔ درحقیقت سنن ابن ماجہ نمبر

میں موجود ایک حدیث اس بات کی نصیحت کرتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے سخت 4023 ترین امتحانات کو برداشت کیا اور وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

اگر کوئی مسلمان نیک پیشروؤں کے ثابت قدمی کی پیروی کرتا ہے تو امید ہے کہ وہ آخرت میں ان کے ساتھ ہو گا۔

زیر بحث اہم واقعہ اس بات کو سمجھنے کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ اسلام لوگوں سے قربانی کا مطالبہ کرتا ہے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون اور کامیابی حاصل کر سکیں۔ اسی طرح ایک شخص اکثر صورتوں میں دنیاوی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا، جیسے کہ ڈاکٹر بننا، قربانیوں کے بغیر انسان کو دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا انمول تحفہ، قربانیوں کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ افسوس کی بات ہے کہ بہت سے مسلمان یہ ماننے کی غلطی کرتے ہیں کہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کی انمول نعمت حاصل کرنے کے لیے صرف زبانی طور پر اسلام قبول کرنا ہی کافی ہے۔ یہ ایک عجیب رویہ ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ دنیاوی کامیابی قربانیوں کے بغیر نہیں ملتی لیکن وہ قربانیوں اور کوششوں کے بغیر دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کرنے کی امید رکھتے ہیں۔ باب 29 العنکبوت، آیت 2:

”کیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں یہ کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لائے ہیں اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی؟“

انسان کو اس گمراہ کن روش کو ترک کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جس سطح کا سکون حاصل کرنا چاہتے ہیں اس کے مطابق کوشش کرنی چاہیے۔ اس فرمانبرداری میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ جتنی زیادہ وہ اللہ کی اطاعت کریں گے، اتنا ہی انہیں ذہنی سکون ملے گا۔ جو دیتا ہے، وہی حاصل کرے گا، یہ اتنا ہی آسان ہے۔ باب 47 محمد، آیت 7:

"اے ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمائے گا۔"

ہمدردی کا احساس

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک گروہ حبشہ کی طرف ہجرت کے لیے مکہ سے نکل رہا تھا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جو اس وقت غیر مسلم تھے، ان کی سرگرمیوں پر سوال کیا۔ انہوں نے اسے بتایا کہ وہ مکہ چھوڑ رہے ہیں کیونکہ وہ اس سے اور دوسرے غیر مسلموں سے تنگ آچکے ہیں جو ان پر مسلسل ظلم کررہے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی مخصوص سختی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے کچھ ایسے مہربان کلمات کہے جس سے یہ تاثر پیدا ہوا کہ وہ ان کی کمی محسوس کریں گے۔ اس پر امام محمد السلّابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 49-50 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ عمر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ سخت تھے لیکن ان کی سختی کی جڑ برائی میں نہیں تھی بلکہ اس کی جڑ مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ غلط وفاداری اور ان کے گمراہ طریقوں میں تھی۔ ایسا لگتا ہے، اس نے صرف وہی سلوک کیا جیسا کہ اس نے اپنے لوگوں کو متحد کرنے کی خواہش کی، جیسا کہ وہ اسلام کے آنے سے پہلے تھے۔

عام طور پر، دوسروں کے لیے اس قسم کی ہمدردی رکھنا اسلام کا ایک اہم پہلو ہے۔ غالباً یہ پہلا جذبہ تھا جس نے عمر رضی اللہ عنہ کو اسلام کے بارے میں اپنے رویے پر نظر ثانی کرنے کی ترغیب دی، کیونکہ ان کا طرز عمل ان کے اپنے لوگوں کو ان کے گھروں سے دور کر رہا تھا۔ جبکہ مکہ کے بہت سے دوسرے غیر مسلم صرف دولت اور اختیار کے لالچ میں اپنے طرز زندگی کی حفاظت کے بارے میں فکر مند تھے جس کو اسلام نے چیلنج کیا اور اسی وجہ سے وہ رخصت ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر خوش ہوئے۔

صحیح مسلم نمبر 6586 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ امت مسلمہ ایک جسم کی مانند ہے۔ جسم کے کسی حصے میں درد ہو تو باقی جسم اس کے درد میں شریک ہوتا ہے۔

یہ حدیث، بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح، اپنی زندگی میں اس قدر خودغرض نہ ہونے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتی ہے اور اس طرح برتاؤ کرتی ہے کہ گویا کائنات ان کے اور ان کے مسائل کے گرد گھوم رہی ہے۔ شیطان مسلمانوں کو اپنی زندگی اور اپنے مسائل پر اس قدر توجہ مرکوز کرنے کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ بڑی تصویر پر توجہ مرکوز کرنے سے محروم ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ بے صبری کا باعث بنتا ہے اور وہ دوسروں سے غافل ہو جاتا ہے اور نتیجتاً وہ اپنے وسائل کے مطابق دوسروں کی مدد کرنے میں اپنا فرض ادا نہیں کرتا۔ ایک مسلمان کو یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیے اور دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جہاں تک وہ کر سکتے ہیں۔ یہ مالی مدد سے آگے بڑھتا ہے اور اس میں تمام زبانی اور جسمانی مدد شامل ہوتی ہے، جیسے کہ اچھا اور مخلصانہ مشورہ۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ خبروں کا باقاعدگی سے مشاہدہ کریں اور جو پوری دنیا میں مشکل حالات میں ہیں۔ اس سے انہیں حوصلہ ملے گا کہ وہ خودغرض اور خودغرض بننے سے بچیں اور اس کے بجائے دوسروں کی مدد کریں۔ درحقیقت جس کو صرف اپنی فکر ہوتی ہے وہ جانور سے بھی کم تر ہے جیسا کہ وہ اپنی اولاد کا خیال رکھتا ہے۔ درحقیقت ایک مسلمان کو عملاً اپنے خاندان سے بڑھ کر دوسروں کا خیال رکھتے ہوئے جانوروں سے بہتر ہونا چاہیے۔

یہ حدیث اسلام میں اتحاد اور مساوات کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے، جیسا کہ دوسرے مسلمانوں کو ان کی جنس، نسل یا کسی بھی چیز سے قطع نظر ان کے وسائل کے مطابق مدد کرنی چاہیے۔

جس طرح ایک شخص اپنی پریشانی کو دور کرنا چاہتا ہے، اسی طرح اسے دوسروں کے لیے بھی اس طرح کا برتاؤ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، جیسا کہ بنیادی حدیث واضح طور پر بتاتی ہے کہ ایک مسلمان کے لیے کسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا دوسرے مسلمان کے لیے اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ ایک ہی میں ایک ہے۔

آخر میں، اگرچہ ایک مسلمان دنیا کے تمام مسائل کو دور نہیں کر سکتا لیکن وہ اپنا کردار ادا کر سکتا ہے اور اپنے وسائل کے مطابق دوسروں کی مدد کر سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور توقع یہی ہے۔

اس کے علاوہ زیر بحث اہم واقعہ اس بات کو سمجھنے کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ اس دنیا میں اپنے مقصد کو قبول کرنا اور اس کو پورا کرنا ہر چیز سے بڑھ کر ہے جس میں رشتہ داری اور دوستی کا رشتہ بھی شامل ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ وہ چیز ہے جس کا علم عمر رضی اللہ عنہ کو بعد میں ہوا اور یہی وجہ تھی کہ آپ نے اسلام قبول کیا۔ حقیقی خوشی اور ذہنی سکون دنیاوی چیزوں اور رشتوں میں پوشیدہ نہیں ہے۔ یہ صرف اس دنیا میں اپنے مقصد کو پورا کرنے میں مضمر ہے، جو کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا ہے، ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہوئے، جو اسلامی تعلیمات میں بیان کی گئی ہیں۔ یہ صرف ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرنے اور ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں صحیح طریقے سے رکھنے کی اجازت دے گا تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کر سکے۔ بامقصد زندگی گزارنے کا یہی واحد طریقہ ہے۔ لہٰذا جو شخص اپنا مقصد پورا نہیں کرتا وہ بے مقصد زندگی گزارے گا، خواہ وہ دنیاوی کامیابی حاصل کر لے۔ اس لیے دنیاوی چیزوں کو اپنے مقصد پر رکھنا انہیں اپنے مقصد کو پورا کرنے سے روک دے گا اور اس لیے یہ انہیں ذہنی سکون اور قیمتی وجود حاصل کرنے سے روک دے گا۔ یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جب کوئی ان لوگوں کا مشاہدہ کرتا ہے جو اپنا سارا وقت، توانائی اور وسائل دنیاوی کاموں، جیسے لوگوں کو خوش کرنے یا اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔

ایمان کے لیے قربانی دینا

اسلام قبول کرنے سے پہلے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا تعلق ایک متمول گھرانے سے تھا اس لیے وہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ان کے خاندان نے انہیں گرفتار کر لیا اور قید کر دیا یہاں تک کہ وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے اور بعض دوسرے صحابہ کے ساتھ ہجرت کر کے ایتھوپیا چلے گئے، اللہ ان سے راضی ہو گیا۔ بعد میں وہ مکہ واپس آئے اور اپنے پختہ ایمان کی وجہ سے انہوں نے ساری زندگی غربت کی زندگی گزاری۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 312 میں بحث کی گئی ہے۔

مصعب رضی اللہ عنہ نے عیش و عشرت کی زندگی پر غربت کو قبول کیا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ دنیا کی سب سے قیمتی چیز جو انسان کو حاصل ہو سکتی ہے وہ ذہنی سکون ہے۔ یہ دنیاوی آسائشوں سے لطف اندوز ہونے اور اپنی تمام خواہشات کو پورا کرنے سے حاصل نہیں ہوتا۔ یہ بات بالکل واضح ہے جب کوئی امیر اور مشہور لوگوں کا مشاہدہ کرتا ہے کہ وہ دنیاوی آسائشوں سے لطف اندوز ہونے کے باوجود کس طرح دباؤ اور افسردہ زندگی گزارتے ہیں۔ ذہنی سکون صرف ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے میں مضمر ہے جو کسی کو عطا کی گئی ہیں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی میں ہر چیز اور ہر چیز کو صحیح جگہ پر رکھ کر۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ لوگ کتنا ہی علم حاصل کر لیں، وہ کبھی بھی اتنا علم نہیں سمیٹ سکیں گے کہ وہ کامل ضابطہ اخلاق پیدا کر سکیں جس سے ذہنی سکون حاصل ہو۔ لہٰذا یہ کامل ضابطہ اخلاق صرف اسی کی طرف سے ہو سکتا ہے جو ہر چیز کا علم رکھتا ہے :اللہ تعالیٰ۔ اس لیے اسلامی تعلیمات کو قبول کرنا اور ان پر عمل کرنا چاہیے اگر وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کرنا چاہتے ہیں، خواہ یہ ان کی خواہشات کے خلاف ہو۔ انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہئے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لئے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور سخت خوراک کا منصوبہ بنایا جاتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ" زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

لیکن اگر وہ ایسا کرنے میں ناکام رہتے ہیں اور اس کے بجائے اس بیوقوف مریض کی طرح برتاؤ کرتے ہیں جو اپنے ڈاکٹر کے مشورے کو نظر انداز کرتا ہے، جیسا کہ یہ ان کی خواہشات کو چیلنج کرتا ہے، تو یہ صرف ان کی ذہنی اور جسمانی صحت کی خرابی کا باعث بنے گا، چاہے ان کے پاس تفریح کے لمحات ہی کیوں نہ ہوں۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

دونوں راستے واضح ہو چکے ہیں، اب یہ لوگوں پر منحصر ہے کہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون چاہتے ہیں یا نہیں اور اس کے مطابق عمل کریں۔

ایتھوپیا میں مومنین کے لیے مسائل

منفیت اور غلط عقائد کو درست کرنا

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایتھوپیا کی طرف ہجرت کے بعد مکہ کے غیر مسلموں کے سرداروں نے اپنے دو آدمیوں کو حبشہ کے بادشاہ کے پاس روانہ کیا تاکہ ان کے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان مسائل پیدا ہو جائیں۔ انہوں نے جھوٹ کے ذریعے بادشاہ کے دل کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے دشمنی اور ناپسندیدگی سے بھرنے کی کوشش کی۔ جیسا کہ ایتھوپیا کا بادشاہ عیسائی تھا، انہوں نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ اسلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم رضی اللہ عنہا کی بے عزتی کر رہا ہے۔ لیکن جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوال کیا گیا تو انہوں نے سچ کہا اور بادشاہ کو قرآن پاک پڑھ کر سنایا جس کو سن کر آپ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی سرزمین میں امن سے رہنے کی اجازت دی اور ان کے ساتھ احترام اور مہربانی سے پیش آئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 5-6 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو دوسروں کے بارے میں منفی بات کرنے سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ اس سے لوگوں کے درمیان دشمنی پیدا ہوتی ہے۔ سنن ابو داؤد نمبر 4860 میں موجود ایک حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو دوسروں کے بارے میں منفی بات کرنے سے منع فرمایا، کیونکہ اس سے لوگوں کے دلوں میں ان کے بارے میں برے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ خاندان، خاص طور پر ایشیائی کمیونٹی سے، وقت کے ساتھ ٹوٹ جاتے ہیں۔ یہ خاندان کے ارکان، جیسے والدین کی سب سے بڑی شکایت ہے۔ وہ حیران ہیں کہ ان کے بچے کیوں الگ ہو گئے ہیں حالانکہ وہ کبھی مضبوطی سے ایک ساتھ تھے۔

رشتہ داروں کے درمیان تعلقات کے ٹوٹنے کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ کسی نے ان کے رشتہ دار کے بارے میں منفی بات کی ہے۔ یہ اکثر خاندان کے کسی فرد کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک ماں اپنے دوسرے بچے سے اپنے بیٹے کے بارے میں منفی بات کرے گی۔ یہ دونوں رشتہ داروں کے درمیان دشمنی کا باعث بنتا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ دونوں کے درمیان دراڑ پیدا کر دیتا ہے۔ جو کبھی ایک شخص کی طرح تھے وہ ایک دوسرے کے لیے اجنبی بن جاتے ہیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔ بہت کم لوگوں کو چھوڑ کر، جب کسی شخص سے کسی دوسرے کے بارے میں کوئی منفی بات کہی جائے تو وہ اس سے متاثر ہو جائیں گے، خواہ وہ یہ نہ چاہتے ہوں۔ یہ دشمنی تب بھی ہوتی ہے جب کہ ابتدائی شخص جس نے کسی کے رشتہ دار کے بارے میں منفی بات کی ہو وہ رشتہ داروں کے درمیان پچر پیدا کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔ کچھ اکثر عادت سے ہٹ کر اس طرح کام کرتے ہیں اور تعلقات کو خراب کرنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، والدین اکثر یہ عادت اپناتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنے بچوں کے رشتے ٹوٹنے یا ٹوٹنے کی خواہش نہیں رکھتے۔

یہ رویہ لوگوں کی ذہنیت پر اتنا گہرا اثر ڈالتا ہے کہ اس سے ان رشتہ داروں پر بھی اثر پڑتا ہے جو ایک دوسرے کو بہت کم دیکھتے یا بات کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، کوئی شخص اپنے رشتہ دار کے بارے میں منفی باتوں کا تذکرہ کرے گا، حالانکہ اس کا رشتہ دار بھی ان جیسے ملک میں نہیں رہتا۔ یہ رویہ ان کے دل میں دشمنی کو پیوست کر دیتا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ اپنے دور کے رشتہ دار کو ناپسند کرتے ہیں، حالانکہ وہ انہیں بمشکل جانتے ہیں۔

یہ مسئلہ اکثر اس وقت ہوتا ہے جب دو افراد دوسرے لوگوں کے سامنے دوسروں کے بارے میں منفی باتوں پر بحث کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، والدین اپنے بچوں کے سامنے اپنے رشتہ داروں کے بارے میں منفی باتیں کر سکتے ہیں۔ اگرچہ، وہ اپنے بچوں کو براہ راست نہیں بتا رہے ہیں، کوئی بھی کم نہیں یہ اب بھی ان کے دلوں کو متاثر کرتا ہے .اگر کوئی ایک لمحے کے لیے واقعی غور کرے تو وہ سمجھ جائے گا کہ دوسروں کے تئیں ان کے بیمار جذبات کی اکثریت اس شخص کے کیے یا ان سے براہ راست کہنے کی وجہ سے نہیں تھی۔ زیادہ تر معاملات میں، یہ کسی تیسرے فریق کی وجہ سے ہوا ہے، جس نے ان سے اس شخص کے بارے میں کسی منفی بات کا ذکر کیا۔

،ایسے معاملات میں جہاں کوئی دوسرے کو کسی خطرے سے خبردار کرنے کی کوشش کر رہا ہو تو کسی دوسرے شخص کا منفی انداز میں ذکر کرنا بالکل قابل قبول ہے۔ اگر کوئی دوسرے کو سبق سکھانے کی کوشش کر رہا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلیں اور اس شخص کا نام لیے بغیر منفی بات کا ذکر کریں۔ اس خوبصورت ذہنیت کی ایک مثال صحیح بخاری نمبر 6979 میں موجود حدیث میں موجود ہے۔ کسی شخص کا نام لیے بغیر کسی منفی بات کا ذکر کرنا کسی کو سبق سکھانے کے لیے کافی ہے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، مسلمانوں کو اپنے رشتہ داروں یا دوسروں کے بارے میں، نجی یا عوامی طور پر منفی بات کرنے سے پہلے گہرائی سے غور کرنا چاہیے۔ دوسری صورت میں، وہ اچھی طرح سے تلاش کر سکتے ہیں، جیسے جیسے وقت گزرتا ہے، ان کے خاندان اور دوست ایک دوسرے سے الگ اور جذباتی طور پر دور ہو جاتے ہیں.

جو شخص دوسروں کے بارے میں منفی باتیں سنتا ہے اسے چاہیے کہ وہ بولنے والے کو غیبت سے باز رہنے کی تلقین کرے اور اپنے اعمال کے نتائج ان کے سامنے بیان کرے۔ انہیں کسی شخص کے بارے میں کہی گئی منفی باتوں پر توجہ مرکوز کرنے سے گریز کرنا چاہیے اور اس کے بجائے یاد رکھیں کہ ایک منفی خصوصیت کسی شخص کے پورے کردار کی وضاحت نہیں کرتی۔ انہیں چاہیے کہ جس شخص کے بارے میں منفی باتیں سنیں اس کے ساتھ اچھے کردار کا مظاہرہ کرتے رہیں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنے حقوق ادا کریں۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ دوسروں کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ اس طرح برتاؤ کرنے سے دوسروں کے بارے میں منفی باتیں کرنے والوں کی وجہ سے دل پر پڑنے والے منفی اثرات کو کم کیا جائے گا۔

اس کے علاوہ زیر بحث مرکزی تقریب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خطاب بھی تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلط عقائد کے پھیلنے کی وجوہات میں آپ کی معجزانہ ولادت، آپ کے معجزات اور آپ کی حیات طیبہ میں آسمان پر چڑھنا شامل تھے۔ قرآن پاک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش کی تصدیق کرتا ہے اور واضح طور پر ان کی ولادت کو اللہ تعالیٰ کی لامحدود قدرت کی نشانی کے طور پر بیان کرتا ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 47:

اس نے کہا :اے میرے رب، میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا جب کہ مجھے کسی آدمی نے چھوا تک نہیں؟ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو اس سے صرف اتنا کہتا ہے کہ ہو جا، اور وہ ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا، جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر باپ اور ماں کے پیدا کیا۔ اس حقیقت کا مطلب یہ نہیں کہ وہ الہی ہیں۔ باب 3 علی عمران، آیت 59:

"بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی سی ہے، اس نے انہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر اس سے کہا کہ ہو جا، تو وہ ہو گیا۔"

عجیب بات ہے کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے فرزند ہیں کیونکہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ لیکن وہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا نہیں مانتے، حالانکہ وہ بغیر باپ اور ماں کے پیدا ہوئے تھے۔ ان کی ذہنیت کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہلانے کا حق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے زیادہ ہے، لیکن وہ اس کا دعویٰ نہیں کرتے۔ عجیب بات ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے معاملے میں منطق اور عقل کا اطلاق کیسے کرتے ہیں لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں منطق اور عقل کا اطلاق نہیں کرتے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی تصدیق قرآن پاک سے ہوئی ہے۔ تاہم یہ واضح کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ معجزات اللہ تعالیٰ کی مرضی، اجازت اور حکم سے انجام دیے۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام الٰہی ہوتے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی مرضی یا اجازت کی ضرورت نہ ہوتی۔ باب 3 علی عمران، آیت 49:

اور بنی اسرائیل کی طرف پیغمبر بنو]جو کہے گا [کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف" سے نشانی لے کر آیا ہوں کہ میں تمہارے لیے مٹی سے بناتا ہوں]جو کہ پرندے کی طرح ہے، پھر میں اس میں پھونک مارتا ہوں اور وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسے جنم دیتا ہوں [مردوں کو زندہ کرنا - اللہ کے حکم سے اور میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تم کیا کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں کیا ذخیرہ کرتے ہو۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زندہ ہوتے ہوئے آسمانوں پر چڑھنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی مزید نشاندہی کرتا ہے جیسا کہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس سفر میں لے لیا تھا۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام الٰہی ہوتے تو اپنی فطری قوت سے یہ سفر طے کر سکتے تھے۔ باب 3 علی عمران، آیت 55:

جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ، بیشک میں تمہیں لے لوں گا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا اور'' تمہیں کافروں سے پاک کروں گا۔''

قرآن کریم عیسائیوں کو بتاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے عقیدے کے برعکس سولی نہیں دی گئی۔ صلیب پر جس کی تصویر نظر آئی وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نہیں تھی بلکہ وہ شخص تھا جسے آپ جیسا بنا دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس وقت تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھا چکا تھا۔ باب 4 النساء، آیات 156-158:

اور ان کے کفر اور مریم پر بہتان تراشی کی وجہ سے، اور ان کے یہ کہنے کے لیے کہ "بے شک ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم، اللہ کے رسول کو قتل کر دیا ہے۔ "اور انہوں نے اسے قتل نہیں کیا اور نہ سولی پر چڑھایا، بلکہ اس کو ان کے مشابہ بنایا گیا تھا، بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھایا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا غلط عیسائی عقیدہ، آپ کا مصلوب ہونا، مارا جانا، اپنے آپ میں عجیب ہے کیونکہ ایک حقیقی الٰہی ہستی موت کا سامنا کرنے سے بہت دور ہے۔ اگر کوئی ہستی مر سکتی ہے تو وہ الہی نہیں ہو سکتی۔ تو درحقیقت، مصلوب کے ذریعے اس کی موت کے بارے میں ان کا غلط عقیدہ خود ان کی الوہیت کے غلط عقیدے کی نفی کرتا ہے۔

ایک الٰہی ہستی فطرتاً ایک ایسی چیز ہے جو خود کو برقرار رکھنے کے معنی رکھتی ہے، انہیں برقرار رکھنے کے لیے کسی اور کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر ایک ہستی دوسرے کے ذریعہ برقرار ہے تو وہ الہی نہیں ہوسکتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا دونوں آسمانی مخلوق نہیں تھے کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پرورش کی ضرورت تھی، یعنی وہ خود کفیل مخلوق نہیں تھے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 75:

"مسیح ابن مریم تو صرف ایک رسول تھا، اس سے پہلے اور بھی رسول گزر چکے ہیں، اور اس کی ماں حق کی حمایتی تھی، وہ دونوں کھانا کھاتے تھے، دیکھو ہم ان کے لیے کیسے نشانیاں بیان کرتے ہیں، پھر دیکھو کہ وہ کس طرح دھوکے میں پڑتے ہیں۔"

اس کے علاوہ کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ جیسا کہ فرشتے نہیں کھاتے انہیں خدا سمجھا جا سکتا ہے۔ درحقیقت وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف طریقے سے برقرار ہیں اس لیے وہ بھی خود کفیل نہیں ہیں۔ یہ حقیقت کہ وہ تخلیق کیے گئے ہیں اور باقی مخلوقات کی طرح موت کا تجربہ کریں گے، الوہیت کی نفی کرنے کے لیے کافی ہے۔

ایک حیاتیاتی بچہ ہمیشہ اپنے والدین کے ساتھ کچھ خصوصیات کا اشتراک کرے گا۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معاملے میں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی صفات میں شریک نہیں ہیں۔ درحقیقت اس کی تمام خصوصیات دوسرے انسانوں کے ساتھ مشترک ہیں۔ وہ پیدا کیا گیا تھا، اسے خوراک اور پانی سے پالا گیا تھا، وہ مرے گا اور دوبارہ زندہ کیا جائے گا، بالکل دوسرے انسانوں کی طرح۔ اس کی خصوصیات الوہیت کی نفی کے لیے کافی ہیں۔

عیسائیت اختیار کرنے والے رومیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تصور کو اپنے عقیدے میں الٰہی ہونے کے تصور کو متعارف کرایا، وہ تصورات جو انہوں نے اپنے سابقہ عقیدے، بت پرستی ،سے لے کر چلائے تھے۔ انہوں نے ایک عظیم اور بابرکت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لے لیا اور اسے زیوس، ہرکولیس اور اوڈن جیسے افسانوں اور افسانوں کے ساتھ رکھا۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے صرف تھوڑی سی عقل کی ضرورت ہے کہ جو وجود کسی اور کے ذریعے پیدا کیا گیا ہو، اسے برقرار رکھا گیا ہو اور وہ مر سکتا ہے وہ کبھی بھی الٰہی نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ چیزیں الہی ہستی کے معیار سے متصادم ہیں۔

نیکی کی دعوت

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد حبشہ کی طرف ہجرت کی تو جعفر ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے حبشہ کے بادشاہ سے اسلام اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق درج ذیل الفاظ کہے۔ یہ سیرت ابن ہشام صفحہ 58-59 میں درج ہے۔

اس نے کہا اے بادشاہ ہم جاہلیت کی گہرائیوں میں دھنسے ہوئے تھے اور بت پرست تھے، ہم لاشیں کھاتے تھے، مکروہ کام کرتے تھے، خون کے رشتے توڑتے تھے، مہمان نوازی اور ہمسائیگی کے فرائض میں کوتاہی کرتے تھے اور صرف طاقتور کے قانون کو استعمال کرتے تھے، یہی ہماری زندگی تھی جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان سچائی اور سچائی کا سلسلہ بلند کر دیا۔ ،اس نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف بلایا اور اس نے ہمیں بتوں کی عبادت سے منع کیا ہمسائیوں کے حقوق کا خیال رکھا اور ان کے حقوق کا خیال رکھا ہم نے اس پر ایمان لایا، اس کی تعلیمات کو قبول کیا اور جس چیز کو اس نے حرام کیا ہے اس کو ہم نے حلال کیا، اسی وجہ سے ہماری قوم نے ہم پر حملہ کیا اور ہم پر جبراً اللہ کی عبادت کو چھوڑ دیا اور اس کی عبادت کی طرف لوٹ آئے۔ جب انہوں نے ہماری جانوں کو اذیتیں دے کر گھیرے میں لے لیں اور ہمیں ان کے درمیان کوئی تحفظ نہ ملا تو ہم آپ کے ملک میں آئے اور امید ظاہر کی کہ آپ ہمیں ظلم سے بچائیں گے جب تک ہم آپ کے ساتھ ہیں، اے بادشاہ!

اس واقعہ سے بہت سے سبق سیکھے جا سکتے ہیں۔ پہلا یہ کہ جہالت معاشرے میں گناہوں اور فساد کو جنم دیتی ہے۔ جاہل یہ نہیں جانتا کہ ان کو جو نعمتیں دی گئی ہیں ان کا صحیح استعمال کرنا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ ان کا غلط استعمال کرے گا۔ جب وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں جو انہیں عطا کی گئی ہیں، جیسے کہ ان کی دولت اور طاقت، تو اس سے گناہوں اور جرائم اور معاشرے میں فساد پھیلنے کا باعث بنے گا، جیسا کہ زیر بحث مرکزی واقعہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کو سیکھیں اور ان پر عمل کریں، کیونکہ یہی انہیں ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے سے روک سکتا ہے جو انہیں دی گئی ہیں۔

اس کے علاوہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے واضح کیا کہ مکہ کے تمام لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دیانت، امانت داری اور پاکیزگی کو جانتے اور مانتے ہیں۔ جیسا کہ مسلمانوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے، انہیں چاہیے کہ وہ آپ کی سیرت کو سیکھیں اور اس پر عمل کریں۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

”کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔“

یہ تب ہی حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور تعلیمات کا مطالعہ کرے۔ یہ حیران کن ہے کہ کتنے مسلمان ان کی پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ان کی زندگی یا تعلیمات کے بارے میں کچھ نہیں ہے۔ جس کی تعلیمات اور کردار سے وہ واقف بھی نہ ہوں اس کی پیروی کیسے کی جائے؟ اس لیے کچھ وقت اور توانائی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی اور تعلیمات کے بارے میں جاننے کے لیے وقف کرنی چاہیے تاکہ وہ بھی اعلیٰ کردار حاصل کر سکیں۔ صبر، شکرگزاری اور سخاوت جیسی مثبت خصوصیات کو اپنانے سے ذہنی سکون حاصل کرنے میں مدد ملے گی، کیونکہ یہ انہیں متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کی طرف لے جائے گی۔ جبکہ غرور، دشمنی اور حسد جیسی منفی خصوصیات کو اپنانے والا متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرنے میں ناکام رہے گا۔ یہ انہیں ذہنی سکون حاصل کرنے سے روک دے گا۔

جیسا کہ زیر بحث مرکزی واقعہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بنیادی کردار بنی نوع انسان کو صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کی طرف بلانا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے، وہ اکیلا ہی بنی نوع انسان کو اس پر عمل کرنے کے لیے کامل ضابطہ حیات فراہم کر سکتا ہے تاکہ وہ اس کی عطا کردہ نعمتوں کو اسلامی تعلیمات کے مطابق صحیح طریقے سے استعمال کر کے ذہنی سکون حاصل کر سکیں، تاکہ وہ اپنی زندگی میں ہر چیز اور ہر ایک کو صحیح طریقے سے جگہ دیتے ہوئے آخرت میں اپنے احتساب کے لیے مناسب تیاری کر سکیں۔ جبکہ جو شخص اس کے بجائے دوسری چیزوں کی اطاعت کرے گا، جیسے کہ سوشل میڈیا، فیشن اور کلچر، وہ ذہنی سکون حاصل نہیں کر سکے گا کیونکہ ان میں سے کوئی بھی چیز کسی شخص کو عطا کی گئی نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کا مشورہ نہیں دے سکتی، کیونکہ ان چیزوں کے پیچھے لوگوں کے اپنے ایجنڈے اور مقاصد ہوتے ہیں، جیسے دولت

اور سماجی اثر و رسوخ کا حصول۔ جو دوسری چیزوں کی اطاعت کرتا ہے وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو انہیں دی گئی ہیں اور ہر چیز اور ہر چیز کو اپنی زندگی میں غلط جگہ دے گا۔ اس طرح کا برتاؤ اس دنیا یا آخرت میں کبھی بھی ذہنی سکون کا باعث نہیں بن سکتا۔

زیر بحث مرکزی واقعہ میں ان چند باتوں کا بھی ذکر ہے جن کا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو حکم دیا تھا۔ پہلی بات تو سچ بولنا ہے۔ تقریر کو تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلی بری تقریر ہے جس سے ہر حال میں بچنا چاہیے۔ دوسری اچھی تقریر ہے جو مناسب وقت پر بولی جائے۔ تقریر کی آخری قسم فضول تقریر ہے۔ اس قسم کی تقریر کو گناہ یا نیکی نہیں سمجھا جاتا لیکن چونکہ یہ قسم برائی کی طرف لے جاتی ہے اس سے بچنا بھی بہتر ہے۔ مزید برآں، فضول گفتگو ایک شخص کے لیے قیامت کے دن ندامت کا باعث ہو گی جب وہ ان مواقع اور وقت کو دیکھے گا جو اس نے فضول گفتگو میں ضائع کیے تھے۔ اس لیے مسلمان کو چاہیے کہ وہ اچھی بات کہے یا پھر خاموش رہے۔ صحیح مسلم کی حدیث نمبر 176 میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

اگلی چیز جس کا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا وہ یہ تھا کہ امانت کے ساتھ وفاداری کرو۔ اس میں ایک شخص اور اللہ تعالیٰ کے درمیان امانتیں اور وہ امانتیں شامل ہیں جو دوسرے لوگوں کے درمیان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دنیاوی نعمتیں لوگوں کے سپرد کی ہیں۔ اس لیے ان کو ان امانتوں کو صحیح طریقے سے پورا کرتے ہوئے وفادار ہونا چاہیے۔ یہ تب ہی حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے جو انہیں دی گئی ہیں، اسلامی تعلیمات کے مطابق۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا اسے دونوں جہانوں میں برکتیں، رحمتیں اور ذہنی سکون ملے گا۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

اس کے علاوہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسرے لوگوں کی امانتوں کو بھی پورا کرنا چاہیے۔ کسی کو یہ سوچنے میں بے وقوف نہیں ہونا چاہئے کہ جب تک وہ اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان

امانتوں کو پورا کرتے رہیں گے، وہ ان کے اور لوگوں کے درمیان امانتیں توڑ سکتے ہیں۔ انصاف قیامت کے دن قائم ہو گا۔ دوسروں پر ظلم کرنے والا اپنی نیکیاں متاثرین کے حوالے کرنے پر مجبور ہو جائے گا اور اگر ضرورت پڑی تو انصاف کے قیام تک اپنے مظلوموں کے گناہ اٹھانے پر مجبور ہو گا۔ یہ ان کو جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اس لیے ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان اور ان کے اور دوسرے لوگوں کے درمیان امانتوں کو پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اگلی چیز جس کا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا وہ یہ تھا کہ دوسروں پر رحم کرو۔ اسلام کا ایک سادہ سا اصول ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ کیسا سلوک کرتا ہے اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کیسا سلوک کرے گا۔ مثال کے طور پر، اگر کوئی دوسروں کے ساتھ رحم کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے گا۔ جامع ترمذی نمبر 1922 میں ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ لہٰذا انسان کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کرنا چاہتا ہے۔ اس سے وہ لوگوں کے حقوق کی تکمیل کو یقینی بنائے گا، جو اسلام کا ایک انتہائی اہم پہلو ہے۔

اگلی چیز جس کا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا وہ یہ تھا کہ پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اسلام میں کسی شخص کے پڑوسی میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جو مسلمان کے گھر کی طرف ہر سمت چالیس گھروں کے اندر رہتے ہیں۔ اس کی تصدیق امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 109 میں ہوتی ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث نمبر 174 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ، بزرگی اور یومِ آخرت پر ایمان کو پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک سے جوڑ دیا۔ اس لیے اپنے پڑوسی کے ساتھ ہر وقت حسن سلوک کرنا چاہیے۔ یہ سب سے بہتر اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی اپنے پڑوسی کے ساتھ ایسا سلوک کرتا ہے جیسا کہ وہ خود اپنے پڑوسی سے سلوک کرنا چاہتا ہے۔

اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا۔ اسلام ہمیشہ بنی نوع انسان کو ہمہ گیر مشورے دیتا ہے۔ اس معاملے میں، اسلام اکثر اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کرتا ہے، کیونکہ صرف اس ایک نصیحت پر عمل کرنے سے ہی معاشرے میں خوشحالی، امن اور انصاف یقینی ہو گا۔ اگر ہر شخص اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرے تو کبھی کسی بیرونی ذریعہ سے کسی اور امداد کی ضرورت

نہیں پڑے گی۔ یہ یقینی بنائے گا کہ خاندان کی ہر اکائی کے ہر فرد کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، جس کے نتیجے میں پورے معاشرے پر مثبت اثرات مرتب ہوں گے۔

ضروری ہے کہ اپنے رشتہ داروں کی ہر اس چیز میں مدد کرے جو اسلام میں قابل تعریف ہے اور انہیں ہر اس چیز سے خبردار کرے جو قابلِ ملامت ہو۔ باب 5 المائدة، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

افسوس کی بات ہے کہ آج بہت سے مسلمان اس نصیحت کو نظر انداز کرتے ہیں اور اس کے بجائے دوسروں کی مدد کرتے ہیں ان کے ساتھ اپنے تعلق کے مطابق، اس بات سے قطع نظر کہ جس چیز میں وہ ان کی مدد کر رہے ہیں وہ اچھی ہے یا بری۔ ایک مسلمان کو مندرجہ ذیل آیت میں بتائی گئی ترتیب پر عمل کرنا چاہیے اور اپنے رشتہ داروں کی صرف ان چیزوں میں مدد کرنا چاہیے جن کا براہ راست تعلق اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت سے ہے۔ باب 2 البقرہ، 83:

اللہ کے سوا عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ نیکی کرو اور رشتہ داروں کے ساتھ‘‘۔ ’’

اپنے رشتہ داروں کو ان کے وسائل کے مطابق مدد کرنی چاہیے، جس میں جذباتی، جسمانی اور مالی مدد شامل ہے۔ یہ سب سے بہتر اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرتا ہے جیسا وہ چاہتا ہے کہ دوسرے لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ لوگوں کے ذریعہ بیان کردہ اچھے رشتہ دار کے معیار اور تعریف پر زیادہ توجہ نہیں دینی چاہئے ، کیونکہ ان کا معیار اور تعریف اکثر اسلام کے مقرر کردہ تعریف اور معیار سے متصادم ہوتی ہے۔ اس کے بجائے، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اسلام کی تعلیمات کے مطابق رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے چاہئیں، خواہ وہ رشتہ دار ان کو اچھا رشتہ دار سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ آخر میں، ایک مسلمان کو اپنے رشتہ داروں سے دنیاوی وجوہات کی بنا پر کبھی بھی رشتہ نہیں توڑنا چاہیے، جیسا کہ حضرت محمد

صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 5984 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص اپنے رشتہ داروں سے دنیوی وجوہات کی بنا پر تعلق توڑے گا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ اس کے علاوہ، اگرچہ ایک مسلمان اپنے رشتہ دار سے مذہبی وجوہات کی بناء پر تعلقات منقطع کر سکتا ہے، لیکن یہ بہتر ہے کہ اپنے رشتہ دار سے اچھے کاموں میں ان کی مدد کر کے اور برے کاموں میں ان کو تنبیہ کرتے ہوئے تعلقات قائم رکھے، کیونکہ اس سے ان کے رشتہ دار کو اپنی گمراہی سے سچی توبہ کی ترغیب مل سکتی ہے۔

اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرض نمازوں کو قائم کرنے کا حکم دیا۔ فرض نمازوں کو قائم کرنے میں ان کی مکمل شرائط اور آداب کے ساتھ ادا کرنا بھی شامل ہے، جیسے کہ وقت پر پڑھنا۔ فرض نمازوں کا قیام قرآن پاک میں اکثر دہرایا گیا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کا سب سے اہم عملی ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ، جیسا کہ روزانہ کی نمازیں تمام پھیلی ہوئی ہیں، یہ روزِ قیامت کی مستقل یاد دہانی کے طور پر کام کرتی ہیں اور عملی طور پر اس کی تیاری کرتی ہیں، کیونکہ فرض نماز کا ہر مرحلہ قیامت سے جڑا ہوا ہے۔ جب کوئی صحیح معنوں میں کھڑا ہوتا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح کھڑا ہوتا ہے۔ باب 83 المطففین، آیات 4-6:

"کیا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے، ایک عظیم دن کے لیے جس دن انسان رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے؟"

جب وہ جھکتے ہیں، تو یہ انہیں بہت سے لوگوں کی یاد دلاتا ہے جن پر قیامت کے دن تنقید کی جائے گی کہ انہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ نہ کیا۔ باب 77 المرسلات، آیت 48:

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رکوع کرو تو وہ رکوع نہیں کرتے۔

اس تنقید میں زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو عملی طور پر تسلیم نہ کرنا بھی شامل ہے۔ جب کوئی نماز میں سجدہ کرتا ہے تو یہ انہیں یاد دلاتا ہے کہ کس طرح لوگوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے کی دعوت دی جائے گی۔ لیکن وہ لوگ جنہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران اسے صحیح طریقے سے سجدہ نہیں کیا، جس میں ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اس کی اطاعت شامل ہے، وہ قیامت کے دن ایسا نہیں کر سکیں گے۔ باب 68 القلم، آیات 42-43:

"جس دن حالات سنگین ہو جائیں گے، انہیں سجدہ کرنے کی دعوت دی جائے گی، لیکن ایسا کرنے سے روکا جائے گا، ان کی نظریں جھکی ہوئی ہوں گی، ذلت ان پر چھائی ہوئی ہے، اور انہیں سجدے کی طرف بلایا جاتا تھا جب وہ ٹھیک تھے۔"

جب کوئی نماز میں گھٹنوں کے بل بیٹھتا ہے تو یہ انہیں یاد دلاتا ہے کہ وہ کس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے آخری فیصلے سے ڈرتے ہوئے اس مقام پر بیٹھے ہوں گے۔ باب 45 الجثیہ، آیت 28:

اور تم ہر امت کو گھٹنے ٹیکتے ہوئے دیکھو گے اور ہر قوم کو اس کے اعمال نامے کی طرف بلایا جائے گا کہ آج تمہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

جو ان عناصر کو ذہن میں رکھ کر نماز پڑھے گا وہ اپنی نماز کو صحیح طور پر قائم کرے گا۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ نماز کے درمیان خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ باب 29 العنکبوت، آیت 45:

‘‘...بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے’’

اس اطاعت میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو راضی کرنے کے طریقے سے عطا کی گئی ہیں جیسا کہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

اگلی چیز جس کا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا وہ یہ تھا کہ صدقہ کرو۔ واجب صدقہ کسی کی مجموعی آمدنی کا صرف ایک چھوٹا سا حصہ ہے اور صرف اس صورت میں دیا جاتا ہے جب کسی کے پاس ایک مقررہ رقم ہو۔ واجب صدقہ دینے کا ایک مقصد یہ ہے کہ یہ ایک مسلمان کو یاد دلائے کہ جو مال ان کے پاس ہے وہ ان کا نہیں ہے، ورنہ وہ اسے اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرنے میں آزاد ہوں گے۔ دولت ان کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے پیدا کی ہے اور عطا کی ہے اس لیے اس کا استعمال اس کی رضا کے مطابق ہونا چاہیے۔ درحقیقت ہر نعمت صرف ایک قرض ہے جو اس کے حقیقی مالک اللہ تعالیٰ کو ادا کرنا ضروری ہے۔ یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص ان نعمتوں کو استعمال کرتا ہے جو وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ جو شخص اس حقیقت کو نہ سمجھے اور اس کے بدلے یہ برتاؤ کرے کہ گویا ان کو دی گئی نعمتیں، جیسے کہ ان کا مال، ان کا ہے اور اس لیے صدقہ فطر دینے سے باز رہے، اس کو ایسے ہی عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا جس طرح دنیاوی قرض کی ادائیگی میں ناکام رہنے والے کو عذاب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر صحیح بخاری نمبر 1403 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص اپنے واجب صدقات کو صدقہ نہ کرے اسے قیامت کے دن ایک بڑے زہریلے سانپ کا سامنا کرنا پڑے گا جو اسے مسلسل کاٹے گا۔ باب 3 علی عمران، آیت 180:

’’اور جو لوگ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جو کچھ ان کو دیا ہے اس سے باز رہنے والے ہرگز یہ نہ سوچیں کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے، بلکہ یہ ان کے لیے بدتر ہے، قیامت کے دن ان کی گردنوں میں وہ چیز گھیرے گی جس سے انہوں نے روک رکھا تھا‘‘۔

اس دنیا میں جس دولت پر وہ واجب صدقہ دینے میں ناکام رہتے ہیں وہ ان کے تناؤ اور مصائب کا باعث بن جائے گا، کیونکہ وہ یہ یاد رکھنے میں ناکام رہے کہ اللہ تعالیٰ کا ان کو عطا کردہ نعمتوں پر حق ہے۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے" قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اگلی چیز جس کا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا وہ یہ تھا کہ صدقہ کرو۔

اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزے رکھنے کا حکم دیا۔

سنن نسائی نمبر 2219 میں موجود الہی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ تمام اعمال صالحہ جو لوگ انجام دیتے ہیں سوائے روزے کے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور وہ اس کا براہ راست بدلہ دے گا۔

یہ حدیث روزے کی انفرادیت پر دلالت کرتی ہے۔ اس کے اس انداز میں بیان ہونے کی ایک وجہ یہ ،ہے کہ باقی تمام اعمال صالحہ لوگوں کو نظر آتے ہیں، جیسے نماز، یا وہ لوگوں کے درمیان ہیں جیسے خفیہ صدقہ۔ جبکہ، روزہ ایک منفرد نیک عمل ہے، کیونکہ دوسرے یہ نہیں جان سکتے کہ کوئی شخص صرف روزہ رکھنے سے روزہ رکھتا ہے۔

اس کے علاوہ، روزہ ایک نیک عمل ہے جو اپنے آپ کے ہر پہلو پر قفل لگاتا ہے۔ یعنی جو شخص صحیح طریقے سے روزہ رکھتا ہے اسے زبانی اور جسمانی گناہوں سے روک دیا جائے گا جیسے کہ حرام چیزوں کو دیکھنا اور سننا۔ یہ بھی نماز کے ذریعے حاصل ہوتا ہے لیکن نماز صرف

تھوڑی دیر کے لیے ادا کی جاتی ہے اور دوسروں کو دکھائی دیتی ہے جبکہ روزہ دن بھر ہوتا ہے اور دوسروں کو نظر نہیں آتا۔ باب 29 العنکبوت، آیت 45:

‘‘...بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے’’

مندرجہ ذیل آیت سے واضح ہوتا ہے کہ جو شخص بغیر کسی جواز کے فرض روزے پورے نہیں کرتا وہ سچا مومن نہیں ہو گا کیونکہ دونوں کا براہ راست تعلق ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 183:

"اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ"

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 723 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ اگر کوئی مسلمان بغیر کسی شرعی وجہ کے ایک فرض روزہ بھی پورا نہ کرے تو اس کے اجر وثواب کی تلافی نہیں ہو سکتی، چاہے وہ ساری زندگی روزے ہی رکھے۔

اس کے علاوہ جیسا کہ پہلے نقل کی گئی آیت سے اشارہ کیا گیا ہے کہ روزہ صحیح طور پر تقویٰ کی طرف لے جاتا ہے۔ یعنی صرف دن کو بھوکا رہنے سے تقویٰ حاصل نہیں ہوتا بلکہ روزے کی حالت میں گناہوں سے بچنے اور اعمال صالحہ کی طرف زیادہ توجہ دینے سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 707 میں موجود حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر کوئی جھوٹ بولنے اور اس پر عمل کرنے سے پرہیز نہ کرے تو روزہ اہم نہیں ہوگا۔ اسی طرح کی ایک حدیث سنن ابن ماجہ نمبر 1690 میں ہے کہ بعض روزہ داروں کو بھوک کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ جب کوئی شخص روزے کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ ہوشیار اور ہوشیار ہو جاتا ہے تو آخرکار یہ عادت ان پر اثر انداز ہوتی ہے اس لیے وہ روزہ نہ رکھتے ہوئے بھی اسی طرح کا برتاؤ کرتے ہیں۔ یہ دراصل حقیقی تقویٰ ہے۔

اس آیت میں جس نیکی کا ذکر پہلے کیا گیا ہے اس کا تعلق روزے سے ہے، کیونکہ روزہ انسان کی بری خواہشات اور شہوتوں کو کم کرتا ہے۔ یہ غرور اور گناہوں کی ترغیب سے روکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ پیٹ کی بھوک اور نفسانی خواہشات کو روکتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں بہت سے گناہوں کو جنم دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ ان دونوں چیزوں کی خواہش دیگر حرام چیزوں کی خواہش سے زیادہ ہے۔ پس جو شخص روزے کے ذریعے ان پر قابو پالے گا اس کے لیے کمزور خواہشات پر قابو پانا آسان ہو جائے گا۔ یہ حقیقی راستبازی کی طرف جاتا ہے۔

جیسا کہ مختصراً پہلے اشارہ کیا گیا، روزے کے مختلف درجات ہیں۔ روزہ کا پہلا اور ادنیٰ درجہ وہ ہے جب کوئی ایسی چیزوں سے پرہیز کرے جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، جیسے کہ کھانا۔ اگلا درجہ ان گناہوں سے پرہیز کرنا ہے جو روزہ کو نقصان پہنچاتے ہیں اور روزے کے ثواب کو کم کر دیتے ہیں، جیسے جھوٹ بولنا۔ سنن نسائی نمبر 2235 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ روزہ جس میں جسم کے ہر عضو کو شامل کیا جائے اگلا درجہ ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب جسم کا ہر عضو گناہوں سے بچتا ہے، مثلاً آنکھ حرام کو دیکھنے سے، کان حرام کو سننے سے، وغیرہ۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی روزہ نہ رکھتے ہوئے بھی اس طرح کا برتاؤ کرے۔ آخر میں، روزہ کا اعلیٰ ترین درجہ ان تمام چیزوں سے پرہیز کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ سے مربوط نہیں ہیں، یعنی کوئی شخص ان نعمتوں کو استعمال کرنے سے گریز کرتا ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں، جیسے کہ ان کا وقت، ایسے طریقوں سے جو گناہ یا باطل ہیں۔

ایک مسلمان کو باطنی طور پر بھی روزہ رکھنا چاہئے جیسا کہ ان کا جسم گناہ یا لغو خیالات سے پرہیز کرتے ہوئے ظاہری طور پر روزہ رکھتا ہے۔ انہیں اپنی خواہشات کے حوالے سے اپنے منصوبوں پر قائم رہنے سے روزہ رکھنا چاہئے اور اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے پر توجہ دینے کی کوشش کرنی چاہئے۔ مزید برآں، انہیں اللہ تعالیٰ کے فرمان کو باطنی طور پر چیلنج کرنے سے روزہ رکھنا چاہیے، اور اس کے بجائے تقدیر کے علاوہ اور جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے، وہ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین انتخاب کرتا ہے، خواہ وہ ان انتخاب کے پیچھے حکمت کو نہ سمجھیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

”لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

آخر میں، ایک مسلمان کو چاہیے کہ اپنے روزے کو پوشیدہ رکھ کر اجر عظیم کا ارادہ کرے اور اگر اس سے بچنا ممکن ہو تو دوسروں کو مطلع نہ کرے، کیونکہ غیر ضروری طور پر دوسروں کو بتانے سے ثواب ضائع ہو جاتا ہے کیونکہ یہ دکھاوے کا ایک پہلو ہے۔

زیر بحث اہم واقعہ ہدایت کے دو منابع :قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی خلوص نیت سے اطاعت اور پیروی کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے، جبکہ دین میں بدعتی چیزوں سے اجتناب کرتا ہے۔ دینی علم کے دوسرے ذرائع پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، خواہ وہ نیکیوں کی طرف لے جائے، وہ ہدایت کے دو ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا، جو کہ گمراہی کا باعث بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ ہر وہ چیز جس کی جڑیں ہدایت کے دو منابع میں نہ ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رد کر دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ، مذہبی علم کے دوسرے ذرائع پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، اتنا ہی وہ ان چیزوں پر عمل کرنے لگے گا جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہیں۔ اس طرح شیطان قدم قدم پر لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، مشکلات کا سامنا کرنے والے شخص کو کچھ ایسی روحانی مشقیں کرنے کا مشورہ دیا جائے گا جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم اور چیلنج ہوں۔ چونکہ یہ شخص جاہل ہے اور اسے دینی علم کے دوسرے ذرائع پر عمل کرنے کی عادت ہے، اس لیے وہ آسانی سے اس جال میں پھنس جائیں گے اور ایسی روحانی مشقیں کرنے لگیں گے جو براہ راست اسلام کی تعلیمات کو چیلنج کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور کائنات کے بارے میں ایسی باتوں پر بھی یقین کرنے لگیں گے جو اسلام کی تعلیمات سے بھی متصادم ہیں، جیسے کہ ماننے والے لوگ یا مافوق الفطرت مخلوق اپنی تقدیر کو کنٹرول کر سکتے ہیں، کیونکہ ان کا علم ہدایت کے دو ذرائع کے علاوہ کسی اور سے لیا گیا ہے۔ ان گمراہ کن طریقوں اور عقائد میں سے کچھ واضح کفر ہیں، جیسے کالا جادو کرنا۔ باب 2 البقرہ، آیت 102:

”سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا بلکہ شیاطین نے کفر کیا، لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر نازل ہوا تھا، لیکن وہ [یعنی دونوں فرشتے] کسی کو نہیں سکھاتے جب تک کہ یہ نہ کہیں کہ "ہم آزمائش ہیں، اس لیے کفر نہ کرو" [جادو کرکے]۔

اس لیے ایک مسلمان اس کا احساس کیے بغیر بھی اپنا ایمان کھو سکتا ہے، کیونکہ انھیں مذہبی علم کے دوسرے ذرائع پر عمل کرنے کی عادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی مذہبی بدعات پر عمل کرنا جن کی جڑیں ہدایت کے دو ذرائع میں نہیں ہیں، شیطان کے نقش قدم پر چلنا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 208:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔"

خدائی حفاظت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی ایتھوپیا کی طرف ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ وہ اطمینان سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکیں۔ صحیح بخاری نمبر 3905 میں موجود حدیث کے مطابق جب وہ مکہ سے ایک خاص فاصلے پر پہنچے تو مکہ کے ایک غیر مسلم رئیس ابن ادثینہ سے ملاقات ہوئی۔ جب دونوں نے بات کی تو ابن داغینہ نے تبصرہ کیا کہ ان جیسے اچھے انسان کو اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا جانا چاہیے۔ ابن داغینہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعض اعلیٰ خصائل کو بیان کیا، جن میں یہ شامل ہیں :ضرورت مندوں اور غریبوں کی مدد کے لیے ان کا جذبہ، رشتہ داریوں کو برقرار رکھنا اور غم زدہ کی مدد کرنا۔ اس کے بعد ابن ادثینہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مکہ واپس آنے کی ترغیب دی جہاں وہ انہیں مکہ کے غیر مسلموں سے اپنی حفاظت کی پیشکش کریں گے۔ جب وہ دونوں واپس آئے تو مکہ کے غیر مسلموں کے قائدین نے ابن الدغنہ کے مطالبات سے اتفاق کیا لیکن اصرار کیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کی رازداری میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور عبادت کریں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے اتفاق کیا لیکن اپنے گھر کے سامنے ایک مسجد بنائی جہاں وہ نماز پڑھتے تھے اور قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے جسے راہگیر سن سکتے تھے۔ جب مکہ کے غیر مسلموں کے سرداروں نے اس پر ابن ادثینہ کو للکارا تو اس نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ وہ یا تو اللہ تعالیٰ کی عبادت تنہائی میں کریں یا انہیں اپنے تحفظ کے وعدے سے آزاد کر دیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں رہا کر دیا اور اس کے بجائے اللہ رب العالمین سے پناہ مانگی۔

اس واقعہ سے بہت سے سبق سیکھے جا سکتے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمیشہ ضرورت مندوں کی مدد کے لیے کوشاں رہتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی مسلسل نصرت حاصل کرنے کا یہ ایک آسان طریقہ ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6853 میں ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی مسلسل نصرت حاصل ہو، وہ آسانی اور مشکلات پر قابو پا لیتا ہے تاکہ اسے دونوں جہانوں میں سکون قلب اور برکات حاصل ہوں۔ جیسا کہ ضرورت مندوں کی مدد میں جذباتی، مالی اور جسمانی مدد شامل ہوتی ہے، اس لیے دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی مسلسل حمایت حاصل کرنے کے لیے کسی کو بھی دوسروں کی مدد نہ کرنے کا کوئی عذر نہیں چھوڑا جاتا۔

اس کے علاوہ، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ رشتہ داری کو برقرار رکھا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اس کا پورے معاشرے پر کیا مثبت اثر پڑتا ہے۔ اگر ہر خاندان اپنے رشتہ داروں کے حقوق

ادا کرے تو معاشرے کے لوگوں کی اکثریت کو کسی اور کی مدد کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اپنے رشتہ داروں کو اچھی باتوں میں مدد کرنی چاہیے اور انہیں بری چیزوں سے خبردار کرنا چاہیے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

انہیں اپنے رشتہ داروں سمیت کسی اور کے ساتھ اپنی وفاداری پر اللہ تعالیٰ کی وفاداری کو اہمیت دینی چاہیے۔ یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی اپنے رشتہ داروں کو صحیح طریقے سے اپنی زندگی میں اسلام کی تعلیمات کے مطابق رکھتا ہے۔ اس سے وہ اپنے رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کو یقینی بنائے گا اور اس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں بے شمار اجر حاصل ہوں گے۔

آخر میں زیر بحث اہم واقعہ اپنے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہ تب حاصل ہوتا ہے جب کوئی سچے دل سے اس کی اطاعت کرتا ہے۔ اس میں ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنا شامل ہے جو ایک کو عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا اسے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور مدد حاصل ہوگی۔ باب 65 میں طلاق، آیت 2:

‘‘اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔’’

لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ مدد اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم اور حکمت کے مطابق ہے نہ کہ لوگوں کی خواہشات کے مطابق۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے نظام الاوقات کے مطابق آئے گی اور اس طریقے سے آئے گی جو انسان کے لیے بہترین ہو، چاہے یہ

ان پر ظاہر نہ ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے، خواہ اس کی مدد ان پر ظاہر نہ ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

شکر گزاری کا ایک سبق

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایتھوپیا کے بادشاہ کی طرف سے بھیجے گئے وفد کے ساتھ ایتھوپیا سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آئے۔ جب یہ وفد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچا تو آپ ذاتی طور پر ان کی خدمت کے لیے اٹھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ بیٹھے رہیں اور انہیں وفد کی خدمت کی اجازت دیں۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ جس طرح انہوں نے آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعظیم کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذاتی طور پر ان کی خدمت کرکے ان کا بدلہ دینا چاہا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 19 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1954 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔

اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام نعمتوں کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے، کسی سے کم نہیں، لوگوں کا شکر ادا کرنا اسلام کا ایک اہم پہلو ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات کسی شخص کو دوسروں کی مدد کے لیے استعمال کرتا ہے، جیسے کہ والدین۔ جیسا کہ اسباب اللہ تعالیٰ نے بنائے اور استعمال کیے، ان کا شکر ادا کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے۔ لہٰذا، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اچھے کردار کا مظاہرہ کریں اور دوسروں کی طرف سے ملنے والی کسی بھی امداد یا مدد کے لیے ہمیشہ قدردانی کا اظہار کریں، چاہے اس کا حجم کچھ بھی ہو۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اس کے حکم کے مطابق استعمال کرتے ہوئے اس کا شکر ادا کرنا چاہئے کیونکہ وہ نعمت کا سرچشمہ ہے اور انہیں چاہئے کہ اس شخص کا شکر ادا کریں جس نے ان کی مدد کی کیونکہ یہ وہ وسیلہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا اور منتخب کیا گیا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ زبانی طور پر لوگوں کا شکر ادا کرے اور عملاً ان کے احسان کا بدلہ ان کے وسائل کے مطابق ادا کرے، چاہے وہ ان کی طرف سے صرف دعا ہی کیوں نہ ہو۔ امام بخاری کی کتاب ادب المفرد نمبر 216 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کی مدد کے ظاہری مظہر کا شکر ادا نہیں کرتا، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو براہِ راست ظاہر کرے گا۔

جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا سچا شکر ادا نہیں کر سکتا، اس لیے اسے نعمتوں میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

اگر کوئی مسلمان نعمتوں میں اضافہ چاہتا ہے تو اسے شکر گزاری کے دونوں پہلوؤں کو پورا کرنا چاہیے، یعنی اللہ تعالیٰ اور لوگوں کا۔

سیدھا راستہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ مکہ کے غیر مسلموں کو بتوں کی پوجا کرتے دیکھا۔ انہوں نے ان پر تنقید کی اور کہا کہ ان کے آباء و اجداد یعنی انبیاء ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام نے اس طرح کا برتاؤ نہیں کیا اور دونوں مسلمان تھے، جنہوں نے صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ غیر مسلموں نے جواب دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں بتوں کی پرستش کرتے ہیں، اور اس لیے کہ وہ انہیں اس کے قریب کرتے ہیں۔ جواب کے طور پر اللہ تعالیٰ نے سورہ 3 علی عمران آیت 31 نازل فرمائی:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

اس پر امام واحدی کی، اصباب النزول، 3:31، صفحہ 32 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کی جڑ آپ کے ساتھ اخلاص ہے۔ صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4:

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7:

’’اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔‘‘

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک ہی حدیث میں ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ساری مخلوق سے زیادہ محبت نہ کرے۔ یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔ اس کا احترام، محبت اور عملی طور پر اس کی پیروی کرنا اس کے لیے مخلص ہونے کا ایک پہلو ہے۔ لیکن یہ آپ کی بابرکت زندگی اور تعلیمات کو سیکھے بغیر ممکن نہیں۔ کسی کی عزت، محبت اور پیروی کیسے کر سکتا ہے جسے وہ جانتا تک نہیں؟ جو شخص اس سے محبت اور احترام کا دعویٰ کرتا ہے لیکن عملی طور پر اس کی پیروی کرنے میں ناکام رہتا ہے وہ ان کے دعوے میں بے ایمان ہے۔

حق کا دفاع کرنا

ابوجہل نے ایک دفعہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نقصان پہنچایا۔ حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، جب انہوں نے سنا کہ ان کے بھائی نے ان کے بھتیجے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نقصان پہنچایا ہے، غصے میں آگئے۔ نتیجتاً اس نے ابوجہل پر حملہ کر کے اسے زخمی کر دیا اور پھر کھلے عام اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ جس دن حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا مسلمان اس سے زیادہ مضبوط ہو گئے۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 282-283 میں بحث کی گئی ہے۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام آیت نمبر 122 نازل فرمائی۔

"اور وہ ہے جو مردہ تھا اور ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کے لیے روشنی پیدا کی جس سے وہ لوگوں کے درمیان چلتے پھرتے ہیں جیسا کہ اندھیروں میں ہے، کبھی اس سے نکلنے والا نہیں، اس طرح کافروں کے لیے یہ خوشنما بنا دیا گیا جو وہ کر رہے تھے۔"

اس پر امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ، اصباب النزول، 6:122، صفحہ 79 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ اس بات کو سمجھنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ کوئی معاشرہ اسلام کو نقصان پہنچانے اور اسے لوگوں کے دلوں سے اکھاڑ پھینکنے کی کتنی ہی کوشش کرے ، اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت مختلف ذرائع سے کرے گا، جیسا کہ مخلص مسلمان۔ باب 61 الصف، آیت 8:

وہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دینا چاہتے ہیں، لیکن اللہ اپنے نور کو مکمل کر کے رہے "گا، اگرچہ کافروں کو یہ ناپسند ہی کیوں نہ ہو۔"

اس لیے مسلمان قوم کی حالت دیکھ کر ہمت نہیں ہارنا چاہیے۔ اس کے بجائے، وہ ان ذرائع میں سے ایک بننے کی کوشش کریں جس سے اللہ تعالیٰ اسلام کو مضبوط کرتا ہے۔ یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ بیرونی دنیا میں اسلام کی صحیح نمائندگی کرتے ہیں۔ اس کی جڑ قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ اسلام کی اس طریقے سے نمائندگی کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اس لیے قیامت کے دن ان سے سوال کیا جائے گا۔

جہالت اور اس کے لوگ

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں کھلے عام اسلام کی تبلیغ کر رہے تھے تو عیسائی عیسائی ان کے پاس آئے اور ان سے اسلام کے بارے میں سوال کیا۔ ان کے سوالات 20 کے جوابات دینے اور انہیں قرآن پاک کی تلاوت کرنے کے بعد انہوں نے اسلام قبول کیا کیونکہ انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانیوں کو پہچان لیا جو ان کے آسمانی صحیفوں میں درج ہیں اور قرآن پاک کو اس طرح پہچانا کہ وہ اس کے مصنف اللہ تعالیٰ سے واقف تھے۔ جب وہ اسے چھوڑنے کے لیے اٹھے تو مکہ کے غیر مسلم سردار ابو جہل نے ان کا راستہ روک دیا اور یہ دعویٰ کر کے ان کی توہین کی کہ وہ اپنا صحیح عقیدہ چھوڑ چکے ہیں۔ انہوں نے سادگی سے جواب دیا کہ وہ واپس اس کی توہین نہیں کریں گے اور اس کے بجائے اسے سلام کرتے ہوئے اسے چھوڑ دیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید کی 28 سورت القصص، آیات 52-55 نازل کی:

جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس پر ایمان لانے والے ہیں اور جب ان پر یہ کتاب پڑھی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں۔ بے شک یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے۔ بے شک ہم اس سے پہلے بھی مسلمان تھے۔ ان لوگوں کو ان کا اجر دوگنا دیا جائے گا جو انہوں نے صبر کیا اور برائی کو بھلائی سے روکتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جب وہ بری بات سنتے ہیں تو اس سے منہ موڑ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال۔ تم پر سلامتی ہو گی۔ ہم جاہلوں کی تلاش نہیں کرتے۔"

یہ واقعہ امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 2، صفحہ 24-25 میں درج ہے۔

باب 25 الفرقان آیت 63 سے مربوط ہے یہ واقعہ:

‘‘اور جب جاہل ان سے]سختی سے [خطاب کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے ہیں۔ ’’

خاص طور پر، جب لوگ احمقانہ انداز میں کام کرتے ہیں تو وہ اسی طرح جواب نہیں دیتے۔ اس کے بجائے وہ صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہیں اور ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں جو ان کے قول و فعل سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایک بے وقوف شخص کو جو بہترین جواب دے سکتے ہیں وہ انہیں سکون سے چھوڑ دینا ہے کیونکہ انہیں برے طریقے سے جواب دینا ہی انہیں حوصلہ دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اپنا دفاع نہیں کرتے جیسا کہ اسلام اس کی اجازت دیتا ہے بلکہ انہوں نے کمزوری کے بغیر عاجزی اختیار کی ہے۔ وہ ان لوگوں پر اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے جو صرف مصیبت کی تلاش میں ہیں۔ اسلام میں جہالت ایک ناپسندیدہ خصوصیت ہے اور اس کی ایک وجہ ہے کہ علم حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے، جاہل احساس کے بغیر بھی گناہ کرتے ہیں، اس لیے رحمٰن کے سچے بندے اس کے لوگوں سے بچتے ہیں اور اس خصلت کو قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطالعہ کے لیے وقف کرتے ،ہیں اور ان تعلیمات کے ذریعے اپنی زندگیوں کو اپنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ باب 39 از زمر :آیت 9

"کہو، "کیا جاننے والے برابر ہیں جو نہیں جانتے؟..."

،قرآن کریم نے واضح کر دیا ہے کہ جاہل شخص حقیقی تقویٰ حاصل نہیں کر سکتا۔ باب 35 فاطر :آیت 28

اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں‘‘۔ ’’

اس لیے کہ اسلامی تعلیمات میں بتائی گئی اچھی خصلتوں کو اپنانے اور برے خصلتوں سے بچنے کے لیے علم کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی کسی برے خصلت سے ناواقف ہے تو وہ اسے اپنے کردار سے کیسے دور کر سکتا ہے؟

کسی کو صرف اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے بلکہ علم رکھنے والوں کا ہمیشہ احترام کرنا چاہیے کیونکہ یہ غرور سے دور رہتا ہے۔

قرآن پاک مسلمانوں کو جاہلوں کی صحبت سے دور رہنے کی نصیحت کرتا ہے کیونکہ وہ صرف اپنے دوستوں کو فضول یا برائی کی طرف ترغیب دے سکتے ہیں۔ باب 28 القصص، آیت 55:

جب وہ بری بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لیے ہمارے اور اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال۔ تم پر سلامتی ہو گی۔ ہم جاہلوں کی تلاش نہیں کرتے۔"

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی جاہلوں کو نصیحت یا تعلیم نہ دے بلکہ یہ بات ان پڑھے لکھے مسلمانوں پر چھوڑ دی جائے جنہوں نے اسلام کے پیغام کو صحیح طریقے سے پھیلانے کے لیے درکار صحیح خصوصیات کو اپنایا ہو۔

حقیقی جاہل وہ نہیں ہے جس کے پاس علم نہ ہو۔ حقیقت میں جاہل وہ ہے جو اپنے علم پر عمل نہ کرے۔ ایسا شخص زیادہ علم رکھنے کے باوجود جاہل ہے۔ علم پر عمل کرنا وہ علم ہے جو نفع بخش ہے۔ باقی سب کچھ صرف زبان کا علم ہے جو اس کے مالک کو فائدہ نہیں دے گا۔ درحقیقت یہ علم قیامت کے دن انسان کے خلاف گواہی دے گا۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اسلامی علم سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں اور ایسے علم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگیں جس سے کوئی فائدہ نہ ہو جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 3843 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔

اسلام کی مضبوطی۔

اسلام قبول کرنے سے پہلے، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو مکہ کے غیر مسلموں کے رہنماؤں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی ترغیب دی تھی۔ جب وہ اپنی تلوار لے کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں ان کی مجلس سے نکلا تو نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی جنہوں نے اپنی توجہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہٹانے کی کوشش کی۔ اس نے عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بتا کر ڈانٹا کہ ان کے اپنے خاندان کے افراد اسلام قبول کر چکے ہیں :ان کی بہن، بہنوئی اور کزن۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر اپنی بہن کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ اس نے انہیں قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے سنا اور اس کے گھر میں داخل ہونے کے بعد انہوں نے شروع میں انکار کیا کہ وہ کیا کر رہے تھے۔ آخرکار انہوں نے اپنے ،اسلام کا اعلان کر دیا حالانکہ اس کی وجہ سے عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں مارا پیٹا تھا۔ آخر کار عمر رضی اللہ عنہ پرسکون ہو گئے اور انہوں نے اپنی بہن سے درخواست کی کہ وہ اسے دکھائیں کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ اس نے اسے حکم دیا کہ پہلے اپنے آپ کو دھو لے، کیونکہ وہ ناپاک تھا۔ اس کے بعد آپ نے وہ کاغذ لیا جو وہ پڑھ رہے تھے اور قرآن پاک کی سورہ 20 طہٰ کی تلاوت کرنے لگے۔ اس کی تلاوت کے دوران ایمان کی روشنی اس کے روحانی قلب میں داخل ہو گئی۔ پھر اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ٹھکانے کے بارے میں پوچھا۔ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ گھر کے اندر چھپے ہوئے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے روحانی قلب میں داخل ہونے والی حقیقت کو دیکھ کر آپ نے اپنے آپ کو ظاہر کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کے بارے میں بتایا جو ان کی رہنمائی یا ابوجہل کی رہنمائی کے لیے کی گئی تھی۔ یہ دعا جامع ترمذی نمبر 3681 میں موجود حدیث میں مذکور ہے، عمر رضی اللہ عنہ پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف تشریف لے گئے ، جو اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام پر پہنچے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ شروع میں خوفزدہ ہوئے لیکن آپ رضی اللہ عنہ کو اندر جانے دیا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ لیا، لیکن بعد والوں نے انہیں جانے کا حکم دیا۔ پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کی نیت دریافت کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام کا اعلان کیا۔ اس پر امام محمد السلّابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 51-56 میں بحث کی گئی ہے۔

جس طرح عمر رضی اللہ عنہ کی بہن جبر و ستم کے باوجود اپنے عقیدے پر ثابت قدم رہی، اسی طرح مسلمانوں کو سماجی دباؤ اور تنقید کے باوجود بھی اسلام پر عمل کرنے سے باز نہیں آنا چاہیے۔ مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات کو سیکھنا اور ان پر عمل کرنا چاہیے تاکہ وہ اسلام کے احکام کے پیچھے موجود حکمتوں کو سمجھ سکیں تاکہ وہ ان پر ثابت قدم رہیں۔ جبکہ اسلامی علم سے ناواقفیت صرف اس وقت اپنے ایمان پر شک کرنے کا باعث بنے گی جب اسے دوسرے لوگ چیلنج کریں گے۔ بات یہ نہیں ہے کہ اسلام کی حقانیت کے بارے میں دوسروں سے بحث کی جائے بلکہ اسلامی ضابطہ حیات کے مطابق زندگی گزاریں اور اس بات پر یقین رکھتے ہوئے کہ یہ علم اور شواہد کے ذریعے حق ہے۔ یہ کسی کو سماجی دباؤ میں گرنے سے روکے گا جس کا مقصد مسلمانوں کو اسلام پر عمل کرنے سے روکنا ہے۔ تمام مسلمانوں کو اس طاقت کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور آنے والی نسلوں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دینی چاہیے۔

ایک اور بات قابل غور ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھلے اور غیر جانبدارانہ ذہن کے ساتھ قرآن پاک کا مطالعہ کیا تو اس کے واضح دلائل کو قبول کیا۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ کھلے ذہن کے ساتھ اسلام کی تعلیمات کا مطالعہ کرتے ہوئے ان کے نقش قدم پر چلیں تاکہ وہ بھی اس میں مذکور اسلام کے واضح دلائل کو سمجھ سکیں۔ اس سے ایمان کا یقین پیدا ہوتا ہے۔ یقین کا یقین اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ہر حال میں، خواہ آسانی ہو یا مشکل، اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہیں۔ اس اطاعت میں ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں۔ یہ بدلے میں ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کا باعث بنتا ہے اور انہیں ہر چیز اور ہر چیز کو اپنی زندگی کے اندر صحیح طریقے سے رکھنے میں مدد کرتا ہے جبکہ قیامت کے لیے مناسب طریقے سے تیاری کرتے ہیں۔ یہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔

حق پر عمل کرنا

جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ کھلے عام نماز ادا کرنے پر آمادہ کیا۔ اس سے پہلے ایسا کرنا ممکن نہیں تھا کیونکہ ان کی تعداد، سماجی طاقت اور اثر و رسوخ کمزور تھا۔ مکہ کے غیر مسلموں نے عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ دیکھ کر ان پر حملہ کرنے کی ہمت نہ کی۔ اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فاروق کا لقب دیا، یعنی حق و باطل میں فرق کرنے والا۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 63 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں سچائی کو اپناتے ہوئے اس کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچائی کی اہمیت اور جھوٹ سے اجتناب فرمایا۔ پہلا حصہ نصیحت کرتا ہے کہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے جو بدلے میں جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب کوئی شخص سچائی پر قائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سچا شخص لکھتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سچائی تین سطحوں کے طور پر۔ پہلا وہ ہے جب کوئی شخص اپنی نیت اور اخلاص میں سچا ہو۔ یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں اور شہرت جیسے باطل مقاصد کے لیے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ درحقیقت یہی اسلام کی بنیاد ہے کیونکہ ہر عمل کا فیصلہ نیت پر ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ کسی کے اخلاص کی دلیل یہ ہے کہ وہ دوسروں کے شکر گزاری کی خواہش اور امید نہ رکھے۔

اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی اپنے الفاظ کے ذریعے سچا ہو۔ حقیقت میں اس کا مطلب ہے کہ وہ ہر قسم کے زبانی گناہوں سے بچتے ہیں نہ کہ صرف جھوٹ۔ جیسا کہ دوسرے زبانی گناہوں میں ملوث ہونے والا حقیقی سچا نہیں ہو سکتا۔ اس کے حصول کا ایک بہترین طریقہ جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود حدیث پر عمل کرنا ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ انسان اپنے اسلام کو صرف اسی صورت میں بہترین بنا سکتا ہے جب وہ ان چیزوں میں ملوث ہونے سے گریز کرے جن سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ زبانی گناہوں کی کثرت اس لیے ہوتی ہے کہ مسلمان کسی ایسی بات پر بحث کرتا ہے جس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ اس میں فضول باتوں سے پرہیز کرنا بھی شامل ہے، کیونکہ یہ اکثر گناہ کی بات کا باعث بنتا ہے اور کسی کے قیمتی وقت کا ضیاع ہے، جو قیامت کے دن ان کے لیے باعث ندامت ہوگا۔ سچائی کے اس درجے کو کوئی اچھا کہہ کر یا خاموش رہنے سے اختیار کر سکتا ہے۔

آخری مرحلہ اعمال میں سچائی ہے۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بغیر کسی خوشامد کے چناؤ یا اسلام کی تعلیمات کی غلط تشریح کیے جو کسی کی خواہشات کے مطابق ہو۔ انہیں تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ درجہ بندی اور ترجیحی ترتیب کی پابندی کرنی چاہیے۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ ہر اس نعمت کو استعمال کرے گا جو اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں۔

سچائی کے ان درجات کے برعکس یعنی جھوٹ بولنے کے نتائج، زیر بحث مرکزی حدیث کے مطابق یہ ہیں کہ یہ معصیت کی طرف لے جاتا ہے جس کے نتیجے میں جہنم کی آگ لگ جاتی ہے۔ جب کوئی اس رویہ پر قائم رہے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا لکھا جائے گا۔ تین درجات کے مطابق جن کا پہلے ذکر کیا گیا ہے، نیت میں جھوٹ بولنے میں اللہ تعالیٰ سے بے نیاز ہونا اور لوگوں کی خاطر نیک اعمال کرنا شامل ہے۔ تقریر میں جھوٹ بولنے میں ہر قسم کی گناہ والی بات شامل ہے۔ اعمال میں جھوٹ بولنا گناہوں پر قائم رہنا بھی شامل ہے جس میں اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حقوق کو پامال کرنا شامل ہے۔ جو جھوٹ کے ان تمام درجات پر محیط ہے وہ بڑا جھوٹا ہے اور یہ فیصلہ کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں ہے کہ قیامت کے دن اس شخص کے ساتھ کیا ہو گا جسے اللہ تعالیٰ نے بڑا جھوٹا لکھا ہے۔

ایک مختلف راستے کا انتخاب

اسلام قبول کرنے کے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے ماموں ابو جہل کے پاس گئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ ابوجہل غصے سے اپنے گھر میں داخل ہوا اور دروازہ منہ پر مارا۔ ایسا ہی ہوا جب وہ مکہ کے غیر مسلموں میں سے ایک اور بزرگ کے پاس گیا۔ اس پر امام محمد السلّابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 57 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ عام طور پر جب کوئی ایسا راستہ چنتا ہے جو دوسروں کے راستے سے مختلف ہو، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست، تو انہیں ان کی طرف سے تنقید اور مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ درحقیقت تنقید کی اکثریت کسی شخص کے رشتہ داروں کی طرف سے آتی ہے۔ مثال کے طور پر، جب کوئی مسلمان اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے پر زیادہ توجہ دینے کا فیصلہ کرتا ہے اور اگر یہ ایسی چیز ہے جس پر اس کے خاندان نے خود عمل نہیں کیا ہے تو اسے ان کی طرف سے تنقید کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان پر وہ لوگ بے وقوف اور انتہا پسند قرار دیں گے جن کے بارے میں وہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ ان کے راستے پر ان کا ساتھ دیں گے۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس حلال راستے کا انتخاب کرتے ہیں اس پر ثابت قدم رہیں اور اللہ تعالیٰ کی مدد پر بھروسہ رکھیں، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرتے ہوئے ان مشکلات سے نکلنے کے لیے۔

لوگوں کی طرف سے یہ ایک عام ردعمل ہے کیونکہ جب کوئی شخص زندگی میں دوسروں سے مختلف راستے کا انتخاب کرتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اس کا راستہ برا یا برا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس شخص نے ایک مختلف راستہ چنا ہے۔ اگرچہ وہ شخص اس پر یقین نہیں کرتا ہے لیکن صرف یہ مانتے ہوئے ایک مختلف راستہ چنتا ہے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے لیکن پھر بھی انہیں تنقید کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو اپنی قوم کی طرف سے تنقید کا نشانہ بنایا گیا کیونکہ انہوں نے دوسروں کو ایک اور بہتر راستے کی طرف دعوت دی۔

نتیجہ یہ کہ جب تک زندگی میں کسی کا راستہ حلال ہے اسے ثابت قدم رہنا چاہیے اور دوسروں کی تنقید سے باز نہیں آنا چاہیے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنے حالات اور کردار کو بہتر بنانے کی کوشش نہ کریں۔ اس کا مطلب ہے کہ انہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنے حلال انتخاب کی پیروی سے باز نہیں آنا چاہیے۔

اپنی حفاظت کرنا

چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہما معاشرتی طور پر کمزور تھے، وہ خانہ کعبہ میں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے، یہاں تک کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نقصان سے بچایا اور مکہ کے غیر مسلموں سے لڑتے رہے یہاں تک کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو تنہا چھوڑ گئے۔ اس پر امام محمد السلبی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 59 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1931 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص کسی دوسرے مسلمان کی عزت کی حفاظت کرے گا اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے گا۔

جس طرح ایک مسلمان یہ چاہتا ہے کہ دوسرے ان کی موجودگی یا غیر موجودگی میں ان کی عزت کی حفاظت کریں، اسی طرح وہ اپنی موجودگی یا غیر موجودگی میں بھی دوسروں کی عزت کی حفاظت کرے۔ درحقیقت، دوسروں کے لیے وہی پیار کرنا جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے، ایک سچے مومن کی خصوصیت ہے، جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود ایک حدیث کے مطابق۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب کوئی ان کے بارے میں برا کہے، جیسے غیبت یا غیبت، اس سے قطع نظر کہ وہ جو کہہ رہا ہے وہ سچ ہے یا نہیں۔ یہ دوسروں کے عیبوں کو چھپانے کا ایک پہلو ہے اور دونوں جہانوں میں ان کے عیب چھپا کر اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 225 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ اس طرح کا برتاؤ کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں سے محبت کا واضح ثبوت ہے، جو کہ ایک خصوصیت ہے جو جنت تک لے جانے والی حدیث جامع ترمذی نمبر 2688 کے مطابق ہے۔

زیر بحث اہم حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو دوسروں کی مدد کرنے سے فائدہ ہوتا ہے، لہٰذا اگر وہ دوسروں کی پرواہ کرنے میں بھی مشغول ہوں تو کم از کم اپنے مفاد کے لیے ایسا ہی کرنا چاہیے۔ یہ حقیقت تمام نیک کاموں پر لاگو ہوتی ہے، جیسے صدقہ۔ ایک

شخص صرف اپنے آپ کو اس اجر سے فائدہ اٹھاتا ہے جب وہ اچھے کام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو کسی کی اطاعت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور ضرورت مندوں کو کسی نہ کسی طریقے سے مہیا کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ صرف لوگوں کو دوسروں کی مدد کرکے ثواب حاصل کرنے کا موقع دیتا ہے۔

اس کے علاوہ جو شخص دوسروں کی عزت کا دفاع کرنے میں ناکام رہتا ہے جب کہ اس کے پاس موقع اور طاقت ہو، نقصان کے خوف کے بغیر، اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت اور جگہ میں ان کی عزت کی حفاظت نہیں کرے گا جہاں دوسروں کی طرف سے اس کی خلاف ورزی کی جارہی ہو اور خاص طور پر قیامت کے دن۔

آخر میں، جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث دوسروں کی عزت کی حفاظت کی تلقین کرتی ہے، یہ بالواسطہ طور پر دوسروں کی عزت کو پامال نہ کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث کے مطابق درحقیقت یہ ایک سچے مسلمان اور مومن کی نشانی ہے۔ خاص طور پر یہ نصیحت کرتا ہے کہ ایک سچا مسلمان اور مومن دوسروں کے نفس اور مال سے اپنی زبانی اور جسمانی نقصان کو دور رکھے۔

سبحانہ وتعالیٰ کی ولایت

جب حضرت عثمان بن مدعون رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو ان کو بہت زیادہ ستایا گیا۔ وہ ایتھوپیا کی طرف ہجرت کرنے میں کامیاب ہو گیا لیکن بعد میں جب اسے غلط اطلاع ملی کہ مکہ میں مسلمانوں کے لیے حالات بہتر ہو گئے ہیں تو واپس آ گئے۔

مکہ میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی قبائلی وابستگیوں کی وجہ سے غیر مسلموں کے ظلم و ستم سے محفوظ رکھا گیا۔ عثمان بن مدعون رضی اللہ عنہ کو غیر مسلموں کے سرداروں میں سے ایک ولید بن مغیرہ کی حفاظت حاصل تھی۔ ایک موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو برا لگا کہ ایک مشرک ان کی حفاظت کر رہا ہے جبکہ ان کے مسلمان بھائی بہنوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ستایا جا رہا ہے۔ نتیجے کے طور پر، اس نے عوامی طور پر ولید کی طرف سے دی گئی حفاظت سے دستبردار ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک غیر مسلم کے ساتھ جھگڑا ہوا جس کے نتیجے میں اس کی آنکھ زخمی ہوگئی۔ ولید نے اسے یاد دلایا کہ یہ چوٹ نہ ہوتی اگر وہ اس تحفظ کو ختم نہ کرتا جو اس نے اسے بڑھایا تھا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے اطمینان سے جواب دیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں تکلیف پہنچا کر خوش ہوں اور اب اس کی پناہ میں ہوں جو ولید سے زیادہ عزت والا اور طاقتور ہے، یعنی اللہ تعالیٰ۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 413-415 میں بحث کی گئی ہے۔

اس واقعہ سے سب سے پہلے جو چیز نوٹ کی جاتی ہے وہ دوسروں کے لیے محبت کرنے کی اہمیت ہے جو کوئی اپنے لیے چاہتا ہے۔ یہ دراصل صحیح بخاری نمبر 13 میں موجود حدیث کے مطابق مومن کی تعریف ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان اپنی زندگی کو مشکل بنا دے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خلوص دل سے دوسروں کی مدد کرے جس طرح اس کو دیا گیا ہے اسی طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کی ضرورت کے وقت ان کی مدد کریں۔

اہم واقعہ یہ سمجھنے کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت لوگوں کی خواہشات اور سوچ کے مطابق نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی حفاظت اپنے لامحدود علم اور حکمت کے مطابق کرتا ہے اور اس لیے ان طریقوں سے جو لوگوں کے لیے بہترین ہیں اگرچہ

یہ ان کے لیے ظاہر نہ ہو۔ جو اس بات کو سمجھے گا وہ ذہنی سکون حاصل کرے گا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہیں گے، خواہ اس کی حفاظت ان پر ظاہر نہ ہو۔ باب 64 تغابن، آیت 11:

کوئی مصیبت اللہ کے حکم کے بغیر نہیں آتی اور جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے وہ اس کے دل کو" ہدایت دے گا"۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے ایمان کی حفاظت میں دنیاوی حفاظت سے زیادہ فکر مند ہے کیونکہ ایمان وہ انمول زیور ہے جو دونوں جہانوں میں سکون قلب کا باعث ہے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کی حفاظت اس کی مخلصانہ اطاعت سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اس میں ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 2:

"اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا"

ایتھوپیا کی طرف ایک اور ہجرت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو پہلی بار ایتھوپیا کی طرف ہجرت کر کے آئے تھے ان کو غلط اطلاع دی گئی کہ مکہ کے حالات مسلمانوں کے لیے بہتر ہو گئے ہیں۔ نتیجے کے طور پر، ان میں سے بہت سے لوگوں نے مکہ واپس آنے کا فیصلہ کیا تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ حقیقت اس کے برعکس تھی :مکہ کی صورت حال مسلمانوں کے لیے مزید مشکل ہو گئی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر غیر مسلموں کے تشدد اور جارحیت کے بڑھنے کے بعد انہیں ایک بار پھر ایتھوپیا کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی گئی۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 102 میں بحث کی گئی ہے۔

زندگی میں ایک مسلمان کو ہمیشہ یا تو آسانی کے وقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا پھر مشکل کا۔ کوئی بھی شخص کچھ مشکلات کا سامنا کیے بغیر صرف آسانی کے اوقات کا تجربہ نہیں کرتا ہے۔ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اگرچہ تعریف کے اعتبار سے مشکلات کا مقابلہ کرنا مشکل ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حقیقی عظمت اور بندگی کو حاصل کرنے اور اس کے اظہار کا ذریعہ ہیں۔ اس کے علاوہ، زیادہ تر معاملات میں لوگ زندگی کے اہم اسباق سیکھتے ہیں جب انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور پھر جب وہ آسانی کے وقت کا سامنا کرتے ہیں۔ اور لوگ اکثر آسانی کے اوقات کے مقابلے مشکل کے وقت کا سامنا کرنے کے بعد بہتر کے لیے بدل جاتے ہیں۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے صرف اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت اگر کوئی قرآن پاک کا مطالعہ کرے تو وہ سمجھے گا کہ زیر بحث واقعات کی اکثریت مشکلات پر مشتمل ہے۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ حقیقی عظمت ہمیشہ آسانی کے اوقات کا تجربہ کرنے میں مضمر نہیں ہے۔ ،درحقیقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے مشکلات کا سامنا کرنا، اس کے احکام کو بجا لانا اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا ہے۔ اس کی تائید اس حقیقت سے ہوتی ہے کہ اسلامی تعلیمات میں جن بڑی مشکلوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک کا خاتمہ ان لوگوں کے لیے حتمی کامیابی پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ لہٰذا ایک مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنے کی فکر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ صرف ان کے لیے چمکنے کے لمحات ہیں اور سچی اطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی کا اعتراف کرتے ہیں۔ یہ دونوں جہانوں میں حتمی کامیابی کی کلید ہے۔ باب 39 از زمر، آیت 10:

"بے شک، مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا]یعنی حد[..."

شیطانی منصوبوں کا نتیجہ

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف مکہ کے غیر مسلموں کی مزاحمت اور تشدد میں شدت آئی تو غیر مسلم رہنماؤں نے کھلم کھلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب نے اپنے قبیلے کو حکم دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ کے اپنے علاقے میں لے آئیں اور انہیں مکہ کے غیر مسلم سرداروں سے محفوظ رکھیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 27 میں بحث کی گئی ہے۔

کسی کو کبھی بھی برے کام کرنے کی سازش نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ ہمیشہ، کسی نہ کسی طرح، ان پر الٹا فائر ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر یہ نتائج اگلے جہان تک موخر کر دیے جائیں تو آخرکار ان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو نقصان پہنچانا چاہا جیسا کہ وہ اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت، احترام اور پیار چاہتے تھے۔ لیکن یہ واضح ہے کہ ان کی تدبیریں انہیں اپنی خواہش سے دور کر دیتی ہیں۔ باب یوسف، آیت 18 12:

اور وہ اس کی قمیص پر جھوٹا خون لے آئے،]یعقوب [نے کہا، "بلکہ تمہاری جانوں نے تمہیں" "کسی چیز پر آمادہ کیا ہے، اس لیے صبر سب سے زیادہ مناسب ہے۔

جتنی زیادہ برائی کی تدبیریں کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں ان کے مقصد سے دور کر دے گا۔ خواہ وہ ظاہری طور پر اپنی خواہش پوری کر لیں، اللہ تعالیٰ جس چیز کی خواہش کی تھی وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے لعنت بن جائے گا الا یہ کہ وہ سچے دل سے توبہ کریں۔ باب 35 فاطر، آیت 43:

لیکن شیطانی تدبیر سوائے اپنے لوگوں کے گھیرے میں نہیں آتی، پھر کیا وہ پہلے لوگوں کے'' راستے کے سوا انتظار کرتے ہیں؟''

سوشل بائیکاٹ

جب مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کو ابو طالب کے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے منصوبے کا علم ہوا تو انہوں نے معاہدہ کیا کہ وہ ان قبائل کے ساتھ نہ بیٹھیں گے اور نہ تجارت کریں گے اور نہ ہی ان قبائل کے گھروں میں داخل ہوں گے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کر رہے تھے، یہاں تک کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پھانسی کے حوالے کر دیں۔ یہ سماجی بائیکاٹ تین سال تک جاری رہا جس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، حتیٰ کہ قبیلہ ابو طالب کو بھی بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔ ان کے بازار منقطع کر دیے گئے، مکہ کے ان کے علاقے میں کھانے پینے کی اجازت نہیں تھی اور ان کے تمام کاروباری معاملات درہم برہم ہو گئے تھے۔ لیکن بائیکاٹ کے تیسرے سال کے شروع میں مکہ کے غیر مسلموں کی طرف سے بعض افراد نے اس معاہدے پر تنقید کی اور تسلیم کیا کہ وہ رشتہ داریوں کو توڑ رہے ہیں اور حق کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 2، صفحہ 27-28 میں بحث کی گئی ہے۔

مزید برآں، اللہ تعالیٰ نے لکڑی کے کیڑے بھیجے جنہوں نے اس دستاویز پر حملہ کیا جس پر ان کا برائی کا معاہدہ درج تھا۔ انہوں نے ہر وہ چیز ہڑپ کر لی جس کا حوالہ ان کے عہد کا تھا، جو کچھ دستاویز میں رہ گیا وہ شرک، ناانصافی اور رشتہ داریوں کو توڑنے سے متعلق تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمائی، جس کے نتیجے میں آپ نے اپنے چچا ابو طالب کو بتایا۔ ابو طالب اپنے قبیلے کے کچھ افراد کو لے کر خانہ کعبہ کی طرف روانہ ہوئے جہاں یہ دستاویز رکھی گئی تھی۔ اس نے سب سے پہلے غیر مسلموں کے لیڈروں سے بات کی اور انہیں بتایا کہ اس دستاویز کے ساتھ کیا ہوا ہے اور مزید کہا کہ اگر وہ سچ کہہ رہے ہیں تو انہیں اس نشانی کو قبول کرنا چاہئے اور اپنا معاہدہ توڑ دینا چاہئے۔ انہوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ وہ غلط تھا لیکن جب دستاویزات حاصل کی گئیں تو انہوں نے گواہی دی کہ ابو طالب سچ کہہ رہے تھے۔ اس واضح نشانی کے ساتھ بھی انہوں نے نہ صرف اسلام قبول کرنے سے انکار کیا بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے خلاف اور بھی زیادہ متشدد ہو گئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 27-29 میں بحث کی گئی ہے۔

،دوسروں کو اسلام کی طرف دعوت دیتا ہے غور کرنے والی پہلی بات یہ ہے کہ جب بھی کوئی کے غافل طرز بہت سے دوسرے لوگوں نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے تو وہ تحریک ملتی ہے کہ وہ جس طرح بھی ہو سکے کر رہا ہوتا ہے جس سے ایم کو زندگی کو چیلنج

کو جھٹلانے کی بڑی السلام حق کے خلاف مزاحمت کریں۔ تمام پچھلی امتوں نے اپنے انبیاء علیہم
وجہ یہی تھی۔ وہ اپنے طرز زندگی اور خصائل کو ترک نہ کر سکے اور ان کے دفاع میں اللہ تعالیٰ
صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رسول ،عالی مقام ۔ کے خلاف جنگ کرنے کے لیے تیار ہو گئے
کی طرف ہو جب کوئی یہ اہم فرض ادا کرتا ہے تو اسے اپنے رشتہ داروں سمیت دوسروں اس پر
، انبیاء علیہم السلام سے پیش آنے والی بہت سی مشکلات کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔
پھر بھی انہیں بے شمار ،بلند پایہ ۔ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں ،ان پر ہو سلامتی
ان کی قوموں سے انسان کو صرف قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا
اس حقیقت کا مشاہدہ کرنے کے ۔ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے
اور آپ علیہ وآلہ وسلم مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ اس پر درود و سلام ہو ۔ لیے
نمبر 2472 میں جامع ترمذی ایک حدیث میں بیان ہوا ہے۔ ایک بار ،صلی اللہ علیہ وسلم پر درود
۔ اُس سے بڑھ کر ۔ اللہ کی راہ میں ایذاء نہیں پہنچائی گئی کو سے کسی کہ مخلوق میں ہے

ردعمل کو پڑھا لکھا، احترام والا ہونا دوسروں کے برے رویے پر معاملات میں اس طرح کے
: میں ملتی ہے 47-46 آیات ، اس کی ایک مثال باب 19 مریم اور نرم چاہیے۔

]اس کے باپ [نے کہا، "اے ابراہیم، کیا تم میرے معبودوں کی خواہش نہیں رکھتے؟ اگر تم باز نہ"
آئے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا، لہٰذا مجھ سے زیادہ دیر بچو۔ ' 'ابراہیم نے کہا، ''تم پر سلامتی
''ہو گی۔ میں اپنے رب سے تمہارے لیے معافی مانگوں گا۔ بے شک وہ مجھ پر ہمیشہ مہربان ہے۔

اس کے بڑے کے ،اس پر ہے۔ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مہربان اور احترام والا جواب
.بحث کی جاتی ہے پر سخت رویے

اگر ایک شخص ہر کسی کے ساتھ مل کر چلنے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس ، زیادہ تر معاملات میں
میں کردار کی خامی ہونی چاہیے۔ معاشرے کے ارکان کے اندر اختلافات کی وجہ سے ایک شخص
ان کبھی بھی سب کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ وہ ہمیشہ ایک یا زیادہ ہوں گے جو متفق نہیں ہوں گے۔
کی ذہنیت، طرز زندگی اور مشورے کے ساتھ یہ تنوع تناؤ اور کبھی کبھار مسائل کا باعث بنے
اکثر صورتوں میں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تو گا۔ لیکن اگر کسی شخص کو سب پسند کرتے ہیں

والسلام اس نے دو رخی ہو کر منافقوں کی ذہنیت اختیار کر رکھی ہے۔ اگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ
اس حیثیت کو ایک عام آدمی کیسے کر سکتا ہے سب کی طرف سے پیار نہیں کیا گیا تھا ،ان پر ہو
پروپیگنڈے پر یقین نہیں کرنا چاہیے کیونکہ جس گروہ کے ساتھ اس کہ حاصل کیا؟ یہی وجہ ہے
ان پر ہو اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ السلام تھے۔ طرح سب سے زیادہ ظلم کیا گیا وہ انبیاء علیہم
میں موجود حدیث سے ہوتی ہے - نمبر 4023

ایک بار ایک بے شرم عورت نے ناجائز تعلقات السلام پر مثال کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ
بلند ۔ کا جھوٹا الزام لگایا تھا۔ وہ اللہ کے دشمن کی طرف سے اس پر بہتان لگانے پر آمادہ ہوئی تھی
ایک مذہبی اجتماع کے دوران ،اس نے السلام حضرت موسیٰ علیہ قرعون۔ جب اس نے الزام لگایا ،
عوامی طور پر اس سے پوچھ گچھ کی۔ جب اس نے اس کا ردعمل دیکھا تو اس نے فوراً اپنا الزام
تباہ شدہ قرعون نے ،سربلند تعالیٰ واپس لے لیا اور سچائی کا اعتراف کیا۔ جس کے نتیجے میں اللہ
زمین کو حکم دیا کہ اسے اور اس کے عظیم خزانے کو نگل جائے۔ یہ واقعہ امام ذہبی رحمۃ اللہ
:باب 28 القصص، آیت 81 - میں درج ہے کبیرہ گناہوں صفحہ 166-167 کے علیہ

اور ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا‘‘۔ ’’

کئی مواقع پر تہمتیں لگائی گئیں لیکن وہ اپنے مشن پر ثابت قدم ان پر سلامتی ، انبیاء علیہم السلام
کام کو مکمل کسی جب اللہ تعالیٰ سربلند ۔ رہے یہاں تک کہ اللہ کی طرف سے انہیں فتح نصیب ہوئی
پھیلاتا ایمان کا سچا کلمہ پوری مخلوق میں اس کی مدد کرنا کرنے کا فیصلہ کرتا ہے جیسے کہ
اسے روک نہیں سکتا۔ ہے ۔

مسلمانوں کو یہ مان لینا چاہیے کہ وہ بھی اس بات کو پھیلاتے وقت مشکلات کا سامنا کریں گے۔
میں ثابت قدم رہنے مشکلات ۔ کو چاہیے کہ انبیاء کرام کے نقش قدم پر چلیں ان اسلام کا اس لیے
اور نیک پیشرو۔ اگر کوئی ،ان سے راضی رہو کا یہی رویہ تھا ۔ رضی اللہ عنہم سے صحابہ کرام
ان کے ساتھ اگلے جہان میں شامل ہونا چاہتا ہے تو اسے بھی یہ رویہ اختیار کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ، یہ حقیقت کہ مسلمانوں کے خلاف سماجی بائیکاٹ کی تنقید غیر مسلموں کی طرف سے ہوئی، اس بات کی مزید نشاندہی کرتی ہے کہ مسلمانوں کے لیے رشتہ داری کو برقرار رکھنے کی اہمیت کو سمجھنا ضروری ہے۔

رشتہ داری کو برقرار رکھنا اسلام کا ایک اہم پہلو ہے جسے اگر کوئی کامیابی چاہتا ہے تو اسے دونوں جہانوں میں ایمان کی حقیقی نشانی یہ نہیں ہے کہ سارا دن مسجد میں ترک نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی اور مخلوق کے حقوق کی ادائیگی ہے۔ مخلوق کے سب سے اہم حقوق میں سے ایک رشتہ داری کو برقرار رکھنا ہے۔ کوئی ۔ دھوکہ نہیں دے سکتا لیکن اللہ تعالیٰ کو شخص اسلامی لباس پہن کر تقویٰ کا دعویٰ کر سکتا ہے تاریخ کے اوراق ہمیشہ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں نے رشتہ جب کوئی مڑتا ہے۔ داریوں کو نبھایا۔ یہاں تک کہ جب ان کے رشتہ داروں نے ان کے ساتھ بدسلوکی کی تب بھی انہوں :نے مہربانی سے جواب دیا۔ باب 41 فصیلات، آیت 34

اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، برائی کو اس سے دور کرو جو بہتر ہو، پھر جس کے اور" "تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسے وہ ایک مخلص دوست ہو۔

صحیح مسلم نمبر 6525 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص رشتہ داریوں کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ ان کے لیے ہمیشہ اس کی مدد کرتا ہے خواہ اس کے رشتہ دار مشکلات کا شکار ہوں۔

مومن مخلص اچھائی کا جواب اچھائی سے دینا کوئی خاص بات نہیں جبکہ برائی کا اچھا جواب دینا کوئی زیادہ تر معاملات میں، جب کی نشانی ہے۔ سابقہ رویہ جانوروں میں بھی دیکھا جاتا ہے۔ میں کسی جانور کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے تو اس کے بدلے میں پیار واپس آتا ہے۔ صحیح بخاری برقرار نمبر 5991 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ رشتہ داری کو صحیح معنوں میں حضور نبی رکھنے والا وہ ہے جو رشتہ داروں سے قطع تعلق کرتے ہوئے بھی رشتہ قائم رکھے۔

اکثر رشتہ داروں کی طرف سے لیکن اپنے اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلسل دہشت زدہ تھے۔ اس نے ہمیشہ ان کے ساتھ شفقت کا مظاہرہ کیا۔

یہ بات عام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کے بغیر کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔ لیکن صحیح بخاری نمبر 5987 میں موجود ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر اعلان کیا ہے کہ جو شخص دنیاوی وجوہات کی بنا پر رشتہ داریاں توڑے گا اس سے وہ رشتہ توڑ دے گا۔ یاد رکھو، یہ سچ ہے، خواہ فرض نماز جیسی عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کے لیے اگر اللہ تعالیٰ کسی مسلمان سے رشتہ منقطع کر دے تو وہ اس کا ۔ کتنی ہی جدوجہد کرنی پڑے قرب اور ابدی کامیابی کیسے حاصل کر سکتا ہے؟

لوگوں کو موقع دینے اس کے علاوہ، زیادہ تر معاملات میں اللہ تعالیٰ عذاب میں تاخیر کرتا ہے۔ توبہ کرنا لیکن دنیاوی وجوہات کی بنا پر رشتہ داری کو توڑنے کی سزا بہت کے لیے گناہوں کا جلد ملتی ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 4212 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

بدقسمتی سے آج دنیا میں تعلقات منقطع کرنے کا رواج عام دیکھا جاتا ہے۔ لوگ چھوٹی موٹی دنیاوی وجوہات کی بنا پر رشتہ داریوں کو آسانی سے توڑ دیتے ہیں۔ وہ کسی بھی نقصان کو پہچاننے میں جو مادی دنیا میں ہوتا ہے وہ عارضی ہوتا ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ سے ان کا تعلق ناکام رہتے ہیں۔ منقطع ہو جائے تو دونوں جہانوں میں انہیں طویل مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

جب کوئی اپنے وجہ جو اسلامی معاشرے میں عام طور پر دیکھی جاتی ہے۔ ٹوٹنے یا ٹوٹنے کی پیشے کے ذریعے اعلیٰ سماجی مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ انہیں اپنے رشتہ داروں کو ترک کرنے جیسا کہ انہیں یقین ہے کہ وہ اب ان کے ساتھ بات چیت کرنے کے قابل نہیں کی ترغیب دیتا ہے۔ سے ان کی محبت انہیں بے حیائی کے دروازے پر دھکیل دیتی سماجی حیثیت ہیں۔ اپنی دولت اور صرف ان سے ان کی دولت چھیننا چاہتے ہیں۔ ہے جو انہیں یقین دلاتی ہے کہ ان کے رشتہ دار

قرآن کریم بتاتا ہے کہ ان بندھنوں کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا۔ باب 4 النساء، آیت 1:

’’اور اس اللہ سے ڈرو جس کے ذریعے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رحم سے بھی، بے شک اللہ تم پر ہمیشہ دیکھنے والا ہے۔‘‘

یہ آیت بھی واضح طور پر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رشتہ داری کو برقرار رکھے بغیر تقویٰ وہ اسے زیادہ عبادت کے ذریعے حاصل کر سکتے ۔ تو جو لوگ ایمان لائے سکتا حاصل نہیں ہو اس لیے اپنے رویے کو بدلنا چاہیے۔ اور روزے غلط ثابت ہوئے ہیں ہیں۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کی ان معاملات میں مدد کر کے تمام رشتہ داریوں کو برقرار رکھیں جو جب بھی اور جہاں بھی ممکن ہو اچھے ہوں۔ انہیں ایک تعمیری ذہنیت معاشرے کے فائدے کی بجائے رشتہ داروں کو متحد کرتا ہے۔ جو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے سنن ابوداؤد نمبر 4919 میں ایک تباہ کن ذہنیت جو صرف خاندانوں میں تقسیم کا باعث بنتی ہے۔ موجود ایک حدیث کے مطابق لوگوں میں تفرقہ ڈالنا تباہی کا باعث بنتا ہے۔

رشتہ توڑنے والوں پر قرآن پاک میں لعنت کی گئی ہے۔ باب 47 محمد، آیات 22-23:

تو کیا تم اگر منہ موڑو گے تو زمین میں فساد برپا کرو گے اور اپنے تعلقات توڑ دو گے؟’’

دنیا میں یا آخرت اور اس کی رحمت سے محروم ہوں تو اللہ تعالیٰ کی لعنت میں گھرے ہوئے ہوں میں کوئی اپنی جائز خواہشات کیسے حاصل کرسکتا ہے ؟

حکم نہیں دیتا اور نہ ہی یہ ان اپنے رشتہ داروں کی کفالت میں اپنی وسعت سے تجاوز کرنے کا
سے یہ کہتا ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے لیے اللہ تعالیٰ کی حدود کو قربان کر دیں کیونکہ اگر
خالق کی نافرمانی اس کی تصدیق سنن ابوداؤد اس کا مطلب ہے تو مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔
نمبر 2625 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا کبھی بھی اپنے رشتہ داروں کو برائیوں میں
اپنے رشتہ داروں کو نیکی کا ایک مسلمان کو چاہئے ، شامل نہیں کرنا چاہیے۔ اس صورت میں
:کا احترام کرتے ہوئے انہیں برائی سے نرمی سے روکیں۔ باب 5 المائدة، آیت 2 حکم دیں اور ان

‘‘اور نیکی اور پرہیزگاری میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔ ’’

اللہ کی رضا حاصل کیا جاتا ہے ۔ کے ذریعہ رشتہ داری کو برقرار رکھنے والے بے شمار فوائد
کے لیے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو
بندہ جوڑتا ہے اس کے رزق میں اور ان کی زندگی میں اضافی فضل ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق سنن
ابوداؤد نمبر 1693 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا رزق خواہ
.اور جسم سکون ملے گا ۔ کتنا ہی کم کیوں نہ ہو ان کے لیے کافی ہو گا اور اس سے انہیں ذہنی
زندگی میں فضل کا مطلب ہے کہ وہ اپنے تمام دینی اور دنیاوی فرائض کو پورا کرنے کے لیے
مسلمان اپنی ساری زندگی اور مال حاصل کرنے کی کوشش میں وقت نکالیں گے۔ یہ دو نعمتیں ہیں۔
صرف کرتے ہیں لیکن بہت سے لوگ اس بات کو پہچاننے میں ناکام رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان
رشتہ داریوں کو برقرار رکھنے میں دونوں کو رکھا ہے۔

کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں ہے رشتہ داریاں نبھانا اس قدر ضروری
رشتہ داروں کے ساتھ بھی اس اہم فرض کو پورا کریں ۔ اس کی تلقین اپنے غیر مسلم کو حکم دیا۔
کرنے والی ایک حدیث صحیح مسلم نمبر 2324 میں موجود ہے۔

شیطان کے پھندے میں سے ایک یہ ہے کہ وہ رشتہ داروں اور معاشرے میں تفرقہ پیدا کرنا چاہتا اور سماجی تقسیم .اس کا حتمی مقصد اسلام کو بحیثیت قوم ہے جس سے خاندان ٹوٹ جاتے ہیں۔ کمزور کرنا ہے۔ بدقسمتی سے، کچھ لوگ رنجشوں کو پناہ دینے کے لیے بدنام ہو گئے ہیں جو کئی اور نسل در نسل منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ ایک شخص دہائیوں تک کسی تک جاری رہتے ہیں دہائیوں ان سے دوبارہ کبھی وہ رشتہ دار کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا لیکن ایک غلطی اور دلیل کے بعد بات نہیں کرے گا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6526 میں ہے کہ ایک مسلمان کے لیے کسی دنیاوی معاملے میں دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ تعلقات منقطع رکھنا ناجائز ہے۔ اگر غیر رشتہ داروں سے رشتہ توڑنے کا یہ حکم ہے تو کیا رشتہ داروں سے رشتہ توڑنے کی سنگینی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے؟ صحیح بخاری نمبر 5984 میں اس کا جواب دیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ یہ سوال وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا ہے کہ جو شخص کسی رشتہ دار سے دنیوی وجوہات کی بناء پر تعلق توڑے گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔

اس اہم موضوع پر بحث کرنے والی آیات اور احادیث پر غور کرنا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ اگر اللہ عشرہ کے گناہوں کے بعد بھی اپنے دروازے بند نہیں کرتا اور لوگوں کے ساتھ اپنے سرور کا واسطہ نہیں دیتا تو لوگ چھوٹے چھوٹے دنیوی معاملات میں اپنے رشتہ داروں سے اتنی آسانی سے کیوں منہ موڑ لیتے ہیں؟ اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے ان کے تعلق کو برقرار رکھنا چاہتا ہے تو اسے تبدیل ہونا چاہیے۔

آخر میں، زیر بحث اہم واقعہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ بعض لوگ مادی دنیا میں اس قدر غرق ہو چکے ہیں کہ کوئی واضح ثبوت ان کے پردہ دار دلوں میں داخل نہیں ہو سکتا۔ قرآن ،باب 2 البقرہ پاک بیان کرتا ہے کہ لوگوں کے اس گروہ کے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ :آیت 74

"...پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے، پتھر کی طرح یا اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے"

دوسروں اس قسم کے لوگوں سے الگ ہو کر جو لوگ اسلام کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں وہ اس وقت اس معاملے میں بھی ایک مسلمان کو کہ لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے ۔ پر توجہ مرکوز کریں گناہگاروں کے ساتھ ہمیشہ اچھے کردار کا مظاہرہ کرنا چاہیے کیونکہ وہ کسی بھی وقت توبہ کر :63 باب 25 الفرقان، آیت سکتے ہیں۔

‘‘اور جب جاہل ان سے]سختی سے [خطاب کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے ہیں۔ ’’

جب حد ۔ اعلیٰ، مشورہ دیتا ہے فرمایا اسی طرح قرآن مجید کی ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے جھوٹے ہو جائے تو بہتر ہے کہ الگ ہو جائیں اور ضدی اور گمراہ لوگوں کو چھوڑ دیں۔ کون سیدھی راہ پر انسانوں کو آگاہ کرے گا۔ ،اعلیٰ تعالیٰ عقائد پر۔ ایک دن بلاشبہ آئے گا جب اللہ :باب 28 القصص، آیت 55 اندھیرے میں تھا اور کون گمراہ تھا۔

اور جب وہ بری بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لیے ہمارے’’ اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں۔ تم پر سلامتی ہو گی۔ ہم جاہلوں کی تلاش نہیں "کرتے۔

جب ان کی اچھی نصیحت دوسروں پر اثر انداز نہ ہو تو مسلمانوں کو کبھی مایوس اور الجھن میں گناہوں میں اس حد تک غرق ہو جاتے ہیں کہ ان ہیں لوگ نہیں پڑنا چاہیے۔ کچھ معاملات میں، یہ ایک کے دل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ یہ پردہ ان پر اثر انداز ہونے والی اچھی نصیحتوں کو روکتا ہے۔ بات کی وضاحت کی گئی ہے اس نمبر 4244 میں سنن ابن ماجہ ملی مثبت انداز میں .ایک حدیث روحانی دل پر سیاہ دھبہ بن جاتا ہے۔ جتنا کوئی گناہ کرتا ہے اتنا ہی اس کا کہ گناہ کیسے ہوتا ہے۔ :باب 83 المطففین، آیت 14 روحانی دل اس تاریکی میں مگن ہوتا جاتا ہے۔

"نہیں، بلکہ داغ نے ان کے دلوں پر جو کچھ کمایا تھا، ڈھانپ دیا ہے۔ "

کان، آنکھیں ان کے اعلان کرتا ہے کہ ،بلند نے یہ ایک اور آیت سے ملتا جلتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ
باب 2 ۔ حق کی طرف رہنمائی نہیں کر سکتے سچائی سے پردہ پڑا ہوا ہے اس لیے وہ اور دل
:البقرہ، آیت 7

‘‘اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی بصارت پر پردہ ہے۔ ’’

قصور اسلام کے پیغام میں نہیں بلکہ گمراہوں کے دلوں میں ہے۔ جیسے عیب ایک اندھے کی
اس کا ضدی رویہ ایک وسیع مسئلہ بن ،بدقسمتی سے آنکھوں میں ہوتا ہے روشن سورج کا نہیں۔
معاشرے کے اندر .ان میں سے کچھ لوگ اسلام کو ماننے کے باوجود اپنے دل و دماغ کو گیا ہے۔
اور ۔ قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے لیے بند کر چکے ہیں
وہ کسی بھی اچھی نصیحت کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں جس سے انہیں اس پر درود ہو۔
فائدہ ہو۔ دونوں جہانوں میں

جو لوگ اسلام کے کلام کو پھیلانے کا انتخاب کرتے ہیں انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ لوگ دو طرح
کے ذہنوں کو اپنا سکتے ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ جب کوئی کسی مسئلے کے بارے میں پہلے ہی اپنا ذہن
اس کے پہلے سے طے جو پھر صرف وہی چیزیں تلاش کرتا ہے اور قبول کرتا ہے اور بناتا ہے
شدہ عقیدے کی تائید کرتی ہیں۔ جبکہ صحیح رویہ یہ ہے کہ مختلف مسائل کے حوالے سے مضبوط
پہلی ذہنیت صرف ذاتی سطح سے ۔ شواہد تلاش کر کے کھلے ذہن کے ساتھ زندگی گزاری جائے
.میڈیا کے کام کی لے کر قومی سطح تک مسائل پیدا کرے گی۔ بدقسمتی سے، اس طرح کچھ پہلوؤں
وہ معلومات جو وہ شائع کرنا چاہیں گے، کمزور معاون ثبوت کے وہ پہلے سے طے کرتے ہیں۔
اسلام کی تبلیغ کرنے اور پھر اسے دنیا کے دیکھنے کے تناسب سے اڑا دیں۔ بٹس تلاش کریں۔
والوں کو چاہیے کہ وہ پہلی قسم کے لوگوں سے بچیں اور دوسرے گروہ کو حق کی طرف دعوت
دینے پر توجہ دیں۔

دوستو

مکہ کے ایک غیر مسلم رہنما، ابی بن خلف، ایک بار اپنے دوست عقبہ بن ابو معیط پر غصے میں آگئے، جس نے ایک بار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاوت قرآن پاک کو سنا تھا۔ ابی نے اپنے دوست سے مطالبہ کیا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے عزتی کرے ورنہ وہ پھر کبھی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔ عقبہ نے اپنے دوست سے اندھی محبت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے عزتی کی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورہ الفرقان آیت نمبر 27-28 نازل فرمائی:

اور جس دن ظالم اپنے ہاتھ کاٹے گا]افسوس میں [کہے گا کاش میں نے رسول کے ساتھ کوئی راستہ اختیار کیا ہوتا۔ ہائے افسوس !کاش میں نے اسے دوست نہ بنایا ہوتا۔''

یہ واقعہ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 2 صفحہ 35 میں زیر بحث آیا ہے۔

مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ سچی محبت کی ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ جب کوئی اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتا ہے، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ اس لیے کہ اطاعت دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی اور سلامتی کا باعث بنتی ہے۔ جو شخص کسی شخص کے لیے حفاظت اور کامیابی کا خواہاں نہیں ہے وہ کبھی بھی ان سے حقیقی محبت نہیں کر سکتا چاہے وہ کیا دعویٰ کرے یا دوسرے شخص کے ساتھ کیسا سلوک کرے۔ جس طرح بندہ اس وقت خوش ہوتا ہے جب اس کے محبوب کو دنیاوی کامیابی ملتی ہے، جیسے نوکری کی، وہ بھی اپنے محبوب سے آخرت کی کامیابی کی تمنا کرے گا۔ اگر کوئی شخص دوسرے کی حفاظت اور کامیابی کی پرواہ نہیں کرتا ہے خاص طور پر اگلے جہان میں تو وہ اس سے محبت نہیں کرتا۔

ایک سچا عاشق اپنے محبوب کو دنیا یا آخرت میں مشکلات اور عذاب کا سامنا کرتے ہوئے جاننا اور دیکھنا برداشت نہیں کرسکتا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اس لیے وہ ہمیشہ اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتے۔ اگر کوئی شخص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کے بجائے کسی دوسرے کو اپنے ذاتی مفاد یا دوسروں کے مفاد کی طرف لے جائے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں رکھتے۔ یہ تمام رشتوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دوستی اور رشتہ دار۔

لہٰذا ایک مسلمان کو یہ اندازہ لگانا چاہیے کہ آیا ان کی زندگی میں وہ لوگ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو یہ ان کے لیے ان کی محبت کی واضح علامت ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں کرتے۔ باب 43 از زخرف، آیت 67:

‘‘اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔’’

دلیل

ایک غیر مسلم ابن زیبارہ نے ایک دفعہ یہ دعویٰ کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر وہ چیز جس کی عبادت کی جاتی ہے وہ جہنم میں جائے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ جن فرشتوں کی وہ پرستش کرتے تھے اور انبیاء عزیر و عیسیٰ علیہم السلام جن کی کچھ یہودی اور عیسائی عبادت کرتے تھے وہ بھی جہنم میں جائیں گے۔ جب اس کی اطلاع حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں سے ان کی عبادت کرنا چاہتے ہیں وہ ان کی عبادت کرنے والوں کے ساتھ جہنم میں ہوں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی 21 سورۃ الانبیاء، آیات 101-102 نازل فرمائی:

’’درحقیقت وہ لوگ جن کے لیے ہماری طرف سے بہترین)اجر (پہلے ہو چکا ہے، وہ اس]جہنم[سے بہت دور ہیں، وہ اس کی آواز نہیں سنیں گے، جب تک کہ وہ اس میں ہوں گے جس کی ان کی خواہشات ہیں، ہمیشہ رہیں گے۔‘‘

انبیاء عزیر و عیسیٰ علیہما السلام اور ان فرشتوں کی طرف اشارہ کر رہی ہے جن کی بعض یہ آیت امتیں پوجا کرتی تھیں۔ اور ان کی دلیل اور منفی ذہنیت کی نشاندہی کرنے کے لیے باب 43 از زخرف آیات 57-58 نازل ہوئی:

"اور جب مریم کے بیٹے کو مثال کے طور پر پیش کیا گیا تو فوراً آپ کی قوم زور سے ہنس پڑی اور کہنے لگے کہ کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ ہیں؟ "انہوں نے اسے محض دلیل کے علاوہ پیش نہیں کیا، بلکہ یہ لوگ جھگڑالو ہیں۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 34 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے خاص طور پر اس دن اور دور میں ان لوگوں کے درمیان فرق کو سمجھنا ضروری ہے جو مثبت تبدیلی کے ذریعے لوگوں کو حقیقی طور پر فائدہ پہنچانے کے لیے بعض ایسے موضوعات پر بحث کرتے ہیں جنہیں متنازعہ سمجھا جا سکتا ہے اور ان لوگوں کے درمیان فرق کو سمجھنا جو دوسروں کی توجہ مبذول کرنے کے لیے ان مسائل پر محض گفتگو کرتے ہیں۔ جو لوگ معاشرے میں مثبت تبدیلی کے خواہاں ہیں وہ ہمیشہ دوسروں کے تئیں احترام اور اچھے کردار کا مظاہرہ کریں گے خاص طور پر ان لوگوں کے لیے جو وہ اپنے الفاظ کے ذریعے چیلنج کر رہے ہیں۔ وہ اپنے نقطہ نظر کا اعلان کرنے کے لئے کبھی بھی فحش زبان یا اعمال کا نتیجہ نہیں لیتے ہیں۔ وہ اپنے نقطہ نظر کی تائید کے لیے غلط تشریح یا غلط معلومات کے بغیر جس موضوع پر بحث کر رہے ہیں اس کا مطالعہ اور سمجھتے ہیں۔ ان کی تنقید ہمیشہ تعمیری ہوتی ہے اور معاشرے کی بہتری کے لیے ان کا حقیقی اور مخلصانہ ارادہ ان کے طرز عمل اور الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی طرف مسلمانوں کو توجہ دینی چاہیے کیونکہ اگر وہ درست ہیں تو اس سے سب کے لیے معاشرہ بہتر ہو جائے گا۔ لیکن اگر ان کا نقطہ نظر غلط ہے تو وہ سچائی کو اس وقت قبول کریں گے جب دوسروں کی طرف سے ان پر واضح کیا جائے گا۔ لیکن جو لوگ اس صحیح رویے کے خلاف رویہ اختیار کرتے ہیں، خواہ وہ میڈیا میں پائے جائیں یا کہیں اور، انہیں نظر انداز کر دینا چاہیے کیونکہ وہ لوگوں کی زندگیوں میں بہتری نہیں چاہتے۔ وہ توجہ کے لیے بھوکے ہیں اور ایک شیر خوار بچے کی طرح دوسروں کی توجہ مبذول کروانے کے لیے کام کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ایسی ویڈیوز یا دیگر مواد کو گردش اور منتقل نہ کریں جو اس طرح کے لوگوں سے منسلک ہوں کیونکہ وہ ان کے ہاتھ میں کھیل رہے ہیں اور انہیں وہ توجہ دے رہے ہیں جس کی وہ بری طرح خواہش رکھتے ہیں۔ ان لوگوں سے بحث کرنا ان کی بری نیت اور رویے کی وجہ سے وقت کا مکمل ضیاع ہے۔ مسلمانوں کو اس کے بجائے اپنی کوششیں دوسری مفید جگہوں پر لگائیں جس سے ان کو اور دونوں جہانوں میں دوسروں کو فائدہ ہو۔

جھوٹ پر تعاون

ایک دفعہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ کا طواف فرما رہے تھے۔ اپنی عبادت کے دوران، وہ مکہ کے کچھ غیر مسلم رہنماؤں کی طرف سے رکاوٹ بن گئے جنہوں نے دعوی کیا کہ اگر وہ اپنے عقائد پر سمجھوتہ کرکے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں تو یہ سب کے لیے بہتر ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بتوں کی پرستش کرنا قبول کرلیں۔ اس طرح ہر کوئی دشمنی کے بغیر آپس میں مل جائے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکافرون آیت نمبر 109 نازل فرمائی۔

”کہہ دو اے کافرو !میں اس کی عبادت نہیں کرتا جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ اور نہ میں اس کی عبادت کرنے والا ہوں جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو گے جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے۔“

یہ واقعہ امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 2، صفحہ 35-36 میں درج ہے۔

اسلام مسلمانوں کو لچکدار بننے کی تعلیم دیتا ہے جس کے تحت وہ دنیاوی چیزوں کے حوالے سے ضدی ذہنیت سے بچتے ہیں جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم نہیں ہیں۔ لیکن ایسے معاملات میں جو اسلامی تعلیمات سے متصادم ہوں، ایک مسلمان کو ثابت قدم رہنا چاہیے اور اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ اس سے دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کو نقصان پہنچے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی تمام چیزوں کو کنٹرول کرتا ہے، جیسے لوگوں کے روحانی دلوں پر، وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کس کو ذہنی سکون حاصل ہے اور کس کو نہیں۔ اس لیے کسی کو بھی اس کی نافرمانی کرتے ہوئے اپنے ایمان پر کبھی سمجھوتہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ جو دنیاوی چیزیں اسے حاصل ہوتی ہیں، جیسے کہ دولت اور دوست، دونوں جہانوں میں ان کے لیے تناؤ اور پریشانی کا باعث بنیں گے، خواہ انہیں تفریح کے لمحات ہی کیوں نہ ہوں کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قابو اور قدرت سے نہیں بچ سکتے۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے" قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

ایک سمجھدار مریض اپنے ڈاکٹر کے مشورے پر سمجھوتہ نہیں کرتا، چاہے اس سے ان کی خواہشات کی تکمیل ہو، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ طویل مدت میں ان کے لیے ذہنی اور جسمانی نقصان کا باعث بنے گا۔ اسی طرح ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ان کے لیے دونوں جہانوں میں ہمیشہ ذہنی اور جسمانی نقصان کا باعث بنے گی۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے، ان کی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہوئے وہ متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل نہیں کر سکے گا، وہ اپنی زندگی میں ہر چیز اور ہر چیز کو ضائع کر دے گا اور وہ قیامت کے دن اپنے احتساب کے لیے مناسب تیاری کرنے میں ناکام رہے گا۔ اس لیے یہ شخص نہ تو اس دنیا میں اور نہ ہی آخرت میں ذہنی سکون حاصل کرے گا، چاہے وہ تفریح کے لمحات کا تجربہ کرے۔ اس لیے ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے اور اپنی ذہنی اور جسمانی صحت کی خاطر اپنے ایمان پر سمجھوتہ کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ باب فصیلات، آیت 30 41:

درحقیقت جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر وہ سیدھے راستے پر رہے تو ان پر'' فرشتے نازل ہوں گے اور کہیں گے کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو بلکہ جنت کی بشارت سنو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

اسلام سب کے لیے

ایک مرتبہ مکہ کے ایک انتہائی معزز غیر مسلم رہنما حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کر رہے تھے۔ مؤخر الذکر اسے اسلام قبول کرنے پر راضی کرنے کے لئے بے چین تھا کیونکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کا پورا قبیلہ بھی اس کی پیروی کرے گا۔ ان کی گفتگو کے دوران ایک نابینا اور غریب صحابی عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے انجانے میں ان کی گفتگو میں خلل ڈالا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خواہش کی کہ وہ انہیں اسلام کی مزید تعلیم دیں۔ جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر مسلم رہنما کے ساتھ اپنی گفتگو ختم کرنے کی خواہش نہیں کی تھی، اس لیے آپ نے وقتی طور پر غریب صحابی رضی اللہ عنہ سے منہ موڑ لیا، اور اس امید کے ساتھ جواب نہیں دیا کہ وہ حالات کی اہمیت کو سمجھیں گے اور بعد میں واپس آئیں گے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے باب 80 عبسہ، آیات 1-10 نازل فرمائی:

کیونکہ ان کے پاس ایک اندھا آیا، لیکن آپ کیا ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھک کر منہ پھیر لیا سمجھیں گے کہ شاید وہ پاک ہو جائے، یا نصیحت کی جائے اور یاد کرنے سے اس کو فائدہ ہو؟ وہ شخص جو اپنے آپ کو بے نیاز سمجھتا ہے، آپ اس کی طرف توجہ کرتے ہیں، لیکن اگر وہ آپ کے لیے نافرمان نہیں ہے تو وہ آپ کے لیے نافرمان ہے۔ جو آپ کے پاس]علم کے لیے [کوشش کرتے ہوئے آیا ہے جب کہ وہ]اللہ سے [ڈرتا ہے۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 36 میں بحث کی گئی ہے۔

اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ اسلام کی دعوت اور قبول کرنے کے بعد تمام لوگ برابر ہیں۔ اس بلا میں کسی کو دوسروں پر فوقیت نہیں دی جانی چاہیے دنیاوی چیزوں کی وجہ سے، جیسے سماجی حیثیت، خواہ کسی کی نیت نیک ہو۔ اللہ تعالیٰ اسلام کی دعوت کے ذریعے لوگوں پر احسان کرتا ہے، لوگ اسلام کی دعوت سننے یا قبول کرنے سے اللہ تعالیٰ پر احسان نہیں کرتے۔ اگر کوئی شخص اسلام کا انکار کرنا چاہے تو اس سے اللہ تعالیٰ کو کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ اس شخص کو اپنی پسند کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا، جس طرح اسلام کی دعوت کو سننے اور قبول کرنے والے کو اپنی پسند کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اس کے علاوہ زیر بحث اہم واقعہ اس فہم کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ واحد معیار جو انسانوں کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ معیار ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

’’بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے‘‘۔

جس قدر خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے گی، وہ اتنا ہی اعلیٰ ہے۔ اس اطاعت میں ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن کریم اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ معاشرہ، سوشل میڈیا، فیشن اور ثقافت کے مقرر کردہ دیگر تمام معیارات، جیسے جنس، نسل، دولت اور سماجی حیثیت، اسلام کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی اور اس لیے ان کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ چونکہ کسی کی نیت پوشیدہ ہوتی ہے کسی کو بھی اپنے یا دوسروں کے لیے برتری کا دعویٰ نہیں کرنا چاہیے۔ باب 53 عن نجم، آیت 32:

’’پس اپنے آپ کو پاکیزہ ہونے کا دعویٰ نہ کرو، وہ خوب جانتا ہے کہ کون اس سے ڈرتا ہے۔‘‘

اس واحد معیار کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکامی نسل پرستی جیسے امتیاز کا باعث بنتی ہے، جو اسلام میں سختی سے منع ہے۔

مہربان اور نرم تبلیغ

قبیلہ داؤس کے ایک معزز اور معزز شخص طفیل بن عمرو ایک بار مکہ تشریف لائے تو مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں تنبیہ کی اور تاکید کی کہ آپ ان کی بات نہ سنیں اور نہ ہی ان سے بات کریں۔ حتیٰ کہ اس نے اپنے کانوں میں روئی بھر دی تاکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں سننے سے بچ سکیں۔ لیکن جب اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو عقل سے کام لیا اور یہ اندازہ لگایا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس چیز کی دعوت دیں گے وہ اچھی ہے تو وہ اسے قبول کریں گے لیکن اگر برا ہوا تو اسے رد کر دیں گے۔ اسلام کی تعلیمات سننے کے بعد اس نے اسے قبول کر لیا اور اپنے قبیلے میں واپس آ گئے اور انہیں اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ اپنے قبیلے کو خوش اسلوبی اور نرمی سے تبلیغ کریں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 48-49 میں بحث کی گئی ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ طفیل رضی اللہ عنہ نے دوسروں کی نصیحت پر آنکھیں بند کر کے عمل کرنے کے بجائے عقل سے کام لیا۔ دوسروں کی اندھی تقلید ہمیشہ سے ہی گمراہی، گناہوں اور جرائم کا ایک بڑا سبب رہی ہے اور اسی لیے اسلام نے اس پر سخت تنقید کی ہے۔ درحقیقت اسلامی تعلیمات کی اندھی تقلید پر بھی اسلام نے تنقید کی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں سے توقع کرتا ہے کہ وہ کھلے ذہن کے ساتھ اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کریں اور پھر اپنے خاندان جیسے دوسروں کی اندھی تقلید کرنے کے بجائے علم و شواہد کی بنیاد پر اسلام کو قبول کریں اور اس پر عمل کریں۔ باب 12 یوسف، آیت 108:

کہو، "یہ میرا راستہ ہے؛ میں اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ دعوت دیتا ہوں، میں اور وہ لوگ جو میری پیروی کرتے ہیں..."

اور باب 34 سبا، آیت 46:

کہہ دو میں تمہیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں وہ یہ کہ تم اللہ کے لیے جوڑے اور الگ” الگ کھڑے ہو جاؤ اور پھر سوچو، تمہارے ساتھی میں کوئی جنون نہیں ہے، وہ تو تمہیں سخت ‘‘عذاب سے پہلے ڈرانے والا ہے۔

اسلام میں دوسروں کی اندھی تقلید اکثر گمراہی کا باعث بنتی ہے کیونکہ جب یہ شخص ان کی اندھی تقلید کرتے ہوئے قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات سے روگردانی کر رہا ہے تو وہ پہچاننے میں ناکام رہے گا۔ جب ایسا ہوتا ہے، تو یہ شخص یقین کرے گا کہ وہ اسلامی تعلیمات پر عمل کر رہے ہیں جب وہ حقیقت میں اسلامی تعلیمات سے منسلک روایات پر عمل کر رہے ہیں۔ جو اس رویے پر قائم رہے گا وہ اس کو سمجھے بغیر بھی گمراہ ہو جائے گا۔ جبکہ جو شخص دوسروں کی اندھی تقلید کرنے کے بجائے اسلامی علم پر عمل کرتا ہے وہ آسانی سے ان طریقوں کو پہچان لے گا جن کی جڑیں اسلام میں نہیں ہیں اور اس لیے ان سے اجتناب کرے گا۔ نتیجتاً وہ قرآن پاک کی تعلیمات اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات پر عمل پیرا ہوں گے جس سے دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔

اس لیے ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں دوسروں کی اندھی تقلید سے گریز کرے۔ اس کے بجائے، انہیں کھلے ذہن کے ساتھ ہر صورت حال سے رجوع کرنا چاہیے اور منطقی فیصلہ کرنے سے پہلے ثبوت اور علم کا جائزہ لینا چاہیے ۔ یہ نقطہ نظر اس بات کو یقینی بنائے گا کہ کسی کو درپیش ہر دنیوی اور مذہبی مسائل میں صحیح رہنمائی حاصل ہو۔

زیر بحث اہم واقعہ اسلام کے کلام کو نرم اور مہربان انداز میں پھیلانے کی اہمیت کی طرف بھی اس کی نصیحت حضور اکرم صلی کی خوبصورتی نرمی میں پائی جاتی ہے۔ اسلام اشارہ کرتا ہے۔ نمبر 3689 میں موجود اللہ علیہ وسلم نے بہت سی احادیث میں فرمائی ہے جیسا کہ سنن ابن ماجہ ،۔ قرآن کریم نے یہاں تک ذکر کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سب سے راضی تھے ہے آپ کی نرمی اور نرم طبیعت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلسل محبت کرتے :تھے۔ باب 3 علی عمران، آیت 159

پس اللہ کی رحمت سے، آپ ان کے ساتھ نرمی برتتے تھے، اور اگر آپ بد زبان اور دل میں سخت "
"ہوتے تو وہ آپ کے اردگرد سے دور ہو جاتے۔

سے عرب سخت دل ہونے کی وجہ سے مشہور تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ
یہ انہوں نے اپنایا اس طرح اور کے مزاج سے ان کے سخت دل پگھل گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم
حضور نبی اکرم یہی وجہ ہے۔ ۔ باقی بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لیے روشنی بن گئی خوبی اور
متنبہ کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام، ایک حدیث میں وآلہ وسلم صلی اللہ علیہ
سنن ابوداؤد نمبر 4809 میں ہے کہ نرمی سے محروم رہنے والا بھلائی سے محروم ہے۔ ہے ۔
:باب 3 علی عمران، آیت 103

اور اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو جب تم دشمن تھے اور اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور ’’
تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے‘‘۔

تباہ کن سخت انہیں یہ ان لوگوں کے لیے ایک واضح پیغام ہے جو اسلام کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں۔
وہ لوگوں کو متحد کریں اور پھیلنے کی بجائے کا حامل ہونا چاہیے۔ تعمیری ذہن نرم ذہن کے بجائے
ان یہ معاشرے کے اندر تنازعات کی ایک اچھی مثال دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کریں۔
کے ساتھ نرم مزاجی کا اپنے بچوں کے ساتھ رویے میں دیکھا جاتا ہے .جن والدین نے
ایک سخت مظاہرہ کیا ان پر ان والدین کے مقابلے میں زیادہ مثبت اثر پڑا جنہوں نے گود لیا تھا۔
مزاج .اکثر کچھ لوگ اپنے سخت رویے سے لوگوں کو اسلام سے مزید دور کر دیتے ہیں اور یہ
مثال کے علیہ وآلہ وسلم کا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ روایات کو مکمل طور پر چیلنج کرتا ہے۔
علیہ وآلہ وسلم کی مسجد طور پر ایک مرتبہ ایک ان پڑھ اعرابی نے حضور نبی اکرم صلی اللہ
حضور اسے سزا دینا چاہتا تھا۔ ،اللہ ان سب سے راضی ہو مئی ، ۔ جب صحابہ کرام میں پیشاب کیا
مسجد میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منع فرمایا اور وآلہ وسلم نبی اکرم صلی اللہ علیہ
میں موجود حدیث میں سے سمجھایا ۔ یہ واقعہ سنن ابن ماجہ نمبر 529 نرمی رہنے کے آداب کو
اس نرم رویے نے انسان کو مثبت انداز میں متاثر کیا۔ مذکور ہے ۔

قرآن پاک کے کئی مقامات پر بھی اس کا ذکر ہے۔ مثال کے طور پر، اگرچہ یہ اہم خصوصیت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر بھی اللہ تعالیٰ فرعون نے اعلیٰ ترین رب ہونے کا دعویٰ کیا۔ نرم اور مہربان تقریر فرعون کو دعوت نہ دیں۔ ،دونوں ۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم دیا :حپٹر 79 نضیات، آیت 24 کا استعمال کرتے ہوئے رہنمائی کی طرف۔ ج

‘‘اور کہا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔’’

:اور باب 20 طہ، آیات 43-44

تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ بے شک اس نے زیادتی کی ہے اور اس سے نرمی سے بات کرو شاید وہ نصیحت حاصل کرلے یا اللہ سے ڈرے

کی طرف اور بھلائی اور جانور بھی نرمی کی زبان سمجھتے ہیں۔ پس اگر کسی بالغ کو اسلام بچے دعوت دیتے وقت یہ خصوصیت اختیار کی جائے تو اس کی صحیح رہنمائی کیسے ہو سکتی ہے ؟ ،اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ اپنے تعالیٰ اللہ میں ملتا ہے کہ نصیحت ہے ۔ صحیح مسلم نمبر 6601 ایک بار ایک حدیث میں مہربان اور نرم ہے اور مخلوق کو ایک دوسرے کے ساتھ نرمی ،اعلیٰ لامحدود وقار کے مطابق یہ غلط اسلام نے اس لفظ کو پھیلاتے ہیں۔ سے پیش آنا پسند ہے۔ بدقسمتی سے، بہت سے لوگ جو یہ شیطان کی چال کے سوا کچھ نہیں ۔ عقیدہ اختیار کیا ہے کہ نرم ہونا کمزوری کی علامت ہے ۔ ہے کیونکہ وہ انسانوں کو اسلام سے دور کرنا چاہتا ہے

مکہ میں قحط

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مکہ کے غیر مسلموں کا تشدد مزید بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے مکہ کو شدید قحط کا شکار کر دیا۔ یہ اتنا برا تھا کہ غیر مسلم مردار، چمڑا اور ہڈیاں کھانے پر مجبور تھے۔ مکہ کے کچھ غیر مسلم رہنما حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے دعویٰ کیا کہ آپ کا مشن بنی نوع انسان کے لئے رحمت ہے لہٰذا انہیں چاہئے کہ ان سے اس قحط کو دور کرنے کی دعا کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیے دعا فرمائی اور مکہ کو موسلا دھار بارش نصیب ہوئی اور قحط کے اثرات دور ہوگئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 59-60 میں بحث کی گئی ہے۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ المومنون آیت 76 نازل فرمائی۔

”اور ہم نے ان کو مصیبتوں میں مبتلا کر رکھا تھا لیکن وہ اپنے رب کے سامنے نہ جھکے اور نہ ہی عاجزی سے دعا کی۔“

اس پر امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ، اصباب النزول، 23:76، صفحہ 114 میں بحث کی گئی ہے۔

اسلام رحمت کا ایک مشن ہے کیونکہ اس کا مقصد لوگوں کو اس دنیا میں زندگی کے امتحان سے گزرنے میں مدد کرنا ہے۔ اس امتحان میں یہ شامل ہے کہ آیا کوئی ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرتا ہے جو انہیں اسلامی تعلیمات کے مطابق دی گئی ہیں۔ جو صحیح طریقے سے برتاؤ کرے گا وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کرے گا۔ عطا کردہ نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کا باعث بنتا ہے اور اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ وہ ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں صحیح طریقے سے جگہ دیتے ہیں جبکہ قیامت کے دن اپنے احتساب کے

لیے مناسب تیاری کرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے، وہ اکیلا ہی کامل ضابطہ حیات فراہم کر سکتا ہے جو اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ انسان زندگی کے امتحان میں کامیاب ہو جائے اور دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کرے۔ یہ علم قرآن کریم اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے ذریعے بنی نوع انسان کو رحمت کے طور پر عطا کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ لوگوں کو جہنم سے ڈرانا اور اس دنیا میں لوگوں کو عذاب میں مبتلا کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہے۔ لوگوں کو جہنم سے خبردار کرنا خوفناک ہو سکتا ہے لیکن یہ انہیں خود کو مناسب طریقے سے تیار کرنے کی اجازت دیتا ہے تاکہ وہ جہنم میں داخل ہونے سے بچیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو جہنم سے نہ ڈرایا جیسا کہ وہ انہیں خوفزدہ نہیں کرنا چاہتا تھا تو لوگوں کی اکثریت قیامت کے دن جہنم میں جائے گی کیونکہ وہ جہنم کی شدت کو کم کرنے اور جہنم کی شدت کو حقیر سمجھنے کی وجہ سے اس میں داخل ہونے سے بچنے کے لیے ضروری اقدامات نہیں کریں گے۔ اس کی تنبیہات ہر اس شخص کو جہنم میں داخل ہونے سے روکیں گی اور یہ تنبیہات اس کی طرف سے رحمت ہیں۔ اس کے علاوہ، جب کسی کو اس دنیا میں اپنے گناہوں کی سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو یہ انہیں خلوص دل سے توبہ کرنے اور قیامت سے پہلے اپنی اصلاح کرنے کی ترغیب دیتا ہے، جب کوئی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ اگر انسان کو اس دنیا میں کسی مصیبت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تو وہ جہنم میں داخل ہونے تک اپنی نافرمانی میں لگے رہیں گے۔ پس ایک دنیاوی عذاب جو انسان کو ہلاک نہ کرے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہے۔ باب 32 بطور سجدہ، آیت 21:

"اور ہم ان کو بڑے عذاب کے چھوٹے چھوٹے عذاب کا مزہ ضرور چکھائیں گے کہ شاید وہ لوٹ آئیں۔"

ایک مسلمان کے لیے ایک اہم سچائی کو سمجھنا ضروری ہے، یعنی تخلیق میں کوئی، عام طور پر بھی چیز عقلمندی کے بغیر واقع نہیں ہوتی، چاہے لوگ اس حکمت کو فوری طور پر نہ دیکھیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہر چیز کو جو پیش آتی ہے، خواہ وہ آسانی کے وقت ہو یا مشکل میں، ایک بوتل میں ایک پیغام کی طرح۔ انہیں بوتل کا جائزہ لینے اور جانچنے میں زیادہ نہیں پھنسنا چاہئے کیونکہ یہ محض ایک میسنجر ہے جو اہم پیغام پہنچاتا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب مسلمان یا تو ان اچھی چیزوں پر خوش ہوتے ہیں جو اس طرح ہوتی ہیں اور اچھی چیز کے اندر موجود پیغام سے غافل ہو جاتے ہیں۔ یا وہ مشکلات کے دوران غمگین ہو جاتے ہیں اس طرح مشکل کے

اندر موجود پیغام کو سمجھنے میں بہت زیادہ مشغول ہو جاتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ قرآن پاک کی نصیحتوں پر عمل کرنے کی بجائے ہر صورتحال کو متوازن انداز میں دیکھیں۔ باب 57 الحدید، آیت 23:

"تاکہ تم اس چیز پر نا امید نہ ہو جو تم سے چھوٹ گئی ہے اور جو کچھ اس نے تمہیں دیا ہے اس پر فخر نہ کرو۔"

یہ آیت مختلف حالات میں خوش یا غمگین ہونے سے منع نہیں کرتی کیونکہ یہ انسانی فطرت کا حصہ ہے۔ لیکن یہ ایک متوازن نقطہ نظر کی نصیحت کرتا ہے جس کے تحت کوئی انتہائی جذبات سے بچتا ہے یعنی پرجوش جو حد سے زیادہ خوشی یا غم جو کہ ضرورت سے زیادہ اداسی ہے۔ یہ متوازن نقطہ نظر کسی کو اپنے ذہن کو بوتل کے اندر موجود زیادہ اہم پیغام پر مرکوز کرنے کی اجازت دے گا، اس صورت حال کے اندر چاہے یہ آسانی ہو یا مشکل کی صورت حال۔ چھپے ہوئے پیغام کو جانچنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے سے ایک مسلمان اپنی دنیوی اور دینی زندگی کو بہتر بنا سکتا ہے۔ بعض اوقات یہ پیغام جاگنے کی کال ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹ جائیں، اس سے پہلے کہ ان کا وقت ختم ہو جائے۔ بعض اوقات یہ ان کے درجات کو بڑھانے کا ایک طریقہ ہو گا۔ دوسری بار ان کے گناہوں کو مٹانے کا ایک طریقہ اور بعض اوقات یہ یاد دہانی کہ وہ دنیاوی مادی دنیا اور اس میں موجود چیزوں سے خود کو منسلک نہ کریں۔ اس تشخیص کے بغیر کوئی شخص اپنی دنیوی یا دینی زندگی کو بہتر بنائے بغیر محض واقعات سے گزرے گا۔

بہترین کمپنی

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ لوگوں کے لیے اپنے لیے اسلام قبول کرنے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ وہ خاص طور پر غیر مسلموں کے رہنماؤں کے لیے ایسا کرنے کے خواہش مند تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر ایسا ہوا تو ان کے پیروکار زیادہ آسانی سے اسلام قبول کر لیں گے۔ جب مکہ کے غیر مسلم جو کہ شرفاء سمجھے جاتے تھے، نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسلام کے بارے میں گفتگو کرنا چاہا تو انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے غریب صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیں کہ وہ اپنی ملاقاتوں سے دور رہیں کیونکہ وہ غریبوں کی صحبت میں بیٹھنا نہیں چاہتے تھے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر غور کیا تو صرف ان کے اسلام قبول کرنے کے شوق میں درج ذیل آیات اور اسی طرح کی آیات نازل ہوئیں :باب 6 الانعام، آیات 52-54:

"اور جو لوگ صبح و شام اپنے رب کو اس کی رضا کے لیے پکارتے ہیں، ان کو دور نہ کرو، نہ ان کے حساب میں سے کچھ تم پر ہے اور نہ ہی ان پر تمہارے حساب میں سے کچھ ہے، تو اگر تم انہیں بھیج دیتے تو ظالموں میں سے ہو جاتے، اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعے آزمایا تاکہ وہ کہیں کہ ہم میں سے یہ سب سے زیادہ اللہ کا احسان نہیں ہے؟ "اور جب وہ لوگ تمہارے پاس آئیں جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں تو کہو کہ تم پر سلامتی ہو۔ تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کا فیصلہ کر لیا ہے کہ تم میں سے جو کوئی نادانی سے کوئی برائی کر لے پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور اپنی اصلاح کر لے تو یقیناً وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

اس پر امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ، اصباب النزول، 6:52، صفحہ 76 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اسلام سب کے لیے ایک مذہب ہے اور اس لیے تمام دنیاوی رکاوٹیں، جیسے جنس، نسل، دولت اور سماجی حیثیت، جو الگ الگ افراد کی کوئی قدر نہیں رکھتیں اور مسلمانوں کے لیے انہیں کبھی اہم نہیں سمجھنا چاہیے۔ بلکہ تمام لوگوں کے ساتھ اسلام کی تعلیمات کے مطابق سلوک کرنا چاہیے۔ اگرچہ اپنی زندگی میں کچھ لوگوں کو ان کے حسن

سلوک کا زیادہ حق حاصل ہے، جیسے کہ کسی کے والدین، لیکن کوئی بھی کم نہیں، پھر بھی ہر ایک کے ساتھ احترام اور مہربانی سے پیش آنے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت کوئی شخص اس وقت تک سچا مسلمان یا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی زبانی اور جسمانی نقصان کو کسی شخص اور اس کے مال سے دور نہ رکھے۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ کسی کو یہ یقین نہیں کرنا چاہیے کہ وہ دنیاوی چیزوں کی وجہ سے کسی بھی طرح سے دوسروں سے برتر ہیں، کیونکہ یہ رویہ صرف اس کا سبب بنے گا کہ وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے ساتھ برتاؤ کرنے میں ناکام رہے گا۔ کسی شخص کو یہ ماننے کا کوئی حق نہیں ہے کہ وہ دوسروں سے برتر ہے، کیونکہ ہر دنیاوی نعمت جو اس کے پاس ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا کی گئی ہے اور عطا کی گئی ہے۔ لہٰذا انہیں کوئی حق نہیں کہ وہ کسی دوسرے کی چیز پر فخر کریں۔ برتری صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

’’بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے‘‘۔

اس میں ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا شامل ہے جو قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عطا کی گئی ہیں۔ چونکہ کسی کی نیت اور ان کے اکثر اعمال پوشیدہ ہوتے ہیں، اس لیے کسی کو یہ یقین نہیں کرنا چاہیے کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں اور نہ ہی دوسرے لوگوں کو برتر ہونے کا دعویٰ کرنا چاہیے۔ باب 53 عن نجم، آیت 32:

‘‘پس اپنے آپ کو پاکیزہ ہونے کا دعویٰ نہ کرو، وہ خوب جانتا ہے کہ کون اس سے ڈرتا ہے۔’’

حق کو رد کرنا

مکہ کے غیر مسلموں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خواہش کی کہ وہ انہیں قرآن مجید کے علاوہ کوئی اور معجزہ دکھائیں تاکہ ان کے اعلان کی تصدیق ہو سکے۔ اس نے انہیں چاند کا پھٹنا دکھایا۔ اس واضح نشانی کے بعد بھی انہوں نے محض دعوئ کیا کہ اس نے ان کی آنکھوں کو دھوکہ دیا۔ اس دوران باب 54 القمر، آیات 1-3 نازل ہوئیں:

"قیامت قریب آ گئی ہے اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا ہے، اور اگر وہ کوئی نشانی [یعنی معجزہ] دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں "جادو جا رہا ہے" اور انہوں نے انکار کیا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی، لیکن ہر معاملے کے لیے ایک فیصلہ ہے۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 77-78 میں بحث کی گئی ہے اور صحیح بخاری نمبر 3637 میں موجود ایک حدیث بھی اس واقعہ پر بحث کرتی ہے۔

بعض لوگ مادی دنیا میں اس قدر غرق ہیں کہ کوئی نصیحت کہ قرآن پاک انسانوں کو سکھاتا ہے ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوگی۔ قرآن پاک بیان کرتا ہے کہ لوگوں کے اس گروہ کے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 74:

"...پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے، پتھر کی طرح یا اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے"

دوسروں اس قسم کے لوگوں سے الگ ہو کر جو لوگ اسلام کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں وہ اس وقت اس معاملے میں بھی ایک مسلمان کو کہ لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے ۔ پر توجہ مرکوز کریں

گناہگاروں کے ساتھ ہمیشہ اچھے کردار کا مظاہرہ کرنا چاہیے کیونکہ وہ کسی بھی وقت توبہ کر سکتے ہیں۔ الفرقان، آیت 25 باب 63:

‘‘اور جب جاہل ان سے]سختی سے [خطاب کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے ہیں۔ ’’

اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری آیت میں قرآن مجید کی اسی طرح فرمایا مشورہ دیتا ہے جب حد ۔ اعلیٰ، ان کے جھوٹے ہو جائے تو بہتر ہے کہ الگ ہو جائیں اور ضدی اور گمراہ لوگوں کو چھوڑ دیں۔ ایک دن بلاشبہ آئے گا جب اللہ تعالیٰ اعلیٰ، عقائد پر۔ انسانوں کو آگاہ کرے گا۔ کون سیدھی راہ پر اندھیرے میں تھا اور کون گمراہ تھا۔ القصص، آیت 55 باب 28:

’’اور جب وہ بری بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں۔ تم پر سلامتی ہو گی۔ ہم جاہلوں کی تلاش نہیں کرتے۔"

جب ان کی اچھی نصیحت دوسروں پر اثر انداز نہ ہو تو مسلمانوں کو کبھی مایوس اور الجھن میں نہیں پڑنا چاہیے۔ کچھ معاملات میں، یہ گناہوں میں اس حد تک غرق ہو جاتے ہیں کہ ان ہیں لوگ ایک کے دل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ یہ پردہ ان پر اثر انداز ہونے والی اچھی نصیحتوں کو روکتا ہے۔ ایک حدیث میں مثبت انداز میں سنن ابن ماجہ ملی 4244 نمبر اس بات کی وضاحت کی گئی ہے روحانی دل پر سیاہ دھبہ بن جاتا ہے ۔ جتنا کوئی گناہ کرتا ہے اتنا ہی اس کہ گناہ کیسے ہوتا ہے۔ کا روحانی دل اس تاریکی میں مگن ہوتا جاتا ہے۔ المطففین، آیت 14 باب 83:

"نہیں، بلکہ داغ نے ان کے دلوں پر جو کچھ کمایا تھا، ڈھانپ دیا ہے۔ "

کان، آنکھیں ان کے اعلان کرتا ہے کہ ،بلند نے یہ ایک اور آیت سے ملتا جلتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ
باب 2 ۔ حق کی طرف رہنمائی نہیں کر سکتے سچائی سے پردہ پڑا ہوا ہے اس لیے وہ اور دل
:البقرہ، آیت 7

‘‘اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی بصارت پر پردہ ہے۔ ’’

قصور اسلام کے پیغام میں نہیں بلکہ گمراہوں کے دلوں میں ہے۔ جیسے عیب ایک اندھے کی
اس کا ضدی رویہ ایک وسیع مسئلہ بن ،بدقسمتی سے آنکھوں میں ہوتا ہے روشن سورج کا نہیں۔
معاشرے کے اندر .ان میں سے کچھ لوگ اسلام کو ماننے کے باوجود اپنے دل و دماغ کو گیا ہے۔
اور ۔ قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے لیے بند کر چکے ہیں
وہ کسی بھی اچھی نصیحت کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں جس سے انہیں اس پر درود ہو۔
فائدہ ہو۔ دونوں جہانوں میں

جو لوگ اسلام کے کلام کو پھیلانے کا انتخاب کرتے ہیں انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ لوگ دو طرح
کے ذہنوں کو اپنا سکتے ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ جب کوئی کسی مسئلے کے بارے میں پہلے ہی اپنا ذہن
اس کے پہلے سے طے جو پھر صرف وہی چیزیں تلاش کرتا ہے اور قبول کرتا ہے اور بناتا ہے
شدہ عقیدے کی تائید کرتی ہیں۔ جبکہ صحیح رویہ یہ ہے کہ مختلف مسائل کے حوالے سے مضبوط
پہلی ذہنیت صرف ذاتی سطح سے ۔ شواہد تلاش کر کے کھلے ذہن کے ساتھ زندگی گزاری جائے
.میڈیا کے کام کی لے کر قومی سطح تک مسائل پیدا کرے گی۔ بدقسمتی سے، اس طرح کچھ پہلوؤں
وہ معلومات جو وہ شائع کرنا چاہیں گے، کمزور معاون ثبوت کے وہ پہلے سے طے کرتے ہیں۔
اسلام کی تبلیغ کرنے اور پھر اسے دنیا کے دیکھنے کے تناسب سے اڑا دیں۔ بٹس تلاش کریں۔
والوں کو چاہیے کہ وہ پہلی قسم کے لوگوں سے بچیں اور دوسرے گروہ کو حق کی طرف دعوت
دینے پر توجہ دیں۔

ابو طالب کی وفات - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب بسترِ مرگ پر تھے تو آپ کے غیر مسلم رشتہ دار آپ کے گھر پر جمع ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے ساتھ صلح کرنے کی ترغیب دلانا چاہتے تھے۔ لیکن اس کے بجائے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو طالب کو اسلام قبول کرنے کی خواہش اور تاکید کی لیکن انہیں ان کے رشتہ داروں کی طرف سے مسلسل چیلنج کیا گیا یہاں تک کہ ابو طالب غیر مسلم کی حیثیت سے فوت ہو گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان کیا کہ وہ اس وقت تک استغفار کرتے رہیں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے منع نہ کر دیا ہو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے توبہ میں باب 9، آیت 113 نازل فرمائی:

’’نبی اور ایمان والوں کے لیے یہ کام نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے استغفار کریں، خواہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، جب کہ ان پر یہ واضح ہو چکا ہے کہ وہ جہنم کے ساتھی ہیں۔‘‘

اور باب 28 القصص، آیت 56:

’’بے شک تم جسے چاہو ہدایت نہیں دیتے بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔‘‘

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 83-84 میں بحث کی گئی ہے اور صحیح بخاری نمبر 4772 میں موجود ایک حدیث بھی اس واقعہ پر بحث کرتی ہے۔

اگرچہ ابو طالب ایک غیر مسلم کی حیثیت سے وفات پا گئے تھے، ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں کی گئی کوششیں پوری طرح رائیگاں نہیں گئیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ اس بات کی تصدیق فرمائی کہ آپ کی وجہ سے ابو طالب جہنم کی آگ کے گہرے حصوں میں رہنے کے بجائے اس کے اتھلے حصے میں قیام کریں گے، جو اللہ تعالیٰ پر ان کے کفر کی وجہ سے ہوا ہوگا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 510 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

یہ واقعہ اس بات کو سمجھنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو صحیح ہدایت یا گمراہی پر مجبور نہیں کرتا کیونکہ اس سے اس دنیا میں زندگی کا مقصد منحرف ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ واضح دلیلوں اور دلائل پر مبنی حق کو پیش کرتا ہے اور پھر لوگوں کو اپنی مرضی کا انتخاب کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص صحیح رہنمائی چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ کھلے ذہن کے ساتھ اسلامی علم کی تحقیق کرے اور پھر اس کے واضح دلائل کی بنیاد پر اس کے سامنے سرتسلیم خم کرے۔ اس عرضداشت میں ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں دی گئی ہیں جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے کوئی شخص اس عملی جدوجہد کے بغیر صحیح رہنمائی حاصل نہیں کر سکے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر صحیح ہدایت پر مجبور نہیں کرتا۔

اس کے علاوہ، کوئی شخص دوسروں پر، جیسے کہ ان کے رشتہ داروں کو صحیح رہنمائی پر مجبور نہیں کر سکتا۔ ایک مسلمان کا کردار یہ ہے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کو دوسروں پر واضح کرے تاکہ وہ اسلام کو دلائل کی بنیاد پر قبول کریں اور اس پر عمل کریں نہ کہ اندھی تقلید۔ پھر ایک شخص اپنے راستے کا انتخاب کرنے میں آزاد ہے اور جس مسلمان نے انہیں صحیح طریقے سے اسلامی تعلیمات کی وضاحت کی ہے وہ الزام سے پاک ہو گا اور دوسرے لوگوں کے انتخاب کے لیے وہ جوابدہ نہیں ہوں گے۔ باب 88 الغاشیہ، آیات 21-22:

"تو یاد دلائیں، آپ صرف ایک یاد دہانی ہیں، آپ ان پر قابو پانے والے نہیں ہیں۔"

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے فرائض اور ذمہ داریوں پر توجہ مرکوز کرے اور ان باتوں کے بارے میں دباؤ نہ ڈالے جن کے لیے وہ جوابدہ نہیں ہوں گے، جیسے کہ دوسروں کی زندگی کے انتخاب کے بعد جب وہ ان کے لیے اپنی ذمہ داری پوری کر چکے ہیں۔

وفات خدیجہ رضی اللہ عنہا - زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان مشکل سالوں میں آپ کی پیاری بیوی خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا۔ وہ اس کی تمام پریشانیوں میں اس کی قابل اعتماد مشیر رہی تھی اور وہ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 81 ہمیشہ اس سے یقین دہانی حاصل کرتا تھا۔ میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برسوں بعد یاد کرتے ہوئے ایک بار ان کی تعریف کی۔ اس نے کہا کہ وہ اس پر یقین کرتی ہیں جب کوئی اور نہیں کرتا تھا۔ اس نے اسلام اس وقت قبول کیا جب لوگوں نے اس سے کفر کیا۔ اور اس نے اپنی ذات اور دولت میں اس کی مدد کی اور تسلی دی جب اس کے ساتھ مدد کرنے والا کوئی اور نہیں تھا۔ مسند احمد، 6/118 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

دنیا میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ کس طرح ایک شخص نے اپنے دوست کو زندگی میں غلط راستہ اختیار کرنے کی ترغیب دی جس کی وجہ سے وہ جیل جیسی سنگین پریشانی کا باعث بنے۔ کسی کو نہ صرف ان لوگوں سے ہوشیار رہنا چاہیے جو بُری خصلتوں کے مالک ہوتے ہیں کیونکہ وہ اپنے دوستوں پر منفی اثر ڈالتے ہیں جس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4833 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لیکن ایک مسلمان کو ان لوگوں سے بھی ہوشیار رہنا چاہیے جو بظاہر ان سے سچی محبت رکھتے ہیں خاص طور پر وہ لوگ جو حقیقی علم نہیں رکھتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس کے پاس حقیقی علم نہیں ہے وہ بعض اوقات اپنے پیاروں کو غلط نصیحت کرتا ہے کہ اس نے یقین کیا ہے کہ اس نے پورا کیا ہے اور اپنے ساتھی سے اپنی محبت کا اظہار کیا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک بیوی اپنے تھکے ہوئے شوہر کو مشورہ دے سکتی ہے کہ وہ اپنی فرض نماز مسجد میں باجماعت ادا کرنے کے بجائے گھر میں ادا کرے۔ اگرچہ بعض علماء کے نزدیک گھر میں فرض نماز پڑھنا جائز ہے ، لیکن یہ نصیحت صرف پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم ترین روایتوں میں سے ایک سے ہٹ جائے گی۔ یہ بدلے میں انہیں اللہ تعالیٰ سے مزید دور لے جائے گا۔ اس بیوی کو یقین ہو سکتا ہے کہ اس نے محبت کے ساتھ برتاؤ کیا ہے حالانکہ اس نے نہیں کیا۔ اسی لیے مفید علم حاصل کرنا انتہائی ضروری اور تمام مسلمانوں پر فرض ہے سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود حدیث کے مطابق۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کچھ چیزیں ظاہری طور پر مشکل معلوم ہوتی ہیں لیکن ان کے اندر بہت سی برکات موجود ہوتی ہیں۔ اور بہت سی چیزیں

آسان اور حلال معلوم ہوتی ہیں لیکن وہ صرف ایک کو اللہ تعالیٰ سے دور کر دیتی ہیں۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہوشیار رہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہے، اس کے احکام کو بجا لاتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرتے ہوئے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے اور کسی عزیز کی نصیحت سے بے وقوف نہ بنے۔ انہیں یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ مشورہ ان کو فائدہ دے گا کیونکہ یہ ایک پیارے ساتھی کی طرف سے آیا ہے۔

پرانے تعلقات کو برقرار رکھنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہل و عیال اور دوستوں کے ساتھ تعلقات قائم رکھے۔ مثال کے طور پر، وہ اکثر انہیں کھانا اور تحائف پیش کرتا تھا۔ صحیح بخاری نمبر 3818 میں موجود حدیث میں اس کا ذکر ہے۔

اس طرح دوسرے لوگوں کے ساتھ اپنے تعلقات کو برقرار رکھنے میں سنجیدہ کوشش کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک مسلمان کو ضرورت پڑنے پر اپنے وسائل کے مطابق دوسروں کی مدد کے لیے حاضر ہونا چاہیے۔ اور انہیں اپنے رشتہ داروں پر نظر رکھنی چاہیے تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ وہ اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کر رہے ہیں، جو اس ڈیجیٹل دور میں کرنا بہت آسان اور سیدھا ہے۔

اس کے علاوہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین انبیاء علیہم السلام کے بعد پیدا ہونے والا بہترین گروہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے جسمانی طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی زندگی کے دوران دیکھا، یقیناً ایک عنصر ہے۔ لیکن جو کوئی ان کی زندگی اور ان کے اعمال صالحہ کے بارے میں جانتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ ان کی برتری صرف اس منفرد اور عظیم عمل سے زیادہ ہے۔

ان کی فضیلت کی ایک بڑی وجہ صحابی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے متعلق ایک حدیث میں دکھائی گئی ہے جو کہ صحیح مسلم نمبر 6515 میں موجود ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ صحرا میں اپنی سواری پر سوار تھے کہ ایک اعرابی سے ان کا سامنا ہوا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اعرابی کو سلام کیا، اعرابی کے سر پر اپنی پگڑی رکھ دی اور اعرابی کو اپنی سواری پر سوار ہونے کی تاکید کی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا کہ اس نے اعرابی کو جو سلام کیا وہ کافی سے زیادہ تھا کیونکہ اعرابی اس بات پر بہت خوش ہوا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم صحابی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سلام کیا۔ اس کے باوجود ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے بہت آگے جا کر بدویوں کا بہت احترام کیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب

دیا کہ میں نے یہ صرف اس لیے کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار یہ نصیحت کی تھی کہ ایک شخص اپنے والدین کی عزت کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے والدین کے رشتہ داروں اور دوستوں کے ساتھ محبت اور احترام کا اظہار کرے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے مزید کہا کہ اعرابی کے والد اپنے والد امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دوست تھے۔

یہ واقعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے۔ وہ مکمل طور پر اسلام کی تعلیمات کے تابع تھے۔ انہوں نے نہ صرف فرض کی ادائیگی کی اور تمام گناہوں سے اجتناب کیا بلکہ ان تمام اعمال کو مکمل طور پر پورا کیا جن کی سفارش ان کے لیے ممکن حد تک ممکن تھی۔ ان کی سر تسلیم خم کرنے کی وجہ سے وہ اپنی خواہشات کو ایک طرف رکھ کر صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما آسانی سے اعرابی کو نظر انداز کر سکتے تھے کیونکہ اس نے جو عمل کیا تھا ان میں سے کوئی بھی واجب نہیں تھا، اس عذر کو استعمال کرنے والے بہت سے مسلمانوں کے برعکس، اس نے مکمل طور پر اسلام کی تعلیمات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور اس کے مطابق عمل کیا۔

اسلام کی تعلیمات کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کا ایمان کمزور ہوا ہے۔ بعض تو صرف واجبات کو پورا کرتے ہیں اور دوسرے اعمال صالحہ سے اعراض کرتے ہیں، مثلاً صدقہ، جو ان کی خواہشات کے خلاف یہ کہتے ہوئے کہ اعمال واجب نہیں ہیں۔ تمام مسلمان آخرت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ختم ہونے کی خواہش رکھتے ہیں۔ لیکن اگر وہ ان کے راستے یا راستے پر نہ چلیں تو یہ کیسے ممکن ہے؟ اگر کوئی مسلمان ان کے سوا کسی اور راستے پر چلے گا تو وہ ان کے ساتھ کیسے جا سکتا ہے؟ ان کے ساتھ ختم ہونے کے لیے ان کے راستے پر چلنا چاہیے۔ لیکن یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب کوئی شخص اپنی خواہشات کے مطابق کام کرنے کی بجائے اسلام کی تعلیمات کو پوری طرح تسلیم کر لے جیسا کہ انہوں نے کیا تھا۔

گارڈین

ایک ہی سال میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چہیتی زوجہ محترمہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے چچا ابو طالب رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ وہ اس کی تمام پریشانیوں میں اس کی قابل اعتماد مشیر رہی تھی اور وہ اس سے یقین دہانی چاہتا تھا۔ اور اپنے چچا ابو طالب کی موت کا مطلب یہ تھا کہ وہ مکہ کے غیر مسلموں کے خلاف حمایت اور تحفظ کا ایک ذریعہ کھو چکے تھے۔ وصال کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشکلات بہت بڑھ گئیں۔ ان پر مکہ کے غیر مسلموں کا جسمانی تشدد بہت بڑھ گیا۔ مثال کے طور پر، انہوں نے ایک بار اس کے سر پر مٹی ڈال دی۔ جب وہ گھر واپس آیا تو اس کی ایک بیٹی روتے ہوئے مٹی کو دھو رہی تھی۔ اس نے اسے کہا کہ نہ رو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کا محافظ ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 81 میں بحث کی گئی ہے۔

دوسرے موقعوں پر، اس کے پڑوسی، جو اس کے رشتہ دار بھی تھے، جب وہ اپنے گھر میں ہوتا تو اس پر گندی چیزیں پھینک دیتے اور ان چیزوں کو اپنے برتن میں بھی رکھ دیتے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اس طرح جواب نہیں دیا بلکہ اپنے گھر سے گندگی اٹھا کر ٹھکانے لگاتے تھے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 99 میں بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حامی و ناصر تھا، پھر بھی عمر بھر آپ کو شدید نقصان پہنچا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت ہمیشہ لوگوں پر ظاہر نہیں ہوتی اور نہ ہی اس طرح ہوتی ہے جس طرح لوگ چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو اپنے لامحدود علم و حکمت کے مطابق تحفظ فراہم کرتا ہے، خواہ یہ تحفظ ان پر ظاہر نہ ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

”لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

اس کے علاوہ، اللہ تعالیٰ کو مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت، پھر دنیاوی چیزوں سے ان کی حفاظت کی زیادہ فکر ہے جیسا کہ پہلے والی چیز زیادہ اہم ہے۔ اور بہت سی صورتوں میں دنیوی مشکلات سے تحفظ انسان کے لیے بہتر نہیں ہوگا کیونکہ یہ مشکلات اس کے لیے بے شمار ثواب کمانے کے مواقع ہیں۔ لہٰذا انسان کو اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں اس کی حفاظت حاصل کر لے اور پھر جس طرح اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت کرتا ہے اسے قبول کرے، خواہ یہ ان پر ظاہر نہ ہو۔ باب 65 میں طلاق، آیت 2:

’’اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔‘‘

خواہ کوئی بھی مشکل پیش آئے، جب تک وہ خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہیں گے، انہیں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں حتمی کامیابی نصیب ہوگی۔

اس کے علاوہ، زیر بحث اہم واقعہ اپنے پڑوسی کو نقصان پہنچانے سے گریز کرنے کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کیونکہ یہ ایک مسلمان کے رویے سے متصادم ہے۔ صحیح بخاری نمبر 6014 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی اس حد تک ترغیب دی گئی کہ آپ کے خیال میں پڑوسی ان کے مسلمان پڑوسی کا وارث بن جائے گا۔

بدقسمتی سے، اس فرض کو اکثر نظرانداز کر دیا جاتا ہے حالانکہ اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرنا اسلام کا ایک اہم پہلو ہے۔ سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اسلام میں کسی شخص کے پڑوسی میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جو مسلمان کے گھر کی طرف ہر سمت چالیس گھروں کے اندر رہتے ہیں۔ اس کی تصدیق امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 109 میں ہوتی ہے۔

صحیح مسلم کی حدیث نمبر 174 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار اللہ تعالیٰ، برگزیدہ اور یوم آخرت پر ایمان کو پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک سے جوڑ دیا ہے۔ صرف یہی حدیث پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی سنگینی کی نشاندہی کرنے کے لیے کافی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ادب المفرد نمبر 119 میں موجود ایک حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ جس عورت نے اپنے فرض کو پورا کیا اور بہت زیادہ نفلی عبادت کی وہ جہنم میں جائے گی کیونکہ اس نے اپنی تقریر کے ذریعے اپنے پڑوسیوں سے برا سلوک کیا۔ اگر اپنے پڑوسی کو الفاظ کے ذریعے نقصان پہنچانے والے کا یہی حال ہے تو کیا کوئی اپنے پڑوسی کو جسمانی طور پر نقصان پہنچانے کی سنگینی کا تصور کر سکتا ہے؟

مسلمان کو اپنے پڑوسی کی طرف سے بدسلوکی پر صبر کرنا چاہیے۔ درحقیقت ایک مسلمان کو ایسے معاملات میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے۔ نیکی کا بدلہ اچھائی سے مشکل نہیں ہے۔ اچھا پڑوسی وہ ہے جو نقصان کا بدلہ بھلائی سے دیتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 34:

"اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی۔ برائی کو اس [عمل] سے دفع کرو جو بہتر ہے، اس طرح جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسے وہ ایک مخلص دوست ہو۔"

لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ کسی کو اپنے پڑوسیوں یا دوسروں کو حد سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں دینی چاہئے اور جب مناسب ہو اپنا دفاع کرنا چاہئے۔ نظر انداز کرنا اور معاف کرنا معمولی حالات میں لاگو ہوتا ہے جو مستقبل میں ان پر منفی اثر نہیں ڈالے گا، اور نہ ہی اس میں ملوث لوگوں کے درمیان بار بار دوبارہ پیدا ہوگا۔

ایک مسلمان کو اپنے پڑوسی کی جائیداد کی نجی جگہ کا احترام کرنا چاہئے لیکن ساتھ ہی انہیں سلام کرنا چاہئے اور زیادہ دخل اندازی کئے بغیر انہیں مدد کی پیشکش کرنی چاہئے۔ کسی شخص کے لیے جو بھی ذریعہ دستیاب ہو، جیسے کہ مالی یا جذباتی مدد سے ان کی مدد کی جانی چاہیے۔

ایک مسلمان کو چاہیے کہ اپنے پڑوسیوں کے عیبوں کو چھپائے جب کہ ان کا کوئی منفی نتیجہ نہ نکلے۔ جو دوسروں کے عیب چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو چھپاتا ہے۔ اور جو دوسروں کے عیبوں کو ظاہر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو ظاہر کرے گا اور انہیں سرعام رسوا کرے گا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4880 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، کسی کو اپنے پڑوسی کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ اپنے پڑوسیوں سے برتاؤ کرنے کی خواہش رکھتا ہے، جس میں مہربانی اور احترام کا اظہار بھی شامل ہے۔

طائف کا دورہ

نجی گفتگو

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کی وفات ہوئی تو وہ مکہ کے غیر مسلموں جب کے خلاف حمایت اور تحفظ کا ایک ذریعہ کھو بیٹھے۔ اس لیے انھوں نے طائف کے قریبی شہر کا دورہ کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ وہ اپنے لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں اور مکہ کے غیر مسلموں کے خلاف ان کی مدد لیں۔ جب وہ طائف کے سرداروں سے ملا تو انہوں نے اس کی توہین اور تمسخر اڑایا۔ جب وہ طائف سے نکل رہے تھے تو اس نے ان سے درخواست کی کہ وہ اپنی ملاقات اور گفتگو کو خفیہ رکھیں کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مکہ کے غیر مسلم اس کے بارے میں معلوم ہونے کی صورت میں ہی ان کے خلاف اپنے تشدد میں شدت پیدا کریں گے۔ لیکن طائف کے قائدین اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد نے عام شائستگی کے اس عمل سے بھی انکار کر دیا۔ 2، صفحہ 99-100 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1959 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ نجی گفتگو ایک امانت ہے جس کی حفاظت ضروری ہے۔

بدقسمتی سے، بہت سے لوگوں کو لوگوں کی نجی گفتگو کو دوسروں تک پہنچانے کی بری عادت ہے۔ یہ ایک ناقابل یقین حد تک بری خصوصیت ہے کیونکہ یہ ایک سچے مسلمان کے رویے سے ،متصادم ہے۔ بہت سے لوگ اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ ایسا کرتے ہیں کہ یہ قابل قبول ہے جب کہ یہ واضح طور پر نہیں ہے۔ ایک مسلمان کو بات چیت میں کہے گئے الفاظ کو ہمیشہ پوشیدہ رکھنا چاہئے جب تک کہ انہیں اس بات کا پورا یقین نہ ہو کہ جس شخص سے اس نے بات کی ہے وہ کسی تیسرے فریق کو بتائے جانے والی معلومات پر کوئی اعتراض نہیں کرے گا۔ اگر وہ کریں گے تو ایسا کرنا ان کے ساتھ خیانت کرتا ہے اور یہ ان کے مخلص ہونے کے منافی ہے۔ سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود ایک حدیث میں دوسروں کے ساتھ مخلص ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اگر کسی کو یقین ہو کہ دوسرے شخص کو اس کی گفتگو

دوسروں کے سامنے بتانے پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا، اس کے باوجود تیسرے فریق کے ساتھ گفتگو کو شیئر کرنے سے گریز کرنا زیادہ محفوظ اور افضل ہے۔

اہم حدیث پر عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ غیبت اور گپ شپ جیسے گناہوں کو روکتی ہے اور لوگوں کے درمیان منفی جذبات پیدا ہونے سے روکتی ہے۔ یہ اکثر اس وقت ہوتا ہے جب کسی فریق ثالث کو بتائی گئی گفتگو اکثر غلط تشریح اور غلط فہمیوں کا باعث بنتی ہے۔ یہ سب صرف ٹوٹنے اور ٹوٹے ہوئے رشتوں کا باعث بنتے ہیں۔ اگر کوئی ان کی زندگی پر ایمانداری سے غور کرے تو انہیں احساس ہوگا کہ جن لوگوں کے بارے میں انہوں نے منفی جذبات محسوس کیے ان کی اکثریت اس وجہ سے ہوئی کہ ان کے بارے میں ان کے بارے میں کیا بتایا گیا نہ کہ وہ جو انہوں نے ان سے براہ راست دیکھا۔ نجی گفتگو کا انکشاف کرنا لوگوں خصوصاً رشتہ داروں کے درمیان اتحاد کو روکتا ہے۔ اور اسلام کی بہت سی تعلیمات میں اتحاد کا حکم دیا گیا ہے، جیسے کہ صحیح بخاری، نمبر 6065 میں موجود حدیث۔ باب 4 النساء، آیت 58:

’’بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے سپرد کرو۔‘‘

کسی کو دوسروں کے الفاظ کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کی گفتگو سے برتاؤ کریں۔

فرمان الٰہی کو قبول کرنا

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے قائدین کی طرف سے ٹھکرائے جانے کے بعد طائف سے روانہ ہو رہے تھے تو انہوں نے لوگوں کے ایک ہجوم کو اُکسایا کہ وہ آپ کو گالی دیں، زخمی کریں اور اپنے شہر سے باہر نکال دیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجوم سے ایک باغ میں پناہ لی۔ اس وقت آپ نے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ میں تجھ سے لوگوں کے سامنے اپنی کمزوری اور ناواقفیت کی شکایت کرتا ہوں، اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے، تو مظلوموں کے رب، تو میرا رب ہے، تو مجھے کس کے سپرد کرے گا؟ دور والوں کو جو ناراضگی سے سلام کرے یا کسی ایسے دشمن کو جس کے سپرد تو مجھ سے ناراض ہے، لیکن جب تک تو مجھ سے ناراض نہیں ہوتا، میں اس کی پرواہ نہیں کرتا؟ میں تیرے چہرے کے نور سے پناہ لیتا ہوں جو دنیا اور آخرت کی پریشانیوں کو دور کرتا ہے، اس بات کو یقینی بناتا ہوں کہ آپ کا غصہ یا ناراضگی مجھ پر نازل نہ ہو۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 99-100 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 7500 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مومن کے لیے ہر حالت مبارک ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے ہر صورت حال کا جواب دینے کی ضرورت ہے، خاص طور پر مشکلات میں صبر اور آسانی کے وقت شکرگزاری۔

زندگی کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو وہ حالات ہیں جن میں لوگ خود کو پاتے ہیں، خواہ وہ آسانی کے وقت ہوں یا مشکلات۔ کسی شخص کو کس صورتحال کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کا کنٹرول ان کے ہاتھ سے باہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر دیا ہے اور ان سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ اس لیے جن حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان پر زور دینا کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ وہ مقدر ہیں اور اس لیے ناگزیر ہیں۔ دوسرا پہلو ہر صورت حال پر ایک شخص کا ردعمل ہے۔ یہ ہر شخص کے اختیار میں ہے اور یہ وہی ہے جس پر ان کا فیصلہ کیا جاتا ہے، مثال کے طور پر، کسی مشکل صورتحال میں صبر یا بے صبری کا مظاہرہ کرنا۔ لہٰذا، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہر حال میں اپنے رویے اور رد عمل پر توجہ مرکوز کرے، بجائے اس کے کہ کسی صورت حال میں ہونے پر زور دیا جائے، کیونکہ یہ ناگزیر ہے۔ اگر کوئی مسلمان دونوں جہانوں میں کامیابی چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ ہر حال کا اندازہ لگا لے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کام کرے۔ مثال کے

طور پر، آسانی کے وقت ان کو چاہیے کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں جو ان کے پاس ہیں جیسا کہ اسلام نے تجویز کیا ہے، جو کہ اللہ تعالیٰ کا سچا شکر ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

اور مشکل کے وقت انہیں صبر کا مظاہرہ کرنا چاہیے یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے چاہے وہ انتخاب کے پیچھے کی حکمت کو نہ سمجھیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

’’لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔‘‘

غور طلب ہے کہ اہم حدیث میں ہر حال میں کامیابی مومن کے لیے بتائی گئی ہے نہ کہ مسلمان کے لیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مومن مضبوط ایمان کا حامل ہوتا ہے جس کی جڑیں اسلامی علم میں پیوست ہوتی ہیں۔ اپنے مضبوط ایمان کے نتیجے میں، وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر زیادہ سختی سے عمل پیرا ہوتے ہیں، جس میں مشکلات میں صبر اور آسانی کے وقت شکر گزاری شامل ہوتی ہے۔ جبکہ مسلمان وہ ہے جس نے اسلام قبول کیا ہو لیکن کمزور ایمان کی وجہ سے جو کہ اسلامی علم سے ناواقفیت کی وجہ سے پیدا ہوا ہو، وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ساتھ مختلف حالات کا جواب دینے میں ناکام ہو سکتا ہے۔ اس لیے اسلامی علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے تاکہ وہ مومن کے درجے تک پہنچ جائے اور اس لیے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو برقرار رکھے۔

مثبتیت

جب طائف کے لوگوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف اُکسایا گیا تو اُن کے قائدین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن کے شہر سے بھگانے کے لیے ایک باغ میں پناہ لی۔ یہ باغ دو بھائیوں عتبہ اور شیبہ کا تھا جنہوں نے جو کچھ ہوا اس کا مشاہدہ کیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ رحم کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے اپنے خادم عداس رضی اللہ عنہ کو انگوروں کی ٹڑے دے کر ان کے پاس بھیجا۔ عداس رضی اللہ عنہ عیسائی تھے لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنے کے بعد کھانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا نام پڑھا اور ان سے مختصر گفتگو کرنے کے بعد انہوں نے اسلام قبول کیا کیونکہ انہوں نے انہیں بائبل کی آسمانی تعلیمات میں مذکور نشانیوں سے پہچان لیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 99-101 میں بحث کی گئی ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اگر غیر مسلم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں تو مسلمانوں کو دوسروں کے ساتھ ہمدردی کا زیادہ حق حاصل ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 1922 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرے گا۔ یہ رحم سب سے بہتر اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب کوئی دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرتا ہے جیسا کہ وہ خود دوسرے لوگوں کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں اپنے ذرائع کے مطابق دوسروں کی مخلصانہ مدد کرنا شامل ہے، جیسے مالی، جذباتی اور جسمانی مدد۔ جب تک کوئی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اس طرح کا برتاؤ کرے گا، اسے دونوں جہانوں میں اس کی نصرت، رحمت اور برکتیں حاصل ہوں گی۔

اس کے علاوہ، اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طائف کے لوگوں سے حمایت حاصل کرنے کا اپنا مقصد حاصل نہیں کیا، لیکن کم از کم ایک شخص نے اسلام قبول کیا۔ لہذا، یہ چیزوں اور حالات کو مثبت ذہنیت سے دیکھنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ مثبت سوچ اپنائیں کیونکہ یہ مشکلات سے نمٹنے کے لیے ان کی مدد کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہیں۔ جب بھی کسی شخص کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اسے ہمیشہ ایک سچائی کو سمجھنا چاہیے کہ مشکل اس سے کہیں زیادہ خراب ہو سکتی تھی۔ اگر یہ دنیاوی مسئلہ تھا تو انہیں شکر گزار ہونا چاہئے کہ یہ ان کے ایمان کو متاثر کرنے والی مصیبت نہیں تھی۔ مشکل کے ساتھ آنے والے فوری غم پر غور کرنے کے بجائے انہیں انجام اور اس انعام پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صبر کا مظاہرہ کرنے والوں کے لیے منتظر ہے۔ جب کوئی شخص چند نعمتوں سے محروم ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ ان گنت نعمتوں کا ذکر کرے جو اس کے پاس موجود ہیں۔ ہر مشکل میں ایک مسلمان کو قرآن کریم کی آیت یاد رکھنی چاہیے جو مسلمانوں کو یاد دلاتی ہے کہ مشکلات اور آزمائشوں میں بہت سی پوشیدہ حکمتیں ہیں جن کا اس نے مشاہدہ نہیں کیا۔ لہٰذا وہ جس صورتحال کا سامنا کر رہے ہیں وہ اس صورتحال سے بہتر ہے جس کی ان کی خواہش تھی۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

”لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

آخر میں، ایک مسلمان کو ان حقائق اور دیگر چیزوں پر غور کرنا چاہیے تاکہ وہ ایک مثبت سوچ اپنائے جو مشکلات سے اس طرح نمٹنے کے لیے کلیدی عنصر ہے جو دونوں جہانوں میں بے شمار نعمتوں کا باعث ہے۔ یاد رکھیں، کپ آدھا خالی نہیں ہے بلکہ آدھا بھرا ہوا ہے۔

معافی اور نظر انداز

جب طائف کے لوگوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف اُکسایا گیا تو اُن کے قائدین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن کے شہر سے بھگانے کے لیے ایک باغ میں پناہ لی۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتے کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا جس نے شہر کو دو پہاڑوں کے درمیان کچلنے کی پیشکش کی۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا اور اس کے بجائے تبصرہ کیا کہ مجھے امید ہے کہ یہ شہر ایک دن اسلام قبول کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرے گا۔ صحیح بخاری نمبر 3231 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اپنی ذات سے بدلہ نہیں لیا بلکہ معاف کر دیا اور نظر انداز کیا۔

مسلمانوں کو مناسب اور معقول طریقے سے اپنا دفاع کرنے کی اجازت دی گئی ہے جب ان کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں بچا ہے۔ لیکن انہیں کبھی بھی لائن سے اوپر نہیں جانا چاہئے کیونکہ یہ ایک گناہ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 190:

’’اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہ کرو، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔‘‘

چونکہ نشان پر قدم رکھنے سے بچنا مشکل ہے، اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ صبر کی پابندی کرے، دوسروں کو نظر انداز کرے اور معاف کرے کیونکہ یہ نہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف ان کے گناہوں کو معاف کرنے کی طرف لے جاتی ہے۔ باب 24 النور، آیت 22:

‘‘اور وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا آپ پسند نہیں کریں گے کہ اللہ آپ کو معاف کر دے؟’’

دوسروں کو معاف کرنا دوسروں کے کردار کو مثبت انداز میں بدلنے میں بھی زیادہ موثر ہے، جو کہ اسلام کا مقصد ہے اور مسلمانوں پر فرض ہے، کیونکہ بدلہ لینے سے ملوث افراد کے درمیان مزید دشمنی اور غصہ پیدا ہوتا ہے۔

جو لوگ دوسروں کو معاف نہ کرنے کی بری عادت رکھتے ہیں اور معمولی باتوں پر بھی ہمیشہ رنجشوں میں مبتلا رہتے ہیں، وہ اچھی طرح جان سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ ان کے ہر چھوٹے گناہ کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چیزوں کو ،جانے دینا سیکھنا چاہئے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں بخشش کا باعث بنتا ہے۔ اس کے علاوہ ذہنی سکون اس وقت ختم ہو جاتا ہے جب کوئی شخص ہر اس چھوٹے سے مسئلے کو پکڑنے کی عادت اپنا لیتا ہے جو اسے پریشان کرتا ہے۔ لہٰذا، دوسروں کو نظر انداز کرنا اور معاف کرنا سیکھنا چھوٹے موٹے مسائل کو چھوڑنے میں مدد کرتا ہے، جس کے نتیجے میں انہیں ذہنی سکون حاصل کرنے میں مدد ملتی ہے۔

آخر میں، اہم حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جب دوسرے لوگ لائن کو عبور کریں تو کسی کو اپنا دفاع نہیں کرنا چاہئے، جیسا کہ اسلام بغیر کسی کمزوری کے عاجزی کا درس دیتا ہے۔ اس کے علاوہ، یہاں تک کہ جب کوئی دوسروں کو معاف کرتا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ان پر اندھا اعتماد کریں یا ان کے ساتھ ہمیشہ کی طرح سماجی تعلقات جاری رکھیں۔ اس سے ان کے ،دوبارہ غلط ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں کو معاف کرنا چاہیے اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے حقوق ادا کرنے چاہئیں، اور ماضی میں ان لوگوں کے ساتھ پیش آنا چاہیے جنہوں نے ان پر ظلم کیا ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ تاریخ اپنے آپ کو نہ دہرائے اور وہ دونوں جہانوں میں برکتیں اور انعامات حاصل کریں۔

حقیقت کا سامنا کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طائف سے واپس آنے کے بعد آپ کو ایک غیر مسلم رئیس مطعم ابن عدی کی حفاظت میں مکہ میں داخل ہونا پڑا کیونکہ مکہ کے غیر مسلم رہنما حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طائف کے لوگوں کو تبدیل کرنے کی کوشش پر مشتعل ہو گئے تھے۔ برسوں بعد غزوہ بدر میں فتح کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتے اور غیر مسلم جنگی قیدیوں کی شفاعت کرتے تو ان سب کو مفت میں رہا کر دیتے۔ اس کا تذکرہ صحیح بخاری نمبر 4024 اور امام محمد السلّابی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی، جلد 1، صفحہ 534 میں موجود ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اگرچہ ایسا لگتا ہے کہ طائف کے لوگوں کے اسلام قبول کرنے سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے آسانیاں پیدا ہو جاتیں، لیکن یہ ان کے لیے یا اسلام کے لیے بہتر نہ ہوتا۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ چونکہ لوگوں کا علم اور دور اندیشی انتہائی محدود ہے، اس لیے جو ان کے لیے آسان نتیجہ لگتا ہے وہ بہترین نتیجہ نہیں ہو سکتا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے لامحدود علم، حکمت اور دور اندیشی کے مطابق لوگوں کے لیے بہترین نتائج کا انتخاب کرتا ہے، جو اکثر آسان آپشن سے میل نہیں کھاتا۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

’’لیکن شاید تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔‘‘

اس لیے اللہ تعالیٰ کے انتخاب کو قبول کرنا چاہیے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، چاہے وہ اس کے انتخاب کے پیچھے موجود حکمتوں کو نہ دیکھ سکے اور اگر اس کا انتخاب آسان راستہ نہ ہو۔ اس کی بجائے اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے، جس میں اسلامی تعلیمات کے مطابق ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا شامل ہے۔ یہ رویہ ذہنی سکون کا باعث بنے گا، چاہے کسی کو زندگی بھر مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔

اس کے علاوہ، زیر بحث اہم واقعہ بھی لوگوں سے اظہار تشکر کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 1954 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔

اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام نعمتوں کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے، کسی سے کم نہیں، لوگوں کا شکر ادا کرنا اسلام کا ایک اہم پہلو ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات کسی شخص کو دوسروں کی مدد کے لیے استعمال کرتا ہے، جیسے کہ والدین۔ جیسا کہ اسباب اللہ تعالیٰ نے بنائے اور استعمال کیے، ان کا شکر ادا کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے۔ لہٰذا، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اچھے کردار کا مظاہرہ کریں اور دوسروں کی طرف سے ملنے والی کسی بھی امداد یا مدد کے لیے ہمیشہ قدردانی کا اظہار کریں، چاہے اس کا حجم کچھ بھی ہو۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اس کے حکم کے مطابق استعمال کرتے ہوئے اس کا شکر ادا کرنا چاہئے کیونکہ وہ نعمت کا سرچشمہ ہے اور انہیں چاہئے کہ اس شخص کا شکر ادا کریں جس نے ان کی مدد کی کیونکہ یہ وہ وسیلہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا اور منتخب کیا گیا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ زبانی طور پر لوگوں کا شکر ادا کرے اور عملاً ان کے احسان کا بدلہ ان کے وسائل کے مطابق ادا کرے، چاہے وہ ان کی طرف سے صرف دعا ہی کیوں نہ ہو۔ امام بخاری کی کتاب ادب المفرد نمبر 216 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کی مدد کے ظاہری مظہر کا شکر ادا نہیں کرتا، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو براہِ راست ظاہر کرے گا۔

جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا سچا شکر ادا نہیں کر سکتا، اس لیے اسے نعمتوں میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

اگر کوئی مسلمان نعمتوں میں اضافہ چاہتا ہے تو اسے شکر گزاری کے دونوں پہلوؤں کو پورا کرنا چاہیے، یعنی اللہ تعالیٰ اور لوگوں کا۔

آسمانی سفر

تمام غالب

مدینہ ہجرت کرنے سے پہلے مکہ میں اپنے آخری سالوں کے دوران، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزانہ آسمانی سفر پر لے جایا گیا۔ آپ کو پہلے یروشلم میں مسجد اقصیٰ اور پھر رات کے ایک چھوٹے سے حصے میں ساتوں آسمانوں تک لے جایا گیا۔ باب 17 الاسراء، آیت 1:

’’پاک ہے وہ جو اپنے بندے]یعنی حضرت محمد)صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [(کو راتوں رات مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے اطراف میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں تاکہ اسے اپنی نشانیاں دکھائیں۔‘‘

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 61 میں بحث کی گئی ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنے مسائل کے حل اور مشکلات سے نکلنے کا راستہ دینے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر کبھی شک نہیں کرنا چاہیے۔ یہ آسمانی سفر ناممکن لگتا ہے لیکن ایسا ہوا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی لامحدود طاقت سے باہر کوئی چیز نہیں ہے۔ تمام مشکلات سے نکلنے کی شرط اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت ہے جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 2:

’’اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔‘‘

لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو اس سے نکلنے کا راستہ اس کے مطابق عطا کرتا ہے جو ان کے لیے بہتر ہے نہ کہ ان کی خواہشات کے مطابق۔ اللہ تعالیٰ کے انتخاب کے پیچھے جو حکمتیں ہیں وہ اکثر لوگوں پر ظاہر نہیں ہوتیں۔ ان صورتوں میں، انہیں اس کی فرمانبرداری پر ثابت قدم رہنا چاہیے اور اس یقین کے ساتھ کہ وہ ان کے لیے بہترین نتائج کا انتخاب کرے گا، چاہے یہ ان پر واضح نہ ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

"لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

یقینی کے لیے کوشش کرنا

مدینہ ہجرت کرنے سے پہلے مکہ میں اپنے آخری سالوں کے دوران، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزانہ آسمانی سفر پر لے جایا گیا۔ باب 17 الاسراء، آیت 1:

’’پاک ہے وہ جو اپنے بندے]یعنی حضرت محمد)صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [(کو راتوں رات مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے اطراف میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں تاکہ اسے اپنی نشانیاں دکھائیں۔‘‘

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 66-68 میں بحث کی گئی ہے۔

جیسا کہ مندرجہ بالا آیت سے اشارہ کیا گیا ہے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سفرِ آسمانی کی اجازت دینے کی ایک بڑی وجہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو دیکھ کر اپنے ایمان کو مضبوط کرنا تھا۔

اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ یقین کے حصول کے لیے کوشش کریں۔

تمام مسلمان اسلام پر ایمان رکھتے ہیں لیکن ان کے ایمان کی مضبوطی ہر شخص میں مختلف ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر، وہ جو اسلام کی تعلیمات پر عمل کرتا ہے کیونکہ ان کے خاندان نے انہیں بتایا تھا کہ وہ اس جیسا نہیں ہے جو ثبوت کے ذریعے اس پر یقین رکھتا ہے۔ جس شخص نے کسی چیز کے بارے میں سنا ہے وہ اس پر اس طرح یقین نہیں کرے گا جس طرح وہ اپنی آنکھوں سے اس چیز کو دیکھ چکا ہے۔

جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ مفید علم حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ ایک بہترین طریقہ ہے کہ ایک مسلمان اسلام پر اپنے ایمان کو مضبوط کر سکتا ہے۔ اس کا تعاقب کرنا ضروری ہے کیونکہ جس کے ایمان پر یقین جتنا زیادہ مضبوط ہوتا ہے اس کے صحیح راستے پر ثابت قدم رہنے کا موقع اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے، خاص طور پر جب مشکلات کا سامنا ہو۔ اس کے علاوہ سنن ابن ماجہ کی حدیث نمبر 3849 میں یقین کا یقین رکھنے کو بہترین چیزوں میں سے ایک قرار دیا گیا ہے۔ یہ علم کسی معتبر ذریعہ سے قرآن پاک اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کرکے حاصل کیا جانا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نہ صرف ایک حقیقت کا اعلان کیا بلکہ مثالوں کے ذریعے اس کا ثبوت بھی دیا۔ نہ صرف وہ مثالیں جو ماضی کی قوموں میں پائی جاتی ہیں بلکہ ایسی مثالیں جو کسی کی اپنی زندگی میں رکھی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے یہ نصیحت کی ہے کہ بعض اوقات انسان کسی چیز سے محبت کرتا ہے حالانکہ اگر وہ اسے حاصل کر لیتا ہے تو وہ اسے پریشانی کا باعث بنتا ہے۔ اسی طرح وہ کسی چیز سے نفرت کر سکتے ہیں جبکہ اس میں ان کے لیے بہت سی بھلائیاں پوشیدہ ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

”لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

تاریخ میں اس سچائی کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جیسے معاہدہ حدیبیہ۔ کچھ مسلمانوں کا خیال تھا کہ یہ معاہدہ، جو مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ کیا گیا تھا، مکمل طور پر مؤخر الذکر گروہ کی حمایت کرے گا۔ اس کے باوجود تاریخ صاف بتاتی ہے کہ اس نے اسلام اور مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ یہ واقعہ صحیح بخاری نمبر 2731 اور 2732 میں موجود احادیث میں مذکور ہے۔

اگر کوئی اپنی زندگی پر غور کرے تو انہیں بہت سی ایسی مثالیں ملیں گی جب وہ یقین کرتے تھے کہ کوئی چیز اچھی تھی جب وہ ان کے لیے بری تھی اور اس کے برعکس۔ یہ مثالیں اس آیت کی صداقت کو ثابت کرتی ہیں اور ایمان کو مضبوط کرنے میں مدد کرتی ہیں۔

ایک اور مثال باب 79 عن نازیات، آیت 46 میں ملتی ہے:

’’جس دن وہ (قیامت کے دن) کو دیکھیں گے کہ گویا وہ اس دنیا میں ایک دوپہر یا صبح کے سوا باقی نہیں رہے تھے‘‘۔

تاریخ کے اوراق پلٹیں تو صاف نظر آئے گا کہ کتنی بڑی سلطنتیں آئیں اور گئیں۔ لیکن جب وہ چلے گئے تو ان کا اس طرح انتقال ہو گیا گویا وہ ایک لمحے کے لیے زمین پر ہیں۔ ان کی چند نشانیوں کے علاوہ باقی سب ایسے مٹ گئے ہیں جیسے وہ زمین پر پہلے کبھی موجود ہی نہیں تھے۔ اسی طرح، جب کوئی اپنی زندگی پر غور کرے گا تو اسے احساس ہوگا کہ چاہے وہ کتنے ہی بوڑھے کیوں نہ ہوں اور اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ ان کی مجموعی زندگی کتنی ہی سست محسوس ہوئی ہو گی۔ اس آیت کی سچائی کو سمجھنا انسان کے یقین کو مضبوط کرتا ہے اور اس سے انہیں تحریک ملتی ہے کہ وہ وقت ختم ہونے سے پہلے آخرت کی تیاری کریں۔

قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ لہٰذا انسان کو ان الہٰی تعلیمات کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ یقین کو اپنا سکے۔ جو اس کو حاصل کر لے گا وہ کسی بھی مشکل سے متزلزل نہیں ہوگا اور اس راستے پر ثابت قدم رہے گا جو جنت کے دروازوں کی طرف جاتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 53:

’’ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ یہ حق ہے‘‘۔

اعلیٰ ترین درجہ

مدینہ ہجرت کرنے سے پہلے مکہ میں اپنے آخری سالوں کے دوران، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزانہ آسمانی سفر پر لے جایا گیا۔ باب 17 الاسراء، آیت 1:

’’پاک ہے وہ جو اپنے بندے]یعنی حضرت محمد)صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [(کو راتوں رات مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے اطراف میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں تاکہ اسے اپنی نشانیاں دکھائیں۔‘‘

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 61 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ عظیم واقعہ اور نقل کی گئی آیت اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ انسان کس بلند ترین مقام پر پہنچ سکتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا ایک مخلص بندہ۔ اگر اس سے بڑا کوئی درجہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع فرماتے۔ اس کی طرف بہت سی احادیث میں اشارہ کیا گیا ہے، جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 851 میں موجود ہے، جہاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی رسالت کا اعلان کرنے سے پہلے اپنے آپ کو اللہ کا بندہ کہا ہے۔ یہ تمام مسلمانوں کے لیے ایک واضح سبق ہے کہ اگر وہ آخری کامیابی اور دونوں جہانوں میں اعلیٰ مقام چاہتے ہیں تو انہیں اللہ تعالیٰ کے سچے بندے بننا چاہیے۔ یہ اللہ کے سب سے بڑے بندے، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ بندگی کا حصول کسی اور طریقے سے ممکن نہیں۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

کمپنی آف دی گریٹ

مدینہ ہجرت کرنے سے پہلے مکہ میں اپنے آخری سالوں کے دوران، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزانہ آسمانی سفر پر لے جایا گیا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمان کے مختلف درجوں میں بے شمار انبیاء کرام علیہم السلام نے استقبال کیا۔ مثال کے طور پر حضرت آدم علیہ السلام سے پہلی آسمان پر ملاقات ہوئی۔ دوسرے آسمان پر ان کی ملاقات انبیاء یحییٰ اور عیسیٰ علیہ السلام سے ہوئی۔ آپ کی ملاقات چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ہوئی۔ آپ کی ملاقات چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔ یہ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 66 میں درج ہے۔

،ہر مسلمان کھلے عام اعلان کرتا ہے کہ وہ آخرت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت کا خواہش مند ہے۔ وہ اکثر صحیح بخاری نمبر 3688 میں پائی جانے والی حدیث کا حوالہ دیتے ہیں، جو اس بات کی تلقین کرتی ہے کہ انسان آخرت میں ان کے ساتھ رہے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں سے اپنی محبت کا کھلم کھلا اعلان کرتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہ اس نتیجہ کی خواہش کیسے کرتے ہیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، پھر بھی انہیں بمشکل جانتے ہیں کیونکہ وہ آپ کی سیرت، کردار اور تعلیمات کا مطالعہ کرنے میں مصروف ہیں۔ یہ بے وقوفی کی بات ہے کہ کوئی کسی سے سچی محبت کیسے کر سکتا ہے جسے وہ جانتا تک نہیں ہے۔

اس کے علاوہ جب ان لوگوں سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا ثبوت پوچھا جائے گا تو قیامت کے دن کیا کہیں گے؟ وہ کیا پیش کریں گے؟ اس اعلان کا ثبوت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت، کردار اور تعلیمات کا مطالعہ اور ان پر عمل کرنا ہے۔ اس دلیل کے بغیر اعلان اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا۔ یہ بالکل واضح ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہتر اسلام کو کسی نے نہیں سمجھا اور ان کا یہ رویہ نہیں تھا۔ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا اعلان کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر عمل کے ذریعے اپنے دعوے کی تائید کی۔ اس لیے وہ آخرت میں اس کے ساتھ ہوں گے۔

جو لوگ یہ مانتے ہیں کہ محبت دل میں ہوتی ہے اور اسے عمل سے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی وہ اتنا ہی بے وقوف ہے جتنا وہ طالب علم جو امتحان کا خالی پرچہ اپنے استاد کو دے کر دعویٰ کرتا ہے کہ علم ان کے دماغ میں ہے اس لیے انہیں عملی طور پر اسے کاغذ پر لکھنے کی ضرورت نہیں ہے اور پھر بھی پاس ہونے کی امید رکھتا ہے۔

ایسا سلوک کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے محبت نہیں کرتا، صرف اپنی خواہشات رکھتا ہے اور بلاشبہ انہیں شیطان نے دھوکا دیا ہے۔

آخر میں یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ناکام رہے وہ یقیناً قیامت کے دن ان کے ساتھ نہیں ہوں گے۔ اگر کوئی ایک لمحے کے لیے اس حقیقت پر غور کرے تو یہ بالکل واضح ہے۔

زندگی ایک آئینہ ہے۔

مدینہ ہجرت کرنے سے پہلے مکہ میں اپنے آخری سالوں کے دوران، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزانہ آسمانی سفر پر لے جایا گیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کی اور آپ کو ساتویں آسمان پر بیت المعمور میں اللہ تعالیٰ کے گھر سے جھکتے ہوئے دیکھا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ گھر، مکہ میں، خانہ کعبہ کے بالکل اوپر ہے۔ بیت الممور اس قدر مقدس ہے کہ ہر روز 70,000 فرشتے اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور اس کا طواف کرتے ہیں اور انہیں قیامت تک دوبارہ ایسا کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ یہ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 66 میں درج ہے۔

تمام آسمانی صحیفوں میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جو اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ کسی شخص کے ساتھ اس کے سلوک کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔ مثال کے طور پر قرآن پاک کی ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا ہے کہ جو شخص اسے یاد کرے گا وہ اسے یاد رکھے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 152۔

‘‘پس مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔’’

ایک اور مثال باب 2 البقرہ، آیت 40 میں ملتی ہے:

‘‘میرے عہد کو پورا کرو کہ میں تمہارا عہد پورا کروں گا۔’’

آخر میں جامع ترمذی نمبر 1924 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو دوسروں پر رحم کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا۔

اور اسی طرح یہ واقعہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ کس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ کے گھر کے قریب مقام عطا کیا گیا جو کہ ساتویں آسمان پر واقع بیت المعمور ہے کیونکہ انہوں نے ہزاروں سال پہلے مکہ میں اللہ تعالیٰ کے گھر کی تعمیر اور اسے قائم کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ باب 2 البقرہ، آیت 127:

"اور اس وقت کا ذکر کریں جب ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور اسماعیل علیہ السلام نے کہا، "اے ہمارے رب، ہم سے قبول فرما۔ بے شک تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

اس کے علاوہ، یہ بحث باب 47 محمد، آیت 7 سے مربوط ہے :

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم اللہ کا ساتھ دو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمائے گا۔"

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اسلام کی مدد کرے گا تو اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں ان کی مدد کرے گا۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ بے شمار لوگ اللہ تعالیٰ کی مدد کے خواہاں ہیں، لیکن اس آیت کے پہلے حصے کو اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر کے پورا نہیں کرتے۔ اکثر لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ان کے پاس اعمال صالحہ کے لیے وقت نہیں ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے خواہاں ہیں، پھر بھی ان کاموں کے لیے وقت نہیں نکالیں گے جن سے وہ خوش ہے۔ کیا یہ معنی رکھتا ہے؟ جو لوگ فریضہ ادا نہیں کرتے اور پھر ضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ سے مدد کی امید رکھتے

ہیں وہ بالکل بے وقوف ہیں۔ اور جو لوگ واجبات کو پورا کرتے ہیں لیکن ان سے آگے جانے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ انہیں ملنے والی امداد محدود ہے۔ کس طرح برتاؤ کیا جاتا ہے اس کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے۔ جتنا زیادہ وقت اور توانائی اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہوگی، انہیں اتنی ہی زیادہ مدد ملے گی۔ یہ واقعی اتنا آسان ہے۔

،ایک مسلمان کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ زیادہ تر واجبات، جیسے کہ پانچ وقت کی نمازیں صرف ایک دن میں تھوڑا سا وقت لیتی ہیں۔ ایک مسلمان یہ توقع نہیں کر سکتا کہ وہ دن میں بمشکل ایک گھنٹہ فرض نماز کی ادائیگی کے لیے وقف کرے اور پھر باقی دن اللہ تعالیٰ سے غافل رہے اور پھر بھی تمام مشکلات میں اس سے مسلسل مدد کی امید رکھے۔ ایک شخص اس دوست کو ناپسند کرے گا جو اس کے ساتھ ایسا سلوک کرے۔ تو پھر اللہ رب العالمین کے ساتھ ایسا سلوک کیسے ہو سکتا ہے؟

کچھ لوگ صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اضافی وقت صرف کرتے ہیں، جب انہیں کوئی دنیوی مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو اس سے اس کو حل کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں گویا انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ایک احسان رضاکارانہ طور پر کیا ہے۔ یہ احمقانہ ذہنیت واضح طور پر اللہ تعالیٰ ،کی بندگی کے خلاف ہے۔ یہ حیرت انگیز ہے کہ اس قسم کے لوگ اپنی تمام تفریحی سرگرمیاں جیسے کہ خاندان اور دوستوں کے ساتھ وقت گزارنے، ٹی وی دیکھنا اور سماجی تقریبات میں شرکت کے لیے کیسے وقت نکالتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے وقت نہیں نکال پاتے۔ وہ قرآن پاک کی تلاوت اور اس کی تعلیمات کو اپنانے کے لیے وقت نہیں نکال پاتے۔ انہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطالعہ اور ان پر عمل کرنے کا وقت نظر نہیں آتا ۔ یہ لوگ کسی نہ کسی طرح اپنی غیر ضروری آسائشوں پر خرچ کرنے کے لیے دولت تلاش کرتے ہیں لیکن ایسا لگتا ہے کہ انہیں رضاکارانہ خیرات میں دینے کے لیے کوئی دولت نہیں ملتی۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ اس کے برتاؤ کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اضافی وقت لگاتا ہے، تو اسے وہ سہارا مل جائے گا جس کی انہیں تمام مشکلات سے باحفاظت سفر کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن اگر وہ واجبات کو پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کوئی دوسرا وقت صرف کیے بغیر صرف ان کو پورا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ایسا ہی جواب

ملے گا۔ سیدھے الفاظ میں، جتنا زیادہ دیتا ہے، وہ اتنا ہی زیادہ وصول کرے گا۔ اگر کوئی زیادہ نہیں دیتا تو اسے بدلے میں زیادہ امید نہیں رکھنی چاہئے۔

مزید اہم مسائل کو حل کرنا

مدینہ ہجرت کرنے سے پہلے مکہ میں اپنے آخری سالوں کے دوران، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزانہ آسمانی سفر پر لے جایا گیا۔ اہل علم نے کئی نسلوں سے اس بات پر بحث کی ہے کہ آیا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آسمانی سفر کے دوران ان کی حقیقی شکل میں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی یا جبرائیل علیہ السلام کو۔ دونوں فریقین نے اپنے اپنے موقف کی تائید میں ثبوت پیش کیے ہیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 66-68 میں بحث کی گئی ہے۔

لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس اور اس سے ملتے جلتے مسائل پر اس حد تک جھگڑا نہیں کرنا چاہیے کہ اس سے ان کے درمیان دشمنی پیدا ہو۔ اس کے علاوہ، کسی نہ کسی طریقے سے ایمان لانے سے ان کے ایمان اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ نہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس کی باز پرس ہو گی، ورنہ امت مسلمہ کو اس کی خبر ہو چکی ہوتی۔ لہٰذا اس مسئلے پر بحث کرنے، بحث کرنے اور کتابوں کی اشاعت میں لاتعداد گھنٹے گزارنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان چیزوں پر زیادہ توجہ مرکوز کریں جن کے واضح ہونے سے اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں اضافہ ہو گا، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کریں، اور ان باتوں پر توجہ مرکوز کریں جن کے بارے میں سوال کیا جائے گا، جیسے کہ یومِ جمعۃ الوداع۔ بدقسمتی سے اس قسم کے مسائل پر بحث و مباحثہ نے مسلمانوں کو ایک وجہ ہے کہ زیادہ اہم چیزوں اور مسائل پر توجہ مرکوز کرنے سے غافل کر دیا ہے اور یہی وقت کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ کی عمومی قوت میں کمی واقع ہوئی ہے۔

یہ مسئلہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث سے مربوط ہے جو جامع ترمذی نمبر 2518 میں موجود ہے۔ اس میں مسلمان کو مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ ایسی چیز چھوڑے جس سے ان میں شک پیدا ہو اور ان چیزوں پر عمل کرے جس سے ان میں کوئی شک پیدا ہو۔ مسلمانوں کی اکثریت واجبات اور حرام چیزوں جیسے شراب پینے کی اکثریت سے واقف ہے۔ لہٰذا یہ چیزیں مسلمانوں کے اندر کوئی شک و شبہ پیدا نہیں کرتیں، اس لیے انہیں چاہیے کہ معنی کے مطابق عمل کریں، واجبات کو پورا کریں اور ناجائز چیزوں سے پرہیز کریں۔

باقی تمام چیزیں جو واجب نہیں ہیں اور معاشرے میں شکوک پیدا کرتی ہیں اس لیے ان سے بچنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ یہ سوال نہیں کرے گا کہ قیامت کے دن کسی نے رضاکارانہ عمل کیوں نہیں کیا۔ اس کے بجائے، وہ سوال کرے گا کہ انہوں نے رضاکارانہ کام کیوں کیا۔ اس لیے رضاکارانہ عمل کو چھوڑنے کا آخرت میں کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا جب کہ رضاکارانہ عمل کرنے سے سزا، جزا یا معافی ہوگی۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ اس مختصر مگر انتہائی اہم حدیث پر عمل کریں کیونکہ یہ بہت سے مسائل اور بحثوں کو حل اور روک دے گی۔ درحقیقت یہ وہی نصیحت ہے جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک اور حدیث میں ہے جو جامع ترمذی نمبر 1205 میں موجود ہے۔ اس میں یہ نصیحت ہے کہ اسلام میں حلال و حرام دونوں چیزوں کو بنی نوع انسان کے لیے واضح کر دیا گیا ہے اور دیگر تمام رضاکارانہ اعمال جن سے شک پیدا ہوتا ہے ان کو چھوڑ دیا جائے۔ یہ رویہ کسی کے مذہب اور عزت کی حفاظت کرے گا۔

فرض نمازیں۔

جامع ترمذی میں موجود حدیث نمبر 213 میں آسمانی سفر کے ایک خاص حصے پر بحث کی گئی ہے۔ یہ اس وقت ہے جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرض نمازوں کا تحفہ دیا گیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ واحد فرض تھا جو اس طرح ادا کیا گیا تھا، جب کہ باقی سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے تھے، جب آپ زمین پر تھے، فرض نمازوں کے قیام کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس مخصوص حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں پچاس فرض نمازوں کا حکم دیا گیا تھا اور قدم بہ قدم ان کو کم کیا گیا جب تک کہ پانچ باقی نہ رہیں۔ اگر ایک مسلمان کو روزانہ پچاس فرض نمازیں ادا کرنا پڑیں تو یہ اسے کسی اور کام سے روکے گا۔ اس سے فرض نمازوں کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ یہ مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ ان کی زندگی فرض نمازوں کے گرد گھومنی چاہیے۔ اس لیے اپنی زندگی کو فرض نمازوں کے گرد ڈھالنا چاہیے نہ کہ اپنے مذہبی فرائض کو اپنی زندگی کے گرد ڈھالنا چاہیے۔

اس کے علاوہ، فرض نمازیں اس بات کی طرف اشارہ ہیں کہ مادی دنیا سے لاتعلق رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے کس طرح تعلق رکھنا چاہیے۔ نماز پڑھنے والے مسلمان کو نماز کے دوران بات کرنے کھانے یا دیگر عام حلال کام کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ اس بات کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنا، اس کے احکام کو پورا کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنے اور اپنی روزمرہ کی سرگرمیوں میں صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا۔ ابتدائی طور پر روزانہ پچاس فرض نمازوں کو ادا کرنے کا حکم دینا مسلمانوں کو یاد دلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے یہ فرمانبرداری اور تعلق ان کی اولین ترجیح ہونی چاہیے اور دیگر تمام چیزوں کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کے جائز مقام پر رکھنا چاہیے۔ یہ بنی نوع انسان کا اصل مقصد ہے۔ ان کا مقصد اس مادی دنیا کی غیر ضروری اور فضول چیزوں کے لیے کوشش کرنا نہیں ہے۔ یہ مادی دنیا ایک پل ہے جو انسان کو آخرت سے جوڑتا ہے۔ یہ کوئی مستقل گھر نہیں ہے۔ فرض نماز اور یہ عظیم واقعہ مسلمانوں کو اس حقیقت کی یاد دلاتا ہے۔ لہٰذا انہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق اس پل کو عبور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ آخرت تک محفوظ رہ سکیں۔

عام طور پر، فرض نمازوں کو قائم کرنے میں ان کی مکمل شرائط اور آداب کے ساتھ ادا کرنا شامل ہے، جیسے کہ وقت پر ادا کرنا۔ فرض نمازوں کا قیام قرآن پاک میں اکثر دہرایا گیا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کا سب سے اہم عملی ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ، جیسا کہ روزانہ کی نمازیں تمام پھیلی ہوئی ہیں، یہ روزِ قیامت کی مستقل یاد دہانی کے طور پر کام کرتی ہیں اور عملی طور پر

اس کی تیاری کرتی ہیں، کیونکہ فرض نماز کا ہر مرحلہ قیامت سے جڑا ہوا ہے۔ جب کوئی صحیح معنوں میں کھڑا ہوتا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح کھڑا ہوتا ہے۔ باب 83 المطففین، آیات 4-6:

" کیا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے، ایک عظیم دن کے لیے جس دن انسان رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے؟"

جب وہ جھکتے ہیں، تو یہ انہیں بہت سے لوگوں کی یاد دلاتا ہے جن پر قیامت کے دن تنقید کی جائے گی کہ انہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ نہ کیا۔ باب 77 المرسلات، آیت 48:

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رکوع کرو تو وہ رکوع نہیں کرتے۔

اس تنقید میں زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو عملی طور پر تسلیم نہ کرنا بھی شامل ہے۔ جب کوئی نماز میں سجدہ کرتا ہے تو یہ انہیں یاد دلاتا ہے کہ کس طرح لوگوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے کی دعوت دی جائے گی۔ لیکن وہ لوگ جنہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران اسے صحیح طریقے سے سجدہ نہیں کیا، جس میں ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اس کی اطاعت شامل ہے، وہ قیامت کے دن ایسا نہیں کر سکیں گے۔ باب 68 القلم، آیات 42-43:

"جس دن حالات سنگین ہو جائیں گے، انہیں سجدہ کرنے کی دعوت دی جائے گی، لیکن ایسا کرنے سے روکا جائے گا، ان کی نظریں جھکی ہوئی ہوں گی، ذلت ان پر چھائی ہوئی ہے، اور انہیں سجدے کی طرف بلایا جاتا تھا جب وہ ٹھیک تھے۔"

جب کوئی نماز میں گھٹنوں کے بل بیٹھتا ہے تو یہ انہیں یاد دلاتا ہے کہ وہ کس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے آخری فیصلے سے ڈرتے ہوئے اس مقام پر بیٹھے ہوں گے۔ باب 45 الجثیہ، آیت 28:

اور تم ہر امت کو گھٹنے ٹیکتے ہوئے دیکھو گے اور ہر قوم کو اس کے اعمال نامے کی طرف بلایا جائے گا کہ آج تمہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

جو ان عناصر کو ذہن میں رکھ کر نماز پڑھے گا وہ اپنی نماز کو صحیح طور پر قائم کرے گا۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ نماز کے درمیان خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ باب 29 العنکبوت، آیت 45:

''...بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے''

اس اطاعت میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو راضی کرنے کے طریقے سے عطا کی گئی ہیں جیسا کہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

ابوبکر)رضی اللہ عنہ (- حق کے چیمپئن

اپنے آسمانی سفر سے واپسی کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کے غیر مسلموں کو اس کی اطلاع دی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کے غیر مسلموں کو بہت سی تفصیلات فراہم کیں جو ثابت کرتی ہیں کہ یہ سفر ہوا تھا۔ مثال کے طور پر، اس نے مسجد الاقصیٰ کی تفصیلی وضاحت کی، جو کہ ناممکن تھا، کیونکہ اس نے پہلے کبھی وہاں کا سفر نہیں کیا، جو غیر مسلموں کو معلوم تھا۔ اس نے تفصیل سے ایک سفری قافلہ بیان کیا جو مکہ کی طرف جا رہا تھا اور عین اس وقت پہنچا جب اس نے ان سے کہا کہ یہ ہو گا۔ اس نے کچھ دوسرے مسافروں کا ذکر کیا جن سے اس نے مکہ واپسی کے راستے میں سامنا کیا اور ان کا سامان تفصیل سے بیان کیا۔ لیکن مکہ کے غیر مسلموں کی ضد بہت زیادہ تھی اس لیے انہوں نے اسے اور اس واقعہ کو رد کر دیا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 551-552 میں بحث کی گئی ہے۔

مکہ کے غیر مسلموں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قائل کرنے کی کوشش کی کہ وہ اسلام سے دستبردار ہو جائیں کیونکہ ان کے خیال میں یہ سفر ناممکن ہے۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سادگی سے جواب دیا کہ اس سفر پر ایمان لانا ایک چھوٹا سا مسئلہ تھا کیونکہ وہ ان عظیم چیزوں پر یقین رکھتے تھے جن کے بارے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں آگاہ کیا تھا، جیسا کہ وحی الٰہی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ کو صدیق یعنی صادق کا لقب دیا گیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 63 میں بحث کی گئی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہر وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سچے اخلاص کا مظاہرہ کیا اور یہ رویہ تمام مسلمانوں کو اپنانا چاہیے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت

کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4:

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7:

‘‘اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔’’

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا ‘‘۔

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود

ایک ہی حدیث میں ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ساری مخلوق سے زیادہ محبت نہ کرے۔ یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔ اس کا احترام، محبت اور عملی طور پر اس کی پیروی کرنا اس کے لیے مخلص ہونے کا ایک پہلو ہے۔ لیکن یہ آپ کی بابرکت زندگی اور تعلیمات کو سیکھے بغیر ممکن نہیں۔ کسی کی عزت، محبت اور پیروی کیسے کر سکتا ہے جسے وہ جانتا تک نہیں؟ جو شخص اس سے محبت اور احترام کا دعویٰ کرتا ہے لیکن عملی طور پر اس کی پیروی کرنے میں ناکام رہتا ہے وہ ان کے دعوے میں بے ایمان ہے۔

مختلف قبائل میں اسلام کی تبلیغ

نرم استقامت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مشن پر ثابت قدم رہے اور ہر ایک کو اسلام کی دعوت دی۔ اسلام کے پیغام کو عام کرنے کے لیے آپ نے بہت سے قبیلوں اور قبیلوں کا دورہ کیا۔ اسلام کے ابتدائی ایام میں اکثریت نے ان کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔ مثال کے طور پر آپ نے قبیلہ کندہ، قبیلہ کلب، قبیلہ حنیفہ اور بہت سے دوسرے لوگوں کا دورہ کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 105 میں بحث کی گئی ہے۔

جو شخص اسلام کی تبلیغ کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ دوسروں کو نیکی کی کثرت سے یاد دلانے کی کوشش کرے۔ لوگ جلدی سے غافل ہو سکتے ہیں اس لیے انہیں مسلسل یاد دلانا ضروری ہے۔ باب 28 القصص، آیت 51:

"اور ہم نے ان تک کلام]یعنی قرآن [پہنچایا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ "

بالکل ایسے طلباء کی طرح جو اس کے علم کو تقویت دینے کے لیے اپنے نوٹوں پر بار بار نظر ثانی کرتے ہیں۔ اسلام کے حقیقی لفظ کا کسی ان کے ذہنوں میں بار بار یاد دلانے سے فائدہ ہوگا۔ کو صرف ایک بار اچھا مشورہ نہیں دینا چاہئے اور پھر ترک نہیں کرنا چاہئے۔ اچھے الفاظ کو ڈھانچے میں دہرانا پانی کے مسلسل قطروں کی طرح ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ گھس جاتا ہے۔ ۔ مثال کے درود و سلام تمام انبیاء علیہم السلام پر ۔ سب سے مشکل .یہ اللہ تعالیٰ کی روایت ہے صرف مسلمانوں کو فرض نمازوں کو ایک بار قائم کرنے کا حکم دینے کی ،اعلیٰ اللہ ،طور پر ضرورت تھی، لیکن اس نے قرآن پاک میں کئی بار ایسا کیا ہے۔

تقریباً 950 سال لگاتار اپنی قوم میں ایمان کی بات پھیلانے میں گزارے۔ علیہ السلام نے حضرت نوح
:باب 29 العنکبوت، آیت 14

اور یقیناً ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور وہ ان میں ایک ہزار سال کم پچاس سال ’’
رہے‘‘۔

نے ہر لمحہ اسلام کی تبلیغ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ وسلم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ
کرام رضی اللہ عنہم کو اسلامی تعلیمات لیے استعمال کیا اور اپنے آخری لمحات میں بھی صحابہ
پر کاربند رہنے کی تلقین فرمائی۔ یہ سنن ابن ماجہ نمبر 2697 میں موجود ایک حدیث میں درج ہے
اور چند مواقع کے بعد نصیحت کرنا چھوڑ کر شیطان کے رویہ اختیار کرنا چاہیے یہ اس لیے ۔
وسوسوں کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ جو مسلمان دوسروں کو اسلام کی دعوت دیتا ہے اس کا فرض
لیکن اس کا اثر لوگوں کے دلوں پر پڑتا ہے یا نہیں؟ یہ ہے کہ وہ اسے مسلسل کرے

لیکن اس بات پر زور دینا ضروری ہے کہ باقاعدگی سے رہنے اور دوسروں کو مارنے میں فرق ہے۔ ایک مسلمان کو مسلسل دوسروں کو نیکی کا حکم نہیں دینا چاہیے کیونکہ یہ دوسروں کے لیے دبنگ اور بوجھ بن سکتا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت زیادہ لیکچر دینے سے پرہیز کیا کیونکہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نہیں چاہتے تھے کہ وہ بور اور بوجھل ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صرف جمعرات کو ہی خطبہ دیا حالانکہ ان سے زیادہ دینے کی درخواست کی گئی تھی۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 7127 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

ایک اچھی نیت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کے پیغام کو عام کرنے کے لیے بہت سے قبیلوں اور قبیلوں کا دورہ کیا۔ مثال کے طور پر، کنڈا کے قبائلی رہنماوں نے سوال کیا کہ کیا وہ انہیں اختیارات کے عہدوں پر رکھیں گے اگر وہ اس کی مدد کریں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اقتدار ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور وہ جہاں چاہتا ہے اسے دیتا ہے۔ مطلب، وہ اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ وہ انہیں اختیارات کے عہدوں کی ضمانت دے سکے اگر وہ اس کی مدد کرتے۔ یہ جواب سن کر انہوں نے اس کی دعوت اسلام کو رد کر دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 106 میں بحث کی گئی ہے۔

بہت سے لوگ ایسے آئے اور چلے گئے جو کسی نہ کسی مقصد کے لیے کھڑے ہوئے چاہے اس کا تعلق خواتین کے حقوق، انسانی حقوق، غریبوں یا کچھ اور سے ہو، پھر بھی ان میں سے صرف چند فیصد لوگوں کا ہی معاشرے پر مثبت اثر ہوا۔ اکثریت کا کوئی مثبت اثر نہیں ہوا اور اس کے بجائے تاریخ میں فوٹ نوٹ بن گئے۔ اس کی ایک وجہ اخلاص کا فقدان ہے۔ تاریخ کے اوراق پلٹیں تو دیکھیں گے کہ جنہوں نے صحیح نیت کے ساتھ کام کیا، معاشرے کو حقیقی معنوں میں فائدہ پہنچانے کے لیے بغیر کسی مذموم مقاصد کے کامیاب ہوئے، چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہوں۔ دوسروں کو فائدہ پہنچانا وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور اس لیے وہ ان تمام لوگوں کو کامیابی عطا کرتا ہے جو اس مقصد کے لیے مخلصانہ کوشش کرتے ہیں۔

جنہوں نے معاشرے پر مثبت اثر حاصل نہیں کیا ان میں اس نیک نیت کی کمی تھی کیونکہ وہ کچھ اور چاہتے تھے، جیسے کہ شہرت۔ زیادہ تر معاملات میں ان کی بری نیت بالکل واضح ہوتی ہے ،کیونکہ ان کے قول و فعل میں واضح طور پر ایک دوسرے کے خلاف ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کچھ خواتین کے حقوق کے لیے کھڑے ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں پھر خوشی خوشی ان اشتہاری مہموں میں حصہ لیتے ہیں جن میں خواتین کو زیورات کے علاوہ کچھ نہیں دکھایا جاتا۔ اگر ان کے اقدامات سے ان کے دعوؤں کی تائید ہوتی تو وہ اشتہاری کمپنیوں کو یہ سکھا دیتے کہ عورت کی ذہانت، اچھا کردار اور اندرونی طاقت وہی ہوتی ہے جو ان کی اشتہاری مہموں کے ذریعے دنیا کے سامنے آنی چاہیے۔

ان میں سے بہت سے لوگ جو مختلف وجوہات کی بناء پر کھڑے ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ سیاسی اور سماجی اثر و رسوخ کی پوزیشن میں ہیں اور ان کے پاس ابھی بھی بہت زیادہ دولت ہے، معاشرے پر ان کا مثبت اثر بہت کم ہے اور بہت ہی کم عمر ہے۔ دوسری طرف وہ لوگ جو شاید اس قدر اثر و رسوخ کے مالک نہیں تھے انہوں نے اپنے اخلاص سے لاکھوں لوگوں کا رویہ بدل دیا۔ وہ صرف معاشرے کو فائدہ پہنچانا چاہتے تھے۔ انہوں نے کسی اور چیز کی تلاش نہیں کی۔ ان کے خلوص کی وجہ سے ان کا مثبت اثر اور یاد ان کے اس دنیا سے جانے کے طویل عرصے تک قائم رہی جبکہ جن کی نیت خراب تھی وہ زندہ رہتے ہوئے بھی جلد بھول گئے۔

لہٰذا اگر کوئی مادی دنیا میں کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہے یا زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ایمان کے معاملات میں تو اسے اپنی نیت کو درست کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ ان کی نیت کی بنیاد پر کرتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

گمراہ صحابہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کے پیغام کو عام کرنے کے لیے بہت سے قبیلوں اور قبیلوں کا دورہ کیا۔ تہواروں کے دوران وہ تمام لوگوں کو مدعو کرتا تھا جو شرکت کرتے تھے لیکن کوئی بھی اس کا مثبت جواب نہیں دیتا تھا۔ میسرہ بن مسروق رضی اللہ عنہ نامی ایک شخص کو اس بات میں دلچسپی ہو گئی جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سکھا رہے تھے اور انہوں نے اپنے قبیلے کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبول کرنے اور ان کی حفاظت کرنے کی تاکید کی۔ لیکن اس کے قبیلے نے اس کی نصیحت کو ٹھکرا دیا اور اس کے نتیجے میں میسرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کی پیروی کی اور اس وقت اسلام قبول نہیں کیا۔ واپسی میں فدک کے پاس سے گزرے اور اہل کتاب میں سے بعض علماء سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں دریافت کیا۔ ان علماء نے آپ کو آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے آگاہ کیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بالکل میل کھاتی تھیں۔ ان علماء نے میسرہ رضی اللہ عنہ کو اسلام قبول کرنے کا مشورہ دیا لیکن انہوں نے مزید کہا کہ وہ ایسا نہیں کریں گے جیسا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حسد کرتے تھے۔ میسرہ رضی اللہ عنہ اپنے کچھ قبائلیوں کو اس بات پر راضی کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ آئندہ حج کے موسم میں واپس آ کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کریں اور اسلام قبول کریں لیکن ان کے بزرگوں نے انہیں روک دیا۔ برسوں بعد، میسرہ رضی اللہ عنہ نے حجۃ الوداع کے موقع پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی، جہاں انہوں نے اسلام قبول کیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی جس نے آپ کو کفر سے بچا لیا۔ اس پر ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 114-115 میں بحث کی گئی ہے۔

میسرہ رضی اللہ عنہ کو اسلام قبول کرنے میں محض اس لیے تاخیر ہوئی کہ وہ اپنے قبائلیوں کی اندھی تقلید کر رہے تھے۔ لوگوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ دوسروں کی اندھا پیروی کرنے سے گریز کریں کیونکہ یہ اکثر گمراہی کا باعث بنتا ہے۔ اس کی بجائے دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں صحیح رہنمائی حاصل کرنے کے لیے انسان کو عقل اور عقل کا استعمال کرنا چاہیے۔ انہیں فیصلہ کرنے سے پہلے ثبوت اور علم کی بنیاد پر ہر صورت حال کا جائزہ لینا چاہیے۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرتا ہے وہ صحیح رہنمائی حاصل کرنے کا زیادہ امکان رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ، اندھی تقلید کو اسلام میں بہت زیادہ تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ لوگ اسلام کے واضح دلائل اور شواہد کا جائزہ لیں اور پھر عقل اور منطق کی بنیاد پر عقلی انتخاب کریں۔ باب 12 یوسف، آیت 108:

کہو، "یہ میرا راستہ ہے؛ میں اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ دعوت دیتا ہوں، میں اور وہ لوگ جو میری پیروی کرتے ہیں..."

اور باب 34 سبا، آیت 46:

’’کہہ دو میں تمہیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں وہ یہ کہ تم اللہ کے لیے جوڑے اور الگ الگ کھڑے ہو جاؤ اور پھر سوچو، تمہارے ساتھی میں کوئی جنون نہیں ہے، وہ تو تمہیں سخت عذاب سے پہلے ڈرانے والا ہے۔‘‘

مزید برآں، اسلام میں دوسروں کی اندھی تقلید اکثر گمراہی کا باعث بنتی ہے کیونکہ یہ شخص اس وقت پہچاننے میں ناکام رہے گا جب وہ اندھی تقلید کرتے ہوئے قرآن پاک کی تعلیمات اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات سے روگردانی کر رہے ہیں۔ جب ایسا ہوتا ہے، تو یہ شخص یقین کرے گا کہ وہ اسلامی تعلیمات پر عمل کر رہے ہیں جب وہ حقیقت میں اسلامی تعلیمات سے منسلک روایات پر عمل کر رہے ہیں۔ جو اس رویے پر قائم رہے گا وہ اس کو سمجھے بغیر بھی گمراہ ہو جائے گا۔ جبکہ جو شخص دوسروں کی اندھی تقلید کرنے کے بجائے اسلامی علم پر عمل کرتا ہے وہ آسانی سے ان طریقوں کو پہچان لے گا جن کی جڑیں اسلام میں نہیں ہیں اور اس لیے ان سے اجتناب کرے گا۔ نتیجتاً وہ قرآن پاک کی تعلیمات اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات پر عمل پیرا ہوں گے جس سے دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔

مددگاروں نے اسلام قبول کیا۔

تہواروں کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں کو دعوت دیتے تھے جو شرکت کرتے تھے لیکن کوئی بھی ان کا مثبت جواب نہیں دیتا تھا۔ یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ آپ مدینہ کے لوگوں سے ملے جو کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت سے پہلے یثرب کہلاتا تھا۔ انہوں نے اس کے اسلام کے پیغام کو قبول کیا اور اس کے مشن میں اس کی مدد کی۔ انہوں نے اس وقت تک نازل ہونے والی وحی کو جان لیا اور اپنے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے مدینہ واپس لوٹ گئے۔ بالآخر مدینہ کا کوئی گھر کسی مسلمان سے خالی نہ تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 131 میں بحث کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ اہلِ مدینہ کو اہلِ کتاب سے حاصل ہونے والے علم کی وجہ سے اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی گئی جو مدینہ میں مقیم تھے۔ اس علم میں نبوت کے تصورات اور آسمانی صحیفے اور آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں شامل تھیں، جو اپنے زمانے میں اپنی سرزمین کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ اس پر سیرت ابن ہشام صفحہ 83-84 میں بحث کی گئی ہے۔

مدینہ کے سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں سے ایک ابو امامہ رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ نے اپنے الفاظ کے ذریعے اپنی ثابت قدمی کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول ہر دعوت کے لیے ایک راستہ ہوتا ہے، کچھ راستے آسان ہوتے ہیں اور کچھ مشکل ہوتے ہیں، آج آپ نے ہمیں ایک ایسی چیز کی طرف بلایا ہے جسے قبول کرنا لوگوں کے لیے نیا اور مشکل ہے، آپ نے ہمیں اپنے دین کو چھوڑنے اور اپنے عقیدے پر چلنے کے لیے بلایا ہے، یہ کوئی آسان کام نہیں ہے، تاہم ہم نے آپ کی دعوت کو قبول کیا، ہم نے تمام رشتہ داروں کو ہمیشہ قربت اور رشتہ داری سے بلایا ہے۔ following you instead of them). This is not an easy task. However, we have accepted your call. You have invited us to Islam whereas we are a strong group living in a place that is powerful and mighty (where our lives and properties are safe). None could ever imagine that our leader shall be someone not from amongst us, whose people have rejected him and whose family have deserted him. This is not an easy task but we have accepted it. These things appear difficult for all except those whose welfare Allah, the سربلند، فیصلہ کیا ہے اور جو اس کے نتائج میں بھلائی کی توقع رکھتا ہے۔ ہم نے آپ کی پکار کو اپنی زبانوں، اپنے دلوں اور اپنے ہاتھوں سے اس لیے قبول کیا

ہے کہ آپ نے جو کچھ ہم سے کہا ہے اس پر ہم ایمان لائے ہیں اور ہم اسے یقین کے ساتھ قبول کرتے ہیں جو ہمارے دلوں میں بسا ہوا ہے۔ ہم اس سب میں آپ سے عہد کرتے ہیں اور اپنے رب اور آپ کے رب سے بھی عہد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہمارے اوپر ہے)اس عہد کی توثیق (ہم آپ کی حفاظت کے لیے اپنا خون بہائیں گے اور آپ کے لیے اپنی جانیں دیں گے۔ ہم آپ کی حفاظت کریں گے جیسا کہ ہم اپنی، اپنے بچوں اور اپنی بیویوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ اگر ہم اس عہد کو پورا کریں تو یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہوگا۔ اگر ہم اس عہد سے خیانت کریں گے تو یہ اللہ تعالیٰ سے خیانت ہو گی جس کی قیمت ہمیں سب سے ذلیل انسان بنانے کی ہے۔ اے اللہ کے رسول ، ہم نے جو کچھ آپ کو بتایا ہے وہ سراسر سچ ہے اور ہم اللہ تعالیٰ سے مدد اور مدد چاہتے ہیں۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمہ اللہ، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 125-126 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اسلام کو قبول کرنے کے بعد اس پر ثابت قدم رہنے کی اہمیت ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ ہے۔ صحیح مسلم نمبر 159 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مختصر مگر دور رس نصیحت فرمائی۔ انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا صدق دل سے اعلان کریں اور پھر اس پر ثابت قدم رہیں۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکمیل پر مشتمل ہے، جو اس سے متعلق ہیں، جیسے فرض روزے اور جو لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کہ دوسروں سے حسن سلوک کرنا۔ اس میں اسلام کی ان تمام ممنوعات سے پرہیز کرنا بھی شامل ہے جو ایک شخص اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں اور جو دوسروں کے درمیان ہیں۔ ایک مسلمان کو بھی صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا چاہیے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

”لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

آخر میں ان پہلوؤں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق پورا کرنا شامل ہے۔ باب علی عمران، آیت 31 3:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

ثابت قدمی میں دونوں قسم کے شرک سے پرہیز شامل ہے۔ سب سے بڑی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی عبادت کرتا ہے۔ معمولی قسم یہ ہے کہ جب کوئی نیک کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی خاطر، جیسے دکھاوا کرنا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہٰذا استقامت کا ایک پہلو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنا ہے۔

اس میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنا اور چیری چننے سے پرہیز کرنا شامل ہے کہ کب اور کن اسلامی تعلیمات پر کوئی شخص اپنی خواہشات کے مطابق عمل کرے گا۔

ثابت قدمی میں شامل ہے خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا، بجائے اس کے کہ اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کیا جائے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ نہ ان کی خواہشات اور نہ ہی لوگ انہیں اللہ تعالیٰ سے محفوظ رکھیں گے۔ دوسری طرف جو اللہ تعالیٰ کا سچے دل سے فرمانبردار ہے وہ ہر چیز سے محفوظ رہے گا خواہ یہ حفاظت ان پر ظاہر نہ ہو۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے میں یہ شامل ہے کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا اور اس سے ہٹنے والے راستے کو اختیار نہ کرنا۔ جو

شخص اس راہ کو اختیار کرنے کی کوشش کرے گا اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ یہی ان کے ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے کافی ہے۔ باب 4 النساء آیت 59:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے حاکم ہیں..."

جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ثابت قدم رہنے کا ایک پہلو ہر اس شخص کی اطاعت ہے جس کے احکام و نصیحت کی جڑیں اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخلصانہ اطاعت میں ہیں۔

چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ بلاشبہ غلطیاں کریں گے اور گناہ کریں گے۔ لہٰذا ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کریں۔ اس کی طرف باب 41 فصیلات، آیت 6 میں اشارہ کیا گیا ہے:

‘‘...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو’’

اس کی مزید تائید جامع ترمذی نمبر 1987 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور کسی نیک عمل سے سرزد ہونے والے)معمولی (گناہ کو مٹانے کی تلقین کی گئی ہے۔ امام مالک کی موطا، کتاب 2، حدیث نمبر 37 میں موجود ایک اور حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی پوری کوشش کریں، اگرچہ وہ اس پر پوری طرح عمل نہ کر سکیں۔ لہٰذا ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی نیت اور جسمانی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں اس کو حاصل کرنے

کی صلاحیت کو پورا کرے۔ انہیں کمال حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ کوئی شخص اپنے جسمانی اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ثابت قدم نہیں رہ سکتا جب تک کہ وہ اپنے روحانی قلب کو پہلے پاک نہ کرے۔ جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جسم کے اعضاء صرف اسی صورت میں کام کریں گے جب روحانی قلب پاک ہو۔ دل کی پاکیزگی صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ثابت قدمی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی زبان پر قابو رکھے جیسا کہ یہ دل کا اظہار کرتی ہے۔ زبان پر قابو رکھے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ممکن نہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2407 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں اگر اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں کوئی کمی واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنی چاہیے اور لوگوں سے معافی مانگنی چاہیے، اگر اس میں ان کے حقوق شامل ہوں۔ باب 46 الاحقاف آیت 13:

’’بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ راہ راست پر رہے، ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔‘‘

مددگاروں کا پہلا عہد)رضی اللہ عنہ(

مکہ کی زیارت کے موسم میں، جو اسلام کے آنے سے پہلے ہوا کرتا تھا، حالانکہ صحیح طریقے خراب ہو چکے تھے، اہل مدینہ، مددگار، اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی اور آپ سے بیعت کی۔ عہد یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کریں گے، چوری نہیں کریں گے، زنا نہیں کریں گے، اپنے بچوں کو قتل نہیں کریں گے، جھوٹے الزامات نہیں لگائیں گے اور کسی اچھی بات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 120 میں بحث کی گئی ہے۔

عہد کا پہلا حصہ یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کریں گے۔

اس کی جڑ اللہ تعالیٰ سے مخلص ہونا ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ اس کی طرف سے دیے گئے تمام فرائض کو احکام و ممنوعات کی صورت میں ادا کرنا، صرف اس کی رضا کے لیے۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ سب ان کی نیت سے پرکھیں گے۔ پس اگر کوئی نیک عمل کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلص نہ ہو تو اسے نہ دنیا میں اجر ملے گا اور نہ آخرت میں۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جن لوگوں نے گستاخیاں کیں ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اجر طلب کریں جن کے لیے انہوں نے عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ باب 98 البیینہ، آیت 5۔

"اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس کے لیے خالص ہو کر۔"

اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے تو یہ اخلاص کی کمی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ صدق دل سے توبہ کریں اور ان سب کو پورا کرنے کے لیے جدوجہد کریں۔ یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر کبھی بھی ایسے فرائض کا بوجھ نہیں ڈالتا جو وہ انجام نہیں دے سکتا اور نہ ہی نبھا سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286۔

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

اللہ تعالیٰ کے لیے مخلص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ اپنی اور دوسروں کی خوشنودی پر اس کی رضا کو پسند کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ ان اعمال کو ترجیح دینی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوں۔ انسان کو چاہیے کہ دوسروں سے محبت کرے اور اپنے گناہوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسند کرے نہ کہ اپنی خواہشات کے لیے۔ جب وہ دوسروں کی مدد کرتے ہیں یا گناہوں میں حصہ لینے سے انکار کرتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے۔ جس نے اس ذہنیت کو اپنایا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے مخلص ہونے کا ایک پہلو یہ ہے کہ اس پر بھروسہ کیا جائے کہ اس کے احکام اور انتخاب اس میں شامل لوگوں کے لیے بہترین ہیں، چاہے اس کے احکام کے پیچھے جو حکمتیں ہیں وہ لوگوں پر ظاہر نہ ہوں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ'' ''تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

صرف ان احکام پر راضی ہونا جو خواہشات کے مطابق ہوں اور خواہشات کے خلاف ہونے والے احکام پر ناراض ہونا اللہ تعالیٰ سے صریح بے وفائی ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرتا ہے، اس کے احکام کی تعمیل کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتا ہے، وہ ہر حال اور حالت میں سچا مخلص ہے۔

عہد کا اگلا حصہ یہ تھا کہ وہ چوری نہیں کریں گے۔

عام طور پر دیکھا جائے تو حرام کو استعمال کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اس میں غیر قانونی دولت کا استعمال، غیر قانونی اشیاء کا استعمال اور غیر قانونی کھانا کھانا شامل ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اسلام نے جن مخصوص چیزوں کو حرام قرار دیا ہے جیسے کہ شراب صرف وہی چیزیں نہیں ہیں جو حرام ہیں۔ درحقیقت حلال چیزیں بھی حرام ہو سکتی ہیں اگر وہ حرام چیزوں سے حاصل کی گئی ہوں۔ مثال کے طور پر، حلال کھانا حرام ہو سکتا ہے اگر اسے حرام مال سے خریدا جائے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ وہ صرف حلال چیزوں سے نمٹتے ہیں کیونکہ یہ کسی کو برباد کرنے کے لیے حرام کا صرف ایک عنصر لیتا ہے۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 2346 کی ایک حدیث میں ایک مرتبہ تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص ناجائز استعمال کرے گا اس کی تمام دعائیں رد ہوں گی۔ اگر اللہ تعالیٰ سے ان کی دعائیں رد ہو جائیں تو کیا ان کی کوئی نیکی قبول ہونے کی امید رکھی جا سکتی ہے؟ درحقیقت اس کا جواب صحیح بخاری نمبر 1410 میں موجود ایک اور حدیث میں دیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ صرف حلال کو قبول کرتا ہے۔ لہٰذا ہر وہ عمل جس کی بنیاد ناجائز ہو مثلاً حرام مال کے ساتھ حج کرنا مردود ہے۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 3118 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ اس قسم کے آدمی کو قیامت کے دن جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 188:

’’ اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ اسے حکمرانوں کے پاس [رشوت میں] بھیجو تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ میں کھاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو کہ یہ حرام ہے۔‘‘

اس کے علاوہ، چوری ایک مومن کے کردار سے متصادم ہے کیونکہ ایک سچا مومن ان کے زبانی اور جسمانی نقصان کو کسی شخص اور اس کے مال سے دور رکھتا ہے۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ آدمی کو یاد رکھنا چاہیے کہ قیامت کے دن انصاف قائم ہو گا، خواہ اسے یقین ہو کہ وہ اس دنیا میں اپنے اعمال کے نتائج سے بچ سکتا ہے۔ ظالم کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنی نیکیاں اپنے متاثرین کے حوالے کرے اور اگر ضرورت پڑی تو ظالم اپنے شکار کے گناہ لے گا۔ یہ ظالم کو جہنم میں ڈالنے کا سبب بن سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کو یقینی بنانا چاہیے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں قلبی سکون اور کامیابی حاصل کریں۔ لوگوں کے حقوق کو پورا کرنا اس وقت سب سے بہتر ہوتا ہے جب کوئی دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرتا ہے جس طرح وہ خود چاہتا ہے کہ دوسرے لوگوں کے ساتھ سلوک کیا جائے۔

عہد کا اگلا حصہ یہ تھا کہ وہ بدکاری نہیں کریں گے۔

یہ باب 25 الفرقان آیت 68 سے مربوط ہے:

"اور غیر قانونی جماع نہ کرو۔ اور جو بھی ایسا کرے گا اسے سزا ملے گی۔..."

اللہ تعالیٰ کے سچے بندے ہر قسم کے ناجائز تعلقات سے بچتے ہیں۔ اس آیت میں زنا کو شرک کے بعد رکھا گیا ہے اور ایک بے گناہ کو قتل کرنا اس کی شدت پر دلالت کرتا ہے۔

مسلمانوں کو غیر قانونی تعلقات کے لالچ میں آنے سے بچنے کے لیے احتیاط کرنی چاہیے۔ سب سے پہلے، انہیں اپنی نظریں نیچی کرنا سیکھنا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو ہمیشہ اپنے جوتوں کو گھورنا چاہئے لیکن اس کا مطلب ہے کہ انہیں غیر ضروری طور پر ارد گرد دیکھنے سے گریز کرنا چاہئے خاص طور پر عوامی مقامات پر۔ انہیں دوسروں کو گھورنے سے گریز کرنا چاہئے اور مخالف جنس کا احترام برقرار رکھنا چاہئے۔ جس طرح ایک مسلمان یہ پسند نہیں کرے گا کہ کوئی اپنی بہن یا بیٹی کو گھورے اسے دوسرے لوگوں کی بہنوں اور بیٹیوں کو نہیں دیکھنا چاہیے۔ باب 24 النور، آیت 30:

’’مومن مردوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی بصارت میں کچھ کمی کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔‘‘

جب بھی ممکن ہو ایک مسلمان کو مخالف جنس کے ساتھ اکیلے وقت گزارنے سے گریز کرنا چاہیے جب تک کہ ان کا تعلق اس طرح سے نہ ہو جس سے شادی کی ممانعت ہو۔ صحیح بخاری نمبر 1862 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تلقین فرمائی ہے۔

مسلمانوں کو لباس پہننا چاہیے اور شائستگی سے پیش آنا چاہیے۔ معمولی لباس پہننا اجنبیوں کی نظروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے سے گریز کرتا ہے اور شائستہ برتاؤ کسی کو ابتدائی قدم اٹھانے

سے روکتا ہے جو غیر قانونی تعلقات کا باعث بن سکتا ہے جیسے کہ مخالف جنس سے غیر ضروری بات کرنا۔

غیر قانونی تعلقات سے بچنے کی برکات کو سمجھنا خود کو ان سے بچانے کا ایک اور طریقہ ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان اور عفت کی حفاظت کرنے والے کو جنت کی ضمانت دی ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2408 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

غیر قانونی تعلقات میں ملوث ہونے کی سزا کے خوف سے بھی ایک مسلمان کو ان سے بچنے میں مدد ملے گی۔ مثال کے طور پر، ایمان اس شخص سے دور ہو جائے گا جو زنا کا ارتکاب کر رہا ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4690 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

حقیقت میں، ایک مسلمان کو غیر قانونی تعلقات کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ اسلام شادی کا حکم دیتا ہے۔ جو لوگ شادی کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے وہ کثرت سے روزہ رکھیں کیونکہ اس سے خواہشات اور اعمال پر قابو پانے میں بھی مدد ملتی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 3398 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نکاح کی ترغیب دیتا ہے اور ناجائز تعلقات سے منع کرتا ہے۔ جب ایک جوڑے ایک شادی شدہ جوڑے کی طرح ایک دوسرے کے لیے حقیقی طور پر وقف نہیں ہوتے ہیں، تو پھر ان کو درپیش کوئی بھی حقیقی مشکلات جوڑے کے لیے زیادہ جذباتی دباؤ کا باعث بنتی ہیں، کیونکہ وہ ایک دوسرے کا صحیح طریقے سے ساتھ دینے میں ناکام رہتے ہیں۔ کسی کی زندگی میں ایک سے زیادہ رشتوں کا آنا اور باہر آنا بلاشبہ ان کی ذہنی صحت پر نقصان دہ اثر ڈالتا ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ جو لوگ اپنے شراکت داروں سے الگ ہوجاتے ہیں وہ اکثر مشاورت میں ختم ہوجاتے ہیں۔ وہ ان رشتوں سے گریز کرنے والوں سے زیادہ ذہنی عارضے مثلاً ڈپریشن کا شکار ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ، وہ لوگ جو معاشرے میں ایک سے زیادہ شراکت داروں کے لیے جانے جاتے ہیں، ان کے لیے مناسب شریک حیات ملنے کا امکان کم ہوتا ہے جو ان کے حقوق کو پورا کرے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس کی زندگی میں ایک سے زیادہ ساتھی ہوں گے وہ ایک ڈھیلے

اور ناپسندیدہ کردار کو اپنائے گا، جسے لوگ شادی جیسے سنجیدہ عزم کے خواہاں ہیں، ناپسند کریں گے۔ یہ صرف اس شخص کے لیے جذباتی تناؤ میں اضافہ کرے گا جس کے ایک سے زیادہ شراکت دار ہوں۔ آرام دہ اور پرسکون تعلقات میں، جوڑے اکثر ایک ہی طول موج پر نہیں ہوتے ہیں۔ مطلب، دونوں میں سے ایک ہمیشہ تعلقات کو زیادہ سنجیدگی سے لیتا ہے، جیسے کہ اپنے ساتھی کے ساتھ بسنے کی خواہش۔ جبکہ دوسرا اپنے مستقبل کے بارے میں ایسا محسوس نہیں کرتا۔ جب رویے میں یہ فرق بالآخر سامنے آتا ہے تو یہ اکثر اس شخص کے لیے طویل عرصے سے جذباتی صدمے کا باعث بنتا ہے جس نے اس رشتے کو زیادہ سنجیدگی سے لیا تھا۔ جبکہ ایک شادی شدہ جوڑے پہلے قدم سے ہی ایک دوسرے کے ساتھ طویل مدتی وابستگی کے سلسلے میں ایک ہی طول موج پر ہوتے ہیں۔ شادی شدہ جوڑے ہر حال میں ایک دوسرے کے لیے وقف ہوتے ہیں، چاہے انہیں ایسے حالات کا سامنا ہو جو منصوبہ بند ہوں یا غیر منصوبہ بند، جیسے بچے پیدا کرنا۔ یہ رویہ عام جوڑوں میں بہت کم پایا جاتا ہے۔ کسی دوسرے کے ساتھ تعلقات رکھنا بھی ایک شخص کو یہ یقین کرنے میں بے وقوف بناتا ہے کہ وہ اپنے ساتھی کو پوری طرح سے جانتا ہے اور اگر وہ شادی کرتے ہیں تو وہ اکثر شادی کے بعد اپنے شریک حیات کی تبدیلی کی شکایت کرتے ہیں۔ زیادہ تر معاملات میں، وہ تبدیل نہیں ہوئے .جو چیزیں تبدیل ہوئیں وہ ان کے تعلقات کی ذمہ داریاں اور دباؤ تھیں۔ یہ مسئلہ اکثر ان جوڑوں کے لیے شادی کے مسائل کا باعث بنتا ہے جو شادی سے پہلے رشتے میں تھے۔ یہاں تک کہ اگر وہ شادی سے پہلے ایک ساتھ رہتے ہیں، تب بھی ایک ہی مسئلہ ہوگا۔ اس کے علاوہ، یہ کوئی راز نہیں ہے کہ جب بھی کسی کو اپنے ساتھی کے ساتھ پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اس کا ان کی زندگی کے ہر دوسرے پہلو پر کتنا شدید اثر پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر، بہت سے نوجوان صرف اس لیے تعلیم چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ ہر روز اپنے سابق ساتھی کو دیکھنے کا سامنا نہیں کر سکتے۔ چونکہ شادی دو لوگوں کے درمیان ایک گہرا تعلق اور وابستگی ہے، اس لیے ان کے ٹوٹنے کا امکان کم ہی ہوتا ہے انہی معمولی مسائل پر جو عام جوڑے کے ٹوٹ جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ، کسی شخص کو کسی غیر قانونی رشتے کی ظاہری شکل میں دھوکہ نہیں دیا جانا چاہیے کہ اس میں جوڑے یا وسیع تر معاشرے کے لیے کوئی نقصان نہیں ہے۔ چونکہ لوگ محدود علم رکھتے ہیں، انتہائی کم نظر ہوتے ہیں اور اکثر اپنے جذبات پر قابو پاتے ہیں، اس لیے وہ غلط طور پر یقین کر سکتے ہیں کہ شادی سے باہر رشتہ رکھنا بے ضرر ہے جبکہ وہ اس چھپے ہوئے زہر کو دیکھنے میں ناکام رہتے ہیں جو ان پر اور دوسروں پر منفی اثر ڈالے گا۔ غیر قانونی تعلقات میں رہنے والے مسلمان کو وقت کے ساتھ ساتھ مزید قدم اٹھانے اور اپنے ساتھی کے ساتھ گناہ کرنے کی ترغیب دی جائے گی۔ چونکہ جذبات اور احساسات پر قابو پانا مشکل ہے اور چونکہ یہ گناہ، جیسے زنا، زیادہ تر معاشروں میں معمول بن چکے ہیں، اس لیے ایک غیر شادی شدہ جوڑا آسانی سے ان گناہوں میں پڑ سکتا ہے۔ یہ ان کے اور معاشرے کے لیے بے شمار دیگر مسائل کا باعث بنتا ہے، جیسے کہ ناپسندیدہ حمل اور یہاں تک کہ اسلام کے اندر دیگر بڑے گناہوں کو کم تر کرنا۔ اس کے علاوہ، یہاں تک کہ اگر کوئی اپنے ناجائز تعلقات کے اندر کوئی اور بڑا گناہ نہیں کرتا، جیسے کہ زنا، تب بھی ان کے جذبات انہیں واضح طور پر سوچنے سے روکیں گے اور اس کے

نتیجے میں وہ اپنے ساتھی سے اچھی طرح شادی کر سکتے ہیں، یہ سمجھے بغیر کہ وہ مناسب ،شریک حیات نہیں ہیں، چاہے وہ ایک اچھا ساتھی ہی کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ پہلے بات کی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ شادی کے دباؤ اور ذمہ داریاں، جیسے کہ شریک حیات اور بچوں کے حقوق کی تکمیل، جوڑے کے درمیان تعلقات کو بدل دیتی ہے، جس کے نتیجے میں اکثر ازدواجی مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شادی شدہ جوڑے جو شادی سے پہلے اکٹھے تھے اکثر ایک دوسرے پر شادی کے بعد اپنے رویے میں تبدیلی کا الزام لگاتے ہیں۔ اس کے علاوہ، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کوئی اپنے ساتھی کے ساتھ کتنا ہی وقت گزارتا ہے، وہ کبھی بھی اپنے کردار کو نہیں جان پائیں گے جیسے ایک شادی شدہ جوڑا ایک دوسرے کو جانتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک میں پوشیدہ منفی خصوصیات شادی کے بعد ظاہر ہو جائیں گی، جو شادی کے مزید مسائل کا باعث بنتی ہیں۔ ایک سچائی جسے اکثر غیر قانونی تعلقات میں رہنے والے کسی شخص کی طرف سے نظر انداز کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص ایک اچھا ساتھی بناتا ہے وہ اس بات کی ضمانت نہیں دیتا ہے کہ وہ ایک اچھا شریک حیات یا اچھا والدین بنائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک اچھا ساتھی بنانے کے مقابلے میں ایک اچھا شریک حیات اور والدین بنانے کے لیے مختلف خصوصیات کی ضرورت ہوتی ہے۔ اپنے ساتھی کے لیے اپنے جذبات کی وجہ سے، ایک شخص اکثر شادی کے لیے ایک متقی شخص کو منتخب کرنے کی اہمیت کو نظر انداز کر دیتا ہے، کیونکہ وہ واحد شخص ہے جو اپنے شریک حیات اور بچوں کے حقوق کو پورا کرے گا اور انہیں نقصان پہنچانے سے گریز کرے گا، خواہ وہ غصے میں ہوں۔ جبکہ جو شخص تقویٰ نہیں رکھتا وہ اپنے شریک حیات یا بچوں کے حقوق ادا نہیں کرے گا اور ان پر ظلم کرے گا، خاص طور پر جب وہ ناراض ہوں گے۔ جس کا ساتھی ہے وہ اس اہم نکتے کو نظر انداز کر دے گا اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے ساتھی سے ان کے جذبات کی وجہ سے شادی کر لے گا، خواہ وہ تقویٰ کا مالک نہ ہو۔ محبت جیسے جذبات انسان کو اپنے محبوب کی منفی خصوصیات سے اندھا اور بہرا بنا دیتے ہیں۔ سنن ابوداؤد نمبر 5130 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ، جو بھی بچے غیر ارادی طور پر رشتے سے پیدا ہوتے ہیں وہ ان کے تعلقات پر مزید دباؤ ڈالتے ہیں، جس کے نتیجے میں اکثر وہ الگ ہوجاتے ہیں، کیونکہ وہ بچے کی پرورش کی ذمہ داری بانٹنا نہیں چاہتے۔ اس سے بچے کے بڑے ہونے کے لیے ایک ٹوٹا ہوا گھر بنتا ہے جہاں انہیں والدین دونوں کی حمایت اور نگرانی حاصل نہیں ہوتی، جو اکثر ہر کسی کے لیے پریشانی کا باعث بنتی ہے۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ جرائم، گروہوں میں ملوث نوجوانوں کی اکثریت اور وہ بچے جنہیں جنسی شکاریوں نے پالا ہے اور گھریلو تشدد کا شکار ہیں، ٹوٹے پھوٹے خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ بچے کی صحیح طریقے سے پرورش کرنا جب کوئی بچہ چاہتا ہے تو بہت مشکل ہوتا ہے، پھر کیا کوئی بچے کی صحیح پرورش کے جذباتی دباؤ کا تصور کر سکتا ہے جب کہ والدین پہلے بچے کی خواہش نہیں رکھتے تھے؟ یہ بچے کی پرورش پر منفی اثر ڈالتا ہے اور اکثر پہلے بیان کردہ مسائل کا باعث بنتا ہے۔ یہ تناؤ اکثر واحد والدین کی طرف سے بچے کو پرورش یا گود لینے کے لیے ترک کر دیتا ہے، جس کے زیادہ تر معاملات میں بچے پر نقصان دہ منفی اور

طویل مدتی اثرات مرتب ہوتے ہیں، جن میں سے کچھ کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ اس سے بچے کے گمراہ ہونے کے امکانات مزید بڑھ جاتے ہیں۔

غیر قانونی تعلقات کے اندر یہ سب اور زیادہ منفی چیزیں کسی ایسے شخص کی تعریف نہیں کی جا سکتی جو جذباتی یا جاہل ہو، چاہے غیر قانونی تعلقات بے ضرر ہی کیوں نہ ہوں۔ غیر قانونی تعلقات میں ملوث ہونا بالکل ایسے ہی ہے جیسے کسی ایسے کھانے کا کھانا جو حقیقت میں زہر آلود ہونے پر مزیدار لگتا ہے۔ چونکہ یہ زہر پوشیدہ ہے، اس لیے کسی ایسے شخص پر بھروسہ کرنا چاہیے جو اس زہر سے واقف ہو اور ان کی نصیحت پر بھروسہ کرے کہ وہ کھانے سے پرہیز کرے جو لذیذ لگتا ہے، خواہ یہ اس کی خواہشات کے خلاف ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام چیزوں کو جانتا ہے، خاص کر بعض اعمال اور رشتوں کے اندر چھپے زہروں کو، اس لیے اس کی نصیحت کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے، خواہ وہ خواہشات کے خلاف ہو۔ یہ ایک عقلمند مریض کی طرح ہے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور غذا کا سخت منصوبہ۔ جس طرح یہ عقلمند مریض اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کرے گا، اسی طرح وہ شخص جو اسلامی تعلیمات کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف وہی علم ہے جس کے پاس کسی شخص کو متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کے حصول کو یقینی بنانے کے لیے ضروری علم ہے، وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ معاشرے میں موجود انسانوں کی ذہنی اور جسمانی حالتوں کا علم تمام تر تحقیق کے باوجود اس نتیجے کو حاصل کرنے کے لیے کبھی بھی کافی نہیں ہو گا، کیونکہ وہ ہر اس مسئلے کو حل نہیں کر سکتے جو انسان کو اپنی زندگی میں درپیش ہو اور نہ ہی ان کے مشورے محدود علم، تجربے اور دور اندیشی کی وجہ سے ہر قسم کے ذہنی اور جسمانی دباؤ سے بچ سکیں۔ یہ علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اس نے اسے قرآن مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی صورت میں انسانوں کو عطا کیا ہے۔ یہ حقیقت اس وقت عیاں ہوتی ہے جب کوئی ان لوگوں کا مشاہدہ کرتا ہے جو اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرتے ہیں جو انہیں عطا کی گئی ہیں اور جو نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے ان بے شمار شاخوں کے مسائل کو اصل مسئلہ یعنی ناجائز تعلقات کو ممنوع قرار دے کر اور شادی کی ترغیب دے کر دور کر دیا جس کے تحت ایک جوڑے نے اپنے آپ کو ایک دوسرے اور اپنے بچوں کے لیے مخلصانہ طور پر وقف کر دیا۔

بہت سے مفکرین آئے اور چلے گئے جنہوں نے لوگوں اور معاشرے کو درپیش مسائل کو حل کیا ہے لیکن چونکہ یہ حل برانچ کے مسائل کو نشانہ بناتے ہیں ان حلوں کا فائدہ کم ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے بنیادی مسائل کے حل کے اس طریقے کے ذریعے جو فرد اور معاشرے کو متاثر کرتے ہیں، تمام چیزوں کو واضح کر دیا ہے تاکہ لوگ دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کر سکیں۔ باب 16 النحل، آیت 89:

اور ہم نے تم پر یہ کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کی وضاحت اور ہدایت اور رحمت ہے“۔”

عہد کا اگلا حصہ یہ تھا کہ وہ اپنے بچوں کو قتل نہیں کریں گے۔

غیر مسلم اکثر اپنی نوزائیدہ بچیوں کو لعنت کے طور پر دیکھتے ہوئے قتل کر دیتے تھے۔

امام بخاری کی کتاب ادب المفرد نمبر 78 میں موجود حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو بیٹیوں کی صحیح پرورش کرنے والے والدین کو جنت کی بشارت دی۔ تعجب کی بات ہے کہ کتنے مسلمان بالخصوص ایشیائی ہمیشہ بیٹوں کی خواہش رکھتے ہیں اور بیٹیاں ہونے کے باوجود راضی نہ ہونے کی جاہلانہ ذہنیت اختیار کر چکے ہیں حالانکہ اس حدیث میں اور بہت سے دوسرے احادیث میں بیٹوں کے بارے میں بشارت نہیں دی گئی ہے۔ یہ ماننا قابل قبول ہے کہ والدین کو بیٹے کی نسبت بیٹی پر زیادہ زور دیا جائے گا، خاص طور پر اس دن اور دور میں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمان والدین کو بیٹے کی بجائے بیٹی ہونے کی صورت میں کم خوش ہونا چاہیے۔ انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ ان کا فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق تعلیم دیں اور ان کی رہنمائی کریں اور اپنی تقدیر پر دباؤ نہ ڈالیں کیونکہ یہ ان کے اختیار میں نہیں ہے۔

بیٹیوں کو ناپسند کرنا ایک جاہلانہ ذہنیت ہے جو اسلام کی تعلیمات کے بالکل منافی ہے۔ درحقیقت بیٹیوں کو ناپسند کرنا مشرکوں کا رویہ ہے اور ان کی صفات سے ہر صورت بچنا چاہیے۔ باب 16 النحل، آیات 58-59:

" اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی پیدائش کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غم کو دباتا ہے، وہ اپنے آپ کو لوگوں سے چھپا لیتا ہے جس کی وجہ سے اسے بتایا گیا تھا..."

مسلمانوں کو اس ذہنیت کو اپنانے سے گریز کرنا چاہئے اور بجائے اس کے کہ وہ جو بچہ دیا جائے اس پر راضی رہے، کیونکہ ان میں بہت سے شادی شدہ جوڑے ہیں جن کی کوئی اولاد نہیں ہے۔

کچھ لوگ غربت کے خوف سے اپنے بچوں کو بھی مار ڈالتے تھے۔ اس معاملے میں ایک مسلمان کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے ہر ایک کا رزق ان کے لیے مختص کیا تھا اور اس تقسیم کو ہرگز تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ ایک مسلمان کا اس کی تصدیق فرض ہے کہ وہ اپنے رزق اور اپنے کفیلوں مثلاً اپنے بچوں کے رزق کے حصول کے لیے اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنی جسمانی طاقت جیسے اسباب کو استعمال کرے اور پھر یہ بھروسہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرے گا اور ان کے تمام رزق کی فراہمی یقینی بنائے گا۔ والدین ایک بچے کو رزق فراہم کرنے کا ایک ذریعہ ہے اور اللہ تعالیٰ جب چاہے اس ذریعہ کو کسی اور چیز سے بدل سکتا ہے، جیسے کہ رشتہ دار یا کوئی خیراتی ادارہ۔ باب 17 الاسراء، آیت 31:

”اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو، ہم انہیں اور تمہیں رزق دیتے ہیں، بے شک ان کا قتل بہت بڑا گناہ ہے۔“

عہد کا اگلا حصہ یہ تھا کہ جھوٹے الزامات نہیں لگائیں گے۔

صحیح مسلم نمبر 6593 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیبت اور غیبت کا مفہوم بیان فرمایا۔

غیبت اس وقت ہوتی ہے جب کوئی کسی کی غیر موجودگی میں اس طرح تنقید کرے جو اسے ناگوار گزرے، حالانکہ یہ سچ ہے۔ جبکہ غیبت غیبت کے مترادف ہے سوائے اس کے کہ قول صحیح نہیں ہے۔ ان گناہوں میں بنیادی طور پر تقریر شامل ہوتی ہے لیکن اس میں دوسری چیزیں شامل ہو سکتی ہیں، جیسے ہاتھ کے اشارے کا استعمال۔ یہ دونوں کبیرہ گناہ ہیں اور غیبت کو قرآن مجید میں اپنے بھائی کی لاش کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 12:

اور جاسوسی نہ کرو اور نہ ہی ایک دوسرے کی غیبت کرو، کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے" گا کہ جب وہ مر جائے تو اپنے بھائی کا گوشت کھائے؟

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ یہ گناہ ان اکثر گناہوں سے بھی بدتر ہیں جو انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہونے والے گناہ اس کی طرف سے معاف ہو جاتے ہیں اگر گناہ گار سچے دل سے توبہ کر لے۔ لیکن اللہ تعالیٰ غیبت کرنے والے یا بہتان لگانے والے کو اس وقت تک معاف نہیں کرتا جب تک کہ ان کا شکار پہلے انہیں معاف نہ کر دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے ہیں تو قیامت کے دن غیبت کرنے والے/ بہتان لگانے والے کی نیکیاں ان کے شکار کو بطور معاوضہ دی جائیں گی اور اگر ضرورت پڑی تو انصاف کے قائم ہونے تک مقتول کے گناہ اس کے غیبت کرنے والے کو دئیے جائیں گے۔ یہ غیبت کرنے والے /بہتان لگانے والے کو جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

غیبت صرف اس وقت جائز ہے جب کوئی دوسرے شخص کو نقصان سے خبردار کر رہا ہو اور اس کی حفاظت کر رہا ہو یا اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے خلاف کسی تیسرے فریق کے ساتھ شکایت حل کر رہا ہو، جیسے کہ قانونی مقدمہ۔

سب سے پہلے ان کبیرہ گناہوں کے برے نتائج کا علم حاصل کر کے غیبت اور غیبت سے بچنا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ ایک شخص کو صرف وہ الفاظ ادا کرنے چاہئیں جو وہ خوشی سے اس شخص کے سامنے کہے، یہ جانتے ہوئے کہ وہ اسے جارحانہ انداز میں نہیں لیں گے۔ تیسرا یہ کہ ایک مسلمان کو دوسرے کے بارے میں صرف اس صورت میں الفاظ ادا کرنے چاہئیں جب وہ کسی دوسرے کے بارے میں یہ یا اس سے ملتے جلتے الفاظ کہنے میں کوئی اعتراض نہ کرے۔ مطلب، انہیں دوسروں کے بارے میں بات کرنی چاہئے کہ وہ کس طرح چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے بارے میں بات کریں۔ آخر میں، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے عیوب کو ٹھیک کرنے پر توجہ دے اور جب خلوص نیت سے کرے تو وہ دوسروں کی غیبت اور غیبت سے باز آجائے گا۔

غیبت کرنے والوں اور غیبت کرنے والوں کی صحبت سے بچنا چاہیے کیونکہ وہ مصیبتیں ڈالنے والے ہیں جو جلد یا بدیر ان کی غیبت یا غیبت کریں گے۔ انہیں نرمی سے دوسروں کو ان کبیرہ گناہوں سے خبردار کرنا چاہیے، جب تک کہ وہ جسمانی نقصان سے محفوظ رہیں۔ انہیں دوسروں کے بارے میں بولی جانے والی گپ شپ پر کبھی یقین نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ گپ شپ کی اکثریت یا تو مکمل طور پر جھوٹی ہوتی ہے یا یہ بہت سے جھوٹ کے ساتھ مل جاتی ہے۔ کسی کو دوسروں کی عزت کا دفاع کرنا چاہیے، جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کی غیر موجودگی میں ان کی عزت کا دفاع کریں۔ اس طرح کا برتاؤ کرنے والا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہنم کی آگ سے محفوظ رہے گا۔ جامع ترمذی نمبر 1931 میں ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ دوسروں کے بارے میں جو گپ شپ سنتے ہیں اسے نظر انداز کر دینا چاہیے اور اسے کبھی بھی اپنے رویے پر اثر انداز ہونے نہیں دینا چاہیے۔ اس کے بجائے انہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے حقوق ادا کرنے چاہئیں۔

ایک مسلمان کو اس حقیقت سے کبھی بے وقوف نہیں ہونا چاہیے کہ معاشرے میں دوسروں کی غیبت کرنا اور غیبت کرنا معمول بن چکا ہے۔ دوسروں کے گناہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں کسی کے گناہوں کی شدت کو کبھی کم نہیں کر سکتے اور نہ ہی دوسروں کے گناہ گناہوں کو جائز قرار دے

سکتے ہیں۔ یہ ایک احمقانہ رویہ ہے جسے ایک دنیا دار جج بھی قبول نہیں کرے گا، پھر ایک مسلمان اللہ تعالیٰ سے کیسے یہ توقع رکھ سکتا ہے کہ وہ اسے قبول کرے؟

عہد کا آخری حصہ یہ تھا کہ وہ کسی اچھی بات میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی نہیں کریں گے۔

اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسروں کو نیکی کے سوا کچھ نہیں کرنے کا حکم دیتے تھے، لیکن یہ شق اسلامی قوم کے مستقبل کے رہنماؤں کی خاطر شامل کی گئی تھی، جو دوسروں کو غلط کام کرنے کا حکم دینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت قرآن کریم کی رو سے ایک فرض ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7:

’’اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔‘‘

اور باب 4 النساء آیت 59:

’’اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔‘‘

اور باب 4 النساء آیت 80:

‘‘جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔’’

اس لیے اس کی زندگی اور تعلیمات کو سیکھ کر اور اس پر عمل کرتے ہوئے عملی طور پر اس کی اطاعت کرنی چاہیے۔ چونکہ اطاعت عملی ہے اس لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کو عملی طور پر ان کی تعلیمات پر عمل کیے بغیر ان سے محبت اور احترام کا زبانی دعویٰ نہیں کیا جاتا۔ افسوس کی بات ہے کہ بہت سے مسلمانوں کا ماننا ہے کہ اس سے محبت کا زبانی دعویٰ ہی صحیح رہنمائی، قیامت کے دن اس کی شفاعت اور آخرت میں اس کی صحبت حاصل کرنے کے لیے کافی ہے۔ درحقیقت جو شخص ان کی تعلیمات پر عملاً عمل کرنے سے قاصر رہتا ہے وہ بخوبی پاتا ہے کہ وہ قیامت کے دن ان کے خلاف گواہی دیتا ہے جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم گواہ بھی ہیں اور سفارشی بھی۔ باب 4 النساء، آیت 41:

’’تو کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے؟‘‘

اور باب 25 الفرقان آیت 30:

"اور رسول نے کہا ہے کہ اے میرے رب، میری قوم نے اس قرآن کو ترک کر دیا ہے۔"

جیسا کہ مسلمان وہ ہیں جنہوں نے قرآن پاک کو لیا اور قبول کیا، اس آیت سے مراد وہ مسلمان ہیں جو قرآن پاک پر عملاً عمل کرنے میں ناکام رہے۔ یہ غیر مسلموں کا حوالہ نہیں دے سکتا کیونکہ انہوں نے قرآن پاک کو ترک کرنے کے لیے کبھی نہیں لیا اور نہ ہی قبول کیا۔ قیامت کے دن جس شخص کے خلاف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گواہی دیں گے اس کا تعین کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں ہے ۔

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور احترام کے اپنے زبانی اعلان کی حمایت کرتے ہوئے ان کی تعلیمات پر عملاً عمل پیرا ہو کر آخرت میں ذہنی سکون، آپ کی شفاعت اور صحبت حاصل کر سکیں۔

مدینہ میں اسلام پھیلا

اچھا پھیلانا

اہل مدینہ کی درخواست پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ بھیجا تاکہ انہیں اسلام کی تعلیم دیں۔ اس نے انتھک محنت کی یہاں تک کہ مدینہ کے ہر گھر میں مسلمان تھے۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 136-137 میں بحث ہوئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2674 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ دوسروں کو نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والے کو ان کی نصیحت پر عمل کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا۔ اور جو لوگ دوسروں کو گناہوں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، ان سے ایسے حساب لیا جائے گا جیسے انہوں نے گناہ کیے ہوں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو نصیحت اور رہنمائی کرتے وقت محتاط رہیں۔ ایک مسلمان کو صرف دوسروں کو نیکی کی نصیحت کرنی چاہیے تاکہ وہ اس سے ثواب حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نصیحت کرنے سے گریز کریں۔ قیامت کے دن کوئی شخص محض یہ دعویٰ کر کے سزا سے نہیں بچ سکے گا کہ وہ صرف دوسروں کو گناہوں کی طرف دعوت دے رہا ہے چاہے اس نے خود گناہ کیوں نہ کیے ہوں۔ اللہ تعالیٰ رہنما اور پیروکار دونوں کو ان کے اعمال کے لیے جوابدہ ٹھہرائے گا۔ لہٰذا مسلمانوں کو دوسروں کو صرف وہی کام کرنے کی تلقین کرنی چاہیے جو وہ خود کریں گے۔ اگر وہ اپنے نامہ اعمال میں کسی عمل کو ناپسند کرتے ہیں تو انہیں دوسروں کو اس عمل کی تلقین نہیں کرنی چاہیے۔

اس اسلامی اصول کی وجہ سے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے مناسب علم حاصل کر لیں کیونکہ اگر وہ دوسروں کو غلط نصیحت کرتے ہیں تو وہ آسانی سے اپنے گناہوں کو بڑھا سکتے ہیں۔

مزید برآں، یہ اصول مسلمانوں کے لیے ان اعمال کا اجر حاصل کرنے کا ایک انتہائی آسان طریقہ ہے جو وہ وسائل کی کمی کی وجہ سے خود انجام نہیں دے سکتے، جیسے کہ دولت۔ مثال کے طور پر، ایک شخص جو مالی طور پر صدقہ دینے کی استطاعت نہیں رکھتا ہے وہ دوسروں کو ایسا کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ صدقہ کرنے والے کے برابر ثواب حاصل کرے گا۔

اس کے علاوہ، یہ اسلامی اصول ایک بہترین طریقہ ہے کہ کسی کے مرنے کے بعد بھی نیک اعمال کی نشوونما کو یقینی بنایا جائے۔ جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اس کی جتنی زیادہ رہنمائی کرے گا، اتنا ہی ان کی نیکیوں میں اضافہ ہوگا۔ یہ وہ میراث ہے جس کے بارے میں ایک مسلمان کو اپنی فکر کرنی چاہیے، کیونکہ دیگر تمام وراثتیں، جیسے املاک کی سلطنتیں، آئیں گی اور جائیں گی اور ان کے مرنے کے بعد ان کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اگر کچھ بھی ہے تو، وہ اپنی سلطنت کمانے اور ذخیرہ کرنے کے لیے جوابدہ ہوں گے جبکہ ان کے وارثوں کو اس سلطنت سے لطف اندوز ہوں گے جو مرحوم نے پیچھے چھوڑ دیا تھا۔

نرمی سے مشورہ دینا

جب مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مدینہ میں تبلیغ اسلام کر رہے تھے تو مدینہ کے دو غیر مسلم سرداروں نے یکے بعد دیگرے ان کا آمنا سامنا کیا اور اسلام کی تبلیغ کرنے پر انہیں تنقید کا نشانہ بنایا۔ مصعب رضی اللہ عنہ نے سختی سے جواب نہیں دیا بلکہ نرمی سے انہیں مشورہ دیا کہ وہ بیٹھ کر سنیں اور اگر وہ اس سے راضی ہوں تو اسے قبول کر سکتے ہیں ورنہ وہ اسے رد کرنے اور اطمینان سے چلے جانے میں آزاد ہیں۔ ان دونوں سرداروں اسید ابن حضیر اور سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید اور اسلام کی تعلیمات کو سننے کے بعد دونوں نے اسلام قبول کیا۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 154-155 میں بحث کی گئی ہے۔

اس کی نصیحت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبصورتی نرمی میں پائی جاتی ہے۔ اسلام ۔ قرآن نمبر 3689 میں موجود ہے نے بہت سی احادیث میں فرمائی ہے جیسا کہ سنن ابن ماجہ کریم نے یہاں تک ذکر کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سب سے راضی تھے، آپ کی نرمی اور نرم طبیعت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلسل محبت کرتے تھے۔ باب 3 علی عمران، آیت 159:

پس اللہ کی رحمت سے آپ نے ان کے ساتھ نرمی برتی اور اگر آپ بد زبان اور دل میں سخت " ہوتے تو وہ آپ کے اردگرد سے دور ہو جاتے۔"

سے عرب سخت دل ہونے کی وجہ سے مشہور تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ یہ انہوں نے اپنایا اس طرح اور کے مزاج سے ان کے سخت دل پگھل گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضور نبی اکرم یہی وجہ ہے۔ ۔ باقی بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لیے روشنی بن گئی خوبی اور متنبہ کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام، ایک حدیث میں وآلہ وسلم صلی اللہ علیہ سنن ابوداؤد نمبر 4809 میں ہے کہ نرمی سے محروم رہنے والا بھلائی سے محروم ہے۔ ہے ۔ باب 3 علی عمران، آیت 103:

اور اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو جب تم دشمن تھے اور اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور ''
تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے''۔

تباہ کن سخت انہیں یہ ان لوگوں کے لیے ایک واضح پیغام ہے جو اسلام کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں۔
وہ لوگوں کو متحد کریں اور پھیلنے کی بجائے کا حامل ہونا چاہیے۔ تعمیری ذہن نرم ذہن کے بجائے
ان یہ معاشرے کے اندر تنازعات کی ایک اچھی مثال دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کریں۔
کے ساتھ نرم مزاجی کا اپنے بچوں کے بچوں کے ساتھ رویے میں دیکھا جاتا ہے .جن والدین نے
ایک سخت مظاہرہ کیا ان پر ان والدین کے مقابلے میں زیادہ مثبت اثر پڑا جنہوں نے گود لیا تھا۔
مزاج .اکثر کچھ لوگ اپنے سخت رویے سے لوگوں کو اسلام سے مزید دور کر دیتے ہیں اور یہ
مثال کے علیہ وآلہ وسلم کا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ روایات کو مکمل طور پر چیلنج کرتا ہے۔
علیہ وآلہ وسلم کی مسجد طور پر ایک مرتبہ ایک ان پڑھ اعرابی نے حضور نبی اکرم صلی اللہ
حضور اسے سزا دینا چاہتا تھا۔ ،اللہ ان سب سے راضی ہو مئی ، ۔ جب صحابہ کرام میں پیشاب کیا
مسجد میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منع فرمایا اور وآلہ وسلم نبی اکرم صلی اللہ علیہ
میں موجود حدیث میں سے سمجھایا ۔ یہ واقعہ سنن ابن ماجہ نمبر 529 نرمی رہنے کے آداب کو
اس نرم رویے نے انسان کو مثبت انداز میں متاثر کیا۔ مذکور ہے ۔

قرآن پاک کے کئی مقامات پر بھی اس کا ذکر ہے۔ مثال کے طور پر، اگرچہ یہ اہم خصوصیت
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر بھی اللہ تعالیٰ فرعون نے اعلیٰ ترین رب ہونے کا دعویٰ کیا۔
نرم اور مہربان تقریر فرعون کو دعوت نہ دیں۔ ،دونوں ۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم دیا
:حپٹر 79 نضیات، آیت 24 کا استعمال کرتے ہوئے رہنمائی کی طرف۔ ج

''اور کہا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔''

:اور باب 20 طہ، آیات 43-44

تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ بے شک اس نے زیادتی کی ہے اور اس سے نرمی سے بات کرو شاید وہ نصیحت حاصل کرلے یا اللہ سے ڈرے

کی طرف اور بھلائی اور جانور بھی نرمی کی زبان سمجھتے ہیں۔ پس اگر کسی بالغ کو اسلام بچے دعوت دیتے وقت یہ خصوصیت اختیار کی جائے تو اس کی صحیح رہنمائی کیسے ہو سکتی ہے ؟ ،اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ اپنے تعالیٰ اللہ میں ملتا ہے کہ نصیحت ہے ۔ صحیح مسلم نمبر 6601 ایک بار ایک حدیث میں مہربان اور نرم ہے اور مخلوق کو ایک دوسرے کے ساتھ نرمی ،اعلیٰ لامحدود وقار کے مطابق یہ غلط اسلام نے اس لفظ کو پھیلاتے ہیں۔ سے پیش آنا پسند ہے۔ بدقسمتی سے، بہت سے لوگ جو یہ شیطان کی چال کے سوا کچھ نہیں ۔ عقیدہ اختیار کیا ہے کہ نرم ہونا کمزوری کی علامت ہے ۔ ہے کیونکہ وہ انسانوں کو اسلام سے دور کرنا چاہتا ہے

مقررہ طریقہ پر قائم رہنا

مدینہ منورہ سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے حج کے موسم میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کے لیے مکہ کا سفر کیا۔ اپنے سفر کے دوران، ان میں سے ایک، براء ابن مرور رضی اللہ عنہ نے، مکہ، کعبہ میں، بیت اللہ کی طرف نماز پڑھنے پر اصرار کیا، حالانکہ اس وقت مشروع طریقہ یہ تھا کہ بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ کی طرف نماز پڑھی جائے۔ اگر چہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان پر تنقید کی لیکن وہ اس وقت تک ڈٹے رہے جب تک کہ وہ مکہ پہنچ گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں گفتگو کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ انہیں مسجد اقصیٰ کی طرف متعین نماز کی طرف رہنا چاہئے تھا۔ اس پر سیرت ابن ہشام صفحہ 85-86 میں بحث ہوئی ہے۔

یہ واقعہ ہر صورت میں طے شدہ طریقہ پر عمل کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

دینی علم کے دوسرے ذرائع پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، خواہ وہ اچھے کاموں کی طرف لے جائے، اتنا ہی کم وہ ہدایت کے دو منابع پر عمل کرے گا :قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات، جو کہ گمراہی کا باعث بنتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ ہر وہ چیز جس کی جڑیں ہدایت کے دو منابع میں نہ ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رد کر دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ، مذہبی علم کے دوسرے ذرائع پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، اتنا ہی وہ ان چیزوں پر عمل کرنے لگے گا جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہیں۔ اس طرح شیطان قدم قدم پر لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، مشکلات کا سامنا کرنے والے شخص کو کچھ ایسی روحانی مشقیں کرنے کا مشورہ دیا جائے گا جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم اور چیلنج ہوں۔ چونکہ یہ شخص جاہل ہے اور اسے دینی علم کے دوسرے ذرائع پر عمل کرنے کی عادت ہے، اس لیے وہ آسانی سے اس جال میں پھنس جائیں گے اور ایسی روحانی مشقیں کرنے لگیں گے جو براہ راست اسلام کی تعلیمات کو چیلنج کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور کائنات کے بارے میں ایسی باتوں پر بھی یقین کرنے لگیں گے جو اسلام کی تعلیمات سے بھی متصادم ہیں، جیسے کہ ماننے والے لوگ یا مافوق الفطرت مخلوق اپنی تقدیر کو کنٹرول کر سکتے ہیں، کیونکہ ان کا علم ہدایت کے دو ذرائع کے علاوہ کسی اور سے لیا گیا ہے۔ ان گمراہ کن طریقوں اور عقائد میں سے کچھ واضح کفر ہیں، جیسے کالا جادو کرنا۔ باب 2 البقرہ، آیت 102:

سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا بلکہ شیاطین نے کفر کیا، لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور'' جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر نازل ہوا تھا، لیکن وہ]یعنی دونوں فرشتے [کسی کو نہیں سکھاتے جب تک کہ یہ نہ کہیں کہ "ہم آزمائش ہیں، اس لیے کفر نہ کرو] "جادو کرکے[.

اس لیے ایک مسلمان اس کا احساس کیے بغیر بھی اپنا ایمان کھو سکتا ہے، کیونکہ انہیں مذہبی علم کے دوسرے ذرائع پر عمل کرنے کی عادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی مذہبی بدعات پر عمل کرنا جن کی جڑیں ہدایت کے دو ذرائع میں نہیں ہیں، شیطان کے نقش قدم پر چلنا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 208:

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ" "چلو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

مددگاروں کا دوسرا عہد)رضی اللہ عنہ (

مکہ کی زیارت کے ایک اور موسم میں، جو اسلام کے آنے سے پہلے ہوا کرتا تھا حالانکہ صحیح طریقے خراب ہو چکے تھے، اہل مدینہ نے ایک بار پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی اور آپ کے ساتھ ایک اور بیعت کی۔ اس عہد میں اسلام کی تعلیمات کو سننا اور ان پر عمل کرنا، آسانی اور مشکل دونوں وقتوں میں ضرورت مندوں کو عطا کی جانے والی دنیاوی چیزیں بانٹنا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا، برائیوں پر اعتراض کرنا اور تنقید سے نہ ڈرنا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسی طرح دفاع کرنا شامل ہے جس طرح وہ اپنے رشتہ داروں کی مدد اور دفاع کرتے ہیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 132 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بتایا کہ اس عہد کے بدلے میں انہیں جنت ملے گی۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے تب تبصرہ کیا کہ یہ ایک اچھا سودا ہے اور وہ اسے کبھی منسوخ یا مستعفی نہیں کریں گے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ 9 آیت 111 نازل فرمائی:

" بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں اس کے بدلے میں ان کے لیے جنت ہے، وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، تو مارتے ہیں اور مارے جاتے ہیں، تورات اور انجیل اور قرآن میں اس کا سچا وعدہ ہے، اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کا کون سچا ہے جو تم نے اس میں کیا ہے؟ عظیم حصول۔"

اس پر امام واحدی کی، اصباب النزول، 9:111، صفحہ 94 میں بحث ہوئی ہے۔

عہد کے اس پہلے حصے میں اسلام کی تعلیمات کو سننا اور ان پر عمل کرنا شامل تھا۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ صحیح طور پر سننا تب ہوتا ہے جب کوئی کہی گئی باتوں پر توجہ مرکوز کرتا ہے، اس پر غور کرتا ہے، بیان کو اپنی زندگی کے تجربات سے جوڑنے کی کوشش کرتا ہے، اس بات کا تعین کرتا ہے کہ کہی گئی باتوں کو اپنی زندگی میں کیسے نافذ کیا جائے اور پھر عملی طور پر ایسا کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس عمل اور نتیجہ کی طرف آیت 285 میں اشارہ کیا گیا ہے۔ جبکہ اس مرحلہ وار عمل کے بغیر کہی گئی باتوں کو سننے سے کبھی بھی کسی کے طرز عمل پر کوئی مثبت اثر نہیں پڑے گا۔ اس کے بجائے، الفاظ ان کی سوچ یا مستقبل کے اعمال کو متاثر کیے بغیر ان کے کانوں سے گزر جائیں گے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ اس طرح صرف اسلامی تعلیمات کو سننا ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے کافی ہے۔ جیسا کہ آیت 285 میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے، ایک شخص کو صحیح طور پر سننا چاہیے، جس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا باعث بنتا ہے۔ اس اطاعت میں اسلامی تعلیمات کے مطابق دی گئی نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا شامل ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کریم کے حوالے سے یہ آیت واضح کرتی ہے کہ قرآن پاک کو سننا اور پھر اس پر عمل کرنا چاہیے۔ لیکن اس پر عمل کرنا اس وقت ممکن نہیں جب اسے سمجھ نہ آئے۔ لہٰذا قرآن پاک کو ایسی زبان میں پڑھنا یا سننا جس کی سمجھ میں نہیں آتا، ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ،حاصل کرنے کے لیے کافی اچھا نہیں ہے۔ مسلمانوں کو قرآن پاک کی تعلیمات سننے، پڑھنے سمجھنے اور پھر اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جیسا کہ مختلف زبانوں میں میڈیا کا وافر مواد دستیاب ہے جس میں قرآن پاک کی تعلیمات پر بحث کی گئی ہے، اس لیے مسلمانوں کے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہ جاتا اگر وہ قرآن پاک کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں اور اس کے علاوہ، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو بھی نہیں سمجھتے۔

آخر میں، سننا اور ماننا دوسروں کے انتخاب اور فیصلوں میں اندھی تقلید کرنے کے گمراہ کن رویے سے متصادم ہے، جیسا کہ صحیح سننے والا خود فیصلہ کرے گا کہ اطاعت کرنا صحیح ہے یا نہیں۔ اندھی تقلید ایک ایسی چیز ہے جس پر اسلامی تعلیمات میں بہت زیادہ تنقید کی جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ لوگوں سے توقع کرتا ہے کہ وہ کھلے ذہن کے ساتھ اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کریں تاکہ وہ خود اس بات کا تعین کر سکیں کہ اسلام ہی حق ہے۔ باب 12 یوسف، آیت 108:

کہو، "یہ میرا راستہ ہے؛ میں اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ دعوت دیتا ہوں، میں اور وہ لوگ جو میری پیروی کرتے ہیں..."

اور باب 34 سبا، آیت 46:

’’کہہ دو میں تمہیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں وہ یہ کہ تم اللہ کے لیے جوڑے اور الگ الگ کھڑے ہو جاؤ اور پھر سوچو، تمہارے ساتھی میں کوئی جنون نہیں ہے، وہ تو تمہیں سخت عذاب سے پہلے ڈرانے والا ہے۔‘‘

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ عقل و فہم کا استعمال کریں جو انہیں عطا کی گئی ہے تاکہ وہ اپنے لیے اسلام کی حقانیت کا تعین کریں اور اس کی تعلیمات پر یقین کے ساتھ عمل کریں۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ انسان ہر وقت اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر ثابت قدم رہے گا، خواہ آسانی ہو یا مشکل۔ یہ بدلے میں ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کا باعث بنتا ہے اور اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ کوئی شخص اپنی زندگی میں ہر چیز کو صحیح طریقے سے رکھتا ہے۔ اس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ جبکہ اسلام میں اندھی تقلید ہی کمزور ایمان کا باعث بنتی ہے۔ یہ شخص آسانی سے ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو اسے عطا کی گئی ہیں جب بھی ان کی خواہشات کے خلاف ہوں، جیسے کہ جب وہ مشکل کے وقت کا سامنا کر رہے ہوں۔ یہ انہیں دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کرنے سے روک دے گا۔

اس عہد کا اگلا حصہ اہل مدینہ، مددگاروں، اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا تھا، یہ تھا کہ وہ مشکل اور آسانی دونوں وقتوں میں محتاجوں کے ساتھ جو دنیوی نعمتیں عطا کی گئی ہیں، انہیں خلوص دل سے بانٹیں گے۔

جب ایک مسلمان یہ یقین رکھتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ہے، تو اس کے پاس موجود نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے صدقہ دینا آسان ہو جاتا ہے۔ جو شخص یہ رویہ اختیار کرتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ وہ محض ایک قرض واپس کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دیا تھا۔ باب 2 البقرہ، آیت 254:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو۔"

یہ رویہ کسی کو فخر کے ذریعے اپنے خیراتی کام کو برباد کرنے سے بھی بچاتا ہے۔ فخر ایک شخص کو یہ یقین دلاتا ہے کہ وہ صدقہ دے کر اللہ، بزرگ اور ضرورت مندوں پر احسان کر رہے ہیں۔ لیکن جس طرح سے کوئی شخص بنک کا قرض بغیر فخر کے واپس کرتا ہے مسلمانوں کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے صدقہ کو اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے قرض کی ادائیگی کا ایک طریقہ ہے۔ اس کے علاوہ ضرورت مند اپنا صدقہ لے کر عطیہ کرنے والوں پر احسان کر رہے ہیں۔ ضرورت مند ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے اجر حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں اور ان کے بغیر یہ ناممکن ہے۔ اگر کوئی یہ سمجھے کہ ان کی دولت ان کی ذہانت اور قوت سے جمع ہوئی ہے تو اسے سمجھنا چاہیے کہ یہ چیزیں بھی اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہیں۔ لہٰذا اس قرض کو دولت جیسی نعمتوں کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جانا چاہیے، ورنہ ان کو عذاب کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے جو دنیا میں شروع ہو کر آخرت تک جاری رہے گا۔

جب کوئی صدقہ کرتا ہے تو اس کا لین دین کسی مسکین سے نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلوص نیت سے کاروبار کرتا ہے تو وہ ایک ناقابل تصور نفع کا یقین رکھ سکتا ہے جو اس کو دنیا اور آخرت میں فائدہ دے گا۔ زیر بحث اہم آیات میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 245:

‘‘کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے تاکہ وہ اس کو اس کے لیے کئی گنا بڑھا دے؟’’

،اس کے علاوہ، مشکل وقت میں دوسروں کی مدد کرنا کسی کے مضبوط ایمان کی علامت ہے کیونکہ جب کسی کو مشکل وقت کا سامنا ہو تو دوسروں کی مدد کرنا آسان ہوتا ہے۔ اس صحیح رویے کو حاصل کرنے کے لیے کسی کو خودغرض رویہ اختیار کرنے سے گریز کرنا چاہیے جس کے تحت وہ صرف اپنے مسائل پر توجہ مرکوز کرتے ہیں۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرتا ہے وہ دوسروں کی مدد کرنے میں ناکام رہے گا جب بھی وہ خود مشکل کے وقت کا سامنا کرے گا۔ یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دوسروں کی مدد میں مصروف ہے

اسے اللہ تعالیٰ کی مسلسل نصرت حاصل ہوگی۔ یہ الہی مدد عطیہ دہندگان کی کسی بھی پریشانی میں مدد کرے گی۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

اس عہد کا اگلا حصہ جو اہل مدینہ، مددگار، اللہ تعالیٰ نے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا، یہ تھا کہ وہ نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔

صحیح بخاری نمبر 2686 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کے اہم فریضے کو ادا نہ کرنے کو ایک کشتی کی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے جس میں دو درجے آدمی ہوں۔ نچلی سطح کے لوگ جب بھی پانی تک رسائی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو بالائی سطح کے لوگوں کو پریشان کرتے رہتے ہیں، اس لیے وہ نچلی سطح پر ایک سوراخ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں تاکہ وہ براہ راست پانی تک رسائی حاصل کر سکیں۔ اگر بالائی سطح کے لوگ انہیں روکنے میں ناکام رہے تو یہ سب غرق ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اسلامی علم کے مطابق نرمی کے ساتھ نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنا کبھی ترک نہ کریں۔ ایک مسلمان کو یہ کبھی نہیں ماننا چاہیے کہ جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہیں گے، دوسرے گمراہ لوگ ان پر منفی اثر نہیں ڈال سکیں گے۔ سڑے ہوئے سیب کے ساتھ رکھنے پر ایک اچھا سیب بالآخر متاثر ہو جائے گا۔ اسی طرح جو مسلمان دوسروں کو نیکی کا حکم دینے میں ناکام رہتا ہے وہ آخر کار اس کے منفی رویے سے متاثر ہوتا ہے خواہ وہ لطیف ہو یا ظاہر۔ اگر وسیع تر معاشرہ غافل ہو بھی گیا ہو تو بھی اپنے اہل وعیال کو نصیحت کرنا کبھی ترک نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ان کے منفی رویے سے نہ صرف ان پر زیادہ اثر پڑے گا بلکہ یہ تمام مسلمانوں پر فرض بھی ہے، سنن ابوداؤد نمبر 2928 کی ایک حدیث کے مطابق، اگر کسی مسلمان کو دوسرے نظر انداز کر دیں تو بھی اس کو نصیحت کے ذریعے اپنے فرض کو ادا کرنا چاہیے۔ مضبوط ثبوت اور علم .جاہلانہ اور برے اخلاق کے ساتھ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا لوگوں کو حق اور صحیح ہدایت سے مزید دور دھکیلتا ہے جس کے نتیجے میں پوری امت پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

جب کوئی نیکی کا حکم دے اور برائی سے صحیح طریقے سے روکے تب ہی وہ معاشرے کے منفی اثرات سے محفوظ رہے گا اور قیامت کے دن معاف کر دیا جائے گا۔ باب 7 الاعراف، آیت 164:

اور جب ان میں سے ایک جماعت نے کہا کہ تم ایسی قوم کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ" ہلاک کرنے والا ہے یا سخت عذاب دینے والا ہے؟ "تو انہوں نے کہا" :تمہارے رب کے سامنے بری ہو جاؤ اور شاید کہ وہ اس سے ڈریں"۔

لیکن اگر وہ صرف اپنی فکر کریں اور دوسروں کے اعمال کو نظر انداز کریں تو اندیشہ ہے کہ دوسروں کے منفی اثرات ان کی گمراہی کا باعث بن سکتے ہیں۔

اس عہد کا اگلا حصہ جو اہل مدینہ، مددگار، اللہ تعالیٰ نے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا، یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے برائی پر اعتراض کریں گے اور ایسا کرنے پر ان پر کی جانے والی کسی تنقید سے خوفزدہ نہیں ہوں گے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابو داؤد نمبر 4340 میں موجود ایک حدیث میں برائیوں پر اعتراض کرنے کی اہمیت بتائی ہے۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اپنی طاقت اور اسباب کے مطابق ہر قسم کی برائی پر اعتراض کریں۔ سب سے کم درجہ، جیسا کہ اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے، برائی کو دل سے رد کرنا ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اندرونی طور پر برے کاموں کی منظوری ان چیزوں میں سے ایک بدترین چیز ہے جو حرام ہیں۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4345 کی ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص برائی کے وقت موجود ہو اور اس کی مذمت کرتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو موجود نہیں تھا۔ لیکن جو غائب تھا اور برائی

کو منظور کرتا تھا وہ اس شخص کی طرح ہے جو اس کے ارتکاب کے وقت حاضر اور خاموش تھا۔

برائی پر اعتراض کرنے کے پہلے دو پہلو جن کا ذکر مرکزی حدیث میں زیر بحث آیا ہے وہ جسمانی افعال اور گفتگو سے ہیں۔ یہ صرف اس مسلمان پر فرض ہے جس میں ایسا کرنے کی طاقت ہو، مثال کے طور پر ان کے فعل یا قول سے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

نوٹ کرنا ضروری ہے، برائی پر ہاتھ سے اعتراض کرنے کا مطلب لڑائی نہیں ہے۔ اس سے مراد دوسروں کے برے اعمال کو درست کرنا ہے، جیسے کسی کے حقوق کو لوٹانا جس کی غیر قانونی خلاف ورزی کی گئی ہو۔ جو شخص ابھی تک ایسا کرنے کی پوزیشن میں ہو، وہ ایسا کرنے سے باز رہے، سنن ابوداؤد نمبر 4338 میں موجود ایک حدیث میں عذاب کی تنبیہ کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی کی حدیث نمبر 2191 میں مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ حق بات کہنے میں مخلوق سے نہ ڈریں۔ درحقیقت مخلوق کے خوف کو بری چیزوں پر اعتراض کرنے سے روکنے والے کو وہ شخص قرار دیا گیا ہے جو اپنے آپ سے نفرت کرتا ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس پر تنقید کرے گا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4008 میں موجود ایک حدیث سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اس سے مراد وہ نہیں ہے جو نقصان کے خوف سے خاموش رہے کیونکہ یہ ایک قابل قبول عذر ہے۔ اس کے بجائے اس سے مراد وہ شخص ہے جو لوگوں کی نظروں میں اس حیثیت کی وجہ سے خاموش رہتا ہے، حالانکہ اگر وہ اس برائی کے خلاف بات کرے تو اسے ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 4341 میں موجود حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جب دوسرے ان کی حرص کو مانیں، ان کی غلط آراء اور خواہشات کی پیروی کریں اور مادی دنیا کو آخرت پر ترجیح دیں تو انسان اپنے افعال اور گفتگو سے بری چیزوں پر اعتراض کرنا چھوڑ سکتا ہے۔ یہ نتیجہ اخذ کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں کہ یہ وقت آ گیا ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 105۔

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم پر ہی ذمہ داری ہے، جو لوگ گمراہ ہو گئے ہیں وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے جب کہ تم ہدایت پا چکے ہو“۔

لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ مسلمان کو اپنے زیر کفالت افراد کے حوالے سے اس اہم فریضے کو جاری رکھنا چاہیے کیونکہ سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ ان پر فرض ہے اور ان لوگوں کے بارے میں جن سے وہ جسمانی اور زبانی طور پر محفوظ محسوس کرتے ہیں، کیونکہ یہی اعلیٰ رویہ ہے۔

جو برائیاں ظاہر ہیں ان پر اعتراض کرنا وہ چیز ہے جو زیر بحث مرکزی حدیث ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ دوسروں کی جاسوسی کریں تاکہ اعتراض کرنے والی بری چیزیں تلاش کریں۔ اس سلسلے میں جاسوسی اور اس سے وابستہ کوئی بھی چیز حرام ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 12:

”اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ...جاسوسی نہ کرو...“

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو برائی پر اعتراضات اسلام کی تعلیمات کے مطابق کرنا چاہیے نہ کہ اپنی خواہشات کے مطابق۔ ایک مسلمان یہ مان سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے کام کر رہے ہیں، جب کہ وہ نہیں ہیں۔ یہ اس وقت ثابت ہوتا ہے جب وہ برائی پر اس طرح اعتراض کرتے ہیں جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہے۔ درحقیقت جس چیز کو نیکی سمجھا جاتا ہے وہ اس منفی رویہ کی وجہ سے گناہ بھی بن سکتا ہے۔

ایک مسلمان کو برائی پر نرمی سے اعتراض کرنا چاہیے، ترجیحاً نجی طور پر قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق۔ اسلامی علوم کو سیکھے اور اس

پر عمل کیے بغیر اس کا حصول ممکن نہیں۔ ان خصوصیات کا مخالف صرف لوگوں کو خلوص دل سے توبہ کرنے سے دور کرے گا اور دوسروں کو ناراض کرنے کے نتیجے میں مزید گناہوں کا باعث بن سکتا ہے۔ آخر میں، کسی کو صحیح وقت پر برائی پر اعتراض کرنا چاہیے، کیونکہ غلط وقت پر کسی پر تعمیری تنقید کرنا، جیسے کہ جب وہ غصے میں ہوں، ان پر مثبت اثر ڈالنے میں مؤثر ثابت ہونے کا امکان نہیں ہے۔

اس عہد کا اگلا حصہ جو مدینہ کے رہنے والوں، مددگاروں، اللہ تعالیٰ نے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا، یہ تھا کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اور دفاع کریں گے، جس طرح وہ اپنے رشتہ داروں کی مدد اور دفاع کریں گے۔

اس دن اور دور میں یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور تعلیمات کو سیکھتا اور اس پر عمل کرتا ہے۔ اس میں قرآن پاک کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا بھی شامل ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے جو اسے عطا کی گئی ہیں اور ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں صحیح طریقے سے جگہ دیتا ہے۔ یہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔ مزید برآں، اس طرح کا برتاؤ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ کوئی شخص بیرونی دنیا میں اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح نمائندگی کرتا ہے۔ یہ ہر مسلمان پر فرض ہے اور اس کے لیے وہ جوابدہ ہوں گے۔ اس لیے اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ بیرونی دنیا کے سامنے اسلام کی غلط ترجمانی نہ کریں تاکہ غیر مسلم اور دوسرے مسلمان ان کے اعمال کی وجہ سے اسلام سے دور نہ ہوں۔

اللہ کے لیے متحد

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے بعد مدینہ سے آنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک اور اطاعت کا عہد لیا۔ مدینہ کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ انہیں خدشہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فتح عطا فرمائی تو وہ مکہ واپس آ جائیں گے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ سے رخصت کر دیں گے۔ یہ ان کے لیے خاص طور پر ان گنت دشمنوں کے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کے بعد مسائل کا باعث بن سکتا ہے۔ اس پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور جواب دیا کہ اگر ان کا خون ان کے دشمنوں سے مانگا جائے گا تو اس کا خون مانگنے کے برابر ہوگا۔ اور ان کی شکست اس کی شکست ہوگی۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ ان سے لڑیں گے جو ان کے خلاف لڑیں گے اور ان کے ساتھ صلح کریں گے جن کے ساتھ انہوں نے صلح کی ہے۔ اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ وہ ان میں سے ہے اور وہ اس سے ہیں۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 134 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہت سے لوگ منقسم ہو جاتے ہیں اور وہ مضبوط تعلق کھو دیتے ہیں جو کبھی ایک دوسرے کے ساتھ تھا۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں لیکن ایک بڑا سبب وہ بنیاد ہے جس پر ان کے والدین اور رشتہ داروں نے ان کا تعلق قائم کیا تھا۔ یہ عام طور پر جانا جاتا ہے کہ جب عمارت کی بنیاد کمزور ہوتی ہے تو عمارت یا تو وقت کے ساتھ خراب ہوجاتی ہے یا گر جاتی ہے۔ اسی طرح جب لوگوں کو آپس میں جوڑنے والے بانڈز کی بنیادیں درست نہیں ہوتیں تو ان کے درمیان بندھن بالآخر کمزور یا ٹوٹ جاتا ہے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے درمیان رشتہ جوڑ دیا۔ جبکہ آج زیادہ تر مسلمان قبائلیت، بھائی چارے اور دوسرے خاندانوں کو دکھانے کے لیے لوگوں کو اکٹھا کرتے ہیں۔ اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی اکثریت آپس میں باہم تعلق نہیں رکھتی تھی لیکن چونکہ ان کو جوڑنے والے بندھنوں کی بنیاد صحیح تھی یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے رشتے مضبوط سے مضبوط ہوتے گئے۔ جبکہ آج کل بہت سے مسلمان خون کے رشتے میں ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ الگ ہو گئے ہیں کیونکہ ان کے رشتوں کی بنیاد باطل یعنی قبائلیت اور اسی طرح کی چیزوں پر تھی۔

مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگر رشتہ داریوں اور غیر رشتہ داروں کے حقوق کی پاسداری کے اہم فریضے کو ادا کرنے کے لیے اپنے بندھنوں کو قائم رکھنے اور اجر کمانے کی خواہش رکھتے ہیں تو انہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے رشتہ جوڑنا چاہیے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ لوگ صرف ایک دوسرے سے جڑیں اور ایک دوسرے کے ساتھ اس طریقے سے کام کریں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو۔ قرآن پاک میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

آپ کی دیکھ بھال کے تحت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے بعد مدینہ سے آنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک اور اطاعت کا عہد لیا۔ مدینہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے 12 قائدین کے انتخاب کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان قائدین کو نصیحت فرمائی کہ جس طرح رسولوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نمائندگی کی تھی اسی طرح اہل مدینہ کو ان کے سپرد کیا جائے گا۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 2 صفحہ 135 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2409 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ ہر شخص ایک ولی ہے اس لیے اس کی زیر نگرانی چیزوں کا ذمہ دار ہے۔

ایک مسلمان سب سے بڑی چیز جس کا محافظ ہے وہ ان کا ایمان ہے۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری کو نبھانے کی کوشش کریں۔

اس ولایت میں ہر وہ نعمت بھی شامل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے، جس میں ظاہری چیزیں شامل ہیں، جیسے مال، اور اندرونی چیزیں، جیسے کہ جسم۔ ایک مسلمان کو ان چیزوں کو اسلام کے بتائے ہوئے طریقے سے استعمال کرکے ان کی ذمہ داری پوری کرنی چاہیے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان کو صرف حلال چیزوں کو دیکھنے کے لیے، اپنی زبان کو صرف حلال اور فائدہ مند الفاظ اور اپنے مال کو فائدہ مند اور نیک طریقوں سے دیکھنے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

یہ سرپرستی کسی کی زندگی میں دوسروں تک بھی پھیلتی ہے، جیسے رشتہ دار اور دوست۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق ایک مسلمان کو یہ ذمہ داری اپنے حقوق کی ادائیگی کے ذریعے ادا کرنی چاہیے، جیسے کہ ان کو فراہم کرنا اور نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا۔ کسی کو دوسروں سے الگ نہیں ہونا چاہیے، خاص کر دنیاوی مسائل میں۔ اس کے بجائے، انہیں اس امید پر ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا جاری رکھنا چاہیے کہ وہ بہتر کے لیے بدل جائیں گے۔ اس سرپرستی میں کسی کے بچے بھی شامل ہیں۔ ایک مسلمان کو مثال کے طور پر رہنمائی کرتے ہوئے ان کی رہنمائی کرنی چاہیے، کیونکہ یہ بچوں کی رہنمائی کا سب سے مؤثر طریقہ ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، اور اپنے بچوں کو بھی ایسا ہی کرنا سکھائیں۔ اس کی جڑ میں اسلامی علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا شامل ہے۔

نتیجہ اخذ کرنا کہ اس حدیث کے مطابق ہر ایک کو کسی نہ کسی قسم کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ علم حاصل کریں اور ان کی تکمیل کے لیے اس پر عمل کریں، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک حصہ ہے، اس لیے قیامت کے دن ان سے سوال کیا جائے گا۔ باب الاسراء، آیت 34 17:

اور]ہر [عہد کو پورا کرو۔ بیشک عہد ہمیشہ]جس کے بارے میں سوال کیا جائے گا[..."

چیلنجز کا سامنا کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے بعد مدینہ سے آنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک اور اطاعت کا عہد لیا۔ اس ملاقات کے بعد انہیں گھر واپس آنے کا حکم دیا گیا۔ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کو پتہ چلا کہ مدینہ کے کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ مدینہ واپس فرار ہونے سے پہلے انہیں پکڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سب بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے سوائے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے۔ اسے پکڑا گیا، باندھ دیا گیا اور گھسیٹتے ہوئے مکہ لے جایا گیا جہاں اس کی زبردست پٹائی کی گئی۔ سعد رضی اللہ عنہ اپنے عقیدے پر ثابت قدم رہے اور کبھی ڈگمگائے نہیں۔ وہ مکہ کے چند رئیسوں کو بلا کر رہائی پانے میں کامیاب ہو گیا جو اس کے ساتھ کاروبار کرتے تھے۔ اس پر سیرت ابن ہشام صفحہ 88-89 میں بحث ہوئی ہے۔

زندگی میں ایک مسلمان کو ہمیشہ یا تو آسانی کے وقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا پھر مشکل کا۔ کوئی بھی شخص کچھ مشکلات کا سامنا کیے بغیر صرف آسانی کے اوقات کا تجربہ نہیں کرتا ہے۔ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اگرچہ تعریف کے اعتبار سے مشکلات کا مقابلہ کرنا مشکل ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حقیقی عظمت اور بندگی کو حاصل کرنے اور اس کے اظہار کا ذریعہ ہیں۔ اس کے علاوہ، زیادہ تر معاملات میں لوگ زندگی کے اہم اسباق سیکھتے ہیں جب انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور پھر جب وہ آسانی کے وقت کا سامنا کرتے ہیں۔ اور لوگ اکثر آسانی کے اوقات کے مقابلے مشکل کے وقت کا سامنا کرنے کے بعد بہتر کے لیے بدل جاتے ہیں۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے صرف اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت اگر کوئی قرآن پاک کا مطالعہ کرے تو وہ سمجھے گا کہ زیر بحث واقعات کی اکثریت مشکلات پر مشتمل ہے۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ حقیقی عظمت ہمیشہ آسانی کے اوقات کا تجربہ کرنے میں مضمر نہیں ہے۔ ،درحقیقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے مشکلات کا سامنا کرنا، اس کے احکام کو بجا لانا اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا ہے۔ یہ اس حقیقت سے ثابت ہے کہ اسلامی تعلیمات میں جن بڑی مشکلوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک کا خاتمہ ان لوگوں کے لیے حتمی کامیابی پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ لہٰذا ایک مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنے کی فکر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ صرف ان کے لیے چمکنے کے لمحات ہیں اور سچی اطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی کا اعتراف کرتے ہیں۔ یہ دونوں جہانوں میں حتمی کامیابی کی کلید ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدینہ کی طرف ہجرت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تشدد کے بعد اور بڑھنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ چھپ کر وہ سب کچھ چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے لگے جو ان کی ملکیت اور جانتی تھی۔

وہ واحد شخص جس نے چھپ کر ہجرت نہیں کی وہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے۔ جب اس نے ہجرت کا فیصلہ کیا تو اس نے اپنی تلوار رکھی، کمان اپنے کندھے پر رکھ دی، تیر اٹھائے اور اپنی لاٹھی اپنے ساتھ لے گئے۔ وہ خانہ کعبہ کی طرف نکلے جہاں غیر مسلم بیٹھے ہوئے تھے اور خانہ کعبہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلموں کی ہر مجلس میں تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا کہ میں ہجرت کر رہا ہوں اور جو شخص اپنی ماں کو اپنے آپ سے محروم، اپنے بچے کو یتیم اور اس کی بیوی کو بیوہ کرنا چاہے تو اسے کسی وادی کے پیچھے ملنا چاہیے۔ کسی کی ہمت نہیں تھی کہ وہ اسے لڑائی کا چیلنج دے سکے۔ اس کے بجائے چند کمزور اور مظلوم لوگ ان کے پیچھے چلے اور آپ نے انہیں اسلام کی تعلیم دی اور پھر مکہ چھوڑ کر مٹھی بھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس پر امام محمد السلّابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 60 میں بحث کی گئی ہے۔

عثمان بن عفان اور ان کی اہلیہ رقیہ رضی اللہ عنہ سمیت متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے گھر والوں، کاروبار اور گھر سب کو اللہ کی رضا کے لیے چھوڑ کر ایتھوپیا کے لیے روانہ ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد سنا کہ مکہ والوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان میں سے کچھ مکہ واپس آئے جن میں عثمان اور ان کی اہلیہ رقیہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں، لیکن پھر انہیں معلوم ہوا کہ یہ خبر جھوٹی ہے۔ وہ مکہ میں ہی رہے یہاں تک کہ انہیں بالآخر مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا گیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 1-2 اور امام محمد السلبی کی سیرت عثمان ابن عفان، ذون نورین، صفحہ 22-26 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے ان مشکلات پر قابو پانے کا مطالبہ نہیں کرتا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے برداشت کیں۔ مثال کے طور پر، وہ مکہ سے مدینہ ہجرت کر گئے جہاں انہوں نے اپنے گھر والوں، گھروں، کاروباروں کو پیچھے چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ کی خاطر ایک اجنبی سرزمین کی طرف ہجرت کی۔

اس کے مقابلے میں مسلمانوں کو اس وقت جن مشکلات کا سامنا ہے وہ اتنا مشکل نہیں جتنا کہ صالح پیشروؤں کو درپیش تھا۔ لہٰذا مسلمانوں کو شکر گزار ہونا چاہیے کہ ان سے صرف چند چھوٹی قربانیاں کرنے کی ضرورت ہے، جیسے فرض فجر کی نماز ادا کرنے کے لیے کچھ نیند کی قربانی اور فرض صدقہ کرنے کے لیے کچھ مال۔ اللہ تعالیٰ ان کو یہ حکم نہیں دے رہا ہے کہ وہ اپنے گھر اور اہل و عیال کو اس کی خاطر چھوڑ دیں۔ اس شکر کو عملی طور پر ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے ظاہر کیا جانا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ، جب کسی مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اسے ان مشکلات کو یاد رکھنا چاہیے جو نیک پیشروؤں کو پیش آئیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی سے ان پر کیسے قابو پایا، جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ علم ایک مسلمان کو اپنی مشکلات پر قابو پانے کی طاقت فراہم کر سکتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ صالح پیش رو اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب تھے، پھر بھی انہوں نے صبر کے ساتھ زیادہ سخت مشکلات کو برداشت کیا۔ درحقیقت سنن ابن ماجہ نمبر 4023 میں موجود ایک حدیث اس بات کی نصیحت کرتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے سخت ترین امتحانات کو برداشت کیا اور وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

اگر کوئی مسلمان نیک پیشروؤں کے ثابت قدمی کی پیروی کرتا ہے تو امید ہے کہ وہ آخرت میں ان کے ساتھ ہو گا۔

لوگوں سے اخلاص

مدینہ ہجرت کے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ مکہ سے دو غیر مسلم ابوجہل ابن ہشام اور حارث ابن ہشام اپنے مسلمان سوتیلے بھائی عیاش ابن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ کو مکہ واپس آنے پر راضی کرنے کے لیے مدینہ تشریف لائے۔ انہوں نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ اسے نقصان نہیں پہنچانا چاہتے ہیں اور صرف یہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنی ماں سے ملنے مکہ واپس آجائے، جس نے قسم کھائی تھی کہ جب تک وہ اسے نہ دیکھ لے اپنی دیکھ بھال نہیں کرے گی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات کو سمجھا اور سمجھا کہ دو غیر مسلم عیاش رضی اللہ عنہ کے خلاف سازش کر رہے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ ان کے ساتھ نہ جانا۔ عیاش رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ سے محبت کی وجہ سے مکہ جانا چاہا اور کہا کہ وہ اپنی والدہ کو دیکھ کر اپنا کچھ مال مکہ سے مدینہ واپس بھی لے آئیں گے۔ اس کی حوصلہ شکنی کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اپنا آدھا مال پیش کیا۔ لیکن عیاش رضی اللہ عنہ نے پھر بھی مدینہ میں رہنے سے انکار کر دیا۔ آخر کار، عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنا تیز رفتار اونٹ دیا اور انہیں خبردار کیا کہ اگر وہ مکہ کے غیر مسلموں پر خیانت کا شبہ کریں تو فوراً بھاگ جائیں۔ مکہ واپسی کے راستے میں عیاش رضی اللہ عنہ کو دھوکہ دیا گیا اور اغوا کر لیا گیا۔ انہوں نے اس پر تشدد کیا یہاں تک کہ اس نے اسلام چھوڑ دیا اور اپنے سابقہ مذہب کی طرف لوٹ گیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی توبہ قبول نہیں کرے گا جو مرتد ہو۔ بعد ازاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ ہجرت کے بعد مرتد ہونے والوں کے بارے میں درج ذیل آیات نازل ہوئیں۔ باب 39 از زمر، آیات 53-55:

کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، بے شک اللہ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے، اور اپنے رب کی طرف لوٹ آؤ اور اس کے آگے سر تسلیم خم کرو اس سے پہلے کہ تم پر عذاب نازل ہو اور تم پر جو عذاب نازل ہوا اس کے بعد تمہاری مدد نہ کی جائے گی۔ رب]یعنی قرآن [اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آجائے جبکہ تمہیں خبر بھی نہ ہو۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر یہ آیات لکھ کر ان لوگوں کے پاس بھیج دیں جن پر تشدد کیا گیا اور انہیں ارتداد پر مجبور کیا گیا۔ انہوں نے سچے دل سے توبہ کی اور آخرکار اپنے مسلمان بھائیوں سے ملنے کے لیے مدینہ ہجرت کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس پر امام محمد السلّابی، عمر بن الخطاب ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 61-64 میں بحث کی گئی ہے۔

ہر قدم پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ مکمل اخلاص کا مظاہرہ کیا۔ اس نے سب سے پہلے عیاش رضی اللہ عنہ کو تنبیہ کی کہ وہ دو غیر مسلموں کے ساتھ مکہ واپس نہ جائیں اور مدینہ میں رکھنے کے لیے اپنا آدھا مال بھی پیش کر دیا۔ پھر اس نے اسے سفر کے لیے اپنا اونٹ دیا۔ آخر کار آپ نے قرآن پاک کی یہ آیات ان کے پاس بھیجیں تاکہ وہ خلوص دل سے توبہ کر کے اسلام میں دوبارہ داخل ہونے کی ترغیب دیں۔ دوسروں کے لیے یہ اخلاص اسلام کا کلیدی پہلو ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 53:

شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے‘‘۔’’

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی دونوں میں بہتری آئے۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا کسی مسلمان کا رویہ نہیں ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77:

اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے‘‘۔’’

دوسروں کے لیے مخلص ہونے کا ایک پہلو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے ان کی مدد کرنا ہے۔ انسان کو لوگوں سے شکرگزاری کی خواہش نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس سے اجر ضائع ہو جاتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں سے صریح بے وفائی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت

ہجرت کی اجازت

اللہ تعالیٰ نے باب 17 الاسراء آیت 80 کو نازل کرتے ہوئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت دی۔

"اور کہو کہ اے میرے رب، مجھے داخل کر کے داخلی دروازے سے اور صحیح راستے سے نکلنے کا اور اپنے پاس سے مجھے ایک حمایتی اختیار عطا فرما۔"

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 151 میں بحث کی گئی ہے۔

اس آیت کی دعا میں انسان کی باطنی نیت اور ظاہری عمل دونوں شامل ہیں۔ حق کے ساتھ داخل ہونا اس بات کی طرف اشارہ کر سکتا ہے کہ جب بھی کوئی مسلمان کسی بھی صورت حال میں داخل ہو خواہ دنیوی ہو یا مذہبی، اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ایسا کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو ان تمام حلال اعمال کا ثواب ملے گا جو اس نیت کے ساتھ مکمل ہوں گے خواہ وہ عمل دنیاوی ہی کیوں نہ ہو۔ مثال کے طور پر حلال مال کمانا اور اپنے گھر والوں کی ضروریات پوری کرنا بظاہر دنیاوی کام لگتا ہے لیکن جب صحیح نیت سے کیا جائے تو یہ عمل صالح بن جاتا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 4006 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ خلوص نیت کی تائید ہمیشہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق اعمال سے ہوتی ہے۔ غلط نیت رکھنے والے کو اللہ تعالیٰ اس کا اجر نہیں دے گا۔ درحقیقت قیامت کے دن ان سے کہا جائے گا کہ وہ اپنا اجر اس سے مانگیں جس کے لیے انہوں نے عمل کیا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

حق پر داخل ہونے میں یہ بھی شامل ہے کہ جسمانی طور پر ہر حالت میں اس طریقے سے داخل ہو جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو اور صرف وہی اعمال انجام دیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہوں اور ان تمام حالات و افعال سے بچیں جو باطل اور گناہوں پر مبنی ہوں۔ یہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

حق پر نکلنا وہ ہے جب کوئی ہر حال کو اس نیت سے چھوڑ دے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ کسی عمل کے شروع سے آخر تک اپنی نیک نیت کو بغیر کسی تبدیلی کے برقرار رکھے۔ اور اس میں عملی طور پر ایسے حالات کو چھوڑنا بھی شامل ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کو راضی ہو۔ مثال کے طور پر اسلام کی تعلیمات کے مطابق صبر کے ساتھ مشکل یا امتحان کو چھوڑنا یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کے لیے بہترین صورت حال کا انتخاب کرتا ہے چاہے وہ اس کے انتخاب کے پیچھے حکمت کا مشاہدہ نہ کرے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ" "تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اس دعا کا آخری حصہ قرآن کریم کی اعلیٰ ترین اتھارٹی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر عمل پیرا ہونے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ سنن ابو داؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ ہر وہ معاملہ جس کی بنیاد اسلام پر نہ ہو اسے رد کر دیا جائے گا۔

اگر مسلمان دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں دائمی کامیابی چاہتے ہیں تو انہیں قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر سختی سے عمل کرنا چاہیے۔ اگرچہ بعض اعمال جو براہ راست ہدایت کے ان دو ذرائع سے نہیں کیے گئے ہیں ان کو پھر بھی ایک صالح عمل سمجھا جا سکتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو باقی تمام چیزوں

پر ترجیح دی جائے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں ذرائع سے نہ لینے والی چیزوں پر جتنا زیادہ عمل کرے گا خواہ وہ عمل صالح ہی کیوں نہ ہو ہدایت کے ان دونوں ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ کتنے مسلمانوں نے اپنی زندگیوں میں ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے جن کی رہنمائی کے ان دو ذرائع میں کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اگر یہ ثقافتی عادات گناہ نہیں ہیں تو انہوں نے مسلمانوں کو ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے سے روک دیا ہے کیونکہ وہ اپنے طرز عمل سے مطمئن ہیں۔ یہ ہدایت کے دو ذرائع سے ناواقفیت کا باعث بنتا ہے جس کے نتیجے میں صرف گمراہی ہی ہوتی ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھے اور ان پر عمل کرے جو راہنماؤں کے ذریعہ قائم کیے گئے ہیں اور اس کے بعد ہی دوسرے رضاکارانہ اعمال صالحہ پر عمل کرنا چاہیے اگر اس کے پاس ایسا کرنے کے لیے وقت اور توانائی ہو۔ لیکن اگر وہ جاہلیت کا انتخاب کریں اور عمل کو اختیار کریں اگرچہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کے گناہ ہی کیوں نہ ہوں۔

آخر میں، ایک معاون اتھارٹی اللہ تعالیٰ سے اس درخواست کی بھی نشاندہی کر سکتی ہے کہ وہ ایک مسلمان کو اپنے جسم پر اپنے اختیار کو استعمال کرنے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے برکت عطا کرے۔

ایک بری اجتماع

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مدینہ کی طرف ہجرت شروع کی تو مکہ کے غیر مسلم قائدین نے سمجھ لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے سے کچھ ہی عرصہ پہلے کی بات ہے۔ انہیں خدشہ تھا کہ اگر مدینہ ایک اسلامی ریاست بن گیا تو اس سے خطے میں ان کے اثر و رسوخ اور طاقت کو خطرہ ہو گا۔ چنانچہ انہوں نے دارالندوہ میں ایک میٹنگ کی جو مکہ میں اللہ کے گھر، کعبہ کے قریب واقع ہے۔ یہاں تک کہ شیطان بھی بوڑھے کے بھیس میں ان کی مجلس میں شامل ہوا۔ اس اجلاس کے اراکین نے اپنی رائے پیش کی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشن کو کچلنے کے لیے ان کے ساتھ کیا کیا جائے لیکن شیطان نے ان کی تردید کی یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو جہل نے اپنی رائے تجویز کی۔ اس نے مشورہ دیا کہ اسے مختلف قبائل سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے ایک گروہ کے ساتھ مل کر قتل کر دیا جائے۔ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلے کو، ان سب کے خلاف انتقامی طور پر جنگ کرنے سے روک دے گا اور وہ اس معاملے کو ختم کرنے کے لیے صرف اس کے قبیلے کو ادا کریں گے۔ ابلیس اور اس میٹنگ کے دوسرے تمام ارکان نے اس شیطانی منصوبے سے اتفاق کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 152-153 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے ایک سادہ مگر گہرے سبق کو سمجھنا ضروری ہے، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے دنیا و آخرت میں دنیاوی یا دینی معاملات میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ طلوع آفتاب سے لے کر اس زمانے تک اور آخر زمانہ تک کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے نہ کبھی حقیقی کامیابی حاصل ہوئی اور نہ ہی کبھی نصیب ہوگی۔ یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ دنیاوی چیزوں کو جو اس کی نافرمانی سے حاصل ہوتا ہے دونوں جہانوں میں اس کے لیے تناؤ، مصائب اور پریشانی کا باعث بن جائے گا۔ اس کے علاوہ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے روحانی دلوں کو کنٹرول کرتا ہے، ذہنی سکون کا گھر، وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کس کو ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے اور کس کو نہیں۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے"۔"

لہٰذا، جو اس کی نافرمانی کرتا ہے وہ اس دنیا یا آخرت میں کبھی بھی ذہنی سکون حاصل نہیں کر سکے گا، خواہ وہ تفریح کے لمحات ہی کیوں نہ دیکھے۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جب کوئی ان لوگوں کو دیکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں، خواہ ان کے پاس دنیا کی آسائشیں کیوں نہ ہوں۔ لہٰذا جب کوئی مسلمان ایسی حالت میں ہو جس سے وہ ایک مثبت اور کامیاب نتیجہ حاصل کرنا چاہتا ہو تو اسے کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا انتخاب نہیں کرنا چاہیے، خواہ یہ کتنا ہی آسان اور آزمائشی کیوں نہ ہو۔ یہاں تک کہ اگر کسی کو ان کے قریبی دوستوں اور رشتہ داروں کی طرف سے ایسا کرنے کا مشورہ دیا جائے کیونکہ مخلوق کی اطاعت نہیں ہے اگر اس کا مطلب خالق کی نافرمانی ہے۔ اور درحقیقت وہ انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے عذاب سے نہ دنیا میں بچا سکیں گے نہ آخرت میں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کامیابی عطا کرتا ہے جو اس کی اطاعت کرتے ہیں وہ اس کی نافرمانی کرنے والوں سے ایک کامیاب نتیجہ نکال دیتا ہے خواہ اس ہٹانے میں وقت لگے۔ ایک مسلمان کو بے وقوف نہیں بنانا چاہیے کیونکہ یہ جلد یا بدیر ہو جائے گا۔ قرآن کریم نے یہ بات بالکل واضح کر دی ہے کہ برائی کا منصوبہ یا عمل صرف کرنے والے کو ہی گھیرتا ہے خواہ اس سزا میں تاخیر ہی کیوں نہ ہو۔ باب 35 فاطر، آیت 43:

‘‘لیکن شیطانی تدبیر اپنے لوگوں کو نہیں گھیرتی۔’’

لہٰذا حالات اور انتخاب خواہ کتنے ہی مشکل کیوں نہ ہوں مسلمانوں کو چاہیے کہ دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا انتخاب کریں کیونکہ یہی کامیابی دونوں جہانوں میں حقیقی کامیابی کا باعث بنے گی خواہ یہ کامیابی فوری طور پر ظاہر نہ ہو۔

حمایتی دعوے۔

جب مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش کی تو انہوں نے اس شیطانی کام پر مامور گروہ کو حکم دیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کے باہر انتظار کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سوتے ہوئے حملہ کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اپنے بستر پر اپنی جگہ لے لیں اور اپنی حفاظت کی ضمانت دیں تاکہ وہ چھپ کر ہجرت کر سکیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 152-153 میں بحث کی گئی ہے۔

تمام صحابہ کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے زبانی دعوے کی تائید کی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اور ایمان لایا جائے۔

کفر اسلام کا لفظی انکار ہو سکتا ہے یا اعمال کے ذریعے، جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی شامل ہے، حالانکہ کوئی اس پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کو ایک مثال سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ اگر کسی لاعلم شخص کو کسی دوسرے قریب آنے والے شیر کی طرف سے خبردار کیا جاتا ہے اور لاعلم شخص حفاظت کے حصول کے لیے عملی اقدامات کرتا ہے تو وہ ایسا شخص سمجھا جائے گا جس نے انہیں دی گئی وارننگ پر یقین کیا ہو کیونکہ اس نے انتباہ کی بنیاد پر اپنے طرز عمل کو ڈھال لیا تھا۔ جبکہ اگر لاعلم شخص تنبیہ کے بعد اپنے رویے کو عملی طور پر تبدیل نہیں کرتا ہے تو لوگ شک کریں گے کہ وہ ان کو دی گئی وارننگ پر یقین نہیں کرتے خواہ بے خبر شخص زبانی طور پر ان کو دی گئی وارننگ پر یقین کا دعویٰ کرے۔

بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا عقیدہ اور اپنے خدا کی اطاعت ان کے دلوں میں ہے اس لیے انہیں عملی طور پر اس کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بدقسمتی سے، اس احمقانہ ذہنیت نے بہت سے مسلمانوں کو متاثر کیا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایک خالص وفادار دل کے مالک ہیں حالانکہ وہ اسلام کے واجبات کو ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر اعلان فرمایا ہے کہ جب کسی کا دل پاک ہوتا ہے تو جسم بھی پاک ہوتا ہے یعنی اس کے اعمال

درست ہوجاتے ہیں۔ لیکن اگر کسی کا دل فاسد ہو تو جسم فاسد ہو جاتا ہے یعنی اس کے اعمال فاسد اور غلط ہوں گے۔ لہٰذا جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اپنے فرائض کو عملی طور پر ادا نہیں کرتا وہ کبھی بھی پاک دل نہیں ہوسکتا۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا عملی طور پر مظاہرہ کرنا ان کا ثبوت اور شہادت ہے جو قیامت کے دن جنت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے۔ اس عملی ثبوت کا نہ ہونا اتنا ہی احمقانہ ہے جتنا ایک طالب علم جو اپنے استاد کو خالی امتحانی پرچہ واپس دے دیتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ ان کا علم ان کے ذہن میں ہے اس لیے انہیں امتحان کے سوالات کے جوابات دے کر اسے لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلاشبہ یہ طالب علم جس طرح ناکام ہو گا اسی طرح وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بغیر، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرنے کی صورت میں قیامت تک پہنچے گا، خواہ اس کے دل میں ایمان ہی کیوں نہ ہو۔

آخر میں یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جس کی پرورش اچھے اعمال سے ہونی چاہیے۔ جس طرح ایک پودا جو سورج کی روشنی جیسی پرورش حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے، مر جاتا ہے، اسی طرح اگر انسان اچھے اعمال سے اس کی پرورش نہ کر سکے تو اس کا ایمان بھی مر جائے گا۔ یہ سب سے بڑا نقصان ہے۔ لہٰذا، اگر وہ اس ممکنہ نتائج سے بچنا چاہتے ہیں تو کسی کو ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہوئے جو اسلامی تعلیمات میں بیان کی گئی ہیں، اچھے اعمال کے ساتھ ایمان کے اعلان کی حمایت کرنی چاہیے۔

ایک راستہ

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدین کی طرف ہجرت کرنے کے لیے اپنے گھر سے نکلے تو آپ نے قرآن پاک کی تلاوت کی اور اللہ تعالیٰ نے ان قاتلوں کی بینائی عارضی طور پر چھین لی جو آپ کو قتل کرنے کے لیے آپ کے گھر کے باہر تعینات تھے۔ ان کے درمیان سے گزرتے ہوئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سروں پر مٹی ڈالی اور چلے گئے۔ قاتلوں کو تب ہی اس بات کا اندازہ ہوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس علاقہ سے نکل جانے کے بعد کیا ہوا تھا اور جب انہیں ایک راہگیر نے ان کے ساتھ کیا ہوا تھا اس کی اطلاع دی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 153 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معجزہ مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ جب بھی انہیں کوئی مشکل پیش آئے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہئے، اس کے احکام کو بجا لاتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے بچتے ہوئے اور تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر و تحمل سے کام لینا چاہئے، اگر ان پر توکل کرنے کا یہ طریقہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ وہ ان پر اعتماد کرنے کے قابل ہو جائے گا۔ اس وقت باب 65 میں طلاق، آیت 2:

’’اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔‘‘

ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے چاہے مشکل کے پیچھے حکمتیں ظاہر نہ ہوں۔ یہ ایک شخص کا ردعمل ہے جو یا تو برکت کا باعث بنتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے غضب کا ۔ کسی کو صرف اپنی زندگی میں ان بے شمار مثالوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے جہاں وہ سمجھتے تھے کہ کچھ برا تھا صرف بعد میں اپنا خیال بدلنے کے لیے اور اس کے برعکس۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جب کوئی شخص ڈاکٹر کی تجویز کردہ کڑوی دوا لیتا ہے۔ دوا کڑوی ہونے کے باوجود وہ اس یقین سے کھاتے ہیں کہ اس سے ان کو فائدہ ہوگا۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایک مسلمان ایک ایسے ڈاکٹر پر کیسے بھروسہ کر سکتا ہے جس کا علم محدود ہے اور جسے قطعی طور پر یقین نہیں ہے کہ کڑوی دوا انہیں فائدہ دے گی اور اللہ تعالیٰ

پر بھروسہ کرنے میں ناکام رہے گا، جس کا علم لامحدود ہے اور جب وہ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین فیصلہ کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو خواہش مند سوچ اور اللہ تعالیٰ پر توکل کے درمیان فرق کو سمجھنا چاہیے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتا اور پھر اس سے مشکلات میں ان کی مدد کی امید رکھتا ہے وہ ایک خواہش مند مفکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے والا وہ ہے جس کی طرف اس واقعہ میں اشارہ کیا گیا ہے، وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خلوص نیت سے کوشش کرتا ہے اور پھر اس کے فیصلے پر بھروسہ کرتا ہے اور اس کے انتخاب پر کوئی شکایت یا سوال نہیں کرتا۔

ٹرسٹ کی ادائیگی

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ اس نے علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا اور انہیں مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا جب کہ انہوں نے مکہ والوں کو ان کا قیمتی سامان جو انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس محفوظ رکھنے کے لیے جمع کرایا تھا واپس کر دیا، کیونکہ ان کی دیانت اور امانت کی شہرت بڑے پیمانے پر مشہور اور مقبول تھی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 155 میں بحث کی گئی ہے۔

حتیٰ کہ جب غیر مسلموں نے آپ کو قتل کرنے کی کوشش کی، تب بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو سامان آپ کے سپرد کیا تھا اسے واپس کرکے ایمانداری اور حسن اخلاق پر قائم رہے۔ اس سے ہر حال میں اسلام کی تعلیمات پر کاربند رہنے کی اہمیت کی نشاندہی ہوتی ہے۔ ایک شخص یہ انتخاب اور انتخاب نہیں کر سکتا کہ کب ایک اچھے مسلمان کی طرح برتاؤ کرے اور کب ایک کافر کی طرح برتاؤ کرے۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جسے انسان کی زندگی کے ہر حال میں نافذ کرنا ضروری ہے۔ اسلام کو ایک زرہ کی طرح نہیں سمجھا جا سکتا جسے کوئی اپنی خواہش کے مطابق پہن کر اتار سکتا ہے۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرتا ہے وہ صرف اپنی خواہشات کی پرستش کرتا ہے، خواہ وہ کوئی اور دعویٰ کرے۔ باب 25 الفرقان، آیت 43:

’’کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جو اپنی خواہش کو اپنا معبود بناتا ہے؟‘‘

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہر حال میں اسلام کی تعلیمات کو نافذ کرے اگر وہ اللہ تعالیٰ کی صحیح اطاعت اور عبادت کرنا چاہتا ہے۔

اس کے علاوہ، زیر بحث اہم واقعہ کسی کی امانتوں کو پورا کرنے کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی کہ امانتوں میں خیانت منافقت کا ایک پہلو ہے۔

اس میں وہ تمام امانتیں شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی طرف سے ہیں۔ ہر نعمت اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کی ہے۔ ان امانتوں کو پورا کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ نعمتوں کو ان طریقوں سے استعمال کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کو راضی ہو۔ اس پر قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بحث اور وضاحت کی گئی ہے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ مزید برکات حاصل کریں گے، کیونکہ یہ سچا شکر ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

لوگوں کے درمیان اعتماد کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ جسے کسی دوسرے کے سپرد کیا گیا ہو اسے چاہیے کہ اس کا غلط استعمال نہ کرے اور مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ لوگوں کے درمیان سب سے بڑا اعتماد بات چیت کو خفیہ رکھنا ہے، جب تک کہ دوسروں کو مطلع کرنے میں کوئی واضح فائدہ نہ ہو۔ بدقسمتی سے، مسلمانوں کے درمیان اکثر اس کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ کسی کو اپنے اور لوگوں کے درمیان امانتوں کے ساتھ اس طرح برتاؤ کرنا چاہئے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے ان کے درمیان موجود امانتوں کے ساتھ سلوک کریں۔

اس کے علاوہ، ان ٹرسٹوں میں وہ لوگ شامل ہوتے ہیں جو کسی کی دیکھ بھال کے تحت ہوتے ہیں، جیسے کہ انحصار کرنے والے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان لوگوں کے حقوق ادا کرتے ہوئے ان امانتوں کو پورا کرنے کی کوشش کرے۔ مثال کے طور پر، والدین کا فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کو قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے، سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی ترغیب دیں۔

آزادی کے لیے جدوجہد کرنا

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہجرت کے لیے دو اونٹ خرید کر تیار کیے تھے۔ جب اس نے دو اونٹوں میں سے بہترین اونٹ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بطور ہدیہ پیش کیا تو مؤخر الذکر نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اونٹ خریدنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس پر سیرت ابن ہشام صفحہ 98 میں بحث ہوئی ہے۔

یہ خود مختار ہونے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6470 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص دوسروں سے مانگنے سے باز رہے گا اسے آزادی دی جائے گی۔ اور جو شخص سچے دل سے صبر کرنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے صبر عطا کرتا ہے۔ اور جو اس کے پاس ہے اس پر راضی ہو گا وہ خود کفیل ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ صبر سے بڑا کوئی تحفہ نہیں ہے۔

ضرورت پڑنے پر دوسروں سے مدد مانگنے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن مسلمان کو یہ عادت نہیں ڈالنی چاہیے کیونکہ اس سے عزت نفس کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ یہ خطرناک ہو سکتا ہے کیونکہ جو شخص عزت نفس کھو دیتا ہے اس کے گناہوں کا زیادہ امکان ہوتا ہے کیونکہ وہ اس بات کی پرواہ کرنا چھوڑ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور دوسرے ان کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ غیر ضروری طور پر دوسروں سے مانگنے والا بھی ان کی مدد کے لیے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے بجائے ان کی مدد کے لیے دوسروں پر بھروسہ کرنے لگے گا۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جو ذرائع حلال طریقے سے عطا کیے گئے ہیں ان کو استعمال کریں اور پھر اس کے نتیجے پر یقین کریں، جسے اللہ تعالیٰ اکیلے منتخب کرتا ہے، اس میں شامل ہر فرد کے لیے بہترین ہوگا۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کی مدد کے لیے رجوع کرنے سے پہلے ان تمام وسائل کو بروئے کار لانے کی کوشش کرے۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا اسے اللہ تعالیٰ لوگوں کی آزادی عطا فرمائے گا۔

ایک مسلمان کو اپنے اوپر خاص طور پر مشکل کے وقت صبر پر مجبور کرنا چاہیے۔ اس کے حصول کا بہترین طریقہ اسلامی علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ مثال کے طور پر جو شخص اللہ تعالیٰ کو جانتا ہے کہ وہ صبر کرنے والے مسلمان کو بے حساب اجر دے گا، وہ اس حقیقت سے ناواقف شخص سے زیادہ صبر کرنے کا امکان رکھتا ہے۔ باب 39 از زمر، آیت 10:

"بے شک، مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا]یعنی حد[..."

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ حقیقی صبر کسی صورت حال کے آغاز پر دکھایا جاتا ہے، بعد میں نہیں۔ جب کوئی بعد میں صبر کا مظاہرہ کرتا ہے، تو یہ قبولیت ہے، جس کا تجربہ سب سے زیادہ بے صبرے کو بھی ہوتا ہے۔

حقیقی امیر وہ ہے جو محتاج اور چیزوں کا لالچی نہ ہو۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی اس پر مطمئن ہو جاتا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے۔ یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی صحیح طور پر یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے لامحدود علم کے مطابق ہر ایک کو بہترین چیز دیتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

’’لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔‘‘

یہ شخص واقعی امیر ہے جب کہ جو ہمیشہ چیزوں کا لالچی اور محتاج رہتا ہے وہ غریب ہے خواہ اس کے پاس بہت زیادہ دولت ہو۔ صحیح مسلم نمبر 2420 میں موجود حدیث میں اس کی طرف

اشارہ کیا گیا ہے۔ اس لیے رزق پر قناعت حقیقی دولت ہے جب کہ زیادہ کی حرص مفلس کو مفلس بنا دیتی ہے۔

آخر میں صبر کو اپنانا ضروری ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ہر عنصر میں اس کی ضرورت ہے۔ اس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے۔ آسان الفاظ میں دنیاوی یا دینی معاملات میں کامیابی صبر کے بغیر ممکن نہیں۔ لہٰذا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ایک عظیم تحفہ ہے جو اسے اپنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

حق پر قائم رہنا

مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے دوران حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ایک راہگیر نے پوچھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو نہیں پہچانتے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ انہیں سچ نہیں بتانا چاہتے تھے، کیونکہ یہ اطلاع مکہ کے غیر مسلموں تک پہنچ سکتی تھی، جو ان کے تعاقب میں تھے، لیکن ساتھ ہی وہ جھوٹ بولنے کی خواہش بھی نہیں رکھتے تھے، کیونکہ وہ ایمانداری اور سچائی کی معراج تھی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو بتایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف اس کے رہنما تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مراد اس دنیا میں ان کا رہنما ہے جبکہ اس شخص نے یہ سمجھا کہ وہ سفر میں اس کا رہنما ہے۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 104-105 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

یہ بڑی شرم کی بات ہے کہ آج کل مسلمان بغیر کسی وجہ کے جھوٹ بولتے ہیں، حالانکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک مہلک صورتحال کا سامنا کرتے ہوئے بھی ایماندار رہے۔

جھوٹ ناقابل قبول ہے چاہے وہ چھوٹا جھوٹ ہو جسے اکثر سفید جھوٹ کہا جاتا ہے یا جب کوئی مذاق کے طور پر جھوٹ بولتا ہے۔ ان تمام قسم کے جھوٹ حرام ہیں۔ درحقیقت وہ جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے، اس کا مقصد کسی کو دھوکہ دینا نہ ہو، جامع ترمذی نمبر 2315 میں موجود ایک حدیث میں اس پر تین مرتبہ لعنت آئی ہے۔

ایک اور مشہور جھوٹ جو لوگ اکثر یہ مانتے ہوئے بولتے ہیں کہ یہ کوئی گناہ نہیں ہے جب وہ بچوں سے جھوٹ بولتے ہیں۔ بلاشبہ یہ حدیث کے مطابق گناہ ہے جیسا کہ سنن ابوداؤد نمبر 4991 میں ہے۔ بچوں سے جھوٹ بولنا صریح حماقت ہے کیونکہ وہ اس گناہ کی عادت صرف بڑے سے ہی اپنائیں گے جو ان سے جھوٹ بولے گا۔ اس طرز عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ بچوں کا جھوٹ بولنا قابل قبول ہے جب کہ یہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق قابل قبول نہیں ہے۔ صرف انتہائی نایاب اور انتہائی صورتوں میں جھوٹ بولنا قابل قبول ہے، مثال کے طور پر، کسی بے گناہ کی جان کی حفاظت کے لیے جھوٹ بولنا۔

جھوٹ سے بچنا بہت ضروری ہے جیسا کہ جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ دوسرے گناہوں کا باعث بنتا ہے جیسے غیبت اور لوگوں کا مذاق اڑانا۔ یہ طرز عمل جہنم کے دروازوں کی طرف لے جاتا ہے۔ جب کوئی شخص مسلسل جھوٹ بولتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑا جھوٹا لکھتا ہے۔ یہ پیشین گوئی کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں ہے کہ قیامت کے دن اس شخص کے ساتھ کیا ہو گا جسے اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا جھوٹا لکھا ہے۔

تمام مسلمان فرشتوں کی صحبت کے خواہش مند ہیں لیکن جب کوئی جھوٹ بولتا ہے تو وہ اس کی صحبت سے محروم ہو جاتا ہے۔ درحقیقت جھوٹے کے منہ سے نکلنے والی بدبو فرشتوں کو ان سے ایک میل دور کر دیتی ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1972 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

جھوٹ بولنا جو معاشرے میں دوسروں تک پھیلتا ہے اتنا بڑا گناہ ہے کہ صحیح بخاری نمبر 7047 میں موجود حدیث کے مطابق اگر کوئی شخص ایسا کرے اور توبہ نہ کرے تو اسے موت کے بعد اس حد تک سزا دی جائے گی کہ اس کے منہ میں لوہے کا کانٹا لگا دیا جائے گا اور چہرے کی کھال اکھاڑ دی جائے گی۔ ان کا چہرہ فوری طور پر دوبارہ بن جائے گا اور اس عمل کو دہرایا جائے گا۔ یہ سلسلہ قیامت تک ہوتا رہے گا۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، تمام مسلمانوں کو ہر قسم کے جھوٹ سے بچنا چاہیے، قطع نظر اس کے کہ وہ کس سے بات کر رہے ہیں۔

سچی محبت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ ان کے سفر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہوتے، چلتے وقت اور پھر کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوتے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طرزِ عمل کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ جب بھی انہیں ڈر لگتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پیچھے سے حملہ ہو جائے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو جائیں گے۔ لیکن پھر وہ سامنے والے حملے سے ڈرے گا اور اس کی وجہ سے وہ پوزیشنیں بدلے گا۔ آخرکار انہوں نے کوہ ثور کے غار میں کچھ دنوں کے لیے پناہ لی۔ غار میں داخل ہونے سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غار میں داخل ہونے کی تاکید کی تاکہ اس کے اندر سے کوئی نقصان دہ چیز صاف ہو جائے اور اسے نکال دیا جائے۔ یہاں تک کہ اس نے اپنا پاؤں غار کے اندر ایک شگاف پر اس خوف سے رکھا کہ کہیں کوئی جاندار اس سے نکل کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نقصان نہ پہنچائے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 157 میں بحث کی گئی ہے۔

ہر مسلمان کھلے عام اعلان کرتا ہے کہ وہ آخرت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت کا خواہش مند ہے۔ وہ اکثر صحیح بخاری نمبر 3688 میں پائی جانے والی حدیث کا حوالہ دیتے ہیں، جو اس بات کی تلقین کرتی ہے کہ انسان آخرت میں ان کے ساتھ رہے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں سے اپنی محبت کا کھلم کھلا اعلان کرتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہ اس نتیجہ کی خواہش کیسے کرتے ہیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، پھر بھی انہیں بمشکل جانتے ہیں کیونکہ وہ آپ کی سیرت، کردار اور تعلیمات کا مطالعہ کرنے میں مصروف ہیں۔ یہ بے وقوفی کی بات ہے کہ کوئی کسی سے سچی محبت کیسے کر سکتا ہے جسے وہ جانتا تک نہیں ہے۔

اس کے علاوہ جب ان لوگوں سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا ثبوت پوچھا جائے گا تو قیامت کے دن کیا کہیں گے؟ وہ کیا پیش کریں گے؟ اس اعلان کا ثبوت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت، کردار اور تعلیمات کا مطالعہ اور ان پر عمل کرنا ہے۔ اس دلیل کے بغیر اعلان اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا۔ یہ بالکل واضح ہے کیونکہ صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم سے بہتر اسلام کو کسی نے نہیں سمجھا اور ان کا یہ رویہ نہیں تھا۔ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا اعلان کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر عمل کے ذریعے اپنے دعوے کی تائید کی۔ اس لیے وہ آخرت میں اس کے ساتھ ہوں گے۔

جو لوگ یہ مانتے ہیں کہ محبت دل میں ہوتی ہے اور اسے عمل سے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی وہ اتنا ہی بے وقوف ہے جتنا وہ طالب علم جو امتحان کا خالی پرچہ اپنے استاد کو دے کر دعویٰ کرتا ہے کہ علم ان کے دماغ میں ہے اس لیے انہیں عملی طور پر اسے کاغذ پر لکھنے کی ضرورت نہیں ہے اور پھر بھی پاس ہونے کی امید رکھتا ہے۔

ایسا سلوک کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے محبت نہیں کرتا، صرف اپنی خواہشات رکھتا ہے اور بلاشبہ انہیں شیطان نے دھوکا دیا ہے۔

آخر میں یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ناکام رہے وہ یقیناً قیامت کے دن ان کے ساتھ نہیں ہوں گے۔ اگر کوئی ایک لمحے کے لیے اس حقیقت پر غور کرے تو یہ بالکل واضح ہے۔

بہترین ساتھی

مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے دوران جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کوہ ثور کے غار میں پناہ لی تو مکہ کے غیر مسلموں نے ان کا تعاقب کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ مکہ کے غیر مسلم بالآخر غار تک پہنچ گئے جہاں وہ چھپے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اگر غیر مسلم بھی اپنے پیروں کی طرف جھک کر دیکھیں تو وہ آپ کو اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غار میں چھپے ہوئے دیکھیں گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے واضح کر دیا کہ وہ اپنی حفاظت کی فکر میں نہیں ہیں، بلکہ اندیشہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ نہ ہو جائے۔ اس پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں نصیحت فرمائی کہ غم نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کا تیسرا ساتھی تھا۔ اس پر صحیح بخاری نمبر 3922 اور ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 159-160 میں موجود ایک حدیث میں بحث کی گئی ہے۔ باب 9 توبہ آیت 40:

جب وہ غار میں تھے اور آپ)صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (نے اپنے ساتھی سے فرمایا :غم نہ کرو۔'' ''بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

صحیح بخاری نمبر 7405 میں موجود ایک آسمانی حدیث میں اللہ تعالیٰ نے نصیحت کی ہے کہ وہ ہر اس شخص کے ساتھ ہے جو اسے یاد کرتا ہے۔

ذہنی مسائل اور عوارض جیسے کہ ڈپریشن کے بڑھنے کے ساتھ، مسلمانوں کے لیے اس اعلان کی اہمیت کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ کسی شخص کے دماغی مسئلے کا سامنا کرنے کا بہت کم امکان ہوتا ہے جب وہ مستقل طور پر کسی ایسے شخص سے گھرا رہتا ہے اور اس کی مدد کرتا ہے جو واقعی ان سے پیار کرتا ہے۔ اگر یہ کسی شخص کے لیے درست ہے تو یہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے لیے زیادہ مناسب ہے، جس نے اپنے ذکر کرنے والے کے ساتھ رہنے کا وعدہ کیا ہے۔ صرف اس اعلان پر عمل کرنے سے ذہنی مسائل جیسے کہ ڈپریشن ختم ہو جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ دوسروں سے الگ تھلگ رہنے یا دوسروں کے درمیان ہونے سے نیک پیشواؤں کی ذہنی حالت پر کوئی فرق نہیں

پڑا کیونکہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی صحبت میں رہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی صحبت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ تمام رکاوٹوں اور مشکلات کو کامیابی سے عبور کر لیتا ہے یہاں تک کہ آخرت میں اس کے قرب تک پہنچ جاتا ہے۔

مزید برآں، اللہ تعالیٰ نے اپنی لامحدود رحمت سے اس اعلان کو کسی طرح بھی محدود نہیں کیا۔ مثال کے طور پر، اس نے یہ اعلان نہیں کیا کہ وہ صرف نیک لوگوں کے ساتھ ہے یا ان لوگوں کے ساتھ ہے جو مخصوص اچھے کام کرتے ہیں۔ اس نے درحقیقت ہر مسلمان کو گھیر لیا، قطع نظر اس کے کہ ان کے ایمان کی مضبوطی کتنی ہے یا کتنے ہی گناہوں کا ارتکاب کیا ہے۔ اس لیے مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن اس حدیث میں جو شرط بیان کی گئی ہے اس پر غور کرنا ضروری ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا۔ اس یاد میں اپنی نیت کو درست کرنا بھی شامل ہے تاکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے کام کرے اور اس لیے لوگوں سے کسی قسم کی شکر گزاری کی امید نہ رکھے۔ زبان سے یاد کرنے میں اچھی بات کہنا یا خاموش رہنا شامل ہے۔ اور ذکر کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لیے استعمال کریں جیسا کہ قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حقیقی یاد ہے۔ ایسا سلوک کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی صحبت اور نصرت نصیب ہوگی۔

سادہ لفظوں میں اللہ تعالیٰ کی جتنی زیادہ اطاعت اور یاد کرے گا، اتنا ہی اس کی صحبت حاصل کرے گا۔ جو دیتا ہے وہی وصول کرے گا۔

صحیح طریقے سے بھروسہ کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراہم کردہ ذرائع کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے اور پھر اس بات پر پختہ یقین رکھنے پر مشتمل ہے کہ اللہ تعالیٰ جو بھی فیصلہ فرماتا ہے، وہ ہر ایک کے لیے بہترین ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2344 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اگر لوگ واقعی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں تو وہ ان کو اسی طرح رزق دے گا جس طرح پرندوں کو دیتا ہے۔ وہ اپنے گھونسلے صبح بھوکے چھوڑتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر لوٹتے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر واقعی بھروسہ وہ چیز ہے جو دل میں محسوس ہوتی ہے لیکن اعضاء سے ثابت ہوتی ہے، یعنی جب کوئی اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرتا ہے، اس کے احکام کو پورا کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتا ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 3:

اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے کافی ہے"۔"

توکل کا وہ پہلو جو داخلی ہے اس میں پختہ یقین رکھنا شامل ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے اور دنیاوی اور دینی معاملات میں نقصان دہ چیزوں سے بچا سکتا ہے۔ ایک مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ دینے، روکنے، نقصان پہنچانے یا فائدہ پہنچانے کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔ ایک مسلمان حقیقی معنوں میں اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ ہر وہ چیز جو ان کی زندگی میں ہوتی ہے، جس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ اکیلے کرتا ہے، اس میں شامل ہر فرد کے لیے بہترین ہے، چاہے یہ ان کے لیے اور دوسروں کے لیے واضح نہ ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ'' ''تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر صحیح معنوں میں بھروسہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اسباب مہیا کیے ہیں، مثلاً دوا استعمال کرنا چھوڑ دے۔ جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں واضح طور پر ذکر ہے کہ پرندے اپنے گھونسلے چھوڑ کر رزق کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ جب کوئی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ طاقت اور اسباب کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق استعمال کرتا ہے تو وہ بلا شبہ اس کی اطاعت اور بھروسہ کرتے ہیں۔ یہ دراصل اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا ظاہری عنصر ہے۔ یہ بات بہت سی آیات اور احادیث میں واضح ہو چکی ہے۔ باب النساء، آیت 71 4:

''اے ایمان والو احتیاط کرو۔''

درحقیقت ظاہری عمل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باطنی کیفیت ہے۔ ظاہری روایت کو نہیں چھوڑنا چاہیے خواہ وہ باطنی اعتبار کا مالک ہو۔

اعمال اور اللہ کی طرف سے فراہم کردہ ذرائع کا استعمال، اس پر بھروسہ کرنے کا ایک پہلو ہے۔ اس سلسلے میں اعمال کو تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے اطاعت کے وہ اعمال ہیں جن کا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حکم دیتا ہے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں امن اور کامیابی حاصل کر سکیں۔ یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو امن اور کامیابی عطا کرے گا، ان اعمال کو ترک کرنا محض خواہش مندانہ سوچ ہے اور اسلام میں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔

دوسری قسم کے اعمال وہ اسباب ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں لوگوں کے لیے اس لیے بنائے ہیں کہ وہ اس میں محفوظ رہیں، جیسے کہ بھوک کے وقت کھانا پینا، پیاس لگنے پر پینا اور سرد موسم میں گرم کپڑے پہننا۔ جو شخص ان کو ترک کر کے اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے وہ قابل ملامت ہے۔ البتہ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے خاص قوت عطا کی ہے تاکہ وہ اپنے آپ کو نقصان پہنچائے بغیر ان ذرائع سے بچ سکیں۔ مثال کے طور پر، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر کسی وقفے کے دنوں کے روزے رکھتے تھے لیکن دوسروں کو بھی ایسا کرنے سے منع کرتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کھانے کی ضرورت کے بغیر براہ راست مہیا کیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1922 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چوتھے سیدنا خلیفہ علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی تاکہ آپ کو زیادہ سردی یا گرمی محسوس نہ ہو۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 117 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص ان اسباب سے منہ موڑ لے لیکن اسے اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے فرائض میں کوتاہی کے بغیر صبر کرنے کی طاقت فراہم کی جائے تو یہ قابل قبول ہے ورنہ قابل ملامت ہے۔

اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے سلسلے میں تیسری قسم کے اعمال وہ چیزیں ہیں جو ایک رسم کے طور پر مقرر کی گئی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ بعض اوقات بعض لوگوں کے لیے توڑ دیتا ہے۔ اس کی مثال وہ لوگ ہیں جو بغیر دوا کے بیماری سے شفا پاتے ہیں۔ یہ خاص طور پر غریب ممالک میں کافی عام ہے جہاں دوائی حاصل کرنا مشکل ہے۔ اس کا تعلق سنن ابن ماجہ نمبر 2144 میں موجود ایک حدیث سے ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ وہ اپنے لیے مختص کیے گئے ہر ایک اونس کو استعمال نہ کر لے، جو کہ صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک اور حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ کے آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے کا تھا۔ لہٰذا جو شخص اس حدیث کو صحیح معنوں میں سمجھتا ہے، وہ سرگرمی سے رزق کی تلاش نہ کرے، یہ جانتے ہوئے کہ جو کچھ ان کے لیے بہت پہلے مختص کیا گیا تھا وہ اس سے محروم نہیں رہ سکتا۔ پس اس شخص کے لیے رزق حاصل کرنے کے روایتی ذرائع مثلاً نوکری کے ذریعے حاصل کرنا اللہ تعالیٰ نے توڑ دیا ہے۔ یہ ایک اعلیٰ اور نادر درجہ ہے۔ صرف وہی شخص جو اس طرح کا رویہ اختیار کر سکتا ہے بغیر کسی شکایت یا گھبراہٹ کے اور نہ ہی لوگوں سے کسی چیز کی توقع رکھے اگر وہ یہ راستہ اختیار کرتا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 1692 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ کسی شخص کے لیے یہ گناہ ہے کہ وہ اپنے کفیلوں کی کفالت میں کوتاہی کرے، اگرچہ وہ اس اعلیٰ عہدے پر کیوں نہ ہو۔

اگرچہ یہ جاننا ضروری ہے کہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق جو ذرائع عطا کیے گئے ہیں ان کا استعمال کرنا ان کو ترک کرنے سے کہیں زیادہ بہتر ہے کیونکہ کوئی چیز بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے افضل نہیں ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

”کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔“

اللہ تعالیٰ پر حقیقی بھروسہ، تقدیر پر راضی ہونے کا باعث بنتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کو بھی کسی کے لیے چنتا ہے، وہ بغیر کسی شکایت کے اور چیزوں میں تبدیلی کی خواہش کیے بغیر قبول کرتا ہے، کیونکہ ان کا پختہ یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

”لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، یہ سب سے بہتر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی پیروی کریں، اسلام کی تعلیمات کے مطابق جو حلال ذرائع عطا کیے گئے ہیں، ان کا استعمال کرتے ہوئے، اس بات پر پختہ یقین رکھتے ہوئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، اور اندرونی طور پر اس بات پر بھروسہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ جو فیصلہ کرے گا وہی ہو گا، جو کہ بلاشبہ بہترین انتخاب ہے، چاہے وہ ہر ایک فرد کے لیے اس کا مشاہدہ کرے یا نہ کرے۔

بہترین مقامات

مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے پہلے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبا میں دس دن قیام فرمایا جہاں آپ نے اسلام کی پہلی مسجد تعمیر کی، جسے وہ مسجد کہا جاتا ہے جس کی طرف باب 9 توبہ، آیت 108 میں اشارہ کیا گیا ہے:

’’وہ مسجد جس کی بنیاد روز اول سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ تمہارے لیے زیادہ اس لائق ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو جاؤ، اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاکیزگی کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پاک صاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔‘‘

صحیح بخاری نمبر 3906 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 1528 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب جگہیں مسجدیں ہیں اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ جگہیں بازار ہیں۔

اسلام مسلمانوں کو مساجد کے علاوہ کسی اور جگہ جانے سے منع نہیں کرتا اور نہ ہی انہیں ہمیشہ مساجد میں رہنے کا حکم دیتا ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ باجماعت نماز کے لیے مساجد میں جانے اور مذہبی اجتماعات میں شرکت کو ترجیح دیں، بازاروں اور دیگر مقامات پر غیر ضروری طور پر جانے سے زیادہ۔

،جب ضرورت پیش آئے تو دوسری جگہوں مثلاً شاپنگ سینٹرز میں جانے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن مسلمان کو غیر ضروری طور پر وہاں جانے سے گریز کرنا چاہیے، کیونکہ یہ وہ جگہیں ہیں جہاں گناہ زیادہ ہوتے ہیں۔ جب بھی وہ دوسری جگہوں پر جاتے ہیں تو انہیں اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچیں، جس میں دوسروں پر ظلم کرنا بھی شامل ہے۔ انہیں ضرورت سے زیادہ میل جول سے بچنا چاہیے، کیونکہ یہ معاشرے میں ہونے والے اکثر گناہوں کا سبب ہے۔

مساجد سے مراد گناہوں سے پناہ گاہ اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے لیے ایک آرام دہ جگہ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق سامنا کرنا شامل ہے۔ جس طرح ایک طالب علم لائبریری سے استفادہ کرتا ہے، جیسا کہ یہ مطالعہ کے لیے ایک ماحول ہے، اسی طرح مسلمان مساجد سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، کیونکہ ان کا اصل مقصد مسلمانوں کو مفید علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دینا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی صحیح اطاعت کر سکیں۔

مساجد اپنے ایک مقصد کو یاد دلانے کے لیے بھی ایک بہترین جگہ ہیں، جو کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کی خوشنودی کے لیے استعمال کرتے ہوئے خلوص دل سے اللہ کی اطاعت کرنا ہے۔ مساجد بھی لوگوں کو اپنی سرگرمیوں کو صحیح طریقے سے ترجیح دینے کی ترغیب دیتی ہیں، تاکہ وہ اپنی ضروریات اور ذمہ داریوں کو پورا کر سکیں، آخرت کے لیے مناسب تیاری کر سکیں اور اعتدال کے ساتھ حلال لذتوں سے لطف اندوز ہو سکیں۔ جو شخص مساجد سے اجتناب کرتا ہے وہ اکثر اپنا وقت اور وسائل فضول اور فضول کاموں میں ضائع کرتا ہے اور اس وجہ سے وہ دونوں جہانوں میں فائدہ اٹھانے سے محروم رہتا ہے۔

ایک مسلمان کو نہ صرف مساجد کو دوسری جگہوں پر ترجیح دینی چاہیے بلکہ وہ دوسروں کو بھی، جیسے کہ اپنے بچوں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دینی چاہیے۔ درحقیقت یہ نوجوانوں کے لیے گناہوں، جرائم اور بری صحبت سے بچنے کے لیے بہترین جگہ ہے جس سے دونوں جہانوں میں مصیبت اور پشیمانی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

مدینہ کی بابرکت زندگی

ہجرت کے بعد پہلا سال

مدینہ میں مسجد نبوی کی تعمیر

ایک خوبصورت میراث

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو سب سے پہلے جو کام انہوں نے کیا ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کا گھر، مسجد نبوی بنانا تھا۔ یہ زمین دو یتیم لڑکوں سہیل اور سہل رضی اللہ عنہ کی تھی جنہوں نے مفت میں زمین کی پیشکش کی لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے مفت میں لینے سے انکار کر دیا اور ان سے خرید لیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 165-166 میں بحث کی گئی ہے۔

سب سے پہلے، یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دنیاوی وراثت آتے جاتے ہیں۔ کتنے امیر اور طاقتور لوگوں نے بڑی بڑی سلطنتیں صرف اس لیے بنائی ہیں کہ ان کے مرنے کے فوراً بعد انہیں توڑ دیا جائے اور انہیں بھلا دیا جائے۔ ان میں سے کچھ وراثت سے پیچھے رہ جانے والی چند نشانیاں صرف لوگوں کو ان کے نقش قدم پر نہ چلنے کی تنبیہ کرنے کے لیے پائی جاتی ہیں۔ ایک مثال فرعون کی عظیم سلطنت ہے۔ اسلام نہ صرف مسلمانوں کو نیک اعمال کی صورت میں اپنے آگے آخرت کے لیے برکتیں بھیجنے کا درس دیتا ہے بلکہ یہ انہیں یہ بھی سکھاتا ہے کہ وہ اپنے پیچھے ایک خوبصورت میراث چھوڑیں جس سے لوگ فائدہ اٹھا سکیں۔ درحقیقت جب کوئی مسلمان فوت ہو جاتا ہے اور اپنے پیچھے کوئی مفید چیز چھوڑ جاتا ہے، جیسے پانی کے کنویں کی صورت میں جاری صدقہ ان کو اس کا ثواب ملے گا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 4223 میں موجود

حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ نیک عمل کرنے کی کوشش کرے اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں آگے بھیجے، لیکن ساتھ ہی ساتھ ایک اچھی میراث چھوڑنے کی کوشش بھی کرنی چاہیے جو ان کے انتقال کے بعد ان کے لیے فائدہ مند ہو۔

بدقسمتی سے بہت سے مسلمان اپنی دولت اور جائیدادوں کے بارے میں اس قدر فکر مند ہیں کہ انہیں چھوڑ کر ہی چلے جاتے ہیں جس کا انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ہر مسلمان کو یہ یقین کرنے میں دھوکہ نہیں دیا جانا چاہئے کہ ان کے پاس اپنے لئے ایک میراث بنانے کے لئے کافی وقت ہے کیونکہ موت کا لمحہ نامعلوم ہے اور اکثر غیر متوقع طور پر لوگوں پر حملہ کرتا ہے۔ آج وہ دن ہے جب ایک مسلمان کو صحیح معنوں میں اس میراث پر غور کرنا چاہیے جو وہ اپنے پیچھے چھوڑے گا۔ اگر یہ میراث اچھی اور فائدہ مند ہے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی حمد کرنی چاہیے کہ اس نے انہیں ایسا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ لیکن اگر کوئی ایسی چیز ہے جس سے ان کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا تو وہ کوئی ایسی چیز تیار کریں جس سے وہ نہ صرف آخرت کی بھلائی کو آگے بھیجیں بلکہ نیکی بھی پیچھے چھوڑ جائیں۔ امید ہے کہ جو اس طرح خیر میں گھرا ہوا ہے اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا۔ لہٰذا ہر مسلمان کو اپنے آپ سے سوال کرنا چاہیے کہ ان کی میراث کیا ہے؟

مثال کے ذریعے رہنمائی کریں۔

اللہ کے گھر کی تعمیر کے دوران، مسجد نبوی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرتِ نبوی، جلد 2، صفحہ 166 میں بحث کی گئی ہے۔ مسجد کی تعمیر کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ نعرہ لگاتے تھے، اے اللہ، آخرت کی بھلائی کے علاوہ کوئی بھلائی نہیں، مدد کرنے والوں اور مہاجرین کی مدد" فرما۔ "سنن ابوداؤد نمبر 453 میں ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

زیر بحث اہم واقعہ مثال کے طور پر رہنمائی کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ تمام مسلمانوں خصوصاً والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو جو نصیحت کرتے ہیں اس پر عمل کریں۔ یہ ظاہر ہے۔ اگر کوئی تاریخ کے اوراق پلٹے۔ کہ جنہوں نے اس پر عمل کیا جس کی انہوں نے تبلیغ کی۔ کے مقابلے میں جنہوں نے مثال کے طور پر رہنمائی ان لوگوں دوسروں پر بہت زیادہ مثبت اثر پڑا ہیں جنہوں نے نہ صرف اس پر عمل کیا نہیں کی۔ بہترین نمونہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف اس رویہ سے مسلمان بالخصوص سختی سے عمل کیا۔ بلکہ ان تعلیمات پر کسی اور سے زیادہ والدین کا دوسروں پر مثبت اثر پڑے گا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی ماں اپنے بچوں کو جھوٹ نہ جیسا کہ یہ گناہ ہے لیکن اکثر ان کے سامنے جھوٹ بولنا اس کے بچوں کا بولنے کی تلقین کرے۔ ان کی ہمیشہ دوسروں پر اس کے مشورے پر عمل کرنا۔ ایک شخص کے اعمال امکان نہیں ہے۔ دوسروں کو ضروری ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے۔ نوٹ کرنا تقریر سے زیادہ اثر ڈالے گا ۔ یہ انہیں خلوص نیت سے مطلب ہے کہ ہونا ضروری ہے ۔ اس کا کامل مشورہ دینے سے پہلے ایک دوسروں کو مشورہ دینے سے پہلے قرآن کریم اپنے مشورے پر عمل کرنا کوشش کرنی چاہیے۔ نے مندرجہ ذیل آیت میں واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرز عمل کو ناپسند کرتا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 3267 میں موجود ایک حدیث اور لیکن خود اس سے باز رہے۔ نیکی کا حکم دیا جس نے میں تنبیہ فرمائی ہے کہ ایک شخص جہنم میں سخت سزا دی جائے گی۔ باب 61 پھر بھی خود اس پر عمل کیا۔ برائی سے منع کیا۔ الصف، آیت 3:

‘‘اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں۔’’

کہ وہ خود ان کی نصیحت پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے لہٰذا تمام
تمام انبیاء کرام ایسا ہی کرنا مثال کے طور پر معروف روایت ہے۔ پھر دوسروں کو نصیحت کریں۔
علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے، اور دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

اس کے علاوہ مسجد کی تعمیر کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ انسان کو دونوں جہانوں میں تب ہی بھلائی ملے گی جب وہ اپنی دنیاوی نعمتوں کو آخرت سے جوڑیں گے۔

حقیقت میں، زیادہ تر معاملات میں اس مادی دنیا میں کوئی بھی چیز بذات خود اچھی یا بری نہیں ہے، جیسے کہ دولت۔ جو چیز کسی چیز کو اچھی یا بری بناتی ہے وہ اس کے استعمال کا طریقہ ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے اس کا اصل مقصد یہی تھا کہ اس کا صحیح استعمال اسلام کی تعلیمات کے مطابق ہو۔ جب کسی چیز کا صحیح استعمال نہ کیا جائے تو وہ حقیقت میں بیکار ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر، دولت دونوں جہانوں میں مفید ہے جب اس کا صحیح استعمال کیا جائے جیسے کہ کسی شخص اور اس کے زیر کفالت افراد کی ضروریات پر خرچ کیا جائے۔ لیکن اگر اسے صحیح طریقے سے استعمال نہ کیا جائے، مثلاً ذخیرہ اندوزی یا گناہ کی چیزوں پر خرچ کرنا، تو یہ بیکار اور اس کے اٹھانے والے کے لیے لعنت بھی بن سکتا ہے۔ محض دولت جمع کرنے سے دولت کی قدر و قیمت ختم ہوجاتی ہے۔ ذخیرہ شدہ کاغذ اور دھاتی سکے کیسے کارآمد ہو سکتے ہیں؟ اس سلسلے میں، کاغذ کے ایک ٹکڑے اور پیسے کے نوٹ میں کوئی فرق نہیں ہے .یہ تب ہی مفید ہے جب اسے صحیح طریقے سے استعمال کیا جائے۔

لہٰذا اگر کوئی مسلمان یہ چاہتا ہے کہ ان کے تمام دنیاوی اموال اس کے لیے دونوں جہانوں میں نعمت بن جائیں تو اسے صرف یہ کرنا ہے کہ وہ قرآن پاک میں موجود تعلیمات اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق ان کا صحیح استعمال کریں۔ لیکن اگر وہ ان کا غلط استعمال کریں گے تو وہی نعمت ان کے لیے دونوں جہانوں میں بوجھ اور لعنت بن جائے گی۔ یہ اتنا ہی آسان ہے۔

جب کوئی شخص ان نعمتوں کا مقصد سمجھ لے تو صحیح رویہ اختیار کر سکتا ہے۔

مسلمان کے پاس ہر دنیوی نعمت صرف ایک ذریعہ ہے جو اسے آخرت تک پہنچنے میں مدد فراہم کرے۔ یہ اپنے آپ میں ایک اختتام نہیں ہے۔ مثال کے طور پر، دولت ایک ایسا ذریعہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے استعمال کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، ان کی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات کو پورا کرنا چاہیے۔ یہ اپنے آپ میں کوئی حتمی یا حتمی مقصد نہیں ہے۔

اس سے نہ صرف ایک مسلمان کو آخرت پر توجہ مرکوز رکھنے میں مدد ملتی ہے بلکہ جب بھی وہ دنیاوی نعمتوں سے محروم ہوتے ہیں تو یہ ان کی مدد کرتا ہے۔ جب ایک مسلمان ہر دنیوی نعمت کو، جیسے کہ بچہ، کو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور آخرت تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھتا ہے تو اس کے ضائع ہونے سے ان پر اتنا نقصان دہ اثر نہیں پڑے گا۔ وہ اداس ہو سکتے ہیں، جو ایک قابل قبول جذبہ ہے، لیکن وہ غمگین نہیں ہوں گے جو بے صبری اور دیگر ذہنی مسائل، جیسے ڈپریشن کا باعث بنتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ پختہ یقین رکھتے ہیں کہ ان کے پاس موجود دنیاوی نعمت صرف ایک ذریعہ ہے اس لیے اسے کھونے سے حتمی مقصد یعنی جنت میں نقصان نہیں ہوتا، جس کا نقصان تباہ کن ہے۔ لہٰذا، اب بھی حتمی مقصد پر توجہ مرکوز رکھنا انہیں غمگین ہونے سے روکے گا۔

اس کے علاوہ، وہ یہ سمجھیں گے کہ جس چیز کو انہوں نے کھویا وہ صرف ایک ذریعہ تھا، وہ پختہ یقین رکھتے ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے حتمی مقصد تک پہنچنے اور اسے پورا کرنے کے لیے ایک اور ذریعہ فراہم کیا جائے گا۔ اس سے وہ غم سے بھی بچیں گے۔ جبکہ جو شخص اپنی دنیوی نعمتوں کو کسی وسیلہ کے بجائے خاتمہ سمجھتا ہے وہ اسے کھونے پر شدید غم کا سامنا کرے گا کیونکہ اس کا پورا مقصد اور مقصد ضائع ہو گیا ہے۔ یہ غم ڈپریشن اور دیگر ذہنی مسائل کا باعث بنے گا۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے پاس موجود ہر نعمت کو آخرت میں محفوظ طریقے سے پہنچنے کا ذریعہ سمجھیں نہ کہ اپنے آپ میں خاتمہ۔ اس طرح کوئی بھی چیزوں کو ان کے قبضے میں رکھے

بغیر حاصل کرسکتا ہے۔ اس طرح وہ دنیاوی چیزوں کو اپنے ہاتھ میں رکھ سکتے ہیں دلوں میں نہیں۔

آخر میں، جو شخص صحیح رویہ اختیار کرتا ہے وہ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرے گا جو انہیں دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کریں اور اس بات کو یقینی بنائیں گے کہ وہ ہر چیز اور ہر چیز کو اپنی زندگی میں صحیح طریقے سے جگہ دیں گے جبکہ روزِ قیامت اپنے احتساب کے لیے مناسب تیاری کر رہے ہیں۔ یہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس علم اور دور اندیشی ہے کہ وہ لوگوں کو کامل ضابطہ حیات فراہم کرے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کر سکیں۔ انسان کے بنائے ہوئے ضابطہ اخلاق اس نتیجے کو حاصل نہیں کر سکتے کیونکہ ان میں علم، تجربہ، دور اندیشی اور تعصبات کی کمی ہے۔ لہٰذا ایک شخص کو اسلامی تعلیمات کو قبول کرنا اور ان پر عمل کرنا چاہیے خواہ وہ اس کی خواہشات کے خلاف ہو۔ انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہئے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لئے بہترین ہے حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں اور سخت خوراک تجویز کی گئی ہے۔ جس طرح یہ مریض اچھی جسمانی صحت حاصل کرے گا، اسی طرح اسلامی تعلیمات کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے والا دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کرے گا۔

حسد کے اثرات

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو مدینہ کے سرداروں میں سے ایک عبداللہ بن ابی کے گھر پر سوار ہوئے جو بعد میں منافقین کا سردار بنا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی طرف سے دعوت کی توقع تھی لیکن عبداللہ بن ابی نے ان سے بدتمیزی کے ساتھ کہا کہ آپ ان لوگوں کے ساتھ رہیں جنہوں نے آپ کو مدینہ کی دعوت دی تھی۔ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ کے رویے پر معذرت کی اور کہا کہ ان کے مدینہ پہنچنے سے پہلے وہ عبداللہ کو اپنا بادشاہ بنانے کی تیاری کر رہے تھے۔ اس پر ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 180 میں بحث کی گئی ہے۔

حسد ایک بڑا گناہ ہے جس سے ہر حال میں بچنا چاہیے۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے کیونکہ حسد کرنے والا براہ راست اللہ تعالیٰ کے انتخاب کو چیلنج کرتا ہے۔ وہ ایسا برتاؤ کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کے بجائے کسی اور کو خاص نعمت عطا کر کے غلطی کی ہو۔ جو شخص اپنی حسد کو زبانی اور جسمانی طور پر اس کے خلاف لڑنے دیتا ہے جس سے وہ حسد کرتے ہیں وہ صرف ان کے اپنے اعمال کو تباہ کر دے گا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4210 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ حلال حسد وہ ہے جب کوئی شخص کسی دوسرے کے لیے اس جیسی نعمت حاصل کرنا چاہے بغیر اس کے کہ وہ اسے عطا کیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ قسم حلال ہے، لیکن یہ صرف دینی معاملات میں قابل تعریف اور دنیوی معاملات میں قابل ملامت ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 1896 میں موجود ایک حدیث میں حلال اور قابل تعریف حسد کی دو صورتیں بتائی ہیں۔ جو شخص اپنے علم کا صحیح استعمال کرتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے اس سے حسد کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے شخص سے حسد وہ ہے جس نے حلال مال حاصل کیا اور اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کیا۔

یہ سمجھ کر حسد سے بچنا چاہیے کہ یہ ایک بڑا گناہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی تقسیم کے انتخاب کو چیلنج کرتا ہے۔ انہیں یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو وہ عطا کرتا ہے جو ان کے لیے بہتر ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ" "تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

لہٰذا، دوسروں سے حسد کرنے کے بجائے انہیں ان نعمتوں کو استعمال کرنے پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے مزید برکات اور ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملے گی۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"...اگر تم شکر گزار رہو گے تو میں تمہارے حق میں ضرور اضافہ کروں گا"

اور باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ" "زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔

جبکہ دوسروں سے حسد کرنے سے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنا ہی بھول جائے گا جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں مصیبتیں آئیں گی۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے" قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

حسد کرنے والے مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے حسد کرنے والے کی زبانی اور جسمانی حرکات پر صبر کرے اور صرف اسلام کی حدود میں اپنا دفاع کرے۔ صبر میں کسی کی بات اور عمل سے شکایت کرنے سے گریز کرنا اور اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو برقرار رکھنا شامل ہے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو ان کو اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح ان کے حسد سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہے۔ باب 113 الفلق، آیات 1 اور 5:

”کہہ دو میں صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں ...اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرتا ہے۔“

اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں ان کے حسد کے منفی اثرات سے محفوظ رکھے گا، خواہ یہ ان پر ظاہر نہ ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنے لامحدود علم اور حکمت کے مطابق کام کرتا ہے نہ کہ لوگوں کی محدود سوچ کے مطابق۔

کاروبار درست طریقے سے کرنا

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو بہت سے تاجروں نے ناجائز تجارت کی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے باب 83 المطففین آیت نمبر 1 تا 6 نازل فرمایا۔

افسوس ان لوگوں کے لیے جو کم دیتے ہیں، جو لوگوں سے ناپ لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں، لیکن " اگر ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو نقصان پہنچاتے ہیں، کیا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ انہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا، ایک بڑے دن کے لیے، جس دن لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے؟"

اس کے بعد سوداگر منصفانہ اور دیانتداری سے تجارت کرنے لگے۔ اس پر امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ، اصباب النزول، 83:1، صفحہ 162 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 2146 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ تاجروں کو قیامت کے دن فاسقوں کے طور پر اٹھایا جائے گا سوائے ان لوگوں کے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، نیک عمل کرتے ہیں اور سچ بولتے ہیں۔

اس حدیث کا اطلاق ان تمام لوگوں پر ہوتا ہے جو تجارتی لین دین میں حصہ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، اس کے احکام کو بجا لاتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اس میں اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ درحقیقت، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ لوگ چاہتے ہیں کہ وہ سلوک کرے۔

کاروباری لین دین کے سلسلے میں، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی بات میں ایماندار ہو اور اس لین دین کی تمام تفصیلات اس میں شامل تمام لوگوں کو بتائے۔ صحیح بخاری نمبر 2079 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جب مسلمان مالی لین دین میں چیزوں کو چھپاتے ہیں جیسے کہ اپنے سامان میں خرابی تو یہ نعمتوں میں نقصان کا باعث بنتی ہے۔

راستبازی سے کام لینے میں دوسروں کو سامان کی ضرورت سے زیادہ ادائیگی کرکے دھوکہ دینے سے گریز کرنا شامل ہے۔ ایک مسلمان کو صرف دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ وہ ایمانداری اور پورے انکشاف کے ساتھ معنی خیز سلوک کریں۔ جس طرح ایک مسلمان مالی معاملات میں برا سلوک کرنا پسند نہیں کرے گا، اسی طرح وہ دوسروں کے ساتھ برا سلوک نہ کرے۔

نیک عمل کرنے میں اسلام اور زمین کے قانون میں زیر بحث غیر قانونی طریقوں سے بچنا شامل ہے۔ اگر کوئی اپنے ملک کے کاروباری قوانین سے خوش نہیں ہے تو اسے وہاں کاروبار نہیں کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ، نیک عمل کرنے میں یہ بھی شامل ہے کہ کسی کی کاروباری کامیابی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے استعمال کیا جائے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ ان کا کاروبار اور دولت دونوں جہانوں میں ان کے لیے سکون اور سکون کا ذریعہ بن جائے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

لیکن جو لوگ اپنی کاروباری کامیابی کا غلط استعمال کرتے ہیں وہ پائیں گے کہ یہ ان کے تناؤ اور پریشانی کا باعث بنتا ہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو بھول چکے ہیں، جس نے انہیں کامیابی عطا کی تھی۔ باب 20 طہٰ، آیت 124:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔"

کاروبار کرنے والوں کو ہمیشہ جھوٹ بولنے سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ بے حیائی کی طرف لے جاتا ہے اور فانی جہنم میں لے جاتا ہے۔ درحقیقت ایک شخص جھوٹ بولتا اور اس پر عمل کرتا رہے گا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا درج نہ ہو جائے۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

عظیم قربانیاں

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کو پورا کرنے کے لیے اہل مکہ کا سامان ان کو واپس کر دیا، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کیا گیا تھا، علی رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی طرف ہجرت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ بغیر سواری والے جانور کے اکیلے نکلے اور اس لیے سفر انتہائی خطرناک اور مشکل تھا۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 83 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

جب ایک صحابی شعیب رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا فیصلہ کیا تو مکہ کے غیر مسلموں نے انہیں ایسا کرنے سے روکنے کی کوشش کی۔ ان کا دعویٰ تھا کہ جب وہ پہلی بار مکہ میں داخل ہوا تو وہ غریب تھا اور مکہ میں اسے جو مالی مواقع فراہم کیے گئے تھے، اس سے وہ مالدار ہو گئے تھے، اس لیے وہ اس سے فائدہ اٹھا کر اسے مکہ چھوڑنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ شعیب رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنا سارا مال پیش کیا جو اس نے مکہ میں دفن کر دیا تھا اس کے بدلے میں اسے جانے دیا گیا یا وہ اس سے لڑ سکتے تھے یہاں تک کہ ایک فریق فتح ہو جائے۔ اُنہوں نے اُس کے مال کے بدلے اُسے چھوڑنے کا انتخاب کیا۔ مدینہ منورہ پہنچنے پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مشورہ دیا کہ آپ کی تجارت سب سے زیادہ نفع بخش ہے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ آیت 207 نازل فرمائی۔

"اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی رضا کے لیے اپنے آپ کو بیچ ڈالتا ہے، اور اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔"

تفسیر ابن کثیر جلد 1 صفحہ 580 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

دھمرا رضی اللہ عنہ مکہ کے ایک امیر نابینا آدمی تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ باوجود اس کے کہ وہ مدینہ کی طرف ہجرت کے فریضہ سے مستثنیٰ تھا لیکن معذوری کی وجہ سے اس نے ثواب حاصل کرنے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جاملنے کی خواہش کی۔ ان کی وفات ہجرت کے دوران ہوئی اور ان کے بارے میں درج ذیل آیت نازل ہوئی۔ باب 4 النساء، آیت 100:

"اور جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین پر بہت سے مقامات اور فراوانی پائے گا، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کر کے اپنے گھر سے نکلے اور پھر اسے موت آ جائے، تو اس کا اجر اللہ پر واجب ہو چکا ہے، اور اللہ ہمیشہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 365-367 میں بحث ہوئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے ان مشکلات پر قابو پانے کا مطالبہ نہیں کرتا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے برداشت کیں۔ مثال کے طور پر یہ واقعہ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کا ذکر کرتا ہے جس میں انہوں نے اپنے گھر والوں، گھر بار، کاروبار کو چھوڑ کر ایک اجنبی سرزمین کی طرف ہجرت کی جو سب کچھ اللہ کی رضا کے لیے ہے۔

اس کے مقابلے میں مسلمانوں کو اس وقت جن مشکلات کا سامنا ہے وہ اتنا مشکل نہیں جتنا کہ صالح پیشروؤں کو درپیش تھا۔ لہٰذا مسلمانوں کو شکر گزار ہونا چاہیے کہ ان سے صرف چند چھوٹی قربانیاں کرنے کی ضرورت ہے، جیسے فرض فجر کی نماز ادا کرنے کے لیے کچھ نیند کی قربانی اور فرض صدقہ کرنے کے لیے کچھ مال۔ اللہ تعالیٰ ان کو یہ حکم نہیں دے رہا ہے کہ وہ اپنے گھر اور اہل و عیال کو اس کی خاطر چھوڑ دیں۔ اس شکر کو عملی طور پر ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے ظاہر کیا جانا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ، جب کسی مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اسے ان مشکلات کو یاد رکھنا چاہیے جو نیک پیشروؤں کو پیش آئیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی سے ان پر کیسے قابو پایا، جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ علم ایک مسلمان کو اپنی مشکلات پر قابو پانے کی طاقت فراہم کر سکتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ صالح پیش رو اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب تھے، پھر بھی انہوں نے صبر کے ساتھ زیادہ سخت مشکلات کو برداشت کیا۔ درحقیقت سنن ابن ماجہ نمبر 4023 میں موجود ایک حدیث اس بات کی نصیحت کرتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے سخت ترین امتحانات کو برداشت کیا اور وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

اگر کوئی مسلمان نیک پیشروؤں کے ثابت قدمی کی پیروی کرتا ہے تو امید ہے کہ وہ آخرت میں ان کے ساتھ ہو گا۔

محبت کی علامت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ یہ نصیحت فرمائی کہ اگر آپ کو مکہ سے مدینہ ہجرت پر مجبور نہ کیا جائے، اس طرح آپ کو مہاجر، مہاجر بنا دیا جائے، تو وہ مدینہ کا مددگار بننا پسند کریں گے، اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوں۔ اور اگر لوگوں کو کسی وادی کا سفر کرنے کا کہا جاتا تو وہ مدینہ منورہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وادی میں چلا جاتا۔

اس نے ایک بار یہ بھی کہا کہ مدینہ کے مددگار، اللہ ان سے راضی، ان کے گھر اور خاندان کا حصہ تھے۔

ایک اور موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ مدینہ کے مددگاروں کو اللہ تعالیٰ ان سے راضی نہیں کرتا سوائے ایک مومن کے اور کوئی ان سے بغض نہیں رکھتا سوائے منافق کے۔ جو ان سے محبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بغض رکھتا ہے۔

امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 2 صفحہ 186 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ان گنت آیات و احادیث ہیں جن میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بلند مرتبہ اور ہر موقع پر ان کی تعظیم، محبت اور پیروی کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔

ان تمام لوگوں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقی محبت کی نشانی سے محبت کرنا جو اللہ عزوجل اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتے

ہیں، اللہ تعالیٰ کے لیے، خواہ یہ ان کے بارے میں کسی کی ذاتی رائے کے خلاف ہو۔ اس محبت میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے الفاظ کے ذریعے اور زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اپنے اعمال کے ذریعے محبت کا اعلان کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ بات سب پر ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اہل بیت رضی اللہ عنہم، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور صالحین اس سچی محبت کے حامل تھے۔ پس ان میں سے ہر ایک سے محبت اس شخص پر فرض ہے جو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرے۔ یہ بات بہت سی احادیث سے ثابت ہے جیسے کہ صحیح بخاری نمبر 17 میں موجود ہے۔ اس میں یہ نصیحت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگاروں سے محبت، یعنی مدینہ منورہ کے رہنے والوں سے محبت ایمان کا حصہ ہے اور ان سے بغض رکھنا نفاق کی علامت ہے۔ جامع ترمذی نمبر 3862 میں موجود ایک اور حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو واضح طور پر تنبیہ فرمائی ہے کہ وہ کسی بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید نہ کریں کیونکہ ان سے محبت کرنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی علامت ہے اور ان سے بغض رکھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغض رکھنے کی علامت ہے۔ یہ شخص اس وقت تک کامیاب نہیں ہو گا جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کرے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 143 میں موجود ایک حدیث میں اپنے مبارک گھر والوں کے بارے میں اسی طرح کا بیان فرمایا ہے۔

اگر کوئی مسلمان کسی ایسے مسلمان پر بلاجواز تنقید کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے تو اس سے ان کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی کمی ثابت ہوتی ہے۔ اگر کوئی مسلمان گناہ کرتا ہے تو دوسرے مسلمانوں کو گناہ سے نفرت کرنی چاہیے لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے پھر بھی گناہ گار مسلمان کے لیے اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی وجہ سے محبت رکھنا چاہیے۔ دوسروں سے محبت کرنے کی علامت ان کے ساتھ حسن سلوک اور احترام سے پیش آنا ہے۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جیسا وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو ان تمام لوگوں کو ناپسند کرنا چاہیے جو ان لوگوں کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں، خواہ وہ شخص رشتہ دار ہو یا اجنبی۔ ایک مسلمان کے جذبات انہیں اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی محبت کے اس نشان کو پورا کرنے سے کبھی نہیں روک سکتے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ان کو نقصان پہنچائیں بلکہ ان پر واضح کر دیں کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والوں سے عداوت ناقابل قبول ہے۔ اگر

وہ اس منحرف رویے پر قائم رہیں تو جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کر لیں ان سے الگ ہو جانا چاہیے۔

سیدھی راہ پر چلنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو کہ ایک مشہور و معروف یہودی عالم تھے، نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر فوراً اسلام قبول کر لیا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سابقہ آیات میں بیان کردہ نشانیوں کو پہچان لیا۔ باب 2 البقرہ، آیت 146:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ان کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں لیکن ان میں سے ایک گروہ حق کو چھپاتا ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں“۔

اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنبیہ کی کہ دوسرے یہودی علماء ان کا بہت احترام کرتے ہیں لیکن اگر انہیں معلوم ہو گیا کہ آپ نے اسلام قبول کر لیا ہے تو وہ ان پر جھوٹ باندھیں گے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودی علماء کو بلوایا اور ان سے اس حقیقت کا اقرار کرنے کو کہا کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری نبی تسلیم کیا ہے، تو انہوں نے انکار کر دیا۔ انہوں نے شروع میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی تعریف کی جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا ذکر کیا لیکن جب معلوم ہوا کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو انہوں نے انہیں جھوٹا قرار دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 194-195 میں بحث کی گئی ہے۔

اہل کتاب اس بات پر رشک کرتے تھے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بھائی حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد ہونے کے بجائے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے، جیسا کہ وہ تھے۔ چونکہ ان کا پورا مذہب حسب و نسب کی اہمیت کے گرد ڈھل گیا تھا جس نے ان کے مطابق انہیں باقی بنی نوع انسان پر فوقیت دی، اس لیے وہ ایک ایسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول اور پیروی نہیں کر سکتے تھے، جو ایک دوسرے سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ صرف ان کی برتری کے کمپلیکس کو تباہ کرے گا جو انہوں نے گھڑا تھا۔ اس کے علاوہ، وہ جانتے تھے کہ اسلام قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیاوی چیزوں جیسے قیادت اور دولت

حاصل کرنے کے لیے اپنی الٰہی تعلیمات کی مزید غلط تشریح نہیں کر سکتے۔ نتیجتاً انہوں نے اسلام کا انکار کیا اور اس طرح اپنے جاہل پیروکاروں کو گمراہ کیا۔

دولت اور قیادت جیسے دنیاوی فائدے کے لیے اسلام کی تعلیمات پر کبھی سمجھوتہ نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے جو دنیاوی چیزیں حاصل ہوتی ہیں، وہ دونوں جہانوں میں اس کے لیے مصیبت، مصائب اور مشکلات کا باعث بن جاتی ہیں، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بچ نہیں سکتے۔ اس کے علاوہ جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو انہیں عطا کی گئی ہیں جو انہیں متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرنے سے روکے گی، یہ انہیں اپنی زندگی میں ہر چیز اور ہر چیز کو صحیح طریقے سے رکھنے سے روک دے گی اور یہ انہیں قیامت کے دن اپنے احتساب کے لیے مناسب تیاری کرنے سے روکے گا۔ یہ انہیں دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کرنے سے روک دے گا، چاہے وہ تفریح کے لمحات کا تجربہ کریں۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

اور باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اس کے علاوہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ کی حدیث نمبر 253 میں اس شخص کو جہنم سے ڈرایا ہے، لہٰذا ہر شخص کو عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر

چلتے ہوئے اسلامی تعلیمات کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں خواہ اس کی خواہشات کے برعکس ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنی خواہشات پر قابو رکھنا دماغ اور جسم کے سکون کے حصول کے لیے ادا کرنے کی ایک چھوٹی سی قیمت ہے، بالکل اسی طرح جیسے ایک شخص اچھی جسمانی صحت کے حصول کے لیے اپنی خوراک کو کنٹرول کرتا ہے۔ جبکہ زندگی اس کے لیے ایک تاریک قید خانہ بن جاتی ہے جو اپنی تمام خواہشات کو پورا کرنے کے باوجود ذہنی سکون حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ جب کوئی امیر اور مشہور کا مشاہدہ کرتا ہے تو یہ بالکل واضح ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

آسمانی خصوصیات

مدینہ منورہ میں داخل ہونے کے بعد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جو سب سے پہلے نصیحت کی، ان میں سے ایک یہ بھی شامل ہے :امن پھیلانا، لوگوں کو کھانا کھلانا اور رات کو اس وقت نماز پڑھنا جب دوسرے لوگ سو رہے ہوں اور اس کے بدلے میں ان سے جنت کا وعدہ کیا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 1334 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے جس چیز کی نصیحت فرمائی وہ امن پھیلانا تھا۔

صحیح بخاری نمبر 12 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام میں پائے جانے والے ایک اچھے معیار کی نصیحت کی۔ یعنی سلام کا اسلامی سلام ان لوگوں تک پہنچانا جن کو وہ جانتا ہے اور جن کو وہ نہیں جانتے۔

اس اچھی خصوصیت پر عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ آج کل کے مسلمان اکثر صرف ان لوگوں ،کو امن کا اسلامی سلام پھیلاتے ہیں جنہیں وہ جانتے ہیں۔ اسے سب تک پہنچانا ضروری ہے کیونکہ اس سے لوگوں کے درمیان محبت پیدا ہوتی ہے اور اسلام مضبوط ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ خصوصیت صحیح مسلم نمبر 194 میں موجود حدیث کے مطابق جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ دوسرے مسلمانوں سے صرف مصافحہ کرنے کی بُری عادت سے بچنا چاہیے اور ان کو سلام کا سلام پیش کیے بغیر۔ صلح کا زبانی سلام صرف مصافحہ کرنے سے زیادہ اہم ہے۔

ایک مسلمان کو یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ وہ دوسروں کو بھیجے جانے والے ہر سلام کے لیے کم از کم دس انعامات حاصل کریں گے، چاہے دوسرے ان کا جواب نہ دیں۔ سنن ابوداؤد نمبر 5195 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی زبانی اور جسمانی اذیت کو لوگوں اور ان کے مالوں سے دور رکھ کر اپنی دوسری تقریروں اور افعال میں اس امن کا مظاہرہ کرتے ہوئے سلامتی کے اسلامی سلام کو صحیح طریقے سے پورا کرے۔ یہ دراصل سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث کے مطابق سچے مسلمان اور مومن کی تعریف ہے۔ کوئی شخص کسی کو سلام کرے اور پھر اپنے قول و فعل سے اسے نقصان پہنچائے۔ درحقیقت یہ رویہ دوسروں کو سلام کا پیغام پہنچانے کے مقصد سے انکار کرتا ہے۔

اگلی چیز جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی وہ یہ تھی کہ لوگوں کو کھانا کھلایا جائے۔

اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق عطا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر قرآن پاک میں ذکر ہے کہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کو یاد کرے گا تو وہ انہیں یاد کرے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 152:

’’پس مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا‘‘۔

اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دوسروں کو کھانا کھلانا بھی ایسا ہی ہے۔ اس عمل کو انجام دینے والے کو جنت کا کھانا کھلایا جائے گا اور جو دوسرے کو پلائے گا اسے قیامت کے دن جنت کا پانی پلایا جائے گا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2449 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6236 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسلام کی بہترین قسم کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دوسروں کو کھانا کھلانا اور خوش اخلاقی سے بات کرنا اسلام کی بہترین خصلتیں ہیں۔

مسلمانوں کو اس نیک عمل پر عمل کرنے کو اولین ترجیح بنانا چاہئے اور دوسروں کو خاص طور پر غریبوں کو مستقل بنیادوں پر کھانا کھلانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ یہ ایک حیرت انگیز عمل ہے جس کے لیے زیادہ دولت کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر شخص کو چاہیے کہ اپنی استطاعت کے مطابق دوسروں کو کھلائے خواہ نصف کھجور ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 1417 کی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ قیامت کے دن جہنم کی آگ سے محفوظ رہے گا۔ اس سے لوگوں کو اس نیک عمل سے باز رہنے کا کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔

آخری چیز جس کی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی وہ یہ تھی کہ رات کی نماز اس وقت ادا کی جائے جب دوسرے لوگ سو رہے ہوں۔

صحیح بخاری نمبر 1145 میں موجود ایک الوہی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر رات اپنی لامحدود شان کے مطابق قریب ترین آسمان پر نزول فرماتا ہے اور لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اس سے ان کی حاجتیں پوری کریں تاکہ وہ ان کو پورا کرے۔

رات کی رضاکارانہ عبادت اللہ تعالیٰ کے تئیں انسان کے اخلاص کو ثابت کرتی ہے کیونکہ کوئی دوسری آنکھ انہیں نہیں دیکھ رہی ہوتی۔ اسے پیش کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مباشرت کرنے کا ذریعہ ہے، اور یہ اس کی بندگی کی علامت ہے۔ اس کے بے شمار فضائل ہیں، مثال کے طور پر سنن نسائی، نمبر 1614 میں ایک حدیث پائی جاتی ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ یہ بہترین نماز ہے۔

قیامت کے دن یا جنت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کسی کا درجہ نہیں ہو گا اور یہ درجہ براہِ راست رات کی نماز سے مربوط ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو

لوگ رات کو نفلی نماز قائم کرتے ہیں انہیں دونوں جہانوں میں اعلیٰ درجات سے نوازا جائے گا۔
باب 17 الاسراء، آیت 79:

"اور رات کے کچھ حصہ سے اس کے ساتھ نماز پڑھو [یعنی قرآن کی تلاوت] تمہارے لیے اضافی [عبادت] کے طور پر، امید ہے کہ تمہارا رب تمہیں مقام حمد پر اٹھائے گا۔"

جامع ترمذی نمبر 3579 میں ایک حدیث ہے کہ مسلمان رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر اس وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے تو بے شمار نعمتیں حاصل ہو سکتی ہیں۔

تمام مسلمانوں کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی دعائیں قبول ہوں اور ان کی حاجتیں پوری ہوں۔ لہٰذا انہیں رات کی نماز نفلی ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 1770 میں موجود حدیث ہے کہ ہر رات میں ایک خاص گھڑی ہوتی ہے جب اچھی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

نفلی رات کی نماز کا قیام گناہوں سے بچنے کا ایک بہترین طریقہ ہے، یہ انسان کو فضول اجتماعات سے دور رہنے میں مدد دیتا ہے اور یہ انسان کو بہت سی جسمانی بیماریوں سے بچاتا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 3549 میں ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

رات کی نماز کے لیے تیاری کرنی چاہیے، خاص طور پر سونے سے پہلے، زیادہ کھانے یا پینے سے نہیں، کیونکہ یہ سستی کا باعث بنتی ہے۔ کسی کو دن میں غیر ضروری طور پر خود کو تھکانا نہیں چاہئے۔ دن میں ایک مختصر جھپکی اس میں مدد کر سکتی ہے۔ آخر میں گناہوں سے بچنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے کوشش کرنی چاہیے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا چاہیے، جیسا کہ فرمانبرداروں کے لیے شب قدر کی نماز ادا کرنا آسان ہے۔

آخر میں اہم حدیث بھی امید کو نہ چھوڑنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتی ہے کیونکہ توبہ اور کامیابی کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ لوگوں کو دن رات موقع دیا جاتا ہے کہ وہ سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف لوٹ جائیں تاکہ وہ دونوں جہانوں میں امن اور کامیابی حاصل کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ کی عظیم رحمت کی قدر کرنی چاہیے کیونکہ وہ مخلوق کا محتاج نہیں ہے پھر بھی انہیں اپنی طرف بلاتا ہے تاکہ وہ کامیاب ہو سکیں۔ وقت ختم ہونے سے پہلے ان مواقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور ان کے پاس سوائے پچھتاوے کے کچھ نہیں بچا۔

مکمل جمع کروانا

بعض صحابہ جو پہلے اہل کتاب میں سے تھے جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہا اور اپنے سابقہ مذہب کی ان تعلیمات پر عمل کرنا چاہا جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیات میں انہیں تنبیہ کی ہے کہ اس طرح کا برتاؤ نہ کریں کیونکہ اسلام کے علاوہ کوئی صحیح رہنمائی نہیں ہے۔ باب 2 البقرہ، آیات 208-209:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، لیکن اگر تمہارے پاس واضح دلیلیں آ جانے کے بعد بھی تم (انحراف) کرو گے تو جان لو کہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔"

تفسیر القرطبی جلد 1 صفحہ 531 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

شیطان کا مقصد مسلمانوں کو ہدایت کے دو منابع پر عمل کرنے سے روکنا ہے :قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ان کی نجات اسی میں ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو ہدایت کے ان دو ذرائع پر سب سے بڑھ کر عمل کرنا چاہیے۔

دینی علم کے دوسرے ذرائع پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، خواہ وہ نیکیوں کی طرف لے جائے، وہ ہدایت کے دو ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا، جو کہ گمراہی کا باعث بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ ہر وہ چیز جس کی جڑیں ہدایت کے دو منابع میں نہ ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رد کر دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ، مذہبی علم کے دوسرے ذرائع پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، اتنا ہی وہ ان چیزوں پر عمل کرنے لگے گا جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہیں۔ اس طرح شیطان

قدم قدم پر لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، مشکلات کا سامنا کرنے والے شخص کو کچھ ایسی روحانی مشقیں کرنے کا مشورہ دیا جائے گا جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم اور چیلنج ہوں۔ چونکہ یہ شخص جاہل ہے اور اسے دینی علم کے دوسرے ذرائع پر عمل کرنے کی عادت ہے، اس لیے وہ آسانی سے اس جال میں پھنس جائیں گے اور ایسی روحانی مشقیں کرنے لگیں گے جو براہ راست اسلام کی تعلیمات کو چیلنج کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور کائنات کے بارے میں ایسی باتوں پر بھی یقین کرنے لگیں گے جو اسلام کی تعلیمات سے بھی متصادم ہیں، جیسے کہ ماننے والے لوگ یا مافوق الفطرت مخلوق اپنی تقدیر کو کنٹرول کر سکتے ہیں، کیونکہ ان کا علم ہدایت کے دو ذرائع کے علاوہ کسی اور سے لیا گیا ہے۔ ان گمراہ کن طریقوں اور عقائد میں سے کچھ واضح کفر ہیں، جیسے کالا جادو کرنا۔ باب 2 البقرہ، آیت 102:

’’اور سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا بلکہ شیاطین نے کفر کیا، لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر نازل ہوا تھا، لیکن وہ [یعنی دونوں فرشتے] کسی کو نہیں سکھاتے جب تک کہ یہ نہ کہیں کہ "ہم آزمائش ہیں، اس لیے کفر نہ کرو" [جادو کرکے]۔

اس لیے ایک مسلمان اس کا احساس کیے بغیر بھی اپنا ایمان کھو سکتا ہے، کیونکہ انہیں مذہبی علم کے دوسرے ذرائع پر عمل کرنے کی عادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی مذہبی بدعات پر عمل کرنا جن کی جڑیں ہدایت کے دو ذرائع میں نہیں ہیں، شیطان کے نقش قدم پر چلنا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 208:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔"

دنیا کے لیے محبت

بہت سی مختلف احادیث اور واقعات درج ہوئے ہیں جن میں ان کے دور کے بہت سے یہودی اور عیسائی علماء کی طرف سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کو رد کرنے کے بارے میں بحث کی گئی ہے، حالانکہ وہ پورا یقین رکھتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں، جن کو انہوں نے اپنے آسمانی صحیفوں سے پہچانا۔ باب 2 البقرہ، آیت 146:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ان کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں لیکن ان میں سے ایک گروہ حق کو چھپاتا ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں“۔

مثال کے طور پر دو یہودی علماء ایک دفعہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کرکے واپس آئے۔ ان میں سے ایک نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی کہ بلاشبہ وہ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جیسا کہ انہوں نے اپنے آسمانی صحیفوں میں درج نشانیوں سے آپ کو پہچانا۔ لیکن پھر اس نے خدائے بزرگ و برتر کی قسم کھائی کہ جب تک وہ زندہ رہیں گے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنی کا برتاؤ رکھیں گے۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 2 صفحہ 197 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ان کے اس رویے کی دو بڑی وجوہات دولت اور سماجی حیثیت سے ان کی شدید محبت تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنا سماجی اثر و رسوخ اور اس سے حاصل ہونے والی دولت سے محروم ہو جائیں گے۔ وہ اپنے قبیلوں اور مذہب کے پیشوا ہونے سے لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عام پیروکار بن جائیں گے۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دولت اور سماجی حیثیت دونوں کی خواہش پر قابو رکھیں کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں ان کی تباہی کا باعث بن سکتا ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ مال و دولت کی خواہش ایمان کے لیے اس تباہی سے زیادہ تباہ کن ہے جو بکریوں کے ریوڑ پر دو بھوکے بھیڑیوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید ہی کسی مسلمان کا ایمان محفوظ رہے اگر وہ اس دنیا میں دولت اور شہرت کی تمنا کرے جس طرح دو بھوکے بھیڑیوں سے شاید ہی کوئی بھیڑ بچ سکے۔ لہٰذا اس عظیم مثال میں دنیا میں زیادہ دولت اور سماجی حیثیت کے بعد حرص کی برائی کے خلاف سخت تنبیہ ہے۔

دولت کی طلب کی پہلی قسم وہ ہے جب کسی کو دولت سے شدید محبت ہو اور وہ اسے حلال ذرائع سے حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اس طرح کا برتاؤ کسی عقلمند کی نشانی نہیں ہے کیونکہ ایک مسلمان کو پختہ یقین رکھنا چاہیے کہ ان کا رزق ان کے لیے ضامن ہے اور یہ تقسیم کبھی نہیں بدل سکتی۔ درحقیقت خلقت کا رزق زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مختص کیا گیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ شخص بلا شبہ اپنے فرائض اور ذمہ داریوں میں کوتاہی کرے گا کیونکہ وہ دولت کے حصول میں بہت زیادہ مشغول ہے۔ جو جسم دولت کے حصول میں بہت زیادہ مصروف ہو وہ آخرت کے لیے کبھی بھی مناسب تیاری نہیں کر سکے گا، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے دی گئی ہیں۔ درحقیقت یہ شخص زیادہ دولت کے حصول کے لیے اتنی محنت کرے گا کہ اسے لطف اندوز ہونے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔ اس کے بجائے، وہ اس دنیا سے چلے جائیں گے اور اسے دوسرے لوگوں کے لئے لطف اندوز کرنے کے لئے چھوڑ دیں گے، اگرچہ وہ اس کے لئے جوابدہ ہوں گے .یہ شخص حلال طریقے سے دولت حاصل کر سکتا ہے لیکن پھر بھی اسے ذہنی سکون نہیں ملے گا کیونکہ وہ جتنا بھی حاصل کر لیں وہ صرف اور کی خواہش کرے گا۔ یہ شخص محتاج ہے اور اس لیے حقیقی مفلس ہے خواہ اس کے پاس بہت زیادہ مال ہو۔ چونکہ زیادہ دولت حاصل کرنے کی کوشش میں زیادہ دنیاوی دروازے کھولنا اور مصروفیات شامل ہیں، وہ جتنا زیادہ اپنی دولت بڑھانے کی کوشش کریں گے، اتنا ہی کم ذہنی اور جسمانی سکون حاصل کریں گے۔ اور جتنا زیادہ وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کریں گے جو انہیں ان کی قسمت کے حصول میں دی گئی ہیں۔ صرف وہی جو اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے، اس کی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے۔ باب 20 طہٰ، آیت 124:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے" قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔"

ایک ہی خواہش جو فائدہ مند ہے وہ ہے حقیقی دولت جمع کرنے کی خواہش، یعنی اعمال صالحہ تاکہ واپسی کے دن کی تیاری ہو۔

دوسری قسم کی دولت کی طلب پہلی قسم کی طرح ہے لیکن اس کے علاوہ یہ قسم کے لوگ ناجائز ذرائع سے مال حاصل کرتے ہیں اور لوگوں کے حقوق مثلاً صدقہ فطر ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد احادیث میں اس کے خلاف تنبیہ فرمائی ہے۔ مثال کے طور پر صحیح مسلم نمبر 6576 میں موجود ایک حدیث میں آپ نے تنبیہ کی کہ اس رویے نے پچھلی امتوں کو تباہ کر دیا کیونکہ انہوں نے حرام چیزوں کو حلال کیا، دوسروں کے حقوق کو روکا اور مال کی زیادتی کی خاطر دوسروں کو قتل کیا۔ یہ شخص اس دولت کے لیے کوشش کرتا ہے جس کا وہ حقدار نہیں ہے جس سے بے شمار کبیرہ گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ جب کوئی یہ رویہ اختیار کرتا ہے تو وہ شدید لالچی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ کیا ہے کہ جامع ترمذی نمبر 1961 میں موجود ایک حدیث میں لالچی شخص اللہ تعالیٰ سے دور، جنت سے دور، لوگوں سے دور اور جہنم کے قریب ہوتا ہے۔ درحقیقت سنن نسائی نمبر 3114 میں پائی جانے والی ایک حدیث متنبہ کرتی ہے کہ ایک سچے مسلمان کے دل میں شدید لالچ اور سچا ایمان کبھی جمع نہیں ہوگا۔

اگر کوئی مسلمان اس قسم کی حرص کو اپنائے تو اس کا شدید خطرہ ان پڑھ مسلمان پر بھی واضح ہے۔ یہ ان کے ایمان کو تباہ کر دے گا یہاں تک کہ سوائے تھوڑے کے کچھ باقی نہ رہے گا۔ جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ کسی کے ایمان کی یہ تباہی دو بھوکے بھیڑیوں کی تباہی سے زیادہ شدید ہے جنہیں بکریوں کے ریوڑ پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ مسلمان اپنی موت کے وقت اپنے پاس موجود تھوڑے سے ایمان کو کھونے کا خطرہ رکھتا ہے، جو کہ سب سے بڑا نقصان ہے۔

ایک شخص کی شہرت اور رتبے کی خواہش اس کے ایمان کے لیے زیادہ دولت کی خواہش سے زیادہ تباہ کن ہے۔ ایک شخص اکثر اپنی محبوب دولت کو شہرت اور سماجی حیثیت کے حصول پر خرچ کرتا ہے۔

ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی شخص مقام و شہرت حاصل کر کے صحیح راستے پر قائم رہے جس کے تحت وہ مادی دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 6723 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص معاشرے میں قیادت جیسی حیثیت کا خواہاں ہے اسے خود اس سے نمٹنے کے لیے چھوڑ دیا جائے گا لیکن اگر کوئی اسے مانگے بغیر حاصل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا اور اس کی اطاعت میں رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی ایسے شخص کا تقرر نہیں کرتے تھے جو کسی منصب پر فائز ہونے کی درخواست کرتا ہو یا اس کی خواہش بھی ظاہر کرتا ہو۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 6923 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ صحیح بخاری نمبر 7148 میں موجود ایک اور حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ لوگ مقام و مرتبہ حاصل کرنے کے خواہش مند ہوں گے لیکن قیامت کے دن ان کے لیے یہ بڑی پشیمانی ہوگی۔ یہ ایک خطرناک خواہش ہے کیونکہ یہ انسان کو اس کو حاصل کرنے کے لیے شدید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے اور پھر اس کو برقرار رکھنے کے لیے مزید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے، خواہ یہ ظلم اور دیگر گناہوں کا ارتکاب کرے۔

رتبہ کی خواہش کی بدترین قسم وہ ہے جب کوئی اسے مذہب کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2654 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ شخص جہنم میں جائے گا۔

لہٰذا ایک مسلمان کے لیے زیادہ مال و دولت اور اعلیٰ سماجی رتبے کی حرص سے بچنا زیادہ محفوظ ہے کیونکہ یہ دو چیزیں ہیں جو ان کے ایمان کی تباہی کا باعث بنتی ہیں اور آخرت کی تیاری سے غافل ہو جاتی ہیں، جن میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ احادیث مبارکہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں بیان کی گئی ہیں۔

فائن اتحادی

کچھ یہودی علماء جیسے کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے بعد ان کے بہت سے قبائلیوں نے انہیں چھوڑ دیا اور ان کے ساتھ نہ رہنے کی قسم کھائی۔ یہ ان کے لیے مشکل تھا کیونکہ وہ ان کے خاندان اور دوست تھے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورة المائدة آیت 55 تا 56 نازل فرمائی۔

”تمہارا حلیف اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والوں کے سوا کوئی نہیں، جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور رکوع کرتے ہیں، اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کا ساتھی ہے، یقیناً اللہ کی جماعت ہی غالب ہوگی۔“

یہ آیات سن کر عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو، اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو اپنا ولی مان لیا۔ اس پر امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ، اصباب النزول، 5:55، صفحہ 69 میں بحث کی گئی ہے۔

جو شخص سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی کوشش کرتا ہے، ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہوئے جو اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے، اسے اپنے اردگرد کے لوگوں کی تنقید اور مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لیکن یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہے گا، اسے ذہنی سکون ملے گا، جو کہ ایک انمول نعمت ہے جو دنیا والوں، حتیٰ کہ اپنے گھر والوں اور دوستوں کی تعریف اور صحبت سے بھی زیادہ ہے۔ جبکہ جو شخص لوگوں کی خوشنودی کے لیے اسلام کی تعلیمات پر سمجھوتہ کرتا ہے وہ لامحالہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو انہیں دی گئی ہیں۔ یہ انہیں متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرنے سے روکے گا، یہ انہیں اپنی زندگی میں ہر چیز اور ہر چیز کو صحیح طریقے سے رکھنے سے روکے گا اور یہ انہیں قیامت کے دن اپنے احتساب کے لیے مناسب تیاری کرنے سے روکے گا۔ یہ سب انہیں ذہنی سکون حاصل کرنے سے روکیں گے، چاہے ان کے پاس لوگوں کی تعریف اور صحبت ہو۔ اس لیے انسان کو اپنی خاطر اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے کیونکہ ذہنی سکون

حاصل کرنا لوگوں کو خوش کرنے اور ایسا کرنے کے منفی نتائج کا سامنا کرنے سے کہیں بہتر ہے۔

مدینہ منورہ میں جمعہ کا پہلا خطبہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ خطبہ ہے جو آپ نے پہلے جمعہ کو مدینہ میں ادا کیا:

حمد اللہ کے لیے ہے، میں اس کی حمد کرتا ہوں، اس سے مدد مانگتا ہوں، اس کی بخشش اور اس کی رہنمائی کا سوال کرتا ہوں، میں اس پر ایمان رکھتا ہوں، اس کا کفر نہیں کروں گا، اور کرنے والوں سے جنگ کروں گا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں، جب اس نے دین اور ہدایت کے بغیر تھوڑا سا دین بھیجا ہے، اس وقت وہ دین اور رسول ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ گمراہ ہے اور گمراہ ہو گیا ہے اور میں تمہیں اللہ سے ڈرنے والا سب سے بہتر نصیحت کرتا ہوں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دینا، اللہ تعالیٰ نے خود آپ کو اس سے بہتر کوئی نصیحت نہیں کی ہے۔ یہ ان لوگوں کے لیے تقویٰ کا عمل ہے جو خوف اور خوف کے ساتھ اس کو پورا کرتے ہیں اور آخرت کے لیے آپ کی آرزوؤں میں مدد کا ایک حقیقی ذریعہ ہے۔ جو شخص کھلے اور چھپے دونوں طرح سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو صرف اس کی رضا کے حصول کے لیے استوار کرتا ہے، اسے موت کے بعد مختصر مدت میں پہچان اور اجر ملے گا، جب آدمی چاہے گا کہ اس نے پہلے سے مختلف کام کیا ہوتا، اور اپنے اور اس طرز عمل کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ رکھنا چاہے گا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے ڈرنے کا حکم دیتا ہے حالانکہ وہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ جو شخص اس کی باتوں کو مانتا ہے اور اس کے وعدے کو پورا کرتا ہے وہ اللہ کے لیے اس میں سے کچھ بھی واپس نہیں پائے گا، ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ میں جو کچھ کہوں گا اسے تبدیل نہیں کیا جائے گا اور میں اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں ۔)باب ق، آیت 29(۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو، سامنے والے اور اس کے پیچھے آنے والے، چھپے اور 50 کھلے، کیونکہ ..."جو اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کی برائیاں اس سے دور کر دیتا ہے اور اسے اجر عظیم عطا کرتا ہے ۔) "باب 65 الطلاق، آیت 5(۔ اور ’’جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اس نے بڑی کامیابی حاصل کی‘‘۔)باب 33 الاحزاب، آیت 71(۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اس کی ناراضگی، اس کے عذاب اور اس کے غضب کو روک دے گا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے سے اطمینان حاصل ہوگا، رب کو راضی کیا جائے گا اور درجات بلند ہوں گے۔ اپنی خوش نصیبی سے فائدہ اٹھائیں اور اللہ تعالیٰ کے معاملات میں سستی نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی کتاب میں ہدایت دی ہے، آپ کے لیے اپنا راستہ بتا دیا ہے، تاکہ وہ سچ بولنے والوں اور جھوٹ بولنے والوں کو ظاہر کرے۔ نیکی کرو جس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بھلائی کرتا ہے۔ اس کے دشمنوں کا مقابلہ کرو اور اللہ تعالیٰ کے لیے بھرپور جدوجہد کرو۔ وہی ہے جس نے آپ کو منتخب کیا اور آپ کا نام مسلمان رکھا، تاکہ ہلاک ہونے والے ظاہری وجہ سے ایسا کریں اور جو زندہ ہیں وہ واضح وجہ

کے ساتھ کریں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی طاقت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کیا کرو۔ موت کے بعد آنے والی چیزوں کے لیے کوشش کریں۔ کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو بہتر بنائے گا وہ لوگوں کے ساتھ اپنے تعلق کو تسلی بخش پائے گا۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ کرتا ہے، جب کہ وہ اس پر فیصلہ نہیں کرتے۔ یہ وہ ہے جو لوگوں کو کنٹرول کرتا ہے، جبکہ وہ اس پر قابو نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ واقعی عظیم ہے !اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی طاقت نہیں ہے جو بلند و بالا ہے۔ ‘‘یہ امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 2، صفحہ 197-199 میں درج ہے۔

زمین پر بہترین مقامات

مدینہ منورہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ابتدا میں اینٹوں سے بنائی گئی تھی جس کے اوپر کھجور کے پتوں سے بنی ہلکی چھت تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اس میں کوئی بہتری نہیں کی۔ لیکن اپنی خلافت کے دوران حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسے بڑھایا اور اس کی دوبارہ تعمیر اسی طرح کی جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کی گئی تھی یعنی اینٹوں اور کھجور کے پتوں سے اور اس کے لکڑی کے ستونوں کو بھی بحال کیا۔ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے دوران بہت بڑی تبدیلیاں کیں۔ اس نے اس کی دیواریں کٹے ہوئے پتھر اور پلستر سے بنائی تھیں، اس کے ستون پتھر کے اور اس کی چھت ساگوان کی تھی۔ وہ سنن ابن ماجہ نمبر 738 میں موجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کو عملی جامہ پہنا رہے تھے۔ اس میں یہ نصیحت ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مسجد بنائے، چاہے چڑیا کے گھونسلے کے برابر ہو یا اس سے بھی چھوٹی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنائے گا۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 2، صفحہ 201-202 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 1528 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب جگہیں مسجدیں ہیں اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ جگہیں بازار ہیں۔

اسلام مسلمانوں کو مساجد کے علاوہ کسی اور جگہ جانے سے منع نہیں کرتا اور نہ ہی انہیں ہمیشہ مساجد میں رہنے کا حکم دیتا ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ باجماعت نماز کے لیے مساجد میں جانے اور مذہبی اجتماعات میں شرکت کو ترجیح دیں، بازاروں اور دیگر مقامات پر غیر ضروری طور پر جانے سے زیادہ۔

،جب ضرورت پیش آئے تو دوسری جگہوں مثلاً شاپنگ سینٹرز میں جانے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن مسلمان کو غیر ضروری طور پر وہاں جانے سے گریز کرنا چاہیے، کیونکہ یہ وہ جگہیں ہیں جہاں گناہ زیادہ ہوتے ہیں۔ جب بھی وہ دوسری جگہوں پر جاتے ہیں تو انہیں اس بات کو یقینی بنانا

چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچیں، جس میں دوسروں پر ظلم کرنا بھی شامل ہے۔ انہیں ضرورت سے زیادہ میل جول سے بچنا چاہیے، کیونکہ یہ معاشرے میں ہونے والے اکثر گناہوں کا سبب ہے۔

مساجد سے مراد گناہوں سے پناہ گاہ اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے لیے ایک آرام دہ جگہ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق سامنا کرنا شامل ہے۔ جس طرح ایک طالب علم لائبریری سے استفادہ کرتا ہے، جیسا کہ یہ مطالعہ کے لیے ایک ماحول ہے، اسی طرح مسلمان مساجد سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، کیونکہ ان کا اصل مقصد مسلمانوں کو مفید علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دینا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی صحیح اطاعت کر سکیں۔

مساجد اپنے ایک مقصد کو یاد دلانے کے لیے بھی ایک بہترین جگہ ہیں، جو کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کی خوشنودی کے لیے استعمال کرتے ہوئے خلوص دل سے اللہ کی اطاعت کرنا ہے۔ مساجد بھی لوگوں کو اپنی سرگرمیوں کو صحیح طریقے سے ترجیح دینے کی ترغیب دیتی ہیں، تاکہ وہ اپنی ضروریات اور ذمہ داریوں کو پورا کر سکیں، آخرت کے لیے مناسب تیاری کر سکیں اور اعتدال کے ساتھ حلال لذتوں سے لطف اندوز ہو سکیں۔ جو شخص مساجد سے اجتناب کرتا ہے وہ اکثر اپنا وقت اور وسائل فضول اور فضول کاموں میں ضائع کرتا ہے اور اس وجہ سے وہ دونوں جہانوں میں فائدہ اٹھانے سے محروم رہتا ہے۔

ایک مسلمان کو نہ صرف مساجد کو دوسری جگہوں پر ترجیح دینی چاہیے بلکہ وہ دوسروں کو بھی، جیسے کہ اپنے بچوں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دینی چاہیے۔ درحقیقت یہ نوجوانوں کے لیے گناہوں، جرائم اور بری صحبت سے بچنے کے لیے بہترین جگہ ہے جس سے دونوں جہانوں میں مصیبت اور پشیمانی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اس کے علاوہ زیر بحث اہم واقعہ اس بات کی بھی نشاندہی کرتا ہے کہ دنیا کو غیر ضروری طور پر سنوارنے اور سنوارنے کے بجائے آخرت کی تعمیر پر توجہ مرکوز کی جائے۔ اس دنیا کو خواہ کتنی ہی رونق بخشی جائے، یہ آخرکار فنا ہو جائے گی اور جس نے اس کی تعمیر کے لیے اپنے

وسائل وقف کیے، اسے نہ اس دنیا میں سکون ملے گا اور نہ ہی آخرت میں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص بلا ضرورت اس دنیا کی تعمیر پر توجہ دیتا ہے وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو انہیں دی گئی ہیں۔ یہ انہیں متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرنے سے روکے گا، یہ انہیں اپنی زندگی میں ہر چیز اور ہر چیز کو صحیح طریقے سے رکھنے سے روکے گا اور یہ انہیں قیامت کے دن اپنے احتساب کے لیے مناسب تیاری کرنے سے روکے گا۔ نتیجتاً اس شخص کو نہ دنیا میں سکون ملے گا اور نہ آخرت میں، خواہ وہ اپنی دنیوی زندگی کو سنوارنے کی کوشش کرے۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

جبکہ جو شخص اپنی آخرت کی تعمیر پر دھیان دے گا اسے دنیا اور آخرت میں ذہنی سکون نصیب ہو گا کیونکہ وہ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کریں گے جو قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کی گئی ہیں۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کریں گے اور آخرت میں اپنے جوابدہی کے لیے مناسب تیاری کرتے ہوئے ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں صحیح طریقے سے رکھیں گے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ" "زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔

ان دونوں رویوں کا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے جب کوئی دوسرے لوگوں کے طرز زندگی کا مشاہدہ کرتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپارٹمنٹس

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مسجد کے اردگرد اپارٹمنٹس بنائے جو اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے رہائش گاہیں ہوں گے۔ یہ چھوٹے چھوٹے مکانات تھے جن میں تنگ صحن تھے۔ وہ سائز میں چھوٹے تھے، کیونکہ ایک بالغ شخص کھڑے ہوتے ہوئے ان اپارٹمنٹس کی بلند ترین چھت کو چھو سکتا ہے۔ یہ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 207 میں درج ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2482 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ تمام حلال خرچ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملتا ہے سوائے اس مال کے جو تعمیرات پر خرچ کیا جائے۔

اس میں حلال چیزوں پر خرچ کرنا بھی شامل ہے جو اسراف، فضول خرچی یا اسراف سے پاک ہے۔ جو تعمیر ضروری ہو اس پر خرچ کرنا اس حدیث میں شامل نہیں ہے بلکہ وہ تعمیر ہے جو ضرورت سے باہر ہو۔ یہ ناپسندیدہ ہے کیونکہ تعمیرات پر خرچ آسانی سے فضول خرچی اور اسراف کا باعث بنتا ہے۔ اس کے علاوہ جو شخص تعمیرات پر مال خرچ کرتا ہے اس کا صدقہ دینے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرنے کا امکان کم ہے۔ نیز یہ طرز عمل اکثر ایک مسلمان کو لمبی زندگی کی امیدیں اپنانے کی ترغیب دیتا ہے، کیونکہ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ اس دنیا میں ان کا قیام بہت مختصر ہے وہ ایک خوبصورت گھر بنانے میں توانائی اور دولت کو ضائع نہیں کرے گا۔ لمبی عمر کی امید جتنی زیادہ ہوگی، وہ اتنے ہی کم نیک اعمال انجام دیں گے، اس یقین کے ساتھ کہ وہ مستقبل میں ہمیشہ اچھے کام انجام دے سکتے ہیں۔ یہ کسی کو مخلصانہ توبہ میں تاخیر کرنے کا سبب بھی بنتا ہے یہ یقین رکھتے ہوئے کہ وہ مستقبل میں ہمیشہ بہتر کے لیے بدل سکتے ہیں۔ آخر میں، یہ اس دنیا میں اپنے طویل قیام کے لیے زیادہ آرام دہ زندگی پیدا کرنے کے لیے دنیا کے لیے مزید کوششیں وقف کرنے کا سبب بنتا ہے۔

غیر ضروری تعمیرات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا انسان کا وقت گزارتا ہے جو کہ اسے انتہائی تھکاوٹ کی وجہ سے رضاکارانہ نیک اعمال جیسے کہ روزہ اور رات کی نماز ادا کرنے سے

روکتا ہے۔ یہ انہیں اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنے سے بھی روکتا ہے۔

آخر کار، حقیقت میں، غیر ضروری تعمیرات میں حصہ لینا کبھی ختم نہیں ہوتا۔ مطلب، جس لمحے کوئی شخص اپنے گھر کا ایک حصہ مکمل کر لیتا ہے وہ اس وقت تک دوسرے حصے میں چلا جاتا ہے جب تک کہ سائیکل خود کو دہرا نہ جائے۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ تمام چیزوں کے سلسلے میں جو ان کی ضرورت کے مطابق ہے صرف تعمیرات پر عمل پیرا رہیں، تاکہ وہ ان منفی نتائج سے بچ سکیں۔

نماز کی اذان

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیر کے بعد لوگوں کو ہوشیار رہنے کی ضرورت تھی کہ مسجد میں باجماعت نماز کب شروع ہونے والی تھی۔ کچھ نصیحتیں کی گئیں، جیسے ہارن یا گھنٹی کا استعمال، لیکن ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رد کر دیا، کیونکہ آپ اہل کتاب کی تقلید نہیں کرنا چاہتے تھے۔ کسی نے مشورہ دیا کہ جب نماز باجماعت شروع ہونے والی ہو تو آدمی پکارے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اختیار کو پسند فرمایا۔ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے ایک خواب دیکھا جس میں ایک شخص نے انہیں حکم دیا کہ اذان کس چیز پر مشتمل ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کا خواب دیکھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کو نماز باجماعت کے لیے اذان دینے کا حکم دیا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 731-733 میں بحث کی گئی ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اذان دینے کے لیے ایتھوپیا کے ایک سابق غلام کا انتخاب کیا۔ کوئی ایسا شخص جسے عرب کا وسیع تر معاشرہ اس کی نسلی اور سماجی حیثیت کی وجہ سے اکثر حقیر سمجھتا تھا۔ اس سے اسلام میں مساوات کی اہمیت کی نشاندہی ہوتی ہے۔

اسلام لوگوں کی حیثیت کو ایک عنصر یعنی تقویٰ کی بنیاد پر پرکھتا ہے۔ یعنی قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کا جتنا زیادہ صحیح استعمال کرے گا ، اس کا درجہ اتنا ہی بلند ہوگا۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

”بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے“۔

لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ چونکہ ایک شخص کی نیت پوشیدہ ہے، اس لیے اسے اپنے ظاہری اعمال کی بنیاد پر خود کو یا دوسروں کو برتر نہیں سمجھنا چاہیے۔ باب 53 عن نجم، آیت 32:

‘‘پس اپنے آپ کو پاکیزہ ہونے کا دعویٰ نہ کرو، وہ خوب جانتا ہے کہ کون اس سے ڈرتا ہے۔’’

صحیح طریقے سے برتاؤ کرنے میں ناکامی صرف لوگوں کے ساتھ امتیازی سلوک کا باعث بنتی ہے، جیسے نسل پرستی۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام دنیاوی معیارات جیسے کہ جنس، نسل یا سماجی حیثیت کو نظر انداز کرے اور اس کے بجائے تقویٰ کے ذریعے برتری حاصل کرنے کی کوشش کرے اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دے۔

اس کے علاوہ زیر بحث اہم واقعہ مسجد میں جماعت کے ساتھ فرض نماز ادا کرنے کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 43:

‘‘اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔’’

درحقیقت اس آیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی بنا پر بعض معتبر علماء نے اس کو مسلمان مردوں پر واجب قرار دیا ہے۔ مثال کے طور پر سنن ابو داؤد نمبر 550 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ جو مسلمان اپنی فرض نمازیں مسجد میں باجماعت ادا نہیں کریں گے انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے منافق قرار دیا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مردوں کے گھروں کو جلانے کی دھمکی بھی دی تھی جو بغیر کسی عذر کے باجماعت مسجد میں اپنی فرض نمازیں ادا کرنے میں ناکام رہے تھے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 1482 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جو مسلمان اس اہم عمل کو انجام دینے کی پوزیشن میں ہوں وہ کریں۔ انہیں اپنے آپ کو یہ دعویٰ کرنے میں بے وقوف

نہیں بنانا چاہئے کہ وہ دوسرے نیک کام انجام دے رہے ہیں، جیسے گھر کے کاموں میں اپنے خاندان کی مدد کرنا۔ یوں تو صحیح بخاری نمبر 676 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے، لیکن ضروری ہے کہ آپ کی روایات کی اہمیت کو اپنی خواہشات کے مطابق ترتیب نہ دیا جائے۔ جو کوئی ایسا کرتا ہے وہ اس کی روایات کی پیروی نہیں کر رہا ہے، وہ صرف اپنی خواہشات کی پیروی کر رہا ہے، چاہے وہ نیک عمل ہی کیوں نہ کر رہا ہو۔ درحقیقت اسی حدیث کا اختتام اس نصیحت سے ہوتا ہے کہ جب فرض نماز کا وقت ہوتا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد حرام کی طرف روانہ ہوتے۔

آخر میں، زیر بحث اہم واقعہ اجتماعی نماز کے ذریعے کمیونٹی کے اندر دوسرے مسلمانوں کے ساتھ جڑنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے تاکہ وہ ایک دوسرے کی مدد کر سکیں۔ زیادہ تر ضرورت مند لوگ اشتہار نہیں دیتے اور نہ ہی دوسروں سے امداد کی بھیک مانگتے ہیں۔ لہٰذا، مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے کہ وہ اپنی کمیونٹی کے ارکان سے واقفیت حاصل کریں تاکہ وہ ایک دوسرے کو ان مشکلات کے بارے میں آگاہ کر سکیں جن کا وہ سامنا کر رہے ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں مدد کی ضرورت ہے۔ یہی ایک وجہ ہے کہ اسلامی تعلیمات میں مسجد میں فرض نمازیں جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ یہ مسلمانوں کو دوسروں سے جڑنے اور ان رابطوں کے ذریعے دوسروں کی مدد کرنے کی اجازت دیتا ہے جو اپنی ضرورت کو واضح نہیں کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ، یہ کنکشن ایک ضرورت مند شخص کو دوسرے کی طرف بھیجنے کی بھی اجازت دیتے ہیں جو ان کی مدد کے لیے بہتر پوزیشن میں ہوں۔ مثال کے طور پر، ملازمت کی تلاش میں کوئی شخص کمیونٹی کے کسی ایسے رکن سے منسلک ہو سکتا ہے جو ملازم کی تلاش میں ہے۔

مہربان علاج

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کے مختلف مسلم اور غیر مسلم گروہوں کے درمیان معاہدہ کیا۔ اس نے اس بات کو یقینی بنایا کہ مدینہ کے غیر مسلموں جیسا کہ یہودیوں کے ساتھ کبھی بدسلوکی نہیں کی جائے گی۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان کو کسی ایسے شخص کی مدد کرنے سے منع کیا گیا جس کا مقصد ان پر ظلم کرنا تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 213 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچے مسلمان اور سچے مومن کی نشانیاں بتائی ہیں۔ سچا مسلمان وہ ہے جو دوسروں کی زبانی اور جسمانی اذیت کو دور رکھے۔ اس میں درحقیقت تمام لوگ شامل ہیں خواہ ان کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔ اس میں ہر قسم کی تقریر اور افعال شامل ہیں جو کسی دوسرے کو نقصان یا تکلیف پہنچا سکتے ہیں۔ اس میں دوسروں کو بہترین مشورہ دینے میں ناکامی بھی شامل ہو سکتی ہے، کیونکہ یہ دوسروں کے ساتھ خلوص سے متصادم ہے۔ سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ اس میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تلقین کرنا اور گناہوں کی طرف دعوت دینا شامل ہے۔ ایک مسلمان کو اس رویے سے بچنا چاہیے کیونکہ وہ ہر اس شخص کے لیے جوابدہ ہوں گے جو ان کی بری نصیحت پر عمل کرے گا۔ صحیح مسلم نمبر 2351 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اس میں دوسرے لوگوں کے کاروبار میں شامل نہ ہونا بھی شامل ہے، کیونکہ یہ اکثر دوسروں کو نقصان پہنچاتا ہے۔ ایک مسلمان کو دوسروں کے ساتھ ان کی موجودگی اور غیر موجودگی میں مثبت انداز میں بات کرنی چاہیے، جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے لوگ ان کے بارے میں مثبت بات کریں۔

جسمانی نقصان میں دوسرے لوگوں کی روزی روٹی کے لیے مسائل پیدا کرنا، دھوکہ دہی کا ارتکاب کرنا، دوسروں کو دھوکہ دینا اور جسمانی زیادتی شامل ہے۔ یہ تمام خصوصیات اسلامی تعلیمات سے متصادم ہیں اور ان سے بچنا چاہیے۔

زیر بحث اصل حدیث کے مطابق سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کے نقصان کو دور رکھے۔ ایک بار پھر، یہ تمام لوگوں پر لاگو ہوتا ہے قطع نظر ان کے عقیدے کے۔ اس میں چوری کرنا، غلط استعمال کرنا یا دوسروں کی املاک اور سامان کو نقصان پہنچانا شامل ہے۔ جب بھی کسی کو کسی دوسرے کی جائیداد سونپی جاتی ہے، تو اسے اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ اسے صرف مالک کی اجازت سے اور اس طریقے سے استعمال کریں جو مالک کو خوش اور راضی ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 5421 میں موجود حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص جھوٹی قسم کے ذریعے کسی دوسرے کا مال ناجائز طور پر ہتھیا لے خواہ وہ درخت کی ٹہنی کے برابر ہی کیوں نہ ہو وہ جہنم میں جائے گا۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے عقیدے کے زبانی اعلان کو عمل سے سہارا دے، کیونکہ یہ کسی کے عقیدے کا جسمانی ثبوت ہیں جو دونوں جہانوں میں کامیابی کے لیے ضروری ہے۔ اس کے علاوہ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے بارے میں سچے عقیدے کی خصوصیات کو پورا کرنا چاہیے۔ لوگوں کے ساتھ اس کو حاصل کرنے کا ایک بہترین طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں، جو کہ احترام اور امن کے ساتھ ہے۔

مدد کرنے والوں اور مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ سے اپنے ہم وطن ہجرت کرنے والوں اور مدینہ سے آنے والے اصحاب کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ آپ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں بھائی بھائی بننے کی تلقین کی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2 صفحہ 215 میں بحث کی گئی ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگ منقسم ہو جاتے ہیں اور وہ مضبوط تعلق کھو دیتے ہیں جو کبھی ایک دوسرے کے ساتھ تھا۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں لیکن ایک بڑا سبب وہ بنیاد ہے جس پر ان کے والدین اور رشتہ داروں نے ان کا تعلق قائم کیا تھا۔ یہ عام طور پر جانا جاتا ہے کہ جب عمارت کی بنیاد کمزور ہوتی ہے تو عمارت یا تو وقت کے ساتھ خراب ہوجاتی ہے یا گر جاتی ہے۔ اسی طرح جب لوگوں کو آپس میں جوڑنے والے بانڈز کی بنیادیں درست نہیں ہوتیں تو ان کے درمیان بندھن بالآخر کمزور یا ٹوٹ جاتا ہے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے درمیان رشتہ جوڑ دیا۔ جبکہ آج زیادہ تر مسلمان قبائلیت، بھائی چارے اور دوسرے خاندانوں کو دکھانے کے لیے لوگوں کو اکٹھا کرتے ہیں۔ اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی اکثریت آپس میں باہم تعلق نہیں رکھتی تھی لیکن چونکہ ان کو جوڑنے والے بندھنوں کی بنیاد صحیح تھی یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے رشتے مضبوط سے مضبوط ہوتے گئے۔ جبکہ آج کل بہت سے مسلمان خون کے رشتے میں ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ الگ ہو گئے ہیں کیونکہ ان کے رشتوں کی بنیاد باطل یعنی قبائلیت اور اسی طرح کی چیزوں پر تھی۔

مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگر رشتہ داریوں اور غیر رشتہ داروں کے حقوق کی پاسداری کے اہم فریضے کو ادا کرنے کے لیے اپنے بندھنوں کو قائم رکھنے اور اجر کمانے کی خواہش رکھتے ہیں تو انہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے رشتہ جوڑنا چاہیے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ لوگ صرف ایک دوسرے سے جڑیں اور ایک دوسرے کے ساتھ اس طریقے سے کام کریں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو۔ قرآن پاک میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

شکر گزاری کے دو حصے

مکہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے ایک بار مدینہ منورہ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کی۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ کبھی کسی ایسی قوم کے پاس نہیں گئے جنہوں نے ان کی زیادہ مدد کی اور اس کے بدلے میں مدینہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے زیادہ کچھ نہیں چاہا۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ مدینہ سے آنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے انہیں بہت زیادہ مشکلات سے بچایا اور اپنی راحتیں ان کے ساتھ بانٹیں۔ انہوں نے نتیجہ اخذ کیا کہ وہ ڈرتے ہیں کہ مدینہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو اللہ عزوجل کا سارا انعام مل جائے گا اور وہ، مکہ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو کچھ بھی نہیں ملے گا، کیونکہ وہ بدلہ لینے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ مکہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو اس طرح اجر ملے گا جیسا کہ انہوں نے مدینہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحیح تعریف کی اور دعا کی تھی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 217 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1954 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔

اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام نعمتوں کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے، کسی سے کم نہیں، لوگوں کا شکر ادا کرنا اسلام کا ایک اہم پہلو ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات کسی شخص کو دوسروں کی مدد کے لیے استعمال کرتا ہے، جیسے کہ والدین۔ جیسا کہ اسباب اللہ تعالیٰ نے بنائے اور استعمال کیے، ان کا شکر ادا کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے۔ لہٰذا، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اچھے کردار کا مظاہرہ کریں اور دوسروں کی طرف سے ملنے والی کسی بھی امداد یا مدد کے لیے ہمیشہ قدردانی کا اظہار کریں، چاہے اس کا حجم کچھ بھی ہو۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اس کے حکم کے مطابق استعمال کرتے ہوئے اس کا شکر ادا کرنا چاہئے کیونکہ وہ نعمت کا سرچشمہ ہے اور انہیں چاہئے کہ اس شخص کا شکر ادا کریں جس نے ان کی مدد کی کیونکہ یہ وہ وسیلہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا اور منتخب کیا گیا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ زبانی طور پر لوگوں کا شکر ادا کرے اور عملاً ان کے احسان کا بدلہ ان کے وسائل کے مطابق ادا کرے، چاہے وہ ان کی طرف سے صرف دعا ہی کیوں نہ ہو۔ امام بخاری کی کتاب ادب المفرد نمبر 216 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کی مدد کے ظاہری مظہر کا شکر ادا نہیں کرتا، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو براہِ راست ظاہر کرے گا۔

جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا سچا شکر ادا نہیں کر سکتا، اس لیے اسے نعمتوں میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

اگر کوئی مسلمان نعمتوں میں اضافہ چاہتا ہے تو اسے شکر گزاری کے دونوں پہلوؤں کو پورا کرنا چاہیے، یعنی اللہ تعالیٰ اور لوگوں کا۔

اس کے علاوہ زیر بحث اہم واقعہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دوسروں کی مدد کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

جب ایک مسلمان یہ یقین رکھتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ہے، تو اس کے پاس موجود نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے صدقہ دینا آسان ہو جاتا ہے۔ جو شخص یہ رویہ اختیار کرتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ وہ محض ایک قرض واپس کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دیا تھا۔ باب 2 البقرہ، آیت 254:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو۔"

یہ رویہ کسی کو فخر کے ذریعے اپنے خیراتی کام کو برباد کرنے سے بھی بچاتا ہے۔ فخر ایک شخص کو یہ یقین دلاتا ہے کہ وہ صدقہ دے کر اللہ، بزرگ اور ضرورت مندوں پر احسان کر رہے ہیں۔ لیکن جس طرح سے کوئی شخص بنک کا قرض بغیر فخر کے واپس کرتا ہے مسلمانوں کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے صدقہ کو اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے قرض کی ادائیگی کا ایک طریقہ ہے۔ اس کے علاوہ ضرورت مند اپنا صدقہ لے کر عطیہ کرنے والوں پر احسان کر رہے ہیں۔ ضرورت مند ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے اجر حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں اور ان کے بغیر یہ ناممکن ہے۔ اگر کوئی یہ سمجھے کہ ان کی دولت ان کی ذہانت اور قوت سے جمع ہوئی ہے تو اسے سمجھنا چاہیے کہ یہ چیزیں بھی اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہیں۔ لہٰذا اس قرض کو دولت جیسی نعمتوں کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جانا چاہیے، ورنہ ان کو عذاب کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے جو دنیا میں شروع ہو کر آخرت تک جاری رہے گا۔

جب کوئی صدقہ کرتا ہے تو اس کا لین دین کسی مسکین سے نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلوص نیت سے کاروبار کرتا ہے تو وہ ایک ناقابل تصور نفع کا یقین رکھ سکتا ہے جو اس کو دنیا اور آخرت میں فائدہ دے گا۔ زیر بحث اہم آیات میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 245:

‘‘کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے تاکہ وہ اس کو اس کے لیے کئی گنا بڑھا دے؟’’

سخاوت اور رزق

مدینہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک بار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کے کھجور کے باغات ان میں اور مکہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان برابر تقسیم کر دیں۔ جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پر دباؤ ڈالنا نہیں چاہتے تھے، آپ نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ ملکیت برقرار رکھیں اور اس کے بجائے مکہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اجازت دیں کہ وہ ان کے ساتھ ان کی زمینوں پر کام کریں اور پھر زمین کی پیداوار کو ان کے درمیان تقسیم کر دیں۔ صحیح بخاری نمبر 3782 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

اگرچہ مدینہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنا مال اور گھر مکہ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بانٹ دیا تھا، پھر بھی وہ کاہل اور محتاج نہیں ہوئے۔ بلکہ اپنے اور دوسروں کے لیے رزق حلال کمانے کے لیے محنت کی۔ مثال کے طور پر سعد بن ربیع نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو نصف دولت کی پیشکش کی، لیکن مؤخر الذکر نے نرمی سے انکار کر دیا اور حلال رزق کمانے کے لیے بازار کا رخ کیا۔ صحیح بخاری نمبر 2048 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

پہلا واقعہ باب 3 علی عمران آیت 92 سے مربوط ہے:

"تم ہرگز نیکی کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ تم اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے خرچ نہ کرو اور جو کچھ بھی خرچ کرو، اللہ اس کو جانتا ہے۔"

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ کوئی شخص سچا مومن نہیں ہو سکتا، یعنی وہ اپنے ایمان میں نقص رکھتا ہے، جب تک کہ وہ اپنی پسند کی چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کرنے کے

لیے تیار نہ ہو۔ اگرچہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ اس آیت کا اطلاق دولت پر ہوتا ہے لیکن حقیقت میں اس کا مطلب بہت زیادہ ہے۔ اس میں ہر وہ نعمت شامل ہے جسے ایک مسلمان پسند اور پسند کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، مسلمان اپنے قیمتی وقت کو ان چیزوں پر صرف کرنے میں خوش ہوتے ہیں جو انہیں خوش کرتی ہیں۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ان فرضی فرائض سے ہٹ کر وقت دینے سے انکار کرتے ہیں جو ایک دن میں بمشکل ایک یا دو گھنٹے لگتے ہیں۔ لاتعداد مسلمان ابھی تک مختلف خوشگوار سرگرمیوں میں اپنی جسمانی طاقت کو وقف کرنے پر خوش ہیں، ان میں سے بہت سے لوگ اسے ان چیزوں کے لیے وقف کرنے سے انکار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتی ہیں، جیسے کہ رضاکارانہ روزہ۔ عام طور پر لوگ ان چیزوں میں کوشش کرنے میں خوش ہوتے ہیں جن کی وہ خواہش کرتے ہیں جیسے کہ ضرورت سے زیادہ مال حاصل کرنا جس کی انہیں ضرورت نہیں ہے خواہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اوور ٹائم کرنا پڑے اور اپنی نیند ترک کرنا پڑے پھر بھی کتنے ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے بچتے ہوئے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں؟ کتنے لوگ نماز ادا کرنے کے لیے اپنی قیمتی نیند ترک کر دیتے ہیں؟

یہ عجیب بات ہے کہ مسلمان ابھی تک حلال دنیاوی اور دینی نعمتوں کے خواہاں ہیں، ایک سادہ سی حقیقت کو نظر انداز کرتے ہیں۔ کہ یہ چیزیں انہیں تب ہی حاصل ہوں گی جب وہ اپنے پاس موجود نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کریں گے۔ وہ کیسے کم سے کم چیزیں اس کے لیے وقف کر سکتے ہیں اور پھر بھی اپنے تمام خوابوں کو حاصل کرنے کی توقع رکھتے ہیں؟ یہ رویہ واقعی عجیب ہے۔

اس کے علاوہ، زیر بحث اہم واقعات ایک سست روی سے بچنے کی اہمیت کو بھی ظاہر کرتے ہیں جس کے تحت کوئی شخص اپنے عطا کردہ وسائل کو استعمال کرنے سے گریز کرتا ہے، جیسے کہ ان کی جسمانی طاقت، اور اس کے بجائے اپنی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ان کی مدد کے لیے دوسروں پر انحصار کرتا ہے۔ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ان وسائل کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنے رزق کمانے کے لیے استعمال کرے تاکہ وہ اپنی ضروریات اور ذمہ داریاں پوری کر سکیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے ان کا رزق ان کے لیے مختص کیا تھا اور یہ تقسیم تبدیل نہیں ہو سکتی۔ صحیح مسلم میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ انسان کو صرف اپنے حصے نمبر 6748 کو پورا کرنے کی ضرورت ہے اور پھر صبر کے ساتھ اپنے مختص رزق کا انتظار کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنی ضروریات اور ذمہ داریاں پوری کرتا ہے اور دوسروں کی مدد کرتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کی کوششوں سے دور رہ کر معاشرے پر بوجھ بن جاتے ہیں، جب تک کہ وہ اس کے جائز حقدار نہ ہوں، جیسے کہ معذور افراد۔

سچا علم

مدینہ منورہ میں اکثر یہودی علماء نے اسلام کا تکبر سے انکار کیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دشمنی سے بھرپور تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے دوسروں کو الجھانے اور اپنی ہٹ دھرمی اور کفر کا اظہار کرنے کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سے فضول سوالات پوچھے۔ انہوں نے اسلام کے لیے چیزوں کو مشکل بنا دیا اور اسے بجھانے کی انتھک کوشش کی، حالانکہ وہ اس کی سچائی کو پہچان چکے تھے۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں“۔

امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 2 صفحہ 227 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ان علماء کا اس طرح برتاؤ اور اسلام کی پیروی ان کو اپنی دنیوی خواہشات کی تکمیل سے روک دیتی جس میں ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنا شامل تھا جو انہیں دنیاوی چیزوں کے حصول کے لیے دی گئی تھیں جیسے کہ دولت اور قیادت۔ اس کے نتیجے میں، انہوں نے جان بوجھ کر اپنی

آسمانی تعلیمات کی غلط تشریح اور تدوین کی تاکہ ان کے اسلام کے انکار کو جواز بنایا جا سکے اور یہ یقینی بنایا جا سکے کہ ان کے جاہل پیروکار اسلام قبول کرنے کے بجائے ان کے وفادار رہیں۔

سنن ابن ماجہ نمبر 253 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ جس نے علمائے کرام کو دکھانے، دوسروں سے بحث کرنے یا اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے علم حاصل کیا وہ جہنم میں جائے گا۔

حالانکہ دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں تمام بھلائیوں کی بنیاد علم ہے، لیکن مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ علم سے انہیں فائدہ تب ہی ہوگا جب وہ سب سے پہلے اپنی نیت درست کریں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ باقی تمام وجوہات صرف اس صورت میں ثواب اور سزا کے نقصان کا باعث بنیں گی جب کوئی مسلمان سچے دل سے توبہ نہ کرے۔

حقیقت میں علم بارش کے پانی کی طرح ہے جو مختلف قسم کے درختوں پر گرتا ہے۔ کچھ درخت اس پانی سے اگتے ہیں تاکہ دوسروں کو فائدہ پہنچے، جیسے پھل کا درخت۔ جبکہ اس پانی سے دوسرے درخت اگتے ہیں اور دوسروں کے لیے پریشانی کا باعث بنتے ہیں۔ اگرچہ بارش کا پانی دونوں صورتوں میں ایک جیسا ہے پھر بھی نتائج بہت مختلف ہیں۔ اسی طرح دینی علم بھی لوگوں کے لیے یکساں ہے لیکن اگر کوئی غلط نیت اختیار کرے تو وہ ان کی تباہی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی صحیح نیت اختیار کرے تو یہ ان کی نجات کا ذریعہ بن جائے گا۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ تمام معاملات میں اپنی نیت درست کریں، جیسا کہ اس پر ان کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اور انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ جہنم میں داخل ہونے والے پہلے لوگوں میں سے ایک ایسا عالم ہوگا جس نے علم صرف دوسروں کو دکھانے کے لیے حاصل کیا ہو۔ صحیح مسلم نمبر 4923 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ، اپنے علم پر عمل کے ساتھ اپنی نیک نیت کو جوڑنا چاہیے، کیونکہ عمل کے بغیر علم فائدہ مند علم نہیں ہے، یہ محض معلومات ہے۔ کسی کے علم پر عمل کرنے میں ناکامی ایک ڈاکٹر کی طرح ہے جو لوگوں کے علاج کے لیے اپنے علم پر عمل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ اسی طرح وہ نہ اپنے آپ کو فائدہ پہنچاتے ہیں اور نہ ہی کسی مسلمان کو جو اسلامی علم رکھتا ہے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ درحقیقت اس شخص کو گدھے سے تشبیہ دی گئی ہے جو علم کی کتابیں اٹھائے ہوئے ہے۔ باب 62 الجمعہ، آیت 5:

’’اور پھر اس پر عمل نہیں کیا)اپنے علم پر عمل نہیں کیا (اس گدھے کی طرح ہے جو کتابوں کی کتابیں اٹھائے ہوئے ہے‘‘۔

اس کے علاوہ جو شخص بغیر کسی معقول وجہ کے علم کو چھپائے گا اسے قیامت کے دن آگ سے لگا دیا جائے گا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2649 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے مفید علم کو دوسروں تک پہنچائیں۔ یہ محض بے وقوفی ہے کیونکہ یہ عمل صالح میں سے ایک ہے جو مرنے کے بعد بھی مسلمان کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 241 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ علم کا ذخیرہ کرنے والوں کو تاریخ بھلا دیتی ہے لیکن جو اسے دوسروں تک پہنچاتے ہیں وہ بنی نوع انسان کے عالم اور استاد کہلانے لگے۔

آخر میں، علم حاصل کرنے کا مقصد بحث میں دوسروں کو شکست دینا نہیں ہے۔ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ سچائی کو مضبوط ثبوت کے ساتھ دوسروں کے سامنے پیش کرے۔ انہیں یہ فرض نہیں سونپا گیا کہ وہ لوگوں کو بحث و مباحثہ کے ذریعے سچائی کو قبول کرنے پر مجبور کریں۔ یہ رویہ ہی لوگوں کو سچائی سے آگے دھکیلتا ہے۔ اس کے بجائے بغیر بحث کیے لوگوں کو سچ سمجھانا چاہیے اور خود اس پر عمل کر کے اس سچائی کو دکھانا چاہیے۔ صالح پیشواؤں کا یہی طرز عمل تھا اور یہ طریقہ دوسروں کو حق کی طرف لانے میں زیادہ کارگر ہے۔

مدینہ میں منافقین

دو چہروں والا

مشہور ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور کھلم کھلا کفر کرنے والوں کے علاوہ مدینہ میں ایک تیسرا گروہ نکلا جو منافقین کے نام سے مشہور تھے۔ انہوں نے ظاہری طور پر اسلام قبول کرنے کا ڈرامہ کیا تاکہ مسلمان ہونے کا صلہ حاصل کیا جا سکے لیکن وہ کافر تھے کیونکہ انہوں نے اندرونی اور خفیہ طور پر اسلام کا انکار کیا۔ ان میں بہت سی بری خصلتیں پائی جاتی تھیں جن کا قرآن پاک اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تفصیل سے بحث ہوئی ہے۔ مثال کے طور پر، ان میں سے ایک اپنے ساتھی منافقین کے ساتھ خفیہ طور پر اسلام کے خلاف منصوبہ بندی کرتے ہوئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت قرآن پاک کو توجہ سے سنتا تھا۔ اس شخص نے ایک دفعہ کہا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف ایک کان تھے جو ان سے کہی گئی ہر بات پر یقین کر لیتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے توبہ کی آیت نمبر 9 نازل فرمائی:

"اور ان میں سے وہ بھی ہیں جو نبی کو گالی دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ کان ہے، کہہ دو کہ یہ تمہارے لیے بھلائی کا کان ہے جو اللہ پر ایمان لائے اور مومنوں پر ایمان لائے اور جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ان کے لیے رحمت ہے۔ "اور جو لوگ رسول اللہ کو گالی دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اس پر امام واحدی کی، اصباب النزول، 9:61-62، صفحہ 88-89 میں بحث کی گئی ہے۔

دو طرفہ ہونا منافقت کی نشانی ہے۔ یہ وہ ہے جو لوگوں کے مختلف گروہوں کو خوش کرنے کے لیے اپنے طرز عمل میں تبدیلی لاتا ہے اور اس سے کچھ دنیاوی چیزیں حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ وہ بہت سی مختلف زبانوں سے بولتے ہیں جو مختلف لوگوں کو اپنی حمایت ظاہر کرتے ہوئے ان کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ لوگوں کے ساتھ مخلص نہیں ہیں جس کا حکم

سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔ اگر وہ توبہ نہ کریں تو آخرت میں اپنے آپ کو آگ کی دو زبانوں سے پائیں گے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4873 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 14:

"جب وہ مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے برے ساتھیوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو محض مذاق کر رہے تھے۔"

عام طور پر دیکھا جائے تو اسلامی تعلیمات میں نفاق کی خصوصیات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے تاکہ مسلمان ان کو اپنانے سے گریز کریں۔ یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ زبانی طور پر اسلام پر ایمان کا دعویٰ کرنے والے اچھے اعمال کی تائید کی جانی چاہیے جن کی جڑیں اچھی خصوصیات پر مشتمل ہوں۔ لیکن اگر کوئی بُری خصلتوں کو اپنائے جیسا کہ منافقین کے پاس ہے تو وہ لامحالہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو انہیں عطا کی گئی ہیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوگی۔ لہٰذا ان کا رویہ ان کے ایمان کے زبانی اعلان سے متصادم ہوگا اور ان کی گمراہی کی شدت کے لحاظ سے وہ ایمان کی روشنی کو اچھی طرح سے بجھا سکتے ہیں۔ یہ سب سے بڑا نقصان ہے۔ اس لیے کہ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جس کی پرورش اچھے اعمال سے ہونی چاہیے۔ جس طرح ایک پودا اس وقت مر جاتا ہے جب وہ پرورش حاصل کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے، اسی طرح اس شخص کا ایمان جو اپنے اندرونی عقیدے کو جسمانی اطاعت کے ساتھ پروان چڑھانے میں ناکام رہتا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات میں مذکور منفی خصوصیات کو سیکھیں اور ان سے بچیں، جیسے کہ حسد، غرور اور لالچ اور اس کے بجائے ان اچھی خصوصیات کو اپنائیں جن کا اسلامی تعلیمات میں ذکر کیا گیا ہے، جیسے سخاوت، شکر اور صبر، تاکہ یہ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی طرف لے جائے۔ اس میں اسلامی تعلیمات کے مطابق ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا شامل ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرکے اور ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں صحیح طریقے سے رکھ کر دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کریں۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

تفرقہ پیدا کرنا

جب مکہ کے غیر مسلموں کو معلوم ہوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں ایک اسلامی ریاست قائم کر دی ہے اور یہاں تک کہ مقامی غیر مسلموں کے ساتھ معاہدوں پر دستخط کر دیے ہیں تو انہوں نے منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کو دھمکی آمیز خط بھیجا، جس میں انہیں تنبیہ کی گئی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑیں اور انہیں نکال دیں، ورنہ وہ مدینہ اور مدینہ کے خلاف فوجی مہم شروع کر دیں گے۔ عبداللہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو للکارنے کے لیے اپنے چند ساتھیوں کو جمع کیا، لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے بات کی اور انہیں یاد دلایا کہ مکہ کے غیر مسلم صرف ان کے درمیان مسائل پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے پیروکار پیچھے ہٹ گئے، لیکن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے بارے میں بغض رکھتے رہے۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 199 میں بحث کی گئی ہے۔

منافقت کی نشانی یہ ہے کہ انسان معاشرے میں فساد پھیلاتا ہے۔ یہ منفی خصوصیت خاندانی اکائی سے شروع ہوکر بین الاقوامی سطح پر ختم ہونے والی تمام سماجی سطحوں کو متاثر کرتی ہے۔ اس قسم کے لوگ لوگوں کو اچھائی پر متحد ہوتے دیکھنا ناپسند کرتے ہیں کیونکہ اس سے دوسروں کی دنیاوی حیثیت ان کے اپنے سے بڑھ جاتی ہے۔ یہ انہیں غیبت اور غیبت کی طرف لے جاتا ہے تاکہ لوگ ایک دوسرے کے خلاف ہو جائیں۔ ان کا برا رویہ ان کے اپنے رشتے داروں کو تباہ کر دیتا ہے اور جب وہ دوسرے خاندانوں کو دیکھتے ہیں جو خوش ہوتے ہیں تو یہ انہیں ان کی خوشیوں کو بھی تباہ کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ وہ فالٹ فائنڈر ہیں جو اپنا وقت دوسروں کی غلطیوں کی نقاب کشائی کرنے کے لیے وقف کرتے ہیں تاکہ ان کی سماجی حیثیت کو نیچے لے جا سکیں۔ وہ پہلے لوگ ہیں جنہوں نے دوسروں کے بارے میں گپ شپ شروع کی اور جب بھی اچھی بات کی جائے تو بہرے کام کرتے ہیں۔ امن اور سکون انہیں پریشان کرتا ہے لہذا وہ اپنے آپ کو تفریح کرنے کے لئے مسائل پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ سنن ابن ماجہ نمبر 2546 میں موجود حدیث کو یاد کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ یہ نصیحت کرتی ہے کہ جو شخص دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالے گا اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں پر پردہ ڈالے گا۔ لیکن جو شخص دوسروں کے عیب تلاش کرتا ہے اور ان کی پردہ پوشی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو لوگوں پر ظاہر کر دیتا ہے۔ تو درحقیقت، اس قسم کے افراد معاشرے کے سامنے صرف اپنے عیبوں کی پردہ پوشی کر رہے ہوتے ہیں حالانکہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ دوسروں کے عیبوں کو بے نقاب کر رہے ہیں۔

الہی سرپرستی

ابتداء میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کرتے تھے، خاص طور پر رات کے وقت، کیونکہ انہیں اپنے دشمنوں کے اچانک حملے کا اندیشہ تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے باب 5 المائدہ آیت 67 میں درج ذیل الفاظ نازل فرمائے:

‘‘اور اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ ’’

اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت نہ کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرما رہا تھا۔ جامع ترمذی نمبر 3046 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ مخلوق کی حفاظت اور حفاظت کرتا ہے اور ان کا خاص خیال رکھتا ہے۔ وہ فرمانبرداروں کو شیطان کی چالوں اور جال سے بچاتا ہے اور نافرمانوں کو اپنی فوری سزا سے بچاتا ہے تاکہ انہیں سچے دل سے توبہ کرنے کا موقع فراہم کرے۔

ایک مسلمان کو اس الٰہی صفت پر عمل کرنا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراہم کردہ وسائل کو استعمال کرتے ہوئے، لیکن ہر حال میں اس کی الہی نگہداشت اور انتخاب پر بھروسہ رکھے اور ہر صورت اور نتائج کا سامنا کرے، خواہ وہ کچھ انتخاب کے پیچھے حکمت کا مشاہدہ نہ کرے۔ اس سے صبر اور یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر قناعت کی ترغیب ملتی ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 3:

اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے کافی ہے‘‘۔’’

یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت لوگوں کی خواہشات کے مطابق نہیں ہے۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم اور حکمت کے مطابق ہے۔ لہذا، یہ بہترین وقت اور اس طرح سے ہوتا ہے جو اس میں شامل لوگوں کے لیے بہترین ہو۔ لہٰذا، انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت جاری رکھنی چاہیے، چاہے وہ اس کی حفاظت کو نہ پہچانے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ’’ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔‘‘

ایک مسلمان کو یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ وہ گمراہی اور عذاب سے صرف سرپرست یعنی اللہ تعالیٰ ہی محفوظ رہیں گے۔ یہ فخر کے تمام نشانوں کو دور کرتا ہے اور اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ وہ اس کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے اس کی حفاظت تلاش کریں۔ ایک مسلمان کو اس الٰہی صفت پر عمل کرنا چاہیے کہ وہ اپنے پاس موجود ہر امانت کی حفاظت کرے جیسا کہ ان کی نعمتوں کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق استعمال کرتے ہوئے۔ انہیں چاہیے کہ وہ اپنے افعال و کلام کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے محفوظ رکھیں۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید برکات حاصل کریں گے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ" کروں گا۔"

اچھے کاروبار کی اہمیت

مرکزی تجارتی منڈیوں پر یہودیوں کا کنٹرول تھا، جو سود جیسے غیر قانونی اور غیر منصفانہ طریقوں میں حصہ لیتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر اپنی مسجد کے قریب ایک بازار قائم کیا۔ انہوں نے منصفانہ اور منصفانہ کاروباری لین دین کی اہمیت کا خاکہ پیش کیا تاکہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ منصفانہ تجارت کریں۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 923-925 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 2146 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ تاجروں کو قیامت کے دن فاسقوں کے طور پر اٹھایا جائے گا سوائے ان لوگوں کے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، نیک عمل کرتے ہیں اور سچ بولتے ہیں۔

اس حدیث کا اطلاق ان تمام لوگوں پر ہوتا ہے جو تجارتی لین دین میں حصہ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، اس کے احکام کو بجا لاتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اس میں اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ درحقیقت، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ لوگ چاہتے ہیں کہ وہ سلوک کرے۔

کاروباری لین دین کے سلسلے میں، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی بات میں ایماندار ہو اور اس لین دین کی تمام تفصیلات اس میں شامل تمام لوگوں کو بتائے۔ صحیح بخاری نمبر 2079 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جب مسلمان مالی لین دین میں چیزوں کو چھپاتے ہیں جیسے کہ اپنے سامان میں خرابی تو یہ نعمتوں میں نقصان کا باعث بنتی ہے۔

راستبازی سے کام لینے میں دوسروں کو سامان کی ضرورت سے زیادہ ادائیگی کرکے دھوکہ دینے سے گریز کرنا شامل ہے۔ ایک مسلمان کو صرف دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ وہ ایمانداری اور پورے انکشاف کے ساتھ معنی خیز سلوک کریں۔ جس طرح ایک مسلمان مالی معاملات میں برا سلوک کرنا پسند نہیں کرے گا، اسی طرح وہ دوسروں کے ساتھ برا سلوک نہ کرے۔

نیک عمل کرنے میں اسلام اور زمین کے قانون میں زیر بحث غیر قانونی طریقوں سے بچنا شامل ہے۔ اگر کوئی اپنے ملک کے کاروباری قوانین سے خوش نہیں ہے تو اسے وہاں کاروبار نہیں کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ، نیک عمل کرنے میں یہ بھی شامل ہے کہ کسی کی کاروباری کامیابی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے استعمال کیا جائے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ ان کا کاروبار اور دولت دونوں جہانوں میں ان کے لیے سکون اور سکون کا ذریعہ بن جائے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

لیکن جو لوگ اپنی کاروباری کامیابی کا غلط استعمال کرتے ہیں وہ پائیں گے کہ یہ ان کے تناؤ اور پریشانی کا باعث بنتا ہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو بھول چکے ہیں، جس نے انہیں کامیابی عطا کی تھی۔ باب 20 طٰہٰ، آیت 124:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔"

کاروبار کرنے والوں کو ہمیشہ جھوٹ بولنے سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ بے حیائی کی طرف لے جاتا ہے اور فانی جہنم میں لے جاتا ہے۔ درحقیقت ایک شخص جھوٹ بولتا اور اس پر عمل کرتا رہے گا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا درج نہ ہو جائے۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

لڑنے کی اجازت

چونکہ اسلام کے دشمن، مکہ کے غیر مسلم، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مسلسل جارحیت کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے دفاع اور امن و انصاف کے قیام کی خاطر لڑنے کی اجازت دی۔ باب 22 الحج، آیت 39:

’’جن سے جنگ کی جا رہی ہے ان کو اجازت دی گئی ہے، کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا، اور یقیناً اللہ ان کو فتح دینے پر قادر ہے۔‘‘

اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 200-201 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ آیاتِ قرآنی کے معانی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے انہیں ان کے صحیح تناظر میں رکھنا چاہیے۔ یعنی کسی آیت یا حدیث کو اس سیاق و سباق کا مشاہدہ کیے بغیر تنہائی میں نہیں لیا جا سکتا جس میں کسی کے فعل کے جواز کے لیے یہ نازل ہوئی ہے۔ سیاق و سباق کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ان آیات و احادیث کا جائزہ لیا جائے جو اس سے جڑی ہوئی ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی روشنی میں۔ صرف اس طرح یہ واضح ہو جائے گا کہ کسی آیت یا حدیث سے کیا مراد ہے۔

مزید برآں، مسلمان صرف ایک جائز حکمران کے جھنڈے تلے بیرونی جارحیت کرنے والوں کے خلاف ہتھیار اٹھا سکتے ہیں اور جب یہ قرآن کریم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں پائے جانے والے احکام کے مطابق کیا جائے۔ لڑنے والوں کو ان حدود و قیود سے تجاوز کرتے ہوئے مسلسل اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔ ایسا ہی ایک قاعدہ جنگ کا سہارا صرف اس وقت ہے جب کسی پر حملہ کیا جائے، جیسا کہ زیر بحث مرکزی آیت سے اشارہ کیا گیا ہے۔ لہٰذا امن

کی حالت میں دشمن پر جسمانی جارحیت کا مظاہرہ کرنا حرام ہے۔ دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ جب دشمن جارحیت سے باز آجائے تو مسلمانوں کو بھی باز آنا چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 193:

’’ لیکن اگر وہ باز آجائیں تو پھر خلاف ورزی کرنے والوں کے علاوہ کوئی جارحیت [یعنی حملہ] نہیں ہو گی۔‘‘

اگر دشمن چاہے امن اسے دیا جانا چاہئے. باب 4 النساء، آیت 90:

’’ پس اگر وہ تم سے دور ہو جائیں اور تم سے جنگ نہ کریں اور صلح کی پیشکش کریں تو اللہ نے تمہارے لیے ان کے خلاف کوئی وجہ نہیں بنائی۔‘‘

تیسرا اصول یہ ہے کہ شہریوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ زیر بحث مرکزی آیت سے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ یہ فاسق ہے۔ اس کے علاوہ، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارہا عورتوں، بچوں، بزرگوں، اور بیماروں کے ساتھ ساتھ راہبوں اور حواریوں کو جنگ کے دوران نقصان پہنچانے سے منع فرمایا ہے۔ اس کی تصدیق بہت سی احادیث سے ہوئی ہے جیسے سنن ابوداؤد نمبر 2614 اور مسند احمد نمبر 2728۔

اسلام کے پہلے خلیفہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کے قتل سے منع فرمایا۔ اس نے پھل دار درختوں کو کاٹنے، املاک کو نقصان پہنچانے اور مویشیوں کو مارنے سے منع کیا۔ اس کی تلقین مصحف ابن ابی شیبہ نمبر 33121 میں کی گئی ہے۔

اسلام کے دوسرے خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی فوجوں پر واضح کر دیا کہ وہ کسان جیسے غیر فوجیوں کو نقصان نہ پہنچائیں۔ اس کی تلقین مصحف ابن ابی شیبہ نمبر 33120 میں کی گئی ہے۔

آنے والے تنازعہ کی صورت میں مسلم قوم کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہر ممکن تیاری کریں۔ اس تیاری کا مقصد دشمن کو حملہ کرنے سے روکنا ہے، اس صورت میں اگر دشمن امن کا خواہاں ہے تو اسے اس کی اجازت دی جائے۔ باب 8 انفال، آیات 60-61:

’’اور ان کے مقابلے میں جو کچھ تم طاقت رکھتے ہو اور جنگی سواریاں تیار کرو جس سے تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو خوف زدہ کر سکو اور اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو اس کی طرف مائل ہو جاؤ۔‘‘

ان لوگوں سے لڑنے کی اجازت دی گئی ہے جو مسلمانوں کے ساتھ اپنے معاہدوں کی پاسداری نہیں کرتے۔ توبہ میں باب 9، آیات 12-13:

"اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین کو بدنام کریں تو کفر کے سرداروں سے مقابلہ کرو، کیونکہ ان کے لیے کوئی قسمیں نہیں ہیں، کیا تم ان لوگوں سے نہیں لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ دیں اور رسول کو نکالنے کا ارادہ کیا اور انہوں نے تم پر حملہ شروع کیا؟"

اسلام نے اپنے معاہدوں کا احترام کرنے والوں پر حملہ کرنے سے منع کیا ہے۔ باب 9 توبہ آیت 7:

پس جب تک وہ تمہاری طرف سیدھے ہیں، ان کے ساتھ سیدھے رہو، بے شک اللہ نیک لوگوں ’’
سے محبت کرتا ہے‘‘۔

کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ یہ ایک ایسی چیز ہے
جسے نہ صرف زبان اور عمل سے قبول کرنا ضروری ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 256:

دین میں کوئی جبر نہیں ہوگا‘‘۔’’

مسلمانوں کے ساتھ امن رکھنے والوں کے ساتھ ہر حال میں انصاف کیا جائے۔ باب 60 الممتحنہ،
آیات 8-9:

"اللہ تمہیں ان لوگوں سے نہیں روکتا جو تم سے دین کی وجہ سے نہیں لڑتے اور تمہیں تمہارے
گھروں سے نہیں نکالتے - ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان کے ساتھ انصاف کرنے سے،
بے شک اللہ عدل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے، اللہ تمہیں صرف ان لوگوں سے منع کرتا ہے جو
تم سے لڑتے ہیں۔ دین کے بارے میں اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکال دو اور تمہارے نکالنے
میں مدد...

جنگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے اور مسلمانوں کو اس پر مجبور ہونا چاہیے اور اس کی
خواہش نہیں کرنی چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

تم پر جنگ فرض کی گئی ہے جبکہ وہ تمہارے لیے ناگوار ہے‘‘۔’’

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں تک کہ مسلمانوں کو جنگ کی خواہش نہ کرنے کی تلقین کی اور اس کے بجائے انہیں اللہ تعالیٰ سے سلامتی کی خواہش کا حکم دیا۔ لیکن اگر انہیں دشمن کا سامنا کرنا پڑا تو انہیں ثابت قدم رہنا چاہیے۔ اس کا ذکر صحیح بخاری نمبر 2966 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔

ان آیات کا اصل مقصد اس بات پر زور دینا ہے کہ طاقت کا استعمال صرف اس وقت کیا جائے جب اس کا استعمال ناگزیر ہو، صرف اس حد تک جو بالکل ضروری ہو اور قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی رہنمائی میں ہو۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ کسی آیت یا حدیث کا صحیح تناظر میں جائزہ لینا ضروری ہے تاکہ یہ سمجھا جا سکے کہ اس کا اطلاق کون، کیا اور کہاں ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے بہت سے لوگ جان بوجھ کر یا غیر دانستہ طور پر اس طرح لڑنے پر آیات و احادیث کی تشریح کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ ایک بہت مشہور مثال ایک آیت کی ہے جسے سورہ آیت کہا جاتا ہے حالانکہ قرآن پاک میں لفظ "تلوار "کا ذکر نہیں ہے۔ باب 9 توبہ آیت 5:

اور جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور انہیں پکڑو اور ان'' کا محاصرہ کرو اور ہر گھات کی جگہ پر ان کی تاک میں بیٹھو۔''

جیسا کہ پہلے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ جنگ کا یہ بیان بھی مخصوص شرائط اور امن کی رعایتوں تک محدود ہے۔ اس کے علاوہ اس اور دیگر متعلقہ آیات کے تاریخی سیاق و سباق کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ یہ غیر مسلموں سے لڑنے کا کوئی عالمی اصول نہیں ہے۔ یعنی آیت سے مراد لوگوں کا ایک مخصوص گروہ ہے، ایک خاص وقت اور ایک خاص جگہ پر۔

تلوار والی آیت کی اردگرد کی آیات متعدد بار واضح طور پر اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ مشرکین کا ذکر صرف وہ لوگ ہیں جنہوں نے بار بار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنے امن معاہدوں کی خلاف ورزی کی اور امت مسلمہ اور اس کے اتحادیوں کے خلاف پرتشدد جارحیت کی کارروائیوں میں مصروف رہے۔ مثال کے طور پر، تلوار والی آیت سے فوراً پہلے والی آیت، معنی، باب 9 توبہ، آیت 4، بیان کرتی ہے:

"سوائے وہ لوگ جن سے تم نے مشرکوں کے درمیان معاہدہ کیا اور پھر انہوں نے تم سے کسی چیز میں کوتاہی نہیں کی اور نہ ہی تمہارے خلاف کسی کی حمایت کی، تو ان کے لیے ان کے عہد کو ان کی میعاد ختم ہونے تک پورا کرو، بے شک اللہ پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے۔"

اس کے بعد متعلقہ آیت میں ایک اور حکم آیا ہے، باب 9 توبہ، آیت 7:

"مشرکوں کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کوئی معاہدہ کیسے ہو سکتا ہے، سوائے ان کے جن سے تم نے مسجد الحرام میں معاہدہ کیا ہے، جب تک وہ تمہاری طرف سیدھے ہیں، ان کے ساتھ سیدھے رہو، بے شک اللہ پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے۔"

ان مشرکوں کے جرائم جن کے خلاف جنگ کا حکم دیا گیا تھا دوسری متعلقہ آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ توبہ میں باب 9، آیات 8-10:

’’کیسے ہو سکتا ہے کہ اگر وہ تم پر غلبہ حاصل کر لیں تو وہ تمہارے بارے میں کسی عہد و پیمان کی پاسداری نہیں کرتے، منہ سے تم کو مطمئن کرتے ہیں، لیکن ان کے دل انکار کرتے ہیں، اور

،ان میں سے اکثر نافرمان ہیں، انہوں نے اللہ کی نشانیوں کو تھوڑی سی قیمت کے بدلے بدل دیا ہے اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت اور برائی تھی۔ وہ کسی مومن کے ساتھ رشتہ داری یا حفاظت کے عہد کی پاسداری نہیں کرتے اور وہی لوگ فاسق ہیں۔

اور باب 9 توبہ، آیات 12-13:

"اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین کو بدنام کریں تو کفر کے سرداروں سے لڑو، کیونکہ ان کے لیے کوئی قسمیں نہیں ہیں،]ان سے لڑو [کہ وہ باز آجائیں، کیا ،تم ان لوگوں سے نہیں لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑیں اور رسول کو نکالنے کا ارادہ کیا "اور انہوں نے تم پر حملہ شروع کیا؟

مخصوص مشرکین نے مسلسل اپنے معاہدوں کو توڑا اور اسلام کے خلاف دوسروں کی مدد کی۔ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف دشمنی شروع کی، لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکا، مسلمانوں کو مکہ اور مسجد الحرام سے نکال دیا۔ مذکورہ آیات میں کم از کم آٹھ مرتبہ مسلمانوں کے خلاف ان کے جرائم کا ذکر کیا گیا ہے۔

باب 9 توبہ، آیت 12 میں، جس کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے، "کفر کے رہنماؤں "سے لڑنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی جارحیت سے "باز آجائیں"۔ باقی آیات کی طرح یہ آیات بھی جنگ کے وقت مخصوص حالات پر عمل کرنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہیں جیسے صرف ان سے لڑنا جو پہلے لڑتے ہیں۔

اس کے علاوہ ان مشرکین کو اب بھی بہت سی تنبیہات اور رعایتیں دی جاتی تھیں۔ انہیں چار ماہ کی مہلت اور امن کی مدت دی گئی۔ باب 9 توبہ آیت 2:

پس اے کافرو، چار مہینے پورے ملک میں سفر کرو، لیکن جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر"
"سکتے۔

اور باب 9 توبہ آیت 5:

اور جب غضبناک]چار [مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور انہیں پکڑو اور''
''ان کا محاصرہ کرو اور ہر گھات کی جگہ پر ان کی تاک میں بیٹھو۔

یہ مہلت اس لیے دی گئی کہ یا تو وہ اسلام قبول کر لیں یا پرامن طریقے سے جزیرہ نما عرب سے نکل جائیں۔ اس کے علاوہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا تھا کہ ان مشرکوں میں سے جو بھی اس کی درخواست کریں اسے تحفظ فراہم کریں تاکہ انہیں بغیر کسی خوف اور دباؤ کے اسلام کی تعلیمات سننے کا موقع ملے یا وہ کسی نقصان کے خوف کے بغیر جزیرہ نمائے عرب سے امن کے ساتھ نکل سکیں۔ باب 9 توبہ آیت 6:

اور اگر مشرکوں میں سے کوئی تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دو تاکہ وہ اللہ کا کلام سن''
''لے، پھر اسے اس کے امن کی جگہ پہنچا دو، یہ اس لیے کہ وہ لوگ نہیں جانتے۔

تلوار والی آیت میں ان مشرکین سے لڑنے اور قتل کرنے کا حکم صرف اس صورت میں نافذ العمل ہو گا جب یہ چار ماہ کی مہلت کے بعد بھی اسلام قبول کیے بغیر جزیرہ نما عرب میں موجود رہیں۔ غور طلب ہے کہ بہت سے مشرکین نے اس مہلت سے فائدہ اٹھایا اور اسلام قبول کیا۔ اس مہلت کی وجہ سے لڑائی ختم ہو گئی اور تلوار والی آیت کی وجہ سے کوئی خون نہیں بہایا گیا کیونکہ اس آیت کا مقصد مزید خونریزی سے روکنا تھا کہ یا تو یہ مشرکین اسلام قبول کر لیں یا جزیرہ نما عرب کو امن کے ساتھ چھوڑ دیں۔

اختتام پر، ارد گرد کی آیات اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی، تلوار والی آیت کو اس کے صحیح تناظر میں رکھیں۔ یعنی یہ آیات خاص طور پر مسلمانوں کے خلاف مخصوص دشمن مشرکوں کے حملوں کو روکنے کے لیے نازل ہوئی ہیں۔ اس لیے ان کے بعد دوسروں پر ان کا اطلاق خالی نہیں ہو سکتا۔

ہجرت کے بعد دوسرا سال

نماز کی سمت میں تبدیلی

ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے سامنے

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے دوسرے سال، نماز کا رخ، قبلہ، یروشلم میں مسجد اقصیٰ سے بدل کر مکہ میں خانہ کعبہ کر دیا گیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تبدیلی کی خواہش کی اور اپنا چہرہ مبارک آسمان کی طرف کر کے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ آیت نمبر 144 نازل فرمائی۔

”ہم نے یقیناً تمہارا چہرہ آسمان کی طرف پھیرتے ہوئے دیکھا ہے اور ہم تمہیں ضرور قبلہ کی طرف پھیریں گے جس سے تم راضی ہو جاؤ گے، لہٰذا اپنا منہ مسجد الحرام کی طرف پھیر لو، اور تم جہاں کہیں بھی ہو، اپنے منہ اس کی طرف پھیر لو۔“

امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 2 صفحہ 248 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو اپنی نماز کے دوران مکہ میں خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ دن بھر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا سامنا کرنے کی یاد دلائیں۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو صحیح طریقے سے عطا کی گئی ہیں جیسا کہ قرآن پاک اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اسلام ایک مکمل طرز زندگی ہے جس کے تحت ہر دن اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسلام صرف مذہبی رسومات کا مجموعہ

نہیں ہے جو دن میں، ہفتے میں یا سال میں چند بار ادا کی جاتی ہیں۔ اگر کوئی اسلام کے ساتھ ایسا سلوک کرے گا تو وہ لامحالہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کریں گے جو انہیں دی گئی ہیں، چاہے وہ بنیادی مذہبی رسومات کو پورا کیوں نہ کریں۔ یہ انہیں متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرنے سے روکے گا اور ان کو اپنی زندگی میں ہر چیز اور ہر چیز کو غلط جگہ دینے کا سبب بنے گا۔ اس لیے یہ رویہ انہیں ذہنی سکون حاصل کرنے سے روکے گا۔ اس غلط رویہ کو اپنانا ایک بڑی وجہ ہے کہ مسلمان اسلام کی بنیادی مذہبی رسومات جیسے کہ پانچ وقت کی فرض نمازوں کو پورا کرنے کے باوجود ذہنی سکون حاصل نہیں کر پاتے۔

نماز کی ہدایت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے دوسرے سال، نماز کا رخ، قبلہ، یروشلم میں مسجد اقصیٰ سے بدل کر مکہ میں خانہ کعبہ کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 143 میں ایک کے بعد ایک دو جہات کا مقصد بیان فرمایا:

”اور ہم نے اس قبلہ کو نہیں بنایا جس کی طرف تم منہ کرتے تھے مگر یہ کہ ہم یہ ظاہر کر دیں کہ کون رسول کی پیروی کرے گا اور کون اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے گا“۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 249 میں بحث کی گئی ہے۔

یکے بعد دیگرے دو دعائیہ سمتوں کا مقصد یہ تھا کہ اس تبدیلی میں اور زندگی کی جس سمت کا انتخاب کیا اس میں ان کی پیروی کر کے یہ ظاہر کرنا تھا کہ کون واقعی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخلص ہے۔ لہٰذا ان کی زندگی اور تعلیمات کو سیکھ کر اور ان پر عمل کرتے ہوئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان، محبت اور احترام کے ان کے زبانی اعلان کی تائید کرنی چاہیے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

”کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

اور باب 59 الحشر، آیت 7:

‘‘اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔’’

اور باب 4 النساء آیت 80:

‘‘جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔’’

اور باب 33 الاحزاب، آیت 21:

یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم’’ آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہے۔‘‘

انسان کو اپنے کردار کو اس کے مبارک کردار کے مطابق بنانا چاہیے تاکہ وہ صبر، شکر اور سخاوت جیسی اچھی صفات کو اپنا لیں اور حسد، غرور اور لالچ جیسی منفی خصوصیات کو ترک کر دیں۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ ذہنی سکون حاصل کرتے ہیں، کیونکہ مثبت خصوصیات کو اپنانے سے مثبت ذہنیت جنم لیتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی اور تعلیمات کو سیکھنا اور ان پر عمل کرنا بھی اس بات کو یقینی بنائے گا کہ کوئی شخص بیرونی دنیا میں ان کی صحیح نمائندگی کرتا ہے۔ جو ایسا کرنے میں ناکام رہے گا وہ لامحالہ اس کی غلط تشریح کرے گا اور اس لیے غیر مسلموں اور دیگر مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے روک دے گا۔ اس کو غلط طریقے سے پیش کرنے سے بیرونی دنیا بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تنقید کرنے کا سبب بنے گی جب وہ مسلمانوں کے برے رویے کو دیکھیں گے۔ یہ وہ چیز

ہے جس کا ہر مسلمان جواب دے گا کیونکہ یہ ان پر فرض ہے کہ وہ بیرونی دنیا میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح نمائندگی کریں۔

،اس کے علاوہ سابقہ امتوں کی طرح جو اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت کا دعویٰ کرتی ہیں آخرت میں ان کے ساتھ شامل نہیں ہوں گی کیونکہ وہ عملی طور پر ان کی پیروی کرنے میں ناکام رہی ہیں، اور نہ ہی وہ مسلمان جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی طور پر پیروی کرنے میں ناکام رہے ہیں، آخرت میں ان کے ساتھ شامل نہیں ہوں گے۔ اس کے بجائے، ایک شخص ان لوگوں میں شامل ہو جائے گا جن کی وہ اس دنیا میں عملی طور پر نقل کرتے تھے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4031 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔

اچھی کوشش اور ایمان کو قائم کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے دوسرے سال، نماز کا رخ، قبلہ، یروشلم میں مسجد اقصیٰ سے بدل کر مکہ میں خانہ کعبہ کر دیا گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دعا قبول ہوتی ہے جو نماز کی سمت بدلنے سے پہلے فوت ہو گئے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ البقرہ آیت 143 نازل فرمائی:

’’اور اللہ آپ کو کبھی بھی آپ کے ایمان سے محروم نہ کرے گا، بے شک اللہ لوگوں پر مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔‘‘

یہ جامع ترمذی نمبر 2964 میں موجود حدیث میں درج ہے۔

یہ واقعہ باب 11 ہود، آیت 115 سے مربوط ہے:

’’اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں ہونے دیتا۔‘‘

یہ آیت امید فراہم کرتی ہے کہ جب تک کوئی حلال اور فائدہ مند کام کرنے کی کوشش کرے گا اس کی کوششیں ضائع نہیں ہوں گی۔ اگر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی کوششوں کو ضائع نہیں کرتا جو اس پر ایمان بھی نہیں رکھتے تو وہ ان مسلمانوں کی حمایت کیوں نہیں کرے گا جو اس کی وحدانیت اور ربوبیت پر یقین رکھتے ہیں؟ اگر اللہ تعالیٰ مادی دنیا کے لیے لوگوں کی کوششوں کو ضائع

نہیں کرتا تو آخرت کی بھلائی کے لیے کوشش کرنے والوں کی کوششوں کو کیسے ضائع کر سکتا ہے؟

لہٰذا لوگوں کو دنیا اور آخرت دونوں میں بھلائی حاصل کرنے کی کوشش کو کبھی ترک نہیں کرنا چاہیے۔ بدقسمتی سے، کچھ مسلمانوں نے کچھ مشکلات کا سامنا کرنے کے بعد حلال آمدنی حاصل کرنے کی جدوجہد ترک کردی ہے۔ اس کے بجائے وہ سماجی فوائد حاصل کرنے کا انتخاب کرتے ہیں اور معاشرے پر بوجھ بن جاتے ہیں۔ جو لوگ وظائف حاصل کرنے کے حقدار ہیں وہ ان سے استفادہ کرتے رہیں کیونکہ یہ ان کا حق ہے۔ لیکن جو اپنے لیے کمانے کی استطاعت رکھتے ہیں انہیں ایسا کرنا چاہیے۔

یہ آیت مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کرتی ہے کہ وہ دوسروں کے ساتھ بھلائی کرتے رہیں چاہے وہ ان کی کوششوں کی تعریف نہ کریں۔ اگر کوئی خلوص نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرے تو اسے یقین ہونا چاہیے کہ ان کی کاوشیں درج ہو چکی ہیں اور اس کا اجر دونوں جہانوں میں ملے گا۔

نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان جو بھی جائز عمل انجام دے خواہ اس کا دنیاوی کام ہو، جیسا کہ کاروبار کا موقع ہو، یا چاہے وہ کوئی دینی کام انجام دے، اسے یہ جان کر پوری کوشش کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جلد یا بدیر ان کی مدد کرے گا اور انہیں کامیابی عطا کرے گا۔

باب 2 اس کے علاوہ، زیر بحث اہم واقعہ واضح طور پر ایمان کو فرض نمازوں سے جوڑتا ہے۔ البقرہ، آیت 143:

’’اور اللہ آپ کو کبھی بھی آپ کے ایمان سے محروم نہ کرے گا، بے شک اللہ لوگوں پر مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔‘‘

غور طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نماز کی جگہ ایمان کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرض نمازوں کو قائم کیے بغیر کوئی سچا ایمان نہیں رکھ سکتا۔

جامع ترمذی نمبر 2618 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ فرض نمازوں کو چھوڑنا ایمان اور کفر میں فرق ہے۔

اس دن اور عمر میں یہ بہت عام ہو گیا ہے۔ بہت سے لوگ معمولی وجوہات کی بنا پر اپنی فرض نمازیں ترک کر دیتے ہیں جو کہ بلاشبہ رد ہیں۔ اگر جنگ کرنے والے پر نماز کی فرضیت ختم نہیں ہوئی تو کسی اور سے کیسے ہٹائی جائے گی؟ باب 4 النساء، آیت 102:

’’اور جب تم ان کے درمیان ہو اور ان کی امامت کرو تو ان میں سے ایک گروہ تمہارے ساتھ کھڑا ہو اور وہ اپنے ہتھیار اٹھائے اور جب وہ سجدہ کر لیں تو وہ تمہارے پیچھے ہوں اور دوسرے گروہ کو آگے آنے دیں جنہوں نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی ہے اور وہ احتیاط کرتے ہوئے اور اپنے ہتھیار اٹھائے ہوئے تمہارے ساتھ نماز پڑھیں۔‘‘

نہ مسافر اور نہ بیمار اپنی فرض نمازوں سے مستثنیٰ ہیں۔ مسافر کو بعض فرض نمازوں میں چکروں کی مقدار کو کم کرنے کی تلقین کی گئی ہے تاکہ ان پر بوجھ کم ہو جائے لیکن وہ ان کی ادائیگی سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ باب 4 النساء، آیت 101:

’’...اور جب تم پورے ملک میں سفر کرتے ہو تو تم پر نماز قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں‘‘

بیماروں کو خشک وضو کرنے کی تلقین کی گئی ہے اگر پانی سے رابطہ انہیں نقصان پہنچاتا ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 6:

”لیکن اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کی جگہ سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے رابطہ کیا ہو اور پانی نہ ملے تو صاف زمین تلاش کرو اور اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو۔“

اس کے علاوہ بیمار فرض نماز اس طریقے سے ادا کرسکتے ہیں جو ان کے لیے آسان ہو۔ یعنی اگر کھڑے نہیں ہو سکتے تو بیٹھ سکتے ہیں اور اگر بیٹھ نہیں سکتے تو لیٹ کر فرض نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 372 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ لیکن پھر یہ کہ بیمار کو مکمل رعایت نہیں دی جاتی جب تک کہ کوئی ذہنی مریض نہ ہو جو اسے نماز کی فرضیت کو سمجھنے سے روکتا ہو۔

دوسرا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ بعض مسلمان اپنی فرض نمازوں میں تاخیر کرتے ہیں اور صحیح اوقات سے زیادہ پڑھتے ہیں۔ یہ قرآن کریم سے واضح طور پر متصادم ہے کیونکہ مومنین کو اپنی فرض نمازیں وقت پر ادا کرنے والے کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ باب 4 النساء، آیت 103:

”بے شک نماز مومنوں پر مقررہ اوقات کے لیے فرض کی گئی ہے۔“

بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ قرآن کریم کی درج ذیل آیت سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی فرض نمازوں میں بلاوجہ تاخیر کرتے ہیں۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 10، صفحہ 603-604 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ باب 107 المعون، آیات 4-5:

"پس خرابی ہے ان نمازیوں کے لیے، جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔"

یہاں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ان لوگوں پر لعنت فرمائی ہے جنہوں نے اس بری صفت کو اختیار کیا ہے۔ اگر کوئی اللہ کی رحمت سے دور ہو جائے تو اس دنیا یا آخرت میں کامیابی کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 512 میں موجود ایک حدیث میں فرمایا کہ فرض نماز میں بلا ضرورت تاخیر کرنا نفاق کی علامت ہے۔ قرآن کریم نے واضح کیا ہے کہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی ایک بڑی وجہ فرض نمازوں کو قائم نہ کرنا ہے۔ باب المدنثیر، آیات 42-43 74:

]اور ان سے پوچھنا" [تمہیں کس چیز نے سقر میں ڈالا؟ "وہ کہیں گے" :ہم نماز پڑھنے والوں میں" "سے نہیں تھے۔

فرض نمازوں کا ترک کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2621 میں موجود حدیث میں اعلان فرمایا کہ جس نے یہ گناہ کیا اس نے اسلام سے کفر کیا۔

اس کے علاوہ کوئی اور نیک عمل کسی مسلمان کو اس وقت تک فائدہ نہیں دے گا جب تک کہ اس کی فرض نمازیں قائم نہ ہوں۔ صحیح بخاری نمبر 553 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر عصر کی فرض نماز چھوٹ جائے تو اس کے نیک اعمال ضائع ہو جاتے

ہیں۔ اگر ایک فرض نماز کے ترک کرنے کا یہ حال ہے تو کیا ان سب کو چھوڑنے کی سزا کا تصور کیا جا سکتا ہے؟

صحیح مسلم کی حدیث نمبر 252 میں فرض نمازوں کو ان کے صحیح اوقات میں پڑھنے کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین اعمال میں سے ایک ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ فرض نمازوں میں وقت سے زیادہ تاخیر کرنا یا ان کو مکمل طور پر غائب کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ کام ہے۔

تمام بزرگوں کے لیے یہ ایک اہم فریضہ ہے کہ وہ اپنے زیر کفالت بچوں کو چھوٹی عمر سے ہی فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دیں تاکہ وہ ان پر شرعی طور پر پابند ہونے سے پہلے ہی اسے قائم کر لیں۔ وہ بالغ جو اس میں تاخیر کرتے ہیں اور بچوں کے بڑے ہونے تک انتظار کرتے ہیں اس انتہائی اہم فریضے میں ناکام رہے ہیں۔ جن بچوں کو صرف فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دی گئی تھی جب یہ ان پر فرض ہو گئی تھی، وہ بہت کم ہی انہیں جلدی قائم کرتے تھے۔ زیادہ تر معاملات میں اس اہم فرض کو صحیح طریقے سے نبھانے میں انہیں برسوں لگ جاتے ہیں۔ اور قصور خاندان کے بزرگوں پر، خاص طور پر والدین پر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 495 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت کی ہے کہ خاندان سب سے زیادہ اپنے بچوں کو جب سات سال کے ہو جائیں تو فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

ایک اور بڑا مسئلہ جس کا بہت سے مسلمانوں کو سامنا ہے وہ یہ ہے کہ وہ فرض نماز تو ادا کر سکتے ہیں لیکن صحیح طریقے سے ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر، بہت سے لوگ نماز کے مراحل کو صحیح طریقے سے مکمل نہیں کر پاتے اور اس کے بجائے اس میں جلدی کرتے ہیں۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 757 میں موجود ایک حدیث واضح طور پر تنبیہ کرتی ہے کہ اس طرح کی نماز پڑھنے والے نے بالکل نماز نہیں پڑھی۔ یعنی ان کا ذکر اس شخص کے طور پر نہیں ہے جس نے اپنی نماز پڑھی اور اس وجہ سے ان کی ذمہ داری پوری نہیں ہوئی۔ جامع ترمذی نمبر 265 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص نماز کے ہر مقام پر قائم نہیں رہتا اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں رکوع اور سجدہ نہ کرنے والے کو بدترین چور قرار دیا۔ موطا مالک، کتاب نمبر 9، حدیث نمبر 75 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے۔ بدقسمتی سے بہت سے مسلمان جنہوں نے کئی دہائیاں فرض اور اس جیسی بہت سی نفلی نمازیں ادا کی ہیں، ان میں سے کسی نے بھی شمار نہیں کیا اور اس طرح ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے گا جس نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ 1313

قرآن پاک عام طور پر مسجد میں جماعت کے ساتھ فرض نماز ادا کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 43:

‘‘اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔’’

درحقیقت اس آیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی بنا پر بعض معتبر علماء نے اس کو مسلمان مردوں پر واجب قرار دیا ہے۔ مثال کے طور پر سنن ابوداؤد نمبر 550 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ جو مسلمان اپنی فرض نمازیں مسجد میں باجماعت ادا نہیں کریں گے انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے منافق قرار دیا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مردوں کے گھروں کو جلانے کی دھمکی بھی دی تھی جو بغیر کسی عذر کے باجماعت مسجد میں اپنی فرض نمازیں ادا کرنے میں ناکام رہے تھے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 1482 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ جو مسلمان اس اہم عمل کو انجام دینے کی پوزیشن میں ہوں وہ کریں۔ انہیں یہ دعویٰ کرنے میں خود کو بیوقوف نہیں بنانا چاہئے کہ وہ دوسرے نیک کام انجام دے رہے ہیں جیسے کہ گھر کے کاموں میں اپنے خاندان کی مدد کرنا۔ یوں تو صحیح بخاری نمبر 676 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے، لیکن ضروری ہے کہ آپ کی روایات کی اہمیت کو اپنی خواہشات کے مطابق ترتیب نہ دیا جائے۔ جو کوئی ایسا کرتا ہے وہ اس کی روایات کی پیروی نہیں کر رہا ہے وہ صرف اپنی خواہشات کی پیروی کر رہا ہے خواہ وہ نیک عمل ہی کیوں نہ کر رہا ہو۔ درحقیقت اسی حدیث کا اختتام اس نصیحت سے ہوتا ہے کہ جب فرض نماز کا وقت ہوتا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد کی طرف روانہ ہوتے۔

اس کے علاوہ، جیسا کہ روزانہ کی نمازیں تمام پھیلی ہوئی ہیں، یہ روزِ قیامت کی مستقل یاد دہانی کے طور پر کام کرتی ہیں اور عملی طور پر اس کی تیاری کرتی ہیں، کیونکہ فرض نماز کا ہر مرحلہ قیامت سے جڑا ہوا ہے۔ جب کوئی صحیح معنوں میں کھڑا ہوتا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح کھڑا ہوتا ہے۔ باب 83 المطففین، آیات 4-6:

" کیا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے، ایک عظیم دن کے لیے جس دن انسان رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے؟"

جب وہ جھکتے ہیں، تو یہ انہیں بہت سے لوگوں کی یاد دلاتا ہے جن پر قیامت کے دن تنقید کی جائے گی کہ انہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ نہ کیا۔ باب 77 المرسلات، آیت 48:

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رکوع کرو تو وہ رکوع نہیں کرتے۔

اس تنقید میں زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو عملی طور پر تسلیم نہ کرنا بھی شامل ہے۔ جب کوئی نماز میں سجدہ کرتا ہے تو یہ انہیں یاد دلاتا ہے کہ کس طرح لوگوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے کی دعوت دی جائے گی۔ لیکن وہ لوگ جنہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران اسے صحیح طریقے سے سجدہ نہیں کیا، جس میں ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اس کی اطاعت شامل ہے، وہ قیامت کے دن ایسا نہیں کر سکیں گے۔ باب 68 القلم، آیات 42-43:

"جس دن حالات سنگین ہو جائیں گے، انہیں سجدہ کرنے کی دعوت دی جائے گی، لیکن ایسا کرنے سے روکا جائے گا، ان کی نظریں جھکی ہوئی ہوں گی، ذلت ان پر چھائی ہوئی ہے، اور انہیں سجدے کی طرف بلایا جاتا تھا جب وہ ٹھیک تھے۔"

جب کوئی نماز میں گھٹنوں کے بل بیٹھتا ہے تو یہ انہیں یاد دلاتا ہے کہ وہ کس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے آخری فیصلے سے ڈرتے ہوئے اس مقام پر بیٹھے ہوں گے۔ باب 45 الجثیہ، آیت 28:

اور تم ہر امت کو گھٹنے ٹیکتے ہوئے دیکھو گے اور ہر قوم کو اس کے اعمال نامے کی طرف بلایا جائے گا کہ آج تمہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

جو ان عناصر کو ذہن میں رکھ کر نماز پڑھے گا وہ اپنی نماز کو صحیح طور پر قائم کرے گا۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ نماز کے درمیان خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔
باب 29 العنکبوت، آیت 45:

‘‘...بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے’’

اس اطاعت میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو راضی کرنے کے طریقے سے عطا کی گئی ہیں جیسا کہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

بنچ کے لوگ

نماز کا رخ تبدیل ہونے کے بعد قبلہ، مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا جنوبی حصہ، پھر مسجد کا پچھلا حصہ بن گیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اس حصے پر چھت بنائی جائے تاکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کے پاس رہنے کی جگہ نہ تھی اور غریب تھے وہ وہاں رہ سکتے تھے جیسا کہ مدینہ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سب کے لیے گھر نہیں بنا سکتے تھے۔ ان کی تعداد سال بھر میں مختلف ہوتی تھی اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذاتی طور پر ان کی میزبانی کرتے تھے۔ جو بھی صدقہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تقسیم کرنے کے لیے آتا تھا، وہ اور آپ کے اہل و عیال اس میں سے کوئی حصہ نہیں لیتے تھے اور وہ اسے مدینہ کے غریبوں اور خصوصاً ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تقسیم کرتے تھے۔ اگر کوئی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدیہ بھیجتا تو اس میں سے کچھ اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے استعمال کرتا اور باقی غریبوں کو اور خاص طور پر ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دے دیتا۔ یہ لوگ اہل صفہ کے نام سے مشہور ہوئے، یعنی بنچ کے لوگ۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی جلد 1، صفحہ 734-736 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ان میں سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے پاس دولت اور جائیداد تھی لیکن انہوں نے سب کچھ چھوڑ کر ہجرت کرنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کا انتخاب کیا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست سیکھ سکیں۔

یہ باب 47 محمد، آیت 7 سے مربوط ہے :

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم اللہ کا ساتھ دو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم" "جمائے گا۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اسلام کی مدد کرے گا تو اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں ان کی مدد کرے گا۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ بے شمار لوگ اللہ تعالیٰ کی مدد کے خواہاں ہیں، لیکن اس آیت کے پہلے حصے کو اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر کے پورا نہیں کرتے۔ اکثر لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ان کے پاس اعمال صالحہ کے لیے وقت نہیں ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے خواہاں ہیں، پھر بھی ان کاموں کے لیے وقت نہیں نکالیں گے جن سے وہ خوش ہے۔ کیا یہ معنی رکھتا ہے؟ جو لوگ فریضہ ادا نہیں کرتے اور پھر ضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ سے مدد کی امید رکھتے ہیں وہ بالکل بے وقوف ہیں۔ اور جو لوگ واجبات کو پورا کرتے ہیں لیکن ان سے آگے جانے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ انہیں ملنے والی امداد محدود ہے۔ کس طرح برتاؤ کیا جاتا ہے اس کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے۔ جتنا زیادہ وقت اور توانائی اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہوگی، انہیں اتنی ہی زیادہ مدد ملے گی۔ یہ واقعی اتنا آسان ہے۔

،ایک مسلمان کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ زیادہ تر واجبات، جیسے کہ پانچ وقت کی نمازیں صرف ایک دن میں تھوڑا سا وقت لیتی ہیں۔ ایک مسلمان یہ توقع نہیں کر سکتا کہ وہ دن میں بمشکل ایک گھنٹہ فرض نماز کی ادائیگی کے لیے وقف کرے اور پھر باقی دن اللہ تعالیٰ سے غافل رہے اور پھر بھی تمام مشکلات میں اس سے مسلسل مدد کی امید رکھے۔ ایک شخص اس دوست کو ناپسند کرے گا جو اس کے ساتھ ایسا سلوک کرے۔ تو پھر اللہ رب العالمین کے ساتھ ایسا سلوک کیسے ہو سکتا ہے؟

کچھ لوگ صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اضافی وقت صرف کرتے ہیں، جب انہیں کوئی دنیوی مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو اس سے اس کو حل کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں گویا انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ایک احسان رضاکارانہ طور پر کیا ہے۔ یہ احمقانہ ذہنیت واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی بندگی کے خلاف ہے۔ یہ حیرت انگیز ہے کہ اس قسم کے لوگ اپنی تمام تفریحی سرگرمیاں، جیسے کہ خاندان اور دوستوں کے ساتھ وقت گزارنے، ٹی وی دیکھنا اور سماجی تقریبات میں شرکت کے لیے کیسے وقت نکالتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے وقت نہیں نکال پاتے۔ وہ قرآن پاک کی تلاوت اور اس کی تعلیمات کو اپنانے کے لیے وقت نہیں نکال پاتے۔ انہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطالعہ اور ان پر عمل کرنے کا وقت نظر نہیں آتا۔ یہ لوگ کسی نہ کسی طرح اپنی غیر ضروری آسائشوں پر خرچ کرنے کے لیے دولت تلاش کرتے ہیں لیکن ایسا لگتا ہے کہ انہیں رضاکارانہ خیرات میں دینے کے لیے کوئی دولت نہیں ملتی۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ اس کے برتاؤ کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اضافی وقت لگاتا ہے، تو اسے وہ سہارا مل جائے گا جس کی انہیں تمام مشکلات سے باحفاظت سفر کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن اگر وہ واجبات کو پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کوئی دوسرا وقت صرف کیے بغیر صرف ان کو پورا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ایسا ہی جواب ملے گا۔ سیدھے الفاظ میں، جتنا زیادہ دیتا ہے، وہ اتنا ہی زیادہ وصول کرے گا۔ اگر کوئی زیادہ نہیں دیتا تو اسے بدلے میں زیادہ امید نہیں رکھنی چاہئے۔

دوسروں کو گمراہ کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے دوسرے سال، نماز کا رخ، قبلہ، یروشلم میں مسجد اقصیٰ سے بدل کر مکہ میں خانہ کعبہ کر دیا گیا۔ یہودیوں کو نماز کی سمت میں اس تبدیلی کو مشکل معلوم ہوا کیونکہ پچھلی نماز کی سمت ان کی نماز کی سمت کے مطابق تھی اور اس لیے انہوں نے اسے اس بات کے ثبوت کے طور پر استعمال کیا کہ وہ صحیح رہنمائی کر رہے تھے۔ ایک یہودی رہنما، کعب بن اشرف نے اپنے چند پیروکاروں کو مشورہ دیا کہ وہ ابتدا میں اسلام پر ایمان لائیں اور مکہ کی طرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھیں، اور پھر دن کے آخر تک اسلام اور مسلمانوں کی نماز کی سمت سے کفر کریں۔ اس کا مقصد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو الجھانا تھا، اور امید ظاہر کی کہ وہ ان کی پیروی کریں گے کیونکہ وہ مدینہ کے پڑھے لکھے اور پڑھے لکھے لوگ تھے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر پڑھے لکھے لوگوں نے اسلام کو جاننے کے بعد اس کا انکار کیا ہے تو یہ غلط ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ 3 علی عمران آیت 72 نازل فرمائی:

"اور اہل کتاب کا ایک گروہ]ایک دوسرے سے [کہتا ہے کہ جو ایمان والوں پر دن کے شروع میں نازل کیا گیا اس پر ایمان لاؤ اور اس کے آخر میں اس کا انکار کرو کہ شاید وہ واپس آجائیں]یعنی اپنے دین کو چھوڑ دیں["

اس پر امام واحدی کی، اصباب النزول، 3:72، صفحہ 35 میں بحث کی گئی ہے۔

منافقت کا ایک حصہ یہ ہے کہ انسان نہ صرف خود برے کام کرتا ہے اور عمل صالح سے باز رہتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے بھی ان کی طرح اسی کشتی میں سوار ہوں تاکہ انہیں اپنے برے کردار میں کچھ سکون ملے۔ وہ نہ صرف خود ڈوبتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایک شخص ہر

دوسرے شخص کے لیے جوابدہ ہوگا جو ان کی دعوت کی وجہ سے گناہ کرتا ہے۔ اس شخص کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے گا جیسے اس نے گناہ کیا ہے اگرچہ اس نے صرف دوسروں کو اس کی طرف دعوت دی۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 203 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ اسی لیے بعض نے کہا ہے کہ مبارک ہے وہ شخص جس کی برائی ان کے ساتھ مر جائے کیونکہ اس کے گناہ بڑھ جائیں گے اگر دوسرے ان کی بُری نصیحت پر عمل کریں اگرچہ وہ زندہ نہ ہوں۔

اس کے علاوہ، زیر بحث مرکزی واقعہ دوسروں کی اندھی تقلید کے خلاف بھی خبردار کرتا ہے۔ کسی کو کسی چیز کو قبول کرنے یا مسترد کرنے کا فیصلہ کرنے سے پہلے علم اور شواہد کے مطابق ہر صورت حال کا جائزہ لینے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وجہ سے لوگوں کو عقل اور ذہانت عطا کی ہے۔ حتیٰ کہ اسلامی تعلیمات کی اندھی پیروی پر بھی اسلام نے تنقید کی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ لوگ کھلے ذہن کے ساتھ اسلامی تعلیمات کا جائزہ لیں اور فہم و بصیرت کے ساتھ اس پر عمل کریں۔ باب 12 یوسف، آیت 108:

کہو، "یہ میرا راستہ ہے؛ میں اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ دعوت دیتا ہوں، میں اور وہ لوگ جو میری پیروی کرتے ہیں..."

اور باب 34 سبا، آیت 46:

’’کہہ دو میں تمہیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں وہ یہ کہ تم اللہ کے لیے جوڑے اور الگ الگ کھڑے ہو جاؤ اور پھر سوچو، تمہارے ساتھی میں کوئی جنون نہیں ہے، وہ تو تمہیں سخت عذاب سے پہلے ڈرانے والا ہے۔‘‘

اس لیے دوسروں کو اندھی تقلید کرنے سے گریز کرنا چاہیے، خواہ وہ مقبول رائے ہی کیوں نہ ہو اور اپنی عقل اور عقل کو استعمال کرتے ہوئے ہر صورت حال کا علم اور ثبوت کے مطابق فیصلہ کرنے سے پہلے جائزہ لے۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرتا ہے وہ اپنے دینی اور دنیاوی دونوں معاملات میں صحیح فیصلے کرنے کا زیادہ امکان رکھتا ہے۔

روزے کی فرضیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے دوسرے سال رمضان المبارک کے روزے تمام بالغ مسلمانوں پر فرض ہو گئے الا یہ کہ اسلام سے مستثنیٰ ہو۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 250 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن نسائی نمبر 2219 میں موجود الہی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ تمام اعمال صالحہ جو لوگ انجام دیتے ہیں سوائے روزے کے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور وہ اس کا براہ راست بدلہ دے گا۔

یہ حدیث روزے کی انفرادیت پر دلالت کرتی ہے۔ اس کے اس انداز میں بیان ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ باقی تمام اعمال صالحہ لوگوں کو نظر آتے ہیں، جیسے نماز، یا وہ لوگوں کے درمیان ہیں، جیسے خفیہ صدقہ۔ جبکہ، روزہ ایک منفرد نیک عمل ہے، کیونکہ دوسرے یہ نہیں جان سکتے کہ کوئی شخص صرف روزہ رکھنے سے روزہ رکھتا ہے۔

اس کے علاوہ، روزہ ایک نیک عمل ہے جو اپنے آپ کے ہر پہلو پر قفل لگاتا ہے۔ یعنی جو شخص صحیح طریقے سے روزہ رکھتا ہے اسے زبانی اور جسمانی گناہوں سے روک دیا جائے گا جیسے کہ حرام چیزوں کو دیکھنا اور سننا۔ یہ بھی نماز کے ذریعے حاصل ہوتا ہے لیکن نماز صرف تھوڑی دیر کے لیے ادا کی جاتی ہے اور دوسروں کو دکھائی دیتی ہے جبکہ روزہ دن بھر ہوتا ہے اور دوسروں کو نظر نہیں آتا۔ باب 29 العنکبوت، آیت 45:

‘‘...بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے’’

مندرجہ ذیل آیت سے واضح ہوتا ہے کہ جو شخص بغیر کسی جواز کے فرض روزے پورے نہیں کرتا وہ سچا مومن نہیں ہو گا کیونکہ دونوں کا براہ راست تعلق ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 183:

"اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ"

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 723 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ اگر کوئی مسلمان بغیر کسی شرعی وجہ کے ایک فرض روزہ بھی پورا نہ کرے تو اس کے اجر وثواب کی تلافی نہیں ہو سکتی، چاہے وہ ساری زندگی روزے ہی رکھے۔

اس کے علاوہ جیسا کہ پہلے نقل کی گئی آیت سے اشارہ کیا گیا ہے کہ روزہ صحیح طور پر تقویٰ کی طرف لے جاتا ہے۔ یعنی صرف دن کو بھوکا رہنے سے تقویٰ حاصل نہیں ہوتا بلکہ روزے کی حالت میں گناہوں سے بچنے اور اعمال صالحہ کی طرف زیادہ توجہ دینے سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 707 میں موجود حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر کوئی جھوٹ بولنے اور اس پر عمل کرنے سے پرہیز نہ کرے تو روزہ اہم نہیں ہوگا۔ اسی طرح کی ایک حدیث سنن ابن ماجہ نمبر 1690 میں ہے کہ بعض روزہ داروں کو بھوک کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ جب کوئی شخص روزے کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ ہوشیار اور ہوشیار ہو جاتا ہے تو آخرکار یہ عادت ان پر اثر انداز ہوتی ہے اس لیے وہ روزہ نہ رکھتے ہوئے بھی اسی طرح کا برتاؤ کرتے ہیں۔ یہ دراصل حقیقی تقویٰ ہے۔

اس آیت میں جس نیکی کا ذکر پہلے کیا گیا ہے اس کا تعلق روزے سے ہے، کیونکہ روزہ انسان کی بری خواہشات اور شہوتوں کو کم کرتا ہے۔ یہ غرور اور گناہوں کی ترغیب سے روکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ پیٹ کی بھوک اور نفسانی خواہشات کو روکتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں بہت سے گناہوں کو جنم دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ ان دونوں چیزوں کی خواہش دیگر حرام چیزوں کی

خواہش سے زیادہ ہے۔ پس جو شخص روزے کے ذریعے ان پر قابو پالے گا اس کے لیے کمزور خواہشات پر قابو پانا آسان ہو جائے گا۔ یہ حقیقی راستبازی کی طرف جاتا ہے۔

جیسا کہ مختصراً پہلے اشارہ کیا گیا، روزے کے مختلف درجات ہیں۔ روزہ کا پہلا اور ادنیٰ درجہ وہ ہے جب کوئی ایسی چیزوں سے پرہیز کرے جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، جیسے کہ کھانا۔ اگلا درجہ ان گناہوں سے پرہیز کرنا ہے جو روزہ کو نقصان پہنچاتے ہیں اور روزے کے ثواب کو کم کر دیتے ہیں، جیسے جھوٹ بولنا۔ سنن نسائی نمبر 2235 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ روزہ جس میں جسم کے ہر عضو کو شامل کیا جائے اگلا درجہ ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب جسم کا ہر عضو گناہوں سے بچتا ہے، مثلاً آنکھ حرام کو دیکھنے سے، کان حرام کو سننے سے، وغیرہ۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی روزہ نہ رکھتے ہوئے بھی اس طرح کا برتاؤ کرے۔ آخر میں، روزہ کا اعلیٰ ترین درجہ ان تمام چیزوں سے پرہیز کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ سے مربوط نہیں ہیں، یعنی کوئی شخص ان نعمتوں کو استعمال کرنے سے گریز کرتا ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں، جیسے کہ ان کا وقت، ایسے طریقوں سے جو گناہ یا باطل ہیں۔

ایک مسلمان کو باطنی طور پر بھی روزہ رکھنا چاہئے جیسا کہ ان کا جسم گناہ یا لغو خیالات سے پرہیز کرتے ہوئے ظاہری طور پر روزہ رکھتا ہے۔ انہیں اپنی خواہشات کے حوالے سے اپنے منصوبوں پر قائم رہنے سے روزہ رکھنا چاہئے اور اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے پر توجہ دینے کی کوشش کرنی چاہئے۔ مزید برآں، انہیں اللہ تعالیٰ کے فرمان کو باطنی طور پر چیلنج کرنے سے روزہ رکھنا چاہیے، اور اس کے بجائے تقدیر کے علاوہ اور جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے، وہ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین انتخاب کرتا ہے، خواہ وہ ان انتخاب کے پیچھے حکمت کو نہ سمجھیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو چاہیے کہ اپنے روزے کو پوشیدہ رکھ کر اجر عظیم کا ارادہ کرے اور اگر اس سے بچنا ممکن ہو تو دوسروں کو مطلع نہ کرے، کیونکہ غیر ضروری طور پر دوسروں کو بتانے سے ثواب ضائع ہو جاتا ہے کیونکہ یہ دکھاوے کا ایک پہلو ہے۔

واجب صدقہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے دوسرے سال صدقہ فطر کا حکم ہوا۔ مسلمان اس سے پہلے صدقہ کرتے تھے لیکن اس سال تک صحیح مقدار اور باریک تفصیلات ظاہر نہیں کی گئیں اور حکم دیا گیا تھا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی تصنیف، نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 933-934 میں بحث کی گئی ہے۔

واجب صدقہ کسی کی مجموعی آمدنی کا صرف ایک چھوٹا سا حصہ ہے اور صرف اس صورت میں دیا جاتا ہے جب کسی کے پاس ایک مقررہ رقم ہو۔ واجب صدقہ دینے کا ایک مقصد یہ ہے کہ یہ ایک مسلمان کو یاد دلائے کہ جو مال ان کے پاس ہے وہ ان کا نہیں ہے، ورنہ وہ اسے اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرنے میں آزاد ہوں گے۔ دولت ان کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے پیدا کی ہے اور عطا کی ہے اس لیے اس کا استعمال اس کی رضا کے مطابق ہونا چاہیے۔ درحقیقت ہر نعمت صرف ایک قرض ہے جو اس کے حقیقی مالک اللہ تعالیٰ کو ادا کرنا ضروری ہے۔ یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص ان نعمتوں کو استعمال کرتا ہے جو وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ جو شخص اس حقیقت کو نہ سمجھے اور اس کے بدلے یہ برتاؤ کرے کہ گویا ،ان کو دی گئی نعمتیں، جیسے کہ ان کا مال، ان کا ہے اور اس لیے صدقہ فطر دینے سے باز رہے اس کو ایسے ہی عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا جس طرح دنیاوی قرض کی ادائیگی میں ناکام رہنے والے کو عذاب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر صحیح بخاری نمبر 1403 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص اپنے واجب صدقات کو صدقہ نہ کرے اسے قیامت کے دن ایک بڑے زہریلے سانپ کا سامنا کرنا پڑے گا جو اسے مسلسل کاٹے گا۔ باب 3 علی عمران، آیت 180:

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جو کچھ ان کو دیا ہے اس سے باز رہنے والے ہرگز" یہ نہ سوچیں کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے، بلکہ یہ ان کے لیے بدتر ہے، قیامت کے دن ان کی گردنوں میں وہ چیز گھیرے گی جس سے انہوں نے روک رکھا تھا"۔

اس دنیا میں جس دولت پر وہ واجب صدقہ دینے میں ناکام رہتے ہیں وہ ان کے تناؤ اور مصائب کا باعث بن جائے گا، کیونکہ وہ یہ یاد رکھنے میں ناکام رہے کہ اللہ تعالیٰ کا ان کو عطا کردہ نعمتوں پر حق ہے۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

ایک بری نیت

ثلابہ نامی ایک شخص جو کہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا تھا، نے ایک مرتبہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ آپ کو مال و دولت سے نوازا جائے تاکہ آپ کثرت سے صدقہ کر سکیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثعلبہ کو تنبیہ کی کہ اس کے لیے بہت زیادہ ہونے سے کم ہونا اور شکر کرنا بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے سے عاجز ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ ان کی ہدایت پر عمل کرنا اور سادہ طرز زندگی اختیار کرنا ان کے لیے بہتر ہوگا۔ ثعلبہ کے مسلسل اصرار کے بعد، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد ثعلبہ کا کاروبار اتنا بڑھنے لگا کہ اسے مدینہ شہر سے باہر جانا پڑا۔ اس عرصے کے دوران ثلابہ کو صرف جمعہ کی نماز کے وقت مسجد میں دیکھا گیا۔ اس مدت میں ایک خاص مقدار میں صدقہ دینا ان لوگوں پر واجب ہو گیا جو اس کی استطاعت رکھتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ صدقہ جمع کرنے کے لیے مختلف اسلامی علاقوں میں بھیجا جس میں ثعلبہ کی رہائش بھی تھی۔ جب صحابی رضی اللہ عنہ نے ثعلبہ سے واجب صدقہ کی درخواست کی تو اسی لمحے ثعلبہ نے اپنی منافقت ظاہر کی۔ لالچ نے اسے کھا لیا اور اس نے یہ کہہ کر کچھ حقیر الفاظ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے اب اس پر ٹیکس لگا دیا ہے۔ یہ کہنے کے بعد ثعلبہ نے صحابی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آگے بڑھیں اور دوسروں سے واجب صدقہ وصول کریں اور وہ اس وقت کو یہ سوچنے کے لیے استعمال کریں گے کہ اسے دینا ہے یا نہیں۔ جب یہ صحابی رضی اللہ عنہ بالآخر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ثعلبہ تباہ ہو گیا ہے۔
اللہ تبارک وتعالیٰ نے توبہ میں باب 9، آیات 75-77 نازل کی:

"اور ان میں سے وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے دے گا تو ہم ضرور صدقہ کریں گے اور ہم ضرور نیک لوگوں میں سے ہوں گے، لیکن جب اس نے انہیں اپنے فضل سے دیا تو وہ اس سے بخل کر گئے اور انکار کرتے ہوئے منہ موڑ گئے، تو اللہ نے ان کے دلوں کو عذاب دیا یہاں تک کہ ان کے دلوں میں منافقت کی وجہ سے عذاب آئے۔ جس میں انہوں نے اس سے وعدہ کیا تھا اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

جب ثعلبہ کو اس کی اطلاع ملی تو وہ فوراً حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ اپنا فرض صدقہ کریں۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثعلبہ کو اطلاع دی کہ اللہ تعالیٰ نے اب انہیں اپنا صدقہ لینے سے منع کر دیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر ثعلبہ کو ان کے ابتدائی ارادوں کی یاد دلائی۔ ثعلبہ نے کئی سال کوشش کی لیکن ہر بار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بہت دیر ہو چکی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کبھی نہیں جا سکتا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ملت اسلامیہ کے خلیفہ ہوئے۔ ثلابہ نے ایک بار پھر اپنا فرض صدقہ دے کر اپنی حیثیت بحال کرنے کی کوشش کی۔ لیکن قائد نے سادگی سے جواب دیا کہ اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقہ نہیں لیا تو کیسے؟ ثعلبہ نے اسلامی قوم کے مندرجہ ذیل دو خلفاء کے ساتھ اس کی کوشش کی لیکن انہوں نے بھی دوبارہ ثعلبہ کی کوششوں کو رد کر دیا۔ اس پر امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ، اسباب النزول، 9:75، صفحہ 90-91 میں بحث کی گئی ہے۔

چونکہ اس کی واحد خواہش کمیونٹی میں اپنی دنیاوی حیثیت کو بحال کرنا تھی، اس لیے اس کی پیشکش کو مسترد کر دیا گیا۔ اس کی طرف اشارہ پہلے نقل کی گئی آیات کے تحت کیا گیا ہے ۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اپنے ریاکاری سے سچے دل سے توبہ کرتا تو اسے معاف کر دیا جاتا۔ مخلص توبہ میں احساس جرم، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہے، شامل ہے، جب تک کہ یہ مزید پریشانی کا باعث نہ ہو۔ انسان کو سچے دل سے وعدہ کرنا چاہیے کہ وہ دوبارہ وہی یا اس سے ملتا جلتا گناہ نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہوں ان کی تلافی کرنی چاہیے۔

اس کے علاوہ، زیر بحث اہم واقعہ اس بات کی بھی نشاندہی کرتا ہے کہ مخصوص دنیوی چیزوں جیسے کہ مال مانگنے سے گریز کیا جائے، کیونکہ علم اور دور اندیشی کی کمی کی وجہ سے کوئی نہیں جانتا کہ ان کے لیے کیا بہتر ہے۔ لوگ اکثر ایسی چیزوں کی خواہش کرتے ہیں جو ان کے لیے تناؤ کا باعث بنیں اور بعض اوقات وہ ایسی چیزوں کو ناپسند کرتے ہیں جو دونوں جہانوں میں ان کے لیے خیر کا باعث بنیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ" "تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام مسلمانوں کو دنیاوی معاملات میں عمومی بھلائی مانگنے کی ترغیب دیتا ہے کیونکہ ان کے پاس یہ جاننے کا علم نہیں ہے کہ ان کے لیے کیا اچھا ہے اور کیا نقصان دہ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیات 200-201:

اور لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں دے اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں لیکن ان میں وہ ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

کرپشن کو روکنا

جیسا کہ مکہ کے غیر مسلموں نے واضح کیا کہ جب تک مدینہ ایک اسلامی ریاست ہے وہ ان دونوں شہروں کے درمیان جنگ کے سوا کچھ نہیں ہوگا، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کے غیر مسلموں کے مالی ڈھانچے پر حملہ کرکے ان کے عزم کو کمزور کرنے کی کوشش کی۔ مکہ کے غیر مسلم جب تجارت کے لیے جاتے تو مدینہ سے گزرتے۔ لہٰذا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سفری قافلوں کو نشانہ بنائیں گے تاکہ مکہ کے غیر مسلموں کے مالی معاملات میں خلل ڈالا جائے اور اموال و اموال کا معاوضہ طلب کیا جائے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ کی طرف ہجرت کرتے وقت پیچھے چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۔

ایک موقع پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو نخلہ روانہ کیا تاکہ مکہ کے غیر مسلموں کی جاسوسی کی جائے اور ان کی سرگرمیوں کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں۔ اس نے انہیں لڑائی میں مشغول ہونے کا حکم نہیں دیا۔ لیکن اس مہم کے دوران ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے موقع غنیمت جانا اور ان کے ایک قافلے پر حملہ کر کے ان کا مال چھین لیا اور اس دوران ایک غیر مسلم کو قتل کر دیا اور دو غیر مسلموں کو قیدی بنا کر واپس مدینہ لے جایا گیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا تھا اور انہیں صرف علم حاصل کرنے کے لیے روانہ کیا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بات کا بھی احساس نہیں تھا کہ انہوں نے چار مقدس مہینوں میں سے کسی ایک میں قافلہ پر حملہ کیا تھا، جس میں عربوں کے لیے متفقہ طور پر لڑائی ممنوع تھی، حالانکہ غیر مسلم بھی اس قاعدے کو نہیں مانتے تھے اور اکثر مہینوں کی ترتیب کو کیلنڈر سال میں بدل دیتے تھے تاکہ خود کو جنگ کرنے کی اجازت مل سکے۔ باب 9 توبہ، آیات 36-37:

”بے شک مہینوں کی گنتی اللہ کے ہاں بارہ مہینے ہے جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، ان میں سے چار حرمت والے ہیں، یہی صحیح دین ہے، لہٰذا ان میں اپنے آپ پر ظلم نہ کرو، اور کافروں سے مل کر اس طرح لڑو جس طرح وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں کہ وہ تم سے ڈرتے ہیں۔ درحقیقت،]مقدس مہینوں کے اندر پابندی [کفر میں اضافہ ہے جس سے وہ ایک سال کو حلال کر دیتے ہیں اور دوسرے سال کو حرام کر دیتے ہیں اور ان چیزوں کو حلال کر دیتے ہیں جو اللہ نے ان کے لیے حرام کیے ہیں۔ کافروں کی رہنمائی نہ کرو۔"

ابتداء میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگی قیدیوں یا مال غنیمت کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں فرمایا لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے باب 2 البقرہ آیت 217 نازل فرمائی، اس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو راحت عطا فرمائی:

”وہ تم سے حرمت والے مہینے کے بارے میں پوچھتے ہیں اس میں لڑنے کے بارے میں، کہہ دو کہ اس میں لڑنا بہت بڑا گناہ ہے، لیکن (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد الحرام تک پہنچنے سے روکنا اور وہاں کے لوگوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ اور فتنہ قتل سے بھی بڑھ کر ہے اور وہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر وہ تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں گے اور اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھر جائے اور وہ کافر ہی مرے تو ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور وہی لوگ ہمیشہ دوزخ کے ساتھی ہیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر قیدیوں اور غنیمتوں کو قبول فرمایا۔ جنگی قیدیوں میں سے ایک نے اسلام قبول کیا اور دوسرے کو مکہ کے غیر مسلموں نے فدیہ دے دیا۔ امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 879-881 اور 890 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

سال کے چار مقدس مہینوں میں جنگ کرنا اسلام کے آنے سے پہلے ہی حرام تھا (ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب)۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ اس آیت میں مذکور غیر مسلموں کی وجہ سے پھیلی ہوئی فساد حرمت والے مہینوں میں لڑائی سے بھی بدتر ہے۔ مکہ کے غیر مسلموں نے اپنے مسلمان رشتہ داروں کو تیرہ سال تک مسلسل ظلم کا نشانہ بنایا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت سے پہلے، محض اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے تھے۔ اس لیے وہ حرمت والے مہینوں میں لڑائی پر اعتراض کرنے کے اہل نہیں تھے۔ نہ صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے گھروں سے نکال دیا گیا تھا، ان کے لیے مسجد الحرام کا راستہ بھی بند کر دیا گیا تھا، یہ ایک ایسی بار تھی جو ہزاروں سالوں سے کسی نے مسلط نہیں کی تھی۔ کرپشن کے اس ریکارڈ کے ساتھ ان یا کسی اور کے لیے یہ نہیں تھا کہ وہ مقدس مہینوں میں ضرورت پڑنے پر لڑائی پر اعتراض کریں۔

مذکورہ آیت میں فساد سے مراد اسلام کے دشمنوں یعنی مکہ کے غیر مسلموں کی طرف سے ہونے والے ظلم کے وسیع منفی اثرات ہیں۔ اس بدعنوانی کا دل ان کا گمراہ ایمان اور اپنے قبیلوں سے وفاداری، دولت، ثقافت اور جھوٹے خداؤں سے محبت تھی۔ اس آیت سے مزید ثابت ہوتا ہے کہ مکہ میں غیر مسلموں کے ایک مخصوص گروہ کے خلاف جنگ کا حکم دیا گیا تھا اس لیے ان آیات کا اطلاق دوسروں پر نہیں ہو سکتا۔

لہٰذا ان آیات میں لغزش سے مراد بے گناہوں پر ظلم و ستم ہے۔ اس سے مراد ایسی صورت حال ہے جس کے تحت کسی فرد یا گروہ کو ہراساں کیا جاتا ہے اور دھمکی دی جاتی ہے کہ وہ اس وقت موجود لوگوں کے خلاف نظریات کا مجموعہ ہے، اور معاشرے کی موجودہ ترتیب میں اصلاح کی کوشش کر رہا ہے کہ وہ اچھی بات کی تبلیغ کرے اور غلط کو منع کرے۔ لہٰذا، اس فساد سے بے گناہوں کو ہونے والے اس مخصوص نقصان کو روکنے کا واحد طریقہ یہ تھا کہ دشمن سے اس وقت تک لڑا جائے جب تک اسلام کو کھلم کھلا مخالفت کے بغیر عمل کرنے کی اجازت نہ دی جائے اور غیر مسلموں کی وجہ سے معاشرے کو پہنچنے والے منفی نقصانات کو روک دیا جائے۔

اس کے علاوہ، جابر حکمرانوں، جیسے رومیوں اور فارسیوں کی طرف سے ہونے والے بڑے پیمانے پر جبر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بڑے پیمانے پر جانا جاتا تھا۔ وہ اس ملک کے لوگوں پر مسلسل ظلم کرتے جس پر ان کا قبضہ تھا۔ ان لوگوں سے لڑنے سے فوجیوں، سپاہیوں کی ہلاکت کا سبب بن سکتا تھا جنہوں نے لڑنے اور مرنے کے لیے دستخط کیے تھے لیکن طویل عرصے میں اس نے معصوم شہریوں پر ہونے والے ظلم کو ختم کر دیا۔ اور اگر اسلامی حکومت صحیح طریقے سے قائم ہو جائے، جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے بعد سیدنا خلفاء راشدین کے زمانے میں ہوئی تھی، تو زمین میں عدل کا غلبہ ہو گا۔ لہٰذا اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ عوام پر دیرینہ ظلم فوجیوں کے قتل سے بھی بدتر ہے اگر اس سے انصاف قائم ہو۔

بدر کی جنگ

عظمت عاجزی میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ مکہ کے غیر مسلموں کے تجارتی قافلے پر چھاپہ مارنے کے لیے راستے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے باری باری اپنے اونٹوں پر سواری کی کیونکہ ان کے پاس بہت کم تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی ابن ابو طالب اور ابو لبابہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک اونٹ بانٹ دیا۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیدل چلنے کا رخ کیا تو آپ کے دو صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کی جگہ لینے کی پیشکش کی تاکہ آپ اونٹ پر سوار ہو سکیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ وہ ان سے زیادہ مضبوط نہیں ہیں، یعنی وہ زخمی یا بیمار نہیں ہیں کہ وہ اسے نہ چلنے کا بہانہ بنا سکیں، اور انہوں نے مزید کہا کہ میں چلنے کا ثواب چاہتا ہوں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 258 میں بحث کی گئی ہے۔

آج کے قائدین کے برعکس جو ان مشکلات کا سامنا کرنے سے انکار کرتے ہیں جن کا سامنا ان کے پیروکار کرتے ہیں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پیش آنے والی مشکلات میں شریک فرمایا۔ یہ اس کی بڑی عاجزی کا مظہر تھا۔ باب 25 الفرقان، آیت 63:

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آسانی سے چلتے ہیں"۔"

یہ سمجھ لیا ہے کہ ان کے پاس جو بھی خوبی ہے وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے بندوں نے اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا ہے۔ اور جس برائی سے وہ بچ گئے وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی۔ جو چیز کسی کی نہیں اس پر فخر کرنا کیا حماقت نہیں؟ بالکل ان سے تعلق نہیں رکھتا اسی طرح جیسے کوئی شخص کسی اسپورٹس کار پر فخر نہیں کرتا جو

مسلمانوں کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ حقیقت میں کچھ بھی ان کا نہیں ہے۔ یہ رویہ یقینی بناتا ہے کہ انسان ہر وقت عاجز رہے۔ اللہ تعالیٰ کے عاجز بندے، صحیح بخاری نمبر 5673 میں موجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث پر مکمل یقین رکھتے ہیں، جس میں بتایا گیا ہے کہ کسی شخص کے اعمال صالحہ انہیں جنت میں نہیں لے جائیں گے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی اس کا سبب بن سکتی ہے۔ اس لیے کہ ہر عمل صالح اسی وقت ممکن ہے جب اللہ تعالیٰ اس کو انجام دینے کے لیے علم، طاقت، موقع اور الہام عطا فرمائے۔ یہاں تک کہ عمل کی قبولیت پر .جب کوئی اس کو ذہن میں رکھتا ہے تو یہ انہیں غرور سے اللہ کی رحمت بھی منحصر ہے۔ بچاتا ہے اور انہیں عاجزی اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ عاجز ہونا کمزوری کی علامت نہیں ہے کیونکہ اسلام نے ضرورت پڑنے پر اپنے دفاع کی ترغیب دی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسلام مسلمانوں کو کمزوری کے بغیر عاجزی کا درس دیتا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2029 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اٹھائے گا۔ پس حقیقت میں عاجزی دونوں جہانوں میں عزت کا باعث بنتی ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے مخلوق میں سے سب سے زیادہ حلیم پر غور کرنے کی ضرورت ہے، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے واضح طور پر لوگوں کو اس اہم صفت کو اپنانے کا حکم دے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے۔ باب 26 اشعرا، آیت 215:

"اور اپنے بازو کو نیچے رکھو]یعنی مہربانی کرو [مومنوں میں سے جو تمہاری پیروی کرتے ہیں۔"

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاجزانہ زندگی گزاری۔ مثال کے طور پر، اس نے خوشی سے گھر میں گھریلو فرائض انجام دیے اور یہ ثابت کیا کہ یہ کام صنفی غیر جانبدار ہیں۔ اس کی تصدیق امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 538 میں ہوتی ہے۔

باب 25 الفرقان، آیت 63، ظاہر کرتی ہے کہ عاجزی ایک باطنی خصوصیت ہے جو باہر کی طرف ظاہر ہوتی ہے جیسے کہ چلنے کا راستہ۔ اس پر ایک اور آیت باب 31 لقمان، آیت 18 میں بحث کی گئی ہے۔

اور لوگوں کی طرف اپنے گال نہ پھیر اور زمین پر اکڑ کر نہ چل‘‘۔’’

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ جنت ان عاجز بندوں کے لیے ہے جن میں غرور کا کوئی نشان نہیں ہے۔ باب 28 القصص، آیت 83:

آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لیے مقرر کرتے ہیں جو نہ زمین میں بلندی چاہتے ہیں اور نہ’’ فساد، اور]بہترین [انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے۔‘‘

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 1998 میں موجود ایک حدیث کی تصدیق فرمائی ہے کہ جس کے پاس ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ فخر کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کیونکہ وہ پوری کائنات کا خالق، پالنے والا اور مالک ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، فخر اس وقت ہوتا ہے جب کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں اور جب سچائی ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو اسے مسترد کر دیتا ہے کیونکہ وہ اس طرف سے آتا ہے ۔ ان کے علاوہ کسی اور کی قبول کرنا ناپسند کرتے ہیں جب وہ سچائی کو کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4092 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ زیر بحث اہم واقعہ نیکیاں کمانے کے ہر موقع سے فائدہ اٹھانے کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ نیکی کو کبھی حقیر نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ اعمال کا فیصلہ مقدار کی بنیاد پر نہیں کرتا۔ مثال کے طور پر جو شخص صدق دل سے ایک کھجور کے پھل کے برابر صدقہ کرتا ہے اسے ایک پہاڑ سے بھی زیادہ ثواب ملتا ہے۔ اس کی نصیحت جامع ترمذی نمبر 661 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے ، اس لیے نیکیاں کمانے کے لیے جو بھی موقع دیا گیا ہے اسے استعمال کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا۔

والدین کا احترام کرنا

ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس مشن میں جانے کی خواہش کی جو بالآخر غزوہ بدر کا باعث بنی، لیکن انہیں حکم دیا گیا کہ وہ اپنی بیمار والدہ کی دیکھ بھال کے لیے پیچھے رہیں، جو بعد میں فوت ہوگئیں۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1011-1012 میں بحث کی گئی ہے۔

گو کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ چھوڑنا ایک انتہائی اہم کام اور فضیلت تھا پھر بھی آپ کو حکم دیا گیا کہ پیچھے رہ کر اپنی بیمار والدہ کی پرورش کریں۔ یہ ہر وقت والدین کی عزت اور احترام کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک مسلمانوں میں ایک مشہور خصوصیت ہے لیکن بدقسمتی سے بہت سے لوگ اس اہم فرض کو پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے متعدد مقامات پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کو صرف اسی کی عبادت کے ساتھ رکھا ہے جیسے کہ باب 17 الاسراء آیت 23:

تمہارے رب نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک اور کرو، ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے ساتھ بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو)اُف (نہ کہو اور انہیں جھڑک نہ دینا بلکہ ان سے اچھی بات کہو۔

درحقیقت یہی آیت مسلمانوں کو منع کرتی ہے کہ وہ اپنے والدین کے لیے ناراضگی کے لیے ایک لفظ بھی بولیں۔ قرآن مجید کے ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر گزار ہونے کو والدین کے شکر گزار ہونے کو ملایا ہے۔ باب 31 لقمان، آیت 14:

‘‘...میرا اور اپنے والدین کا شکر گزار رہو ’’

حالانکہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دینے والی لاتعداد احادیث موجود ہیں سنن ابن ماجہ نمبر 3662 میں موجود ایک حدیث اس کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی ایسے شخص کو جواب دیا جس نے سوال کیا کہ والدین کے کیا حقوق ہیں یہ اعلان کر کے کہ وہ بچے کے جنت یا جہنم ہیں۔ یعنی اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے تو اس کی وجہ سے وہ جنت میں داخل ہو سکتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اپنے والدین کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں وہ اس کی وجہ سے جہنم میں ڈالے جا سکتے ہیں۔

حالانکہ والدین کا فرمانبردار رہنا، جب تک کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی شامل نہ ہو، بہت مشکل ہے، خاص کر اس دن اور دور میں مسلمانوں کو صبر کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور والدین سے جھگڑا نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کوئی مسلمان ان سے اختلاف کرتا ہے تو وہ ہر وقت ان کا احترام کر سکتا ہے اور اسے برقرار رکھنا چاہیے۔

شرافت تقویٰ میں مضمر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کے غیر مسلموں کے قافلے پر حملہ کرنے کے لیے مدینہ روانہ ہوئے تو آپ نے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو ان کی غیر موجودگی میں نماز باجماعت کی امامت کا انچارج مقرر کیا۔ اس پر ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 257 میں بحث کی گئی ہے۔

ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ایک نابینا اور غریب آدمی تھے اور اگرچہ اور بھی لوگ تھے جو اپنے قبیلوں کے سردار سمجھے جاتے تھے پھر بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں نماز باجماعت کی امامت کے لیے مقرر کیا۔ اس سے اسلام میں مساوات کی اہمیت کی نشاندہی ہوتی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6543 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ ان کی ظاہری شکل وصورت یا مال کی بنیاد پر نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی باطنی نیت اور ان کے جسمانی اعمال کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ کوئی بھی عمل کرتے وقت ہمیشہ اپنی نیت کو درست کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس وقت اجر دے گا جب وہ اس کی رضا کے لیے عمل صالح کریں گے۔ جو لوگ دوسرے لوگوں اور چیزوں کی خاطر اعمال انجام دیتے ہیں ان سے کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اپنا اجر حاصل کریں جن کے لیے انہوں نے قیامت کے دن عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ یہ حدیث اسلام میں مساوات کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ ایک شخص دنیاوی چیزوں جیسے اس کی نسل یا دولت کے لحاظ سے دوسروں سے برتر نہیں ہے۔ اگرچہ بہت سے مسلمانوں

نے یہ رکاوٹیں کھڑی کی ہیں، جیسے کہ سماجی ذاتیں اور فرقے، اس طرح بعض کو دوسروں سے بہتر مانتے ہوئے، اسلام نے واضح طور پر اس تصور کو رد کر دیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ اس لحاظ سے اسلام کی نظر میں تمام لوگ برابر ہیں۔ صرف ایک چیز جو ایک مسلمان کو دوسرے پر فضیلت دیتی ہے وہ ہے ان کی تقویٰ کا مطلب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو کس قدر پورا کرتے ہیں، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ" پرہیزگار ہے"۔

اس کے علاوہ زیر بحث اہم حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ عورتوں کو مردوں کے مقابلے میں دنیا میں اپنے مقام کے بارے میں بحث و تکرار میں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ اس کے بجائے، انہیں یہ سمجھنا چاہیے کہ برتری مردوں کی نقل کرنے یا آگے بڑھنے میں نہیں ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت میں مضمر ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس کے حقوق اور لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں مصروف ہو جائے اور اس بات پر یقین نہ کرے کہ جو چیز ان کے پاس ہے یا اس کی ملکیت ہے وہ کسی طرح انہیں عذاب سے بچا لے گی۔ صحیح مسلم نمبر 6853 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح فرمایا ہے کہ جس مسلمان میں اعمال صالحہ کا فقدان ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس کے نسب کی وجہ سے کوئی اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ حقیقت میں، یہ تمام دنیاوی چیزوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دولت، نسل، جنس یا سماجی بھائی چارے اور ذات پات۔

آخر میں، جس طرح اسلام لوگوں کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی بنیاد پر کرتا ہے، اسی طرح لوگوں کو بھی ہونا چاہیے۔ وہ دوسروں کو اپنے سے کمتر نہ سمجھیں اور نہ ہی دنیاوی معیارات کی بنیاد پر، کیونکہ یہ اکثر فخر اور دوسروں کے حقوق ادا کرنے میں ناکامی کا باعث بنتا ہے، دونوں جہانوں میں تباہی کا باعث بنتے ہیں۔

انسان کی اصل حیثیت پوشیدہ ہے، جیسا کہ کسی کی نیت لوگوں سے پوشیدہ ہے، خواہ وہ اس کے اعمال کو دیکھ سکے۔ اس لیے دوسروں کو حقیر سمجھنا بے وقوفی ہے، کیونکہ وہ ان سے برتر ہو سکتے ہیں۔

وکیل تلاش کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ مکہ کے غیر مسلموں کے قافلے پر چھاپہ مارنے کے لیے راستے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے لشکر تیار کر رکھا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کی رائے دریافت فرمائی کہ کیا کیا جائے؟

اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر حال میں آپ کی حمایت کا عہد کر کے تسلی دی اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دی۔ پھر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اٹھے اور وہی کام کیا :انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت کا عہد کیا اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دی۔ اس پر امام محمد السلّابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 93-94 میں بحث کی گئی ہے۔

مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ نے یہ بھی بیان کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت نہیں چھوڑا تھا جب انہوں نے اہانت کے ساتھ اعلان کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کا رب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کے لیے جا کر جنگ کر سکتے ہیں۔ باب 5 المائدة، آیت 24:

انہوں نے کہا اے موسیٰ ہم اس میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ اس میں موجود ہیں۔ پس "تم اور تمہارا رب جاؤ اور لڑو۔ درحقیقت، ہم یہیں ٹھہرے ہوئے ہیں۔

اس کے بجائے، مقداد رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ان کے ساتھ ہر حال میں لڑیں گے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 250-260 میں بحث کی گئی ہے۔

چونکہ اس مسلم فوج کی اکثریت مدینہ سے آنے والے صحابہ کی تھی، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے چاہا کہ وہ اپنا تعاون دیں۔ ان کے سرداروں میں سے ایک سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اس بات کو جان لیا اور مدینہ کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو جو حکم دیں گے وہ ان کی اطاعت کریں گے۔ انہوں نے مزید کہا کہ اگر انہیں لڑنے کے لیے سمندر میں چھلانگ لگانے کا حکم دیا گیا تو وہ ایسا کریں گے اور ان میں سے کوئی بھی پیچھے نہیں ہٹے گا۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 212-213 میں بحث کی گئی ہے۔

سب سے پہلے غور کرنے والی بات یہ ہے کہ اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت الٰہی تھی، لیکن پھر بھی وہ ایک مثال قائم کرنے کے لیے عوامی معاملات میں دوسروں سے مشورہ کرتے تھے۔ باب 3 علی عمران، آیت 159:

"تو ان سے درگزر کرو اور ان کے لیے استغفار کرو اور معاملے میں ان سے مشورہ کرو۔"

اس لیے کسی کو اپنے معاملات میں دوسروں سے مشورہ لیتے ہوئے ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔ لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ کسی کو صرف چند لوگوں سے مشورہ لینا چاہئے جو مخصوص خصوصیات کے حامل ہوں۔ بہت سے لوگوں سے مشورے کی تلاش صرف ایک الجھن کا باعث بنے گی کیونکہ ان کو ملنے والے مشورے مختلف ہوں گے۔ اس کے علاوہ انہیں صرف ایسے شخص سے مشورہ لینا چاہیے جو صحیح علم رکھتا ہو۔ مثال کے طور پر، اگر کسی شخص کو صحت کے مسائل درپیش ہیں، تو انہیں ڈاکٹر سے رجوع کرنا چاہیے، کیونکہ وہ انسانی صحت کے ماہر ہیں۔ اگر ان کا کوئی دینی مسئلہ ہے تو وہ کسی ایسے شخص سے مشورہ کریں جو اسلامی علم رکھتا ہو۔ حیرت کی بات ہے کہ جب مسلمان دنیاوی معاملات میں اکثر ماہرین سے مشورہ کرتے ہیں لیکن جب ان کے مذہبی معاملات کی بات آتی ہے تو جاہلوں کے مشورے پر عمل کرتے

ہیں۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں سے ہی مشورہ کرنا چاہیے کیونکہ یہ شخص انہیں کبھی بھی اس کی نافرمانی کا مشورہ نہیں دے گا۔ جبکہ جو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا وہ آسانی سے دوسروں کو اس کی نافرمانی کی تلقین کرتا ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے حقیقی علم کے مالک ہوتے ہیں اور یہی علم دوسروں کو ان کے مسائل میں کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔ باب 35 فاطر، آیت 28:

''اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں''۔

زیر بحث اہم واقعہ ہر حال میں، خواہ آسانی ہو یا مشکل میں، خلوص نیت سے اس کی اطاعت کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کو عملی جامہ پہنانے کی ترغیب دیتا ہے۔ اسلام کوئی زرہ نہیں جسے کسی کی خواہش کے مطابق پہنا یا اتارا جائے۔ بلکہ یہ ایک مکمل ضابطہ اخلاق ہے جس کا اطلاق ہر مسلمان کو درپیش حالات پر ہونا چاہیے۔ جو اسلام کو کوٹ کی طرح سمجھتا ہے وہ صرف اپنی خواہشات کی اطاعت اور عبادت کر رہا ہے، خواہ وہ کوئی اور دعویٰ کرے۔ باب 25 الفرقان، آیت 43:

''کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جو اپنی خواہش کو اپنا معبود بناتا ہے؟''

لہٰذا ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے تاکہ اس پر ایمان ثابت ہو۔ آسانی کے وقت شکر ادا کرنا چاہیے اور مشکل کے وقت صبر کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ کسی کی نیت میں شکر ادا کرنے میں صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عمل کرنا شامل ہے۔ کسی کی تقریر میں شکر گزاری میں وہ بات کرنا شامل ہے جو اچھی ہے یا خاموش رہنا۔ اور اپنے اعمال میں شکرگزاری میں، ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ مزید برآں، صبر میں کسی کی بات یا عمل سے شکایت کرنے سے گریز کرنا اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر ثابت قدم رہنا، اس بات پر یقین رکھنا کہ وہ صرف وہی انتخاب کرتا ہے جو ان کے لیے بہتر ہے، چاہے یہ ان کے لیے واضح نہ ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ" "تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

لہٰذا ہر حال میں صحیح طریقے سے عمل کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی مسلسل مدد اور رحمت حاصل ہوتی ہے جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں سکون قلب حاصل ہوتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 7500 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

شیطانی سازشوں کا خاتمہ

ابو سفیان کی سربراہی میں غیر مسلم کارواں نے ایک متبادل راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا جو انہیں مسلمانوں سے بحفاظت دور لے گیا۔ اس کے بعد ابو سفیان نے مکہ کے غیر مسلموں کو پیغام بھیجا، جنہوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک بڑی فوج جمع کی تھی، وہ مکہ واپس لوٹ آئیں کیونکہ ان کا قافلہ محفوظ تھا۔ لیکن ابوجہل، جو کہ غیر مسلم فوج کے سربراہوں میں سے ایک تھا، نے اصرار کیا کہ وہ بدر کی طرف پیش قدمی جاری رکھیں، مسلمانوں کا مقابلہ کریں اور انہیں تباہ کر دیں۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 211-212 میں بحث کی گئی ہے۔

کسی کو کبھی بھی برے کام کرنے کی سازش نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ ہمیشہ، کسی نہ کسی طرح، ان پر الٹا فائر ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر یہ نتائج اگلے جہان تک موخر کر دیے جائیں تو آخرکار ان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو نقصان پہنچانا چاہا جیسا کہ وہ اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت، احترام اور پیار چاہتے تھے۔ لیکن یہ واضح ہے کہ ان کی تدبیریں انہیں اپنی خواہش سے دور کر دیتی ہیں۔ باب یوسف، آیت 18 12:

اور وہ اس کی قمیص پر جھوٹا خون لے آئے،]یعقوب [نے کہا، "بلکہ تمہاری جانوں نے تمہیں کسی چیز پر آمادہ کیا ہے، اس لیے صبر سب سے زیادہ مناسب ہے۔"

جتنی زیادہ برائی کی تدبیریں کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں ان کے مقصد سے دور کر دے گا۔ خواہ وہ ظاہری طور پر اپنی خواہش پوری کر لیں، اللہ تعالیٰ جس چیز کی خواہش کی تھی وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے لعنت بن جائے گا الا یہ کہ وہ سچے دل سے توبہ کریں۔ باب 35 فاطر، آیت 43:

لیکن شیطانی تدبیر سوائے اپنے لوگوں کے گھیرے میں نہیں آتی، پھر کیا وہ پہلے لوگوں کے" راستے کے سوا انتظار کرتے ہیں؟"

اچھی نصیحت کو قبول کرنا

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر پہنچے تو ایک جگہ رک گئے۔ حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ آیا اس جگہ رکنا حکم الٰہی ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار؟ جب اس نے جواب دیا کہ یہ ان کا انتخاب ہے نہ کہ حکم الٰہی، تو حباب رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشورہ دیا کہ وہ کسی دوسرے مقام پر کیمپ لگائیں، کیونکہ یہ حکمت عملی سے زیادہ فائدہ مند تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی نصیحت کو قبول کیا اور اس پر عمل کیا۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 2 صفحہ 267 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ایک مسلمان کے لیے زندگی میں یہ ضروری ہے کہ وہ اسلام کے احکام و ممنوعات پر بغیر کسی سمجھوتہ کے ثابت قدم رہے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کر سکے۔ لیکن ایسے معاملات میں جو اسلامی تعلیمات سے متصادم نہ ہوں، کھلے ذہن کو اپنانا چاہیے جس کے تحت وہ علم اور شواہد کی بنیاد پر دوسرے لوگوں کے مشوروں اور آراء کا جائزہ لینے کے بعد منطقی فیصلے کریں۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ اپنی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں صحیح فیصلے کرتے ہیں۔ لہٰذا کسی کو ضدی ذہنیت سے بچنا چاہیے جس کے تحت وہ صرف ان چیزوں کو قبول کریں جو ان کی اپنی رائے اور خواہشات کے مطابق ہوں، کیونکہ یہ رویہ انہیں زندگی میں غلط فیصلے کرنے کی ترغیب دے گا، جس سے وہ صرف تناؤ کا باعث بنے گا۔

قائدین سے اخلاص

جب مسلمانوں کا لشکر میدان بدر میں پہنچا تو ایک صحابی سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک عارضی پناہ گاہ بنائی جائے۔ اگر مسلمانوں کی فوج جنگ ہار جاتی ہے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پسپائی اختیار کر سکتے تھے اور مدینہ میں اپنے باقی صحابہ رضی اللہ عنہم سے دوبارہ جا سکتے تھے۔ انہوں نے مزید کہا کہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ صرف مدینہ میں ہی پیچھے رہ گئے کیونکہ وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ جنگ ہونے والی ہے اور وہ ہمیشہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت اور آپ کو اچھی نصیحت کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے خیال سے اتفاق کیا لیکن پھر بھی جنگ میں کسی اور سے زیادہ حصہ لیا۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 2 صفحہ 268 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام معاشرے کے قائدین کے لیے اخلاص ہے۔ اس میں انہیں بہترین مشورے کی پیشکش کرنا اور ان کے اچھے فیصلوں میں کسی بھی ضروری طریقے سے مدد کرنا شامل ہے، جیسے کہ مالی یا جسمانی مدد۔ امام مالک کی موطا، کتاب نمبر 56، حدیث نمبر 20 میں موجود ایک حدیث کے مطابق اس فرض کو ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ باب 4 النساء آیت 59:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے حاکم ہیں..."

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معاشرے کے سربراہان کی اطاعت فرض ہے۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ اطاعت اس وقت تک فرض ہے جب تک کہ کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔ مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں اگر یہ خالق کی نافرمانی کا باعث بنے۔ اس طرح کے معاملات میں لیڈروں کے خلاف بغاوت کرنے سے گریز کیا جانا چاہیے کیونکہ اس سے صرف معصوم لوگوں کا ہی نقصان ہوتا ہے۔ اس کے بجائے قائدین کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق نرمی سے نیکی اور برائی سے منع کرنا چاہیے۔ دوسروں کو اس کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کرنی چاہیے اور ہمیشہ

راہنماؤں سے صحیح راستے پر چلنے کی دعا کرنی چاہیے۔ لیڈر سیدھے رہیں گے تو عوام بھی سیدھے رہیں گے۔

لیڈروں کے ساتھ دھوکہ کرنا منافقت کی علامت ہے جس سے ہر وقت بچنا چاہیے۔ اخلاص میں ان معاملات میں ان کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے جو معاشرے کو بھلائی پر اکٹھا کرتے ہیں اور ہر اس چیز سے تنبیہ کرتے ہیں جو معاشرے میں خلل پیدا کرے۔ اسلام میں قائدین کی اندھی وفاداری نہیں ہے، صرف ان چیزوں میں ان کی اطاعت ہے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتی ہیں۔

تقدیر میں نیکی

بدر میں جب غیر مسلم لشکر پہلے میدان جنگ میں پہنچے تو انہوں نے اس مقام پر پڑاؤ ڈالا جو بہتر معلوم ہوتا تھا جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وہ جگہ چھوڑ دی گئی جو کمتر معلوم ہوتی تھی۔ لیکن بارش ہونے کے بعد یہ صورتحال پلٹ گئی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا پڑاؤ افضل مقام بن گیا۔ بارش نے اس زمین کو مزید مضبوط بنا دیا جس پر وہ ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ بارش نے انہیں وضو اور دیگر ضروریات کے لیے بارش کے پانی کو آسانی سے پکڑنے کا موقع بھی دیا۔ باب 8 الانفال، آیت 11:

"]یاد کرو [جب اس نے اپنی طرف سے سلامتی کے ساتھ تم پر غنودگی طاری کر دی اور تم پر آسمان سے بارش برسائی جس کے ذریعے سے تمہیں پاک کرے اور تم سے شیطان کی برائیوں کو دور کرے اور تمہارے دلوں کو ثابت قدم رکھے اور اس سے تمہارے پاؤں مضبوط ہو جائیں۔"

تفسیر ابن کثیر، جلد 4، صفحہ 271-272 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

انہیں جو غنودگی نصیب ہوئی وہ تحفظ کے احساس کی وجہ سے تھی جو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ڈال دی جس نے انہیں شیطان کے وسوسوں سے محفوظ رکھا۔ اگر وہ گھبراتے تو سوتے ہی نہیں۔ اس نیند نے انہیں جنگ سے پہلے مکمل آرام کرنے کا موقع بھی دیا۔ وہ واحد شخص جس کو نیند نہیں آتی تھی وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اس نے رات اللہ تعالیٰ سے فتح کے لیے دعائیں مانگتے ہوئے گزاری۔ مسند احمد نمبر 1161 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

مذکورہ آیت اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ جب حالات سازگار نظر نہیں آتے تو اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے کیونکہ حالات کیسی ہی کیوں نہ ہوں انہیں برکتیں اور کامیابیاں ملیں گی۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4168 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی کہ تقدیر پر سوال نہ کریں کیونکہ یہ شیطان کے لیے دروازہ کھول دیتا ہے۔ وہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے انتخاب کو چیلنج کرنے کی ترغیب دیتا ہے، کیونکہ وہ اپنی کم نگاہی اور کم فہمی کی وجہ سے اس کے پیچھے موجود حکمتوں کا مشاہدہ نہیں کرتے۔ یہ بدلے میں بے صبری اور ثواب کے نقصان کا باعث بنتا ہے۔ کسی کو اپنے ماضی کے تجربات پر غور کرنا چاہیے جہاں وہ سمجھتے تھے کہ کوئی چیز اچھی تھی جب وہ حقیقت میں بری تھی اور اس کے برعکس، تاکہ انہیں صبر کرنے کی ترغیب دی جا سکے، کیونکہ انہیں یہ فوائد جلد یا بدیر دکھائے جائیں گے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

”لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو یہ بتانے کا پابند نہیں ہے کہ اس کے احکام انہیں کس طرح فائدہ پہنچاتے ہیں۔ انسان کو کائنات میں اپنے مقام کو اللہ تعالیٰ کے بندے کی حیثیت سے سمجھنا چاہیے۔ آقا کبھی بھی غلام پر ان باتوں کی وضاحت کا مقروض نہیں ہوتا جس کا وہ حکم دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کا ایک حصہ ہے کہ کوئی شخص صبر کرتا ہے اور اس کی اطاعت جاری رکھتا ہے، اسلامی تعلیمات کے مطابق جو نعمتیں اسے عطا کی گئی ہیں ان کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہوئے، چاہے وہ اس کے انتخاب کے پیچھے موجود حکمتوں کا مشاہدہ کرنے میں ناکام ہو جائے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ وہ اس وقت ان کی مدد کرے گا جو ان کے لیے بہترین ہو اور اس طریقے سے جو ان کے لیے بہترین ہو، چاہے یہ ان کے لیے نہ ہو۔ باب 65 میں طلاق، آیت 2:

‘‘اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔’’

یہ درحقیقت مسلمان ہونے کے امتحان کا حصہ ہے۔ باب 29 العنکبوت، آیات 2-3:

"کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انہیں یہ کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی، لیکن ہم نے ان سے پہلے والوں کو ضرور آزمایا ہے، اور اللہ ضرور ان لوگوں کو ظاہر کرے گا جو سچے ہیں اور وہ ضرور جھوٹوں کو ضرور ظاہر کر دے گا۔"

الہی نعمتیں اور حمایت

جنگ بدر کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو غیر مسلموں کی نظروں میں تھوڑے اور اس کے برعکس دکھایا تاکہ معرکہ ہو اور حق باطل پر غالب آجائے۔ مثال کے طور پر ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے دشمن کی تعداد 70 بتائی اور صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے دشمن کی تعداد 100 بتائی، لیکن جب جنگ شروع ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو دکھایا کہ ان کے دلوں میں دوگنا خوف پیدا کرنے کا حکم دیا گیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدد۔ اصل تعداد 1000 غیر مسلموں کے مقابلے میں تقریباً 310 مسلمان تھی۔ باب 8 الانفال، آیت 44:

"اور یاد کرو جب اس نے تمہیں ان کو دکھایا، جب تم ملے، تمہاری نظروں میں تھوڑے، اور اس نے تمہیں ان کی نظروں میں کم دکھایا تاکہ اللہ پہلے سے طے شدہ کام کو پورا کر دے۔"

اور باب 3 علی عمران، آیت 13:

’’تمہارے لیے ان دو لشکروں میں نشانی پہلے سے موجود ہے جو (جنگ بدر میں (آپس میں مل چکے ہیں، ایک اللہ کی راہ میں لڑنے والی اور دوسری کافروں کی، انہوں نے اپنی آنکھوں سے ان کو اپنی تعداد سے دوگنا ہوتے دیکھا، لیکن اللہ جسے چاہتا ہے اپنی فتح سے نوازتا ہے، یقیناً اس میں بینائی والوں کے لیے عبرت ہے۔‘‘

امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 2 صفحہ 269 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر، جیسا کہ مذکورہ آیات سے اشارہ کیا گیا ہے، ایک مشاہداتی ذہنیت کو اپنانا چاہیے جس کے تحت وہ ماضی کے واقعات سے اور اپنے اردگرد کے لوگوں سے سبق حاصل کریں، تاکہ وہ زندگی میں صحیح راستے کا انتخاب کریں اور ان غلطیوں سے بچیں جو دوسرے لوگوں نے انہیں ذہنی سکون سے محروم کر دی ہیں، جیسے کہ اللہ کی خوشنودی پر لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنا، اللہ کی عطا کردہ نعمتوں سے محروم رہنا۔ اللہ تعالیٰ واضح فرماتا ہے کہ جب تک کوئی اس کی اطاعت پر ثابت قدم رہے گا، وہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ہر طرح کے حالات پر قابو پا لے گا تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون اور کامیابی حاصل کریں۔ باب 65 میں طلاق، آیت 2:

"اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا"

لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ یہ کامیابی لوگوں کی خواہشات کے مطابق نہیں ہے۔ یہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم اور حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔ اس لیے یہ کامیابی اس وقت ہوتی ہے جب یہ لوگوں کے لیے بہترین ہو اور اس طریقے سے جو ان کے لیے بہتر ہو، چاہے یہ ان پر ظاہر نہ ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

"لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

لہٰذا انسان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے، یہ جانتے ہوئے کہ انہیں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملے گی، کسی نہ کسی طریقے سے اور یہ بات ان پر ظاہر ہے یا نہیں۔ اس اطاعت میں ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن کریم اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ" زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

سچی امید

غزوہ بدر شروع ہونے سے پہلے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے مسلسل اور پرجوش انداز میں دعا کی کہ وہ انہیں فتح عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ سے اس کی التجائیں اتنی شدید تھیں کہ جب وہ دعا میں ہاتھ اٹھاتا تو اس کی چادر کندھوں سے پھسل جاتی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بدل دیتے تھے اور ہمدردی کے پیش نظر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شدت کو کم کر دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فتح عطا فرمائے گا۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 2 صفحہ 273 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مدد کے سلسلے میں خواہش مندانہ سوچ اختیار کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ سے حقیقی امید رکھنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے حقیقی امید کے طور پر، اس کی اطاعت میں کوشش کرنا شامل ہے، اسلامی تعلیمات میں بیان کردہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہوئے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اندیشہ ہوا ہو گا کہ ،اپنی اطاعت میں کمزوری اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اطاعت میں کمزوری کی وجہ سے جب سے اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ فتح یاب ہو جائیں گے۔ اس کی اطاعت اس جنگ کے دوران ان پر لاگو نہیں ہوسکتی ہے۔ نتیجتاً، اسے خوف ہوا کہ وہ یہ جنگ ہار جائیں گے اور اس لیے وہ اللہ تعالیٰ سے اس کی مدد کے لیے دعا کرتا رہا۔ اس لیے ایک مسلمان کو یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہیں اور خواہش مندانہ سوچ کو اپنانے سے گریز کریں۔

جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحمت الٰہی سے حقیقی امید اور خواہش مندانہ سوچ کے درمیان فرق بیان فرمایا۔ حقیقی امید وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچ کر اپنی روح کو قابو میں رکھے اور آخرت کی تیاری کے لیے سرگرم جدوجہد کرے۔ جبکہ احمق خواہش مند مفکر ان کی خواہشات کی پیروی کرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ سے ان کی مغفرت اور ان کی خواہشات کی تکمیل کی توقع رکھتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ان دونوں رویوں میں خلط ملط نہ کریں تاکہ وہ ایک خواہش مند مفکر کے طور پر جینے اور مرنے سے بچیں، کیونکہ اس شخص کے اس دنیا یا آخرت میں کامیاب ہونے کا امکان بہت کم ہے۔ خواہش مند سوچ ایک کسان کی طرح ہے جو پودے لگانے کے لیے زمین کو تیار کرنے میں ناکام رہتا ہے، بیج لگانے میں ناکام رہتا ہے، زمین کو پانی دینے میں ناکام رہتا ہے اور پھر بڑی فصل کی کٹائی کی توقع رکھتا ہے۔ یہ صریح حماقت ہے اور اس کسان کے کامیاب ہونے کا امکان بہت کم ہے۔ جبکہ حقیقی امید ایک کسان کی طرح ہے جو زمین کو تیار کرتا ہے، بیج لگاتا ہے، زمین کو پانی دیتا ہے اور پھر یہ امید رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بڑی فصل سے نوازے گا۔ اہم فرق یہ ہے کہ سچی امید رکھنے والا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے سرگرم عمل ہو گا، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرے گا۔ اور جب بھی پھسلتے ہیں تو سچے دل سے توبہ کرتے ہیں۔ جبکہ خواہش مند مفکر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سرگرداں نہیں ہو گا بلکہ ان کی خواہشات کی پیروی کرے گا اور پھر بھی اللہ تعالیٰ سے یہ امید رکھے گا کہ وہ انہیں معاف کر دے گا اور ان کی خواہشات کو پورا کرے گا۔

لہٰذا مسلمانوں کو اس اہم فرق کو سیکھنا چاہیے تاکہ وہ خواہش مندانہ سوچ کو ترک کر سکیں اور اس کے بجائے اللہ تعالیٰ سے سچی امید اختیار کر سکیں جو ہمیشہ دونوں جہانوں میں بھلائی اور کامیابی کے سوا کچھ نہیں دیتی۔ صحیح بخاری نمبر 7405 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

خواہش مندانہ سوچ کی ایک خاص قسم جس نے ماضی کی قوموں اور حتیٰ کہ مسلم قوم کو بھی متاثر کیا جب کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام و ممنوعات کو نظر انداز کر سکتا ہے اور قیامت کے دن کوئی نہ کوئی ان کی شفاعت کرے گا اور انہیں جہنم سے نجات دے گا۔ اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت ایک حقیقت ہے اور بہت سی احادیث میں اس پر بحث ہوئی ہے، جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 4308 میں ہے، لیکن اس سے کم نہیں حتیٰ کہ آپ کی شفاعت سے بعض مسلمان، جن کے عذاب میں تخفیف ہو گی، پھر بھی جہنم میں داخل ہوں گے۔ جہنم میں ایک لمحہ بھی واقعی ناقابل برداشت ہے۔ لہٰذا خواہش مندانہ سوچ کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں عملی طور پر کوشش کرتے ہوئے سچی امید کو اپنانا چاہیے۔

شیطان ان لوگوں کو جو قیامت پر یقین نہیں رکھتے ہیں کہ اگر ایسا ہو بھی جائے تو وہ اس دن یہ دعویٰ کر کے اللہ تعالیٰ سے صلح کر لیں گے کہ وہ اتنے برے نہیں تھے کہ انہوں نے قتل جیسے بڑے جرائم سے اجتناب کیا۔ انہوں نے اپنے آپ کو یہ باور کرایا ہے کہ ان کی درخواستیں قبول کی جائیں گی اور انہیں جنت میں بھیج دیا جائے گا اگرچہ انہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران اللہ تعالیٰ سے کفر کیا۔ یہ ناقابل یقین حد تک احمقانہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس شخص کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرے گا جو اس پر ایمان لایا اور اس کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنے والے کے ساتھ کفر کیا۔ ایک آیت نے اس قسم کی خواہش مند سوچ کو مٹا دیا ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 85:

"اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو چاہے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔"

آخر میں، ایک مسلمان کو یہ یقین کر کے خواہش مندانہ سوچ نہیں اختیار کرنی چاہیے کہ وہ مسلمان ہونے کے ناطے ایک دن جنت میں داخل ہوں گے، چاہے وہ اپنے گناہوں کے نتیجے میں پہلے جہنم میں ہی کیوں نہ جائیں۔ کوئی بھی اپنے ایمان کے ساتھ اس دنیا سے جانے کی ضمانت نہیں دیتا۔ جو شخص سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو چھوڑ دیتا ہے، اس کے اس دنیا سے بغیر ایمان کے چلے جانے کا بڑا خطرہ ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جس کی پرورش اور نگہداشت اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت سے ہونی چاہیے۔ جب ایمان کا پودا نظر انداز کر دیا جائے تو وہ مر سکتا ہے، جس کے پاس دونوں جہانوں میں کامیابی کو یقینی بنانے کے لیے کچھ بھی نہیں بچا۔

سیدھا اخلاق

غزوہ بدر کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ غیر مسلموں کے ساتھ ہونے والے بعض لوگوں کو قتل نہ کریں کیونکہ وہ ہچکچاتے ہوئے میدان جنگ میں آئے تھے۔ اس کے علاوہ، اس نے ابو البختری نامی ایک شخص کے قتل سے منع کیا، کیونکہ اس نے مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کی تھی اور مدینہ کی طرف ہجرت کرنے سے پہلے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بائیکاٹ کی دستاویز کو منسوخ کر دیا تھا۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 2 صفحہ 290 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ مشکل وقت میں بھی انصاف کو برقرار رکھنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے، جیسے کہ جنگ کے دوران۔ لہٰذا مسلمانوں کو ہمیشہ انصاف پر قائم رہنا چاہیے، خواہ ان کی خواہشات کے خلاف ہو۔ جب کوئی مثبت صورتحال اور موڈ میں ہو تو لوگوں کے ساتھ معاملات میں انصاف پر قائم رہنا آسان ہوتا ہے۔ اصل امتحان اس وقت ہوتا ہے جب کوئی مشکل اور پریشان کن صورتحال میں لوگوں کے ساتھ معاملہ کرتے وقت انصاف پر قائم رہتا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک اچھے شریک حیات کی تعریف کسی ایسے شخص سے نہیں ہوتی جو اپنے شریک حیات سے خوش ہونے پر ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔ ایک اچھا شریک حیات دراصل وہ شخص ہوتا ہے جو اپنے شریک حیات کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے اور ان سے ناراض ہونے کے باوجود ان کے حقوق ادا کرے۔ اس لیے ایک مسلمان کی اچھی خصوصیات کو نافذ کرنے اور دوسرے لوگوں کے حقوق کو ہر حال میں ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اس انتخاب سے گریز کرنا چاہیے کہ کب ان کی خواہشات کے مطابق ایک اچھے مسلمان کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے اور کب نہیں۔

مخلصانہ مشورہ دینا

جنگ بدر شروع ہونے سے پہلے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر مسلم لشکر میں سے ایک غیر مسلم سردار عتبہ ابن ربیعہ کو دیکھا۔ اس کے بعد اس نے تبصرہ کیا کہ اگر غیر مسلم فوج میں سے کسی میں بھلائی ہے تو وہ وہ ہے اور اگر فوج اس کی بات مانے گی تو وہ صحیح کام کریں گے۔ دریں اثنا، عتبہ نے غیر مسلموں پر زور دیا کہ وہ گھر واپس جائیں اور جنگ میں حصہ نہ لیں۔ انہوں نے انہیں یاد دلایا کہ بہت سے مسلمان ان کے رشتہ دار تھے اور اگر وہ مارے جائیں تو غیر مسلم جنگ جیت سکتے ہیں لیکن جب وہ گھر لوٹیں گے تو ان میں ایک دوسرے کے لیے دشمنی ہوگی، جیسا کہ انہوں نے ایک دوسرے کے رشتہ داروں کو قتل کیا تھا۔ ابو جہل ہر قیمت پر اسلام کی تباہی کا خواہاں تھا اور اس لیے اس پر بزدل ہونے کا الزام صرف اسے اور دوسروں کو لڑنے کی ترغیب دینے کے لیے لگایا گیا۔ اس پر امام محمد السلّابی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرتِ نبوی، جلد 1، صفحہ 962 میں بحث کی گئی ہے۔

عتبہ اگرچہ ایک غیر مسلم تھا لیکن اس نے اپنے ہم وطنوں کے ساتھ کچھ نہ کچھ خلوص کا مظاہرہ کیا تو دوسری طرف ابوجہل نے ہر کسی کو اپنے ہی رشتہ داروں سے لڑنے اور قتل کرنے کی نصیحت کر کے تمام دنیوی فائدے مثلاً اختیار اور دولت کی خاطر بے وفائی کا مظاہرہ کیا۔

دوسروں کے ساتھ اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کی مدد کریں، اپنے ذرائع کے مطابق، جیسے جسمانی، جذباتی اور مالی امداد۔ نیک نیت کی ایک مثبت علامت یہ ہے کہ انسان کو لوگوں سے شکرگزاری یا معاوضے کی خواہش نہیں کرنی چاہیے۔ انہیں چاہیے کہ وہ اللہ کے لیے دوسروں کی مدد کریں، اور اس سے اجر کی امید رکھیں۔ کسی اور وجہ سے عمل کرنے والا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر نہیں پائے گا۔ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ جب وہ دوسروں کی مدد کر رہے ہوں گے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی مسلسل نصرت حاصل ہو گی۔ صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلسل مدد حاصل کرتا ہے، وہ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کی ترغیب دیتا ہے جو اسلامی تعلیمات میں بیان کی گئی ہیں تاکہ وہ ہر حال میں صحیح رہنمائی حاصل کر سکے۔ یہ بالآخر ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں برکتوں کا باعث بنتا ہے۔ دوسروں کے ساتھ مخلص ہونے میں اسلام کی تعلیمات کے مطابق لوگوں کے حقوق کی ادائیگی بھی شامل ہے۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ کوئی بھی لوگوں کے حقوق کو ان کی اپنی تعریفوں کے مطابق پورا نہیں کر سکتا کیونکہ

اس سے وہ دوسروں پر ظلم کرے گا۔ اس لیے اسلامی تعلیمات کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے تاکہ وہ دوسروں جیسے اپنے رشتہ داروں کے حقوق کو صحیح طریقے سے ادا کر سکے۔ دوسروں کے ساتھ مخلص ہونا اس وقت آسانی سے حاصل ہو جاتا ہے جب کوئی دوسروں کے ساتھ اس طرح برتاؤ کرتا ہے جس طرح وہ خود چاہتا ہے کہ دوسرے لوگوں سے سلوک کیا جائے۔ یہ دراصل ایک سچے مومن کی تعریف ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 13 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

وعدوں کی تعظیم

جنگ بدر کے وقت حذیفہ بن یمان اور ان کے والد رضی اللہ عنہ دونوں مکہ سے ہجرت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر کی جنگ میں شریک ہوئے۔ راستے میں انہیں مکہ کے غیر مسلموں نے پکڑ لیا لیکن وہ انہیں یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گئے کہ ان کا ارادہ مدینہ جانا ہے اور بدر میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لشکر میں شامل نہیں ہونا ہے۔ انہوں نے غیر مسلموں کے ساتھ اس اثر و رسوخ کا عہد کیا۔ جب وہ آخرکار بدر کے قریب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے اور آپ کو پیش آنے والے واقعہ سے آگاہ کیا تو آپ نے ان سے کہا کہ اپنا وعدہ پورا کریں اور 3 سے 1 کے تناسب سے اپنی بھاری تعداد میں فوج میں شامل ہونے کے بجائے مدینہ کی طرف چلتے رہیں۔

ایسے سنگین حالات میں بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں وعدہ خلافی نہ کرنے کی تلقین کی۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ وعدہ خلافی منافقت کا ایک پہلو ہے۔

ایک مسلمان نے سب سے بڑا وعدہ اللہ تعالیٰ سے کیا ہے، جس پر اتفاق اس وقت ہوا جب کسی نے اسے اپنا رب اور معبود تسلیم کیا۔ اس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا شامل ہے۔

لوگوں کے ساتھ کیے گئے دیگر تمام وعدوں کو بھی پورا کیا جانا چاہیے، جب تک کہ کسی کے پاس کوئی معقول عذر نہ ہو، خاص طور پر جو والدین بچوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ وعدوں کی خلاف ورزی بچوں کو صرف برے کردار کی تعلیم دیتی ہے اور انہیں یہ ماننے کی ترغیب دیتی ہے کہ

دھوکے باز ہونا ایک قابل قبول خصوصیت ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2227 میں موجود حدیث میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا ہے کہ جو اس کے نام پر وعدہ کرے اور پھر بغیر کسی عذر کے اسے توڑ دے وہ اس کے خلاف ہو گا۔ جس کے خلاف اللہ تعالیٰ ہے وہ قیامت کے دن کیسے کامیاب ہو سکتا ہے؟ جہاں ممکن ہو دوسروں کے ساتھ وعدے نہ کرنا ہمیشہ محفوظ ہے۔ لیکن جب کوئی حلال وعدہ کیا جائے تو اسے پورا کرنے کے لیے سخت کوشش کرنی چاہیے۔

ڈوئل

جنگ بدر میں لڑائی شروع ہونے سے پہلے، تین غیر مسلموں نے تین مسلمانوں کو اکیلی لڑائی کا چیلنج دیا۔ علی ابن ابو طالب، حمزہ ابن عبدالمطلب اور عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے تین غیر مسلم لیڈروں کے خلاف اس جنگ میں حصہ لیا۔ علی اور حمزہ رضی اللہ عنہ نے اپنے مخالفین پر تیزی سے غالب آ کر انہیں قتل کر دیا۔ عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے مخالف کو جان لیوا زخمی کیا لیکن خود بھی زخمی ہوئے۔ جب اسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے جایا گیا تو مؤخر الذکر نے تصدیق کی کہ وہ شہید ہیں۔ مرنے سے پہلے عبیدہ رضی اللہ عنہ نے تبصرہ کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب کا درج ذیل شعر ان پر زیادہ قابل اطلاق تھا’’ :ہم ان کی حفاظت کریں گے جب تک کہ ہم زخمی ہو کر ان کے گرد مر نہ جائیں، اپنے بچوں سے بالکل غافل ہوں۔ ‘‘اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 500-501 اور امام صفی الرحمن کی، مہربند نیکٹر، صفحہ 219 میں بحث کی گئی ہے۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے باب 22 الحج آیت 19 نازل فرمایا:

یہ دو مخالف ہیں جنہوں نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا۔ لیکن جن لوگوں نے کفر کیا ان" کے لیے آگ کے کپڑے کاٹ دیے جائیں گے۔ ان کے سروں پر انڈیلنے والا گرم پانی ہو گا۔

سنن ابن ماجہ نمبر 2835 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

یہ واقعہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور احترام کے دعوے کی حمایت کرنے کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور تعلیمات پر خلوص دل سے عمل کرنے میں ناکام رہتے ہوئے محبت اور احترام کا زبانی اعلان اسلام میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ اعمال دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کا ثبوت ہیں۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

”کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا
اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔“

یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ پچھلی امتیں بھی اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت کا دعویٰ کرتی ہیں لیکن ظاہر ہے کہ وہ آخرت میں ان کے ساتھ نہیں آئیں گی کیونکہ انہوں نے دنیا میں عملی طور پر ان کی پیروی نہیں کی۔ لہٰذا جو شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے عملی طور پر ان کی پیروی کرنے میں ناکام رہے گا وہ آخرت میں اس کے ساتھ نہیں ہو گا، خواہ وہ یہ دعویٰ کریں کہ وہ آپ سے محبت اور احترام کرتے ہیں۔

بہادری۔

غزوہ بدر کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دشمن کے سب سے زیادہ قریب تھے اور اس دن آپ سب سے زیادہ بہادر تھے۔ یہ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 282 میں درج ہے۔

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک بار تبصرہ کیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ مردوں میں سب سے زیادہ بہادر تھے۔ غزوہ بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور ہر حملے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا۔ اس پر امام سیوطی، تاریخ الخلفاء، صفحہ 13 میں بحث ہوئی ہے۔

عام طور پر دیکھا جائے تو ایک مسلمان کو زندگی کی مشکلات اور آزمائشوں سے نبردآزما نہیں ہونا چاہیے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ثابت قدمی کا رویہ اپنائے جس کے تحت وہ زندگی کی آزمائشوں اور مشکلات کا مثبت سوچ کے ساتھ مقابلہ کرے تاکہ وہ ان پر قابو پا سکے۔ ایک مسلمان کو ایسی منفی سوچ نہیں اختیار کرنی چاہیے جس سے وہ آزمائشوں اور مشکلات کے دباؤ میں گر جائیں کیونکہ انہیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی حدود سے باہر نہیں آزماتا۔ باب 2 البقرہ، آیت 286:

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

مزید برآں، ایک ثابت قدم اور مثبت رویہ اپنایا جا سکتا ہے جب کوئی مضبوط ایمان کو اپنائے۔ ایمان کا یقین تب حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص اسلامی تعلیمات کو سیکھتا اور اس پر عمل کرتا ہے۔ پختہ ایمان رکھنے والا ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہے گا خواہ آسانی ہو یا مشکل۔ اس فرمانبرداری میں ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں دی گئی ہیں جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ وہ مشکل کے وقت صبر اور آسانی کے وقت شکرگزاری کا مظاہرہ کریں گے۔ کسی کی نیت میں شکر ادا کرنے میں صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے

عمل کرنا شامل ہے۔ کسی کی تقریر میں شکر گزاری میں وہ بات کرنا شامل ہے جو اچھی ہے یا خاموش رہنا۔ اور اپنے اعمال میں شکرگزاری میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ مزید برآں، صبر میں کسی کی بات یا عمل سے شکایت کرنے سے گریز کرنا اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر ثابت قدم رہنا، اس بات پر یقین رکھنا کہ وہ صرف وہی انتخاب کرتا ہے جو ان کے لیے بہتر ہے، چاہے یہ ان کے لیے واضح نہ ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

”لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

لہٰذا ہر حال میں صحیح طریقے سے عمل کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی مسلسل مدد اور رحمت حاصل ہوتی ہے جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں سکون قلب حاصل ہوتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 7500 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

جبکہ اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت انسان کو کمزور ایمان اختیار کرنے کا سبب بنے گی۔ کمزور ایمان بعض حالات جیسے مشکل کے وقت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو آسانی سے ترک کرنے کا سبب بنتا ہے۔ لہٰذا جو شخص ایک ثابت قدم اور مثبت رویہ چاہتا ہے جس کے تحت وہ زندگی کے ہر چیلنج پر اعتماد کے ساتھ قابو پاتا ہے اسے اسلامی علم سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے یقین کا یقین اختیار کرنا چاہیے۔

آسمانوں سے مدد

غزوہ بدر کے دوران اللہ تعالیٰ نے ہزاروں فرشتے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدد کے لیے بھیجے۔ باب 8 الانفال، آیت 12:

"یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں کی طرف وحی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، لہٰذا ایمان والوں کو تقویت دو۔ میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا، لہٰذا ان کی گردنوں پر مارو اور ہر انگلی کے پور پر مارو۔"

ایک موقع پر ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے ایک غیر مسلم سپاہی کا تعاقب کیا اور ایک کوڑے کی آواز سنی اور کوئی بول رہا تھا حالانکہ کوئی اور موجود نہیں تھا۔ اس نے غیر مسلم کو مردہ پایا۔ جب اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ سے آگاہ کیا تو آپ نے تصدیق کی کہ یہ تیسرے آسمان کا فرشتہ ہے۔ اس کا ذکر صحیح مسلم نمبر 4588 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔

ایک اور موقع پر، ایک فرشتے نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی مدد کی، جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس بن عبدالمطلب کو پکڑ لیا، جنہیں اس جنگ کے دوران مکہ کے غیر مسلموں نے ان کے ساتھ شامل ہونے پر مجبور کیا تھا۔ مسند احمد نمبر 948 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

جنگ کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مٹھی بھر ریت اور کنکر غیر مسلم فوج کی طرف پھینکے جو ہر غیر مسلم سپاہی کی آنکھوں تک پہنچ گئے اور ان کی توجہ لڑائی سے ہٹ گئی۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال آیت 17 نازل فرمائی:

‘‘...اور جب تم نے پھینکا تو تم نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا’’

اس پر امام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی نوبل زندگی، جلد 1، صفحہ 977-978 اور امام واحدی کی، اصباب النزول، 8:17، صفحہ 82 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعات واضح طور پر ظاہر کرتے ہیں کہ جب کوئی اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت پر ثابت قدم رہے گا، جس میں ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا ہے، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے، تو اسے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی نصرت حاصل ہوگی۔ باب 65 میں طلاق، آیت 2:

‘‘اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔’’

لیکن یہ سمجھنا ضروری ہے کہ یہ غیبی امداد اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم اور حکمت کے مطابق ہوتی ہے نہ کہ لوگوں کی خواہشات یا ٹائم ٹیبل کے مطابق۔ اس لیے یہ الٰہی امداد بہترین وقت پر آتی ہے اور بہترین طریقے سے ہوتی ہے، خواہ یہ لوگوں پر ظاہر نہ ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ دونوں جہانوں میں ان کی مدد کی جائے گی، خواہ یہ تائید ان پر ظاہر نہ ہو۔

اس کے علاوہ زیر بحث اہم واقعہ اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں، وہ کبھی بھی ذہنی سکون اور کامیابی حاصل نہیں کر سکتے، خواہ یہ ان پر ظاہر نہ ہو۔ کسی کو یہ ماننے کی غلطی نہیں کرنی چاہیے کہ دولت اور طاقت جیسی دنیاوی چیزوں کا حصول ہی حقیقی کامیابی کی علامت ہے۔ اگر یہ سچ تھا، تو امیر اور مشہور لوگ زمین پر سب سے زیادہ مطمئن اور مطمئن لوگ ہوں گے۔ واضح طور پر ایسا نہیں ہے، کیونکہ جو امیر اور مشہور لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں، ان کی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرتے

ہوئے اکثر ذہنی امراض جیسے ڈپریشن، نشے کی لت اور خودکشی کے رجحانات میں سب سے زیادہ ڈوب جاتے ہیں۔ اس لیے یہ سمجھنا چاہیے کہ حقیقی کامیابی دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کرنے میں ہے۔ یہ تب ہی حاصل ہوتا ہے جب وہ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کریں جو انہیں دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کریں گے اور روزِ قیامت کے لیے مناسب تیاری کرتے ہوئے ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں درست طریقے سے رکھیں گے۔ اس لیے ایک شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے مفاد کے لیے اسلامی تعلیمات کو قبول کرے اور اس پر عمل کرے، چاہے وہ اس کی خواہشات کے خلاف ہو۔ انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی گئی ہیں اور ایک سخت خوراک کا منصوبہ ہے۔ جس طرح یہ عقلمند مریض اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کرے گا، اسی طرح وہ شخص جو اسلامی تعلیمات کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف وہی علم ہے جس کے پاس کسی شخص کو متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کے حصول کو یقینی بنانے کے لیے ضروری علم ہے، وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ معاشرے میں موجود انسانوں کی ذہنی اور جسمانی حالتوں کا علم تمام تر تحقیق کے باوجود اس نتیجے کو حاصل کرنے کے لیے کبھی بھی کافی نہیں ہو گا، کیونکہ وہ ہر اس مسئلے کو حل نہیں کر سکتے جو انسان کو اپنی زندگی میں درپیش ہو اور نہ ہی ان کے مشورے محدود علم، تجربے اور دور اندیشی کی وجہ سے ہر قسم کے ذہنی اور جسمانی دباؤ سے بچ سکیں۔ یہ علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اس نے اسے قرآن مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی صورت میں انسانوں کو عطا کیا ہے۔ یہ حقیقت اس وقت عیاں ہوتی ہے جب کوئی ان لوگوں کو دیکھتا ہے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق عطا کی گئی نعمتوں کو استعمال کرتے ہیں اور جو نہیں کرتے۔ اگرچہ، زیادہ تر معاملات میں مریض اپنی تجویز کردہ دوائیوں کے پیچھے سائنس کو نہیں سمجھتے اور اس لیے اپنے ڈاکٹر پر اندھا اعتماد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ لوگوں کو اسلام کی تعلیمات پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے تاکہ وہ اپنی زندگی پر اس کے مثبت اثرات کو سمجھ سکیں۔ وہ لوگوں سے یہ توقع نہیں کرتا کہ وہ اسلام کی تعلیمات پر اندھا اعتماد کریں بلکہ وہ چاہتا ہے کہ وہ اس کی سچائی کو اس کے واضح دلائل سے پہچانیں۔ لیکن اس کے لیے انسان کو اسلام کی تعلیمات سے رجوع کرتے ہوئے غیر جانبدارانہ اور کھلے ذہن کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ باب 12 یوسف، آیت 108:

"کہو، "یہ میرا راستہ ہے؛ میں اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ دعوت دیتا ہوں، میں اور وہ لوگ جو میری پیروی کرتے ہیں..."

اس کے علاوہ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی لوگوں کے روحانی دلوں کو کنٹرول کرتا ہے، ذہنی سکون کا گھر، وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کون اسے حاصل کرتا ہے اور کس کو نہیں۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے‘‘۔’’

اور یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کو ذہنی سکون دے گا جو اس کی عطا کردہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔

ایک برا ساتھی

جنگ بدر کے دوران شیطان نے ایک غیر مسلم رہنما کا روپ دھار لیا اور غیر مسلموں کی فوج میں شامل ہوا اور ان کی حفاظت اور مدد کا وعدہ کرتے ہوئے انہیں مسلمانوں سے جنگ کرنے کی ترغیب دی۔ لیکن جب شیطان نے مسلمانوں کی فوج کی مدد کے لیے فرشتوں کو آسمان سے اترتے دیکھا تو وہ پیچھے ہٹ گیا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ میدان جنگ سے پیچھے ہٹ گیا۔ جب غیر مسلموں کی طرف سے ان پر تنقید کی گئی تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے ان چیزوں کا مشاہدہ کیا جو وہ نہیں دیکھ سکتے تھے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے عذاب سے ڈرتے تھے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 288 میں بحث کی گئی ہے۔

باب 8 الانفال، آیت 48:

اور یاد کرو جب شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لیے خوشنما بنا دیا اور کہا کہ آج تم پر" لوگوں میں سے کوئی غالب نہیں آسکتا اور میں تمہارا محافظ ہوں، لیکن جب دونوں لشکر ایک دوسرے کو دیکھے تو وہ الٹے پاؤں پھر گیا اور کہنے لگا کہ میں تم سے بیزار ہوں۔ بے شک میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔"

یہ واقعہ بری صحبت سے بچنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے کیونکہ یہ صرف دونوں جہانوں میں مصیبت کا باعث بنتا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 5534 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اچھے اور برے ساتھی میں فرق بیان فرمایا۔ اچھا ساتھی عطر بیچنے والے کی طرح ہے۔ ان کا ساتھی یا تو کچھ خوشبو حاصل کرے گا یا کم از کم خوشگوار بو سے مثبت طور پر متاثر ہوگا۔

جبکہ برا ساتھی لوہار کی طرح ہوتا ہے، اگر اس کا ساتھی ان کے کپڑے نہیں جلاتا ہے تو وہ یقیناً دھوئیں سے متاثر ہوگا۔

مسلمانوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ جن لوگوں کے ساتھ جائیں گے ان کا اثر ان پر پڑے گا چاہے یہ اثر مثبت ہو یا منفی، ظاہر ہو یا لطیف۔ کسی کا ساتھ دینا اور ان سے متاثر نہ ہونا ممکن نہیں۔ سنن ابو داؤد نمبر 4833 میں موجود حدیث اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ ایک شخص اپنے ساتھی کے مذہب پر ہے۔ یعنی انسان اپنے ساتھی کی خصوصیات کو اپناتا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ صالحین کا ساتھ دیں کیونکہ وہ بلاشبہ ان پر مثبت اثر ڈالیں گے، وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے کی ترغیب دیں گے۔ جبکہ برے ساتھی یا تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ترغیب دیں گے یا وہ ایک مسلمان کو عملی طور پر آخرت کی تیاری کے بجائے مادی دنیا پر توجہ مرکوز کرنے کی ترغیب دیں گے۔ یعنی وہ ان نعمتوں کو استعمال کرنے سے روکیں گے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں۔ یہ رویہ ان کے لیے دونوں جہانوں میں بڑی ندامت کا باعث بنے گا، چاہے وہ چیزیں حلال ہوں لیکن ان کی ضرورت سے زیادہ ہوں، کیونکہ جو نعمتیں کسی کو دی گئی ہیں ان کو باطل یا گناہ کے طریقوں سے استعمال کرنا اللہ تعالیٰ کو بھول جانے کی جڑ ہے۔ باب 20 طہٰ، آیت 124:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔"

آخر میں، جیسا کہ ایک شخص آخرت میں اپنے پیاروں کے ساتھ ختم ہو جائے گا، صحیح بخاری نمبر 3688 میں موجود حدیث کے مطابق، ایک مسلمان کو عملاً صالحین کے لیے دنیا میں ان کا ساتھ دے کر اور ان کے طرز زندگی اور طرز عمل کو اپنا کر اپنی محبت کا اظہار کرنا چاہیے۔ لیکن اگر وہ برے یا غافل لوگوں کا ساتھ دیتے ہیں تو یہ ان کے لیے ان کی محبت اور آخرت میں ان کی آخری صحبت کو ثابت اور ظاہر کرتا ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4031 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 43 از زخرف، آیت 67:

‘‘اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔’’

اس کے علاوہ زیر بحث اہم واقعہ اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ شیطان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو خواہ کتنا ہی مزین کر لے، اس سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ اس سے دونوں جہانوں میں سکون قلب نہیں ہو سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے جو ان کو دی گئی ہیں وہ متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل نہیں کرسکے گا، وہ اپنی زندگی میں ہر چیز اور ہر چیز کو غلط جگہ دے گا اور قیامت کے دن اپنے احتساب کے لیے مناسب تیاری کرنے میں ناکام رہے گا۔ یہ انہیں دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کرنے سے روک دے گا، خواہ وہ کتنی ہی دنیاوی آسائشوں سے لطف اندوز ہوں۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

آخرت کا ادراک

غزوہ بدر کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو غیر مسلموں سے لڑنے کی ترغیب دی اور بدلے میں ان سے جنت کا وعدہ فرمایا۔ عمیر بن ہمام رضی اللہ عنہ نے جب یہ وعدہ سنا تو آپ نے کچھ کھجوریں نیچے پھینک دیں، تلوار اٹھائی اور لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 409-410 میں بحث کی گئی ہے۔

عمیر رضی اللہ عنہ نے اس طرح جواب دیا جس طرح انہوں نے مادی دنیا اور آخرت کے بارے میں صحیح ادراک اور فہم کو اپنایا۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ صحیح ادراک پیدا کریں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کر سکیں، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ وہی چیز ہے جو نیک پیشرووں کے پاس تھی اور اس نے انہیں مادی دنیا کی اضافی آسائشوں سے بچنے اور آخرت کی تیاری کرنے کی ترغیب دی۔ یہ ایک اہم خصوصیت ہے اور اسے دنیاوی مثال سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ دو لوگ بہت پیاسے ہیں اور ایک کپ گدلا پانی کے پاس آتے ہیں۔ وہ دونوں اسے پینا چاہتے ہیں اگرچہ وہ پاک نہ ہو اور خواہ اس کا مطلب یہ ہو کہ اس پر جھگڑنا پڑے۔ جیسے جیسے ان کی پیاس گندے پانی کے پیالے پر زیادہ مرکوز ہوتی ہے وہ اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ وہ ہر چیز پر توجہ کھو دیتے ہیں۔ لیکن اگر ان میں سے کوئی اپنی توجہ ہٹاتا ہے اور صاف پانی کے ایک دریا کو دیکھتا ہے جو کچھ ہی فاصلے پر تھا وہ فوری طور پر پانی کے پیالے پر توجہ اس مقام پر کھو دیتا ہے کہ وہ اب اس کی پرواہ نہیں کرے گا اور اس پر مزید بحث نہیں کرے گا۔ اور اس کے بجائے وہ اپنی پیاس کو صبر سے برداشت کریں گے یہ جانتے ہوئے کہ خالص پانی کا ایک دریا قریب ہے۔ جو شخص دریا سے ناواقف ہے وہ شاید اس کے رویے میں تبدیلی کو دیکھ کر یقین کرے گا کہ دوسرا پاگل ہے۔ یہی حال اس دنیا میں دو طرح کے لوگوں کا ہے۔ ایک گروہ لالچ سے مادی دنیا پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔ دوسرے گروہ نے اپنی توجہ آخرت اور اس کی پاکیزہ اور ابدی نعمتوں پر مرکوز کر دی ہے۔ جب کوئی اپنی توجہ آخرت کی سعادت کی طرف مبذول کر لے تو دنیاوی مسائل اتنی بڑی بات نہیں لگتے۔ اس لیے صبر کو اپنانا آسان ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی اس دنیا پر اپنی توجہ مرکوز رکھے تو یہ ان کو سب کچھ لگتا ہے۔ وہ اس کے لیے بحث کریں گے، لڑیں گے، محبت کریں گے اور

نفرت کریں گے۔ بالکل اسی طرح جیسے پہلے ذکر کی گئی مثال میں وہ شخص جو صرف گندے پانی کے پیالے پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔

یہ صحیح ادراک صرف قرآن پاک میں موجود اسلامی علم کو حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں پایا جاتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 53:

”ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ یہ حق ہے“۔

ایمان میں غیر سمجھوتہ

غزوہ بدر کے دوران عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہاشم کا مقابلہ کیا اور انہیں قتل کر دیا۔ اس پر امام محمد السلّابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 93-94 میں بحث کی گئی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنے اخلاص اور وفاداری پر کسی تعلق کو غالب آنے نہیں دیا۔

اس کے علاوہ اس جنگ میں ابوبکر کے بیٹے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ غیر مسلموں کی طرف سے لڑ رہے تھے۔ برسوں بعد، اسلام قبول کرنے کے بعد، اس نے اپنے والد کو بتایا کہ بدر کی لڑائی کے دوران، اسے ان پر حملہ کرنے کا موقع ملا تھا لیکن اس کے احترام میں اپنا ہاتھ روک لیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اگر اس دن مجھے اس سے لڑنے اور قتل کرنے کا موقع ملتا تو وہ ضرور کرتے۔ اس پر امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 12 میں بحث ہوئی ہے۔

مصعب بن عمیر کے غیر مسلم بھائی کو ایک اور صحابی رضی اللہ عنہ نے غزوہ بدر میں پکڑ لیا۔ مصعب نے صحابی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ اپنی والدہ سے زیادہ فدیہ لیں کیونکہ وہ مالدار تھیں۔ جب ان کے غیر مسلم بھائی نے ان سے اپنے خاندانی تعلق کا تذکرہ کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ صحابی رضی اللہ عنہ آپ کے بھائی ہیں، آپ نہیں ہیں۔ اس پر امام صفی الرحمٰن کی کتاب مہربند نیکٹر صفحہ 226 میں بحث کی گئی ہے۔

غزوہ بدر کے دوران ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کو قتل کر دیا۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے باب 58 المجادلہ آیت 22 نازل فرمائی:

"تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت کرتے ہوئے نہ پاؤ گے، خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، اس نے ان کے دلوں میں ایمان پیدا کر دیا ہے اور اپنی طرف سے ان کی مدد کی ہے، اور ہم انہیں ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ ان سے راضی ہوں گے، جہاں وہ سب خوش ہوں گے۔ "اس کے ساتھ جو اللہ کی جماعت ہے بلا شبہ اللہ کی جماعت وہی کامیاب ہے۔

اس پر امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ، اصباب النزول، 58:22، صفحہ 150 میں بحث کی گئی ہے۔

اگر مسلمان دونوں جہانوں میں کامیابی چاہتے ہیں تو یہ غیر سمجھوتہ کرنے والا رویہ اپنانا چاہیے۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ مادی دنیا سے کچھ حاصل کرنے کے لیے اپنے ایمان پر کبھی سمجھوتہ نہ کریں۔ باب 4 النساء، آیت 135:

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔‘‘

چونکہ مادی دنیا عارضی ہے اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ آخرکار ختم ہو جاتا ہے اور آخرت میں ان کے اعمال اور رویوں کا جوابدہ ہو گا۔ دوسری طرف، ایمان وہ قیمتی زیور ہے جو ایک مسلمان کی دنیا اور آخرت میں تمام مشکلات سے باحفاظت رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے کسی

عارضی چیز کی خاطر جو چیز زیادہ فائدہ مند اور پائیدار ہو اس سے سمجھوتہ کرنا صریح حماقت ہے۔

بہت سے لوگ خاص طور پر خواتین، اپنی زندگی میں ایسے لمحات کا سامنا کریں گے جہاں انہیں اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر، بعض صورتوں میں اور کسی خاص طریقے اسکارف اتار دیا ایک مسلمان عورت یہ مان سکتی ہے کہ اگر اس نے اپنا سے لباس پہن لیا تو وہ کام پر زیادہ عزت دار ہو گی اور کارپوریٹ کی سیڑھی بھی زیادہ تیزی سے چڑھ سکتی ہے۔ اسی طرح کارپوریٹ دنیا میں کام کے اوقات کے بعد ساتھیوں کے ساتھ گھل مل جانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان اپنے آپ کو کام کے بعد کسی پب یا کلب میں مدعو کر سکتا ہے۔

ایسے وقت میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ حتمی فتح اور کامیابی صرف انہی کو ملے گی جو اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم رہیں۔ اس طرح عمل کرنے والوں کو دنیوی اور دینی کامیابیاں نصیب ہوں گی۔ لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان کی دنیاوی کامیابی ان کے لیے بوجھ نہیں بنے گی۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بنی نوع انسان کے درمیان ان کے درجات اور ذکر کو بڑھانے کا ذریعہ بنے گا۔ اس کی مثالیں خلفائے راشدین اسلام ہیں۔ انہوں نے اپنے عقیدے پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ زندگی بھر ثابت قدم رہے اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی اور مذہبی سلطنت عطا فرمائی۔

کامیابی کی دیگر تمام شکلیں بہت وقتی ہیں اور جلد یا بدیر وہ اس کے علمبردار کے لیے مشکل بن جاتی ہیں۔ صرف ان بہت سی ہستیوں کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے شہرت اور خوش قسمتی کے حصول کے لیے اپنے نظریات اور عقیدے پر سمجھوتہ کیا اور صرف یہی چیزیں ان کی اداسی، پریشانی، ڈپریشن، منشیات کے استعمال اور یہاں تک کہ خودکشی کا سبب بنیں۔

ایک لمحے کے لیے ان دونوں راستوں پر غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ کس کو ترجیح دی جائے اور کس کا انتخاب کیا جائے۔

سبحانہ وتعالیٰ سے نفرت

جنگ بدر کے ختم ہونے اور غیر مسلموں کی شکست کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر مسلموں کی لاشوں کو ایک پرانے کنویں میں رکھنے کا حکم دیا۔ ابو حذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ اپنے غیر مسلم والد کی وفات کو دیکھ کر بہت غمگین ہو گئے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ردعمل کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ مجھے اپنے ایمان کے بارے میں شک نہیں ہے لیکن وہ غمگین ہیں کیونکہ وہ اپنے والد سے اسلام قبول کرنے اور کفر کی حالت میں نہ مرنے کی خواہش رکھتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی سرزنش نہیں کی بلکہ انہیں تسلی دینے والے الفاظ کہے۔ اس پر امام صفی الرحمٰن کی کتاب مہربند نیکٹر صفحہ 226 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ غیر مسلموں سے نفرت نہ کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے بلکہ اسلام کی تعلیمات پر قائم رہتے ہوئے ان کے لیے بھلائی کی خواہش اور امید رکھتا ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان خصوصیات کی نصیحت فرمائی جو مسلمان کے ایمان کو کامل کرتی ہیں۔

ان خصلتوں میں سے ایک خصلت اللہ تعالیٰ کے لیے بغض رکھنا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ انسان کو ان چیزوں کو ناپسند کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں جیسے اس کی نافرمانی۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں سے نفرت کرنی چاہیے، کیونکہ لوگ سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے توبہ کر سکتے ہیں۔ اس کے بجائے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ خود اس گناہ کو ناپسند کرے جو ان سے ثابت ہے کہ اس سے بچنا اور دوسروں کو بھی اس سے خبردار کرنا۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں سے تعلقات توڑنے کے بجائے نصیحت کرتے رہیں، کیونکہ یہ حسن سلوک ان کے لیے صدق دل سے توبہ کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔ اس میں اپنے جذبات کی بنیاد پر چیزوں کو ناپسند کرنا شامل ہے، جیسے کوئی عمل، جو کہ جائز ہے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسندیدگی کا ثبوت یہ ہے کہ جب وہ اپنے قول و فعل سے ناپسندیدگی کا اظہار کریں گے تو یہ ہرگز اس طرح نہیں ہوگا جو اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہو۔ یعنی کسی

چیز کے لیے ان کی ناپسندیدگی ان سے کبھی گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گی کیونکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی چیز سے ان کی ناپسندیدگی ان کے اپنے لیے ہے۔

اس کے علاوہ، زیر بحث اہم واقعہ اس بات کو قبول کرنے کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ اسلام بعض اوقات مسلمانوں سے ان کی اپنی خواہشات کے خلاف ہونے کا مطالبہ کرے گا۔ ان صورتوں میں، ایک مسلمان کو ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے ڈاکٹر کے مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے حالانکہ اسے کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور خوراک کا سخت منصوبہ بنایا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ عقلمند مریض اچھی جسمانی صحت کے ساتھ، اسلامی تعلیمات کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے والا دونوں جہانوں میں ذہنی اور جسمانی سکون حاصل کرے گا، کیونکہ وہ ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرے گا اور ہر چیز اور ہر چیز کو اپنی زندگی میں صحیح طریقے سے جگہ دے گا۔ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی علم رکھتا ہے کہ وہ ضابطہ اخلاق مہیا کر سکتا ہے جو انسان کو ذہنی اور جسمانی سکون حاصل کرنے کے لیے درکار ہے۔ جبکہ انسان کے بنائے ہوئے تمام ضابطہ اخلاق کبھی بھی اس نتیجے پر نہیں پہنچیں گے کیونکہ ان میں علم، تجربہ، دور اندیشی اور تعصب کی وجہ سے ہمیشہ کمی رہے گی۔

اعمال کے نتائج

جنگ بدر کے دوران اسلام کے قدیم دشمن ابو جہل کو دو نوجوان صحابہ رضی اللہ عنہم نے قتل کر دیا۔ جب اسے ان کی طرف اشارہ کیا گیا تو انہوں نے اس پر الزام لگایا یہاں تک کہ انہوں نے اسے جان لیوا زخمی کردیا۔ پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کو آخری سانس میں پایا اور اسے ختم کر دیا۔ صحیح بخاری، نمبر 3988 اور 4020 میں موجود احادیث میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

جنگ ختم ہونے اور غیر مسلموں کی شکست کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر مسلموں کی لاشوں کو ایک پرانے کنویں میں رکھنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد آپ نے کنویں میں موجود لوگوں کی گنتی کرتے ہوئے انہیں پکارا اور پوچھا کہ کیا انہوں نے وہ چیز پا لی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وہی وعدہ کیا تھا جو انہیں دیا گیا تھا۔ جب اس سے میت کو پکارنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ وہ اس کی باتیں سن سکتے ہیں لیکن جواب نہیں دے سکتے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 300 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ انسان کی جسمانی یا سماجی طاقت چاہے کتنی ہی کیوں نہ ہو ایک دن ضرور آئے گا جب اسے اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ زیادہ تر معاملات میں، یہ ان کی زندگی کے دوران ہوتا ہے جہاں کسی شخص کے اعمال انہیں مصیبت میں لے جاتے ہیں، جیسے کہ جیل اور آخرکار انہیں آخرت میں بھی اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا ۔ یہ تمام لوگوں پر لاگو ہوتا ہے نہ صرف لیڈروں پر۔

اس لیے ایک مسلمان کو کبھی بھی دوسروں کے ساتھ برا سلوک نہیں کرنا چاہیے، جیسے کہ ان سے سبق سیکھنا چاہیے جو ان سے زیادہ طاقت میں ان ظالم لیڈروں کے رشتہ دار۔ انہیں تاریخ کے تھے، ایک دن ضرور آیا جب ان کی طاقت ان کے کام نہ آئی اور انہیں اپنے برے اعمال کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ سماجی اثر و رسوخ اور طاقت ایسی چیزیں ہیں جو تیزی سے ایک شخص سے دوسرے شخص میں منتقل ہوتی ہیں، کبھی کسی کے ساتھ زیادہ دیر تک نہیں رہتیں۔ لہٰذا جس مسلمان کے

پاس اتنی طاقت ہو اسے چاہیے کہ وہ اسے ایسے طریقے سے استعمال کرے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو اور اپنے اور دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ لیکن اگر وہ اپنے اختیارات کا غلط استعمال کرتے ہیں تو وہ آخرکار ہوں گے۔ جس سے کوئی ان کی حفاظت نہیں سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے کر سکتا۔

کسی کے اختیار کا غلط استعمال نہ کرنا کیونکہ یہ انہیں قیامت اس کے علاوہ، یہ ضروری ہے کے دن جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ ہر ظالم کو ان کے اعمال صالحہ ان کے مظلوموں کو دینا ہوں گے اور اگر ضرورت پڑی تو اپنے مظلوموں کے گناہوں کو لے کر جب تک انصاف نہ ہو جائے۔ اس سے بہت سے ظالموں کو جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو اپنے اعمال کے لیے خود کو جوابدہ ٹھہرانا کبھی نہیں بھولنا چاہیے۔ ایسا کرنے والے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور دوسروں کو نقصان پہنچانے سے بچیں گے۔ لیکن جو لوگ خود فیصلہ نہیں کرتے وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے رہیں گے اور دوسروں کو نقصان پہنچاتے رہیں گے۔ یہ نہ جانتے ہوئے کہ حقیقت میں وہ صرف اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ لیکن جب انہیں اس حقیقت کا ادراک ہو جائے گا تو ان کے لیے سزا سے بچنے میں بہت دیر ہو چکی ہو گی۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی اہم ہے کہ تاریخ کے واقعات اور اسلامی تعلیمات کے پس پردہ اسباق کو سمجھنا اور ان پر عمل کرنا چاہیے اور غیر متعلقہ موضوعات میں مشغول نہیں ہونا چاہیے۔ مثال کے طور پر، کیا مردہ زندہ کی باتیں سن سکتا ہے یہ ایک غیر متعلقہ مسئلہ ہے کیونکہ اس سے قیامت کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔ انسان کو اپنی کوششیں ہمیشہ ان موضوعات اور مسائل پر مرکوز رکھنی چاہئیں جن کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا، جیسے کہ اس دنیا میں عطا کردہ وسائل کا صحیح استعمال کرنا۔ اگر قیامت کے دن کسی خاص موضوع یا مسئلے کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا تو اس کے بارے میں سوچنے، بحث کرنے اور تحقیق کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔

آخرت کی تلاش

غزوہ بدر کے بعد بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے مال غنیمت پر اختلاف ہوا، جب کہ ان میں سے بعض نے اس کو جمع کر لیا، بعض نے غیر مسلم سپاہیوں کا تعاقب کیا تاکہ وہ واپس نہ آئیں اور دوسرے آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے رہے، اچانک حملے سے بچ گئے۔ اس جھگڑے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا۔ باب 8 الانفال، آیت 1:

"وہ آپ سے]جنگ کی [نعمتوں کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دو کہ انعامات اللہ اور رسول کے لیے ہیں، پس اللہ سے ڈرو اور جو کچھ تمہارے درمیان ہے اس کی اصلاح کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اگر تم مومن ہو۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو سپاہیوں کے درمیان برابر تقسیم کر دیا۔ تفسیر ابن کثیر جلد 4 صفحہ 253 اور سیرت ابن ہشام صفحہ 134 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر دیکھا جائے تو اس آیت نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ترغیب دی ہے کہ وہ دنیاوی فائدے پر توجہ دینے کے بجائے اللہ تعالیٰ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اطاعت پر توجہ دیں۔ اگرچہ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، غنیمت حاصل کرنا ان کے لیے ہمیشہ ایک بونس کے طور پر دیکھا جاتا تھا اور اسے حاصل کرنا ان کا بنیادی مقصد کبھی نہیں تھا۔ ان کا ارادہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے لڑنا تھا۔ اگر وہ صرف مال غنیمت میں دلچسپی رکھتے تھے تو ان کی کسی بھی لڑائی میں مسلم فوج کے شانہ بشانہ لڑنا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا، کیونکہ وہ طاقت اور ہتھیاروں کے لحاظ سے زیادہ تعداد میں ہوتے تھے۔ جو جھگڑا ہوا وہ لڑائی کے ختم ہونے کے بعد تھا اور انہیں غنیمت حاصل کرنے کا بونس دیا گیا تھا۔

مسلمانوں کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ ان کی اللہ تعالیٰ کی عبادت کیوں کی جاتی ہے کیونکہ یہ وجہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافے کا سبب بن سکتی ہے یا بعض صورتوں میں نافرمانی کا باعث بن سکتی ہے۔ جب کوئی اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اس سے حلال دنیاوی چیزیں حاصل کرنے کے لیے اس کی نافرمانی کا خطرہ مول لے لیتا ہے۔ اس قسم کے شخص کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔ باب 22 الحج، آیت 11:

"اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت کنارے پر کرتا ہے، اگر اسے کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو اسے تسلی ملتی ہے، اور اگر اسے کوئی آزمائش آتی ہے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے، اس نے دنیا اور آخرت کو کھو دیا ہے، یہی صریح نقصان ہے۔"

جب وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں تو دنیاوی نعمتوں کو حاصل کرنے کے لیے جب وہ ان کو حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں یا کسی مشکل کا سامنا کرتے ہیں تو وہ اکثر ناراض ہو جاتے ہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے دور کر دیتا ہے۔ یہ لوگ اکثر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور نافرمانی کرتے ہیں، اس صورت حال کے مطابق جس کا وہ سامنا کر رہے ہیں جو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی حقیقی بندگی کے خلاف ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ سے حلال دنیوی چیزوں کی خواہش کرنا اسلام میں قابل قبول ہے، لیکن اگر کوئی اس رویہ پر قائم رہے تو وہ اس آیت میں مذکور کی طرح ہو سکتے ہیں۔ آخرت میں نجات پانے اور جنت حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا افضل ہے۔ مشکلات کا سامنا کرتے وقت یہ شخص اپنے رویے کو تبدیل کرنے کا امکان نہیں رکھتا ہے۔ لیکن سب سے اعلیٰ اور بہترین وجہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا ہے، صرف اس لیے کہ وہ ان کا رب اور کائنات کا رب ہے۔ یہ مسلمان اگر مخلص ہو گا تو ہر حال میں ثابت قدم رہے گا اور اس اطاعت کے ذریعے انہیں دنیاوی اور دینی دونوں نعمتیں حاصل ہوں گی جو دنیاوی نعمتوں سے بڑھ کر پہلی قسم کے انسان کو حاصل ہوں گی۔

آخر میں، مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی نیت پر غور کریں اور اگر ضروری ہو تو اس کی اصلاح کریں تاکہ یہ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے، اس کے احکام کو پورا

کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ ہر حال میں سامنا کرنے کی ترغیب دے۔

خدائی فیصلہ

غزوہ بدر کے لیے مکہ سے روانہ ہونے سے پہلے، مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے خانہ کعبہ کے پردوں کو تھام لیا اور اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ وہ اس گروہ کو فتح دے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال آیت 19 نازل فرمائی۔

"اگر تم]کافر [فیصلہ]یعنی فتح [چاہتے ہو تو تمہارے پاس فیصلہ آچکا ہے اور اگر تم باز آؤ گے تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، لیکن اگر تم]جنگ میں [واپس آؤ گے تو ہم واپس آ جائیں گے، اور تمہاری]بڑی [جماعت تمہیں کبھی بھی فائدہ نہیں پہنچائے گی، چاہے اس میں اضافہ ہی کیوں نہ ہو، اور]یہ ایمان کے ساتھ ہے[۔

تفسیر ابن کثیر، جلد 4، صفحہ 281-282 اور امام واحدی، اصباب النزول، 8:19، صفحہ 82 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو پورا کیا اور مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ اس لیے مکہ کے غیر مسلموں کو اس واضح نشانی کی طرف دھیان دینا چاہیے تھا اور اللہ تعالیٰ سے سچے دل سے توبہ کرنی چاہیے تھی۔

عام طور پر دیکھا جائے تو ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں محتاط رہے اور اپنے دنیوی معاملات میں بہت زیادہ مشغول ہونے سے گریز کرے تاکہ وہ اپنے اردگرد ہونے والی چیزوں اور ان چیزوں سے غافل ہو جائے جو پہلے ہو چکی ہیں۔ یہ ایک اہم خوبی ہے کیونکہ یہ کسی کے ایمان کو مضبوط کرنے کا ایک بہترین طریقہ ہے جس کے نتیجے میں انسان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں مدد ملتی ہے۔ مثال کے طور پر، جب کوئی مسلمان کسی بیمار کو دیکھتا ہے تو اسے نہ صرف اس کی مدد کرنی چاہیے، خواہ وہ صرف دعا ہی کیوں نہ ہو، بلکہ اسے اپنی صحت پر غور کرنا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ بھی آخر

کار بیماری، بڑھاپے یا موت سے اپنی صحت سے محروم ہو جائیں گے۔ اس سے انہیں اپنی اچھی صحت کے لیے شکر گزار ہونے کی ترغیب دینی چاہیے اور دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں ان کی اچھی صحت سے فائدہ اٹھا کر اپنے عمل سے یہ ظاہر کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔

جب وہ کسی امیر کی موت کا مشاہدہ کرتے ہیں تو انہیں نہ صرف میت اور اس کے گھر والوں کے لیے غمگین ہونا چاہیے بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ ایک دن وہ بھی مر جائے گا جو ان کے لیے نامعلوم ہے۔ انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ جس طرح امیر کو ان کی قبر پر دولت، شہرت اور خاندان چھوڑ دیا گیا تھا، اسی طرح وہ بھی قبر میں صرف ان کے اعمال کے ساتھ رہ جائیں گے۔ اس سے انہیں اپنی قبر اور آخرت کی تیاری کا حوصلہ ملے گا۔

یہ رویہ ان تمام چیزوں پر لاگو کیا جا سکتا ہے اور کیا جانا چاہیے ایک مسلمان کو اپنے اردگرد کی ہر چیز سے سبق سیکھنا چاہیے جس کی نصیحت قرآن پاک میں کی گئی ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 191:

اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے بارے میں سوچو، "اے ہمارے رب، تو نے اسے بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ تو بلند ہے]ایسی چیز سے اوپر[. تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔''

جو لوگ اس طرح کا برتاؤ کرتے ہیں ان کا ایمان روزانہ کی بنیاد پر مضبوط ہوتا جائے گا اور جو لوگ اپنی دنیاوی زندگی میں بہت زیادہ مشغول ہیں وہ غافل رہیں گے جو انہیں تباہی کی طرف لے جائے گا۔

بہترین طرز عمل

اس سے پہلے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے غزوہ بدر کے لیے روانہ ہوئے، آپ نے اپنے داماد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ مدینہ میں ہی رہیں اور اپنی زوجہ محترمہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی رقیہ رضی اللہ عنہا کی عیادت کریں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہی اس مرض میں مبتلا ہو کر انتقال کر گئے۔ بیماری غزوہ بدر کے بعد مدینہ واپسی پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو غنیمت میں سے کچھ حصہ دیا جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو جنگ بدر کا شریک سمجھا جاتا تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 315 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر پر روانہ ہونا ضروری تھا لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی بیمار بیوی کی دیکھ بھال کے لیے پیچھے رہیں۔ لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے خاندان جیسے دوسروں کے حقوق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے حقوق کو ادا کرنے کی کوشش کریں کیونکہ کامیابی حاصل کرنے کے لیے دونوں کی ضرورت ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2612 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ کامل ایمان والا وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو اور اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے زیادہ مہربان ہو۔

افسوس کی بات ہے کہ بعض نے اپنے ہی خاندان کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہوئے غیر رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی بری عادت اپنا لی ہے۔ وہ اس طرح برتاؤ کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے خاندان کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت کو نہیں سمجھتے اور اپنے خاندان کی تعریف کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ ایک مسلمان اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ ایمان کے دونوں پہلوؤں کو پورا نہ کرے۔ پہلا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی ادائیگی، اس کے احکام کی بجا آوری، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان تمام نعمتوں کا استعمال کریں جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں۔

دوسرا لوگوں کے حقوق کو پورا کرنا ہے جس میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ اس قسم کے سلوک کا اپنے خاندان سے زیادہ حق کسی کو نہیں ہے۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے اہل خانہ کی ان تمام معاملات میں مدد کرے جو اچھے ہوں اور انہیں برے کاموں اور طرز عمل سے نرمی کے ساتھ تنبیہ کریں۔ انہیں برے کاموں میں ان کی آنکھیں بند کر کے صرف اس وجہ سے مدد نہیں کرنی چاہئے کہ وہ ان کے رشتہ دار ہیں اور نہ ہی ان کے بارے میں بعض برے جذبات کی وجہ سے اچھے معاملات میں ان کی مدد کرنے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

دوسروں کی رہنمائی کا بہترین طریقہ عملی نمونہ کے ذریعے ہے، جیسا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، اور صرف زبانی رہنمائی سے کہیں زیادہ موثر ہے۔

کسی کو ان حقوق کو سیکھنا چاہیے جو اس پر واجب الادا ہیں اور وہ حقوق جو وہ دوسروں پر واجب الادا ہیں، خاص طور پر ان کے رشتہ داروں کو، تاکہ وہ ان کو پورا کریں۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص سے پوچھے گا کہ کیا اس نے دوسروں کے حقوق ادا کیے، وہ ان سے نہیں پوچھے گا کہ کیا لوگوں نے ان کے حقوق ادا کیے؟ لہٰذا، انسان کو اس بات کی فکر کرنی چاہیے کہ ان سے کس چیز کے بارے میں سوال کیا جائے گا، مطلب، دوسروں کے حقوق، اور اس لیے انہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

،آخر میں، کسی کو عام طور پر تمام معاملات میں نرمی کا انتخاب کرنا چاہئے، خاص طور پر اپنے خاندان کے ساتھ معاملہ کرتے وقت۔ اگر وہ گناہ بھی کریں تو انہیں نرمی کے ساتھ تنبیہ کی جائے اور پھر بھی اچھے کاموں میں ان کی مدد کی جائے کیونکہ یہ مہربانی انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف لوٹانے میں ان کے ساتھ سختی کرنے سے زیادہ موثر ہے۔

جنگ بدر کے بعد

ایک رحم والا عمل

جنگ بدر میں مسلمانوں کو فتح ملنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ ان کے جنگی قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کو ان کے بہت سے جرائم اور جنگی اعمال کی وجہ سے پھانسی دینے کا مشورہ دیا۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تجویز کو ناپسند کیا۔ اس کے بعد، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو پھانسی سے معافی دینے اور اس کے بجائے انہیں اپنی آزادی خریدنے کی اجازت دینے کا مشورہ دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس نصیحت سے خوش ہوئے اور اس پر عمل کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 305 میں بحث کی گئی ہے۔

قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں مسلمانوں کو دوسروں پر رحم کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر جامع ترمذی نمبر 1924 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت ہے کہ مخلوق پر رحم کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ رحم کرے گا۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، کہ رحم کرنا صرف اپنے اعمال سے نہیں ہے، جیسے غریبوں کو دولت عطیہ کرنا۔ یہ درحقیقت کسی کی زندگی کے ہر پہلو اور دوسروں کے ساتھ تعامل کا احاطہ کرتا ہے، جیسے کہ کسی کے الفاظ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خبردار کرتا ہے جو صدقہ دے کر دوسروں پر رحم کرتے ہیں کہ ان کی گفتگو کے ذریعے رحم نہ کرنا، جیسے کہ دوسروں پر کیے گئے احسانات کو شمار کرنا، ان کے اجر کو منسوخ کر دیتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 264:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے صدقات کو نصیحت یا ایذا پہنچا کر باطل نہ کرو۔"

حقیقی رحم ہر چیز میں ظاہر ہوتا ہے :کسی کے چہرے کے تاثرات، کسی کی نظر اور اس کی گفتگو کا لہجہ۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل رحمت تھی اور اس لیے مسلمانوں کو اس پر عمل کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ رحم کرنا اس قدر ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں واضح کر دیا ہے کہ اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان گنت خوبصورت اور اعلیٰ صفات کے حامل تھے، لیکن جس نے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف متوجہ کیا وہ رحمت ہے۔ باب 3 علی عمران آیت 159:

"پس اللہ کی رحمت سے، آپ نے ان کے ساتھ نرمی برتی، اور اگر آپ بد زبان اور دل میں سخت ہوتے تو وہ آپ کے اردگرد سے دور ہو جاتے۔"

یہ واضح طور پر تنبیہ کرتا ہے کہ بغیر رحم کے لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھاگ جاتے۔ اگر ان کے بارے میں یہ معاملہ تھا حالانکہ وہ ان گنت خوبصورت صفات کے مالک تھے تو وہ مسلمان جو ایسی اعلیٰ صفات کے حامل نہیں ہیں، وہ سچی رحم دلی کے بغیر دوسروں جیسے کہ ان کے بچوں پر مثبت اثرات کی امید کیسے رکھ سکتے ہیں؟

سیدھے الفاظ میں مسلمانوں کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں جو کہ بلاشبہ سچی اور مکمل رحمت ہے۔

ایک منصفانہ سزا

جیسا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کی، انہیں اسلام کی گہری سمجھ عطا کی گئی، یہ فہم صرف چند لوگوں کے درمیان ہے۔ وہ اس درجہ تک پہنچ گئے کہ اکثر وحی الٰہی کے ذریعے ان کی رائے اور بیانات کی تصدیق ہو جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ علی بن ابو طالب نے ایک دفعہ یہ تبصرہ کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ ایک فرشتہ ہے جو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی زبان سے بات کرتا ہے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 64 میں بحث کی گئی ہے۔

جنگ بدر میں مسلمانوں کو فتح ملنے کے بعد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی جنگی قیدیوں کو پھانسی دینے کی تجویز کو ٹھکرا دیا اور اس کے بجائے انہیں اپنی آزادی خریدنے کی اجازت دے دی۔ اگلے دن عمر رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو روتے ہوئے پایا۔ جب اس نے ان کے طرز عمل پر سوال کیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تبصرہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ عذاب دکھایا ہے جو انہیں قیدیوں کو پھانسی دینے کے بجائے فدیہ لینے پر پہنچاتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال آیت نمبر 67-68 نازل فرمائی۔

کسی نبی کے لیے اس وقت تک قیدی ہونا ممکن نہیں جب تک کہ وہ زمین میں]اللہ کے دشمنوں" پر [قتل و غارت نہ کر دے، تم]یعنی بعض مسلمان [دنیا کے سامان کے خواہاں ہو، لیکن اللہ آخرت "کو چاہتا ہے، اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ بڑی سزا کا سامنا کرنا پڑا۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 2 صفحہ 305 اور صحیح مسلم نمبر 4588 میں موجود حدیث میں بحث ہوئی ہے۔

قیدیوں کو پھانسی دینا ان کے جرائم کی منصفانہ سزا تھی اور یہ مکہ کے غیر مسلموں کے پرتشدد رویے کے خلاف ایک مضبوط رکاوٹ کے طور پر کام کرتا۔ یہ روک تھام، طویل مدت میں، مزید لڑائیوں کو روک سکتی تھی جس سے جانیں بچ جاتی تھیں۔ عام طور پر دیکھا جائے تو یہ واقعہ اس بات کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ انسان کی دور اندیشی کی کمی کو قبول کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی نصیحتوں، احکامات اور ممانعتوں پر بھروسہ کرنے اور ان پر عمل کرنے کی اہمیت ہے۔ بہت سے مواقع پر ایک شخص اپنے انتخاب کے منفی نتائج کا مشاہدہ کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے اور ان سے بچنے کے لیے اسے اسلامی نصیحت پر بھروسہ کرنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کر سکے۔ جس طرح ایک عقلمند مریض اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے پر بھروسہ کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، حالانکہ یہ اکثر ان کی خواہشات کے خلاف ہوتا ہے، انسان کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر بھروسہ اور عمل کرنا چاہیے، تاکہ وہ ذہنی اور جسمانی سکون حاصل کرے۔ کسی کو ہمیشہ ان مختلف اوقات کو یاد رکھنا چاہیے جہاں وہ سمجھتے تھے کہ کوئی چیز ان کے لیے اچھی ہے، حالانکہ یہ ان کے لیے تناؤ کا باعث بن گئی تھی اور جب وہ سوچتے تھے کہ کوئی چیز ان کے لیے بری ہے صرف اس لیے کہ وہ ان کے لیے اچھائی کا ذریعہ بن جائے۔ اس سے انہیں اللہ تعالیٰ کی نصیحتوں، احکامات اور ممانعتوں پر بھروسہ کرنے کی ترغیب ملے گی، چاہے وہ ان کے پیچھے موجود حکمتوں کا مشاہدہ کرنے میں ناکام رہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

”لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

نرمی کا مظاہرہ کرنا

جنگ بدر میں مسلمانوں کو فتح ملنے کے بعد، کچھ جنگی قیدی بنائے گئے جن میں ایک غیر مسلم رہنما سہیل بن عمرو بھی شامل تھے۔ وہ مکہ میں اپنی زندگی کے دوران حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں بہت زیادہ آواز اٹھاتے تھے اور اس کے نتیجے میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انہیں سزا دینے کی اجازت طلب کی تھی تاکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بات کرنے سے باز رہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اگر میں لوگوں کو اذیت دینے کی اجازت دیتا ہوں تو اللہ تعالیٰ انہیں اذیت دینے کی اجازت دے گا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ شاید سہیل ایک دن کچھ ایسا کرنے کے لیے کھڑا ہو جائے گا جو اسے اور دوسروں کو اس پر تنقید کرنے سے روکے گا۔ سہیل رضی اللہ عنہ نے بالآخر اسلام قبول کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب کچھ مسلمان قبائل اسلام سے مرتد ہو گئے تو آپ مکہ میں کھڑے ہوئے اور انہیں اسلام پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کی اور دھمکی دی کہ اگر وہ مرتد ہو جائیں گے۔ اس وقت مکہ کے اسلام پر ثابت قدم رہنے کی ایک اہم وجہ یہ تھی۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1026-1027 میں بحث کی گئی ہے۔

سہیل رضی اللہ عنہ کی نرمی نے انہیں اسلام کی سچائی کو قبول کرنے اور اس پر ثابت قدم رہنے کی ترغیب دی۔

اس کی نصیحت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبصورتی نرمی میں پائی جاتی ہے۔ اسلام نے بہت سی احادیث میں فرمائی ہے جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 3689 میں موجود ہے ۔ قرآن کریم نے یہاں تک ذکر کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سب سے راضی تھے، آپ کی نرمی اور نرم طبیعت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلسل محبت کرتے تھے۔ باب 3 علی عمران، آیت 159:

" پس اللہ کی رحمت سے آپ نے ان کے ساتھ نرمی برتی، اور اگر آپ بد زبان اور دل میں سخت ہوتے تو وہ آپ سے دور ہو جاتے۔"

سے عرب سخت دل ہونے کی وجہ سے مشہور تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ
یہ انہوں نے اپنایا اس طرح اور کے مزاج سے ان کے سخت دل پگھل گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم
حضور نبی اکرم یہی وجہ ہے۔ ۔ باقی بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لیے روشنی بن گئی خوبی اور
متنبہ کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام، ایک حدیث میں وآلہ وسلم صلی اللہ علیہ
سنن ابوداؤد نمبر 4809 میں ہے کہ نرمی سے محروم رہنے والا بھلائی سے محروم ہے۔ ہے ۔
باب 3 علی عمران، آیت 103:

”اور اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو جب تم دشمن تھے اور اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور
تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے“۔

تباہ کن سخت انہیں یہ ان لوگوں کے لیے ایک واضح پیغام ہے جو اسلام کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں۔
وہ لوگوں کو متحد کریں اور پھیلنے کی بجائے کا حامل ہونا چاہیے۔ تعمیری ذہن نرم ذہن کے بجائے
ان یہ معاشرے کے اندر تنازعات کی ایک اچھی مثال دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کریں۔
کے ساتھ نرم مزاجی کا اپنے بچوں کے بچوں کے ساتھ رویے میں دیکھا جاتا ہے .جن والدین نے
ایک سخت مظاہرہ کیا ان پر ان والدین کے مقابلے میں زیادہ مثبت اثر پڑا جنہوں نے گود لیا تھا۔
مزاج .اکثر کچھ لوگ اپنے سخت رویے سے لوگوں کو اسلام سے مزید دور کر دیتے ہیں اور یہ
مثال کے علیہ وآلہ وسلم کا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ روایات کو مکمل طور پر چیلنج کرتا ہے۔
علیہ وآلہ وسلم کی مسجد طور پر ایک مرتبہ ایک ان پڑھ اعرابی نے حضور نبی اکرم صلی اللہ
حضور اسے سزا دینا چاہتا تھا۔ ،اللہ ان سب سے راضی ہو مئی ، ۔ جب صحابہ کرام میں پیشاب کیا
مسجد میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منع فرمایا اور وآلہ وسلم نبی اکرم صلی اللہ علیہ
میں موجود حدیث میں سے سمجھایا ۔ یہ واقعہ سنن ابن ماجہ نمبر 529 نرمی رہنے کے آداب کو
اس نرم رویے نے انسان کو مثبت انداز میں متاثر کیا۔ مذکور ہے ۔

قرآن پاک کے کئی مقامات پر بھی اس کا ذکر ہے۔ مثال کے طور پر، اگرچہ یہ اہم خصوصیت
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر بھی اللہ تعالیٰ فرعون نے اعلیٰ ترین رب ہونے کا دعویٰ کیا۔
نرم اور مہربان تقریر فرعون کو دعوت نہ دیں۔ ،دونوں ۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم دیا
حپٹر 79 نضیات، آیت 24 کا استعمال کرتے ہوئے رہنمائی کی طرف۔ ج:

‘‘اور کہا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔’’

:اور باب 20 طہ، آیات 43-44

تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ بے شک اس نے زیادتی کی ہے اور اس سے نرمی سے بات کرو شاید وہ نصیحت حاصل کرلے یا اللہ سے ڈرے

کی طرف اور بھلائی اور جانور بھی نرمی کی زبان سمجھتے ہیں۔ پس اگر کسی بالغ کو اسلام بچے دعوت دیتے وقت یہ خصوصیت اختیار کی جائے تو اس کی صحیح رہنمائی کیسے ہو سکتی ہے ؟ ،اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ اپنے تعالیٰ اللہ میں ملتا ہے کہ نصیحت ہے ۔ صحیح مسلم نمبر 6601 ایک بار ایک حدیث میں مہربان اور نرم ہے اور مخلوق کو ایک دوسرے کے ساتھ نرمی ،اعلیٰ لامحدود وقار کے مطابق یہ غلط اسلام نے اس لفظ کو پھیلاتے ہیں۔ سے پیش آنا پسند ہے۔ بدقسمتی سے، بہت سے لوگ جو یہ شیطان کی چال کے سوا کچھ نہیں ۔ عقیدہ اختیار کیا ہے کہ نرم ہونا کمزوری کی علامت ہے ۔ ہے کیونکہ وہ انسانوں کو اسلام سے دور کرنا چاہتا ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی میراث

جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح کے بعد کچھ جنگی قیدی بنائے گئے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس بن عبدالمطلب بھی شامل تھے۔ صحابہ کرام بشمول علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے عباس کے کفر پر تنقید کی اور انہیں سخت الفاظ میں مخاطب کیا۔ عباس نے سوال کیا کہ ان سب نے اس کے برے کاموں کا ذکر کیوں کیا نہ کہ اس کے اچھے کاموں کا۔ پھر آپ نے ان میں سے کچھ کا شمار کیا، جن میں یہ شامل ہیں :خانہ کعبہ کی نگہبانی کرنا، اس کے دربان کے طور پر کام کرنا اور حج کے موسم میں حاجیوں کو پانی فراہم کرنا۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے توبہ کی آیت نمبر 9 آیت 17 تا 18 نازل فرمائی:

"مشرکوں کے لیے یہ کام نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو قائم رکھیں]جب کہ [اپنے خلاف کفر کی گواہی دیں،]ان کے لیے [ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ کی مسجدوں کی حفاظت صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کے علاوہ ہر چیز کی امید رکھتے ہیں اور ان سے ڈرتے ہیں۔]صحیح [ہدایت یافتہ۔

اس پر امام واحدی کی، اصباب النزول، 9:17، صفحہ 85-86 میں بحث کی گئی ہے۔

مکہ کے غیر مسلموں کے قائدین اکثر اس بات پر فخر کیا کرتے تھے کہ وہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں، جیسا کہ وہ فتح مکہ سے پہلے مکہ، کعبہ میں اللہ تعالیٰ کے گھر کے نگہبان تھے۔ وہ صرف دکھاوے اور لوگوں کی عزت حاصل کرنے کے لیے بیت اللہ کے حاجیوں کی خدمت کرتے۔ یہ دعویٰ اس حقیقت میں جڑا ہوا تھا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اللہ تعالیٰ کے گھر کو بنانے والے اور جن کی طرف حج کے اعمال اصل میں منسوب ہیں۔ پس ان کی نظر میں ان کی سرپرستی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی میراث تھی۔

لیکن ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے غیر مسلم عربوں کو یاد دلایا کہ انہوں نے اسلام کی واضح حقیقت کو جھٹلانے کا انتخاب کرتے ہوئے اب وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی میراث کو لے جانے کے لائق نہیں رہے اور اس کے بجائے یہ ان لوگوں کو دیا جائے گا جو عملی طور پر ان کے طریقے یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں۔ اگر غیر مسلم عرب اپنی نافرمانی پر ڈٹے رہے تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وراثت سے دنیا یا آخرت میں فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔

لہٰذا یہ مسلمانوں کو اس اہم عہدے کی یاد دلاتا ہے جس پر انہیں اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے، یعنی اسلام کے سفیر۔ مسلمانوں کے لیے اپنی صلاحیت کے مطابق اس فرض کو ادا کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اس کو حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو پورا کیا جائے، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کیا جائے اور اس کے انتخاب پر صبر کیا جائے۔ اسلام پوری دنیا میں پھیل گیا کیونکہ صالح پیشرو اس فرض کو بہت سنجیدگی سے لیتے تھے۔ جب انہوں نے فائدہ مند علم حاصل کیا اور اس پر عمل کیا تو بیرونی دنیا نے ان کے طرز عمل سے اسلام کی حقانیت کو پہچان لیا۔ جس کی وجہ سے بے شمار لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ بدقسمتی سے، آج بہت سے مسلمان اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اسلام کے بارے میں دوسروں کو ظاہر کرنا محض کسی کی ظاہری شکل ہے، جیسے داڑھی بڑھانا یا اسکارف پہننا۔ یہ اسلام کی نمائندگی کا صرف ایک پہلو ہے۔ سب سے بڑا حصہ قرآن کریم اور ان کی روایات میں مذکور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات کو اپنانا ہے ۔ صرف اس رویے سے بیرونی دنیا اسلام کی اصل فطرت کا مشاہدہ کرے گی۔ ایک مسلمان کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ اسلام کی تعلیمات کے مخالف خصوصیات کے حامل ہوتے ہوئے اسلامی شکل اختیار کرنا صرف بیرونی دنیا میں اسلام کی بے عزتی کا باعث بنتا ہے۔ وہ اس بے عزتی کے لیے جوابدہ ہوں گے کیونکہ وہ اس کی وجہ ہیں۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی باطنی تعلیمات کو اپناتے ہوئے اسلام کے حقیقی سفیر کے طور پر پیش آئے اور اسلام کی ظاہری شکل و صورت کو بھی اپنائے۔

اس اہم عہدے کو مسلمانوں کو یاد دلانا چاہیے کہ ان کا احتساب کیا جائے گا اور سوال کیا جائے گا کہ آیا انہوں نے یہ کردار ادا کیا یا نہیں قیامت کے دن۔ جس طرح ایک بادشاہ اپنے سفارت کار اور نمائندے پر غضب ناک ہوتا ہے اگر وہ اپنی ذمہ داری ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس مسلمان سے ناراض ہوگا جو اسلام کے سفیر کی حیثیت سے اپنا فرض ادا کرنے میں ناکام رہے گا۔

اس کے علاوہ زیر بحث اہم واقعہ اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی میراث، جس پر ہر مسلمان ہے، صرف الفاظ نہیں بلکہ عمل میں سے ہے۔ اس کی تائید ان آیات سے ہوتی ہے جو اس واقعہ کے سلسلے میں نازل ہوئیں۔ باب 9 توبہ، آیات 17-18:

مشرکوں کے لیے یہ کام نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو قائم رکھیں]جب کہ [اپنے خلاف کفر کی" گواہی دیں،]ان کے لیے [ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ کی مسجدوں کی حفاظت صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کے علاوہ ہر چیز کی امید رکھتے ہیں اور ان سے ڈرتے ہیں۔]صحیح [ہدایت یافتہ۔

لہٰذا کسی کو ان کے ایمان کے زبانی اعلان کی اطاعت کے عمل کے ساتھ حمایت کرنی چاہیے۔ اس میں اسلامی تعلیمات میں بیان کردہ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنا شامل ہے۔ عمل کے بغیر الفاظ کی اسلام کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں۔ درحقیقت جو اس طرح کا برتاؤ کرتا ہے ایمان ایک پودے کی طرح ہے اس کا ایمان ضائع ہونے کا بڑا خطرہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس کی پرورش اچھے اعمال سے ہونی چاہیے۔ جس طرح ایک پودا اس وقت مرجاتا ہے جب اسے پانی کی طرح پرورش نہیں ملتی، اسی طرح مسلمان کا ایمان بھی اس صورت میں مر سکتا ہے جب وہ اپنے ایمان کے زبانی اعلان کو عمل سے ثابت کرنے میں ناکام رہے۔ یہ سب سے بڑا نقصان ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت

جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح کے بعد کچھ جنگی قیدی بنائے گئے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے جو بعد میں مسلمان ہوئے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہ کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی اور کہا کہ ان کا اسلام قبول کرنا ان کے لیے اس سے زیادہ خوش ہو گا جتنا کہ ان کے اپنے والد کے اسلام قبول کرنے سے، کیونکہ ان کے ایمان قبول کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوں گے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 307-308 میں بحث کی گئی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عمل سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا ثبوت دیا۔ اس ثبوت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور تعلیمات کو سیکھنا اور ان پر عمل کرنا شامل ہے۔ جو شخص ایسا سلوک کرتا ہے جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات سے متصادم ہو، اس سے ان کی محبت اور احترام کی کمی ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا ہر وہ مسلمان جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اور احترام کا دعویٰ کرتا ہے، اسے آپ کی تعلیمات کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ آخرت میں اس کے ساتھ شامل ہوں گے، کیونکہ ایک شخص آخرت میں ان لوگوں میں شامل ہو جائے گا جن سے وہ واقعی محبت کرتا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 3688 میں موجود حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ لیکن جس طرح سابقہ امتیں جو اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت کا دعویٰ کرتی ہیں، پھر بھی ان کے ساتھ شامل نہیں ہوں گی، جیسا کہ وہ ان کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ناکام رہے، اور نہ ہی وہ مسلمان جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہے، وہ یہاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل نہیں ہوں گے۔

خبریں پھیلانا

غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمانے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس مدینہ تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دو صحابہ زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ کی طرف روانہ کیا تاکہ شہر کو فتح کی بشارت دیں۔ مدینہ پہنچ کر سب کو بتانے لگے کہ بدر میں کیا ہوا تھا۔ بعض منافقین نے مدینہ میں یہ افواہیں

پھیلانا شروع کیں کہ مسلمانوں کی فوج شکست کھا گئی اور دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ آپس میں الجھ پڑے۔ جس کی وجہ سے شہر میں افراتفری اور خوف پھیل گیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 316 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن پاک کی درج ذیل آیت پر عمل کریں اور معلومات کو دوسروں تک نہ پہنچائیں چاہے وہ یہ سمجھتے ہوں کہ وہ پہلے معلومات کی تصدیق کیے بغیر ایسا کرکے دوسروں کو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ مطلب، انہیں یہ یقینی بنانا چاہیے کہ یہ قابل اعتماد ذریعہ سے آیا ہے اور درست ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 6:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لو، ایسا نہ ہو کہ تم نادانی میں کسی قوم کو نقصان پہنچا دو اور اپنے کیے پر پشیمان ہو جاؤ۔"

حالانکہ یہ آیت ایک بدکار شخص کی طرف اشارہ کرتی ہے جو خبریں پھیلاتا ہے اس کا اطلاق ان تمام لوگوں پر ہو سکتا ہے جو دوسروں کے ساتھ معلومات بانٹتے ہیں۔ جیسا کہ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ایک شخص کو یقین ہو سکتا ہے کہ وہ دوسروں کی مدد کر رہے ہیں لیکن غیر تصدیق شدہ معلومات پھیلانے سے وہ دوسروں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں، جیسے کہ جذباتی نقصان۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اس سے غافل ہیں اور انہیں محض ٹیکسٹ میسجز اور سوشل میڈیا ایپلی کیشنز کے ذریعے معلومات کو بغیر تصدیق کیے آگے بھیجنے کی عادت ہے۔ ایسے معاملات میں جہاں معلومات مذہبی معاملات سے جڑی ہوئی ہیں، معلومات کو پھیلانے سے پہلے اس کی تصدیق کرنا اور بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ کسی کو دوسروں کے اعمال کی سزا ان کی فراہم کردہ غلط معلومات کی بنیاد پر مل سکتی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 2351 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ، دنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے اور اس کا مسلمانوں پر کیا اثر ہو رہا ہے اس کے ساتھ معلومات کی تصدیق کرنا اور بھی اہم ہے کیونکہ جو کچھ نہیں ہوا اس پر دوسروں کو خبردار کرنا نہ صرف معاشرے میں انتشار پیدا کرتا ہے اور مسلمانوں اور دیگر کمیونٹیز کے درمیان دراڑ کو بڑھاتا ہے۔ یہ اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے۔

ایک مسلمان کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ سوال نہیں کرے گا کہ انہوں نے قیامت کے دن غیر تصدیق شدہ معلومات دوسروں کے ساتھ کیوں شیئر نہیں کیں۔ لیکن وہ یقینی طور پر ان سے سوال کرے گا کہ کیا وہ دوسروں کے ساتھ معلومات کا اشتراک کرتے ہیں، چاہے وہ تصدیق شدہ ہو یا نہ ہو۔ لہذا، ایک ذہین مسلمان صرف تصدیق شدہ معلومات کا اشتراک کرے گا اور جو کچھ بھی تصدیق شدہ نہیں ہے وہ یہ جانتے ہوئے چھوڑ دیں گے کہ وہ اس کے لیے جوابدہ نہیں ہوں گے۔

شاندار کردار

غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمانے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس مدینہ تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سپرد کیا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان قیدیوں کو اپنی روٹی جو ان کے پاس سب سے بہتر کھانا تھا دیتے تھے اور خود کھجور کھاتے تھے جو ان کے پاس کھانے کا سب سے کم معیار تھا۔ وہ قیدیوں کو اپنے پہاڑوں پر سوار ہونے کی بھی اجازت دیتے جب وہ خود چلتے تھے۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 2، صفحہ 319، اور امام محمد السلبی کی کتاب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم زندگی، جلد 1، صفحہ 1020 میں بحث کی گئی ہے۔

اسلام لوگوں کو اچھے اخلاق اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حقوق ادا کر سکیں۔ اچھا کردار اسلامی تعلیمات کے مطابق عطا کی گئی ہر نعمت کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کی ترغیب دے گا تاکہ وہ ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کر سکے اور قیامت کے دن اپنے احتساب کے لیے مناسب تیاری کرتے ہوئے ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں صحیح طریقے سے جگہ دے سکے۔ لہٰذا اچھے کردار کو اپنانا ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی کا باعث بنتا ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2003 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قیامت کے ترازو میں سب سے بھاری چیز حسن اخلاق ہوگی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن سلوک، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنا شامل ہے۔ یہ ان نعمتوں کو استعمال کرنے کا سبب بنے گا جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو راضی ہوں۔ اس کا خلاصہ اسلامی علم کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔

اصل حدیث میں لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کو بھی شامل ہے۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اللہ تعالیٰ کے حوالے سے واجبات کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن دوسروں کے ساتھ

بدسلوکی کرکے دوسرے پہلو کو نظر انداز کرتے ہیں۔ وہ اس کی اہمیت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ یعنی جس طرح انسان چاہتا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ حسن سلوک کریں، اسی طرح اسے دوسروں سے بھی حسن سلوک کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ، کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن اور مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی زبانی اور جسمانی اذیت کو دوسروں اور ان کے مالوں سے دور نہ رکھے، خواہ اس کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 3318 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ تنبیہ فرمائی کہ ایک عورت جہنم میں جائے گی کیونکہ اس نے بلی کے ساتھ بدسلوکی کی جس سے اس کی موت واقع ہوئی۔ اور سنن ابوداؤد نمبر 2550 میں ایک اور حدیث ملتی ہے کہ ایک آدمی کو پیاسے کتے کو کھانا کھلانے کی وجہ سے معاف کر دیا گیا۔ اگر یہ اچھا کردار دکھانے کا نتیجہ ہے اور جانوروں کو برے کردار دکھانے کا نتیجہ ہے تو کیا اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے؟ درحقیقت زیر بحث مرکزی حدیث اس نصیحت کے ساتھ ختم ہوتی ہے کہ اچھے کردار کے حامل کو اس مسلمان کی طرح اجر ملے گا جو اللہ تعالیٰ کی مسلسل عبادت کرتا ہے اور باقاعدگی سے روزے رکھتا ہے۔

آخر میں مرکزی حدیث کے مطابق اگر قیامت کے ترازو میں کسی شخص کے حق میں اچھا کردار سب سے بھاری ہو گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے ترازو میں انسان کے حق میں سب سے بھاری چیز بد کردار ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ برے اخلاق، خلوص نیت سے اس کی اطاعت میں ناکامی، اور مخلوق کے ساتھ، ان کے ساتھ ایسا سلوک کرنے میں ناکامی جیسے کہ کوئی دوسرے کے ساتھ برتاؤ کرنا چاہتا ہے۔

نرمی کمزوری کے بغیر

غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمانے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس مدینہ تشریف لے گئے۔ بدر کے قیدیوں میں سے ایک نے دعویٰ کیا کہ وہ بہت غریب تھا اور اس کے پاس اتنی دولت نہیں تھی کہ وہ خود کو فدیہ دے سکے۔ اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نرم طبیعت سے درخواست کی اور ان سے آزادی کی درخواست کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر رحم فرمایا اور ان کی درخواست اس شرط پر پوری فرمائی کہ وہ دوبارہ اسلام کے خلاف جنگ نہیں کریں گے۔ لیکن رہا ہونے کے بعد اس نے وعدہ خلافی کی اور غیر مسلموں کے ساتھ مل کر اسلام کے خلاف جنگ کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور جنگ احد میں دوبارہ گرفتار کر لیا۔ اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دوبارہ رہائی کی درخواست کی لیکن آپ نے جواب دیا کہ مومن کو ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا۔ اس قیدی کو پھر اسلامی قوم کے خلاف اس کے جرائم کی پاداش میں پھانسی دے دی گئی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 326-327 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ اسلام مسلمانوں کو دوسروں پر رحم کرنے کا درس دیتا ہے، جیسے کہ جذباتی، مالی اور جسمانی طور پر دوسروں کی مدد کرنا، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان اپنے آپ کو دوسروں کے نقصان سے محفوظ نہ رکھے۔

صحیح بخاری نمبر 6133 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مومن کو ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن کسی چیز یا کسی سے دو بار بیوقوف نہیں بنتا۔ اس میں گناہوں کا ارتکاب بھی شامل ہے۔ ایک سچا مومن گناہوں کے ارتکاب سے محفوظ نہیں ہے۔ لیکن جب وہ ان کا ارتکاب کرتے ہیں تو وہ اپنی غلطی کو نہیں دہراتے ہیں اور اس کے بجائے اللہ تعالیٰ سے سچے دل سے توبہ کرکے سیکھتے ہیں اور بہتر کے لیے بدلتے ہیں۔ سچی توبہ میں ندامت کا احساس، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جن پر ظلم ہوا ہے، جب تک کہ یہ مزید مسائل کا باعث نہ بن جائے،

دوبارہ وہی یا اس سے ملتا جلتا گناہ نہ کرنے کا وعدہ کرنا اور اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہوں ان کی تلافی کرنا شامل ہے۔

ایک سچا مومن لوگوں پر اندھا اعتماد نہیں کرتا جس سے ان کے ساتھ ظلم ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ لیکن اگر وہ کسی کی طرف سے بے وقوف بنائے جاتے ہیں، تو انہیں نظر انداز کرنا چاہئے اور معاف کرنا چاہئے، کیونکہ یہ ان کی بخشش کا باعث بنتا ہے .باب 24 النور، آیت 22:

‘‘اور وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا آپ پسند نہیں کریں گے کہ اللہ آپ کو معاف کر دے؟’’

لیکن انہیں مستقبل میں اس شخص کے ساتھ معاملہ کرتے وقت احتیاط سے چلتے ہوئے اپنے رویے کو بھی بدلنا چاہیے، اس طرح اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ دوبارہ بے وقوف نہ بنیں۔ دوسروں کو معاف کرنے اور ان پر اندھا بھروسہ کرنے میں بہت فرق ہے، خاص طور پر، جب وہ کسی پر ظلم کر چکے ہیں۔

اس کے علاوہ، اس حدیث کا اطلاق زندگی کے ہر پہلو پر ہوتا ہے، کیونکہ حقیقی مومن وہ ہے جو اپنے تجربات اور علم سے مسلسل سیکھتا ہے تاکہ وہ بہتر ہو سکے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کرے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور تقدیر کا مقابلہ صبر کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق کرے۔ اس سے وہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں گے جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں۔

آخر میں، مرکزی حدیث معاف کرنے اور بھول جانے کے غلط تصور کو ختم کرتی ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، دوسروں کو معاف کرنا اسلام کا ایک اہم حصہ ہے لیکن بھول جانا لوگوں کے لیے دوبارہ غلط کرنے کا دروازہ کھولتا ہے۔ انسان اپنی یادوں کو مٹا نہیں سکتا اور نہ ہی مٹا سکتا

ہے۔ اس کے بجائے، دوسروں کو معاف کرنا چاہیے، اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، لیکن لوگوں کے ساتھ معاملہ کرتے وقت احتیاط سے چلنا چاہیے، خاص طور پر ان لوگوں کے ساتھ جنہوں نے ماضی میں ان پر ظلم کیا ہے، تاکہ تاریخ اپنے آپ کو دہرائے نہ جائے۔

کوئی ترجیحی علاج نہیں۔

غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمانے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس مدینہ تشریف لے گئے۔ اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کے بعض قیدیوں کو فدیہ کے بغیر رہا کر دیا لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب سے فدیہ لینے کو یقینی بنایا، حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں مفت میں رہا کرنے کی پیشکش کی تھی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا تھے۔ درحقیقت عباس کو اپنی آزادی کے لیے کسی اور سے زیادہ قیمت ادا کرنی پڑی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 345 میں بحث کی گئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر مسلم داماد ابوالعاص بھی جنگ بدر کے دوران پکڑے گئے تھے۔ ابوالعاص کی بیوی زینب رضی اللہ عنہا نے اپنا ہار اپنے والد گرامی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے شوہر کے لیے فدیہ کے طور پر بھیجا۔ ہار ان کی والدہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی زوجہ محترمہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کا تھا۔ ہار کو دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بے حد جذباتی ہو گئے۔ اس حالت میں بھی آپ نے اپنے داماد کو بغیر فدیہ کے رہا کرنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اثر انداز ہونے کے لیے اپنے اختیارات کا استعمال نہیں کیا۔ انہوں نے ابوالعاص کو چھوڑنے کا انتخاب کیا اور ہار واپس زینب رضی اللہ عنہا کو واپس کر دیا۔ اس پر امام صفی الرحمٰن کی کتاب مہر بند نیکٹر صفحہ 231 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعات لوگوں کے ساتھ ترجیحی سلوک نہ کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتے ہیں۔ جیسا کہ معاشرہ تنزلی اسلام نے سکھایا ہے، قانون اور ضابطے سب پر یکساں طور پر لاگو ہونے چاہئیں۔ کا شکار نظر آنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے انصاف کرنا چھوڑ دیا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 6787 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ تنبیہ کی ہے کہ پچھلی قومیں تباہ ہوئیں کیونکہ حاکم کمزوروں کو سزا دیتے تھے جب وہ قانون توڑتے تھے لیکن امیر اور بااثر کو معاف کر دیتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سربراہ مملکت ہونے کے ناطے اس حدیث میں یہاں تک اعلان فرمایا کہ اگر ان کی اپنی بیٹی نے کوئی جرم کیا تو وہ اس پر پوری قانونی سزا نافذ کریں گے۔ اگرچہ عوام الناس کے ارکان اس پوزیشن میں نہیں ہوں گے کہ وہ اپنے قائدین کو صرف اپنے اعمال پر قائم رہنے کا مشورہ دے سکیں لیکن وہ اپنے تمام معاملات اور اعمال میں انصاف سے کام لے کر ان پر بالواسطہ اثر ڈال

سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان کو اپنے زیر کفالت افراد جیسے کہ ان کے بچوں کے ساتھ برابری کا سلوک کرتے ہوئے انصاف سے کام لینا چاہیے۔ سنن ابوداؤد نمبر 3544 میں موجود حدیث میں خاص طور پر اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ انہیں چاہئے کہ وہ اپنے تمام کاروباری معاملات میں عدل و انصاف سے کام لیں خواہ وہ کسی کے ساتھ معاملہ کریں۔ اگر لوگ انفرادی سطح پر انصاف کے ساتھ کام کریں تو کمیونٹیز بہتر طور پر بدل سکتی ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ لوگ جو بااثر عہدوں پر ہیں، جیسے کہ سیاست دان، چاہے وہ چاہیں یا نہ چاہیں، انصاف سے کام لیں گے۔

بہتر حاصل کرنا

غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمانے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس مدینہ تشریف لے گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عباس بن عبدالمطلب جو جنگی قیدی تھے اپنی آزادی خریدنے پر مجبور ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے پھر باب 8 الانفال آیت 70-71 نازل فرمایا:

اے نبیؐ، جو قیدی تمہارے ہاتھ میں ہے اس سے کہہ دو کہ اگر اللہ تمہارے دلوں میں]کوئی [بھلائی'' جانتا ہے تو وہ تمہیں اس سے بہتر دے گا جو تم سے لیا گیا ہے، اور وہ تمہیں بخش دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے "لیکن اگر وہ تم سے خیانت کرنا چاہتے ہیں تو وہ پہلے بھی اللہ سے "خیانت کر چکے ہیں اور اس نے ان پر غلبہ دیا ہے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

بعد ازاں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا اور جنگ بدر کے دوران بیس بندوں یا چالیس بندوں کے ساتھ جو نقصان ہوا اس کی تلافی کی گئی اور وہ ہمیشہ امید رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی بخش دے گا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1021-1022 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر دیکھا جائے تو یہ واقعہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت اور فرمانبرداری کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں بھلائی کا باعث ہے، خواہ یہ کسی شخص پر ظاہر نہ ہو۔

جو لوگ کافر ہیں یا اسلام میں اپنے عقیدے پر عمل کرنے سے گریز کرتے ہیں وہ مادی دنیا اور اس کے اندر کی چیزوں سے محبت کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اپنے عقیدے پر ایمان لانا یا اس پر عمل کرنا انہیں دنیاوی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے سے روک دے گا، ان کے لیے ایمان ایک ایسی چیز ہے جو ان کی خواہشات کو محدود کر دیتی ہے اور اس لیے وہ اس

سے لفظی یا عملی طور پر منہ موڑ لیتے ہیں۔ اس کے بجائے وہ مادی دنیا کی طرف رخ کرتے ہیں اور بغیر کسی پابندی کے اپنی خواہشات کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ حقیقی امن اسی میں ہے۔ وہ ان لوگوں کو حقیر نگاہ سے دیکھتے ہیں جو اپنے اعمال پر قابو پا کر اور اپنی دنیوی نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے استعمال کرتے ہوئے اپنے ایمان کو قبول کرتے ہیں اور اس کی حقیقت کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ یہ پرہیزگار مسلمان ادنیٰ غلام ہیں جن پر لطف اندوز ہونے سے منع کیا گیا ہے جبکہ وہ کافر اور گمراہ آزاد ہیں۔ لیکن درحقیقت یہ حقیقت سے آگے نہیں ہو سکتا کیونکہ اصل بندے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سامنے تسلیم کرنے اور تسلیم کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں اور اعلیٰ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی غلامی سے آزاد ہو کر ایسا کیا ہے۔ اس کو ایک مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ ایک اچھے والدین اپنے بچے کے کھانے کی قسم پر پابندی لگاتے ہیں، مطلب کہ وہ انہیں صرف ایک بار فضول اور غیر صحت بخش کھانا کھانے دیں گے اور اس کے بجائے انہیں صحت مند غذا پر عمل کرنے پر مجبور کریں گے۔ اس لیے یہ بچہ مانتا ہے کہ اس کے والدین نے ان پر ناپسندیدہ پابندیاں عائد کر رکھی ہیں اور وہ اپنے والدین اور ان کی صحت بخش خوراک کے غلام بن چکے ہیں۔ دوسری طرف ایک اور بچے کو ان کے والدین کی طرف سے اجازت دی گئی ہے کہ وہ جو چاہے، جب چاہے اور جتنا چاہے کھائے۔ اس لیے یہ بچہ یقین رکھتا ہے کہ وہ تمام پابندیوں سے بالکل آزاد ہیں۔ جب یہ بچے اکٹھے ہوتے ہیں تو وہ بچہ جس کو مکمل آزادی دی گئی ہے تنقید کرتا ہے اور اس بچے کو حقارت سے دیکھتا ہے جس پر ان کے والدین نے پابندیاں لگا رکھی ہیں۔ بعد کے بچے کو بھی اپنے آپ پر افسوس ہو گا جب وہ یہ دیکھے گا کہ دوسرے بچے کو جس طرح چاہیں برتاؤ کرنے کی آزادی دی گئی ہے۔ ظاہری طور پر ایسا لگتا ہے کہ جس بچے کو آزاد کیا گیا ہے اس نے خوشی حاصل کی ہے جبکہ دوسرا بچہ زندگی سے لطف اندوز ہونے کے لئے بہت زیادہ پابندیوں میں بندھا ہوا ہے۔ لیکن برسوں بعد سچائی ظاہر ہو جائے گی۔ وہ بچہ جس پر کوئی پابندی نہیں تھی وہ بڑا ہو کر انتہائی غیر صحت مند ہو جاتا ہے مثلاً موٹاپا، ذیابیطس، ہائی بلڈ پریشر وغیرہ۔ اس کے نتیجے میں وہ ذہنی طور پر بھی غیر صحت مند ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ اپنے جسم اور اپنی شکل سے اعتماد کھو بیٹھتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ ادویات، بیماریوں، ذہنی اور سماجی مسائل کے غلام بن جاتے ہیں۔ یہ سب چیزیں ان کی خوشی اور زندگی کو محدود کر دیتی ہیں۔ جبکہ وہ بچہ جس پر ان کے والدین نے پابندی عائد کی تھی وہ دماغ اور جسم کے لحاظ سے صحت مند پروان چڑھتا ہے۔ نتیجتاً وہ اپنے جسم اور قابلیت میں پراعتماد ہو جاتے ہیں، جو انہیں زندگی میں کامیاب ہونے میں مدد فراہم کرتا ہے۔ وہ صحیح توازن اور رہنمائی کے ساتھ پروان چڑھتے ہی دواؤں، بیماریوں، ذہنی اور سماجی مسائل کی غلامی سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ تو وہ بچہ جس پر کوئی پابندی نہیں تھی وہ بہت سی چیزوں کا غلام بن کر بڑا ہوا، جب کہ جس بچے پر پابندیاں تھیں وہ تمام پابندیوں سے آزاد ہو کر پروان چڑھا۔

،نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اصل بندہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا باقی تمام چیزوں کا غلام بن جائے جیسے سوشل میڈیا، معاشرہ، فیشن اور کلچر، اور اس سے ذہنی، جسمانی اور معاشرتی مسائل پیدا

ہوتے ہیں، جب کہ حقیقی آزاد وہ ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے سرتسلیم خم کر دے، جس سے ذہنی اور جسمانی سکون حاصل ہو۔

تعلیم کی اہمیت

غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ جنگی قیدیوں کے ساتھ مدینہ واپس روانہ ہوئے۔ ان قیدیوں میں سے کچھ کے پاس اپنے آپ کو آزاد کرنے کے لیے فدیہ کی رقم دستیاب نہیں تھی اس لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کچھ کو مدینہ کے بچوں کو لکھنا سکھا کر فدیہ سے کام لیا تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 345 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان قیدیوں کو مختلف طریقوں سے ان کے فدیہ پر کام کروا سکتے تھے، جیسے کہ جسمانی مشقت، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں زیادہ اہم طریقے سے استعمال کرنے کا انتخاب کیا۔ یہ تعلیم اور علم کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

ایک بڑا خلفشار جو بندے کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روکتا ہے وہ جہالت ہے۔ یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ یہ ہر گناہ کی اصل ہے کیونکہ جو گناہوں کے نتائج کو صحیح معنوں میں جانتا ہے وہ کبھی بھی گناہ نہیں کرے گا۔ اس سے مراد حقیقی فائدہ مند علم ہے جو وہ علم ہے جس پر عمل کیا جاتا ہے۔ درحقیقت وہ تمام علم جس پر عمل نہ کیا جائے وہ فائدہ مند علم نہیں ہے۔ اس طرزِ عمل کی مثال قرآنِ پاک میں اس گدھے کی طرح بیان کی گئی ہے جو علم کی کتابیں اٹھائے ہوئے ہے جو اسے فائدہ نہیں پہنچاتی۔ باب 62 الجمعہ، آیت 5:

اور پھر اس پر عمل نہیں کیا۔)علم پر عمل نہیں کیا (اس گدھے کی مانند ہے جو کتابوں کی..." کثرتیں اٹھائے ہوئے ہے۔''

جو شخص اپنے علم پر عمل کرتا ہے وہ شاذ و نادر ہی پھسلتا ہے اور جان بوجھ کر گناہ کرتا ہے۔ درحقیقت، جب ایسا ہوتا ہے تو یہ صرف جہالت کے ایک لمحے کی وجہ سے ہوتا ہے جہاں ایک شخص اپنے علم پر عمل کرنا بھول جاتا ہے جس کے نتیجے میں وہ گناہ کرتا ہے۔

نمبر 2322 میں موجود حدیث جامع ترمذی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ میں جاہلیت کی سنگینی پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ مادی دنیا کی ہر چیز ملعون ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے، جو بھی اس ذکر سے مربوط ہے، عالم اور طالب علم۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مادی دنیا کی تمام نعمتیں جاہل کے لیے لعنت بن جائیں گی کیونکہ وہ ان کا غلط استعمال کرکے گناہوں کا ارتکاب کریں گے۔

درحقیقت جہالت کو انسان کا بدترین دشمن سمجھا جا سکتا ہے کیونکہ یہ اسے اپنے آپ کو نقصان سے بچانے اور فائدہ حاصل کرنے سے روکتی ہے یہ سب کچھ صرف علم پر عمل کرنے سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جاہل ان سے بے خبر ہو کر گناہ کرتا ہے۔ کوئی گناہ سے کیسے بچ سکتا ہے اگر وہ نہیں جانتا کہ گناہ کیا ہے؟ جہالت انسان کو اپنے فرائض سے غفلت کا باعث بنتی ہے۔ اگر وہ اپنے فرائض سے ناواقف ہوں تو اپنے فرائض کیسے ادا کر سکتے ہیں؟

لہٰذا تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اتنا علم حاصل کریں کہ وہ اپنے تمام واجبات کو پورا کر سکیں اور گناہوں سے بچ سکیں۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ میں موجود حدیث سے 224 نمبر ہوتی ہے -

کیسے جیتنا ہے۔

مکہ کے غیر مسلم اس وقت شدید اضطراب میں پڑ گئے جب انہیں یہ خبر ملی کہ جنگ بدر میں ان کے کتنے سردار مارے گئے اور کتنے بڑے نقصان اٹھائے گئے۔ ابو لہب نے جنگ سے عذر کیا اور اس کی جگہ کسی کو بھیج دیا اور قتل عام سے بچ گیا۔ شکست خوردہ غیر مسلم فوج کے مکہ واپس آنے کے بعد ابو لہب نے ایک آدمی سے جنگ کے دوران پیش آنے والے واقعات کے بارے میں سوال کیا۔ اس آدمی نے بتایا کہ اس نے گھوڑوں پر عجیب آدمیوں کو دیکھا جو ان کی فوج کو تباہ کر رہے تھے۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے خادم ابو رافع اس وقت مسلمان تھے لیکن اپنے ایمان کو چھپاتے تھے۔ اس نے یہ گفتگو سنی اور کہا کہ یہ فرشتے ہیں۔ پھر ابو لہب نے ابو رافع رضی اللہ عنہ کو مارا اور مارا۔ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی بیوی ام فضل نے جو خود بھی مسلمان تھیں، ابو لہب کے سر پر خیمے کے کھمبے سے مارا۔ پھر ابو لہب زخمی حالت میں مجمع سے نکل گیا۔ کچھ دنوں بعد وہ ایک خطرناک بیماری سے مر گیا جہاں اس کے جسم پر السر ہو گئے۔ اس کے پاس جو کچھ تھا اس سے متاثر ہونے کے خوف سے کئی دن تک کوئی اس کی لاش کے پاس نہیں گیا۔ جب اس کے بیٹوں کو اپنے باپ کی لاش چھوڑنے پر تنقید کا نشانہ بنایا گیا تو انہوں نے اس کی لاش کو اس کی قبر تک گھسیٹنے کے لیے کچھ آدمیوں کی خدمات حاصل کیں اور اسے دفن کرنے تک دور سے اس پر پتھر پھینکے۔ اس پر امام صفی الرحمن کی کتاب مہربند نیکٹر صفحہ 227 اور امام محمد السلبی کی کتاب دی نوبل لائف آف نبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد 1 صفحہ 1032 تا 1033 میں بحث کی گئی ہے۔

غزوہ بدر کے دو قیدیوں نضر بن حارث اور عقبہ ابن ابو معیط کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر پھانسی دی گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شدید نقصان پہنچانے کے لیے بہت کوششیں کیں، جب کہ وہ مکہ میں رہتے تھے اور مکہ کے اندر اہم اثر و رسوخ رکھنے والے تھے جنہوں نے فساد اور برائی کو پھیلانے کی ترغیب دی۔ مدینہ کی طرف ہجرت سے پہلے ایک موقع پر عقبہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گلا گھونٹ کر قتل کر دیا تھا اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ مداخلت نہ کرتے۔ ان کی پھانسی بھی دشمنان اسلام کے لیے ایک مضبوط روک تھام اور واضح پیغام تھا کہ مسلمان اپنے دفاع سے نہیں ڈرتے۔ اس روک تھام نے بہت سے ممکنہ لڑائیوں اور حملوں کو روکا جس کی وجہ سے بہت سی جانیں ضائع ہو سکتی تھیں۔ آخر کار ان کے ماضی اور حال کے طرز عمل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر ان سے تاوان لیا جاتا تو وہ بڑے پیمانے پر بدعنوانی اور برائی پھیلاتے رہتے۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 229 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے ایک سادہ مگر گہرے سبق کو سمجھنا ضروری ہے، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے دنیا و آخرت میں دنیاوی یا دینی معاملات میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ طلوع آفتاب سے لے کر اس زمانے تک اور آخر زمانہ تک کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے نہ کبھی حقیقی کامیابی حاصل ہوئی اور نہ ہی کبھی نصیب ہوگی۔ تاریخ کے اوراق پلٹنے پر یہ بات بالکل عیاں ہے۔ لہٰذا جب کوئی مسلمان ایسی حالت میں ہو جس سے وہ ایک مثبت اور کامیاب نتیجہ حاصل کرنا چاہتا ہو تو اسے کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا انتخاب نہیں کرنا چاہیے، خواہ یہ کتنا ہی آسان اور آزمائشی کیوں نہ ہو۔ یہاں تک کہ اگر کسی کو ان کے قریبی دوستوں اور رشتہ داروں کی طرف سے ایسا کرنے کا مشورہ دیا جائے کیونکہ مخلوق کی اطاعت نہیں ہے اگر اس کا مطلب خالق کی نافرمانی ہے۔ اور درحقیقت وہ انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے عذاب سے نہ دنیا میں بچا سکیں گے نہ آخرت میں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کامیابی عطا کرتا ہے جو اس کی اطاعت کرتے ہیں وہ اس کی نافرمانی کرنے والوں سے ایک کامیاب نتیجہ نکال دیتا ہے خواہ اس ہٹانے میں وقت لگے۔ ایک مسلمان کو بے وقوف نہیں بنانا چاہیے کیونکہ یہ جلد یا بدیر ہو جائے گا۔ قرآن کریم نے یہ بات بالکل واضح کر دی ہے کہ برائی کا منصوبہ یا عمل صرف کرنے والے کو ہی گھیرتا ہے خواہ اس سزا میں تاخیر ہی کیوں نہ ہو۔ باب 35 فاطر، آیت 43:

"لیکن شیطانی تدبیر اپنے لوگوں کو نہیں گھیرتی۔"

لہٰذا حالات اور انتخاب خواہ کتنے ہی مشکل کیوں نہ ہوں مسلمانوں کو چاہیے کہ دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا انتخاب کریں کیونکہ یہی کامیابی دونوں جہانوں میں حقیقی کامیابی کا باعث بنے گی خواہ یہ کامیابی فوری طور پر ظاہر نہ ہو۔

دوسرا چانسز

جنگ بدر کے بعد عمیر بن وہب مکہ کی مسجد الحرام میں صفوان بن امیہ کے ساتھ بیٹھے تھے۔ عمیر کو جنگ بدر پر خاص طور پر غصہ تھا کیونکہ اس کا بیٹا مسلمانوں کے ہاتھوں اسیر ہو رہا تھا۔ عمیر نے صفوان کو بتایا کہ اگر مکہ میں اس کے اہل خانہ کے پاس نہ ہوتا، جن کے پاس ان کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں ہوتا، تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے ایک خودکش مشن پر مدینہ چلا جاتا۔ صفوان نے اسے اپنے شیطانی منصوبے کو پورا کرنے کی ترغیب دی اور اس سے وعدہ کیا کہ وہ اس کے گھر والوں کو لے گا۔ عمیر نے اپنی تلوار کو زہر میں ڈبو کر تیار کیا اور مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہ مدینہ منورہ پہنچے تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے آپ کو دیکھا اور اس کی بد اخلاقی سے بہت واقف تھے۔ اس نے عمیر کو جسمانی طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے جایا، تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جا سکے کہ عمیر کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ عمیر کو جانے دیں اور ان سے ان کے سفر کے بارے میں سوال کریں۔ عمیر نے ٹال مٹول کرنے کی کوشش کی اور تبصرہ کیا کہ وہ صرف اس بات کو یقینی بنانے کے لیے آیا ہے کہ جنگی قیدیوں کے ساتھ احترام کے ساتھ برتاؤ کیا جائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر انہیں اپنے منصوبے اور مکہ میں صفوان کے ساتھ ہونے والی خفیہ گفتگو سے آگاہ کیا۔ چونکہ کوئی اور ان کی گفتگو نہیں سن رہا تھا، اس لیے عمیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کو محسوس کیا اور اسلام قبول کر لیا۔ پھر اس نے اسلام کو پھیلانے اور شرک کی مخالفت کرنے کے لیے مکہ واپس آنے کی اجازت طلب کی، جس طرح اس نے اسلام کو قبول کرنے سے پہلے اس کی مخالفت کی تھی۔ اجازت ملنے پر وہ مکہ واپس آئے اور لوگوں کو کھلے عام اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی اور ان کی وجہ سے بہت سے لوگوں نے اسے قبول کیا۔ اس پر ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 327-329 میں بحث کی گئی ہے۔

عمیر رضی اللہ عنہ نے ضد کرنے کے بجائے اسلام قبول کرنے کا دوسرا موقع لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اسلام کو پھیلانے کی بھرپور کوشش کی۔ یہ واقعہ اس بات کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے کہ دوسرا موقع ان کا وقت ختم ہونے سے پہلے دیا جاتا ہے۔

اس دنیا میں انسان کو ہر لمحہ اپنی نیت اور عمل کو بدلنے کا دوسرا موقع ملتا ہے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کر سکے۔ اس میں ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا شامل ہے جو کسی کو عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ کسی کو یہ یقین کرنے میں

بے وقوف نہیں بنایا جانا چاہئے کہ یہ دوسرے امکانات ہمیشہ رہیں گے، کیونکہ ان کی موت کا وقت معلوم نہیں ہے۔ اگرچہ دنیا میں لوگوں کو دوسرا موقع دیا جاتا ہے لیکن آخرت میں انہیں دوسرا موقع نہیں دیا جائے گا۔ باب 30 اروم، آیت 57:

”پس اس دن ظالموں کو ان کا عذر کچھ فائدہ نہیں دے گا اور نہ ہی ان سے اللہ کو راضی کرنے کا کہا جائے گا۔“

لہٰذا، کسی کو دوسرے موقع سے فائدہ اٹھانے میں دیر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس سے وہ غلط راستے پر چلتے رہیں گے، جس میں ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں دی گئی ہیں۔ یہ انہیں متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرنے سے روک دے گا اور ان کو اپنی زندگی میں ہر چیز اور ہر چیز کو غلط جگہ دینے کا سبب بنے گا۔ لہٰذا یہ رویہ دونوں جہانوں میں تناؤ، پریشانی اور مشکلات کا باعث بنتا ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی تفریح کے لمحات کا تجربہ کرتا ہے اور کچھ دنیاوی آسائشوں سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ اگر وہ اسی حالت میں مر گئے تو قیامت کے دن خالی ہاتھ داخل ہوں گے اور کوئی دوسرا موقع نہیں ملے گا۔ باب 89 الفجر، آیات 23-24:

"اور لایا گیا، وہ دن جہنم ہے، اس دن آدمی یاد رکھے گا، لیکن اس کے لیے کیا فائدہ ہوگا، وہ کہے گا، "کاش میں نے اپنی زندگی کے لیے آگے بھیج دیا ہوتا۔"

دو چہرے والا سلوک

غیر مسلم سردار ابو سفیان نے جنگ بدر کا بدلہ لینے کا عہد کیا۔ وہ 200 آدمیوں کے ساتھ مدینہ کے مضافات کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے یہودی قبیلہ بنو نضیر کے سردار سلام ابن مشکم کے ساتھ رات گزاری۔ سلام نے ابو سفیان کی میزبانی کی اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ان کے پاس موجود تمام معلومات بیان کیں۔ صبح کے وقت ابو سفیان اور اس کے ساتھیوں نے مدینہ کے مضافات پر حملہ کیا اور مدینہ کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جب یہ خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے لشکر لے کر ابو سفیان کا تعاقب کیا لیکن وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس پر سیرت ابن ہشام صفحہ 138 میں بحث ہوئی ہے۔

یہودی قبیلے کے سردار صلّی اللہ علیہ وسلم نے ابو سفیان کی میزبانی کرکے اور مسلمانوں کے بارے میں جو معلومات اکٹھی کی تھیں ان کو ظاہر کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلح کے معاہدے کو توڑ دیا۔ مدینہ اور اس کے آس پاس کے ان غیر مسلم قبائل میں سے بہت سے لوگوں نے اسلام دشمنی کی وجہ سے اس طرح کا برتاؤ کیا۔

دو طرفہ ہونا منافقت کی نشانی ہے۔ یہ تب ہوتا ہے جب کوئی شخص اپنے رویے کو اس بات پر منحصر کرتا ہے کہ وہ کس کے ساتھ بات چیت کر رہا ہے تاکہ اسے خوش کرنے کے لیے اسے دنیاوی چیزیں حاصل ہو، جیسے عزت اور شہرت۔ سنن ابوداؤد نمبر 4873 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ جو شخص دو چہروں والی ذہنیت اختیار کرے گا اس کی قیامت کے دن آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے قول و فعل میں دیانت دار اور ثابت قدم رہے اور اپنے تمام کاموں میں صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرے۔ جو شخص اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ اللہ عزوجل کی طرف سے کسی بھی طویل مدتی منفی اثرات سے محفوظ رہے گا جو مستقل ایمانداری کے نتیجے میں ہو سکتے ہیں۔ لیکن جو منافقین کی راہ پر چلے گا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور حفاظت سے محروم ہو جائے گا اور گمراہی میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ جلد یا بدیر ان کے برے عزائم ان لوگوں کے سامنے آشکار ہو جائیں جن کو وہ خوش کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ دنیاوی نعمتوں کے حصول سے محروم ہو جائیں اور اپنے معاشرے سے نفرت کا شکار ہو جائیں۔ یہ دنیاوی سزا آخرت میں ان کے لیے مختص کی گئی سزا کے مقابلے میں چھوٹی ہے جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں۔

سیدھا ہونا

غزوہ بدر کے ختم ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بڑی مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے مدینہ میں اپنے والد کے پاس ہجرت کی۔ اس وقت اس کا شوہر ابوالعاص اب بھی ایک غیر مسلم تھا جس نے اسے ہجرت کرنے کی اجازت دی تھی، کیونکہ یہ ان کی رہائی میں طے کی گئی شرائط میں سے ایک تھی جب وہ جنگ بدر کے دوران جنگی قیدی کے طور پر پکڑا گیا تھا۔ اس کی ہجرت کے بعد وہ تجارتی سفر پر شام روانہ ہو گئے۔ واپسی پر اس پر گھات لگا کر حملہ کیا گیا اور اس کے پاس موجود تمام دولت لوٹ لی گئی، اس میں سے زیادہ تر مکہ کے غیر مسلموں کی تھی، جنہوں نے اسے اپنی طرف سے تجارت کے لیے بھیجا تھا۔ وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا اور مدینہ پہنچ گیا جہاں اس نے اپنی بیوی زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ پناہ مانگی۔ اس نے اسے تحفظ دیا اور اس کے نتیجے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی حفاظت کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں سے بھی درخواست کی جنہوں نے آپ کے تجارتی قافلے پر چھاپہ مارا تھا کہ وہ سامان واپس کردیں، کیونکہ ان کے درمیان صلح کا معاہدہ ہوا تھا، اور وہ راضی ہوگئے۔ ابوالعاص اپنا تجارتی سامان لے کر مکہ واپس آیا اور وہ تمام مال واپس کر دیا جو اس کے سپرد تھا۔ ایک بار جب اس نے یہ کام ختم کیا تو اس نے اپنے اسلام کا اعلان کیا اور تبصرہ کیا کہ وہ اپنے اسلام کا اعلان کرنے سے پہلے مکہ کے غیر مسلموں کا سامان واپس کرنے تک انتظار کرتا ہے کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ یہ مانیں کہ میں نے صرف ان کے مال کو برقرار رکھنے کے لئے اسلام قبول کیا ہے۔ پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی اور اپنی بیوی کے ساتھ رہنے لگے، اللہ ان دونوں سے راضی ہے۔ اس پر ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 350 میں بحث کی گئی ہے۔

ابوالعاص رضی اللہ عنہ اس دولت کو اپنے پاس رکھ سکتے تھے اور وہ مدینہ میں ہی رہ سکتے تھے لیکن اس کے بجائے وہ سیدھے رہے اور اپنی رضامندی کے مطابق تجارتی معاہدہ کر لیا۔

سنن ابن ماجہ نمبر 2146 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ تاجروں کو قیامت کے دن فاسقوں کے طور پر اٹھایا جائے گا سوائے ان لوگوں کے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، نیک عمل کرتے ہیں اور سچ بولتے ہیں۔

اس حدیث کا اطلاق ان تمام لوگوں پر ہوتا ہے جو تجارتی لین دین میں حصہ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، اس کے احکام کو بجا لاتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اس میں اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ درحقیقت، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ لوگ چاہتے ہیں کہ وہ سلوک کرے۔

کاروباری لین دین کے سلسلے میں، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی بات میں ایماندار ہو اور اس لین دین کی تمام تفصیلات اس میں شامل تمام لوگوں کو بتائے۔ صحیح بخاری نمبر 2079 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جب مسلمان مالی لین دین میں چیزوں کو چھپاتے ہیں جیسے کہ اپنے سامان میں خرابی تو یہ نعمتوں میں نقصان کا باعث بنتی ہے۔

راستبازی سے کام لینے میں دوسروں کو سامان کی ضرورت سے زیادہ ادائیگی کرکے دھوکہ دینے سے گریز کرنا شامل ہے۔ ایک مسلمان کو صرف دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ وہ ایمانداری اور پورے انکشاف کے ساتھ معنی خیز سلوک کریں۔ جس طرح ایک مسلمان مالی معاملات میں برا سلوک کرنا پسند نہیں کرے گا، اسی طرح وہ دوسروں کے ساتھ برا سلوک نہ کرے۔

نیک عمل کرنے میں اسلام اور زمین کے قانون میں زیر بحث غیر قانونی طریقوں سے بچنا شامل ہے۔ اگر کوئی اپنے ملک کے کاروباری قوانین سے خوش نہیں ہے تو اسے وہاں کاروبار نہیں کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ، نیک عمل کرنے میں یہ بھی شامل ہے کہ کسی کی کاروباری کامیابی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے استعمال کیا جائے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ ان کا کاروبار اور دولت دونوں جہانوں میں ان کے لیے سکون اور سکون کا ذریعہ بن جائے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

لیکن جو لوگ اپنی کاروباری کامیابی کا غلط استعمال کرتے ہیں وہ پائیں گے کہ یہ ان کے تناؤ اور پریشانی کا باعث بنتا ہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو بھول چکے ہیں، جس نے انہیں کامیابی عطا کی تھی۔ باب 20 طٰہٰ، آیت 124:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔"

کاروبار کرنے والوں کو ہمیشہ جھوٹ بولنے سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ بے حیائی کی طرف لے جاتا ہے اور فانی جہنم میں لے جاتا ہے۔ درحقیقت ایک شخص جھوٹ بولتا اور اس پر عمل کرتا رہے گا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا درج نہ ہو جائے۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

توڑنے والے بانڈز

مدینہ میں رہنے والے ایک غیرت مند بزرگ شش بن قیس ایک دفعہ مدینہ سے صحابہ کرام کے ایک اجتماع سے گزرے، اللہ ان سے راضی ہے۔ مدینہ منورہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اصل میں دو بڑے قبیلوں اوس اور خزرج سے تھے۔ یہ دونوں قبیلے کئی نسلوں سے ایک دوسرے سے برسرپیکار تھے اور اسلام قبول کرنے کے بعد ہی متحد ہوئے۔ جب شاس نے مدینہ منورہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک دوسرے کے ساتھ بے پناہ محبت اور والہانہ محبت کا مشاہدہ کیا، حالانکہ چند سال پہلے وہ دشمنوں کی قسم کھا چکے تھے، اسلام سے ان کی نفرت میں شدت آگئی۔ اس نے ایک نوجوان شاعر کو ایک پرانی لڑائی کے بارے میں کچھ الفاظ کہنے کی ترغیب دی جو اوس اور خزرج کے دو قبیلوں کے درمیان ہوئی تھی جس میں ان کے بہت سے سرکردہ رہنما مارے گئے تھے۔ اس اشعار نے قدیم پرانے منفی جذبات کو ابھارا جنہیں اسلام نے دفن کر دیا تھا جس کی وجہ سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہ آپس میں جھگڑنے لگے۔ اس سے پہلے کہ کوئی لڑائی ہو، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں اس نئے دور کی یاد دلائی جس میں وہ داخل ہوئے تھے۔ قبائلی وفاداریوں کے نام پر جاہلانہ طرز عمل اور بے ہودہ تشدد سے دور ایک نیا دور۔ یہ منفی جذبات ان پیغمبرانہ کلمات سے بہت جلد ختم ہو گئے یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے ایک دوسرے کے ساتھ اپنے رویے اور رویے کو درست کر لیا اور ایک دوسرے کے لیے برادرانہ محبت کی طرف لوٹ گئے۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 236-237 میں بحث کی گئی ہے۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ 3 آل عمران آیت 100 نازل فرمائی:

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم اہل کتاب میں سے ایک جماعت کی بات مانو گے تو وہ تمہیں تمہارے ایمان کے بعد کافر کی طرف پھیر دیں گے۔“

اس پر امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ، اصباب النزول، 3:100، صفحہ 38 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر، ایک مسلمان کو دوسروں کے بارے میں منفی بات کرنے سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ اس سے لوگوں کے دلوں میں منفی جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

سنن ابو داؤد نمبر 4860 میں موجود ایک حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو دوسروں کے بارے میں منفی بات کرنے سے منع فرمایا، کیونکہ اس سے لوگوں کے دلوں میں ان کے بارے میں برے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ خاندان، خاص طور پر ایشیائی کمیونٹی سے، وقت کے ساتھ ٹوٹ جاتے ہیں۔ یہ خاندان کے ارکان، جیسے والدین کی سب سے بڑی شکایت ہے۔ وہ حیران ہیں کہ ان کے بچے کیوں الگ ہو گئے ہیں حالانکہ وہ کبھی مضبوطی سے ایک ساتھ تھے۔

رشتہ داروں کے درمیان تعلقات کے ٹوٹنے کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ کسی نے ان کے رشتہ دار کے بارے میں منفی بات کی ہے۔ یہ اکثر خاندان کے کسی فرد کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک ماں اپنے دوسرے بچے سے اپنے بیٹے کے بارے میں منفی بات کرے گی۔ یہ دونوں رشتہ داروں کے درمیان دشمنی کا باعث بنتا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ دونوں کے درمیان دراڑ پیدا کر دیتا ہے۔ جو کبھی ایک شخص کی طرح تھے وہ ایک دوسرے کے لیے اجنبی بن جاتے ہیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔ بہت کم لوگوں کو چھوڑ کر، جب کسی شخص سے کسی دوسرے کے بارے میں کوئی منفی بات کہی جائے تو وہ اس سے متاثر ہو جائیں گے، خواہ وہ یہ نہ چاہتے ہوں۔ یہ دشمنی تب بھی ہوتی ہے جب کہ ابتدائی شخص جس نے کسی کے رشتہ دار کے بارے میں منفی بات کی ہو وہ رشتہ داروں کے درمیان پچر پیدا کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔ کچھ اکثر عادت سے ہٹ کر اس طرح کام کرتے ہیں اور تعلقات کو خراب کرنے کی

کوشش نہیں کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، والدین اکثر یہ عادت اپناتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنے بچوں کے رشتے ٹوٹنے یا ٹوٹنے کی خواہش نہیں رکھتے۔

یہ رویہ لوگوں کی ذہنیت پر اتنا گہرا اثر ڈالتا ہے کہ اس سے ان رشتہ داروں پر بھی اثر پڑتا ہے جو ایک دوسرے کو بہت کم دیکھتے یا بات کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، کوئی شخص اپنے رشتہ دار کے بارے میں منفی باتوں کا تذکرہ کرے گا، حالانکہ اس کا رشتہ دار بھی ان جیسے ملک میں نہیں رہتا۔ یہ رویہ ان کے دل میں دشمنی کو پیوست کر دیتا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ اپنے دور کے رشتہ دار کو ناپسند کرتے ہیں، حالانکہ وہ انہیں بمشکل جانتے ہیں۔

یہ مسئلہ اکثر اس وقت ہوتا ہے جب دو افراد دوسرے لوگوں کے سامنے دوسروں کے بارے میں منفی باتوں پر بحث کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، والدین اپنے بچوں کے سامنے اپنے رشتہ داروں کے بارے میں منفی باتیں کر سکتے ہیں۔ اگرچہ، وہ اپنے بچوں کو براہ راست نہیں بتا رہے ہیں، کوئی بھی کم نہیں یہ اب بھی ان کے دلوں کو متاثر کرتا ہے .اگر کوئی ایک لمحے کے لیے واقعی غور کرے تو وہ سمجھ جائے گا کہ دوسروں کے تئیں ان کے بیمار جذبات کی اکثریت اس شخص کے کیے یا ان سے براہ راست کہنے کی وجہ سے نہیں تھی۔ زیادہ تر معاملات میں، یہ کسی تیسرے فریق کی وجہ سے ہوا ہے، جس نے ان سے اس شخص کے بارے میں کسی منفی بات کا ذکر کیا۔

ایسے معاملات میں جہاں کوئی دوسرے کو کسی خطرے سے خبردار کرنے کی کوشش کر رہا ہو، تو کسی دوسرے شخص کا منفی انداز میں ذکر کرنا بالکل قابل قبول ہے۔ اگر کوئی دوسرے کو سبق سکھانے کی کوشش کر رہا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلیں اور اس شخص کا نام لیے بغیر منفی بات کا ذکر کریں۔ اس خوبصورت ذہنیت کی ایک مثال صحیح بخاری نمبر 6979 میں موجود حدیث میں موجود ہے۔ کسی شخص کا نام لیے بغیر کسی منفی بات کا ذکر کرنا کسی کو سبق سکھانے کے لیے کافی ہے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، مسلمانوں کو اپنے رشتہ داروں یا دوسروں کے بارے میں، نجی یا عوامی طور پر منفی بات کرنے سے پہلے گہرائی سے غور کرنا چاہیے۔ دوسری صورت میں، وہ اچھی

طرح سے تلاش کر سکتے ہیں، جیسے جیسے وقت گزرتا ہے، ان کے خاندان اور دوست ایک دوسرے سے الگ اور جذباتی طور پر دور ہو جاتے ہیں.

جو شخص دوسروں کے بارے میں منفی باتیں سنتا ہے اسے چاہیے کہ وہ بولنے والے کو غیبت سے باز رہنے کی تلقین کرے اور اپنے اعمال کے نتائج ان کے سامنے بیان کرے۔ انہیں کسی شخص کے بارے میں کہی گئی منفی باتوں پر توجہ مرکوز کرنے سے گریز کرنا چاہیے اور اس کے بجائے یاد رکھیں کہ ایک منفی خصوصیت کسی شخص کے پورے کردار کی وضاحت نہیں کرتی۔ انہیں چاہیے کہ جس شخص کے بارے میں منفی باتیں سنیں اس کے ساتھ اچھے کردار کا مظاہرہ کرتے رہیں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنے حقوق ادا کریں۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ دوسروں کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ اس طرح برتاؤ کرنے سے دوسروں کے بارے میں منفی باتیں کرنے والوں کی وجہ سے دل پر پڑنے والے منفی اثرات کو کم کیا جائے گا۔

مزید برآں، زیر بحث اہم واقعہ مسلمانوں کو تفرقہ سے خبردار کرتا ہے کیونکہ یہ اکثر بحث اور لڑائی کا باعث بنتا ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر متحد رہیں۔ یہ سب سے بہتر اس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں، قرآن پاک سیکھتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھتے ہیں۔ جب کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اخلاص ظاہر کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے تو وہ جان بوجھ کر دنیوی چیزیں حاصل کرنے کے لیے الٰہی تعلیمات کی غلط تشریح کرتے ہیں، جیسا کہ قیادت اور دولت، جس کے نتیجے میں تفرقہ پیدا ہوتا ہے۔ یا جب کوئی اسلامی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہتا ہے تو وہ لامحالہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو انہیں دی گئی ہیں، جو انہیں دوسروں کے حقوق ادا کرنے سے روکے گی۔ یہ رویہ بھی انتشار کا باعث بنے گا۔ لہٰذا تفرقہ سے صرف اسی صورت میں بچا جا سکتا ہے جب کوئی سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور اسلامی تعلیمات کو سیکھ کر اس پر عمل کرے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حقوق کو پورا کریں گے جس کے نتیجے میں مسلمانوں میں اتحاد پیدا ہوتا ہے۔

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کی

ایک دانشمندانہ تجویز

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تجویز پیش کی۔ اس پر اتفاق ہوا اور نکاح ہو گیا۔ اس کا جہیز ایک زنجیر میل بکتر تھا جس کی قیمت چار چاندی کے سکوں کی معمولی رقم تھی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 368 میں بحث کی گئی ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ جہیز ایک معمولی رقم تھی۔ یہ شادیوں کو سادہ اور کفایت شعاری رکھنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے، جسے آج بہت سے مسلمان آسانی سے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور سادگی سے شادی کا اہتمام کرکے اور فضول خرچی سے بچ کر اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ مہنگی اور اسراف شادیوں کے معاشرے کے رسوم سے متاثر ہونے سے بچیں اور اس کے بجائے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی کوشش کریں کیونکہ اس سے شادی کا آغاز اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکت سے ہو گا۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے، اسلام کی تعلیمات پر مبنی کسی ایک کا انتخاب کرکے صحیح شریک حیات کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے۔

صحیح بخاری نمبر 5090 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ چار وجوہات کی بنا پر شادی کی جاتی ہے :مال، نسب، حسن یا تقویٰ۔

انہوں نے تنبیہ کرتے ہوئے نتیجہ اخذ کیا کہ آدمی کو تقویٰ کی خاطر شادی کرنی چاہیے ورنہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس حدیث میں مذکور پہلی تین چیزیں بہت عارضی اور ناقص ہیں۔ وہ کسی کو عارضی خوشی تو دے سکتے ہیں لیکن آخرکار یہ چیزیں ان کے لیے بوجھ بن جاتی ہیں کیونکہ ان کا تعلق مادی دنیا سے ہے نہ کہ اس چیز سے جو حتمی اور مستقل کامیابی عطا کرتی ہے یعنی ایمان۔ یہ سمجھنے کے لیے کہ دولت خوشی نہیں لاتی، صرف امیر اور مشہور کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت، امیر زمین پر سب سے زیادہ غیر مطمئن اور ناخوش لوگ ہیں۔ اپنے نسب کی خاطر کسی سے شادی کرنا بے وقوفی ہے کیونکہ یہ اس بات کی ضمانت نہیں دیتا کہ وہ شخص ایک اچھا شریک حیات بنائے گا۔ درحقیقت، اگر شادی کام نہیں کرتی ہے، تو یہ شادی سے پہلے دونوں خاندانوں کے خاندانی بندھن کو ختم کر دیتی ہے۔ صرف خوبصورتی یعنی محبت کی خاطر شادی کرنا عقلمندی نہیں ہے کیونکہ یہ ایک بے چین جذبہ ہے جو وقت کے ساتھ اور مزاج کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ قیاس محبت میں ڈوب جانے والے کتنے جوڑے ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگے؟

لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی ایسا شریک حیات تلاش کرے جو غریب ہو، کیونکہ یہ ضروری ہے کہ کسی ایسے شخص سے شادی کی جائے جو خاندان کی مالی مدد کر سکے۔ نہ ہی اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو اپنے شریک حیات کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ یہ صحت مند شادی کا ایک اہم پہلو ہے۔ لیکن اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں کسی کی شادی کی بنیادی یا حتمی وجہ نہیں ہونی چاہئیں۔ ایک مسلمان کو شریک حیات میں جو بنیادی اور حتمی خوبی تلاش کرنی چاہیے وہ تقویٰ ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لاتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز آتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے۔ سادہ لفظوں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اپنی شریک حیات کے ساتھ خوشی اور مشکل دونوں وقتوں میں اچھا سلوک کرے گا۔ دوسری طرف، جو لوگ بے دین ہیں وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ بدسلوکی کریں گے جب بھی وہ پریشان ہوں گے۔ حالیہ برسوں میں مسلمانوں کے درمیان گھریلو تشدد میں اضافے کی یہ ایک اہم وجہ ہے۔ اور جب وہ اپنے شریک حیات سے راضی ہوں گے تب بھی وہ اپنی لاعلمی کی وجہ سے اپنے حقوق ادا کرنے میں ناکام رہیں گے جس کو دور کرنے میں تقویٰ مدد کرتا ہے۔ باب 35 فاطر، آیت 28:

‘‘اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں۔’’

آخر میں، متقی شخص ہمیشہ دوسروں کے حقوق ادا کرنے کی فکر میں رہتا ہے، جیسے کہ ان کی شریک حیات، پھر وہ لوگوں کے حقوق ادا کرنے کی فکر میں رہتا ہے۔ اس لیے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے سوال کرے گا کہ انہوں نے لوگوں کے حقوق ادا کیے یا نہیں؟ وہ ان سے یہ نہیں پوچھے گا کہ کیا لوگوں نے ان کے حقوق ادا کیے ہیں، جیسا کہ یہ اس وقت کیا جائے گا جب اللہ تعالیٰ دوسروں سے سوال کرتا ہے، نہ کہ جب وہ ان سے سوال کرتا ہے۔ جبکہ ظالم مسلمان صرف اپنے حقوق، حقوق کی پرواہ کرے گا جو اس نے معاشرے، ثقافت، فیشن اور اپنے تخیل سے لیے ہیں اسلام سے نہیں۔ نتیجے کے طور پر، وہ اپنے شریک حیات سے کبھی بھی حقیقی طور پر راضی نہیں ہوں گے، خواہ ان کی شریک حیات اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنے حقوق ادا کرے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام سے لاعلمی اور طلاق کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔

آخر میں، اگر کوئی مسلمان شادی کرنا چاہتا ہے تو اسے سب سے پہلے اس سے متعلق علم حاصل کرنا چاہیے، جیسے کہ اس پر اپنی شریک حیات کے واجب الادا حقوق، جو حقوق اس پر اپنی شریک حیات سے واجب الادا ہیں اور مختلف حالات میں اپنی شریک حیات کے ساتھ صحیح سلوک کرنے کا طریقہ۔ بدقسمتی سے، اس سے لاعلمی بہت سے دلائل اور طلاقوں کا باعث بنتی ہے کیونکہ لوگ ایسی چیزوں کا مطالبہ کرتے ہیں جن کو پورا کرنے کے لیے ان کا شریک حیات پابند نہیں ہوتا۔ لہٰذا علم، جو تقویٰ کی جڑ ہے، صحت مند اور کامیاب ازدواجی زندگی کی بنیاد ہے۔

سادہ زندگی

علی ابن ابی طالب اور ان کی اہلیہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح انتہائی سادہ زندگی گزاری۔ انہوں نے دنیاوی آسائشوں سے لطف اندوز ہونے پر آخرت کی تیاری اور دوسروں کی مدد کو ترجیح دی۔ مثال کے طور پر، علی رضی اللہ عنہ نے ایک بار کہا کہ ان کے گھر میں مینڈھے کی کھال کے علاوہ کوئی فرنیچر نہیں تھا جس پر وہ سوتے تھے۔

دونوں نے روزی روٹی کے لیے کام کیا اور زندگی کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کے لیے جدوجہد کی۔ ایک مرتبہ جب کچھ جنگی قیدی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لائے گئے تو انہوں نے آپ سے درخواست کی کہ ان کے کاموں میں ان کی مدد کے لیے ایک خادم ان کو دے دیں۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکار کر دیا کیونکہ وہ قیدیوں کو بیچ کر مدینہ کے غریبوں پر خرچ کرنا چاہتے تھے۔ اس نے اپنے خاندان پر دوسروں کو ترجیح دی۔ اس رات کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو سونے سے پہلے پڑھنے کی روحانی مشق سکھائی اور فرمایا کہ یہ روحانی مشق خادم حاصل کرنے سے بہتر ہے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 147-149 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے طرز زندگی اور طرز عمل میں عملی طور پر ان کی پیروی کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت اور احترام کے اعلان کی حمایت کریں۔ ان کے طرز عمل میں ان کی پیروی ہی اس بات کو یقینی بنانے کا واحد راستہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عنایات انہیں حاصل ہوں اور یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ آخرت میں ان کے ساتھ مل جائے۔ غور طلب ہے کہ پچھلی قومیں بھی اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت اور احترام کا دعویٰ کرتی ہیں لیکن آخرت میں ان سے اتحاد نہیں کریں گی کیونکہ انہوں نے دنیا میں عملی طور پر ان کی پیروی نہیں کی۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرزِ عمل کا ایک پہلو، جیسا کہ مرکزی واقعہ میں اشارہ کیا گیا ہے، سادہ زندگی اختیار کرنا ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4118 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ سادگی ایمان کا حصہ ہے۔

اسلام مسلمانوں کو اپنی تمام دولت اور جائز خواہشات کو ترک کرنے کا درس نہیں دیتا بلکہ یہ ان کو اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں مثلاً خوراک، لباس، مکان اور کاروبار میں سادہ طرز زندگی اپنانے کا درس دیتا ہے تاکہ انہیں آخرت کی تیاری کے لیے مناسب وقت فراہم کیا جائے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنا شامل ہے۔ اس سادہ زندگی میں اس دنیا میں کوشش کرنا بھی شامل ہے تاکہ کسی کی ضرورتوں اور ان کے محتاجوں کی ضرورتوں کو بغیر زیادتی، فضول خرچی اور اسراف کے پورا کیا جا سکے۔ ایک سادہ زندگی پر جتنا زیادہ توجہ مرکوز کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کا استعمال کرنا اتنا ہی آسان ہو جاتا ہے۔ یہ دونوں جہانوں میں امن اور کامیابی کا باعث بنتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ جتنی سادہ زندگی گزاریں گے، وہ دنیاوی چیزوں پر اتنا ہی کم دباؤ ڈالیں گے اور اس لیے وہ آخرت کے لیے اتنا ہی زیادہ کوشش کر سکیں گے، جس سے ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل ہو گا۔ لیکن ایک شخص کی زندگی جتنی زیادہ پیچیدہ ہوگی، وہ اتنا ہی زیادہ دباؤ ڈالے گا، مشکلات کا سامنا کرے گا اور اپنی آخرت کے لیے کم کوشش

کرے گا، کیونکہ دنیاوی چیزوں سے اس کی مصروفیات کبھی ختم ہوتی نظر نہیں آئیں گی۔ یہ رویہ انہیں ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل کرنے سے روک دے گا۔

سادگی دنیا میں آسودگی کی زندگی اور قیامت کے دن سیدھا حساب کتاب کا باعث بنتی ہے۔ جب کہ ایک پیچیدہ اور عیش و عشرت کی زندگی صرف ایک دباؤ والی زندگی اور قیامت کے دن سخت اور مشکل حساب کتاب کا باعث بنے گی۔ جتنا سخت احتساب ہو گا، اتنی ہی زیادہ سزا ملے گی۔ صحیح بخاری نمبر 103 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ہجرت کے بعد تیسرا سال

صحیح طریقے سے نمائندگی کرنا

جب بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے تشریف لے جاتے تو آپ نے واپس آنے تک ہمیشہ کسی معتبر کو اس کے امور کا نگران مقرر فرمایا۔ مثال کے طور پر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال، آپ ذو عمار کے نام سے ایک مہم کے لیے روانہ ہوئے اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا انچارج مقرر کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 1 میں بحث کی گئی ہے۔

انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت ہر مسلمان کو اپنا نمائندہ مقرر فرمایا۔ یہ ایک فرض ہے جس کے بارے میں قیامت کے دن سوال ہوگا۔ اس لیے ضروری ہے کہ باہر کی دنیا کے سامنے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح نمائندگی کرتے ہوئے اسے پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ غیر مسلم اور دیگر مسلمان اسلام کی حقیقی تعلیمات کو سمجھ سکیں۔ یہ تب ہی حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھے اور اس پر عمل کرے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ کوئی شخص اسلامی تعلیمات کے اندر زیر بحث مثبت خصوصیات کو اپنائے، جیسے سخاوت، صبر اور شکر گزاری، اور اس میں زیر بحث منفی خصوصیات جیسے حسد، لالچ اور خود غرضی سے بچتا ہے۔ جو صحیح کردار اپنائے گا وہ بیرونی دنیا میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح نمائندگی کرے گا۔ لیکن جس طرح کسی بادشاہ کے سفیر کو بادشاہ کے بارے میں غلط بیانی کرنے پر سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اسی طرح جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں غلط بیانی کرے گا، وہ دونوں جہانوں میں اپنی ناکامی کا ذمہ دار ہوگا۔

بدلہ لینا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے تیسرے سال آپ ایک مہم پر روانہ ہوئے۔ اس مہم کے دوران حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درخت کے نیچے جھپکی لی۔ غیر مسلم فوج نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے چوری چھپے ایک سپاہی کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کے ارادے سے بھیجا۔ اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چونکا دیا اور اپنی تلوار کا نشان بناتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کی حفاظت کون کرے گا؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعتماد کے ساتھ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کرے گا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس شخص کو زمین پر دھکیل دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تلوار اٹھائی اور وہی سوال کیا جو سپاہی نے آپ سے کیا تھا۔ سپاہی نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی رہائی کی التجا کی اور آپ نے بغیر سزا کے ایسا کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 1-2 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اپنی ذات سے بدلہ نہیں لیا بلکہ معاف کر دیا اور نظر انداز کیا۔

مسلمانوں کو مناسب اور معقول طریقے سے اپنا دفاع کرنے کی اجازت دی گئی ہے جب ان کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں بچا ہے۔ لیکن انہیں کبھی بھی لائن سے اوپر نہیں جانا چاہئے کیونکہ یہ ایک گناہ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 190:

’’اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہ کرو، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔‘‘

چونکہ نشان پر قدم رکھنے سے بچنا مشکل ہے، اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ صبر کی پابندی کرے، دوسروں کو نظر انداز کرے اور معاف کرے کیونکہ یہ نہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف ان کے گناہوں کو معاف کرنے کی طرف لے جاتی ہے۔ باب 24 النور، آیت 22:

''اور وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا آپ پسند نہیں کریں گے کہ اللہ آپ کو معاف کر دے؟''

دوسروں کو معاف کرنا دوسروں کے کردار کو مثبت انداز میں بدلنے میں بھی زیادہ موثر ہے، جو کہ اسلام کا مقصد ہے اور مسلمانوں پر فرض ہے، کیونکہ بدلہ لینے سے ملوث افراد کے درمیان مزید دشمنی اور غصہ پیدا ہوتا ہے۔

جو لوگ دوسروں کو معاف نہ کرنے کی بری عادت رکھتے ہیں اور معمولی باتوں پر بھی ہمیشہ رنجشوں میں مبتلا رہتے ہیں، وہ اچھی طرح جان سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ ان کے ہر چھوٹے گناہ کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چیزوں کو جانے دینا سیکھنا چاہئے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں بخشش کا باعث بنتا ہے۔ اس کے علاوہ، ذہنی سکون اس وقت ختم ہو جاتا ہے جب کوئی شخص ہر اس چھوٹے سے مسئلے کو پکڑنے کی عادت اپنا لیتا ہے جو اسے پریشان کرتا ہے۔ لہٰذا، دوسروں کو نظر انداز کرنا اور معاف کرنا سیکھنا چھوٹے موٹے مسائل کو چھوڑنے میں مدد کرتا ہے، جس کے نتیجے میں انہیں ذہنی سکون حاصل کرنے میں مدد ملتی ہے۔

آخر میں، اہم حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جب دوسرے لوگ لائن کو عبور کریں تو کسی کو اپنا دفاع نہیں کرنا چاہئے، جیسا کہ اسلام بغیر کسی کمزوری کے عاجزی کا درس دیتا ہے۔ اس کے علاوہ، یہاں تک کہ جب کوئی دوسروں کو معاف کرتا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ان پر اندھا اعتماد کریں یا ان کے ساتھ ہمیشہ کی طرح سماجی تعلقات جاری رکھیں۔ اس سے ان کے دوبارہ غلط ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں کو معاف کرنا چاہیے، اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے حقوق ادا کرنے چاہئیں، اور ماضی میں ان لوگوں کے

ساتھ پیش آنا چاہیے جنہوں نے ان پر ظلم کیا ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ تاریخ اپنے آپ کو نہ دہرائے اور وہ دونوں جہانوں میں برکتیں اور انعامات حاصل کریں۔

اسلام میں شرافت

جب بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے تشریف لے جاتے تو آپ نے واپس آنے تک ہمیشہ کسی معتبر کو اس کے امور کا نگران مقرر فرمایا۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال آپ بحران نامی جگہ کی مہم کے لیے روانہ ہوئے اور ایک نابینا اور غریب صحابی ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا انچارج مقرر کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 2 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک غریب صحابی کو اللہ تعالیٰ نے ان سے راضی کر کے، حالانکہ وہ دوسرے صحابہ تھے، اللہ ان سے راضی تھے، جو اپنے قبیلوں کے امیر اور سردار تھے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ایک کو یہ درس دے رہے تھے کہ دنیاوی معیار جو انسانوں کو الگ کر دیتے ہیں، جیسے کہ مال، کی اسلام میں اللہ تعالیٰ کی نظر میں کسی شخص کی حیثیت کا تعین کرتے وقت کوئی قدر نہیں۔

سنن ابو داؤد نمبر 5116 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر تنبیہ فرمائی کہ شرافت کسی کے نسب میں نہیں ہے کیونکہ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مٹی سے بنے تھے۔ اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ لوگوں کو اپنے رشتہ داروں اور نسب پر فخر کرنا چھوڑ دینا چاہیے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگرچہ بعض جاہل مسلمانوں نے ذاتیں اور فرقے بنا کر دوسری قوموں کا رویہ اختیار کر رکھا ہے، اس طرح ان گروہوں کی بنیاد پر بعض لوگوں کو دوسروں سے برتر مان کر اسلام نے برتری کا ایک سادہ معیار قرار دیا ہے، یعنی تقویٰ۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمان جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لاتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز آتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کا درجہ اتنا ہی بلند ہوتا ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ'' پرہیزگار ہے''۔

یہ آیت دیگر تمام معیارات کو ختم کر دیتی ہے جو جاہل لوگوں نے بنائے ہیں، جیسے کہ کسی کی نسل، نسل، دولت، جنس یا سماجی حیثیت۔

اس کے علاوہ اگر کوئی مسلمان اپنے نسب میں کسی متقی شخص پر فخر کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور ان کے نقش قدم پر چل کر اس عقیدے کا صحیح مظاہرہ کرنا چاہیے۔ دوسروں کے نقش قدم پر چلے بغیر ان پر فخر کرنا اس دنیا یا آخرت میں کسی کے کام نہیں آئے گا۔ یہ بات جامع ترمذی نمبر 2945 میں موجود حدیث میں واضح ہو چکی ہے۔

جو دوسروں پر فخر کرتا ہے لیکن ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہتا ہے وہ بالواسطہ طور پر ان کی بے عزتی کر رہا ہے کیونکہ باہر کی دنیا ان کے برے کردار کو دیکھے گی اور یہ سمجھے گی کہ ان کے صالح آباؤ اجداد نے اسی طرح برتاؤ کیا تھا۔ ان لوگوں کو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ یہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری روایات اور نصیحتوں کو اپناتے ہیں، جیسے داڑھی بڑھانا یا دوپٹہ پہننا، پھر بھی ان کے باطنی حسن اخلاق کو اپنانے میں ناکام رہتے ہیں۔ بیرونی دنیا صرف اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منفی سوچے گی جب وہ ان مسلمانوں کے برے کردار کو دیکھیں گے۔

آخر میں، بنی نوع انسان کی ابتداء کو یاد رکھنا غرور کو اپنانے سے روکے گا، جس کی قیمت ایک ایٹم کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ غرور صرف دوسروں کو حقیر سمجھنے کی ترغیب دیتا ہے، حالانکہ ان کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا اور عطا کیا گیا ہے۔ فخر بھی کسی

کو سچائی کو مسترد کرنے کی ترغیب دے گا، جب یہ ان سے پیدا نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا کسی بھی چیز پر غرور، جیسے کہ اپنے نیک بزرگ، ہر قیمت پر گریز کرنا چاہیے۔

بنو قینقاع

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے تیسرے سال یہودیوں کے ایک قبیلہ بنو قینقاع نے جو مدینہ میں مقیم تھے، مستقل طور پر اپنا معاہدہ توڑ دیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کی۔ انہوں نے اس طرح کا برتاؤ کیا حالانکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بارہا اس حقیقت کی یاد دہانی کرائی تھی کہ انہوں نے آپ کو اللہ تعالیٰ کے آخری نبی کے طور پر تسلیم کیا ہے جیسا کہ ان کے آسمانی صحیفوں میں بیان کیا گیا ہے۔ لیکن انہوں نے ضد کے ساتھ اسلام کا انکار کیا اور اس کے بجائے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دھمکیاں دیں اور لڑیں۔ انہوں نے اس طرح کا برتاؤ کیا جیسا کہ وہ جانتے تھے کہ اسلام قبول کرنا انہیں ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے سے روک دے گا جو انہیں عطا کی گئی تھیں اور انہیں اندیشہ تھا کہ اگر وہ اسلام قبول کرتے ہیں تو اپنے سماجی اثر و رسوخ کو کھو دیں گے۔ اس کے علاوہ اہل کتاب حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے جب کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسحاق علیہ السلام کے بھائی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ چونکہ اہل کتاب بالخصوص یہودی حسب و نسب کی محبت میں مبتلا تھے جو کہ ان کے ایمان کا مرکزی پہلو ہے اس لیے وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تو مان سکتے تھے اور نہ ہی ان کی پیروی کر سکتے تھے کیونکہ وہ ایک الگ نسب سے تھے۔ انہوں نے کسی ایسے شخص کو قبول کرنے اور اس کی پیروی کرتے ہوئے پایا جو ان کے ذیل میں ان کے نسب سے نہیں تھا کیونکہ اس سے بنی نوع انسان پر ان کی برتری ختم ہو جائے گی، یہ عقیدہ انہوں نے گھڑا تھا۔

دنیاوی فائدے کی وجہ سے منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت سے پہلے بنو قینقاع کے ساتھ الحاق کیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تاکید کی کہ انہیں نقصان پہنچانے سے اجتناب کیا جائے اور وہ ان کے ساتھ وفادار رہے حالانکہ انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے عہد کو توڑ دیا تھا ۔ جبکہ ایک صحابی عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ جن کا بنو قینقاع کے ساتھ پرانا اتحاد بھی تھا ، نے کھلم کھلا ان سے اپنے اتحاد کو ترک کر دیا اور اس کے بجائے اللہ عزوجل، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اپنے اتحاد کا اعادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر باب 5 المائدہ آیت 51 نازل فرمایا:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور تم میں سے جو کوئی ان کا ساتھی ہو گا تو وہ ان میں سے ہے، بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

اور باب 5 المائدہ آیت 56:

"اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کا حلیف ہے، یقیناً اللہ کی جماعت ہے، وہی غالب ہوں گے۔"

منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کی شفاعت کے نتیجے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر مسلم قبیلہ بنو قینقاع کو امن کے ساتھ مدینہ سے نکلنے کی اجازت دے دی جب کہ انہوں نے ان کا محاصرہ کر لیا اور انہوں نے جنگ کیے بغیر ہتھیار ڈال دیے، یہاں تک کہ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ اپنے صلح کے معاہدے کی بارہا خیانت کی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 3-4 میں بحث کی گئی ہے۔

اسلام کے ساتھ اپنی وفاداری اور اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو ، کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہر حال میں برقرار رکھنا چاہیے۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ مادی دنیا سے کچھ حاصل کرنے کے لیے اپنے ایمان پر کبھی سمجھوتہ نہ کریں۔ باب 4 النساء، آیت 135:

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔“

چونکہ مادی دنیا عارضی ہے اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ آخرکار ختم ہو جاتا ہے اور آخرت میں ان کے اعمال اور رویوں کا جوابدہ ہو گا۔ دوسری طرف، ایمان وہ قیمتی زیور ہے جو ایک مسلمان کی دنیا اور آخرت میں تمام مشکلات سے باحفاظت رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے کسی عارضی چیز کی خاطر جو چیز زیادہ فائدہ مند اور پائیدار ہو اس سے سمجھوتہ کرنا صریح حماقت ہے۔

بہت سے لوگ خاص طور پر خواتین، اپنی زندگی میں ایسے لمحات کا سامنا کریں گے جہاں انہیں اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر، بعض صورتوں میں اور کسی خاص طریقے اسکارف اتار دیا ایک مسلمان عورت یہ مان سکتی ہے کہ اگر اس نے اپنا سے لباس پہن لیا تو وہ کام پر زیادہ عزت دار ہو گی اور کارپوریٹ کی سیڑھی بھی زیادہ تیزی سے چڑھ سکتی ہے۔ اسی طرح کارپوریٹ دنیا میں کام کے اوقات کے بعد ساتھیوں کے ساتھ گھل مل جانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ لہذا ایک مسلمان اپنے آپ کو کام کے بعد کسی پب یا کلب میں مدعو کر سکتا ہے۔

ایسے وقت میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ حتمی فتح اور کامیابی صرف انہی کو ملے گی جو اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم رہیں۔ اس طرح عمل کرنے والوں کو دنیوی اور دینی کامیابیاں نصیب ہوں گی۔ لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان کی دنیاوی کامیابی ان کے لیے بوجھ نہیں بنے گی۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بنی نوع انسان کے درمیان ان کے درجات اور ذکر کو بڑھانے کا ذریعہ بنے گا۔ اس کی مثالیں خلفائے راشدین اسلام ہیں۔ انہوں نے اپنے عقیدے پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ زندگی بھر ثابت قدم رہے اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی اور مذہبی سلطنت عطا فرمائی۔

کامیابی کی دیگر تمام شکلیں بہت وقتی ہیں اور جلد یا بدیر وہ اس کے علمبردار کے لیے مشکل بن جاتی ہیں۔ صرف ان بہت سی ہستیوں کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے شہرت اور خوش

قسمتی کے حصول کے لیے اپنے نظریات اور عقیدے پر سمجھوتہ کیا اور صرف یہی چیزیں ان کی اداسی، پریشانی، ڈپریشن، منشیات کے استعمال اور یہاں تک کہ خودکشی کا سبب بنیں۔

ایک لمحے کے لیے ان دونوں راستوں پر غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ کس کو ترجیح دی جائے اور کس کا انتخاب کیا جائے۔

بری نصیحت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال ایک یہودی عالم اور اسلام کے جارح دشمن کعب بن اشرف نے انہیں اسلام کے خلاف مزید اکسانے کے لیے مکہ کا دورہ کیا۔ مکہ کے ایک غیر مسلم رہنما نے ان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ، مکہ کے بت پرست یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی طرف سے زیادہ صحیح ہدایت یافتہ اور پسندیدہ کون ہے؟ کعب نے جواب دیا کہ مکہ کے بت پرست زیادہ ہدایت یافتہ تھے۔ یہ ایک احمقانہ جواب تھا کیونکہ ایک یہودی عالم ہونے کے ناطے وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ بت پرستی صحیح رہنمائی سے دور ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے باب 4 النساء آیت 51 نازل فرمائی:

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا، جو توہم پرستی اور جھوٹی'' عبادتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور کافروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ مومنوں سے زیادہ راہ راست پر ہیں''۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 7 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ بری صحبت سے بچنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ یہ گمراہی کا باعث بنتا ہے۔ مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ سچی محبت کی ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ جب کوئی اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتا ہے، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ اس لیے کہ اطاعت دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی اور سلامتی کا باعث بنتی ہے۔ جو شخص کسی شخص کے لیے حفاظت اور کامیابی کا خواہاں نہیں ہے وہ کبھی بھی ان سے حقیقی محبت نہیں کر سکتا چاہے وہ کیا دعویٰ کرے یا دوسرے شخص کے ساتھ کیسا سلوک کرے۔ جس طرح بندہ اس وقت خوش ہوتا ہے جب اس کے محبوب کو دنیاوی کامیابی ملتی ہے، جیسے نوکری کی، وہ بھی اپنے محبوب سے آخرت کی کامیابی کی تمنا کرے گا۔ اگر کوئی شخص دوسرے کی حفاظت اور کامیابی کی پرواہ نہیں کرتا ہے خاص طور پر اگلے جہان میں تو وہ اس سے محبت نہیں کرتا۔

ایک سچا عاشق اپنے محبوب کو دنیا یا آخرت میں مشکلات اور عذاب کا سامنا کرتے ہوئے جاننا اور دیکھنا برداشت نہیں کرسکتا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اس لیے وہ ہمیشہ اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتے۔ اگر کوئی شخص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کے بجائے کسی دوسرے کو اپنے ذاتی مفاد یا دوسروں کے مفاد کی طرف لے جائے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں رکھتے۔ یہ تمام رشتوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دوستی اور رشتہ دار۔

لہٰذا ایک مسلمان کو یہ اندازہ لگانا چاہیے کہ آیا ان کی زندگی میں وہ لوگ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو یہ ان کے لیے ان کی محبت کی واضح علامت ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں کرتے۔ باب 43 از زخرف، آیت 67:

‘‘اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔’’

غداری کی سزا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال ایک یہودی عالم اور اسلام کے جارح دشمن کعب بن اشرف نے بار بار سربراہ مملکت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کا معاہدہ توڑا۔ وہ مکہ، مدینہ اور اردگرد کے علاقوں میں مقیم غیر مسلموں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھڑکاتا رہا۔ اس کے بہت سے غداری کے کاموں کے نتیجے میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی سزائے موت کا حکم دیا۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے رات کو کعب سے خفیہ ملاقات کی اور اسے قتل کر دیا۔ اس پر ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 5-6 اور صحیح بخاری نمبر 4037 میں موجود حدیث میں بحث کی گئی ہے۔

بہت سے ممالک میں غداری کی سزا، اس دن اور عمر میں بھی، پھانسی ہے۔ اس لیے یہ ایک جائز سزا تھی۔

یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی حدود کے احترام کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے، پھر بھی یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ وہ اپنی نافرمانی پر اڑے رہنے والوں کو سزا بھی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی الوہی صفات کو صحیح طور پر سمجھنے میں ناکامی کسی کو خواہش مندانہ سوچ کو اپنانے کی ترغیب دے سکتی ہے جس کے تحت وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اڑے رہتے ہیں، پھر بھی اس سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ انہیں معاف کر دے گا، کیونکہ وہ بہت بخشنے والا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ایسا سلوک کیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ نیک اور بد کرنے والے کے ساتھ یکساں سلوک کرے گا جو اس کی عدل و انصاف کی صفت کے خلاف ہوگا۔ باب 45 الجثیہ، آیت 21:

"کیا وہ لوگ جو برائیاں کرتے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے - ان کی زندگی اور موت میں برابری پیدا کر دیں گے، یہ جو فیصلہ کرتے ہیں وہ برا ہے"۔

یہی رویہ اہل کتاب میں سے بعض علماء نے اختیار کیا جو اسلام کی حقانیت کو تسلیم کرنے کے باوجود انکار پر اڑے رہے، جیسے کعب بن اشرف۔ اس لیے خواہش مندانہ سوچ سے بچنا چاہیے اور اس کے بجائے اللہ تعالیٰ پر حقیقی امید اختیار کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ سے امید، اس کی سچی اطاعت، ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہوئے جو اسلامی تعلیمات میں بیان کی گئی ہیں اور ان سے جو بھی گناہ سرزد ہوتے ہیں ان سے سچے دل سے توبہ کرنا شامل ہے۔ مخلص توبہ میں احساس جرم، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہے، شامل ہے، جب تک کہ یہ مزید پریشانی کا باعث نہ ہو۔ انسان کو سچے دل سے وعدہ کرنا چاہیے کہ وہ دوبارہ وہی یا اس سے ملتا جلتا گناہ نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہوں ان کی تلافی کرنی چاہیے۔ اس لیے خواہش مند سوچ سے ہر قیمت پر گریز کیا جانا چاہیے، کیونکہ یہ صرف دونوں جہانوں میں پریشانی کا باعث ہے۔

بات چیت کو نجی رکھنا

جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہوئیں تو انہوں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے شادی کی ممکنہ تجویز پر تبادلہ خیال کیا۔ مؤخر الذکر نے بالترتیب اس پیشکش کو ٹھکرا دیا کیونکہ وہ شادی کرنے کی صحیح پوزیشن میں نہیں تھا۔ اس کے بعد عمر نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے شادی کی تجویز پر تبادلہ خیال کیا، جنہوں نے فوری جواب نہیں دیا۔ بعد ازاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حفصہ رضی اللہ عنہا کو شادی کی دعوت دی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر عمر رضی اللہ عنہ کو سمجھایا کہ انہوں نے شروع میں کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شادی کی خواہش ظاہر کی تھی۔ اس معلومات کو ظاہر کرنے کے بجائے، اس نے ان کی نجی گفتگو کی حفاظت کرنے کا فیصلہ کیا اور اس لیے اسے فوری طور پر جواب نہیں دیا۔ سنن نسائی نمبر 3261 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1959 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ نجی گفتگو ایک امانت ہے جس کی حفاظت ضروری ہے۔

بدقسمتی سے، بہت سے لوگوں کو لوگوں کی نجی گفتگو کو دوسروں تک پہنچانے کی بری عادت ہے۔ یہ ایک ناقابل یقین حد تک بری خصوصیت ہے کیونکہ یہ ایک سچے مسلمان کے رویے سے متصادم ہے۔ بہت سے لوگ اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ ایسا کرتے ہیں کہ یہ قابل قبول ہے، جب کہ یہ واضح طور پر نہیں ہے۔ ایک مسلمان کو بات چیت میں کہے گئے الفاظ کو ہمیشہ پوشیدہ رکھنا چاہئے جب تک کہ انہیں اس بات کا پورا یقین نہ ہو کہ جس شخص سے اس نے بات کی ہے وہ کسی تیسرے فریق کو بتائے جانے والی معلومات پر کوئی اعتراض نہیں کرے گا۔ اگر وہ کریں گے تو ایسا کرنا ان کے ساتھ خیانت کرتا ہے اور یہ ان کے مخلص ہونے کے منافی ہے۔ سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود ایک حدیث میں دوسروں کے ساتھ مخلص ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اگر کسی کو یقین ہو کہ دوسرے شخص کو اس کی گفتگو دوسروں کے سامنے بتانے پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا، اس کے باوجود تیسرے فریق کے ساتھ گفتگو کو شیئر کرنے سے گریز کرنا زیادہ محفوظ اور افضل ہے۔

اہم حدیث پر عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ غیبت اور گپ شپ جیسے گناہوں کو روکتی ہے اور لوگوں کے درمیان منفی جذبات پیدا ہونے سے روکتی ہے۔ یہ اکثر اس وقت ہوتا ہے جب کسی فریق ثالث کو بتائی گئی گفتگو اکثر غلط تشریح اور غلط فہمیوں کا باعث بنتی ہے۔ یہ سب صرف ٹوٹنے اور ٹوٹے ہوئے رشتوں کا باعث بنتے ہیں۔ اگر کوئی ان کی زندگی پر ایمانداری سے غور کرے تو انہیں احساس ہوگا کہ جن لوگوں کے بارے میں انہوں نے منفی جذبات محسوس کیے ان کی اکثریت اس وجہ سے ہوئی کہ ان کے بارے میں ان کے بارے میں کیا بتایا گیا نہ کہ وہ جو انہوں نے ان سے براہ راست دیکھا۔ نجی گفتگو کا انکشاف کرنا لوگوں خصوصاً رشتہ داروں کے درمیان اتحاد کو روکتا ہے۔ اور اسلام کی بہت سی تعلیمات میں اتحاد کا حکم دیا گیا ہے، جیسے کہ صحیح بخاری، نمبر 6065 میں موجود حدیث۔ باب 4 النساء، آیت 58:

‘‘بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے سپرد کرو۔’’

کسی کو دوسروں کے الفاظ کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کی گفتگو سے برتاؤ کریں۔

جو آس پاس جاتا ہے وہ آس پاس آتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ایک تجارتی قافلہ ایک لاکھ چاندی کے سکوں کے ساتھ شام کی طرف روانہ کیا۔ لیکن جب مسلمان اپنے تجارتی قافلوں پر گھات لگا رہے تھے تو انہوں نے نجد کے پار عراق جانے کا فیصلہ کیا۔ لیکن یہ اطلاع حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچ گئی جنہوں نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو 100 سواروں کے ساتھ قافلہ پر قبضہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ وہ تجارتی قافلے کو لے جانے والے مردوں پر قابو پانے میں کامیاب ہو گئے اور نتیجتاً غیر مسلم فرار ہو گئے اور مسلمانوں نے مال اور تین جنگی قیدیوں پر قبضہ کر لیا، جن میں سے ایک نے تھوڑی دیر بعد اسلام قبول کر لیا۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 243-244 میں بحث کی گئی ہے۔

اسی طرح برسوں پہلے مدینہ ہجرت سے قبل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مکہ میں سماجی بائیکاٹ کیا گیا تھا جس کی وجہ سے ان کے اموال اور اشیائے خوردونوش مکمل طور پر منقطع ہو گئی تھیں، اللہ تعالیٰ نے مکہ کے غیر مسلموں کو بھی ایسی ہی صورت حال سے دوچار کر دیا تھا جہاں مسلمانوں کے ساتھ تجارت کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا تھا۔

کسی کو کبھی بھی برے کام کرنے کی سازش نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ ہمیشہ، کسی نہ کسی طرح، ان پر الٹا فائر ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر یہ نتائج اگلے جہان تک موخر کر دیے جائیں تو آخرکار ان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو نقصان پہنچانا چاہا جیسا کہ وہ اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت، احترام اور پیار چاہتے تھے۔ لیکن یہ واضح ہے کہ ان کی تدبیریں انہیں اپنی خواہش سے دور کر دیتی ہیں۔ باب یوسف، آیت 18 12:

اور وہ اس کی قمیص پر جھوٹا خون لے آئے،]یعقوب [نے کہا، "بلکہ تمہاری جانوں نے تمہیں کسی چیز پر آمادہ کیا ہے، اس لیے صبر سب سے زیادہ مناسب ہے۔"

جتنی زیادہ برائی کی تدبیریں کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں ان کے مقصد سے دور کر دے گا۔ خواہ وہ ظاہری طور پر اپنی خواہش پوری کر لیں، اللہ تعالیٰ جس چیز کی خواہش کی تھی وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے لعنت بن جائے گا الا یہ کہ وہ سچے دل سے توبہ کریں۔ باب 35 فاطر، آیت 43:

”لیکن شیطانی تدبیر سوائے اپنے لوگوں کے گھیرے میں نہیں آتی، پھر کیا وہ پہلے لوگوں کے راستے کے سوا انتظار کرتے ہیں؟“

جنگ احد

ایک بری گفتگو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم رہنما ان غیر مسلموں کے ساتھ جمع ہوئے جنہوں نے بدر کی جنگ میں اپنے رشتہ داروں کو کھو دیا تھا۔ انہوں نے اعلان کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بہت نقصان پہنچایا اور ان کے اشرافیہ اور رشتہ داروں کو قتل کیا۔ انہوں نے ان پر زور دیا کہ وہ انتقام لینے میں ان کی مالی اور جسمانی مدد کریں۔ بدلہ لینے کی پیاس اور مسلمانوں کے تجارتی قافلوں پر چڑھائی کرنے کی وجہ سے ان کی جاری مالی پریشانیوں نے انہیں اس وقت لڑنے کی ترغیب دی جب انہیں عاجزی اختیار کرنے اور سچائی کو قبول کرنے پر زور دینا چاہیے تھا۔ ان سب نے اس شیطانی مہم سے بیعت کی جو بالآخر جنگ احد پر منتج ہوئی۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال آیت 36 نازل فرمائی:

”بے شک کافر اپنا مال اللہ کی راہ سے روکنے کے لیے خرچ کرتے ہیں تو وہ اسے خرچ کریں گے، پھر یہ ان کے لیے حسرت کا باعث ہوگا، پھر وہ مغلوب ہو جائیں گے، اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ جہنم میں جمع کیے جائیں گے۔“

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 12 میں بحث کی گئی ہے۔

باب 4 النساء آیت 114 سے مربوط ہے یہ واقعہ:

"ان کی اکثر گفتگو میں کوئی بھلائی نہیں سوائے ان لوگوں کے جو خیرات کا حکم دیتے ہیں یا حق بات یا لوگوں کے درمیان صلح کرواتے ہیں اور جو شخص یہ کام اللہ کی رضا مندی کے لیے کرے گا تو ہم اسے بہت بڑا اجر دیں گے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی ہے کہ لوگوں کو دوسروں کے ساتھ گفتگو کرتے وقت اپنے آپ کو کیسا برتاؤ کرنا چاہیے تاکہ وہ اپنے اور دوسروں کے لیے فائدہ اٹھا سکیں۔ پہلا یہ کہ جب مسلمان جمع ہوں تو وہ اس بات پر بحث کریں کہ دوسروں کو کس طرح فائدہ پہنچانا ہے جس میں مال اور جسمانی امداد کی شکل میں صدقہ شامل ہے۔ اگر کوئی مسلمان کسی ضرورت مند کی مدد کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے تو یہ ان کی مدد کرنے کے برابر ثواب حاصل کرنے کا ایک بہترین طریقہ ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6800 میں ایک حدیث ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کو نیکی کی طرف ترغیب دیتا ہے اسے اس طرح اجر ملے گا جیسے اس نے خود اچھا عمل کیا۔ اگر کوئی مشکل میں کسی کی مدد نہیں کر سکتا یا دوسرے کو اس کام کو پورا کرنے کی ترغیب نہیں دے سکتا تو وہ کم از کم دوسروں کو ضرورت مند کے لیے دعا کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے۔ غائب شخص کے لیے دعا کرنے سے فرشتے دعا کرنے والے کے لیے دعا کرتے ہیں۔ سنن ابوداؤد نمبر 1534 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ یہ ذہنیت گروہ کو ضرورت مندوں سے ملنے کی ترغیب دے سکتی ہے جو انہیں جذباتی مدد فراہم کرتا ہے۔ اس کا ایک طاقتور نفسیاتی اثر پڑتا ہے اور ان کی مشکلات سے نمٹنے کے دوران انہیں طاقت کا ایک نیا انداز فراہم کرتا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ جب کوئی کسی ضرورت مند کی حالت کا تذکرہ کرتا ہے تو اس کا مقصد اس کی ضرورت کے وقت ان کی مدد کرنا ہوتا ہے۔ وقت گزرنے اور انہیں طنز کا نشانہ بنانے کی خاطر ہرگز ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

برکت حاصل کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی کسی حلال کے بارے میں بات کرتا ہے جو اس دنیا یا آخرت میں کسی کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ اس پہلو میں اپنی زندگی کے ہر پہلو میں دوسروں کو نیکی کرنے اور برائی سے باز رہنے کی تلقین کرنا شامل ہے۔

تیسرا پہلو جس کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے وہ تعمیری ذہنیت کے ساتھ دوسروں کے ساتھ بات چیت کرنا ہے جو لوگوں کو تباہ کن ذہنیت رکھنے کی بجائے مثبت انداز میں اکٹھا کرتا ہے جو معاشرے میں تفرقہ کا باعث بنتا ہے۔ اگر کوئی شخص محبت بھرے انداز میں لوگوں کو اکٹھا نہیں کر سکتا تو کم از کم وہ کر سکتا ہے کہ ان کے درمیان تفرقہ پیدا نہ ہو۔ یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ

کی خوشنودی کے لیے کیا جائے تو یہ ایک نیکی کے طور پر درج ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2518 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

درحقیقت سنن ابوداؤد نمبر 4919 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دو مخالف مسلمانوں کے درمیان صلح کرنا نماز اور روزہ سے افضل ہے۔ معاشرے میں پائی جانے والی ہر اچھی چیز اسی پاکیزہ رویے کا نتیجہ تھی جیسے سکول، ہسپتال اور مساجد کی تعمیر۔

لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو اس آیت میں مذکور عظیم اجر تبھی ملے گا جب وہ نہ صرف ان کے جسمانی ہر ایک شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نیک اعمال انجام دیں گے۔ عمل کی بنیاد پر ان کی نیت پر انعام دیا جائے گا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود لوگوں سے ان مسلمان کو قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ بے ایمان ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اپنا اجر حاصل کریں جن کے لیے انہوں نے عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

لوگوں کا شکر گزار ہونا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ بدر کے بعد ایک غیر مسلم جنگی قیدی ابو عزہ الجمعی کو رہا کر دیا کیونکہ وہ غریب تھا اور اس کا فدیہ ادا نہیں کر سکتا تھا۔ ایک غیر مسلم رہنما نے ابو عزہ پر زور دیا کہ وہ ایک غیر مسلم قبیلے کو ان کی مہم میں شامل ہونے کی ترغیب دے کر ان کی مدد کریں۔ اگرچہ اس نے اعتراف کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ مہربان تھے اور وہ ان کی مخالفت نہیں کرنا چاہتے تھے، بالآخر وہ اسلام کے خلاف مہم میں شامل ہونے پر آمادہ ہوگئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 12-13 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ لوگوں کے لیے شکر گزاری کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 1954 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔

اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام نعمتوں کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے، کسی سے کم نہیں، لوگوں کا شکر ادا کرنا اسلام کا ایک اہم پہلو ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات کسی شخص کو دوسروں کی مدد کے لیے استعمال کرتا ہے، جیسے کہ والدین۔ جیسا کہ اسباب اللہ تعالیٰ نے بنائے اور استعمال کیے، ان کا شکر ادا کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے۔ لہٰذا، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اچھے کردار کا مظاہرہ کریں اور دوسروں کی طرف سے ملنے والی کسی بھی امداد یا مدد کے لیے ہمیشہ قدردانی کا اظہار کریں، چاہے اس کا حجم کچھ بھی ہو۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اس کے حکم کے مطابق استعمال کرتے ہوئے اس کا شکر ادا کرنا چاہئے کیونکہ وہ نعمت کا سرچشمہ ہے اور انہیں چاہئے کہ اس شخص کا شکر ادا کریں جس نے ان کی مدد کی کیونکہ یہ وہ وسیلہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا اور منتخب کیا گیا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ زبانی طور پر لوگوں کا شکر ادا کرے اور عملاً ان کے احسان کا بدلہ ان کے وسائل کے مطابق ادا کرے، چاہے وہ ان کی طرف سے صرف دعا ہی کیوں نہ ہو۔ امام بخاری کی کتاب ادب المفرد نمبر 216 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کی مدد کے ظاہری مظہر کا شکر ادا نہیں کرتا، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو براہِ راست ظاہر کرے گا۔

جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا سچا شکر ادا نہیں کر سکتا، اس لیے اسے نعمتوں میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

اگر کوئی مسلمان نعمتوں میں اضافہ چاہتا ہے تو اسے شکر گزاری کے دونوں پہلوؤں کو پورا کرنا چاہیے، یعنی اللہ تعالیٰ اور لوگوں کا۔

مزید برآں، زیر بحث اہم واقعہ یہ بھی بتاتا ہے کہ برے کاموں میں دوسروں کی مدد کرنے سے گریز کرنا اور ان کاموں میں مدد کرنا جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔ باب 5 المائدة، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

اس لیے ایک مسلمان کو یہ دیکھنا چاہیے کہ کون انہیں کسی چیز میں حصہ لینے کی دعوت دے رہا ہے اور اس کے بجائے انہیں اس بات کا مشاہدہ کرنا چاہیے کہ انہیں کس چیز کی طرف بلایا جا رہا ہے اور صرف اس صورت میں اس میں حصہ لینا چاہیے جب وہ اچھی چیز ہو۔ برے کاموں میں دوسروں کی مدد کرنا صرف گناہوں اور جرائم کا باعث بنے گا، جو دونوں جہانوں میں انسان کے لیے تناؤ، مشکلات اور پریشانی کا باعث بنیں گے۔ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ جب تک

،وہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہیں گے، وہ انہیں دوسروں کے منفی اثرات سے محفوظ رکھے گا خواہ یہ بات ان پر ظاہر نہ ہو۔ جبکہ لوگ انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہ دنیا میں بچائیں گے نہ آخرت میں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے، جس کی ایک شاخ دوسروں کی بھلائی میں مدد کرنا ہے۔

بات چیت کی حفاظت کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ذریعے پہنچی جو اس وقت مکہ میں تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم سے خفیہ ملاقات کی اور ان سے مشورہ لیا۔ میٹنگ ختم ہونے سے پہلے اس نے ان سے کہا کہ وہ معلومات کو خفیہ رکھیں کہیں ایسا نہ ہو کہ مدینہ کے اندر اسلام کے دشمنوں کو پتہ چل جائے اور مکہ کے غیر مسلموں کو اطلاع دیں۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1098-1100 میں بحث کی گئی ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت الٰہی تھی، پھر بھی آپ نے اس اہم عمل کو قائم کرنے کے لیے دوسرے لوگوں سے مشورہ طلب کیا۔ باب 3 علی عمران، آیت 159:

’’تو ان سے درگزر کرو اور ان کے لیے استغفار کرو اور معاملے میں ان سے مشورہ کرو۔‘‘

زیادہ مشورے سے الجھنے سے بچنے کے لیے ایک شخص کو چند لوگوں سے مشورہ لینا چاہیے۔ انہیں صرف اس شخص سے مشورہ لینا چاہئے جس کو اس موضوع کے بارے میں علم ہو جس پر وہ مشورہ چاہتے ہیں۔ مثال کے طور پر، جس کی گاڑی میں کوئی مسئلہ ہے، اسے کسی مکینک سے مشورہ لینا چاہیے۔ یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ مسلمان دنیاوی معاملات میں ماہرانہ مشورہ لیتے ہیں لیکن اپنے دینی مسائل میں کسی جاہل سے مشورہ قبول کرتے ہیں۔ یہ ان کے مذہبی معاملات میں بے احتیاطی کا واضح اشارہ ہے۔ کسی کو یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ کسی ایسے شخص سے مذہبی مشورے لیں جو اسلامی علم رکھتا ہو۔ آخر میں، کسی کو صرف ایسے شخص سے مشورہ لینا چاہئے جو اللہ سے ڈرتا ہے، کیونکہ وہ کبھی بھی انہیں اللہ کی نافرمانی کی نصیحت نہیں کرے گا، کیونکہ یہ ان کے لیے دونوں جہانوں میں پریشانی اور تناؤ کا باعث بنے گا۔

زیر بحث اہم واقعہ دوسروں کے ساتھ بات چیت کو نجی رکھ کر ان کا احترام کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سے مسلمانوں کی عادت ہے کہ وہ اپنی نجی گفتگو کو دوسرے لوگوں سے بیان کرتے ہیں، کیونکہ یہ ان میں ایک رواج بن چکا ہے۔ یہ دوسروں کے ساتھ مخلص ہونے سے متصادم ہے، جو صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود حدیث کے مطابق اسلام کا ایک اہم پہلو ہے۔ بات چیت کو نجی نہ رکھنے سے اکثر دوسرے لوگوں کے منفی تصورات جنم لیتے ہیں اور لوگوں کے درمیان منفیت پیدا ہوتی ہے۔ یہ رشتہ ٹوٹنے کا باعث بنتا ہے۔ لہٰذا کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ خود چاہتے ہیں کہ دوسرے لوگوں کے ساتھ سلوک کیا جائے، دوسرے لوگوں کے ساتھ اپنی گفتگو کو نجی رکھ کر۔

کورس پر باقی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ جب غیر مسلم فوج احد کے قریب پہنچی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خواب دیکھا جس میں تجویز کیا گیا کہ مسلمانوں کی فوج مدینہ میں رہے اور شہر کے اندر دشمنوں کا مقابلہ کرے۔ منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے اس منصوبے سے اتفاق کیا کیونکہ وہ فوج کا مقابلہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ لیکن نوجوان صحابہ کرام رضی اللہ عنہ، جنہوں نے غزوہ بدر کا مشاہدہ نہیں کیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگے بڑھنے اور احد میں غیر مسلم لشکر سے ملنے کی تاکید کرتے رہے، جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاق کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جنگی زرہ پہننے کے بعد نوجوان صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشورہ دیا کہ وہ مدینہ کے اندر غیر مسلم فوج کا مقابلہ کرنے کی اپنی ابتدائی تجویز پر پلٹ جائیں۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کا مقابلہ کیے بغیر اپنی جنگی ہتھیار اتار دیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 14 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا فیصلہ نہیں بدلا حالانکہ آپ کے خواب میں مدینہ میں رہنے کو ترجیح دی گئی تھی، کیونکہ وہ آخری وقت تک تمام رہنماؤں کے لیے ایک اچھی مثال قائم کرنا چاہتے تھے۔ ایک اچھا لیڈر بغیر کسی معقول وجہ کے اپنے احکام کو تبدیل کر کے غیر یقینی انداز میں برتاؤ نہیں کرتا، جیسے کہ دشمن کے بارے میں نئی معلومات حاصل کرنا۔ اس طرح کا برتاؤ صرف فوجیوں کا اپنے قائد پر سے اعتماد کھونے کا سبب بنے گا، جو کہ جنگ کے وقت انتہائی خطرناک چیز ہے۔ چنانچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احد کی طرف کوچ کرنے کے اپنے حکم پر ڈٹے رہے۔ عام طور پر زندگی میں ایک مضبوط رویہ اختیار کرنا چاہیے جس کے تحت وہ اپنے جائز دنیوی اور دینی فیصلوں پر قائم رہے اور صرف ثبوت اور علم کی بنا پر راستہ بدلے۔ جو شخص غیر یقینی رویہ اپناتا ہے وہ کبھی بھی اپنے کسی بھی فیصلے پر پوری طرح پابند نہیں ہوتا ہے، اس طرح وہ اپنے فیصلے پر پوری طرح عزم اور لگن سے حاصل ہونے والے کچھ فوائد سے محروم ہوجاتا ہے۔ اس کے علاوہ، یہ شخص مسلسل پیچھے کی طرف دیکھے گا، حالانکہ وہ تاریخ کو نہیں بدل سکتا، جو اسے آگے دیکھنے اور اپنے مواقع اور موجودہ صورتحال سے فائدہ اٹھانے سے روکے گا۔

اسباب کا استعمال اور اللہ (SWT) پر بھروسہ

غزوہ احد کے موقع پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زرہ بکتر کے دو سیٹ پہن رکھے تھے، ایک سوٹ دوسرے کے اوپر زنجیر نما زرہ تھا۔ اس پر ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 19 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کے دونوں پہلوؤں کو اپنایا۔ سب سے پہلے ان ذرائع کو استعمال کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کیے گئے ہیں۔ دوسرا یہ یقین ہے کہ نتیجہ، جس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ اکیلے کرتا ہے، اس میں شامل ہر فرد کے لیے بہترین ہوگا۔

جامع ترمذی نمبر 2344 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اگر لوگ واقعی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں تو وہ ان کو اسی طرح رزق دے گا جس طرح پرندوں کو دیتا ہے۔ وہ اپنے گھونسلے صبح بھوکے چھوڑتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر لوٹتے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر واقعی بھروسہ وہ چیز ہے جو دل میں محسوس ہوتی ہے لیکن اعضاء سے ثابت ہوتی ہے، یعنی جب کوئی اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرتا ہے، اس کے احکام کو پورا کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتا ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 3:

اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے کافی ہے‘‘۔’’

توکل کا وہ پہلو جو داخلی ہے اس میں پختہ یقین رکھنا شامل ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے اور دنیاوی اور دینی معاملات میں نقصان دہ چیزوں سے بچا سکتا ہے۔ ایک مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ دینے، روکنے، نقصان پہنچانے یا فائدہ پہنچانے کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔ ایک مسلمان حقیقی معنوں میں اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ ہر وہ چیز جو ان کی زندگی میں ہوتی ہے، جس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ اکیلے کرتا ہے، اس میں شامل ہر فرد کے لیے بہترین ہے، چاہے یہ ان کے لیے اور دوسروں کے لیے واضح نہ ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

”لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر صحیح معنوں میں بھروسہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اسباب مہیا کیے ہیں، مثلاً دوا استعمال کرنا چھوڑ دے۔ جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں واضح طور پر ذکر ہے کہ پرندے اپنے گھونسلے چھوڑ کر رزق کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ جب کوئی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ طاقت اور اسباب کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق استعمال کرتا ہے تو وہ بلا شبہ اس کی اطاعت اور بھروسہ کرتے ہیں۔ یہ دراصل اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا ظاہری عنصر ہے۔ یہ بات بہت سی آیات اور احادیث میں واضح ہو چکی ہے۔ باب 4 النساء، آیت 71:

”اے ایمان والو احتیاط کرو۔“

درحقیقت ظاہری عمل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باطنی کیفیت ہے۔ ظاہری روایت کو نہیں چھوڑنا چاہیے خواہ وہ باطنی اعتبار کا مالک ہو۔

اعمال اور اللہ کی طرف سے فراہم کردہ ذرائع کا استعمال، اس پر بھروسہ کرنے کا ایک پہلو ہے۔ اس سلسلے میں اعمال کو تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے اطاعت کے وہ اعمال ہیں جن کا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حکم دیتا ہے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں امن اور کامیابی حاصل کر سکیں۔ یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو امن اور کامیابی عطا کرے گا، ان اعمال کو ترک کرنا محض خواہش مندانہ سوچ ہے اور اسلام میں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔

دوسری قسم کے اعمال وہ اسباب ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں لوگوں کے لیے اس لیے بنائے ہیں کہ وہ اس میں محفوظ رہیں، جیسے کہ بھوک کے وقت کھانا پینا، پیاس لگنے پر پینا اور سرد موسم میں گرم کپڑے پہننا۔ جو شخص ان کو ترک کر کے اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے وہ قابل ملامت ہے۔ البتہ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے خاص قوت عطا کی ہے تاکہ وہ اپنے آپ کو نقصان پہنچائے بغیر ان ذرائع سے بچ سکیں۔ مثال کے طور پر، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر کسی وقفے کے دنوں کے روزے رکھتے تھے لیکن دوسروں کو بھی ایسا کرنے سے منع کرتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کھانے کی ضرورت کے بغیر براہ راست مہیا کیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1922 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چوتھے سیدنا خلیفہ علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی تاکہ آپ کو زیادہ سردی یا گرمی محسوس نہ ہو۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 117 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص ان اسباب سے منہ موڑ لے لیکن اسے اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے فرائض میں کوتاہی کے بغیر صبر کرنے کی طاقت فراہم کی جائے تو یہ قابل قبول ہے ورنہ قابل ملامت ہے۔

اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے سلسلے میں تیسری قسم کے اعمال وہ چیزیں ہیں جو ایک رسم کے طور پر مقرر کی گئی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ بعض اوقات بعض لوگوں کے لیے توڑ دیتا ہے۔ اس کی مثال وہ لوگ ہیں جو بغیر دوا کے بیماری سے شفا پاتے ہیں۔ یہ خاص طور پر غریب ممالک میں کافی عام ہے جہاں دوائی حاصل کرنا مشکل ہے۔ اس کا تعلق سنن ابن ماجہ نمبر 2144 میں موجود ایک حدیث سے ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ وہ اپنے لیے مختص کیے گئے ہر ایک اونس کو استعمال نہ کر لے، جو کہ صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک اور حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ کے آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے کا تھا۔ لہٰذا جو شخص اس حدیث کو صحیح معنوں میں سمجھتا ہے، وہ سرگرمی سے رزق کی تلاش نہ کرے، یہ جانتے ہوئے کہ جو کچھ ان کے لیے بہت پہلے مختص کیا گیا تھا وہ اس سے محروم نہیں رہ سکتا۔ پس اس شخص کے لیے رزق حاصل کرنے کے روایتی ذرائع مثلاً نوکری کے ذریعے حاصل کرنا اللہ تعالیٰ نے توڑ دیا ہے۔ یہ ایک اعلیٰ اور نادر درجہ ہے۔

صرف وہی شخص جو اس طرح کا رویہ اختیار کر سکتا ہے بغیر کسی شکایت یا گھبراہٹ کے اور نہ ہی لوگوں سے کسی چیز کی توقع رکھے اگر وہ یہ راستہ اختیار کرتا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 1692 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ کسی شخص کے لیے یہ گناہ ہے کہ وہ اپنے کفیلوں کی کفالت میں کوتاہی کرے، اگرچہ وہ اس اعلیٰ عہدے پر کیوں نہ ہو۔

اگرچہ یہ جاننا ضروری ہے کہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق جو ذرائع عطا کیے گئے ہیں ان کا استعمال کرنا ان کو ترک کرنے سے کہیں زیادہ بہتر ہے کیونکہ کوئی چیز بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے افضل نہیں ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

"کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔"

اللہ تعالیٰ پر حقیقی بھروسہ، تقدیر پر راضی ہونے کا باعث بنتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کو بھی کسی کے لیے چنتا ہے، وہ بغیر کسی شکایت کے اور چیزوں میں تبدیلی کی خواہش کیے بغیر قبول کرتا ہے، کیونکہ ان کا پختہ یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

"لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، یہ سب سے بہتر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی پیروی کریں، اسلام کی تعلیمات کے مطابق جو حلال ذرائع عطا کیے گئے ہیں، ان کا استعمال کرتے ہوئے، اس بات پر پختہ یقین رکھتے ہوئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، اور اندرونی

طور پر اس بات پر بھروسہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ جو فیصلہ کرے گا وہی ہو گا، جو کہ بلاشبہ بہترین انتخاب ہے، چاہے وہ ہر ایک فرد کے لیے اس کا مشاہدہ کرے یا نہ کرے۔

موزوں ساتھیوں کا انتخاب

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احد کے مقام پر دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے تو آپ کا سامنا ایک بٹالین سے ہوا جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شامل ہونے کے لیے کوچ کر رہی تھی۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ وہ مدینہ کے غیر مسلم ہیں جو مدینہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حلیف ہیں اور اس جنگ میں مسلمانوں کی حمایت کے لیے آئے ہیں تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوال کیا کہ کیا انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے؟ جب اس سے کہا گیا کہ وہ اپنے عقیدے پر قائم ہیں تو اس نے ان کی مدد کو ٹھکرا دیا اور کہا کہ وہ مکہ کے غیر مسلموں کے خلاف کافروں کی مدد نہیں لیں گے۔ اس پر امام صفی الرحمٰن کی کتاب مہربند نیکٹر صفحہ 249 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعداد بہت زیادہ تھی، ابتدائی تناسب 3 سے 1 تھا جو کہ جنگ شروع ہونے سے پہلے 4 سے 1 ہو گیا، پھر بھی آپ نے کافروں سے مدد لینے سے انکار کر دیا کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ پر توکل کے دو پہلو پورے کر لیے تھے۔ پہلا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے فراہم کردہ اسباب کو استعمال کرنا، جو اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو منظم کرکے لڑنے کے لیے کیا، اور دوسرا یہ یقین رکھنا کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی فیصلہ کیا وہ اس میں شامل ہر فرد کے لیے بہترین ہے، ایک ایسا عقیدہ جو اس کے پاس ہمیشہ اعلیٰ درجے پر تھا۔

اس کے علاوہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کے غیر مسلموں کی اسلام کے خلاف مسلسل سازشوں اور مکر و فریب سے بخوبی واقف تھے، حالانکہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صلح کے معاہدے کئے تھے۔ اگر اس نے پھر انہیں اپنی فوج میں شامل ہونے کی اجازت دے دی تو ہو سکتا ہے کہ وہ جنگ کے دوران صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کر دیں جو ان کے لیے بڑی تباہی کا باعث بنتا. چنانچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ کے دوران ان کی مدد قبول کرنے سے انکار کردیا۔

عام طور پر، یہ بری صحبت سے بچنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 5534 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اچھے اور برے ساتھی میں فرق بیان فرمایا۔ اچھا ساتھی عطر بیچنے والے کی طرح ہے۔ ان کا ساتھی یا تو کچھ خوشبو حاصل کرے گا یا کم از کم خوشگوار بو سے مثبت طور پر متاثر ہوگا۔ جبکہ برا ساتھی لوہار کی طرح ہوتا ہے، اگر اس کا ساتھی ان کے کپڑے نہیں جلاتا ہے تو وہ یقیناً دھوئیں سے متاثر ہوگا۔

مسلمانوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ جن لوگوں کے ساتھ جائیں گے ان کا اثر ان پر پڑے گا چاہے یہ اثر مثبت ہو یا منفی، ظاہر ہو یا لطیف۔ کسی کا ساتھ دینا اور ان سے متاثر نہ ہونا ممکن نہیں۔ سنن ابو داؤد نمبر 4833 میں موجود حدیث اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ ایک شخص اپنے ساتھی کے مذہب پر ہے۔ یعنی انسان اپنے ساتھی کی خصوصیات کو اپناتا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ صالحین کا ساتھ دیں کیونکہ وہ بلاشبہ ان پر مثبت اثر ڈالیں گے، وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے کی ترغیب دیں گے۔ جبکہ برے ساتھی یا تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ترغیب دیں گے یا وہ ایک مسلمان کو عملی طور پر آخرت کی تیاری کے بجائے مادی دنیا پر توجہ مرکوز کرنے کی ترغیب دیں گے ۔ یعنی وہ ان نعمتوں کو استعمال کرنے سے روکیں گے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں۔ یہ رویہ ان کے لیے دونوں جہانوں میں بڑی ندامت کا باعث بنے گا، چاہے وہ چیزیں حلال ہوں لیکن ان کی ضرورت سے زیادہ ہوں، کیونکہ جو نعمتیں کسی کو دی گئی ہیں ان کو باطل یا گناہ کے طریقوں سے استعمال کرنا اللہ تعالیٰ کو بھول جانے کی جڑ ہے۔ باب 20 طہٰ، آیت 124:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔"

آخر میں، جیسا کہ ایک شخص آخرت میں اپنے پیاروں کے ساتھ ختم ہو جائے گا، صحیح بخاری نمبر 3688 میں موجود حدیث کے مطابق، ایک مسلمان کو عملاً صالحین کے لیے دنیا میں ان کا ساتھ دے کر اور ان کے طرز زندگی اور طرز عمل کو اپنا کر اپنی محبت کا اظہار کرنا چاہیے۔

لیکن اگر وہ برے یا غافل لوگوں کا ساتھ دیتے ہیں تو یہ ان کے لیے ان کی محبت اور آخرت میں ان کی آخری صحبت کو ثابت اور ظاہر کرتا ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4031 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 43 از زخرف، آیت 67:

‘‘اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔’’

آل ٹاک نو ایکشن

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد کے مقام پر دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے تو ابتدا میں منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے اپنی قوم کے ساتھ جنگ میں حصہ لینے پر رضامندی ظاہر کی۔ جب وہ احد کے قریب پہنچے تو عبداللہ بن ابی اپنے 300 آدمیوں کے ساتھ پیچھے ہٹ گئے اور مسلم فوج 700 آدمیوں کے ساتھ 3000 کی غیر مسلم فوج کے خلاف رہ گئی۔ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے والے کے لیے ایک ناقص عذر، کوئی ایسا شخص جو ہر وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرے۔ اس کے علاوہ اگر وہ اس منصوبے کی مخالفت کرتا تو وہ مدینہ میں ہی رہ سکتا تھا لیکن اس کے بجائے اس نے احد تک فوج کا ساتھ دینے کا انتخاب کیا اور جب کہ دشمن ان کا مشاہدہ کر سکتا تھا، اس نے مسلمانوں کے عزم کو کمزور کرنے اور غیر مسلم فوج کے عزم کو مضبوط کرنے کے لیے مسلم فوج کو چھوڑ دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرتِ نبوی، جلد 3، صفحہ 16-17 اور امام صفی الرحمن کی، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 250-251 میں بحث کی گئی ہے۔

منافقت کا ایک پہلو یہ ہے کہ جب کوئی زبانی طور پر دوسروں اور ان کے اچھے منصوبوں جیسے کہ مسجد کی تعمیر کے لیے حمایت کا اظہار کرتا ہے لیکن جب اس منصوبے میں حصہ لینے کا وقت آتا ہے، جیسے کہ دولت عطیہ کرنا، وہ غائب دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح، جب لوگ اچھے وقت کا سامنا کر رہے ہوتے ہیں تو وہ زبانی طور پر ان کی حمایت کرتے ہیں اور دوسروں کو ان کی وفاداری کی یاد دلاتے ہیں۔ لیکن جس وقت عوام کو مشکلات کا سامنا ہوتا ہے یہ منافق کوئی جذباتی یا جسمانی سہارا نہیں دیتے۔ اس کے بجائے وہ ان پر تنقید کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منافقین کا یہی رویہ تھا۔ باب 4 النساء آیت 62:

”تو کیسا ہو گا جب ان کے ہاتھوں کے آگے بڑھنے کی وجہ سے ان پر کوئی آفت آجائے اور پھر وہ اللہ کی قسم کھا کر آپ کے پاس آئیں کہ ہم نے حسن سلوک اور رہائش کے سوا کچھ نہیں چاہا۔“

لہٰذا مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کے ذریعے اپنے ایمان کے زبانی اعلان کی حمایت کریں۔ جو ایسا کرنے میں ناکام رہے گا وہ یہ پائے گا کہ اس

کا زبانی اعلان ایمان اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت کم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جسے پھلنے پھولنے کے لیے اطاعت کے ساتھ پرورش پانا ضروری ہے۔ جس طرح ایک پودا جو سورج کی روشنی جیسی پرورش حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے وہ پھلنے پھولنے میں ناکام رہتا ہے اور وہ مر بھی سکتا ہے، اسی طرح جو شخص اس کی پرورش نہ کرے اس کا ایمان نہ پھلے پھولے گا اور اس کے مرنے کا شدید خطرہ ہے۔ یہ سب سے بڑا نقصان ہے۔ باب 61 الصف، آیات 2-3:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو، اللہ کے نزدیک یہ بات سخت ناپسندیدہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو کرتے نہیں۔"

یقینی ایمان

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد میں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے تو عبداللہ بن ابی اپنے 300 آدمیوں کے ساتھ مسلمانوں کے عزم کو کمزور کرنے کے لیے پیچھے ہٹ گیا۔ ان کا منصوبہ تقریباً چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عزم کے طور پر کام کرتا تھا، کمزور پڑ گیا لیکن اللہ تعالیٰ پر ان کے مضبوط ایمان نے شیطان کے وسوسوں پر قابو پالیا اور وہ ثابت قدم رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس نازک لمحے کے بارے میں باب 3 علی عمران آیت 122 نازل فرمایا:

’’جب تم میں سے دو گروہ ہمت ہارنے والے تھے لیکن اللہ ان کا ساتھی تھا اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔‘‘

اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 250-251 میں بحث کی گئی ہے۔

ان کے ایمان کی مضبوطی نے انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روکا، لہٰذا مسلمانوں کو یقین کے حصول کے لیے اسلامی علوم کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ بھی ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر ثابت قدم رہیں۔

تمام مسلمان اسلام پر ایمان رکھتے ہیں لیکن ان کے ایمان کی مضبوطی ہر شخص میں مختلف ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر، وہ جو اسلام کی تعلیمات پر عمل کرتا ہے کیونکہ ان کے خاندان نے انہیں بتایا تھا کہ وہ اس جیسا نہیں ہے جو ثبوت کے ذریعے اس پر یقین رکھتا ہے۔ جس شخص نے کسی چیز کے بارے میں سنا ہے وہ اس پر اس طرح یقین نہیں کرے گا جس طرح وہ اپنی آنکھوں سے اس چیز کو دیکھ چکا ہے۔

جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ مفید علم حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ ایک بہترین طریقہ ہے کہ ایک مسلمان اسلام پر اپنے ایمان کو مضبوط کر سکتا ہے۔ اس کا تعاقب کرنا ضروری ہے کیونکہ جس کے ایمان پر یقین جتنا زیادہ مضبوط ہوتا ہے اس کے صحیح راستے پر ثابت قدم رہنے کا موقع اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے، خاص طور پر جب مشکلات کا سامنا ہو۔ اس کے علاوہ سنن ابن ماجہ کی حدیث نمبر 3849 میں یقین کا یقین رکھنے کو بہترین چیزوں میں سے ایک قرار دیا گیا ہے۔ یہ علم کسی معتبر ذریعہ سے قرآن پاک اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کرکے حاصل کیا جانا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نہ صرف ایک حقیقت کا اعلان کیا بلکہ مثالوں کے ذریعے اس کا ثبوت بھی دیا۔ نہ صرف وہ مثالیں جو ماضی کی قوموں میں پائی جاتی ہیں بلکہ ایسی مثالیں جو کسی کی اپنی زندگی میں رکھی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے یہ نصیحت کی ہے کہ بعض اوقات انسان کسی چیز سے محبت کرتا ہے حالانکہ اگر وہ اسے حاصل کر لیتا ہے تو وہ اسے پریشانی کا باعث بنتا ہے۔ اسی طرح وہ کسی چیز سے نفرت کر سکتے ہیں جبکہ اس میں ان کے لیے بہت سی بھلائیاں پوشیدہ ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ" تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

تاریخ میں اس سچائی کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جیسے معاہدہ حدیبیہ۔ کچھ مسلمانوں کا خیال تھا کہ یہ معاہدہ، جو مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ کیا گیا تھا، مکمل طور پر مؤخر الذکر گروہ کی حمایت کرے گا۔ اس کے باوجود تاریخ صاف بتاتی ہے کہ اس نے اسلام اور مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ یہ واقعہ صحیح بخاری نمبر 2731 اور 2732 میں موجود احادیث میں مذکور ہے۔

اگر کوئی اپنی زندگی پر غور کرے تو انہیں بہت سی ایسی مثالیں ملیں گی جب وہ یقین کرتے تھے کہ کوئی چیز اچھی تھی جب وہ ان کے لیے بری تھی اور اس کے برعکس۔ یہ مثالیں اس آیت کی صداقت کو ثابت کرتی ہیں اور ایمان کو مضبوط کرنے میں مدد کرتی ہیں۔

ایک اور مثال باب 79 عن نازیات، آیت 46 میں ملتی ہے:

’’جس دن وہ (قیامت کے دن) کو دیکھیں گے کہ گویا وہ اس دنیا میں ایک دوپہر یا صبح کے سوا باقی نہیں رہے تھے۔‘‘

تاریخ کے اوراق پلٹیں تو صاف نظر آئے گا کہ کتنی بڑی سلطنتیں آئیں اور گئیں۔ لیکن جب وہ چلے گئے تو ان کا اس طرح انتقال ہو گیا گویا وہ ایک لمحے کے لیے زمین پر ہیں۔ ان کی چند نشانیوں کے علاوہ باقی سب ایسے مٹ گئے ہیں جیسے وہ زمین پر پہلے کبھی موجود ہی نہیں تھے۔ اسی طرح، جب کوئی اپنی زندگی پر غور کرے گا تو اسے احساس ہوگا کہ چاہے وہ کتنے ہی بوڑھے کیوں نہ ہوں اور اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ ان کی مجموعی زندگی کتنی ہی سست محسوس ہوئی ہو گی۔ اس آیت کی سچائی کو سمجھنا انسان کے یقین کو مضبوط کرتا ہے اور اس سے انہیں تحریک ملتی ہے کہ وہ وقت ختم ہونے سے پہلے آخرت کی تیاری کریں۔

قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ لہٰذا انسان کو ان الہٰی تعلیمات کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ یقین کو اپنا سکے۔ جو اس کو حاصل کر لے گا وہ کسی بھی مشکل سے متزلزل نہیں ہوگا اور اس راستے پر ثابت قدم رہے گا جو جنت کے دروازوں کی طرف جاتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 53:

’’ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ یہ حق ہے‘‘۔

ایمان پر قائم رہنا

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد میں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے تو عبداللہ بن ابی اپنے 300 آدمیوں کے ساتھ مسلمانوں کے عزم کو کمزور کرنے کے لیے پیچھے ہٹ گیا۔ عبداللہ بن حرام رضی اللہ عنہ نے منافقین کو تاکید کی کہ وہ کم از کم مدینہ کا دفاع کریں خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی خاطر لڑنے میں دلچسپی نہ رکھتے ہوں۔ لیکن اس سے بزدلوں پر کوئی اثر نہیں ہوا، جو میدان جنگ سے نکلتے رہے۔ پھر اس نے ان پر تنقید کی اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کافی ہے اور فوج کو منافقین کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس لمحے کے متعلق باب 3 علی عمران آیت 167 نازل فرمائی:

اور تاکہ وہ منافقوں کو ظاہر کر دے، کیونکہ ان سے کہا گیا تھا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا دفاع" کرو۔ "انہوں نے کہا کہ اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ)جنگ ہو گی (تو ہم آپ کے پیچھے چلتے، وہ اس دن ایمان سے زیادہ کفر کے قریب تھے، اپنے منہ سے وہ کہتے تھے جو ان کے دلوں میں نہیں تھا اور اللہ کو وہ سب کچھ معلوم تھا جو ان کے دلوں میں نہیں تھا۔

اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 250-252 میں بحث کی گئی ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ عبداللہ بن حرام رضی اللہ عنہ کی طرح مسلمانوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے، خواہ انہیں دوسروں کی حمایت حاصل نہ ہو۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے، ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہوئے، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے، اسے اللہ تعالیٰ کی نصرت حاصل ہوگی۔ یہ تعاون اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کریں، چاہے وہ کسی اور سے بھی حاصل کریں یا حمایت کریں۔ باب 65 میں طلاق، آیت 2:

‘‘اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔’’

لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ کامیابی اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم اور حکمت کے مطابق ہوتی ہے، نہ کہ لوگوں کی خواہشات اور منصوبوں کے مطابق۔ لہذا، یہ بہترین وقت اور بہترین طریقے سے ہوتا ہے اگرچہ یہ لوگوں پر واضح نہ ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

’’لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔‘‘

اس کے علاوہ زیر بحث اہم واقعہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مسلمانوں کو ایسے منافق کا رویہ اختیار کرنے سے گریز کرنا چاہیے جو مشکل وقت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو چھوڑ دیتا ہے۔ باب 22 الحج، آیت 11:

"اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت کنارے پر کرتا ہے، اگر اسے کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو اسے تسلی ملتی ہے، اور اگر اسے کوئی آزمائش پہنچتی ہے تو وہ منہ پھیر لیتا ہے ، اس نے دنیا اور آخرت کو کھو دیا، یہی صریح نقصان ہے۔"

مشکلات کا سامنا ان طریقوں میں سے ایک ہے جس میں ایک مسلمان کا امتحان لیا جاتا ہے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ آیا وہ واقعی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں یا نہیں۔ آسانی کے وقت اللہ تعالیٰ اور اسلام سے راضی رہنا مشکل نہیں۔ اصل امتحان اس وقت ہوتا ہے جب انسان مشکلات کا سامنا کرے اور پھر بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہے۔ باب 29 العنکبوت، آیات 2-3:

"کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انہیں یہ کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی، لیکن ہم نے ان سے پہلے والوں کو ضرور آزمایا ہے، اور اللہ ضرور ان لوگوں کو ظاہر کرے گا جو سچے ہیں اور وہ ضرور جھوٹوں کو ضرور ظاہر کر دے گا۔"

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو یہ یقین کر کے بے ہودہ رویہ نہیں اختیار کرنا چاہیے کہ وہ اس دنیا میں آزمائے جائیں گے۔ اس دنیا میں زندگی کا مقصد ہی آزمائش ہے۔ باب 67 الملک، آیت 2:

"[وہ] جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں بہتر ہے..."

، لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر ثابت قدم رہ کر، آسانی کے وقت شکر گزاری اور مشکل کے وقت صبر سے کام لے۔ کسی کی نیت میں شکر ادا کرنے میں صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عمل کرنا شامل ہے۔ کسی کی تقریر میں شکر گزاری میں وہ بات کرنا شامل ہے جو اچھی ہے یا خاموش رہنا۔ اور اپنے اعمال میں شکرگزاری میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ مزید برآں، صبر میں کسی کی بات یا عمل سے شکایت کرنے سے گریز کرنا اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر ثابت قدم رہنا، اس بات پر یقین رکھنا کہ وہ صرف وہی انتخاب کرتا ہے جو ان کے لیے بہتر ہے، چاہے یہ ان کے لیے واضح نہ ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

’’لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔‘‘

لہٰذا ہر حال میں صحیح طریقے سے عمل کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی مسلسل مدد اور رحمت حاصل ہوتی ہے جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں سکون قلب حاصل ہوتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 7500 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

احد میں ایک متاثر کن تقریر

جنگ احد شروع ہونے سے پہلے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو !اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی کتاب میں جس کام کا حکم دیا ہے میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں، اس کی اطاعت میں کام کرو اور ان کاموں سے باز رہو جن سے اس نے منع کیا ہے، اللہ اس کی اطاعت کرنے والوں کے ساتھ ہے اور شیطان اللہ کی نافرمانی کرنے والوں کے ساتھ ہے، آج تم اجر کی جگہ پر ہو اور کم از کم ان لوگوں کے لیے جو اپنے آپ کو بچاتے ہیں اور اپنے آپ کو بچانے کے لیے تیاری کرتے ہیں۔ ان کو صبر، یقین، سنجیدگی اور عمل پر پورا کرو، لہٰذا اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے اپنے کاموں کو تلاش کرو، جس چیز کا میں تمہیں حکم دیتا ہوں، اس پر عمل کرنا چاہیے، کیونکہ میں تم سے یہ چاہتا ہوں کہ تم وہ کام کرو جو حق کے لیے ہو، اس میں اختلاف اور دل کی کمزوری نہ ہو۔ اللہ نہ مدد دیتا ہے نہ فتح۔''

یہ امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1113-1114 میں درج ہے۔

اس تقریر کا پہلا حصہ مثال کے طور پر رہنمائی کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ تمام مسلمانوں خصوصاً والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو جو نصیحت کرتے ہیں اس پر عمل کریں۔ اگر کوئی تاریخ کے اوراق پلٹائے تو ظاہر ہے کہ جنہوں نے اپنی تبلیغ پر عمل کیا ان کا دوسروں پر ان لوگوں کے مقابلے میں بہت زیادہ مثبت اثر پڑا جنہوں نے مثال کے طور پر رہنمائی نہیں کی۔ بہترین نمونہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے نہ صرف اس پر عمل کیا بلکہ ان تعلیمات پر کسی اور سے زیادہ سختی سے عمل کیا۔ صرف اس رویہ سے مسلمان بالخصوص والدین کا دوسروں پر مثبت اثر پڑے گا۔ مثال کے طور پر، اگر ایک ماں اپنے بچوں کو خبردار کرتی ہے کہ جھوٹ نہ بولیں کیونکہ یہ گناہ ہے لیکن اکثر ان کے سامنے جھوٹ بولتی ہے تو اس کے بچے اس کی نصیحت پر عمل کرنے کا امکان نہیں رکھتے۔ ایک شخص کے اعمال کا ہمیشہ دوسروں پر اس کی تقریر سے زیادہ اثر ہوتا ہے۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسروں کو مشورہ دینے سے پہلے

کسی کو کامل ہونا ضروری ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے اپنے مشورے پر عمل کرنے کی مخلصانہ کوشش کریں۔ قرآن کریم نے مندرجہ ذیل آیت میں واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرز عمل کو ناپسند کرتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 3267 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص نیکی کا حکم دیتا ہے لیکن خود اس سے باز رہتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے اور خود اس پر عمل کرتا ہے تو اسے جہنم میں سخت سزا دی جائے گی۔ باب 61 الصف، آیت 3:

‘‘اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں۔’’

لہٰذا تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان کی نصیحت پر خود عمل کرنے کی کوشش کریں پھر دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین کریں۔ مثال کے طور پر رہنمائی کرنا تمام انبیاء علیہم السلام کی روایت ہے اور دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تقریر میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرنے اور اس کی نافرمانی سے بچنے کی تلقین فرمائی تاکہ وہ اس کی نصرت حاصل کریں۔ یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ جانتا ہے، وہی واحد ہے جو کامل ضابطہ حیات فراہم کر سکتا ہے جو دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنے۔ جبکہ تمام انسانوں کے بنائے ہوئے ضابطہ اخلاق کبھی بھی علم، تجربہ، دور اندیشی کی کمی اور تعصبات کی وجہ سے اس مقصد کو حاصل نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ ہی واحد ذات ہے جو بنی نوع انسان کو اس کی عطا کردہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کی تعلیم دے سکتا ہے تاکہ وہ ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کر سکیں اور قیامت کے دن اپنے احتساب کے لیے مناسب تیاری کرتے ہوئے ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں درست طریقے سے رکھیں۔ لہذا یہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کی طرف جاتا ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کی گئی ہیں ان کو استعمال کرتے ہوئے خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، خواہ یہ ان کی خواہشات کے خلاف ہو۔ انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں

تجویز کی گئی ہیں اور ایک سخت خوراک کا منصوبہ ہے۔ جس طرح یہ عقلمند مریض اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کرے گا، اسی طرح وہ شخص جو اسلامی تعلیمات کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا۔ اگرچہ، زیادہ تر معاملات میں، مریض اپنی تجویز کردہ دوائیوں کے پیچھے سائنس کو نہیں سمجھتے اور اس لیے اپنے ڈاکٹر پر اندھا اعتماد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ لوگوں کو اسلام کی تعلیمات پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے تاکہ وہ اپنی زندگی پر اس کے مثبت اثرات کو سمجھ سکیں۔ وہ لوگوں سے یہ توقع نہیں کرتا کہ وہ اسلام کی تعلیمات پر اندھا اعتماد کریں بلکہ وہ چاہتا ہے کہ وہ اس کی سچائی کو اس کے واضح دلائل سے پہچانیں۔ لیکن اس کے لیے انسان کو اسلام کی تعلیمات سے رجوع کرتے ہوئے غیر جانبدارانہ اور کھلے ذہن کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ باب 12 یوسف، آیت 108:

کہو، "یہ میرا راستہ ہے؛ میں اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ دعوت دیتا ہوں، میں اور وہ لوگ جو میری پیروی کرتے ہیں..."

اس کے علاوہ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی لوگوں کے روحانی دلوں کو کنٹرول کرتا ہے، ذہنی سکون کا گھر، وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کون اسے حاصل کرتا ہے اور کس کو نہیں۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے''۔

اور یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کو ذہنی سکون دے گا جو اس کی عطا کردہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔

اپنے خطاب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو یہ نصیحت بھی کی کہ وہ دنیا میں اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں اور انہیں نبھانے کی کوشش کریں۔ یہ عام فہم ہے کہ کسی شخص

کو نوکری قبول کرنے سے پہلے اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کو سمجھنا چاہیے۔ جو شخص اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کو سمجھے بغیر نوکری قبول کرتا ہے وہ پاگل سمجھا جائے گا۔ افسوس کی بات ہے کہ بہت سے مسلمان اسلام کو اپنی طرز زندگی کے طور پر قبول کرتے ہیں لیکن اسلام سے منسلک ذمہ داریوں اور فرائض کو سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں، کیونکہ وہ قرآن پاک کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ یہ رویہ انہیں ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے سے روکتا ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں، یہ انہیں اپنی زندگی میں ہر چیز اور ہر چیز کو غلط جگہ دینے کا سبب بنتی ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حقوق ادا کرنے سے روکتی ہے۔ لہذا یہ رویہ انہیں دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کرنے سے روکتا ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو اپنی اسلامی اور دنیاوی ذمہ داریوں اور فرائض کو سیکھنے اور نبھانے کی کوشش کرنی چاہیے اگر وہ دونوں جہانوں میں سکون قلب حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

اپنی تقریر میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جدوجہد کرتے ہوئے صبر کو اپنانے کی اہمیت کی تلقین کی۔ صبر وہ ہے جب کوئی شخص مشکل کے وقت اپنے عمل یا الفاظ سے شکایت کرنے سے گریز کرے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہے۔ اس فرمانبرداری میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اسلامی تعلیمات میں بیان کیے گئے ہیں۔ صبر اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کسی کو یقین کا یقین حاصل ہو۔ مضبوط ایمان اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص قرآن پاک میں موجود واضح دلائل اور شواہد کو سیکھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر کرنے والے کس طرح ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ جب کوئی پختہ ایمان حاصل کر لیتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر کرتے رہتے ہیں، کیونکہ انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنے والوں کی مدد کرنے کی روایت ہمیشہ قائم رہے گی، چاہے اسے اپنے فرمانبردار بندے کی مدد کے لیے زمین و آسمان کو کیوں نہ حرکت دینا پڑے۔
باب 65 میں طلاق، آیت 2:

‘‘اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔’’

لیکن مضبوط ایمان انسان کو یہ سمجھنے کی بھی اجازت دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد ان لوگوں کے لیے جو صبر سے اس کی اطاعت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے علم اور حکمت کے مطابق ہوتی ہے، نہ کہ لوگوں کی خواہشات یا منصوبوں کے مطابق۔ لہٰذا صبر کرنے والے کی اس طریقے سے مدد کی جائے گی جو ان کے لیے بہترین ہو اور اس وقت جو ان کے لیے بہترین ہو، خواہ یہ ان کے لیے ظاہر نہ ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

"لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

لہٰذا جو شخص صبر اختیار کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اسلامی تعلیمات کو سیکھ کر اور اس پر عمل کرتے ہوئے یقین کو اپنانے کی کوشش کرے۔

اپنی تقریر میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اطاعت کی اہمیت بھی بتائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہر مسلمان پر فرض ہے۔ باب 4 النساء آیت 80:

"جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔"

اور باب 3 علی عمران، آیت 31:

''کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

اور باب 59 الحشر، آیت 7:

''اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔''

اور باب 33 الاحزاب، آیت 21:

''یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہے۔''

لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اسی وقت ممکن ہے جب کوئی آپ کی زندگی اور تعلیمات کو سیکھے اور اس پر عمل کرے۔ افسوس کی بات ہے کہ بہت سے مسلمان جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان، محبت اور ان کا احترام کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں، ان کی زندگی یا تعلیمات پر عمل نہیں کرتے اور نہ ہی ان پر عمل کرتے ہیں۔ اُن کے اعمال اُس سے محبت کرنے اور اُس کا احترام کرنے کے اُن کے زبانی اعلان کے واضح طور پر متصادم ہیں۔ کوئی کسی کی اطاعت، محبت اور احترام کیسے کر سکتا ہے جسے وہ جانتا تک نہیں؟ لہٰذا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور تعلیمات کو سیکھے اور اس پر عمل کرے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کر سکیں۔

اپنے خطاب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی مسلمانوں کے درمیان اتحاد کی اہمیت کی تلقین کی۔ اتحاد تب ہی حاصل ہوتا ہے جب مسلمان ہر وقت قرآن پاک کی تعلیمات اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو قبول کریں اور ان پر عمل کریں۔ جب لوگوں کا ایک گروہ ایک ضابطہ اخلاق پر عمل کرے گا تو وہ اتحاد حاصل کریں گے۔ مسلمانوں کے منتشر ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ مختلف دھڑوں میں بٹ چکے ہیں جو مختلف ضابطوں پر عمل پیرا ہیں۔ مسلمانوں کو دوسرے تمام ضابطہ اخلاق کو ترک کر کے قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے جھنڈے تلے متحد ہو جانا چاہیے، اگر وہ صالح پیشروؤں کی طاقت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

آخر میں اپنی تقریر میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جدوجہد کرتے ہوئے ہمت نہ ہارنے کی اہمیت کی تلقین کی۔ اس سے بچا جا سکتا ہے جب کوئی شخص اسلامی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے مضبوط ایمان حاصل کر لے۔ پختہ ایمان رکھنے والا قبول کرے گا کہ یہ دنیا آزمائش کی جگہ ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والوں کو نہ ماننے والوں سے الگ کر دے۔ باب 29 العنکبوت، آیات 2-3:

"کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انہیں یہ کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی، لیکن ہم نے ان سے پہلے والوں کو ضرور آزمایا ہے، اور اللہ ضرور ان لوگوں کو ظاہر کرے گا جو سچے ہیں اور وہ ضرور جھوٹوں کو ضرور ظاہر کر دے گا۔"

لہٰذا، کسی کو ایسا بے ہودہ رویہ اختیار کرنے سے گریز کرنا چاہیے جس کے تحت وہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ مشکلات سے نہیں آزمائے جائیں گے۔ یہ بے ہودہ رویہ ان کو مشکلات کا سامنا کرنے پر ہمت ہارنے کا سبب بنے گا اور اس لیے وہ بے صبر ہو جائیں گے۔ اس بات کو تسلیم کرنا کہ اس دنیا میں زندگی کا مقصد یہ جانچنا ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں یا نہیں، جب بھی انہیں آزمائشوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس سے ان کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے تو ثابت قدم رہنے میں مدد ملتی ہے۔

بزدلی سے بچنا

غزوہ احد شروع ہونے سے پہلے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلوار کا نشان لگایا اور اپنے سپاہیوں سے پوچھا کہ کیا کوئی آپ سے تلوار لے کر اس کا حق ادا کرے گا؟ ان میں سے بہت سے لوگوں نے اسے لینے کے لیے ہاتھ اٹھائے لیکن ابو دجانہ صمق بن خرشہ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ تلوار کے کیا حقوق ہیں؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بتایا کہ اس کے ساتھ دشمن کے خلاف لڑنا شامل ہے یہاں تک کہ اسے نقصان پہنچایا جائے اور ٹوٹ جائے۔ ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں اسے لے کر اس کا حق ادا کروں گا اور اس طرح وہ اسے دے دیا گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے سر پر سرخ بینڈ باندھا، جسے موت کا سر بینڈ کہا جاتا تھا۔ جب بھی وہ موت سے لڑتا یہ سرخ پٹی باندھ دیتا۔ اس کے بعد وہ غیر مسلم سپاہیوں کو مشتعل کرنے کے لیے مسلمان سپاہیوں کے درمیان گھسنے لگا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی چال کو دیکھا اور فرمایا کہ یہ چلنے کا انداز اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، سوائے اس قسم کے حالات یعنی جنگ کے۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 254-255 میں بحث کی گئی ہے۔

جنگ کے دوران ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے بہت سے غیر مسلموں کو قتل کیا۔ وہ ایک غیر مسلم کی طرف بڑھا جو غیر مسلم فوج کو مسلمانوں کو قتل کرنے پر اکسا رہا تھا۔ جب ابو دجانہ رضی اللہ عنہ اس شخص کو اس تلوار سے قتل کرنے والے تھے جو اسے دی گئی تھی تو وہ شخص چیخ پڑا اور پھر اسے معلوم ہوا کہ یہ شخص ہند بنت عتبہ ایک عورت ہے۔ اس نے اپنا ہاتھ روک لیا اور اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا کیونکہ وہ اس تلوار سے ایک عورت کو قتل کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کی بے حرمتی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس پر امام صفی الرحمٰن کی کتاب مہربند نیکٹر صفحہ 260 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 2511 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ،بزدلانہ رویہ اختیار کرنے سے خبردار کیا۔ یہ رویہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے سے روکتا ہے اور جس چیز کا اس نے وعدہ کیا ہے، جیسے کہ کسی کی ضمانت شدہ رزق۔ یہ کسی کو مشتبہ اور غیر قانونی طریقوں سے اپنا رزق تلاش کرنے کا سبب بن سکتا ہے، جو دونوں جہانوں میں انسان کو تباہ کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی ایسے عمل کو قبول نہیں کرتا جس کی بنیاد حرام ہو۔ صحیح مسلم نمبر 2342 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ جس طرح اسلام کی باطنی بنیاد نیت ہے اسی طرح اسلام کی ظاہری بنیاد حلال کا حصول اور اس کا استعمال ہے۔

اس کے علاوہ، بزدل ہونا کسی کو شیطان اور اندرونی شیطان کے خلاف جدوجہد کرنے سے روکتا ہے جس کے لیے حقیقی جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ناکامی کا باعث بنے گا جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق سامنا کرنا شامل ہے۔ اور اس لیے انہیں لوگوں کے حقوق کی ادائیگی سے روکے گا۔ دنیوی اور دینی کامیابی کے لیے محنت اور وقت درکار ہوتا ہے۔ ایک بزدل اس جدوجہد کو شروع کرنے سے بہت ڈرے گا اور اس کی بجائے سستی کرے گا جو دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں ناکامی کا باعث بنے گا۔

اس کے علاوہ، ایک بزدل آسانی سے یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنی پوری کوشش کر رہے ہیں، جبکہ وہ مشکل سے ہی کوئی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ قرآن پاک واضح کرتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی پوری کوشش کرے اور اپنی صلاحیت کے مطابق عمل کرے تو وہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حقوق کو صحیح طریقے سے ادا کرے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو کبھی بھی ایسے فرائض نہیں دیتا جو اس کے پورا کرنے کی استطاعت سے باہر ہوں۔ باب 2 البقرہ، آیت 286۔

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

بزدلی بھی کسی کو دینی اور دنیاوی دونوں معاملات میں کم سے کم مقصد کرنے کی ترغیب دے گی۔ وہ اپنی صلاحیت کو پورا کرنے سے گریز کریں گے، کیونکہ اس کے لیے حقیقی کوشش کی ضرورت ہے۔ یہ رویہ دونوں جہانوں میں تناؤ اور پچھتاوے کا باعث بنے گا۔

خون سے زیادہ مضبوط

جنگ احد شروع ہونے سے پہلے، غیر مسلم رہنما ابو سفیان نے مدینہ منورہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پیغام بھیجا کہ وہ ایک طرف ہٹ جائیں اور میدان جنگ سے نکل جائیں کیونکہ غیر مسلم صرف یہ چاہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لڑیں اور مکہ کے صحابہ رضی اللہ عنہ ان سے خوش ہوں۔ اس نے حالات کو باطل کے مقابلے میں حق کی بجائے بھائی چارے اور قبیلوں میں تبدیل کرنا چاہا۔ مدینہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی درخواست کو رد کر دیا کیونکہ ان کی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وفاداری قبائلی اور خونی رشتوں سے کہیں زیادہ گہری اور مضبوط تھی۔

اس کے علاوہ، ایک غیر مسلم، ابو عامر الفاسق، جو اسلام کے آنے سے پہلے کبھی مدینہ کے لوگوں کے ممتاز رہنما تھے، بھی غیر مسلموں کے ساتھ تھے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو وہ اپنی حیثیت کھو بیٹھے اور حسد کے نتیجے میں وہ مکہ فرار ہو گئے اور غیر مسلموں کو اسلام کے خلاف لڑنے کی ترغیب دی۔ جنگ احد شروع ہونے سے پہلے آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پکارا، امید ہے کہ وہ ان کو اپنے ساتھ شامل ہونے پر آمادہ کریں گے، لیکن انہوں نے جواب میں ان کی توہین کی۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 256 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعات ایمان کے بندھن کو دوسرے تمام رشتوں پر فوقیت دینے کی اہمیت کی نشاندہی کرتے ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگ اکثر منقسم ہو جاتے ہیں اور وہ مضبوط تعلق کھو دیتے ہیں جو کبھی ایک دوسرے کے ساتھ تھا۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں لیکن ایک بڑا سبب وہ بنیاد ہے جس پر ان کے والدین اور رشتہ داروں نے ان کا تعلق قائم کیا تھا۔ یہ عام طور پر جانا جاتا ہے کہ جب عمارت کی بنیاد کمزور ہوتی ہے تو عمارت یا تو وقت کے ساتھ خراب ہوجاتی ہے یا گر جاتی ہے۔ اسی طرح جب لوگوں کو آپس میں جوڑنے والے بانڈز کی بنیادیں درست نہیں ہوتیں تو ان کے درمیان بندھن بالآخر کمزور یا ٹوٹ جاتا ہے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے درمیان رشتہ جوڑ دیا۔ جبکہ آج زیادہ تر مسلمان قبائلیت، بھائی چارے اور دوسرے خاندانوں کو دکھانے کے لیے لوگوں کو اکٹھا کرتے ہیں۔ اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی اکثریت آپس میں باہم تعلق نہیں رکھتی تھی لیکن چونکہ ان کو جوڑنے والے بندھنوں کی بنیاد صحیح تھی یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے رشتے مضبوط سے مضبوط ہوتے گئے۔ جبکہ آج کل بہت سے

مسلمان خون کے رشتے میں ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ الگ ہو گئے ہیں کیونکہ ان کے رشتوں کی بنیاد باطل یعنی قبائلیت اور اسی طرح کی چیزوں پر تھی۔

مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگر رشتہ داریوں اور غیر رشتہ داروں کے حقوق کی پاسداری کے اہم فریضے کو ادا کرنے کے لیے اپنے بندھنوں کو قائم رکھنے اور اجر کمانے کی خواہش رکھتے ہیں تو انہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے رشتہ جوڑنا چاہیے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ لوگ صرف ایک دوسرے سے جڑیں اور ایک دوسرے کے ساتھ اس طریقے سے کام کریں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو۔ قرآن پاک میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

دنیا پر آخرت

جب احد کی جنگ شروع ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم فوج پر تیزی سے قابو پالیا جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن کچھ تیر اندازوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھوٹے سے پہاڑ جبل الرومہ پر رہنے کا حکم دیا جو احد پہاڑ کے سامنے ہے، جنگ کے نتائج سے قطع نظر، یہ سمجھتے تھے کہ جنگ ختم ہو گئی ہے اور حکم کا اطلاق نہیں ہو گا۔ جب وہ مال غنیمت جمع کرنے کے لیے جبل الرومہ پر اترے تو اس سے مسلمانوں کی فوج کا پچھلا حصہ کھل گیا۔ پھر غیر مسلم فوج نے اکٹھے ہو کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ہوئی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 29-30 میں بحث کی گئی ہے۔

اگر چہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کوئی گناہ نہیں کیا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اب حکم کا اطلاق نہیں ہوگا کیونکہ جنگ ختم ہوتی نظر آتی ہے، پھر بھی مال غنیمت اکٹھا کرنے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے استعمال کرنے کی ان کی نیک اور پرہیزگار خواہش نے مصیبت میں ڈال دیا۔ جہاں وہ تھے وہیں رہ کر ان کا تعلق براہ راست آخرت سے تھا جب کہ مال غنیمت کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے استعمال کرنے کے لیے مادی دنیا کے ذریعے آخرت سے جڑا ہوا تھا۔ اس صورت میں، عمل آخرت سے براہ راست جڑا ہوا بہتر تھا۔

مادی دنیا اور آخرت کے بارے میں صحیح تصور کو اپنانا چاہیے تاکہ دنیاوی چیزوں کو آخرت پر ترجیح نہ دی جائے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4108 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مادی دنیا آخرت کے مقابلے میں سمندر کے مقابلے میں پانی کے قطرے کی طرح ہے۔

درحقیقت یہ تمثیل اس لیے دی گئی تاکہ لوگ سمجھ سکیں کہ مادی دنیا آخرت کے مقابلے میں کتنی چھوٹی ہے۔ لیکن حقیقت میں ان کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مادی دنیا عارضی ہے جبکہ آخرت ابدی ہے۔ یعنی محدود کا لامحدود سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ مادی دنیا کو چار قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :شہرت، قسمت، اختیار اور کسی کی سماجی زندگی، جیسے ان کا خاندان اور دوست۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کسی کو کوئی بھی دنیاوی نعمت حاصل ہو جو ان گروہوں میں آتی ہے وہ ہمیشہ نامکمل، عارضی ہوگی اور موت انسان کو نعمتوں سے کاٹ دے گی۔ دوسری طرف آخرت کی نعمتیں پائیدار اور کامل ہیں۔ تو اس لحاظ سے مادی دنیا ایک نہ ختم ہونے والے سمندر کے مقابلے میں ایک قطرے سے زیادہ نہیں ہے۔

اس کے علاوہ، ایک شخص کو اس دنیا میں طویل زندگی کا تجربہ کرنے کی ضمانت نہیں ہے کیونکہ موت کا وقت نامعلوم ہے .جبکہ ہر ایک کو موت کا تجربہ کرنے اور آخرت تک پہنچنے کی ضمانت ہے۔ لہٰذا کسی کی ریٹائرمنٹ جیسے دن کے لیے کوشش کرنا بے وقوفی ہے، جس تک وہ آخرت کے لیے کوشش کرتے ہوئے کبھی نہ پہنچ سکے جس تک پہنچنے کی ان کی ضمانت ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی دنیا کو چھوڑ دے کیونکہ یہ ایک پل ہے جسے آخرت تک پہنچنے کے لیے عبور کرنا ضروری ہے۔ اس کے بجائے، ایک مسلمان کو اس مادی دنیا سے اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق بغیر فضول خرچی اور اسراف کے پورا کرنا چاہیے۔ اور پھر اپنی بقیہ کوششیں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے ابدی آخرت کی تیاری میں وقف کریں۔

ایک ذہین انسان نہ ختم ہونے والے سمندر پر پانی کے قطرے کو ترجیح نہیں دے گا اور ایک ذہین مسلمان دنیاوی مادی دنیا کو ابدی آخرت پر ترجیح نہیں دے گا۔

ہمیشہ مخلص

جب احد کی جنگ شروع ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم فوج پر تیزی سے قابو پالیا جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ جب کچھ مسلمان تیر انداز اپنی جگہ چھوڑ کر چلے گئے تو پھر غیر مسلم فوج نے اکٹھے ہو کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو مسلمانوں کی فوج کے عقب میں تعینات تھے، انہوں نے دیکھا کہ کس طرح غیر مسلم چاروں طرف چکر لگا کر مسلم فوج کے عقب تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بات کا احساس نہیں تھا کہ کیا ہوا اور اس لیے وہ بے دفاع تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہ سکتے تھے اور اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ذبح کرنے کی اجازت دے سکتے تھے، کیونکہ غیر مسلموں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحیح مقام کا علم نہیں تھا۔ اس کے بجائے، اس نے چیخ کر اپنے ساتھیوں کو خبردار کیا، اللہ ان سے راضی ہے، اس طرح ان کا مقام غیر مسلموں کو دے دیا، جو اس پر حملہ کرنے کے لیے اکٹھے ہوئے تھے۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 263-264 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جان کو خطرے میں ڈالتے ہوئے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑے اخلاص کا مظاہرہ کیا۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 53:

’’شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے‘‘۔

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی دونوں میں بہتری آئے۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا مسلمان کا رویہ نہیں ہے ۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77:

اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے‘‘۔”

تمام حالات میں برکت

جب احد کی جنگ شروع ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم فوج پر تیزی سے قابو پالیا جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ جب کچھ مسلمان تیر انداز اپنی جگہ چھوڑ کر چلے گئے تو پھر غیر مسلم فوج نے اکٹھے ہو کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ہوئی۔ انتشار اور افراتفری اس وقت بڑھ گئی جب یہ آوازیں سنائی دیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 29-30 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ آسانی اور مشکل دونوں وقتوں میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہیں کیونکہ یہ دونوں صورتیں اس کی اطاعت سے غافل ہو سکتی ہیں۔ یہ بدلے میں انہیں دونوں جہانوں میں ثواب اور ذہنی سکون حاصل کرنے سے روک دے گا۔

صحیح مسلم نمبر 7500 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مومن کے لیے ہر حالت مبارک ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے ہر صورت حال کا جواب دینے کی ضرورت ہے، خاص طور پر مشکلات میں صبر اور آسانی کے وقت شکرگزاری۔

زندگی کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو وہ حالات ہیں جن میں لوگ خود کو پاتے ہیں، خواہ وہ آسانی کے وقت ہوں یا مشکلات۔ کسی شخص کو کس صورتحال کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کا کنٹرول ان کے ہاتھ سے باہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر دیا ہے اور ان سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ اس لیے جن حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان پر زور دینا کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ وہ مقدر ہیں اور اس لیے ناگزیر ہیں۔ دوسرا پہلو ہر صورت حال پر ایک شخص کا ردعمل ہے۔ یہ ہر شخص کے اختیار میں ہے اور یہ وہی ہے جس پر ان کا فیصلہ کیا جاتا ہے، مثال کے طور پر، کسی مشکل صورتحال میں صبر یا بے صبری کا مظاہرہ کرنا۔ لہٰذا، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہر حال میں اپنے رویے اور رد عمل پر توجہ مرکوز کرے، بجائے اس کے کہ کسی صورت حال میں ہونے پر زور دیا جائے، کیونکہ یہ ناگزیر ہے۔ اگر کوئی مسلمان دونوں جہانوں میں کامیابی چاہتا ہے تو

اسے چاہیے کہ ہر حال کا اندازہ لگا لے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کام کرے۔ مثال کے طور پر، آسانی کے وقت ان کو چاہیے کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں جو ان کے پاس ہیں جیسا کہ اسلام نے تجویز کیا ہے، جو کہ اللہ تعالیٰ کا سچا شکر ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

اور مشکل کے وقت انہیں صبر کا مظاہرہ کرنا چاہیے یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے چاہے وہ انتخاب کے پیچھے کی حکمت کو نہ سمجھیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

''لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

غور طلب ہے کہ اہم حدیث میں ہر حال میں کامیابی مومن کے لیے بتائی گئی ہے نہ کہ مسلمان کے لیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مومن مضبوط ایمان کا حامل ہوتا ہے جس کی جڑیں اسلامی علم میں پیوست ہوتی ہیں۔ اپنے مضبوط ایمان کے نتیجے میں، وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر زیادہ سختی سے عمل پیرا ہوتے ہیں، جس میں مشکلات میں صبر اور آسانی کے وقت شکر گزاری شامل ہوتی ہے۔ جبکہ مسلمان وہ ہے جس نے اسلام قبول کیا ہو لیکن کمزور ایمان کی وجہ سے جو کہ اسلامی علم سے ناواقفیت کی وجہ سے پیدا ہوا ہو، وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ساتھ مختلف حالات کا جواب دینے میں ناکام ہو سکتا ہے۔ اس لیے اسلامی علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے تاکہ وہ مومن کے درجے تک پہنچ جائے اور اس لیے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو برقرار رکھے۔

مشن کو جاری رکھنا

جنگ احد کے دوران جب کچھ مسلمان تیر انداز اپنی جگہیں چھوڑ گئے تو غیر مسلم فوج نے اکٹھے ہو کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ انتشار اور افراتفری اس وقت بڑھ گئی جب یہ آوازیں سنائی دیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ سے بعض صحابہ کرام، اللہ ان سے راضی ہو گئے، ناامید ہو گئے کیونکہ ان کی قوت اور الہام قیاس کے مطابق شہید ہو چکا تھا۔ لیکن ایک صحابی انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کر دیا جائے تو بھی اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ ہے اور مر نہیں سکتا۔ لہٰذا انہیں اس کے لیے لڑتے رہنا چاہیے جس کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے تھے۔ انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے جنگ جاری رکھی یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔
اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 29-31 میں بحث کی گئی ہے۔

اسی طرح علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کا عقیدہ تھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر زندہ رہنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، چنانچہ انہوں نے اپنی تلوار کی میان توڑ دی اور جنگ جاری رکھی یہاں تک کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا۔ وہ اس کی حفاظت کرتا رہا یہاں تک کہ وہ پیچھے ہٹ گئے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 163-164 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے سلسلے میں باب 3 آل عمران آیت 144 نازل فرمائی:

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک رسول ہیں، ان سے پہلے اور بھی رسول گزر چکے ہیں، تو کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے گا وہ اللہ کو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکے گا، لیکن اللہ شکر گزاروں کو جزا دے گا۔"

اللہ تعالیٰ ان کو اپنی موت کے لیے تیار کر رہا تھا اور جب ایسا ہوا تو ان کو جو رویہ دکھانا چاہیے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو برسوں بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اپنے ایمان پر شکر گزار اور ثابت قدم رہے حالانکہ بعض مسلمان عرب قبائل مرتد ہو چکے تھے۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1196-1199 میں بحث کی گئی ہے۔

گو کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جسمانی طور پر آج مسلمانوں میں کسی سے کم نہیں ہیں، لیکن انہیں اسلام کے حقیقی سفیر بن کر جس چیز کے لیے آپ کھڑے تھے، اس کے لیے اس کو حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو جدوجہد کرتے رہنا چاہیے۔ پورا کیا جائے، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کیا جائے اور اس کے انتخاب پر صبر کیا جائے۔ اسلام پوری دنیا میں پھیل گیا کیونکہ صالح پیشرو اس فرض کو بہت سنجیدگی سے لیتے تھے۔ جب انہوں نے فائدہ مند علم حاصل کیا اور اس پر عمل کیا تو بیرونی دنیا نے ان کے طرز عمل سے اسلام کی حقانیت کو پہچان لیا۔ جس کی وجہ سے بے شمار لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ بدقسمتی سے، آج بہت سے مسلمان اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اسلام کے بارے میں دوسروں کو ظاہر کرنا محض کسی کی ظاہری شکل ہے، جیسے داڑھی بڑھانا یا اسکارف پہننا۔ یہ اسلام کی نمائندگی کا صرف ایک پہلو ہے۔ سب سے بڑا حصہ قرآن کریم اور ان کی روایات میں مذکور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات کو اپنانا ہے۔ صرف اس رویے سے بیرونی دنیا اسلام کی اصل فطرت کا مشاہدہ کرے گی۔ ایک مسلمان کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ اسلام کی تعلیمات کے مخالف خصوصیات کے حامل ہوتے ہوئے اسلامی شکل اختیار کرنا صرف بیرونی دنیا میں اسلام کی بے عزتی کا باعث بنتا ہے۔ وہ اس بے عزتی کے لیے جوابدہ ہوں گے کیونکہ وہ اس کی وجہ ہیں۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی باطنی تعلیمات کو اپناتے ہوئے اسلام کے حقیقی سفیر کے طور پر پیش آئے اور اسلام کی ظاہری شکل و صورت کو بھی اپنائے۔

اس کے علاوہ اس اہم عہدے کو مسلمانوں کو یاد دلانا چاہیے کہ ان کا احتساب کیا جائے گا اور سوال کیا جائے گا کہ آیا انہوں نے یہ کردار ادا کیا یا نہیں؟ جس طرح ایک بادشاہ اپنے سفارت کار اور نمائندے پر غضب ناک ہوتا ہے اگر وہ اپنی ذمہ داری ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس مسلمان سے ناراض ہوگا جو اسلام کے سفیر کی حیثیت سے اپنا فرض ادا کرنے میں ناکام رہے گا۔

آخر میں، اسلام کے سفیر کی حیثیت سے اپنا فرض پورا کرنا آخرت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اتحاد کو یقینی بنائے گا۔ جبکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اڑے رہے وہ ان کی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہوئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس طرح اتحاد نہیں کرے گا جیسا کہ انہوں نے اس دنیا میں عملی طور پر آپ کی پیروی نہیں کی۔ یہ سمجھنا عام فہم ہے کہ اگر کوئی دوسرے سے مختلف راستہ اختیار کرتا ہے، تو وہ اپنے سفر کے اختتام پر متحد نہیں ہوں گے۔ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ پچھلی امتیں بھی اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت اور احترام کا دعویٰ کرتی ہیں لیکن آخرت میں ان کے ساتھ نہیں مل سکتیں کیونکہ انہوں نے دنیا میں عملی طور پر ان کی پیروی نہیں کی۔

تمام مشکلات

جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدید زخمی ہوئے۔ اس کے دانت ٹوٹ گئے اور چہرہ اور ہونٹ کٹ گئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 30 میں بحث کی گئی ہے۔

جنگ کے دوران جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ احد پہاڑ پر پسپا ہو رہے تھے تو غیر مسلموں کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادے کا تعاقب کرتے ہوئے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی جانیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفاع میں قربان کر دیں۔ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے ان کا اس حد تک دفاع کیا کہ انہیں تیس سے زیادہ زخم آئے اور اس کے نتیجے میں ان کا ہاتھ مفلوج ہو گیا۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 269-270 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ انبیاء علیہم السلام بھی گناہوں سے کم نہیں محفوظ ہیں، لیکن مسلمانوں کو جسمانی اور جذباتی چوٹوں کا سامنا کرنے کے فوائد کو یاد رکھنا چاہیے۔

امام بخاری کی کتاب ادب المفرد نمبر 492 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ مسلمان کو کسی قسم کی جسمانی دشواری کا سامنا نہیں کرنا ،پڑتا، خواہ اس کی جسامت کتنی ہی کیوں نہ ہو، جیسے کانٹا چبھنا، یا کسی قسم کی جذباتی مشکل جیسے کہ تناؤ، سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ختم کر دیا۔

اس سے مراد چھوٹے گناہ ہیں، کیونکہ بڑے گناہوں کے لیے مخلصانہ توبہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ نتیجہ اس وقت ہوتا ہے جب ایک مسلمان مشکل کے آغاز سے اپنی زندگی کے آخر تک صبر کرتا ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے، کیونکہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ابتدائی طور پر شکایت کر سکتے ہیں اور اس کے بعد صبر کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ یہ سچا صبر نہیں ہے، بلکہ

یہ صرف قبولیت ہے، جو وقت گزرنے کے ساتھ قدرتی طور پر ہوتا ہے۔ سنن نسائی نمبر 1870 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ زندگی بھر صبر کا مظاہرہ کرنا ضروری ہے کیونکہ انسان بے صبری کا مظاہرہ کر کے اپنے اجر کو ختم کر سکتا ہے۔

ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ اس سے بہتر ہے کہ اس کے چھوٹے گناہوں کو ان مشکلات سے مٹا دیا جائے پھر ان کے پاس رہتے ہوئے قیامت تک پہنچ جائے۔ ایک مسلمان کو اپنے چھوٹے گناہوں کو مٹانے کے لیے مسلسل توبہ اور عمل صالح کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور اگر ان کو کوئی جسمانی یا جذباتی مشکل پیش آئے تو ان کو صبر کرنا چاہیے کہ ان کے صغیرہ گناہوں کے مٹ جانے اور بے شمار ثواب حاصل کرنے کی امید رکھیں۔ باب 39 از زمر، آیت 10:

"بے شک، مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا]یعنی حد[..."

جو شخص ہر مشکل کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے گریز کرنا، قول و فعل کے ذریعے، اور اپنے عمل میں سچی توبہ کا اضافہ کرنا ہے، اس کے صغیرہ و کبیرہ دونوں گناہ مٹ جائیں گے۔ سچی توبہ میں پچھتاوا، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور ان لوگوں سے جن پر ظلم ہوا ہے، جب تک کہ یہ مزید مصیبت کا باعث نہ بنے، خلوص دل سے دوبارہ وہی یا اس سے ملتا جلتا گناہ نہ کرنے کا وعدہ کرنا اور اس میں اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہیں ان کی تلافی بھی شامل ہے۔

جس کو اس طریقے سے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور شکر گزاری کے ساتھ آسانی کے اوقات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والے طریقے سے عطا کی گئی ہیں، اسے دونوں جہانوں میں ہر حال میں سکون اور کامیابی ملے گی۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ "زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

لوگوں کے لیے تشویش

غزوہ احد کے دوران جب بعض صحابہ کرام مثلاً ابوبکر صدیقؓ اور ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچنے میں کامیاب ہوئے تو فوراً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زخموں کا علاج کیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا کہ سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زخموں کا علاج کرو۔ دونوں نے سب سے پہلے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علاج کرنے پر اصرار کیا۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دانتوں سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لوہے کی انگوٹھی کے وہ دو کڑے نکالے جو آپ کے چہرے پر لگے ہوئے تھے۔ پھر اس نے ایک تیر نکالا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کے ساتھ ساتھ آپ کے دانتوں پر بھی لگا تاکہ آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ جس کے نتیجے میں اس کا اگلا دانت نکل گیا۔ پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دوبارہ طلحہ رضی اللہ عنہ کو تلاش کرنے اور ان کی مدد کرنے کا مشورہ دیا، جو انہوں نے کیا۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 269-271 میں بحث کی گئی ہے۔

ایسے نازک حالات میں بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی ذات سے زیادہ دوسروں کی فکر تھی۔

صحیح مسلم نمبر 6586 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ امت مسلمہ ایک جسم کی مانند ہے۔ جسم کے کسی حصے میں درد ہو تو باقی جسم اس کے درد میں شریک ہوتا ہے۔

یہ حدیث، بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح، اپنی زندگی میں اس قدر خودغرض نہ ہونے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتی ہے اور اس طرح برتاؤ کرتی ہے کہ گویا کائنات ان کے اور ان کے مسائل کے گرد گھوم رہی ہے۔ شیطان مسلمانوں کو اپنی زندگی اور اپنے مسائل پر اس قدر توجہ مرکوز کرنے کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ بڑی تصویر پر توجہ مرکوز کرنے سے محروم ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ بے صبری کا باعث بنتا ہے اور وہ دوسروں سے غافل ہو جاتا ہے اور

نتیجتاً وہ اپنے وسائل کے مطابق دوسروں کی مدد کرنے میں اپنا فرض ادا نہیں کرتا۔ ایک مسلمان کو یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیے اور دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جہاں تک وہ کر سکتے ہیں۔ یہ مالی مدد سے آگے بڑھتا ہے اور اس میں تمام زبانی اور جسمانی مدد شامل ہوتی ہے، جیسے کہ اچھا اور مخلصانہ مشورہ۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ خبروں کا باقاعدگی سے مشاہدہ کریں اور جو پوری دنیا میں مشکل حالات میں ہیں۔ اس سے انہیں حوصلہ ملے گا کہ وہ خودغرض اور خودغرض بننے سے بچیں اور اس کے بجائے دوسروں کی مدد کریں۔ درحقیقت جس کو صرف اپنی فکر ہوتی ہے وہ جانور سے بھی کم تر ہے جیسا کہ وہ اپنی اولاد کا خیال رکھتا ہے۔ درحقیقت ایک مسلمان کو عملاً اپنے خاندان سے بڑھ کر دوسروں کا خیال رکھتے ہوئے جانوروں سے بہتر ہونا چاہیے۔

یہ حدیث اسلام میں اتحاد اور مساوات کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے، جیسا کہ دوسرے مسلمانوں کو ان کی جنس، نسل یا کسی بھی چیز سے قطع نظر ان کے وسائل کے مطابق مدد کرنی چاہیے۔

جس طرح ایک شخص اپنی پریشانی کو دور کرنا چاہتا ہے، اسی طرح اسے دوسروں کے لیے بھی اس طرح کا برتاؤ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، جیسا کہ بنیادی حدیث واضح طور پر بتاتی ہے کہ ایک مسلمان کے لیے کسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا دوسرے مسلمان کے لیے اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ ایک ہی میں ایک ہے۔

آخر میں، اگرچہ ایک مسلمان دنیا کے تمام مسائل کو دور نہیں کر سکتا لیکن وہ اپنا کردار ادا کر سکتا ہے اور اپنے وسائل کے مطابق دوسروں کی مدد کر سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور توقع یہی ہے۔

سب کے لیے رہنمائی کی خواہش

جنگ احد کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قوم کے لیے اس قدر پریشان اور غمگین تھے کہ اپنے چہرے سے خون پونچھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کیسے معاف کر سکتا ہے جنہوں نے اپنے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح نقصان پہنچایا؟ پھر اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت نازل فرمائی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ ان کے لیے بخشش کا دروازہ ابھی بھی کھلا ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 128:

‘‘تمہارا یہ فیصلہ نہیں ہے کہ وہ انہیں معاف کرے یا سزا دے کیونکہ وہ ظالم ہیں۔’’

سنن ابن ماجہ نمبر 4027 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

غیر مسلموں کی طرف سے اس نقصان کا سامنا کرتے ہوئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے ان کی بخشش کی دعا کر رہے تھے کیونکہ ان کے پاس اس بات کا علم اور مکمل فہم نہیں تھا کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 268-269 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر دیکھا جائے تو یہ واقعہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت اور بخشش کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

تمام مسلمانوں کو امید ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی گزشتہ غلطیوں اور گناہوں کو ایک طرف رکھے گا، نظر انداز کرے گا اور معاف کر دے گا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انہی مسلمانوں میں سے اکثر جو اس کی امید اور دعا کرتے ہیں وہ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتے۔ مطلب، وہ اکثر دوسروں کی ماضی کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں اور انہیں اپنے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ ان غلطیوں کی طرف اشارہ نہیں ہے جن کا اثر حال یا مستقبل پر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، ڈرائیور کی وجہ سے ہونے والا کار حادثہ جو کسی دوسرے شخص کو جسمانی طور پر معذور کر دیتا ہے، ایک غلطی ہے جو حال اور مستقبل میں شکار کو متاثر کرے گی۔ اس قسم کی غلطی کو چھوڑنا اور نظر انداز کرنا سمجھنا مشکل ہے۔ لیکن بہت سے مسلمان اکثر دوسروں کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں جو کسی بھی طرح سے مستقبل کو متاثر نہیں کرتی ہیں، جیسے کہ زبانی توہین۔ اگرچہ غلطی ختم ہو چکی ہے لیکن یہ لوگ موقع ملنے پر اسے زندہ کرنے اور دوسروں کے خلاف استعمال کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ ایک انتہائی افسوسناک ذہنیت ہے جیسا کہ کسی کو سمجھنا چاہئے کہ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔ کم از کم ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ سے اپنی ماضی کی غلطیوں سے درگزر کرنے کی امید رکھتا ہے اسے دوسروں کی ماضی کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ جو لوگ اس طرح برتاؤ کرنے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ ان کے زیادہ تر تعلقات ٹوٹ چکے ہیں کیونکہ کوئی بھی رشتہ مکمل نہیں ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اختلاف کا شکار رہیں گے جو ہر رشتے میں غلطی کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس لیے جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ تنہا ہو جائے گا کیونکہ ان کی بری ذہنیت انہیں دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کو خراب کرنے کا باعث بنتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ تنہا رہنے سے نفرت کرتے ہیں لیکن پھر بھی ایسا رویہ اپناتے ہیں جو دوسروں کو ان سے دور کرتا ہے۔ یہ منطق اور عقل کی نفی کرتا ہے۔ تمام لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ زندہ رہتے ہوئے اور ان کے انتقال کے بعد ان سے محبت اور احترام کیا جائے لیکن یہ رویہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ جب وہ زندہ ہوتے ہیں تو لوگ ان سے تنگ آ جاتے ہیں اور جب وہ مرتے ہیں تو لوگ انہیں سچے پیار اور محبت سے یاد نہیں کرتے۔ اگر وہ انہیں یاد کرتے ہیں تو یہ محض رواج سے باہر ہے۔

ماضی کو جانے دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں کے ساتھ حد سے زیادہ اچھا سلوک کرنے کی ضرورت ہے لیکن اسلام کی تعلیمات کے مطابق سب سے کم احترام کرنا ہے۔ اس میں کچھ خرچ نہیں ہوتا اور اس کے لیے تھوڑی محنت درکار ہوتی ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ درگزر کرنا سیکھے اور لوگوں کی ماضی کی غلطیوں کو جانے دیا جائے تو شاید اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی پچھلی غلطیوں کو درگزر فرمائے گا۔ باب 24 النور، آیت 22:

وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے اور اللہ اور بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اس بحث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو مستقبل میں ان کے نقصان سے بچانے کے لیے اقدامات کیے بغیر دوسروں کو معاف کر دینا چاہیے۔ اسلام واضح کرتا ہے کہ دوسروں کے نقصان سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے قدم اٹھانا چاہیے تاکہ تاریخ اپنے آپ کو نہ دہرائے اور پھر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دوسروں کو معاف کرنے کی کوشش کرے۔

آخر میں زیر بحث اہم واقعہ غیر مسلموں سے نفرت نہ کرنے کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ گناہوں سے نفرت کرے لیکن وہ لوگوں سے نفرت نہ کرے کیونکہ وہ کسی بھی وقت صدق دل سے توبہ کر سکتے ہیں، جیسا کہ جنگ احد میں موجود بہت سے غیر مسلموں نے کیا تھا۔ جب ایک مسلمان غیر مسلموں سے نفرت کرتا ہے، تو یہ صرف بعد میں آنے والے کو صحیح رہنمائی سے مزید دور دھکیلتا ہے کیونکہ وہ یقین کریں گے کہ اسلام غیر مسلموں سے نفرت کی تبلیغ کرتا ہے، جب کہ ایسا نہیں کرتا۔ اس کے بجائے مسلمانوں کو گناہوں سے نفرت کرنی چاہیے اور خود ان گناہوں سے پرہیز کرتے ہوئے اپنی نفرت کا ثبوت دینا چاہیے اور تمام لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور احترام کا مظاہرہ کرنا چاہیے، خواہ ان کا مذہب کوئی بھی ہو۔ یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ ایک حقیقی مسلمان اور مومن اپنے زبانی اور جسمانی نقصان کو کسی شخص اور اس کے مال سے دور رکھتا ہے، خواہ اس کا مذہب کوئی بھی ہو۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

حق کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا

جنگ احد کے دوران جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ احد کے پہاڑ سے پیچھے ہٹ رہے تھے تو غیر مسلم ان کا تعاقب کر رہے تھے۔ غیر مسلموں کے سرداروں میں سے ایک ابی بن خلف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کرتے ہوئے چیخنا چلانا اور دھمکیاں دینا شروع کر دیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ وہ مجھے قریب آنے دیں۔ اس کے بعد اس نے نیزہ لیا اور اس کے زرہ بکتر میں ایک خلا سے ابی کی گردن میں وار کیا۔ ابی اپنے گھوڑے سے گرا اور درد سے چیخا۔ جب دوسرے غیر مسلم اسے اٹھا کر لے گئے اور اس کے زخم کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ گردن کا زخم بمشکل ایک خراش تھا، حالانکہ ابی اس طرح کراہ رہا تھا جیسے اسے جسمانی اذیت دی جا رہی ہو۔ پھر اس نے انہیں بتایا کہ وہ اس زخم سے برسوں پہلے کی طرح مر جائے گا، اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کی دھمکی دی اور جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں تنبیہ کی کہ وہ درحقیقت انہیں قتل کر دیں گے۔ ابی نے تب تبصرہ کیا کہ اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پر تھوک بھی دیں تو وہ مر جائیں گے کیونکہ وہ ان کے قتل کے وعدے پر یقین رکھتے تھے۔ ابی کا انتقال کچھ دیر بعد ہوا جب غیر مسلم مکہ واپس جا رہے تھے۔ اس پر سیرت ابن ہشام صفحہ 148 میں بحث ہوئی ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ ابی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی پر اس قدر یقین کیسے رکھتا تھا، ان کی دھمکی کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں مانتا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اندر کی گہرائیوں سے سچ کو جانتا تھا، جیسا کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو، اپنی پوری زندگی کو جانتا تھا، اور اس لیے جانتا تھا کہ وہ جھوٹا نہیں ہے۔

ابی نے اسلام کے قائل ہونے کے باوجود اس کی حقانیت کو رد کر دیا کیونکہ وہ اسلام کی تعلیمات پر عمل نہیں کرنا چاہتا تھا اور ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا تھا جو اسے عطا کی گئی تھیں۔ اس کے بجائے، اس نے ان نعمتوں کو استعمال کرنا چاہا جو اسے دی گئی تھیں اپنی خواہشات کے مطابق۔ ایک شخص کو اس رویہ سے بچنا چاہیے کیونکہ وہ اس دنیا کی سب سے بڑی دنیاوی نعمت جو کہ ذہنی سکون ہے کبھی حاصل نہیں کر سکے گا۔ ذہنی سکون تبھی ممکن ہے جب انسان ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کر لے اور جب وہ اپنی زندگی میں ہر چیز کو صحیح طریقے سے جگہ دے سکے۔ یہ تب ہی حاصل ہو سکتا ہے جب کوئی اسلام کی تعلیمات کو قبول کرے اور اس پر عمل کرے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد ذات ہے جس

کے پاس کامل ضابطہ حیات فراہم کرنے کا علم ہے جو دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔ تمام انسانوں کے بنائے ہوئے ضابطہ اخلاق کبھی بھی اس نتیجے پر نہیں پہنچیں گے کیونکہ ان میں علم، تجربہ، دور اندیشی اور تعصب کی وجہ سے کمی ہے۔ یہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب کوئی ان لوگوں کو دیکھتا ہے جو ان کو دی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں اور یہ انہیں ذہنی سکون حاصل کرنے سے کیسے روکتا ہے، حالانکہ وہ دنیاوی آسائشیں رکھتے ہیں اور ان سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اس لیے ایک شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے مفاد کے لیے اسلامی تعلیمات کو قبول کرے اور اس پر عمل کرے، چاہے وہ اس کی خواہشات کے خلاف ہو۔ انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی گئی ہیں اور ایک سخت خوراک کا منصوبہ ہے۔ جس طرح یہ عقلمند مریض اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کرے گا، اسی طرح وہ شخص جو اسلامی تعلیمات کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا۔ اگرچہ، زیادہ تر معاملات میں، مریض اپنی تجویز کردہ دوائیوں کے پیچھے سائنس کو نہیں سمجھتے اور اس لیے اپنے ڈاکٹر پر اندھا اعتماد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ لوگوں کو اسلام کی تعلیمات پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے تاکہ وہ اپنی زندگی پر اس کے مثبت اثرات کو سمجھ سکیں۔ وہ لوگوں سے یہ توقع نہیں کرتا کہ وہ اسلام کی تعلیمات پر اندھا اعتماد کریں بلکہ وہ چاہتا ہے کہ وہ اس کی سچائی کو اس کے واضح دلائل سے پہچانیں۔ لیکن اس کے لیے انسان کو اسلام کی تعلیمات سے رجوع کرتے ہوئے غیر جانبدارانہ اور کھلے ذہن کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ باب 12 یوسف، آیت 108:

کہو، "یہ میرا راستہ ہے؛ میں اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ دعوت دیتا ہوں، میں اور وہ لوگ جو میری پیروی کرتے ہیں..."

اس کے علاوہ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی لوگوں کے روحانی دلوں کو کنٹرول کرتا ہے، ذہنی سکون کا گھر، وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کون اسے حاصل کرتا ہے اور کس کو نہیں۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے‘‘۔’’

اور یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کو ذہنی سکون دے گا جو اس کی عطا کردہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔

نظر انداز اور اچھی مرضی

جنگ احد کے دوران جب غیر مسلموں نے دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا تو کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے غلطی سے ایک اور صحابی آل یمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ ان کے صاحبزادے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ جو کہ احد میں بھی موجود تھے، انہوں نے جو کچھ ہوا اس کو دیکھا لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کبھی اس کو نہیں ٹھہرایا اور اپنے والد کی ناگہانی موت کے لیے وہ خون بہا نہیں لیا جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں پیش کیا تھا۔ اس کے بجائے اس نے یہ رقم غریب مسلمانوں میں تقسیم کر دی۔ اس نے اس نیک وصیت کو اس وقت تک قائم رکھا جب تک وہ برسوں بعد اس دنیا سے چلے گئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 46 میں صحیح بخاری نمبر 3824 میں موجود ایک حدیث میں اور امام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد 1 صفحہ 1148-1149 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ آل یمان رضی اللہ عنہ کو غلطی سے شہید کر دیا گیا تھا، لیکن اسلام مسلمانوں کو اپنے خلاف دوسروں کے جان بوجھ کر گناہوں کو معاف کرنے اور نظر انداز کرنے کا درس دیتا ہے۔ کسی کو یہ قبول کرنا چاہیے کہ لوگ فرشتے نہیں ہیں اور اس لیے بعض اوقات دوسروں پر ظلم کرنے کے پابند ہوتے ہیں۔ اس طرح کے معاملات میں، ایک مسلمان کو اپنے دفاع کا حق حاصل ہے اور اسے تاریخ کو اپنے آپ کو دہرانے سے روکنے کے لیے اقدامات کرنے چاہییں، لیکن اسلام بھی انہیں دوسروں کو معاف کرنے کی ترغیب دیتا ہے، جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں دونوں جہانوں میں معاف کرے۔ انسان کو لوگوں کے خلاف بغض رکھنے سے گریز کرنا چاہیے، کیونکہ یہ رویہ اللہ تعالیٰ کو قیامت کے دن ان کے ہر اس کام کے لیے سخت جوابدہ ہو سکتا ہے جو انہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران کیے تھے۔ جبکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے لوگوں کی غلطیوں سے درگزر کرنے کی عادت اپنائے گا، وہ اللہ تعالیٰ کو قیامت کے دن ان کی خطاؤں اور خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔ باب 24 النور، آیت 22:

’’اور وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا آپ پسند نہیں کریں گے کہ اللہ آپ کو معاف کر دے؟‘‘

سبحانہ وتعالیٰ سے ثواب حاصل کرنا

جنگ احد کے دوران ایک شخص قزمان نامی مسلمانوں کی طرف سے لڑ رہا تھا۔ جب ان کی بہادری کا ذکر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا گیا تو آپ نے اعلان فرمایا کہ وہ جہنم میں جائیں گے۔ جنگ کے دوران انہوں نے غیر مسلموں کے خلاف ڈٹ کر مقابلہ کیا اور بڑی ہمت کا مظاہرہ کیا۔ آخرکار اس کے زخموں نے اسے معذور کر دیا اور اسے میدان جنگ سے باہر لے جایا گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی تعریف کی، لیکن جواب دیا کہ وہ صرف اپنے قبیلے کی عزت اور سماجی حیثیت کے لیے لڑے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نہیں لڑے۔ جب اس کے زخموں کا درد انتہا کو پہنچ گیا تو اس نے اپنے آپ کو مارنے کے لیے ایک تیر کا استعمال کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 50 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرنے کے بجائے لوگوں کے لیے دکھاوے جیسے کام کرتے ہیں، ان سے کہا جائے گا کہ وہ قیامت کے دن ان لوگوں سے ان کا اجر حاصل کریں جن پر عمل کرنا ان کے لیے ممکن نہیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ تمام اعمال کی بنیاد، حتیٰ کہ اسلام بھی، کسی کی نیت ہے۔ یہ وہی چیز ہے جس پر اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ کرتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

ایک مسلمان کو یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ تمام دینی اور مفید دنیوی اعمال اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انجام دیں، تاکہ وہ دونوں جہانوں میں اس کی طرف سے اجر حاصل کریں۔ اس صحیح ذہنیت کی علامت یہ ہے کہ یہ شخص نہ تو یہ توقع رکھتا ہے اور نہ ہی چاہتا ہے کہ لوگ ان کے اعمال کی تعریف کریں یا ان کا شکریہ ادا کریں۔ اگر کوئی یہ چاہتا ہے تو یہ اس کی غلط نیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

اس کے علاوہ، صحیح نیت کے ساتھ عمل کرنا اداسی اور تلخی کو روکتا ہے کیونکہ جو شخص لوگوں کی خاطر کام کرتا ہے وہ آخرکار ناشکرے لوگوں کا سامنا کرے گا جو انہیں ناراض اور تلخ کر دیں گے، کیونکہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی محنت اور وقت ضائع کیا ہے۔ بدقسمتی سے، والدین اور رشتہ داروں میں یہ دیکھا جاتا ہے کیونکہ وہ اکثر اللہ تعالی کی رضا کے بجائے ان کی خاطر اپنے بچوں اور رشتہ داروں کے بارے میں اپنے فرائض ادا کرتے ہیں۔ لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرتا ہے، وہ دوسروں کے لیے اپنے تمام فرائض ادا کرتا ہے، جیسے کہ ان کی اولاد، اور جب وہ ان کا شکر ادا کرنے میں ناکام ہوں گے تو وہ کبھی تلخ یا غصے میں نہیں آئیں گے۔ یہ رویہ ذہنی سکون اور عمومی خوشی کا باعث بنتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے نیک عمل سے پوری طرح واقف ہے اور انہیں اس کا اجر دے گا۔ تمام مسلمانوں کو یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے ورنہ وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ رہ سکتے ہیں۔
باب 18 الکہف، آیت 110:

"...پس جو اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہو اسے چاہیے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔"

مصیبت میں مدد

جنگ احد کی مشکلات کے دوران اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طمانیت نازل فرمائی جس سے ان کی پریشانی اور پریشانی دور ہوگئی۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جنہیں یہ نعمت ملی۔ سکون نیند کی صورت میں آیا جس کی وجہ سے اس نے لڑتے ہوئے کئی بار اپنی تلوار گرائی۔ باب 3 علی عمران، آیت 154:

"...پھر مصیبت کے بعد، اس نے تم میں سے بعض پر غنودگی کی صورت میں سکون نازل کیا"

اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 277 میں بحث کی گئی ہے۔

مسند احمد نمبر 2803 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کو سمجھنے کی اہمیت کی تلقین فرمائی کہ انسان کو درپیش ہر مشکل کے بعد آسانی ہوگی۔ یہ حقیقت قرآن مجید میں بھی بیان کی گئی ہے، مثال کے طور پر، باب 65، آیت 7:

‘‘اللہ تعالیٰ سختی کے بعد آسانی پیدا کرے گا۔’’

مسلمانوں کے لیے اس حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے کیونکہ یہ صبر اور قناعت کو جنم دیتا ہے۔ حالات کی تبدیلیوں پر غیر یقینی ہونا کسی کو بے صبری، ناشکری اور یہاں تک کہ غیر قانونی چیزوں کی طرف لے جا سکتا ہے، جیسے کہ غیر قانونی رزق۔ لیکن جو اس بات پر پختہ یقین رکھتا ہے کہ آخرکار تمام مشکلات آسانی سے بدل جائیں گی وہ اسلام کی تعلیمات پر مکمل اعتماد

کرتے ہوئے صبر سے اس تبدیلی کا انتظار کرے گا۔ یہ صبر اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور اس کا اجر بہت زیادہ ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 146:

‘‘اور اللہ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔’’

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ایسی بے شمار مثالیں بیان کی ہیں جب مشکل حالات کے بعد آسانی اور برکت آتی تھی۔ مثال کے طور پر قرآن کریم کی درج ذیل آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کو اپنی قوم کی طرف سے کس بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑا اور کس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں سیلاب عظیم سے بچایا اس کا ذکر ہے۔ باب 21 الانبیاء، آیت 76:

"اور نوح کا ذکر کریں جب اس نے]اس وقت [سے پہلے]اللہ کو [پکارا تو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے اور اس کے گھر والوں کو بڑی مصیبت]یعنی سیلاب [سے بچا لیا۔

ایک اور مثال باب 21 الانبیاء، آیت 69 میں ملتی ہے:

ہم نے کہا اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو‘‘۔’’

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک عظیم آگ کی صورت میں بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس کو ٹھنڈا اور پر سکون بنا دیا۔

یہ اور بہت سی مثالیں قرآن پاک اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیان ہوئی ہیں تاکہ مسلمان یہ سمجھیں کہ مشکل کا ایک لمحہ آخر کار ان لوگوں کے لیے آسانی کا باعث بنتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں۔

لہٰذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ ان اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کریں تاکہ ان بے شمار صورتوں کا مشاہدہ کیا جا سکے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمانبردار بندوں کو مشکلات کا سامنا کرنے کے بعد آسانی عطا فرمائی۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمانبردار بندوں کو بڑی مشکلوں سے بچا لیا ہے جن کا ذکر الٰہی تعلیمات میں کیا گیا ہے تو وہ فرمانبردار مسلمانوں کو چھوٹی چھوٹی مشکلات سے بھی بچا سکتا ہے اور بچائے گا۔

خواتین کے لیے بینچ مارک

غزوہ احد کے دوران عائشہ بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسی خواتین صحابہ نے زخمیوں کا علاج کیا اور سپاہیوں کو پانی پلایا۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 279-280 میں بحث کی گئی ہے۔

ان پاکباز خواتین نے اسلام کی حمایت میں اپنا کردار ادا کیا۔ انہوں نے اپنا موازنہ مردوں سے نہیں کیا اور نہ ہی وہ کرنے کی کوشش کی۔ اس کے بجائے، وہ سمجھتے تھے کہ نیکی کا حصول انسانوں کے کاموں کی نقل کرنے میں نہیں ہے، یہ صرف اپنے کردار اور فرائض کی ادائیگی میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہے۔

قرآن کریم کی درج ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کی ایک اہم تعلیم کی وضاحت فرمائی ہے یعنی سب سے زیادہ عزت والا اور بہترین شخص وہ ہے جس کے پاس سب سے زیادہ تقویٰ ہو۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

’’ اے لوگو ، بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے‘‘۔

یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز آتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے۔ بدقسمتی سے، شیطان نے بہت سی خواتین کو مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی حیثیت پر بحث کرنے کے لیے دھوکہ دیا ہے۔ حالانکہ اسلام نے خواتین کو ایسی عزت عطا کی ہے جو کسی اور ادارے یا ایمان نے کبھی نہیں دی ہے، جیسے کہ عورت کے قدموں کے نیچے جنت ، جو کہ آخری نعمت ہے، یعنی ماں کو۔ اس کی تصدیق نمبر 3106 میں سنن نسائی نمبر 3895 میں موجود ایک اور حدیث میں حضور جامع ترمذی موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ بہترین آدمی وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اور بھی بے شمار مثالیں ہیں۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ عورتوں کو اپنے آپ کو مردوں سے تشبیہ دینے کی فکر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی خواہش نہیں ہے۔ اس کے بجائے عورتوں کو تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اگر وہ اسے حاصل کر لیں تو وہ ہر اس مرد یا عورت سے افضل ہوں گی جو ان سے کم تقویٰ کا مالک ہو۔ یہ وہ معیار ہے جو الگ کرتا ہے کہ کون برتر ہے۔ اور اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ یہ صرف مردوں تک محدود نہیں ہے۔

تاریخ کے اوراق پلٹیں تو وہ عظیم خواتین مسلمان نظر آئیں گی جنہوں نے مرد اور عورت کے فرق پر بحث ومباحثہ کرنے کے بجائے اس اہم کام پر توجہ دی۔ اور اس کے نتیجے میں وہ مردوں اور عورتوں کی اکثریت سے بہتر ہو گئے۔ یہاں تک کہ اگر مسلمان عورتوں کو وہ تمام حقوق مل جائیں جن کا وہ خواب دیکھتی تھیں تب بھی یہ انہیں دوسروں پر اس وقت تک فضیلت نہیں دے سکتی جب تک کہ وہ تقویٰ اختیار نہ کر لیں یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جب کوئی خبر کو دیکھتا ہے اور جو اپنی مرضی کے مطابق برتاؤ کرتا ہے۔ اور یہ حقیقت اگلے جہان میں واضح ہو جائے گی۔ لہٰذا اگر کوئی مسلمان دوسروں پر برتری حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے تقویٰ کے ساتھ تلاش کرنا چاہیے نہ کہ بحث و تکرار میں۔

مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہ غزوہ احد کے اختتام پر احد کوہ کی طرف بحفاظت واپس چلے گئے تو غیر مسلموں کے سردار ابو سفیان نے انہیں پکار کر دریافت کیا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما قتل نہیں ہوئے تھے؟ ابو سفیان سمجھ گیا کہ اسلام کا تسلسل ان عظیم ہستیوں پر منحصر ہے۔ ابتدا میں، کسی نے بھی اس کا جواب نہیں دیا جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں خاموش رہنے کو کہا تھا۔ لیکن جب ابو سفیان نے اس واقعہ پر فخر کرنا شروع کیا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خاموش نہ رہ سکے اور اسے ڈانٹا۔ ابو سفیان نے پھر انہیں بتایا کہ ان کے سپاہیوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی لاشوں کو مسخ کر دیا تھا، اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا تھا لیکن ان کے اس عمل سے آپ کو برا نہیں لگا۔ ابو سفیان نے فخر کیا کہ یہ جنگ بدر کی جنگ کا بدلہ کیسے تھی، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ان سے غلطی ہوئی کیونکہ قتل ہونے والے غیر مسلم جہنم میں تھے جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنت میں تھے۔ روانگی سے پہلے ابو سفیان نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چیلنج کیا کہ اگلے سال بدر میں دوبارہ جنگ کریں، جسے بعد میں قبول کر لیا۔ غیر مسلم فوج کے جانے کے بعد علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو خفیہ معلومات اکٹھی کرنے اور اس بات کا اندازہ لگانے کے لیے بھیجا گیا کہ غیر مسلم فوج مکہ کی طرف جا رہی ہے یا مدینہ پر حملہ کرنے جا رہی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ مدینہ کی طرف روانہ ہوں گے تو وہ وہاں کوچ کریں گے اور ان سے جنگ کریں گے۔ لیکن علی رضی اللہ عنہ کے بعد، انہوں نے صورت حال کا اندازہ لگایا کہ وہ اپنے گھر مکہ جا رہے ہیں۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 281-282 میں بحث کی گئی ہے۔

زندگی میں ایک مسلمان کو ہمیشہ یا تو آسانی کے وقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا پھر مشکل کا۔ کوئی بھی شخص کچھ مشکلات کا سامنا کیے بغیر صرف آسانی کے اوقات کا تجربہ نہیں کرتا ہے۔ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اگرچہ تعریف کے اعتبار سے مشکلات کا مقابلہ کرنا مشکل ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حقیقی عظمت اور بندگی کو حاصل کرنے اور اس کے اظہار کا ذریعہ ہیں۔ اس کے علاوہ، زیادہ تر معاملات میں لوگ زندگی کے اہم اسباق سیکھتے ہیں جب انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور پھر جب وہ آسانی کے وقت کا سامنا کرتے ہیں۔ اور لوگ اکثر آسانی کے اوقات کے مقابلے مشکل کے وقت کا سامنا کرنے کے بعد بہتر کے لیے بدل جاتے ہیں۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے صرف اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت اگر کوئی قرآن پاک کا مطالعہ کرے تو وہ سمجھے گا کہ زیر بحث واقعات کی اکثریت مشکلات پر مشتمل ہے۔ یہ اس بات

کی نشاندہی کرتا ہے کہ حقیقی عظمت ہمیشہ آسانی کے اوقات کا تجربہ کرنے میں مضمر نہیں ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے مشکلات کا سامنا کرنا، اس کے احکام کو بجا لانا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا ہے۔ یہ اس حقیقت سے ثابت ہے کہ اسلامی تعلیمات میں جن بڑی مشکلوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک کا خاتمہ ان لوگوں کے لیے حتمی کامیابی پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ لہٰذا ایک مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنے کی فکر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ صرف ان کے لیے چمکنے کے لمحات ہیں اور سچی اطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی کا اعتراف کرتے ہیں۔ یہ دونوں جہانوں میں حتمی کامیابی کی کلید ہے۔

اس کے علاوہ اہم واقعہ یہ بھی بتاتا ہے کہ مشکلات کا سامنا کرتے وقت ہمت نہیں ہارنی چاہیے اور دنیاوی حالات سے ڈرے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے۔ جب تک اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، اس کی اطاعت پر ثابت قدم رہتا ہے، وہ کسی مشکل سے نہیں ڈرتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں اس پر قابو پانے کی طاقت فراہم کرتا ہے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں سکون قلب اور ثواب حاصل کریں۔ باب 65 میں طلاق، آیت 2:

''اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔''

لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ حمایت اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم اور حکمت کے مطابق ہوتی ہے نہ کہ لوگوں کی خواہشات اور منصوبوں کے مطابق۔ لہذا، یہ بہترین وقت اور بہترین طریقے سے ہوتا ہے اگرچہ یہ لوگوں پر واضح نہ ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

''لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

جبکہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا اور اس کی نافرمانی پر قائم رہتا ہے وہ یہ پائے گا کہ وہ دنیاوی مشکلات کے خوف میں رہتے ہیں اور انہیں ان پر قابو پانے کی طاقت فراہم نہیں کی جائے گی۔ اس سے ذہنی صحت کے مزید مسائل پیدا ہوں گے، جیسے ڈپریشن، مادے کی لت اور یہاں تک کہ خودکشی کے رجحانات، چاہے ان کے پاس دنیاوی آسائشیں ہوں اور ان سے لطف اندوز ہوں۔
باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

لہٰذا انسان کو اپنے لیے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے۔ اس اطاعت میں ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا شامل ہے جو ان کو عطا کی گئی ہیں جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

یہ سب قربان کرنا

غزوہ احد کے ختم ہونے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم احد کوہ سے اترے تاکہ اپنے ساتھیوں کی عیادت کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی خیریت دریافت کرو۔ بالآخر اس نے اسے فوجیوں کے درمیان پایا، اپنی آخری سانسوں میں، ستر سے زیادہ زخموں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ زید رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سلام پھیر کر ان سے آپ کا حال دریافت کیا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ وہ جنت کی خوشبو کو سونگھ سکتے ہیں۔ ان کے آخری الفاظ مدینہ سے آنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے لیے ایک انتباہی پیغام تھے۔ اس نے ان سے کہا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کے پاس کوئی عذر نہیں ہوگا اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے زندہ ہوتے ہوئے کوئی نقصان پہنچایا جائے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 282-283 میں بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ آج کے مسلمانوں سے ایسی قربانیوں کی توقع نہیں رکھتا اور نہ ہی اس کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس کے بجائے، وہ ان سے توقع کرتا ہے کہ وہ ان کے پاس موجود دنیوی نعمتوں کے حوالے سے چھوٹی قربانیاں دیں۔ باب 3 علی عمران، آیت 92:

’’تم ہرگز نیکی کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ تم اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے خرچ نہ کرو اور جو کچھ بھی خرچ کرو، اللہ اس کو جانتا ہے۔‘‘

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ کوئی شخص سچا مومن نہیں ہو سکتا، یعنی وہ اپنے ایمان میں نقص رکھتا ہے، جب تک کہ وہ اپنی پسند کی چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔ اگرچہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ اس آیت کا اطلاق دولت پر ہوتا ہے لیکن حقیقت میں اس کا مطلب بہت زیادہ ہے۔ اس میں ہر وہ نعمت شامل ہے جسے ایک مسلمان پسند اور پسند کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، مسلمان اپنے قیمتی وقت کو ان چیزوں پر صرف کرنے میں خوش ہوتے ہیں جو انہیں خوش کرتی ہیں۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ان فرضی فرائض

سے ہٹ کر وقت دینے سے انکار کرتے ہیں جو ایک دن میں بمشکل ایک یا دو گھنٹے لگتے ہیں۔ لاتعداد مسلمان ابھی تک مختلف خوشگوار سرگرمیوں میں اپنی جسمانی طاقت کو وقف کرنے پر خوش ہیں، ان میں سے بہت سے لوگ اسے ان چیزوں کے لیے وقف کرنے سے انکار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتی ہیں، جیسے کہ رضاکارانہ روزہ۔ عام طور پر لوگ ان چیزوں میں کوشش کرنے میں خوش ہوتے ہیں جن کی وہ خواہش کرتے ہیں جیسے کہ ضرورت سے زیادہ مال حاصل کرنا جس کی انہیں ضرورت نہیں ہے خواہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اوور ٹائم کرنا پڑے اور اپنی نیند ترک کرنا پڑے پھر بھی کتنے ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے بچتے ہوئے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں؟ کتنے لوگ نماز ادا کرنے کے لیے اپنی قیمتی نیند ترک کر دیتے ہیں؟

یہ عجیب بات ہے کہ مسلمان ابھی تک حلال دنیاوی اور دینی نعمتوں کے خواہاں ہیں، ایک سادہ سی حقیقت کو نظر انداز کرتے ہیں۔ کہ یہ چیزیں انہیں تب ہی حاصل ہوں گی جب وہ اپنے پاس موجود نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کریں گے۔ وہ کیسے کم سے کم چیزیں اس کے لیے وقف کر سکتے ہیں اور پھر بھی اپنے تمام خوابوں کو حاصل کرنے کی توقع رکھتے ہیں؟ یہ رویہ واقعی عجیب ہے۔

مزید برآں، زیر بحث اہم واقعہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے اپنے زبانی دعوے کی حمایت کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ رب العزت کو راضی کرنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع کے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے اپنے دعوے کو ثابت کیا۔ مسلمانوں سے یہ توقع نہیں کی جاتی ہے کہ وہ اس طرح اپنی زبانی محبت کا اظہار کریں بلکہ ان سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اطاعت کریں، ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہوئے، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ عمل کے بغیر محبت کا زبانی اعلان اسلام میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا اور کسی کو ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ اطاعت کے ساتھ اس کی حمایت کرنے میں ناکام رہے تو وہ اپنے ایمان اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جسے کے بغیر اس دنیا سے چلے جائیں گے۔ پھلنے پھولنے کے لیے اطاعت کے ساتھ پرورش پانا ضروری ہے۔ جس طرح ایک پودا جو سورج کی روشنی جیسی پرورش حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے وہ پھلنے پھولنے میں ناکام رہتا ہے اور وہ مر بھی سکتا ہے، اسی طرح جو شخص اس کی پرورش نہ کرے اس کا ایمان نہ پھلے پھولے گا اور اس کے مرنے کا شدید خطرہ ہے۔ یہ سب سے بڑا نقصان ہے۔

ایمان کی پکار پر لبیک کہنا

غزوہ احد کے ختم ہونے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم احد کوہ سے اترے تاکہ اپنے ساتھیوں کی عیادت کریں۔ صحابہ کرام کو حنظلہ ابن ابو عامر رضی اللہ عنہ کی لاش نہ مل سکی اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے مقام اور یہ حقیقت بتائی کہ ان کے جسم کو فرشتوں نے دھویا تھا۔ عام طور پر کسی شہید کے جسد خاکی کو تدفین سے پہلے غسل نہیں دیا جاتا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اپنی بیوی سے اس کا حال پوچھو۔ مدینہ واپس آنے کے بعد، انہوں نے ان کی بیوی سے پوچھا، جس نے انہیں بتایا کہ حنظلہ رضی اللہ عنہ نے ابھی ابھی اس سے شادی کی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے سے پہلے، جنگ احد میں سپاہیوں کو بلانے سے پہلے اس سے ڈرایا جاتا تھا۔ اگرچہ اس پر غسل کرنا واجب تھا لیکن ایسا کرنے سے وہ سپاہیوں میں شامل ہونے اور کال کا فوراً جواب دینے سے محروم رہ جاتا۔ چنانچہ اس نے اپنے غسل میں تاخیر کی اور سپاہیوں میں شامل ہو کر احد کی طرف کوچ کیا جہاں وہ شہید ہو گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کی اطاعت کے نتیجے میں فرشتوں نے آپ کی تدفین سے پہلے آپ کے جسم کو غسل دیا۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 284-285 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر دیکھا جائے تو وقت ختم ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کی طرف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پکار پر لبیک کہنا چاہیے۔ باب 8 انفال، آیت 24:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ اور رسول کی بات مانو جب وہ تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشتی ہے۔"

صور پھونکا مخلوق کی موت کا باعث بنے گا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 7381 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ جاننے کی اہم بات یہ ہے کہ یہ ایک ایسی اذان ہے جس کا جواب نہ کوئی دے سکتا ہے اور نہ ہی رد کرے گا۔ یہ قیامت اور آخری فیصلے کی طرف لے جائے گا۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پکار پر لبیک کہنے کے لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے، اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لاتے ہوئے، اس کی ممنوعات سے

اجتناب کرتے ہوئے اور تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر سے کام لیں۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کریں گے جو انہیں عطا کی گئی ہیں اور ہر چیز اور ہر ایک کو صحیح طریقے سے اپنی زندگی میں جگہ دیں گے جبکہ قیامت کے دن اپنے احتساب کے لیے مناسب تیاری کریں گے۔ یہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنے گا۔ اس کے علاوہ، جو بھی اس دنیا میں اس پکار کا جواب دے گا، اسے آخری کال برداشت کرنا اور اس کا جواب دینا آسان ہوگا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی پکار سے غافل رہنے والے کو اس دنیا میں سکون نہیں ملے گا اور وہ صور کی پکار پر لبیک کہنے پر مجبور ہوں گے جس کو برداشت کرنا اور اس پر لبیک کہنا ان کے لیے بہت بڑا بوجھ ہوگا۔ ایک شخص اللہ تعالیٰ کی پکار کو صرف اس وقت تک نظر انداز کر سکتا ہے جب تک کہ آخری دعوت جلد یا بدیر واقع ہو گی اور کوئی بھی اس سے بچنے یا نظر انداز نہیں کر سکے گا۔ اگر یہ ناگزیر ہے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ کوئی غفلت میں رہنے کے بجائے آج ہی اس کا جواب دے۔ اگر کوئی صور پھونکنے کی آواز سنتا ہے اور غافل ہوتا ہے تو کوئی عمل یا پشیمانی اس کو فائدہ نہیں دے گی اور اس کے بعد جو کچھ آئے گا وہ اس سے بھی زیادہ خوفناک ہوگا۔

تھوڑے سے بہت کچھ

غزوہ احد کے ختم ہونے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم احد کوہ سے اترے تاکہ اپنے ساتھیوں کی عیادت کریں۔ انہوں نے اسیرم عمرو بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اپنی آخری سانسوں میں پایا۔ وہ اسے دیکھ کر حیران رہ گئے کیونکہ وہ مدینہ میں رہنے والے چند مشرکوں میں سے تھے جنہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ درحقیقت جب وہ مدینہ کے سفر سے واپس آیا تو اسے خالی پایا۔ جب اس نے وہاں کے لوگوں سے سوال کیا تو اسے بتایا گیا کہ انہوں نے مکہ کے غیر مسلموں کے خلاف جنگ کے لیے احد کی طرف کوچ کیا تھا۔ اس مقام پر اس نے اسلام قبول کیا اور احد کی طرف روانہ ہوئے جہاں اس نے غیر مسلموں کے خلاف سخت جنگ کی یہاں تک کہ وہ جان لیوا زخمی ہوگئے۔ آپ نے اپنی آخری سانسوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ میں نے اسلام قبول کیا اور پھر وفات پائی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی تصدیق کی کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں اور فرمایا کہ انہوں نے تھوڑے سے کام سے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنا قصہ بیان کرتے اور مزید کہتے کہ یہ وہ شخص تھا جو ایک نماز ادا کیے بغیر جنت میں داخل ہوا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1150-1151 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ باب 47 محمد، آیت 7 سے مربوط ہے :

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم اللہ کا ساتھ دو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمائے گا۔"

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اسلام کی مدد کرے گا تو اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں ان کی مدد کرے گا۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ بے شمار لوگ اللہ تعالیٰ کی مدد کے خواہاں ہیں، لیکن اس آیت کے پہلے حصے کو اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب

اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر کے پورا نہیں کرتے۔ اکثر لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ان کے پاس اعمال صالحہ کے لیے وقت نہیں ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے خواہاں ہیں، پھر بھی ان کاموں کے لیے وقت نہیں نکالیں گے جن سے وہ خوش ہے۔ کیا یہ معنی رکھتا ہے؟ جو لوگ فریضہ ادا نہیں کرتے اور پھر ضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ سے مدد کی امید رکھتے ہیں وہ بالکل بے وقوف ہیں۔ اور جو لوگ واجبات کو پورا کرتے ہیں لیکن ان سے آگے جانے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ انہیں ملنے والی امداد محدود ہے۔ کس طرح برتاؤ کیا جاتا ہے اس کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے۔ جتنا زیادہ وقت اور توانائی اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہوگی، انہیں اتنی ہی زیادہ مدد ملے گی۔ یہ واقعی اتنا آسان ہے۔

،ایک مسلمان کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ زیادہ تر واجبات، جیسے کہ پانچ وقت کی نمازیں صرف ایک دن میں تھوڑا سا وقت لیتی ہیں۔ ایک مسلمان یہ توقع نہیں کر سکتا کہ وہ دن میں بمشکل ایک گھنٹہ فرض نماز کی ادائیگی کے لیے وقف کرے اور پھر باقی دن اللہ تعالیٰ سے غافل رہے اور پھر بھی تمام مشکلات میں اس سے مسلسل مدد کی امید رکھے۔ ایک شخص اس دوست کو ناپسند کرے گا جو اس کے ساتھ ایسا سلوک کرے۔ تو پھر اللہ رب العالمین کے ساتھ ایسا سلوک کیسے ہو سکتا ہے؟

کچھ لوگ صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اضافی وقت صرف کرتے ہیں، جب انہیں کوئی دنیوی مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو اس سے اس کو حل کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں گویا انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ایک احسان رضاکارانہ طور پر کیا ہے۔ یہ احمقانہ ذہنیت واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی بندگی کے خلاف ہے۔ یہ حیرت انگیز ہے کہ اس قسم کے لوگ اپنی تمام تفریحی سرگرمیاں، جیسے کہ خاندان اور دوستوں کے ساتھ وقت گزارنے، ٹی وی دیکھنا اور سماجی تقریبات میں شرکت کے لیے کیسے وقت نکالتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے وقت نہیں نکال پاتے۔ وہ قرآن پاک کی تلاوت اور اس کی تعلیمات کو اپنانے کے لیے وقت نہیں نکال پاتے۔ انہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطالعہ اور ان پر عمل کرنے کا وقت نظر نہیں آتا۔ یہ لوگ کسی نہ کسی طرح اپنی غیر ضروری آسائشوں پر خرچ کرنے کے لیے دولت تلاش کرتے ہیں لیکن ایسا لگتا ہے کہ انہیں رضاکارانہ خیرات میں دینے کے لیے کوئی دولت نہیں ملتی۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ اس کے برتاؤ کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اضافی وقت لگاتا ہے، تو اسے وہ

سہارا مل جائے گا جس کی انہیں تمام مشکلات سے باحفاظت سفر کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن اگر وہ واجبات کو پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کوئی دوسرا وقت صرف کیے بغیر صرف ان کو پورا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ایسا ہی جواب ملے گا۔ سیدھے الفاظ میں، جتنا زیادہ دیتا ہے، وہ اتنا ہی زیادہ وصول کرے گا۔ اگر کوئی زیادہ نہیں دیتا تو اسے بدلے میں زیادہ امید نہیں رکھنی چاہئے۔

غصے پر حکم

غزوہ احد کے ختم ہونے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم احد کوہ سے اترے تاکہ اپنے ساتھیوں کی عیادت کریں۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کی مسخ شدہ لاشیں دیکھی، خاص طور پر اپنے چچا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی لاش دیکھی تو آپ غصے میں آگئے اور فرمایا کہ اگلی بار جب وہ غیر مسلموں پر فتح حاصل کریں گے تو ان کا بدلہ ان سے مسخ کر کے لیں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اسی طرح کی باتیں کیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں سورہ النحل آیت 126 نازل فرمائی:

”اگر تم بدلہ لو تو اس کے برابر ہو جو تم نے برداشت کی ہے لیکن اگر تم صبر کرو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔“

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا تبصرہ واپس لے لیا اور پھر ہمیشہ واضح طور پر ہر فوج کو دشمن کے سپاہیوں کو مسخ کرنے سے منع فرمایا۔ اس پر امام محمد السلّابی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی، جلد 1، صفحہ 1160-1161 میں بحث کی گئی ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رد عمل اس حقیقت کو بڑھاتا ہے کہ وہ ایک انسان ہیں نہ کہ کوئی فرشتہ صفت۔ اس خصوصیت کو قرآن پاک میں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی میں متعدد بار اجاگر کیا گیا ہے ، تاکہ لوگ آپ سے رشتہ جوڑ سکیں، جیسا کہ آپ نے محسوس کیا، جیسا کہ وہ محسوس کرتے ہیں، آپ نے جو تجربہ کیا، جیسا کہ غصہ۔ باب 18 الکہف، آیت 110:

‘‘...کہہ دو کہ میں تم جیسا ایک آدمی ہوں جس پر وحی کی گئی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے’’

ایک رول ماڈل جس سے لوگ تعلق نہیں رکھ سکتے وہ اچھا رول ماڈل نہیں ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کامل نمونہ ہیں کیونکہ وہ انسان ہیں اور وہ محسوس کرتے ہیں جو دوسرے تمام انسان محسوس کرتے ہیں پھر بھی اسلام اور اعلیٰ کردار کی حدود میں رہتے ہوئے خود کو قابو میں رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ واقعہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی وہ صحیح طرز عمل کی حد سے تجاوز کرے تو اپنے قول و فعل کو درست کرنے میں جلدی کرے کیونکہ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ صحیح راستے پر ثابت قدم رہیں جس سے ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

دوم، زیر بحث اہم واقعہ غصے پر قابو پانے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6116 کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو غصہ نہ کرنے کی نصیحت کی۔

درحقیقت اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی کبھی غصہ نہ کرے کیونکہ غصہ ایک فطری صفت ہے جو کہ انبیاء کرام علیہم السلام میں بھی پائی جاتی ہے۔ درحقیقت، بعض غیر معمولی معاملات میں غصہ مفید ہو سکتا ہے جیسے کہ اپنے دفاع میں۔ اس حدیث کا اصل مطلب یہ ہے کہ انسان کو اپنے غصے پر قابو رکھنا چاہیے تاکہ یہ اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف نہ لے جائے، جس کا عملی مظاہرہ انبیاء علیہم السلام نے کیا ہے۔

اس کے علاوہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غصہ بہت سی برائیوں کو جنم دیتا ہے اور اس پر قابو رکھنا بہت سی بھلائیوں کا باعث بنتا ہے۔

سب سے پہلے یہ نصیحت ان تمام اچھی خصوصیات کو اپنانے کا حکم ہے جو غصے پر قابو پانے کی ترغیب دیں، جیسے صبر۔

یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ آدمی اپنے غصے کے مطابق کام نہ کرے۔ اس کے بجائے، انہیں اس پر قابو پانے کے لئے اپنے آپ سے جدوجہد کرنی چاہئے تاکہ یہ انہیں گناہوں کی طرف نہ لے جائے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے غصے پر قابو پانا ایک عظیم عمل ہے اور محبت الٰہی کی طرف لے جاتا ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 134:

’’جو غصے کو روکتے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے‘‘۔

اسلام کے اندر بہت سی تعلیمات ہیں جو مسلمانوں کو اپنے غصے پر قابو پانے کی ترغیب دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر غصہ شیطان سے منسلک اور متاثر ہوتا ہے، صحیح بخاری نمبر 3282 میں موجود ایک حدیث میں یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ غصہ کرنے والے کو شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے۔

جامع ترمذی نمبر 2191 میں موجود حدیث میں ناراض مسلمان کو زمین سے چمٹنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ جب تک وہ پرسکون نہ ہو جائیں زمین پر سجدہ کریں۔ درحقیقت جتنا زیادہ کوئی غیر فعال جسمانی پوزیشن لیتا ہے، اتنا ہی کم موقع ہوتا ہے کہ وہ غصے میں مارے

گا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4782 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس نصیحت پر عمل کرنے سے انسان اپنے غصے کو اپنے اندر قید کر لیتا ہے یہاں تک کہ وہ گزر جاتا ہے تاکہ دوسروں پر اس کا منفی اثر نہ پڑے۔

ایک مسلمان جو غصے میں ہو اسے سنن ابوداؤد نمبر 4784 میں موجود حدیث میں دی گئی نصیحت پر عمل کرنا چاہیے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناراض مسلمان کو وضو کرنے کی نصیحت کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی غصے کی فطری خصوصیت یعنی گرمی کا مقابلہ کرتا ہے۔ اگر کوئی اس کے بعد نماز پڑھتا ہے تو اس سے انہیں اپنے غصے پر مزید قابو پانے میں مدد ملے گی اور ایک عظیم اجر ملے گا۔

اب تک زیر بحث مشورے سے ناراض مسلمان کو اپنے جسمانی حرکات پر قابو پانے میں مدد ملتی ہے۔ ،اپنی بات پر قابو پانے کے لیے غصے کی حالت میں بولنے سے گریز کرنا ہی بہتر ہے۔ بدقسمتی سے الفاظ اکثر جسمانی اعمال کے مقابلے میں دوسروں پر زیادہ دیرپا اثر ڈال سکتے ہیں۔ غصے میں کہے گئے الفاظ کی وجہ سے لاتعداد رشتے ٹوٹ چکے ہیں اور ٹوٹ چکے ہیں۔ یہ رویہ اکثر دوسرے گناہوں اور جرائم کی طرف بھی جاتا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے سنن ابن ماجہ نمبر 3970 میں موجود حدیث کو نوٹ کرنا ضروری ہے، جس میں متنبہ کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن کسی شخص کو جہنم میں ڈالنے کے لیے صرف ایک برے لفظ کی ضرورت ہے۔

غصے پر قابو پانا ایک بہت بڑی نیکی ہے اور اس پر قابو پانے والے کو صحیح بخاری نمبر 6114 کی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مضبوط انسان قرار دیا ہے، درحقیقت وہ جو اپنے غصے کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نگل جاتا ہے، یعنی ان کے دل میں سچے جذبے اور اطمینان کی وجہ سے اطمینان نہیں ہوتا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4778 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ یہ صحیح دل کی ایک خصوصیت ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔ یہ واحد دل ہے جسے قیامت کے دن حفاظت ملے گی۔ باب 26 اشعرا، آیات 88-89:

"جس دن مال و اولاد کسی کے کام نہیں آئے گی، مگر وہ جو اللہ کے پاس سچے دل کے ساتھ آئے۔"

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، حد کے اندر غصہ مفید ہو سکتا ہے۔ اسے اپنے نفس، ایمان اور مال کو پہنچنے والے نقصان کو دور کرنے کے لیے استعمال کیا جانا چاہیے جو کہ اگر صحیح طریقے سے کیا جائے تو اسلام کی تعلیمات کے مطابق اللہ تعالیٰ کے غضب میں شمار ہوتا ہے۔ یہ حال تھا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو اپنی خواہشات کی خاطر کبھی ناراض نہیں ہوئے۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ناراض ہوا جس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6050 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت قرآن کریم تھی جس کی نصیحت صحیح مسلم نمبر 1739 میں موجود حدیث میں آئی ہے، اس کا مطلب ہے کہ وہ جس چیز پر راضی ہوتا اس پر راضی ہوتا اور جس چیز پر راضی ہوتا اس سے ناراض ہوتا۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی خاطر بغض رکھنا، ایمان کی تکمیل کا ایک پہلو ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ نفرت کی جڑ غصہ ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام غصے کو ختم کرنے کا حکم نہیں دیتا، کیونکہ اس کا حصول حقیقتاً ممکن نہیں ہے، بلکہ یہ اسے اسلام کی حدود میں قابو کرنے کا درس دیتا ہے۔

غور طلب ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے غصہ کرنا قابل تعریف ہے لیکن اگر یہ غصہ حد سے بڑھ جائے تو وہ قابلِ ملامت ہے۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنے غصے پر قابو رکھنا انتہائی ضروری ہے خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی خاطر غصہ میں ہی کیوں نہ ہو۔ سنن ابو داؤد نمبر 4901 میں موجود ایک حدیث ایک ایسے نمازی کو خبردار کرتی ہے جو غصے میں اللہ تعالیٰ کا دعویٰ کرتا ہے کہ وہ کسی خاص گنہگار کو معاف نہیں کرے گا۔ اس کے نتیجے میں اس نمازی کو جہنم میں بھیج دیا جائے گا جبکہ گناہ گار کو قیامت کے دن معاف کر دیا جائے گا۔

برائی کی ابتداء چار چیزوں سے ہوتی ہے :خواہش پر قابو نہ پانا، خوف، بُری بھوک اور غصہ۔ لہٰذا جو شخص اس حدیث کی نصیحت کو قبول کرے گا اس کے کردار اور زندگی سے ایک چوتھائی برائی دور ہو جائے گی۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، مسلمانوں کے لیے اپنے غصے کو قابو میں رکھنا بہت ضروری ہے، اس لیے یہ ان کے لیے ایسی حرکت یا بات کرنے کا سبب نہ بنے جس سے انھیں دنیا اور آخرت دونوں میں بڑی پشیمانی کا سامنا کرنا پڑے۔

ایک عہد پورا ہوا۔

غزوہ احد کے ختم ہونے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم احد کوہ سے اترے تاکہ اپنے ساتھیوں کی عیادت کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک شہید صحابی مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے اور آپ نے باب 33 الاحزاب آیت 23 کی تلاوت فرمائی:

"مومنوں میں سے لوگ سچے ہیں جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا، ان میں سے وہ ہے جس نے اپنی نذر پوری کر دی ہے اور ان میں سے وہ ہے جو انتظار کر رہا ہے، اور انہوں نے کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی۔"

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 62 میں بحث کی گئی ہے۔

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس اونی چادر کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ تدفین کے دوران جب آپ کے سر کو چادر سے ڈھانپ دیا گیا تو ان کے پاؤں کھلے ہوئے تھے اور جب آپ کے پاؤں اونی چادر سے ڈھانپے گئے تو ان کا سر کھلا چھوڑ دیا گیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کے سر کو اونی چادر سے ڈھانپ لیا جائے اور پاؤں کو ڈھانپنے کے لیے گھاس کا استعمال کیا جائے۔ حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب حیاتِ نبوی جلد 3 صفحہ 46 اور امام صفی الرحمن کی کتاب مہربند نیکٹر صفحہ 285 میں بحث کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ اس جنگ کے دوران حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا۔ وحشی بن حرب ایک غیر مسلم جبیر بن مطعم کا غلام تھا۔ جبیر نے جنگ احد میں حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے پر وحشی کو آزاد کرنے کا وعدہ کیا۔ جنگ کے دوران وحشی نے حمزہ رضی اللہ عنہ پر چپکے سے حملہ کیا اور دور سے ان پر ایک نیزہ برسایا جس سے ان کے پیٹ میں سوراخ ہو

گیا اور آخرکار اسے قتل کر دیا۔ اس پر امام صفی الرحمٰن کی کتاب مہربند نیکٹر صفحہ 261 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر دیکھا جائے تو یہ واقعہ اس بات کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب اس نے اسلام کو اپنا مذہب قبول کیا تو ہر حال میں خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا وعدہ پورا کرنا ہے۔ اس اطاعت میں اس نعمت کو استعمال کرنا شامل ہے جو صحیح طور پر عطا کی گئی ہے جیسا کہ قرآن کریم اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان ہونا ایمان کے زبانی اعلان سے بالاتر ہے اور اس میں عملی طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت شامل ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے اپنے وعدے کو پورا کرنے میں ناکام رہتا ہے، اسے وہ ذہنی سکون اور کامیابی حاصل نہیں ہوگی جس کا اللہ تعالیٰ نے سچے دل سے اطاعت کرنے والوں سے وعدہ کیا ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 139:

پس تم کمزور نہ ہو اور غم نہ کرو اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو‘‘۔’’

اس کے علاوہ، اس شخص سے اپنے وعدے کی خلاف ورزی کرنے پر قیامت کے دن جوابدہ ہو گا۔ قیامت کے دن اس شخص کے ساتھ کیا ہو گا اس کا تعین کرنے کے لیے عالم ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

قرآنی علم

غزوہ احد کے ختم ہونے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم احد کوہ سے اترے تاکہ اپنے ساتھیوں کی عیادت کریں۔ محدود سامان کی وجہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی تدفین کے وقت دو شہید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کپڑے کا ایک ٹکڑا رکھ دیتے تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ جس کے پاس قرآن پاک کا زیادہ علم ہو اسے پہلے قبر میں رکھا جائے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 56-57 میں بحث ہوئی ہے اور صحیح بخاری نمبر 1343 میں موجود حدیث میں درج ہے۔

یہ واقعہ قرآن کریم کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ یہی وہ چیز تھی جس نے ایک صحابی کو دوسرے صحابی پر فضیلت دی۔

امام منذری کی بیداری اور اندیشہ نمبر 30 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قرآن کریم قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس کی پیروی کرتے ہیں وہ قیامت کے دن اس کے ذریعہ جنت میں لے جائیں گے۔ لیکن جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس کو نظرانداز کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ یہ انہیں قیامت کے دن جہنم میں دھکیل دے گا۔

قرآن پاک ہدایت کی کتاب ہے۔ یہ محض تلاوت کی کتاب نہیں ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک کے تمام پہلوؤں کو پورا کرنے کی کوشش کریں تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ یہ دونوں جہانوں میں کامیابی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ پہلا پہلو اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اسے کسی معتبر عالم کے ذریعے سمجھ لیا جائے۔ اور آخری پہلو یہ ہے کہ اس کی تعلیمات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کیا جائے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ قرآن پاک پر صحیح طریقے سے عمل کریں، جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی، قرآن پاک کا عملی نفاذ ہے۔ ایسا سلوک کرنے والوں کو دنیا کی ہر مشکل سے راہنمائی اور قیامت کے دن اس کی شفاعت کی بشارت دی جاتی ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

لیکن جیسا کہ مرکزی حدیث سے متنبہ کیا گیا ہے کہ قرآن کریم صرف ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو اس کے پہلوؤں پر صحیح طریقے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے سے گریز کرتے ہیں یا جان بوجھ کر اس کی غلط تشریح کرتے ہیں اور بجائے اپنی خواہشات کے مطابق عمل کرتے ہیں وہ قیامت کے دن اس صحیح ہدایت اور اس کی شفاعت سے محروم رہیں گے۔ درحقیقت دونوں جہانوں میں ان کا مکمل نقصان اس وقت تک بڑھے گا جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں۔ باب 20 طہٰ، آیت 124:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔"

آخر میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ قرآن پاک اگرچہ دنیاوی مسائل کا علاج ہے لیکن مسلمان کو صرف اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ یعنی قرآن کریم کو ایک آلے کی طرح سمجھ کر نہ صرف اس کی تلاوت کریں تاکہ وہ اپنے دنیوی مسائل کو حل کر سکیں، جسے مشکل کے وقت دور کیا جاتا ہے اور پھر مسئلہ حل ہونے پر اسے دوبارہ ٹول باکس میں رکھ دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کا بنیادی کام دنیا کی مشکلات میں رہنمائی کرنا ہے تاکہ آخرت میں محفوظ طریقے سے پہنچ سکے۔ یہ مقصد قرآن کریم کو سمجھے اور اس پر عمل کیے بغیر پورا ہونا ممکن نہیں۔ اندھی تلاوت ہی کافی نہیں ہے۔ اس اہم کام کو نظر انداز کرنا اور اسے صرف اپنے دنیوی مسائل کے حل کے لیے استعمال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ ایک سچے مسلمان کے طرز عمل کے خلاف ہے۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جو بہت سے مختلف لوازمات کے ساتھ کار خریدتا ہے لیکن اسے نہیں چلایا جا سکتا، جو کہ کار کا بنیادی مقصد ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شخص محض بے وقوف ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 82:

"اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔"

جب دوسرے روانہ ہوتے ہیں۔

غزوہ احد کے ختم ہونے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم احد کوہ سے اترے تاکہ اپنے ساتھیوں کی عیادت کریں۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے غم کو دیکھ کر، جن کے والد جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ کہہ کر خوش کیا کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی پردے کے پیچھے سے کسی شخص سے بات کی، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والد سے آمنے سامنے بات کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے والد سے کہا کہ وہ مجھ سے کچھ مانگیں۔ ان کے والد عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں چاہتا ہوں کہ دنیا میں واپس آکر اس کی راہ میں جہاد کروں اور دوبارہ قتل کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے پھر اسے یاد دلایا کہ اس نے پہلے ہی فیصلہ کر دیا تھا کہ ان کے مرنے کے بعد زمین پر کوئی واپس نہیں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بجائے باب 3 علی عمران آیت 169 نازل فرما کر لوگوں کو اپنے والد کی حالت اور دیگر شہداء کی حالت سے آگاہ کیا:

"اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے انہیں کبھی مردہ نہ سمجھو، بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، رزق پا رہے ہیں۔"

اس پر ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 61 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر، یہ واقعہ لوگوں کے نقصان سے مثبت طور پر نمٹنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

ہر روز لوگ اپنے پیاروں کو کھو دیتے ہیں۔ یہ ایک ناگزیر نتیجہ ہے۔ ایک مسلمان بہت سی چیزوں کو یاد رکھ سکتا ہے اور ان پر عمل کر سکتا ہے جو اس مشکل میں اس کی مدد کر سکتی ہیں۔ ایک بات یہ ہے کہ حالات کا مثبت انداز میں مشاہدہ کیا جائے۔ یعنی جو کچھ کھویا ہے اس پر غمگین ہونے کے بجائے انہیں ان اچھی چیزوں پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے جو اس نے جانے والے کے ذریعے حاصل کی ہیں، جیسے کہ ان کی اچھی نصیحت اور رہنمائی۔ جب کوئی اس پر

غور کرے گا تو وہ سمجھے گا کہ اس شخص کو کھونے سے پہلے اسے بالکل نہ جاننے کے بجائے اسے جان لینا بہتر تھا۔ یہ بیان سے ملتا جلتا ہے، محبت نہ کرنے سے بہتر ہے کہ پیار کیا جائے اور کھو دیا جائے۔ اگرچہ زیادہ تر معاملات میں، اس بیان کو سیاق و سباق سے ہٹ کر اور غلط استعمال کیا جاتا ہے لیکن جب اس طرح استعمال کیا جائے تو یہ درست اور مددگار ثابت ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ جو مسلمان بلا شبہ آخرت پر یقین رکھتا ہے اسے ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ لوگ اس دنیا میں صرف ایک دوسرے کو چھوڑنے کے لیے نہیں ملتے۔ لیکن اس کے بجائے وہ صرف اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تاکہ اگلے جہان میں دوبارہ مل سکیں۔ یہ رویہ ایسی مشکل کے دوران مریض کو باقی رکھنے میں مدد دے سکتا ہے۔ اور اس سے انہیں یہ ترغیب دینی چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کریں، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرتے ہوئے تاکہ وہ اپنے پیارے سے ہمیشہ کے لیے جنت کے باغوں میں اپنی آخری آرام گاہ میں مل سکیں۔

مثبت رویہ

جنگ احد کے بعد جب مسلمانوں کی فوج مدینہ واپس آئی تو ایک عورت کو بتایا گیا کہ اس کا شوہر، باپ اور بھائی احد میں شہید ہو چکے ہیں۔ اس کا جواب صرف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خیریت کے بارے میں تھا۔ جب اسے بتایا گیا کہ وہ زندہ ہے تو اس نے اصرار کیا کہ وہ اسے اپنے پاس لے جائیں تاکہ وہ خود دیکھ سکے۔ جب انہوں نے یہ کیا، تو اس نے تبصرہ کیا کہ جب تک وہ محفوظ تھا تمام بدقسمتی کچھ بھی نہیں تھی۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 287 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ مثبت سوچ اپنائیں کیونکہ یہ مشکلات سے نمٹنے کے لیے ان کی مدد کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہیں۔ جب بھی کسی شخص کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اسے ہمیشہ ایک سچائی کو سمجھنا چاہیے کہ مشکل اس سے کہیں زیادہ خراب ہو سکتی تھی۔ اگر یہ دنیاوی مسئلہ تھا تو انہیں شکر گزار ہونا چاہئے کہ یہ ان کے ایمان کو متاثر کرنے والی مصیبت نہیں تھی۔ مشکل کے ساتھ آنے والے فوری غم پر غور کرنے کے بجائے انہیں انجام اور اس انعام پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صبر کا مظاہرہ کرنے والوں کے لیے منتظر ہے۔ جب کوئی شخص چند نعمتوں سے محروم ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ ان گنت نعمتوں کا ذکر کرے جو اس کے پاس موجود ہیں۔ ہر مشکل میں ایک مسلمان کو قرآن کریم کی آیت یاد رکھنی چاہیے جو مسلمانوں کو یاد دلاتی ہے کہ مشکلات اور آزمائشوں میں بہت سی پوشیدہ حکمتیں ہیں جن کا اس نے مشاہدہ نہیں کیا۔ لہٰذا وہ جس صورتحال کا سامنا کر رہے ہیں وہ اس صورتحال سے بہتر ہے جس کی ان کی خواہش تھی۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

”لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

آخر میں، ایک مسلمان کو ان حقائق اور دیگر چیزوں پر غور کرنا چاہیے تاکہ وہ ایک مثبت سوچ اپنائے جو مشکلات سے اس طرح نمٹنے کے لیے کلیدی عنصر ہے جو دونوں جہانوں میں بے شمار نعمتوں کا باعث ہے۔ یاد رکھیں، کپ آدھا خالی نہیں ہے بلکہ آدھا بھرا ہوا ہے۔

غم کے اوقات

جنگ احد کے بعد جب مسلمانوں کی فوج مدینہ واپس آئی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کو اپنے گرے ہوئے رشتہ داروں کے لیے ماتم کرتے سنا۔ وہ غمگین ہو گئے کیونکہ ان کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے لیے کوئی ماتم کرنے والا نہیں تھا جو جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے کبھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا، اتنا رویا جتنا کہ حمزہ رضی اللہ عنہ کی مسخ شدہ لاش دیکھ کر رویا۔ پھر ان عورتوں کو ان کے مرد رشتہ داروں نے حمزہ رضی اللہ عنہ کے لیے ماتم کرنے کو کہا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی لیکن جواب دیا کہ میں یہ نہیں چاہتا اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ رونا پسند نہیں کرتے۔ اس کے بعد رونے سے منع فرمایا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرتِ نبوی، جلد 3، صفحہ 66-67 اور امام صفی الرحمن کی، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 285 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 3127 میں ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نوحہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

بدقسمتی سے، کچھ کا خیال ہے کہ مشکل کے وقت رونے کی اجازت نہیں ہے، جیسے کہ کسی عزیز کو کھونا۔ یہ غلط ہے کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کئی موقعوں پر جب کسی کا انتقال ہوا تو روئے تھے۔ مثال کے طور پر جب ان کے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو وہ رو پڑے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 3126 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

درحقیقت کسی کی موت پر رونا رحمت کی نشانی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں جگہ دی ہے۔ اور صرف وہی لوگ جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں اللہ کی طرف سے رحم کیا جائے گا .صحیح بخاری نمبر 1284 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ اسی حدیث میں واضح طور پر ذکر ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے نواسے پر روئے جو فوت ہو گیا۔

صحیح مسلم نمبر 2137 میں موجود ایک حدیث میں بتایا گیا ہے کہ کسی شخص کو کسی کی موت پر رونے یا اپنے دل میں ہونے والے غم پر عذاب نہیں دیا جائے گا۔ لیکن ان کو سزا کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب کے بارے میں اپنی بے صبری کا اظہار کرتے ہوئے الفاظ بولیں۔

واضح رہے کہ دل میں غم محسوس کرنا یا آنسو بہانا اسلام میں منع نہیں ہے۔ جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے وہ ہیں رونا، قول و فعل سے بے صبری کا اظہار کرنا، جیسے کپڑے پھاڑنا یا غم میں سر منڈوانا۔ اس طرح کام کرنے والوں کے خلاف سخت وارننگ دی گئی ہے۔ اس لیے ان کاموں سے ہر حال میں اجتناب کرنا چاہیے۔ اس طرح کے کام کرنے پر نہ صرف کسی شخص کو سزا کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے بلکہ اگر میت نے مرنے کے وقت دوسروں کو اس طرح کا عمل کرنے کا حکم دیا تو وہ بھی جوابدہ ہوں گے۔ لیکن اگر مرحوم نے یہ خواہش نہ کی ہو تو وہ کسی قسم کے احتساب سے پاک ہیں۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1006 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ سمجھنا عام فہم ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی دوسرے کے فعل کی وجہ سے عذاب نہیں دے گا جب کہ پہلے نے اسے اس طرح عمل کرنے کی نصیحت نہیں کی۔ باب 35 فاطر، آیت 18:

"...اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا"

مشکلات میں اطاعت

جنگ احد کے بعد جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ مدینہ واپس آئے تو انہیں معلوم ہوا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنما اسلام کو مٹانے کے لیے واپس مدینہ کی طرف کوچ کرنے پر غور کر رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے سخت زخموں اور تھکے ہوئے جسموں کے باوجود غیر مسلموں کے تعاقب میں نکلنے کا حکم دیا۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا مثبت جواب دیا تو اللہ تعالیٰ نے باب 3 آل عمران آیت 172 نازل فرمائی:

’’وہ لوگ جنہوں نے اللہ اور رسول کی بات مانی اس کے بعد کہ انہیں تکلیف پہنچی، ان میں سے جنہوں نے نیکی کی اور اللہ سے ڈرتے رہے ان کے لیے بڑا اجر ہے۔‘‘

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 67-68 میں بحث کی گئی ہے۔

معبد ابن ابو معبد نامی ایک شخص نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے لشکر سے ملاقات کی اور تعزیت اور خدمات پیش کیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ غیر مسلم لشکر تک پہنچو اور انہیں مدینہ پر حملہ کرنے سے روک دو۔ بالآخر وہ غیر مسلم فوج کے پاس پہنچا اور انہیں تنبیہ کی کہ مدینہ پر حملہ نہ کریں کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مضبوط لشکر جمع کیا تھا جو تلخ انجام تک لڑنے کے لیے تیار تھے۔ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ان غیر مسلموں کے دلوں میں خوف پیدا کر دیا جنہوں نے مکہ واپس جانے کا فیصلہ کیا، حالانکہ ان کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے اور مدینہ سے آگے تجارت کی جڑ کو محفوظ کرنے کے ان کے بنیادی مقاصد ناکام ہو گئے تھے۔ باب 3 علی عمران، آیت 151:

ہم کافروں کے دلوں میں ان چیزوں کی وجہ سے دہشت ڈال دیں گے جو انہوں نے اللہ کے ساتھ" شریک کیے ہیں جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور ان کا ٹھکانا آگ ہے اور ظالموں کا "بہت برا ٹھکانہ ہے۔

غیر مسلم رہنما ابو سفیان نے تجارتی کارواں کے ذریعے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغام بھیجا کہ غیر مسلم فوج نے مزید حمایت حاصل کر لی ہے اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے تیار ہیں۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ یہ غلط معلومات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کا تعاقب کرنے سے روک دے گی۔ اس کا منصوبہ ناکام ہو گیا، کیونکہ انہوں نے ان کا تعاقب کیا لیکن غیر مسلم ان کی پہنچ سے باہر نکل گئے۔ اس تناظر میں، اللہ تعالیٰ نے سورہ 3 علی عمران، آیات 173-174 نازل فرمائی:

وہ جن سے لوگوں نے کہا کہ لوگ تمہارے خلاف جمع ہو گئے ہیں، لہٰذا ان سے ڈرو۔ "لیکن اس" سے ان کے ایمان میں اضافہ ہوا اور انہوں نے کہا کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے، پس وہ اللہ کے فضل و کرم کے ساتھ لوٹے، ان کو اللہ کی طرف سے کوئی نقصان نہیں پہنچا اور اللہ کی طرف سے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ بڑے فضل کا مالک"

اس پر امام صفی الرحمٰن کی کتاب مہربند نیکٹر، صفحہ 288-291 اور امام واحدی کی، اصباب النزول، 3:151، صفحہ 42 میں بحث کی گئی ہے۔

سختی اور مشکل کے وقت بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے جو مثبت ردعمل آیا، وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے لیے ان کے عظیم جذبے کی نشاندہی کرتا ہے۔ آسانی کے وقت اللہ کی حمد و ثنا اور اس کی اطاعت کرنا اتنا مشکل نہیں۔ اصل امتحان اس وقت ہوتا ہے جب کسی کو مشکلات کا سامنا ہو اور پھر بھی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کی اطاعت کرتے ہوئے ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہوئے جو اسلامی تعلیمات میں بیان کی گئی ہیں۔ اس لیے مشکلات کا سامنا کرنا ایک امتحان ہے جو ان لوگوں کو الگ کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے اپنے دعوے میں سچے ہیں اور جو نہیں ہیں۔ باب 29 العنکبوت، آیات 2-3:

"کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انہیں یہ کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی، لیکن ہم نے ان سے پہلے والوں کو ضرور آزمایا ہے، اور اللہ ضرور ان لوگوں کو ظاہر کرے گا جو سچے ہیں اور وہ ضرور جھوٹوں کو ضرور ظاہر کر دے گا۔"

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ آسانی اور مشکل دونوں وقتوں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہ کر اپنے زبانی اعلان ایمان کو ثابت کریں۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کریں جو انہیں دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں وہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کریں گے اور قیامت کے دن اپنے احتساب کے لیے مناسب تیاری کرتے ہوئے ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں صحیح طریقے سے رکھیں گے۔ یہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔ بصورت دیگر، جیسا کہ ان آیات سے اشارہ کیا گیا ہے، وہ اچھی طرح جان سکتے ہیں کہ ان کے ساتھ دنیا اور آخرت میں جھوٹے جیسا سلوک کیا جائے گا اگر وہ اعمال کے ساتھ اپنے زبانی اعلان ایمان کی حمایت میں ناکام رہیں۔ اس بات کا تعین کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں جھوٹا سمجھے گا اسے نہ اس دنیا میں سکون ملے گا نہ آخرت میں۔

تقسیم کا باعث بننا

جنگ احد کے بعد جب مسلمانوں کی فوج مدینہ واپس آئی تو منافقین نے غمزدہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فائدہ اٹھانے کی ناکام کوشش کی اور انہیں جذباتی طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقطع کر دیا۔ یہودی علماء اور منافقین کا دعویٰ تھا کہ اگر اسلام حق ہوتا تو شکست نہ ہوتی۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 109 نازل فرمائی۔

بہت سے اہل کتاب چاہتے ہیں کہ وہ تمہیں ایمان لانے کے بعد اپنے آپ سے حسد کی وجہ سے واپس کفر کی طرف پھیر دیں جب تک کہ ان پر حق واضح ہو چکا ہو، پس معاف کرو اور اس وقت تک درگزر کرو جب تک کہ اللہ اپنا حکم نہ دے دے، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

،اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 67 اور امام واحدی کی، اصباب النزول صفحہ 7 میں بحث کی گئی ہے۔ 2:109،

منافقت کی نشانی یہ ہے کہ انسان معاشرے میں فساد پھیلاتا ہے۔ یہ منفی خصوصیت خاندانی اکائی سے شروع ہوکر بین الاقوامی سطح پر ختم ہونے والی تمام سماجی سطحوں کو متاثر کرتی ہے۔ اس قسم کے لوگ لوگوں کو اچھائی پر متحد ہوتے دیکھنا ناپسند کرتے ہیں کیونکہ اس سے دوسروں کی دنیاوی حیثیت ان کے اپنے سے بڑھ جاتی ہے۔ یہ انہیں غیبت اور غیبت کی طرف لے جاتا ہے تاکہ لوگ ایک دوسرے کے خلاف ہو جائیں۔ ان کا برا رویہ ان کے اپنے رشتے داروں کو تباہ کر دیتا ہے اور جب وہ دوسرے خاندانوں کو دیکھتے ہیں جو خوش ہوتے ہیں تو یہ انہیں ان کی خوشیوں کو بھی تباہ کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ وہ فالٹ فائنڈر ہیں جو اپنا وقت دوسروں کی غلطیوں کی نقاب کشائی کرنے کے لیے وقف کرتے ہیں تاکہ ان کی سماجی حیثیت کو نیچے لے جا سکیں۔ وہ پہلے لوگ ہیں جنہوں نے دوسروں کے بارے میں گپ شپ شروع کی اور جب بھی اچھی بات کی جائے تو بہرے کام کرتے ہیں۔ امن اور سکون انہیں پریشان کرتا ہے لہذا وہ اپنے آپ کو تفریح کرنے کے لئے مسائل پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ سنن ابن ماجہ نمبر 2546 میں موجود حدیث کو یاد کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ یہ نصیحت کرتی ہے کہ جو شخص دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالے گا اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں پر پردہ ڈالے گا۔ لیکن جو شخص دوسروں کے عیب تلاش

کرتا ہے اور ان کی پردہ پوشی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو لوگوں پر ظاہر کر دیتا ہے۔ تو درحقیقت، اس قسم کے افراد معاشرے کے سامنے صرف اپنے عیبوں کی پردہ پوشی کر رہے ہوتے ہیں حالانکہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ دوسروں کے عیبوں کو بے نقاب کر رہے ہیں۔

اس کے علاوہ یہ بھی واضح ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو مختلف مصائب اور آزمائشوں میں مبتلا کیا گیا تھا۔ درحقیقت سنن ابن ماجہ نمبر 4023 میں موجود حدیث کے مطابق ان کو تمام انسانوں میں سب سے زیادہ آزمایا گیا۔ لہٰذا مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اسلام پر حقیقی یقین، ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہوئے جو اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے، مشکلات سے تحفظ کی ضمانت نہیں دیتا۔ یہ درحقیقت مشکلات سے گزر کر محفوظ سفر کی ضمانت دیتا ہے اور ایک زبردست انعام دیتا ہے تاکہ انسان کو ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل ہو۔ باب 39 از زمر، آیت 10:

’’بے شک مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا۔ ‘‘

باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

جنگ احد کی حکمتیں

جنگ احد کے دوران جب کچھ مسلمان تیر انداز اپنی جگہ سے اترے تو اس نے مسلم فوج کا پچھلا حصہ کھول دیا۔ پھر غیر مسلم فوج نے اکٹھے ہو کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ہوئی اور ان کے جسموں کو غیر مسلموں نے مسخ کر دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 29-30 میں بحث کی گئی ہے۔

واضح رہے کہ مسلمانوں کو اتنے نقصانات اٹھانے کی سب سے بڑی وجہ تیر اندازوں کی غلط فہمی تھی۔ انہوں نے غیر ارادی طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی کیونکہ ان کا خیال تھا کہ جنگ ختم ہو چکی ہے اور آپ کے حکم کا اطلاق نہیں ہو گا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب تک کوئی مسلمان سچے دل سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرے گا، انہیں کامیابی ملے گی لیکن اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں گے تو یہ حمایت واپس لے لی جائے گی۔ باب 4 النساء آیت 80:

‘‘جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے حقیقتاً اللہ کی اطاعت کی۔’’

اور باب 3 علی عمران، آیت 31:

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور’’ "تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اور باب 24 النور، آیت 63:

"رسول کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کو بلانے کی طرح مت بناؤ، اللہ تم میں سے ان لوگوں کو جانتا ہے جو دوسروں سے چھپے ہوئے ہیں، اس لیے ان لوگوں کو ہوشیار رہنا چاہیے جو اس کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان پر کوئی آفت آجائے یا دردناک عذاب آئے۔"

اس کے علاوہ انبیاء علیہم السلام کا یہ معمول ہے کہ وہ بعض اوقات اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل کرتے ہیں اور بعض مواقع پر ان کے دشمنوں کو غلبہ حاصل ہوتا ہے، حالانکہ آخری فتح ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں ہوتی ہے۔ حالات کے اس بدلاؤ کی وجہ یہ ہے کہ سچے مومنوں کو منافقوں اور موقع پرستوں سے الگ کر دیا جائے جو ہمیشہ دنیاوی فائدے حاصل کرنے کے لیے کامیاب گروہ میں شامل ہوتے ہیں۔ اگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ جیتتے رہے تو منافقین اور موقع پرست مخلص مومنین سے نا قابلِ برداشت ہو جائیں گے۔ اگر انبیاء علیہم السلام ہمیشہ ہار گئے تو یہ ان کے مشن میں رکاوٹ بن جائے گا۔ باب 3 علی عمران، آیت 140:

’’اگر تمہیں کوئی زخم لگ جائے تو اس سے ملتا جلتا زخم پہلے ہی [مخالف] لوگوں کو چھو چکا ہے، اور ان دنوں [مختلف حالات میں] ہم لوگوں کے درمیان باری باری کرتے ہیں تاکہ اللہ ان لوگوں کو ظاہر کرے جو ایمان لائے اور تم میں سے شہداء کو اپنی طرف لے لے۔‘‘

فتح اور شکست کے اس باری باری کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ مومنین کو صبر اور شکر دونوں کو اپنانے کا طریقہ سکھایا جائے۔ اگر وہ ہر وقت کھو دیتے ہیں، تو وہ صبر کر سکتے ہیں لیکن شکر گزار ہونا مشکل ہو جائے گا. اگر وہ ہر وقت جیت جاتے ہیں، تو شاید وہ شکر گزاری کو اپنا لیں لیکن حقیقی صبر کو اپنانے کے لیے جدوجہد کریں گے۔ حالات کا ردوبدل انہیں صبر اور شکر دونوں کو اپنانے کی اجازت دیتا ہے: دو حصے جو دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہیں۔ کسی کی نیت میں شکر ادا کرنے میں صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عمل کرنا شامل ہے۔ کسی کی تقریر میں شکر گزاری میں وہ بات کرنا شامل ہے جو اچھی ہے یا خاموش رہنا۔ اور اپنے اعمال میں شکرگزاری میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ مزید برآں، صبر میں کسی کی بات یا عمل سے شکایت

کرنے سے گریز کرنا اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر ثابت قدم رہنا، اس بات پر یقین رکھنا کہ وہ صرف وہی انتخاب کرتا ہے جو ان کے لیے بہتر ہے، چاہے یہ ان کے لیے واضح نہ ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ ''تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

لہٰذا ہر حال میں صحیح طریقے سے عمل کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی مسلسل مدد اور رحمت حاصل ہوتی ہے جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں سکون قلب حاصل ہوتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 7500 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

رحم کا مظاہرہ کرنا

جنگ احد کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کبھی نصیحت نہیں کی اور نہ ہی ان کی مذمت کی، جنہوں نے اپنے عہدوں کو چھوڑ دیا جس کی وجہ سے جنگ احد میں ان کی شکست ہوئی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے باب 3 علی عمران آیت 159 نازل فرمایا:

"پس اللہ کی رحمت سے آپ نے ان کے ساتھ نرمی برتی، اور اگر آپ بد زبان اور دل میں سخت ہوتے تو وہ آپ سے دور ہو جاتے، لہٰذا آپ ان سے درگزر کریں اور ان کے لیے استغفار کریں اور ان سے معاملہ میں مشورہ کریں، اور جب آپ فیصلہ کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کریں، بے شک اللہ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے نازک وقت میں فوج کو ترک کرنے پر منافقین پر تنقید بھی نہیں کی۔ اس سے ان کو مشتعل ہی کیا جائے گا اور وہ اسلام سے مزید دور ہو جائیں گے۔ اس کے بجائے اس نے ان کے ساتھ احترام اور مہربانی کا مظاہرہ جاری رکھا امید ہے کہ وہ اس رحم کے عمل کو مثبت طور پر لیں گے اور اس طرح خلوص دل سے توبہ کریں گے اور اسلام قبول کریں گے۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1203-1204 میں بحث کی گئی ہے۔

قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں مسلمانوں کو دوسروں پر رحم کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر جامع ترمذی نمبر 1924 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت ہے کہ مخلوق پر رحم کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ رحم کرے گا۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، کہ رحم کرنا صرف اپنے اعمال سے نہیں ہے، جیسے غریبوں کو دولت عطیہ کرنا۔ یہ درحقیقت کسی کی زندگی کے ہر پہلو اور دوسروں کے ساتھ تعامل کا احاطہ کرتا

ہے، جیسے کہ کسی کے الفاظ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خبردار کرتا ہے جو صدقہ دے کر دوسروں پر رحم کرتے ہیں کہ ان کی گفتگو کے ذریعے رحم نہ کرنا، جیسے کہ دوسروں پر کیے گئے احسانات کو شمار کرنا، ان کے اجر کو منسوخ کر دیتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 264:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے صدقات کو نصیحت یا ایذا پہنچا کر باطل نہ کرو۔"

حقیقی رحم ہر چیز میں ظاہر ہوتا ہے :کسی کے چہرے کے تاثرات، کسی کی نظر اور اس کی گفتگو کا لہجہ۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل رحمت تھی اور اس لیے مسلمانوں کو اس پر عمل کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ رحم کرنا اس قدر ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں واضح کر دیا ہے کہ اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان گنت خوبصورت اور اعلیٰ صفات کے حامل تھے لیکن جس نے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف متوجہ کیا وہ رحمت ہے۔

پہلے نقل کی گئی آیت میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ بغیر رحم کے لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھاگ جاتے۔ اگر ان کے بارے میں یہ معاملہ تھا حالانکہ وہ ان گنت خوبصورت صفات کے مالک تھے تو وہ مسلمان جو ایسی اعلیٰ صفات کے حامل نہیں ہیں، وہ سچی رحم دلی کے بغیر دوسروں جیسے کہ ان کے بچوں پر مثبت اثرات کی امید کیسے رکھ سکتے ہیں؟

سیدھے الفاظ میں مسلمانوں کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں جو کہ بلاشبہ سچی اور مکمل رحمت ہے۔

دو زبانیں۔

جنگ احد میں منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی اپنے پیروکاروں کے ساتھ احد سے پیچھے ہٹ گیا۔ اس سے پہلے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کا خطبہ دیتے، عبداللہ بن ابی اکثر اٹھتے اور اعلان کرتے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے درمیان ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے انہیں عزت و تکریم عطا فرمائی ہے۔ اس کے بعد وہ مدینہ کے لوگوں کو حکم دیں گے کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کریں، سنیں اور ان کی اطاعت کریں۔ جنگ احد کے بعد اور جمعہ کے خطبہ سے پہلے، وہ اپنی معمول کی غیر سنجیدہ تقریر کرنے کے لیے اٹھے لیکن اس بار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سے بدتمیزی کی، جنہوں نے ان سے کہا کہ بیٹھ جاؤ اور خاموش رہو کیونکہ اب وہ مسجد نبوی میں لوگوں سے خطاب کرنے کے لائق نہیں رہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 71-72 میں بحث کی گئی ہے۔

دو طرفہ ہونا منافقت کی نشانی ہے۔ یہ وہ ہے جو لوگوں کے مختلف گروہوں کو خوش کرنے کے لیے اپنے طرز عمل میں تبدیلی لاتا ہے اور اس سے کچھ دنیاوی چیزیں حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ وہ بہت سی مختلف زبانوں سے بولتے ہیں جو مختلف لوگوں کو اپنی حمایت ظاہر کرتے ہوئے ان کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ لوگوں کے ساتھ مخلص نہیں ہیں جس کا حکم سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔ اگر وہ توبہ نہ کریں تو آخرت میں اپنے آپ کو آگ کی دو زبانوں سے پائیں گے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4873 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 14:

جب وہ مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے برے ساتھیوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو محض مذاق کر رہے تھے۔"

عبداللہ بن ابی غصے میں مسجد سے نکلے اور اس کے دروازے پر چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پیش آنے والے واقعے سے آگاہ کیا تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی

طرف سے استغفار کرنے کا مشورہ دیا۔ اس نے تکبر سے ان کے مخلصانہ مشورے سے منہ موڑ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں باب 63 المنافقون آیات 5 تا 6 نازل فرمایا:

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کے رسول تمہارے لیے استغفار کریں تو وہ سر پھیر لیتے ہیں اور تم انہیں دیکھتے ہو کہ وہ تکبر کرتے ہیں، ان کے لیے برابر ہے کہ تم ان کے لیے استغفار کرو یا نہ کرو، اللہ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا، بے شک اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

تفسیر ابن کثیر، جلد 9، صفحہ 653-654 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ انہوں نے واضح کیا کہ فخر اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص سچائی کو مسترد کرتا ہے اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔

تکبر رکھنے والے کو نیک اعمال کی کوئی مقدار فائدہ نہیں دے گی۔ یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جب کوئی شیطان کو دیکھتا ہے اور جب وہ مغرور ہو گیا تو اس کی ان گنت سالوں کی عبادت نے اسے کیسے فائدہ نہیں پہنچایا۔ درحقیقت، مندرجہ ذیل آیت واضح طور پر غرور کو کفر سے جوڑتی ہے، اس لیے ایک مسلمان کو ہر قیمت پر اس بری صفت سے بچنا چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 34:

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

مغرور وہ ہے جو حق کو اس وقت رد کرتا ہے جب وہ ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے کیونکہ یہ ان کی طرف سے نہیں آیا تھا اور یہ ان کی خواہشات اور ذہنیت کو چیلنج کرتا ہے۔ مغرور شخص یہ بھی مانتا ہے کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں اپنی اصل حیثیت سے بے خبر ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ یقین کریں کہ وہ ان چند ناقص اور نامکمل نیکیوں کی وجہ سے عظیم ہیں جو انہوں نے کیے ہیں جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کو ان کے بہت سے گناہوں کی وجہ سے ناپسند ہیں۔ اس کے علاوہ، دوسروں کو حقیر سمجھنا بے وقوفی ہے کیونکہ کوئی اپنے انجام اور دوسروں کے آخری انجام سے بے خبر ہے۔ یعنی جس شخص کو وہ حقیر سمجھتے ہیں وہ مخلص مسلمان کی حیثیت سے مر سکتا ہے جبکہ وہ کافر کی حالت میں مر سکتا ہے۔

درحقیقت، کسی بھی چیز پر فخر کرنا بے وقوفی ہے۔ یہاں تک کہ نیک اعمال بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ الہام، علم اور قوت کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ لہٰذا کسی ایسی چیز پر فخر کرنا جو فطری طور پر اپنی ذات سے تعلق نہیں رکھتی، صریح حماقت ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے ایک شخص جو اس حویلی پر فخر کرتا ہے جس کا وہ مالک بھی نہیں اور نہ ہی رہتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فخر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، کیونکہ وہی ہر چیز کا خالق اور پیدائشی مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ کو للکارنے والا تکبر کے ساتھ جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4090 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر عاجزی اختیار کرے۔ عاجز واقعی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے پاس جو بھی بھلائی ہے اور وہ تمام برائیاں جن سے وہ محفوظ ہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کی طرف سے نہیں۔ پس عاجزی انسان کے لیے غرور سے زیادہ موزوں ہے۔ کسی شخص کو اس بات پر دھوکہ نہیں دینا چاہئے کہ عاجزی رسوائی کا باعث بنتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے عاجز بندوں سے زیادہ عزت والا کوئی نہیں ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2029 کی حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرنے والے کے درجات میں اضافے کی ضمانت دی ہے۔ عاجز شخص حق کو قبول کرتا ہے خواہ وہ کسی کی طرف سے آئے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ حق کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ وہ دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے کے بجائے رحم و شفقت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور خلوص نیت سے اس کی تائید کرتے ہیں، اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم و شفقت کی نظر فرمائے گا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ وہی سلوک کرے گا

جس طرح وہ دوسروں کے ساتھ سلوک کرتے ہیں۔ صحیح بخاری نمبر 7376 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ایمان پر سخت

جنگ احد کے کچھ عرصہ بعد مکہ کے کچھ بزرگ غیر مسلم جن میں ابو سفیان اور عکرمہ ابن ابو جہل شامل تھے، منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کے پاس گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ کی زیارت کے دوران ان کی حفاظت کی، شاید اس امید پر کہ ان کے قیام کے دوران ان کے دل اسلام کی طرف نرم ہو جائیں گے۔ اپنے دورے کے دوران، انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رابطہ کیا اور آپ سے کہا کہ ان کے بتوں پر تنقید نہ کریں بلکہ یہ اعلان کریں کہ ان کے بتوں میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت کی طاقت ہے اور اس کے بدلے میں وہ آپ کو تنہا چھوڑ دیں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ انہیں مدینہ سے باہر لے جائیں۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب آیت نمبر 33 نازل فرمائی:

”اے نبی اللہ سے ڈرو اور کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانو، بے شک اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔“

اس پر امام واحدی کی، اصباب النزول، 33:1، صفحہ 127-128 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ اور آیت اس بات کو سمجھنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتی ہے کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور تمام حکمت والا ہے، وہ اکیلا ہی انسانوں کو بہترین ضابطہ اخلاق فراہم کر سکتا ہے جس پر عمل کیا جائے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون اور کامیابی حاصل کر سکیں۔ وہ اکیلا ہی لوگوں کو سکھا سکتا ہے کہ اس کی عطا کردہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے کیسے استعمال کیا جائے تاکہ وہ ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کر سکیں اور قیامت کے دن اپنے احتساب کے لیے مناسب تیاری کرتے ہوئے ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں صحیح طریقے سے جگہ دیں۔ دوسری طرف، لوگوں کے پاس علم، حکمت، دور اندیشی اور تجربہ نہیں ہے کہ وہ ایک ایسا ضابطہ اخلاق بنائیں جو دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنے۔ لہٰذا انسان کو اس سچائی کو قبول کرنا چاہیے اور اپنے مفاد کے لیے اسلامی ضابطہ اخلاق پر عمل کرنا چاہیے۔ انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے

کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی گئی ہیں اور ایک سخت خوراک کا منصوبہ ہے۔ جس طرح یہ عقلمند مریض اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کرے گا، اسی طرح وہ شخص جو اسلامی تعلیمات کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا۔ اگرچہ، زیادہ تر معاملات میں، مریض اپنی تجویز کردہ دوائیوں کے پیچھے سائنس کو نہیں سمجھتے اور اس لیے اپنے ڈاکٹر پر اندھا اعتماد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ لوگوں کو اسلام کی تعلیمات پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے تاکہ وہ اپنی زندگی پر اس کے مثبت اثرات کو سمجھ سکیں۔ وہ لوگوں سے یہ توقع نہیں کرتا کہ وہ اسلام کی تعلیمات پر اندھا اعتماد کریں بلکہ وہ چاہتا ہے کہ وہ اس کی سچائی کو اس کے واضح دلائل سے پہچانیں۔ لیکن اس کے لیے انسان کو اسلام کی تعلیمات سے رجوع کرتے ہوئے غیر جانبدارانہ اور کھلے ذہن کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ باب 12 یوسف، آیت 108:

کہو، "یہ میرا راستہ ہے؛ میں اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ دعوت دیتا ہوں، میں اور وہ لوگ جو میری پیروی کرتے ہیں..."

اس کے علاوہ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی لوگوں کے روحانی دلوں کو کنٹرول کرتا ہے، ذہنی سکون کا گھر، وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کون اسے حاصل کرتا ہے اور کس کو نہیں۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے‘‘۔’’

اور یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کو ذہنی سکون دے گا جو اس کی عطا کردہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔

تقویٰ کی تلاش

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال عثمان بن عفان نے اپنی سابقہ بیوی ام کلثوم کی بہن رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ وہ واحد شخص تھے جنہوں نے ایک کے بعد ایک دو بیٹیوں کی شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 82 میں بحث کی گئی ہے۔

نکاح کے بعد جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی سے عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے انہیں بہترین شوہر قرار دیا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت عثمان ابن عفان، ذون نورین، صفحہ 54-55 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 110 میں موجود ایک حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے شادی کر لیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان شادیوں کی اجازت صرف اس لیے دی تھی کہ عثمان رضی اللہ عنہ ایک متقی آدمی تھے۔ لہٰذا، اگر مسلمان ایک اچھا شریک حیات چاہتے ہیں جو ان کے حقوق کو پورا کرے تو انہیں اسلام کی تعلیمات کی بنیاد پر شریک حیات کا انتخاب کرنا چاہیے۔

صحیح بخاری نمبر 5090 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ چار وجوہات کی بنا پر شادی کی جاتی ہے :مال، نسب، حسن یا تقویٰ۔ انہوں نے تنبیہ کرتے ہوئے نتیجہ اخذ کیا کہ آدمی کو تقویٰ کی خاطر شادی کرنی چاہیے ورنہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس حدیث میں مذکور پہلی تین چیزیں بہت عارضی اور ناقص ہیں۔ وہ کسی کو عارضی خوشی تو دے سکتے ہیں لیکن آخرکار یہ چیزیں ان کے لیے بوجھ بن جاتی ہیں کیونکہ ان کا تعلق مادی دنیا سے ہے نہ کہ اس چیز سے جو حتمی اور مستقل کامیابی عطا کرتی ہے یعنی ایمان۔ یہ سمجھنے کے لیے کہ دولت خوشی نہیں لاتی، صرف امیر اور مشہور کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت، امیر زمین پر سب سے زیادہ غیر مطمئن اور ناخوش لوگ ہیں۔ اپنے نسب کی خاطر کسی سے شادی کرنا بے وقوفی ہے کیونکہ یہ اس بات کی ضمانت نہیں دیتا کہ وہ شخص ایک اچھا شریک حیات بنائے گا۔ درحقیقت، اگر شادی کام نہیں کرتی ہے، تو یہ شادی سے پہلے دونوں خاندانوں کے خاندانی بندھن کو ختم کر دیتی ہے۔ صرف خوبصورتی یعنی محبت کی خاطر شادی کرنا عقلمندی نہیں ہے کیونکہ یہ ایک بے چین جذبہ ہے جو وقت کے ساتھ اور مزاج کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ قیاس محبت میں ڈوب جانے والے کتنے جوڑے ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگے؟

لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی ایسا شریک حیات تلاش کرے جو غریب ہو، کیونکہ یہ ضروری ہے کہ کسی ایسے شخص سے شادی کی جائے جو خاندان کی مالی مدد کر سکے۔ نہ ہی اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو اپنے شریک حیات کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ یہ صحت مند شادی کا ایک اہم پہلو ہے۔ لیکن اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں کسی کی شادی کی بنیادی یا حتمی وجہ نہیں ہونی چاہئیں۔ ایک مسلمان کو شریک حیات میں جو بنیادی اور حتمی خوبی تلاش کرنی چاہیے وہ تقویٰ ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لاتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز آتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے۔ سادہ لفظوں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اپنی شریک حیات کے ساتھ خوشی اور مشکل دونوں وقتوں میں اچھا سلوک کرے گا۔ دوسری طرف، جو لوگ بے دین ہیں وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ بدسلوکی کریں گے جب بھی وہ پریشان ہوں گے۔ حالیہ برسوں میں مسلمانوں کے درمیان گھریلو تشدد میں اضافے کی یہ ایک اہم وجہ ہے۔ اور جب وہ اپنے شریک حیات سے راضی ہوں گے تب بھی وہ اپنی لاعلمی کی وجہ سے اپنے حقوق ادا کرنے میں ناکام رہیں گے جس کو دور کرنے میں تقویٰ مدد کرتا ہے۔ باب فاطر، آیت 28 35:

’’اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں۔‘‘

آخر میں، متقی شخص ہمیشہ دوسروں کے حقوق ادا کرنے کی فکر میں رہتا ہے، جیسے کہ ان کی شریک حیات، پھر وہ لوگوں کے حقوق ادا کرنے کی فکر میں رہتا ہے۔ اس لیے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے سوال کرے گا کہ انہوں نے لوگوں کے حقوق ادا کیے یا نہیں؟ وہ ان سے یہ نہیں پوچھے گا کہ کیا لوگوں نے ان کے حقوق ادا کیے ہیں، جیسا کہ یہ اس وقت کیا جائے گا جب اللہ تعالیٰ دوسروں سے سوال کرتا ہے، نہ کہ جب وہ ان سے سوال کرتا ہے۔ جبکہ ظالم مسلمان صرف اپنے حقوق، حقوق کی پرواہ کرے گا جو اس نے معاشرے، ثقافت، فیشن اور اپنے تخیل سے لیے ہیں اسلام سے نہیں۔ نتیجے کے طور پر، وہ اپنے شریک حیات سے کبھی بھی حقیقی طور پر راضی نہیں ہوں گے، خواہ ان کی شریک حیات اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنے حقوق ادا کرے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام سے لاعلمی اور طلاق کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔

آخر میں، اگر کوئی مسلمان شادی کرنا چاہتا ہے تو اسے سب سے پہلے اس سے متعلق علم حاصل کرنا چاہیے، جیسے کہ اس پر اپنی شریک حیات کے واجب الادا حقوق، جو حقوق اس پر اپنی شریک حیات سے واجب الادا ہیں اور مختلف حالات میں اپنی شریک حیات کے ساتھ صحیح سلوک کرنے کا طریقہ۔ بدقسمتی سے، اس سے لاعلمی بہت سے دلائل اور طلاقوں کا باعث بنتی ہے کیونکہ لوگ ایسی چیزوں کا مطالبہ کرتے ہیں جن کو پورا کرنے کے لیے ان کا شریک حیات پابند نہیں ہوتا۔ لہٰذا علم، جو تقویٰ کی جڑ ہے، صحت مند اور کامیاب ازدواجی زندگی کی بنیاد ہے۔

ہجرت کے بعد چوتھا سال

استقامت کے ساتھ مشکلات کا سامنا کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے چوتھے سال، احد کی جنگ میں مسلمانوں کے نقصانات کے بعد مدینہ کو بیرونی خطرات بہت زیادہ بڑھ گئے۔ مختلف غیر مسلم قبائل کا خیال تھا کہ احد میں جو کچھ ہوا اس نے مسلمانوں کو کمزور کردیا اور وہ اب وہ طاقتور قوت نہیں رہے جس نے بدر کی جنگ میں فتح حاصل کی۔ ان میں سے بہت سے قبائل نے اسے مدینہ کو فتح کرنے کے لیے مسلمانوں کے خلاف لڑنے کا موقع سمجھا۔ مثال کے طور پر، بنو اسد قبیلے نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے جنگجوؤں کو اکٹھا کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے 150 جنگجوؤں پر مشتمل مسلم فوج کو غیر مسلموں کے وطن کی طرف روانہ کر کے وہاں حملہ کرنے سے پہلے ان کے مشن کو ناکام بنا دیا، ان کے جنگجوؤں کو منتشر کر دیا اور جنگ کا کچھ مال غنیمت حاصل کیا۔ ایک اور غیر مسلم قبیلے نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے کچھ جنگجوؤں کو جمع کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے خلاف ایک فوج روانہ کی جو ان کے قائد کو قتل کرنے اور ان کے جنگجوؤں کے گروہ کو شکست دینے میں کامیاب ہو گئی۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 296-297 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صبر و استقامت کے ساتھ ہر مشکل اور حملے کا مقابلہ کیا۔

صحیح مسلم نمبر 159 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مختصر مگر دور رس نصیحت فرمائی۔ انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا صدق دل سے اعلان کریں اور پھر اس پر ثابت قدم رہیں۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکمیل پر مشتمل ہے، جو اس سے متعلق ہیں، جیسے فرض روزے اور جو لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کہ دوسروں سے حسن سلوک کرنا۔ اس میں اسلام کی ان تمام ممنوعات سے پرہیز کرنا بھی شامل ہے جو ایک شخص اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں اور جو دوسروں کے درمیان ہیں۔ ایک مسلمان کو بھی صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا چاہیے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

’’لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔‘‘

آخر میں ان پہلوؤں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق پورا کرنا شامل ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

ثابت قدمی میں دونوں قسم کے شرک سے پرہیز شامل ہے۔ سب سے بڑی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی عبادت کرتا ہے۔ معمولی قسم یہ ہے کہ جب کوئی نیک کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی خاطر، جیسے دکھاوا کرنا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہٰذا استقامت کا ایک پہلو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنا ہے۔

اس میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنا اور چیری چننے سے پرہیز کرنا شامل ہے کہ کب اور کن اسلامی تعلیمات پر کوئی شخص اپنی خواہشات کے مطابق عمل کرے گا۔

ثابت قدمی میں شامل ہے خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا، بجائے اس کے کہ اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کیا جائے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ نہ ان کی خواہشات اور نہ ہی لوگ انہیں اللہ تعالیٰ سے محفوظ رکھیں گے۔ دوسری طرف جو اللہ تعالیٰ کا سچے دل سے فرمانبردار ہے وہ ہر چیز سے محفوظ رہے گا خواہ یہ حفاظت ان پر ظاہر نہ ہو۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے میں یہ شامل ہے کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا اور اس سے ہٹنے والے راستے کو اختیار نہ کرنا۔ جو شخص اس راہ کو اختیار کرنے کی کوشش کرے گا اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ یہی ان کے ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے کافی ہے۔ باب 4 النساء آیت 59:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے حاکم ہیں..."

جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ثابت قدم رہنے کا ایک پہلو ہر اس شخص کی اطاعت ہے جس کے احکام و نصیحت کی جڑیں اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخلصانہ اطاعت میں ہیں۔

چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ بلاشبہ غلطیاں کریں گے اور گناہ کریں گے۔ لہٰذا ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور اگر

کوئی گناہ ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کریں۔ اس کی طرف باب 41 فصیلات، آیت 6 میں اشارہ کیا گیا ہے:

‘‘...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو’’

اس کی مزید تائید جامع ترمذی نمبر 1987 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور کسی نیک عمل سے سرزد ہونے والے)معمولی (گناہ کو مٹانے کی تلقین کی گئی ہے۔ امام مالک کی موطا، کتاب 2، حدیث نمبر 37 میں موجود ایک اور حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی پوری کوشش کریں، اگرچہ وہ اس پر پوری طرح عمل نہ کر سکیں۔ لہٰذا ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی نیت اور جسمانی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں اس کو حاصل کرنے کی صلاحیت کو پورا کرے۔ انہیں کمال حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ کوئی شخص اپنے جسمانی اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ثابت قدم نہیں رہ سکتا جب تک کہ وہ اپنے روحانی قلب کو پہلے پاک نہ کرے۔ جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جسم کے اعضاء صرف اسی صورت میں کام کریں گے جب روحانی قلب پاک ہو۔ دل کی پاکیزگی صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ثابت قدمی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی زبان پر قابو رکھے جیسا کہ یہ دل کا اظہار کرتی ہے۔ زبان پر قابو رکھے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ممکن نہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2407 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں اگر اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں کوئی کمی واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنی چاہیے اور لوگوں سے معافی مانگنی چاہیے، اگر اس میں ان کے حقوق شامل ہوں۔ باب 46 الاحقاف آیت 13:

”بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ راہ راست پر رہے، ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

محبت کا ثبوت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے چوتھے سال مدینہ سے باہر رہنے والے ایک قبیلے نے اسلام قبول کرنے کا دعویٰ کیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے قبیلے میں بھیجیں تاکہ انہیں اسلام کی مزید تعلیم دیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو روانہ کیا لیکن ان سے خیانت کی گئی۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کر دیا گیا، بعض کو گرفتار کر کے قیدی بنا کر مکہ کے غیر مسلموں کے حوالے کر دیا گیا۔ جب ان قیدیوں میں سے ایک، زید بن الدثینہ رضی اللہ عنہ کو پھانسی دی جا رہی تھی، تو اس سے پوچھا گیا کہ کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جگہ بدلنا پسند کریں گے؟ اس نے قسم کھائی کہ وہ یہ پسند نہیں کرے گا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کانٹا بھی چبھ جائے اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پھانسی سے بچ گئے۔ ایک غیر مسلم رہنما ابو سفیان نے تبصرہ کیا کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ لوگوں کا ایک گروہ صحابہ کرام سے زیادہ کسی سے محبت کرتا ہو، اللہ ان سے راضی ہو، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہو۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 86-88 میں بحث کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں میں سے تھے جنہیں گرفتار کر کے مکہ کے ایک غیر مسلم کو بیچ دیا گیا تھا، جو جنگ بدر میں مارے گئے اپنے رشتہ دار خبیب رضی اللہ عنہ کے بدلے میں اسے قتل کرنا چاہتے تھے۔ خبیب رضی اللہ عنہ نے قتل کے دن اپنے آپ کو صاف کرنے کے لیے استرا کی درخواست کی۔ ایک لونڈی نے اپنے چھوٹے بیٹے کو استرا کے ساتھ خبیب رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا جو ان کے گھر میں زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ تب اسے احساس ہوا کہ اس نے غلطی کی ہے اور خدشہ ہے کہ خبیب رضی اللہ عنہ اس بچے کو اس کی سزائے موت کے بدلے میں قتل کر دیں۔ اس نے بچے کو اپنی گود میں بیٹھا پایا اور پھر اس نے بچے کو اس کے حوالے کر دیا اور کہا کہ وہ کسی بچے کو کبھی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اس دن جب پھانسی پر لے جایا جا رہا تھا تو اس نے دو رکعت نماز پڑھنے کی درخواست کی جس کی اسے اجازت دی گئی۔ انہوں نے اسے اس امید پر تشدد کا نشانہ بنایا کہ وہ اسلام چھوڑ دے گا، لیکن وہ ثابت قدم رہا۔ آخرکار اسے مکہ کے غیر مسلموں نے پھانسی دے کر سولی پر چڑھا دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب حیاتِ نبوی، جلد 3، صفحہ 86-88 اور امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 509-510 میں بحث کی گئی ہے۔

دونوں نے اسلام پر ثابت قدم رہ کر اور اپنی جان پر آپ کی حفاظت زید اور خبیب رضی اللہ عنہ کی تمنا کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی محبت کا ثبوت دیا۔

،ہر مسلمان کھلے عام اعلان کرتا ہے کہ وہ آخرت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت کا خواہش مند ہے۔ وہ اکثر صحیح بخاری نمبر 3688 میں پائی جانے والی حدیث کا حوالہ دیتے ہیں، جو اس بات کی تلقین کرتی ہے کہ انسان آخرت میں ان کے ساتھ رہے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں سے اپنی محبت کا کھلم کھلا اعلان کرتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہ اس نتیجہ کی خواہش کیسے کرتے ہیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، پھر بھی انہیں بمشکل جانتے ہیں کیونکہ وہ آپ کی سیرت، کردار اور تعلیمات کا مطالعہ کرنے میں مصروف ہیں۔ یہ بے وقوفی کی بات ہے کہ کوئی کسی سے سچی محبت کیسے کر سکتا ہے جسے وہ جانتا تک نہیں ہے۔

اس کے علاوہ جب ان لوگوں سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا ثبوت پوچھا جائے گا تو قیامت کے دن کیا کہیں گے؟ وہ کیا پیش کریں گے؟ اس اعلان کا ثبوت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت، کردار اور تعلیمات کا مطالعہ اور ان پر عمل کرنا ہے۔ اس دلیل کے بغیر اعلان اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا۔ یہ بالکل واضح ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہتر اسلام کو کسی نے نہیں سمجھا اور ان کا یہ رویہ نہیں تھا۔ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا اعلان کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر عمل کے ذریعے اپنے دعوے کی تائید کی۔ اس لیے وہ آخرت میں اس کے ساتھ ہوں گے۔

جو لوگ یہ مانتے ہیں کہ محبت دل میں ہوتی ہے اور اسے عمل سے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی وہ اتنا ہی بے وقوف ہے جتنا وہ طالب علم جو امتحان کا خالی پرچہ اپنے استاد کو دے کر دعویٰ کرتا ہے کہ علم ان کے دماغ میں ہے اس لیے انہیں عملی طور پر اسے کاغذ پر لکھنے کی ضرورت نہیں ہے اور پھر بھی پاس ہونے کی امید رکھتا ہے۔

ایسا سلوک کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے محبت نہیں کرتا، صرف اپنی خواہشات رکھتا ہے اور بلاشبہ انہیں شیطان نے دھوکا دیا ہے۔

آخر میں یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ناکام رہے وہ یقیناً قیامت کے دن ان کے ساتھ نہیں ہوں گے۔ اگر کوئی ایک لمحے کے لیے اس حقیقت پر غور کرے تو یہ بالکل واضح ہے۔

اس کے علاوہ، خبیب رضی اللہ عنہ اس وقت بھی سیدھے رہے جب وہ جانتے تھے کہ انہیں مکہ کے غیر مسلموں کے ہاتھوں قتل کیا جائے گا۔ یہ اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم رہنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے ، یہاں تک کہ جب ان پر دوسروں کی طرف سے ظلم کیا جائے۔ ایک مسلمان کو اپنے دفاع کی اجازت ہے لیکن اسلام کی حدود میں۔ اس لیے کوئی شخص یہ انتخاب نہیں کر سکتا کہ کب ایک مسلمان کی طرح برتاؤ کرے اور کب نہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ اسلام کے ساتھ ایک زرہ کی طرح برتاؤ کرنے سے گریز کریں جسے وہ اتار کر اپنی خواہشات کے مطابق پہنتے ہیں۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جسے ہر حال میں نافذ کرنا ضروری ہے۔ جو اس طرز عمل میں ناکام رہتا ہے وہ صرف اپنی اطاعت اور عبادت کرتا ہے خواہ وہ اس کے علاوہ کوئی دعویٰ کرے۔ باب 25 الفرقان، آیت 43:

‘‘کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جو اپنی خواہش کو اپنا معبود بناتا ہے؟’’

لہٰذا، ایک شخص کو چاہیے کہ وہ ہر صورت حال میں اسلام کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اپنے ایمان کے زبانی اعلان کی حمایت کرے، خواہ اس کی خواہشات کے خلاف ہوں۔

نظر انداز کرنے والا اور معاف کرنے والا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے چوتھے سال غیر مسلم رہنما ابو سفیان نے تبصرہ کیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے کسی کو بھیجیں۔ ایک اعرابی جس نے اس کا تبصرہ سنا اس نے خفیہ طور پر اس سے ملاقات کی جہاں اس نے فیس کے عوض اس شیطانی منصوبے کو انجام دینے پر رضامندی ظاہر کی۔ اعرابی مدینہ کی طرف روانہ ہوا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی مسجد میں اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ پایا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص نے خیانت کا ارادہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ اس کے منصوبے کو ناکام بنا دے گا۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا تو اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو کھینچ لیا اور ایسا کرتے ہوئے اس پر ایک خنجر نکلا۔ اعرابی دب گیا لیکن اس سے پہلے کہ کوئی اسے نقصان پہنچاتا، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے اس کے منصوبے کے بارے میں سوال کیا۔ جب اس نے اسے اپنے منصوبے سے آگاہ کیا تو اس اعرابی کو اسید رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا گیا، اس حکم کے ساتھ کہ اسے قتل نہ کیا جائے۔ اگلے دن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اعرابی سے بات کی اور اسے اختیار دیا کہ وہ بغیر کسی نقصان کے رہا ہو جائے یا اس کے لیے اسلام قبول کر لے۔ اس شخص نے اسلام قبول کر لیا۔ اس نے تبصرہ کیا کہ اس نے اسلام کی سچائی کو اس وقت پہچانا جب وہ پہلی بار مدینہ میں داخل ہوئے۔ جب اس نے پہلی بار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشاہدہ کیا تو وہ اپنی تمام طاقت کھو بیٹھا، جو اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ کرنے سے پہلے ہی اس کی خیانت کو جان لیا تھا۔ ان چیزوں نے اسے اسلام کی حقانیت کا یقین دلایا۔ اس پر ابن کثیر، The Life of the Prophet، جلد 3، صفحہ 92-93 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر دیکھا جائے تو یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بار بار پیش کیے جانے والے دوسرے موقعوں کو لینے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ ہر دن انسان کے لیے ایک اور موقع ہوتا ہے کہ وہ اپنے طرز عمل کو درست کرے اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہوئے اس کی سچی اطاعت کرنے کی کوشش کرے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کریں گے اور قیامت کے دن اپنے احتساب کے لیے مناسب تیاری کرتے ہوئے ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں درست طریقے سے رکھیں گے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کر سکیں گے۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ دوسرے مواقع ہمیشہ کے لیے نہیں رہیں گے اس لیے ان کا وقت گزرنے سے پہلے اور قیامت تک پہنچنے سے پہلے ان سے استفادہ کرنا چاہیے کیونکہ اس دن یہ دوسرا موقع نہیں ہوگا۔

اس کے علاوہ، زیر بحث اہم واقعہ دوسروں کے ساتھ رحم کے ساتھ سلوک کرنے کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ اگرچہ ایک مسلمان کو اپنے دفاع کا حق حاصل ہے اور اسے مستقبل میں انہی لوگوں کے ہاتھوں اپنے آپ کو نقصان پہنچنے سے بچانے کے لیے اقدامات کرنے چاہییں، اس کے باوجود انہیں دوسروں کی غلطیوں کو نظر انداز کرنے اور معاف کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، جس طرح وہ اللہ تعالیٰ سے ان کی غلطیوں کو معاف کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ باب النور، آیت 22 24:

‘‘اور وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا آپ پسند نہیں کریں گے کہ اللہ آپ کو معاف کر دے؟’’

جیسا کہ زیر بحث مرکزی واقعہ میں اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ رحمدلانہ رویہ لوگوں کے برے کردار کو بدلنے میں بھی زیادہ کارگر ہے۔

مشکلات میں پختگی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے چوتھے سال ایک غیر مسلم ابو براء عامر بن مالک مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عیادت کے لیے آئے۔ اس نے نہ اسلام قبول کیا اور نہ ہی اس سے دشمنی ظاہر کی۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نجد میں ان کے علاقے میں بھیجا جائے تاکہ وہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہچکچا رہے تھے کیونکہ انہیں شبہ تھا کہ وہ آپ کے صحابہ پر حملہ کریں گے، لیکن ابو براء رضی اللہ عنہ نے ان کی حفاظت کی ضمانت دی۔ ستر کے قریب علماء کرام رضی اللہ عنہم کو روانہ کیا گیا لیکن نجد میں ایک اور قبیلہ بنو سلیم نے ان پر حملہ کیا۔ وہ سب شہید ہو گئے، سوائے ایک کے جو زخمی ہو کر لے گئے۔ اس پر امام صفی الرحمن کی کتاب، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 299-301 اور امام محمد السلبی کی کتاب، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم زندگی، جلد 1 صفحہ 1234-1235 میں بحث کی گئی ہے۔

زندگی میں ایک مسلمان کو ہمیشہ یا تو آسانی کے وقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا پھر مشکل کا۔ کوئی بھی شخص کچھ مشکلات کا سامنا کیے بغیر صرف آسانی کے اوقات کا تجربہ نہیں کرتا ہے۔ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اگرچہ تعریف کے اعتبار سے مشکلات کا مقابلہ کرنا مشکل ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حقیقی عظمت اور بندگی کو حاصل کرنے اور اس کے اظہار کا ذریعہ ہیں۔ اس کے علاوہ، زیادہ تر معاملات میں لوگ زندگی کے اہم اسباق سیکھتے ہیں جب انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور پھر جب وہ آسانی کے وقت کا سامنا کرتے ہیں۔ اور لوگ اکثر آسانی کے اوقات کے مقابلے مشکل کے وقت کا سامنا کرنے کے بعد بہتر کے لیے بدل جاتے ہیں۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے صرف اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت اگر کوئی قرآن پاک کا مطالعہ کرے تو وہ سمجھے گا کہ زیر بحث واقعات کی اکثریت مشکلات پر مشتمل ہے۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ حقیقی عظمت ہمیشہ آسانی کے اوقات کا تجربہ کرنے میں مضمر نہیں ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے مشکلات کا سامنا کرنا، اس کے احکام کو بجا لانا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا ہے۔ یہ اس حقیقت سے ثابت ہے کہ اسلامی تعلیمات میں جن بڑی مشکلوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک کا خاتمہ ان لوگوں کے لیے حتمی کامیابی پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ لہٰذا ایک مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنے کی فکر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ صرف ان کے لیے چمکنے کے لمحات ہیں اور سچی اطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی کا اعتراف کرتے ہیں۔ یہ دونوں جہانوں میں حتمی کامیابی کی کلید ہے۔

بنو نضیر

عہد توڑنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے بعد چوتھے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مالی امداد کی درخواست کرنے کے لیے ایک غیر مسلم قبیلہ بنو نضیر سے ملاقات کی جس سے آپ نے پہلے تعاون اور صلح کا عہد کیا تھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ خفیہ طور پر اسے قتل کرنے کی منصوبہ بندی کرتے ہوئے اس کی مدد کریں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی خیانت کی اطلاع دیتے ہوئے آسمانی وحی موصول ہوئی اور وہ اپنے شیطانی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا موقع ملنے سے پہلے ہی مدینہ واپس چلے گئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 100-101 میں بحث کی گئی ہے۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے باب 5 المائدہ آیت 11 نازل فرمائی:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب ایک قوم نے تم پر ہاتھ پھیلانے کا ارادہ کیا، لیکن اللہ نے ان کے ہاتھ تم سے روک لیے، اور اللہ سے ڈرو، اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔"

اس پر امام واحدی کی، اصباب النزول، 5:11، صفحہ 67 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ وعدہ خلافی منافقت کا ایک پہلو ہے۔

ایک مسلمان نے سب سے بڑا وعدہ اللہ تعالیٰ سے کیا ہے، جس پر اتفاق اس وقت ہوا جب کسی نے اسے اپنا رب اور معبود تسلیم کیا۔ اس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا شامل ہے۔

لوگوں کے ساتھ کیے گئے دیگر تمام وعدوں کو بھی پورا کیا جانا چاہیے، جب تک کہ کسی کے پاس کوئی معقول عذر نہ ہو، خاص طور پر جو والدین بچوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ وعدوں کی خلاف ورزی بچوں کو صرف برے کردار کی تعلیم دیتی ہے اور انہیں یہ ماننے کی ترغیب دیتی ہے کہ دھوکے باز ہونا ایک قابل قبول خصوصیت ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2227 میں موجود حدیث میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا ہے کہ جو اس کے نام پر وعدہ کرے اور پھر بغیر کسی عذر کے اسے توڑ دے وہ اس کے خلاف ہو گا۔ جس کے خلاف اللہ تعالیٰ ہے وہ قیامت کے دن کیسے کامیاب ہو سکتا ہے؟ جہاں ممکن ہو دوسروں کے ساتھ وعدے نہ کرنا ہمیشہ محفوظ ہے۔ لیکن جب کوئی حلال وعدہ کیا جائے تو اسے پورا کرنے کے لیے سخت کوشش کرنی چاہیے۔

اس کے علاوہ زیر بحث اہم واقعہ اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ جب تک کوئی اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہے گا، ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرتے ہوئے، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی دونوں جہانوں میں حفاظت فرمائے گا۔ باب 65 میں طلاق آیت 2:

''اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔''

لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ یہ تحفظ لوگوں کی خواہشات کے مطابق نہیں ہوتا ہے۔ یہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم اور حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔ اس لیے یہ تحفظ اس وقت ہوتا ہے جب

یہ لوگوں کے لیے بہترین ہو اور اس طریقے سے جو ان کے لیے بہتر ہو، چاہے یہ ان کے لیے واضح نہ ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ" تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

لہٰذا انسان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے، یہ جانتے ہوئے کہ انہیں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی ملے گی، کسی نہ کسی طریقے سے اور یہ بات ان پر ظاہر ہے یا نہیں۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ" زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

سچا انصاف

غیر مسلم قبیلہ بنو نضیر کی طرف سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کی کوشش کرنے کے بعد، اگرچہ ان کا مسلمانوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ تھا، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو نضیر کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنا علاقہ چھوڑ کر چلے جائیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 100-101 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس غیر مسلم قبیلے سے فوراً انتقام لے سکتے تھے جس نے اپنا عہد توڑا اور آپ کو قتل کرنے کی سازش کی لیکن آپ نے انصاف سے بالاتر ہوکر انہیں پرامن طور پر نکل جانے کا موقع دیا۔

عام طور پر، یہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ایک مسلمان کا طرز عمل اور کردار ہمیشہ دوسروں کے طرز عمل سے برتر ہونا چاہیے، یہاں تک کہ جذباتی حالات میں، جیسے کہ دلیل۔ بیرونی دنیا کو ایک مسلمان کے کردار اور دوسروں کے کردار میں واضح فرق دیکھنا چاہیے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ کوئی شخص بیرونی دنیا میں اسلام کی صحیح نمائندگی کرے، جو ہر مسلمان پر فرض ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلامی کردار اور طرز عمل کے ساتھ ایک زرہ کی طرح برتاؤ کرنے سے گریز کرے جسے اُتار کر اپنی خواہشات کے مطابق پہنا جا سکتا ہے۔ انہیں صحیح اسلامی کردار صرف اس وقت نہیں دکھانا چاہیے جب یہ ان کی خواہشات کے مطابق ہو۔ ان کی خواہشات اور احساسات سے قطع نظر اسے ہر حال میں دکھایا جانا چاہیے۔ یہی رویہ ایک مسلمان کو منافق سے جدا کرتا ہے، جیسا کہ ایک منافق اپنے جذبات اور خواہشات کے مطابق اپنے طرز عمل میں تبدیلی لاتا ہے۔

بدی کی حمایت

غیر مسلم قبیلہ بنو نضیر کی طرف سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کی کوشش کرنے کے بعد، اگرچہ ان کا مسلمانوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ تھا، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو نضیر کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنا علاقہ چھوڑ کر چلے جائیں۔ منافقین نے بنو نضیر کو ٹھہرنے کی تلقین کی اور ان کی حمایت کی۔ ان کا دعویٰ تھا کہ اگر بنو نضیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مزاحمت کی تو وہ ان کا ساتھ دیں گے، اگر بنو نضیر لڑے تو وہ ان سے لڑیں گے اور اگر انہیں علاقہ سے نکال دیا گیا تو وہ ان کا ساتھ دیں گے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے باب 59 الحشر، آیات 11-12 نازل فرمائی:

"کیا تم نے ان لوگوں پر غور نہیں کیا جو منافقت کرتے ہیں اور اپنے ان بھائیوں سے کہتے ہیں جو اہل کتاب میں سے کفر کر چکے ہیں، "اگر تم نکالے گئے تو ہم ضرور تمہارا ساتھ چھوڑ دیں گے اور ہم تمہارے بارے میں کسی کی بھی بات نہیں مانیں گے۔ "اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے، لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں، اگر وہ نکالے گئے تو ان کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے، اور اگر ان سے لڑائی ہوئی تو وہ ان کی مدد نہیں کریں گے، اور اگر وہ ان کی مدد کریں گے تو ضرور پیٹھ پھیر لیں گے، پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔"

اس نے بنو نضیر کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کھڑے ہونے کی ترغیب دی۔ آخرکار منافقین نے کچھ نہیں کیا جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو نضیر کے خلاف جنگ کا فیصلہ کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب حیاتِ نبوی، جلد 3، صفحہ 100-101 اور امام صفی الرحمن کی، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 302-303 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ بری صحبت کے خلاف خبردار کرتا ہے کیونکہ یہ ہمیشہ مصیبت کا باعث بنتا ہے۔ مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ سچی محبت کی ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ جب کوئی اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتا ہے، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ اس لیے کہ اطاعت دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی اور سلامتی کا باعث بنتی ہے۔ جو شخص کسی شخص کے لیے

حفاظت اور کامیابی کا خواہاں نہیں ہے وہ کبھی بھی ان سے حقیقی محبت نہیں کر سکتا چاہے وہ کیا دعویٰ کرے یا دوسرے شخص کے ساتھ کیسا سلوک کرے۔ جس طرح بندہ اس وقت خوش ہوتا ہے جب اس کے محبوب کو دنیاوی کامیابی ملتی ہے، جیسے نوکری کی، وہ بھی اپنے محبوب سے آخرت کی کامیابی کی تمنا کرے گا۔ اگر کوئی شخص دوسرے کی حفاظت اور کامیابی کی پرواہ نہیں کرتا ہے خاص طور پر اگلے جہان میں تو وہ اس سے محبت نہیں کرتا۔

ایک سچا عاشق اپنے محبوب کو دنیا یا آخرت میں مشکلات اور عذاب کا سامنا کرتے ہوئے جاننا اور دیکھنا برداشت نہیں کرسکتا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اس لیے وہ ہمیشہ اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتے۔ اگر کوئی شخص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کے بجائے کسی دوسرے کو اپنے ذاتی مفاد یا دوسروں کے مفاد کی طرف لے جائے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں رکھتے۔ یہ تمام رشتوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دوستی اور رشتہ دار۔

لہٰذا ایک مسلمان کو یہ اندازہ لگانا چاہیے کہ آیا ان کی زندگی میں وہ لوگ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو یہ ان کے لیے ان کی محبت کی واضح علامت ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں کرتے۔ باب 43 از زخرف، آیت 67:

‘‘اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔’’

بدلہ لینا چھوڑنا

غیر مسلم قبیلہ بنو نضیر نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کی کوشش کی، حالانکہ ان کا مسلمانوں سے صلح کا معاہدہ تھا اور پھر پرامن طور پر علاقہ چھوڑنے سے انکار کر دیا، مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ بنو نضیر نے پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کا خون بہا دیں اور انہیں محفوظ راستہ فراہم کریں تاکہ وہ اپنے سامان سمیت علاقہ خالی کر سکیں۔ بنو نضیر سے ان کے مذموم منصوبے کا بدلہ لینے کے بجائے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ہتھیاروں کے علاوہ جو کچھ بھی اٹھا سکتے تھے لے جانے کی اجازت دی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 100-101 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اپنی ذات سے بدلہ نہیں لیا بلکہ معاف کر دیا اور نظر انداز کیا۔

مسلمانوں کو مناسب اور معقول طریقے سے اپنا دفاع کرنے کی اجازت دی گئی ہے جب ان کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں بچا ہے۔ لیکن انہیں کبھی بھی لائن سے اوپر نہیں جانا چاہئے کیونکہ یہ ایک گناہ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 190:

’’اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہ کرو، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔‘‘

چونکہ نشان پر قدم رکھنے سے بچنا مشکل ہے، اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ صبر کی پابندی کرے، دوسروں کو نظر انداز کرے اور معاف کرے کیونکہ یہ نہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف ان کے گناہوں کو معاف کرنے کی طرف لے جاتی ہے۔ باب 24 النور، آیت 22:

‘‘اور وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا آپ پسند نہیں کریں گے کہ اللہ آپ کو معاف کر دے؟’’

دوسروں کو معاف کرنا دوسروں کے کردار کو مثبت انداز میں بدلنے میں بھی زیادہ موثر ہے، جو کہ اسلام کا مقصد ہے اور مسلمانوں پر فرض ہے، کیونکہ بدلہ لینے سے ملوث افراد کے درمیان مزید دشمنی اور غصہ پیدا ہوتا ہے۔

جو لوگ دوسروں کو معاف نہ کرنے کی بری عادت رکھتے ہیں اور معمولی باتوں پر بھی ہمیشہ رنجشوں میں مبتلا رہتے ہیں، وہ اچھی طرح جان سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ ان کے ہر چھوٹے گناہ کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چیزوں کو ،جانے دینا سیکھنا چاہئے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں بخشش کا باعث بنتا ہے۔ اس کے علاوہ ذہنی سکون اس وقت ختم ہو جاتا ہے جب کوئی شخص ہر اس چھوٹے سے مسئلے کو پکڑنے کی عادت اپنا لیتا ہے جو اسے پریشان کرتا ہے۔ لہٰذا، دوسروں کو نظر انداز کرنا اور معاف کرنا سیکھنا چھوٹے موٹے مسائل کو چھوڑنے میں مدد کرتا ہے، جس کے نتیجے میں انہیں ذہنی سکون حاصل کرنے میں مدد ملتی ہے۔

آخر میں، اہم حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جب دوسرے لوگ لائن کو عبور کریں تو کسی کو اپنا دفاع نہیں کرنا چاہئے، جیسا کہ اسلام بغیر کسی کمزوری کے عاجزی کا درس دیتا ہے۔ اس کے علاوہ، یہاں تک کہ جب کوئی دوسروں کو معاف کرتا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ان پر اندھا اعتماد کریں یا ان کے ساتھ ہمیشہ کی طرح سماجی تعلقات جاری رکھیں۔ اس سے ان کے ،دوبارہ غلط ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں کو معاف کرنا چاہیے اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے حقوق ادا کرنے چاہئیں، اور ماضی میں ان لوگوں کے ساتھ پیش آنا چاہیے جنہوں نے ان پر ظلم کیا ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ تاریخ اپنے آپ کو نہ دہرائے اور وہ دونوں جہانوں میں برکتیں اور انعامات حاصل کریں۔

ایمان میں کوئی جبر نہیں۔

غیر مسلم قبیلہ بنو نضیر نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کی کوشش کی، حالانکہ ان کا مسلمانوں سے صلح کا معاہدہ تھا اور پھر پرامن طور پر علاقہ چھوڑنے سے انکار کر دیا، مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ نتیجے کے طور پر، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو شکست دی اور ان کی بہت سی غداری کی وجہ سے انہیں قتل کرنے کے بجائے جلاوطن کرنے کا انتخاب کیا۔ اسلام کے آنے سے پہلے جب مدینہ کی ایک مشرک عورت کم عمری میں اپنے بچوں سے محروم ہو جاتی تو وہ اپنے اگلے بچے کی پرورش ایک یہودی کے طور پر کرنے کی قسم کھاتی تھی، اس امید سے کہ اس سے بچے کی موت سے بچا جا سکے گا۔ نتیجتاً ان بچوں کی پرورش قبیلہ بنو نضیر میں ہوئی اور اس لیے انہیں باقی قبیلے کے ساتھ نکال دیا گیا۔ جب ان کے حیاتیاتی والدین، جو اب مسلمان ہو چکے تھے، نے اپنے بچوں کو مدینہ میں رکھنے اور ان پر اسلام نافذ کرنے کی خواہش ظاہر کی تو اللہ تعالیٰ نے باب 2 البقرہ، آیت 256 نازل فرمائی:

"دین میں کوئی جبر نہیں ہے، صحیح راستہ غلط سے الگ ہو گیا ہے، لہٰذا جو شخص باطل عبادتوں سے انکار کرتا ہے اور اللہ پر ایمان رکھتا ہے، اس نے سب سے زیادہ بھروسہ مند ہاتھ پکڑ لیا ہے جس میں کوئی توڑ نہیں ہے، اور اللہ سننے اور جاننے والا ہے."

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 100-101 اور سنن ابوداؤد نمبر 2682 میں موجود حدیث میں بحث ہوئی ہے۔

اسلام ایک ایسی چیز ہے جسے انسان کے دل سے قبول کرنا ضروری ہے نہ کہ صرف اس کے قول و فعل سے۔ چونکہ انسان کے دل کا معاملہ پوشیدہ ہوتا ہے اس لیے اسے اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنا ایک بے مقصد کوشش بن جاتی ہے۔ اس سے واضح طور پر ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو اسلام کو تلوار سے پھیلانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بارہا ان لوگوں کی مذمت کی ہے اور سخت تنقید کی ہے جو اپنی زبان سے اسلام قبول کرتے ہیں لیکن دلوں میں اس کا انکار کرتے ہیں یعنی منافقین۔ یہ اس کا نتیجہ ہو گا جو اسلام قبول کرنے پر مجبور ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اس

ضابطہ اخلاق سے کبھی راضی نہیں ہوگا کیونکہ کھلے عام کفر کو منافقت پر ترجیح دی جاتی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جہنم میں سب سے نچلا درجہ منافقین کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ باب 4 النساء، آیت 145:

’’بے شک منافق دوزخ کے سب سے نچلے حصے میں ہوں گے۔‘‘

اس کے علاوہ قرآن کریم واضح کرتا ہے کہ اسلامی ریاست میں رہنے والے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) پرامن اور مکمل حقوق کے ساتھ رہ سکتے ہیں چاہے وہ ٹیکس ادا کرکے اسلام قبول نہ کریں۔ اگر مسلمانوں کو دوسروں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنے کی اجازت دی جائے تو اس ٹیکس کو تجویز کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ باب 9 توبہ آیت 29:

’’ان لوگوں سے لڑو جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یوم آخرت پر اور جو اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے اور جن کو کتاب دی گئی ہے ان سے حق کا دین نہیں اپناتے، [لڑو] یہاں تک کہ جزیہ ادا کر دیں۔‘‘

عام طور پر، زیر بحث اہم واقعہ اس بات کو سمجھنے کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ دنیاوی یا دینی دونوں معاملات میں صحیح رہنمائی کو دوسروں پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ سچائی کو مضبوط ثبوت کے ساتھ دوسروں کے سامنے پیش کرے اور پھر اسے قبول کرنے یا رد کرنے کا فیصلہ لوگوں پر چھوڑ دے۔ یہاں تک کہ جب کوئی شخص اپنے پیاروں کے ساتھ معاملہ کر رہا ہو، جیسے کہ ان کے بالغ بچے، والدین انہیں زندگی میں صحیح راستہ منتخب کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ وہ اپنے بچے کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق صحیح راہ پر گامزن کر کے بطور والدین اپنا فرض پورا کر سکتے ہیں، لیکن صحیح رہنمائی یا گمراہی کے انتخاب کا حتمی انتخاب بچے کے ہاتھ میں ہے۔ انسان کو یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان سے صرف ان کے بچوں کو صحیح تعلیم فراہم کرنے کے فرائض کے بارے میں سوال کرے گا، وہ ان سے ان کے بچوں کے آزادانہ انتخاب کے بارے میں سوال نہیں کرے گا۔

انتہائی سخاوت

قبیلہ بنو نضیر کو ان کی غداری کی وجہ سے مدینہ سے نکالے جانے کے بعد بغیر کسی لڑائی کے مال غنیمت حاصل کر لیا گیا اور اس لیے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کیا اور انہیں مکہ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مال غنیمت میں برابر کے شریک ہونے کا انتخاب پیش کیا یا مکہ کے صحابہ رضی اللہ عنہ کو اجازت دی کہ وہ یہ سب کچھ لے لیں اس طرح انہیں اب صحابہ کی مالی امداد کی ضرورت نہیں رہے گی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ مدینہ کے ساتھ رہنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہیں۔ مدینہ کے صحابہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ وہ تمام مال غنیمت مکہ کے صحابہ میں تقسیم کر دے، اللہ ان کے ساتھ ہو اور وہ ان کی مالی مدد بھی کرتے رہیں گے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرتِ نبوی، جلد 3، صفحہ 100-101 اور امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 1269-1270 میں بحث کی گئی ہے۔

سخاوت کی اعلیٰ خصوصیت کو اپنانے کے لیے صحیح رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ جب ایک مسلمان یہ یقین رکھتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ہے، تو اس کے پاس موجود نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے صدقہ دینا آسان ہو جاتا ہے۔ جو شخص یہ رویہ اختیار کرتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ وہ محض ایک قرض واپس کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دیا تھا۔ باب 2 البقرہ، آیت 254:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو۔"

یہ رویہ کسی کو فخر کے ذریعے اپنے خیراتی کام کو برباد کرنے سے بھی بچاتا ہے۔ فخر ایک شخص کو یہ یقین دلاتا ہے کہ وہ صدقہ دے کر اللہ، بزرگ اور ضرورت مندوں پر احسان کر رہے ہیں۔ لیکن جس طرح سے کوئی شخص بنک کا قرض بغیر فخر کے واپس کرتا ہے مسلمانوں کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے صدقہ کو اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے قرض کی ادائیگی کا ایک طریقہ ہے۔ اس کے علاوہ ضرورت مند اپنا صدقہ لے کر عطیہ کرنے والوں پر احسان کر رہے ہیں۔ ضرورت مند ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے اجر حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں اور ان کے بغیر

یہ ناممکن ہے۔ اگر کوئی یہ سمجھے کہ ان کی دولت ان کی ذہانت اور قوت سے جمع ہوئی ہے تو اسے سمجھنا چاہیے کہ یہ چیزیں بھی اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہیں۔ لہٰذا اس قرض کو دولت جیسی نعمتوں کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جانا چاہیے، ورنہ ان کو عذاب کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے جو دنیا میں شروع ہو کر آخرت تک جاری رہے گا۔

جب کوئی صدقہ کرتا ہے تو اس کا لین دین کسی مسکین سے نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلوص نیت سے کاروبار کرتا ہے تو وہ ایک ناقابل تصور نفع کا یقین رکھ سکتا ہے جو اس کو دنیا اور آخرت میں فائدہ دے گا۔ زیر بحث اہم آیات میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 245:

‘‘کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے تاکہ وہ اس کو اس کے لیے کئی گنا بڑھا دے؟’’

اندھی تقلید اور فریب

قبیلہ بنو نضیر کی مدینہ سے جلاوطنی کے بعد، عمرو بن سودا نامی ایک یہودی عالم، جس کا تعلق مدینہ کے قریب رہنے والے قبیلہ بنو قریظہ سے تھا، بنو نضیر کے متروک گھروں کے پاس سے گزرا۔ یہ دیکھنے کے بعد وہ اپنے قبیلہ بنو قریظہ میں واپس آئے اور ان کے سرداروں کو جمع کیا۔ انہوں نے کھلے دل سے اعتراف کیا کہ یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ ماننے اور ان کی پیروی کی۔ ان کے ہر رہنما نے اعتراف کیا کہ ان کے آسمانی صحیفوں میں جو نشانیاں پائی جاتی ہیں وہ واضح طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کریم کی سچائی پر دلالت کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے بعض بزرگ یہودی علماء کا بھی ذکر کیا، جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے پہلے انتقال کر گئے تھے، اور انہوں نے اپنی موت سے پہلے، کس طرح اپنے لوگوں کو ان کو قبول کرنے اور اس کی پیروی کرنے کی ترغیب دی۔ ان میں سے ایک رہنما نے تبصرہ کیا کہ صرف ایک چیز جس نے اسے اور اس کے پیروکاروں کو اسلام قبول کرنے سے روکا تھا وہ دوسرا رہنما تھا، کیونکہ وہ اس کی مخالفت کرنے میں عافیت محسوس نہیں کرتا تھا اور مزید کہا کہ اگر اس رہنما نے اسلام قبول کیا تو وہ اور اس کے پیروکار بھی ایسا ہی کریں گے۔ لیکن اپنے وقار اور دنیاوی فائدے کے کھو جانے اور ایک دوسرے کی اندھی تقلید کے خوف سے وہ اسلام قبول کرنے میں ناکام رہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 100-101 اور 108-109 میں بحث کی گئی ہے۔

دوسروں کی اندھی تقلید لوگوں کی سچائی کو مسترد کرنے کی ایک بڑی وجہ ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی عقل کو بروئے کار لاتے ہوئے شہادتوں اور واضح نشانیوں پر مبنی طرز زندگی کا انتخاب کرے اور مویشیوں کی طرح دوسروں کی اندھی تقلید نہ کرے۔ اندھی تقلید اسلام میں بھی ناپسندیدہ ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4049 میں ایک حدیث ہے جو اسلام قبول کرنے میں دوسروں کی اندھی تقلید نہ کرنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے، جیسے کہ کسی کے اہل خانہ، بغیر اسلامی علم حاصل کیے اور اس پر عمل کیے، تاکہ کوئی شخص اندھی تقلید سے آگے نکل جائے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے، اور اپنی ربوبیت اور اپنی بندگی کو صحیح معنوں میں پہچانے۔ یہ دراصل بنی نوع انسان کا مقصد ہے۔ باب 51 ذریات، آیت 56:

’’اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔‘‘

کوئی ایسے شخص کی عبادت کیسے کر سکتا ہے جسے وہ پہچانتا بھی نہیں؟ اندھی تقلید بچوں کے لیے قابل قبول ہے لیکن بڑوں کو چاہیے کہ وہ علم کے ذریعے اپنی تخلیق کے مقصد کو صحیح معنوں میں سمجھ کر صالح پیشروؤں کے نقش قدم پر چلیں۔ جہالت ہی اس کی وجہ ہے کہ جو مسلمان اپنے فرائض کی ادائیگی کرتے ہیں وہ آج بھی اللہ تعالیٰ سے قطع تعلق محسوس کرتے ہیں۔ یہ پہچان ایک مسلمان کو صرف پانچ وقت کی فرض نمازوں کے دوران نہیں بلکہ پورے دن اللہ کے سچے بندے کے طور پر برتاؤ کرنے میں مدد دیتی ہے۔ صرف اسی کے ذریعے مسلمان اللہ تعالیٰ کی حقیقی بندگی کو پورا کریں گے۔ اور یہی وہ ہتھیار ہے جو مسلمان کو اپنی زندگی کے دوران پیش آنے والی تمام مشکلات پر قابو پاتا ہے۔ اگر ان کے پاس یہ نہیں ہے تو انہیں اجر حاصل کیے بغیر مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ درحقیقت یہ دونوں جہانوں میں مزید مشکلات کا باعث بنے گا۔ اندھی تقلید کے ذریعے فرائض کی ادائیگی سے فرض تو پورا ہو سکتا ہے لیکن یہ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کے قرب تک پہنچنے کے لیے ہر مشکل میں محفوظ طریقے سے رہنمائی نہیں کرے گا۔ درحقیقت، زیادہ تر صورتوں میں اندھی تقلید اس بات کا باعث بنتی ہے کہ آخرکار اپنے واجبات کو چھوڑ دے۔ یہ مسلمان صرف مشکل کے وقت اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرے گا اور آسانی کے وقت ان سے منہ موڑے گا یا آسانی کے وقت ان کو پورا کرے گا اور مشکل کے وقت ان کو چھوڑ دے گا۔ اس کے علاوہ، اگر کوئی اندھی تقلید کے ذریعے فرضی فرائض کو بھی پورا کرتا ہے، تو ان کا یہ رویہ انہیں ان تمام نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے سے روک دے گا جو انہیں دی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ انہیں متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرنے سے روکے گا اور ان کو اپنی زندگی میں ہر چیز اور ہر چیز کو غلط جگہ دینے کا سبب بنے گا۔ لہٰذا اندھی تقلید انہیں ذہنی سکون حاصل کرنے سے روکے گی۔

چونکہ اہل کتاب وحی الٰہی کے وصول کنندہ تھے اور اس لیے علم الٰہی کے مالک تھے، ان کا وسیع معاشرے میں، حتیٰ کہ بت پرستوں میں بھی ایک خاص مقام تھا۔ لیکن اسلام کے آنے سے اس خصوصی حیثیت کو براہ راست چیلنج کیا گیا۔ اگر چہ اہل کتاب میں سے علماء نے قرآن مجید کو پہچان لیا، جیسا کہ وہ اس کے مصنف اللہ عزوجل سے بہت مانوس تھے، اور انہوں نے قرآن مجید اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں کو پہچانا، لیکن ان کے حسد نے انہیں اسلام سے انکار پر ابھارا۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو’’ پہچانتے ہیں..."

:اور باب 2 البقرہ، آیت 146

جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں’’ کو جانتے ہیں‘‘۔

اس کے علاوہ اہل کتاب اور مکہ کے غیر مسلم دونوں ہی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جانتے تھے، انہوں نے سابقہ آسمانی صحیفوں کا مطالعہ نہیں کیا تھا اس لیے قرآن مجید کو گھڑنا :ان کے لیے ناممکن تھا۔ باب 29 العنکبوت، آیت 48

،اور تم نے اس سے پہلے کوئی صحیفہ نہیں پڑھا اور نہ ہی کسی کو اپنے داہنے ہاتھ سے لکھا’’ پھر)یعنی دوسری صورت میں (جھٹلانے والے شک میں پڑ جاتے‘‘۔

اہل کتاب کو اس بات پر مزید رشک آیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بھائی حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد ہونے کے بجائے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں ،سے تھے، جیسا کہ وہ تھے۔ چونکہ ان کا پورا مذہب حسب و نسب کی اہمیت کے گرد ڈھل گیا تھا جس نے ان کے مطابق انہیں باقی بنی نوع انسان پر فوقیت دی، اس لیے وہ ایک ایسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول اور پیروی نہیں کر سکتے تھے، جو ایک دوسرے سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ صرف ان کی برتری کے کمپلیکس کو تباہ کرے گا جو انہوں نے گھڑا تھا۔

اس کے علاوہ اہل کتاب میں سے علماء کو معلوم تھا کہ اگر وہ اسلام قبول کر لیتے ہیں تو وہ ان نعمتوں کو استعمال کرنے پر مجبور ہو جائیں گے جو انہیں خدائی تعلیمات کے مطابق دی گئی ہیں۔ انہیں یہ خوف بھی تھا کہ اسلام قبول کرنے سے وہ قیادت، عزت اور سماجی اثر و رسوخ سے محروم ہو جائیں گے جو انہوں نے اپنے معاشرے میں حاصل کیا تھا۔ اس نے انہیں اسلام سے انکار کرنے کی مزید ترغیب دی۔

ان کے حسد اور دنیاوی چیزوں سے محبت نے انہیں اسلام کو غلط ثابت کرنے کی کوشش میں جان بوجھ کر اپنے آسمانی صحیفوں کی غلط تشریح اور تدوین کرنے کی ترغیب دی اور انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھی جنگ کی۔ اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد اس سے کفر کرنے لگے اور اس لیے انہوں نے دونوں جہانوں میں اپنی تقدیر پر مہر ثبت کر دی۔ باب 3 علی عمران، آیت 69:

"اہل کتاب کا ایک گروہ چاہتا ہے کہ وہ تمہیں گمراہ کر دیں، لیکن وہ اپنے سوا کسی کو گمراہ نہیں کرتے اور انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔"

اللہ تعالیٰ کے بارے میں ان کی خواہش مندانہ سوچ نے انہیں یہ سمجھنے سے روک دیا کہ ان کے اعمال انہیں دونوں جہانوں میں کفر اور عذاب کی طرف لے جاتے ہیں۔ انہوں نے یہ غلط عقیدہ اختیار کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اور محبوب ہیں جیسا کہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ اپنے گمراہ کن عقیدے کے ذریعے انہوں نے نسل پرستی کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا۔ باب 5 المائدۃ، آیت 18:

لیکن یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کی اولاد اور اس کے پیارے ہیں، کہہ دو کہ پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں کی سزا کیوں دیتا ہے؟بلکہ تم اس کی پیدا کردہ مخلوقات میں سے انسان ہو، وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔

اس غلط عقیدے کے ذریعے انہوں نے ناانصافی اور ناانصافی کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا، جیسا کہ انہوں نے دعویٰ کیا کہ وہ ان میں سے برے کام کرنے والے کے ساتھ دوسری قوموں کے نیکی کرنے والوں کی طرح سلوک کرے گا۔ باب 45 الجثیہ، آیت 21:

"کیا وہ لوگ جو برائیاں کرتے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے - ان کی زندگی اور موت میں برابری پیدا کر دیں گے، یہ جو فیصلہ کرتے ہیں وہ برا ہے"۔

اس کے علاوہ ان کی خواہش مندانہ سوچ نے انہیں یہ جھوٹا یقین دلایا کہ اگر انہیں ان کے جرائم کی سزا جہنم میں بھی دی جائے تو یہ صرف تھوڑے ہی عرصے کے لیے ہو گی، جیسا کہ وہ خود کو مومن سمجھتے تھے۔ یہ عالمی طور پر مانا جاتا ہے کہ ایک مومن ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں جائے گا۔ لیکن انہوں نے اپنے آپ کو بے وقوف بنایا جب وہ کافر ہو گئے جب انہوں نے اسلام کا انکار کیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کی، حالانکہ وہ دوسرے آسمانی صحیفوں اور بعض دیگر انبیاء علیہم السلام پر ایمان رکھتے تھے۔ باب 2 البقرہ، آیت 80:

"اور وہ کہتے ہیں کہ ہم کو آگ ہرگز نہیں چھوئے گی سوائے گنتی کے چند دنوں کے "کہو کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لیا ہے؟ کیونکہ اللہ اپنے عہد کو کبھی نہیں توڑے گا۔ یا تم اللہ کے بارے میں ایسی بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے؟"

اور باب 4 النساء، آیات 150-151:

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں " میں تفریق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو کافر کرتے ہیں اور ان کے درمیان کوئی راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں، وہی لوگ کافر ہیں، اور ہم نے کافروں کے "لیے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں ان کی خواہش مندانہ سوچ نے انہیں اس بات کا ادراک کیے بغیر کفر میں ڈال دیا۔ باب 3 علی عمران، آیت 69:

اہل کتاب کا ایک گروہ چاہتا ہے کہ وہ تمہیں گمراہ کر دیں، لیکن وہ اپنے سوا کسی کو گمراہ نہیں" "کرتے اور انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔

لہٰذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اہل کتاب کے نقش قدم پر چلنے سے گریز کریں کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں پریشانی، تناؤ اور مشکلات کا باعث ہے۔ مسلمانوں کو خواہش مند سوچ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت میں حقیقی امید کے درمیان فرق کو سمجھنا چاہیے۔ خواہش مندانہ سوچ میں شامل ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر قائم رہنا، ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہوئے جو انہیں عطا کی گئی ہیں، اور دونوں جہانوں میں اس کی رحمت اور بخشش کی توقع رکھتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے امید رکھنے میں شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خلوص دل سے کوشش کرے جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے اور پھر دونوں جہانوں میں اس کی رحمت اور بخشش کی امید رکھنا شامل ہے۔ جیسا کہ لوگوں سے کمال کی توقع نہیں کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ سے امید رکھنے میں جب بھی کوئی مخلص توبہ میں احساس جرم، اللہ گناہ سرزد ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کرنا بھی شامل ہے۔ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہے، شامل ہے، جب تک کہ یہ مزید پریشانی کا باعث نہ ہو۔ انسان کو سچے دل سے وعدہ کرنا چاہیے کہ وہ دوبارہ وہی یا اس سے ملتا جلتا گناہ نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہوں ان کی تلافی کرنی جامع ترمذی نمبر 2459 کی حدیث میں چاہیے۔ خواہش مند سوچ اور اللہ تعالیٰ پر امید کے فرق کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

مزید برآں، مسلمانوں کو یہ سمجھ کر اہل کتاب کے رویے کو اپنانے سے گریز کرنا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں، کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو ہیں۔ ایسا کرنا انتہائی بے عزتی اور کفر کے قریب ہے، جیسا کہ کوئی دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں سے برے کام کرنے والے کے ساتھ نیکی کرنے والے کے برابر سلوک کرے گا۔ یہ براہ راست اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کو چیلنج کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بارہا بیان کیا ہے کہ اس کا لوگوں کے ساتھ سلوک کبھی نہیں بدلتا۔ جس طرح اس نے پچھلی امتوں کے نافرمانوں کو سزا دی جو اس پر ایمان لائی تھیں، اسی طرح اس کی نافرمانی پر قائم رہنے والے مسلمانوں کو بھی عذاب دے گا۔
باب 35 فاطر، آیت 43:

”لیکن تم اللہ کے راستے میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے اور اللہ کے راستے میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔“

مزید برآں، مسلمانوں کو اہل کتاب کا رویہ اختیار کرنے سے گریز کرنا چاہیے جنہوں نے یہ گمان کیا کہ چونکہ وہ ابھی تک مومن ہیں، وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں رہیں گے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اڑے رہے، ان کی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہوئے، اس کے اس دنیا سے جانے سے پہلے اپنے ایمان کے ضائع ہونے کا شدید خطرہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جسے پھلنے پھولنے کے لیے اطاعت کے ساتھ پرورش پانا ضروری ہے۔ جس طرح ایک پودا جو سورج کی روشنی جیسی پرورش حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے وہ پھلنے پھولنے میں ناکام رہتا ہے اور وہ مر بھی سکتا ہے، اسی طرح جو شخص اس کی پرورش نہ کرے اس کا ایمان نہ پھلے پھولے گا اور اس کے مرنے کا شدید خطرہ ہے۔ یہ سب سے بڑا نقصان ہے۔ لہٰذا، جو مسلمان اپنے زبانی ایمان کے دعوے کی تائید میں ناکام رہتے ہیں، ان کے لیے قیامت کے دن غیر مسلم ہونے کا فیصلہ ہو سکتا ہے، بالکل اسی طرح جیسے اہل کتاب، جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا دعویٰ کیا، لیکن جب انہوں نے اس کی نافرمانی کی تو اس کے ساتھ کفر کیا۔

شراب کی ممانعت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے بعد چوتھے سال اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام کر دیا۔ اس پر امام محمد السلّابی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرتِ نبوی، جلد 1، صفحہ 1281 میں بحث کی گئی ہے۔

تنسیخ وہ عمل ہے جس کے ذریعے کچھ عرصے کے بعد ایک حکم یا ممانعت کو دوسرے حکم یا ممانعت سے بدل دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس تکنیک کو استعمال کیا تاکہ ایک غیر مسلم سے مضبوط مسلمان کی طرف منتقلی کو ایک شخص کے لیے آسان بنایا جا سکے۔ اگر تمام حتمی احکام و ممنوعات کو ایک ہی بار میں مکمل طور پر نافذ کر دیا جائے تو یہ عمل مشکل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں شراب کو فوری طور پر حرام نہیں کیا گیا، کیونکہ شراب کو ایک ہی پل میں ترک کرنا زیادہ تر لوگوں کے لیے مشکل ہو جاتا تھا جو اسے پیتے تھے۔ اس کے بجائے اسے مراحل میں ممنوع قرار دیا گیا۔ باب 2 البقرہ، آیت 219:

"وہ تم سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دو کہ ان میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدہ بھی ہے۔ لیکن ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑا ہے۔"

اور باب 4 النساء آیت 43:

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ جب تک کہ تم یہ نہ جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو“۔

اور آخر میں باب 5 المائدہ آیت 90:

”اے ایمان والو، بے شک نشہ، جوا، پتھروں پر قربانی کرنا، اور طاغوت کے تیر شیطان کے کام سے ناپاک ہیں، لہٰذا اس سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔“

یہ عمل طبی ڈاکٹروں کی طرف سے بھی اختیار کیا جاتا ہے جو ادویات کی پوری خوراک سیدھے طریقے سے تجویز نہیں کرتے ہیں اور اس کے بجائے خوراک کو وقت کے ساتھ ساتھ بڑھاتے ہیں تاکہ مریض ان کو مثبت انداز میں ڈھال سکیں۔ یہ حکمت عملی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم نعمت اور رحمت تھی، کیونکہ اسلام قبول کرنے والے لاتعداد لوگ اس کو رد کر دیتے اگر تمام حتمی احکام و ممنوعات نزول کے آغاز میں ایک ہی بار میں نازل ہو جاتے۔ جیسا کہ اس آیت کے آخری حصے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ اس کام کا اختیار رکھتا ہے پھر بھی اس نے لوگوں کے لیے آسانی اور رحمت کا راستہ منتخب کیا۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی ممنوعات اور احکام لوگوں کی زندگی کو مشکل بنانے کے لیے موجود نہیں ہیں۔ وہ صرف اس لیے موجود ہیں کہ لوگوں کو اس دنیا اور آخرت دونوں میں فائدہ پہنچائیں خواہ یہ فوائد لوگوں پر ظاہر نہ ہوں۔ مثال کے طور پر، الکحل کے منفی اثرات، جو سائنس نے ثابت کیے ہیں، ہمیشہ ظاہر نہیں ہوتے تھے جیسے کہ جسم کے اعضاء پر اس کے منفی اثرات۔ اسلام میں صرف لوگوں کو اس اور دیگر نقصانات سے بچانا غیر قانونی ہو گیا ۔ اس کے علاوہ کسی چیز کو اس کی حکمتوں کو سمجھے بغیر قبول کرنا ایمان کا ایک پہلو ہے۔ اگر احکام و ممنوعات کی تمام حکمتیں ظاہر کر دی جائیں تو یہ مسلمانوں کو مکمل ایمان لانے کی اجازت نہیں دے گی۔ اللہ تعالیٰ ان احکام و ممنوعات سے فائدہ نہیں اٹھاتا جو صرف لوگ کرتے ہیں۔

منسوخی کا یہ عمل درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور مدد کا ایک پہلو ہے تاکہ انسان دونوں جہانوں میں آسانی سے کامیاب ہو سکے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 3371 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ مسلمان کو ہرگز شراب نہیں پینی چاہیے کیونکہ یہ تمام برائیوں کی کنجی ہے۔

بدقسمتی سے مسلمانوں میں یہ کبیرہ گناہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا گیا ہے۔ یہ تمام برائیوں کی کنجی ہے کیونکہ یہ دوسرے گناہوں کو جنم دیتی ہے۔ یہ بالکل واضح ہے کیونکہ شرابی اپنی زبان اور جسمانی افعال پر قابو کھو دیتا ہے۔ صرف اس خبر کو دیکھنے کی ضرورت ہے کہ شراب پینے سے کتنا جرم ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ اعتدال سے پیتے ہیں وہ صرف اپنے جسم کو نقصان پہنچاتے ہیں، جسے سائنس نے ثابت کیا ہے۔ الکحل سے منسلک جسمانی اور ذہنی بیماریاں بے شمار ہیں اور نیشنل ہیلتھ سروس اور ٹیکس دہندگان پر بھاری بوجھ کا باعث بنتی ہیں۔ یہ تمام برائیوں کی کلید ہے کیونکہ یہ انسان کے تینوں پہلوؤں پر منفی اثر ڈالتی ہے :ان کا جسم، دماغ اور روح۔ یہ لوگوں کے درمیان تعلقات کو تباہ کر دیتا ہے، کیونکہ الکحل کسی کے رویے کو منفی طور پر متاثر کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، شراب نوشی اور گھریلو تشدد کے درمیان واضح تعلق ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 90:

’’اے ایمان والو، بے شک نشہ، جوا، پتھروں پر قربانی کرنا، اور طاغوت کے تیر شیطان کے کام سے ناپاک ہیں، لہٰذا اس سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔‘‘

اس آیت میں شراب پینے کو ان چیزوں کے ساتھ رکھا گیا ہے جن کا تعلق شرک سے ہے، اس بات پر روشنی ڈالتا ہے کہ اس سے بچنا کتنا ضروری ہے۔

یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 3376 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ شراب باقاعدگی سے پینے والا جنت میں نہیں جائے گا۔

سنن ابن ماجہ، نمبر 68 میں موجود ایک حدیث کے مطابق امن کے اسلامی سلام کو پھیلانا جنت کے حصول کی کلید ہے۔ امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 1017 میں پائی جانے والی ایک حدیث، مسلمانوں کو مشورہ دیتی ہے کہ باقاعدگی سے شراب پینے والے کو سلام نہ کریں۔

شراب ایک انوکھا کبیرہ گناہ ہے کیونکہ سنن ابن ماجہ نمبر 3380 میں موجود ایک حدیث میں دس مختلف طریقوں سے اس پر لعنت کی گئی ہے۔ ان میں شراب خود، اسے بنانے والا، جس کے لیے پیدا کیا جاتا ہے، اسے بیچنے والا، اسے خریدنے والا، اسے اٹھانے والا، اس کو استعمال کرنے والا، اس کو پینے کے لیے لے جانے والا، اس کو بیچنے والا، استعمال کرنے والا۔ اور جو اسے ڈالتا ہے۔ جو شخص ایسی لعنت کا معاملہ کرے گا وہ اس وقت تک حقیقی کامیابی حاصل نہیں کرے گا جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کرے۔

اگرچہ، شراب کی لت کو توڑنا مشکل ہے، لیکن کسی کو بھی ان تمام چیزوں سے بچنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے جو اسے اس کی طرف مائل کریں، جیسے برے دوست۔ انہیں ان کے لیے دستیاب تمام مدد کا استعمال کرنا چاہیے، جیسے کہ کونسلنگ سیشن۔ انہیں کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص پر ایسا بوجھ نہیں ڈالتا جس کو وہ پورا نہ کر سکے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286:

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

یہ چیزیں ان کو اس بڑے گناہ سے نیکی سے باز آنے میں مدد دیں گی۔

جوئے کی ممانعت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے بعد چوتھے سال اللہ تعالیٰ نے جوئے کو حرام قرار دیا۔ اس پر امام محمد السلّابی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرتِ نبوی، جلد 1، صفحہ 1281 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ حقیقت کہ جوئے کو ان چیزوں کے ساتھ رکھا گیا ہے جن کا تعلق درج ذیل آیت میں شرک سے ہے اس سے پرہیز کرنا کتنا ضروری ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 90:

’’اے ایمان والو، بے شک نشہ، جوا، پتھروں پر قربانی کرنا، اور طاغوت کے تیر شیطان کے کام سے ناپاک ہیں، لہٰذا اس سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔‘‘

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے امام بخاری کی کتاب "ادب المفرد "نمبر 1262 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت کی ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے کو یہ کہنے کے بدلے میں صدقہ دینا چاہیے۔ اگر شرط لگانے کے بارے میں بات کرنے پر جرمانہ ہے تو کیا کوئی حقیقت میں جوئے کی سنگینی کا تصور کر سکتا ہے؟

جوا نہ صرف ایک شخص کو بلکہ ان سے وابستہ تمام افراد جیسے کہ ان کے خاندان کو تباہ کرتا ہے۔ اس کا تعلق بہت سے دوسرے گناہوں اور حالات سے ہے، جیسے شراب نوشی اور افسردگی۔

ایک شخص جوئے کے ذریعے کچھ دولت جیت سکتا ہے لیکن طویل مدت میں وہ صرف ہارنے والا ہی ہوگا۔

قرآن پاک سے بے وفائی

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چوتھے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غط الرقہ کے نام سے ایک مہم پر روانہ ہوئے۔ جب وہ رات بھر ایک وادی میں رکے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو صحابہ رضی اللہ عنہم کو وادی کے منہ پر اس وقت پہرہ دینے کا حکم دیا جب فوج سو رہی تھی۔ ان میں سے ایک صحابی عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے پہلی شفٹ لی جب کہ دوسرے صحابی عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سو گئے۔ عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نماز پڑھنے لگے۔ ان کی نماز کے دوران ایک غیر مسلم دشمن سپاہی نے اسے دیکھا اور اس پر تیر مارا۔ عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے اپنے جسم سے تیر نکال لیا اور نماز پڑھتے رہے۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے بیدار ہونے سے پہلے یہ چار مرتبہ ہوا۔ غیر مسلم سپاہی اس وقت بھاگ گیا جب اسے معلوم ہوا کہ وہاں دو محافظ ہیں۔ عمار بن یاسر نے دریافت کیا کہ عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے جب پہلا تیر مارا تو انہیں کیوں نہیں جگایا؟ اس نے جواب دیا کہ میں نماز سے فارغ ہونے تک قرآن پاک کی تلاوت بند نہیں کرنا چاہتا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 115-116 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں سے اس طرح کے برتاؤ کی توقع نہیں کی جاتی ہے لیکن ان سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ قرآن پاک کے ساتھ سچے اخلاص کا مظاہرہ کریں۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام قرآن کریم کے ساتھ اخلاص ہے۔ یہ اخلاص اس وقت ثابت ہوتا ہے جب کوئی شخص قرآن کریم کے تین پہلوؤں کو پورا کرتا ہے۔ سب سے پہلے اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے ۔ دوسرا اس کی تعلیمات کو معتبر ذریعہ اور استاد کے ذریعے سمجھنا ہے۔ آخری پہلو یہ ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات پر اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے مقصد سے عمل کیا جائے۔ مخلص مسلمان اپنی خواہشات پر عمل کرنے پر اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کو ترجیح دیتا ہے جو قرآن کریم سے متصادم ہیں۔ اپنے کردار کو قرآن پاک پر ڈھالنا اللہ کی کتاب کے ساتھ سچے اخلاص کی علامت ہے۔ یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایت ہے جس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 1342 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ قرآن کریم کے ساتھ مخلص ہونے کا ایک پہلو یہ ہے کہ قرآن کریم کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی خلوص نیت کے ساتھ اس تک رسائی حاصل کی جائے، خواہ کسی کی خواہشات قرآن کے خلاف کیوں نہ ہوں۔ جو اپنی خواہشات کی بنیاد پر حکموں، ممانعتوں اور نصیحتوں پر عمل کرنے اور نظر انداز کرنے کا خوش

دلی سے انتخاب کرتا ہے، اس نے اس کے بارے میں اخلاص اختیار کیا ہے اور وہ اس کی ہدایت سے صحیح معنوں میں فائدہ نہیں اٹھا سکے گا۔ باب 17 الاسراء، آیت 82:

"اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔"

آخر میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ قرآن پاک دنیاوی مسائل کا علاج ہونے کے باوجود مسلمان کو صرف اسی مقصد کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ یعنی قرآن مجید کو صرف اس لیے نہیں پڑھنا چاہیے کہ وہ اپنے دنیاوی مسائل کے حل کے لیے اس کی تلاوت کریں، قرآن مجید کو ایک آلے کی طرح سمجھیں جو مشکل کے وقت ہٹا کر دوبارہ ٹول باکس میں رکھ دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کا بنیادی کام آخرت کی صحیح رہنمائی کرنا ہے۔ اس اہم کام کو نظر انداز کرنا اور اسے صرف اپنے دنیوی مسائل کے حل کے لیے استعمال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ ایک سچے مسلمان کے طرز عمل کے خلاف ہے۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جو ابھی تک بہت سے مختلف لوازمات کے ساتھ کار خریدتا ہے، اس کے پاس کوئی انجن نہیں ہے۔ اس طرح کا برتاؤ اس کے ساتھ بے حسی ظاہر کرتا ہے۔

خوبصورت کردار

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کے چوتھے سال مدینہ منورہ میں ایک مہم سے واپس آتے ہوئے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا کمزور اونٹ باقی لشکر سے پیچھے تھا۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ اونٹ سے اتر جاؤ۔ پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹ کو چھڑی سے چند بار دوڑایا اور اسے دوبارہ سوار ہونے کو کہا۔ پھر اونٹ مضبوط اور تیز ہو گیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے اونٹ بیچنے کو کہا۔ جابر رضی اللہ عنہ نے اسے بطور ہدیہ دینے کی پیشکش کی لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکار کر دیا اور قیمت مقرر کر دی گئی۔ جیسا کہ جابر رضی اللہ عنہ نے حال ہی میں شادی کی تھی، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے شادی کی دعوت کا اہتمام کیا۔ جب وہ مدینہ واپس آئے تو جابر رضی اللہ عنہ وہ اونٹ لے کر آئے جسے انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فروخت کرنے پر رضامندی ظاہر کی۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹ کو دیکھا تو جابر رضی اللہ عنہ کو تحفہ میں دیا اور جو رقم انہوں نے بیچنے پر رضامندی ظاہر کی اور کچھ اضافی بھی دے دی۔ اس پر ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 117-118 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسروں کے ساتھ رویہ تھا۔

جامع ترمذی نمبر 2003 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قیامت کے ترازو میں سب سے بھاری چیز حسن اخلاق ہوگی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن سلوک، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنا شامل ہے۔ یہ ان نعمتوں کو استعمال کرنے کا سبب بنے گا جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو راضی ہوں۔ اس کا خلاصہ اسلامی علم کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔

اصل حدیث میں لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کو بھی شامل ہے۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اللہ تعالیٰ کے حوالے سے واجبات کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن دوسروں کے ساتھ بدسلوکی کرکے دوسرے پہلو کو نظر انداز کرتے ہیں۔ وہ اس کی اہمیت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ یعنی جس طرح انسان چاہتا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ حسن سلوک کریں، اسی طرح اسے دوسروں سے بھی حسن سلوک کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ، کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن اور مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی زبانی اور جسمانی اذیت کو دوسروں اور ان کے مالوں سے دور نہ رکھے، خواہ اس کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 3318 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ تنبیہ فرمائی کہ ایک عورت جہنم میں جائے گی کیونکہ اس نے بلی کے ساتھ بدسلوکی کی جس سے اس کی موت واقع ہوئی۔ اور سنن ابوداؤد نمبر 2550 میں ایک اور حدیث ملتی ہے کہ ایک آدمی کو پیاسے کتے کو کھانا کھلانے کی وجہ سے معاف کر دیا گیا۔ اگر یہ اچھا کردار دکھانے کا نتیجہ ہے اور جانوروں کو برے کردار دکھانے کا نتیجہ ہے تو کیا اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے؟ درحقیقت زیر بحث مرکزی حدیث اس نصیحت کے ساتھ ختم ہوتی ہے کہ اچھے کردار کے حامل کو اس مسلمان کی طرح اجر ملے گا جو اللہ تعالیٰ کی مسلسل عبادت کرتا ہے اور باقاعدگی سے روزے رکھتا ہے۔

آخر میں مرکزی حدیث کے مطابق اگر قیامت کے ترازو میں کسی شخص کے حق میں اچھا کردار سب سے بھاری ہو گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے ترازو میں انسان کے حق میں سب سے بھاری چیز بد کردار ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ برے اخلاق، خلوص نیت سے اس کی اطاعت میں ناکامی، اور مخلوق کے ساتھ، ان کے ساتھ ایسا سلوک کرنے میں ناکامی جیسے کہ کوئی دوسرے کے ساتھ برتاؤ کرنا چاہتا ہے۔

اضافہ یا نقصان

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے چوتھے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ وہ اپنے مسلسل فراخدلانہ خیراتی عطیات اور غریبوں اور ضرورت مندوں کے ساتھ شفقت اور ہمدردی کے لئے "غریبوں کی ماں "کے طور پر جانا جاتا تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 112 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 2336 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ ہر روز دو فرشتے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔ پہلا اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ وہ اس کی خاطر خرچ کرنے والے کو معاوضہ دے۔ دوسرا اللہ تعالیٰ سے پوچھتا ہے کہ روکنے والے کو ہلاک کر دے۔

اس حدیث کا مقصد سخاوت اور بخل سے بچنے کی ترغیب دینا ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرنے میں صرف واجب صدقہ ہی شامل نہیں ہے بلکہ اس میں فضول خرچی اور اسراف کے بغیر اپنی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات پر خرچ کرنا بھی شامل ہے جیسا کہ اسلام نے اس کا حکم دیا ہے۔ جو کوئی بھی ان عناصر پر خرچ کرنے میں ناکام رہتا ہے وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی دولت تباہ ہو جائے کیونکہ وہ اس مقصد کو پورا کرنے میں ناکام رہے ہیں جو حقیقت میں دولت کو بیکار بنا دیتا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرنا کبھی بھی مجموعی نقصان کا باعث نہیں بنتا کیونکہ ایک شخص کو کسی نہ کسی طریقے سے معاوضہ دیا جاتا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2029 کی حدیث میں اس بات کی ضمانت دی ہے کہ صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا۔ باب 34 سبا، آیت 39:

‘‘...لیکن تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے وہ اس کی تلافی کرے گا’’

ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ ایک سخی انسان اللہ کے قریب، جنت کے قریب، لوگوں کے قریب اور جہنم سے دور ہے۔ جبکہ کنجوس شخص اللہ تعالیٰ سے دور، جنت سے دور، لوگوں سے دور اور جہنم سے قریب ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1961 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

آخر میں، یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ یہ حدیث ان تمام نعمتوں پر لاگو ہوتی ہے جو کسی کے پاس ہوتی ہے، جیسے کہ ان کی اچھی صحت، نہ کہ صرف مال۔ پس اگر کوئی ان کی نعمتوں کو صحیح طریقے سے وقف کرنے اور استعمال کرنے میں ناکام رہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے تو فرشتے کی دعا ان کے خلاف ہو گی۔ بنیادی حدیث میں جس تباہی کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد نعمتوں سے محروم ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اس میں دنیاوی نعمت شامل ہے جو دونوں جہانوں میں ان کے لیے تناؤ اور مشکلات کا باعث بنتی ہے۔ یہ ان لوگوں میں آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے جو اپنی نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے میں ناکام رہتے ہیں، جیسے کہ ان کی دولت۔ جو دولت وہ حاصل کرتے ہیں اور اس امید پر جمع کرتے ہیں کہ یہ ان کے لیے سکون کا ذریعہ بنے گی، وہی ان کے تناؤ اور پریشانی کا باعث بن جاتی ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر ایک نعمت کو اسلامی تعلیمات کے مطابق صحیح طریقے سے استعمال کریں تاکہ انہیں دونوں جہانوں میں زیادہ سے زیادہ حاصل ہو، جو کہ حقیقت میں حقیقی شکرگزاری ہے۔ بصورت دیگر، وہ ہمیشہ کے لیے نعمت سے محروم ہو سکتے ہیں۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

مشکل کے ساتھ آسانی

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے بعد چوتھے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ ان کی شادی سب سے پہلے ایک صحابی ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی لیکن وہ جنگ احد میں شدید زخمی ہو گئے تھے اور کچھ عرصہ بعد ان کی وفات ہو گئی۔ ان کی وفات کے بعد اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت پر عمل کیا، اس بات کا اقرار کرتے ہوئے کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی ہیں اور سب اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ سے اس کے شوہر کے نقصان کا ازالہ کرنے اور اس کے بدلے بہتر چیز دینے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ وہ حیران تھی کہ وہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر کسی کو کیسے پا سکتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا پوری کر دی اور اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے شادی کی پیشکش قبول کر لی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 123-124 میں بحث کی گئی ہے اور صحیح مسلم نمبر 2126 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

مسند احمد نمبر 2803 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کو سمجھنے کی اہمیت کی تلقین فرمائی کہ انسان کو درپیش ہر مشکل کے بعد آسانی ہوگی۔ یہ حقیقت قرآن مجید میں بھی بیان کی گئی ہے، مثال کے طور پر، باب 65، آیت 7:

‘‘اللہ تعالیٰ سختی کے بعد آسانی پیدا کرے گا۔’’

کے لیے اس حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے کیونکہ یہ صبر اور قناعت کو جنم دیتا ہے۔ حالات کی تبدیلیوں پر غیر یقینی ہونا کسی کو بے صبری، ناشکری اور یہاں تک کہ غیر قانونی چیزوں کی طرف لے جا سکتا ہے، جیسے کہ غیر قانونی رزق۔ لیکن جو اس بات پر پختہ یقین رکھتا ہے کہ آخرکار تمام مشکلات آسانی سے بدل جائیں گی وہ اسلام کی تعلیمات پر مکمل اعتماد کرتے ہوئے صبر سے اس تبدیلی کا انتظار کرے گا۔ یہ صبر اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور اس کا اجر بہت زیادہ ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 146:

‘‘اور اللہ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔’’

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ایسی بے شمار مثالیں بیان کی ہیں جب مشکل حالات کے بعد آسانی اور برکت آتی تھی۔ مثال کے طور پر قرآن کریم کی درج ذیل آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کو اپنی قوم کی طرف سے کس بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑا اور کس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں سیلاب عظیم سے بچایا اس کا ذکر ہے۔ باب 21 الانبیاء، آیت 76:

"اور نوح کا ذکر کریں جب اس نے]اس وقت [سے پہلے]اللہ کو [پکارا تو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے اور اس کے گھر والوں کو بڑی مصیبت]یعنی سیلاب [سے بچا لیا۔

ایک اور مثال باب 21 الانبیاء، آیت 69 میں ملتی ہے:

ہم نے کہا اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو‘‘۔’’

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک عظیم آگ کی صورت میں بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس کو ٹھنڈا اور پر سکون بنا دیا۔

یہ اور بہت سی مثالیں قرآن پاک اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیان ہوئی ہیں تاکہ مسلمان یہ سمجھیں کہ مشکل کا ایک لمحہ آخر کار ان لوگوں کے لیے آسانی کا باعث بنتا ہے جو اللہ تعالیٰ

کی اطاعت کرتے ہیں، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں۔

لہٰذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ ان اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کریں تاکہ ان بے شمار صورتوں کا مشاہدہ کیا جا سکے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمانبردار بندوں کو مشکلات کا سامنا کرنے کے بعد آسانی عطا فرمائی۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمانبردار بندوں کو بڑی مشکلوں سے بچا لیا ہے جن کا ذکر الٰہی تعلیمات میں کیا گیا ہے تو وہ فرمانبردار مسلمانوں کو چھوٹی چھوٹی مشکلات سے بھی بچا سکتا ہے اور بچائے گا۔

دوسری بدر

جنگ احد سے نکلنے سے پہلے، غیر مسلم رہنما ابو سفیان نے اگلے سال بدر کے مقام پر دونوں فوجوں کے دوبارہ ملنے کے لیے ملاقات کا اعلان کیا۔ وقت آیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے 1500 سپاہیوں کے ساتھ کوچ کیا اور بدر میں پڑاؤ ڈالا، غیر مسلموں کے انتظار میں۔ غیر مسلم فوج تقریباً 2000 سپاہیوں پر مشتمل تھی لیکن اس نے بدر سے دور کیمپ قائم کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی اور اگرچہ اس نے خود ملاقات کا وقت مقرر کیا، ابو سفیان نے سپاہیوں کو مکہ واپس جانے کی ترغیب دی۔ چونکہ وہ مسلمانوں کو مشغول کرنے سے خوفزدہ تھے، انہوں نے اس کی مخالفت نہیں کی اور مکہ واپس آگئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بدر میں رہے اور کسی نفع بخش تجارت میں مشغول رہے۔ آٹھ دن کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر سے اس ہیبت اور سربلندی کے ساتھ روانہ ہوئے جو اہل عرب کے دلوں میں پھیل گئی تھی۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 306-307 میں بحث کی گئی ہے۔

ان کی استقامت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک ایسی نفسیاتی فتح عطا فرمائی جس کی بازگشت پورے عرب میں فوجی فتح سے زیادہ تھی۔

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فضیلت عطا فرمائی کیونکہ انہوں نے ایمان کی شرط پوری کی۔ باب 3 علی عمران، آیت 139:

پس تم کمزور نہ ہو اور غم نہ کرو اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو‘‘۔’’

سچا عقیدہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت میں شامل ہے، جو اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے جن کا ذکر قرآن پاک اور حضور

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کریں گے اور قیامت کے دن اپنے احتساب کے لیے مناسب تیاری کرتے ہوئے ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں درست طریقے سے رکھیں گے۔ یہ ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی کا باعث بنتا ہے اور اس دنیا میں برتری حاصل کرنے کا ایک پہلو ہے۔ لیکن اگر مسلمان اس طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت میں ناکام رہے تو وہ وہ برتری حاصل نہیں کر پائیں گے جس کا اس پر سچے یقین رکھنے والوں سے وعدہ کیا گیا ہے۔ نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، حقیقی عقیدہ صرف الفاظ میں نہیں بلکہ اعمال میں ظاہر ہوتا ہے۔

پیاروں کو کھونا

حضرت عثمان بن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے چوتھے سال میں عفان رضی اللہ عنہ کے چھ سالہ بیٹے جو کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے تھے، وفات پا گئے۔ امام محمد السلّابی کی سیرت عثمان ابن عفان ذون نورین صفحہ 55 میں بھی اس پر بحث کی گئی ہے۔

چند سال بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجہ ام کلثوم اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی بھی وفات پا گئیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری کوئی اور بیٹی ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیتا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت عثمان ابن عفان ذون نورین صفحہ 56 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ اگر ان کی چالیس بیٹیاں ہوں تو میں ان کا نکاح عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دوں گا، یہاں تک کہ ان میں سے کوئی بھی باقی نہ رہی۔ امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 163 میں اس پر بحث ہوئی ہے -

ہر روز لوگ اپنے پیاروں کو کھو دیتے ہیں۔ یہ ایک ناگزیر نتیجہ ہے۔ ایک مسلمان بہت سی چیزوں کو یاد رکھ سکتا ہے اور ان پر عمل کر سکتا ہے جو اس مشکل میں اس کی مدد کر سکتی ہیں۔ ایک بات یہ ہے کہ حالات کا مثبت انداز میں مشاہدہ کیا جائے۔ یعنی جو کچھ کھویا ہے اس پر غمگین ہونے کے بجائے انہیں ان اچھی چیزوں پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے جو اس نے جانے والے کے ذریعے حاصل کی ہیں، جیسے کہ ان کی اچھی نصیحت اور رہنمائی۔ جب کوئی اس پر غور کرے گا تو وہ سمجھے گا کہ اس شخص کو کھونے سے پہلے اسے بالکل نہ جاننے کے بجائے اسے جان لینا بہتر تھا۔ یہ بیان سے ملتا جلتا ہے، محبت نہ کرنے سے بہتر ہے کہ پیار کیا جائے اور کھو دیا جائے۔ اگرچہ زیادہ تر معاملات میں، اس بیان کو سیاق و سباق سے ہٹ کر اور غلط استعمال کیا جاتا ہے لیکن جب اس طرح استعمال کیا جائے تو یہ درست اور مددگار ثابت ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ جو مسلمان بلا شبہ آخرت پر یقین رکھتا ہے اسے ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ لوگ اس دنیا میں صرف ایک دوسرے کو چھوڑنے کے لیے نہیں ملتے۔ لیکن اس کے بجائے وہ صرف اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تاکہ اگلے جہان میں دوبارہ مل سکیں۔ یہ رویہ ایسی مشکل کے دوران مریض کو باقی رکھنے میں مدد دے سکتا ہے۔ اور اس سے انہیں یہ ترغیب دینی چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کریں، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرتے ہوئے تاکہ وہ اپنے پیارے سے ہمیشہ کے لیے جنت کے باغوں میں اپنی آخری آرام گاہ میں مل سکیں۔

اس کے علاوہ زیر بحث اہم واقعات بھی اچھے شریک حیات کی تلاش کی اہمیت کی نشاندہی کرتے ہیں۔ یہ تب ہی حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص اسلام کی تعلیمات کے مطابق شریک حیات کا مسلمان کو چاہیے کہ وہ انتخاب کرے۔ صحیح بخاری نمبر 5090 میں موجود حدیث کے مطابق اپنی زوجیت کی بنیاد پر انتخاب کرے ورنہ وہ خسارے میں ہوں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس کے پاس تقویٰ ہے وہ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کی کوشش کرے گا جو قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کی گئی ہیں۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق، اور لوگوں جیسے کہ ان کی شریک حیات اور بچوں کی ادائیگی ،کو یقینی بنائیں گے۔ اس کے علاوہ جس کے پاس تقویٰ ہے وہ دوسروں کے حقوق ادا کرے گا جیسے کہ ان کی شریک حیات، یہاں تک کہ جب وہ ان سے ناراض ہوں۔ لہٰذا جب میاں بیوی دونوں تقویٰ کے مالک ہوں گے تو وہ ایک دوسرے کے حقوق پورے کریں گے خواہ ان کی شادی میں ،آسانی ہو یا مشکل۔ جبکہ جس میں تقویٰ نہیں ہے وہ لوگوں کے حقوق ادا کرنے میں ناکام رہے گا جیسے کہ ان کی شریک حیات، خاص طور پر جب وہ ان سے ناراض ہوں۔ لہٰذا، ایک ناپاک شریک حیات کا انتخاب صرف شادی کے مسائل اور گھر میں ذہنی سکون کی کمی کا باعث بنے گا۔ یہ بات بالکل واضح ہے جب کوئی آج کل زیادہ تر مسلمانوں کا مشاہدہ کرتا ہے۔

ہجرت کے بعد پانچواں سال

قائدین کے لیے نیک خواہشات

غزوۂ بدر میں غیر مسلموں کے سامنے نہ آنے کے بعد اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ واپس تشریف لے گئے، آپ ایک لشکر کے ساتھ دوبارہ دومۃ الجندل کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ سرزمین رومی سلطنت کی سرحد پر تھی اس لیے یہ ایک طویل سفر تھا۔ دومۃ الجندل کے مقام پر دشمن مسلمانوں کے تجارتی قافلوں اور مسلمانوں سے صلح کے معاہدے کرنے والوں پر حملہ آور تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بھی پہنچی کہ وہ بھی مدینہ کی طرف جانے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام عرب کو اور رومی سلطنت کو توسیع دے کر واضح پیغام دینا چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی سرزمین محفوظ اور ان کے کنٹرول سے باہر ہے۔ جب فوج دومۃ الجندل پہنچی تو دشمن کی فوج خوف سے بھاگ گئی اور کوئی لڑائی نہ ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد مسلمانوں کی فوج بحفاظت مدینہ واپس آگئی۔ مدینہ سے غیر حاضری کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سبع رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا انچارج مقرر کیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ سبع رضی اللہ عنہ مدینہ کے رہنے والے نہیں تھے اور اصل میں غفار قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ کسی اجنبی کو اقتدار پر مقرر کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ایک امتحان تھا، جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طویل غیر حاضری میں ان پر اعتراض کر سکتے تھے، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی قبائلی وابستگیوں کو ایک طرف رکھ دیا اور سب ایمان کے ساتھ اکٹھے ہو گئے۔ لہٰذا، انہوں نے اپنے لیڈر کے پس منظر سے قطع نظر وفاداری کا مظاہرہ کیا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1300-1305 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام معاشرے کے قائدین کے لیے اخلاص ہے۔ اس میں انہیں بہترین مشورے کی پیشکش کرنا اور ان کے اچھے فیصلوں میں کسی بھی ضروری طریقے سے مدد کرنا شامل ہے، جیسے کہ مالی یا جسمانی مدد۔ امام مالک کی موطا، کتاب نمبر 56، حدیث نمبر 20 میں موجود ایک حدیث کے مطابق اس فرض کو ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ باب 4 النساء آیت 59:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے حاکم ہیں..."

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معاشرے کے سربراہان کی اطاعت فرض ہے۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ اطاعت اس وقت تک فرض ہے جب تک کہ کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔ مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں اگر یہ خالق کی نافرمانی کا باعث بنے۔ اس طرح کے معاملات میں لیڈروں کے خلاف بغاوت کرنے سے گریز کیا جانا چاہیے کیونکہ اس سے صرف معصوم لوگوں کا ہی نقصان ہوتا ہے۔ اس کے بجائے قائدین کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق نرمی سے نیکی اور برائی سے منع کرنا چاہیے۔ دوسروں کو اس کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کرنی چاہیے اور ہمیشہ راہنماؤں سے صحیح راستے پر چلنے کی دعا کرنی چاہیے۔ لیڈر سیدھے رہیں گے تو عوام بھی سیدھے رہیں گے۔

لیڈروں کے ساتھ دھوکہ کرنا منافقت کی علامت ہے جس سے ہر وقت بچنا چاہیے۔ اخلاص میں ان معاملات میں ان کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے جو معاشرے کو بھلائی پر اکٹھا کرتے ہیں اور ہر اس چیز سے تنبیہ کرتے ہیں جو معاشرے میں خلل پیدا کرے۔ اسلام میں قائدین کی اندھی وفاداری نہیں ہے، صرف ان چیزوں میں ان کی اطاعت ہے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ، زیر بحث اہم واقعہ واضح طور پر اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ایمان کے بندھن کو دیگر تمام قسم کے بندھنوں، جیسے کہ خون پر ترجیح دی جائے۔ اسلام کے خلاف اہم حملوں میں سے ایک مسلمانوں کے درمیان تفرقہ پیدا کرنا تھا تاکہ وہ لوگوں کے ساتھ دوسرے رشتوں جیسے کہ قوم پرستی کو عقیدے کے بندھن پر ترجیح دیں۔ یہ ایک بڑی وجہ ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں میں تفرقہ پیدا ہوا، کیونکہ وہ لوگوں کے ساتھ اپنے دنیاوی تعلقات کے بارے میں زیادہ فکر مند تھے، اس عقیدے کے تعلق سے جو وہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ بانٹتے تھے۔ نتیجتاً، اسلامی ممالک دوسری قوموں کے مسلمانوں کے مصائب کو آسانی سے نظر انداز کر دیتے ہیں، صرف اس لیے کہ وہ ان کی قوم سے تعلق نہیں رکھتے۔

مزید برآں، جب مسلمانوں کو نسلی اور ذات پات جیسی دنیاوی وجوہات کی بنیاد پر ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کی ترغیب دی جائے گی، عقیدے کے بندھن کو ترجیح دینے کے بجائے، انہیں ان لوگوں کی حمایت کرنے کی ترغیب دی جائے گی جن کے ساتھ ان کے دنیاوی تعلقات ہیں، خواہ وہ غلط کاموں میں ان کا ساتھ دے رہے ہوں۔ جبکہ وہ لوگ جو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ اپنے عقیدے کو دوسرے تمام بندھنوں پر ترجیح دیتے ہیں، وہ صرف اچھی چیزوں میں دوسروں کی مدد کریں گے، کیونکہ ایمان کے ساتھ ان کی وفاداری سب سے پہلے آتی ہے۔

مزید برآں، دنیاوی رشتے کمزور ہونے کی وجہ سے وقت کے ساتھ ٹوٹتے رہتے ہیں۔ یہ ایک اور وجہ ہے کہ مسلمان جو دنیاوی بندھنوں سے جڑے ہوئے ہیں وہ وقت کے ساتھ ساتھ اجنبی ہو جاتے ہیں، جیسے بہن بھائی۔ اگر ان کا ایک دوسرے کے ساتھ بنیادی تعلق ایمان کی بنیاد پر ہوتا تو وقت کے ساتھ ساتھ ان کا رشتہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جاتا۔

جنگ احزاب

ایک سچا لیڈر

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ اس کے نتیجے میں جنگ خندق شروع ہوئی جسے جنگ احزاب بھی کہا جاتا ہے۔ جب ان کے حملے کی خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ مدینہ کے واحد پہلو میں ایک بہت بڑی خندق کھودی جائے جس سے دشمن کی فوج حملہ کر سکے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کو کھودنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 128 میں بحث کی گئی ہے۔

تمام مسلمانوں خصوصاً والدین یہ واقعہ مثال کے طور پر رہنمائی کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو جو نصیحت کرتے ہیں اس پر عمل کریں۔ یہ ظاہر ہے۔ دوسروں کہ جنہوں نے اس پر عمل کیا جس کی انہوں نے تبلیغ کی۔ اگر کوئی تاریخ کے اوراق پلٹے۔ کے مقابلے میں جنہوں نے مثال کے طور پر رہنمائی نہیں کی۔ ان لوگوں پر بہت زیادہ مثبت اثر پڑا بلکہ ان ہیں جنہوں نے نہ صرف اس پر عمل کیا بہترین نمونہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف اس رویہ سے مسلمان بالخصوص سختی سے عمل کیا۔ تعلیمات پر کسی اور سے زیادہ والدین کا دوسروں پر مثبت اثر پڑے گا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی ماں اپنے بچوں کو جھوٹ نہ جیسا کہ یہ گناہ ہے لیکن اکثر ان کے سامنے جھوٹ بولنا اس کے بچوں کا بولنے کی تلقین کرے۔ ان کی ہمیشہ دوسروں پر اس کے مشورے پر عمل کرنا۔ ایک شخص کے اعمال امکان نہیں ہے۔ دوسروں کو ضروری ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے۔ نوٹ کرنا تقریر سے زیادہ اثر ڈالے گا ۔ یہ انہیں خلوص نیت سے مطلب ہے کہ ہونا ضروری ہے ۔ اس کا کامل مشورہ دینے سے پہلے ایک دوسروں کو مشورہ دینے سے پہلے قرآن کریم اپنے مشورے پر عمل کرنا کوشش کرنی چاہیے۔ نے مندرجہ ذیل آیت میں واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرز عمل کو ناپسند کرتا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 3267 میں موجود ایک حدیث اور لیکن خود اس سے باز رہے۔ نیکی کا حکم دیا جس نے میں تنبیہ فرمائی ہے کہ ایک شخص جہنم میں سخت سزا دی جائے گی۔ باب 61 پھر بھی خود اس پر عمل کیا۔ برائی سے منع کیا۔ الصف، آیت 3:

‘‘اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں۔’’

لہٰذا تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود ان کی نصیحت پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ پھر دوسروں کو نصیحت کریں۔ تمام انبیاء کرام ایسا ہی کرنا مثال کے طور پر معروف روایت ہے۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے، اور دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

کوشش ثواب کی طرف لے جاتی ہے۔

جنگ احزاب کی تیاری میں دشمن کی فوج کو مدینہ میں آسانی سے داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک بڑی خندق کھودی گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کو کھودنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حوصلہ افزائی کی کہ وہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور آخرت کا ثواب حاصل کریں۔ وہ سب اس کے ساتھ کام کرتے تھے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 128 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ باب 47 محمد، آیت 7 سے مربوط ہے :

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم اللہ کا ساتھ دو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمائے گا۔"

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اسلام کی مدد کرے گا تو اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں ان کی مدد کرے گا۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ بے شمار لوگ اللہ تعالیٰ کی مدد کے خواہاں ہیں، لیکن اس آیت کے پہلے حصے کو اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر کے پورا نہیں کرتے۔ اکثر لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ان کے پاس اعمال صالحہ کے لیے وقت نہیں ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے خواہاں ہیں، پھر بھی ان کاموں کے لیے وقت نہیں نکالیں گے جن سے وہ خوش ہے۔ کیا یہ معنی رکھتا ہے؟ جو لوگ فریضہ ادا نہیں کرتے اور پھر ضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ سے مدد کی امید رکھتے ہیں وہ بالکل بے وقوف ہیں۔ اور جو لوگ واجبات کو پورا کرتے ہیں لیکن ان سے آگے جانے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ انہیں ملنے والی امداد محدود ہے۔ کس طرح برتاؤ کیا جاتا ہے اس کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے۔ جتنا زیادہ وقت اور توانائی اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہوگی، انہیں اتنی ہی زیادہ مدد ملے گی۔ یہ واقعی اتنا آسان ہے۔

،ایک مسلمان کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ زیادہ تر واجبات، جیسے کہ پانچ وقت کی نمازیں صرف ایک دن میں تھوڑا سا وقت لیتی ہیں۔ ایک مسلمان یہ توقع نہیں کر سکتا کہ وہ دن میں بمشکل ایک گھنٹہ فرض نماز کی ادائیگی کے لیے وقف کرے اور پھر باقی دن اللہ تعالیٰ سے غافل رہے اور پھر بھی تمام مشکلات میں اس سے مسلسل مدد کی امید رکھے۔ ایک شخص اس دوست کو ناپسند کرے گا جو اس کے ساتھ ایسا سلوک کرے۔ تو پھر اللہ رب العالمین کے ساتھ ایسا سلوک کیسے ہو سکتا ہے؟

کچھ لوگ صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اضافی وقت صرف کرتے ہیں، جب انہیں کوئی دنیوی مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو اس سے اس کو حل کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں گویا انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ایک احسان رضاکارانہ طور پر کیا ہے۔ یہ احمقانہ ذہنیت واضح طور پر اللہ تعالیٰ ،کی بندگی کے خلاف ہے۔ یہ حیرت انگیز ہے کہ اس قسم کے لوگ اپنی تمام تفریحی سرگرمیاں جیسے کہ خاندان اور دوستوں کے ساتھ وقت گزارنے، ٹی وی دیکھنا اور سماجی تقریبات میں شرکت کے لیے کیسے وقت نکالتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے وقت نہیں نکال پاتے۔ وہ قرآن پاک کی تلاوت اور اس کی تعلیمات کو اپنانے کے لیے وقت نہیں نکال پاتے۔ انہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطالعہ اور ان پر عمل کرنے کا وقت نظر نہیں آتا۔ یہ لوگ کسی نہ کسی طرح اپنی غیر ضروری آسائشوں پر خرچ کرنے کے لیے دولت تلاش کرتے ہیں لیکن ایسا لگتا ہے کہ انہیں رضاکارانہ خیرات میں دینے کے لیے کوئی دولت نہیں ملتی۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ اس کے برتاؤ کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اضافی وقت لگاتا ہے، تو اسے وہ سہارا مل جائے گا جس کی انہیں تمام مشکلات سے باحفاظت سفر کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن اگر وہ واجبات کو پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کوئی دوسرا وقت صرف کیے بغیر صرف ان کو پورا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ایسا ہی جواب ملے گا۔ سیدھے الفاظ میں، جتنا زیادہ دیتا ہے، وہ اتنا ہی زیادہ وصول کرے گا۔ اگر کوئی زیادہ نہیں دیتا تو اسے بدلے میں زیادہ امید نہیں رکھنی چاہئے۔

جدوجہد میں کمزوری۔

جنگ احزاب کی تیاری میں دشمن کی فوج کو مدینہ میں آسانی سے داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک بڑی خندق کھودی گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کو کھودنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بعض منافقین جسمانی طور پر حصہ لینے سے باز آ گئے اور کمزوری کی شکایت کی۔ ان میں سے بعض نے بغیر اجازت کے، خندق کھودتے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خفیہ طور پر چھوڑ دیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے باب 24 النور، آیات 62-64 نازل فرمایا:

”مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور جب وہ کسی مشترکہ کام کے لیے اس سے ملاقات کرتے ہیں تو اس وقت تک نہ نکلیں جب تک کہ اس سے اجازت نہ لے لیں، درحقیقت آپ سے اجازت لینے والے وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں، پس جب وہ اپنے کسی امر کی وجہ سے آپ سے اجازت مانگیں گے تو ان میں سے جو آپ سے مانگیں گے، ان کو معاف کر دیں گے۔ اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے آپس میں ایک دوسرے کو پکارنے کو اللہ پہلے سے جانتا ہے جو اس کے حکم سے اختلاف کرتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان پر کوئی مصیبت نازل ہو۔ اور وہ پہلے سے جانتا ہے کہ تم کس پر کھڑے ہو اور جس دن وہ اس کی طرف لوٹائے جائیں گے اور وہ انہیں بتائے گا کہ وہ کیا کرتے رہے ہیں اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 128-129 میں بحث کی گئی ہے۔

منافقت کا ایک پہلو یہ ہے کہ جب کوئی زبانی طور پر دوسروں اور ان کے اچھے منصوبوں جیسے کہ مسجد کی تعمیر کے لیے حمایت کا اظہار کرتا ہے لیکن جب اس منصوبے میں حصہ لینے کا وقت آتا ہے، جیسے کہ دولت عطیہ کرنا، وہ غائب دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح، جب لوگ اچھے وقت کا سامنا کر رہے ہوتے ہیں تو وہ زبانی طور پر ان کی حمایت کرتے ہیں اور دوسروں کو ان کی وفاداری کی یاد دلاتے ہیں۔ لیکن جس وقت عوام کو مشکلات کا سامنا ہوتا ہے یہ منافق کوئی

جذباتی یا جسمانی سہارا نہیں دیتے۔ اس کے بجائے وہ ان پر تنقید کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منافقین کا یہی رویہ تھا۔ باب 4 النساء آیت 62:

''تو کیسا ہو گا جب ان کے ہاتھوں کے آگے بڑھنے کی وجہ سے ان پر کوئی آفت آجائے اور پھر وہ اللہ کی قسم کھا کر آپ کے پاس آئیں کہ ہم نے حسن سلوک اور رہائش کے سوا کچھ نہیں چاہا۔''

اس کے علاوہ یہ واقعہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر ثابت قدم رہنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے خواہ آسانی ہو یا مشکل۔ وہ جو یہ چنتا اور چنتا ہے کہ کب اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنی ہے اور کب صرف اپنی خواہشات کی پرستش نہیں کرنی ہے، چاہے وہ اس کے علاوہ دعویٰ کرے۔ باب 25 الفرقان، آیت 43:

''کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جو اپنی خواہش کو اپنا معبود بناتا ہے؟''

جیسا کہ پہلے نقل کی گئی آیات میں متنبہ کیا گیا ہے کہ جو شخص اس طرح کا برتاؤ کرے گا اس پر آفتیں آئیں گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا طرز عمل انہیں ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے کا سبب بنے گا جو انہیں عطا کی گئی ہیں جو انہیں متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرنے سے روکے گی اور اس کی وجہ سے وہ اپنی زندگی میں ہر چیز اور ہر چیز کو غلط جگہ پر لے جائیں گے۔ یہ انہیں ذہنی سکون حاصل کرنے سے روک دے گا۔ نتیجے کے طور پر، ان کی زندگی میں ہر چیز اور ہر شخص ان کے لیے تناؤ کا باعث بن جائے گا جو انہیں ذہنی صحت کے مسائل، جیسے ڈپریشن، مادے کی لت اور یہاں تک کہ خودکشی کے رجحانات کی طرف لے جائے گا۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے صرف ان لوگوں کو دیکھنے کی ضرورت ہے جو ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ اس لیے اسلام کی تعلیمات کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے تاکہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل ہو۔ انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی گئی ہیں اور ایک سخت خوراک کا منصوبہ ہے۔ جس طرح یہ عقلمند مریض اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کرے گا، اسی طرح وہ شخص جو اسلامی تعلیمات کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا۔ انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا

چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہی واحد ہے جو کامل ضابطہ اخلاق فراہم کر سکتا ہے جو ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔ تمام انسانوں کے بنائے ہوئے ضابطہ اخلاق علم، دور اندیشی، تجربے کی کمی اور تعصبات کی وجہ سے اس نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے۔

حقیقی زندگی

جنگ احزاب کی تیاری میں دشمن کی فوج کو مدینہ میں آسانی سے داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک بڑی خندق کھودی گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کو کھودنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ایک مرتبہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت سرد صبح کے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لائے اور خندق کھودتے ہوئے ان کی بھوک اور شدید تھکاوٹ دیکھی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ان کی مغفرت کی دعا کی اور مزید کہا کہ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 129 میں بحث ہوئی ہے اور صحیح بخاری نمبر 4099 میں موجود حدیث میں درج ہے۔

یہ واقعہ یاد رکھنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی ایک ایسے شخص کی طرح ہے جو عارضی ورک ویزا پر دوسرے ملک کا سفر کرتا ہے۔ ان کا مقصد دنیاوی آسائشوں سے لطف اندوز ہونا نہیں ہے بلکہ محنت کرنا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ پیسہ بچایا جا سکے جسے وہ اپنے ورک ویزا کی مدت ختم ہونے کے بعد اپنے وطن واپس لے جا سکیں۔ جس طرح اس ملازم کو تنقید کا نشانہ بنایا جائے گا اگر وہ اپنی زیادہ تر کوششیں دنیاوی آسائشوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے وقف کر دیں اور اپنے وطن میں کوئی قابل ذکر چیز واپس نہ لائے، اسی طرح وہ مسلمان جو اپنے وسائل کا زیادہ تر حصہ دنیاوی لذتوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے وقف کر دیتا ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف خالی ہاتھ لوٹے گا۔ ایک مسلمان کبھی کبھار حلال لذتوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے آزاد ہے لیکن انھیں یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ انھیں اس دنیا میں ایک خاص فرض کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ اس میں ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں بیان کیا گیا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کریں۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کریں گے اور قیامت کے دن اپنے احتساب کے لیے مناسب تیاری کرتے ہوئے ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں درست طریقے سے رکھیں گے۔ لیکن اگر کوئی دنیاوی لذتوں سے لطف اندوز ہونے کو ترجیح دیتا ہے تو وہ اس فرض سے غفلت برتیں گے اور ان نعمتوں کا غلط استعمال کریں گے جو انہیں دی گئی ہیں۔ اس کے نتیجے میں وہ اس دنیا میں ذہنی سکون حاصل نہیں کر پائیں گے اور وہ قیامت کے دن اپنے احتساب کے لیے مناسب تیاری کرنے میں ناکام رہیں گے۔ اس لیے وہ دونوں جہانوں میں خسارے میں رہیں گے، خواہ اس دنیا میں ان پر یہ بات ظاہر نہ ہو۔

صبر کے ساتھ شکر ادا کرنا

جنگ احزاب کی تیاری میں دشمن کی فوج کو مدینہ میں آسانی سے داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک بڑی خندق کھودی گئی۔ خندق کھودتے وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حوصلہ افزائی کے لیے دعائیں اور اشعار پڑھتے تھے۔ ان میں سے ایک مندرجہ ذیل شعر بھی شامل ہے" :اللہ کے نام پر اور اس کے ذریعہ ہم نے ہدایت حاصل کی اور اگر ہم اس کے سوا کسی کی عبادت کرتے تو ہمیں نقصان اٹھانا پڑتا۔ کیا ہی اچھا رب ہے !کتنا اچھا دین ہے "!اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 130-131 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ روح کی ایک منفی صفت کو اجاگر کرتا ہے۔ یہ تب ہوتا ہے جب کوئی شخص یقین کرتا ہے کہ اسے صبر کی ضرورت ہوتی ہے جب کہ حقیقت میں اسے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ جب انسان کو کوئی مشکل پیش آتی ہے تو اسے ان بے شمار نعمتوں کو یاد رکھنا چاہیے جو اس کے پاس موجود ہیں۔ انہیں اس بات کی قدر کرنی چاہیے کہ وہ جس مشکل کا سامنا کر رہے ہیں وہ اس سے بھی بدتر ہو سکتی تھی اور سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے صرف بہترین فیصلہ کرتا ہے، چاہے وہ فوری طور پر انتخاب کے پیچھے موجود حکمتوں کا مشاہدہ نہ کریں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ’’ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔‘‘

یہ سچائیاں مشکل حالات میں بھی شکرگزار ہونے کی ترغیب دیں گی جہاں زیادہ تر لوگ صبر کا کسی کی نیت میں شکر ادا کرنے میں صرف اللہ تعالیٰ کو خوش مظاہرہ کرنے کی توقع کرتے ہیں۔ کرنے کے لیے عمل کرنا شامل ہے۔ کسی کی تقریر میں شکر گزاری میں وہ بات کرنا شامل ہے جو اچھی ہے یا خاموش رہنا۔ اور اپنے اعمال میں شکرگزاری میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

ٹیسٹ کے نتائج

جنگ احزاب کی تیاری میں دشمن کی فوج کو مدینہ میں آسانی سے داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک بڑی خندق کھودی گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کو کھودنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ خندق کھودتے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انتہائی سخت زمین کا ایک ٹکڑا بتایا جسے وہ نہیں توڑ سکتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور سخت زمین کو کودال سے مارا اور وہ نرم ریت میں تبدیل ہو گئی۔ انہوں نے یہ بھی گواہی دی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھوک کی تکلیف کو روکنے کے لیے اپنے پیٹ پر پتھر باندھا تھا کیونکہ وسائل کی کمی کی وجہ سے ان سب نے تین دن میں کچھ نہیں کھایا تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 131 میں بحث ہوئی ہے اور صحیح بخاری نمبر 4101 میں موجود حدیث میں بھی اس پر بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ آزمائشوں اور آزمائشوں نے مومنین کو ازل سے ہی متاثر کیا ہے خاص طور پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں، لیکن ایسا لگتا ہے کہ جدید دور کے امتحانات مسلمانوں کے لیے مزید مشکلات اور ذلت کا باعث بنتے ہیں۔ جبکہ نیک پیشواؤں کو جن آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا وہ دونوں جہانوں میں عزت کا باعث بنے۔ امتحانات کے نتائج اور نتائج میں اس فرق کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جب صالح پیش رووں کو درحقیقت دورِ حاضر کے مسلمانوں سے زیادہ آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا، جس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 4023 کی حدیث سے ہوتی ہے، تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی سچی اطاعت کرتے ہوئے اپنی آزمائشوں اور مشکلات کا سامنا کیا۔ ممانعت اور تقدیر پر صبر کرنا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بحفاظت امتحان پاس کر گئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دونوں جہانوں میں بڑی عزت و عنایت حاصل کی۔ جبکہ اس دور میں بہت سے مسلمان آزمائشوں کا سامنا کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم نہیں رہتے۔ وہ یہ سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں کہ امتحان میں کامیابی اور عزت صرف انہی کو ملتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہتے ہیں جبکہ نافرمانی صرف رسوائی کا باعث بنتی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کنارے پر نہ کریں جہاں وہ آسانی کے وقت صرف اس کے فرمانبردار ہوں اور مشکل کے وقت غصے اور نافرمانی سے اس سے منہ موڑ لیں۔ یہ حقیقی بندگی یا اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں ہے۔ سیدھے الفاظ میں، کوئی بھی عمل طویل مدت میں مسلمانوں کی مدد نہیں کرے گا اگر وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مبنی نہ ہو۔ نافرمانی صرف ایک مشکل سے دوسری مشکل کی طرف لے جائے گی، ایک سے دوسری رسوائی۔
باب 4 النساء، آیت 147:

‘‘اللہ تمہارے عذاب کا کیا کرے گا اگر تم شکر گزار ہو اور ایمان لاؤ؟’’

دوسروں کے لیے تشویش

جنگ احزاب کی تیاری میں دشمن کی فوج کو مدینہ میں آسانی سے داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک بڑی خندق کھودی گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کو کھودنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ خندق کھودتے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے گواہی دی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھوک کی تکلیف کو روکنے کے لیے اپنے پیٹ پر پتھر باندھا تھا کیونکہ وسائل کی کمی کی وجہ سے ان سب نے تین دن میں کچھ نہیں کھایا تھا۔ ایک صحابی جابر رضی اللہ عنہ نے گھر واپس آنے کی اجازت طلب کی اور اپنی اہلیہ سے کہا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کچھ کھانا بنائیں۔ چند لوگوں کے لیے کافی پکانے کے بعد اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت دی۔ اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تھوڑا سا کھانا دستیاب ہونے کی اطلاع دی لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دعوت دی جو سینکڑوں کی تعداد میں موجود تھے اور معجزانہ طور پر سب کے لیے کھانا کافی ہو گیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 131-132 میں بحث کی گئی ہے اور صحیح بخاری نمبر 4101 میں موجود ایک حدیث میں بھی اس پر بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دعوت کو اپنے لیے قبول کر سکتے تھے لیکن آپ ہمیشہ کی طرح تمام لوگوں کے لیے مخلص رہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 53:

شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے‘‘۔’’

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی دونوں میں بہتری آئے۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا کسی مسلمان کا رویہ نہیں ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77:

اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے‘‘۔

دوسروں کے لیے مخلص ہونے کا ایک پہلو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے ان کی مدد کرنا ہے۔ انسان کو لوگوں سے شکرگزاری کی خواہش نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس سے اجر ضائع ہو جاتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں سے صریح بے وفائی ہے۔

ہم میں سے ایک

جنگ احزاب کی تیاری میں دشمن کی فوج کو مدینہ میں آسانی سے داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک بڑی خندق کھودی گئی۔ کھدائی کے دوران مکہ کے صحابہ اور مدینہ کے صحابہ رضی اللہ عنہ سب سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پر جھگڑنے لگے۔ ہر فریق کا دعویٰ تھا کہ وہ ان کا ہے حالانکہ وہ نہ تو مدینہ کا رہنے والا ہے اور نہ ہی مکہ سے ہجرت کرنے والا ہے بلکہ وہ فارس سے آیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلمان رضی اللہ عنہ کو ان کے گھر کا فرد قرار دے کر اس بحث کو ختم کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 135 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ اعزاز حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو ان کی تقویٰ کی وجہ سے عطا کیا گیا کیونکہ وہ کسی بھی طرح خون کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جڑے ہوئے نہیں تھے۔ سنن ابو داؤد نمبر 5116 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر تنبیہ فرمائی کہ شرافت کسی کے نسب میں نہیں ہے کیونکہ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مٹی سے بنے تھے۔ اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ لوگوں کو اپنے رشتہ داروں اور نسب پر فخر کرنا چھوڑ دینا چاہیے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگرچہ بعض جاہل مسلمانوں نے ذاتیں اور فرقے بنا کر دوسری قوموں کا رویہ اختیار کر رکھا ہے، اس طرح ان گروہوں کی بنیاد پر بعض لوگوں کو دوسروں سے برتر مان کر اسلام نے برتری کا ایک سادہ معیار قرار دیا ہے، یعنی تقویٰ۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمان جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لاتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز آتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کا درجہ اتنا ہی بلند ہوتا ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

”بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے“۔

،یہ آیت دیگر تمام معیارات کو ختم کر دیتی ہے جو جاہل لوگوں نے بنائے ہیں، جیسے کہ کسی کی نسل نسل، دولت، جنس یا سماجی حیثیت۔

اس کے علاوہ اگر کوئی مسلمان اپنے نسب میں کسی متقی شخص پر فخر کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور ان کے نقش قدم پر چل کر اس عقیدے کا صحیح مظاہرہ کرنا چاہیے۔ دوسروں کے نقش قدم پر چلے بغیر ان پر فخر کرنا اس دنیا یا آخرت میں کسی کے کام نہیں آئے گا۔ یہ بات جامع ترمذی نمبر 2945 میں موجود حدیث میں واضح ہو چکی ہے۔

جو دوسروں پر فخر کرتا ہے لیکن ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہتا ہے وہ بالواسطہ طور پر ان کی بے عزتی کر رہا ہے کیونکہ باہر کی دنیا ان کے برے کردار کو دیکھے گی اور یہ سمجھے گی کہ ان کے صالح آباؤ اجداد نے اسی طرح برتاؤ کیا تھا۔ ان لوگوں کو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ یہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری روایات اور نصیحتوں کو اپناتے ہیں، جیسے داڑھی بڑھانا یا دوپٹہ پہننا، پھر بھی ان کے باطنی حسن اخلاق کو اپنانے میں ناکام رہتے ہیں۔ بیرونی دنیا صرف اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منفی سوچے گی جب وہ ان مسلمانوں کے برے کردار کو دیکھیں گے۔

آخر میں، بنی نوع انسان کی ابتداء کو یاد رکھنا غرور کو اپنانے سے روکے گا، جس کی قیمت ایک ایٹم کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ غرور صرف دوسروں کو حقیر سمجھنے کی ترغیب دیتا ہے، حالانکہ ان کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا اور عطا کیا گیا ہے۔ فخر بھی کسی کو سچائی ،کو مسترد کرنے کی ترغیب دے گا، جب یہ ان سے پیدا نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا کسی بھی چیز پر غرور جیسے کہ اپنے نیک بزرگ، ہر قیمت پر گریز کرنا چاہیے۔

مضبوط ایمان

جنگ احزاب کی تیاری میں دشمن کی فوج کو مدینہ میں آسانی سے داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک بڑی خندق کھودی گئی۔ کھدائی کے دوران بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو ایک مضبوط سفید چٹان نظر آئی جسے وہ توڑ نہ سکے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے تین بار ہتک سے مارا۔ ہر بار جب اس نے اسے مارا تو روشنی کی ایک بہت بڑی چمک ایک بہت ہی اندھیری رات میں ایک عظیم لالٹین کی طرح دیکھی جاسکتی تھی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب بھی وہ چٹان سے ٹکراتے تھے تو انہیں تین عظیم علاقے دکھائے جاتے تھے جن پر اس وقت غالب سلطنتیں تھیں اور انہیں یہ بشارت دی گئی تھی کہ ان کی قوم ان سب پر غالب آئے گی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور ان بشارتوں سے بے حد خوش ہوئے۔ دوسری طرف منافقین اور کمزور ایمان والوں نے طنزیہ انداز میں اعلان کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ان عظیم سلطنتوں کو ان کی امت سے شکست ہو جائے گی حالانکہ غریب صحابہ رضی اللہ عنہ خندق کھود رہے تھے اور دشمن کے حملے کے خوف سے کھلے میں نہیں نکل سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے پھر باب 33 الاحزاب آیت 12 نازل فرمایا:

”اور)یاد کرو (جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے دھوکے کے سوا کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔“

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 135 میں بحث کی گئی ہے۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 135 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ یہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے انتہائی مشکل وقت میں پیش آیا۔ وہ کم سے کم سامان کے ساتھ ایک بہت بڑی خندق

کھود رہے تھے اور دشمن کے بہت بڑے حملے کی توقع کر رہے تھے۔ ان مشکلات کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کو قبول کیا کیونکہ ان کا ایمان بہت مضبوط تھا۔ لہٰذا یہ مضبوط ایمان کو اپنانے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے، کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔

مضبوط ایمان حاصل کرنے کے لیے بہت ضروری ہے کیونکہ یہ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہے، ہر حال میں، خواہ آسانی ہو یا مشکل۔ پختہ ایمان تب حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص قرآن پاک میں موجود واضح دلائل و شواہد کو سیکھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات جو اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ کس قدر خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنتی ہے۔ دوسری طرف جو اسلامی تعلیمات سے غافل رہے گا وہ کمزور ایمان حاصل کر لے گا۔ یہ شخص جب بھی ان کی خواہشات کے خلاف ہو گا تو آسانی سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا کیونکہ وہ یہ دیکھنے میں ناکام رہتے ہیں کہ کس طرح اپنی خواہشات کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے سے دونوں جہانوں میں سکون ملتا ہے۔ لہٰذا اسلامی علم سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے ایمان کا یقین حاصل کرنا چاہیے تاکہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہے۔ اس میں ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا شامل ہے جو کسی کو عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ دونوں جہانوں میں ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرکے اور ہر ایک اور ہر چیز کو اپنی زندگی میں صحیح طریقے سے رکھ کر ذہنی سکون حاصل کریں۔

سمجھداری سے دوستوں کا انتخاب کرنا

جنگ احزاب شروع ہونے سے پہلے ایک صحابی عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے پاس یہودیوں کے ساتھی تھے جس کے نتیجے میں انہوں نے مشورہ دیا کہ دشمن کو خوفزدہ کرنے کے لیے انہیں جنگ کے لیے ساتھ لے جائیں۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ 3 علی عمران آیت 28 نازل فرمائی:

"مومنین مومنوں کے بجائے کافروں کو اپنا ساتھی]یعنی حامی یا محافظ [نہ بنائیں، اور جو کوئی ایسا کرے گا اس کا اللہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، سوائے اس کے کہ ان سے احتیاط کی جائے، اور اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے، اور اللہ ہی کی طرف]آخری [منزل ہے۔"

اس پر امام واحدی کی، اصباب النزول، 3:28، صفحہ 32 میں بحث کی گئی ہے۔

اس آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی مسلمان کسی غیر مسلم سے دوستی نہیں کر سکتا کیونکہ یہ آیت خاص طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں غیر مسلموں کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اسلام کی تباہی کی خواہش رکھنے والے غیر مسلم کے ساتھ قریبی دوستی کرنا اس وقت خاصا خطرناک تھا کیونکہ غیر مسلم اہم ذہانت حاصل کرنے کے لیے مسلم کمیونٹی کی جاسوسی کریں گے جو اسلام کے خلاف ان کی لڑائی میں ان کی مدد کر سکتی تھی۔

عام طور پر، قرآن پاک واضح طور پر نصیحت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ غیر مسلموں سے دوستی کرنے سے منع نہیں کرتا۔ باب 60 الممتحنہ، آیت 8:

"اللہ تمہیں ان لوگوں سے نہیں روکتا جو تم سے دین کی وجہ سے نہیں لڑتے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالتے، ان کے ساتھ نیکی کرنے اور ان کے ساتھ انصاف کرنے سے، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

زیر بحث مرکزی آیت سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے کیونکہ ایک شخص صرف کسی ایسے شخص کے خلاف احتیاطی تدابیر اختیار کرتا ہے جس سے اسے نقصان پہنچنے کا خدشہ ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اکثر غیر مسلموں کا یہی طرز عمل تھا۔

حقیقت میں، مرکزی آیت مسلمانوں کو خبردار کرتی ہے کہ وہ ان لوگوں سے دوستی نہ کریں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت سے دور کرتے ہیں۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس نے انہیں عطا کی ہیں جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ حقیقت میں مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں پر لاگو ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ سنن ابو داؤد نمبر 4833 میں موجود حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ ایک شخص اپنے ساتھی کا طرز زندگی اختیار کرے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص ان خصوصیات کو اختیار کرے گا، اچھی یا بری، جو اس کے ساتھیوں کے پاس ہے، چاہے یہ ان پر ظاہر ہو یا نہ ہو۔

اس کے علاوہ مسلمان اور غیر مسلم تمام لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا ایک سچے مسلمان کی خصوصیت ہے۔ سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت ہے کہ سچا مسلمان اور مومن وہی ہے جو کسی شخص اور اس کے مال سے اس کی زبانی اور جسمانی اذیت کو دور رکھے۔ پس یہ آیت مسلمانوں کو متنبہ کرتی ہے کہ وہ متقیوں کا ساتھ دیں کیونکہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اطاعت کی طرف لے جائیں گے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دوسروں کے ساتھ صحت مند سماجی رویے اور دوسروں کے ساتھ گہری دوستی میں فرق ہے۔ گہری دوستی کسی کو اپنے ساتھی سے محبت کی وجہ سے اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے کی طرف لے جا سکتی ہے جبکہ دوسروں کے ساتھ اچھا سماجی برتاؤ کبھی بھی اس سطح پر نہیں لے جا سکتا۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ہر ایک کے ساتھ اچھے اخلاق اور آداب کو اپنائیں لیکن ان لوگوں کے لیے گہری دوستی رکھیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کی ترغیب دیں۔ یہ صرف ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے کرسکتا ہے۔ دوسری طرف ایک غیر مسلم بالواسطہ یا بالواسطہ طور پر کسی مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ترغیب دے گا، چاہے وہ اس کا ارادہ نہ بھی کرے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک غیر مسلم ایک الگ ضابطہ اخلاق کے تحت زندگی گزارتا ہے پھر ایک مسلمان۔ اور جو سلوک کسی غیر مسلم کے لیے قابل قبول ہے وہ اسلام کی نظر میں قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں کی نظر میں یہ ناقابل قبول رویہ معمول بن جائے گا اگر وہ ایسے لوگوں کا ساتھ دیں۔ جب کسی کی نظر میں کوئی چیز نارمل ہوجاتی ہے تو کرنا آسان ہوجاتا ہے۔

دوست اور اعتماد

جنگ احزاب کے دوران مدینہ کے اندر ایک غیر مسلم قبیلہ بنو قریظہ نے جن کا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صلح کا معاہدہ تھا، نے اپنے قلعوں کو بند کر دیا۔ ایک سپاہی نے غیر مسلم فوج کی طرف سے سفر کیا اور بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد سے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا معاہدہ توڑ دے اور اس کے بجائے غیر مسلم فوج میں شامل ہو کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کر دے، مدینہ کے اندر سے لڑائی شروع ہو گئی۔ شروع میں کعب بن اسد نے اپنے عہد کو توڑنا نہیں چاہا کیونکہ اس نے اعلان کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امانت دار اور سچے ہیں۔ لیکن غیر مسلم کعب کو تاکید کرتا رہا یہاں تک کہ آخرکار اس نے شیطانی منصوبے کو ناکام بنا دیا۔ پھر کعب بن اسد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا صلح نامہ توڑ دیا اور اس دستاویز کو پھاڑ دیا جس پر یہ لکھا تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 139-140 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ برے ساتھیوں سے بچنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ سچی محبت کی ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ جب کوئی اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتا ہے، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ اس لیے کہ اطاعت دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی اور سلامتی کا باعث بنتی ہے۔ جو شخص کسی شخص کے لیے حفاظت اور کامیابی کا خواہاں نہیں ہے وہ کبھی بھی ان سے حقیقی محبت نہیں کر سکتا چاہے وہ کیا دعویٰ کرے یا دوسرے شخص کے ساتھ کیسا سلوک کرے، جس طرح بندہ اس وقت خوش ہوتا ہے جب اس کے محبوب کو دنیاوی کامیابی ملتی ہے جیسے نوکری کی، وہ بھی اپنے محبوب سے آخرت کی کامیابی کی تمنا کرے گا۔ اگر کوئی شخص دوسرے کی حفاظت اور کامیابی کی پرواہ نہیں کرتا ہے خاص طور پر اگلے جہان میں تو وہ اس سے محبت نہیں کرتا۔

ایک سچا عاشق اپنے محبوب کو دنیا یا آخرت میں مشکلات اور عذاب کا سامنا کرتے ہوئے جاننا اور دیکھنا برداشت نہیں کرسکتا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اس لیے وہ ہمیشہ اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتے۔ اگر کوئی شخص اللہ سبحانہ

وتعالیٰ کی اطاعت کے بجائے کسی دوسرے کو اپنے ذاتی مفاد یا دوسروں کے مفاد کی طرف لے جائے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں رکھتے۔ یہ تمام رشتوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دوستی اور رشتہ دار۔

لہٰذا ایک مسلمان کو یہ اندازہ لگانا چاہیے کہ آیا ان کی زندگی میں وہ لوگ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو یہ ان کے لیے ان کی محبت کی واضح علامت ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں کرتے۔ باب 43 از زخرف، آیت 67:

"اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔"

اس کے علاوہ، یہ واقعہ کسی کی امانتوں میں خیانت کرنے سے بچنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی کہ امانتوں میں خیانت منافقت کا ایک پہلو ہے۔

اس میں وہ تمام امانتیں شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی طرف سے ہیں۔ ہر نعمت اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کی ہے۔ ان امانتوں کو پورا کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ نعمتوں کو ان طریقوں سے استعمال کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کو راضی ہو۔ اس پر قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بحث اور وضاحت کی گئی ہے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ مزید برکات حاصل کریں گے، کیونکہ یہ سچا شکر ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں" "گا۔

لوگوں کے درمیان اعتماد کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ جسے کسی دوسرے کے سپرد کیا گیا ہو اسے چاہیے کہ اس کا غلط استعمال نہ کرے اور مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ لوگوں کے درمیان سب سے بڑا اعتماد بات چیت کو خفیہ رکھنا ہے، جب تک کہ دوسروں کو مطلع کرنے میں کوئی واضح فائدہ نہ ہو۔ بدقسمتی سے، مسلمانوں کے درمیان اکثر اس کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ کسی کو اپنے اور لوگوں کے درمیان امانتوں کے ساتھ اس طرح برتاؤ کرنا چاہئے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے ان کے درمیان موجود امانتوں کے ساتھ سلوک کریں۔

،اس کے علاوہ، ان ٹرسٹوں میں وہ لوگ شامل ہوتے ہیں جو کسی کی دیکھ بھال کے تحت ہوتے ہیں جیسے کہ انحصار کرنے والے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان لوگوں کے حقوق ادا کرتے ہوئے ان امانتوں کو پورا کرنے کی کوشش کرے۔ مثال کے طور پر، والدین کا فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کو قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے، سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی ترغیب دیں۔

مشکوک ہونا

جنگ احزاب کے دوران، غیر مسلم قبیلہ، بنو قریظہ، دشمن قوتوں کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا معاہدہ ختم کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ جب اس کی خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھیجا کہ وہ بنو قریظہ سے ملاقات کریں اور معلوم کریں کہ یہ خبر صحیح ہے یا نہیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 140-141 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے ایک خاص منفی ذہنیت سے بچنا ضروری ہے جس کا ذکر باب 49 الحجرات آیت 12 میں کیا گیا ہے:

"...اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت سے گمانوں سے بچو، بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں"

بدقسمتی سے، اس منفی ذہنیت کو اپنانے سے خاندانی یونٹ سے لے کر قومی سطح تک لوگوں پر اثر پڑتا ہے۔ سب سے پہلے، چیزوں کو منفی انداز میں بیان کرنا اکثر گناہوں کا باعث بنتا ہے، جیسے غیبت اور غیبت۔ ہر صورت میں، ایک مسلمان کو چاہیے کہ جہاں ممکن ہو، مثبت انداز میں چیزوں کی تشریح کرے تاکہ شک کا فائدہ دوسروں تک پہنچایا جا سکے۔ مثال کے طور پر، ایک قوم کتنی بار ایک مفروضے اور شک پر جنگ میں گئی ہے؟ میڈیا میں پائے جانے والے اسکینڈلز کی اکثریت مفروضوں پر مبنی ہے۔ یہاں تک کہ ایسے قوانین بھی بنائے گئے ہیں جو مفروضوں اور شبہات کے استعمال کی حمایت کرتے ہیں۔ یہ اکثر ٹوٹنے اور ٹوٹنے والے رشتوں کی طرف لے جاتا ہے کیونکہ اس ذہنیت کے حامل لوگ ہمیشہ یہ مانتے ہیں کہ دوسرے ان کے الفاظ یا اعمال کے ذریعے ان پر تنقید کر رہے ہیں۔ یہ کسی کو دوسروں سے مشورہ لینے سے روکتا ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ مشورہ دینے والے ہی ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اور یہ ایک کو مشورہ دینے سے روکتا ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ دوسرا شخص ان کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دے گا۔ اور ایک شخص اس منفی ذہنیت کے حامل شخص کو نصیحت کرنے سے گریز کرے گا کیونکہ ان کا خیال ہے کہ یہ صرف ایک دلیل کا

باعث بنے گا۔ یہ دیگر منفی خصلتوں کی طرف جاتا ہے، جیسے کہ تلخی۔ مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ کسی بھی اچھی نصیحت کو قبول کریں چاہے وہ یہ فرض کر لیں کہ کوئی ان پر تنقید کر رہا ہے۔ انہیں جہاں ممکن ہو، مثبت انداز میں چیزوں کی تشریح کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جو مثبت ذہنیت کی طرف لے جاتی ہے۔

تمام حالات میں ثابت قدم

جنگ احزاب کے دوران، غیر مسلم قبیلہ، بنو قریظہ، دشمن قوتوں کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا معاہدہ ختم کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اضطراب اور خوف بڑھتا گیا کیونکہ دشمن مدینہ کے باہر اور اندر تھے۔ منافقین کو اپنی جان کا خوف تھا اور انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑنے کی خواہش کی تو انہوں نے آپ سے درخواست کی کہ وہ انہیں اپنے گھروں کو لوٹنے کی اجازت دیں تاکہ وہ ان کی حفاظت کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے پھر باب 33 الاحزاب آیت 13 نازل فرمایا:

"اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ اے یثرب کے لوگو، تمھارے لیے یہاں کوئی استحکام نہیں ہے، لہٰذا واپس لوٹ جاؤ۔ "اور ان میں سے ایک گروہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی، اور کہا، "بے شک ہمارے گھر کھلے ہیں، جب کہ وہ بے نقاب نہیں ہوئے، ان کا ارادہ سوائے بھاگنے کے نہیں تھا۔"

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 141-142 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ ان کی اللہ تعالیٰ کی عبادت کیوں کی جاتی ہے کیونکہ یہ وجہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافے کا سبب بن سکتی ہے یا بعض صورتوں میں نافرمانی کا باعث بن سکتی ہے۔ جب کوئی اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اس سے حلال دنیاوی چیزیں حاصل کرنے کے لیے اس کی نافرمانی کا خطرہ مول لے لیتا ہے۔ اس قسم کے شخص کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔ باب 22 الحج، آیت 11:

"اور لوگوں میں سے کوئی وہ ہے جو اللہ کی عبادت کنارے پر کرتا ہے، اگر اسے کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو اسے تسلی ملتی ہے، اور اگر اسے کوئی آزمائش آتی ہے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے، اس نے دنیا اور آخرت کو کھو دیا، یہی صریح نقصان ہے۔"

جب وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں تو دنیاوی نعمتوں کو حاصل کرنے کے لیے جب وہ ان کو حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں یا کسی مشکل کا سامنا کرتے ہیں تو وہ اکثر ناراض ہو جاتے ہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے دور کر دیتا ہے۔ یہ لوگ اکثر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور نافرمانی کرتے ہیں، اس صورت حال کے مطابق جس کا وہ سامنا کر رہے ہیں جو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی حقیقی بندگی کے خلاف ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ سے حلال دنیوی چیزوں کی خواہش کرنا اسلام میں قابل قبول ہے، لیکن اگر کوئی اس رویہ پر قائم رہے تو وہ اس آیت میں مذکور کی طرح ہو سکتے ہیں۔ آخرت میں نجات پانے اور جنت حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا افضل ہے۔ مشکلات کا سامنا کرتے وقت یہ شخص اپنے رویے کو تبدیل کرنے کا امکان نہیں رکھتا ہے۔ لیکن سب سے اعلیٰ اور بہترین وجہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا ہے، صرف اس لیے کہ وہ ان کا رب اور کائنات کا رب ہے۔ یہ مسلمان اگر مخلص ہو گا تو ہر حال میں ثابت قدم رہے گا اور اس اطاعت کے ذریعے انہیں دنیاوی اور دینی دونوں نعمتیں حاصل ہوں گی جو دنیاوی نعمتوں سے بڑھ کر پہلی قسم کے انسان کو حاصل ہوں گی۔

آخر میں، مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی نیت پر غور کریں اور اگر ضروری ہو تو اس کی اصلاح کریں تاکہ یہ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے، اس کے احکام کو پورا کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ ہر حال میں سامنا کرنے کی ترغیب دے۔

عوام کے لیے تشویش

جنگ احزاب کے دوران، غیر مسلم قبیلہ، بنو قریظہ، دشمن قوتوں کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا معاہدہ ختم کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر مسلم فوج کی طاقت کو توڑنا چاہا اور ان کے ساتھ ایک قبیلہ کو پسپائی اور اپنے گھروں کو لوٹنے کا معاوضہ پیش کیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ طلب کیا تو انہوں نے دریافت کیا کہ کیا یہ خواہش اللہ تعالیٰ کا حکم ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی مرضی سے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ اس کی اپنی مرضی ہے کیونکہ وہ دیکھ رہا تھا کہ کس طرح عرب کے بہت سے مختلف قبائل مدینہ پر اترے اور وہ اپنے ساتھیوں کی مدد کے لیے بے چین تھا، اللہ ان سے جس طرح بھی ہو سکتا تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 142 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ اس عظیم خلوص اور دیکھ بھال کی عکاسی کرتا ہے جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسروں کے لیے رکھتے تھے۔ صحیح بخاری نمبر 13 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار نصیحت فرمائی کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں بن سکتا جب تک وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر کوئی مسلمان اس خصوصیت کو اپنانے میں ناکام رہے تو اپنا ایمان ختم کر دے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو گا جب تک وہ اس نصیحت پر عمل نہ کرے۔ یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ مسلمان اس وقت تک اپنا ایمان مکمل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے بھی وہ چیز ناپسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے ناپسند کرتا ہے۔ اس کی تائید صحیح مسلم نمبر 6586 میں موجود ایک اور حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ نصیحت کرتی ہے کہ امت مسلمہ ایک جسم کی مانند ہے۔ جسم کے ایک حصے میں درد ہو تو باقی جسم درد میں شریک ہوتا ہے۔ اس باہمی احساس میں دوسروں کے لیے محبت اور نفرت شامل ہے جو کوئی اپنے لیے پسند کرتا ہے اور نفرت کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو یہ درجہ تبھی حاصل ہو سکتا ہے جب اس کا دل بُری خصلتوں سے پاک ہو، جیسے حسد۔ یہ بُری خصلتیں انسان کو ہمیشہ اپنے لیے بہتر کی خواہش کا باعث بنتی ہیں۔ پس درحقیقت یہ حدیث اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کو اچھی خصلتوں کو اپنا کر اپنے دل کو پاک کرنا چاہیے جیسا کہ معاف کرنے والا ہونا اور حسد جیسی بری خصلتوں کو ختم کرنا چاہیے۔ یہ صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے ہی ممکن ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دوسروں کے لیے بھلائی کی خواہش کرنا انھیں اچھی چیزوں سے محروم کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ کے خزانے کی کوئی حد نہیں اس لیے خود غرضی اور لالچی ذہنیت اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔

دوسروں کے لیے بھلائی کی خواہش میں دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے، جیسے کہ مالی یا جذباتی مدد، اسی طرح ایک شخص چاہتا ہے کہ دوسروں کی ضرورت کے وقت ان کی مدد کریں۔ اس لیے اس محبت کو صرف الفاظ سے نہیں بلکہ عمل سے ظاہر کرنا چاہیے۔ یہاں تک کہ جب کوئی مسلمان برائی سے منع کرتا ہے اور ایسی نصیحت کرتا ہے جو دوسروں کی خواہش کے خلاف ہو تو اسے نرمی سے اس طرح کرنا چاہئے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے اسے نرمی سے نصیحت کریں۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، زیر بحث اہم حدیث ان تمام برے خصلتوں کو ختم کرنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے جو باہمی محبت اور نگہداشت سے متصادم ہوں، جیسا کہ حسد۔ حسد اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص کسی خاص نعمت کا مالک ہونا چاہتا ہے جو صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے جب اسے کسی اور سے چھین لیا جائے۔ یہ رویہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب کردہ نعمتوں کی تقسیم کے لیے براہ راست چیلنج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کبیرہ گناہ ہے اور حسد کرنے والے کی نیکیوں کو برباد کرنے کا باعث ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4903 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اگر کوئی مسلمان دوسروں کے پاس حلال چیزوں کی خواہش رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے

دعا کرے کہ وہ اسے وہی چیز عطا کرے جو دوسرے شخص کی نعمت سے محروم نہ ہو۔ اس قسم کی حسد جائز ہے اور مذہب کے پہلوؤں میں قابل تعریف ہے۔ صحیح مسلم نمبر 1896 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت کی ہے کہ مسلمانوں کو صرف اس دولت مند سے حسد کرنا چاہئے جو اپنی دولت کا صحیح استعمال کرے۔ اور ایک ایسے علم والے سے رشک کریں جو اپنے علم کو اپنے اور دوسروں کے فائدے کے لیے استعمال کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو نہ صرف دوسروں کے لیے دنیاوی نعمتوں کے حصول کے لیے محبت کرنی چاہیے بلکہ ان کے لیے دونوں جہانوں میں دینی برکات حاصل کرنے کے لیے بھی محبت کرنی چاہیے۔ درحقیقت جب کوئی دوسروں کے لیے یہ خواہش کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس کے احکام کی تعمیل کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اسلام میں اس قسم کے صحت مند مقابلے کا خیر مقدم کیا گیا ہے۔ باب 83 المطففین، آیت 26:

"تو اس کے لیے حریفوں کو مقابلہ کرنے دیں۔..."

یہ حوصلہ افزائی ایک مسلمان کو اپنے کردار میں کسی بھی خامی کو تلاش کرنے اور اسے دور کرنے کے لیے اپنا جائزہ لینے کی ترغیب دے گی۔ جب یہ دونوں عناصر معنی کو یکجا کرتے ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کرتے ہیں، اور کردار کو پاک کرتے ہیں، تو یہ دونوں جہانوں میں کامیابی کا باعث بنتا ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں سے محبت کا دعویٰ نہ صرف زبانی طور پر کرے بلکہ اپنے عمل سے ظاہر کرے۔ امید ہے کہ جو اس طرح دوسروں کی فکر کرتا ہے اسے دونوں جہانوں

میں اللہ تعالیٰ کی فکر حاصل ہوگی۔ اس کی طرف جامع ترمذی نمبر 1930 میں موجود حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

ثابت قدمی اطاعت

جنگ احزاب کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر مسلم فوج کی طاقت کو توڑنے کی خواہش ظاہر کی اور ان کے ساتھ ایک قبیلہ کو پسپائی اور اپنے گھروں کو لوٹنے کا معاوضہ پیش کیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے خیال کے بارے میں بتایا تو انہوں نے جواب دیا کہ اسلام سے پہلے غیر مسلم لشکر مدینہ پر حملہ کرنے کی کبھی جرأت نہیں کرتا تھا اور اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے نوازا ہے تو وہ حق پر کبھی سمجھوتہ نہیں کریں گے، خواہ جنگ اور موت ہی کیوں نہ ہو۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 142 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 159 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مختصر مگر دور رس نصیحت فرمائی۔ انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا صدق دل سے اعلان کریں اور پھر اس پر ثابت قدم رہیں۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکمیل پر مشتمل ہے، جو اس سے متعلق ہیں، جیسے فرض روزے اور جو لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کہ دوسروں سے حسن سلوک کرنا۔ اس میں اسلام کی ان تمام ممنوعات سے پرہیز کرنا بھی شامل ہے جو ایک شخص اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں اور جو دوسروں کے درمیان ہیں۔ ایک مسلمان کو بھی صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا چاہیے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

"لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

آخر میں ان پہلوؤں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق پورا کرنا شامل ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

”کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔“

ثابت قدمی میں دونوں قسم کے شرک سے پرہیز شامل ہے۔ سب سے بڑی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی عبادت کرتا ہے۔ معمولی قسم یہ ہے کہ جب کوئی نیک کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی خاطر، جیسے دکھاوا کرنا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہٰذا استقامت کا ایک پہلو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنا ہے۔

اس میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنا اور چیری چننے سے پرہیز کرنا شامل ہے کہ کب اور کن اسلامی تعلیمات پر کوئی شخص اپنی خواہشات کے مطابق عمل کرے گا۔

ثابت قدمی میں شامل ہے خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا، بجائے اس کے کہ اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کیا جائے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ نہ ان کی خواہشات اور نہ ہی لوگ انھیں اللہ تعالیٰ سے محفوظ رکھیں گے۔ دوسری طرف جو اللہ تعالیٰ کا سچے دل سے فرمانبردار ہے وہ ہر چیز سے محفوظ رہے گا خواہ یہ حفاظت ان پر ظاہر نہ ہو۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے میں یہ شامل ہے کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا اور اس سے ہٹنے والے راستے کو اختیار نہ کرنا۔ جو شخص اس راہ کو اختیار کرنے کی کوشش کرے گا اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ یہی ان کے ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے کافی ہے۔ باب 4 النساء آیت 59:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے حاکم ہیں..."

جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ثابت قدم رہنے کا ایک پہلو ہر اس شخص کی اطاعت ہے جس کے احکام و نصیحت کی جڑیں اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخلصانہ اطاعت میں ہیں۔

چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ بلاشبہ غلطیاں کریں گے اور گناہ کریں گے۔ لہٰذا ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کریں۔ اس کی طرف باب 41 فصیلات، آیت 6 میں اشارہ کیا گیا ہے:

‘‘...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو’’

اس کی مزید تائید جامع ترمذی نمبر 1987 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور کسی نیک عمل سے سرزد ہونے والے)معمولی (گناہ کو مٹانے کی تلقین کی گئی ہے۔ امام مالک کی موطا، کتاب 2، حدیث نمبر 37 میں موجود ایک اور حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی پوری کوشش کریں، اگرچہ وہ اس پر پوری طرح عمل نہ کر سکیں۔ لہٰذا ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی نیت اور جسمانی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں اس کو حاصل کرنے کی صلاحیت کو پورا کرے۔ انہیں کمال حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ کوئی شخص اپنے جسمانی اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ثابت قدم نہیں رہ سکتا جب تک کہ وہ اپنے روحانی قلب کو پہلے پاک نہ کرے۔ جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جسم کے اعضاء صرف اسی صورت میں کام کریں گے جب روحانی قلب پاک ہو۔ دل کی پاکیزگی صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ثابت قدمی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی زبان پر قابو رکھے جیسا کہ یہ دل کا اظہار کرتی ہے۔ زبان پر قابو رکھے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ممکن نہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2407 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں اگر اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں کوئی کمی واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنی چاہیے اور لوگوں سے معافی مانگنی چاہیے، اگر اس میں ان کے حقوق شامل ہوں۔ باب 46 الاحقاف، آیت 13:

”بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ راہ راست پر رہے، ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

اچھا کاروبار کرنا

جنگ احزاب میں چند جھڑپوں کے علاوہ مسلمانوں کی طرف سے کھودی گئی خندق کی وجہ سے کوئی حقیقی معرکہ آرائی نہیں ہوئی۔ غیر مسلموں کی ایک چھوٹی سی فوج خندق کے ایک تنگ حصے کو عبور کرنے میں کامیاب ہوگئی اور مسلمانوں نے ان کا راستہ روک دیا۔ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا مکہ کے غیر مسلموں کے ایک بزرگ امراء عمرو بن عبدود سے جھگڑا ہوا اور اسے قتل کر دیا۔ غیر مسلموں نے ان کے جسم کے لیے 10,000 سے 12,000 چاندی کے سکوں کی بڑی رقم پیش کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ انہیں میت سے کوئی فائدہ نہیں ہوا اور نہ ہی اس کی لاش میں کوئی خیر ہے اور نہ ہی اس کے لیے پیش کردہ رقم۔ ان کی لاش مفت میں غیر مسلموں کے حوالے کر دی گئی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 142-145 میں بحث کی گئی ہے۔

ایسے سنگین حالات میں بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نامناسب طریقے سے مال لینے سے انکار کر دیا۔

سنن ابن ماجہ نمبر 2146 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ تاجروں کو قیامت کے دن فاسقوں کے طور پر اٹھایا جائے گا سوائے ان لوگوں کے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، نیک عمل کرتے ہیں اور سچ بولتے ہیں۔

اس حدیث کا اطلاق ان تمام لوگوں پر ہوتا ہے جو تجارتی لین دین میں حصہ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، اس کے احکام کو بجا لاتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اس میں اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ درحقیقت، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ لوگ چاہتے ہیں کہ وہ سلوک کرے۔

کاروباری لین دین کے سلسلے میں، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی بات میں ایماندار ہو اور اس لین دین کی تمام تفصیلات اس میں شامل تمام لوگوں کو بتائے۔ صحیح بخاری نمبر 2079 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جب مسلمان مالی لین دین میں چیزوں کو چھپاتے ہیں جیسے کہ اپنے سامان میں خرابی تو یہ نعمتوں میں نقصان کا باعث بنتی ہے۔

راستبازی سے کام لینے میں دوسروں کو سامان کی ضرورت سے زیادہ ادائیگی کرکے دھوکہ دینے سے گریز کرنا شامل ہے۔ ایک مسلمان کو صرف دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ وہ ایمانداری اور پورے انکشاف کے ساتھ معنی خیز سلوک کریں۔ جس طرح ایک مسلمان مالی معاملات میں برا سلوک کرنا پسند نہیں کرے گا، اسی طرح وہ دوسروں کے ساتھ برا سلوک نہ کرے۔

نیک عمل کرنے میں اسلام اور زمین کے قانون میں زیر بحث غیر قانونی طریقوں سے بچنا شامل ہے۔ اگر کوئی اپنے ملک کے کاروباری قوانین سے خوش نہیں ہے تو اسے وہاں کاروبار نہیں کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ، نیک عمل کرنے میں یہ بھی شامل ہے کہ کسی کی کاروباری کامیابی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے استعمال کیا جائے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ ان کا کاروبار اور دولت دونوں جہانوں میں ان کے لیے سکون اور سکون کا ذریعہ بن جائے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

لیکن جو لوگ اپنی کاروباری کامیابی کا غلط استعمال کرتے ہیں وہ پائیں گے کہ یہ ان کے تناؤ اور پریشانی کا باعث بنتا ہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو بھول چکے ہیں، جس نے انہیں کامیابی عطا کی تھی۔ باب 20 طٰہٰ، آیت 124:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔"

کاروبار کرنے والوں کو ہمیشہ جھوٹ بولنے سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ بے حیائی کی طرف لے جاتا ہے اور فانی جہنم میں لے جاتا ہے۔ درحقیقت ایک شخص جھوٹ بولتا اور اس پر عمل کرتا رہے گا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا درج نہ ہو جائے۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

شیطانی منصوبے ناکام

جنگ احزاب کے دوران، غیر مسلم قبیلہ، بنو قریظہ، دشمن قوتوں کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا معاہدہ ختم کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ بنو قریظہ نے بہت سے اونٹوں کو کھانا لاد کر غیر مسلم فوج کے لیے روانہ کیا۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے مسلمانوں کے سپاہیوں کی ایک جماعت کو روانہ کیا جنہوں نے اس قافلہ پر حملہ کر دیا اور اس سے پہلے کہ یہ قافلہ غیر مسلموں تک پہنچ جائے۔ اس پر امام محمد السلّابی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرتِ نبوی، جلد 1، صفحہ 1368 میں بحث کی گئی ہے۔

،کسی کو کبھی بھی برے کام کرنے کی سازش نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ ہمیشہ، کسی نہ کسی طرح ان پر الٹا فائر ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر یہ نتائج اگلے جہان تک موخر کر دیے جائیں تو آخرکار ان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو نقصان پہنچانا چاہا جیسا کہ وہ اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت، احترام اور پیار چاہتے تھے۔ لیکن یہ واضح ہے کہ ان کی تدبیریں انہیں اپنی خواہش سے دور کر دیتی ہیں۔ باب 12 یوسف، آیت 18:

اور وہ اس کی قمیص پر جھوٹا خون لے آئے،]یعقوب [نے کہا، "بلکہ تمہاری جانوں نے تمہیں کسی "چیز پر آمادہ کیا ہے، اس لیے صبر سب سے زیادہ مناسب ہے۔"

جتنی زیادہ برائی کی تدبیریں کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں ان کے مقصد سے دور کر دے گا۔ خواہ وہ ظاہری طور پر اپنی خواہش پوری کر لیں، اللہ تعالیٰ جس چیز کی خواہش کی تھی وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے لعنت بن جائے گا الا یہ کہ وہ سچے دل سے توبہ کریں۔ باب 35 فاطر، آیت 43:

لیکن شیطانی تدبیر سوائے اپنے لوگوں کے گھیرے میں نہیں آتی، پھر کیا وہ پہلے لوگوں کے راستے” “کے سوا انتظار کرتے ہیں؟

ہمت اور استقامت

جنگ احزاب کے دوران، غیر مسلم قبیلہ، بنو قریظہ، دشمن قوتوں کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا معاہدہ ختم کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ بنو قریظہ نے ایک جاسوس اس بات کی تحقیق کے لیے روانہ کیا کہ آیا ان قلعوں میں عورتوں اور بچوں کی حفاظت ہو رہی ہے یا نہیں، انہیں اندر بٹھا دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا نے جاسوس کو دیکھا، لاٹھی لے کر قلعہ سے باہر نکل کر اسے قتل کر دیا۔ جب بنو قریظہ کو یہ خبر پہنچی کہ ان کا جاسوس مارا گیا ہے تو انہوں نے سمجھا کہ مسلمان قلعوں کی حفاظت کر رہے ہیں اس لیے انہوں نے ان پر حملہ نہیں کیا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1401-1402 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر، یہ مسلمانوں کو ثابت قدم رہنے کی اہمیت کی یاد دلاتا ہے جب بھی ان پر ان کے دشمنوں یعنی شیطان، ان کے اندرونی شیطان اور وہ لوگ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی ان دشمنوں کے فتنے میں مبتلا ہو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ نہ پھیرے۔ اس کے بجائے انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ ان جگہوں، چیزوں اور لوگوں سے اجتناب کرنے سے حاصل ہوتا ہے جو انہیں گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے اور فتنہ میں ڈالتے ہیں۔ شیطان کے جال سے بچنا صرف اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح راستے میں پھنسنے سے صرف اسی طرح علم رکھنے سے بچا جاتا ہے۔ شیطان کے جال سے بچنے کے لیے اسلامی علم کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان قرآن پاک کی تلاوت میں زیادہ وقت صرف کر سکتا ہے لیکن اپنی جہالت کی وجہ سے وہ غیبت جیسے گناہوں کے ذریعے اپنے اعمال صالحہ کو سمجھے بغیر برباد کر سکتا ہے۔ ایک مسلمان کو ان حملوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ان کے لیے تیاری کریں اور اس کے بدلے میں بے شمار اجر حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس راہ میں جدوجہد کرنے والوں کے لیے صحیح رہنمائی کی ضمانت دی ہے۔ باب 29 العنکبوت، آیت 69:

‘‘اور جو لوگ ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں، ہم ان کو اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔’’

جبکہ جہالت اور نافرمانی کے ساتھ ان حملوں کا سامنا کرنا دونوں جہانوں میں مشکلات اور رسوائی کا باعث بنے گا۔ اسی طرح ایک سپاہی جس کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں وہ شکست کھا جائے گا۔ ان حملوں کا سامنا کرتے وقت ایک جاہل مسلمان کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں ہوگا جس کے نتیجے میں ان کی شکست ہوگی۔ جبکہ باشعور مسلمان کو وہ طاقتور ترین ہتھیار مہیا کیا جاتا ہے جس پر قابو نہیں پایا جا سکتا اور نہ مارا جا سکتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت۔ یہ صرف خلوص نیت سے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

مشکلات اور آسانی

جنگ احزاب کے دوران، غیر مسلم قبیلہ، بنو قریظہ، دشمن قوتوں کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا معاہدہ ختم کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اضطراب اور خوف بڑھتا گیا کیونکہ دشمن مدینہ کے باہر اور اندر تھے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خوف اور اضطراب کا مشاہدہ کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ اعلان کرتے ہوئے ثابت قدم رہنے کی ترغیب دی کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس مصیبت کے بعد ضرور راحت عطا فرمائے گا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 148 میں بحث کی گئی ہے۔

مسند احمد نمبر 2803 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کو سمجھنے کی اہمیت کی تلقین فرمائی کہ انسان کو درپیش ہر مشکل کے بعد آسانی ہوگی۔ یہ حقیقت قرآن مجید میں بھی بیان کی گئی ہے، مثال کے طور پر، باب 65، آیت 7:

’’اللہ تعالیٰ سختی کے بعد آسانی پیدا کرے گا۔‘‘

مسلمانوں کے لیے اس حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے کیونکہ یہ صبر اور قناعت کو جنم دیتا ہے۔ حالات کی تبدیلیوں پر غیر یقینی ہونا کسی کو بے صبری، ناشکری اور یہاں تک کہ غیر قانونی چیزوں کی طرف لے جا سکتا ہے، جیسے کہ غیر قانونی رزق۔ لیکن جو اس بات پر پختہ یقین رکھتا ہے کہ آخرکار تمام مشکلات آسانی سے بدل جائیں گی وہ اسلام کی تعلیمات پر مکمل اعتماد کرتے ہوئے صبر سے اس تبدیلی کا انتظار کرے گا۔ یہ صبر اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور اس کا اجر بہت زیادہ ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 146:

‘‘اور اللہ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔’’

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ایسی بے شمار مثالیں بیان کی ہیں جب مشکل حالات کے بعد آسانی اور برکت آتی تھی۔ مثال کے طور پر قرآن کریم کی درج ذیل آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کو اپنی قوم کی طرف سے کس بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑا اور کس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں سیلاب عظیم سے بچایا اس کا ذکر ہے۔ باب 21 الانبیاء، آیت 76:

"اور نوح کا ذکر کریں جب اس نے]اس وقت [سے پہلے]اللہ کو [پکارا تو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے اور اس کے گھر والوں کو بڑی مصیبت]یعنی سیلاب [سے بچا لیا۔

ایک اور مثال باب 21 الانبیاء، آیت 69 میں ملتی ہے:

ہم نے کہا اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو‘‘۔’’

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک عظیم آگ کی صورت میں بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس کو ٹھنڈا اور پر سکون بنا دیا۔

یہ اور بہت سی مثالیں قرآن پاک اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیان ہوئی ہیں تاکہ مسلمان یہ سمجھیں کہ مشکل کا ایک لمحہ آخر کار ان لوگوں کے لیے آسانی کا باعث بنتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی

اطاعت کرتے ہیں، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں۔

لہٰذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ ان اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کریں تاکہ ان بے شمار صورتوں کا مشاہدہ کیا جا سکے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمانبردار بندوں کو مشکلات کا سامنا کرنے کے بعد آسانی عطا فرمائی۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمانبردار بندوں کو بڑی مشکلوں سے بچا لیا ہے جن کا ذکر الٰہی تعلیمات میں کیا گیا ہے تو وہ فرمانبردار مسلمانوں کو چھوٹی چھوٹی مشکلات سے بھی بچا سکتا ہے اور بچائے گا۔

ایک خیانت کی ذہنیت

جنگ احزاب کے دوران، غیر مسلم قبیلہ، بنو قریظہ، دشمن قوتوں کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا معاہدہ ختم کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اضطراب اور خوف بڑھتا گیا کیونکہ دشمن مدینہ کے باہر اور اندر تھے۔ نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ غیر مسلم فوج کا حصہ تھے لیکن خفیہ طور پر اسلام قبول کر چکے تھے۔ اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا کر اپنے اسلام کا اعلان کیا اور اپنی خدمات پیش کیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ہر وہ کام کرنے کا حکم دیا جس سے مسلمانوں کو فائدہ ہو۔ نعیم رضی اللہ عنہ نے قبیلہ بنو قریظہ کا دورہ کیا اور انہیں تنبیہ کی کہ وہ غیر مسلموں کی مدد نہ کریں کیونکہ وہ مسلمانوں سے لڑنے کا عزم نہیں رکھتے کیونکہ انہیں یقین نہیں تھا کہ وہ جیت سکتے ہیں۔ اگر غیر مسلموں نے اپنا منصوبہ ترک کر دیا تو بنو قریظہ کو بلاشبہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ان کے صلح نامہ کی خلاف ورزی کی سزا دی جائے گی۔ اس نے بنو قریظہ سے کہا کہ وہ صرف اس صورت میں غیر مسلموں کی مدد کریں جب وہ اپنے کچھ اشرافیہ کے لوگوں کے حوالے کرنے پر راضی ہوں جو ان کے قلعوں میں ان کے ساتھ رہیں، اس طرح بنو قریظہ کا وہی انجام ہو گا۔ یہ غیر مسلموں کو مجبور کرے گا کہ وہ اپنی اشرافیہ کی حفاظت کے لیے مسلمانوں سے لڑیں۔ نعیم رضی اللہ عنہ پھر غیر مسلموں کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ بنو قریظہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے صلح کا معاہدہ توڑنے پر افسوس کا اظہار کیا اور دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ الحاق کر لیا۔ اور اپنے اخلاص کی علامت کے طور پر، وہ غیر مسلموں میں سے کچھ اشرافیہ کو اپنے پاس آنے پر آمادہ کرتے اور انہیں پھانسی کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیتے۔ نعیم رضی اللہ عنہ نے غیر مسلموں کو متنبہ کیا کہ وہ اپنے کسی آدمی کو بنو قریظہ میں نہ بھیجیں ورنہ ان کے ساتھ غداری کی جائے گی۔ جب غیر مسلم لشکر کے سرداروں نے بنو قریظہ کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کا پیغام بھیجا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ مسلمانوں پر اس وقت حملہ کریں گے جب غیر مسلموں کے کچھ سردار ان کے پاس آئیں گے تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ غیر مسلم مسلمانوں کی لڑائی اور مسلمانوں کی فوج کو تباہ کرنے کے اپنے منصوبے کو مکمل کریں۔ نعیم رضی اللہ عنہ کے مشورے کی بنا پر غیر مسلموں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس سے بنو قریظہ خوفزدہ ہو گئے کیونکہ نعیم رضی اللہ عنہ نے جو انتباہ دیا تھا وہ درست معلوم ہوتا تھا۔ ان غیر مسلموں کے درمیان اس عدم اعتماد اور اختلاف نے بنو قریظہ کو مدینہ کے اندر سے مسلمانوں پر حملہ کرنے سے روک دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرتِ نبوی، جلد 3، صفحہ 142 اور امام صفی الرحمن کی، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 318-319 میں بحث کی گئی ہے۔

غیر مسلموں نے جلد ہی ایک دوسرے پر عدم اعتماد کیا کیونکہ وہ خود ایسے لوگ تھے جو اکثر دوسروں کو دھوکہ دیتے تھے۔ انہوں نے مشہور کہاوت کو پورا کیا "چوروں میں کوئی عزت نہیں"۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ وعدہ خلافی منافقت کا ایک پہلو ہے۔

ایک مسلمان نے سب سے بڑا وعدہ اللہ تعالیٰ سے کیا ہے، جس پر اتفاق اس وقت ہوا جب کسی نے اسے اپنا رب اور معبود تسلیم کیا۔ اس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا شامل ہے۔

لوگوں کے ساتھ کیے گئے دیگر تمام وعدوں کو بھی پورا کیا جانا چاہیے، جب تک کہ کسی کے پاس کوئی معقول عذر نہ ہو، خاص طور پر جو والدین بچوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ وعدوں کی خلاف ورزی بچوں کو صرف برے کردار کی تعلیم دیتی ہے اور انہیں یہ ماننے کی ترغیب دیتی ہے کہ دھوکے باز ہونا ایک قابل قبول خصوصیت ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2227 میں موجود حدیث میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا ہے کہ جو اس کے نام پر وعدہ کرے اور پھر بغیر کسی عذر کے اسے توڑ دے وہ اس کے خلاف ہو گا۔ جس کے خلاف اللہ تعالیٰ ہے وہ قیامت کے دن کیسے کامیاب ہو سکتا ہے؟ جہاں ممکن ہو دوسروں کے ساتھ وعدے نہ کرنا ہمیشہ محفوظ ہے۔ لیکن جب کوئی حلال وعدہ کیا جائے تو اسے پورا کرنے کے لیے سخت کوشش کرنی چاہیے۔

ایک ایگزٹ

جنگ احزاب کے دوران مسلمانوں کو خوف اور تباہی کا سخت امتحان دیا گیا۔ لیکن جب وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہے تو اس نے غیر مسلم لشکر کی طرف ایک تیز آندھی روانہ کی جس نے ان کے کیمپ کو بالکل اکھاڑ پھینکا اور انہیں پریشانی اور پریشانی میں دھنسا دیا۔ غیر مسلموں نے گھر واپس آنے کا فیصلہ کیا کیونکہ موسم ان کے خلاف تھا اور وہ خندق میں کامیابی کے ساتھ داخل ہونے اور مدینہ میں داخل ہونے میں ناکام رہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 154-155 میں بحث کی گئی ہے۔

غیر مسلم فوج کے جانے سے پہلے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو دشمن کے کیمپ سے معلومات حاصل کرنے کے لیے روانہ کیا لیکن انہیں تنبیہ کی کہ کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے آپ کی توجہ اپنی طرف مبذول ہو۔ دشمن کے کیمپ میں پہنچ کر اس نے غیر مسلم رہنما ابو سفیان کو دیکھا۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنا کمان لاد لیا اور ابو سفیان پر گولی چلانے ہی والے تھے لیکن جب انہیں دیا گیا حکم یاد آیا تو اپنا ہاتھ روک لیا۔ اس نے خفیہ طور پر غیر مسلموں کے ایک اجلاس میں شرکت کی اور معلوم کیا کہ انہوں نے اپنے گھروں کو چھوڑنے اور واپس جانے کا فیصلہ کیا ہے کیونکہ ان کے پاس سامان ختم ہو رہا تھا، اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہوا ان پر تباہی مچا رہی تھی اور وہ مسلمانوں کی کھودی ہوئی خندق میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتاب، نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1383-1384 میں بحث کی گئی ہے۔

اس واقعہ سے سیکھنے کا ایک اہم سبق اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے۔ اس عظیم واقعہ کی طرح ناگزیر اور تباہ کن حالات میں بھی ایک مسلمان کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ مسلمانوں کو سمجھنا چاہیے کہ ان کا علم بہت محدود ہے اور وہ انتہائی کم نظر ہیں۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب کے پس پردہ حکمتوں کو پوری طرح نہیں جان سکتے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کا علم اور الٰہی ادراک لامحدود ہے۔ لہٰذا، ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر بھروسہ کرنا چاہیے، جس طرح ایک نابینا شخص اپنے جسمانی رہنما کی رہنمائی پر بھروسہ کرتا ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ ایک مسلمان کا رویہ جو بھی ہو اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہو گا، اس لیے بہتر ہے کہ اس کی حکمت پر بھروسہ کیا جائے بجائے اس کے کہ وہ بے صبری کا مظاہرہ کرے جو مزید پریشانی کا باعث بنے۔

اس کے علاوہ اپنی زندگی کے اندر ان گنت مثالوں کو یاد رکھنا بھی ضروری ہے جب کوئی شخص کسی چیز کی خواہش کرتا ہے صرف اسے حاصل کرنے کے بعد پچھتاوا کرتا ہے۔ اور جب وہ کسی چیز کو ناپسند کرتے تھے تو صرف بعد میں اپنا خیال بدلنے کے لیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

''لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

چونکہ تقدیر لوگوں کے ہاتھ سے باہر ہے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس چیز پر توجہ مرکوز کریں جو ان کے اختیار میں ہے اگر وہ مشکلات سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اس بات کی ضمانت دی ہے کہ وہ ایک مسلمان کو دونوں جہانوں کی تمام مشکلات سے بچا لے گا۔ انہیں صرف اس کی فرمانبرداری کرنا ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 2:

''اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔''

لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ یہ کامیابی لوگوں کی خواہشات کے مطابق نہیں ہے۔ یہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم اور حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔ اس لیے یہ کامیابی اس وقت ہوتی ہے جب یہ لوگوں کے لیے بہترین ہو اور اس طریقے سے جو ان کے لیے بہتر ہو، چاہے یہ ان پر ظاہر نہ ہو۔

بنو قریظہ

نتائج کا سامنا کرنا

جنگ احزاب کے دوران، غیر مسلم قبیلہ، بنو قریظہ، دشمن قوتوں کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا معاہدہ ختم کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ جنگ احزاب کے ختم ہونے کے بعد اگلی صبح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ خندق سے نکلے اور ہتھیار ڈال کر واپس گھر تشریف لے گئے۔ جنگی زرہ پہنے ہوئے فرشتہ جبرائیل علیہ السلام حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بنو قریظہ کے خلاف جنگ کرنے کا اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی باب 33، آیات 25-27 نازل فرمایا:

"اور اللہ نے کافروں کو ان کے غصے میں دفع کر دیا، کوئی فائدہ نہ ہوا، اور اللہ مومنوں کے لیے جنگ میں کافی تھا، اور اللہ ہمیشہ طاقتور اور غالب ہے، اور اس نے اہل کتاب میں سے ان کی حمایت کرنے والوں کو ان کے قلعوں سے نیچے اتارا اور ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی،]تاکہ تم نے ان کی ایک جماعت کو مار ڈالا، اور تم نے ان کی ایک جماعت کو مار ڈالا[۔]یعنی عورتوں اور بچوں کو[اور اس نے تمہیں ان کی زمینوں اور ان کے گھروں اور ان کی جائیدادوں کا وارث بنایا جس پر تم نے قدم نہیں اٹھایا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 158 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ہر ایک کو دنیا اور آخرت دونوں میں اپنے ارادوں، قول اور عمل کے نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ آخرت میں اس کے نتائج کا سامنا لوگوں پر واضح ہوگا۔ جبکہ اس دنیا میں اس

کے نتائج زیادہ باریک ہوتے ہیں۔ جب کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا انتخاب کرتا ہے، ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہوئے جو اسے عطا کی گئی ہیں، وہ ذہنی سکون حاصل کرنے میں ناکام رہے گا۔ ان کا رویہ انہیں متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرنے سے روک دے گا اور اس کی وجہ سے وہ اپنی زندگی میں ہر چیز اور ہر چیز کو غلط جگہ پر رکھ دیں گے۔ یہ ان کے لیے تناؤ، پریشانی اور مشکلات کا باعث بنے گا۔ وہ جتنی زیادہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں گے، اتنا ہی ذہنی صحت کے مسائل میں ڈوب جائیں گے، جیسے ڈپریشن، نشے کی لت اور خودکشی کے رجحانات، خواہ ان کے پاس دنیاوی ،آسائشیں کیوں نہ ہوں۔ لاعلمی کی وجہ سے، یہ شخص اپنی زندگی کے اندر موجود غلط لوگوں کو جیسے کہ ان کی شریک حیات، کو ان کی ذہنی صحت کے مسائل کا ذمہ دار ٹھہرائے گا۔ اس کے بعد وہ ان اچھے لوگوں کو اپنی زندگیوں سے نکال دیں گے، جس سے ان کی ذہنی صحت کے مسائل میں اضافہ ہوگا۔ نتیجے کے طور پر، وہ اپنی ذہنی صحت کے مسائل میں مزید گہرائی میں ڈوب جائیں گے۔ یہ نتیجہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب کوئی ان لوگوں کو دیکھتا ہے جو انہیں دی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں، جیسے امیر اور مشہور۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

لہٰذا کسی کو یہ یقین کر کے بے وقوف بننے سے بچنا چاہیے کہ وہ ان کے ارادوں، تقریر اور عمل کا کوئی نتیجہ نہیں ہیں۔ ہر چیز اور ہر ایک کا احتساب کیا جاتا ہے، اس لیے اسے قبول کرنا چاہیے اور

اپنے مفاد کے لیے، اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ اپنی نیت، قول اور فعل کو درست کریں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہیں۔ اس میں اسلامی تعلیمات میں بیان کردہ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنا شامل ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کریں گے اور قیامت کے دن اپنے احتساب کے لیے مناسب تیاری کرتے ہوئے ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں درست طریقے سے رکھیں گے۔ یہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنے گا۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

اس لیے ایک شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے مفاد کے لیے اسلامی تعلیمات کو قبول کرے اور اس پر عمل کرے، چاہے وہ اس کی خواہشات کے خلاف ہو۔ انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی گئی ہیں اور ایک سخت خوراک کا منصوبہ ہے۔ جس طرح یہ عقلمند مریض اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کرے گا، اسی طرح وہ شخص جو اسلامی تعلیمات کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا۔

درست فیصلے کرنا

جنگ احزاب کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنو قریظہ کے خلاف ان کی غداری کی وجہ سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا، جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صلح اور حمایت کا معاہدہ توڑ دیا اور اس کے بجائے غیر مسلم فوج کے ساتھ اتحاد کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ عصر کی نماز اس وقت تک نہ پڑھو جب تک کہ وہ بنو قریظہ کے قلعوں میں نہ پہنچ جائیں۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بنو قریظہ پہنچنے تک نماز نہیں پڑھی، جب کہ بعض نے اس خوف سے کہ نماز مکمل طور پر غائب ہو جائے گی، راستے میں نماز ادا کی۔ انہوں نے فرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم صرف اسی صورت میں لاگو ہوتا ہے جب وہ وقت پر بنو قریظہ پہنچ جائیں۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان دونوں فیصلوں کی اطلاع ملی تو آپ نے بھی تنقید نہیں کی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 158-159 میں بحث کی گئی ہے۔

جب بھی کوئی عالم اسلام کے مختلف علوم پر عبور حاصل کرتا ہے تو وہ آزاد استدلال کہلانے والی سطح تک پہنچ سکتا ہے۔ اس سے وہ اسلام کے اندر حکم حاصل کرنے کے لیے اپنے پیشہ ورانہ غیرجانبدارانہ فیصلے کے ساتھ قرآن پاک کی تعلیمات، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو لاگو کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 4487 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جب یہ عالم غلط حکم دے گا تو ان کو ان کی کوشش کا ایک ہی مرتبہ اجر ملے گا۔ اگر وہ صحیح فیصلہ کرتے ہیں تو انہیں دوگنا اجر ملے گا۔ اس کے علاوہ، یہ واقعہ اس بات کو سمجھنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے کہ اسلام کے تمام پہلو واضح نہیں ہیں اور اس لیے علمی تشریحات کے لیے کھلے ہیں۔ لہٰذا ایک مسلمان جو کسی خاص عالم کی پیروی کرتا ہے جو کسی خاص مسلک کا حامی ہے اسے متعصب کی طرح کام نہیں کرنا چاہیے اور اپنے عالم کو ہمیشہ صحیح ماننا چاہیے، اس لیے ان لوگوں سے نفرت کرنا چاہیے جو ان کے علماء کی رائے کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ طرز عمل اللہ تعالیٰ کے لیے کسی چیز یا کسی کو ناپسند کرنے والا نہیں ہے ۔ جب تک علماء کے درمیان جائز اختلاف موجود ہے، کسی خاص عالم کی پیروی کرنے والے مسلمان کو اس کا احترام کرنا چاہئے اور دوسروں کو ناپسند نہیں کرنا چاہئے جو ان کے ماننے والے عالم سے مختلف ہوں۔

بہترین لوگ

جنگ احزاب کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنو قریظہ کے خلاف ان کی غداری کی وجہ سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا، جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صلح اور حمایت کا معاہدہ توڑ دیا اور اس کے بجائے غیر مسلم فوج کے ساتھ اتحاد کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی، چنانچہ انہوں نے ایک صحابی ابو لبابہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا کہ وہ صحابہ سے لڑنے کی پوزیشن میں نہیں تھے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہیں۔ ابو لبابہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اشارہ کیا کہ اگر وہ ہتھیار ڈال دیتے ہیں تو ان کے مرد سپاہیوں کو غالباً ان کی غداری کے جرم میں پھانسی دی جائے گی، جو اس دن اور دور میں بھی ایک معیاری سزا ہے۔ ابو لبابہ رضی اللہ عنہ نے جو اشارہ کیا اس پر انہیں بہت افسوس ہوا کیونکہ وہ یقین رکھتے تھے کہ اس نے اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خیانت کی۔ چنانچہ اس نے اپنے آپ کو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک درخت سے جکڑ لیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں بخش دیا گیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں ان کے پاس آتا تو اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا لیکن جیسا کہ اس نے خود فیصلہ کیا، وہ معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں گے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال آیت 27 نازل فرمائی:

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ اور رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو اور اپنی امانتوں میں خیانت نہ کرو، حالانکہ تم جانتے ہو۔“

اور باب 9 توبہ آیت 102:

"اور کچھ اور ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا، انہوں نے ایک نیک عمل کو دوسرے برے کے ساتھ ملا دیا، شاید اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے، بے شک اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

،اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 3، صفحہ 162-164 اور امام واحدی کی، اصباب النزول صفحہ 82-83 میں بحث کی گئی ہے۔ 8:27،

یہ واقعہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اسلام لوگوں سے کمال کی امید نہیں رکھتا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4251 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ لوگ گناہ کرتے ہیں لیکن بہترین گناہ کرنے والا وہ ہے جو سچی توبہ کرے۔

چونکہ لوگ فرشتے نہیں ہیں وہ گناہ کرنے کے پابند ہیں۔ وہ چیز جو لوگوں کو خاص بناتی ہے جب وہ اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرتے ہیں۔ سچی توبہ میں ندامت کا احساس، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہے، دوبارہ گناہ یا اس سے ملتا جلتا گناہ نہ کرنے کا پختہ وعدہ کرنا اور اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے کسی ایسے حقوق کی تلافی کرنا شامل ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اعمال صالحہ سے چھوٹے گناہ مٹائے جاسکتے ہیں۔ بہت سی احادیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے، جیسا کہ صحیح مسلم، نمبر 550 میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ پانچ وقت کی فرض نمازیں اور جمعہ کی دو متواتر نمازیں ان کے درمیان ہونے والے صغیرہ گناہوں کو مٹا دیتی ہیں، جب تک کہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے۔

کبیرہ گناہ صرف سچی توبہ سے مٹ جاتے ہیں۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام گناہوں سے بچنے کی کوشش کرے، چھوٹے اور بڑے، بری صحبت اور ان جگہوں سے بچنا جہاں گناہ زیادہ ہوتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ اسلامی علم حاصل کریں اور اس پر عمل کریں تاکہ وہ ان خصوصیات کو اپنائیں جو گناہوں کو روکتی ہیں، جیسے استقامت، صبر اور اللہ تعالیٰ کا خوف۔ انہیں یہ سیکھنا چاہئے

کہ انہیں جو نعمتیں دی گئی ہیں ان کا صحیح استعمال کرنا ہے، تاکہ وہ ان کو گناہ کے طریقوں سے استعمال کرنے سے بچیں۔ اور جب بھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو انہیں فوراً سچے دل سے توبہ کرنی چاہیے کیونکہ موت کا وقت معلوم نہیں ہے۔ اور انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہیں، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ، ہمت ہارے بغیر۔

حق کا انکار کرنا

جنگ احزاب کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنو قریظہ کے خلاف ان کی غداری کی وجہ سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا، جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صلح اور حمایت کا معاہدہ توڑ دیا اور اس کے بجائے غیر مسلم فوج کے ساتھ اتحاد کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی۔ بنو قریظہ کے سرداروں میں سے ایک کعب بن اسد نے جو ان کے غداری کے اس فعل کا اصل ذمہ دار تھا، پھر اپنے قبیلے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول کرنے اور اس کی پیروی کرنے کی تنبیہ کی، کیونکہ ان کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آسمانی صحیفوں میں مذکور تمام نشانیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی ہیں۔ لیکن ان کی قوم نے اس نصیحت کو ٹھکرا دیا اور دعویٰ کیا کہ وہ تورات کے قوانین کو نہیں چھوڑیں گے، حالانکہ انہوں نے پہلے کبھی ان پر صحیح طور پر عمل نہیں کیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے ہوئے تورات کے حکم کی مخالفت کر رہے تھے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 163 میں بحث کی گئی ہے۔

اس طرح کا برتاؤ جس طرح انہوں نے سمجھا کہ اسلام قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کریں جو انہیں خدائی تعلیمات میں بیان کی گئی ہیں، جبکہ باقی رہتے ہوئے انہیں ان نعمتوں کو ان کی خواہشات کے مطابق استعمال کرنے کی اجازت ہے۔

دنیاوی چیزوں سے ان کی محبت نے انہیں اسلام کو غلط ثابت کرنے کی کوشش میں جان بوجھ کر اپنے آسمانی صحیفوں کی غلط تشریح، تدوین اور چھپانے کی ترغیب دی اور انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھی جنگ کی۔ اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد اس سے کفر کرنے لگے اور اس لیے انہوں نے دونوں جہانوں میں اپنی تقدیر پر مہر ثبت کر دی۔ باب 3 علی عمران، آیت 69:

"اہل کتاب کا ایک گروہ چاہتا ہے کہ وہ تمہیں گمراہ کر دیں، لیکن وہ اپنے سوا کسی کو گمراہ نہیں کرتے اور انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔"

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سلسلے میں ان کی خواہش مندانہ سوچ نے انہیں یہ سمجھنے سے روک دیا کہ ان کے اعمال انہیں دونوں جہانوں میں کفر اور عذاب کی طرف لے جاتے ہیں۔ انہوں نے یہ غلط عقیدہ اختیار کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اور محبوب ہیں جیسا کہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ اپنے گمراہ کن عقیدے کے ذریعے انہوں نے نسل پرستی کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا۔ باب 5 المائدۃ، آیت 18:

لیکن یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کی اولاد اور اس کے پیارے ہیں، کہہ دو کہ پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں کی سزا کیوں دیتا ہے؟بلکہ تم اس کی پیدا کردہ مخلوقات میں سے انسان ہو، وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔

اس غلط عقیدے کے ذریعے انہوں نے ناانصافی اور ناانصافی کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جیسا کہ انہوں نے دعویٰ کیا کہ وہ ان میں سے برے کام کرنے والے کے ساتھ دوسری قوموں کے نیکی کرنے والوں کی طرح سلوک کرے گا۔ باب 45 الجثیہ، آیت 21:

"کیا وہ لوگ جو برائیاں کرتے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے - ان کی زندگی اور موت میں برابری پیدا کر دیں گے، یہ جو فیصلہ کرتے ہیں وہ برا ہے"۔

اس کے علاوہ ان کی خواہش مندانہ سوچ نے انہیں یہ جھوٹا یقین دلایا کہ اگر انہیں ان کے جرائم کی سزا جہنم میں بھی دی جائے تو یہ صرف تھوڑے ہی عرصے کے لیے ہو گی، جیسا کہ وہ خود کو مومن سمجھتے تھے۔ یہ عالمی طور پر مانا جاتا ہے کہ ایک مومن ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں جائے گا۔ لیکن انہوں نے اپنے آپ کو بے وقوف بنایا جب وہ کافر ہو گئے جب انہوں نے اسلام کا انکار کیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کی، حالانکہ وہ دوسرے آسمانی صحیفوں اور بعض دیگر انبیاء علیہم السلام پر ایمان رکھتے تھے۔ باب 2 البقرہ، آیت 80:

"اور وہ کہتے ہیں کہ ہم کو آگ ہرگز نہیں چھوئے گی سوائے گنتی کے چند دنوں کے "کہو کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لیا ہے؟ کیونکہ اللہ اپنے عہد کو کبھی نہیں توڑے گا۔ یا تم اللہ کے بارے میں ایسی بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے؟"

اور باب 4 النساء، آیات 150-151:

" بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو کافر کرتے ہیں اور ان کے درمیان کوئی راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں، وہی لوگ کافر ہیں، اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کے بارے میں ان کی خواہش مندانہ سوچ نے انہیں اس بات کا ادراک کیے بغیر کفر میں ڈال دیا۔ باب 3 علی عمران، آیت 69:

اہل کتاب کا ایک گروہ چاہتا ہے کہ وہ تمہیں گمراہ کر دیں، لیکن وہ اپنے سوا کسی کو گمراہ نہیں" "کرتے اور انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔

لہٰذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اہل کتاب کے نقش قدم پر چلنے سے گریز کریں کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں پریشانی، تناؤ اور مشکلات کا باعث ہے۔ مسلمانوں کو خواہش مند سوچ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت میں حقیقی امید کے درمیان فرق کو سمجھنا چاہیے۔ خواہش مندانہ سوچ میں شامل ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر قائم رہنا، ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہوئے جو انہیں عطا کی گئی ہیں، اور دونوں جہانوں میں اس کی رحمت اور بخشش کی توقع رکھتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے امید رکھنے میں شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خلوص دل سے کوشش کرے جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے اور پھر دونوں جہانوں میں اس کی رحمت اور بخشش کی امید رکھنا شامل ہے۔ جیسا کہ لوگوں سے کمال کی توقع نہیں کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ سے امید رکھنے میں جب بھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو سچے مخلص توبہ میں احساس جرم، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس دل سے توبہ کرنا بھی شامل ہے۔ پر بھی ظلم ہوا ہے، شامل ہے، جب تک کہ یہ مزید پریشانی کا باعث نہ ہو۔ انسان کو سچے دل سے وعدہ کرنا چاہیے کہ وہ دوبارہ وہی یا اس سے ملتا جلتا گناہ نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہوں ان کی تلافی کرنی چاہیے۔ خواہش مند سوچ اور اللہ تعالیٰ پر امید جامع ترمذی نمبر 2459 کی حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ کے فرق کو

مزید برآں، مسلمانوں کو یہ سمجھ کر اہل کتاب کے رویے کو اپنانے سے گریز کرنا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں، کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو ہیں۔ ایسا کرنا انتہائی بے عزتی اور کفر کے قریب ہے، جیسا کہ کوئی دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں سے برے کام کرنے والے کے ساتھ نیکی کرنے والے کے برابر سلوک کرے گا۔ یہ براہ راست اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کو چیلنج کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بارہا بیان کیا ہے کہ اس کا لوگوں کے ساتھ سلوک کبھی نہیں بدلتا۔ جس طرح اس نے پچھلی امتوں کے نافرمانوں کو سزا دی جو اس پر ایمان لائی تھیں، اسی طرح اس کی نافرمانی پر قائم رہنے والے مسلمانوں کو بھی عذاب دے گا۔ باب 35 فاطر، آیت 43:

لیکن تم اللہ کے راستے میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے اور اللہ کے راستے میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔''

مزید برآں، مسلمانوں کو اہل کتاب کا رویہ اختیار کرنے سے گریز کرنا چاہیے جنہوں نے یہ گمان کیا کہ چونکہ وہ ابھی تک مومن ہیں، وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں رہیں گے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اڑے رہے، ان کی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہوئے، اس کے اس دنیا سے جانے سے پہلے اپنے ایمان کے ضائع ہونے کا شدید خطرہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جسے پھلنے پھولنے کے لیے اطاعت کے ساتھ پرورش پانا ضروری ہے ۔ جس طرح ایک پودا جو سورج کی روشنی جیسی پرورش حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے وہ پھلنے پھولنے میں ناکام رہتا ہے اور وہ مر بھی سکتا ہے، اسی طرح جو شخص اس کی پرورش نہ کرے اس کا ایمان نہ پھلے پھولے گا اور اس کے مرنے کا شدید خطرہ ہے۔ یہ سب سے بڑا نقصان ہے۔ لہٰذا، جو مسلمان اپنے زبانی ایمان کے دعوے کی تائید میں ناکام رہے، ان کے لیے قیامت کے دن غیر مسلم ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا، جیسا کہ اہل کتاب، جنہوں نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن جب انہوں نے اسلام سے انکار کر کے اس کی نافرمانی کی تو اس کے منکر ہیں۔

حق پر قائم رہو

جنگ احزاب کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنو قریظہ کے خلاف ان کی غداری کی وجہ سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا، جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صلح اور حمایت کا معاہدہ توڑ دیا اور اس کے بجائے غیر مسلم فوج کے ساتھ اتحاد کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی۔ بنو قریظہ کے ارکان میں سے ایک عمرو بن سودا اپنا قلعہ چھوڑ کر صحابی محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا جو پہرے پر تھے۔ جیسا کہ عمرو بن سودا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلح اور حمایت کا معاہدہ توڑ کر غداری کرنے سے انکار کیا تو صحابی محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے انہیں جانے کی اجازت دے دی۔ عمرو بن سودا نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں رات گزاری اور صبح مدینہ سے روانہ ہوئے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عمرو بن سودا کو اس کی امانت داری کی وجہ سے بچا لیا کیونکہ اس نے حق پر قائم رہنے اور خیانت کرنے سے انکار کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 164-165 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر، مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں سچائی پر قائم رہیں اگر وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور برکت چاہتے ہیں۔ جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچائی کی اہمیت اور جھوٹ سے اجتناب فرمایا۔ پہلا حصہ نصیحت کرتا ہے کہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے جو بدلے میں جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب کوئی شخص سچائی پر قائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سچا شخص لکھتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سچائی تین سطحوں کے طور پر۔ پہلا وہ ہے جب کوئی شخص اپنی نیت اور اخلاص میں سچا ہو۔ یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں اور شہرت جیسے باطل مقاصد کے لیے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ درحقیقت یہی اسلام کی بنیاد ہے کیونکہ ہر عمل کا فیصلہ نیت پر ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ کسی کے اخلاص کی دلیل یہ ہے کہ وہ دوسروں کے شکر گزاری کی خواہش اور امید نہ رکھے۔

اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی اپنے الفاظ کے ذریعے سچا ہو۔ حقیقت میں اس کا مطلب ہے کہ وہ ہر قسم کے زبانی گناہوں سے بچتے ہیں نہ کہ صرف جھوٹ۔ جیسا کہ دوسرے زبانی گناہوں میں ملوث ہونے والا حقیقی سچا نہیں ہو سکتا۔ اس کے حصول کا ایک بہترین طریقہ جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود حدیث پر عمل کرنا ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ انسان اپنے اسلام کو صرف اسی صورت میں بہترین بنا سکتا ہے جب وہ ان چیزوں میں ملوث ہونے سے گریز کرے جن سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ زبانی گناہوں کی کثرت اس لیے ہوتی ہے کہ مسلمان کسی ایسی بات پر بحث کرتا ہے جس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ اس میں فضول باتوں سے پرہیز کرنا بھی شامل ہے، کیونکہ یہ اکثر گناہ کی بات کا باعث بنتا ہے اور کسی کے قیمتی وقت کا ضیاع ہے، جو قیامت کے دن ان کے لیے باعث ندامت ہوگا۔ سچائی کے اس درجے کو کوئی اچھا کہہ کر یا خاموش رہنے سے اختیار کر سکتا ہے۔

آخری مرحلہ اعمال میں سچائی ہے۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بغیر کسی خوشامد کے چناؤ یا اسلام کی تعلیمات کی غلط تشریح کیے جو کسی کی خواہشات کے مطابق ہو۔ انہیں تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ درجہ بندی اور ترجیحی ترتیب کی پابندی کرنی چاہیے۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ ہر اس نعمت کو استعمال کرے گا جو اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں۔

سچائی کے ان درجات کے برعکس یعنی جھوٹ بولنے کے نتائج، زیر بحث مرکزی حدیث کے مطابق یہ ہیں کہ یہ معصیت کی طرف لے جاتا ہے جس کے نتیجے میں جہنم کی آگ لگ جاتی ہے۔ جب کوئی اس رویہ پر قائم رہے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا لکھا جائے گا۔ تین درجات کے مطابق جن کا پہلے ذکر کیا گیا ہے، نیت میں جھوٹ بولنے میں اللہ تعالیٰ سے بے نیاز ہونا اور لوگوں کی خاطر نیک اعمال کرنا شامل ہے۔ تقریر میں جھوٹ بولنے میں ہر قسم کی گناہ والی بات شامل ہے۔ اعمال میں جھوٹ بولنا گناہوں پر قائم رہنا بھی شامل ہے جس میں اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حقوق کو پامال کرنا شامل ہے۔ جو جھوٹ کے ان تمام درجات پر محیط ہے وہ بڑا جھوٹا ہے اور یہ فیصلہ کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں ہے کہ قیامت کے دن اس شخص کے ساتھ کیا ہو گا جسے اللہ تعالیٰ نے بڑا جھوٹا لکھا ہے۔

ناقدین سے ڈرنا

جنگ احزاب کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنو قریظہ کے خلاف ان کی غداری کی وجہ سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا، جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صلح اور حمایت کا معاہدہ توڑ دیا اور اس کے بجائے غیر مسلم فوج کے ساتھ اتحاد کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی۔ بنو قریظہ نے ایک صحابی سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے کے سامنے سرتسلیم خم کر دیا جسے وہ مسلمان ہونے سے پہلے ہی اچھی طرح جانتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر سعد رضی اللہ عنہ کو ان کے فیصلے کے لیے بلایا۔ راستے میں مدینہ کے چند صحابہ رضی اللہ عنہ نے جو بنو قریظہ کے پرانے حلیف تھے، سعد رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ نرمی برتنے کی تاکید کی۔ سعد رضی اللہ عنہ نے سادگی سے جواب دیا کہ اللہ کی راہ میں وہ ناقدین کی تنقید سے نہیں ڈریں گے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 164-165 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ تعمیری تنقید کو قبول کرنے اور غیر تعمیری تنقید کو مسترد کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ایک مسلمان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے صحیح ہے۔ طریقے سے رہنمائی کرتے ہیں کیونکہ دوسروں پر ان کی تنقید کی بنیاد قرآن پاک میں موجود تنقید اور نصیحت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر ہوتی ہے۔ یہ قسم ہمیشہ تعمیری رہے گی اور دونوں جہانوں میں نعمتوں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی طرف رہنمائی کرے گی۔ یہ لوگ دوسروں کی زیادہ یا کم تعریف کرنے سے بھی گریز کریں گے۔ دوسروں کی زیادہ تعریف کرنا انہیں مغرور اور تکبر کا باعث بن سکتا ہے۔ دوسروں کی تعریف کرنے سے وہ کاہل بن سکتے ہیں اور انہیں اچھے کام کرنے سے روک سکتے ہیں۔ یہ ردعمل اکثر بچوں میں دیکھا جاتا ہے .اسلام کی تعلیمات کے مطابق تعریف کرنے سے دوسروں کو دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں زیادہ محنت کرنے کی ترغیب ملے گی اور یہ انہیں تکبر کرنے سے روکے گا۔ اس لیے اس شخص کی تعریف اور تعمیری تنقید کو قبول کرنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے خواہ وہ کسی اجنبی کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو۔

دوسری قسم کے لوگ اپنی خواہشات کی بنیاد پر تنقید کرتے ہیں۔ یہ تنقید زیادہ تر غیر تعمیری ہے اور صرف کسی کے خراب مزاج اور رویے کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ لوگ اکثر دوسروں کی تعریف کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنی خواہشات کی بنیاد پر کام کرتے ہیں۔ ان دونوں کے منفی اثرات کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا اس شخص کی تنقید اور تعریف کو اکثر صورتوں میں نظر انداز کر دینا چاہیے خواہ وہ کسی عزیز کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو کیونکہ یہ تنقید کے معاملے میں غیر ضروری طور پر اداس اور تعریف کے معاملے میں تکبر کا باعث بنتا ہے۔

یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ جو شخص دوسروں کی زیادہ تعریف کرتا ہے وہ اکثر ان پر بھی تنقید کرتا ہے۔ جس اصول پر عمل کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ وہ صرف اسلام کی تعلیمات پر مبنی تنقید اور تعریف قبول کریں۔ باقی تمام چیزوں کو نظر انداز کرنا چاہیے اور ذاتی طور پر نہیں لینا چاہیے۔

اس کے علاوہ، زیر بحث اہم واقعہ دوسرے لوگوں کی خاطر اپنے عقیدے پر سمجھوتہ نہ کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ لوگ کسی شخص کو دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ہرگز محفوظ نہیں رکھ سکتے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرے گا جو اس کی اطاعت پر قائم رہے گا، یہاں تک کہ جب وہ لوگوں کی نافرمانی کرے اور پریشان کرے۔ لیکن یہ سمجھنا ضروری ہے کہ یہ تحفظ اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم اور حکمت کے مطابق ہے اور اس لیے اس طریقے سے ہوتا ہے جو ان کے لیے بہترین ہو اور اس وقت جو ان کے لیے بہترین ہو۔

اس کے علاوہ، جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے، لوگوں کو خوش کرنے کے لیے وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے تناؤ کا باعث بنتا ہے۔ یہ اس لیے کہ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو انہیں عطا کی گئی ہیں۔ یہ انہیں متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرنے سے روکے گا اور ان کو اپنی زندگی میں ہر چیز اور ہر چیز کو غلط جگہ دینے کا سبب بنے گا۔ اس لیے ان کا رویہ انہیں ذہنی سکون حاصل کرنے سے روک دے گا۔ اس کے بجائے، ہر چیز اور ان کی زندگی میں موجود ہر شخص دونوں جہانوں میں ان کے لیے تناؤ اور پریشانی کا باعث بن جائے گا۔

آخر میں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے روحانی دلوں کو کنٹرول کرتا ہے، وہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرکے خوش کرنا مقصود ہے، وہ ان سے کبھی راضی نہیں ہوں گے۔ یہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب کوئی ان لوگوں کو دیکھتا ہے جو لوگوں کی خوشنودی کے لیے دی گئی نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور [پھر] زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟ (اللہ) فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

غداری

جنگ احزاب کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنو قریظہ کے خلاف ان کی غداری کی وجہ سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا، جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صلح اور حمایت کا معاہدہ توڑ دیا اور اس کے بجائے غیر مسلم فوج کے ساتھ اتحاد کیا۔ بنو قریظہ نے ایک صحابی سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے کے سامنے سرتسلیم خم کر دیا جسے وہ مسلمان ہونے سے پہلے ہی اچھی طرح جانتے تھے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ بنو قریظہ کے سپاہیوں کو قتل کر کے ان کے اثاثے ضبط کر لیے جائیں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر اعلان فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ دیا ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 166 میں بحث کی گئی ہے۔

اس بات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اس دن اور دور میں بھی، غداری کے لیے سزائے موت ایک بہت ہی معیاری فیصلہ ہے۔ اس کے علاوہ ان کا جرم کسی ایک فرد کے خلاف نہیں بلکہ لوگوں سے بھرے پورے شہر کے خلاف تھا۔ اگر وہ جلاوطن ہو جاتے تو وہ صرف مدینہ سے دوبارہ جنگ کرتے۔

اس کے علاوہ، یہ واقعہ اس بات کو سمجھنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے کہ کسی کے اعمال کے ہمیشہ نتائج ہوتے ہیں، چاہے یہ نتائج واضح نہ ہوں۔ اس دنیا میں جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے وہ دنیاوی چیزیں اس کے لیے پریشانیوں، پریشانیوں اور مشکلات کا باعث بن جاتی ہیں، خواہ وہ دنیاوی آسائشوں سے لطف اندوز ہوں، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتے۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے“۔”

آخرت میں اس کے نتائج زیادہ واضح اور اس سے بھی زیادہ تباہ کن ہوں گے۔ باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

،اس حقیقت کو ذہن میں رکھنا چاہیے اور جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کا صحیح استعمال کرتے ہوئے جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے، سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کریں گے اور قیامت کے دن اپنے احتساب کے لیے مناسب تیاری کرتے ہوئے ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں درست طریقے سے رکھیں گے۔ لہذا یہ طرز عمل دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنے گا۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

اندھی وفاداری اور تقلید

جب قبیلہ بنو قریظہ کے سپاہیوں کو مسلمانوں کے خلاف بار بار غداری کرنے کی وجہ سے پھانسی دی جا رہی تھی، ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے بنو قریظہ کے ایک غیر مسلم، زبیر بن بطا، جسے پھانسی کی سزا سنائی گئی تھی، واپس کرنا چاہا، جیسا کہ اس نے پہلے ایک موقع پر اپنی جان بچائی تھی۔ ثابت رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی رہائی کی درخواست کی اور مؤخر الذکر نے قبول کر لی۔ جب زبیر کو اطلاع ملی تو اس نے تبصرہ کیا کہ ان کے خاندان کے بغیر زندگی بے معنی ہو گی۔ ثابت رضی اللہ عنہ نے پھر ان کے گھر والوں کو بھی رہا کر دیا۔ زبیر نے تب تبصرہ کیا کہ جائیداد کے بغیر زندگی ان کے لیے اچھی نہیں ہوگی۔ ثابت رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد ان کی تمام جائیداد اور مال ان کے لیے آزاد کر دیا۔ اس کے بعد زبیر بنو قریظہ کے رئیسوں کے بارے میں ایک ایک کر کے پوچھنے لگے اور ہر بار اسے بتایا گیا کہ انہیں قتل کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد اس نے تبصرہ کیا کہ ان کے بغیر زندگی بے معنی ہے اور ان میں شامل ہونے کی خواہش ہے۔ پھر ثابت رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 170-171 میں بحث کی گئی ہے۔

اس شخص نے اندھی وفاداری اور تقلید کے عجیب درجے کا مظاہرہ کیا، جیسا کہ یہ واضح تھا کہ اس کی قوم پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت کرنے اور دوسرے آپ کو جھٹلانے میں غلطی پر تھی۔

اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید ایک بڑی وجہ ہے جس کی وجہ سے لوگ سچائی کو مسترد کرتے ہیں، جیسے یوم حشر۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی عقل کو بروئے کار لاتے ہوئے شہادتوں اور واضح نشانیوں پر مبنی طرز زندگی کا انتخاب کرے اور مویشیوں کی طرح دوسروں کی اندھی تقلید نہ کرے۔ اندھی تقلید اسلام میں بھی ناپسندیدہ ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4049 میں ایک حدیث ہے جو اسلام قبول کرنے میں دوسروں کی اندھی تقلید نہ کرنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے، جیسے کہ کسی کے اہل خانہ، بغیر اسلامی علم حاصل کیے اور اس پر عمل کیے، تاکہ کوئی شخص اندھی تقلید سے آگے نکل جائے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور اپنی ربوبیت اور اپنی بندگی کو صحیح معنوں میں پہچانے۔ یہ دراصل بنی نوع انسان کا مقصد ہے۔
باب 51 ذریات، آیت 56:

’’اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔‘‘

کوئی ایسے شخص کی عبادت کیسے کر سکتا ہے جسے وہ پہچانتا بھی نہیں؟ اندھی تقلید بچوں کے لیے قابل قبول ہے لیکن بڑوں کو چاہیے کہ وہ علم کے ذریعے اپنی تخلیق کے مقصد کو صحیح معنوں میں سمجھ کر صالح پیشروؤں کے نقش قدم پر چلیں۔ جہالت ہی اس کی وجہ ہے کہ جو مسلمان اپنے فرائض کی ادائیگی کرتے ہیں وہ آج بھی اللہ تعالیٰ سے قطع تعلق محسوس کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اندھی تقلید ایمان کی کمزوری کا باعث بنتی ہے۔ کمزور ایمان جب بھی کسی کی خواہشات کے خلاف ہو تو اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت سے روکتا ہے۔ نتیجے کے طور پر، یہ شخص ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو اسے دی گئی ہیں۔ یہ انہیں متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرنے سے روک دے گا اور ان کو اپنی زندگی میں ہر چیز اور ہر چیز کو غلط جگہ دینے کا سبب بنے گا۔ اس لیے اندھی تقلید انسان کو ذہنی سکون حاصل کرنے سے روکے گی۔

اس کے علاوہ اہل کتاب نے خواہش مندانہ سوچ اختیار کی جس نے اسلام کی حقانیت کو پہچاننے کے باوجود گمراہی پر رہنے کی ترغیب دی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں، وہ ان کو سزا نہیں دے گا، چاہے وہ اس کی نافرمانی ہی کیوں نہ کریں۔ باب 5 المائدۃ، آیت 18:

لیکن یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کی اولاد اور اس کے پیارے ہیں، کہہ دو کہ پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں کی سزا کیوں دیتا ہے؟بلکہ تم اس کی پیدا کردہ مخلوقات میں سے انسان ہو، وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔

اس طرح کے احمقانہ عقیدے کو اپناتے ہوئے، انہوں نے ناانصافی اور ناانصافی کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا، جیسا کہ انہوں نے دعویٰ کیا کہ وہ ان کے درمیان برے کام کرنے والے کے ساتھ نیکی کرنے والے کی طرح برتاؤ کرے گا۔ باب 45 الجثیہ، آیت 21:

"کیا وہ لوگ جو برائیاں کرتے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے - ان کی زندگی اور موت میں برابری پیدا کر دیں گے، یہ جو فیصلہ کرتے ہیں وہ برا ہے"۔

مزید برآں، اس غلط عقیدے نے نسل پرستی کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا، جیسا کہ انہوں نے دعویٰ کیا کہ وہ اپنے نسب کی وجہ سے باقی بنی نوع انسان پر پسندیدہ ہیں۔

مزید یہ کہ ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ اگر انہیں ان کی نافرمانی کی سزا بھی دی جائے تو یہ صرف ایک محدود مدت کے لیے ہو گی کیونکہ وہ اپنے آپ کو مومن سمجھتے تھے ، حالانکہ وہ اسلام سے انکار کر کے کافر ہو چکے تھے۔ باب 2 البقرہ، آیت 80:

اور وہ کہتے ہیں کہ ہم کو آگ ہرگز نہیں چھوئے گی سوائے گنتی کے چند دنوں کے "کہو کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لیا ہے؟ کیونکہ اللہ اپنے عہد کو کبھی نہیں توڑے گا۔ یا تم اللہ کے بارے میں ایسی بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے؟"

اور باب 4 النساء، آیات 150-151:

" بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو کافر کرتے ہیں اور ان کے درمیان کوئی راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں، وہی لوگ کافر ہیں، اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

یہی وہ خواہش مندانہ سوچ تھی جس نے انہیں اپنی نافرمانی پر قائم رہنے اور اسلام کو رد کرنے کی ترغیب دی حالانکہ انہوں نے اس کی حقانیت کو تسلیم کیا تھا کیونکہ قرآن کریم اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں ہی ان کے آسمانی صحیفوں میں زیر بحث آئے ہیں۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

"جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو" جانتے ہیں"۔

مسلمانوں کو خواہش مندانہ سوچ اپناتے ہوئے ان کے نقش قدم پر چلنے سے گریز کرنا چاہیے۔ انہیں یہ غلط عقیدہ اختیار کرنے سے گریز کرنا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں، جیسا کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے ہیں۔ یہ غلط عقیدہ صرف اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ترغیب دیتا ہے اور اس کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتا ہے جیسے کہ ناانصافی، ناانصافی اور نسل پرستی۔ اس کے علاوہ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے اور یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ اس دنیا سے چلے جائیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر قائم رہنا ان نعمتوں کا غلط استعمال کر کے کفر کا باعث بن سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جس کی پرورش اطاعت کے ساتھ ہونی چاہیے۔ جس طرح ایک پودا جو سورج کی روشنی جیسی پرورش حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے وہ مر جائے گا، اسی طرح اس شخص کا ایمان بھی فوت ہو سکتا ہے جو اس کی پرورش اطاعت کے ساتھ نہیں کرتا۔ یہ سب سے بڑا نقصان ہے۔

لوگوں کو خوش کرنے والا

جب قبیلہ بنو قریظہ کے سپاہیوں کو مسلمانوں کے خلاف بار بار غداری کی وجہ سے پھانسی دی جا رہی تھی تو بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کو پھانسی کے لیے پیش کیا گیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ان کے ایک بزرگ یہودی عالم ابن خراش کی طرف سے دی گئی نصیحت کی یاد دلائی جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل وفات پا چکے تھے۔ ابن خراش نے کعب بن اسد سمیت اپنی قوم کو حکم دیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں جب آپ نے نبوت کا اعلان کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام بھیجا ۔ کعب نے اس سچائی کا اعتراف کیا اور اگرچہ وہ اسلام کی سچائی کا مکمل قائل تھا، جیسا کہ اس نے بنو قریظہ کے محاصرے کے دوران اپنی قوم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول کرنے اور اس کی پیروی کرنے کا کہا، تب بھی اس نے اسلام سے انکار کیا، کیونکہ اسے ڈر تھا کہ دوسرے یہودی اس کا اسلام قبول کرنے کا مذاق اڑائیں گے اور دعویٰ کریں گے کہ اس نے صرف اپنے آپ کو بچانے کے لیے اسے قبول کیا۔ اس کے بعد اسے پھانسی دے دی گئی۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1415-1416 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ وہ اسلام کی حقانیت کے قائل تھے لیکن لوگوں کو خوش کرنے کی خواہش اس قدر شدید تھی کہ اس نے اسے رد کر دیا۔ لوگوں کو خوش کرنے کی اس خواہش سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا باعث بن سکتی ہے۔

لوگ اکثر شکایت کرتے ہیں کہ خواہ وہ کتنی ہی کوشش کریں وہ سب کو خوش نہیں کر سکتے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ وہ کسی کی حالت میں ہیں ہمیشہ ان سے ناراض نظر آتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے جس کا سبھی تجربہ کرتے ہیں چاہے وہ ان کی خاندانی زندگی میں ہو، کام کی زندگی میں یا دوستوں کے ساتھ ایک مسلمان کو ہمیشہ چند آسان باتیں یاد رکھنی چاہئیں جو اسے اس مسئلے پر دباؤ ڈالنے سے روکیں گی۔

اول یہ کہ لوگوں کی اکثریت اللہ تعالیٰ سے راضی نہیں ہے، حالانکہ اس نے ان کو بے شمار نعمتیں بغیر مانگے عطا کی ہیں۔ پھر یہ لوگ کسی دوسرے شخص سے کیسے خوش رہ سکتے ہیں جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی خوشنودی کا فقدان ان کی شکایت اور انہیں کچھ نہیں دیا؟ حقیقت میں شکرگزاری کی کمی سے ظاہر ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے کردار میں خواہ کتنی ہی اصلاح کر لے وہ کبھی بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے اعلیٰ کردار تک نہیں پہنچ سکتا، پھر بھی بعض لوگ ان کو ناپسند کرتے تھے۔ اگر ان کے ساتھ ایسا ہوتا ہے تو ایک عام آدمی اپنی زندگی میں سب کی خوشنودی کیسے حاصل کرسکتا ہے؟

،ایک مسلمان کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جیسا کہ لوگ مختلف ذہنیت کے ساتھ پیدا کیے گئے ہیں وہ ہمیشہ ایسے لوگ پائیں گے جو ان کے رویے اور طرز عمل سے متفق نہیں ہوں گے۔ اس کی وجہ سے ہمیشہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو کسی بھی وقت کسی شخص سے خوش نہیں ہوتے۔ صرف وہی جو سب کو خوش کرنے کے قریب آسکتا ہے وہ دو چہروں والا شخص ہے جو اپنے رویے اور عقائد کو اس بات پر منحصر کرتا ہے کہ وہ کس کے ساتھ سلوک کر رہے ہیں۔ لیکن آخر کار یہ شخص بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھلے عام رسوا ہو گا۔

اس لیے تمام لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنا محال ہے اور صرف ایک احمق ہی اس چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا جو حاصل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو سب سے بڑھ کر اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنے کی کوشش کرے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان کو دوسروں کا احترام نہیں کرنا چاہئے کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت سے متصادم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں تو وہ انہیں لوگوں کے منفی رویوں اور اثرات سے محفوظ رکھے گا چاہے یہ تحفظ ان پر ظاہر نہ ہو۔ لیکن اگر وہ لوگوں کی خوشنودی کو ترجیح دیں گے تو وہ اسے حاصل نہیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں لوگوں کی ناراضگی اور منفی اثرات سے محفوظ نہیں رکھے گا۔

باغ یا گڑھا۔

بنو قریظہ قبیلہ کی غداری کی سزا کا فیصلہ کرنے کے بعد سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جنگ احزاب کے دوران زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے انتقال کر گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات پر اللہ تعالیٰ کا عرش لرز اٹھا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6346 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ آپ کی تدفین کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ آپ کی تدفین کے لیے 70,000 فرشتے آسمان سے اترے، فرشتوں نے اس کا بیئر اٹھایا اور اس کی قبر نے اسے لمحہ لمحہ روک دیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے دوبارہ زندہ کر دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 175-177 میں بحث کی گئی ہے۔

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کی وجہ سے اس طرح نصیب ہوا۔ وہ اپنی عطا کردہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے پر اڑے رہے جیسا کہ قرآن پاک میں بیان کیا گیا ہے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا میں سکون قلب اور آخرت میں اجر عظیم سے نوازا۔

اس کے علاوہ، یہ واقعہ مسلمانوں کو یاد دلاتا ہے کہ وہ اپنی قبروں میں کس چیز کا سامنا کریں گے اس کے لیے سرگرمی سے تیاری کریں۔ جامع ترمذی نمبر 2460 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قبر یا تو جنت کا باغ ہے یا جہنم کا گڑھا ہے۔ یہ حدیث مزید بتاتی ہے کہ جب ایک کامیاب مومن کو ان کی قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ ان کے لیے کشادہ اور آرام دہ ہو جاتا ہے جب کہ گناہ گار کی قبر ان کے لیے انتہائی تنگ اور نقصان دہ ہو جاتی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ حقیقت میں ہر شخص اپنے اعمال کی صورت میں اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنے ساتھ جنت کا باغ یا جہنم کا گڑھا لے جاتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا

ہے، اس کے احکام کی تعمیل کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، تو یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کو ان طریقوں سے استعمال کرے گا جو انہیں اللہ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ اپنی قبر کو جنت کا باغ بنانے کے لیے درکار اعمال کی تیاری کریں۔ لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے ان نعمتوں کا غلط استعمال کریں گے جو انہیں عطا کی گئی ہیں تو ان کے گناہ جہنم کے گڑھے کو پیدا کر دیں گے جس میں وہ قیامت تک آرام کریں گے۔

اس لیے مسلمانوں کو آج ہی عمل کرنا چاہیے اور اس تیاری میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ موت کا وقت معلوم نہیں اور اکثر اچانک آجاتا ہے۔ آنے والے کل تک تاخیر کرنا بے وقوفی ہے اور یہ صرف پچھتاوے کا باعث بنتا ہے۔ جس طرح انسان اس دنیا میں اپنے گھر کو سنوارنے میں بہت زیادہ توانائی اور وقت صرف کرتا ہے، جس گھر میں وہ صرف تھوڑے ہی عرصے کے لیے رہے گا، اسے اپنی قبر کو سنوارنے میں زیادہ محنت کرنی چاہیے، کیونکہ اس کا سفر ناگزیر ہے اور وہاں رہنا بہت طویل ہے۔ اور اگر کسی کو ان کی قبر میں تکلیف پہنچتی ہے تو اس کے بعد جو کچھ ہوتا ہے وہ بدتر ہوگا۔ سنن ابن ماجہ، نمبر 4267 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ کسی کو یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ لوگ اور دنیاوی چیزیں، جیسے کہ ان کا کاروبار، وہ اپنی توانائی کا زیادہ تر حصہ اس کے لیے وقف کرتے ہیں، جب وہ اپنی قبر پر پہنچیں گے تو انہیں چھوڑ دیں گے۔ ان کے ساتھ صرف ان کے اعمال ہوں گے، وہی اعمال جو یہ طے کریں گے کہ انہیں جنت کے باغ میں رکھا جائے گا یا جہنم کے گڑھے میں۔

آخر میں، کسی شخص کو یہ فرض کرنے میں دھوکہ نہیں دینا چاہیے کہ اس کا ایمان اس کے جنت کے باغ کو یقینی بنانے کے لیے کافی ہے۔ ایمان ایک باطنی کیفیت ہے جو ظاہری طور پر اپنے اعمال سے ظاہر ہوتی ہے۔ دلوں کے جاننے والے نے یہی حکم دیا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جو بھی نیک عمل کرے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم انہیں ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

اور سچی بات یہ ہے کہ جس طرح ایمان ایک درخت کی مانند ہے اسی طرح اس کی آبیاری اور پرورش عمل صالح سے ہونی چاہیے۔ اگر کوئی اپنے ایمان کے پودے کی پرورش کرنے میں ناکام رہتا ہے تو وہ اچھی طرح جان سکتے ہیں کہ وہ قبر تک پہنچنے سے پہلے ہی مرجھا جاتا ہے۔

غداری کی سزا - 2

جنگ احزاب کے بعد اور قبیلہ بنی قریظہ کی غداری سے نمٹنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سالم بن ابو حقیق کی سزائے موت پر رضامندی ظاہر کی، جو سربراہ مملکت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنے معاہدے کو توڑنے پر بضد رہے۔ وہ مکہ، مدینہ اور گردونواح کے غیر مسلموں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف بھڑکاتا رہا اور جنگ احزاب کے پیچھے اہم لوگوں میں سے تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر میں ٹھہرے ہوئے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی ایک چھوٹی سی جماعت چپکے سے آپ کے گھر میں داخل ہوئی اور آپ کو قتل کر دیا۔ سلام کی بیوی نے ان کا ارادہ ترک کر دیا، جب وہ چیخنے لگیں اور نتیجتاً انہوں نے اسے قتل کرنے کے لیے اپنی تلواریں اٹھائیں، لیکن انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت حکم یاد آیا کہ کسی عورت یا بچے کو نقصان نہ پہنچائیں، اس لیے انہوں نے اپنے ہاتھ روک لیے۔ اس پر ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 3، صفحہ 186-187 میں بحث کی گئی ہے۔

اس بات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اس دن اور دور میں بھی، غداری کے لیے سزائے موت ایک بہت ہی معیاری فیصلہ ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ انسان کی جسمانی یا سماجی طاقت چاہے کتنی ہی کیوں نہ ہو ایک دن ضرور آئے گا جب اسے اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ زیادہ تر معاملات میں، یہ ان کی زندگی کے دوران ہوتا ہے جہاں کسی شخص کے اعمال انہیں مصیبت میں لے جاتے ہیں، جیسے کہ جیل اور ۔ یہ تمام لوگوں پر لاگو ہوتا گا آخرکار انہیں آخرت میں بھی اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے ہے نہ صرف لیڈروں پر۔

اس لیے ایک مسلمان کو کبھی بھی دوسروں کے ساتھ برا سلوک نہیں کرنا چاہیے، جیسے کہ ان کے ،سے سبق سیکھنا چاہیے جو ان سے زیادہ طاقت میں تھے ان ظالم لیڈروں رشتہ دار۔ انہیں تاریخ کے

ایک دن ضرور آیا جب ان کی طاقت ان کے کام نہ آئی اور انہیں اپنے برے اعمال کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ سماجی اثر و رسوخ اور طاقت ایسی چیزیں ہیں جو تیزی سے ایک شخص سے دوسرے شخص میں منتقل ہوتی ہیں، کبھی کسی کے ساتھ زیادہ دیر تک نہیں رہتیں۔ لہٰذا جس مسلمان کے پاس اتنی طاقت ہو اسے چاہیے کہ وہ اسے ایسے طریقے سے استعمال کرے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو اور اپنے اور دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ لیکن اگر وہ اپنے اختیارات کا غلط استعمال کرتے ہیں تو وہ جس سے کوئی ان کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے آخرکار ہوں گے۔

کسی کے اختیار کا غلط استعمال نہ کرنا کیونکہ یہ انہیں قیامت کے اس کے علاوہ، یہ ضروری ہے دن جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ ہر ظالم کو ان کے اعمال صالحہ ان کے مظلوموں کو دینا ہوں گے اور اگر ضرورت پڑی تو اپنے مظلوموں کے گناہوں کو لے کر جب تک انصاف نہ ہو جائے۔ اس سے بہت سے ظالموں کو جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو اپنے اعمال کے لیے خود کو جوابدہ ٹھہرانا کبھی نہیں بھولنا چاہیے۔ ایسا کرنے والے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور دوسروں کو نقصان پہنچانے سے بچیں گے۔ لیکن جو لوگ خود فیصلہ نہیں کرتے وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے رہیں گے اور دوسروں کو نقصان پہنچاتے رہیں گے۔ یہ نہ جانتے ہوئے کہ حقیقت میں وہ صرف اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ لیکن جب انہیں اس حقیقت کا ادراک ہو جائے گا تو ان کے لیے سزا سے بچنے میں بہت دیر ہو چکی ہو گی۔

شیطانی محرکات

خیبر میں مقیم ایک ممتاز غیر مسلم، سلام بن ابو حقیق کی پھانسی کے بعد، خیبر کے غیر مسلموں نے اس سے بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے فوج کو متحرک کرنا شروع کر دیا اور یہاں تک کہ غیر مسلم غیر مسلم قبائل کو ان کی مدد کے لیے ترغیب دینے کی کوشش کی۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو روانہ کیا تاکہ وہ اپنے پیشوا یوسر بن رزام رضی اللہ عنہ کو مدینہ واپس آکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات چیت کرنے کی ترغیب دیں۔ یوسر نے اتفاق کیا لیکن اصرار کیا کہ وہ اور اس کے 29 سپاہی 30 صحابہ کے ساتھ مدینہ واپس چلے جائیں، اللہ ان سے راضی ہو۔ واپسی میں یوسیر نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دھوکہ دیا اور لڑائی چھڑ گئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ ان سب کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے، سوائے ایک غیر مسلم کے جو پیدل بھاگ گیا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1485-1486 میں بحث کی گئی ہے۔

،کسی کو کبھی بھی برے کام کرنے کی سازش نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ ہمیشہ، کسی نہ کسی طرح ان پر الٹا فائر ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر یہ نتائج اگلے جہان تک موخر کر دیے جائیں تو آخرکار ان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو نقصان پہنچانا چاہا جیسا کہ وہ اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت، احترام اور پیار چاہتے تھے۔ لیکن یہ واضح ہے کہ ان کی تدبیریں انہیں اپنی خواہش سے دور کر دیتی ہیں۔ باب 12 یوسف، آیت 18:

اور وہ اس کی قمیص پر جھوٹا خون لے آئے،]یعقوب [نے کہا، "بلکہ تمہاری جانوں نے تمہیں کسی" "چیز پر آمادہ کیا ہے، اس لیے صبر سب سے زیادہ مناسب ہے۔

جتنی زیادہ برائی کی تدبیریں کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں ان کے مقصد سے دور کر دے گا۔ خواہ وہ ظاہری طور پر اپنی خواہش پوری کر لیں، اللہ تعالیٰ جس چیز کی خواہش کی تھی وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے لعنت بن جائے گا الا یہ کہ وہ سچے دل سے توبہ کریں۔ باب 35 فاطر، آیت 43:

"لیکن شیطانی تدبیر سوائے اپنے لوگوں کے گھیرے میں نہیں آتی، پھر کیا وہ پہلے لوگوں کے راستے کے سوا انتظار کرتے ہیں؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کی

بے بنیاد رواج کو ترک کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال آپ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ اس نکاح کے سلسلے میں بہت سی آیات نازل ہوئیں، جیسے باب الاحزاب، آیات 37-39 33:

اور جب آپ)صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (نے اس شخص سے جس پر اللہ نے فضل کیا اور آپ نے احسان فرمایا کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو اور اللہ سے ڈرو جب کہ تم نے اپنے اندر وہ بات چھپا رکھی تھی جسے اللہ نے ظاہر کرنا ہے اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے جب کہ اللہ کا زیادہ حق ہے کہ تم اس سے ڈرو، تو جب زید کو اس بات کی کوئی ضرورت نہیں تھی کہ ہم نے اس سے نکاح کرنے کا حکم دیا تو ہمیں اس بات کی کوئی ضرورت نہیں رہی کہ وہ تم سے نکاح کر لیں۔ ان کی بیویوں کے بارے میں جب ان کو ان کی کوئی ضرورت نہ رہی ہو اور اللہ تعالیٰ نے ان پر جو حکم دیا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی تکلیف نہیں ہے۔ وہ لوگ جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور حساب لینے کے لیے اللہ ہی کافی ہے۔

یہ آیات اس بات پر بحث کرتی ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لے پالک بیٹے زید ابن حارثہ نے اپنی بیوی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو طلاق دی تھی ۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم تھا کہ ایسا ہونے والا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ان سے نکاح کر دے گا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کا اندیشہ تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اسلام آنے سے پہلے لوگ اس قسم کی شادی کو ناپسند کرتے تھے، حالانکہ کسی کا گود لیا ہوا بیٹا ان کا حیاتیاتی بیٹا نہیں ہے اور اگرچہ وہ گھناؤنے رشتوں میں راضی تھے، جیسے کہ کوئی شخص اپنی سوتیلی ماں سے شادی کرتا ہے۔ اس نے جو خدشہ محسوس کیا وہ صرف دوسروں کے لیے خلوص کی وجہ سے تھا کیونکہ وہ ان کے دلوں میں اسلام کے بارے میں کوئی شکوک پیدا نہیں کرنا چاہتے

تھے۔ یہی وہ خیال تھا جسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابتدا میں چھپایا تھا۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر لوگوں سے ڈرتا تو پہلے کبھی نبوت کا اعلان نہ کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے معاشرے کے اندر سے اس غلط تصور کو ختم کرنا چاہا اور یہ واقعہ اس لیے پیش نہیں آیا کہ اس کے لیے حالات مزید سخت ہو جائیں۔ زیر بحث آیات میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

عام طور پر دیکھا جائے تو ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں معاشرے کی تنقید سے ہرگز خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس سے وہ دنیاوی فائدے کی خاطر اپنے ایمان پر سمجھوتہ کر سکتا ہے۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ مادی دنیا سے کچھ حاصل کرنے کے لیے اپنے ایمان پر کبھی سمجھوتہ نہ کریں۔ باب 4 النساء، آیت 135:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔"

چونکہ مادی دنیا عارضی ہے اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ آخرکار ختم ہو جاتا ہے اور آخرت میں ان کے اعمال اور رویوں کا جوابدہ ہو گا۔ دوسری طرف، ایمان وہ قیمتی زیور ہے جو ایک مسلمان کی دنیا اور آخرت میں تمام مشکلات سے باحفاظت رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے کسی عارضی چیز کی خاطر جو چیز زیادہ فائدہ مند اور پائیدار ہو اس سے سمجھوتہ کرنا صریح حماقت ہے۔

بہت سے لوگ خاص طور پر خواتین، اپنی زندگی میں ایسے لمحات کا سامنا کریں گے جہاں انہیں اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر، بعض صورتوں میں ایک مسلمان عورت یہ مان سکتی ہے کہ اگر اس نے اپنا اسکارف اتار دیا اور کسی خاص طریقے سے لباس پہن لیا تو وہ کام پر زیادہ عزت دار ہو گی اور کارپوریٹ کی سیڑھی بھی زیادہ تیزی سے چڑھ سکتی ہے۔ اسی طرح کارپوریٹ دنیا میں کام کے اوقات کے بعد ساتھیوں کے ساتھ گھل مل جانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان اپنے آپ کو کام کے بعد کسی پب یا کلب میں مدعو کر سکتا ہے۔

ایسے وقت میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ حتمی فتح اور کامیابی صرف انہی کو ملے گی جو اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم رہیں۔ اس طرح عمل کرنے والوں کو دنیوی اور دینی کامیابیاں نصیب ہوں گی۔ لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان کی دنیاوی کامیابی ان کے لیے بوجھ نہیں بنے گی۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بنی نوع انسان کے درمیان ان کے درجات اور ذکر کو بڑھانے کا ذریعہ بنے گا۔ اس کی مثالیں خلفائے راشدین اسلام ہیں۔ انہوں نے اپنے عقیدے پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ زندگی بھر ثابت قدم رہے اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی اور مذہبی سلطنت عطا فرمائی۔

کامیابی کی دیگر تمام شکلیں بہت وقتی ہیں اور جلد یا بدیر وہ اس کے علمبردار کے لیے مشکل بن جاتی ہیں۔ صرف ان بہت سی ہستیوں کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے شہرت اور خوش قسمتی کے حصول کے لیے اپنے نظریات اور عقیدے پر سمجھوتہ کیا اور صرف یہی چیزیں ان کی اداسی، پریشانی، ڈپریشن، منشیات کے استعمال اور یہاں تک کہ خودکشی کا سبب بنیں۔

ایک لمحے کے لیے ان دونوں راستوں پر غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ کس کو ترجیح دی جائے اور کس کا انتخاب کیا جائے۔

اس کے علاوہ، زیر بحث اہم واقعہ ہدایت کے دو ذرائع پر سختی سے عمل کرنے کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے :قرآن کریم اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات، اور علم کے

دوسرے ذرائع سے اجتناب کرنا جو اس سے روک سکتے ہیں، جیسے ثقافتی رسومات۔ دینی علم کے دوسرے ذرائع پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، خواہ وہ نیکیوں کی طرف لے جائے، وہ ہدایت کے دو ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا، جو کہ گمراہی کا باعث بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ ہر وہ چیز جس کی جڑیں ہدایت کے دو منابع میں نہ ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رد کر دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ، مذہبی علم کے دوسرے ذرائع پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، اتنا ہی وہ ان چیزوں پر عمل کرنے لگے گا جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہیں۔ اس طرح شیطان قدم قدم پر لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، مشکلات کا سامنا کرنے والے شخص کو کچھ ایسی روحانی مشقیں کرنے کا مشورہ دیا جائے گا جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم اور چیلنج ہوں۔ چونکہ یہ شخص جاہل ہے اور اسے دینی علم کے دوسرے ذرائع پر عمل کرنے کی عادت ہے، اس لیے وہ آسانی سے اس جال میں پھنس جائیں گے اور ایسی روحانی مشقیں کرنے لگیں گے جو براہ راست اسلام کی تعلیمات کو چیلنج کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور کائنات کے بارے میں ایسی باتوں پر بھی یقین کرنے لگیں گے جو اسلام کی تعلیمات سے بھی متصادم ہیں، جیسے کہ ماننے والے لوگ یا مافوق الفطرت مخلوق اپنی تقدیر کو کنٹرول کر سکتے ہیں، کیونکہ ان کا علم ہدایت کے دو ذرائع کے علاوہ کسی اور سے لیا گیا ہے۔ ان گمراہ کن طریقوں اور عقائد میں سے کچھ واضح کفر ہیں، جیسے کالا جادو کرنا۔ باب 2 البقرہ، آیت 102:

’’اور جو سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا بلکہ شیاطین نے کفر کیا، لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر نازل ہوا تھا، لیکن وہ [یعنی دونوں فرشتے] کسی کو نہیں سکھاتے جب تک کہ یہ نہ کہیں کہ "ہم آزمائش ہیں، اس لیے کفر نہ کرو" [جادو کرکے]۔

اس لیے ایک مسلمان اس کا احساس کیے بغیر بھی اپنا ایمان کھو سکتا ہے، کیونکہ انہیں مذہبی علم کے دوسرے ذرائع پر عمل کرنے کی عادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی مذہبی بدعات پر عمل کرنا جن کی جڑیں ہدایت کے دو ذرائع میں نہیں ہیں، شیطان کے نقش قدم پر چلنا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 208:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔"

دوسروں کا دورہ کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال آپ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ شادی کے اعزاز میں دعوت دی گئی اور مہمانوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر بلایا گیا۔ لیکن کچھ مہمانوں نے کھانا ختم کرنے کے بعد ایک دوسرے سے بات چیت جاری رکھی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے جانے کا مطالبہ کرنے کی خواہش نہیں کی تھی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے اور سیر کے لیے چلے گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب آیت نمبر 33 نازل فرمائی:

”اے ایمان والو نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو سوائے اس کے کہ جب تمہیں کھانے کی اجازت ہو اور اس کی تیاری کا انتظار کرو، لیکن جب تم کو بلایا جائے تو داخل ہو جاؤ، اور جب کھانا کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ، بے شک وہ نبی کو پریشان کر رہا تھا، اور وہ شرمندہ ہے، لیکن اللہ تم سے شرمندہ نہیں ہے“۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 199-200 میں بحث ہوئی ہے اور صحیح بخاری نمبر 5163 میں موجود ایک حدیث میں درج ہے۔

ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ثواب کے حصول کے لیے اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کی زیارت کے آداب اور شرائط کو پورا کرے۔ انہیں زیادہ دیر نہیں ٹھہرنا چاہیے جس سے میزبان اور ان کے رشتہ داروں کو پریشانی ہو۔ اس دن اور عمر میں میزبان اور ان کے اہل خانہ سے پہلے سے رابطہ کرنا آسان ہے تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ وہ مناسب وقت پر ان سے ملیں۔ کسی کو غیر اعلانیہ طور پر آنے سے گریز کرنا چاہئے کیونکہ یہ اکثر میزبان کو مشکل میں ڈال دیتا ہے۔ ایسی صورتوں میں میزبان کو غیر اعلانیہ ملاقاتی کو پھیرنے میں شرم محسوس نہیں کرنی چاہیے اور اگر وہ کسی اور کام میں مصروف ہوں تو زیادہ مناسب وقت پر واپس آنے کو کہے اور نہ ہی

مہمان کو اس بات پر پریشان ہونا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس کا حکم دیا ہے۔ باب 24 النور، آیت 28:

’’اور اگر تم اس میں کسی کو نہ پاؤ تو ان میں داخل نہ ہو جب تک کہ تمہیں اجازت نہ دے دی جائے، اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو واپس چلے جاؤ، یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ ہے، اور اللہ تمہارے کاموں سے باخبر ہے۔‘‘

ملاقاتی کو چاہیے کہ وہ اپنے اعمال اور گفتار پر قابو رکھے تاکہ وہ ہر قسم کے گناہوں جیسے کہ گپ شپ، غیبت اور دوسروں کی غیبت سے بچیں۔ انہیں دنیا اور آخرت کے فائدے والے امور پر بحث کرنی چاہیے۔ جب کوئی اس طرح کا برتاؤ کرے گا تو اسے وہ ثواب ملے گا جو احادیث نبوی میں بیان کیا گیا ہے۔ اگر وہ اس میں ناکام رہتے ہیں تو انہیں یا تو کوئی اجر نہیں ملے گا یا پھر ان کے برتاؤ کے لحاظ سے گناہوں کے ساتھ چھوڑ دیا جائے گا۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اس نیک عمل کو انجام دینے سے لطف اندوز ہوتے ہیں لیکن اس کی شرائط کو صحیح طریقے سے پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ باب 4 النساء، آیت 114:

"ان کی اکثر گفتگو میں کوئی بھلائی نہیں سوائے ان لوگوں کے جو خیرات کا حکم دیتے ہیں یا حق بات یا لوگوں کے درمیان صلح کرواتے ہیں اور جو شخص یہ کام اللہ کی رضا مندی کے لیے کرے گا تو ہم اسے بہت بڑا اجر دیں گے۔"

ہجرت کے بعد چھٹا سال

رحم اور مہربانی کا مظاہرہ کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال، آپ نے بیرونی خطرے سے نمٹنے کے لیے سپاہیوں کا ایک چھوٹا سا دستہ روانہ کیا۔ انہوں نے دشمن کے سپاہیوں کو منتشر کر دیا اور ایک کٹر کافر ثمامہ بن اثال کو واپس لایا جس پر مسیلمہ جھوٹے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا الزام لگایا تھا۔ ثمامہ کو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک کھمبے سے باندھا گیا تھا، جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال کیا تھا۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی رہائی کا حکم دیا۔ ثمامہ چلے گئے اور غسل کیا پھر واپس آکر اسلام قبول کیا۔ اس نے مسجد نبوی اور مدینہ شہر کے اندر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حسن سلوک کا مشاہدہ کیا، جس نے انہیں اسلام قبول کرنے پر زور دیا۔ اس کے بعد وہ زیارت)عمرہ (کرنے مکہ روانہ ہوئے اور مکہ کے غیر مسلموں کو اپنے اسلام قبول کرنے کی اطلاع دی۔ چونکہ وہ اپنے قبیلے کا سردار تھا، اس نے قسم کھائی کہ وہ مکہ کے غیر مسلموں کو یمامہ سے ایک غلہ حاصل کرنے کی اجازت نہیں دیں گے، جو ان علاقوں میں سے ایک تھا جہاں وہ تجارت کے لیے جاتے تھے۔ یہ بائیکاٹ اس وقت تک جاری رہا جب تک مکہ کے غیر مسلموں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کے حق میں شفاعت کی درخواست کی اور آپ کی شفاعت سے حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ نے بائیکاٹ اٹھا لیا۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 326 میں بحث کی گئی ہے۔

سب سے پہلے غور طلب بات یہ ہے کہ ثمامہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حسن سلوک کو دیکھا۔ تاریخ نے صاف ظاہر کیا ہے کہ ابتدائی نسلوں میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا ان کی اکثریت نے مسلمانوں کے حسن سلوک کو دیکھ کر ایسا کیا۔ انہوں نے بحث و مباحثہ اور اسلامی تعلیمات میں موجود اسلام کے واضح ثبوتوں کو سن کر اسلام قبول نہیں کیا۔ اس لیے مسلمانوں کو اسلام کی صحیح نمائندگی کرنے

پر توجہ دینی چاہیے، جیسا کہ صالح پیشروؤں نے کیا تھا۔ یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ اسلامی تعلیمات کے اندر زیر بحث مثبت خصوصیات کو سیکھتے اور اپناتے ہیں، جیسے سخاوت، شکرگزاری اور صبر اور اسلامی تعلیمات میں زیر بحث منفی خصوصیات کو ترک کر دیتے ہیں، جیسے لالچ، حسد اور غرور۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ بیرونی دنیا اسلام کے حقیقی چہرے کا مشاہدہ کرے۔ لیکن اگر مسلمان اسلامی تعلیمات سے غافل رہیں گے تو وہ منفی خصوصیات کو اپنا لیں گے۔ نتیجتاً ان کا برا سلوک غیر مسلموں اور دیگر مسلمانوں کو اسلام سے دور کر دے گا۔ اسلام کی صحیح نمائندگی ہر مسلمان پر فرض ہے اور اس کے لیے دونوں جہانوں میں جوابدہ ہوں گے۔

اس کے علاوہ زیر بحث اہم واقعہ مسلمانوں کو یہ بھی سکھاتا ہے کہ وہ لوگوں کے برے رویے کا منفی انداز میں جواب نہ دیں۔ اس کے بجائے، انہیں اس کا مثبت انداز میں جواب دینا چاہیے۔ حضور نبی اکرم ،صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تجارتی بائیکاٹ کو منسوخ کر دیا جو مکہ کے غیر مسلموں پر تھا حالانکہ برسوں پہلے اور ہجرت مدینہ سے پہلے، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا سماجی بائیکاٹ کیا تھا۔ بیرونی دنیا کو ایک مسلمان کے طرز عمل اور دوسروں کے طرز عمل میں واضح فرق دیکھنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو اپنا دفاع کرنے کا حق حاصل ہے، خاص طور پر جسمانی تشدد کے معاملات میں، لیکن اس کے علاوہ، انہیں مثبت انداز میں جواب دینا چاہیے، خواہ دوسرے ان کے ساتھ بدتمیزی اور سختی سے پیش آئیں۔ باب 25 الفرقان، آیت 63:

"اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آسانی سے چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے [سختی بات] کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے ہیں۔"

اور باب 41 فصیلات، آیت 34:

"اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، برائی کو اس سے دور کرو جو بہتر ہو، پھر جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسے وہ ایک مخلص دوست ہو۔"

اس طرز عمل سے دونوں جہانوں میں ثواب ملتا ہے اور اسلام کا اصل چہرہ بیرونی دنیا کو دکھاتا ہے۔ یہ اچھا سلوک ان لوگوں کی حوصلہ افزائی بھی کرے گا جو غلط سلوک کرتے ہیں اس سے کہیں زیادہ کہ کوئی ان کے برے رویے پر منفی انداز میں جواب دیتا ہے۔

منافقین انتشار کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔

ایمان کا بندھن

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال آپ نے ایک مہم روانہ کی۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اس مہم سے واپس آرہے تھے تو ان کے ایک گروہ نے اپنی پیاس بجھانے کے لیے ایک کنویں کو گھیر لیا۔ کنویں کے اردگرد کا علاقہ بھرا ہوا تھا تو دو صحابہ کرام میں سے ایک مدینہ اور دوسرا مکہ مکرمہ سے معمولی بات پر جھگڑ پڑے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مکہ کے صحابی نے مکہ سے دوسرے صحابہ سے حمایت کی اور مدینہ سے آنے والے صحابی نے مدینہ کے دوسرے صحابہ سے مدد طلب کی، اللہ ان سے راضی ہے۔ جب ان میں سے بعض نے اس پکار پر لبیک کہا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اس قسم کے قبائلی رویے کے خلاف تنبیہ کی اور انہوں نے بغیر کسی مسئلے کے جلد ہی معاملہ ختم کردیا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1314-1315 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ لوگوں کو ایمان کے بندھن سے جوڑنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے نہ کہ کسی اور چیز سے، کیونکہ یہی حقیقی اتحاد کی طرف لے جاتا ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگ اکثر منقسم ہو جاتے ہیں اور وہ مضبوط تعلق کھو دیتے ہیں جو کبھی ایک دوسرے کے ساتھ تھا۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں لیکن ایک بڑا سبب وہ بنیاد ہے جس پر ان کے والدین اور رشتہ داروں نے ان کا تعلق قائم کیا تھا۔ یہ عام طور پر جانا جاتا ہے کہ جب عمارت کی بنیاد کمزور ہوتی ہے تو عمارت یا تو وقت کے ساتھ خراب ہوجاتی ہے یا گر جاتی ہے۔ اسی طرح جب لوگوں کو آپس میں جوڑنے والے بانڈز کی بنیادیں درست نہیں ہوتیں تو ان کے درمیان بندھن بالآخر کمزور یا ٹوٹ جاتا ہے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے درمیان رشتہ جوڑ دیا۔ جبکہ آج زیادہ تر مسلمان قبائلیت، بھائی چارے اور دوسرے خاندانوں کو دکھانے کے

لیے لوگوں کو اکٹھا کرتے ہیں۔ اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی اکثریت آپس میں باہم تعلق نہیں رکھتی تھی لیکن چونکہ ان کو جوڑنے والے بندھنوں کی بنیاد صحیح تھی یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے رشتے مضبوط سے مضبوط ہوتے گئے۔ جبکہ آج کل بہت سے مسلمان خون کے رشتے میں ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ الگ ہو گئے ہیں کیونکہ ان کے رشتوں کی بنیاد باطل یعنی قبائلیت اور اسی طرح کی چیزوں پر تھی۔

مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگر رشتہ داریوں اور غیر رشتہ داروں کے حقوق کی پاسداری کے اہم فریضے کو ادا کرنے کے لیے اپنے بندھنوں کو قائم رکھنے اور اجر کمانے کی خواہش رکھتے ہیں تو انھیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے رشتہ جوڑنا چاہیے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ لوگ صرف ایک دوسرے سے جڑیں اور ایک دوسرے کے ساتھ اس طریقے سے کام کریں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو۔ قرآن پاک میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

تفرقہ پیدا کرنا

دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان معمولی جھگڑے کے بعد جب وہ ایک مہم سے واپس آرہے تھے تو منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے اس موقع سے یہ دعویٰ کر کے مزید خلل ڈالا کہ مکہ کے مہاجرین صرف ان کے لیے مشکلات پیدا کر رہے ہیں۔ اس نے مکہ کے مہاجرین کو مدینہ منورہ جانے کی اجازت دینے پر دوسرے منافقین پر تنقید شروع کر دی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 213 میں بحث کی گئی ہے۔

منافقت کی نشانی یہ ہے کہ انسان معاشرے میں فساد پھیلاتا ہے۔ یہ منفی خصوصیت خاندانی اکائی سے شروع ہوکر بین الاقوامی سطح پر ختم ہونے والی تمام سماجی سطحوں کو متاثر کرتی ہے۔ اس قسم کے لوگ لوگوں کو اچھائی پر متحد ہوتے دیکھنا ناپسند کرتے ہیں کیونکہ اس سے دوسروں کی دنیاوی حیثیت ان کے اپنے سے بڑھ جاتی ہے۔ یہ انہیں غیبت اور غیبت کی طرف لے جاتا ہے تاکہ لوگ ایک دوسرے کے خلاف ہو جائیں۔ ان کا برا رویہ ان کے اپنے رشتے داروں کو تباہ کر دیتا ہے اور جب وہ دوسرے خاندانوں کو دیکھتے ہیں جو خوش ہوتے ہیں تو یہ انہیں ان کی خوشیوں کو بھی تباہ کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ وہ فالٹ فائنڈر ہیں جو اپنا وقت دوسروں کی غلطیوں کی نقاب کشائی کرنے کے لیے وقف کرتے ہیں تاکہ ان کی سماجی حیثیت کو نیچے لے جا سکیں۔ وہ پہلے لوگ ہیں جنہوں نے دوسروں کے بارے میں گپ شپ شروع کی اور جب بھی اچھی بات کی جائے تو بہرے کام کرتے ہیں۔ امن اور سکون انہیں پریشان کرتا ہے لہذا وہ اپنے آپ کو تفریح کرنے کے لئے مسائل پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ سنن ابن ماجہ نمبر 2546 میں موجود حدیث کو یاد کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ یہ نصیحت کرتی ہے کہ جو شخص دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالے گا اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں پر پردہ ڈالے گا۔ لیکن جو شخص دوسروں کے عیب تلاش کرتا ہے اور ان کی پردہ پوشی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو لوگوں پر ظاہر کر دیتا ہے۔ تو درحقیقت، اس قسم کے افراد معاشرے کے سامنے صرف اپنے عیبوں کی پردہ پوشی کر رہے ہوتے ہیں حالانکہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ دوسروں کے عیبوں کو بے نقاب کر رہے ہیں۔

آگ کی دو زبانیں۔

دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان معمولی جھگڑے کے بعد جب وہ ایک مہم سے واپس آرہے تھے تو منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے اس موقع سے یہ دعویٰ کر کے مزید خلل ڈالا کہ مکہ کے مہاجرین صرف ان کے لیے مشکلات پیدا کر رہے ہیں۔ ایک بچے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اس کی برائی کی باتیں سن کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع دی۔ عبداللہ بن ابی کو بلایا گیا لیکن انہوں نے بڑی قسمیں کھائیں کہ میں نے یہ الفاظ کبھی نہیں کہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید کوئی اقدام نہیں کیا۔ اس واقعہ کے دوران، اللہ تعالیٰ نے سورہ المنافقون، آیات 7-8 نازل فرمائی:

"یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان لوگوں پر خرچ نہ کرو جب تک کہ وہ ٹوٹ نہ جائیں۔ "اور آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ ہی کے لیے ہیں، لیکن منافق نہیں سمجھتے، وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ کی طرف لوٹے تو جتنا زیادہ عزت والا)طاقت کے لیے (وہاں سے ضرور نکالے گا، اس کے رسول کے لیے اتنا ہی عاجز اور سب سے زیادہ عزت والا اور رسول اللہ کے لیے ہے۔ مومن ہیں لیکن منافق نہیں جانتے۔"

ان آیات کے نازل ہونے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا کان پکڑ کر تسلی دی اور فرمایا کہ یہ وہی ہے جس نے اپنا کان اللہ تعالیٰ کے لیے وقف کیا تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 213-215 میں بحث کی گئی ہے۔

دو طرفہ ہونا منافقت کی نشانی ہے۔ یہ وہ ہے جو لوگوں کے مختلف گروہوں کو خوش کرنے کے لیے اپنے طرز عمل میں تبدیلی لاتا ہے اور اس سے کچھ دنیاوی چیزیں حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ وہ بہت سی مختلف زبانوں سے بولتے ہیں جو مختلف لوگوں کو اپنی حمایت ظاہر کرتے ہوئے ان کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ لوگوں کے ساتھ مخلص نہیں ہیں جس کا حکم سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔ اگر وہ توبہ نہ کریں تو آخرت میں اپنے آپ کو آگ کی دو زبانوں

سے پائیں گے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4873 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 14:

جب وہ مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے برے ساتھیوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو محض مذاق کر رہے تھے۔"

اس کے علاوہ، یہ واقعہ دوسرے لوگوں، یہاں تک کہ بچوں کے جذبات پر غور کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ عبداللہ بن ابی کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہونے پر زید رضی اللہ عنہ جذباتی طور پر مجروح ہوئے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر ایمان نہیں لائے۔ حالانکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پر ایمان لے آئے تھے، لیکن انہوں نے اس معاملے کو بڑا مسئلہ بنانے سے گریز کیا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی آیات نازل کیں تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے زید رضی اللہ عنہ کو تسلی دی، جیسا کہ انہوں نے ان کے جذبات کو مدنظر رکھا۔

عام طور پر دیکھا جائے تو ایک مسلمان کو ہمیشہ دوسروں کے جذبات پر غور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اپنے قول و فعل کے ذریعے جذباتی طور پر انہیں نقصان پہنچانے سے گریز کرنا چاہیے۔ یہ تب حاصل ہوتا ہے جب کوئی اپنی زبان کو قابو میں رکھنا سیکھتا ہے اور صرف اس طریقے سے بولتا ہے جس سے لوگوں کے درمیان مثبت جذبات پیدا ہوتے ہیں، بشرطیکہ یہ اسلام کی تعلیمات سے متصادم نہ ہو۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے اکثر اس کو نظر انداز کیا جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ بولتے یا عمل کرتے وقت ان کے جذبات پر غور کرنے میں ناکام ہو کر لوگوں کے ساتھ اپنے تعلقات کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ انسان کو حق بیان کرنے میں شرم محسوس نہیں کرنی چاہیے، چاہے اس سے دوسروں کے جذبات مجروح ہوں، بلکہ اسلامی تعلیمات کے مطابق اسے صحیح طریقے اور وقت پر کیا جانا چاہیے۔ لیکن ایسے معاملات میں جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم نہ ہوں، ایسی بات کرنے اور عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جس سے دوسروں کے جذبات مجروح نہ ہوں۔

حسد اور نفرت

دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان معمولی جھگڑے کے بعد جب وہ ایک مہم سے واپس آرہے تھے تو منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے اس موقع سے یہ دعویٰ کر کے مزید خلل ڈالا کہ مکہ کے مہاجرین صرف ان کے لیے مشکلات پیدا کر رہے ہیں۔ عبداللہ بن ابی کو بلایا گیا لیکن انہوں نے بڑی قسمیں کھائیں کہ میں نے یہ الفاظ کبھی نہیں کہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید کوئی کارروائی کئے بغیر انہیں برطرف کر دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعد میں اس واقعہ کا ذکر ایک ایسے شخص سے کیا جو عبداللہ بن ابی کو اچھی طرح جانتا تھا۔ اس شخص اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ عبداللہ بن ابی کے لیے آسان ہو جائیں کیونکہ مدینہ کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عبداللہ بن ابی کو اپنا بادشاہ بنانے کی تیاری کر رہے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی ہمیشہ یہ مانتے تھے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے ان کی سلطنت چھین لی ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3 صفحہ 214 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4210 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

حسد ایک سنگین اور کبیرہ گناہ ہے کیونکہ حسد کرنے والے کا مسئلہ دوسرے انسان سے نہیں ہوتا۔ درحقیقت ان کا مسئلہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے کیونکہ اسی نے وہ نعمت عطا فرمائی جس پر رشک کیا جاتا ہے۔ لہٰذا انسان کی حسد صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار اور انتخاب سے ناراضگی کو ظاہر کرتی ہے۔ وہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے غلطی کی ہے جب اس نے ان کے بجائے کسی دوسرے شخص کو ایک خاص نعمت مختص کی تھی۔

بعض لوگ حسد کرنے والے سے نعمت چھیننے کی کوشش کرتے ہیں جو کہ بلا شبہ گناہ ہے۔ سب سے بری قسم وہ ہے جب حسد کرنے والا مالک سے نعمت چھیننے کی کوشش کرتا ہے خواہ حسد

کرنے والا خود نعمت حاصل نہ کرے۔ حسد تب ہی جائز ہے جب کوئی شخص اپنے جذبات پر عمل نہ کرے، ان کے جذبات کو ناپسند کرے اور اسی طرح کی نعمت حاصل کرنے کی کوشش کرے بغیر اس کے کہ مالک ان کی نعمتوں سے محروم ہو۔ اگرچہ یہ قسم گناہ نہیں ہے لیکن اگر حسد کسی دنیوی نعمت پر ہو اور دینی نعمت پر ہو تو قابل تعریف ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 1896 میں موجود ایک حدیث میں قابل تعریف قسم کی دو مثالیں بیان کی ہیں۔ پہلا شخص جس پر حلال رشک کیا جا سکتا ہے وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے حلال مال حاصل کرے اور خرچ کرے۔ دوسرا وہ شخص جس سے حسد کیا جا سکتا ہے وہ ہے جو اپنے علم کو صحیح طریقے سے استعمال کرے اور دوسروں کو سکھائے۔

ایک غیرت مند مسلمان کو چاہیے کہ وہ حسد کرنے والے کے ساتھ حسن سلوک اور حسن سلوک سے اس احساس کو اپنے دل سے نکالنے کی کوشش کرے، جیسے کہ ان کی خوبیوں کی تعریف کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا، یہاں تک کہ اس کی حسد ان کے لیے محبت بن جائے۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق، انہیں اپنی حسد کو دوسروں کے حقوق کی ادائیگی سے کبھی نہیں روکنا چاہیے۔

ایک مسلمان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے لامحدود علم اور حکمت کے مطابق نعمتیں مختص کرتا ہے۔ یعنی وہ ہر ایک کو وہی دیتا ہے جو اس کے لیے بہتر ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ" "تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اس لیے دوسروں سے حسد کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو اس کی رضا کے لیے استعمال کرنے میں مصروف رہنا چاہیے۔ یہ نعمتوں میں اضافے کا باعث بنے گا، کیونکہ یہ رویہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہا ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

اس کے علاوہ، یہ ذہنی سکون کا باعث بنے گا، جو مستقل حسد کرنے والے کو کبھی حاصل نہیں ہوتا۔
باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

ایمان کو بہترین بنانا

دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان معمولی جھگڑے کے بعد جب وہ ایک مہم سے واپس آرہے تھے تو منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے اس موقع سے یہ دعویٰ کر کے مزید خلل ڈالا کہ مکہ کے مہاجرین صرف ان کے لیے مشکلات پیدا کر رہے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کے خلاف مزید کوئی کارروائی نہیں کی کیونکہ انہوں نے ان کی بات کا انکار کیا۔ جو واقعات پیش آئے وہ تیزی سے فوج میں پھیل گئے اور وہ اس کے بارے میں بات کرنے لگے۔ نتیجتاً حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوج کو معمول کے مطابق آگے بڑھنے کا حکم دیا اور انہیں رات بھر اور اگلے دن کی صبح تک مارچ کرنے کا حکم دیا۔ آخر کار جب انہوں نے کیمپ لگایا تو سپاہی اتنے تھک گئے کہ سب سو گئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب حیاتِ نبوی، جلد 3 صفحہ 214 اور امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 1315-1316 میں بحث کی گئی ہے۔

سپاہیوں کو ساری رات مارچ کروا کر، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مزید بحث کرنے سے روک دیا کہ کیا ہوا تھا، کیونکہ اس سے کچھ بھی اچھا نہ ہوتا۔ اس سے نقصان دہ اور بیکار چیزوں سے بچنے کی اہمیت کی نشاندہی ہوتی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ مسلمان اس وقت تک اپنے اسلام کو بہترین نہیں بنا سکتا جب تک کہ وہ ان چیزوں سے اجتناب نہ کرے جن سے ان کا تعلق نہیں ہے۔

اس حدیث میں ایک ہمہ گیر نصیحت ہے جس کا اطلاق زندگی کے ہر پہلو پر ہونا چاہیے۔ اس میں ایک شخص کی تقریر کے ساتھ ساتھ ان کے دیگر جسمانی اعمال بھی شامل ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو مسلمان اپنے ایمان کو کامل کرنا چاہتا ہے اسے ایسی باتوں سے اجتناب کرنا چاہیے، قول و فعل کے ذریعے، جن سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور اس کے بجائے وہ خود کو ان کاموں میں مشغول رکھیں

جو کرتے ہیں۔ انسان کو ان باتوں کو بہت سنجیدگی سے لینا چاہیے جو اس کے ساتھ ہیں اور اسلامی تعلیمات کے مطابق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی سوچ یا خواہشات کے مطابق چیزوں سے گریز کرے تو وہ اپنا ایمان مکمل نہیں کر سکے گا۔ لیکن جو اپنا ایمان کامل کرتا ہے وہ ان چیزوں سے اجتناب کرتا ہے جن سے بچنے کی اسلام نے نصیحت کی ہے۔ یعنی اپنے تمام فرائض کو پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، تمام گناہوں اور اسلام میں ناپسندیدہ چیزوں سے بچنا چاہیے اور غیر ضروری حلال چیزوں کے زیادہ استعمال سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔ یہ فضیلت حاصل کرنا ایمان کی فضیلت کی ایک خصوصیت ہے جس کا ذکر صحیح مسلم نمبر 99 کی حدیث میں ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرتا ہے کہ گویا وہ اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے یا کم از کم اللہ تعالیٰ سے پوری طرح واقف ہو جاتا ہے، ان کے ہر خیال اور عمل کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس الٰہی نگرانی سے آگاہ ہونا ایک مسلمان کو ہمیشہ گناہوں سے پرہیز کرنے اور اعمال صالحہ کی طرف جلدی کرنے کی ترغیب دے گا۔ جو ان چیزوں سے پرہیز نہیں کرتا جن سے کوئی سروکار نہیں وہ اس درجہ فضیلت کو نہیں پہنچ سکتا۔

ان چیزوں سے اجتناب کرنے کا ایک بڑا پہلو جن سے انسان کو کوئی سروکار نہیں ہوتا ہے اس کا تعلق تقریر سے ہے۔ گناہوں کی کثرت اس وقت ہوتی ہے جب انسان ایسے الفاظ کہے جن سے کوئی تعلق نہ ہو، جیسے غیبت اور غیبت۔ فضول گفتگو کی تعریف یہ ہے کہ جب کوئی شخص ایسے الفاظ کہے جو گناہ کے تو نہ ہوں لیکن بیکار ہوں اور اس لیے ان کی فکر نہ ہو۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 2408 میں موجود حدیث سے ثابت ہے کہ لغو بات اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ لاتعداد دلائل، لڑائیاں اور یہاں تک کہ جسمانی نقصان بھی صرف اس لیے ہوا ہے کہ کسی نے ایسی بات کی جس سے انہیں کوئی سروکار نہ ہو۔ کئی خاندان تقسیم ہو چکے ہیں۔ بہت سی شادیاں ختم ہو چکی ہیں کیونکہ کسی کو ان کے کاروبار پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مفید کلام کی مختلف اقسام کی نصیحت فرمائی ہے جس سے لوگوں کو فکر مند ہونا چاہیے۔ باب 4 النساء، آیت 114:

"ان کی اکثر گفتگو میں کوئی بھلائی نہیں سوائے ان لوگوں کے جو خیرات کا حکم دیتے ہیں یا حق بات یا لوگوں کے درمیان صلح کرواتے ہیں اور جو شخص یہ کام اللہ کی رضا مندی کے لیے کرے گا تو ہم اسے بہت بڑا اجر دیں گے۔"

درحقیقت ایسے الفاظ کا بولنا جو انسان کے لیے فکرمند نہ ہوں، لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی بنیادی وجہ ہو گی۔ جامع ترمذی نمبر 2616 میں ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2412 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت فرمائی کہ ہر بات کسی شخص کے خلاف شمار کی جائے گی بشرطیکہ اس کا تعلق نیکی کی نصیحت، برائی سے منع کرنے یا اللہ تعالیٰ کی سابقہ باتوں سے نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تقریر کی دیگر تمام شکلیں کسی شخص کی فکر نہیں ہیں کیونکہ ان سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اچھی نصیحت کرنا ہر اس چیز کو شامل کرتا ہے جو کسی کی دنیاوی اور مذہبی زندگی میں فائدہ مند ہو، جیسے کہ وہ پیشہ۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے قول و فعل کے ذریعے ان باتوں سے بچنے کی کوشش کریں جن سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے تاکہ وہ اپنے ایمان کو مکمل کر سکیں۔ سیدھے الفاظ میں، جو شخص ان چیزوں کے لیے وقت لگاتا ہے جن سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، وہ ان چیزوں میں ناکام ہو جاتا ہے جو ان سے متعلق ہیں۔ اور جو اپنے آپ کو ان چیزوں میں مشغول رکھتا ہے جو ان سے متعلق ہیں وہ ان چیزوں پر خرچ کرنے کے لئے وقت نہیں پائے گا جو ان سے متعلق نہیں ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کریں گے۔

آخر میں، جو اپنے آپ کو ان چیزوں میں مشغول رکھتا ہے جو ان سے متعلق ہیں، وہ تمام مفید دنیوی اور دینی چیزوں کو مکمل کر لے گا جن کے وہ ذمہ دار ہیں اور اس طرح ذہنی سکون حاصل کر لیتے ہیں۔ تناؤ کے اہم ذرائع میں سے ایک یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنے آپ کو ایسی چیزوں میں مشغول کر لیتا ہے جن سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے، کیونکہ یہ اسے اپنی دنیاوی اور مذہبی ذمہ داریوں کو پورا کرنے سے روکتا ہے۔ صحیح طریقے سے برتاؤ کرنے سے کسی کو اپنی اہم ذمہ داریوں کو پورا کرنے کا موقع ملے گا اور اس بات کو یقینی بنایا جائے گا کہ ان کے پاس آرام کرنے اور ان چیزوں کو کرنے کے لیے کافی وقت ملے جن سے وہ لطف اندوز ہوں۔

اچھا علاج

دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان معمولی جھگڑے کے بعد جب وہ ایک مہم سے واپس آرہے تھے تو منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے اس موقع سے یہ دعویٰ کر کے مزید خلل ڈالا کہ مکہ کے مہاجرین صرف ان کے لیے مشکلات پیدا کر رہے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کے خلاف مزید کوئی کارروائی نہیں کی کیونکہ انہوں نے ان کی بات کا انکار کیا۔ ان کا بیٹا عبداللہ بن عبداللہ بن ابی جو کہ ایک وفادار صحابی تھا، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور اپنے منافق باپ کو مدینہ شہر اور اس کے پیشوا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف غداری کے برے فعل پر قتل کرنے کی پیشکش کی۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ میں اس کے بجائے اپنے والد، منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کے ساتھ حسن سلوک کروں گا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 215 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ حسن سلوک کیا کیونکہ یہ سلوک دوسروں کو مثبت انداز میں بدلنے میں ہمیشہ زیادہ کارگر ہوتا ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2701 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔

یہ ایک اہم خصوصیت ہے جسے تمام مسلمانوں کو اپنانا چاہیے۔ اسے اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں استعمال کیا جانا چاہیے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ نرم مزاجی سے خود مسلمانوں کو کسی اور سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکتیں اور اجر و ثواب حاصل کریں گے اور گناہوں کی مقدار کو کم کریں گے، کیونکہ ایک شریف آدمی اپنے قول و فعل سے گناہوں کا امکان کم رکھتا ہے، بلکہ اس سے انہیں دنیاوی معاملات میں بھی فائدہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، جو شخص اپنے شریک حیات کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے وہ بدلے میں زیادہ پیار اور عزت حاصل کرے گا

اگر وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ سختی سے پیش آئے۔ جب بچوں کے ساتھ نرمی سے برتاؤ کیا جاتا ہے تو بچے اپنے والدین کی فرمانبرداری اور احترام کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ کام پر موجود ساتھی اس کی مدد کرنے کا زیادہ امکان رکھتے ہیں جو ان کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے۔ مثالیں لامتناہی ہیں۔ ،صرف انتہائی شاذ و نادر ہی صورتوں میں سخت رویہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ زیادہ تر معاملات میں نرم رویہ سخت رویہ سے کہیں زیادہ موثر ہوگا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی بھی بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی نرمی کو خاص طور پر اجاگر کیا ہے، کیونکہ یہ ایک اہم جز ہے جو دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کے لیے ضروری ہے۔ باب 3 آل عمران، آیت 159:

"پس اللہ کی رحمت سے آپ نے ان کے ساتھ نرمی برتی، اور اگر آپ بد زبان اور دل میں سخت ہوتے تو وہ آپ سے دور ہو جاتے۔"

ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ کبھی بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر نہیں ہو سکتے اور نہ ہی وہ جس شخص سے بات کرتے ہیں وہ فرعون سے بدتر ہو گا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرعون کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔ باب 20 طہٰ، آیت 44:

اور اس سے نرمی سے بات کرو شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا اللہ سے ڈرے‘‘۔’’

سختی صرف لوگوں کو اسلام سے دور کرتی ہے اور دوسروں کو یہ ماننے کا باعث بنتی ہے کہ یہ ایک سخت اور خام مذہب ہے۔ اسلام کو اس طرح غلط بیان کرنا ایک سنگین جرم ہے جس سے تمام مسلمانوں کو بچنا چاہیے۔

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام معاملات میں نرمی اختیار کرے کیونکہ اس سے بہت زیادہ ثواب ملتا ہے اور دوسروں جیسے کہ اپنے گھر والوں پر مثبت اثر پڑتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ بنیادی حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جب کوئی دوسرے لائن کو عبور کرے تو کسی کو اپنا دفاع نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ اسلام بغیر کسی کمزوری کے عاجزی کا درس دیتا ہے۔ لیکن یہ مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ عام طور پر نرمی کو اپنا طریقہ اختیار کریں اور دوسروں کو ان کا فائدہ اٹھانے کی اجازت نہ دیں۔

آخر میں، ایک سادہ اسلامی فلسفہ کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے، کہ کوئی دوسرے کے ساتھ کیسا سلوک کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کیسا سلوک کرے گا۔ اگر کوئی اپنے قول و فعل میں دوسروں کے ساتھ سختی کا مظاہرہ کرے تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرے گا۔ جبکہ اگر وہ دوسروں کے ساتھ نرمی سے پیش آتے ہیں، دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرتے ہیں، اچھی باتوں میں دوسروں کی مدد کرتے ہیں اور دوسروں کی غلطیوں اور عیبوں سے درگزر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد منافقوں کے سردار عبداللہ بن عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ کی طرف سے اپنے والد کو قتل کرنے کی پیشکش کو ٹھکرا کر ان کی بہت سی غداریوں کی وجہ سے عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے سب کو یہ دکھا کر سیدھا ریکارڈ قائم کر دیا کہ عزت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہی منافق تھے۔ جب وہ مدینہ میں داخل ہو رہے تھے تو ایک مہم سے فارغ ہو کر عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کو مدینہ میں داخل ہونے سے روک دیا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں داخل ہونے کی زبانی اجازت دے دی۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب حیاتِ نبوی، جلد 3، صفحہ 215 اور امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 1318-1319 میں بحث کی گئی ہے۔

عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے واضح طور پر ظاہر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت تمام مخلوقات کی اطاعت پر مقدم ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور تعلیمات کو سیکھ کر اور ان پر عمل کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان، محبت اور احترام کے ان کے زبانی اعلان کی تائید کرنی چاہیے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور" "تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اور باب 59 الحشر، آیت 7:

''اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔''

اور باب 4 النساء آیت 80:

''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

اور باب 33 الاحزاب، آیت 21:

''یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہے۔''

انسان کو اپنے کردار کو اس کے مبارک کردار کے مطابق بنانا چاہیے تاکہ وہ صبر، شکر اور سخاوت جیسی اچھی صفات کو اپنا لیں اور حسد، غرور اور لالچ جیسی منفی خصوصیات کو ترک کر دیں۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ ذہنی سکون حاصل کرتے ہیں، کیونکہ مثبت خصوصیات کو اپنانے سے مثبت ذہنیت جنم لیتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی اور تعلیمات کو سیکھنا اور ان پر عمل کرنا بھی اس بات کو یقینی بنائے گا کہ کوئی شخص بیرونی دنیا میں ان کی صحیح نمائندگی کرتا ہے۔ جو ایسا کرنے میں ناکام رہے گا وہ لامحالہ اس کی غلط تشریح کرے گا اور اس لیے غیر

مسلموں اور دیگر مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے روک دے گا۔ اس کو غلط طریقے سے پیش کرنے سے بیرونی دنیا بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تنقید کرنے کا سبب بنے گی جب وہ مسلمانوں کے برے رویے کو دیکھیں گے۔ یہ وہ چیز ہے جس کا ہر مسلمان جواب دے گا کیونکہ یہ ان پر فرض ہے کہ وہ بیرونی دنیا میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح نمائندگی کریں۔

اس کے علاوہ سابقہ امتوں کی طرح جو اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت کا دعویٰ کرتی ہیں، آخرت میں ان کے ساتھ شامل نہیں ہوں گی کیونکہ وہ عملی طور پر ان کی پیروی کرنے میں ناکام رہی ہیں، اور نہ ہی وہ مسلمان جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی طور پر پیروی کرنے میں ناکام رہے ہیں، آخرت میں ان کے ساتھ شامل نہیں ہوں گے۔ اس کے بجائے، ایک شخص ان لوگوں میں شامل ہو جائے گا جن کی وہ اس دنیا میں عملی طور پر نقل کرتے تھے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4031 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔

اپنے آپ کو فائدہ پہنچائیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منافقین کے سردار عبداللہ بن عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ کے بیٹے کی طرف سے اپنے والد کو ان کے بہت سے غداری کے کاموں کی وجہ سے قتل کرنے کی پیشکش کو ٹھکرا دینے کے بعد جب بھی عبداللہ بن ابی نے برا سلوک کیا تو مدینہ والوں نے ان پر تنقید شروع کر دی۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر ہوئی تو آپ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو، جنہوں نے عبداللہ بن ابی کو غداری کے جرم میں پھانسی دینے کا مشورہ دیا تھا، فرمایا کہ اگر وہ پہلے انہیں پھانسی دینے کا حکم دیتے تو کچھ لوگ اس کا دفاع کرتے، جب کہ اب اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھانسی کا حکم دیتے تو لوگ اس پر عمل نہیں کرتے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 215 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر، مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جب وہ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں تو حقیقت میں اس کا فائدہ خود کو ہوتا ہے نہ کہ دوسروں کو۔ اس لیے کہ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور اس اہم فرض کو پورا کرنے سے ایک اجر ملتا ہے۔

اس کے علاوہ، جب کوئی دوسروں کے ساتھ مہربان ہوتا ہے تو وہ زندہ رہتے ہوئے ان کے لیے دعا کرتا ہے جس سے انہیں فائدہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6929 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی ہے کہ کسی شخص کے لیے پوشیدہ طور پر کی گئی دعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ لوگ ان کے انتقال کے بعد ان کے لیے دعائیں کریں گے جس کا جواب ضرور ملتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں درج ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 10:

یہ کہتے ہوئے کہ اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ایمان میں ہم سے پہلے تھے...

آخر کار جو شخص دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے وہ قیامت کے دن اپنی شفاعت حاصل کرے گا، جس دن لوگ دوسروں کی شفاعت کے لیے بے چین ہوں گے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 7439 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے باوجود دوسروں کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں وہ ان فوائد سے محروم رہیں گے جن کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔ اور قیامت کے دن وہ پائیں گے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ ان کا شکار پہلے انہیں معاف نہ کر دے۔ اگر وہ نہ کرنے کا انتخاب کریں تو ظالم کی نیکیاں ان کے شکار کو دی جائیں گی اور اگر ضرورت پڑی تو مظلوم کے گناہ ان کے مظلوم کو دے دیے جائیں گے۔ اس سے ظالم کو جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہوئے اپنے آپ پر رحم کرے کیونکہ حقیقت میں وہ دنیا اور آخرت میں اپنے آپ کو فائدہ پہنچا رہا ہے۔ باب 29 العنکبوت، آیت 6:

"...اور جو کوشش کرتا ہے وہ صرف اپنے لیے ہی کوشش کرتا ہے"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے شادی کی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم بنو المصطلق کے خلاف ایک مہم پر نکلے۔ اس مہم کے نتیجے میں بہت سے مال غنیمت اور جنگی قیدی پکڑے گئے۔ یہ جنگی قیدی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم کر دیے گئے۔ جویریہ بنت حارث بن ابو درار، بنو المصطلق کے سردار کی بیٹی تھیں اور انہیں بھی پکڑ کر ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا گیا۔ وہ اس سے اپنی آزادی خریدنے پر راضی ہوگئیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد طلب کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے کردار کی تعریف کی اور اس کی آزادی خریدنے اور اس سے شادی کرنے کی پیشکش کی۔ جب وہ راضی ہوگئیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس نکاح کی خبر سنی تو وہ ان جنگی قیدیوں کو پکڑنے میں شرم محسوس کرنے لگے جو اب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق رکھتے تھے اور نتیجتاً انہوں نے ان سب کو آزاد کر دیا۔ جب اس کے والد، بنو المصطلق کے سردار کو معلوم ہوا کہ کیا ہوا ہے، تو وہ مدینہ میں داخل ہوا اور اپنے تمام قبیلے کی طرح اسلام قبول کر لیا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1310-1311 میں بحث کی گئی ہے۔

اس واقعہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دانشمندانہ دور اندیشی کی تعریف کی جا سکتی ہے۔ وہ جانتا تھا کہ قبائلی رہنما کی بیٹی سے شادی اس کے قبیلے کے دلوں کو نرم کرے گی اور انہیں اسلام کی طرف مائل کرے گی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے جنگی قیدیوں کو آزاد کرنے کے انتخاب نے اس حکمت عملی کو تقویت بخشی اور اس کے نتیجے میں پورا قبیلہ آزاد ہو گیا اور اسلام قبول کر لیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غیر ملکی عورتوں سے شادیاں اسی وجہ سے ہوئیں نہ کہ اپنی جسمانی خواہشات کی تکمیل کے لیے جیسا کہ بعض گمراہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں۔ اس کی مزید تائید اس حقیقت سے ہوتی ہے کہ اپنی پوری جوانی کے دوران، ایک شخص کی جسمانی خواہشات کے عروج پر، اس نے ایک ہی عورت، خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی، حالانکہ وہ متعدد عورتوں سے شادی کرنے کی پوزیشن میں تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی غیبت - زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ایک صریح بہتان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم بنو المصطلق کے خلاف ایک مہم پر نکلے۔ آپ کی بیوی عائشہ بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ سفر کے دوران عورتیں ایک چھوٹے سے ڈبے کے اندر بیٹھ جاتیں جسے اونٹ پر رکھ کر باندھ دیا جاتا۔ جب فوج نے کیمپ لگایا تو عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے آپ کو راحت پہنچانے کے لیے چلی گئیں اور کیمپ میں واپس آگئیں۔ واپسی پر اس نے دیکھا کہ اس کا ہار غائب ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنے قدم پیچھے ہٹائے جب تک اسے اسے نہ مل گیا۔ جب وہ ایک بار پھر کیمپ میں واپس آئی تو اس نے دیکھا کہ وہ اس کے بغیر چلے گئے تھے۔ یہ اس وقت ہوا جب اس کی ٹوکری کو اونٹ پر رکھنے اور باندھنے کے ذمہ داروں نے یہ سمجھا کہ وہ پہلے ہی اندر ہے۔ وہ خالی پڑی جگہ پر رہی یہاں تک کہ ایک صحابی صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا۔ اسے فوج سے پیچھے رہنے اور سفر کرنے والی فوج سے غیر ارادی طور پر گرا ہوا سامان اٹھانے کا کام سونپا گیا تھا۔ اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا جیسا کہ اس نے اسلام میں عورتوں کا پردہ فرض ہونے سے پہلے انہیں دیکھا تھا۔ اس نے احترام کے ساتھ اسے اپنا اونٹ سواری کے لیے پیش کیا جب وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ جب وہ لشکر کے پاس پہنچے تو لوگوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو کیمپ میں داخل ہوتے دیکھا۔ منافقین نے اس موقع کو غنیمت جان کر ان کے بارے میں بہتان تراشی کی اور لوگ بہت پریشان ہوئے۔ صحیح بخاری نمبر 4750 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6593 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیبت اور غیبت کا مفہوم بیان فرمایا۔

غیبت اس وقت ہوتی ہے جب کوئی کسی کی غیر موجودگی میں اس طرح تنقید کرے جو اسے ناگوار گزرے، حالانکہ یہ سچ ہے۔ جبکہ غیبت غیبت کے مترادف ہے سوائے اس کے کہ قول صحیح نہیں ہے۔ ان گناہوں میں بنیادی طور پر تقریر شامل ہوتی ہے لیکن اس میں دوسری چیزیں شامل ہو سکتی ہیں، جیسے ہاتھ کے اشارے کا استعمال۔ یہ دونوں کبیرہ گناہ ہیں اور غیبت کو قرآن مجید میں اپنے بھائی کی لاش کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 12:

اور جاسوسی نہ کرو اور نہ ہی ایک دوسرے کی غیبت کرو، کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا'' کہ جب وہ مر جائے تو اپنے بھائی کا گوشت کھائے؟

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ یہ گناہ ان اکثر گناہوں سے بھی بدتر ہیں جو انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہونے والے گناہ اس کی طرف سے معاف ہو جاتے ہیں اگر گناہ گار سچے دل سے توبہ کر لے۔ لیکن اللہ تعالیٰ غیبت کرنے والے یا بہتان لگانے والے کو اس وقت تک معاف نہیں کرتا جب تک کہ ان کا شکار پہلے انہیں معاف نہ کر دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے ہیں تو قیامت کے دن غیبت کرنے والے/ بہتان لگانے والے کی نیکیاں ان کے شکار کو بطور معاوضہ دی جائیں گی اور اگر ضرورت پڑی تو انصاف کے قائم ہونے تک مقتول کے گناہ اس کے غیبت کرنے والے کو دئیے جائیں گے۔ یہ غیبت کرنے والے /بہتان لگانے والے کو جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

غیبت صرف اس وقت جائز ہے جب کوئی دوسرے شخص کو نقصان سے خبردار کر رہا ہو اور اس کی حفاظت کر رہا ہو یا اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے خلاف کسی تیسرے فریق کے ساتھ شکایت حل کر رہا ہو، جیسے کہ قانونی مقدمہ۔

سب سے پہلے ان کبیرہ گناہوں کے برے نتائج کا علم حاصل کر کے غیبت اور غیبت سے بچنا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ ایک شخص کو صرف وہ الفاظ ادا کرنے چاہئیں جو وہ خوشی سے اس شخص کے سامنے کہے، یہ جانتے ہوئے کہ وہ اسے جارحانہ انداز میں نہیں لیں گے۔ تیسرا یہ کہ ایک مسلمان کو دوسرے کے بارے میں صرف اس صورت میں الفاظ ادا کرنے چاہئیں جب وہ کسی دوسرے کے بارے میں یہ یا اس سے ملتے جلتے الفاظ کہنے میں کوئی اعتراض نہ کرے۔ مطلب، انہیں دوسروں کے ،بارے میں بات کرنی چاہئے کہ وہ کس طرح چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے بارے میں بات کریں۔ آخر میں ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے عیوب کو ٹھیک کرنے پر توجہ دے اور جب خلوص نیت سے کرے تو وہ دوسروں کی غیبت اور غیبت سے باز آجائے گا۔

غیبت کرنے والوں اور غیبت کرنے والوں کی صحبت سے بچنا چاہیے کیونکہ وہ مصیبتیں ڈالنے والے ہیں جو جلد یا بدیر ان کی غیبت یا غیبت کریں گے۔ انہیں نرمی سے دوسروں کو ان کبیرہ گناہوں سے خبردار کرنا چاہیے، جب تک کہ وہ جسمانی نقصان سے محفوظ رہیں۔ انہیں دوسروں کے بارے میں بولی جانے والی گپ شپ پر کبھی یقین نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ گپ شپ کی اکثریت یا تو مکمل طور پر جھوٹی ہوتی ہے یا یہ بہت سے جھوٹ کے ساتھ مل جاتی ہے۔ کسی کو دوسروں کی عزت کا دفاع کرنا چاہیے، جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کی غیر موجودگی میں ان کی عزت کا دفاع کریں۔ اس طرح کا برتاؤ کرنے والا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہنم کی آگ سے محفوظ رہے گا۔ جامع ترمذی نمبر 1931 میں ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ دوسروں کے بارے میں جو گپ شپ سنتے ہیں اسے نظر انداز کر دینا چاہیے اور اسے کبھی بھی اپنے رویے پر اثر انداز ہونے نہیں دینا چاہیے۔ اس کے بجائے انہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے حقوق ادا کرنے چاہئیں۔

ایک مسلمان کو اس حقیقت سے کبھی بے وقوف نہیں ہونا چاہیے کہ معاشرے میں دوسروں کی غیبت کرنا اور غیبت کرنا معمول بن چکا ہے۔ دوسروں کے گناہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں کسی کے گناہوں کی شدت کو کبھی کم نہیں کر سکتے اور نہ ہی دوسروں کے گناہ گناہوں کو جائز قرار دے سکتے ہیں۔ یہ ایک احمقانہ رویہ ہے جسے ایک دنیا دار جج بھی قبول نہیں کرے گا، پھر ایک مسلمان اللہ تعالیٰ سے کیسے یہ توقع رکھ سکتا ہے کہ وہ اسے قبول کرے؟

مثبت سوچنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے چھٹے سال منافقین نے موقع غنیمت جانا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی جائے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے غیر ارادی طور پر دوسروں کے ساتھ اس کے بارے میں بات کر دی جس کی وجہ سے یہ غیبت مدینہ میں تیزی سے پھیل گئی۔ صحیح بخاری نمبر 4750 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

اگر کوئی افواہ کے بارے میں بات کرنے کا انتخاب کرتا ہے، تو اسے ہمیشہ مثبت انداز میں ہونا چاہیے تاکہ ان لوگوں کا دفاع کیا جا سکے جن پر غلط کام کا الزام لگایا گیا ہے، بصورت دیگر، ایک مسلمان کو اس معاملے میں خاموش رہنا چاہیے۔

سنن ابو داؤد نمبر 4993 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت کی کہ لوگوں کے بارے میں اچھا گمان کرنا اللہ تعالیٰ کی عبادت کا ایک پہلو ہے۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک پہلو ہے۔

چیزوں کو منفی انداز میں بیان کرنا اکثر گناہوں کا باعث بنتا ہے، جیسے غیبت اور غیبت۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جہاں ممکن ہو مثبت انداز میں چیزوں کی تشریح کرے تاکہ شک کا فائدہ دوسروں تک پہنچایا جا سکے۔ بدقسمتی سے، منفی سوچ کو اپنانے سے خاندانی یونٹ سے لے کر قومی سطح تک لوگوں پر اثر پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک قوم کتنی بار ایک مفروضے اور شک پر جنگ میں گئی ہے؟ میڈیا میں پائے جانے والے اسکینڈلز کی اکثریت مفروضوں پر مبنی ہے۔ یہاں تک کہ ایسے قوانین بھی بنائے گئے ہیں جو مفروضوں اور شبہات کے استعمال کی حمایت کرتے ہیں۔ یہ اکثر ٹوٹنے اور ٹوٹنے والے رشتوں کی طرف لے جاتا ہے کیونکہ اس ذہنیت کے حامل لوگ ہمیشہ یہ مانتے ہیں کہ دوسرے ان کے الفاظ یا اعمال کے ذریعے ان پر تنقید کر رہے ہیں۔ یہ کسی کو دوسروں سے مشورہ لینے سے روکتا ہے، کیونکہ ان کا ماننا ہے کہ مشورہ دینے والے کی طرف سے ان کا مذاق اڑایا جا

رہا ہے اور یہ ایک کو مشورہ دینے سے روکتا ہے کیونکہ انہیں یقین ہے کہ دوسرا شخص ان کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دے گا۔ اور ایک شخص اس منفی ذہنیت کے حامل شخص کو نصیحت کرنے سے گریز کرے گا کیونکہ ان کا خیال ہے کہ یہ صرف ایک دلیل کا باعث بنے گا۔ یہ دیگر منفی خصلتوں کی طرف جاتا ہے، جیسے کہ تلخی۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگر وہ یہ فرض کر لیں کہ کوئی ان پر طنز کر رہا ہے، تب بھی انہیں ان کی نصیحت کو قبول کرنا چاہیے اگر یہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر مبنی ہے۔

چیزوں کی ہمیشہ منفی تشریح کرنا بھی ایک طاقتور دماغی بیماری کو جنم دیتا ہے، یعنی پیراونیا۔ جو شخص بے حیائی کو اپناتا ہے وہ ہمیشہ دوسروں کو بری چیزوں کا شکوہ کرتا ہے۔ یہ رشتوں کے لیے انتہائی تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے، جیسے شادی۔

کوشش کرنی چاہیے کہ جہاں ممکن ہو مثبت انداز میں چیزوں کی تشریح کی جائے، جس سے مثبت ذہنیت جنم لے۔ اور ایک مثبت ذہنیت صحت مند تعلقات، احساسات اور اتحاد کا باعث بنتی ہے۔ جبکہ چیزوں کی ہمیشہ منفی انداز میں تشریح کرنا انسان کو دوسروں کے بارے میں ہمیشہ منفی سوچنے اور عمل کرنے کی ترغیب دیتا ہے، چاہے ان کا برتاؤ اچھا ہو۔ یہ صرف انسان کو دوسروں کے حقوق ادا کرنے سے روکتا ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 12:

"...اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت سے گمانوں سے بچو، بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں"

حسن اخلاق

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے چھٹے سال منافقین نے موقع غنیمت جانا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی جائے۔ مدینہ واپس آتے ہی عائشہ رضی اللہ عنہا کافی بیمار ہوگئیں اور گھر میں ہی رہیں۔ مدینہ میں پھیلنے والے اس بہتان کے بارے میں اسے کسی نے اطلاع نہیں دی تھی جو اب تک اس کے پورے خاندان تک پہنچ چکی تھی۔ اس نے صرف ایک چیز دیکھی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جذباتی طور پر اس سے زیادہ دور نظر آتے تھے لیکن پھر بھی ہمیشہ کی طرح اس کے ساتھ اپنا بہترین برتاؤ برقرار رکھا۔ صحیح بخاری نمبر 4750 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

،حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جذباتی طور پر عائشہ رضی اللہ عنہا سے دوری رکھتے تھے کیونکہ آپ کو خدشہ تھا کہ ان کے ساتھ بہت زیادہ بات چیت کرنے سے انہیں کچھ غلط ہونے کا احساس ہو جائے گا اور ان پر بہتان تراشی انہیں مزید بیمار کر دے گی۔ ایک شریک حیات ہمیشہ مسائل کا پتہ لگا سکتا ہے یہاں تک کہ اگر ان کا شریک حیات اسے ان سے چھپانے کی کوشش کرے۔ نتیجتاً، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ بات چیت کو محدود کر کے اس سے بہتان چھپانے کی کوشش کی۔

،یہ واقعہ دوسروں کے ساتھ احترام اور مہربانی کے ساتھ سلوک کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے خاص طور پر اپنے رشتہ داروں کے ساتھ۔ جامع ترمذی نمبر 2612 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ کامل ایمان والا وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو اور اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے زیادہ مہربان ہو۔

بدقسمتی سے، بعض نے اپنے ہی خاندان کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہوئے غیر رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی بری عادت اپنا لی ہے۔ وہ اس طرح برتاؤ کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے خاندان کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت کو نہیں سمجھتے اور اپنے خاندان کی تعریف کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ ایک

مسلمان اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ ایمان کے دونوں پہلوؤں کو پورا نہ کرے۔ پہلا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی ادائیگی، اس کے احکام کی بجا آوری، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان تمام نعمتوں کا استعمال کریں جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں۔

دوسرا لوگوں کے حقوق کو پورا کرنا ہے جس میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ اس قسم کے سلوک کا اپنے خاندان سے زیادہ حق کسی کو نہیں ہے۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے اہل خانہ کی ان تمام معاملات میں مدد کرے جو اچھے ہوں اور انہیں برے کاموں اور طرز عمل سے نرمی کے ساتھ تنبیہ کریں۔ انہیں برے کاموں میں ان کی آنکھیں بند کر کے صرف اس وجہ سے مدد نہیں کرنی چاہئے کہ وہ ان کے رشتہ دار ہیں اور نہ ہی ان کے بارے میں بعض برے جذبات کی وجہ سے اچھے معاملات میں ان کی مدد کرنے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

دوسروں کی رہنمائی کا بہترین طریقہ عملی نمونہ کے ذریعے ہے، جیسا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، اور صرف زبانی رہنمائی سے کہیں زیادہ موثر ہے۔

کسی کو ان حقوق کو سیکھنا چاہیے جو اس پر واجب الادا ہیں اور وہ حقوق جو وہ دوسروں پر واجب الادا ہیں، خاص طور پر ان کے رشتہ داروں کو، تاکہ وہ ان کو پورا کریں۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص سے پوچھے گا کہ کیا اس نے دوسروں کے حقوق ادا کیے، وہ ان سے نہیں پوچھے گا کہ کیا لوگوں نے ان کے حقوق ادا کیے؟ لہٰذا، انسان کو اس بات کی فکر کرنی

چاہیے کہ ان سے کس چیز کے بارے میں سوال کیا جائے گا، مطلب، دوسروں کے حقوق، اور اس لیے انہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

آخر میں، کسی کو عام طور پر تمام معاملات میں نرمی کا انتخاب کرنا چاہئے، خاص طور پر، اپنے خاندان کے ساتھ معاملہ کرتے وقت۔ اگر وہ گناہ بھی کریں تو انہیں نرمی کے ساتھ تنبیہ کی جائے اور پھر بھی اچھے کاموں میں ان کی مدد کی جائے کیونکہ یہ مہربانی انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف لوٹانے میں ان کے ساتھ سختی کرنے سے زیادہ موثر ہے۔

دوسروں کو تسلی دینا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے چھٹے سال منافقین نے موقع غنیمت جانا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی جائے۔ مدینہ واپس آنے پر عائشہ رضی اللہ عنہا کافی بیمار ہوگئیں اور وہ صحت یاب ہونے میں مدد کے لیے اپنے والدین کے گھر چلی گئیں۔ اس بہتان کا پتہ چلنے کے بعد اس نے اپنی ماں سے سوال کیا کہ اس نے یہ بہتان اس سے کیوں چھپایا؟ اس کی والدہ نے اسے تسلی دی اور اسے نصیحت کی کہ اس طعن کو سنجیدگی سے نہ لے، کیونکہ لوگ ہمیشہ ان لوگوں کے بارے میں برا بولتے ہیں جن کو اس جیسی نعمت ملی ہے۔ صحیح بخاری نمبر 4750 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

دوسروں کو جذباتی طور پر تسلی دینا اسلام کا ایک پہلو ہے جس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 1601 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ غم زدہ کی تسلی کرنے والے کو قیامت کے دن عزت کا لباس پہنایا جائے گا۔

جیسا کہ مشکلات کا سامنا کرنا سب کے لیے یقینی ہے، یہ ایک عظیم انعام حاصل کرنے کا ایک انتہائی آسان طریقہ ہے جس میں زیادہ وقت، توانائی یا پیسے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس میں اپنے ذرائع کے مطابق مشکل کا سامنا کرنے والے خاندان کی مدد کرنے کی کوشش کرنا شامل ہے، جیسے کہ جذباتی، مالی اور جسمانی مدد۔ ایک مسلمان کو مشکل کا سامنا کرنے والوں کو پوری آزمائش کے دوران صبر کرنے کی ترغیب دینی چاہیے اور انہیں قرآن پاک کی آیات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث یاد دلانی چاہیے، جو صبر کی اہمیت اور اجر عظیم کے بارے میں بتاتی ہیں۔ انہیں یہ یاد دلاتے ہوئے مثبت بات کرنی چاہئے کہ چیزیں صرف اچھی وجہ سے ہوتی ہیں، چاہے لوگ ان کے پیچھے کی حکمت کو سمجھنے میں ناکام ہوں۔ درحقیقت اس نیک عمل کو انجام دینے کے لیے کسی شخص کو عالم ہونے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اکثر صورتوں میں مشکل کا سامنا کرنے والے کو بہتر

محسوس کرنے کے لیے حمایت کے چند الفاظ کافی ہوتے ہیں۔ اور بعض صورتوں میں صرف جسمانی طور پر موجود ہونا ہی انہیں سہارا دینے کے لیے کافی ہوتا ہے چاہے کوئی لفظ نہ بولے۔

یہ رویہ آسانی سے اپنایا جاتا ہے جب کوئی دوسروں کے ساتھ صرف وہی سلوک کرتا ہے جیسا کہ وہ لوگوں کے ذریعہ سلوک کرنا چاہتے ہیں۔

،آخر میں، یہ ضروری ہے کہ مسلمان اس نیک عمل کو انجام دیتے وقت اپنی نیت کو درست کریں اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کریں، اور دوسروں کو، جیسے کہ اپنے رشتہ داروں کو دکھاوے کے لیے ایسا نہ کریں، اور نہ ہی اس خوف سے کریں کہ اگر وہ اس میں ناکام ہو جائیں تو دوسروں کی طرف سے تنقید کا نشانہ بنایا جائے۔ دوسروں کی خاطر عمل کرنے والوں کو قیامت کے دن بتایا جائے گا کہ وہ ان کاموں سے اپنا اجر حاصل کریں جس کے لیے وہ عمل نہیں کر سکے گا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

گپ شپ پھیلانا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے چھٹے سال منافقین نے موقع غنیمت جانا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی جائے۔ مدینہ واپس آنے پر عائشہ رضی اللہ عنہا کافی بیمار ہوگئیں اور وہ صحت یاب ہونے میں مدد کے لیے اپنے والدین کے گھر چلی گئیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے خطاب کیا اور کھلے عام سوال کیا کہ لوگ آپ کے اہل و عیال اور صحابی صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کے بارے میں گپ شپ اور غیبت کیوں کرتے ہیں؟ صحیح بخاری نمبر 4750 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

اس واقعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیوی یا اپنے صحابی رضی اللہ عنہ پر شک نہیں کیا۔ یہ دوسروں کو شک کا فائدہ دینے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے جب تک کہ ان کے خلاف واضح ثبوت نہ ہوں۔ کسی کو افواہوں پر عمل نہیں کرنا چاہیے بلکہ اپنے جذبات اور اعمال کو واضح ثبوت پر مبنی کرنا چاہیے۔ ایسا کرنے میں ناکامی دوسرے گناہوں کی طرف لے جاتی ہے، جیسے غیبت، گپ شپ، جاسوسی اور دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کو نقصان پہنچانا۔

اس کے علاوہ، زیر بحث مرکزی تقریب میں گپ شپ پھیلانے کے خلاف بھی خبردار کیا گیا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 290 کی حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ بدگمانی پھیلانے والا جنت میں نہیں جائے گا۔

یہ وہ ہے جو گپ شپ پھیلاتا ہے، چاہے یہ سچ ہو یا نہیں، جو لوگوں کے درمیان مسائل کا باعث بنتا ہے اور رشتوں میں دراڑ اور ٹوٹ پھوٹ کا باعث بنتا ہے۔ یہ ایک خبیث خصلت ہے اور جو لوگ اس طرح کا برتاؤ کرتے ہیں وہ درحقیقت انسان کے شیطان ہیں کیونکہ یہ ذہنیت شیطان کے علاوہ کسی

اور کی نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ لوگوں کے درمیان جدائی پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایسے شخص پر لعنت فرمائی ہے۔ باب 104 الحمزہ، آیت 1:

’’ہر غیبت کرنے والے اور بہتان لگانے والے کے لیے ہلاکت ہے۔‘‘

اگر یہ لعنت ان کو گھیرے ہوئے ہے تو اللہ تعالیٰ سے ان کے مسائل حل کرنے اور انہیں نعمتوں سے نوازنے کی امید کیسے کی جا سکتی ہے؟ صرف وہی وقت قابل قبول ہے جب کوئی دوسروں کو خطرے سے خبردار کر رہا ہو۔

ایک مسلمان پر فرض ہے کہ وہ کسی افسانہ نگار کی طرف توجہ نہ کرے کیونکہ وہ بدکار لوگ ہیں جن پر بھروسہ یا یقین نہیں کیا جانا چاہیے۔ باب 49 الحجرات، آیت 6:

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لو، ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو جہالت کی وجہ سے نقصان پہنچا دو۔‘‘

اور باب 24 النور، آیت 12:

"جب تم نے اسے سنا تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے بارے میں اچھا کیوں نہ سمجھا اور کیوں نہ کہا کہ یہ صریح جھوٹ ہے؟"

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ کہانی سنانے والے کو اس بری صفت کو جاری رکھنے سے روکے اور انہیں سچے دل سے توبہ کرنے کی تلقین کرے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں حکم دیا گیا ہے کہ ایک مسلمان کو اس شخص کے خلاف کوئی بری خواہش نہیں رکھنی چاہیے جس نے ان کے بارے میں یا دوسروں کے بارے میں بُرا کہا ہو۔ باب 49 الحجرات، آیت 12:

"...اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت سے گمانوں سے بچو، بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں"

یہی آیت مسلمانوں کو سکھاتی ہے کہ وہ دوسروں کی جاسوسی کر کے کہانی کے علمبردار کو ثابت یا غلط ثابت کرنے کی کوشش نہ کریں۔ باب 49 الحجرات، آیت 12:

‘‘...اور جاسوسی نہ کرو’’

بجائے اس کے کہ کہانی بیان کرنے والے کو نظر انداز کر دیا جائے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اس کی اطلاع کسی دوسرے شخص کو نہ بتائے اور نہ ہی اس کا تذکرہ کرے کیونکہ اس سے وہ بھی کہانی سنانے والا بن جائے گا۔

مسلمانوں کو قصہ گوئی اور افسانہ نگاروں کی صحبت سے بچنا چاہیے کیونکہ وہ اس وقت تک بھروسہ یا صحبت کے لائق نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ جو

کسی شخص کے ساتھ دوسروں کے بارے میں گپ شپ کرتا ہے، وہ اس شخص کے بارے میں بھی دوسروں کے ساتھ گپ شپ کرے گا۔

آخر میں، جیسا کہ کہانی سنانے والے نے لوگوں پر ظلم کیا، انہیں اللہ تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ ان کے متاثرین انہیں پہلے معاف نہ کر دیں۔ چونکہ لوگ اتنے مہربان اور معاف کرنے والے نہیں ہیں، اس لیے یہ بات اس بات کا باعث بن سکتی ہے کہ کہانی سنانے والا اپنی نیکیاں اپنے متاثرین کو دے دے اور اگر ضرورت ہو تو قیامت کے دن کہانی سنانے والا اپنے متاثرین کے گناہ لے لے گا۔ یہ ان کو جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ آخر میں، مرکزی حدیث میں جنت سے محروم ہونے کی تنبیہ، ایک قصہ گو کے لیے آسانی سے ہو سکتی ہے، کیونکہ ان کی شروع کردہ بدنیتی پر مبنی گپ شپ سوشل میڈیا کے ذریعے آسانی سے پوری برادری اور یہاں تک کہ دنیا میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل سکتی ہے۔ نتیجتاً، گپ شپ شروع کرنے والا ہر اس شخص کے گناہ میں حصہ دار ہوگا جو ،اس گپ شپ پر بحث کرتا ہے۔ اور ان کے مرنے کے بعد بھی ان کے گناہوں میں اضافہ ہوتا رہے گا جب تک ان کی شروع کردہ گپ شپ کا چرچا ہوتا رہے گا۔ اس کی طرف جامع ترمذی نمبر 2674 میں موجود حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

لہٰذا، کسی کو ہمیشہ دوسروں کے بارے میں گپ شپ کرنے سے گریز کرتے ہوئے اس خطرناک نتائج سے بچنا چاہیے، جیسا کہ وہ دوسروں کے لیے ان کے بارے میں گپ شپ کرنا ناپسند کرتے ہیں۔ اگر کسی کو دوسروں کے بارے میں بات کرنی چاہیے تو اسے مثبت انداز میں کرنا چاہیے ورنہ خاموش رہنا چاہیے۔

اتحاد کو خراب کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے چھٹے سال منافقین نے موقع غنیمت جانا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی جائے۔ مدینہ واپس آنے پر عائشہ رضی اللہ عنہا کافی بیمار ہوگئیں اور وہ صحت یاب ہونے میں مدد کے لیے اپنے والدین کے گھر چلی گئیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے خطاب کیا اور کھلے عام سوال کیا کہ لوگ آپ کے اہل و عیال اور صحابی صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کے بارے میں گپ شپ اور غیبت کیوں کرتے ہیں؟ اس خطاب کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غضب میں آگئے جب اس تکلیف کا مشاہدہ کرتے ہوئے یہ بہتان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لگا۔ لیکن چونکہ منافقین اپنے کفر اور دشمنی کو چھپا رہے تھے اس لیے ان کی شناخت مشکل تھی اور اس تناؤ کی وجہ سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہ بھی آپس میں اس بات پر بحث کرنے لگے کہ اس تہمت کا ذمہ دار کون ہے۔ صحیح بخاری نمبر 4750 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

منافقت کی نشانی یہ ہے کہ انسان معاشرے میں فساد پھیلاتا ہے۔ یہ منفی خصوصیت خاندانی اکائی سے شروع ہوکر بین الاقوامی سطح پر ختم ہونے والی تمام سماجی سطحوں کو متاثر کرتی ہے۔ اس قسم کے لوگ لوگوں کو اچھائی پر متحد ہوتے دیکھنا ناپسند کرتے ہیں کیونکہ اس سے دوسروں کی دنیاوی حیثیت ان کے اپنے سے بڑھ جاتی ہے۔ یہ انہیں غیبت اور غیبت کی طرف لے جاتا ہے تاکہ لوگ ایک دوسرے کے خلاف ہو جائیں۔ ان کا برا رویہ ان کے اپنے رشتے داروں کو تباہ کر دیتا ہے اور جب وہ دوسرے خاندانوں کو دیکھتے ہیں جو خوش ہوتے ہیں تو یہ انہیں ان کی خوشیوں کو بھی تباہ کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ وہ فالٹ فائنڈر ہیں جو اپنا وقت دوسروں کی غلطیوں کی نقاب کشائی کرنے کے لیے وقف کرتے ہیں تاکہ ان کی سماجی حیثیت کو نیچے لے جا سکیں۔ وہ پہلے لوگ ہیں جنہوں نے دوسروں کے بارے میں گپ شپ شروع کی اور جب بھی اچھی بات کی جائے تو بہرے کام کرتے ہیں۔ امن اور سکون انہیں پریشان کرتا ہے لہذا وہ اپنے آپ کو تفریح کرنے کے لئے مسائل پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ سنن ابن ماجہ نمبر 2546 میں موجود حدیث کو یاد کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ یہ نصیحت کرتی ہے کہ جو شخص دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالے گا اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں پر پردہ ڈالے گا۔ لیکن جو شخص دوسروں کے عیب تلاش کرتا ہے اور ان کی پردہ پوشی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو لوگوں پر ظاہر کر دیتا ہے۔ تو درحقیقت، اس قسم کے افراد معاشرے کے سامنے صرف اپنے عیبوں کی پردہ پوشی کر رہے ہوتے ہیں حالانکہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ دوسروں کے عیبوں کو بے نقاب کر رہے ہیں۔

اس کے علاوہ، زیر بحث اہم واقعہ ان مسائل میں خاموش رہنے کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے جہاں کوئی واضح ثبوت یا معلومات فراہم نہیں کر سکتا جس سے مسئلہ حل ہو سکے۔ حل فراہم کیے بغیر معاشرے کے اندر مسائل پر بحث کرنا لوگوں کے لیے مزید تناؤ کا باعث بنتا ہے۔

اپنے کاروبار کو ذہن میں رکھیں

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے چھٹے سال منافقین نے موقع غنیمت جانا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی جائے۔ جن لوگوں نے اس بہتان کو پھیلانے میں حصہ لیا ان میں سے ایک حمنہ تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔ حمنہ نے اس بہتان کو پھیلانے میں حصہ لیا کیونکہ اسے یقین تھا کہ اس کی وجہ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بہن سے عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ محبت کریں گے۔ اس نے ایسا کیا حالانکہ ان کی بہن زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہمیشہ اچھی باتوں کے علاوہ کچھ نہیں کہا۔ صحیح بخاری نمبر 4750 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

سب سے پہلے یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ذریعے کسی دوسرے شخص کی حقیقی معنوں میں مدد نہیں کر سکتا۔ جو کچھ بھی دنیاوی فائدہ حاصل کرتا ہے وہ اپنے لیے اور دوسروں کے لیے آخرکار دونوں جہانوں میں تناؤ کا باعث بنتا ہے۔ ایک مسلمان کو صرف ان کاموں میں لوگوں کی مدد کرنی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہوں۔

اس کے علاوہ ایک مسلمان کو اپنے کاروبار کو ذہن نشین کرنے کی اہمیت کو سمجھنا چاہیے۔ اول تو جو شخص یہ رویہ اختیار کرنے میں ناکام رہے گا وہ اپنے قیمتی وقت سے محروم ہو جائے گا۔ زیادہ وقت کے علاوہ سب کچھ خریدا جا سکتا ہے۔ وقت ضائع کرنا آخرت میں اس شخص کے لیے بڑا کچھ ، پشیمان ہوگا جب وہ اپنے وقت کا صحیح استعمال کرنے والوں کے اجر کو دیکھے گا۔ اگرچہ اس کے کاروبار کو برا نہیں مانتا ہے، گناہ نہیں جو چیزیں ایسے شخص کی طرف سے کہی گئی ہیں ہے، یہ ظاہر ہے کہ اس نے اپنے وقت کو زیادہ نتیجہ خیز طریقے سے استعمال کرنے میں ضائع کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 3976 میں شخص اس وقت تک اپنے اسلام کو مکمل نہیں کر سکتا ایک حدیث میں اعلان فرمایا کہ کوئی موجود جب تک کہ وہ ان چیزوں سے دور نہ رہے جن سے اسے کوئی سروکار نہیں۔

کوئی کسی ایسی بات کے بارے میں بولنے کی تعریف جس سے انسان کو کوئی سروکار نہ ہو اگر اور نہ ہی ان وہ گناہ گار نہیں ہوگا۔ کا انتخاب کرے تو رہنے اس قسم کی گفتگو سے خاموش شخص پہنچتا ہے ۔ کی خاموشی سے کوئی نقصان

درحقیقت انسان کو ایسی چیزوں کے بارے میں بھی نہیں بولنا چاہیے جن سے اس کا تعلق ہے جب تک کہ وہ مناسب وقت اور جگہ پر نہ ہو۔ اس مشورے کو نظر انداز کرنا صرف بولنے والوں اور دوسروں کے لیے پریشانی کا باعث بنتا ہے۔

ان چیزوں کے بارے میں سوالات پوچھنا جن سے کسی کو کوئی سروکار نہیں ہے آج معاشرے میں پایا جانے والا ایک عام مسئلہ ہے۔ لوگ اکثر اس قسم کی چیزوں کے بارے میں پوچھ گچھ کرتے ہیں اور دوسروں کو مجبور کرتے ہیں جو چیزوں کو نجی رکھنا چاہتے ہیں یا تو جھوٹ بولتے ہیں، دھوکہ دہی کے ذریعے براہ راست جواب دینے سے گریز کرتے ہیں یا وہ ان کو نظر انداز کرتے ہیں جو کہ بدتمیزی میں آتی ہے۔ ایک مسلمان کو زیادہ محتاط ہونا چاہئے اور صرف ان عمومی چیزوں کے بارے میں پوچھنا چاہئے جو ان سے متعلق ہیں۔

جو لوگ اپنی تقریر کو ان چیزوں کے لیے وقف کرتے ہیں جن سے ان کی کوئی سروکار نہیں ہوتی ان سے متعلق ہیں۔ اور جو لوگ واقعی جو وہ ان چیزوں کے بارے میں بولنے سے محروم رہیں گے اپنی کوششوں کو ان چیزوں پر لگاتے ہیں جن سے ان کا تعلق ہوتا ہے وہ ان چیزوں کے بارے میں نے اپنی جنہوں بات کرنے کا وقت نہیں پاتے ہیں جو ان سے متعلق نہیں ہیں۔ بعد میں کامیاب وہ ہیں زبان کا صحیح استعمال کیا۔

اگر کوئی واقعی ان تمام دلائل پر غور کرے جو ان کے پاس موجود ہیں تو وہ محسوس کریں گے کہ ان میں سے اکثریت کسی ایسے شخص کے بارے میں بولنے کی وجہ سے ہوئی ہے جس سے انہیں کوئی سروکار نہیں تھا۔ ذرا سوچئے کہ اس رویہ سے بچنے سے کتنے دلائل سے بچا جا سکتا ہے۔

شیئرنگ کے مسائل

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے چھٹے سال منافقین نے موقع غنیمت جانا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی جائے۔ جب مدینہ میں تہمت کے اثرات شدت اختیار کر گئے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دو قریبی ساتھیوں علی ابن ابی طالب اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بلا کر ان سے مشورہ کیا۔ علی رضی اللہ عنہ نے خلوص دل سے ان تمام ممکنہ اختیارات کا خاکہ پیش کرتے ہوئے مشورہ دیا جن میں سے وہ انتخاب کر سکتے تھے۔ اس کے علاوہ، دونوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں خوب باتیں کیں، اور یہاں تک کہ ایک گواہ، ایک لونڈی، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کام کرتی تھی، کو بلا کر ان کے حسن اخلاق کا مزید ثبوت پایا۔ اس نے بھی عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں اچھائی کے سوا کچھ نہیں کہا۔ صحیح بخاری نمبر 4750 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

مسلمانوں کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ ایک خاص رویہ اختیار کرنے سے گریز کریں یعنی اپنے مسائل کو بہت زیادہ لوگوں کے ساتھ شیئر کریں۔ اس رویہ کا مسئلہ یہ ہے کہ جب کوئی بہت سے لوگوں کو بتاتا ہے تو ان کے مسائل بتانا اور مشورہ لینا ان کی مشکلات کی شکایت کا ذریعہ بن جاتا ہے جو ان کی بے صبری کی واضح علامت ہے۔ اس کے علاوہ، یہ رویہ کسی کو صرف الجھن کا باعث بنے گا کیونکہ انہیں ملنے والی نصیحتیں مختلف ہوں گی جس کی وجہ سے وہ صحیح راستے کے بارے میں زیادہ سے زیادہ غیر یقینی ہو جائیں گے۔ جبکہ چند عقلمندوں سے مشورہ کرنا کسی کے یقین میں اضافے کا سبب ہی بنے گا۔ بہت سے لوگوں کے سامنے اپنے مسائل کو بار بار دہرانے سے وہ اپنے مسئلے پر بہت زیادہ توجہ مرکوز کرنے کا سبب بنتا ہے جس کی وجہ سے یہ حقیقت سے زیادہ بڑا اور اہم دکھائی دیتا ہے، یہاں تک کہ اس کی وجہ سے وہ اپنے دوسرے فرائض سے غفلت برتتے ہیں جو کہ زیادہ بے صبری کا باعث بنتا ہے۔

اس لیے مسلمانوں کو اپنی مشکلات کے سلسلے میں صرف چند لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے۔ انہیں چاہیے کہ قرآن کریم کی نصیحت کے مطابق ان چند لوگوں کا انتخاب کریں۔ باب 16 النحل، آیت 43:

‘‘پس اہلِ پیغام سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔’’

یہ آیت مسلمانوں کو علم رکھنے والوں سے مشورہ کرنے کی یاد دلاتی ہے۔ جیسا کہ ایک جاہل شخص سے مشورہ کرنے سے مزید پریشانی پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح کوئی شخص اپنی جسمانی صحت کے بارے میں کسی کار مکینک سے مشورہ کرنا بے وقوف ہو گا، ایک مسلمان کو اپنے مسائل صرف ان لوگوں کو بتانا چاہیے جو اس کے بارے میں علم رکھتے ہیں اور ان سے منسلک اسلامی تعلیمات۔

اس کے علاوہ ایک مسلمان کو اپنے مسائل صرف ان لوگوں کے ساتھ شیئر کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کبھی بھی دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ نہیں دیں گے۔ جبکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے یا اس کی اطاعت نہیں کرتے وہ علم اور تجربہ رکھتے ہیں لیکن وہ آسانی سے دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ دیتے ہیں جس سے صرف پریشانیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے حقیقی علم کے مالک ہوتے ہیں اور یہی علم دوسروں کو ان کے مسائل میں کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔ باب 35 فاطر، آیت 28:

اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں‘‘۔’’

غصے پر قابو پانا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے چھٹے سال منافقین نے موقع غنیمت جانا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی جائے۔ جب مدینہ میں تہمت کے اثرات شدت اختیار کرگئے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور انہیں نہایت شفقت سے یاد دلایا کہ جو شخص سچے دل سے توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔ جیسے ہی عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ الفاظ سنے تو فوراً رونا بند کر دیا۔ وہ اپنے والدین کا انتظار کرتی رہی کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں اپنا دفاع کریں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور احترام کی وجہ سے وہ خاموش رہے۔ اس کے بعد اس نے براہ راست حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ وہ کبھی بھی ایسا کرنے کا اقرار نہیں کرے گی جو اس نے نہیں کیا تھا اور اس کا واحد راستہ یہ تھا کہ وہ اسی طرح صبر کرے جس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے وقت صبر کیا تھا۔ صحیح بخاری نمبر 4750 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

،غور طلب بات یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر کوئی غلط الزام نہیں لگایا درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھلے عام اس کا دفاع کیا۔ لیکن اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے اپنا کردار نبھانے کی ضرورت تھی، اگر اسے ضرورت ہو تو اسے توبہ کرنے کی یاد دہانی کرائی جائے۔ اس کے علاوہ، عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے اردگرد موجود لوگوں پر آسانی سے ناراض ہو سکتی تھیں، کیونکہ انہیں لگتا تھا کہ انہیں ان کی مکمل حمایت حاصل نہیں ہے۔ لیکن اس نے بجائے اپنے غصے پر قابو رکھا اور صبر کیا۔

صحیح بخاری نمبر 6116 کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو غصہ نہ کرنے کی نصیحت کی۔

درحقیقت اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی کبھی غصہ نہ کرے کیونکہ غصہ ایک فطری صفت ہے جو کہ انبیاء کرام علیہم السلام میں بھی پائی جاتی ہے۔ درحقیقت، بعض غیر معمولی معاملات میں غصہ مفید ہو سکتا ہے جیسے کہ اپنے دفاع میں۔ اس حدیث کا اصل مطلب یہ ہے کہ انسان کو اپنے غصے پر قابو رکھنا چاہیے تاکہ یہ اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف نہ لے جائے، جس کا عملی مظاہرہ انبیاء علیہم السلام نے کیا ہے۔

اس کے علاوہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غصہ بہت سی برائیوں کو جنم دیتا ہے اور اس پر قابو رکھنا بہت سی بھلائیوں کا باعث بنتا ہے۔

سب سے پہلے یہ نصیحت ان تمام اچھی خصوصیات کو اپنانے کا حکم ہے جو غصے پر قابو پانے کی ترغیب دیں، جیسے صبر۔

،یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ آدمی اپنے غصے کے مطابق کام نہ کرے۔ اس کے بجائے انہیں اس پر قابو پانے کے لئے اپنے آپ سے جدوجہد کرنی چاہئے تاکہ یہ انہیں گناہوں کی طرف نہ لے جائے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے غصے پر قابو پانا ایک عظیم عمل ہے اور محبت الٰہی کی طرف لے جاتا ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 134:

”جو غصے کو روکتے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے“۔

اسلام کے اندر بہت سی تعلیمات ہیں جو مسلمانوں کو اپنے غصے پر قابو پانے کی ترغیب دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر غصہ شیطان سے منسلک اور متاثر ہوتا ہے، صحیح بخاری نمبر 3282 میں موجود

ایک حدیث میں یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ غصہ کرنے والے کو شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے۔

جامع ترمذی نمبر 2191 میں موجود حدیث میں ناراض مسلمان کو زمین سے چمٹنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ جب تک وہ پرسکون نہ ہو جائیں زمین پر سجدہ کریں۔ درحقیقت جتنا زیادہ کوئی غیر فعال جسمانی پوزیشن لیتا ہے، اتنا ہی کم موقع ہوتا ہے کہ وہ غصے میں مارے گا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4782 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس نصیحت پر عمل کرنے سے انسان اپنے غصے کو اپنے اندر قید کر لیتا ہے یہاں تک کہ وہ گزر جاتا ہے تاکہ دوسروں پر اس کا منفی اثر نہ پڑے۔

ایک مسلمان جو غصے میں ہو اسے سنن ابوداؤد نمبر 4784 میں موجود حدیث میں دی گئی نصیحت پر عمل کرنا چاہیے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناراض مسلمان کو وضو کرنے کی نصیحت کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی غصے کی فطری خصوصیت یعنی گرمی کا مقابلہ کرتا ہے۔ اگر کوئی اس کے بعد نماز پڑھتا ہے تو اس سے انہیں اپنے غصے پر مزید قابو پانے میں مدد ملے گی اور ایک عظیم اجر ملے گا۔

اب تک زیر بحث مشورے سے ناراض مسلمان کو اپنے جسمانی حرکات پر قابو پانے میں مدد ملتی ہے۔ اپنی بات پر قابو پانے کے لیے غصے کی حالت میں بولنے سے گریز کرنا ہی بہتر ہے۔ بدقسمتی سے الفاظ اکثر جسمانی اعمال کے مقابلے میں دوسروں پر زیادہ دیرپا اثر ڈال سکتے ہیں۔ غصے میں کہے گئے الفاظ کی وجہ سے لاتعداد رشتے ٹوٹ چکے ہیں اور ٹوٹ چکے ہیں۔ یہ رویہ اکثر دوسرے گناہوں اور جرائم کی طرف بھی جاتا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے سنن ابن ماجہ نمبر 3970 میں موجود حدیث کو نوٹ کرنا ضروری ہے، جس میں متنبہ کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن کسی شخص کو جہنم میں ڈالنے کے لیے صرف ایک برے لفظ کی ضرورت ہے۔

غصے پر قابو پانا ایک بہت بڑی نیکی ہے اور اس پر قابو پانے والے کو صحیح بخاری نمبر 6114 کی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مضبوط انسان قرار دیا ہے، درحقیقت وہ جو اپنے غصے کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نگل جاتا ہے، یعنی ان کے دل میں سچے جذبے اور اطمینان کی وجہ سے اطمینان نہیں ہوتا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4778 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ یہ صحیح دل کی ایک خصوصیت ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔ یہ واحد دل ہے جسے قیامت کے دن حفاظت ملے گی۔ باب 26 اشعرا، آیات 88-89:

"جس دن مال و اولاد کسی کے کام نہیں آئے گی، مگر وہ جو اللہ کے پاس سچے دل کے ساتھ آئے۔"

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، حد کے اندر غصہ مفید ہو سکتا ہے۔ اسے اپنے نفس، ایمان اور مال کو پہنچنے والے نقصان کو دور کرنے کے لیے استعمال کیا جانا چاہیے جو کہ اگر صحیح طریقے سے کیا جائے تو اسلام کی تعلیمات کے مطابق اللہ تعالیٰ کے غضب میں شمار ہوتا ہے۔ یہ حال تھا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو اپنی خواہشات کی خاطر کبھی ناراض نہیں ہوئے۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ناراض ہوا جس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6050 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت قرآن کریم تھی جس کی نصیحت صحیح مسلم نمبر 1739 میں موجود حدیث میں آئی ہے، اس کا مطلب ہے کہ وہ جس چیز پر راضی ہوتا اس پر راضی ہوتا اور جس چیز پر راضی ہوتا اس سے ناراض ہوتا۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی خاطر بغض رکھنا، ایمان کی تکمیل کا ایک پہلو ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ نفرت کی جڑ غصہ ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام غصے کو ختم کرنے کا حکم نہیں دیتا، کیونکہ اس کا حصول حقیقتاً ممکن نہیں ہے، بلکہ یہ اسے اسلام کی حدود میں قابو کرنے کا درس دیتا ہے۔

غور طلب ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے غصہ کرنا قابل تعریف ہے لیکن اگر یہ غصہ حد سے بڑھ جائے تو وہ قابلِ ملامت ہے۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنے غصے پر قابو رکھنا انتہائی ضروری ہے خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی خاطر غصہ میں ہی کیوں نہ ہو۔ سنن ابو داؤد نمبر 4901 میں موجود ایک حدیث ایک ایسے نمازی کو خبردار کرتی ہے جو غصے میں اللہ تعالیٰ کا دعویٰ کرتا ہے کہ وہ

کسی خاص گنہگار کو معاف نہیں کرے گا۔ اس کے نتیجے میں اس نمازی کو جہنم میں بھیج دیا جائے گا جبکہ گناہ گار کو قیامت کے دن معاف کر دیا جائے گا۔

برائی کی ابتداء چار چیزوں سے ہوتی ہے :خواہش پر قابو نہ پانا، خوف، بُری بھوک اور غصہ۔ لہٰذا جو شخص اس حدیث کی نصیحت کو قبول کرے گا اس کے کردار اور زندگی سے ایک چوتھائی برائی دور ہو جائے گی۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، مسلمانوں کے لیے اپنے غصے کو قابو میں رکھنا بہت ضروری ہے، اس لیے یہ ان کے لیے ایسی حرکت یا بات کرنے کا سبب نہ بنے جس سے انھیں دنیا اور آخرت دونوں میں بڑی پشیمانی کا سامنا کرنا پڑے۔

صبر ثواب کی طرف لے جاتا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے چھٹے سال منافقین نے موقع غنیمت جانا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی جائے۔ جب مدینہ میں تہمت کے اثرات شدت اختیار کر گئے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور ان سے اس معاملے پر گفتگو کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی نشست سے اٹھنے کا موقع ملنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے وہ آیات نازل فرمائیں جن میں عائشہ رضی اللہ عنہا کو بری اور بہت زیادہ عزت دی گئی اور ان پر سخت تنقید کی گئی جنہوں نے ان کے خلاف بہتان تراشی شروع کی اور اس میں حصہ لیا۔ باب 24 النور، آیات 11-26:

’’بے شک جو لوگ جھوٹ لے کر آئے ہیں وہ تم میں سے ایک گروہ ہیں، اسے اپنے لیے برا نہ سمجھو، بلکہ یہ تمہارے لیے اچھا ہے ...یہ لوگ ان باتوں سے بری قرار پاتے ہیں جو وہ کہتے ہیں، ان کے لیے بخشش اور عمدہ رزق ہے۔‘‘

صحیح بخاری نمبر 4750 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

مسند احمد نمبر 2803 میں ایک حدیث ہے کہ ناپسندیدہ چیزوں پر صبر کرنا اجر عظیم کا باعث ہے۔ باب 39 از زمر، آیت 10:

"بے شک، مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا [یعنی حد]..."

ایمان کے تین پہلوؤں کی تکمیل کے لیے صبر ایک کلیدی عنصر ہے :اللہ تعالیٰ کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا سامنا کرنا۔ لیکن صبر سے زیادہ اعلیٰ اور زیادہ ثواب کا درجہ قناعت ہے۔ یہ تب ہوتا ہے جب ایک مسلمان گہرا یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے اور اس لیے وہ اس کے انتخاب کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

''لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

ایک صابر مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ جس چیز نے ان پر اثر ڈالا، مثلاً ایک مشکل، اس سے بچا نہیں جا سکتا تھا خواہ ساری مخلوق ان کی مدد کرے۔ اسی طرح جو کچھ بھی ان سے چھوٹ گیا وہ ان پر اثر انداز نہیں ہو سکتا تھا۔ جو شخص اس حقیقت کو صحیح معنوں میں قبول کر لیتا ہے وہ اس چیز پر فخر اور فخر نہیں کرے گا جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مختص کیا ہے۔ اور نہ ہی وہ کسی ایسی چیز پر غمگین ہوں گے جس کو حاصل کرنے میں وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے میں ناکام رہے، اس نے وہ چیز ان کے لیے مختص نہیں کی اور نہ ہی کوئی چیز اس حقیقت کو بدل سکتی ہے۔ باب 57 الحدید، آیات 22-23:

"زمین پر یا تمہارے درمیان کوئی آفت نہیں آتی مگر یہ کہ ہم اسے وجود میں لانے سے پہلے ایک رجسٹر میں موجود ہیں - بیشک یہ اللہ کے لیے آسان ہے، تاکہ تم اس چیز پر نا امید نہ ہو جاؤ جو تم سے چھوٹ گئی ہے اور جو کچھ اس نے تمہیں دیا ہے اس پر فخر نہ کریں"۔

اس کے علاوہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 79 کی ایک حدیث میں نصیحت فرمائی ہے کہ جب کوئی چیز واقع ہو تو مسلمان کو یقین رکھنا چاہیے کہ وہ مقدر تھی

اور کوئی چیز اس کا نتیجہ نہیں بدل سکتی تھی۔ اور ایک مسلمان کو یہ خیال کرتے ہوئے پچھتاوا نہیں ہونا چاہیے کہ اگر وہ کسی نہ کسی طرح مختلف طریقے سے برتاؤ کرتے تو وہ نتائج کو روک سکتے تھے کیونکہ یہ رویہ صرف شیطان کو بے صبری اور تقدیر کے بارے میں شکایت کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ایک صابر مسلمان صحیح معنوں میں یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی منتخب کیا ہے وہ ان کے لیے بہترین ہے خواہ وہ اس کے پیچھے موجود حکمت کو نہ دیکھیں۔ صبر کرنے والا اپنے حالات میں تبدیلی کا خواہاں ہوتا ہے اور اس کے لیے دعا بھی کرتا ہے لیکن جو کچھ ہوا اس کی شکایت نہیں کرتا۔ ثابت قدم رہنا ایک مسلمان کو بڑے درجے پر لے جا سکتا ہے یعنی قناعت۔

قناعت کرنے والا حالات میں تبدیلی کی خواہش نہیں رکھتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا انتخاب ان کی پسند سے بہتر ہے۔ یہ مسلمان صحیح مسلم نمبر 7500 میں موجود حدیث پر پختہ یقین رکھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے۔ یہ مشورہ دیتا ہے کہ مومن کے لیے ہر حالت بہترین ہے۔ اگر انہیں کوئی مسئلہ درپیش ہو تو انہیں صبر کا مظاہرہ کرنا چاہئے جس سے برکت حاصل ہوتی ہے۔ اور اگر وہ آسانی کے وقت کا تجربہ کرتے ہیں تو انہیں شکر ادا کرنا چاہئے جو برکتوں کا باعث بنتا ہے.

یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو آزماتا ہے جن سے وہ محبت کرتا ہے۔ اگر وہ صبر کا مظاہرہ کریں گے تو انہیں اجر ملے گا لیکن اگر وہ ناراض ہیں تو یہ ان کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی کمی کا ثبوت ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2396 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

ایک مسلمان کو آسانی اور مشکل دونوں وقتوں میں صبر کرنا چاہیے یا اللہ تعالیٰ کے انتخاب اور فیصلے پر راضی رہنا چاہیے۔ اس سے کسی کی پریشانی میں کمی آئے گی اور اسے دونوں جہانوں میں بہت سی نعمتیں ملیں گی۔ جبکہ، بے صبری صرف اس انعام کو ختم کر دے گی جو وہ حاصل کر سکتے تھے۔ کسی بھی صورت میں ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ صورت حال سے گزرے گا، لیکن یہ ان کا اختیار ہے کہ وہ اجر چاہتے ہیں یا نہیں۔

ایک مسلمان اس وقت تک مکمل قناعت کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ مشکل اور آسانی کے وقت اس کا رویہ برابر نہ ہو۔ ایک سچا بندہ فیصلہ کے لیے مالک یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس کیسے جا سکتا ہے اور پھر ناخوش کیسے ہو سکتا ہے جب انتخاب ان کی خواہش کے مطابق نہ ہو۔ اس بات کا ایک حقیقی امکان ہے کہ اگر کسی شخص کو وہ حاصل ہو جائے جس کی وہ خواہش کرتا ہے تو وہ اسے تباہ کر دے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ایک مسلمان کو کنارے پر اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرنی چاہیے۔ یعنی جب حکم الٰہی ان کی خواہشات کے مطابق ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ اور جب ایسا نہیں ہوتا تو وہ غضب ناک ہو جاتے ہیں گویا وہ اللہ تعالیٰ سے بہتر جانتے ہیں۔ باب 22 الحج، آیت 11:

"اور لوگوں میں سے کوئی وہ ہے جو اللہ کی عبادت کنارے پر کرتا ہے، اگر اسے کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو اسے تسلی ملتی ہے، اور اگر اسے کوئی آزمائش آتی ہے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے، اس نے دنیا اور آخرت کو کھو دیا، یہی صریح نقصان ہے۔"

ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی پسند کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا چاہیے جیسا کہ وہ کسی قابل اعتماد ڈاکٹر کے ساتھ برتاؤ کرتا ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان ڈاکٹر کی تجویز کردہ کڑوی دوا لینے کی شکایت نہیں کرے گا یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے اسے یہ جانتے ہوئے کہ دنیا میں ان کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اسے قبول کرنا چاہیے۔ درحقیقت ایک سمجھدار شخص کڑوی دوا کے لیے ڈاکٹر کا شکریہ ادا کرے گا اور اسی طرح ایک ذہین مسلمان کسی بھی صورت حال کا سامنا کرنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے گا۔

اس کے علاوہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک کی بہت سی آیات اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کا جائزہ لیں، جن میں صبر کرنے والے اور مطمئن مسلمان کو دیے جانے والے اجر کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ اس پر گہرا غور و فکر ایک مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے ثابت قدم رہنے کی ترغیب دے گا۔ مثال کے طور پر، باب 39 از زمر، آیت 10:

"بے شک، مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا [یعنی حد]..."

ایک اور مثال جامع ترمذی نمبر 2402 میں موجود حدیث میں مذکور ہے کہ جس نے صبر کے ساتھ دنیا میں آزمائشوں اور مشکلات کا مقابلہ کیا تو قیامت کے دن ان کو اجر ملے گا جنہوں نے ایسی آزمائشوں کا سامنا نہیں کیا وہ کاش صبر سے مشکلات کا سامنا کریں جیسے ان کی جلد قینچی سے کاٹ دی جائے۔

صبر اور قناعت حاصل کرنے کے لیے جس چیز کو اللہ تعالیٰ کسی شخص کے لیے چنتا ہے اسے چاہیے کہ وہ قرآن مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں پائے جانے والے علم کو تلاش کریں اور اس پر عمل کریں تاکہ وہ ایمان کی بلندی تک پہنچ جائیں۔ صحیح مسلم نمبر 99 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ ایمان کی فضیلت اس وقت ہوتی ہے جب ایک مسلمان عمل کرتا ہے جیسے کہ نماز، گویا وہ اللہ تعالیٰ کی گواہی دے سکتا ہے۔ جو اس درجے پر پہنچ جائے گا وہ مشکلات اور آزمائشوں کا درد محسوس نہیں کرے گا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت میں پوری طرح غرق ہو جائے گا۔ یہ ان عورتوں کا حال ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کو دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹتے وقت درد محسوس نہیں کرتی تھیں۔ باب 12 یوسف، آیت 31:

اور ان میں سے ہر ایک کو چھری دی اور کہا کہ ان کے سامنے سے نکل آؤ اور جب انہوں نے اسے دیکھا تو اس کی بہت تعریف کی اور اپنے ہاتھ کاٹ کر کہنے لگے :اللہ کامل ہے !یہ آدمی نہیں ہے۔ یہ کوئی نہیں بلکہ ایک عظیم فرشتہ ہے۔"

اگر کوئی مسلمان ایمان کے اس اعلیٰ درجے تک نہیں پہنچ سکتا تو اسے کم از کم اس نچلی سطح تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے جس کا ذکر پہلے حدیث میں ہے۔ یہ وہ درجہ ہے جہاں انسان کو مسلسل معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیکھے جا رہے ہیں۔ اسی طرح ایک شخص کسی مستند شخصیت کے سامنے شکایت نہیں کرے گا جس سے وہ ڈرتا ہے، جیسے کہ آجر، ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ کی موجودگی سے مسلسل آگاہ ہے، اس کے انتخاب کے بارے میں شکایت نہیں کرے گا۔

چیزوں کو جانے دو

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے چھٹے سال منافقین نے موقع غنیمت جانا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی جائے۔ اللہ کے بعد، عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس تہمت سے بری الذمہ قرار دیا گیا، ان کے والد، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ اب وہ اپنے رشتہ دار کی مالی مدد نہیں کریں گے جس نے اس بہتان کو پھیلانے میں حصہ لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد باب 24 النور، آیت 22 نازل کی، جس میں اسے اور تمام مسلمانوں کو دوسروں کی غلطیوں کو معاف کرنے اور نظر انداز کرنے کی ترغیب دی گئی:

" اور تم میں سے نیک اور مال والے قسم نہ کھائیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کی مدد نہیں کریں گے، اور وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا اعلان واپس لے لیا اور اپنے رشتہ دار کی مدد کرتے رہے۔ یہ بات جامع ترمذی نمبر 3180 میں موجود حدیث میں آئی ہے۔

تمام مسلمانوں کو امید ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی گزشتہ غلطیوں اور گناہوں کو ایک طرف رکھے گا، نظر انداز کرے گا اور معاف کر دے گا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انہی مسلمانوں میں سے اکثر جو اس کی امید اور دعا کرتے ہیں وہ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتے۔ مطلب، وہ اکثر دوسروں کی ماضی کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں اور انہیں اپنے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ ان غلطیوں کی طرف اشارہ نہیں ہے جن کا اثر حال یا مستقبل پر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، ڈرائیور کی وجہ سے ہونے والا کار حادثہ جو کسی دوسرے شخص کو جسمانی طور پر معذور کر دیتا ہے، ایک غلطی ہے جو حال اور مستقبل میں شکار کو متاثر کرے گی۔ اس قسم کی غلطی کو چھوڑنا اور نظر انداز کرنا سمجھنا مشکل ہے۔ لیکن بہت سے مسلمان اکثر دوسروں کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں جو کسی بھی طرح سے مستقبل کو متاثر نہیں کرتی ہیں، جیسے کہ زبانی توہین۔ اگرچہ

غلطی ختم ہو چکی ہے لیکن یہ لوگ موقع ملنے پر اسے زندہ کرنے اور دوسروں کے خلاف استعمال کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ ایک انتہائی افسوسناک ذہنیت ہے جیسا کہ کسی کو سمجھنا چاہئے کہ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔ کم از کم ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ سے اپنی ماضی کی غلطیوں سے درگزر کرنے کی امید رکھتا ہے اسے دوسروں کی ماضی کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ جو لوگ اس طرح برتاؤ کرنے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ ان کے زیادہ تر تعلقات ٹوٹ چکے ہیں کیونکہ کوئی بھی رشتہ مکمل نہیں ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اختلاف کا شکار رہیں گے جو ہر رشتے میں غلطی کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس لیے جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ تنہا ہو جائے گا کیونکہ ان کی بری ذہنیت انہیں دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کو خراب کرنے کا باعث بنتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ تنہا رہنے سے نفرت کرتے ہیں لیکن پھر بھی ایسا رویہ اپناتے ہیں جو دوسروں کو ان سے دور کرتا ہے۔ یہ منطق اور عقل کی نفی کرتا ہے۔ تمام لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ زندہ رہتے ہوئے اور ان کے انتقال کے بعد ان سے محبت اور احترام کیا جائے لیکن یہ رویہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ جب وہ زندہ ہوتے ہیں تو لوگ ان سے تنگ آ جاتے ہیں اور جب وہ مرتے ہیں تو لوگ انہیں سچے پیار اور محبت سے یاد نہیں کرتے۔ اگر وہ انہیں یاد کرتے ہیں تو یہ محض رواج سے باہر ہے۔

ماضی کو جانے دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں کے ساتھ حد سے زیادہ اچھا سلوک کرنے کی ضرورت ہے لیکن اسلام کی تعلیمات کے مطابق سب سے کم احترام کرنا ہے۔ اس میں کچھ خرچ نہیں ہوتا اور اس کے لیے تھوڑی محنت درکار ہوتی ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ درگزر کرنا سیکھے اور لوگوں کی ماضی کی غلطیوں کو جانے دیا جائے تو شاید اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی پچھلی غلطیوں کو درگزر فرمائے گا۔

دوسروں کے لیے احساس

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے چھٹے سال آپ نے ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر روانہ کیا۔ اس فوج کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ ان کے پاس رزق ختم ہو گیا تھا۔ اس کے نتیجے میں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے لشکر کا کھانا اکٹھا کیا اور سپاہیوں میں برابر تقسیم کر دیا جو کہ ایک وقت میں ایک کھجور فی آدمی فی دن تھا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی پرورش کے لیے پودوں کے پتے کھانے پر مجبور تھے۔ قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے فوج کو کھانا کھلانے کے لیے اپنے اونٹ ذبح کرنے شروع کر دیے۔ آخر کار فوج کو ایک وہیل ملی جو ساحلی پٹی پر دھل گئی تھی۔ انہوں نے ایک ماہ تک اس میں سے کھایا اور اپنا مشن ختم کرنے کے بعد وہ مدینہ واپس آئے، جہاں انہوں نے وہیل کا کچھ گوشت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بانٹا۔ اس کا تذکرہ امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1452-1454 اور سنن نسائی، نمبر 4357 میں موجود ایک حدیث میں کیا گیا ہے۔

یہ واقعہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ فوجیوں میں سے ہر ایک کو ایک دوسرے کی گہری دیکھ بھال تھی۔

صحیح مسلم نمبر 6586 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ امت مسلمہ ایک جسم کی مانند ہے۔ جسم کے کسی حصے میں درد ہو تو باقی جسم اس کے درد میں شریک ہوتا ہے۔

یہ حدیث، بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح، اپنی زندگی میں اس قدر خودغرض نہ ہونے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتی ہے اور اس طرح برتاؤ کرتی ہے کہ گویا کائنات ان کے اور ان کے مسائل کے گرد گھوم رہی ہے۔ شیطان مسلمانوں کو اپنی زندگی اور اپنے مسائل پر اس قدر توجہ مرکوز کرنے کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ بڑی تصویر پر توجہ مرکوز کرنے سے محروم ہو جاتا ہے جس کی وجہ

سے وہ بے صبری کا باعث بنتا ہے اور وہ دوسروں سے غافل ہو جاتا ہے اور نتیجتاً وہ اپنے وسائل کے مطابق دوسروں کی مدد کرنے میں اپنا فرض ادا نہیں کرتا۔ ایک مسلمان کو یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیے اور دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جہاں تک وہ کر سکتے ہیں۔ یہ مالی مدد سے آگے بڑھتا ہے اور اس میں تمام زبانی اور جسمانی مدد شامل ہوتی ہے، جیسے کہ اچھا اور مخلصانہ مشورہ۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ خبروں کا باقاعدگی سے مشاہدہ کریں اور جو پوری دنیا میں مشکل حالات میں ہیں۔ اس سے انہیں حوصلہ ملے گا کہ وہ خودغرض اور خودغرض بننے سے بچیں اور اس کے بجائے دوسروں کی مدد کریں۔ درحقیقت جس کو صرف اپنی فکر ہوتی ہے وہ جانور سے بھی کم تر ہے جیسا کہ وہ اپنی اولاد کا خیال رکھتا ہے۔ درحقیقت ایک مسلمان کو عملاً اپنے خاندان سے بڑھ کر دوسروں کا خیال رکھتے ہوئے جانوروں سے بہتر ہونا چاہیے۔

یہ حدیث اسلام میں اتحاد اور مساوات کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے، جیسا کہ دوسرے مسلمانوں کو ان کی جنس، نسل یا کسی بھی چیز سے قطع نظر ان کے وسائل کے مطابق مدد کرنی چاہیے۔

جس طرح ایک شخص اپنی پریشانی کو دور کرنا چاہتا ہے، اسی طرح اسے دوسروں کے لیے بھی اس طرح کا برتاؤ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، جیسا کہ بنیادی حدیث واضح طور پر بتاتی ہے کہ ایک مسلمان کے لیے کسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا دوسرے مسلمان کے لیے اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ ایک ہی میں ایک ہے۔

آخر میں، اگرچہ ایک مسلمان دنیا کے تمام مسائل کو دور نہیں کر سکتا لیکن وہ اپنا کردار ادا کر سکتا ہے اور اپنے وسائل کے مطابق دوسروں کی مدد کر سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور توقع یہی ہے۔

معاہدہ حدیبیہ

حقیقی زیارت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے چھٹے سال حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف اس ارادہ سے روانہ ہوئے کہ زیارت)عمرہ (کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ ان کا فیصلہ اس خواب کی بنیاد پر تھا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عمرہ کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 223 میں بحث ہوئی ہے اور صحیح بخاری نمبر 2731-2732 میں موجود احادیث میں درج ہے۔

عام طور پر، ایک مسلمان کو اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ جب وہ زیارت یا زیارت کے لیے جاتے ہیں تو وہ صحیح نیت اور رویہ اپناتے ہیں تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جا سکے کہ وہ دونوں جہانوں میں ان سے مستفید ہوں۔

صحیح بخاری نمبر 1773 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ قبول شدہ حج کا ثواب جنت کے سوا کچھ نہیں۔

حج کا اصل مقصد مسلمانوں کو آخرت کے آخری سفر کے لیے تیار کرنا ہے۔ جس طرح ایک مسلمان حج کے لیے اپنے گھر، کاروبار، دولت، خاندان، دوست احباب اور سماجی حیثیت کو پیچھے چھوڑتا ہے، یہ اس کی موت کے وقت ہوگا، جب وہ آخرت کا سفر طے کرے گا۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر

میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ کسی شخص کے اہل و عیال ان کو قبر پر چھوڑ 2379 دیتے ہیں اور ان کے اچھے اور برے اعمال ہی ان کے پاس رہتے ہیں۔

جب کوئی مسلمان اپنے حج کے دوران اس بات کو ذہن میں رکھے گا تو وہ اس فرض کے تمام پہلوؤں کو صحیح طریقے سے ادا کرے گا۔ یہ مسلمان ایک بدلے ہوئے انسان کے گھر واپس آئے گا، کیونکہ وہ اس مادی دنیا کے اضافی پہلوؤں کو جمع کرنے کے بجائے آخرت کے اپنے آخری سفر کی تیاری کو ترجیح دیں گے۔ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں کوشش کریں گے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کریں گے اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کریں گے، جس میں فضول خرچی اور اسراف کے بغیر اپنی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے دنیا سے لے جانا بھی شامل ہے۔ اس سے وہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں گے جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ حج کو تعطیل اور خریداری کے سفر کے طور پر نہ سمجھیں کیونکہ یہ رویہ ،اس کے مقصد کو ختم کر دیتا ہے۔ اسے مسلمانوں کو ان کے آخرت کے آخری سفر کی یاد دلانا چاہیے ایسا سفر جس کی واپسی اور کوئی دوسرا موقع نہیں ہے۔ صرف اسی سے انسان کو حج کی صحیح تکمیل اور آخرت کے لیے مناسب تیاری کرنے کی ترغیب ملے گی۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا اس کو ان کی مقدس زیارت سے جنت میں لے جایا جائے گا۔

غیر جانبدار رہنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے چھٹے سال حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف اس ارادہ سے روانہ ہوئے کہ ،زیارت)عمرہ (کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ اس کے بعد اس نے تبصرہ کیا کہ مکہ کے غیر مسلم جنگ سے متاثر ہیں اور اگر وہ اسے تنہا چھوڑ دیں تو انہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ اگر دوسرے غیر مسلم اسے قتل کر دیں تو مکہ کے غیر مسلموں کو وہ حاصل ہو جائے گا جو وہ چاہتے تھے اور اگر اسے فتح مل گئی تو غیر مسلم بھی اسلام میں داخل ہو سکتے ہیں اور کامیابی میں شامل ہو سکتے ہیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 223-224 میں بحث کی گئی ہے، ،یہ صحیح بخاری، نمبر 2731-2732 میں موجود احادیث میں درج ہے اور امام محمد السلبی کی The Noble Life of Prophet (PBUH)، 1214 صفحہ ،1214 صفحہ.

عام طور پر، یہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اگر کوئی کسی کی بھلائی میں مدد نہیں کر سکتا تو کم از کم وہ اس میں رکاوٹ نہیں بن سکتا۔

مسلمان اکثر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ چونکہ وہ اپنی دنیاوی سرگرمیوں میں بہت مصروف ہیں، انہیں رضاکارانہ نیک اعمال کرنے میں مشکل پیش آتی ہے، خاص طور پر وہ کام جو لوگوں سے متعلق ہیں، جیسے کسی کی جسمانی مدد کرنا۔ اگرچہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ زیادہ سے زیادہ نفلی اعمال انجام دینے کی کوشش کریں جس سے دونوں جہانوں میں ان کا فائدہ ہو، حالانکہ ان کی دنیاوی سرگرمیاں ان کو اس دنیا میں ہی فائدہ پہنچائیں گی، ان مسلمانوں کو کم از کم دوسروں کے بارے میں غیر جانبدارانہ ذہنیت اختیار کرنا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان دوسروں کی مدد نہیں کرسکتا تو اسے ان کے حلال اور اچھے کاموں میں رکاوٹ نہیں ڈالنی چاہیے۔ اگر وہ دوسروں کو خوش نہیں کر سکتے تو انہیں غمگین نہ کریں۔ اگر وہ دوسروں کو نہیں ہنسا سکتے تو انہیں رونا نہیں چاہیے۔ اس کا اطلاق بے شمار منظرناموں پر کیا جا سکتا ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ بہت سے مسلمان دوسروں کے ساتھ بھلائی کر سکتے ہیں، جیسے کہ انہیں جذباتی مدد فراہم کرتے ہیں، لیکن

اس کے ساتھ ہی وہ لوگوں کی طرف منفی رویہ اختیار کر کے اپنے اچھے اعمال کو تباہ کر دیتے ہیں۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اگر کوئی مسلمان دوسروں کے بارے میں حد سے زیادہ منفی رویہ اختیار کرتا ہے تو یہ اسے قیامت کے دن جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ غیر جانبدارانہ ذہنیت کا ہونا دراصل ایک نیک عمل ہے جب اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا جائے۔ صحیح مسلم نمبر 250 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، دوسروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا بہتر ہے جو کہ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث کے مطابق ایک سچے مومن کی علامت ہے۔ لیکن اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو کم از کم دوسروں کے ساتھ غیر جانبدارانہ سلوک کرنا چاہیے۔ جیسا کہ دوسروں کے ساتھ منفی سلوک کرنا کسی کی تباہی کا باعث بن سکتا ہے۔

آگے کو دبانا

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ زیارت کے لیے نکلے تو آپ کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ چونکہ وہ مکہ کے غیر مسلموں سے جنگ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے اس لیے وہ مکہ کی طرف بڑھیں اور اگر انہیں اس میں داخل ہونے سے روکا گیا تو وہ اپنے دفاع میں لڑیں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ صحیح بخاری، نمبر 2731-2732 میں موجود احادیث میں اور امام محمد السلبی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 125-126 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ جب بھی انہیں کسی مشکل کا سامنا ہو تو انہیں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر ثابت قدم رہنا چاہیے، اس یقین کے ساتھ کہ وہ ان کے لیے اس سے نکلنے کا راستہ فراہم کرے گا چاہے اس وقت یہ ناممکن ہی کیوں نہ ہو۔ باب 65 میں طلاق، آیت 2:

"اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔"

ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے چاہے مشکل کے پیچھے حکمتیں ظاہر نہ ہوں۔ یہ ایک شخص کا ردعمل ہے جو یا تو برکت کا باعث بنتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے غضب کا۔ کسی کو صرف اپنی زندگی میں ان بے شمار مثالوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے جہاں وہ سمجھتے تھے کہ کچھ برا تھا صرف بعد میں اپنا خیال بدلنے کے لیے اور اس کے برعکس۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جب کوئی شخص ڈاکٹر کی تجویز کردہ کڑوی دوا لیتا ہے۔ دوا کڑوی ہونے کے باوجود وہ اس یقین سے کھاتے ہیں کہ اس سے ان کو فائدہ ہوگا۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایک مسلمان ایک ایسے ڈاکٹر پر کیسے بھروسہ کر سکتا ہے جس کا علم محدود ہے اور جسے

قطعی طور پر یقین نہیں ہے کہ کڑوی دوا انہیں فائدہ دے گی اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے میں ناکام رہے گا، جس کا علم لامحدود ہے اور جب وہ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین فیصلہ کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو خواہش مند سوچ اور اللہ تعالیٰ پر توکل کے درمیان فرق کو سمجھنا چاہیے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتا اور پھر اس سے مشکلات میں ان کی مدد کی امید رکھتا ہے وہ ایک خواہش مند مفکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے والا وہ ہے جو اس عظیم واقعہ میں اشارہ کیا گیا ہے، وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خلوص نیت سے کوشش کرتا ہے، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے باز رہنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے اور پھر اس کے فیصلے پر بغیر شکایت اور سوال کیے اس کے فیصلے پر بھروسہ کرتا ہے۔

نماز کی اہمیت

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ زیارت کے لیے نکلے تو آپ کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ اس سفر کے دوران مسلمانوں نے نماز پڑھی جبکہ غیر مسلم فوج نے انہیں دور سے دیکھا۔ نماز ختم ہونے کے بعد غیر مسلموں نے ایک دوسرے کو تنقید کا نشانہ بنایا کہ انہوں نے نماز پڑھتے ہوئے مسلمانوں پر حملہ نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد باب 4 النساء آیت 102 نازل کی جس میں خوف کی نماز پر بحث کی گئی ہے۔

"اور جب آپ ان کے درمیان ہوں اور ان کی نماز پڑھائیں تو ان میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہو اور وہ اپنے ہتھیار اٹھائے اور جب وہ سجدہ کر لیں تو وہ آپ کے پیچھے ہوں اور دوسرے گروہ کو آگے آنے دیں جنہوں نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی اور وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں، احتیاط برتتے ہوئے اور جو چاہتے ہیں کہ آپ کے ہتھیار اٹھائے جائیں اور وہ آپ سے دستبردار ہو جائیں۔ تمہارا سامان اس لیے کہ وہ تم پر ایک ہی حملے میں اتریں، لیکن اگر تم بارش سے پریشان ہو یا بیمار ہو، تو تم پر کوئی گناہ نہیں، لیکن احتیاط کرو، بے شک اللہ نے کافروں کے لیے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اس پر امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ، اصباب النزول، 4:102، صفحہ 62 میں بحث کی گئی ہے۔

یاد رہے کہ ایسی خطرناک حالت میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرض نماز کو منسوخ نہیں کیا، صرف اس میں ترمیم کی ہے۔ پس یہ واقعہ فرض نمازوں کے قیام کی اہمیت پر دلالت کرتا ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2618 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ فرض نمازوں کو چھوڑنا ایمان اور کفر میں فرق ہے۔

اس دن اور عمر میں یہ بہت عام ہو گیا ہے۔ بہت سے لوگ معمولی وجوہات کی بنا پر اپنی فرض نمازیں ترک کر دیتے ہیں جو کہ بلاشبہ رد ہیں۔ اگر جنگ کرنے والے پر نماز کی فرضیت ختم نہیں ہوئی تو کسی اور سے کیسے ہٹائی جائے گی؟ باب 4 النساء، آیت 102:

’’اور جب تم ان کے درمیان ہو اور ان کی امامت کرو تو ان میں سے ایک گروہ تمہارے ساتھ کھڑا ہو اور وہ اپنے ہتھیار اٹھائے اور جب وہ سجدہ کر لیں تو وہ تمہارے پیچھے ہوں اور دوسرے گروہ کو آگے آنے دیں جنہوں نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی ہے اور وہ احتیاط کرتے ہوئے اور اپنے ہتھیار اٹھائے ہوئے تمہارے ساتھ نماز پڑھیں۔‘‘

نہ مسافر اور نہ بیمار اپنی فرض نمازوں سے مستثنیٰ ہیں۔ مسافر کو بعض فرض نمازوں میں چکروں کی مقدار کو کم کرنے کی تلقین کی گئی ہے تاکہ ان پر بوجھ کم ہو جائے لیکن وہ ان کی ادائیگی سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ باب 4 النساء، آیت 101:

‘‘...اور جب تم پورے ملک میں سفر کرتے ہو تو تم پر نماز قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں’’

بیماروں کو خشک وضو کرنے کی تلقین کی گئی ہے اگر پانی سے رابطہ انہیں نقصان پہنچاتا ہے۔ باب المائدۃ، آیت 5 6:

”لیکن اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کی جگہ سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے رابطہ کیا ہو اور پانی نہ ملے تو صاف زمین تلاش کرو اور اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو۔“

اس کے علاوہ بیمار فرض نماز اس طریقے سے ادا کرسکتے ہیں جو ان کے لیے آسان ہو۔ یعنی اگر کھڑے نہیں ہو سکتے تو بیٹھ سکتے ہیں اور اگر بیٹھ نہیں سکتے تو لیٹ کر فرض نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 372 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ لیکن پھر یہ کہ بیمار کو مکمل رعایت نہیں دی جاتی جب تک کہ کوئی ذہنی مریض نہ ہو جو اسے نماز کی فرضیت کو سمجھنے سے روکتا ہو۔

دوسرا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ بعض مسلمان اپنی فرض نمازوں میں تاخیر کرتے ہیں اور صحیح اوقات سے زیادہ پڑھتے ہیں۔ یہ قرآن کریم سے واضح طور پر متصادم ہے کیونکہ مومنین کو اپنی فرض نمازیں وقت پر ادا کرنے والے کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ باب 4 النساء، آیت 103:

“بے شک نماز مومنوں پر مقررہ اوقات کے لیے فرض کی گئی ہے۔”

بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ قرآن کریم کی درج ذیل آیت سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی فرض نمازوں میں بلاوجہ تاخیر کرتے ہیں۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 10، صفحہ 603-604 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ باب 107 المعون، آیات 4-5:

"پس خرابی ہے ان نمازیوں کے لیے، جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔"

یہاں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ان لوگوں پر لعنت فرمائی ہے جنہوں نے اس بری صفت کو اختیار کیا ہے۔ اگر کوئی اللہ کی رحمت سے دور ہو جائے تو اس دنیا یا آخرت میں کامیابی کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 512 میں موجود ایک حدیث میں فرمایا کہ فرض نماز میں بلا ضرورت تاخیر کرنا نفاق کی علامت ہے۔ قرآن کریم نے واضح کیا ہے کہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی ایک بڑی وجہ فرض نمازوں کو قائم نہ کرنا ہے۔ باب 74 المدثر، آیات 42-43:

]اور ان سے پوچھنا" [تمہیں کس چیز نے سقر میں ڈالا؟ "وہ کہیں گے" :ہم نماز پڑھنے والوں میں" "سے نہیں تھے۔

فرض نمازوں کا ترک کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2621 میں موجود حدیث میں اعلان فرمایا کہ جس نے یہ گناہ کیا اس نے اسلام سے کفر کیا۔

اس کے علاوہ کوئی اور نیک عمل کسی مسلمان کو اس وقت تک فائدہ نہیں دے گا جب تک کہ اس کی فرض نمازیں قائم نہ ہوں۔ صحیح بخاری نمبر 553 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر عصر کی فرض نماز چھوٹ جائے تو اس کے نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ اگر

ایک فرض نماز کے ترک کرنے کا یہ حال ہے تو کیا ان سب کو چھوڑنے کی سزا کا تصور کیا جا سکتا ہے؟

صحیح مسلم کی حدیث نمبر 252 میں فرض نمازوں کو ان کے صحیح اوقات میں پڑھنے کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین اعمال میں سے ایک ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ فرض نمازوں میں وقت سے زیادہ تاخیر کرنا یا ان کو مکمل طور پر غائب کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ کام ہے۔

تمام بزرگوں کے لیے یہ ایک اہم فریضہ ہے کہ وہ اپنے زیر کفالت بچوں کو چھوٹی عمر سے ہی فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دیں تاکہ وہ ان پر شرعی طور پر پابند ہونے سے پہلے ہی اسے قائم کر لیں۔ وہ بالغ جو اس میں تاخیر کرتے ہیں اور بچوں کے بڑے ہونے تک انتظار کرتے ہیں اس انتہائی اہم فریضے میں ناکام رہے ہیں۔ جن بچوں کو صرف فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دی گئی تھی جب یہ ان پر فرض ہو گئی تھی، وہ بہت کم ہی انہیں جلدی قائم کرتے تھے۔ زیادہ تر معاملات میں اس اہم فرض کو صحیح طریقے سے نبھانے میں انہیں برسوں لگ جاتے ہیں۔ اور قصور خاندان کے بزرگوں پر، خاص طور پر والدین پر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 495 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت کی ہے کہ خاندان سب سے زیادہ اپنے بچوں کو جب سات سال کے ہو جائیں تو فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

ایک اور بڑا مسئلہ جس کا بہت سے مسلمانوں کو سامنا ہے وہ یہ ہے کہ وہ فرض نماز تو ادا کر سکتے ہیں لیکن صحیح طریقے سے ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر، بہت سے لوگ نماز کے مراحل کو صحیح طریقے سے مکمل نہیں کر پاتے اور اس کے بجائے اس میں جلدی کرتے ہیں۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 757 میں موجود ایک حدیث واضح طور پر تنبیہ کرتی ہے کہ اس طرح کی نماز پڑھنے والے نے بالکل نماز نہیں پڑھی۔ یعنی ان کا ذکر اس شخص کے طور پر نہیں ہے جس نے اپنی نماز پڑھی اور اس وجہ سے ان کی ذمہ داری پوری نہیں ہوئی۔ جامع ترمذی نمبر 265 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص نماز کے ہر مقام پر قائم نہیں رہتا اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں رکوع اور سجدہ نہ کرنے والے کو بدترین چور قرار دیا۔ موطا مالک، کتاب نمبر 9، حدیث نمبر 75 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے۔ بدقسمتی سے بہت سے مسلمان جنہوں نے کئی دہائیاں فرض اور اس جیسی بہت سی نفلی نمازیں ادا کی ہیں، ان میں سے کسی نے بھی شمار نہیں کیا اور اس طرح ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے گا جس نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر 1313 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

قرآن پاک عام طور پر مسجد میں جماعت کے ساتھ فرض نماز ادا کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 43:

''اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔''

درحقیقت اس آیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی بنا پر بعض معتبر علماء نے اس کو مسلمان مردوں پر واجب قرار دیا ہے۔ مثال کے طور پر سنن ابوداؤد نمبر 550 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ جو مسلمان اپنی فرض نمازیں مسجد میں باجماعت ادا نہیں کریں گے انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے منافق قرار دیا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مردوں کے گھروں کو جلانے کی دھمکی بھی دی تھی جو بغیر کسی عذر کے باجماعت مسجد میں اپنی فرض نمازیں ادا کرنے میں ناکام رہے تھے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 1482 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ جو مسلمان اس اہم عمل کو انجام دینے کی پوزیشن میں ہوں وہ کریں۔ انہیں یہ دعویٰ کرنے میں خود کو بیوقوف نہیں بنانا چاہئے کہ وہ دوسرے نیک کام انجام دے رہے ہیں جیسے کہ گھر کے کاموں میں اپنے خاندان کی مدد کرنا۔ یوں تو صحیح بخاری نمبر 676 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے، لیکن ضروری ہے کہ آپ کی روایات کی اہمیت کو اپنی خواہشات کے مطابق ترتیب نہ دیا جائے۔ جو کوئی ایسا کرتا ہے وہ اس کی روایات کی پیروی نہیں کر رہا ہے وہ صرف اپنی خواہشات کی پیروی کر رہا

ہے خواہ وہ نیک عمل ہی کیوں نہ کر رہا ہو۔ درحقیقت اسی حدیث کا اختتام اس نصیحت سے ہوتا ہے کہ جب فرض نماز کا وقت ہوتا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد کی طرف روانہ ہوتے۔

فرض نمازوں کا قیام قرآن پاک میں اکثر دہرایا گیا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کا سب سے اہم عملی ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ، جیسا کہ روزانہ کی نمازیں تمام پھیلی ہوئی ہیں، یہ روزِ قیامت کی مستقل یاد دہانی کے طور پر کام کرتی ہیں اور عملی طور پر اس کی تیاری کرتی ہیں، کیونکہ فرض نماز کا ہر مرحلہ قیامت سے جڑا ہوا ہے۔ جب کوئی صحیح معنوں میں کھڑا ہوتا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح کھڑا ہوتا ہے۔ باب 83 المطففین، آیات 4-6:

"کیا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے، ایک عظیم دن کے لیے جس دن انسان رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے؟"

جب وہ جھکتے ہیں، تو یہ انہیں بہت سے لوگوں کی یاد دلاتا ہے جن پر قیامت کے دن تنقید کی جائے گی کہ انہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ نہ کیا۔ باب 77 المرسلات، آیت 48:

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رکوع کرو تو وہ رکوع نہیں کرتے۔

اس تنقید میں زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو عملی طور پر تسلیم نہ کرنا بھی شامل ہے۔ جب کوئی نماز میں سجدہ کرتا ہے تو یہ انہیں یاد دلاتا ہے کہ کس طرح لوگوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے کی دعوت دی جائے گی۔ لیکن وہ لوگ جنہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے

دوران اسے صحیح طریقے سے سجدہ نہیں کیا، جس میں ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اس کی اطاعت شامل ہے، وہ قیامت کے دن ایسا نہیں کر سکیں گے۔ باب 68 القلم، آیات 42-43:

"جس دن حالات سنگین ہو جائیں گے، انہیں سجدہ کرنے کی دعوت دی جائے گی، لیکن ایسا کرنے سے روکا جائے گا، ان کی نظریں جھکی ہوئی ہوں گی، ذلت ان پر چھائی ہوئی ہے، اور انہیں سجدے کی طرف بلایا جاتا تھا جب وہ ٹھیک تھے۔"

جب کوئی نماز میں گھٹنوں کے بل بیٹھتا ہے تو یہ انہیں یاد دلاتا ہے کہ وہ کس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے آخری فیصلے سے ڈرتے ہوئے اس مقام پر بیٹھے ہوں گے۔ باب 45 الجثیہ، آیت 28:

اور تم ہر امت کو گھٹنے ٹیکتے ہوئے دیکھو گے اور ہر قوم کو اس کے اعمال نامے کی طرف بلایا جائے گا کہ آج تمہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

جو ان عناصر کو ذہن میں رکھ کر نماز پڑھے گا وہ اپنی نماز کو صحیح طور پر قائم کرے گا۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ نماز کے درمیان خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ باب 29 العنکبوت، آیت 45:

"...بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے"

اس اطاعت میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو راضی کرنے کے طریقے سے عطا کی گئی ہیں جیسا کہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

مشکلات کا سامنا کرنا

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ زیارت کے لیے نکلے تو آپ کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بعد اس گروہ کو حکم دیا کہ وہ مکہ کے لیے ایک متبادل راستہ اختیار کرے جو کچا اور انتہائی خطرناک تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 224 میں بحث ہوئی ہے اور صحیح بخاری نمبر 2731-2732 میں موجود احادیث میں درج ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ادب المفرد نمبر 492 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مسلمان کو کسی قسم کی جسمانی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا، خواہ اس کی جسامت کتنی ہی کیوں نہ ہو، جیسے کانٹا چبھنا، یا کسی قسم کی جذباتی پریشانی جیسے کہ تناؤ، سوائے اللہ تعالیٰ کے اس لیے کہ اس کی عظمت کو ختم کرنے والا ہے۔

اس سے مراد چھوٹے گناہ ہیں کیونکہ بڑے گناہوں کے لیے سچی توبہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ نتیجہ اس وقت ہوتا ہے جب ایک مسلمان مشکل کے آغاز سے اپنی زندگی کے آخر تک صبر کرتا ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کیونکہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ابتدائی طور پر شکایت کر سکتے ہیں اور اس کے بعد صبر کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ یہ سچا صبر نہیں ہے بلکہ یہ صرف قبولیت ہے جو وقت گزرنے کے ساتھ ہوتا ہے۔ سنن نسائی نمبر 1870 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ زندگی بھر صبر کا مظاہرہ کرنا ضروری ہے کیونکہ انسان بے صبری کا مظاہرہ کر کے اپنے اجر کو ختم کر سکتا ہے۔

ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ اس کے چھوٹے گناہ ان مشکلات سے مٹ جائیں پھر ان کے پاس رہتے ہوئے قیامت تک پہنچ جائیں۔ ایک مسلمان کو اپنے چھوٹے گناہوں کو مٹانے کے لیے مسلسل توبہ اور عمل صالح کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور اگر ان کو کوئی جسمانی یا

جذباتی دشواری پیش آئے تو ان کو صبر کرنا چاہیے کہ ان کے چھوٹے گناہوں کے مٹ جانے اور بے شمار ثواب حاصل کرنے کی امید رکھیں۔ باب 39 از زمر، آیت 10:

"بے شک، مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا]یعنی حد[..."

اچھی چیزوں کو قبول کرنا

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ زیارت کے لیے نکلے تو آپ کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ بالآخر جب وہ حدیبیہ کے قریب پہنچے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی اور آگے جانے سے انکار کر دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سمجھا کہ مکہ کی طرف آگے بڑھنے کے بجائے اس علاقے میں رہنا ہی ان کے لیے بہتر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا اور اعلان کیا کہ مکہ کے غیر مسلم قائدین نے اس دن آپ سے جو بھی درخواست کی ہے اسے قبول کریں گے بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف نہ ہو۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 224 میں بحث ہوئی ہے اور صحیح بخاری نمبر 2731-2732 میں موجود احادیث میں درج ہے۔

یہ واقعہ ان معاملات میں ضد سے بچنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے منافی نہیں ہیں۔

بعض دنیوی معاملات میں ہٹ دھرمی اختیار کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے کردار میں بہتری نہیں لاتے۔ اس کے بجائے، وہ اپنے رویے پر ثابت قدم رہتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ یہ کسی نہ کسی طرح ان کی عظیم طاقت اور دانشمندی کی علامت ہے۔ ایمان کے معاملات میں ثابت قدمی ایک قابل تعریف رویہ ہے لیکن اکثر دنیاوی معاملات میں اسے صرف ضد کہا جاتا ہے جو کہ قابل ملامت ہے۔

بدقسمتی سے، کچھ کا خیال ہے کہ اگر وہ اپنا رویہ بدلتے ہیں تو یہ کمزوری کو ظاہر کرتا ہے یا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنی غلطی تسلیم کر رہے ہیں اور اس وجہ سے وہ ضد کے ساتھ بہتر کے لیے تبدیل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ بالغ لوگ یہ مان کر نادان بچوں کی طرح برتاؤ کرتے ہیں کہ اگر وہ

اپنا رویہ بدل لیتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ہار گئے ہیں جبکہ دوسرے جو اپنے رویے پر ثابت قدم رہتے ہیں وہ جیت گئے ہیں۔ یہ محض بچگانہ ہے۔

درحقیقت ایک ذہین آدمی ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہے گا لیکن دنیاوی معاملات میں جب تک گناہ نہ ہو اپنی زندگی کو آسان بنانے کے لیے اپنا رویہ بدلے گا۔ لہٰذا اپنی زندگی کو سنوارنے کے لیے بدلنا کمزوری کی علامت نہیں بلکہ دراصل ذہانت کی علامت ہے۔

بہت سے معاملات میں، ایک شخص اپنا رویہ تبدیل کرنے سے انکار کرتا ہے اور اپنی زندگی میں دوسروں سے توقع کرتا ہے کہ وہ اپنا رویہ بدلیں، جیسے کہ ان کے رشتہ دار۔ لیکن جو اکثر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ضد کی وجہ سے سب ایک ہی حالت میں رہتے ہیں جس سے باقاعدہ اختلاف اور جھگڑے ہی ہوتے ہیں۔ ایک عقلمند شخص یہ سمجھتا ہے کہ اگر اس کے ارد گرد کے لوگ اس سے بہتر نہیں ہوتے جو ان کی ضرورت سے بہتر ہوتی ہے۔ یہ تبدیلی ان کی زندگی کے معیار اور دوسروں کے ساتھ ان کے تعلقات کو بہتر بنائے گی جو لوگوں کے ساتھ سرکلر بحث کرنے سے کہیں بہتر ہے۔ یہ مثبت رویہ بالآخر دوسروں کو ان کا احترام کرنے کا سبب بنے گا کیونکہ کسی کے کردار کو بہتر بنانے کے لیے حقیقی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔

جو لوگ ضدی رہتے ہیں وہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ ناراض پاتے ہیں جس سے ان کی زندگی سے سکون ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں مزید مشکلات پیدا ہوں گی، جیسے کہ ان کی ذہنی صحت۔ لیکن جو لوگ بہتر کے لیے اپناتے اور بدلتے ہیں وہ ہمیشہ امن کے ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتے ہیں۔ اگر کوئی یہ امن حاصل کر لیتا ہے تو کیا اس سے واقعی کوئی فرق پڑتا ہے اگر دوسرے یہ مانتے ہیں کہ وہ صرف اس لیے بدل گئے کہ وہ غلط تھے؟

آخر میں قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر ثابت قدم رہنا قابل تعریف ہے۔ لیکن دنیاوی معاملات میں اور ایسے معاملات میں جہاں کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو انسان کو اپنا رویہ بدلنا سیکھنا چاہیے تاکہ وہ اس دنیا میں سکون حاصل کر سکے۔

تقویٰ کے لیے آزمایا

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ زیارت کے لیے نکلے تو غیر مسلموں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور نتیجتاً انہوں نے مکہ کے قریب حدیبیہ میں پڑاؤ ڈال لیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 224 میں بحث ہوئی ہے اور صحیح بخاری نمبر 2731-2732 میں موجود احادیث میں درج ہے۔

اس دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مکہ کے غیر مسلموں کے قائدین کو چاہئے کہ وہ اللہ کے حضور اپنی شرارتوں سے باز آجائیں، اس شخص کو بھیجا جو اسلام کی حمایت میں گردنیں مارے اور جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے آزمایا ہو۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ وہ کس کی طرف اشارہ کر رہے ہیں تو انہوں نے علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا۔ اس پر امام محمد السلآبی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 173 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2451 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مسلمان اس وقت تک متقی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ کسی ایسی چیز سے اجتناب نہ کرے جو اس کے دین کے لیے نقصان دہ نہ ہو، اس احتیاط کے ساتھ کہ وہ نقصان دہ چیز کی طرف لے جائے گا۔

تقویٰ کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لانا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنا اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا ہے۔ اس میں لوگوں کے حقوق کو پورا کرنا بھی شامل ہے، جس میں دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا شامل ہے جیسا کہ کوئی شخص لوگوں کے ساتھ سلوک کرنا چاہتا ہے۔

تقویٰ کا ایک پہلو ان چیزوں سے بچنا ہے جو مشتبہ ہوں نہ کہ حرام۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشتبہ چیزیں ایک مسلمان کو حرام سے ایک قدم آگے لے جاتی ہیں۔ حرام کے جتنا قریب ہے اس میں پڑنا اتنا ہی آسان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 1205 میں موجود حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ جو شخص حرام اور مشتبہ چیزوں سے بچتا ہے اور صرف حلال چیزوں کو استعمال کرتا ہے وہ اپنے دین اور عزت کی حفاظت کرے گا۔

اگر معاشرے میں گمراہی کا شکار ہونے والوں کا مشاہدہ کیا جائے تو اکثر صورتوں میں یہ اچانک نہیں بلکہ بتدریج ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حرام میں پڑنے سے پہلے وہ شخص پہلے مشکوک چیزوں میں ملوث ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اپنی زندگی میں غیر ضروری اور فضول چیزوں سے بچنے کی ضرورت پر زور دیتا ہے کیونکہ وہ انہیں حرام کی طرف لے جا سکتی ہیں۔ مثلاً فضول اور فضول ،کلام کے معنی، ایسی بات جس سے نہ کوئی فائدہ ہو اور نہ ہی گناہ، اکثر بد کلامی کا باعث بنتا ہے جیسے غیبت، جھوٹ اور غیبت۔ اگر کوئی شخص لغو باتوں میں مبتلا نہ ہو کر پہلے قدم سے بچتا ہے تو وہ بری بات سے بچتا ہے۔ یہ عمل ان تمام چیزوں پر لاگو کیا جا سکتا ہے جو فضول، غیر ضروری اور خاص طور پر مشکوک ہوں۔ اس لیے ایک مسلمان کو تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے، جس کی ایک شاخ یہ ہے کہ باطل اور مشتبہ چیزوں سے اس خوف سے بچیں کہ وہ حرام کی طرف لے جائیں گے۔

خیر سگالی

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ زیارت کے لیے نکلے تو غیر مسلموں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور نتیجتاً انہوں نے مکہ کے قریب حدیبیہ میں پڑاؤ ڈال لیا۔ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے 40 سے 50 آدمیوں کو روانہ کیا جنہوں نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو پکڑنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیمپ کا گھیراؤ کیا۔ لیکن اس قوت کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پکڑ لیا اور انہیں قیدی بنا کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا۔ سزا دینے کے بجائے اس نے انہیں معاف کر دیا اور سب کو آزاد کر دیا۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتح آیت 24 نازل فرمائی:

"اور وہی ہے جس نے مکہ کے اندر ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روکے اس کے بعد کہ اس نے تم کو ان پر غالب کر دیا اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔"

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 227 میں بحث کی گئی ہے۔

ان کو سزا دینے سے دونوں فریقوں کے درمیان کشیدگی میں اضافہ ہوتا جس کی وجہ سے لڑائی اور دونوں طرف جانی نقصان ہو سکتا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے روکا کیونکہ آپ ہمیشہ دونوں فریقوں کے درمیان صلح چاہتے تھے۔ عام طور پر، یہ ایسے اقدامات کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے جو لوگوں کے درمیان مفاہمت کا باعث بنتے ہیں بجائے اس کے کہ ایسے اقدامات جو لوگوں کے درمیان تعلقات کو توڑ دیں۔ ایک مسلمان کو ضرورت پڑنے پر اپنے دفاع سے نہیں ڈرنا چاہیے بلکہ اس کا بنیادی رویہ لوگوں کے درمیان صلح اور امن کا ہونا چاہیے۔

ایمان میں متحد

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ زیارت کے لیے نکلے تو غیر مسلموں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور نتیجتاً انہوں نے مکہ کے قریب حدیبیہ میں پڑاؤ ڈال لیا۔ مکہ کے غیر مسلموں کے قائدین نے مختلف لوگوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کرنے کے لیے روانہ کیا تاکہ آپ کے مکہ آنے کے محرکات معلوم کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو بتایا کہ وہ صرف سلامتی کے ساتھ زیارت)عمرہ (کرنا چاہتے ہیں۔ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کی طرف سے بھیجے گئے ان آدمیوں میں سے ایک عروہ بن مسعود تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور قبیلہ، نسل اور سماجی طبقے کے لحاظ سے ان میں کتنا فرق تھا، آپ نے یہ تبصرہ کیا کہ اگر مکہ کے غیر مسلموں نے ان پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرار ہو جائیں گے۔ عروہ کا عقیدہ تھا کہ صرف وہی لوگ ہوں گے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں گے اور لڑیں گے، ان کے اپنے قبیلے کے لوگ ہوں گے۔ وہ اور بہت سے دوسرے لوگ اس بات پر یقین رکھتے تھے کیونکہ قبائلی وابستگی ان کے لیے سب کچھ تھی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 226 میں بحث ہوئی ہے اور صحیح بخاری نمبر 2731-2732 میں موجود احادیث میں درج ہے۔

یہ واقعہ ایمان کی بنیاد پر بندھنوں کی تشکیل کی اہمیت اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی دیگر تمام بندھنوں پر نشاندہی کرتا ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگ منقسم ہو جاتے ہیں اور وہ مضبوط تعلق کھو دیتے ہیں جو کبھی ایک دوسرے کے ساتھ تھا۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں لیکن ایک بڑا سبب وہ بنیاد ہے جس پر ان کے والدین اور رشتہ داروں نے ان کا تعلق قائم کیا تھا۔ یہ عام طور پر جانا جاتا ہے کہ جب عمارت کی بنیاد کمزور ہوتی ہے تو عمارت یا تو وقت کے ساتھ خراب ہوجاتی ہے یا گر جاتی ہے۔ اسی طرح جب لوگوں کو آپس میں جوڑنے والے بانڈز کی بنیادیں درست نہیں ہوتیں تو ان کے درمیان بندھن بالآخر کمزور یا ٹوٹ جاتا ہے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے درمیان رشتہ جوڑ

دیا۔ جبکہ آج زیادہ تر مسلمان قبائلیت، بھائی چارے اور دوسرے خاندانوں کو دکھانے کے لیے لوگوں کو اکٹھا کرتے ہیں۔ اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی اکثریت آپس میں باہم تعلق نہیں رکھتی تھی لیکن چونکہ ان کو جوڑنے والے بندھنوں کی بنیاد صحیح تھی یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے رشتے مضبوط سے مضبوط ہوتے گئے۔ جبکہ آج کل بہت سے مسلمان خون کے رشتے میں ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ الگ ہو گئے ہیں کیونکہ ان کے رشتوں کی بنیاد باطل یعنی قبائلیت اور اسی طرح کی چیزوں پر تھی۔

مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگر رشتہ داریوں اور غیر رشتہ داروں کے حقوق کی پاسداری کے اہم فریضے کو ادا کرنے کے لیے اپنے بندھنوں کو قائم رکھنے اور اجر کمانے کی خواہش رکھتے ہیں تو انھیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے رشتہ جوڑنا چاہیے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ لوگ صرف ایک دوسرے سے جڑیں اور ایک دوسرے کے ساتھ اس طریقے سے کام کریں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو۔ قرآن پاک میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

سچا پیار دکھانا

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ زیارت کے لیے نکلے تو غیر مسلموں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور نتیجتاً انہوں نے مکہ کے قریب حدیبیہ میں پڑاؤ ڈال لیا۔ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے مختلف لوگوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کرنے کے لیے بھیجا۔ ان میں سے ایک عروہ بن مسعود بھی تھے۔ عروہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے پناہ محبت کا مشاہدہ کیا۔ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے پاس واپس آنے کے بعد اس نے اعلان کیا کہ جب بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو کریں گے تو آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ان کے استعمال کے پانی کے لیے مقابلہ کریں گے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تھوک دیتے تو اسے زمین پر گرنے سے روک دیتے۔ اور وہ اس کے بالوں کا مقابلہ کریں گے اگر وہ اس سے گرے۔ اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ اس نے فارس کے بادشاہ چسرو، رومی بادشاہ، قیصر اور حتیٰ کہ حبشی بادشاہ نجاشی کی بھی زیارت کی اور ان کا مشاہدہ کیا، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کی عقیدت اور محبت کبھی نہیں دیکھی، جو اپنے قائد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھی۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 3، صفحہ 226-227 میں بحث ہوئی ہے اور صحیح بخاری، نمبر 2731-2732 میں موجود احادیث میں درج ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عملاً عمل کر کے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی محبت کا ثبوت دیا۔

ہر مسلمان کھلے عام اعلان کرتا ہے کہ وہ آخرت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت کا خواہش مند ہے۔ وہ اکثر صحیح بخاری نمبر 3688 میں پائی جانے والی حدیث کا حوالہ دیتے ہیں، جو اس بات کی تلقین کرتی ہے کہ انسان آخرت میں ان کے ساتھ رہے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں سے اپنی محبت کا کھلم کھلا اعلان کرتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہ اس نتیجہ کی خواہش کیسے کرتے ہیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، پھر بھی انہیں بمشکل جانتے ہیں کیونکہ وہ آپ کی سیرت، کردار اور تعلیمات کا مطالعہ

کرنے میں مصروف ہیں۔ یہ بے وقوفی کی بات ہے کہ کوئی کسی سے سچی محبت کیسے کر سکتا ہے جسے وہ جانتا تک نہیں ہے۔

اس کے علاوہ جب ان لوگوں سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا ثبوت پوچھا جائے گا تو قیامت کے دن کیا کہیں گے؟ وہ کیا پیش کریں گے؟ اس اعلان کا ثبوت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت، کردار اور تعلیمات کا مطالعہ اور ان پر عمل کرنا ہے۔ اس دلیل کے بغیر اعلان اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا۔ یہ بالکل واضح ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہتر اسلام کو کسی نے نہیں سمجھا اور ان کا یہ رویہ نہیں تھا۔ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا اعلان کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر عمل کے ذریعے اپنے دعوے کی تائید کی۔ اس لیے وہ آخرت میں اس کے ساتھ ہوں گے۔

جو لوگ یہ مانتے ہیں کہ محبت دل میں ہوتی ہے اور اسے عمل سے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی وہ اتنا ہی بے وقوف ہے جتنا وہ طالب علم جو امتحان کا خالی پرچہ اپنے استاد کو دے کر دعویٰ کرتا ہے کہ علم ان کے دماغ میں ہے اس لیے انہیں عملی طور پر اسے کاغذ پر لکھنے کی ضرورت نہیں ہے اور پھر بھی پاس ہونے کی امید رکھتا ہے۔

ایسا سلوک کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے محبت نہیں کرتا، صرف اپنی خواہشات رکھتا ہے اور بلاشبہ انہیں شیطان نے دھوکا دیا ہے۔

آخر میں یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ناکام رہے وہ یقیناً قیامت کے دن ان کے ساتھ نہیں ہوں گے۔ اگر کوئی ایک لمحے کے لیے اس حقیقت پر غور کرے تو یہ بالکل واضح ہے۔

لچکدار ہونا

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ زیارت کے لیے نکلے تو غیر مسلموں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور نتیجتاً انہوں نے مکہ کے قریب حدیبیہ میں پڑاؤ ڈال لیا۔ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے مختلف لوگوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کرنے کے لیے بھیجا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر سفیر کے ساتھ ان کی ذہنیت کے مطابق سلوک کیا، اسلام کی تعلیمات پر سمجھوتہ کیے بغیر، انہیں اس کی نیت ظاہر کرنے اور انہیں یہ باور کرانے کے لیے کہ آخرکار اسلام مکہ کے غیر مسلموں پر غالب آئے گا۔ ان میں سے ہر ایک سفیر مکہ کے غیر مسلموں کو یہ تنبیہ کرتے ہوئے واپس لوٹے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ میں داخل ہونے سے نہ روکیں اور نہ ہی آپ کو جنگ پر اکسائیں۔ مثال کے طور پر حلیس جو حبشیوں کے سرداروں میں سے تھے، کو مکہ کے غیر مسلموں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے کہ حلیس اُس زمانے کے عبادات بالخصوص حج اور عمرہ کی مناسک سے سرشار آدمی تھے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کے جانوروں کو اپنے سامنے سے نکالنے کا حکم دیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ اللہ عزوجل کی رضا کے ساتھ قربانی کے جانوروں کو باہر نکال دیں۔)عمرہ (زور سے۔ جب حلیس نے یہ دیکھا تو عربوں کی رسومات سے اس کی انتہائی عقیدت نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے سے پہلے ہی مکہ کے غیر مسلموں کے پاس واپس آ گیا اور یہ مطالبہ کیا کہ وہ اسے مکہ میں داخل ہونے دیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 226-227 میں بحث کی گئی ہے، یہ ،صحیح بخاری، نمبر 2731-2732 میں موجود احادیث میں درج ہے اور امام محمد السلبی کی کتاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نوبل زندگی، جلد 1-510، صفحہ 1510 میں درج ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے دکھایا گیا یہ موافقت پسندانہ طرز عمل اپنانا بہت ضروری ہے کیونکہ کسی کے رویے میں ضدی ہونا ہی بہت سے تنازعات اور مسائل کو جنم دیتا ہے۔ ایک مسلمان کو اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم رہنا چاہیے اور ان میں تضاد سے گریز کرنا چاہیے۔ لیکن ایسی صورتوں میں جہاں کسی کے رویے کو اپنانا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا باعث نہیں بنتا، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے اور دوسروں کے فائدے کے لیے اپنے طرز عمل کو ڈھال لے۔ یہ اسی طرح ہے جب لوگ نئی ٹیکنالوجی کا استعمال کرتے ہیں جو ان کی زندگیوں کو بہتر بناتی ہے جب تک کہ یہ اسلام کی تعلیمات سے متصادم نہ ہو، جیسے کہ جانوروں کی بجائے گاڑی کو نقل و حمل کے لیے استعمال کرنا۔

عجلت میں برتاؤ سے گریز کرنا

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ زیارت کے لیے نکلے تو غیر مسلموں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور نتیجتاً انہوں نے مکہ کے قریب حدیبیہ میں پڑاؤ ڈال لیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خراش ابن امیہ رضی اللہ عنہ کو مکہ کے غیر مسلموں کے لیے اپنا سفیر بنا کر روانہ کیا تاکہ انہیں اپنے ارادے سے آگاہ کیا جا سکے۔ جب خراش رضی اللہ عنہ مکہ میں داخل ہوئے تو غیر مسلموں نے فوراً اس پر حملہ کر دیا اور اس کی اونٹنی کو مار ڈالا اور اسے قتل کرنے ہی والے تھے کہ مکہ کے غیر مسلموں کے سفیر حلیس نے جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا گیا تھا، اس سے پہلے اور اس کے قبائلیوں نے مداخلت کی۔ خراش رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس واپس آئے، لیکن مؤخر الذکر نے ایک سفیر کو قتل کرنے کی ان کی خیانت کے خلاف عجلت سے کام نہیں لیا، جس کو عام طور پر حرام سمجھا جاتا تھا، اور اس کے بجائے دوسرے سفیر کو بھیجنا چاہا۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب حیاتِ نبوی، جلد 3، صفحہ 227 اور امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی کی زندگی، جلد 1، صفحہ 1509-1510 میں بحث کی گئی ہے۔

عجلت میں کام کرنے کے نتیجے میں بہت سے لوگوں کی موت واقع ہو جاتی، جس چیز کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبر کرنے سے گریز کرتے تھے۔

جامع ترمذی نمبر 2012 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ غور و فکر کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جب کہ جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔

یہ سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے ایک انتہائی اہم تعلیم ہے، کیونکہ جو مسلمان بہت زیادہ نیک اعمال انجام دیتے ہیں وہ انہیں جلد بازی سے تباہ کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر، وہ غصے میں

کچھ برے الفاظ کہہ سکتے ہیں جس کی وجہ سے وہ قیامت کے دن جہنم میں جا سکتے ہیں۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 2314 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

زیادہ تر گناہ اور مشکلات، جیسے دلائل، اس لیے پیش آتے ہیں کہ لوگ چیزوں کو سوچنے میں ناکام رہتے ہیں اور اس کے بجائے عجلت میں کام کرتے ہیں۔ ذہانت کی نشانی یہ ہے کہ جب کوئی بولنے یا عمل کرنے سے پہلے سوچتا ہے اور صرف اس وقت آگے آتا ہے جب وہ جانتا ہو کہ اس کی بات یا عمل دنیاوی اور دینی معاملات میں اچھا اور فائدہ مند ہے۔

اگر چہ ایک مسلمان کو اعمال صالحہ میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے، پھر بھی ان کو انجام دینے سے پہلے غوروفکر کرنا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی نیک عمل کا بدلہ محض اس لیے نہیں ملتا کہ اس کی شرائط اور آداب جلد بازی کی وجہ سے پورے نہ ہوئے ہوں۔ اس سلسلے میں، کسی بھی معاملے میں سوچنے کے بعد ہی آگے بڑھنا چاہیے۔

جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ نہ صرف اپنے گناہوں کو کم کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کرے گا بلکہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں پیش آنے والی مشکلات مثلاً جھگڑے، مشکلات اور اختلاف کو کم کر دے گا۔

لیڈروں کے لیے مخلص ہونا

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ زیارت کے لیے نکلے تو غیر مسلموں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور نتیجتاً انہوں نے مکہ کے قریب حدیبیہ میں پڑاؤ ڈال لیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو مکہ کے غیر مسلموں کے لیے اپنا سفیر بنا کر روانہ کرنا چاہا تاکہ تصادم سے بچا جا سکے اور اپنے پرامن ارادے کو واضح کر سکیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بھیج دیں، کیونکہ ان کے مسلمان ہونے کے بعد سے ان کے ساتھ انتہائی سخت رویے کی وجہ سے غیر مسلم ان سے ناراض تھے۔ اس کے علاوہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ کے رئیسوں سے آسانی سے تحفظ حاصل کر لیتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی سفارش قبول فرمائی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 227 میں بحث کی گئی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس اہم کردار کو بطور سفیر قبول کر سکتے تھے جس سے ان کی برتری واضح ہوتی۔ لیکن اپنے قائد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وفاداری اور خلوص کی بنا پر اس نے اس کردار کے لیے کسی زیادہ موزوں شخص کی سفارش کی۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام معاشرے کے قائدین کے لیے اخلاص ہے۔ اس میں انہیں بہترین مشورے کی پیشکش کرنا اور ان کے اچھے فیصلوں میں کسی بھی ضروری طریقے سے مدد کرنا شامل ہے، جیسے کہ مالی یا جسمانی مدد۔ امام مالک کی موطا، کتاب نمبر 56، حدیث نمبر 20 میں موجود ایک حدیث کے مطابق اس فرض کو ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ باب 4 النساء آیت 59:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے حاکم ہیں..."

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معاشرے کے سربراہان کی اطاعت فرض ہے۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ اطاعت اس وقت تک فرض ہے جب تک کہ کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔ مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں اگر یہ خالق کی نافرمانی کا باعث بنے۔ اس طرح کے معاملات میں لیڈروں کے خلاف بغاوت کرنے سے گریز کیا جانا چاہیے کیونکہ اس سے صرف معصوم لوگوں کا ہی نقصان ہوتا ہے۔ اس کے بجائے قائدین کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق نرمی سے نیکی اور برائی سے منع کرنا چاہیے۔ دوسروں کو اس کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کرنی چاہیے اور ہمیشہ راہنماؤں سے صحیح راستے پر چلنے کی دعا کرنی چاہیے۔ لیڈر سیدھے رہیں گے تو عوام بھی سیدھے رہیں گے۔

لیڈروں کے ساتھ دھوکہ کرنا منافقت کی علامت ہے جس سے ہر وقت بچنا چاہیے۔ اخلاص میں ان معاملات میں ان کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے جو معاشرے کو بھلائی پر اکٹھا کرتے ہیں اور ہر اس چیز سے تنبیہ کرتے ہیں جو معاشرے میں خلل پیدا کرے۔ اسلام میں قائدین کی اندھی وفاداری نہیں ہے، صرف ان چیزوں میں ان کی اطاعت ہے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتی ہیں۔

صراط مستقیم پر قائم رہو

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ زیارت کے لیے نکلے تو غیر مسلموں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور نتیجتاً انہوں نے مکہ کے قریب حدیبیہ میں پڑاؤ ڈال لیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخرکار عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے پاس اپنا سفیر بنا کر روانہ کیا تاکہ انہیں ان کے پرامن ارادے سے آگاہ کیا جا سکے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے یہ پیغام پہنچانے کے بعد آپ کو خانہ کعبہ کا طواف کرنے کی اجازت مل گئی لیکن انہوں نے جواب دیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے میں ایسا کبھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 227 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ ایک اہم خصوصیت ہے کہ قرآن مجید کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر سختی سے عمل پیرا ہوں، بجائے اس کے کہ ہدایت کے ان دو ذرائع سے ہٹ کر کام کریں جن میں دینی علم کے دیگر ذرائع پر عمل کرنا بھی شامل ہے، خواہ اس سے نیک اعمال ہی کیوں نہ ہوں۔ دینی علم کے دوسرے ذرائع پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، خواہ وہ نیکیوں کی طرف لے جائے، وہ ہدایت کے دو ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا، جو کہ گمراہی کا باعث بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ ہر وہ چیز جس کی جڑیں ہدایت کے دو منابع میں نہ ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رد کر دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ، مذہبی علم کے دوسرے ذرائع پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، اتنا ہی وہ ان چیزوں پر عمل کرنے لگے گا جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہیں۔ اس طرح شیطان قدم قدم پر لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، مشکلات کا سامنا کرنے والے شخص کو کچھ ایسی روحانی مشقیں کرنے کا مشورہ دیا جائے گا جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم اور چیلنج ہوں۔ چونکہ یہ شخص جاہل ہے اور اسے دینی علم کے دوسرے ذرائع پر عمل کرنے کی عادت ہے، اس لیے وہ آسانی سے اس جال میں پھنس جائیں گے اور ایسی روحانی مشقیں کرنے لگیں گے جو براہ راست اسلام کی تعلیمات کو چیلنج کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور کائنات کے بارے میں ایسی باتوں پر بھی یقین کرنے لگیں گے جو اسلام کی تعلیمات سے بھی متصادم ہیں، جیسے کہ ماننے والے لوگ یا مافوق الفطرت مخلوق اپنی تقدیر کو کنٹرول کر سکتے ہیں، کیونکہ ان کا علم ہدایت کے دو ذرائع کے علاوہ کسی اور سے لیا گیا ہے۔ ان گمراہ کن طریقوں اور عقائد میں سے کچھ واضح کفر ہیں، جیسے کالا جادو کرنا۔ باب 2 البقرہ آیت 102:

سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا بلکہ شیاطین نے کفر کیا، لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور جو’’ بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر نازل ہوا تھا، لیکن وہ]یعنی دونوں فرشتے [کسی کو نہیں سکھاتے جب تک کہ یہ نہ کہیں کہ "ہم آزمائش ہیں، اس لیے کفر نہ کرو] "جادو کرکے[۔

اس لیے ایک مسلمان اس کا احساس کیے بغیر بھی اپنا ایمان کھو سکتا ہے، کیونکہ انہیں مذہبی علم کے دوسرے ذرائع پر عمل کرنے کی عادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی مذہبی بدعات پر عمل کرنا جن کی جڑیں ہدایت کے دو ذرائع میں نہیں ہیں، شیطان کے نقش قدم پر چلنا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 208:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔"

رضوان کا عہد

بندگی کا عہد

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ زیارت کے لیے نکلے تو غیر مسلموں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور نتیجتاً انہوں نے مکہ کے قریب حدیبیہ میں پڑاؤ ڈال لیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخرکار عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے پاس اپنا سفیر بنا کر روانہ کیا تاکہ انہیں ان کے پرامن ارادے سے آگاہ کیا جا سکے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ پیغام پہنچانے کے بعد انہیں مکہ کے غیر مسلموں نے حراست میں لے لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے عہد لیا کہ جب تک وہ عثمان رضی اللہ عنہ سے انتقام نہیں لیں گے وہ مکہ نہیں چھوڑیں گے کیونکہ وہ نہ صرف غیر مسلح ہو کر مکہ میں داخل ہوئے تھے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر کی حیثیت سے داخل ہوئے تھے۔ سفیروں کے ساتھ ہمیشہ احترام کا سلوک کیا گیا ہے اور انہیں نقصان پہنچانا اعلان جنگ ہے۔ یہ اس دن اور عمر میں بھی سچ ہے۔ بیعت کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے میں رکھا اور فرمایا کہ ان کا ہاتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کی نمائندگی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا عہد کرتا ہے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات نازل کیں، جیسے باب 48 الفتح، آیت 10:

"درحقیقت وہ لوگ جو آپ سے بیعت کرتے ہیں، وہ دراصل اللہ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے، پس جو اس کی بات کو توڑتا ہے وہ اپنے ہی نقصان کے لیے توڑتا ہے، اور جس نے اللہ سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا کرے گا، اللہ اسے بہت بڑا اجر دے گا۔"

اور باب 48 الفتح آیت 18:

یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہوا جب انہوں نے درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی، اور وہ" جانتا تھا کہ ان کے دلوں میں کیا تھا، اس لیے اس نے ان پر اطمینان نازل فرمایا اور انہیں جلد فتح سے نوازا۔"

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 227-228 اور صحیح بخاری نمبر 4066 میں موجود حدیث میں بحث ہوئی ہے۔

انسانیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے گئے عہد کو پورا کریں، جس کا تذکرہ قرآن مجید کی سورۃ الاعراف آیت نمبر 172-173 میں آیا ہے:

اور وہ وقت یاد کرو جب تمہارے رب نے بنی آدم سے ان کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور " ان کو اپنے اوپر گواہ بنایا اور کہا" :کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ "انہوں نے کہا، "ہاں، ہم نے گواہی دی ہے۔) "یہ (کہیں ایسا نہ ہو کہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم اس سے بے خبر تھے، یا یہ کہنے میں صرف ہمارے باپ ہی شریک تھے۔ پہلے اللہ کے ساتھ تھے اور ہم ان کے بعد کی اولاد تھے۔ پھر "کیا تو ہمیں اس کے بدلے میں تباہ کر دے گا جو باطل پرستوں نے کیا ہے؟

تمام انسانوں کو اس لیے پیدا کیا گیا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کر سکیں۔ اس واقعہ کے پیچھے سمجھنے کا سبق یہ ہے کہ تمام لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مان لیا۔ یعنی جس نے ان کو پیدا کیا، وہی ان کو پالے گا اور وہی جو قیامت کے دن ان کے اعمال کا فیصلہ کرے گا۔ تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے

مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے اس عہد کو پورا کریں، تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی اور جسمانی سکون حاصل کریں۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

مرکزی آیت اشارہ کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق سے یہ نہیں پوچھا کہ کیا وہ اس کے بندے ہیں، بلکہ اس نے ان سے پوچھا کہ کیا وہ ان کا رب ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہمیشہ انسان کی مرضی اور خواہش کے سامنے آنی چاہیے۔ اگر کسی مسلمان کے پاس اللہ تعالیٰ یا کسی اور کو راضی کرنے کا انتخاب ہے تو یہ عہد انہیں یاد دلائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے پہلے ہونی چاہیے۔

یہ سوال بھی اللہ تعالیٰ کی لامحدود رحمت کی طرف اشارہ ہے، جیسا کہ اس نے مخلوق کے لیے اس کا جواب لفظی طور پر بیان کیا۔ اس سے مسلمانوں کو ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ ہی رب ہے جو ان کے اعمال کا فیصلہ کرے گا، وہ بے انتہا مہربان بھی ہے۔

اس عہد کا اثر تمام بنی نوع انسان کے دلوں میں گہرا ہے۔ درحقیقت یہی وہ نوعیت ہے جس کی طرف صحیح مسلم نمبر 6755 میں موجود حدیث میں وارد ہوا ہے، اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے سے سوچ سمجھ کر حق کی تلاش نہ کریں اور پھر ایسے شواہد تلاش کریں جو ان کے پہلے سے طے شدہ عقیدہ کی تائید کرتی ہوں۔ صرف وہی لوگ جو پہلے سے طے شدہ فیصلہ کیے بغیر اپنے دماغ کو کھولتے ہیں وہ اس عہد کو کھولیں گے جو ان کے دلوں کی گہرائیوں میں سرایت کر گیا ہے۔ درحقیقت، کھلے ذہن کا ہونا تمام مسائل میں ضروری ہے، نہ کہ صرف ایمان کے معاملات میں، کیونکہ یہ سچائی اور بہترین راستہ تلاش کرنے میں مدد کرتا ہے۔ یہ رویہ معاشرے کو مضبوط کرتا ہے اور ہمیشہ لوگوں کے درمیان امن کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ لیکن

ان لوگوں کی ضد جو اپنے انتخاب کا پہلے سے تعین کرتے ہیں ہمیشہ معاشرے کے ارکان کے درمیان پچر پیدا کرے گا، جو قومی سطح پر لوگوں کو متاثر کر سکتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ یہ نہ مانیں کہ وہ دنیاوی معاملات میں درست ہیں ورنہ وہ یہ ضدی رویہ اپنائیں گے۔ یہ انہیں دوسروں کی رائے کو قبول کرنے سے روکے گا، جس سے جھگڑے، دشمنی اور رشتے ٹوٹ جائیں گے۔ اس لیے اس رویہ سے ہر صورت گریز کرنا چاہیے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ عہد ایک شخص کے دل کی گہرائیوں میں سرایت کرتا ہے اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اس کا پردہ فاش کرنا مسلمانوں کا فرض ہے۔ یہ ایمان کے یقین کی طرف لے جائے گا جو کہ سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر ایمان سے کہیں زیادہ مضبوط ہے، جس کے بارے میں کسی کے گھر والوں کی طرف سے بتایا گیا ہے کہ وہ مسلمان ہیں۔ یقین کا یقین ایک مسلمان کو اپنے دینی اور دنیاوی فرائض کی ادائیگی کے ساتھ اس دنیا میں تمام مشکلات پر کامیابی سے قابو پانے کی اجازت دیتا ہے۔ ایک شخص صرف اپنے ایمان کی کمزوری کی وجہ سے امتحان اور اپنے فرائض میں ناکام ہوتا ہے۔ ایمان کا یقین صرف قرآن کریم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے اندر موجود علم کو حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 53:

”ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ یہ حق ہے“۔

مرکزی آیت کا آخری حصہ بنی نوع انسان کو خبردار کرتا ہے کہ وہ دوسروں کی اندھی تقلید نہ کریں۔ لوگوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ جو ذہانت دی گئی ہے اسے استعمال کریں اور مویشیوں کی طرح برتاؤ کرنے سے گریز کریں۔ اندھی تقلید کرنا تو دنیا کی عدالت میں ناقابل قبول عذر ہے پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کیسے قبول ہو سکتا ہے؟ اندھی تقلید ایک ایسی چیز ہے جس پر اسلام میں تنقید کی گئی ہے، جیسا کہ ایک مسلمان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی عقل اور ذہانت کو بروئے کار لاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کی سچائی اور اہمیت کو پہچانے۔ باب 12 یوسف، آیت 108:

کہو، "یہ میرا راستہ ہے؛ میں بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، میں اور میری پیروی کرنے والے..."

اس لیے اسلامی علم کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے تاکہ اس کے واضح دلائل کو سراہا جائے تاکہ وہ یقین کے ساتھ اس پر عمل کر سکیں۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ تمام حالات میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر قائم رہیں گے، جیسے کہ مشکل میں صبر اور آسانی کے وقت شکر گزاری، دونوں میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

خبروں کی تصدیق

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ زیارت کے لیے نکلے تو غیر مسلموں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور نتیجتاً انہوں نے مکہ کے قریب حدیبیہ میں پڑاؤ ڈال لیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخرکار عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے پاس اپنا سفیر بنا کر روانہ کیا تاکہ انہیں ان کے پرامن ارادے سے آگاہ کیا جا سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے عہد لیا کہ وہ اس وقت تک مکہ سے نہیں جائیں گے جب تک کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ نہ لیں۔ اس بیعت کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حقیقت میں زندہ ہیں اور بالآخر وہ اپنے کیمپ میں واپس آگئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 228 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ عمل سے پہلے خبروں کی تصدیق کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس دور میں معاشرے کا ایک بہت بڑا مسئلہ معاشرے کے اندر جعلی خبروں کا پھیلاؤ ہے۔ کوئی سوچ سکتا ہے کہ خاص طور پر سوشل میڈیا کے اس دور میں اسے کنٹرول کرنا کتنا مشکل ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ قرآن پاک کی درج ذیل آیت پر عمل کریں اور معلومات کو دوسروں تک نہ پہنچائیں چاہے وہ یہ سمجھتے ہوں کہ وہ پہلے معلومات کی تصدیق کیے بغیر ایسا کرکے دوسروں کو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ مطلب، انہیں یہ یقینی بنانا چاہیے کہ یہ قابل اعتماد ذریعہ سے آیا ہے اور درست ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 6:

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لو، ایسا نہ ہو کہ تم نادانی میں کسی قوم کو نقصان پہنچا دو اور اپنے کیے پر پشیمان ہو جاؤ۔“

حالانکہ یہ آیت ایک بدکار شخص کی طرف اشارہ کرتی ہے جو خبریں پھیلاتا ہے اس کا اطلاق ان تمام لوگوں پر ہو سکتا ہے جو دوسروں کے ساتھ معلومات بانٹتے ہیں۔ جیسا کہ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ایک شخص کو یقین ہو سکتا ہے کہ وہ دوسروں کی مدد کر رہے ہیں لیکن غیر تصدیق شدہ معلومات پھیلانے سے وہ دوسروں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں، جیسے کہ جذباتی نقصان۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اس سے غافل ہیں اور انہیں محض ٹیکسٹ میسجز اور سوشل میڈیا ایپلی کیشنز کے ذریعے معلومات کو بغیر تصدیق کیے آگے بھیجنے کی عادت ہے۔ ایسے معاملات میں جہاں معلومات مذہبی معاملات سے جڑی ہوئی ہیں، معلومات کو پھیلانے سے پہلے اس کی تصدیق کرنا اور بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ کسی کو دوسروں کے اعمال کی سزا ان کی فراہم کردہ غلط معلومات کی بنیاد پر مل سکتی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 2351 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ، دنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے اور اس کا مسلمانوں پر کیا اثر ہو رہا ہے اس کے ساتھ معلومات کی تصدیق کرنا اور بھی اہم ہے کیونکہ جو کچھ نہیں ہوا اس پر دوسروں کو خبردار کرنا نہ صرف معاشرے میں انتشار پیدا کرتا ہے اور مسلمانوں اور دیگر کمیونٹیز کے درمیان دراڑ کو بڑھاتا ہے۔ یہ اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے۔

ایک مسلمان کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ سوال نہیں کرے گا کہ انہوں نے قیامت کے دن غیر تصدیق شدہ معلومات دوسروں کے ساتھ کیوں شیئر نہیں کیں۔ لیکن وہ یقینی طور پر ان سے سوال کرے گا کہ کیا وہ دوسروں کے ساتھ معلومات کا اشتراک کرتے ہیں، چاہے وہ تصدیق شدہ ہو یا نہ ہو۔ لہذا، ایک ذہین مسلمان صرف تصدیق شدہ معلومات کا اشتراک کرے گا اور جو کچھ بھی تصدیق شدہ نہیں ہے وہ یہ جانتے ہوئے چھوڑ دیں گے کہ وہ اس کے لیے جوابدہ نہیں ہوں گے۔

سچی محبت اور خلوص

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ زیارت کے لیے نکلے تو غیر مسلموں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور نتیجتاً انہوں نے مکہ کے قریب حدیبیہ میں پڑاؤ ڈال لیا۔ چند واقعات کے بعد بالآخر مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے سہیل بن عمرو کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کا معاہدہ کریں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 231 میں بحث کی گئی ہے۔

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے اس صلح نامہ کو لکھا۔ غیر مسلموں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لقب یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھنے پر اعتراض کیا اور اصرار کیا کہ وہ صرف آپ کا نام لکھیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وہ اپنا لقب دستاویز سے مٹا دیں اور صرف اپنا نام لکھیں لیکن خلوص اور محبت کی بنا پر ایسا نہ کر سکے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر اپنے ہاتھ سے اس کا لقب مٹا دیا تاکہ معاہدہ ہو جائے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 173-174 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اخلاص اختیار کرتے ہوئے علی رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔

لہٰذا ان کی زندگی اور تعلیمات کو سیکھ کر اور ان پر عمل کرتے ہوئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان، محبت اور احترام کے ان کے زبانی اعلان کی تائید کرنی چاہیے۔ باب 3 علی عمران آیت 31:

''کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

اور باب 59 الحشر، آیت 7:

''اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔''

اور باب 4 النساء آیت 80:

''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

اور باب 33 الاحزاب، آیت 21:

''یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہے۔''

انسان کو اپنے کردار کو اس کے مبارک کردار کے مطابق بنانا چاہیے تاکہ وہ صبر، شکر اور سخاوت جیسی اچھی صفات کو اپنا لیں اور حسد، غرور اور لالچ جیسی منفی خصوصیات کو ترک کر دیں۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ ذہنی سکون حاصل کرتے ہیں، کیونکہ مثبت خصوصیات کو اپنانے سے مثبت ذہنیت جنم لیتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی اور تعلیمات کو سیکھنا اور ان پر عمل کرنا بھی اس بات کو یقینی بنائے گا کہ کوئی شخص بیرونی دنیا میں ان کی صحیح نمائندگی کرتا ہے۔ جو ایسا کرنے میں ناکام رہے گا وہ لامحالہ اس کی غلط تشریح کرے گا اور اس لیے غیر مسلموں اور دیگر مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے روک دے گا۔ اس کو غلط طریقے سے پیش کرنے سے بیرونی دنیا بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تنقید کرنے کا سبب بنے گی جب وہ مسلمانوں کے برے رویے کو دیکھیں گے۔ یہ وہ چیز ہے جس کا ہر مسلمان جواب دے گا کیونکہ یہ ان پر فرض ہے کہ وہ بیرونی دنیا میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح نمائندگی کریں۔

اس کے علاوہ سابقہ امتوں کی طرح جو اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت کا دعویٰ کرتی ہیں، آخرت ،میں ان کے ساتھ شامل نہیں ہوں گی کیونکہ وہ عملی طور پر ان کی پیروی کرنے میں ناکام رہی ہیں اور نہ ہی وہ مسلمان جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی طور پر پیروی کرنے میں ناکام رہے ہیں، آخرت میں ان کے ساتھ شامل نہیں ہوں گے۔ اس کے بجائے، ایک شخص ان لوگوں میں شامل ہو جائے گا جن کی وہ اس دنیا میں عملی طور پر نقل کرتے تھے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4031 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔

عظمت مشکلات میں ہے۔

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ زیارت کے لیے نکلے تو غیر مسلموں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور نتیجتاً انہوں نے مکہ کے قریب حدیبیہ میں پڑاؤ ڈال لیا۔ بالآخر دونوں فریقوں کے درمیان امن معاہدہ طے پا گیا۔ اس صلح نامہ کی ایک شرط یہ تھی کہ اگر مکہ کا کوئی شخص اسلام قبول کر کے مدینہ فرار ہو جائے تو اگر غیر مسلم اس کی واپسی کا مطالبہ کریں گے تو اسے مکہ واپس کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی شخص مدینہ سے مکہ بھاگ گیا تو اسے واپس مدینہ نہیں بھیجا جائے گا۔ جب معاہدہ طے پایا تو ایک صحابی ابو جندل رضی اللہ عنہ جو مکہ میں قید تھے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے۔ لیکن جیسا کہ معاہدہ طے پا گیا، ابو جندل رضی اللہ عنہ کو مکہ واپس جانا پڑا اور وہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ نہ جا سکے۔ یہ دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو بہت تکلیف ہوئی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو جندل رضی اللہ عنہ کو صبر کرنے اور اپنے آپ پر قابو پانے کا حکم دیا۔ اس نے وعدہ کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو اور مکہ میں پھنسے ہوئے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو راحت اور مدد فراہم کرے گا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 229-230 میں بحث کی گئی ہے۔

زندگی میں ایک مسلمان کو ہمیشہ یا تو آسانی کے وقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا پھر مشکل کا۔ کوئی بھی شخص کچھ مشکلات کا سامنا کیے بغیر صرف آسانی کے اوقات کا تجربہ نہیں کرتا ہے۔ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اگرچہ تعریف کے اعتبار سے مشکلات کا مقابلہ کرنا مشکل ہے وہ درحقیقت ،اللہ تعالیٰ کی حقیقی عظمت اور بندگی کو حاصل کرنے اور اس کے اظہار کا ذریعہ ہیں۔ اس کے علاوہ زیادہ تر معاملات میں لوگ زندگی کے اہم اسباق سیکھتے ہیں جب انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور پھر جب وہ آسانی کے وقت کا سامنا کرتے ہیں۔ اور لوگ اکثر آسانی کے اوقات کے مقابلے مشکل کے وقت کا سامنا کرنے کے بعد بہتر کے لیے بدل جاتے ہیں۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے صرف اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت اگر کوئی قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرے تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ زیر بحث واقعات کی اکثریت مشکلات پر مشتمل ہے۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ حقیقی عظمت ہمیشہ آسانی کے اوقات کا تجربہ کرنے میں مضمر نہیں ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے مشکلات کا سامنا کرنا، اس کے احکام کو بجا لانا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا ہے۔ یہ اس حقیقت سے ثابت ہے کہ اسلامی تعلیمات میں جن بڑی مشکلوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک کا خاتمہ ان لوگوں کے لیے حتمی کامیابی پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے

ہیں۔ لہٰذا ایک مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنے کی فکر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ صرف ان کے لیے چمکنے کے لمحات ہیں اور سچی اطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی کا اعتراف کرتے ہیں۔ یہ دونوں جہانوں میں حتمی کامیابی کی کلید ہے۔

اس کے علاوہ، اللہ تعالیٰ ان تمام لوگوں کو مشکلات سے نجات دے گا جو اپنی اطاعت پر ثابت قدم رہیں گے۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو صحیح طریقے سے عطا کی گئی ہیں جیسا کہ قرآن پاک اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 2:

''اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔''

لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ یہ ریلیف لوگوں کی خواہشات کے مطابق نہیں ہے۔ یہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم اور حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔ اس لیے یہ اعتکاف اس وقت ہوتا ہے جب یہ لوگوں کے لیے بہتر ہو اور اس طریقے سے جو ان کے لیے بہتر ہو، خواہ یہ ان پر ظاہر نہ ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

''لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

شک میں پختہ رہنا

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ زیارت کے لیے نکلے تو غیر مسلموں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور نتیجتاً انہوں نے مکہ کے قریب حدیبیہ میں پڑاؤ ڈال لیا۔ آخرکار دونوں فریقوں کے درمیان ایک امن معاہدہ طے پا گیا جو غیر مسلموں کے حق میں تھا۔ اس صلح نامہ کی ایک شرط یہ تھی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سال عمرہ نہیں کریں گے بلکہ اگلے سال واپس تشریف لے جائیں گے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح ان حالات سے راضی نہیں تھے۔ چنانچہ اس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں بات کی اور بعد میں نے انہیں یاد دلایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری اطاعت کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر اس معاملے پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کی اور بعد میں نے اعلان کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت نہیں کریں گے اور اپنے مشن کو کبھی ناکام نہیں ہونے دیں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وہی جواب دیا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 228-229 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ مسلمانوں کو یاد دلاتا ہے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہیں، یہاں تک کہ ان حالات میں بھی جو ان کے لیے واضح نہ ہوں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس چیز کا انتخاب کرتا ہے جو تمام لوگوں کے لیے بہتر ہو، خواہ یہ ان پر واضح نہ ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

”لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

صحیح مسلم نمبر 159 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مختصر مگر دور رس نصیحت فرمائی۔ انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا صدق دل سے اعلان کریں اور پھر اس پر ثابت قدم رہیں۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکمیل پر مشتمل ہے، جو اس سے متعلق ہیں، جیسے فرض روزے اور جو لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کہ دوسروں سے حسن سلوک کرنا۔ اس میں اسلام کی ان تمام ممنوعات سے پرہیز کرنا بھی شامل ہے جو ایک شخص اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں اور جو دوسروں کے درمیان ہیں۔ ایک مسلمان کو بھی صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا چاہیے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

"لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

آخر میں ان پہلوؤں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق پورا کرنا شامل ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

"کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔"

ثابت قدمی میں دونوں قسم کے شرک سے پرہیز شامل ہے۔ سب سے بڑی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی عبادت کرتا ہے۔ معمولی قسم یہ ہے کہ جب کوئی نیک کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی خاطر، جیسے دکھاوا کرنا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہٰذا استقامت کا ایک پہلو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنا ہے۔

اس میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنا اور چیری چننے سے پرہیز کرنا شامل ہے کہ کب اور کن اسلامی تعلیمات پر کوئی شخص اپنی خواہشات کے مطابق عمل کرے گا۔

ثابت قدمی میں شامل ہے خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا، بجائے اس کے کہ اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کیا جائے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ نہ ان کی خواہشات اور نہ ہی لوگ انہیں اللہ تعالیٰ سے محفوظ رکھیں گے۔ دوسری طرف جو اللہ تعالیٰ کا سچے دل سے فرمانبردار ہے وہ ہر چیز سے محفوظ رہے گا خواہ یہ حفاظت ان پر ظاہر نہ ہو۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے میں یہ شامل ہے کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا اور اس سے ہٹنے والے راستے کو اختیار نہ کرنا۔ جو شخص اس راہ کو اختیار کرنے کی کوشش کرے گا اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ یہی ان کے ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے کافی ہے۔ باب 4 النساء آیت 59:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے حاکم ہیں..."

جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ثابت قدم رہنے کا ایک پہلو ہر اس شخص کی اطاعت ہے جس کے احکام و نصیحت کی جڑیں اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخلصانہ اطاعت میں ہیں۔

چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ بلاشبہ غلطیاں کریں گے اور گناہ کریں گے۔ لہٰذا ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کریں۔ اس کی طرف باب 41 فصیلات، آیت 6 میں اشارہ کیا گیا ہے:

"...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو"

اس کی مزید تائید جامع ترمذی نمبر 1987 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور کسی نیک عمل سے سرزد ہونے والے)معمولی (گناہ کو مٹانے کی تلقین کی گئی ہے۔ امام مالک کی موطا، کتاب 2، حدیث نمبر 37 میں موجود ایک اور حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی پوری کوشش کریں، اگرچہ وہ اس پر پوری طرح عمل نہ کر سکیں۔ لہٰذا ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی نیت اور جسمانی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں اس کو حاصل کرنے کی صلاحیت کو پورا کرے۔ انہیں کمال حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ کوئی شخص اپنے جسمانی اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ثابت قدم نہیں رہ سکتا جب تک کہ وہ اپنے روحانی قلب کو پہلے پاک نہ کرے۔ جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جسم کے اعضاء صرف اسی صورت میں کام

کریں گے جب روحانی قلب پاک ہو۔ دل کی پاکیزگی صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ثابت قدمی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی زبان پر قابو رکھے جیسا کہ یہ دل کا اظہار کرتی ہے۔ زبان پر قابو رکھے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ممکن نہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2407 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں اگر اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں کوئی کمی واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنی چاہیے اور لوگوں سے معافی مانگنی چاہیے، اگر اس میں ان کے حقوق شامل ہوں۔ باب 46 الاحقاف، آیت 13:

”بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ راہ راست پر رہے، ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

اس کے علاوہ یہ بات بھی اہم ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ عمر رضی اللہ عنہ کے سوالوں پر ناراض ہو سکتے تھے، پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پرسکون رہے اور ان کے ساتھ نرمی کا مظاہرہ کیا۔ یہی طریقہ ہے کہ کسی کو دوسروں کے ساتھ برتاؤ کرنا چاہیے، خاص طور پر بزرگوں کو نوجوانوں کے لیے اور رہنماؤں کو اپنے ماتحتوں کے لیے۔ زیادہ تر معاملات میں، نرمی دوسروں کی رہنمائی کرنے میں سختی سے کہیں زیادہ مؤثر ہوتی ہے، جیسے کہ کسی کے بچے۔ نرمی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک خاص خوبی تھی جس کی قرآن پاک میں روشنی ڈالی گئی ہے اور اس لیے اسے اپنانا چاہیے۔ باب 3 علی عمران، آیت 159:

"پس اللہ کی رحمت سے آپ نے ان کے ساتھ نرمی برتی، اور اگر آپ بد زبان اور دل میں سخت ہوتے تو وہ آپ سے دور ہو جاتے۔"

سختی صرف شاذ و نادر صورتوں میں استعمال کی جانی چاہئے جب کوئی نرمی کی بار بار کوششوں کا مثبت جواب دینے میں ناکام رہتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود، سختی اسلامی تعلیمات کی حدود میں ہونی چاہیے تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ کوئی شخص اچھے اور قابل قبول طرز عمل کی حدود سے تجاوز نہ کرے۔

مشورہ طلب کرنا

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ زیارت کے لیے نکلے تو غیر مسلموں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور نتیجتاً انہوں نے مکہ کے قریب حدیبیہ میں پڑاؤ ڈال لیا۔ آخرکار دونوں فریقوں کے درمیان ایک امن معاہدہ طے پا گیا جو غیر مسلموں کے حق میں تھا۔ معاہدے پر دستخط ہونے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ وہ ان کی زیارت)عمرہ (کے ان پہلوؤں کو پورا کریں جن میں اپنے جانوروں کی قربانی اور بال منڈوانا شامل ہیں۔ پہلے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی جواب نہ دیا کیونکہ وہ سب غم و اندوہ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خیمے میں تشریف لے گئے اور اپنی اہلیہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ طلب کیا۔ انہوں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ خاموشی سے اپنی زیارت)عمرہ (کے پہلوؤں کو پورا کریں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ جب یہ دیکھیں گے تو بلاشبہ اس کی پیروی کریں گے۔ آپ نے وہی کیا جو انہوں نے نصیحت کی تھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا مثبت جواب دیا اور بے صبری یا نافرمانی کی کوئی علامت نہیں دکھائی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 239 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ صحیح لوگوں سے مشورہ لینے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ ایک شخص کو احتیاط سے انتخاب کرنا چاہیے کہ وہ اپنے معاملات میں کس سے مشورہ کریں اور ان لوگوں کو ان لوگوں تک محدود رکھیں جو ان کے پاس موجود مسئلے پر علم رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر، جس کو طبی مسئلہ ہو اسے طبی علم رکھنے والے کی تلاش کرنی چاہیے، جیسے طبی ڈاکٹر۔ اور دینی نصیحت حاصل کرنے والے کو چاہیے کہ وہ شخص جس کے پاس دینی علم ہو جیسا کہ عالم۔ یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ دنیاوی معاملات میں تو مسلمان اکثر ماہرین سے مشورہ کرتے ہیں لیکن دینی معاملات میں اکثر کسی جاہل کے مشورے پر عمل کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ، صرف ان لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، کیونکہ صرف وہی لوگ ہیں جو حقیقی علم کے مالک ہیں اور وہ کسی بھی حالت میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ نہیں دیں گے۔ باب 35 فاطر، آیت 28:

اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں"۔"

اس لیے صرف ان لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے جو صحیح علم رکھتے ہوں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوں۔ ورنہ وہ ان کی اندھی تقلید کریں گے جو انہیں گمراہ کریں گے، خواہ یہ ان کی نیت نہ ہو۔

ایک واضح فتح

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ زیارت کے لیے نکلے تو غیر مسلموں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور نتیجتاً انہوں نے مکہ کے قریب حدیبیہ میں پڑاؤ ڈال لیا۔ آخرکار دونوں فریقوں کے درمیان ایک امن معاہدہ طے پا گیا جو غیر مسلموں کے حق میں تھا۔ معاہدے پر دستخط ہونے کے بعد، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ، عمرہ کیے بغیر مدینہ واپس چلے گئے، جو کہ صلح کے معاہدے کا حصہ تھا۔ دس سال تک جاری رہنے والا یہ معاہدہ حقیقت میں مسلمانوں کے حق میں رہا۔ اس معاہدے سے پہلے جب بھی مسلمان اور غیر مسلم آپس میں ملتے تھے تو اکثر کسی نہ کسی قسم کی لڑائی ہوتی تھی لیکن جب جنگ ختم ہوئی تو جب بھی یہ لوگ ملتے تھے صرف بات چیت کرتے تھے۔ جب غیر مسلموں کو اسلام کی وضاحت کی گئی تو وہ اسے قبول کرنے لگے۔ اسلام اگلے دو سالوں میں اس سے زیادہ لوگوں کے دلوں میں داخل ہوا جتنا کہ اس نے اپنے ظہور کے بعد سے تقریباً 18 سالوں میں کیا تھا۔ اس واضح فتح کو اللہ تعالیٰ نے تسلیم کیا، جس نے معاہدے پر دستخط ہونے کے بعد باب 48 الفتح نازل کیا۔ باب 48 الفتح، آیت 1:

‘‘بے شک ہم نے تم کو کھلی فتح دی ہے’’

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 231 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ فضیلت اور کامیابی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس لیے عطا ہوئی کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے اخلاص کے ساتھ اطاعت گزار رہے۔ وقت کے ساتھ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے کے باوجود ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی طاقت میں کمی آئی ہے۔ ہر مسلمان اپنے عقیدے کی مضبوطی سے قطع نظر قرآن پاک کی صداقت پر یقین رکھتا ہے کیونکہ اس سے ان کا ایمان ختم ہو جائے گا۔ درج ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ نے برتری اور کامیابی حاصل

کرنے کی کنجی بتائی ہے جس سے دنیا بھر کے مسلمان اس کمزوری اور غم کو دور کر دیں گے۔
باب 3 علی عمران، آیت 139:

پس تم کمزور نہ ہو اور غم نہ کرو اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو‘‘۔ ’’

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ مسلمانوں کو اس برتری اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے صرف سچے مومن بننے کی ضرورت ہے۔ حقیقی عقیدہ میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لانا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر سے کرنا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے لیے فرائض بھی شامل ہیں، جیسے دوسروں کے لیے وہی محبت کرنا جو اپنے لیے پسند کرتا ہے جس کی نصیحت جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث میں آئی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات کو سیکھے اور اس پر عمل کرے۔ اس رویہ کے ذریعے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کامیابی اور برتری حاصل ہوئی۔ اور اگر مسلمان اس کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو انہیں اس راہ راست پر واپس آنا چاہیے۔ جیسا کہ مسلمان قرآن پاک پر یقین رکھتے ہیں انہیں اس سادہ تعلیم کو سمجھنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔

شیطانی سازشیں ناکام

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ زیارت کے لیے نکلے تو غیر مسلموں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور نتیجتاً انہوں نے مکہ کے قریب حدیبیہ میں پڑاؤ ڈال لیا۔ بالآخر دونوں فریقوں کے درمیان امن معاہدہ طے پا گیا۔ اس صلح نامہ کی ایک شرط یہ تھی کہ اگر مکہ کا کوئی شخص اسلام قبول کر کے مدینہ فرار ہو جائے تو اگر غیر مسلم اس کی واپسی کا مطالبہ کریں گے تو اسے مکہ واپس کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی شخص مدینہ سے مکہ بھاگ گیا تو اسے واپس مدینہ نہیں بھیجا جائے گا۔ معاہدے پر دستخط ہونے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ مدینہ واپس تشریف لے گئے۔ ایک صحابی ابو بصیر رضی اللہ عنہ مکہ کی قید سے بچ کر مدینہ فرار ہو گئے۔ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ سے واپس لینے کے لیے دو آدمی بھیجے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس معاہدے کا احترام کیا اور انہیں مکہ واپس جانے کے لیے سپرد کیا۔ مکہ واپسی کے راستے میں، ابو بصیر رضی اللہ عنہ، فرار ہو گئے اور بالآخر مدینہ اور مکہ سے دور ایک اور ویران علاقے میں بھاگ گئے۔ اس کے بعد جب بھی کوئی صحابی مکہ میں قید سے بھاگے تو ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل گئے۔ ان کی تعداد بڑھتی گئی یہاں تک کہ آخرکار انہوں نے مکہ کے غیر مسلم لیڈروں کے تجارتی قافلوں پر چھاپہ مارنا اور لوٹنا شروع کر دیا، کیونکہ امن کے معاہدے میں وہ شامل نہیں تھے، صرف مدینہ کے شہری شامل تھے۔ جس کی وجہ سے مکہ کے لوگوں کو شدید مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ آخرکار انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغام بھیجا اور آپ سے التجا کی کہ ابو بصیر رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج کو مدینہ بلائیں تاکہ چھاپے اور لوٹ مار ختم ہو جائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر اتفاق کیا اور یہ لوگ امن کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 240 میں بحث کی گئی ہے۔

غیر مسلموں کے تجارتی قافلوں کو لوٹا جانا ان کے مذموم عزائم کا براہ راست نتیجہ تھا جب ان کے اور مسلمانوں کے درمیان صلح کی شرائط طے کی گئیں۔

کسی کو کبھی بھی برے کام کرنے کی سازش نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ ہمیشہ، کسی نہ کسی طرح ان پر الٹا فائر ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر یہ نتائج اگلے جہان تک موخر کر دیے جائیں تو آخرکار ان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو نقصان پہنچانا چاہا جیسا کہ وہ اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت، احترام اور پیار چاہتے تھے۔ لیکن یہ واضح ہے کہ ان کی تدبیریں انہیں اپنی خواہش سے دور کر دیتی ہیں۔ باب 12 یوسف، آیت 18:

"اور وہ اس کی قمیص پر جھوٹا خون لے آئے،]یعقوب [نے کہا، "بلکہ تمہاری جانوں نے تمہیں کسی چیز پر آمادہ کیا ہے، اس لیے صبر سب سے زیادہ مناسب ہے۔"

جتنی زیادہ برائی کی تدبیریں کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں ان کے مقصد سے دور کر دے گا۔ خواہ وہ ظاہری طور پر اپنی خواہش پوری کر لیں، اللہ تعالیٰ جس چیز کی خواہش کی تھی وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے لعنت بن جائے گا الا یہ کہ وہ سچے دل سے توبہ کریں۔ باب 35 فاطر، آیت 43:

’’لیکن شیطانی تدبیر سوائے اپنے لوگوں کے گھیرے میں نہیں آتی، پھر کیا وہ پہلے لوگوں کے راستے کے سوا انتظار کرتے ہیں؟‘‘

غیر ملکیوں کو اسلام کی دعوت دینا

سادہ اور شائستہ تقریر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے چھٹے سال میں، آپ نے اپنی کوششیں اسلام کی دعوت کو عام کرنے پر مرکوز کر دیں، خاص طور پر جب کہ حدیبیہ کے معاہدے کی وجہ سے مکہ کے غیر مسلموں کی مسلسل دھمکیوں کو روک دیا گیا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ،نے کچھ قاصد بھیجے جنہوں نے اپنے خطوط ممتاز شخصیات تک پہنچائے، جیسے مصر کے نائب چسرو، فارس کے شہنشاہ اور ہرقلس، رومی بادشاہ۔ اس پر امام صفی الرحمٰن کی کتاب مہر بند نیکٹر صفحہ 350 میں بحث کی گئی ہے۔

ان خطوط کا مطالعہ کرتے وقت، دو انتہائی اہم تکنیکوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ پہلی سادہ اور سیدھی بات ہے جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استعمال کی ہے، اور دوسری نرم گفتگو ہے۔

اسلام کے کلام کو پھیلاتے وقت یہ ضروری ہے کہ غیر ضروری پیچیدہ اصطلاحات اور پھولوں والی تقریر سے گریز کیا جائے۔ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کو چیلنج کرتا ہے، جنہوں نے صحیح مسلم نمبر 1167 میں موجود ایک حدیث کی تصدیق کی ہے کہ آپ کو جامع کلام سے نوازا گیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے الفاظ نقطہ پر تھے لیکن علم کی ایک سمندر کی قیمت پر مشتمل تھا .اس رویہ سے ملتا جلتا ہے جب لوگ جان بوجھ کر کم اہم مسائل پر بات کرتے ہیں جو معاشرے میں تقسیم کا سبب بن سکتے ہیں۔ کچھ لوگ دوسروں سے ممتاز ہونے کے لیے یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں لیکن یہ ایک گمراہ کن رویہ ہے کیونکہ اسلام کی تبلیغ کرنے والے مسلمان کا فرض ہے کہ وہ معاشرے کو مضبوط کرنے کے لیے زیادہ اہم مسائل پر گفتگو کرے۔

اس کی نصیحت حضور اکرم صلی اللہ کی خوبصورتی نرمی میں پائی جاتی ہے۔ اسلام اس کے علاوہ ۔ نمبر 3689 میں موجود ہے علیہ وسلم نے بہت سی احادیث میں فرمائی ہے جیسا کہ سنن ابن ماجہ قرآن کریم نے یہاں تک ذکر کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سب سے راضی تھے، آپ کی نرمی اور نرم طبیعت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلسل محبت کرتے تھے۔ باب 3 :علی عمران، آیت 159

" پس اللہ کی رحمت سے، آپ ان کے ساتھ نرمی برتتے تھے، اور اگر آپ بد زبان اور دل میں سخت ہوتے تو وہ آپ کے اردگرد سے دور ہو جاتے۔"

آپ سے عرب سخت دل ہونے کی وجہ سے مشہور تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ یہ خوبی انہوں نے اپنایا اس طرح اور کے مزاج سے ان کے سخت دل پگھل گئے صلی اللہ علیہ وسلم حضور نبی اکرم صلی اللہ یہی وجہ ہے۔ ۔ باقی بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لیے روشنی بن گئی اور سنن متنبہ کیا گیا ہے ۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام، ایک حدیث میں وآلہ وسلم علیہ ابوداؤد نمبر 4809 میں ہے کہ نرمی سے محروم رہنے والا بھلائی سے محروم ہے۔ باب 3 علی :عمران، آیت 103

’’ اور اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو جب تم دشمن تھے اور اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے‘‘۔

تباہ کن ذہن سخت انہیں یہ ان لوگوں کے لیے ایک واضح پیغام ہے جو اسلام کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ لوگوں کو متحد کریں اور پھیلنے کی بجائے کا حامل ہونا چاہیے۔ تعمیری ذہن نرم کے بجائے ان کے یہ معاشرے کے اندر تنازعات کی ایک اچھی مثال دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کریں۔ کے ساتھ نرم مزاجی کا مظاہرہ اپنے بچوں بچوں کے ساتھ رویے میں دیکھا جاتا ہے .جن والدین نے

ایک سخت مزاج .اکثر کیا ان پر ان والدین کے مقابلے میں زیادہ مثبت اثر پڑا جنہوں نے گود لیا تھا۔ کچھ لوگ اپنے سخت رویے سے لوگوں کو اسلام سے مزید دور کر دیتے ہیں اور یہ روایات کو مکمل مثال کے طور پر ایک مرتبہ ایک علیہ وآلہ وسلم کا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ طور پر چیلنج کرتا ہے۔ ۔ جب صحابہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد میں پیشاب کیا ان پڑھ اعرابی نے حضور نبی اکرم صلی اللہ وآلہ وسلم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ اسے سزا دینا چاہتا تھا۔ ،اللہ ان سب سے راضی ہو مئی ، کرام سے سمجھایا نرمی مسجد میں رہنے کے آداب کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منع فرمایا اور اس نرم رویے نے انسان کو میں موجود حدیث میں مذکور ہے ۔ ۔ یہ واقعہ سنن ابن ماجہ نمبر 529 مثبت انداز میں متاثر کیا۔

قرآن پاک کے کئی مقامات پر بھی اس کا ذکر ہے۔ مثال کے طور پر، اگرچہ فرعون یہ اہم خصوصیت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت نے پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ ترین رب ہونے کا دعویٰ کیا۔ نرم اور مہربان تقریر کا استعمال فرعون کو دعوت نہ دیں۔ ،دونوں ۔ ہارون علیہ السلام کو حکم دیا :حپٹر 79 نضیات، آیت 24 کرتے ہوئے رہنمائی کی طرف۔ ج

‘‘اور کہا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔’’

:اور باب 20 طہ، آیات 43-44

تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ بے شک اس نے زیادتی کی ہے اور اس سے نرمی سے بات کرو شاید وہ نصیحت حاصل کرلے یا اللہ سے ڈرے

کی طرف اور بھلائی اور جانور بھی نرمی کی زبان سمجھتے ہیں۔ پس اگر کسی بالغ کو اسلام بچے دعوت دیتے وقت یہ خصوصیت اختیار کی جائے تو اس کی صحیح رہنمائی کیسے ہو سکتی ہے ؟ اسی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود، ایک بار علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ اپنے لامحدود وقار تعالیٰ اللہ میں ملتا ہے کہ نصیحت ہے ۔ صحیح مسلم نمبر 6601 ایک حدیث میں مہربان اور نرم ہے اور مخلوق کو ایک دوسرے کے ساتھ نرمی سے پیش آنا پسند ،اعلیٰ کے مطابق یہ غلط عقیدہ اختیار کیا ہے اسلام نے اس لفظ کو پھیلاتے ہیں۔ ہے۔ بدقسمتی سے، بہت سے لوگ جو یہ شیطان کی چال کے سوا کچھ نہیں ہے کیونکہ وہ انسانوں کو ۔ کہ نرم ہونا کمزوری کی علامت ہے ۔ اسلام سے دور کرنا چاہتا ہے

برائی کے نتائج

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال میں آپ نے کچھ قاصد بھیجے جنہوں نے اپنے خطوط ممتاز شخصیات کے حوالے کیے، جیسے کہ مصر کے نائب ولی عہد، فارس کے بادشاہ چوسرو اور رومی بادشاہ ہرقلس۔ اس پر امام صفی الرحمٰن کی کتاب مہر بند نیکٹر صفحہ 350 میں بحث کی گئی ہے۔

فارس کے شہنشاہ چوسروس کو بھیجا گیا خط سب سے پہلے اس کے نائب بادشاہ بحرین کو بھیجا گیا۔ چسرو کے غرور نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھیجا ہوا خط پھاڑ دیا اور یمن کے اپنے گورنر بازان کو حکم دیا کہ وہ لوگ بھیجے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گرفتار کر کے اپنے محل میں لے آئیں۔ جب یہ لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اطلاع دی کہ ان کے شہنشاہ چسرو کو ان کے اپنے بیٹے نے قتل کر دیا ہے۔ اس نے ان سے کہا کہ وہ اپنے نئے شہنشاہ کو خبردار کریں کہ اسلام ہر جگہ غالب آئے گا اور سلطنت فارس کو پیچھے چھوڑ دے گا۔ یہ لوگ یمن کے گورنر بازان کے پاس واپس آئے اور اسے جو کچھ ہوا اس سے آگاہ کیا۔ تھوڑی دیر بعد، نئے چوسرو، شیروہ نے، بزان کو ایک خط بھیجا جس میں اس بات کی تصدیق کی گئی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں کیا بتایا تھا۔ نئے چوسرو نے بازان کو حکم دیا کہ وہ مسلم کمیونٹی کو تنہا چھوڑ دیں۔ اس کے بعد بازان اور یمن کے بہت سے فارسیوں نے اسلام قبول کیا۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 355 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے ایک سادہ مگر گہرے سبق کو سمجھنا ضروری ہے، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے دنیا و آخرت میں دنیاوی یا دینی معاملات میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ طلوع آفتاب سے لے کر اس زمانے تک اور آخر زمانہ تک کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے نہ کبھی حقیقی کامیابی حاصل ہوئی اور نہ ہی کبھی نصیب ہوگی۔ تاریخ کے اوراق پلٹنے پر یہ بات بالکل عیاں ہے۔ لہٰذا جب کوئی مسلمان ایسی حالت میں ہو جس سے وہ ایک مثبت اور کامیاب نتیجہ حاصل کرنا چاہتا ہو تو اسے کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا انتخاب نہیں کرنا چاہیے، خواہ یہ کتنا ہی آسان اور آزمائشی کیوں نہ ہو۔ یہاں تک کہ اگر کسی کو ان کے قریبی دوستوں اور رشتہ داروں کی طرف سے ایسا کرنے کا

مشورہ دیا جائے کیونکہ مخلوق کی اطاعت نہیں ہے اگر اس کا مطلب خالق کی نافرمانی ہے۔ اور درحقیقت وہ انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے عذاب سے نہ دنیا میں بچا سکیں گے نہ آخرت میں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کامیابی عطا کرتا ہے جو اس کی اطاعت کرتے ہیں وہ اس کی نافرمانی کرنے والوں سے ایک کامیاب نتیجہ نکال دیتا ہے خواہ اس ہٹانے میں وقت لگے۔ ایک مسلمان کو بے وقوف نہیں بنانا چاہیے کیونکہ یہ جلد یا بدیر ہو جائے گا۔ قرآن کریم نے یہ بات بالکل واضح کر دی ہے کہ برائی کا منصوبہ یا عمل صرف کرنے والے کو ہی گھیرتا ہے خواہ اس سزا میں تاخیر ہی کیوں نہ ہو۔
باب 35 فاطر، آیت 43:

‘‘لیکن شیطانی تدبیر اپنے لوگوں کو نہیں گھیرتی۔’’

لہٰذا حالات اور انتخاب خواہ کتنے ہی مشکل کیوں نہ ہوں مسلمانوں کو چاہیے کہ دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا انتخاب کریں کیونکہ یہی کامیابی دونوں جہانوں میں حقیقی کامیابی کا باعث بنے گی خواہ یہ کامیابی فوری طور پر ظاہر نہ ہو۔

ہجرت کے بعد 7 واں سال

خیبر کی جنگ

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی محبت حاصل کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے ساتویں سال آپ کو ایک غیر مسلم قبیلے کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا گیا جو مدینہ کے قریب خیبر میں رہتا تھا۔ یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ انہوں نے مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے ساتھ مل کر ان کے خلاف مسلسل سازشیں کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے والے امن معاہدے کو مسلسل توڑ دیا۔ ان کے قلعوں میں پہنچ کر اس نے اعلان کیا کہ اگلے دن وہ اپنا جھنڈا کسی ایسے شخص کو دینے والا ہے جو اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہے اور یہ کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کا بھی محبوب ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہے۔ اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ یہ شخص خیبر کی فتح کا آغاز کرے گا۔ اگلے دن اس نے علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو بلایا، اپنے لعاب دہن سے ان کی متاثرہ آنکھ کو ٹھیک کیا اور پھر اسے جھنڈا سونپا اور اس کے نتیجے میں خیبر کے کچھ قلعے فتح ہو گئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 251 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ علی بن ابو طالب اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خلوص نیت سے اللہ عزوجل اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کریں تاکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جائیں۔

صحیح بخاری نمبر 6502 میں موجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک آسمانی حدیث میں اللہ تعالیٰ نے چند اہم باتیں بیان فرمائی ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کے خلاف اعلان جنگ فرماتا ہے جو اپنے کسی نیک دوست سے دشمنی کرتا ہے۔

ایسا اس طرح ہوتا ہے کہ جو شخص کسی کے دوست سے دشمنی ظاہر کرتا ہے وہ درحقیقت اس شخص سے بالواسطہ دشمنی دکھا رہا ہوتا ہے۔ یہ بالواسطہ طور پر مسلمانوں کو تنبیہ کرتا ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے دوستی رکھیں اور ان کے لیے کبھی بھی کسی قسم کی دشمنی یا ناپسندیدگی کا اظہار نہ کریں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں جیسا کہ شیطان کا رویہ ہے۔ باب 60 الممتحنہ، آیت 1:

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو، میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔‘‘

یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی کوئی بھی صورت اس کے خلاف جنگ ہے۔ لہٰذا، ایک مسلمان کو ہر قسم کی نافرمانی سے بچنا چاہیے، بشمول اس کی اطاعت میں کوشش کرنے والوں کو ناپسند کرنا، کیونکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دیتا ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 3862 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی کہ کوئی شخص اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کبھی توہین نہ کرے کیونکہ ان کی توہین کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین ہے اور جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نقصان پہنچایا اس نے اللہ کی توہین کی ہے۔ اور اس گنہگار کو جلد ہی سزا ملے گی، بشرطیکہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں۔

اس کے علاوہ، جیسا کہ نیکی، جو کہ کسی کی نیت پر مبنی ہے، لوگوں سے پوشیدہ ہے، مسلمانوں کو دوسرے مسلمانوں کو ناپسند کرنے سے بچنا چاہیے، کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کا نیک دوست

کون ہے۔ لہٰذا مرکزی حدیث کا یہ حصہ تمام مسلمانوں کے ساتھ اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے، ان کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہوئے جو لوگ چاہتے ہیں۔

اگلی بات جو زیر بحث اہم الٰہی حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ ایک مسلمان صرف اپنے فرائض کی ادائیگی کے ذریعے ہی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکتا ہے۔ اور وہ رضاکارانہ عمل صالح کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کر سکتے ہیں۔

یہ وضاحت اللہ تعالیٰ کے بندوں کو دو قسموں میں تقسیم کرتی ہے۔ پہلا گروہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنے واجبات جیسے فرض نماز اور لوگوں کے حوالے سے جیسے فرض صدقہ کی ادائیگی سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے۔ اس کا خلاصہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر پر صبر کرنے سے ہو سکتا ہے۔

دوسری قسم کے وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا جاتا ہے وہ پہلے گروہ سے برتر ہیں کیونکہ وہ نہ صرف اپنے فرائض کی ادائیگی کرتے ہیں بلکہ رضاکارانہ طور پر نیک کاموں میں بھی کوشش کرتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا یہی واحد راستہ ہے۔ جو اس کے علاوہ کوئی راستہ اختیار کرے گا وہ اس اہم مقصد کو حاصل نہیں کر سکے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جدوجہد کیے بغیر ولیت حاصل کرنے کے تصور کو یکسر مسترد کرتا ہے۔ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے وہ محض جھوٹا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 4094 میں موجود حدیث کی تصدیق کی ہے کہ جب روحانی قلب پاک ہوتا ہے تو باقی جسم بھی پاک ہوجاتا ہے۔ یہ عمل صالح کی طرف لے جاتا ہے۔ پس اگر کوئی شخص اعمال صالحہ مثلاً اپنے واجبات کو ادا نہ کرے تو اس کا جسم نجس ہے یعنی اس کا روحانی دل بھی نجس ہے۔ یہ شخص کبھی اللہ تعالیٰ کے قرب تک نہیں پہنچ سکتا۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سب سے بڑا رضاکارانہ عمل وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر مبنی ہو۔ جو کوئی بھی اپنی روایات کی بنا پر رضاکارانہ اعمال صالحہ انجام دینے کا انتخاب کرتا ہے اسے شیطان نے دھوکہ دیا ہے کیونکہ کوئی بھی راستہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے قریب نہیں لے جا سکتا سوائے اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے اور اعمال کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

"کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔"

دوسرے اعلیٰ گروہ میں شامل متقی مسلمان بھی وہ ہیں جو اس مادی دنیا کی فضول اور فضول چیزوں سے بچتے ہیں۔ یہ رویہ انہیں اپنی کوششوں کو رضاکارانہ نیک اعمال انجام دینے پر مرکوز کرنے میں مدد کرتا ہے۔ یہی وہ گروہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت، عداوت، دے کر اور سب کچھ روک کر اپنے ایمان کو مکمل کیا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

مزید برآں، اس اعلیٰ گروہ کے مسلمان کوشش کرتے ہیں کہ انہیں جو بھی نعمت دی گئی ہے، جیسے کہ ان کی توانائی اور وقت، ان طریقوں سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے استعمال کریں۔ وہ انہیں ایسے طریقوں سے استعمال کرنے سے گریز کرتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوں گے اور نہ ہی آخرت میں ان کو فائدہ پہنچائیں گے، خواہ یہ طریقے جائز ہوں۔

اگلی بات جو زیر بحث مرکزی حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی فرد فرائض کی ادائیگی اور نفلی اعمال کو انجام دینے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی پانچوں حواس کو برکت دیتا ہے تاکہ وہ ان کو اس کی اطاعت میں استعمال کریں۔ یہ نیک بندہ بہت کم گناہ کرے گا۔ ہدایت میں اس اضافے کی طرف باب 29 العنکبوت، آیت 69 میں اشارہ کیا گیا ہے:

‘‘اور جو لوگ ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں، ہم ان کو اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔’’

یہ مسلمان فضیلت کے اس درجے کو پہنچ جاتا ہے جس کا ذکر صحیح مسلم نمبر 99 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب ایک مسلمان عمل کرتا ہے جیسے نماز، گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ جو اس درجے تک پہنچ جائے گا وہ اپنے دماغ اور جسم کو گناہوں سے محفوظ رکھے گا۔ یہ وہ ہے جو جب بولتے ہیں تو اللہ کے لیے بولتے ہیں، جب خاموش ہوتے ہیں تو اللہ کے لیے خاموش رہتے ہیں۔ جب وہ کام کرتے ہیں تو اس کے لیے کام کرتے ہیں اور جب وہ ساکت ہوتے ہیں تو اس کی خاطر ہوتے ہیں۔ یہ توحید اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو سمجھنے کا ایک پہلو ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اس بااختیاریت میں مشکلات سے صبر کے ساتھ نمٹنا اور شکر کے ساتھ آسانی کے اوقات شامل ہیں، جس میں ان نعمتوں کا استعمال شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں۔ اس بااختیاریت میں ذہنی سکون حاصل کرنا بھی شامل ہے، کیونکہ جو شخص بااختیار ہے اس کی ذہنی حالت آسانی سے متزلزل نہیں ہوگی اور نہ ہی اس دنیا میں مختلف حالات سے ٹوٹے گی۔

اگلی بات جو زیر بحث مرکزی حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کی یہ دعا پوری ہوگی اور انہیں اللہ تعالیٰ کی پناہ اور حفاظت حاصل ہوگی۔ یہ ان لوگوں کے لیے ایک واضح سبق ہے جو حلال دنیاوی چیزوں کے خواہش مند ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے سوا کسی ذریعہ سے ان کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ کوئی روحانی استاد یا کوئی اور شخص کسی شخص کو اس وقت تک چیزیں نہیں دے سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوشش نہ کرے اور ان چیزوں کو حاصل کرنا ان کا مقدر ہو۔ اس کے علاوہ کوئی بھی شخص اللہ تعالیٰ کے عذاب سے دونوں جہانوں میں دوسری پناہ اور حفاظت نہیں کر سکتا اور نہ دے گا۔ یہ حفاظت اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اس سے کچھ لوگوں کی خواہش مندانہ سوچ ختم ہو جاتی ہے جو یقین رکھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر قائم رہ سکتے ہیں اور پھر بھی اس کے عذاب سے

محفوظ رہ سکتے ہیں، خاص طور پر آخرت میں، کسی اور کی شفاعت کے ذریعے۔ حالانکہ قیامت کے دن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت ایک حقیقت ہے، لیکن اس طنزیہ انداز سے کم تر سلوک کسی کو اس سے محروم نہیں کر سکتا۔

اس حدیث کو ختم کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب صرف اس کی مخلصانہ اطاعت سے حاصل ہوتا ہے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرنے سے۔ باقی تمام مشروع طریقے باطل ہیں اور خواہش مندانہ سوچ کے سوا کچھ نہیں، جس کی اسلام میں کوئی قدر و وزن نہیں۔

دوسروں کی رہنمائی کرنا

جنگ خیبر کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا جھنڈا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو سونپا۔ اسے حکم دیا گیا کہ وہ ان کے قلعے کے قریب سوار ہو جائیں اور ان سے لڑنے سے پہلے انہیں اسلام کی طرف بلائیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر یہ نصیحت فرمائی کہ اگر کوئی ایک شخص آپ کے ذریعے سے ہدایت حاصل کر لے تو وہ عربوں کے مشہور ترین اونٹوں کے ریوڑ سے بہتر ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3 صفحہ 251 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2674 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ دوسروں کو نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والے کو ان کی نصیحت پر عمل کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا۔ اور جو لوگ دوسروں کو گناہوں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، ان سے ایسے حساب لیا جائے گا جیسے انہوں نے گناہ کیے ہوں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو نصیحت اور رہنمائی کرتے وقت محتاط رہیں۔ ایک مسلمان کو صرف دوسروں کو نیکی کی نصیحت کرنی چاہیے تاکہ وہ اس سے ثواب حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نصیحت کرنے سے گریز کریں۔ قیامت کے دن کوئی شخص محض یہ دعویٰ کر کے سزا سے نہیں بچ سکے گا کہ وہ صرف دوسروں کو گناہوں کی طرف دعوت دے رہا ہے چاہے اس نے خود گناہ کیوں نہ کیے ہوں۔ اللہ تعالیٰ رہنما اور پیروکار دونوں کو ان کے اعمال کے لیے جوابدہ ٹھہرائے گا۔ لہٰذا مسلمانوں کو دوسروں کو صرف وہی کام کرنے کی تلقین کرنی چاہیے جو وہ خود کریں گے۔ اگر وہ اپنے نامہ اعمال میں کسی عمل کو ناپسند کرتے ہیں تو انہیں دوسروں کو اس عمل کی تلقین نہیں کرنی چاہیے۔

اس اسلامی اصول کی وجہ سے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے مناسب علم حاصل کر لیں کیونکہ اگر وہ دوسروں کو غلط نصیحت کرتے ہیں تو وہ آسانی سے اپنے گناہوں کو بڑھا سکتے ہیں۔

مزید برآں، یہ اصول مسلمانوں کے لیے ان اعمال کا اجر حاصل کرنے کا ایک انتہائی آسان طریقہ ہے جو وہ وسائل کی کمی کی وجہ سے خود انجام نہیں دے سکتے، جیسے کہ دولت۔ مثال کے طور پر، ایک شخص جو مالی طور پر صدقہ دینے کی استطاعت نہیں رکھتا ہے وہ دوسروں کو ایسا کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ صدقہ کرنے والے کے برابر ثواب حاصل کرے گا۔

اس کے علاوہ، یہ اسلامی اصول ایک بہترین طریقہ ہے کہ کسی کے مرنے کے بعد بھی نیک اعمال کی نشوونما کو یقینی بنایا جائے۔ جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اس کی جتنی زیادہ رہنمائی کرے گا، اتنا ہی ان کی نیکیوں میں اضافہ ہوگا۔ یہ وہ میراث ہے جس کے بارے میں ایک مسلمان کو اپنی فکر کرنی چاہیے، کیونکہ دیگر تمام وراثتیں، جیسے املاک کی سلطنتیں، آئیں گی اور جائیں گی اور ان کے مرنے کے بعد ان کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اگر کچھ بھی ہے تو، وہ اپنی سلطنت کمانے اور ذخیرہ کرنے کے لیے جوابدہ ہوں گے جبکہ ان کے وارثوں کو اس سلطنت سے لطف اندوز ہوں گے جو مرحوم نے پیچھے چھوڑ دیا تھا۔

نیت کے اثرات

غزوہ خیبر کے دوران ایک منافق غیر مسلموں کے خلاف سخت جنگ لڑ رہا تھا۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی ظاہری بہادری کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا کہ یہ آدمی جہنم میں جائے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پھر دیکھا کہ وہ شخص جنگ کے دوران زخمی ہوا اور بالآخر خود کو ہلاک کر لیا جو کہ اسلام میں حرام ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3، صفحہ 258 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اسلام کی اندرونی بنیاد ان کی نیت ہے۔ اگر کسی عمارت کی بنیاد ہی خراب ہو تو اس پر بننے والی ہر چیز کرپٹ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب کسی کی نیت خراب ہو گی تو وہ جو کچھ بھی کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فاسد اور رد ہو جائے گا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے علاوہ کسی اور کام پر عمل کرتا ہے اس کو نہ دنیا میں کوئی اجر ملے گا اور نہ آخرت میں۔ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ اس بات کو یقینی بنائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے عمل کریں، تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ثواب حاصل کریں۔ نیک نیت کی ایک مثبت نشانی یہ ہے کہ انسان لوگوں سے کسی قسم کی تعریف یا بدلہ کی خواہش نہیں رکھتا۔

آپ جو دیتے ہیں وہی آپ کو ملتا ہے۔

جنگ خیبر کے دوران ایک بدو نے اسلام قبول کیا اور جنگ میں حصہ لیا۔ جنگ کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے انہیں غنیمت کا کچھ سامان سونپا گیا لیکن آپ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے اعلان کیا کہ اس جنگ میں حصہ لینے کا مقصد شہادت کے ذریعے جنت حاصل کرنا ہے۔ یہاں تک کہ اس نے اپنے گلے کی طرف اشارہ کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک تیر چاہتا تھا کہ وہ اسے وہاں مارے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اگر میں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے عہد کو پورا کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اپنے عہد کو پورا کرے گا۔ بعدازاں لڑتے لڑتے اس شخص کو گلے میں گولی لگی اور وہ شہید ہوگیا۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دی گئی تو آپ نے جواب دیا کہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا عہد پورا کر دیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ اپنا عہد پورا کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 259-260 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ باب 47 محمد، آیت 7 سے مربوط ہے :

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم اللہ کا ساتھ دو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمائے گا۔"

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اسلام کی مدد کرے گا تو اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں ان کی مدد کرے گا۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ بے شمار لوگ اللہ تعالیٰ کی مدد کے خواہاں ہیں، لیکن اس آیت کے پہلے حصے کو اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر کے پورا نہیں کرتے۔ اکثر لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ان کے پاس اعمال صالحہ کے لیے وقت نہیں ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے خواہاں ہیں، پھر بھی ان کاموں کے لیے وقت نہیں نکالیں گے جن سے وہ خوش ہے۔ کیا یہ معنی رکھتا ہے؟ جو لوگ فریضہ ادا نہیں کرتے اور پھر ضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ سے مدد کی امید رکھتے ہیں وہ بالکل بے وقوف ہیں۔ اور جو

لوگ واجبات کو پورا کرتے ہیں لیکن ان سے آگے جانے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ انہیں ملنے والی امداد محدود ہے۔ کس طرح برتاؤ کیا جاتا ہے اس کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے۔ جتنا زیادہ وقت اور توانائی اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہوگی، انہیں اتنی ہی زیادہ مدد ملے گی۔ یہ واقعی اتنا آسان ہے۔

،ایک مسلمان کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ زیادہ تر واجبات، جیسے کہ پانچ وقت کی نمازیں صرف ایک دن میں تھوڑا سا وقت لیتی ہیں۔ ایک مسلمان یہ توقع نہیں کر سکتا کہ وہ دن میں بمشکل ایک گھنٹہ فرض نماز کی ادائیگی کے لیے وقف کرے اور پھر باقی دن اللہ تعالیٰ سے غافل رہے اور پھر بھی تمام مشکلات میں اس سے مسلسل مدد کی امید رکھے۔ ایک شخص اس دوست کو ناپسند کرے گا جو اس کے ساتھ ایسا سلوک کرے۔ تو پھر اللہ رب العالمین کے ساتھ ایسا سلوک کیسے ہو سکتا ہے؟

کچھ لوگ صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اضافی وقت صرف کرتے ہیں، جب انہیں کوئی دنیوی مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو اس سے اس کو حل کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں گویا انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ایک احسان رضاکارانہ طور پر کیا ہے۔ یہ احمقانہ ذہنیت واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی بندگی کے خلاف ہے۔ یہ حیرت انگیز ہے کہ اس قسم کے لوگ اپنی تمام تفریحی سرگرمیاں، جیسے کہ خاندان اور دوستوں کے ساتھ وقت گزارنے، ٹی وی دیکھنا اور سماجی تقریبات میں شرکت کے لیے کیسے وقت نکالتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے وقت نہیں نکال پاتے۔ وہ قرآن پاک کی تلاوت اور اس کی تعلیمات کو اپنانے کے لیے وقت نہیں نکال پاتے۔ انہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطالعہ اور ان پر عمل کرنے کا وقت نظر نہیں آتا۔ یہ لوگ کسی نہ کسی طرح اپنی غیر ضروری آسائشوں پر خرچ کرنے کے لیے دولت تلاش کرتے ہیں لیکن ایسا لگتا ہے کہ انہیں رضاکارانہ خیرات میں دینے کے لیے کوئی دولت نہیں ملتی۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ اس کے برتاؤ کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اضافی وقت لگاتا ہے، تو اسے وہ سہارا مل جائے گا جس کی انہیں تمام مشکلات سے باحفاظت سفر کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن اگر وہ واجبات کو پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کوئی دوسرا وقت صرف کیے بغیر صرف ان کو پورا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ایسا ہی جواب ملے گا۔ سیدھے

الفاظ میں، جتنا زیادہ دیتا ہے، وہ اتنا ہی زیادہ وصول کرے گا۔ اگر کوئی زیادہ نہیں دیتا تو اسے بدلے میں زیادہ امید نہیں رکھنی چاہئے۔

خیانت سے بچنا

جنگ خیبر کے دوران خیبر کے ایک غلام نے جو اپنے مالک کے لیے بھیڑیں چرا رہا تھا اسلام قبول کیا۔ جب اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ بکریوں کا کیا کرنا ہے تو آپ نے حکم دیا کہ بکریوں کو مالک کے مال کی طرف لے جانے والی سڑک کی طرف لے جا کر واپس کر دیں۔ یہ غلام بعد میں اس مہم میں شہید ہو گیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیے جنت کی تصدیق فرمائی۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1590-1591 میں بحث کی گئی ہے۔

جنگ کے دوران بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس صحابی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اپنی امانت کو پورا کریں اور بکریوں کو ان کے مالک کو واپس کر دیں۔ صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی کہ امانتوں میں خیانت منافقت کا ایک پہلو ہے۔

اس میں وہ تمام امانتیں شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی طرف سے ہیں۔ ہر نعمت اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کی ہے۔ ان امانتوں کو پورا کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ نعمتوں کو ان طریقوں سے استعمال کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کو راضی ہو۔ اس پر قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بحث اور وضاحت کی گئی ہے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ مزید برکات حاصل کریں گے، کیونکہ یہ سچا شکر ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

لوگوں کے درمیان اعتماد کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ جسے کسی دوسرے کے سپرد کیا گیا ہو اسے چاہیے کہ اس کا غلط استعمال نہ کرے اور مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ لوگوں کے درمیان سب سے بڑا اعتماد بات چیت کو خفیہ رکھنا ہے، جب تک کہ دوسروں کو مطلع کرنے میں کوئی واضح فائدہ نہ ہو۔ بدقسمتی سے، مسلمانوں کے درمیان اکثر اس کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ کسی کو اپنے اور لوگوں کے درمیان امانتوں کے ساتھ اس طرح برتاؤ کرنا چاہئے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے ان کے درمیان موجود امانتوں کے ساتھ سلوک کریں۔

،اس کے علاوہ، ان ٹرسٹوں میں وہ لوگ شامل ہوتے ہیں جو کسی کی دیکھ بھال کے تحت ہوتے ہیں جیسے کہ انحصار کرنے والے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان لوگوں کے حقوق ادا کرتے ہوئے ان امانتوں کو پورا کرنے کی کوشش کرے۔ مثال کے طور پر، والدین کا فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کو قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے، سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی ترغیب دیں۔

انصاف کو پکڑو

جنگ خیبر کے دوران خیبر کے غیر مسلموں نے اپنے ایک قلعے میں پناہ لی اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے کھیتی باڑی کا کنٹرول سنبھال لیا۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنی سرزمین سے نکالنا چاہا تو انہوں نے آپ سے معاہدہ کر لیا۔ وہ کھیتی باڑی کی دیکھ بھال کرتے اور آدھی فصل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کرتے، اس شرط پر کہ انہیں زمین سے بے دخل نہ کیا جائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتفاق کیا لیکن اس میں یہ شق شامل کی کہ اگر مسلمان فیصلہ کریں تو مستقبل میں انہیں نکال سکتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے ایک صحابی عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا کہ وہ ہر سال ان کی عیادت کریں اور ان کا معاوضہ لیں۔ ان غیر مسلموں نے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو رشوت دینے کی کوشش کی تاکہ وہ انہیں آدھے سے زیادہ رکھنے کی اجازت دیں جس پر اتفاق ہوا تھا۔ اس نے جواب دیا کہ اگرچہ روئے زمین پر کوئی بھی میرے نزدیک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ پیارا نہیں تھا اور وہ غیر مسلم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ ناپسند کرتے تھے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اور ان کے لئے آپ کی ناپسندیدگی آپ کو ان کے ساتھ عدل و انصاف کرنے سے روک نہیں سکتی۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 3، صفحہ 270-271 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 4721 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ انصاف کے ساتھ کام کرنے والے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک نور کے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ اس میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے فیصلوں میں، اپنے خاندانوں کے حوالے سے اور ان کی دیکھ بھال اور اختیار کے تحت ہیں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر حال میں انصاف سے کام لیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انصاف کا مظاہرہ کرنا چاہیے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا چاہیے۔ انہیں ان تمام نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا چاہیے جو انہیں دی گئی ہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق۔ اس میں کھانے اور آرام کے اپنے حقوق کو پورا کرتے ہوئے اپنے جسم اور دماغ کے ساتھ انصاف کرنا اور ہر عضو کو اس

کے حقیقی مقصد کے مطابق استعمال کرنا شامل ہے۔ اسلام مسلمانوں کو یہ نہیں سکھاتا کہ وہ اپنے جسم اور دماغ کو اپنی حدود سے باہر دھکیلیں جس سے خود کو نقصان پہنچے۔

کسی کو لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ دوسروں کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں دنیاوی چیزوں مثلاً دولت اور اختیار کے حصول کے لیے لوگوں کے ساتھ ناانصافی کرتے ہوئے اسلام کی تعلیمات پر کبھی سمجھوتہ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کا ایک بڑا سبب ہو گا اور صحیح مسلم نمبر 6579 میں ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

انہیں صرف اس صورت میں بھی رہنا چاہئے جب یہ ان کی خواہشات اور ان کے پیاروں کی خواہشات سے متصادم ہو۔ باب 4 النساء، آیت 135:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، خواہ کوئی امیر ہو یا غریب، اللہ دونوں کا زیادہ حقدار ہے، لہٰذا تم)ذاتی (میلان کی پیروی نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ انصاف کرو۔"

اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کے حقوق اور ضروریات کو پورا کرتے ہوئے اپنے محتاجوں کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے۔ سنن ابو داؤد نمبر 2928 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ اس کا ایک اہم پہلو اپنے زیر کفالت افراد کو اسلام کے بارے میں تعلیم دینا اور اس کی تعلیمات کو اپنی زندگیوں میں نافذ کرنے کی اہمیت ہے۔ انہیں نظر انداز نہیں کیا جانا چاہئے اور نہ ہی انہیں دوسروں کے حوالے کیا جانا چاہئے، جیسے کہ اسکول اور مسجد کے اساتذہ۔ کسی شخص کو یہ ذمہ داری نہیں اٹھانی چاہئے اگر وہ ان کے بارے میں انصاف کے ساتھ کام کرنے میں بہت سست ہو۔

آخر میں، کوئی بھی شخص انصاف کے ساتھ کام کرنے سے آزاد نہیں ہے، جیسا کہ کم از کم اللہ تعالیٰ اور اپنے آپ کے ساتھ انصاف کے ساتھ کام کرنا ہے۔

خراب عناصر کو ہٹانا

جنگ خیبر کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر مسلموں کو ملک سے بے دخل کرنے کے بجائے انہیں وہاں رہنے کی اجازت دی تھی لیکن اس میں یہ شق بھی شامل کی تھی کہ اگر مسلمان فیصلہ کریں تو مستقبل میں انہیں نکال سکتے ہیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 3، صفحہ 270-271 میں بحث کی گئی ہے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے دوران اسلامی سرزمین میں رہنے والے غیر مسلموں کے لیے مذہبی آزادی کو یقینی بنایا لیکن کسی کو اپنے ساتھ کیے گئے معاہدوں کو توڑنے کی اجازت نہیں دی۔ خیبر اور نجران میں رہنے والے غیر مسلموں نے ان شرائط پر عمل نہیں کیا جن پر وہ راضی تھے اور ان کے مذموم عزائم کی وجہ سے عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ان کی سرزمین سے نکال دیا۔ مثال کے طور پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پر ایک دفعہ حملہ ہوا اور وہ شدید زخمی ہو گئے جب وہ خیبر میں اپنی جائداد پر تشریف لے گئے۔ بقیہ غیر مسلم جنہوں نے ان کے منصوبوں میں حصہ نہیں لیا وہ امن میں رہ گئے۔ یہاں تک کہ جب اس نے انہیں نکال دیا، اس نے یقینی بنایا کہ انہیں دولت اور نئی جائیدادوں سے معاوضہ دیا جائے۔ اس پر امام محمد السلّابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 206-208 میں بحث کی گئی ہے۔

کمیونٹی کی حفاظت کے لیے برے عناصر کو کمیونٹی سے نکالنا ضروری ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2686 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کے اہم فریضے کو ادا نہ کرنے کو ایک کشتی کی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے جس میں دو درجے آدمی ہوں۔ نچلی سطح کے لوگ جب بھی پانی تک رسائی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو بالائی سطح کے لوگوں کو پریشان کرتے رہتے ہیں،

اس لیے وہ نچلی سطح پر ایک سوراخ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں تاکہ وہ براہ راست پانی تک رسائی حاصل کر سکیں۔ اگر بالائی سطح کے لوگ انہیں روکنے میں ناکام رہے تو یہ سب غرق ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اسلامی علم کے مطابق نرمی کے ساتھ نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنا کبھی ترک نہ کریں۔ ایک مسلمان کو یہ کبھی نہیں ماننا چاہیے کہ جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہیں گے، دوسرے گمراہ لوگ ان پر منفی اثر نہیں ڈال سکیں گے۔ سڑے ہوئے سیب کے ساتھ رکھنے پر ایک اچھا سیب بالآخر متاثر ہو جائے گا۔ اسی طرح جو مسلمان دوسروں کو نیکی کا حکم دینے میں ناکام رہتا ہے وہ آخر کار اس کے منفی رویے سے متاثر ہوتا ہے خواہ وہ لطیف ہو یا ظاہر۔ اگر وسیع تر معاشرہ غافل ہو بھی گیا ہو تو بھی اپنے اہل وعیال کو نصیحت کرنا کبھی ترک نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ان کے منفی رویے سے نہ صرف ان پر زیادہ اثر پڑے گا بلکہ یہ تمام مسلمانوں پر فرض بھی ہے، سنن ابوداؤد نمبر 2928 کی ایک حدیث کے مطابق، اگر کسی مسلمان کو دوسرے نظر انداز کر دیں تو بھی اس کو نصیحت کے ذریعے اپنے فرض کو ادا کرنا چاہیے۔ مضبوط ثبوت اور علم .جاہلانہ اور برے اخلاق کے ساتھ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا لوگوں کو حق اور صحیح ہدایت سے مزید دور دھکیلتا ہے جس کے نتیجے میں پوری امت پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

جب کوئی نیکی کا حکم دے اور برائی سے صحیح طریقے سے روکے تب ہی وہ معاشرے کے منفی اثرات سے محفوظ رہے گا اور قیامت کے دن معاف کر دیا جائے گا۔ باب 7 الاعراف، آیت 164:

"اور جب ان میں سے ایک جماعت نے کہا کہ تم ایسی قوم کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا سخت عذاب دینے والا ہے؟ "تو انہوں نے کہا": تمہارے رب کے سامنے بری ہو جاؤ اور شاید کہ وہ اس سے ڈریں"۔

لیکن اگر وہ صرف اپنی فکر کریں اور دوسروں کے اعمال کو نظر انداز کریں تو اندیشہ ہے کہ دوسروں کے منفی اثرات ان کی گمراہی کا باعث بن سکتے ہیں۔

مہربان ہونا

خیبر کی سرزمین فتح ہونے کے بعد ایک یہودی عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر آلود کھانا پیش کیا۔ اس میں سے کچھ کھانے کے بعد اسے الہی اطلاع ملی کہ کھانے میں زہر ملا ہے۔ جب اس نے یہودی عورت سے پوچھ گچھ کی تو اس نے جواب دیا کہ اگر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے تو اللہ تعالیٰ اس کو زہر کی اطلاع دیتا لیکن اگر وہ جعلساز ہوتا تو وہ اسے قتل کرکے دنیا پر احسان کرتی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت کو چھوڑ دیا اور سزا نہیں دی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 283-284 میں بحث کی گئی ہے۔

اسے اس لیے رہا کیا گیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے اپنے لیے بدلہ لینا نہیں چاہتے تھے۔

صحیح بخاری نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اپنی ذات سے بدلہ نہیں لیا بلکہ معاف کر دیا اور نظر انداز کیا۔

مسلمانوں کو مناسب اور معقول طریقے سے اپنا دفاع کرنے کی اجازت دی گئی ہے جب ان کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں بچا ہے۔ لیکن انہیں کبھی بھی لائن سے اوپر نہیں جانا چاہئے کیونکہ یہ ایک گناہ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 190:

”اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہ کرو، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

چونکہ نشان پر قدم رکھنے سے بچنا مشکل ہے، اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ صبر کی پابندی کرے، دوسروں کو نظر انداز کرے اور معاف کرے کیونکہ یہ نہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف ان کے گناہوں کو معاف کرنے کی طرف لے جاتی ہے۔ باب النور، آیت 22 24:

‘‘اور وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا آپ پسند نہیں کریں گے کہ اللہ آپ کو معاف کر دے؟’’

دوسروں کو معاف کرنا دوسروں کے کردار کو مثبت انداز میں بدلنے میں بھی زیادہ موثر ہے، جو کہ اسلام کا مقصد ہے اور مسلمانوں پر فرض ہے، کیونکہ بدلہ لینے سے ملوث افراد کے درمیان مزید دشمنی اور غصہ پیدا ہوتا ہے۔

جو لوگ دوسروں کو معاف نہ کرنے کی بری عادت رکھتے ہیں اور معمولی باتوں پر بھی ہمیشہ رنجشوں میں مبتلا رہتے ہیں، وہ اچھی طرح جان سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ ان کے ہر چھوٹے گناہ کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چیزوں کو جانے دینا سیکھنا چاہئے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں بخشش کا باعث بنتا ہے۔ اس کے علاوہ، ذہنی سکون اس وقت ختم ہو جاتا ہے جب کوئی شخص ہر اس چھوٹے سے مسئلے کو پکڑنے کی عادت اپنا لیتا ہے جو اسے پریشان کرتا ہے۔ لہذا، دوسروں کو نظر انداز کرنا اور معاف کرنا سیکھنا چھوٹے موٹے مسائل کو چھوڑنے میں مدد کرتا ہے، جس کے نتیجے میں انہیں ذہنی سکون حاصل کرنے میں مدد ملتی ہے۔

آخر میں، اہم حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جب دوسرے لوگ لائن کو عبور کریں تو کسی کو اپنا دفاع نہیں کرنا چاہئے، جیسا کہ اسلام بغیر کسی کمزوری کے عاجزی کا درس دیتا ہے۔ اس کے علاوہ، یہاں

تک کہ جب کوئی دوسروں کو معاف کرتا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ان پر اندھا اعتماد کریں یا ان کے ساتھ ہمیشہ کی طرح سماجی تعلقات جاری رکھیں۔ اس سے ان کے دوبارہ غلط ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں کو معاف کرنا چاہیے، اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے حقوق ادا کرنے چاہئیں، اور ماضی میں ان لوگوں کے ساتھ پیش آنا چاہیے جنہوں نے ان پر ظلم کیا ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ تاریخ اپنے آپ کو نہ دہرائے اور وہ دونوں جہانوں میں برکتیں اور انعامات حاصل کریں۔

ناجائز کا استعمال

غزوہ خیبر کے بعد مدینہ واپس آتے ہوئے ایک آوارہ تیر مسلمانوں کی طرف سے لڑنے والے ایک شخص کو جا لگا اور مارا گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اعلان کیا کہ آپ کو جنت نصیب ہوئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اس آدمی کو سزا دی جائے گی کیونکہ اس نے خیبر میں ایک چادر غیر قانونی طور پر لے لی تھی بجائے اس کے کہ مال غنیمت کی تقسیم کے ذمہ دار کے حوالے کیا جائے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 287-288 میں بحث کی گئی ہے۔

حرام کو حاصل کرنا اور استعمال کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ اس میں غیر قانونی دولت کا استعمال، غیر قانونی اشیاء کا استعمال اور غیر قانونی کھانا کھانا شامل ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اسلام نے جن مخصوص چیزوں کو حرام قرار دیا ہے جیسے کہ شراب صرف وہی چیزیں نہیں ہیں جو حرام ہیں۔ درحقیقت حلال چیزیں بھی حرام ہو سکتی ہیں اگر وہ حرام چیزوں سے حاصل کی گئی ہوں۔ مثال کے طور پر، حلال کھانا حرام ہو سکتا ہے اگر اسے حرام مال سے خریدا جائے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ وہ صرف حلال چیزوں سے نمٹتے ہیں کیونکہ یہ کسی کو برباد کرنے کے لیے حرام کا صرف ایک عنصر لیتا ہے۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 2346 کی ایک حدیث میں ایک مرتبہ تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص ناجائز استعمال کرے گا اس کی تمام دعائیں رد ہوں گی۔ اگر اللہ تعالیٰ سے ان کی دعائیں رد ہو جائیں تو کیا ان کی کوئی نیکی قبول ہونے کی امید رکھی جا سکتی ہے؟ درحقیقت اس کا جواب صحیح بخاری نمبر 1410 میں موجود ایک اور حدیث میں دیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ صرف حلال کو قبول کرتا ہے۔ لہٰذا ہر وہ عمل جس کی بنیاد ناجائز ہو مثلاً حرام مال کے ساتھ حج کرنا مردود ہے۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 3118 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ اس قسم کے آدمی کو قیامت کے دن جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 188:

’’ اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ اسے حکمرانوں کے پاس]رشوت میں [بھیجو تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ میں کھاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو کہ یہ حرام ہے۔‘‘

آپ کی میراث

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فتح خیبر سے مال غنیمت میں سے کچھ زمین حاصل کی اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ اسے کس طرح استعمال کیا جائے؟ اس نے اسے خیراتی وقف کے طور پر قائم کرنے کا مشورہ دیا۔ جائیداد سے حاصل ہونے والی پیداوار کو مسلسل غریبوں کو عطیہ کیا جاتا رہا۔ صحیح بخاری نمبر 2773 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

سب سے پہلے، یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دنیاوی وراثت آتے جاتے ہیں۔ کتنے امیر اور طاقتور لوگوں نے بڑی بڑی سلطنتیں صرف اس لیے بنائی ہیں کہ ان کے مرنے کے فوراً بعد انہیں توڑ دیا جائے اور انہیں بھلا دیا جائے۔ ان میں سے کچھ وراثت سے پیچھے رہ جانے والی چند نشانیاں صرف لوگوں کو ان کے نقش قدم پر نہ چلنے کی تنبیہ کرنے کے لیے پائی جاتی ہیں۔ ایک مثال فرعون کی عظیم سلطنت ہے۔ اسلام نہ صرف مسلمانوں کو نیک اعمال کی صورت میں اپنے آگے آخرت کے لیے برکتیں بھیجنے کا درس دیتا ہے بلکہ یہ انہیں اپنے پیچھے ایک خوبصورت میراث چھوڑنے کا بھی درس دیتا ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ درحقیقت، جب کوئی مسلمان فوت ہو جائے اور اپنے پیچھے کوئی مفید چیز چھوڑ جائے، جیسے جاری صدقہ، تو انہیں اس کا اجر ملے گا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 4223 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ نیک عمل کرنے کی کوشش کرے اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں آگے بھیجے، لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ اپنے پیچھے کوئی اچھی وراثت چھوڑنے کی کوشش کرے جو ان کے مرنے کے بعد ان کے لیے فائدہ مند ہو۔

بدقسمتی سے بہت سے مسلمان اپنے مال و جائداد کے بارے میں اس قدر فکر مند ہیں کہ وہ انہیں چھوڑ کر ہی چلے جاتے ہیں جس سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ہر مسلمان کو یہ یقین کرنے میں بے وقوف نہیں بنایا جانا چاہئے کہ ان کے پاس اپنے لئے میراث بنانے کے لئے کافی وقت ہے، کیونکہ موت کا لمحہ نامعلوم ہے اور اکثر لوگوں پر غیر متوقع طور پر حملہ آور ہوتا ہے۔ آج وہ دن ہے جب ایک مسلمان کو صحیح معنوں میں اس وراثت پر غور کرنا چاہیے جو وہ اپنے پیچھے چھوڑیں گے۔ اگر یہ میراث اچھی اور فائدہ مند ہے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی حمد کرنی چاہیے کہ اس نے انہیں ایسا کرنے کی توفیق بخشی۔ لیکن اگر کوئی ایسی چیز ہے جو ان کے لیے فائدہ مند نہیں ہے تو انہیں چاہیے کہ وہ کوئی ایسی چیز تیار کریں جس سے وہ نہ صرف آخرت کی بھلائی کو آگے بھیجیں بلکہ نیکی بھی

پیچھے چھوڑ جائیں۔ امید ہے کہ جو اس طرح خیر میں گھرا ہوا ہے اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا۔ اس لیے ہر مسلمان کو اپنے آپ سے سوال کرنا چاہیے کہ ان کی میراث کیا ہے؟

تعلقات کو بہتر بنانا

جنگ خیبر کے بعد ایک صحابی کے مشورے سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے سرداروں میں سے ایک بیٹی کو آزاد کر دیا اور اسلام قبول کرنے کے بعد اس کی شادی صفیہ بنت حی رضی اللہ عنہا سے کر دی۔ اس کا مقصد اس عظیم دشمنی کو نرم کرنا تھا اور اپنے سابقہ لوگوں یعنی یہودیوں سے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے لیے تھی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مقصد کے لیے مختلف مواقع پر ایسا کیا لیکن اس معاملے میں بھی یہودیوں کے آپ کے بارے میں موقف میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1599-1601 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غیر ملکی عورتوں سے شادیاں اسی وجہ سے ہوئیں نہ کہ اپنی جسمانی خواہشات کی تکمیل کے لیے جیسا کہ بعض گمراہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں۔ اس کی مزید تائید اس حقیقت سے ہوتی ہے کہ اپنی پوری جوانی کے دوران، ایک شخص کی جسمانی خواہشات کے عروج پر، اس نے ایک ہی عورت، خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی، حالانکہ وہ متعدد عورتوں سے شادی کرنے کی پوزیشن میں تھا۔

ہجرت کرنے والے

جنگ خیبر کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک گروہ جو پہلے مکہ سے ایتھوپیا کی طرف ہجرت کر کے مدینہ آیا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی ہجرت سے اس قدر خوش ہوئے کہ آپ نے انہیں خیبر کے مال غنیمت میں سے حصہ مختص کر دیا۔ اس پر امام صفی الرحمٰن کی کتاب مہربند نیکٹر صفحہ 373 میں بحث کی گئی ہے۔

بعد میں ایک موقع پر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ تبصرہ کیا کہ وہ لوگ جنہوں نے مکہ سے براہ راست مدینہ ہجرت کی، اس طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ زیادہ وقت گزارا، وہ حبشی کے ان مہاجرین سے زیادہ ان کے حقدار تھے جنہوں نے بہت بعد میں مدینہ ہجرت کی تھی۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا کہ مکہ سے براہ راست ہجرت کرنے والے آپ کے زیادہ مستحق نہیں ہیں کیونکہ حبشہ کے مہاجرین نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دو مرتبہ ہجرت کی تھی۔ صحیح بخاری نمبر 4231 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے ان مشکلات پر قابو پانے کا مطالبہ نہیں کرتا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے برداشت کیں۔ مثال کے طور پر، انہوں نے ہجرت کی جس میں انہوں نے اپنے خاندان، گھر، کاروبار چھوڑ دیا اور ایک اجنبی سرزمین کی طرف ہجرت کی، سب کچھ اللہ تعالیٰ کی خاطر۔

اس کے مقابلے میں مسلمانوں کو اس وقت جن مشکلات کا سامنا ہے وہ اتنا مشکل نہیں جتنا کہ صالح پیشروؤں کو درپیش تھا۔ لہٰذا مسلمانوں کو شکر گزار ہونا چاہیے کہ ان سے صرف چند چھوٹی قربانیاں کرنے کی ضرورت ہے، جیسے فرض فجر کی نماز ادا کرنے کے لیے کچھ نیند کی قربانی اور فرض صدقہ کرنے کے لیے کچھ مال۔ اللہ تعالیٰ ان کو یہ حکم نہیں دے رہا ہے کہ وہ اپنے گھر اور اہل و

عیال کو اس کی خاطر چھوڑ دیں۔ اس شکر کو عملی طور پر ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے ظاہر کیا جانا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ، جب کسی مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اسے ان مشکلات کو یاد رکھنا چاہیے جو نیک پیشروؤں کو پیش آئیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی سے ان پر کیسے قابو پایا، جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ علم ایک مسلمان کو اپنی مشکلات پر قابو پانے کی طاقت فراہم کر سکتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ صالح پیش رو اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب تھے، پھر بھی انہوں نے صبر کے ساتھ زیادہ سخت مشکلات کو برداشت کیا۔ درحقیقت سنن ابن ماجہ نمبر 4023 میں موجود ایک حدیث اس بات کی نصیحت کرتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے سخت ترین امتحانات کو برداشت کیا اور وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

اگر کوئی مسلمان نیک پیشروؤں کے ثابت قدمی کی پیروی کرتا ہے تو امید ہے کہ وہ آخرت میں ان کے ساتھ ہو گا۔

کوئی صنفی تعصب نہیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے ساتویں سال اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ایک مرتبہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تشریف لے گئیں اور فرمایا کہ عورتوں کا نقصان ہے کیونکہ قرآن مجید میں مردوں کی طرح ان کا ذکر نہیں ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے باب 33 الاحزاب آیت 35 نازل فرمائی:

"بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، سچے مرد اور سچی عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں، روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور وہ عورتیں جنہوں نے کثرت سے ذکر کیا اور اللہ نے ان سب مردوں کے لیے جو کثرت سے ذکر کرنے والے مردوں اور عورتوں کو تیار کیا ہے۔ بخشش اور اجر عظیم"

اس پر امام واحدی کی، اصباب النزول، 33:35، صفحہ 129-130 میں بحث کی گئی ہے۔

قرآن کریم کی درج ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کی ایک اہم تعلیم کی وضاحت فرمائی ہے یعنی سب سے زیادہ عزت والا اور بہترین شخص وہ ہے جس کے پاس سب سے زیادہ تقویٰ ہو۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

’’ اے لوگو ، بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے‘‘۔

یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز آتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے۔ بدقسمتی سے، شیطان نے بہت سی خواتین کو مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی حیثیت پر بحث کرنے کے لیے دھوکہ دیا ہے۔ حالانکہ اسلام نے خواتین کو ایسی عزت عطا کی ہے جو کسی اور ادارے یا ایمان نے کبھی نہیں دی ہے، جیسے کہ عورت کے قدموں کے نیچے جنت، جو نمبر 3106 میں موجود ایک حدیث سے سنن نسائی کہ آخری نعمت ہے، یعنی ماں کو۔ اس کی تصدیق نمبر 3895 میں موجود ایک اور حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ جامع ترمذی ہوتی ہے ۔ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ بہترین آدمی وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اور بھی بے شمار مثالیں ہیں۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ عورتوں کو اپنے آپ کو مردوں سے تشبیہ دینے کی فکر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی خواہش نہیں ہے۔ اس کے بجائے عورتوں کو تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اگر وہ اسے حاصل کر لیں تو وہ ہر اس مرد یا عورت سے افضل ہوں گی جو ان سے کم تقویٰ کا مالک ہو۔ یہ وہ معیار ہے جو الگ کرتا ہے کہ کون برتر ہے۔ اور اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ یہ صرف مردوں تک محدود نہیں ہے۔

تاریخ کے اوراق پلٹیں تو وہ عظیم خواتین مسلمان نظر آئیں گی جنہوں نے مرد اور عورت کے فرق پر بحث ومباحثہ کرنے کے بجائے اس اہم کام پر توجہ دی۔ اور اس کے نتیجے میں وہ مردوں اور عورتوں کی اکثریت سے بہتر ہو گئے۔ یہاں تک کہ اگر مسلمان عورتوں کو وہ تمام حقوق مل جائیں جن کا وہ خواب دیکھتی تھیں تب بھی یہ انہیں دوسروں پر اس وقت تک فضیلت نہیں دے سکتی جب تک کہ وہ تقویٰ اختیار نہ کر لیں یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جب کوئی خبر کو دیکھتا ہے اور جو اپنی مرضی کے مطابق برتاؤ کرتا ہے۔ اور یہ حقیقت اگلے جہان میں واضح ہو جائے گی۔ لہٰذا اگر کوئی مسلمان دوسروں پر برتری حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے تقویٰ کے ساتھ تلاش کرنا چاہیے نہ کہ بحث و تکرار میں۔

چیزوں کی مثبت تشریح کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے ساتویں سال آپ نے دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے لشکر روانہ کیا۔ دشمن کا ایک سپاہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے لڑتا رہا یہاں تک کہ وہ مغلوب ہوگیا۔ جب سپاہی قتل ہونے والا تھا تو اس نے ایمان کی اسلامی شہادت کا اعلان کیا۔ اس کی وجہ سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہ آپ سے پیچھے ہٹ گئے لیکن ایک صحابی اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو قتل کر دیا کہ اس نے صرف اپنی جان بچانے کے لیے اسلام پر ایمان لانے کا اعلان کیا۔ جب یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ پر سخت ناراض ہوئے۔ وہ اسامہ رضی اللہ عنہ سے پوچھتا رہا کہ اسامہ رضی اللہ عنہ کے بعد بھی اس نے اس شخص کو کیوں قتل کیا جس نے ایمان کی اسلامی گواہی کا اعلان کیا، اس نے اپنا استدلال پیش کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 301 میں بحث کی گئی ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ یہ واقعہ واضح ثبوت کے بغیر دوسرے مسلمانوں پر کفر کا الزام لگانے سے گریز کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ثانوی اسلامی مسائل پر اختلاف رکھنے والے بعض مسلمانوں نے دوسرے مسلمانوں پر کفر کا الزام لگانے کی عادت اختیار کر لی ہے، حالانکہ ان کا اختلاف اسلام کے بنیادی اصولوں جیسا کہ اللہ کی وحدانیت پر مبنی نہیں ہے۔ اگر کسی کو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ اسلامی مسائل پر بحث کرنی ہے تو اسے احترام اور آداب کے ساتھ کرنا چاہیے۔

عام طور پر، زیر بحث اہم واقعہ دوسروں کے بارے میں مثبت سوچنے کی اہمیت کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ سنن ابو داؤد نمبر 4993 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت کی کہ لوگوں کے بارے میں اچھا گمان کرنا اللہ تعالیٰ کی عبادت کا ایک پہلو ہے۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک پہلو ہے۔

چیزوں کو منفی انداز میں بیان کرنا اکثر گناہوں کا باعث بنتا ہے، جیسے غیبت اور غیبت۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جہاں ممکن ہو مثبت انداز میں چیزوں کی تشریح کرے تاکہ شک کا فائدہ دوسروں تک پہنچایا جا سکے۔ بدقسمتی سے، منفی سوچ کو اپنانے سے خاندانی یونٹ سے لے کر قومی سطح تک لوگوں پر اثر پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک قوم کتنی بار ایک مفروضے اور شک پر جنگ میں گئی ہے؟ میڈیا میں پائے جانے والے اسکینڈلز کی اکثریت مفروضوں پر مبنی ہے۔ یہاں تک کہ ایسے قوانین بھی بنائے گئے ہیں جو مفروضوں اور شبہات کے استعمال کی حمایت کرتے ہیں۔ یہ اکثر ٹوٹنے اور ٹوٹنے والے رشتوں کی طرف لے جاتا ہے کیونکہ اس ذہنیت کے حامل لوگ ہمیشہ یہ مانتے ہیں کہ دوسرے ان کے الفاظ یا اعمال کے ذریعے ان پر تنقید کر رہے ہیں۔ یہ کسی کو دوسروں سے مشورہ لینے سے روکتا ہے، کیونکہ ان کا ماننا ہے کہ مشورہ دینے والے کی طرف سے ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے اور یہ ایک کو مشورہ دینے سے روکتا ہے کیونکہ انہیں یقین ہے کہ دوسرا شخص ان کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دے گا۔ اور ایک شخص اس منفی ذہنیت کے حامل شخص کو نصیحت کرنے سے گریز کرے گا کیونکہ ان کا خیال ہے کہ یہ صرف ایک دلیل کا باعث بنے گا۔ یہ دیگر منفی خصلتوں کی طرف جاتا ہے، جیسے کہ تلخی۔

،مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگر وہ یہ فرض کر لیں کہ کوئی ان پر طنز کر رہا ہے تب بھی انہیں ان کی نصیحت کو قبول کرنا چاہیے اگر یہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر مبنی ہے۔

چیزوں کی ہمیشہ منفی تشریح کرنا بھی ایک طاقتور دماغی بیماری کو جنم دیتا ہے، یعنی پیراونیا۔ جو شخص بے حیائی کو اپناتا ہے وہ ہمیشہ دوسروں کو بری چیزوں کا شکوہ کرتا ہے۔ یہ رشتوں کے لیے انتہائی تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے، جیسے شادی۔

کوشش کرنی چاہیے کہ جہاں ممکن ہو مثبت انداز میں چیزوں کی تشریح کی جائے، جس سے مثبت ذہنیت جنم لے۔ اور ایک مثبت ذہنیت صحت مند تعلقات، احساسات اور اتحاد کا باعث بنتی ہے۔ جبکہ چیزوں کی ہمیشہ منفی انداز میں تشریح کرنا انسان کو دوسروں کے بارے میں ہمیشہ منفی سوچنے اور عمل کرنے کی ترغیب دیتا ہے، چاہے ان کا برتاؤ اچھا ہو۔ یہ صرف انسان کو دوسروں کے حقوق ادا کرنے سے روکتا ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 12:

"...اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت سے گمانوں سے بچو، بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں"

ایمان پر عمل کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے ساتویں سال آپ نے دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے لشکر روانہ کیا۔ اس مہم کے دوران، فوج کو کوئی ایسا شخص ملا جس نے انہیں اسلامی سلام کے ساتھ سلام کیا، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ فوجیوں میں سے ایک نے اس پر حملہ کر کے اسے ہلاک کر دیا کیونکہ اس کے ساتھ اس کا پہلے سے حل نہ ہونے والا مسئلہ تھا۔ جب یہ بات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے مقتول کے اہل خانہ کو قاتل کو معاف کرنے اور اس کے بدلے معاوضہ لینے پر راضی کیا۔ آخرکار وہ راضی ہو گئے لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مسلمان کو قتل کرنے پر سپاہی کو بہت سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔ کچھ دنوں بعد سپاہی مر گیا اور جب اسے دفن کیا گیا تو زمین نے اس کی لاش کو باہر پھینک دیا۔ اس کے لوگوں نے اسے ایک بار پھر دفن کیا لیکن زمین نے پھر اس کی لاش کو باہر پھینک دیا۔ آخرکار انہوں نے اسے کچھ پتھروں کے نیچے دفن کر دیا۔ جب یہ بات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ زمین ان سے بدتر لوگوں کو قبول کرتی ہے لیکن یہ لوگوں کو سبق سکھانے کے لیے ہوا ہے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء آیت نمبر 94 نازل فرمائی۔

اے ایمان والو جب تم اللہ کی راہ میں نکلو تو تحقیق کر لیا کرو اور جو تمہیں سلام کہے اسے یہ مت کہو کہ تم مومن نہیں ہو، دنیا کے سامان کی تمنا کرتے ہو، کیونکہ اللہ کے پاس بہت سی چیزیں ہیں، تم پہلے بھی ایسے ہی تھے، پھر اللہ نے تم پر تحقیق فرمائی۔ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے ہمیشہ باخبر ہے۔"

اس پر ابن کثیر، The Life of the Prophet، جلد 3، صفحہ 304-306 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ اعمال کے ساتھ اسلام میں ایمان کے اعلان کی حمایت کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ اسلام کو ایک کوٹ کی طرح نہیں سمجھا جا سکتا جس پر وہ اپنی خواہشات کے مطابق اسے پہنا یا اتار دیں۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرتا ہے وہ صرف اپنی خواہشات کی پرستش کرتا ہے خواہ وہ اس کے علاوہ دعویٰ کرے۔ باب 25 الفرقان، آیت 43:

"کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جو اپنی خواہش کو اپنا معبود بناتا ہے؟"

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو انسان کو درپیش ہر صورت حال پر اثرانداز ہوتا ہے اور وہ اپنی عطا کردہ ہر نعمت کو کس طرح استعمال کرتا ہے۔ جو چنتا ہے اور چنتا ہے وہ ایک مسلمان کی طرح برتاؤ کرتا ہے اور جب ایسا نہیں کرتا ہے تو اس کا ایمان ضائع ہونے کا شدید خطرہ ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جسے پھلنے پھولنے اور زندہ رہنے کے لیے اطاعت کے عمل سے پرورش پانی چاہیے۔ جس طرح ایک پودا اس وقت مر جاتا ہے جب وہ سورج کی روشنی کی طرح پرورش حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے، اسی طرح اگر کسی شخص کی اطاعت کے ساتھ اس کی پرورش نہ کی جائے تو اس کا ایمان بھی مر جائے گا۔ اس اطاعت میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

سبحانہ وتعالیٰ کی نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ ہجرت کے ساتویں سال آپ نے ایک لشکر روانہ کیا اور ایک خاص صحابی رضی اللہ عنہ کو ان کی ذمہ داری دی اور دوسروں کو حکم دیا کہ وہ آپ کی اطاعت کریں۔ مہم کے دوران یہ رہنما دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم پر ناراض ہو گیا اور پھر انہیں حکم دیا کہ آگ پیدا کر کے اس میں داخل ہو جاؤ۔ لیکن انہوں نے جواب دیا کہ وہ آگ اور عذاب سے بچنے کے لیے اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ قائد کا غصہ پھر ٹھنڈا ہوا اور آگ بجھ گئی۔ جب یہ خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں تنبیہ کی کہ اگر وہ آگ میں داخل ہوتے تو وہ اس میں ہی رہتے اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ لوگوں کی اطاعت صرف ان چیزوں میں ہے جن کا مطلب اچھا ہے، ان چیزوں میں جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا باعث نہ ہوں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 306 میں بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو ہمیشہ باقی تمام چیزوں پر ترجیح دینی چاہیے۔ انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں دوسروں کی اطاعت کریں گے تو وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ نہیں رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے جو بھی دنیاوی چیزیں حاصل ہوتی ہیں اور جن لوگوں کی وہ اطاعت کرتے ہیں وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے پریشانی اور پریشانی کا باعث بنتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرنا غیر متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کا باعث بنتا ہے اور اس کی وجہ سے انسان اپنی زندگی میں ہر چیز اور ہر چیز کو غلط جگہ دیتا ہے۔ اس لیے یہ رویہ ہمیشہ کسی کو ذہنی سکون حاصل کرنے سے روکے گا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والا دوسروں کے منفی اثرات سے اس کی حفاظت حاصل کرے گا، خواہ یہ حفاظت ان پر ظاہر نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کی حفاظت اس وقت کرتا ہے جب وہ ان کے لیے بہتر ہوتا ہے اور جو ان کے لیے بہتر ہوتا ہے، وہ لوگوں کی حفاظت ان کی اپنی خواہشات کے مطابق نہیں کرتا۔ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے وہ ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرے گا جو انہیں دی گئی ہیں۔ یہ ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کا باعث بنے گا اور قیامت کے دن احتساب کے لیے مناسب تیاری کرتے ہوئے ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں صحیح طریقے سے جگہ دے گا۔ اس لیے تمام چیزوں پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا دونوں جہانوں میں سکون قلب کا باعث بنتا ہے۔ اس لیے ایک شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے مفاد کے لیے اسلامی تعلیمات کو قبول کرے اور اس پر عمل کرے، چاہے وہ اس کی خواہشات کے خلاف ہو۔ انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو

قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی گئی ہیں اور ایک سخت خوراک کا منصوبہ ہے۔ جس طرح یہ عقلمند مریض اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کرے گا، اسی طرح وہ شخص جو اسلامی تعلیمات کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف وہی علم رکھتا ہے جس کے پاس اس بات کو یقینی بنانے کے لیے ضروری ہے کہ انسان ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کو حاصل کرے اور ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں صحیح طور پر رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ ہے۔ معاشرے میں موجود انسانوں کی ذہنی اور جسمانی حالتوں کا علم اس نتیجے کو حاصل کرنے کے لیے کبھی بھی کافی نہیں ہو گا، تمام تر تحقیق کے باوجود، کیونکہ وہ اپنی زندگی کے ہر مسئلے کو حل نہیں کر سکتے، ان کے مشورے ہر قسم کے ذہنی اور جسمانی تناؤ سے بچنے کا باعث نہیں بن سکتے اور نہ ہی ان کی نصیحتیں محدود علم، تجربے اور کم علمی کی وجہ سے اپنی زندگی میں ہر چیز کو صحیح طریقے سے اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں رکھنے کا باعث بن سکتی ہیں۔ یہ علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اس نے اسے قرآن مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی صورت میں انسانوں کو عطا کیا ہے۔ یہ حقیقت اس وقت عیاں ہوتی ہے جب کوئی ان لوگوں کو دیکھتا ہے جو ،اسلامی تعلیمات کے مطابق عطا کی گئی نعمتوں کو استعمال کرتے ہیں اور جو نہیں کرتے۔ اگرچہ زیادہ تر معاملات میں، مریض اپنی تجویز کردہ دوائیوں کے پیچھے سائنس کو نہیں سمجھتے اور اس لیے اپنے ڈاکٹر پر اندھا اعتماد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ لوگوں کو اسلام کی تعلیمات پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے تاکہ وہ اپنی زندگی پر اس کے مثبت اثرات کو سمجھ سکیں۔ وہ لوگوں سے یہ توقع نہیں کرتا کہ وہ اسلام کی تعلیمات پر اندھا اعتماد کریں بلکہ وہ چاہتا ہے کہ وہ اس کی سچائی کو اس کے واضح دلائل سے پہچانیں۔ لیکن اس کے لیے انسان کو اسلام کی تعلیمات سے رجوع کرتے ہوئے غیر جانبدارانہ اور کھلے ذہن کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ باب 12 یوسف، آیت 108:

کہو، "یہ میرا راستہ ہے؛ میں اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ دعوت دیتا ہوں، میں اور وہ لوگ جو میری پیروی کرتے ہیں..."

اس کے علاوہ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی لوگوں کے روحانی دلوں کو کنٹرول کرتا ہے، ذہنی سکون کا گھر، وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کون اسے حاصل کرتا ہے اور کس کو نہیں۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے‘‘۔

اور یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کو ذہنی سکون دے گا جو اس کی عطا کردہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔

موخر دورہ)عمرہ(

وعدوں کا وفادار

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے ساتویں سال، آپ نے زیارت)عمرہ(کرنے کے لیے مکہ کا رخ کیا، جیسا کہ گزشتہ سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے ساتھ اتفاق کیا گیا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 2000 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف لائے اور اپنے ساتھ اسلحہ لے کر آئے۔ ابتدائی معاہدہ یہ تھا کہ وہ اپنی میان شدہ تلواروں کے ساتھ ہی مکہ میں داخل ہوں گے۔ جب مکہ کے غیر مسلموں کو معلوم ہوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کے باہر پڑاؤ ڈالا ہے اور اپنے ساتھ دوسرے ہتھیار بھی لے آئے ہیں تو انہوں نے مکراز ابن حفص کو ان سے بات کرنے کے لیے روانہ کیا۔ میکراز نے تبصرہ کیا کہ انہوں نے کبھی بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تجربہ نہیں کیا، جوانی میں یا بڑے ہونے پر غداری کرتے ہوئے اور پھر اپنے ساتھ لائے ہوئے ہتھیاروں سے سوال کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں یقین دلایا کہ ہتھیار مکہ سے باہر ہی رہیں گے اور وہ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہ اپنے وعدے کے مطابق صرف اپنی میان شدہ تلواروں کے ساتھ مکہ میں داخل ہوں گے۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1629-1631 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ وعدہ خلافی منافقت کا ایک پہلو ہے۔

ایک مسلمان نے سب سے بڑا وعدہ اللہ تعالیٰ سے کیا ہے، جس پر اتفاق اس وقت ہوا جب کسی نے اسے اپنا رب اور معبود تسلیم کیا۔ اس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا شامل ہے۔

لوگوں کے ساتھ کیے گئے دیگر تمام وعدوں کو بھی پورا کیا جانا چاہیے، جب تک کہ کسی کے پاس کوئی معقول عذر نہ ہو، خاص طور پر جو والدین بچوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ وعدوں کی خلاف ورزی بچوں کو صرف برے کردار کی تعلیم دیتی ہے اور انہیں یہ ماننے کی ترغیب دیتی ہے کہ دھوکے باز ہونا ایک قابل قبول خصوصیت ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2227 میں موجود حدیث میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا ہے کہ جو اس کے نام پر وعدہ کرے اور پھر بغیر کسی عذر کے اسے توڑ دے وہ اس کے خلاف ہو گا۔ جس کے خلاف اللہ تعالیٰ ہے وہ قیامت کے دن کیسے کامیاب ہو سکتا ہے؟ جہاں ممکن ہو دوسروں کے ساتھ وعدے نہ کرنا ہمیشہ محفوظ ہے۔ لیکن جب کوئی حلال وعدہ کیا جائے تو اسے پورا کرنے کے لیے سخت کوشش کرنی چاہیے۔

اس کے علاوہ، زیر بحث اہم واقعہ دوسروں کے ساتھ محتاط رہنے کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے، خاص طور پر ان لوگوں کے ساتھ جنہوں نے ماضی میں غداری کی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6133 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مومن کو ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن کسی چیز یا کسی سے دو بار بیوقوف نہیں بنتا۔ اس میں گناہوں کا ارتکاب بھی شامل ہے۔ ایک سچا مومن گناہوں کے ارتکاب سے محفوظ نہیں ہے۔ لیکن جب وہ ان کا ارتکاب کرتے ہیں تو وہ اپنی غلطی کو نہیں دہراتے ہیں اور اس کے بجائے اللہ تعالیٰ سے سچے دل سے توبہ کرکے سیکھتے ہیں اور بہتر کے لیے بدلتے ہیں۔ سچی توبہ میں ندامت کا احساس، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جن پر ظلم ہوا ہے، جب تک کہ یہ مزید مسائل کا باعث نہ بن جائے، دوبارہ وہی یا اس سے ملتا جلتا گناہ نہ کرنے کا وعدہ کرنا اور اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہوں ان کی تلافی کرنا شامل ہے۔

ایک سچا مومن لوگوں پر اندھا اعتماد نہیں کرتا جس سے ان کے ساتھ ظلم ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ لیکن اگر وہ کسی کی طرف سے بے وقوف بنائے جاتے ہیں، تو انہیں نظر انداز کرنا چاہئے اور معاف کرنا چاہئے، کیونکہ یہ ان کی بخشش کا باعث بنتا ہے .باب 24 النور، آیت 22:

’’اور وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا آپ پسند نہیں کریں گے کہ اللہ آپ کو معاف کر دے؟‘‘

لیکن انہیں مستقبل میں اس شخص کے ساتھ معاملہ کرتے وقت احتیاط سے چلتے ہوئے اپنے رویے کو بھی بدلنا چاہیے، اس طرح اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ دوبارہ بے وقوف نہ بنیں۔ دوسروں کو معاف کرنے اور ان پر اندھا بھروسہ کرنے میں بہت فرق ہے، خاص طور پر، جب وہ کسی پر ظلم کر چکے ہیں۔

اس کے علاوہ، اس حدیث کا اطلاق زندگی کے ہر پہلو پر ہوتا ہے، کیونکہ حقیقی مومن وہ ہے جو اپنے تجربات اور علم سے مسلسل سیکھتا ہے تاکہ وہ بہتر ہو سکے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کرے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور تقدیر کا مقابلہ صبر کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق کرے۔ اس سے وہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں گے جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں۔

آخر میں، مرکزی حدیث معاف کرنے اور بھول جانے کے غلط تصور کو ختم کرتی ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، دوسروں کو معاف کرنا اسلام کا ایک اہم حصہ ہے لیکن بھول جانا لوگوں کے لیے دوبارہ غلط کرنے کا دروازہ کھولتا ہے۔ انسان اپنی یادوں کو مٹا نہیں سکتا اور نہ ہی مٹا سکتا ہے۔ اس کے بجائے، دوسروں کو معاف کرنا چاہیے، اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، لیکن لوگوں کے ساتھ معاملہ کرتے وقت احتیاط سے چلنا چاہیے، خاص طور

پر ان لوگوں کے ساتھ جنہوں نے ماضی میں ان پر ظلم کیا ہے، تاکہ تاریخ اپنے آپ کو دہرائے نہ جائے۔

کمزوری کے بغیر عاجزی

جب صلح حدیبیہ کے دوران مسلمان عمرہ کرنے کے لیے مکہ میں داخل ہوئے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ مکہ کے غیر مسلم رہنما یہ جھوٹی خبریں پھیلا رہے ہیں کہ مسلمان سخت پریشانی اور پریشانی میں مبتلا ہیں۔ غیر مسلم بیت اللہ، کعبہ کے قریب قطار میں کھڑے ہو کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گواہی دے رہے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر اس دن طاقت کا مظاہرہ کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ سے برکت کی دعا کی۔ اپنی طاقت دکھانے کے لیے انہوں نے خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے جزوی طور پر خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 308 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

امام منذری کی بیداری اور اندیشہ نمبر 2556 میں موجود حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاجزی اختیار کرنے والے کو بشارت دی ہے جو بغیر کسی عیب یعنی کمزوری کے عاجزی اختیار کرتا ہے۔ عاجز اللہ تعالیٰ کے احکام و ممنوعات پر سرتسلیم خم کرتا ہے، قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، اس طرح اس کی بندگی کا ثبوت دیتا ہے۔ جب سچائی ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو وہ اسے آسانی سے قبول کر لیتے ہیں، چاہے وہ ان کی خواہشات کے خلاف ہو اور اس سے قطع نظر کہ اسے کون ان تک پہنچاتا ہے۔ مطلب، وہ سچائی کو یہ سمجھتے ہوئے رد نہیں کرتے کہ وہ بہتر جانتے ہیں۔ وہ دوسروں کو حقیر نہیں سمجھتے، یہ مانتے ہیں کہ وہ کسی دنیاوی چیز کی وجہ سے جو ان کے پاس ہے یا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی وجہ سے وہ ان سے برتر ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ تمام دنیاوی نعمتیں جو ان کے پاس ہیں، ان سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے عطا کی ہیں۔ اس لیے ان کے پاس فخر کرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ اس کے علاوہ، وہ سمجھتے ہیں کہ نیک اعمال کرنا صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی ممکن ہے، کیونکہ ،نیک کام کرنے کی الہام، موقع، طاقت اور صلاحیت سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس کے علاوہ صرف ایک احمق فخر کو اپناتا ہے کیونکہ کسی کو ان کے حتمی نتائج یا دوسروں کے حتمی نتائج کا علم نہیں ہوتا ہے۔ یعنی ان کی موت اس حال میں ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی نہ ہوں اور کفر کی حالت میں بھی۔ ان سچائیوں کو سمجھنا انسان کو تکبر کے مہلک گناہ سے روک دے گا۔ ایک ایٹم کی قیمت کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ کمزوری کے بغیر عاجزی کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان ہمیشہ دوسروں کے ساتھ مہربانی کا مظاہرہ کرتا ہے لیکن ضرورت پڑنے پر اپنا دفاع کرنے اور حق کے

لیے کھڑا ہونے سے نہیں ڈرتا اور نہ ہی اس کی عاجزی دوسروں کی نظروں میں رسوا اور بے عزت ہونے کا باعث بنتی ہے۔

مہربانی کو ترجیح دی جاتی ہے۔

مسلمان عمرہ کی ادائیگی کے لیے مکہ میں داخل ہوئے جس پر معاہدہ حدیبیہ کے دوران اتفاق ہوا تھا۔ تین دن کا متفقہ وقت گزر جانے کے بعد مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مکہ چھوڑنے کا مطالبہ کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بتایا کہ جیسا کہ انہوں نے میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے شادی کی تجویز مکہ میں رکھی تھی، وہ وہاں شادی کی دعوت کا اہتمام کرنا چاہتے تھے اور چاہتے تھے کہ غیر مسلم بھی ان کی دعوت میں شریک ہوں۔ لیکن انہوں نے بدتمیزی سے اس سے مکہ چھوڑنے کا مطالبہ کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا جواب قبول کیا اور مکہ چھوڑنے کا حکم دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 310-311 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ مکہ کے غیر مسلم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نقصان پہنچانے پر بضد رہے، پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نرمی سے ان کے ساتھ دوستی کرنے کی کوشش کی اس امید پر کہ یہ امن اور اتحاد کا باعث بنے گا۔

جامع ترمذی نمبر 2701 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔

یہ ایک اہم خصوصیت ہے جسے تمام مسلمانوں کو اپنانا چاہیے۔ اسے اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں استعمال کیا جانا چاہیے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ نرم مزاجی سے خود مسلمانوں کو کسی اور سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکتیں اور اجر و ثواب حاصل کریں گے اور گناہوں کی مقدار کو کم کریں گے، کیونکہ ایک شریف آدمی اپنے قول و فعل سے گناہوں کا امکان کم رکھتا ہے، بلکہ اس سے انہیں دنیاوی معاملات میں بھی فائدہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، جو شخص اپنے شریک حیات کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے وہ بدلے میں زیادہ پیار اور عزت حاصل کرے گا

اگر وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ سختی سے پیش آئے۔ جب بچوں کے ساتھ نرمی سے برتاؤ کیا جاتا ہے تو بچے اپنے والدین کی فرمانبرداری اور احترام کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ کام پر موجود ساتھی اس کی مدد کرنے کا زیادہ امکان رکھتے ہیں جو ان کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے۔ مثالیں لامتناہی ہیں۔ ،صرف انتہائی شاذ و نادر ہی صورتوں میں سخت رویہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ زیادہ تر معاملات میں نرم رویہ سخت رویہ سے کہیں زیادہ موثر ہوگا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی بھی بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی نرمی کو خاص طور پر اجاگر کیا ہے، کیونکہ یہ ایک اہم جز ہے جو دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کے لیے ضروری ہے۔ باب 3 آل عمران، آیت 159:

"پس اللہ کی رحمت سے آپ نے ان کے ساتھ نرمی برتی، اور اگر آپ بد زبان اور دل میں سخت ہوتے تو وہ آپ سے دور ہو جاتے۔"

ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ کبھی بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر نہیں ہو سکتے اور نہ ہی وہ جس شخص سے بات کرتے ہیں وہ فرعون سے بدتر ہو گا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرعون کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔ باب 20 طہٰ، آیت 44:

اور اس سے نرمی سے بات کرو شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا اللہ سے ڈرے‘‘۔’’

سختی صرف لوگوں کو اسلام سے دور کرتی ہے اور دوسروں کو یہ ماننے کا باعث بنتی ہے کہ یہ ایک سخت اور خام مذہب ہے۔ اسلام کو اس طرح غلط بیان کرنا ایک سنگین جرم ہے جس سے تمام مسلمانوں کو بچنا چاہیے۔

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام معاملات میں نرمی اختیار کرے کیونکہ اس سے بہت زیادہ ثواب ملتا ہے اور دوسروں جیسے کہ اپنے گھر والوں پر مثبت اثر پڑتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ بنیادی حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جب کوئی دوسرے لائن کو عبور کرے تو کسی کو اپنا دفاع نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ اسلام بغیر کسی کمزوری کے عاجزی کا درس دیتا ہے۔ لیکن یہ مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ عام طور پر نرمی کو اپنا طریقہ اختیار کریں اور دوسروں کو ان کا فائدہ اٹھانے کی اجازت نہ دیں۔

آخر میں، ایک سادہ اسلامی فلسفہ کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے، کہ کوئی دوسرے کے ساتھ کیسا سلوک کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کیسا سلوک کرے گا۔ اگر کوئی اپنے قول و فعل میں دوسروں کے ساتھ سختی کا مظاہرہ کرے تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرے گا۔ جبکہ اگر وہ دوسروں کے ساتھ نرمی سے پیش آتے ہیں، دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرتے ہیں، اچھی باتوں میں دوسروں کی مدد کرتے ہیں اور دوسروں کی غلطیوں اور عیبوں سے درگزر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرے گا۔

نبوی شادیاں

مسلمان عمرہ کی ادائیگی کے لیے مکہ میں داخل ہوئے جس پر معاہدہ حدیبیہ کے دوران اتفاق ہوا تھا۔ اس سفر کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ یہ اس کی آخری شادی تھی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 310-311 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ باب 33 الاحزاب، آیات 50-52 سے مربوط ہے:

اے نبیؐ، ہم نے آپ کے لیے آپ کی وہ بیویاں حلال کی ہیں جن کو آپ نے ان کا معاوضہ دیا ہے اور'' وہ جو آپ کے دائیں ہاتھ کی ملکیت ہیں ان کو جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو لوٹا دیا ہے اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی بیٹیاں جو آپ کے ساتھ آپ کی ممتا ہوں اور ان کی بیٹیاں آپ کے ساتھ ہیں۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کرنا چاہتے ہیں،]دوسرے [مومنوں کو چھوڑ کر ہم نے ان پر ان کی بیویوں کے بارے میں کیا فرض کیا ہے،]لیکن یہ آپ کے لیے ہے [تاکہ آپ کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے جسے چاہیں الگ کر دیں یا جسے چاہیں اپنے پاس لے لیں اور جن سے آپ نے]عارضی طور پر [علیحدگی اختیار کی تھی، اس میں آپ پر کوئی قصور نہیں ہے۔ یہ زیادہ مناسب ہے کہ وہ مطمئن رہیں اور غمگین نہ ہوں اور جو کچھ آپ نے انہیں دیا ہے اس پر وہ مطمئن رہیں۔ اور اللہ جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اور اللہ ہمیشہ جاننے والا اور بردبار ہے۔ آپ کے لیے اس کے بعد کوئی اور عورتیں حلال نہیں ہیں اور نہ ہی آپ کے لیے یہ جائز ہے کہ آپ ان کو دوسری بیویوں سے بدل دیں، اگرچہ ان کی خوبصورتی آپ کو خوش کرتی ہو، سوائے اس کے جو آپ کے دائیں ہاتھ میں ہو۔ اور اللہ ہر چیز پر نظر رکھنے والا ہے۔''

یہ آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابتداء میں ایک وقت میں چار سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت تھی۔ یہ آیات کھلے ذہن کے ساتھ ان کا مطالعہ کرنے والے کے لیے وجہ بالکل واضح کرتی ہیں۔ ان آیات میں جن تکلیف کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشن ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات اور اس کی روایات کو معاشرے اور دنیا تک پہنچانا۔ ان تعلیمات کو دو پہلوؤں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلی ان کی عوامی زندگی ہے جس کے بارے میں جاننے اور آگے پہنچانے کی ذمہ داری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تھی۔ دوسری اس کی نجی زندگی تھی، جس کے بارے میں جاننے اور آگے پہنچانے کے لیے اس کے خاندان، جیسے اس کی بیویاں، ذمہ دار تھیں۔ تاریخ سے یہ بات واضح ہے کہ آپ کی عوامی زندگی کی تعلیمات کو پہنچانے کے لیے ہزاروں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ضرورت پڑی تو چار بیویوں کے لیے یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے اسلام نے جو حد مقرر کی ہے، ان کی نجی زندگی کی تعلیمات کو پہنچانا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنے مشن کو آسان بنانے کے لیے ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویوں کی اجازت دی تھی۔ زیر بحث آیات میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کی مزید تائید زیر بحث آیات کے آخری حصے سے ہوتی ہے جہاں ایسا لگتا ہے کہ زیادہ ازواج مطہرات سے شادی کرنے کی اجازت کو ختم کر دیا گیا تھا کیونکہ اس کے پاس کافی بیویاں تھیں جو کہ عمر اور سماجی پس منظر کے لحاظ سے مختلف تھیں، تاکہ اس کی نجی زندگی کی تعلیمات کو معاشرے اور دنیا تک پہنچایا جا سکے، جسے وہ اعلیٰ ترین معیار تک پہنچاتے ہیں، اللہ ان سب سے راضی ہو۔

اس کے علاوہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غیر ملکی قبائل کی عورتوں سے شادیاں آپ کے دشمنوں کے دلوں کو نرم کرنے کے لیے تھیں تاکہ وہ اسلام کی تعلیمات کو کھلے اور غیر جانبدارانہ ذہن کے ساتھ سنیں۔ اس کی شادیاں اس کی جسمانی خواہشات کی تکمیل کے لیے نہیں تھیں جیسا کہ بعض گمراہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں۔ اس کی مزید تائید اس حقیقت سے ہوتی ہے کہ اپنی پوری جوانی کے دوران، ایک شخص کی جسمانی خواہشات کے عروج پر، اس نے ایک ہی عورت، خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی، حالانکہ وہ متعدد عورتوں سے شادی کرنے کی پوزیشن میں تھا۔

عام طور پر دیکھا جائے تو اسلام مردوں کو ایک ساتھ چار عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت دیتا ہے جبکہ عورتیں کسی ایک وقت میں صرف ایک ہی شوہر رکھ سکتی ہیں۔ اس فرق کی بہت سی وجوہات ہیں۔ مثال کے طور پر، اسلام کی آمد میں زیادہ تر خواتین کے پاس پیشے نہیں تھے، جیسا کہ آج کرتے ہیں، لہٰذا جب بھی کوئی عورت بیوہ یا طلاق یافتہ ہوتی تھی، اکثر اس کے پاس اپنے یا اپنے

بچوں کو پالنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا تھا۔ اس نے خواتین کو غیر قانونی سرگرمیوں کی طرف مجبور کیا۔ اس کو ختم کرنے کے لیے مردوں کو چار عورتوں تک شادی کرنے کی اجازت دی گئی۔

اس کے علاوہ، جب ایک مرد کے پاس ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب بھی بیویوں میں سے کوئی ایک بچہ جنم دیتی ہے تو والدین کون ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ایک عورت کو ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ مردوں سے شادی کرنے کی اجازت دی گئی تو باپ کی شناخت مشکل ہو جائے گی کیونکہ بہت سے لوگ جدید سائنسی ٹیسٹوں کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتے۔ ان میں سے بہت سے جو ان کی استطاعت رکھتے ہیں وہ اپنے آپ کو والدین کے بوجھ سے آزاد کرنے کے لیے ان ٹیسٹوں کے ذریعے فراہم کردہ ڈیٹا کی تردید کریں گے۔ یہ ان گنت سماجی مسائل کا باعث بنے گا جیسے ٹوٹے ہوئے خاندان اور واحد والدین کے گھر۔ اس قانون میں اس پیشین گوئی کو بھی مدنظر رکھا گیا کہ قریب قریب عورتوں کی آبادی اس حد تک بڑھ جائے گی کہ ہر ایک مرد کے مقابلے میں پچاس عورتیں ہو جائیں گی۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4045 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اسلام میں کوئی جبر نہیں ہے لہذا عورت کسی خاص شخص سے شادی سے انکار کرنے میں آزاد ہے۔ اس کے علاوہ، ایک مرد کو ہمیشہ اپنی شریک بیویوں کے ساتھ برابری اور احترام کے ساتھ برتاؤ کرنے کا ارادہ رکھنا چاہیے، جس کا اسلام نے حکم دیا ہے۔

آخر میں، یہ انتہائی عجیب بات ہے کہ کس طرح کچھ لوگ متعدد بیویوں پر اعتراض کرتے ہیں پھر بھی ایک سے زیادہ شراکت داروں کو قبول کرتے ہیں حالانکہ سابقہ مرد کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنی تمام بیویوں سے یکساں سلوک کرے اور اس بات کو یقینی بنائے کہ وہ ان میں سے ہر ایک کے حقوق کو پورا کرے، جبکہ اس قسم کا اور منصفانہ سلوک صرف اس صورت میں موجود نہیں ہے جب ایک کے متعدد شریک ہوں۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ عدل اور مہربانی سے جڑی شادی پر اعتراض کرتے ہیں پھر بھی زنا سے خوش ہیں۔ شادی بچوں کے لیے مستحکم اور معاون گھروں کو جنم دیتی ہے جب کہ ایک سے زیادہ شراکت داروں کا ہونا ٹوٹے اور بے سہارا گھروں کا باعث بنتا ہے جس کے نتیجے میں معاشرے میں جرائم اور گناہوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

خواتین کی عزت کرنا

زیارت کے بعد مکہ سے نکلتے وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعاقب آپ کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی بیٹی نے کیا۔ وہ مکہ چھوڑ کر مدینہ میں مسلمانوں کے درمیان رہنا چاہتی تھی۔ علی ابن ابی طالب نے اسے لے لیا اور اپنی بیوی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ وہ اسے اپنی نگرانی میں رکھیں گے۔ جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے استدلال کیا کہ وہ اسے اپنے زیر کفالت رکھنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں کیونکہ وہ ان کے چچا کی بیٹی تھی اور اس کی خالہ ان کی بیوی تھیں۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے استدلال کیا کہ وہ اسے اپنی نگرانی میں لینے کا زیادہ حق رکھتے ہیں کیونکہ اس کے والد اس کے بھائی تھے، اس ایمان کے بندھن کے ذریعے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برسوں پہلے بنائے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جعفر رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ دیا اور فرمایا کہ خالہ کا درجہ ماں کے برابر ہے۔ اس کے بعد آپ نے ان سب کو تسلی دی اور ان کی تعریف کی اور کہا کہ علی ان سے ہیں اور وہ علی رضی اللہ عنہ سے ہیں۔ اس نے جعفر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ ظاہری شکل و صورت میں ان سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ اس نے زید رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ ان کا آزاد کردہ غلام ہے اور اپنے بھائی کی طرح ہے۔ صحیح بخاری نمبر 4251 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

یہ ایک بہت ہی ناقابل یقین واقعہ ہے کیونکہ اس سے چند سال پہلے عرب لڑکیوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور انہیں اپنے گھر والوں کی لعنت کے طور پر دیکھتے تھے۔ اس کے نتیجے میں بہت سے عرب اپنی نوزائیدہ بچیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ اسلام میں بہت زیادہ تنقید کا رویہ۔ باب 16 النحل، آیات 58-59:

"اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی پیدائش کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غم کو دباتا ہے، وہ اپنے آپ کو لوگوں سے چھپا لیتا ہے اس بیماری کی وجہ سے جس کی اسے اطلاع دی گئی ہے، کیا اسے ذلت کے ساتھ رکھنا چاہیے یا اسے زمین میں دفن کرنا چاہیے، بلاشبہ وہ جو فیصلہ کرتے ہیں، وہ بری ہے"۔

عام طور پر دیکھا جائے تو اسلام سے پہلے عورتیں خود ایک ایسی چیز میں شمار ہوتی تھیں جو دوسروں کو وراثت میں ملتی تھیں۔ اسلام نے اس غیر منصفانہ روش کو ختم کیا اور انہیں ایسے حقوق دیے جو کسی بھی دوسرے معاشرے سے زیادہ تھے۔

عام بات یہ ہے کہ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں عورتوں کے لیے گھریلو استعمال کی اشیاء کے برابر ہونا عام رواج تھا۔ انہیں مویشیوں کی طرح خریدا اور بیچا جائے گا۔ عورت کو شادی کے حوالے سے کوئی حق نہیں تھا۔ اپنے رشتہ داروں کی طرف سے وراثت میں کچھ حصہ کی حقدار ہونے کے علاوہ، وہ خود کو وراثت کا ایک ٹکڑا سمجھا جاتا تھا جیسے گھر کے دیگر سامان۔ اسے مردوں کی ملکیت سمجھا جاتا تھا جبکہ اسے کسی چیز کی ملکیت کی اجازت نہیں تھی۔ اور وہ صرف مرد کی مرضی کے مطابق خرچ کر سکتی تھی۔ جبکہ مرد اپنی خواہش کے مطابق کوئی بھی مال خرچ کر سکتا ہے جو اس کا ہونا چاہیے، جیسے اجرت۔ اسے اس طریقہ پر سوال کرنے کا بھی حق نہیں تھا۔ یورپ کے کچھ گروہوں نے تو عورت کو انسان نہیں سمجھا اور اسے جانور کے برابر قرار دیا۔ عورت کو مذہب میں کوئی جگہ نہیں تھی۔ وہ عبادت کے لیے نااہل سمجھے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض نے عورتوں کو روح کی حامل نہیں قرار دیا۔ ایک باپ کے لیے اپنی نوزائیدہ یا جوان بیٹی کو قتل کرنا مکمل طور پر معمول سمجھا جاتا تھا کیونکہ اسے خاندان کے لیے شرمندگی کے طور پر دیکھا جاتا تھا۔ بعض کا یہ بھی ماننا تھا کہ عورت کو قتل کرنے والے کے خلاف کوئی انصاف نہیں کیا جائے گا۔ کچھ رسم و رواج نے تو مردہ شوہر کی بیوی کو بھی مار ڈالا کیونکہ وہ اس کے بغیر رہنے کے قابل نہیں تھی۔ بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ عورتوں کا مقصد صرف مردوں کی خدمت ہے۔

،لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے انسان کو تمام انسانوں کا احترام سکھایا عدل و انصاف کو قانون بنایا اور مردوں کو عورتوں کے حقوق ان پر ان کے اپنے حقوق کے متوازی پورے کرنے کا ذمہ دار بنایا۔ خواتین کو آزاد اور خود مختار بنایا گیا۔ وہ مردوں کی طرح اپنی جان و مال کی خود مالک بن گئی۔ کوئی مرد عورت کو زبردستی کسی سے شادی کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اگر اس کی رضامندی کے بغیر اسے مجبور کیا جاتا ہے تو یہ اس کا اختیار بنتا ہے کہ وہ نکاح جاری رکھے یا اسے فسخ کرے۔ کسی مرد کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی ملکیت میں سے کچھ بھی اس کی رضامندی اور منظوری کے بغیر خرچ کرے۔ شوہر کی موت کے بعد یا طلاق کے بعد وہ خود مختار ہو جاتی ہے اور اسے کسی کی طرف سے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ذمہ داریوں کے مطابق مردوں کی طرح وراثت میں حصہ ملتا ہے۔ عورتوں پر خرچ کرنا

اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا اللہ تعالیٰ نے عبادت قرار دیا ہے۔ یہ تمام حقوق اور اس سے زیادہ عورتوں کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے نہیں دیا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ آج خواتین کے حقوق کے لیے کھڑے ہونے والے اسلام پر تنقید کرتے ہیں حالانکہ اس نے خواتین کو صدیوں پہلے حقوق دیے تھے۔

ہجرت کے بعد آٹھواں سال

زندگی میں باطل

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے ایک غیر مسلم رئیس خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کا سفر کرنے اور اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے وضاحت کی کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اسلام کی تمنا ڈالی اور اسے اس پر غور و فکر کرنے کی صلاحیت عطا کی۔ اس کے بعد اس نے ذکر کیا کہ کس طرح اس نے سرزمین عرب کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف دیکھا، حالانکہ ان غیر مسلموں نے اپنی سرزمین میں جو کچھ کیا وہ قابل مذمت تھا اور اس نے محسوس کیا کہ گویا اب وہ ان میں نہیں رہے۔ اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ جانتے تھے کہ سچائی یعنی اسلام، بالآخر غالب آئے گا اس لیے اس نے مدینہ کا رخ کرنے اور اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 323 میں بحث کی گئی ہے۔

جس چیز نے انہیں اسلام قبول کرنے کی مزید حوصلہ افزائی کی وہ وہ خط تھا جو انہیں اپنے بھائی ولید بن ولید رضی اللہ عنہ کی طرف سے موصول ہوا تھا۔ خط میں اس کے بھائی نے حیرت کا اظہار کیا کہ خالد جیسا شخص اسلام کی مخالفت کر کے اتنا ذہین اور اتنا جاہل کیسے ہو سکتا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں بھی پوچھا اور فرمایا کہ ان جیسا شخص اسلام سے ناواقف نہ ہو اور اگر وہ اسلام کی مدد میں اپنی کوششیں لگادیں تو یہ اس کے لیے بہتر ہوگا اور اس کو درجات میں دوسروں سے آگے لے آئے گا۔ اس کے بھائی نے اس پر زور دیا کہ وہ اس نیکی سے محروم نہ ہوں کیونکہ اس سے پہلے وہ بہت سی اچھی چیزوں سے محروم ہو چکا ہے۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1642-1643 میں بحث کی گئی ہے۔

عمرو بن عاص نے جنگ احزاب کے بعد ایتھوپیا کی طرف ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا کیونکہ اسے لگتا تھا کہ عرب میں اسلام غالب ہو گا۔ اس نے تبصرہ کیا کہ اگر عرب میں اسلام غالب ہوتا ہے تو وہ ایتھوپیا کے بادشاہ کے ماتحت رہنا پسند کرے گا جو اس کا دوست تھا اور اگر غیر مسلم اسلام پر غالب آجائیں تو ان کے ساتھ پہلے سے ہی مضبوط تعلقات ہیں۔ جب وہ حبشہ پہنچا تو اس نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو بادشاہ کے دربار سے نکلتے ہوئے دیکھا۔ پھر اس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ اس شخص کو پھانسی کے لیے اس کے حوالے کر دیا جائے۔ بادشاہ کو اس پر غصہ آیا اور کہا کہ وہ کیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول کو پھانسی کے لیے دے سکتا ہے۔ بادشاہ نے پھر عمرو کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی کیونکہ یہ سچ تھا۔ پھر عمرو نے بادشاہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے کے لیے مدینہ جانے کا فیصلہ کیا۔ راستے میں وہ خالد بن ولید سے ٹکرا گیا جو اسلام قبول کرنے کے لیے مدینہ جا رہا تھا۔ وہ دونوں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1639-1641 میں بحث کی گئی ہے۔

خالد رضی اللہ عنہ کی زندگی میں موجود خلاء کا تجربہ بہت سے لوگ کرتے ہیں۔ ہر عمر میں بہت سے لوگ اپنی زندگی کے اندر سے اس قسم کے خالی پن کا تجربہ کرتے ہیں۔ کچھ لوگ اس احساس کو درمیانی زندگی کے بحران سے بھی جوڑتے ہیں۔ ایک شخص جو اس کا تجربہ کرتا ہے اکثر اپنے مقصد پر سوال اٹھاتا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ایک بہت بڑا خلا محسوس کرتا ہے حالانکہ اس کے پاس بہت سی چیزیں ہیں اور بہت ساری دنیاوی کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ ایسا اکثر ہوتا ہے کیونکہ یہ لوگ اپنی تخلیق کے اس مقصد کو پورا نہیں کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم حاصل کرنا ہے تاکہ وہ اس کی صحیح اطاعت اور عبادت کر سکیں۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جو جدید ترین موبائل فون کا مالک ہے جس میں ابھی تک بہت سی خصوصیات ہیں، ایک خرابی کی وجہ سے وہ اپنے بنیادی مقصد کو پورا کرنے میں ناکام رہتا ہے جو کہ فون کال کرنا ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ یہ دیگر خصوصیات کتنی اچھی ہیں مالک ہمیشہ اس کے حوالے سے ایک خالی محسوس کرے گا کیونکہ فون اپنے وجود کا بنیادی مقصد پورا نہیں کرتا ہے۔ اسی طرح ایک شخص اپنی زندگی میں خلا محسوس کرے گا خواہ اس کے پاس بہت سی دنیاوی چیزیں ہوں۔ یہ احساس مسلمانوں اور غیر مسلموں کو متاثر کرتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ غیر مسلم ایسا کیوں محسوس کرتے ہیں کہ وہ اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا کرنے سے آگے نہیں بڑھ سکتے ہیں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ وہ کچھ بھی حاصل کر لیں آخرکار وہ اپنی زندگی میں اس خلا کو محسوس کرتے ہیں۔ یہ ان مسلمانوں کو ہوتا ہے جو اپنے واجبات کو بھی پورا کرتے ہیں لیکن جب وہ اپنے مقصد کو صحیح طریقے سے پورا کرنے کے لیے ضروری علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں تو وہ اس خلا کا تجربہ کرتے ہیں۔ زیادہ تر معاملات میں وہ عربی زبان بھی نہیں سمجھتے ہیں اس

لیے محض عبادت کرنے سے اس خلا کو پر نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی بھی اس خلا کو اس وقت تک پر نہیں کرے گا جب تک کہ وہ تخلیق کے اس مقصد کو پورا کرنے کی کوشش نہ کریں جو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا ہے تاکہ وہ اپنی زندگی کے ہر لمحے اس کی صحیح اطاعت اور عبادت کر سکیں۔

موتہ کی جنگ

درست ادراک

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے آٹھویں سال آپ نے جنگ موتہ میں حصہ لینے کے لیے ایک لشکر روانہ کیا۔ یہ لشکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر کے طور پر روانہ کیا گیا، حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ، جو بصرہ کے حاکم کو ایک خط پہنچا رہے تھے، رومی بادشاہ کے حلیف بلقا کے گورنر نے پکڑ کر قتل کر دیا۔ یہ مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ تھا کیونکہ سفیر کو قتل کرنا ہر دور میں ہمیشہ حرام رہا ہے۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 382-383 میں بحث کی گئی ہے۔

حسب معمول جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر روانہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ ،وآلہ وسلم نے انہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین فرمائی، خیانت سے پرہیز کریں، کسی بچے، عورت بوڑھے یا کسی خانقاہ میں تنہائی اختیار کرنے والے کو قتل نہ کریں، درخت نہ کاٹیں اور نہ عمارتیں توڑ دیں۔ اس نے ان سے کہا کہ جب ان کا مقابلہ دشمن سے ہو تو وہ انہیں تین میں سے کسی ایک آپشن کی طرف دعوت دیں :اسلام قبول کریں، ٹیکس ادا کریں یا جنگ کی تیاری کریں۔ اس پر امام محمد السلّابی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرتِ نبوی، جلد 1، صفحہ 1651 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لشکر کے ایک کمانڈر اور یکے بعد دیگرے دو مزید جانشینوں کا نام دیا۔ لوگوں نے اس سے سمجھا کہ یہ مخصوص صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ ایک یہودی آدمی نے بھی سابقہ آسمانی تعلیمات سے تصدیق کی کہ جب بھی کسی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کمانڈر کے جانشین کا نام دیا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ضرور شہید ہوں گے۔ پہلے کمانڈر کے جانشینوں میں سے ایک عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ تھے۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ لوگوں کو الوداع کرتے ہوئے رو پڑے۔ جب اس سے اس کے اس عمل کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ اس کا رونا دنیا یا لوگوں کی محبت کی وجہ سے نہیں ہے

بلکہ اسے آخرت اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ یاد ہے کہ ہر ایک کو جہنم کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن اسے یقین نہیں تھا کہ وہ اس سے کیسے بچ پائے گا۔ باب 19 مریم، آیت 71:

"اور تم میں سے کوئی نہیں مگر وہ اس)جہنم (میں آئے گا، یہ تمہارے رب پر لازم ہے۔"

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 326-327 میں بحث کی گئی ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح فرمایا کہ لڑائی کے مخصوص اصول ہیں جن پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اگر اسلام کی طرف سے لڑنے کا دعویٰ کرنے والے لوگ ان اصولوں پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں تو پھر ان کے اعمال پر تنقید کی جانی چاہیے نہ کہ اسلام پر۔

اس کے علاوہ عبداللہ بن رواحہ کا طرز عمل اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ کس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہمیشہ آخرت پر توجہ مرکوز رکھی اور مادی دنیا کی آسائشوں کو جمع کرنے اور جمع کرنے پر اس کی تیاری کو ترجیح دی۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دنیا اور آخرت کی نوعیت کو سمجھ کر اس صحیح ادراک اور رویے کو اپنائیں۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4108 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مادی دنیا آخرت کے مقابلے میں سمندر کے مقابلے میں پانی کے قطرے کی طرح ہے۔

درحقیقت یہ تشبیہ اس لیے دی گئی تھی کہ لوگ یہ سمجھ سکیں کہ مادی دنیا آخرت کے مقابلے میں کتنی چھوٹی ہے۔ لیکن حقیقت میں ان کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ مادی دنیا عارضی ہے اور آخرت ابدی ہے۔ یعنی محدود کا لامحدود سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ مادی دنیا کو چار قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :شہرت، قسمت، اختیار اور کسی کی سماجی زندگی، جیسے ان کا خاندان اور دوست۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کسی کو کوئی بھی دنیاوی نعمت حاصل ہو جو ان گروہوں میں آتی ہے، وہ ہمیشہ نامکمل، عارضی ہوگی اور موت انسان کو نعمتوں سے کاٹ دے گی۔ دوسری طرف آخرت کی نعمتیں پائیدار اور کامل ہیں۔ تو اس لحاظ سے مادی دنیا ایک نہ ختم ہونے والے سمندر کے مقابلے میں ایک قطرے سے زیادہ نہیں ہے۔

اس کے علاوہ، ایک شخص کو اس دنیا میں طویل زندگی کا تجربہ کرنے کی ضمانت نہیں ہے، کیونکہ موت کا وقت نامعلوم ہے .جبکہ ہر ایک کو موت کا تجربہ کرنے اور آخرت تک پہنچنے کی ضمانت ہے۔ پس آخرت کے لیے کوشش کرنے پر جس تک پہنچنے کی ضمانت دی گئی ہے، ایک دن کے لیے جدو جہد کو ترجیح دینا بے وقوفی ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی دنیا کو چھوڑ دے کیونکہ یہ ایک پل ہے جسے آخرت تک پہنچنے کے لیے عبور کرنا ضروری ہے۔ اس کے بجائے ایک مسلمان کو چاہیے کہ اس مادی دنیا سے اپنی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق بغیر فضول خرچی اور اسراف کے پورا کرے۔ اور پھر اپنی بقیہ کوششیں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممنوعات سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ آخرت کی تیاری کے لیے وقف کریں۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کرے گا جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو راضی ہوں۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کر سکیں گے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

ایک ذہین انسان نہ ختم ہونے والے سمندر پر پانی کے ایک قطرے کو ترجیح نہیں دے گا اور ایک ذہین مسلمان دنیاوی مادی دنیا کو ابدی آخرت پر ترجیح نہیں دے گا۔

مندرجہ ذیل بہترین ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال آپ نے جنگ موتہ میں شرکت کے لیے ایک لشکر روانہ کیا۔ اس لشکر کے ایک رکن عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوج کو صبح سویرے نکلنے کا حکم دیا لیکن عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اپنی روانگی میں تاخیر کا فیصلہ کیا تاکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ سکیں اور پھر باقی لشکر کو پکڑ لیں۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو مسجد میں نماز کے لیے موجود دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اعمال کے بارے میں سوال کیا۔ اس کی نیت معلوم ہونے کے بعد اس نے اسے بتایا کہ اسے جو حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کرنا ساری دنیا سے زیادہ ثواب ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 327 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ قرآن مجید کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر عمل پیرا ہونے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے، دوسری تعلیمات اور اعمال پر عمل کرنے کے بجائے، خواہ اسلام میں ان کو اچھا سمجھا جائے۔

سنن ابو داؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ ہر وہ معاملہ جس کی بنیاد اسلام پر نہ ہو اسے رد کر دیا جائے گا۔

اگر مسلمان دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں دائمی کامیابی چاہتے ہیں تو انہیں قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر سختی سے عمل کرنا چاہیے۔ اگر چہ بعض اعمال جو براہ راست ہدایت کے ان دو ذرائع سے نہیں کیے گئے ہیں ان کو پھر بھی اعمال صالحہ قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن ان دونوں ذرائع کو ہدایت کے تمام چیزوں پر ترجیح دینا ضروری ہے۔ درحقیقت انسان ان دو ذرائع سے نہ لینے والی چیزوں پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، خواہ وہ اعمال صالحہ ہی کیوں نہ

ہوں، ہدایت کے ان دو ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ کتنے مسلمانوں نے اپنی زندگیوں میں ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے جن کی رہنمائی کے ان دو ذرائع میں کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اگر یہ ثقافتی عادات گناہ نہیں ہیں، تب بھی انہوں نے مسلمانوں کو ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے سے روک دیا ہے، کیونکہ وہ اپنے طرز عمل سے مطمئن ہیں۔ یہ ہدایت کے دو ذرائع سے ناواقفیت کا باعث بنتا ہے جس کے نتیجے میں گمراہی ہی ہوتی ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھے اور ان پر عمل کرے جو راہنمائی کے رہنماوں نے قائم کیے ہیں اور اس کے بعد اگر اس کے پاس وقت اور توانائی ہو تو دوسرے رضاکارانہ اعمال پر عمل کرے۔ لیکن اگر وہ جہالت اور من گھڑت کاموں کا انتخاب کریں، خواہ وہ گناہ ہی کیوں نہ ہوں، ان دو ذرائع ہدایت پر سیکھنے اور ان پر عمل کرنے سے وہ کامیاب نہیں ہوں گے۔

آخر کار جب کوئی ایسے کام کرنے پر لگا رہتا ہے جو ہدایت کے دو ذرائع سے براہِ راست جڑے نہیں ہوتے، جہالت کی وجہ سے وہ آسانی سے ایسے عمل اور عقائد میں پڑ جاتے ہیں جو اسلامی علم سے متصادم ہوتے ہیں۔ یہ مسلمان کو گناہوں اور گمراہی کے راستے پر لے جاتا ہے جبکہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ صحیح راہ پر ہیں۔ جو جانتا ہے کہ وہ کھو چکے ہیں وہ دوسروں کی طرف سے مشورہ دینے پر اپنی سمت کو قبول کرنے اور تبدیل کرنے کا امکان ہے۔ لیکن جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ صحیح راستے پر ہیں وہ اپنی سمت کو تبدیل کرنے اور درست کرنے کا بہت زیادہ امکان نہیں رکھتا ہے، یہاں تک کہ جب انہیں علم اور واضح ثبوت کے حامل دوسرے لوگوں کی طرف سے تنبیہ کی گئی ہو۔ اس نتیجہ سے بچنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہدایت کے دو ذرائع میں پائے جانے والے علم کو حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے اور دوسرے اعمال سے گریز کیا جائے، خواہ وہ اچھے کام ہی کیوں نہ ہوں۔

ایمان میں مضبوطی۔

جنگ موتہ کے دوران مسلمانوں کی فوج نے موتہ کے قریب ڈیرہ ڈالا جہاں انہیں اطلاع ملی کہ دشمن کی فوج کی تعداد دو لاکھ کے قریب ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر بحث کی کہ آیا اس مشن کو جاری رکھنا ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجنا ہے، آپ کو صورتحال سے آگاہ کرنا ہے اور مزید احکامات کی درخواست کرنا ہے۔ لیکن عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اٹھے اور فوج کو یہ یاد دلاتے ہوئے لڑنے کی ترغیب دی کہ ان کی طاقت تعداد یا ہتھیاروں میں نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کی مخلصانہ اطاعت میں ہے۔ اس نے فوج کی شہادت یا فتح کا وعدہ کیا۔ فوج راضی ہو گئی اور ثابت قدمی کے ساتھ آگے بڑھی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 328 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

صحیح مسلم نمبر 159 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مختصر مگر دور رس نصیحت فرمائی۔ انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا صدق دل سے اعلان کریں اور پھر اس پر ثابت قدم رہیں۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکمیل پر مشتمل ہے ، جو اس سے متعلق ہیں، جیسے فرض روزے اور جو لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کہ دوسروں سے حسن سلوک کرنا۔ اس میں اسلام کی ان تمام ممنوعات سے پرہیز کرنا بھی شامل ہے جو ایک شخص اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں اور جو دوسروں کے درمیان ہیں۔ ایک مسلمان کو بھی صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا چاہیے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

”لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

آخر میں ان پہلوؤں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق پورا کرنا شامل ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

”کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔“

ثابت قدمی میں دونوں قسم کے شرک سے پرہیز شامل ہے۔ سب سے بڑی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی عبادت کرتا ہے۔ معمولی قسم یہ ہے کہ جب کوئی نیک کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی خاطر، جیسے دکھاوا کرنا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہٰذا استقامت کا ایک پہلو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنا ہے۔

اس میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنا اور چیری چننے سے پرہیز کرنا شامل ہے کہ کب اور کن اسلامی تعلیمات پر کوئی شخص اپنی خواہشات کے مطابق عمل کرے گا۔

ثابت قدمی میں شامل ہے خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا، بجائے اس کے کہ اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کیا جائے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ نہ ان کی خواہشات اور نہ ہی لوگ انھیں اللہ تعالیٰ سے محفوظ رکھیں گے۔ دوسری طرف جو اللہ تعالیٰ کا سچے دل سے فرمانبردار ہے وہ ہر چیز سے محفوظ رہے گا خواہ یہ حفاظت ان پر ظاہر نہ ہو۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے میں یہ شامل ہے کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا اور اس سے ہٹنے والے راستے کو اختیار نہ کرنا۔ جو شخص اس راہ کو اختیار کرنے کی کوشش کرے گا اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ یہی ان کے ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے کافی ہے۔ باب 4 النساء آیت 59:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے حاکم ہیں..."

اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخلصانہ اطاعت میں ہیں ۔

چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ بلاشبہ غلطیاں کریں گے اور گناہ کریں گے۔ لہٰذا ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کریں۔ اس کی طرف باب 41 فصیلات، آیت 6 میں اشارہ کیا گیا ہے:

‘‘...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو’’

اس کی مزید تائید جامع ترمذی نمبر 1987 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور کسی نیک عمل سے سرزد ہونے والے)معمولی (گناہ کو مٹانے کی تلقین کی گئی ہے۔ امام مالک کی موطا، کتاب 2، حدیث نمبر 37 میں موجود ایک اور حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی پوری کوشش کریں، اگرچہ وہ اس پر پوری طرح عمل نہ کر سکیں۔ لہٰذا ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی نیت اور جسمانی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں اس کو حاصل کرنے کی صلاحیت کو پورا کرے۔ انہیں کمال حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ کوئی شخص اپنے جسمانی اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ثابت قدم نہیں رہ سکتا جب تک کہ وہ اپنے روحانی قلب کو پہلے پاک نہ کرے۔ جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جسم کے اعضاء صرف اسی صورت میں کام کریں گے جب روحانی قلب پاک ہو۔ دل کی پاکیزگی صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ثابت قدمی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی زبان پر قابو رکھے جیسا کہ یہ دل کا اظہار کرتی ہے۔ زبان پر قابو رکھے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ممکن نہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2407 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں اگر اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں کوئی کمی واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنی چاہیے اور لوگوں سے معافی مانگنی چاہیے، اگر اس میں ان کے حقوق شامل ہوں۔ باب 46 الاحقاف، آیت 13:

”بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ راہ راست پر رہے، ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

شاندار ڈی ایکٹیشین

جنگ موتہ کی تیاری کے لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لشکر کے ایک کمانڈر اور یکے بعد دیگرے دو مزید جانشینوں کا نام لیا۔ لوگوں نے اس سے سمجھا کہ یہ مخصوص صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہو جائیں گے۔ پہلے سپہ سالار زید بن حارثہ شہید ہوئے، اس کے بعد جعفر بن ابو طالب اور پھر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ۔ پھر لشکر نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار مقرر کیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ لڑتے رہنا اس کے آدمیوں کی تباہی کا باعث بنے گا، جسے وہ قبول نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ ایک حکمت عملی سے پسپائی سب سے بہتر ہوگی کیونکہ رومیوں کے دلوں میں خوف اور خوف پیدا کرنے کا ان کا مقصد اس وقت حاصل ہو گیا تھا جب انہوں نے ایک چھوٹی فوج کو اس کے سائز سے 66 گنا زیادہ چیلنج کیا۔ اس نے پہلے اپنے فوجی یونٹوں کو دوبارہ ترتیب دیا تاکہ یہ تاثر دیا جا سکے کہ کمک پہنچ گئی ہے۔ اس کی وجہ سے ایک بار پھر لڑائی شروع ہونے پر رومی سپاہیوں کو پیچھے ہٹنا پڑا، کیونکہ وہ مسلمانوں کو کمک حاصل کرنے کے خیال سے روکے گئے تھے۔ اس سے مسلم فوج کو کم سے کم جانی نقصان، تقریباً 10 نقصانات کے ساتھ حکمت عملی کے ساتھ پیچھے ہٹنے کا کافی وقت ملا۔ چونکہ رومی فوج نے سب سے پہلے پسپائی اختیار کی تھی اس لیے مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح بخاری ،نمبر 1246 میں موجود حدیث میں بیان کیا ہے۔ اس پر امام محمد السلّابی رحمہ اللہ کی نوبل زندگی جلد 1، صفحہ 1656 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ تمام سپر پاورز اور عرب کے غیر مسلم قبائل کو واضح پیغام دینے کے لیے کافی تھا کہ اسلام یہاں باقی ہے۔ اس جنگ نے بہت سے عرب قبائل کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی اور بہت سے دشمنان اسلام کو مسلمانوں کے خلاف دشمنی سے باز رہنے کی ترغیب دی کیونکہ ان کے دلوں میں خوف اور خوف کی ایک نئی تہہ جم گئی تھی۔ عام طور پر دیکھا جائے تو اگر مسلمان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح برتری حاصل کرنا چاہتے ہیں تو انہیں اللہ تعالیٰ کی عملی اطاعت کے ساتھ اپنے زبانی اعلان ایمان کی تائید کرتے ہوئے ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔ اس اطاعت میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو صحیح طور پر عطا کی گئی ہیں جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 139:

پس تم کمزور نہ ہو اور غم نہ کرو اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو‘‘۔’’

اگر مسلمان برتر نہیں ہیں تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ سچے عقیدے کی شرط پر پورا نہیں اتر رہے ہیں۔

دوسروں کو تسلی دینا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنگِ موتہ کے واقعات کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے سپاہیوں کے مدینہ واپس آنے سے پہلے ہی دے دی تھی۔ جب وہ جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کے پاس گئے اور انہیں ان کی شہادت کی خبر دی تو ان کے گھر والے غم زدہ ہونے لگے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں تسلی دینے کے بعد جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ نے اپنے یتیم بچوں اور ان کی کفالت کی کمی کے بارے میں کہنا شروع کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ وہ اپنے گھر والوں کی فکر کیسے کر سکتی ہے جب کہ وہ دنیا اور آخرت میں ان کا محافظ ہے۔ اپنے گھر سے نکلنے کے بعد، آپ نے لوگوں سے کہا کہ وہ جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کے پاس جائیں اور انہیں کھانا کھلائیں کیونکہ وہ ان کے نقصان پر غمگین تھے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 339-341 میں بحث کی گئی ہے۔

سب سے پہلے غور کرنے کی بات یہ ہے کہ مرنے والے کے لواحقین کو ان کے سوگ کے وقت دوسرے لوگوں جیسے ان کے رشتہ داروں کی طرف سے خیال رکھنا چاہئے۔ یہ افسوسناک ہے کہ کتنے ہی مسلمان اس اسلامی روایت کی نفی کرتے ہیں جو میت کے خاندان کو ان کے مشکل وقت میں اپنے مہمانوں کو کھانا اور مہمان نوازی فراہم کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ، زیر بحث اہم واقعہ دوسروں کو تسلی دینے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 1601 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ غم زدہ کی تسلی کرنے والے کو قیامت کے دن عزت کا لباس پہنایا جائے گا۔

جیسا کہ مشکلات کا سامنا کرنا سب کے لیے یقینی ہے، یہ ایک عظیم انعام حاصل کرنے کا ایک انتہائی آسان طریقہ ہے جس میں زیادہ وقت، توانائی یا پیسے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس میں اپنے ذرائع کے مطابق مشکل کا سامنا کرنے والے خاندان کی مدد کرنے کی کوشش کرنا شامل ہے، جیسے کہ جذباتی،

مالی اور جسمانی مدد۔ ایک مسلمان کو مشکل کا سامنا کرنے والوں کو پوری آزمائش کے دوران صبر کرنے کی ترغیب دینی چاہیے اور انہیں قرآن پاک کی آیات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث یاد دلانی چاہیے، جو صبر کی اہمیت اور اجر عظیم کے بارے میں بتاتی ہیں۔ انہیں یہ یاد دلاتے ہوئے مثبت بات کرنی چاہئے کہ چیزیں صرف اچھی وجہ سے ہوتی ہیں، چاہے لوگ ان کے پیچھے کی حکمت کو سمجھنے میں ناکام ہوں۔ درحقیقت اس نیک عمل کو انجام دینے کے لیے کسی شخص کو عالم ہونے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اکثر صورتوں میں مشکل کا سامنا کرنے والے کو بہتر محسوس کرنے کے لیے حمایت کے چند الفاظ کافی ہوتے ہیں۔ اور بعض صورتوں میں صرف جسمانی طور پر موجود ہونا ہی انہیں سہارا دینے کے لیے کافی ہوتا ہے چاہے کوئی لفظ نہ بولے۔

یہ رویہ آسانی سے اپنایا جاتا ہے جب کوئی دوسروں کے ساتھ صرف وہی سلوک کرتا ہے جیسا کہ وہ لوگوں کے ذریعہ سلوک کرنا چاہتے ہیں۔

،آخر میں، یہ ضروری ہے کہ مسلمان اس نیک عمل کو انجام دیتے وقت اپنی نیت کو درست کریں اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کریں، اور دوسروں کو، جیسے کہ اپنے رشتہ داروں کو دکھاوے کے لیے ایسا نہ کریں، اور نہ ہی اس خوف سے کریں کہ اگر وہ اس میں ناکام ہو جائیں تو دوسروں کی طرف سے تنقید کا نشانہ بنایا جائے۔ دوسروں کی خاطر عمل کرنے والوں کو قیامت کے دن بتایا جائے گا کہ وہ ان کاموں سے اپنا اجر حاصل کریں جس کے لیے وہ عمل نہیں کر سکے گا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

دوسروں کے لیے ماتم کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنگِ موتہ کے واقعات کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے سپاہیوں کے مدینہ واپس آنے سے پہلے ہی دے دی تھی۔ مدینہ کے کچھ لوگوں کو جب شہید ہونے والوں کا علم ہوا تو وہ غم سے گریہ و زاری کرنے لگے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے لوگوں سے کہا کہ انہیں اس سے منع کریں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 340 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 3127 میں ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نوحہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

بدقسمتی سے، کچھ کا خیال ہے کہ مشکل کے وقت رونے کی اجازت نہیں ہے، جیسے کہ کسی عزیز کو کھونا۔ یہ غلط ہے کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کئی موقعوں پر جب کسی کا انتقال ہوا تو روئے تھے۔ مثال کے طور پر جب ان کے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو وہ رو پڑے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 3126 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

درحقیقت کسی کی موت پر رونا رحمت کی نشانی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں جگہ دی ہے۔ اور صرف وہی لوگ جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں اللہ کی طرف سے رحم کیا جائے گا. صحیح بخاری نمبر 1284 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ اسی حدیث میں واضح طور پر ذکر ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے نواسے پر روئے جو فوت ہو گیا۔

صحیح مسلم نمبر 2137 میں موجود ایک حدیث میں بتایا گیا ہے کہ کسی شخص کو کسی کی موت پر رونے یا اپنے دل میں ہونے والے غم پر عذاب نہیں دیا جائے گا۔ لیکن ان کو سزا کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب کے بارے میں اپنی بے صبری کا اظہار کرتے ہوئے الفاظ بولیں۔

واضح رہے کہ دل میں غم محسوس کرنا یا آنسو بہانا اسلام میں منع نہیں ہے۔ جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے وہ ہیں رونا، قول و فعل سے بے صبری کا اظہار کرنا، جیسے کپڑے پھاڑنا یا غم میں سر منڈوانا۔ اس طرح کام کرنے والوں کے خلاف سخت وارننگ دی گئی ہے۔ اس لیے ان کاموں سے ہر حال میں اجتناب کرنا چاہیے۔ اس طرح کے کام کرنے پر نہ صرف کسی شخص کو سزا کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے بلکہ اگر میت نے مرنے کے وقت دوسروں کو اس طرح کا عمل کرنے کا حکم دیا تو وہ بھی جوابدہ ہوں گے۔ لیکن اگر مرحوم نے یہ خواہش نہ کی ہو تو وہ کسی قسم کے احتساب سے پاک ہیں۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1006 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ سمجھنا عام فہم ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی دوسرے کے فعل کی وجہ سے عذاب نہیں دے گا جب کہ پہلے نے اسے اس طرح عمل کرنے کی نصیحت نہیں کی۔ باب 35 فاطر، آیت 18:

"...اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا"

قائدین کا احترام

جنگ موتہ کے دوران ایک مسلمان سپاہی نے ایک رومی سپاہی کو قتل کر کے اس کا بہت قیمتی مال اپنے قبضے میں لے لیا۔ دشمن کے سپاہی کو قتل کرنے کے بعد مسلمان سپاہی کے لیے وہ مال لینا جائز تھا جو دشمن کا سپاہی لے جاتا تھا۔ جنگ ختم ہونے کے بعد سپہ سالار خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان میں سے کچھ قیمتی اموال مسلمان سپاہ سے چھین لیے اور اسے مال غنیمت میں شامل کر لیا جو کہ اسلام کے بتائے ہوئے طریقوں سے تقسیم کیا جاتا ہے اور اس میں جنگ میں موجود تمام سپاہیوں کا حصہ بھی شامل ہے۔ عوف بن مالک نے، جو ایک اور مسلمان سپاہی تھا، نے خالد رضی اللہ عنہ کو خبردار کیا کہ وہ تمام قیمتی مال غنیمت اس مسلمان سپاہی کو واپس کر دیں جس نے رومی سپاہی کو قتل کیا تھا، لیکن بعد میں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ جب وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس واپس آئے تو عوف رضی اللہ عنہ نے آپ سے جو کچھ ہوا اس کا تذکرہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خالد رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ تمام قیمتی مال غنیمت اس مسلمان سپاہی کو واپس کر دیں۔ اس کے بعد عوف نے کھلے عام تنقید کی اور خالد رضی اللہ عنہ کو حقیر سمجھا۔ اس سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غصہ آیا، جنہوں نے پھر خالد رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ مسلمان سپاہی سے جو قیمتی مال غنیمت لے گیا ہے اسے واپس نہ کریں۔ اس کے بعد اس نے مسلمانوں کو خبردار کیا کہ وہ اپنے مقرر کردہ قائدین کو حقیر نہ سمجھیں اور ان کی توہین نہ کریں کیونکہ یہ صرف دوسروں کو ان کے اختیار کو چیلنج کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1663-1665 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ اپنے لیڈروں کا احترام کرنے اور ان کے خلاف نرم اور اچھے انداز میں تعمیری تنقید کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام معاشرے کے قائدین کے لیے اخلاص ہے۔ اس میں انہیں بہترین مشورے کی پیشکش کرنا اور ان کے اچھے فیصلوں میں کسی بھی ضروری طریقے سے مدد کرنا شامل ہے، جیسے کہ مالی یا جسمانی مدد۔ امام مالک کی موطا، کتاب نمبر 56، حدیث نمبر 20 میں موجود ایک حدیث کے مطابق اس فرض کو ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ باب 4 النساء آیت 59:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے حاکم ہیں..."

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معاشرے کے سربراہان کی اطاعت فرض ہے۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ اطاعت اس وقت تک فرض ہے جب تک کہ کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔ مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں اگر یہ خالق کی نافرمانی کا باعث بنے۔ اس طرح کے معاملات میں لیڈروں کے خلاف بغاوت کرنے سے گریز کیا جانا چاہیے کیونکہ اس سے صرف معصوم لوگوں کا ہی نقصان ہوتا ہے۔ اس کے بجائے قائدین کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق نرمی سے نیکی اور برائی سے منع کرنا چاہیے۔ دوسروں کو اس کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کرنی چاہیے اور ہمیشہ راہنماؤں سے صحیح راستے پر چلنے کی دعا کرنی چاہیے۔ لیڈر سیدھے رہیں گے تو عوام بھی سیدھے رہیں گے۔

لیڈروں کے ساتھ دھوکہ کرنا منافقت کی علامت ہے جس سے ہر وقت بچنا چاہیے۔ اخلاص میں ان معاملات میں ان کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے جو معاشرے کو بھلائی پر اکٹھا کرتے ہیں اور ہر اس چیز سے تنبیہ کرتے ہیں جو معاشرے میں خلل پیدا کرے۔ اسلام میں قائدین کی اندھی وفاداری نہیں ہے، صرف ان چیزوں میں ان کی اطاعت ہے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتی ہیں۔

رومی شہنشاہ

جھوٹ بولتے ہوئے شرم آتی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال میں رومی شہنشاہ ہرقل نے ایک خواب دیکھا جس میں اس بات کی نشاندہی کی گئی کہ آخرکار اس کی سلطنت پر ایک اجنبی قوم غالب آجائے گی۔ جب اس نے تحقیق کی تو اسے شبہ ہوا کہ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے۔ اس وقت وہ یروشلم میں تھے اور انہوں نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ ایک ایسے شخص کو اپنے پاس لے آئیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق ہو جس سے وہ سوال کر سکیں۔ اس وقت مکہ کے غیر مسلموں کے سرداروں میں سے ایک ابو سفیان تجارتی مہم پر تھا۔ وہ اور اس کے آدمی مل گئے اور ہرقل کے پاس لائے گئے۔ ہرقل نے ابو سفیان کو اپنے سامنے بیٹھنے کو کہا اور ابو سفیان کے ساتھیوں کو اپنے پیچھے بٹھایا اور انہیں حکم دیا کہ اگر ابو سفیان سے جو سوال پوچھا گیا ان میں سے کوئی جھوٹ بولے تو اعتراض کریں۔ ابو سفیان، جو بعد میں مسلمان ہوا، بیان کرتا ہے کہ اگر اس نے جھوٹ بولا تو اس کے آدمی کبھی اس کی تردید نہ کریں گے لیکن اس نے پھر بھی سچ کہا کیونکہ وہ عزت اور وقار کا آدمی تھا اس لیے اسے جھوٹ بولنے میں بہت شرم محسوس ہوتی تھی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 354-356 میں بحث کی گئی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اس وقت ابو سفیان مسلمان نہیں ہوا تھا پھر بھی جھوٹ بولنا ناپسند کرتا تھا۔ جھوٹ ناقابل قبول ہے چاہے وہ چھوٹا جھوٹ ہو جسے اکثر سفید جھوٹ کہا جاتا ہے یا جب کوئی مذاق کے طور پر جھوٹ بولتا ہے۔ ان تمام قسم کے جھوٹ حرام ہیں۔ درحقیقت وہ جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے، اس کا مقصد کسی کو دھوکہ دینا نہ ہو، جامع ترمذی نمبر 2315 میں موجود ایک حدیث میں اس پر تین مرتبہ لعنت آئی ہے۔

ایک اور مشہور جھوٹ جو لوگ اکثر یہ مانتے ہوئے بولتے ہیں کہ یہ کوئی گناہ نہیں ہے جب وہ بچوں سے جھوٹ بولتے ہیں۔ بلاشبہ یہ حدیث کے مطابق گناہ ہے جیسا کہ سنن ابوداؤد نمبر 4991 میں ہے۔ بچوں سے جھوٹ بولنا صریح حماقت ہے کیونکہ وہ اس گناہ کی عادت صرف بڑے سے ہی اپنائیں گے جو ان سے جھوٹ بولے گا۔ اس طرز عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ بچوں کا جھوٹ بولنا قابل قبول ہے جب کہ یہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق قابل قبول نہیں ہے۔ صرف انتہائی نایاب اور انتہائی صورتوں میں جھوٹ بولنا قابل قبول ہے، مثال کے طور پر، کسی بے گناہ کی جان کی حفاظت کے لیے جھوٹ بولنا۔

جھوٹ سے بچنا بہت ضروری ہے جیسا کہ جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ دوسرے گناہوں کا باعث بنتا ہے جیسے غیبت اور لوگوں کا مذاق اڑانا۔ یہ طرز عمل جہنم کے دروازوں کی طرف لے جاتا ہے۔ جب کوئی شخص مسلسل جھوٹ بولتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑا جھوٹا لکھتا ہے۔ یہ پیشین گوئی کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں ہے کہ قیامت کے دن اس شخص کے ساتھ کیا ہو گا جسے اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا جھوٹا لکھا ہے۔

تمام مسلمان فرشتوں کی صحبت کے خواہش مند ہیں لیکن جب کوئی جھوٹ بولتا ہے تو وہ اس کی صحبت سے محروم ہو جاتا ہے۔ درحقیقت جھوٹے کے منہ سے نکلنے والی بدبو فرشتوں کو ان سے ایک میل دور کر دیتی ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1972 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

جھوٹ بولنا جو معاشرے میں دوسروں تک پھیلتا ہے اتنا بڑا گناہ ہے کہ صحیح بخاری نمبر 7047 میں موجود حدیث کے مطابق اگر کوئی شخص ایسا کرے اور توبہ نہ کرے تو اسے موت کے بعد اس حد تک سزا دی جائے گی کہ اس کے منہ میں لوہے کا کانٹا لگا دیا جائے گا اور چہرے کی کھال اکھاڑ دی جائے گی۔ ان کا چہرہ فوری طور پر دوبارہ بن جائے گا اور اس عمل کو دہرایا جائے گا۔ یہ سلسلہ قیامت تک ہوتا رہے گا۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، تمام مسلمانوں کو ہر قسم کے جھوٹ سے بچنا چاہیے، قطع نظر اس کے کہ وہ کس سے بات کر رہے ہیں۔

نبوت کا ثبوت

ابو سفیان سے سوال کرنے کے بعد ہرقل نے کہا کہ تم)یعنی ابو سفیان (کہتے ہو کہ وہ)یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (تمہارے پاکیزہ نسب میں سے ہیں، اللہ تعالیٰ اس طرح انبیاء کرام علیہم السلام کو منتخب کرتا ہے، وہ صرف پاکیزہ ترین لوگوں کو اپنی قوم میں لیتا ہے، میں نے آپ سے پوچھا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان میں سے کوئی اور بھی ایسا ہی کہہ رہا ہے؟ یعنی کیا وہ ان کی مشابہت کر رہا تھا، میں نے عرض کیا کہ کیا آپ کے پاس کوئی جائیداد ہے اور آپ نے اسے واپس کرنے کے لیے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، لیکن آپ نے فرمایا کہ وہ جوان، بے اختیار اور غریب ہیں، ان کے ماننے والے ان کے ماننے والے ہیں یا نہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ شاذ و نادر ہی کوئی اس کی پیروی کرتا ہے اور اسے چھوڑ دیتا ہے۔ ایسے حالات میں ایمان کی مٹھاس بندے کے دل میں داخل نہیں ہوتی تو پھر چھوڑ دیتے ہیں۔ میں نے)یعنی ہرقل نے (تم سے تم دونوں کے درمیان جنگ کے بارے میں پوچھا۔ آپ)یعنی ابو سفیان (نے جواب دیا کہ کبھی یہ آپ پر احسان کرتا ہے، کبھی ان)یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (کا۔ انبیاء علیہم السلام کے لیے جنگ یوں ہی ہے، پھر بھی وہ آخر کار جیت جاتے ہیں۔ میں نے آپ سے پوچھا کہ کیا اس نے اپنی بات میں خیانت کی اور آپ نے کہا کہ اس نے ایسا نہیں کیا۔ اگر تم نے سچ کہا ہے تو وہ میرے پاؤں کے نیچے کی زمین کو فتح کرے گا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 356-357 میں بحث کی گئی ہے۔

ہر مسلمان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ قرآن پاک میں بیان کردہ واضح دلائل و شواہد اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کا مطالعہ کرے جو اسلام کی حقانیت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس سے کسی کو یقین کا یقین حاصل ہو جائے گا۔ مضبوط ایمان حاصل کرنے کے لیے بہت ضروری ہے کیونکہ یہ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہے، ہر حال میں، خواہ آسانی ہو یا مشکل۔ دوسری طرف جو اسلامی تعلیمات سے غافل رہے گا وہ کمزور ایمان حاصل کر لے گا۔ یہ شخص جب بھی ان کی خواہشات کے خلاف ہو گا تو آسانی سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا کیونکہ وہ یہ دیکھنے میں ناکام رہتے ہیں کہ کس طرح اپنی خواہشات کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے سے دونوں جہانوں میں سکون ملتا ہے۔ لہٰذا اسلامی علم سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے ایمان کا یقین حاصل کرنا چاہیے تاکہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہے۔ اس میں ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا شامل ہے جو کسی کو عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ دونوں جہانوں میں ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل

کرکے اور ہر ایک اور ہر چیز کو اپنی زندگی میں صحیح طریقے سے رکھ کر ذہنی سکون حاصل کریں۔

حق پر سمجھوتہ کرنا

مکہ کے غیر مسلموں کے ایک رہنما ابو سفیان سے پوچھ گچھ کے بعد ہرقل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کی صداقت پر مزید یقین ہو گیا۔ آخرکار ہرقل کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ایک خط موصول ہوا جس میں انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی۔ ہیریکلیس نے ایک عیسائی عالم سے سوال کیا جو اپنے خیالات کے بارے میں عبرانی پڑھ سکتا تھا۔ عالم نے ہرقل کو بتایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعی آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے جن کا وہ انتظار کر رہے تھے۔ ہرقل اسلام کا قائل ہو گیا اور پھر اپنی قوم کے لیڈروں کو اپنے دارالخلافہ میں بلایا جبکہ وہ خود ان کے خوف سے ایک اونچے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے ان سے کہا کہ وہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، ان کے آسمانی صحیفوں میں تفصیل سے بتایا گیا ہے۔ اس نے ان پر زور دیا کہ وہ اسے قبول کریں تاکہ وہ سب دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوں۔ لیکن تمام قائدین نے ان کی درخواست مسترد کر دی اور ایوان سے باہر جانے لگے۔ اس نے انہیں واپس بلایا اور پھر اعلان کیا کہ وہ صرف ان کے ایمان اور اس کے ساتھ ان کی وفاداری کا امتحان لے رہا ہے۔ پھر وہ خوشی سے اس کے سامنے سجدہ ریز ہو کر چلے گئے۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 357 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ہرقل کفر پر قائم رہا کیونکہ اسے خوف تھا کہ اگر اس نے اکیلے اسلام قبول کر لیا تو وہ اپنی برادری میں اپنی حیثیت کھو دے گا۔ اس نے امید ظاہر کی کہ اگر ان کے لوگ ان کے ساتھ اسلام قبول کر لیتے تو وہ ان کے قائد کے طور پر قائم رہتے۔ یہ ایک منطقی منصوبہ تھا، جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی معاشرے کے رہنما کو اسلام قبول کرتے وقت ان کے عہدے سے برطرف نہیں کیا، سوائے اس کے کہ کوئی معقول وجہ ہو۔ دولت اور قیادت جیسی دنیاوی چیزوں کی خواہش نے اس کو اسلام سے انکار کرنے کی ترغیب دی۔ لہٰذا کسی کو دنیاوی چیزوں کے لیے ضرورت سے زیادہ محبت سے بچنا چاہیے، جیسا کہ قیادت، کیونکہ یہ انہیں اپنے ایمان پر سمجھوتہ کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ قیادت اور دولت کی خواہش انسان کے ایمان کے لیے دو بھوکے بھیڑیوں سے زیادہ تباہ کن ہے جو بکریوں کے ریوڑ پر چھوڑے جاتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ ان دو چیزوں کی حد سے زیادہ خواہش کسی کو آسانی سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دھکیل سکتی ہے، جب وہ ان کو حاصل کرتے ہیں، ان کو تھامے رکھتے ہیں اور ان میں اضافہ کرتے ہیں۔ اپنی ضروریات اور ذمہ داریوں کے مطابق حلال چیزوں کی پیروی کرنا ہمیشہ زیادہ محفوظ ہے۔ اس طرح کا برتاؤ انسان کو تناؤ اور دونوں جہانوں میں ممکنہ سزا سے بچاتا ہے۔

آخر تک وفادار

اس کے بعد ہرقل کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ایک خط موصول ہوا جس میں آپ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی، اس نے حضرت دحیہ بن خلیفہ رضی اللہ عنہ کو جو مسلمان سفیر ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط پہنچایا، بتایا کہ وہ اسلام کا قائل ہے لیکن اپنی جان کا خوف رکھتا ہے۔ ہرقل نے دحیہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ ایک ممتاز بشپ صغاتیر سے ملنے جائے جسے لوگ بہت زیادہ سمجھتے تھے۔ جب صغاتیر کو اس خط کی اطلاع ملی تو اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی کی تصدیق کی کیونکہ ان کے علما نے اپنے آسمانی صحیفوں میں ان کے بارے میں تفصیلی نشانیاں درج کی ہیں۔ صغاتیر اس کے بعد ایک چرچ گیا جہاں اس نے کھلے عام اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا اور وہاں کے لوگوں سے اس کی پیروی کرنے کی تاکید کی لیکن انہوں نے حملہ کر کے اسے ہلاک کر دیا۔ اس پر ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 362 میں بحث کی گئی ہے۔

صغاتیر نے اپنے عقیدے کو قبول کیا، اعلان کیا اور اس پر عمل کیا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ یہ اس کے لیے پریشانی کا باعث بنے گا۔

صحیح مسلم نمبر 7400 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص بڑے فتنوں اور فتنوں کے دوران اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہے وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے اپنی زندگی میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہجرت کی ہو۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہجرت کا ثواب بہت بڑا عمل تھا۔ صحیح مسلم نمبر 321 میں موجود حدیث کے مطابق درحقیقت اس سے پچھلے تمام گناہ مٹ جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرتے رہیں، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرتے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرتے رہیں۔ یہ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ کوئی شخص ان نعمتوں کو استعمال کرتا رہے جو اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس حدیث میں جس وقت کا ذکر ہے وہ آچکا ہے۔ اسلام کی تعلیمات سے گمراہ ہونا بہت آسان ہو گیا ہے کیونکہ مسلمان قوم پر دنیاوی خواہشات کے دروازے کھل گئے ہیں۔ سوشل میڈیا، فیشن اور ثقافت میں ہونے والی ترقی کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے میں جھوٹا یقین کرنا آسان ہو گیا ہے جو ان کو دی گئی ہیں۔ اکثریت کی پیروی کرنے کی ذہنیت کو اپنانا آسان ہو گیا ہے، جنہوں نے ایمان کو خالی عملوں تک محدود کر دیا ہے جن کا اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کوئی شخص ان نعمتوں کو عملی طور پر کیسے استعمال کرتا ہے جو انہیں دی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں خواہش مندانہ سوچ مسلم قوم میں پھیل چکی ہے جس کی وجہ سے وہ قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو نظر انداز کرتے ہوئے دونوں جہانوں میں امن اور نجات کی امید رکھتے ہیں۔ جسے کسی بھی باشعور شخص کی طرف سے منحرف رویہ سمجھا جاتا تھا وہ کچھ ایسا بن گیا ہے کہ لوگوں کو گلے لگانے کی تاکید کی جا رہی ہے۔ اس ساری گمراہی سے منہ موڑنا مشکل ہوگا اور یہاں تک کہ کسی کے گھر والے اور دوست احباب بھی ان پر تنقید کریں گے کہ وہ اکثریت کی پیروی کرنے کے بجائے اسلام کی تعلیمات پر قائم ہیں۔ لیکن اگر کوئی اللہ پر قائم رہتا ہے تو وہ ان نقصانات کا بدلہ دے گا جو اسے اٹھانا پڑتا ہے، جیسے دوستوں اور رشتہ داروں سے محبت اور احترام کا نقصان، جس سے کہیں زیادہ اعلیٰ چیز ہے، یعنی ذہنی اور جسمانی سکون۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آخرت میں محفوظ کیا ہے وہ بہت بڑا ہے۔ دوسری طرف جو لوگ اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت سے منہ موڑ کر ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں جو انہیں عطا کی گئی ہیں، ان کے تمام دنیاوی رشتے اور نعمتیں دنیا میں ان کے لیے تناؤ اور لعنت کا باعث بنتی ہیں۔ اور آخرت میں جو ملے گا وہ اس سے بھی بدتر ہو گا۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے" قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دنیاوی خواہشات میں مشغول نہ ہوں جو عام ہو چکی ہیں اور متنازعہ مسائل اور لوگوں سے اجتناب کریں اور اپنی زندگی کے ہر پہلو میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فرمانبردار رہیں، اگر وہ اس حدیث میں بیان کردہ ثواب حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

ذوالسلسل کی طرف مہم

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے آٹھویں سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذوالسلسل کی طرف ایک لشکر روانہ کیا۔ اس نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو بلایا اور بتایا کہ وہ انہیں اس مہم کا انچارج مقرر کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں فتح اور بہت زیادہ دولت عطا کرے گا۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے اسلام دولت کمانے کے لیے قبول نہیں کیا بلکہ اس لیے قبول کیا کہ یہ حق تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کی خواہش تھی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ نیک اور حلال مال صالح کے ہاتھ میں اچھی چیز ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی حدیث المفرد نمبر 299 میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ وہ دنیاوی تعریفوں کے مطابق کسی صورت حال کو اچھے یا برے کے طور پر متعین نہ کریں۔ مثال کے طور پر، دنیاوی تعریف کے مطابق امیر ہونا اچھا ہے جبکہ غریب ہونا برا ہے۔ اس کے بجائے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اچھے اور برے واقعات اور چیزوں کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق قرار دیں۔ یعنی ہر وہ چیز جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے قریب لے جائے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنے کی صورت میں وہ اچھی ہے خواہ دنیوی نقطہ نظر سے اسے برا ہی کیوں نہ دیکھا جائے۔ اور ہر وہ چیز جو بندے کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے دور کر دے وہ بری ہے خواہ وہ اچھی ہی کیوں نہ ہو۔

اسلام کی تمام تعلیمات میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جو اس بات کو ظاہر کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر قارون ایک انتہائی دولت مند شخص تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں رہتا تھا۔ اس وقت اور اب بہت سے لوگ اس کی دولت کو اچھی چیز سمجھتے ہیں لیکن جیسا کہ اس نے اسے غرور تک پہنچایا یہ اس کی تباہی کا ذریعہ بن گیا۔ تو اس کے معاملے میں دولت مند ہونا بری بات تھی۔ باب 28 القصص، آیات 79-81۔

وہ اپنی قوم کے سامنے اپنی زینت کے ساتھ نکلا، جو لوگ دنیاوی زندگی کے خواہش مند تھے پس انہوں نے کہا کہ اے کاش ہم بھی ویسا ہی ہوتے جو قارون کو دیا گیا تھا۔ بے شک وہ بڑے خوش نصیبوں میں سے ہے۔ لیکن جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا وہ کہنے لگے کہ تم پر افسوس !اللہ کا اجر اس کے لیے بہتر ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیا اور یہ صابر کے سوا کسی کو نہیں ملتا۔ اور ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا۔ اور اللہ کے سوا اس کی مدد کرنے والی کوئی جماعت نہ تھی اور نہ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو اپنا دفاع کر سکتے تھے۔

دوسری طرف اسلام کے تیسرے صحیح ہدایت یافتہ خلیفہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی دولت مند تھے لیکن انہوں نے اپنی دولت کا صحیح استعمال کیا۔ درحقیقت ایک بار کثیر مال عطیہ کرنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بتایا کہ اس دن کے بعد ان کے ایمان کو کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اس کی طرف جامع ترمذی نمبر 3701 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ پس اس کے معاملے میں مال ایک اچھی چیز تھی۔

آخر میں، ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ ہر مشکل کا سامنا کرتا ہے اس کے پیچھے حکمتیں ہوتی ہیں، خواہ وہ ان کا مشاہدہ نہ کرے۔ اس لیے انہیں دنیاوی نقطہ نظر سے کسی چیز کے اچھے یا برے ہونے پر یقین نہیں کرنا چاہیے۔ یعنی اگر وہ چیز ان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف ترغیب دے تو یہ اچھی ہے خواہ بُری لگے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

”لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

اتحاد تلاش کریں۔

جب عمرو بن عاص اور ان کے ساتھی، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو کر ذوالسلسل پہنچے تو اس نے دشمن کا نمبر نوٹ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیج کر کمک کی درخواست کی۔ اس نے ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں ایک اور لشکر روانہ کیا۔ جب دوسری فوج ذو الصلسیل پہنچی تو دونوں فوجوں میں اس بات پر اختلاف ہو گیا کہ ان کی قیادت کون کرے گا اور اعلان کیا کہ ہر فوج کی الگ الگ قیادت کی جائے۔ لیکن ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اچھے مزاج اور نرم مزاج آدمی تھے اس لیے انہوں نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو دونوں فوجوں کا حکم دینے پر رضامندی ظاہر کی، کیونکہ وہ مردوں کو متحد کرنا چاہتے تھے اور جھگڑے سے بچتے تھے۔ جب یہ خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی طرف سے اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعا کی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 370-372 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ ایک ایسی ذہنیت کو اپنانے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کا مقصد لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں متحد کرنا ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6541 میں موجود ایک حدیث میں معاشرے کے اندر اتحاد پیدا کرنے کے بعض پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے حسد نہ کرنے کی تلقین کی۔

یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص اس نعمت کو حاصل کرنے کی خواہش کرتا ہے جس کا کوئی دوسرا معنی رکھتا ہے، وہ اس نعمت سے محروم ہونے کی خواہش کرتا ہے۔ اور اس میں اس حقیقت کو ناپسند کرنا شامل ہے کہ مالک کو اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے یہ نعمت دی تھی۔ کچھ صرف یہ چاہتے ہیں کہ یہ ان کے دلوں میں پیدا ہو جائے بغیر ان کے عمل یا تقریر کے ذریعہ۔ اگر وہ اپنے خیالات اور احساسات کو ناپسند کرتے ہیں، تو امید ہے کہ وہ ان کی حسد کے لئے جوابدہ نہیں ہوں گے .بعض اپنے

قول و فعل کے ذریعے دوسرے شخص سے نعمت چھیننے کی کوشش کرتے ہیں جو کہ بلا شبہ گناہ ہے۔ بدترین قسم وہ ہے جب کوئی شخص نعمت کو مالک سے دور کرنے کی کوشش کرے خواہ حسد کرنے والے کو نعمت نہ ملے۔

حسد تب ہی جائز ہے جب کوئی شخص اپنے جذبات پر عمل نہیں کرتا، اپنے جذبات کو ناپسند کرتا ہے اور اس کے بدلے اس جیسی نعمت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے بغیر اس کے کہ مالک اس کے پاس موجود نعمت سے محروم ہو۔ اگر چہ یہ قسم گناہ گار نہیں ہے پھر بھی یہ ناپسندیدہ ہے اگر حسد کسی دنیوی نعمت پر ہو اور صرف اس صورت میں قابل تعریف ہے جب اس میں دینی نعمت شامل ہو۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 1896 میں موجود ایک حدیث میں قابل تعریف قسم کی دو مثالیں بیان کی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ جب کوئی شخص اس شخص سے حسد کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے حلال مال حاصل کرتا ہے اور خرچ کرتا ہے۔ دوسرا وہ ہے جب کوئی شخص اس شخص سے حسد کرتا ہے جو اپنی حکمت اور علم کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔

حسد کی بری قسم، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، براہ راست اللہ تعالیٰ کے انتخاب کو چیلنج کرتا ہے۔ حسد کرنے والا ایسا برتاؤ کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کے بجائے کسی اور کو خاص نعمت دے کر غلطی کی ہو۔ اس لیے یہ کبیرہ گناہ ہے۔ درحقیقت جیسا کہ سنن ابوداؤد نمبر 4903 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

ایک غیرت مند مسلمان کو جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ لہٰذا ایک غیرت مند مسلمان کو چاہیے کہ وہ جس شخص سے حسد کرتے ہیں اس کے ساتھ حسن سلوک اور مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس احساس کو اپنے دل سے نکالنے کی کوشش کریں، جیسے کہ ان کی خوبیوں کی تعریف کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا یہاں تک کہ ان کی حسد ان سے محبت بن جائے۔ انہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق جس شخص سے وہ حسد کرتے ہیں اس کے حقوق ادا کرتے رہیں۔ انہیں اسلامی علم سیکھنا اور

اس پر عمل کرنا چاہئے تاکہ یہ سمجھ سکیں کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو بہترین چیز عطا کرتا ہے اور اگر انہیں کوئی خاص دنیوی نعمت عطا نہیں کی گئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا نہ ہونا ہی بہتر ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

’’لیکن شاید تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔‘‘

ایک اور چیز جس کی نصیحت شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایک دوسرے سے نفرت نہیں کرنی چاہیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو صرف اسی صورت میں ناپسند کرنا چاہئے جب اللہ تعالیٰ اسے ناپسند کرے۔ اسے سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث میں ایمان کی تکمیل کا ایک پہلو بتایا گیا ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی خواہشات کے مطابق چیزوں یا لوگوں کو ناپسند نہ کرے۔ اگر کوئی اپنی خواہشات کے مطابق دوسرے کو ناپسند کرتا ہے تو اسے کبھی بھی اپنے قول و فعل پر اثر انداز نہیں ہونے دینا چاہیے کیونکہ یہ گناہ ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسرے کے ساتھ اسلام کی تعلیمات کے مطابق احترام اور مہربانی کے ساتھ سلوک کرتے ہوئے احساس کو دور کرنے کی کوشش کرے ۔ ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ دوسرے لوگ بالکل ایسے نہیں جیسے وہ کامل نہیں ہیں۔ اور اگر دوسروں میں کوئی بری خصلت ہے تو وہ بھی بلاشبہ اچھی صفات کے مالک ہوں گے۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرے کہ وہ اپنی بُری خصلتوں کو چھوڑ دیں لیکن ان میں موجود اچھی صفات سے محبت کرتے رہیں۔ ایک مسلمان کو گناہوں کو ناپسند کرنا چاہیے لیکن انسان کو نہیں، جیسا کہ ایک شخص ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کر سکتا ہے۔ انہیں اسلام کی حدود میں گناہوں سے ناپسندیدگی کا اظہار کرنا چاہیے۔ انہیں بری باتوں کے خلاف نرمی سے دوسروں کو نصیحت کرنی چاہیے، کیونکہ سختی اکثر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے سے مزید دور کر دیتی ہے۔

اس موضوع پر ایک اور نکتہ بیان کرنا ضروری ہے۔ ایک مسلمان جو کسی خاص عالم کی پیروی کرتا ہے جو کسی مخصوص عقیدے کی حمایت کرتا ہے اسے متعصب کی طرح کام نہیں کرنا چاہئے اور اپنے عالم کو ہمیشہ حق پر یقین رکھنا چاہئے اس لئے ان لوگوں سے نفرت کرنا چاہئے جو ان کے علماء کی رائے کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ طرز عمل اللہ تعالیٰ کے لیے کسی چیز/کسی کو ناپسند کرنے

والا نہیں ہے۔ جب تک علماء کے درمیان جائز اختلاف موجود ہے، کسی خاص عالم کی پیروی کرنے والے مسلمان کو اس کا احترام کرنا چاہئے اور دوسروں کو ناپسند نہیں کرنا چاہئے جو ان کے ماننے والے عالم سے مختلف ہوں۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایک دوسرے سے منہ نہ موڑنا چاہیے۔ اس کا مطلب ہے کہ انہیں دنیاوی مسائل پر دوسرے مسلمانوں سے تعلقات منقطع نہیں کرنے چاہئیں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کی حمایت سے انکار کر دینا چاہیے۔ صحیح بخاری نمبر 6077 میں موجود حدیث کے مطابق کسی مسلمان کے لیے کسی دنیاوی معاملے میں دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ تعلقات منقطع کرنا ناجائز ہے۔ درحقیقت کسی دنیوی مسئلہ میں ایک سال سے زیادہ عرصہ تک تعلقات منقطع کرنے والا دوسرے مسلمان کو قتل کرنے والے کی طرح سمجھا جاتا ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4915 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ دوسروں کے ساتھ تعلقات منقطع کرنا صرف ایمان کے معاملات میں جائز ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کو خلوص دل سے توبہ کرنے کی تلقین جاری رکھنی چاہئے اور صرف اس صورت میں ان کی صحبت سے گریز کرنا چاہئے جب وہ بہتر کے لئے تبدیل کرنے سے انکار کریں۔ جب بھی ان سے ایسا کرنے کی درخواست کی جائے تو انہیں حلال چیزوں پر ان کا ساتھ دینا چاہیے، کیونکہ یہ احسان مندی انہیں اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دے سکتی ہے۔

ایک اور بات جو زیر بحث مرکزی حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ اس حدیث میں دی گئی سابقہ نصیحت پر عمل کریں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسرے مسلمانوں کے تئیں اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کریں، جیسے کہ بھلائی کے کاموں میں دوسروں کی مدد کرنا اور برائیوں سے ڈرانا۔ باب 5 المائدة، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو"۔"

صحیح بخاری نمبر 1240 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمانوں کے درج ذیل حقوق ادا کرنے چاہئیں :سلام کا جواب دینا، بیماروں کی عیادت کرنا، ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا اور چھینکنے والے کو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کا جواب دینا۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ وہ تمام حقوق سیکھے اور پورا کرے جو دوسرے لوگوں کے، خاص کر دوسرے مسلمانوں کے ان پر ہیں، کیونکہ ہر ایک سے پوچھا جائے گا کہ کیا اس نے قیامت کے دن دوسرے لوگوں کے حقوق ادا کیے؟ کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ سلوک کریں۔

ایک اور بات جو زیر بحث مرکزی حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر ظلم نہیں کرنا چاہیے، اسے چھوڑنا یا نفرت نہیں کرنی چاہیے۔ انسان کے گناہوں سے نفرت ہونی چاہیے لیکن گناہ گار ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ کسی بھی وقت صدق دل سے توبہ کر لے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4884 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے مسلمان کی تذلیل کرے گا اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل کرے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کو ذلت سے بچاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے گا۔

شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں مذکور منفی خصوصیات اس وقت پیدا ہو سکتی ہیں جب کوئی شخص غرور اختیار کر لے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث کے مطابق تکبر اس وقت ہوتا ہے جب انسان دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے۔ مغرور شخص خود کو کامل دیکھتا ہے جبکہ دوسروں کو نامکمل دیکھتا ہے۔ یہ انہیں دوسروں کے حقوق ادا کرنے سے روکتا ہے اور دوسروں کو ناپسند کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اور فخر انسان کو اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ سچائی کو مسترد کر دے جب وہ ان کے سامنے پیش کیا جائے، کیونکہ یہ ان کی طرف سے نہیں آیا اور ان کی خواہشات کے خلاف ہے۔

ایک اور بات جو اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ حقیقی تقویٰ کسی کی ظاہری شکل و صورت میں نہیں ہے جیسا کہ اسلامی لباس پہننا، بلکہ یہ ایک باطنی صفت ہے۔ یہ باطنی خصلت ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ کوئی شخص ان نعمتوں کا استعمال کرے جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں ۔ اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 4094 میں موجود ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ جب روحانی قلب پاک ہوتا ہے تو سارا جسم پاک ہوجاتا ہے لیکن جب روحانی قلب فاسد ہوتا ہے تو سارا جسم فاسد ہوجاتا ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہری صورتوں مثلاً مال و دولت کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی نیتوں اور اعمال پر غور کرتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6542 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے باطنی تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرے تاکہ یہ ظاہری طور پر اس طرح ظاہر ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے ساتھ تعامل کرتے ہیں۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے بغض رکھنا گناہ ہے۔ اس نفرت کا اطلاق دنیاوی چیزوں پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر دوسروں کو ناپسند نہیں کرنا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور بغض رکھنا ایمان کی تکمیل کا ایک پہلو ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو ہر حال میں دوسروں کا احترام کرنا چاہیے اور اس شخص سے نفرت کیے بغیر صرف ان کے گناہوں کو ناپسند کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ، ان کی ناپسندیدگی انہیں کبھی بھی اسلام کی تعلیمات کے خلاف کام کرنے پر مجبور نہیں کرے گی، کیونکہ اس سے یہ ثابت ہو گا کہ ان کی نفرت ان کی اپنی خواہشات پر مبنی ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے۔ دنیاوی وجوہات کی بنا پر دوسروں کو حقیر سمجھنے کی اصل وجہ تکبر ہے۔ یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ ایک ایٹم کا فخر کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

اس کے بعد جو اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کی جان، مال اور آبرو سب مقدس ہیں۔ ایک مسلمان کو ان حقوق میں سے کسی کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں اعلان فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ غیر مسلموں سمیت دیگر لوگوں

کو ان کے نقصان دہ قول و فعل سے محفوظ نہ رکھے۔ اور سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کی برائیوں کو دور رکھے۔ ان حقوق کی خلاف ورزی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ ان کا شکار پہلے انہیں معاف نہ کر دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو قیامت کے دن انصاف قائم ہو گا جس کے تحت مظلوم کو ظالم کی نیکیاں ملیں گی اور اگر ضرورت پڑی تو مظلوم کے گناہ مظلوم کو ملیں گے۔ اس سے ظالم کو جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ یہ ایک فرد کے لیے بہت زیادہ برکتوں کا باعث بنے گا اور اس کے معاشرے میں اتحاد پیدا ہوگا۔

شک کا فائدہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں ذوالسلسل کی طرف ایک لشکر روانہ کیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سمیت بہت سے دوسرے بزرگ صحابہ کو عام سپاہیوں کی طرح اس مہم میں شامل ہونے کا حکم دیا گیا۔ ایک سرد رات کے دوران، عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ آگ نہ جلائیں کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ دشمن انہیں دیکھ لے۔ اس کے نتیجے میں دشمن کا غیر متوقع حملہ ہو سکتا تھا۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے آپ کے حکم کے پیچھے کی حکمت کو نہ سمجھا اور آپ سے ناراض ہو گئے، جیسے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ۔ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں تسلی دی اور انہیں یاد دلایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرو رضی اللہ عنہ کو ان کا قائد مقرر کیا ہے کیونکہ وہ جنگ کے ماہر تھے۔ جب لشکر واپس آیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس عمل کی تائید فرمائی۔ اس پر امام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، صفحہ 136-137 اور امام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 1671 میں بحث کی گئی ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ بہت سے بزرگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس مہم پر عام سپاہیوں کی طرح بھیجا گیا تھا حالانکہ ان کے سردار عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حال ہی میں اسلام قبول کیا تھا۔ یہ اس بات کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ کسی کے اسلامی علم اور سماجی مقام کو تکبر کو اپنانے کا سبب نہ بننے دیں۔ کسی کو یہ قبول کرنا چاہیے کہ دوسرے وہ لوگ جو ان کے جیسا علم نہیں رکھتے وہ معاشرے یا کسی تنظیم کے اندر کچھ کرداروں کے لیے بہتر ہو سکتے ہیں، جیسے کہ ایک اسلامی ادارہ۔ یہ تسلیم کرنا عاجزی کا حصہ ہے کہ کوئی اور شخص بعض کرداروں کے لیے بہتر طور پر لیس ہو سکتا ہے، اگرچہ وہ دوسرے لوگوں کے مقابلے میں کم اسلامی معلومات رکھتا ہو۔ ہر فرد کو معاشرے میں اپنا کردار ادا کرنے پر توجہ دینی چاہیے تاکہ لوگوں کو اچھی باتوں پر اکٹھا کیا جا سکے اور دوسروں کو برائی سے خبردار کیا جا سکے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

اس کے علاوہ، زیر بحث اہم واقعہ جب بھی ممکن ہو دوسروں کے ساتھ تنازعات سے بچنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہ سب سے بہتر اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی دوسرے لوگوں کے قول و فعل کی مثبت انداز میں تشریح کرنا سیکھتا ہے، جب بھی ممکن ہو۔ صرف ان صورتوں میں جہاں دوسروں کے اعمال کی مثبت انداز میں تشریح نہیں کی جاسکتی ہے، انسان کو اپنے قول و فعل کو چیلنج کرنا چاہیے۔ لیکن پھر بھی ایسا کرتے وقت احترام اور اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرنا چاہیے، تاکہ صورت حال سے بہترین نتیجہ حاصل کیا جا سکے۔ باب 49 الحجرات، آیت 12:

"...اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت سے گمانوں سے بچو، بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں"

فتح مکہ

معاہدوں کو برقرار رکھنے میں ناکامی۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے بعد آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلموں کے قائدین نے حدیبیہ میں طے پانے والے صلح کے معاہدے کو ایک ایسے قبیلے کی حمایت سے توڑ دیا جس نے دوسرے قبیلے پر حملہ کیا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ یہ جنگ بندی تقریباً 18 ماہ تک جاری رہی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 377 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ وعدہ خلافی منافقت کا ایک پہلو ہے۔

ایک مسلمان نے سب سے بڑا وعدہ اللہ تعالیٰ سے کیا ہے، جس پر اتفاق اس وقت ہوا جب کسی نے اسے اپنا رب اور معبود تسلیم کیا۔ اس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا شامل ہے۔

لوگوں کے ساتھ کیے گئے دیگر تمام وعدوں کو بھی پورا کیا جانا چاہیے، جب تک کہ کسی کے پاس کوئی معقول عذر نہ ہو، خاص طور پر جو والدین بچوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ وعدوں کی خلاف ورزی بچوں کو صرف برے کردار کی تعلیم دیتی ہے اور انہیں یہ ماننے کی ترغیب دیتی ہے کہ دھوکے باز ہونا ایک قابل قبول خصوصیت ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2227 میں موجود حدیث میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا ہے کہ جو اس کے نام پر وعدہ کرے اور پھر بغیر کسی عذر کے اسے توڑ دے وہ اس کے

خلاف ہو گا۔ جس کے خلاف اللہ تعالیٰ ہے وہ قیامت کے دن کیسے کامیاب ہو سکتا ہے؟ جہاں ممکن ہو دوسروں کے ساتھ وعدے نہ کرنا ہمیشہ محفوظ ہے۔ لیکن جب کوئی حلال وعدہ کیا جائے تو اسے پورا کرنے کے لیے سخت کوشش کرنی چاہیے۔

کے ذریعے چیزیں سوچنا

مکہ کے غیر مسلموں کے قائدین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے صلح کا معاہدہ توڑنے کے بعد، انہوں نے اپنے ایک رہنما ابو سفیان کو اس معاہدے کی توثیق اور توسیع کے لیے مدینہ روانہ کیا کیونکہ وہ اپنی غداری کے نتائج سے بے حد پریشان تھے۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 379 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اگر وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ صلح توڑنے کے نتائج کے بارے میں سوچتے تو انہیں ایسا کرنے سے روکنے کے لیے کافی تھا۔

جامع ترمذی نمبر 2012 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ غور و فکر کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جب کہ جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔

یہ سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے ایک انتہائی اہم تعلیم ہے، کیونکہ جو مسلمان بہت زیادہ نیک اعمال انجام دیتے ہیں وہ انہیں جلد بازی سے تباہ کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر، وہ غصے میں کچھ برے الفاظ کہہ سکتے ہیں جس کی وجہ سے وہ قیامت کے دن جہنم میں جا سکتے ہیں۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 2314 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

زیادہ تر گناہ اور مشکلات، جیسے دلائل، اس لیے پیش آتے ہیں کہ لوگ چیزوں کو سوچنے میں ناکام رہتے ہیں اور اس کے بجائے عجلت میں کام کرتے ہیں۔ ذہانت کی نشانی یہ ہے کہ جب کوئی بولنے یا

عمل کرنے سے پہلے سوچتا ہے اور صرف اس وقت آگے آتا ہے جب وہ جانتا ہو کہ اس کی بات یا عمل دنیاوی اور دینی معاملات میں اچھا اور فائدہ مند ہے۔

اگر چہ ایک مسلمان کو اعمال صالحہ میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے، پھر بھی ان کو انجام دینے سے پہلے غوروفکر کرنا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی نیک عمل کا بدلہ محض اس لیے نہیں ملتا کہ اس کی شرائط اور آداب جلد بازی کی وجہ سے پورے نہ ہوئے ہوں۔ اس سلسلے میں، کسی بھی معاملے میں سوچنے کے بعد ہی آگے بڑھنا چاہیے۔

جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ نہ صرف اپنے گناہوں کو کم کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کرے گا بلکہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں پیش آنے والی مشکلات مثلاً جھگڑے، مشکلات اور اختلاف کو کم کر دے گا۔

فرمانبرداری پہلے آتی ہے۔

مکہ کے غیر مسلموں کے قائدین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے صلح کا معاہدہ توڑنے کے بعد، ابو سفیان نے اس معاہدے کی تصدیق اور توسیع کے لیے مدینہ کا دورہ کیا۔ ابو سفیان اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی عیادت کے لیے گئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ بھی تھیں۔ مؤخر الذکر نے اس سے شادی کی تاکہ مکہ کے غیر مسلموں کے دل اپنے اور اسلام کی طرف نرم ہو جائیں۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد کو قالین پر بیٹھنے سے روکا اور اسے تہہ کر دیا۔ ابو سفیان نے تبصرہ کیا کہ وہ نہیں جانتا کہ وہ قالین کے لیے بہت اچھا ہے یا قالین اس کے لیے بہت اچھا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قالین پر بیٹھیں گے اس لیے وہ کسی مشرک کو اس کے استعمال کی اجازت نہیں دیں گی۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب حیاتِ نبوی، جلد 3، صفحہ 379 اور امام صفی الرحمن کی، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 388-389 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ وہ اس کے والد تھے، ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے، اس کے ایمان کو مکمل کیا، کیونکہ ان کے تمام اعمال کی جڑیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں تھیں۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو غیر مسلموں کی بے عزتی کرنا چاہئے کیونکہ اس نے اپنے والد کی اپنے گھر میں میزبانی کرکے کافی عزت کا مظاہرہ کیا۔

سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان خصوصیات کی نصیحت فرمائی جو مسلمان کے ایمان کو کامل کرتی ہیں۔

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنا ہے۔ اس میں دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں دوسروں کے لیے بہتر کی خواہش کرنا شامل ہے۔ اس کو عملی طور پر کسی کے اعمال کے ذریعے ظاہر کیا جانا چاہیے جس کا مطلب ہے، دوسروں کی مالی، جذباتی اور جسمانی طور پر مدد کرنا۔ اپنے احسانات کو دوسروں پر شمار کرنا نہ صرف ثواب کو منسوخ کرتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے ان کی محبت کی

کمی کو بھی ثابت کرتا ہے، کیونکہ یہ شخص صرف لوگوں سے تعریف اور دیگر معاوضے حاصل کرنا پسند کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 264:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے صدقات کو نصیحت یا ایذا پہنچا کر باطل نہ کرو۔"

دنیوی وجوہات کی بنا پر دوسروں کے بارے میں کسی بھی قسم کے منفی جذبات، جیسے حسد، اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں سے محبت کرنے کے منافی ہے، اور اس سے بچنا چاہیے۔

اس عمدہ خوبی میں دوسروں کے لیے وہ محبت شامل ہے جو صرف الفاظ سے نہیں بلکہ اعمال کے ذریعے اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث کے مطابق یہ مومن ہونے کا ایک پہلو ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنے میں ان چیزوں سے محبت کرنا شامل ہے جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے، جیسے کہ قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات۔ اس محبت کو عملی طور پر ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے اور اللہ تعالیٰ کو محبوب چیزوں جیسے اعمال صالحہ اور مساجد سے جوڑ کر دکھانا چاہیے۔

مرکزی حدیث میں زیر بحث اگلی خصوصیت اللہ تعالیٰ کے لیے بغض رکھنا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ انسان کو ان چیزوں کو ناپسند کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں جیسے اس کی نافرمانی۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں سے نفرت کرنی چاہیے، کیونکہ لوگ سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے توبہ کر سکتے ہیں۔ اس کے بجائے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ خود اس گناہ کو ناپسند کرے جو ان سے ثابت ہے کہ اس سے بچنا اور دوسروں کو بھی اس سے

خبردار کرنا۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں سے تعلقات توڑنے کے بجائے نصیحت کرتے رہیں، کیونکہ یہ حسن سلوک ان کے لیے صدق دل سے توبہ کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔ اس میں اپنے جذبات کی بنیاد پر چیزوں کو ناپسند کرنا شامل ہے، جیسے کوئی عمل، جو کہ جائز ہے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسندیدگی کا ثبوت یہ ہے کہ جب وہ اپنے قول و فعل سے ناپسندیدگی کا اظہار کریں گے تو یہ ہرگز اس طرح نہیں ہوگا جو اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہو۔ یعنی کسی چیز کے لیے ان کی ناپسندیدگی ان سے کبھی گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گی کیونکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی چیز سے ان کی ناپسندیدگی ان کے اپنے لیے ہے۔

مرکزی حدیث میں زیر بحث اگلی خصوصیت اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دینا ہے۔ اس سے مراد ہر وہ نعمت ہے جو دوسروں کو دے سکتا ہے، جیسے جسمانی اور جذباتی مدد، نہ کہ صرف دولت۔ جب کوئی دیتا ہے، تو وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق ایسا کرے گا، یعنی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والے معاملات میں، جیسے مخلصانہ مشورہ دینا۔ درحقیقت یہ دوسروں کے لیے مخلص ہونے کا ایک پہلو ہے جس کا حکم سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔ اس میں ان نعمتوں کو دوسروں کے احسانات کو شمار کیے بغیر دینا اور بانٹنا بھی شامل ہے، کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے دوسروں سے کچھ حاصل کرنے کے لیے دیا تھا۔ باب 76 الانسان، آیت 9:

]کہتے ہوئے[، "ہم تمہیں صرف اللہ کے چہرے]یعنی رضامندی [کے لیے کھلاتے ہیں۔ ہم تم سے انعام یا شکرگزاری کے خواہاں نہیں ہیں۔"

مرکزی حدیث میں زیر بحث آخری خصوصیت اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے روکنا ہے۔ اس میں دولت جیسی نعمتوں کو دوسروں سے ایسے معاملات میں روکنا بھی شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ یہ مسلمان یہ نہیں دیکھے گا کہ کون ان سے کچھ مانگ رہا ہے بلکہ وہ صرف اس درخواست کی وجہ کا جائزہ لیتے ہیں۔ اگر وجہ اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہے تو وہ نعمت کو روکیں گے اور سرگرمی میں حصہ نہیں لیں گے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

اس میں ایسے معاملات میں اپنے قول و فعل سے روکنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہیں، جیسے غیبت یا غصہ ظاہر کرنا۔ یہ مسلمان اپنی خواہشات کے مطابق نہ بولے گا اور نہ ہی عمل کرے گا اور صرف اس صورت میں آگے بڑھے گا جب وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرے، ورنہ آگے بڑھنے سے باز آجائے گا۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، ان خصوصیات کو اپنانے سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے، کیونکہ یہ کسی کے جذبات پر مبنی ہوتی ہیں اور اس لیے ان پر قابو پانا انتہائی مشکل ہوتا ہے۔ یہ کنٹرول اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کسی کو یقین کا یقین حاصل ہوتا ہے۔ یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی اسلامی علم سیکھتا اور اس پر عمل کرتا ہے۔ یقین کا یقین انسان کی نیت، توجہ اور عمل کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے میں مدد کرتا ہے۔ اس سے اہم حدیث میں مذکور چار پہلوؤں پر قابو پانے میں مدد ملے گی۔ اس کے علاوہ جس کو ان پر قابو پانے کی سعادت حاصل ہو گی وہ اسلام کے دیگر فرائض کی ادائیگی کو آسان سمجھے گا۔ ان فرائض میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کرے گا جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو راضی ہوں۔ یہ دونوں جہانوں میں امن اور کامیابی کی کنجی ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

اخلاص سب سے پہلے اسلام سے

مکہ کے غیر مسلموں کے قائدین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے صلح کا معاہدہ توڑنے کے بعد، ابو سفیان نے اس معاہدے کی تصدیق اور توسیع کے لیے مدینہ کا دورہ کیا۔ ابو سفیان نے بہت سے بزرگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بات کی اور ان سے درخواست کی کہ وہ اپنی طرف سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شفاعت کریں۔ اس نے ان کو قائل کرنے کے لیے ان کے ساتھ مختلف وابستگیوں کی فہرست دی، جیسے کہ قبائلی اور رشتہ داریاں، لیکن سب نے اسی طرح جواب دیا۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے کے لیے اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے سے انکار کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معاہدے کی تجدید یا تجدید نہ کرنے پر راضی کرنے کی خواہش نہیں کی۔ اس کے بجائے انہوں نے فیصلہ اپنے رہنما پر چھوڑ دیا کہ وہ اس کی خدائی رہنمائی شدہ انتخاب پر بھروسہ کرے۔ آخرکار جب وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملے تو وہ صرف اس سے منہ موڑ گئے اور اس بات پر بحث نہیں کی کہ معاہدہ کی تجدید کی جائے یا نہیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرتِ نبوی، جلد 3، صفحہ 381-382 اور امام محمد السلّابی کی نبی کی زندگی، جلد 1، صفحہ 1678-1679 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنی وفاداری کو دیگر تمام رشتوں اور بندھنوں جیسے رشتہ داروں اور دوستوں پر رکھنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنی وفاداری کو ترجیح دیتا ہے، وہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ اس کی اطاعت پر قائم رہیں۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو صحیح طریقے سے عطا کی گئی ہیں جیسا کہ قرآن پاک اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کا باعث بنتا ہے اور اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ وہ ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں صحیح طریقے سے رکھتا ہے جبکہ قیامت کے دن اپنے احتساب کے لیے مناسب تیاری کرتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے وفاداری کو ترجیح دینا دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

جبکہ جو شخص لوگوں کی وفاداری کو اللہ تعالیٰ کی وفاداری پر ترجیح دیتا ہے وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو انہیں عطا کی گئی ہیں۔ نتیجے کے طور پر، وہ متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل نہیں کر پائیں گے، وہ اپنی زندگی میں ہر چیز اور ہر چیز کو غلط جگہ دیں گے اور قیامت کے دن اپنے احتساب کے لیے مناسب تیاری کرنے میں ناکام ہو جائیں گے۔ اس لیے یہ رویہ انسان کو ذہنی سکون حاصل کرنے سے روکتا ہے، چاہے وہ دنیاوی آسائشوں سے لطف اندوز ہوں۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت" کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اس لیے ایک شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے مفاد کے لیے اسلامی تعلیمات کو قبول کرے اور اس پر عمل کرے، چاہے وہ اس کی خواہشات کے خلاف ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنی خواہشات پر قابو رکھنا دماغ اور جسم کے سکون کے حصول کے لیے ادا کرنے کی ایک چھوٹی سی قیمت ہے، جس طرح ایک شخص اچھی جسمانی صحت کے حصول کے لیے اپنی خوراک کو کنٹرول کرتا ہے۔ جبکہ زندگی اس کے لیے ایک تاریک قید خانہ بن جاتی ہے جو اپنی تمام خواہشات کو پورا کرنے کے باوجود ذہنی سکون حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ جب کوئی امیر اور مشہور کا مشاہدہ کرتا ہے تو یہ بالکل واضح ہے۔ انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول

کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی گئی ہیں اور ایک سخت خوراک کا منصوبہ ہے۔ جس طرح یہ عقلمند مریض اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کرے گا، اسی طرح وہ شخص جو اسلامی تعلیمات کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف وہی علم رکھتا ہے جس کے پاس اس بات کو یقینی بنانے کے لیے ضروری ہے کہ انسان ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کو حاصل کرے اور ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں صحیح طور پر رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ ہے۔ معاشرے میں موجود انسانوں کی ذہنی اور جسمانی حالتوں کا علم اس نتیجے کو حاصل کرنے کے لیے کبھی بھی کافی نہیں ہو گا، تمام تر تحقیق کے باوجود، کیونکہ وہ اپنی زندگی کے ہر مسئلے کو حل نہیں کر سکتے، ان کے مشورے ہر قسم کے ذہنی اور جسمانی تناؤ سے بچنے کا باعث نہیں بن سکتے اور نہ ہی ان کی نصیحتیں محدود علم، تجربے اور کم علمی کی وجہ سے اپنی زندگی میں ہر چیز کو صحیح طریقے سے اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں رکھنے کا باعث بن سکتی ہیں۔ یہ علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اس نے اسے قرآن مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی صورت میں انسانوں کو عطا کیا ہے۔ یہ حقیقت اس وقت عیاں ہوتی ہے جب کوئی ان لوگوں کو دیکھتا ہے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق عطا کی گئی نعمتوں کو استعمال کرتے ہیں اور جو نہیں کرتے۔ اگرچہ، زیادہ تر معاملات میں، مریض اپنی تجویز کردہ دوائیوں کے پیچھے سائنس کو نہیں سمجھتے اور اس لیے اپنے ڈاکٹر پر اندھا اعتماد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ لوگوں کو اسلام کی تعلیمات پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے تاکہ وہ اپنی زندگی پر اس کے مثبت اثرات کو سمجھ سکیں۔ وہ لوگوں سے یہ توقع نہیں کرتا کہ وہ اسلام کی تعلیمات پر اندھا اعتماد کریں بلکہ وہ چاہتا ہے کہ وہ اس کی سچائی کو اس کے واضح دلائل سے پہچانیں۔ لیکن اس کے لیے انسان کو اسلام کی تعلیمات سے رجوع کرتے ہوئے غیر جانبدارانہ اور کھلے ذہن کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ باب 12 یوسف، آیت 108:

کہو، "یہ میرا راستہ ہے؛ میں اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ دعوت دیتا ہوں، میں اور وہ لوگ جو میری پیروی کرتے ہیں..."

اس کے علاوہ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی لوگوں کے روحانی دلوں کو کنٹرول کرتا ہے، ذہنی سکون کا گھر، وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کون اسے حاصل کرتا ہے اور کس کو نہیں۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے‘‘۔

اور یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کو ذہنی سکون دے گا جو اس کی عطا کردہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔

خفیہ گفتگو

مکہ کے غیر مسلموں کے قائدین نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاہدہ توڑنے کے بعد، آپ کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا۔ وہ اکثر مدینہ شہر کی حفاظت کے لیے عام لوگوں سے فوجی حکمت عملی کی معلومات چھپاتا تھا، اس لیے اس نے اپنی اہلیہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اطلاع دی کہ وہ اپنی مہم کے لیے کھانا تیار کریں لیکن ان سے کہا کہ اسے پوشیدہ رکھیں۔ جب ان کے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے جب کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر پر نہیں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سفر کے لیے کھانا تیار کرتے دیکھا۔ اس نے اس کی حرکتوں پر سوال کیا لیکن وہ خاموش رہی۔ وہ پوچھتا رہا کہ کیا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی مہم پر روانہ ہونے کا حکم دیا گیا تھا اور کئی مقامات کی فہرست دی گئی تھی۔ لیکن عائشہ رضی اللہ عنہا خاموش رہیں۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 382 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے بات چیت کو نجی رکھنے کی اہمیت کو سمجھا۔

جامع ترمذی نمبر 1959 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ نجی گفتگو ایک امانت ہے جس کی حفاظت ضروری ہے۔

بدقسمتی سے، بہت سے لوگوں کو لوگوں کی نجی گفتگو کو دوسروں تک پہنچانے کی بری عادت ہے۔ یہ ایک ناقابل یقین حد تک بری خصوصیت ہے کیونکہ یہ ایک سچے مسلمان کے رویے سے متصادم ہے۔ بہت سے لوگ اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ ایسا کرتے ہیں کہ یہ قابل قبول ہے، جب کہ یہ واضح طور پر نہیں ہے۔ ایک مسلمان کو بات چیت میں کہے گئے الفاظ کو ہمیشہ پوشیدہ رکھنا چاہئے جب تک کہ انہیں اس بات کا پورا یقین نہ ہو کہ جس شخص سے اس نے بات کی ہے وہ کسی تیسرے فریق کو بتائے جانے والی معلومات پر کوئی اعتراض نہیں کرے گا۔ اگر وہ کریں گے تو ایسا کرنا ان کے ساتھ خیانت کرتا ہے اور یہ ان کے مخلص ہونے کے منافی ہے۔ سنن نسائی نمبر 4204 میں

موجود ایک حدیث میں دوسروں کے ساتھ مخلص ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اگر کسی کو یقین ہو کہ دوسرے شخص کو اس کی گفتگو دوسروں کے سامنے بتانے پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا، اس کے باوجود تیسرے فریق کے ساتھ گفتگو کو شیئر کرنے سے گریز کرنا زیادہ محفوظ اور افضل ہے۔

اہم حدیث پر عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ غیبت اور گپ شپ جیسے گناہوں کو روکتی ہے اور لوگوں کے درمیان منفی جذبات پیدا ہونے سے روکتی ہے۔ یہ اکثر اس وقت ہوتا ہے جب کسی فریق ثالث کو بتائی گئی گفتگو اکثر غلط تشریح اور غلط فہمیوں کا باعث بنتی ہے۔ یہ سب صرف ٹوٹنے اور ٹوٹے ہوئے رشتوں کا باعث بنتے ہیں۔ اگر کوئی ان کی زندگی پر ایمانداری سے غور کرے تو انہیں احساس ہوگا کہ جن لوگوں کے بارے میں انہوں نے منفی جذبات محسوس کیے ان کی اکثریت اس وجہ سے ہوئی کہ ان کے بارے میں ان کے بارے میں کیا بتایا گیا نہ کہ وہ جو انہوں نے ان سے براہ راست دیکھا۔ نجی گفتگو کا انکشاف کرنا لوگوں خصوصاً رشتہ داروں کے درمیان اتحاد کو روکتا ہے۔ اور اسلام کی بہت سی تعلیمات میں اتحاد کا حکم دیا گیا ہے، جیسے کہ صحیح بخاری، نمبر 6065 میں موجود حدیث۔ باب 4 النساء، آیت 58:

‘‘بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے سپرد کرو۔’’

کسی کو دوسروں کے الفاظ کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کی گفتگو سے برتاؤ کریں۔

رحم کے ساتھ دوسروں کا مشاہدہ

مکہ کے غیر مسلموں کے قائدین نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاہدہ توڑنے کے بعد، آپ کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا۔ حاطب ابن ابی بلتہ رضی اللہ عنہ نے ایک خاتون قاصد کو مکہ کی طرف ایک خط کے ساتھ روانہ کیا جس میں غیر مسلموں کو اطلاع دی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کی طرف جارہے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس خط کی الہٰی اطلاع ملی اور اس کے نتیجے میں علی ابن ابی طالب، مقداد بن عمرو اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم کو روانہ کیا کہ وہ ان کو روکیں اور مکہ پہنچنے سے پہلے خط کو واپس لے آئیں۔ منصوبہ کامیاب ہوا اور وہ خط حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واپس کر دیا گیا، آپ نے پھر حاطب رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے ان کے خط کے متعلق سوال کیا۔ حاطب رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ اس نے نہ تو مرتد کیا ہے اور نہ ہی کفر کو اسلام پر ترجیح دی ہے بلکہ اس نے خط صرف اس لیے لکھا ہے کہ مکہ میں ان کے پاس کوئی نہیں تھا جو وہاں اپنے اہل و عیال کی حفاظت کر سکے اور انہیں یقین تھا کہ خط کے ذریعے وہ ان کی مہربانیاں حاصل کر لیں گے اور اس کے نتیجے میں وہ اس کے اہل و عیال کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تصدیق فرمائی کہ آپ نے سچ فرمایا ہے۔ عمر بن خطاب نے غداری کے جرم میں حاطب رضی اللہ عنہ کو پھانسی دینے کی اجازت چاہی لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ وہ جنگ بدر میں لڑ چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر کے تمام شرکاء کو پہلے ہی معاف کر دیا تھا۔ اس کا تذکرہ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 379 اور صحیح بخاری نمبر 3007 میں موجود حدیث میں کیا گیا ہے۔

’’اے ایمان والو، میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، ان سے محبت کرو، جب کہ وہ تمہارے پاس جو حق آیا ہے اس کا انکار کر چکے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اپنے آپ کو اس لیے نکال چکے ہیں کہ تم اللہ پر، اپنے رب پر ایمان رکھتے ہو، اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے اور ان کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے نکلے ہو، تو ان کو دوست نہ سمجھو۔ لیکن جو کچھ تم نے چھپا رکھا ہے اور جو تم نے ظاہر کیا ہے وہ مجھے سب سے زیادہ معلوم ہے اور جو تم میں سے ایسا کرے گا وہ یقیناً راہ سے بھٹک گیا ہے۔

اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1684-1685 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ حاطب رضی اللہ عنہ کی نیت بری نہیں تھی، کیونکہ وہ اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرنا چاہتے تھے اور بخوبی جانتے تھے کہ غیر مسلموں کے نام ان کے خط سے مکہ کی منصوبہ بند فتح پر کوئی فرق نہیں پڑے گا، جیسا کہ مکہ کے غیر مسلم پہلے ہی اس واقعہ کے قائل تھے، اس سے کم نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قائم رہنا چاہیے۔ اس کا خاندان اور مال اللہ تعالیٰ کے نزدیک۔ اس ایک غلطی کی سزا دینے کے بجائے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے قربان کرتے ہوئے دیکھی اور اس لیے اس ایک غلطی کو نظر انداز کر دیا۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ انسان کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے، حتیٰ کہ اس کو کچھ نقصان ہو، جیسے مال کا نقصان۔ درحقیقت یہی وہ لمحات ہیں جو اللہ تعالیٰ پر انسان کے ایمان کی مضبوطی کو واضح کرتے ہیں۔ آسانی کے وقت اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار رہنا مشکل نہیں۔ اصل امتحان اس وقت ہوتا ہے جب کوئی مشکل اور ممکنہ نقصان کے وقت اس کا فرمانبردار رہے۔ اس لیے آسانی اور مشکل دونوں وقتوں میں فرمانبردار رہ کر ان کے زبانی اعلان ایمان کی تائید کرنی چاہیے۔ اس میں اسلامی تعلیمات میں بیان کردہ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنا شامل ہے۔ ایمان کا یقین حاصل کرنے کے لیے کوشش کرنی چاہیے کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہنے میں ان کی مدد کرے۔ پختہ ایمان تب حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص قرآن پاک میں موجود واضح دلائل و شواہد کو سیکھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات جو اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ کس قدر خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنتی ہے۔ دوسری طرف جو اسلامی تعلیمات سے غافل رہے گا وہ کمزور ایمان حاصل کر لے گا۔ یہ شخص جب بھی ان کی خواہشات کے خلاف ہو گا تو آسانی سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا کیونکہ وہ یہ دیکھنے میں ناکام رہتے ہیں کہ کس طرح اپنی خواہشات کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے سے دونوں جہانوں میں سکون ملتا ہے۔ لہٰذا اسلامی علم سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے ایمان کا یقین حاصل کرنا چاہیے تاکہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ دونوں جہانوں میں ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرکے اور ہر ایک اور ہر چیز کو اپنی زندگی میں صحیح طریقے سے رکھ کر ذہنی سکون حاصل کریں۔

اس کے علاوہ، زیر بحث اہم واقعہ لوگوں کو یاد دلاتا ہے کہ ایک شخص نے جو نیکی کی ہے وہ کسی گناہ سے نہیں مٹتی ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلمان اکثر دوسروں سے اچھے سلوک کی توقع رکھتے ہیں جس کے تحت وہ کوئی گناہ یا خطا نہ کریں اور اگر کوئی شخص اس معیار پر پورا نہ اتر سکے تو وہ آسانی سے اس کی مذمت کرتے ہیں اور ان کی تمام نیکیوں کو بھول جاتے ہیں۔ یہ ایک عجیب رویہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ لوگوں سے اس کی توقع بھی نہیں رکھتا اور نہ ہی وہ کسی کے نیک کام کو نظر انداز کرتا ہے، خواہ وہ گناہ ہی کیوں نہ کرے۔ اگر چہ گناہ انسان کے نیک اعمال کو برباد کر دیتے ہیں لیکن چونکہ یہ بات لوگوں سے پوشیدہ ہے، اس لیے انہیں دوسروں کی نیکیوں کو نہیں بھولنا چاہیے، خواہ وہ گناہ ہی کیوں نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ ہی انسان کے اچھے برے اعمال اور اس کے اعمال کے انجام کو جانتا ہے اور وہی دنیا اور آخرت میں اس کے انجام کا فیصلہ کرے گا۔ ایک مسلمان کو کوشش کرنی چاہیے کہ جب بھی دوسرے گناہ کریں توبہ کی ترغیب دیں اور مزید نیک کام کرنے کی ترغیب دیں۔ اس طرح کا برتاؤ دوسروں کو توبہ کرنے کی ترغیب دینے میں ان کی مذمت کرنے سے بہتر ہے۔

دوسروں پر رحم کرنا

مکہ کے غیر مسلموں کے قائدین نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاہدہ توڑنے کے بعد، آپ کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا۔ مکہ کے راستے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بزرگ اور رشتہ دار، مکہ کے غیر مسلموں میں سے، ابو سفیان بن حارث)جو وہی ابو سفیان بن حرب نہیں ہیں جو غیر مسلموں کے سردار تھے (اور عبداللہ بن امیہ، مسلمانوں کے لشکر کے پاس پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کی اجازت طلب کی۔ ابتداء میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دیکھنے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو بدترین دشمنوں میں سے تھے۔ ابو سفیان بن حارث نے عرض کیا کہ اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے نہ ملے تو وہ اور ان کا چھوٹا بچہ صحرا میں چلے جائیں گے یہاں تک کہ وہ بھوک سے مر جائیں۔ اس سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمدردی اور رحمت پیدا ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنے کی اجازت دی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو عزت بخشی اور اس کے نتیجے میں دونوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1691-1692 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ دوسرے لوگوں کی غلطیوں کو نظر انداز کرنے اور معاف کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ جیسے لوگ فرشتے نہیں ہوتے، وہ غلطی کرنے کے پابند ہوتے ہیں، جیسے وہ خود غلطی کرتے ہیں۔ اور جس طرح وہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں سے اپنی غلطیوں کو معاف کرنے کی خواہش رکھتے ہیں، اسی طرح انہیں دوسروں کی غلطیوں کو بھی معاف کرنا سیکھنا چاہیے۔ باب 24 النور، آیت 22:

‘‘اور وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا آپ پسند نہیں کریں گے کہ اللہ آپ کو معاف کر دے؟’’

یہ بات قابل فہم ہے کہ کوئی شخص کسی ایسے مسئلے پر دوسرے کو معاف کرنے کے لیے جدوجہد کر سکتا ہے جو جاری ہے، جیسے کہ ٹریفک حادثے کے بعد معذور ہو جانا۔ اگر وہ اس صورت میں بھی معاف کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں تو ان کے لیے اجر زیادہ ہو گا۔ لیکن ایسی صورتوں میں جہاں کسی کے ساتھ غلط کیا گیا ہے، ایک شخص کو دوسروں کو معاف کرنے کے لیے خود کو دھکیلنا چاہیے اور رنجشوں کو برقرار نہیں رکھنا چاہیے۔ اس قسم کی بغض رکھنے والے کو ڈرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے اعمال کی اسی طرح جانچ پڑتال کرے گا جس طرح اس نے دنیا میں لوگوں کی غلطیوں کی جانچ پڑتال کی تھی۔ قیامت کے دن جس کے اعمال کی جانچ پڑتال کی جائے گی ۔ اسے سزا ملے گی۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 103 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے آخر میں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ دوسروں کو معاف کرنے میں خود کو دوسروں کے نقصان سے بچانے کے لیے اقدامات کرنا بھی شامل ہے تاکہ تاریخ اپنے آپ کو نہ دہرائے۔ صبر اور دوسروں کو معاف کرنے میں غیر فعال رویہ اپنانا شامل نہیں ہے جس کے تحت کوئی دوسروں کو ان پر ظلم کرنے دیتا ہے اور وہ خود کو دوبارہ نقصان پہنچنے سے بچانے کے لیے اقدامات کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اس غیر فعال رویہ کا اسلام کی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں۔ مثال کے طور پر، ایک عورت جو اس کے شوہر کی طرف سے جسمانی زیادتی کا شکار ہو رہی ہے، اسے اپنی اور اپنے بچوں کی حفاظت کے لیے اقدامات کرنے چاہئیں، چاہے اس میں پولیس کو کال کرنا اور اسے چھوڑنا شامل ہو۔ ،جب اس نے اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو اس کے نقصان سے بچا لیا اور اپنی زندگی کو آگے بڑھایا تو وہ اس دنیا میں حکومت کے ذریعے انصاف حاصل کر سکتی ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے انصاف حاصل کر سکتی ہے۔ لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اس کی ماضی کی غلطیوں کے لیے اسے معاف کر دے تو یہ اس کی مغفرت کا باعث بنے گا۔

عظمت پیروی میں ہے۔

مکہ کے غیر مسلموں کے قائدین نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاہدہ توڑنے کے بعد، آپ کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا۔ فوج رمضان کے مقدس مہینے میں چلی گئی تو وہ سب روزے سے تھے۔ چونکہ سفر لمبا اور دشوار گزار تھا، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہ روزے کی تکلیف میں ہیں لیکن وہ انتظار کر رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھلے عام پانی کا برتن منگوا کر اور اس میں سے پی کر افطار کیا۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کی اور روزہ بھی افطار کیا لیکن بعض نے روزہ رکھا۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزے رکھنے والوں کو تنقید کا نشانہ بنایا کیونکہ انہوں نے اپنے کیے پر عمل نہیں کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 388 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ روزہ توڑنا یا جاری رکھنا گناہ نہیں تھا، لیکن جو لوگ روزہ رکھتے تھے ان پر تنقید کی جاتی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فضیلت ہدایت کے دو منابع پر سختی سے عمل کرنے میں مضمر ہے: قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات۔ دینی علم کے دوسرے ذرائع پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، خواہ وہ نیکیوں کی طرف لے جائے، وہ ہدایت کے دو ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا، جو کہ گمراہی کا باعث بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ ہر وہ چیز جس کی جڑیں ہدایت کے دو منابع میں نہ ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رد کر دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ، مذہبی علم کے دوسرے ذرائع پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، اتنا ہی وہ ان چیزوں پر عمل کرنے لگے گا جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہیں۔ اس طرح شیطان قدم قدم پر لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، مشکلات کا سامنا کرنے والے شخص کو کچھ ایسی روحانی مشقیں کرنے کا مشورہ دیا جائے گا جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم اور چیلنج ہوں۔ چونکہ یہ شخص جاہل ہے اور اسے دینی علم کے دوسرے ذرائع پر عمل کرنے کی عادت ہے، اس لیے وہ آسانی سے اس جال میں پھنس جائیں گے اور ایسی روحانی مشقیں کرنے لگیں گے جو براہ راست اسلام کی تعلیمات کو چیلنج کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور کائنات کے بارے میں ایسی باتوں پر بھی یقین کرنے لگیں گے جو اسلام کی تعلیمات سے بھی متصادم ہیں، جیسے کہ ماننے والے لوگ یا مافوق الفطرت مخلوق اپنی تقدیر کو کنٹرول کر سکتے ہیں کیونکہ ان کا علم ہدایت کے دو ذرائع کے علاوہ کسی اور سے لیا گیا ہے۔ ان گمراہ کن طریقوں اور عقائد میں سے کچھ واضح کفر ہیں، جیسے کالا جادو کرنا۔ باب 2 البقرہ، آیت 102:

سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا بلکہ شیاطین نے کفر کیا، لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور جو’’ بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر نازل ہوا تھا، لیکن وہ]یعنی دونوں فرشتے [کسی کو نہیں سکھاتے جب تک کہ یہ نہ کہیں کہ "ہم آزمائش ہیں، اس لیے کفر نہ کرو] "جادو کرکے[.

اس لیے ایک مسلمان اس کا احساس کیے بغیر بھی اپنا ایمان کھو سکتا ہے، کیونکہ انہیں مذہبی علم کے دوسرے ذرائع پر عمل کرنے کی عادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی مذہبی بدعات پر عمل کرنا جن کی جڑیں ہدایت کے دو ذرائع میں نہیں ہیں، شیطان کے نقش قدم پر چلنا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 208:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔"

برتری ظاہری شکل میں نہیں ہے۔

مکہ کے غیر مسلموں کے قائدین نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاہدہ توڑنے کے بعد، آپ کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا۔ فوج نے مکہ پہنچنے سے پہلے کئی رکے اور ان میں سے ایک مقام العقبہ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ آدمیوں کو مقامی درختوں سے پھل لینے کے لیے روانہ کیا۔ ایک صحابی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک درخت پر پھل لینے کے لیے چڑھ رہے تھے، کچھ آدمیوں نے ان کی چھوٹی اور پتلی ٹانگیں دیکھ کر ان کا مذاق اڑایا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کی پتلی ٹانگیں قیامت کے ترازو میں احد پہاڑ سے زیادہ وزنی ہوں گی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 390 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ اس بات کو سمجھنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اسلام لوگوں کی حیثیت کو ایک ہی معیار کے مطابق پرکھتا ہے :وہ کس قدر خلوص دل سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں، ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرتے ہوئے جو انہیں قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

’’بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے‘‘۔

لوگوں کی حیثیت کو جانچنے کے دیگر تمام معیارات کی کوئی اہمیت نہیں ہے، جیسے کہ ظاہری شکل، جنس، نسل اور سماجی طبقہ، اور مسلمانوں کو ان کو نظر انداز کرنا چاہیے، ورنہ یہ مسلم قوم کے درمیان نسل پرستی اور تفرقہ کو جنم دیتا ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ چونکہ کسی کی نیت دوسرے لوگوں سے پوشیدہ ہوتی ہے، اس لیے وہ ظاہری اعمال کی بنیاد پر دوسروں کو دوسرے لوگوں سے بہتر نہیں ٹھہراتا اور اس لیے دوسرے لوگوں یا اپنی ذات کے بارے میں دعوے کرنے سے گریز کرنا چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی تمام لوگوں کی نیت، قول اور فعل کو جانتا ہے۔ باب 53 عن نجم، آیت 32:

’’پس اپنے آپ کو پاکیزہ ہونے کا دعویٰ نہ کرو، وہ خوب جانتا ہے کہ کون اس سے ڈرتا ہے۔‘‘

عوام سے اخلاص

مکہ کے غیر مسلموں کے قائدین نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاہدہ توڑنے کے بعد، آپ کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا۔ راستے میں مسلمانوں کی فوج کا سامنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ وہ یہ تمام عرصہ مکہ میں ہی رہا تاکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر مکہ کے غیر مسلموں کی جاسوسی کرتا رہے۔ جب عباس رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی عظیم فوج، 10،000 سپاہیوں کا مشاہدہ کیا تو وہ سمجھ گئے کہ اگر وہ مکہ میں داخل ہو جائیں اس سے پہلے کہ مکہ کے غیر مسلم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے اپنی حفاظت کی ضمانت دیں تو لشکر ان سب کو نیست و نابود کر سکتا ہے۔ وہ مکہ کے غیر مسلموں کی حفاظت کی امید کے ساتھ مسلم فوج کی طرف بھاگا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1692-1693 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ وہ غیر مسلم تھے، عباس رضی اللہ عنہ نے یہ ظاہر کیا کہ کس طرح تمام لوگوں کے لیے اخلاص کا ہونا چاہیے، خواہ ان کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود حدیث کے مطابق دوسروں کے لیے اس قسم کے اخلاص کو اپنانا چاہیے کیونکہ یہ اسلام کا ایک اہم پہلو ہے۔ اپنے قول و فعل کے ذریعے دوسروں کو ذہنی سکون حاصل کرنے اور دنیاوی اور دینی معاملات میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ذریعے کامیابی کی خواہش اور حوصلہ افزائی کرنی چاہیے، جس میں ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا شامل ہے جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ انہیں خود غرضانہ رویہ نہیں اپنانا چاہیے جس کے تحت انہیں صرف اپنی اور اپنے خاندان کی بھلائی کا خیال ہو۔ کسی کو جانور کی ذہنیت سے اوپر اٹھنا چاہئے اور اس کے بجائے فعال طور پر دوسروں کی بھلائی کا خیال رکھنا چاہئے۔ اس کو حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ ایسا سلوک کرے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ درحقیقت کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 13 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے ۔

پناہ گاہ انتقام نہیں۔

مکہ کے غیر مسلموں کے قائدین نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاہدہ توڑنے کے بعد، آپ کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا۔ فوج نے مکہ پہنچنے سے پہلے کئی رکے اور ان میں سے ایک مقام مر الظہران تھا جو مکہ کے قریب تھا۔ مکہ کے بعض بزرگوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سفر کیا اور اسلام قبول کیا۔ ان میں سے ایک ابو سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ مکہ کے غیر مسلموں میں سے جو کوئی مکہ کے ان بزرگوں کے گھروں میں داخل ہو گا وہ مسلمانوں کے لشکر سے محفوظ رہے گا، جو اپنے گھروں میں داخل ہو کر اپنے دروازے بند کر دے گا وہ محفوظ رہے گا اور آخر کار جس نے خانہ کعبہ میں پناہ لی وہ مسلمانوں کے لشکر سے محفوظ رہے گا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 391-392 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ مکہ کے بہت سے غیر مسلموں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مظالم ڈھائے، پھر بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے کامیابی، اتحاد اور سلامتی کی خواہش کی۔ ان کو حرمت دے کر انہیں اسلام کی تعلیمات کو کھلے دل سے سننے اور سیکھنے کا موقع دیا تاکہ وہ مسلمانوں یا غیر مسلموں کے کسی بیرونی دباؤ کے بغیر اس کی سچائی کو پہچان سکیں۔

مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ یہ مثبت رویہ اپنانا چاہیے تاکہ وہ خود بھی اسلام کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے کی ترغیب دیں تاکہ وہ سمجھ سکیں کہ ذہنی سکون اور کامیابی اسی میں ہے۔ یہ سب سے بہتر اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص اسلامی تعلیمات کے اندر مذکور مثبت خصوصیات کو اپناتے ہوئے بیرونی دنیا میں صحیح طریقے سے اسلام کی نمائندگی کرتا ہے، جیسے سخاوت، صبر اور تحمل، اور اسلامی تعلیمات میں تنقید کی گئی بری خصوصیات جیسے تکبر، حسد اور لالچ سے بچ کر۔ بیرونی دنیا میں اسلام کی صحیح نمائندگی کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور اس کے لیے وہ جوابدہ ہوں گے۔

اسلام مخلصانہ اطاعت ہے۔

مکہ کے غیر مسلموں کے قائدین نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاہدہ توڑنے کے بعد، آپ کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا۔ مکہ جاتے ہوئے مکہ کے غیر مسلموں کے سردار ابو سفیان نے ان کی عیادت کی اور اسلام قبول کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے باجماعت نماز میں شریک تھے۔ اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن مطلب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ کچھ بھی کریں گے یا نہیں جس کا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تھا۔ عباس رضی اللہ عنہ نے اثبات میں جواب دیا اور مزید کہا کہ اگر وہ انہیں کھانا پینا ترک کرنے کا حکم دیں تو وہ اس کی اطاعت کریں گے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ بچ جانے والے وضو کے پانی کے لیے اس سے برکت حاصل کرنے کے لیے تڑپتے تھے۔ اس کی گواہی دیتے ہوئے ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ اس سے پہلے میں نے فارس یا رومی بادشاہوں کے محلات میں بھی ایسا کچھ نہیں دیکھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 394 میں بحث کی گئی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے اپنے زبانی اعلان کو اخلاص کا مظاہرہ کرتے ہوئے پورا کیا۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4:

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7:

‘‘اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔’’

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا ‘‘۔

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک ہی حدیث میں ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ساری مخلوق سے زیادہ محبت نہ کرے۔ یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔ اس کا احترام، محبت اور عملی طور پر اس کی پیروی کرنا اس کے لیے مخلص ہونے کا ایک پہلو ہے۔ لیکن یہ آپ کی بابرکت زندگی اور تعلیمات کو

سیکھے بغیر ممکن نہیں۔ کسی کی عزت، محبت اور پیروی کیسے کر سکتا ہے جسے وہ جانتا تک نہیں؟ جو شخص اس سے محبت اور احترام کا دعویٰ کرتا ہے لیکن عملی طور پر اس کی پیروی کرنے میں ناکام رہتا ہے وہ ان کے دعوے میں بے ایمان ہے۔

نافرمانی ناکامی کی طرف لے جاتی ہے۔

مکہ کے غیر مسلموں کے قائدین نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاہدہ توڑنے کے بعد، آپ کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا۔ جب مسلمانوں کا بہت بڑا لشکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا تو ابو سفیان رضی اللہ عنہ ان کی طاقت اور تعداد پر حیران رہ گئے۔ اس نے تبصرہ کیا کہ اس نے بہت سے ایسے چہرے دیکھے ہیں جنہیں وہ نہیں پہچانتا تھا جو فتح مکہ کے لیے آئے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ یہ تو صرف غیر مسلموں کے اعمال کا نتیجہ ہے۔ جب مکہ کے غیر مسلموں نے اسے جھوٹا کہا تو مسلمانوں کی فوج نے اس پر یقین کیا اور جب مکہ کے غیر مسلموں نے اسے جلاوطن کیا تو انہوں نے اس کی مدد کی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 393 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے ایک سادہ مگر گہرے سبق کو سمجھنا ضروری ہے، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے دنیا و آخرت میں دنیاوی یا دینی معاملات میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ طلوع آفتاب سے لے کر اس زمانے تک اور آخر زمانہ تک کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے نہ کبھی حقیقی کامیابی حاصل ہوئی اور نہ ہی کبھی نصیب ہوگی۔ تاریخ کے اوراق پلٹنے پر یہ بات بالکل عیاں ہے۔ لہٰذا جب کوئی مسلمان ایسی حالت میں ہو جس سے وہ ایک مثبت اور کامیاب نتیجہ حاصل کرنا چاہتا ہو تو اسے کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا انتخاب نہیں کرنا چاہیے، خواہ یہ کتنا ہی آسان اور آزمائشی کیوں نہ ہو۔ یہاں تک کہ اگر کسی کو ان کے قریبی دوستوں اور رشتہ داروں کی طرف سے ایسا کرنے کا مشورہ دیا جائے کیونکہ مخلوق کی اطاعت نہیں ہے اگر اس کا مطلب خالق کی نافرمانی ہے۔ اور درحقیقت وہ انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے عذاب سے نہ دنیا میں بچا سکیں گے نہ آخرت میں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کامیابی عطا کرتا ہے جو اس کی اطاعت کرتے ہیں وہ اس کی نافرمانی کرنے والوں سے ایک کامیاب نتیجہ نکال دیتا ہے خواہ اس ہٹانے میں وقت لگے۔ ایک مسلمان کو بے وقوف نہیں بنانا چاہیے کیونکہ یہ جلد یا بدیر ہو جائے گا۔ قرآن کریم نے یہ بات بالکل واضح کر دی ہے کہ برائی کا منصوبہ یا عمل صرف کرنے والے کو ہی گھیرتا ہے خواہ اس سزا میں تاخیر ہی کیوں نہ ہو۔
:باب 35 فاطر، آیت 43

‘‘لیکن شیطانی تدبیر اپنے لوگوں کو نہیں گھیرتی۔’’

لہٰذا حالات اور انتخاب خواہ کتنے ہی مشکل کیوں نہ ہوں مسلمانوں کو چاہیے کہ دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا انتخاب کریں کیونکہ یہی کامیابی دونوں جہانوں میں حقیقی کامیابی کا باعث بنے گی خواہ یہ کامیابی فوری طور پر ظاہر نہ ہو۔

ایوان کو آزاد کرانا

جب مسلمانوں کا بہت بڑا لشکر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا تو سب پر ظاہر تھا کہ وہ اس دن مکہ فتح کر لیں گے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ یہ دن عظیم جنگ کا دن ہے جس میں ان کے دشمنوں کے لیے پناہ کی اجازت نہیں ہے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے اپنے الفاظ کی تصحیح کرتے ہوئے یہ اعلان فرمایا کہ آج کا دن درحقیقت اللہ تعالیٰ اپنے گھر، کعبہ کی تسبیح کرنے والا ہے، جس دن کعبہ کو معنوی طور پر آراستہ کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کے ساتھ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 394 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہم مشنوں میں سے ایک خانہ کعبہ کو آزاد کرانا تھا تاکہ یہ ایک بار پھر اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کی علامت بن جائے۔ لہٰذا یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح وہ دن میں پانچ بار کعبہ کی طرف رخ کرتے ہیں، اسی طرح انہیں اپنے دن بھر اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو صحیح طریقے سے عطا کی گئی ہیں جیسا کہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ طرز عمل یہ ہے کہ انسان کعبہ کے مقصد کو کیسے پورا کرتا ہے اور کس طرح ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرکے اور ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں صحیح طور پر رکھ کر اور قیامت کے دن اپنے احتساب کی مناسب تیاری کرکے دونوں جہانوں میں سکون حاصل کرتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

کعبہ کے اس مقصد کو سمجھنے میں ناکامی اس کی ایک بڑی وجہ ہے کہ مسلمان جو بنیادی فرائض جیسے کہ پانچ وقت کی فرض نمازیں ادا کرتے ہیں، ذہنی سکون حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں،

کیونکہ وہ اپنے دن بھر اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ نتیجے کے طور پر، وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں جو انہیں دی گئی ہیں۔ یہ انہیں متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرنے سے روکتا ہے اور وہ اپنی زندگی میں ہر چیز اور ہر چیز کو غلط جگہ دینے کا سبب بنتا ہے۔ اس لیے ان کا رویہ دونوں جہانوں میں تناؤ، پریشانی اور مشکلات کا باعث بنتا ہے۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور [پھر] زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟ (اللہ) فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

عاجزی کی انتہا

جب مسلمانوں کا بہت بڑا لشکر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں مکہ میں داخل ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ کے قرب میں سوار ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی سے اس قدر جھک گئے کہ آپ کا چہرہ تقریباً اس کی زین کو چھونے لگا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 397 میں بحث کی گئی ہے۔

:یہ باب 25 الفرقان آیت 63 سے مربوط ہے

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آسانی سے چلتے ہیں‘‘۔’’

یہ سمجھ لیا ہے کہ ان کے پاس جو بھی خوبی ہے وہ صرف اور صرف اس اللہ تعالیٰ کے بندوں نے لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا ہے۔ اور جس برائی سے وہ بچ گئے وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی۔ جو چیز کسی کی نہیں اس پر فخر کرنا کیا حماقت نہیں؟ بالکل اسی طرح ان سے تعلق نہیں رکھتا مسلمانوں کو یہ جیسے کوئی شخص کسی اسپورٹس کار پر فخر نہیں کرتا جو نہیں سمجھنا چاہیے کہ حقیقت میں کچھ بھی ان کا نہیں ہے۔ یہ رویہ یقینی بناتا ہے کہ انسان ہر وقت عاجز رہے۔ اللہ تعالیٰ کے عاجز بندے، صحیح بخاری نمبر 5673 میں موجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث پر مکمل یقین رکھتے ہیں، جس میں بتایا گیا ہے کہ کسی شخص کے اعمال صالحہ انہیں جنت میں نہیں لے جائیں گے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی اس کا سبب بن سکتی ،ہے۔ اس لیے کہ ہر عمل صالح اسی وقت ممکن ہے جب اللہ تعالیٰ اس کو انجام دینے کے لیے علم . پر اللہ کی رحمت طاقت، موقع اور الہام عطا فرمائے۔ یہاں تک کہ عمل کی قبولیت بھی منحصر ہے۔ جب کوئی اس کو ذہن میں رکھتا ہے تو یہ انہیں غرور سے بچاتا ہے اور انہیں عاجزی اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ عاجز ہونا کمزوری کی علامت نہیں ہے کیونکہ اسلام نے ضرورت پڑنے پر اپنے دفاع کی ترغیب دی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسلام مسلمانوں کو کمزوری کے بغیر عاجزی کا درس دیتا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

جامع ترمذی نمبر 2029 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اٹھائے گا۔ پس حقیقت میں عاجزی دونوں جہانوں میں عزت کا باعث بنتی ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے مخلوق میں سے سب سے زیادہ حلیم پر غور کرنے کی ضرورت ہے، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے واضح طور پر لوگوں کو اس اہم صفت کو اپنانے کا حکم دے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے۔ باب اشعرا، آیت 215 26:

"اور اپنے بازو کو نیچے رکھو]یعنی مہربانی کرو [مومنوں میں سے جو تمہاری پیروی کرتے ہیں۔"

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاجزانہ زندگی گزاری۔ مثال کے طور پر، اس نے خوشی سے گھر میں گھریلو فرائض انجام دیے اور یہ ثابت کیا کہ یہ کام صنفی غیر جانبدار ہیں۔ اس کی تصدیق امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 538 میں ہوتی ہے۔

باب 25 الفرقان، آیت 63، ظاہر کرتی ہے کہ عاجزی ایک باطنی خصوصیت ہے جو باہر کی طرف ظاہر ہوتی ہے جیسے کہ چلنے کا راستہ۔ اس پر ایک اور آیت باب 31 لقمان، آیت 18 میں بحث کی گئی ہے۔

اور لوگوں کی طرف اپنے گال نہ پھیر اور زمین پر اکڑ کر نہ چل‘‘۔’’

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ جنت ان عاجز بندوں کے لیے ہے جن میں غرور کا کوئی نشان نہیں ہے۔ باب 28 القصص، آیت 83:

،آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لیے مقرر کرتے ہیں جو نہ زمین میں بلندی چاہتے ہیں اور نہ فساد’’
‘‘اور]بہترین [انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 1998 میں موجود ایک حدیث کی تصدیق فرمائی ہے کہ جس کے پاس ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ فخر کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کیونکہ وہ پوری کائنات کا خالق، پالنے والا اور مالک ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، فخر اس وقت ہوتا ہے جب کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں اور جب سچائی ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو اسے مسترد کر دیتا ہے کیونکہ وہ سچائی کو اس کی تصدیق سنن طرف سے آتا ہے ۔ ان کے علاوہ کسی اور کی قبول کرنا ناپسند کرتے ہیں جب وہ ابوداؤد نمبر 4092 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

چیزوں کو آسان بنائیں

مسلمانوں کے ہاتھوں مکہ فتح ہونے کے بعد، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بزرگ والد کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے جایا، تاکہ وہ اسلام قبول کر سکیں۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں آتے دیکھا تو فرمایا کہ بہتر ہوتا کہ اپنے بوڑھے والد کو گھر پر چھوڑ کر خود ان سے ملنے جاتے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ان کے والد کا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آنا دوسرے راستے سے زیادہ مناسب تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 398-399 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سچ کہا تھا، لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کیا۔ درحقیقت یہ اسلام کا ایک اہم پہلو ہے جسے اکثر مسلمان نظر انداز کرتے ہیں۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ کچھ مسلمان ہمیشہ اپنے مکمل حقوق اور دوسروں سے زیادہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آج کے دور میں جہالت کی وجہ سے والدین جیسے لوگوں کے حقوق ادا کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ اگرچہ ایک مسلمان کے پاس کوئی عذر نہیں ہے لیکن ان کو پورا کرنے کی کوشش کرنا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ صلہ رحمی کریں۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 6655 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت ہے کہ اللہ تعالیٰ دوسروں پر رحم کرنے والوں پر رحم کرتا ہے۔

اس رحمت کا ایک پہلو مسلمان کے لیے یہ ہے کہ وہ دوسروں سے اپنے پورے حقوق کا مطالبہ نہ کرے۔ اس کے بجائے، انہیں اپنی جسمانی یا مالی طاقت جیسے ذرائع کو اپنی مدد اور دوسروں کے لیے آسان بنانے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ بعض صورتوں میں، جب کوئی مسلمان دوسروں سے اپنے مکمل حقوق کا مطالبہ کرتا ہے اور وہ انہیں پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں تو یہ ان کی سزا کا باعث بن سکتا ہے۔ دوسروں پر رحم کرنے کے لیے انہیں صرف بعض صورتوں میں اپنے حقوق کا

مطالبہ کرنا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان کو دوسروں کے حقوق ادا کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرے جن پر ان کے حقوق ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک والدین اپنے بالغ بچے کو گھر کے کسی خاص کام سے معافی دے سکتے ہیں اور اگر وہ اپنے آپ کو پریشان کیے بغیر ایسا کرنے کے ذرائع رکھتے ہیں تو وہ خود کر سکتے ہیں، خاص طور پر اگر وہ بچہ کام سے تھک کر گھر لوٹتا ہے۔ یہ نرمی اور رحم نہ صرف اللہ تعالیٰ کو ان پر زیادہ رحم کرنے کا باعث بنے گا بلکہ اس سے لوگوں میں ان کے لیے محبت اور احترام بھی بڑھے گا۔ جو ہمیشہ اپنے پورے حقوق کا مطالبہ کرتا ہے وہ گنہگار نہیں ہے لیکن اگر وہ اس طرح کا برتاؤ کریں گے تو وہ اس اجر و ثواب سے محروم ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کریں اور امید رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے دنیا اور آخرت میں آسانیاں پیدا کرے گا۔

انصاف کا سامنا کرنا

اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کے غیر مسلموں کو حرمت دی تھی، لیکن وہ چند مستثنیات تھے جنہیں اگر مل جائے تو پھانسی دے دی جائے۔ ان لوگوں کو سیکورٹی میں توسیع نہیں دی گئی کیونکہ ان کے جرائم بہت زیادہ تھے، جیسے کہ غداری، جو کہ اس دن اور عمر میں بھی ایک بڑا جرم ہے۔ مثال کے طور پر چند سال پہلے میقیس بن صبا اسلام کا دعویٰ کرتے ہوئے مدینہ پہنچے۔ اس نے اپنے مسلمان بھائی ہشام بن صبغہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مالی معاوضہ کی درخواست کی، جو ایک جنگ کے دوران غلطی سے ایک مسلمان کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ یہ رقم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے بعد اس نے اس مسلمان سپاہی کو قتل کر دیا جس نے غلطی سے اپنے بھائی کو قتل کر دیا تھا۔ میقیاس پھر مکہ بھاگ گیا جہاں اس نے مرتد ہو گیا۔ مکیاس کو فتح مکہ کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موت کی سزا سنائی تھی کیونکہ اس نے دو سنگین جرائم کا ارتکاب کیا تھا، دونوں کے لیے پھانسی کی ضمانت دی گئی تھی۔ پہلا مالی معاوضہ لینے کے بعد مسلمان فوجی کو قتل کرنا تھا اور دوسرا اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہونا تھا۔ اسے مکہ میں پایا اور قتل کر دیا گیا۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء آیت نمبر 93 نازل فرمائی۔

”لیکن جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوا اور اس پر لعنت کی اور اس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

ایک اور شخص عبد العزہ بن خطل نے شروع میں اسلام قبول کیا اور جب اسے ایک گاؤں سے صدقہ فطر جمع کرنے کے لیے بھیجا گیا تو اس نے ایک مسلمان کو ان کے درمیان جھگڑے کے بعد قتل کردیا۔ اس کے بعد وہ مرتد ہو کر غیر مسلموں کے پاس بھاگ گیا اور یہاں تک کہ دو خواتین گلوکاروں کو بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں توہین آمیز اشعار لکھنے کے لیے ملازم رکھا۔

اس کے علاوہ جب مسلمانوں کی فوج مکہ میں داخل ہوئی تو اسلام سے ارتداد کے جرم میں موت کی سزا پانے والے افراد میں سے ایک عبداللہ ابن سعد بھاگ کر ایک صحابی عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گیا اور ان سے حفاظت کی درخواست کی۔ وہ جواباً اس شخص کو لے کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا اور اپنی طرف سے التجا کی۔ اگرچہ اس کے جرائم سنگین تھے، پھر بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے معاف کر دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 212-213 اور 402، امام صفی الرحمن کی، مہربند نیکٹر، صفحہ 396-397 اور امام واحدی کی، اصباب النزول، 4:93، صفحہ 59 میں بحث کی گئی ہے۔

باب 2 البقرہ، آیات 178-179:

' 'تمہارے لیے قتل کرنے والوں کا قانونی بدلہ مقرر کیا گیا ہے، آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے، لیکن جو شخص اپنے بھائی]قاتل [کی طرف سے کسی چیز کو نظر انداز کرے، تو اس کے لیے مناسب تعاقب اور ادائیگی حسن سلوک کے ساتھ ہونی چاہیے۔ اور تمہارے لیے قانونی انتقام ہے، اے عقل والو..."

قانونی انتقام میں زندگی ہے، کیونکہ بہت سے قاتل پھانسی سے کم کسی سزا سے اس رویے سے باز نہیں آتے۔ ایسی لاتعداد مثالیں ہیں جہاں ایک قاتل نے اپنے جرم کی پاداش میں کچھ سال قید کاٹی ہو، صرف رہائی کے بعد دوبارہ قتل کا ارتکاب کیا ہو۔ تو ایک شخص کی پھانسی دوسروں کی جان بچانے کا باعث بنتی ہے۔

اس کے علاوہ، جیسا کہ پہلے بات کی گئی ہے، یہ قانونی انتقام مقتول کے لواحقین کی ذہنی حالت میں بھی مدد کرتا ہے، کیونکہ یہ جاننا کہ قتل نے ان کے جرم کی قیمت ان کی زندگی کے ساتھ ادا کی ہے مقتول کے لواحقین کو اپنی زندگی کے ساتھ آگے بڑھنے میں مدد کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ لیکن جب قاتل کو صرف جیل میں ڈالا جاتا ہے، اور بہت سے معاملات میں بالآخر رہا کر دیا جاتا ہے، قاتل کے

ہاتھوں اپنے محبوب کو جو صدمہ پہنچا ہے اسے یاد کرنے کی تکلیف مقتول کے لواحقین کو اپنی زندگی کے ساتھ آگے بڑھنے اور سکون سے رہنے سے روک سکتی ہے۔ اس ذہنی اذیت کو روکنا انہیں زندگی بخش رہا ہے۔ اسی طرح، جب حکومت کسی مجرم کے بارے میں کوئی فیصلہ کرتی ہے، تو متاثرہ کے لواحقین اکثر یہ محسوس کرتے ہیں کہ انصاف نہیں ملا۔ یہ ایک وجہ ہے کہ جان بوجھ کر قتل کے معاملات میں مقتول کے لواحقین کو یا تو قاتل کو پھانسی دینے یا مالی معاوضے کے ساتھ یا اس کے بغیر معاف کرنے کا اختیار دیا جاتا ہے۔ جب فیصلہ متاثرہ کے لواحقین کے حوالے کر دیا جائے گا تو اس سے ذہنی تناؤ کا امکان کم ہو جائے گا جو کہ حکومت کی جانب سے نتائج کا فیصلہ کرنے کی صورت میں پیدا ہوگا۔ یہ ایک بار پھر متاثرہ کے رشتہ داروں کو ناراضگی سے بھری زندگی گزارنے کے بجائے اپنی زندگی کے ساتھ آگے بڑھنے کی اجازت دیتا ہے، جو حقیقت میں بالکل بھی نہیں جی رہی ہے۔ یہ ناراضگی اتنی طاقتور ہو سکتی ہے کہ یہ متاثرہ کے خاندان کے اندر بھی رگڑ کا باعث بنتی ہے، جب اراکین کی اپنی زندگی کو آگے بڑھانے کے بارے میں مختلف رائے ہوتی ہے۔ یہ ہمیشہ ٹوٹے ہوئے خاندانوں کا باعث بنتا ہے، جیسے کہ متوفی کے والدین کی طلاق ہو جاتی ہے۔ لہٰذا خاندان کو یہ فیصلہ کرنے کا اختیار دینا کہ قاتل کے ساتھ کیا ہوتا ہے، مقتول کے خاندان کی تباہی کو روکتا ہے جو کہ اگر قاتل کا نتیجہ فیصلہ کرنے کے لیے چھوڑ دیا جائے تو وہ اپنی زندگیوں کے ساتھ آگے بڑھنے کا زیادہ امکان رکھتے ہیں۔

پھانسی کے ذریعے قانونی انتقام انتقامی قتل کی روک تھام کے ذریعے جانیں بھی بچاتا ہے جو نسلوں ،تک پھیل سکتا ہے۔ لہٰذا، ایک قاتل کو پھانسی دینے سے کئی قتلوں کو روکا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جب کسی ایسے شخص کو قتل کیا جاتا ہے جس کے زیر کفالت ہوتے ہیں، انتقامی قتل کی وجہ سے، یہ ان کے زیر کفالت افراد، جیسے ان کے بچوں کی زندگیوں کی تباہی کا باعث بنتا ہے۔ اسے اس وقت روکا جا سکتا ہے جب مقتول کے خاندان کو یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ قاتل کو کیا ہوتا ہے، کیونکہ یہ انتقامی قتل اور اس سے ہلاک یا زخمی ہونے والے تمام افراد کے زیر کفالت ہونے والی تباہی کو روکتا ہے۔ اس لیے قانونی انتقام ان تمام لوگوں کی جان بچاتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ جب قانونی معاملات میں اسلامی قانون کی پیروی کی جائے اور ان کا صحیح اطلاق کیا جائے تو یہ سب درست ہیں۔ کسی کو قتل کے جرم میں سزا دینے کے لیے حقیقی اور مضبوط شواہد کی ضرورت ہوتی ہے، جو کہ ہر طرح کے شکوک و شبہات سے بالاتر ہونا چاہیے۔ اسلام میں، مقدمے کے اندر کسی بھی قسم کے شکوک و شبہات کی وجہ سے مکمل قانونی سزا، جیسے کہ پھانسی، کو معاف کر دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ، اس دن اور دور میں ناقابل تردید ثبوت حاصل

کرنا آسان ہے جہاں سی سی ٹی وی فوٹیج، ڈی این اے ٹیسٹنگ اور دیگر سائنسی طریقہ کار تیار کیے گئے ہیں جو مجرموں کو بہت زیادہ یقین کے ساتھ درست طریقے سے سزا دے سکتے ہیں۔ یہ سب ایک بے گناہ شخص کو سزا سنانے کا موقع کم سے کم کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر غیر اسلامی ممالک صرف ان مخصوص معاملات میں قانونی انتقام کو درست طریقے سے نافذ کریں تو اس سے جرائم میں نمایاں کمی آئے گی۔ ان معاملات میں کسی بے گناہ کو پھانسی دینے کے خوف سے پھانسی سے بچنے کا عذر لاگو نہیں ہوتا کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ صحیح شخص کو پھانسی دی گئی ہے۔

لیکن جیسا کہ زیر بحث اہم آیات سے اشارہ کیا گیا ہے، صرف وہی لوگ جو اپنی سوچ کو درست طریقے سے لاگو کرتے ہیں قانونی انتقام کے وسیع فائدے کو سمجھیں گے ۔ مثال کے طور پر، جس کے پاس سمجھ نہیں ہے وہ اپنی جان بچانے کے لیے جسم کے کسی حصے کو کاٹنا چھوڑ دے گا، کیونکہ وہ اس بیان کے صرف ایک پہلو پر توجہ مرکوز کرتے ہیں، یعنی جسم کے کسی حصے کو کاٹنا۔ وہ بڑی تصویر کے معنی پر غور نہیں کرتے، اپنی جان بچانا، اور اس کے نتیجے میں وہ اپنی جان بچانے کے لیے جسم کے کسی حصے کو کاٹنے سے انکار کرتے ہیں۔ جبکہ واضح طور پر سوچنے والا اس بات سے اتفاق کرے گا کہ جسم کے کسی حصے کو کاٹنا بہت سنگین ہے لیکن اسے چھوڑنا بدتر چیز کا باعث بنے گا، یعنی موت۔ اس لیے وہ بڑی تصویر پر غور کرتے ہیں اور اپنی جان بچانے کے لیے جسم کے کسی حصے کو کاٹنے کے حق میں فیصلہ کرتے ہیں۔ اس کا اطلاق زیر بحث آیات پر بھی ہو سکتا ہے۔ معاشرے کے کسی فرد کو قتل کے جرم میں پھانسی دینا سخت لگتا ہے لیکن اگر اس سے متاثرہ کے لواحقین سمیت باقی معاشرے کے لیے بہت سے فائدے ہوتے ہیں تو یہ کرنا درست ہے، کیونکہ ایک حکومت کو بڑے تصویر کے معنی، ایک سزا یافتہ قاتل کی زندگی پر پورے معاشرے کی فلاح و بہبود پر غور کرنا چاہیے، جس نے اپنے انسانی حقوق سے دستبردار ہو کر انسان کی طرح کام کرنا چھوڑ دیا، یا بہت ہی نایاب کیسوں میں مجرمانہ زندگی گزاری۔

باب 2 البقرہ، آیت 179:

''اور تمہارے لیے قانونی بدلہ]بچائی [جان ہے، اے عقل والو، تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ ''

جیسا کہ اس آیت کے آخری حصے میں اشارہ کیا گیا ہے، پھانسی کے ذریعے قانونی انتقام بھی عام لوگوں کے لیے ایک مضبوط رکاوٹ کا کام کرتا ہے۔ جب وہ قاتلوں کو پھانسی دیے جانے کا مشاہدہ کرتے ہیں تو یہ ان لوگوں کو روکے گا جو کسی کو نقصان پہنچانا یا قتل کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنی جان کھونے کے خوف سے اپنا ہاتھ روک لیں اور اس طرح اپنی اور دوسروں کو زندگی بخشیں۔ اس کا اطلاق ہر قسم کے جرائم پر ہو سکتا ہے۔ اگر عصمت دری جیسے جرائم کی سزا زیادہ سنگین تھی، تو یہ بہت سے ممکنہ مجرموں کو جرم کرنے سے روک دے گی۔ معاشروں میں جرائم کی شرح میں کمی نہ ہونے کی ایک اہم وجہ نرم قوانین کا ہونا ہے ۔

قانونی انتقام کا ایک پہلو قاتل کو معاف کرنا ہے۔ احسان کا یہ عمل قاتل کو اپنی جرم کی زندگی سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے، جو ان کی اپنی زندگی اور دوسروں کی حفاظتی زندگیوں کی نجات کا باعث بنتا ہے اگر وہ اپنے برے طریقے جاری رکھتے تو انہیں نقصان پہنچتا۔ اس کے علاوہ، یہ دوسرے ممکنہ متاثرین اور ان کے لواحقین کو بھی اپنے مظلوموں کو معاف کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے، جو کہ ایک بار پھر بہت سی جانوں کو بچانے اور معاشرے میں امن اور رحم کے پھیلاؤ کا باعث بنتا ہے۔

معاف کرنا اور آگے بڑھنا

مسلمانوں کے ہاتھوں مکہ فتح ہونے کے بعد، اسلام کا ایک کٹڑ دشمن، جس نے روز اول سے ہر موقع کو استعمال کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان پہنچایا، عکرمہ بن ابو جہل مکہ سے فرار ہو گیا۔ ان کی اہلیہ نے اسلام قبول کر لیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی حفاظت کی درخواست کی جو آپ نے قبول کر لی۔ اس نے عکرمہ کو پایا اور اسے بتایا کہ کیا ہوا ہے۔ اگرچہ اسے یقین کرنا مشکل ہو گیا تھا، وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس واپس آئے اور اسلام قبول کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے خلاف اپنے سابقہ رویے کو نظر انداز کیا اور معاف کر دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 403-404 میں بحث کی گئی ہے۔

تمام مسلمانوں کو امید ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی گزشتہ غلطیوں اور گناہوں کو ایک طرف رکھے گا، نظر انداز کرے گا اور معاف کر دے گا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انہی مسلمانوں میں سے اکثر جو اس کی امید اور دعا کرتے ہیں وہ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتے۔ مطلب، وہ اکثر دوسروں کی ماضی کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں اور انہیں اپنے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ ان غلطیوں کی طرف اشارہ نہیں ہے جن کا اثر حال یا مستقبل پر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، ڈرائیور کی وجہ سے ہونے والا کار حادثہ جو کسی دوسرے شخص کو جسمانی طور پر معذور کر دیتا ہے، ایک غلطی ہے جو حال اور مستقبل میں شکار کو متاثر کرے گی۔ اس قسم کی غلطی کو چھوڑنا اور نظر انداز کرنا سمجھنا مشکل ہے۔ لیکن بہت سے مسلمان اکثر دوسروں کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں جو کسی بھی طرح سے مستقبل کو متاثر نہیں کرتی ہیں، جیسے کہ زبانی توہین۔ اگرچہ غلطی ختم ہو چکی ہے لیکن یہ لوگ موقع ملنے پر اسے زندہ کرنے اور دوسروں کے خلاف استعمال کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ ایک انتہائی افسوسناک ذہنیت ہے جیسا کہ کسی کو سمجھنا چاہئے کہ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔ کم از کم ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ سے اپنی ماضی کی غلطیوں سے درگزر کرنے کی امید رکھتا ہے اسے دوسروں کی ماضی کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ جو لوگ اس طرح برتاؤ کرنے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ ان کے زیادہ تر تعلقات ٹوٹ چکے ہیں کیونکہ کوئی بھی رشتہ مکمل نہیں ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اختلاف کا شکار رہیں گے جو ہر رشتے میں غلطی کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس لیے جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ تنہا ہو جائے گا کیونکہ ان کی بری ذہنیت انہیں دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کو خراب کرنے کا باعث بنتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ تنہا رہنے سے نفرت کرتے ہیں لیکن پھر بھی ایسا رویہ اپناتے ہیں جو دوسروں کو ان سے دور کرتا ہے۔ یہ منطق اور عقل کی نفی کرتا ہے۔ تمام لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ زندہ رہتے ہوئے

اور ان کے انتقال کے بعد ان سے محبت اور احترام کیا جائے لیکن یہ رویہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ جب وہ زندہ ہوتے ہیں تو لوگ ان سے تنگ آ جاتے ہیں اور جب وہ مرتے ہیں تو لوگ انہیں سچے پیار اور محبت سے یاد نہیں کرتے۔ اگر وہ انہیں یاد کرتے ہیں تو یہ محض رواج سے باہر ہے۔

ماضی کو جانے دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں کے ساتھ حد سے زیادہ اچھا سلوک کرنے کی ضرورت ہے لیکن اسلام کی تعلیمات کے مطابق سب سے کم احترام کرنا ہے۔ اس میں کچھ خرچ نہیں ہوتا اور اس کے لیے تھوڑی محنت درکار ہوتی ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ درگزر کرنا سیکھے اور لوگوں کی ماضی کی غلطیوں کو جانے دیا جائے تو شاید اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی پچھلی غلطیوں کو درگزر فرمائے گا۔ باب 24 النور، آیت 22:

"... اور وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

آخر میں یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ خود کو دوسروں کے مستقبل کے نقصان سے بچانے کے لیے اقدامات کرے تاکہ تاریخ اپنے آپ کو نہ دہرائے اور پھر وہ کوشش کرے کہ جس نے ان پر ظلم کیا ہے اسے معاف کر دیا جائے۔ ایک غیر فعال رویہ اختیار کرنا جس کے تحت کوئی خود کو دوسروں کے نقصان سے بچانے کے لیے قدم نہیں اٹھاتا ہے اس کا صبر یا معافی سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اس لیے اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

برتری اور کامیابی

جس دن مکہ فتح ہوا، وہاں خانہ کعبہ کے گرد 360 بت رکھے گئے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر ایک کو اپنی لاٹھی مارتے ہوئے اعلان کیا کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔ حق آچکا تھا اور باطل بے اختیار تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 408-409 میں بحث کی گئی ہے۔

تاریخ کے اوراق پلٹیں تو صاف نظر آئے گا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر ڈٹے رہے، جس میں لوگوں پر ظلم شامل تھا، آخرکار کسی نہ کسی طرح تباہ ہوئے۔ جبکہ جو لوگ اللہ کی تعلیمات میں بیان کردہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہوئے اس کی فرمانبرداری پر ثابت قدم رہے انہیں بالآخر ذہنی سکون، راحت اور کامیابی نصیب ہوئی۔ باب 47 محمد، آیت 10:

"کیا انہوں نے زمین میں سیر نہیں کی اور دیکھا کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا ہوا، اللہ نے ان پر ہر چیز کو تباہ کر دیا۔"

ان دونوں نتائج کو سراہنے کے لیے کسی کو مسلمان ہونے کی ضرورت نہیں، انہیں صرف تاریخ کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ لہذا کسی کو یہ فیصلہ کرنا چاہئے کہ وہ کون سا نتیجہ چاہتے ہیں اور اس کے مطابق عمل کریں۔

اسلام نرمی ہے۔

جس دن مکہ فتح ہوا، علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، خانہ کعبہ کی چابیاں لے کر، غیر مسلم جو پہلے چابیاں عثمان بن طلحہ کے انچارج تھے، سے لے کر گئے۔ علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے چابیاں اپنے پاس رکھنے کی درخواست کی تاکہ وہ کعبہ کا متولی بن سکیں۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان بن طلحہ کو بلوایا اور چابیاں واپس کر دیں اور بتایا کہ یہ دن تقویٰ اور نیک نیتی کا دن ہے۔
اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 408 میں بحث کی گئی ہے۔

امام واحدی کی، اصباب النزول، 4:58، صفحہ 54 کے مطابق، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان کو چابیاں واپس کردیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے باب 4 النساء آیت 58 نازل فرمائی:

”بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے حقداروں کو واپس کرو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، اللہ کی طرف سے تمہیں کیا ہی اچھا حکم ہے، بے شک اللہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔“

اس کے جواب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا۔

جامع ترمذی نمبر 2701 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔

یہ ایک اہم خصوصیت ہے جسے تمام مسلمانوں کو اپنانا چاہیے۔ اسے اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں استعمال کیا جانا چاہیے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ نرم مزاجی سے خود مسلمانوں کو کسی اور سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکتیں اور اجر و ثواب حاصل کریں گے اور گناہوں کی مقدار کو کم کریں گے، کیونکہ ایک شریف آدمی اپنے قول و فعل سے گناہوں کا امکان کم رکھتا ہے، بلکہ اس سے انہیں دنیاوی معاملات میں بھی فائدہ ہوتا ہے۔ مثال کے

طور پر، جو شخص اپنے شریک حیات کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے وہ بدلے میں زیادہ پیار اور عزت حاصل کرے گا اگر وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ سختی سے پیش آئے۔ جب بچوں کے ساتھ نرمی سے برتاؤ کیا جاتا ہے تو بچے اپنے والدین کی فرمانبرداری اور احترام کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ کام پر موجود ساتھی اس کی مدد کرنے کا زیادہ امکان رکھتے ہیں جو ان کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے۔ مثالیں لامتناہی ہیں۔ صرف انتہائی شاذ و نادر ہی صورتوں میں سخت رویہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ زیادہ تر معاملات میں، نرم رویہ سخت رویہ سے کہیں زیادہ موثر ہوگا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی بھی بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی نرمی کو خاص طور پر اجاگر کیا ہے، کیونکہ یہ ایک اہم جز ہے جو دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کے لیے ضروری ہے۔ باب 3 آل عمران، آیت 159:

"پس اللہ کی رحمت سے آپ نے ان کے ساتھ نرمی برتی، اور اگر آپ بد زبان اور دل میں سخت ہوتے تو وہ آپ سے دور ہو جاتے۔"

ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ کبھی بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر نہیں ہو سکتے اور نہ ہی وہ جس شخص سے بات کرتے ہیں وہ فرعون سے بدتر ہو گا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرعون کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔ باب 20 طٰہٰ، آیت 44:

”اور اس سے نرمی سے بات کرو شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا اللہ سے ڈرے“۔

سختی صرف لوگوں کو اسلام سے دور کرتی ہے اور دوسروں کو یہ ماننے کا باعث بنتی ہے کہ یہ ایک سخت اور خام مذہب ہے۔ اسلام کو اس طرح غلط بیان کرنا ایک سنگین جرم ہے جس سے تمام مسلمانوں کو بچنا چاہیے۔

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام معاملات میں نرمی اختیار کرے کیونکہ اس سے بہت زیادہ ثواب ملتا ہے اور دوسروں جیسے کہ اپنے گھر والوں پر مثبت اثر پڑتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ بنیادی حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جب کوئی دوسرے لائن کو عبور کرے تو کسی کو اپنا دفاع نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ اسلام بغیر کسی کمزوری کے عاجزی کا درس دیتا ہے۔ لیکن یہ مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ عام طور پر نرمی کو اپنا طریقہ اختیار کریں اور دوسروں کو ان کا فائدہ اٹھانے کی اجازت نہ دیں۔

آخر میں، ایک سادہ اسلامی فلسفہ کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے، کہ کوئی دوسرے کے ساتھ کیسا سلوک کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کیسا سلوک کرے گا۔ اگر کوئی اپنے قول و فعل میں دوسروں کے ساتھ سختی کا مظاہرہ کرے تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرے گا۔ جبکہ اگر وہ دوسروں کے ساتھ نرمی سے پیش آتے ہیں، دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرتے ہیں، اچھی باتوں میں دوسروں کی مدد کرتے ہیں اور دوسروں کی غلطیوں اور عیبوں سے درگزر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرے گا۔

اس کے علاوہ، زیر بحث اہم واقعہ کسی کی امانتوں کو پورا کرنے کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان امانتیں اور ان کے اور دوسرے لوگوں کے درمیان امانتیں پوری کرنی چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو بھی نعمت انسان کو عطا کی ہے وہ ایک امانت ہے جسے صحیح طریقے سے پورا کرنا چاہیے۔ اس میں ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنا شامل ہے جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ، لوگوں کے درمیان اعتماد کو دونوں کے درمیان طے شدہ شرائط کے مطابق پورا کیا جانا چاہیے۔ یہ سب سے بہتر اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی دوسروں کے ساتھ اس طرح برتاؤ کرتا ہے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ سلوک کریں۔ چونکہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، اس لیے جن امانتوں کو پورا کرنا ضروری ہے ان میں دونوں مذہبی امانتیں شامل ہیں، جیسے کہ عطا کی گئی نعمتیں، اور دنیاوی امانتیں، جیسے تجارتی معاہدے۔ باب 17 الاسراء، آیت 34:

اور]ہر [عہد کو پورا کرو۔ بیشک عہد ہمیشہ]جس کے بارے میں سوال کیا جائے گا[۔..."

اسلامی تعلیمات پر عمل کریں۔

جس دن مکہ فتح ہوا، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ میں داخل ہوئے اور فرشتوں اور لوگوں کی جسمانی نمائشوں کا مشاہدہ کیا۔ اس نے دیکھا کہ کس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک آسمانی تیر پکڑ کر کھینچا گیا تھا جس کا تعلق شرک سے ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غصے میں آگئے اور اعلان فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ان چیزوں سے کوئی تعلق نہیں اور وہ نہ عیسائی ہیں اور نہ یہودی۔ انہوں نے مزید کہا کہ وہ ایک سیدھے سادھے مسلمان تھے اور مشرک نہیں تھے۔ اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان جسمانی نمایشوں کو ختم کرنے کا حکم دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 408 میں بحث کی گئی ہے۔

اسلامی عقائد کے خراب ہونے کا ایک بڑا طریقہ یہ ہے کہ جب مسلمان غیر ملکی قوموں کے رسم و رواج اور روایات کو ان کے اور اپنے مذہبی عقائد میں واضح فرق کیے بغیر اپنا لیں۔ مسلمانوں کو غیر مسلموں کے رسم و رواج کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔ مسلمان جتنا زیادہ ایسا کریں گے وہ قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر اتنا ہی کم عمل کریں گے۔ یہ اس دور اور دور میں بالکل واضح ہے کیونکہ بہت سے مسلمانوں نے دوسری قوموں کے ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے جس کی وجہ سے وہ اسلام کی تعلیمات سے دور ہو گئے ہیں۔ مثال کے طور پر، کسی کو صرف جدید مسلم شادی کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ دیکھا جا سکے کہ مسلمانوں نے کتنے غیر مسلم ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے۔ جو چیز اس سے بدتر بناتی ہے وہ یہ ہے کہ بہت سے مسلمان قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات اور غیر مسلموں کے ثقافتی طریقوں پر مبنی اسلامی طریقوں میں فرق نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ سے غیر مسلم بھی ان میں تفریق نہیں کر سکتے جس کی وجہ سے اسلام کے لیے بہت زیادہ مسائل پیدا ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر غیرت کے نام پر قتل ایک ثقافتی عمل ہے جس کا ابھی تک اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں کی جہالت اور غیر مسلم ثقافتی طریقوں کو اپنانے کی ان کی عادت کی وجہ سے جب بھی معاشرے میں غیرت کے نام پر قتل ہوتا ہے تو اسلام کو مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو متحد کرنے کے لیے ذات پات اور بھائی چارے کی شکل میں سماجی رکاوٹوں کو دور کیا لیکن جاہل مسلمانوں نے غیر مسلموں کے ثقافتی طریقوں کو اپنا کر انہیں زندہ کیا ہے۔ سیدھے الفاظ میں، مسلمان جتنے زیادہ ثقافتی طریقوں کو اپنائیں گے، وہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر اتنا ہی کم عمل کریں گے۔

حقیقی شرافت

جس دن مکہ فتح ہوا، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلانیہ طور پر اعلان کیا کہ اس دن ہر قسم کی دنیاوی شرافت اور نسب میں تکبر ان کے قدموں تلے کچل دیا گیا تھا۔ آپ نے باب 49 الحجرات، آیت 13 کی تلاوت بھی کی۔

”بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے“۔

اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 3، صفحہ 411 اور امام صفی الرحمن کی، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 394-395 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابو داؤد نمبر 5116 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر تنبیہ فرمائی کہ شرافت کسی کے نسب میں نہیں ہے کیونکہ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مٹی سے بنے تھے۔ اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ لوگوں کو اپنے رشتہ داروں اور نسب پر فخر کرنا چھوڑ دینا چاہیے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگرچہ بعض جاہل مسلمانوں نے ذاتیں اور فرقے بنا کر دوسری قوموں کا رویہ اختیار کر رکھا ہے، اس طرح ان گروہوں کی بنیاد پر بعض لوگوں کو دوسروں سے برتر مان کر اسلام نے برتری کا ایک سادہ معیار قرار دیا ہے، یعنی تقویٰ۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمان جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لاتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز آتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کا درجہ اتنا ہی بلند ہوتا ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ'' پرہیزگار ہے''۔

یہ آیت دیگر تمام معیارات کو ختم کر دیتی ہے جو جاہل لوگوں نے بنائے ہیں، جیسے کہ کسی کی نسل، نسل، دولت، جنس یا سماجی حیثیت۔

اس کے علاوہ اگر کوئی مسلمان اپنے نسب میں کسی متقی شخص پر فخر کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور ان کے نقش قدم پر چل کر اس عقیدے کا صحیح مظاہرہ کرنا چاہیے۔ دوسروں کے نقش قدم پر چلے بغیر ان پر فخر کرنا اس دنیا یا آخرت میں کسی کے کام نہیں آئے گا۔ یہ بات جامع ترمذی نمبر 2945 میں موجود حدیث میں واضح ہو چکی ہے۔

جو دوسروں پر فخر کرتا ہے لیکن ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہتا ہے وہ بالواسطہ طور پر ان کی بے عزتی کر رہا ہے کیونکہ باہر کی دنیا ان کے برے کردار کو دیکھے گی اور یہ سمجھے گی کہ ان کے صالح آباؤ اجداد نے اسی طرح برتاؤ کیا تھا۔ ان لوگوں کو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ یہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری روایات اور نصیحتوں کو اپناتے ہیں، جیسے داڑھی بڑھانا یا دوپٹہ پہننا، پھر بھی ان کے باطنی حسن اخلاق کو اپنانے میں ناکام رہتے ہیں۔ بیرونی دنیا صرف اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منفی سوچے گی جب وہ ان مسلمانوں کے برے کردار کو دیکھیں گے۔

آخر میں، بنی نوع انسان کی ابتداء کو یاد رکھنا غرور کو اپنانے سے روکے گا، جس کی قیمت ایک ایٹم کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ غرور صرف دوسروں کو حقیر سمجھنے کی ترغیب دیتا ہے، حالانکہ ان کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا اور عطا کیا گیا ہے۔ فخر بھی کسی

کو سچائی کو مسترد کرنے کی ترغیب دے گا، جب یہ ان سے پیدا نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا کسی بھی چیز پر غرور، جیسے کہ اپنے نیک بزرگ، ہر قیمت پر گریز کرنا چاہیے۔

اسلام میں نسل پرستی نہیں۔

جس دن مکہ فتح ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ خانہ کعبہ کی چھت سے اذان کا اعلان کریں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 411 میں بحث کی گئی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ ایک حبشی اور سابق غلام تھے اس لیے اس وقت کے معاشرے کے مطابق ان کو پست اور حقیر سمجھا جاتا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسانی سے کسی ایسے شخص کو دے سکتے تھے جسے اس زمانے کا معاشرہ معزز سمجھا جاتا تھا، پھر بھی آپ نے خاص طور پر بلال رضی اللہ عنہ کو چن لیا۔

صحیح مسلم نمبر 6543 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ ان کی ظاہری شکل وصورت یا مال کی بنیاد پر نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی باطنی نیت اور ان کے جسمانی اعمال کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ کوئی بھی عمل کرتے وقت ہمیشہ اپنی نیت کو درست کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس وقت اجر دے گا جب وہ اس کی رضا کے لیے عمل صالح کریں گے۔ جو لوگ دوسرے لوگوں اور چیزوں کی خاطر اعمال انجام دیتے ہیں ان سے کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اپنا اجر حاصل کریں جن کے لیے انہوں نے قیامت کے دن عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ یہ حدیث اسلام میں مساوات کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ ایک شخص دنیاوی چیزوں جیسے اس کی نسل یا دولت کے لحاظ سے دوسروں سے برتر نہیں ہے۔ اگرچہ بہت سے مسلمانوں نے یہ رکاوٹیں کھڑی کی ہیں، جیسے کہ سماجی ذاتیں اور فرقے، اس طرح بعض کو دوسروں سے بہتر مانتے ہوئے، اسلام نے واضح طور پر اس تصور کو رد کر دیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ اس

لحاظ سے اسلام کی نظر میں تمام لوگ برابر ہیں۔ صرف ایک چیز جو ایک مسلمان کو دوسرے پر فضیلت دیتی ہے وہ ہے ان کی تقویٰ کا مطلب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو کس قدر پورا کرتے ہیں، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ" پرہیزگار ہے"۔

اس کے علاوہ زیر بحث اہم حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ عورتوں کو مردوں کے مقابلے میں دنیا میں اپنے مقام کے بارے میں بحث و تکرار میں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ اس کے بجائے، انہیں یہ سمجھنا چاہیے کہ برتری مردوں کی نقل کرنے یا آگے بڑھنے میں نہیں ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت میں مضمر ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس کے حقوق اور لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں مصروف ہو جائے اور اس بات پر یقین نہ کرے کہ جو چیز ان کے پاس ہے یا اس کی ملکیت ہے وہ کسی طرح انہیں عذاب سے بچا لے گی۔ صحیح مسلم نمبر 6853 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح فرمایا ہے کہ جس مسلمان میں اعمال صالحہ کا فقدان ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس کے نسب کی وجہ سے کوئی اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ حقیقت میں، یہ تمام دنیاوی چیزوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دولت، نسل، جنس یا سماجی بھائی چارے اور ذات پات۔

آخر میں، جس طرح اسلام لوگوں کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی بنیاد پر کرتا ہے، اسی طرح لوگوں کو بھی ہونا چاہیے۔ وہ دوسروں کو اپنے سے کمتر نہ سمجھیں اور نہ ہی دنیاوی معیارات کی بنیاد پر، کیونکہ یہ اکثر فخر اور دوسروں کے حقوق ادا کرنے میں ناکامی کا باعث بنتا ہے، دونوں جہانوں میں تباہی کا باعث بنتے ہیں۔

انسان کی اصل حیثیت پوشیدہ ہے، جیسا کہ کسی کی نیت لوگوں سے پوشیدہ ہے، خواہ وہ اس کے اعمال کو دیکھ سکے۔ اس لیے دوسروں کو حقیر سمجھنا بے وقوفی ہے، کیونکہ وہ ان سے برتر ہو سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ، چونکہ کسی کی نیت دوسرے لوگوں سے پوشیدہ ہوتی ہے، اس لیے وہ ظاہری اعمال کی بنیاد پر دوسروں کو دوسرے لوگوں سے بہتر نہیں ٹھہراتا اور اس لیے دوسرے لوگوں یا اپنی ذات کے بارے میں دعوے کرنے سے گریز کرنا چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی تمام لوگوں کی نیت، قول اور فعل کو جانتا ہے۔ باب 53 عن نجم، آیت 32:

‘‘پس اپنے آپ کو پاکیزہ ہونے کا دعویٰ نہ کرو، وہ خوب جانتا ہے کہ کون اس سے ڈرتا ہے۔’’

معاف کرنا بلندی کی طرف لے جاتا ہے۔

جس دن مکہ فتح ہوا، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے اور مکہ کے غیر مسلموں کے قائدین سے سوال کیا کہ وہ آپ سے کیا امید رکھتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ ان سے اچھے سلوک کی امید رکھتے ہیں کیونکہ وہ ان کا نیک بھائی اور ایک شریف آدمی کا بیٹا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان کیا کہ وہ بغیر کسی نقصان کے چھوڑنے کے لیے آزاد ہیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 407-408 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ باب 12 یوسف، آیت 92 سے مربوط ہے:

اس نے کہا :آج تم پر کوئی الزام نہیں ہے۔ اللہ آپ کو معاف کرے؛ اور وہ رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔"

اس آیت میں ایک ناقابل یقین حد تک اہم خصوصیت کو اپنانے کا ذکر ہے۔ یہ برداشت کرنا ہے جب کسی کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے خاص طور پر لوگوں کی طرف سے مشکلات۔ برائی کا جواب برائی سے ہرگز نہیں دینا چاہئے کیونکہ یہ ایک کامیاب مسلمان کے طرز عمل کے خلاف ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 34:

"اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، برائی کو اس سے دور کرو جو بہتر ہو، پھر جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسے وہ ایک مخلص دوست ہو۔"

اچھائی کا جواب اچھے سے دینا کوئی خاص بات نہیں کیونکہ جانور بھی احسان کے بدلے مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ برائی کے جواب میں اچھائی کا مظاہرہ کیا جائے، خاص طور پر جب کوئی شخص انتقام لینے کی پوزیشن میں ہو، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام تھے۔ درحقیقت، اس مثبت انداز میں برتاؤ کرنے سے اپنے آپ کو فائدہ ہوتا ہے کیونکہ جو شخص چیزوں کو چھوڑنا اور دوسروں کو معاف کرنا سیکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیتا ہے۔ باب 24 النور، آیت 22:

''اور وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا آپ پسند نہیں کریں گے کہ اللہ آپ کو معاف کر دے؟''

درحقیقت جیسا کہ اس عظیم واقعہ سے ثابت ہے کہ جامع ترمذی نمبر 2029 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں کو معاف کر دے گا اللہ تعالیٰ اسے عزت کے ساتھ اٹھائے گا۔

اس کے علاوہ، یہ آیت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ کسی شخص کو یہ نہیں ماننا چاہیے کہ وہ ان لوگوں سے برتر ہیں جنہیں اس نے معاف کیا ہے۔ جیسا کہ حقیقت میں افضل وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4174 کی حدیث کے مطابق جو شخص اس قسم کا غرور اختیار کرے اور توبہ نہ کرے وہ جہنم میں جائے گا۔

آخر میں یہ آیت اشارہ کرتی ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ جب تک کوئی مسلمان سچے دل سے توبہ کرتا ہے اور بہتر ہونے کی کوشش کرتا ہے تو اسے معافی کی امید رکھنی چاہیے۔ لیکن ایک مسلمان کو بدلنے کی کوشش کیے بغیر گناہ کرتے رہنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے ان کی معافی کی امید نہیں رکھنی چاہیے کیونکہ یہ امید نہیں ہے یہ محض خواہش مندانہ سوچ ہے۔

سچی توبہ میں ندامت کا احساس، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور اگر ضروری ہو تو لوگوں سے اسی یا اسی طرح کے گناہ کی طرف نہ لوٹنے کا خلوص دل سے وعدہ کرنا اور اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے کسی ایسے حقوق کی تلافی کرنا شامل ہے۔

خواتین کا عہد

فتح مکہ کے بعد اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھلے عام غیر مسلموں کو معاف کر دیا، وہ سب اسلام میں داخل ہو گئے۔ یہاں تک کہ عورتیں بھی اسلام سے بیعت کرنے کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں۔ ان عورتوں میں سے ایک ہند بنت عتبہ تھیں جو ابو سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔ ہند وہ تھا جس نے جنگ احد کے بعد حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے جسم کو مسخ کیا اور ان کے جگر کو چبا بھی دیا۔ اس نے ابتداء میں اپنی شناخت شرم اور خوف کی وجہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چھپائی۔ لیکن عہد کے دوران، اس نے بعض معاملات کو واضح کرنے کے لیے کچھ سوالات کیے اور یہاں تک کہ جب عورتوں کو زنا یا زنا نہ کرنے کا حکم دیا گیا تو یہ تبصرہ بھی کیا کہ آزاد عورت کبھی ایسا کام نہیں کرے گی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گفتگو کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں پہچان لیا اور انہوں نے اپنے سابقہ اعمال کی معافی مانگی اور اسلام قبول کر لیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے معاف کر دیا اور اس کی بیعت کو قبول کیا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی تصنیف دی نوبل لائف آف نبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 1714-1715 میں بحث کی گئی ہے۔

اسلام قبول کرنے سے پہلے، ہند ایک مشرک تھی لیکن اس نے ڈھٹائی کے ساتھ تبصرہ کیا کہ کوئی بھی آزاد عورت کبھی زنا یا زنا نہیں کرے گی کیونکہ اسے صرف بے شرم عورتیں ہی کرتی ہیں۔ یہ شرمناک ہے کہ اس دور اور دور کے لوگ، جو آگے کے مفکر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، اس کے برعکس کیسے یقین کرتے ہیں۔

یہ باب 25 الفرقان آیت 68 سے مربوط ہے:

"اور غیر قانونی جماع نہ کرو۔ اور جو بھی ایسا کرے گا اسے سزا ملے گی۔..."

اللہ تعالیٰ کے سچے بندے ہر قسم کے ناجائز تعلقات سے بچتے ہیں۔ اس آیت میں زنا کو شرک کے بعد رکھا گیا ہے اور ایک بے گناہ کو قتل کرنا اس کی شدت پر دلالت کرتا ہے۔

مسلمانوں کو غیر قانونی تعلقات کے لالچ میں آنے سے بچنے کے لیے احتیاط کرنی چاہیے۔ سب سے پہلے، انہیں اپنی نظریں نیچی کرنا سیکھنا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو ہمیشہ اپنے جوتوں کو گھورنا چاہئے لیکن اس کا مطلب ہے کہ انہیں غیر ضروری طور پر ارد گرد دیکھنے سے گریز کرنا چاہئے خاص طور پر عوامی مقامات پر۔ انہیں دوسروں کو گھورنے سے گریز کرنا چاہئے اور مخالف جنس کا احترام برقرار رکھنا چاہئے۔ جس طرح ایک مسلمان یہ پسند نہیں کرے گا کہ کوئی اپنی بہن یا بیٹی کو گھورے اسے دوسرے لوگوں کی بہنوں اور بیٹیوں کو نہیں دیکھنا چاہیے۔ باب 24 النور، آیت 30:

مومن مردوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی بصارت میں کچھ کمی کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت'' کریں، یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔''

جب بھی ممکن ہو ایک مسلمان کو مخالف جنس کے ساتھ اکیلے وقت گزارنے سے گریز کرنا چاہیے جب تک کہ ان کا تعلق اس طرح سے نہ ہو جس سے شادی کی ممانعت ہو۔ صحیح بخاری نمبر 1862 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تلقین فرمائی ہے۔

مسلمانوں کو لباس پہننا چاہیے اور شائستگی سے پیش آنا چاہیے۔ معمولی لباس پہننا اجنبیوں کی نظروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے سے گریز کرتا ہے اور شائستہ برتاؤ کسی کو ابتدائی قدم اٹھانے سے روکتا ہے جو غیر قانونی تعلقات کا باعث بن سکتا ہے جیسے کہ مخالف جنس سے غیر ضروری بات کرنا۔

غیر قانونی تعلقات سے بچنے کی برکات کو سمجھنا خود کو ان سے بچانے کا ایک اور طریقہ ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان اور عفت کی حفاظت کرنے والے کو جنت کی ضمانت دی ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2408 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

غیر قانونی تعلقات میں ملوث ہونے کی سزا کے خوف سے بھی ایک مسلمان کو ان سے بچنے میں مدد ملے گی۔ مثال کے طور پر، ایمان اس شخص سے دور ہو جائے گا جو زنا کا ارتکاب کر رہا ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4690 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

حقیقت میں، ایک مسلمان کو غیر قانونی تعلقات کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ اسلام شادی کا حکم دیتا ہے۔ جو لوگ شادی کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے وہ کثرت سے روزہ رکھیں کیونکہ اس سے خواہشات اور اعمال پر قابو پانے میں بھی مدد ملتی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 3398 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نکاح کی ترغیب دیتا ہے اور ناجائز تعلقات سے منع کرتا ہے۔ جب ایک جوڑے ایک شادی شدہ جوڑے کی طرح ایک دوسرے کے لیے حقیقی طور پر وقف نہیں ہوتے ہیں، تو پھر ان کو درپیش کوئی بھی حقیقی مشکلات جوڑے کے لیے زیادہ جذباتی دباؤ کا باعث بنتی ہیں ، کیونکہ وہ ایک دوسرے کا صحیح طریقے سے ساتھ دینے میں ناکام رہتے ہیں۔ کسی کی زندگی میں ایک سے زیادہ رشتوں کا آنا اور باہر آنا بلاشبہ ان کی ذہنی صحت پر نقصان دہ اثر ڈالتا ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ جو لوگ اپنے شراکت داروں سے الگ ہوجاتے ہیں وہ اکثر مشاورت میں ختم ہوجاتے ہیں۔ وہ ان رشتوں سے گریز کرنے والوں سے زیادہ ذہنی عارضے مثلاً ڈپریشن کا شکار ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ، وہ لوگ جو معاشرے میں ایک سے زیادہ شراکت داروں کے لیے جانے جاتے ہیں، ان کے لیے مناسب شریک حیات ملنے کا امکان کم ہوتا ہے جو ان کے حقوق کو پورا کرے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس کی زندگی میں ایک سے زیادہ ساتھی ہوں گے وہ ایک ڈھیلے اور ناپسندیدہ کردار کو اپنائے گا، جسے لوگ شادی جیسے سنجیدہ عزم کے خواہاں ہیں، ناپسند کریں گے۔ یہ صرف اس شخص کے لیے جذباتی تناؤ میں اضافہ کرے گا جس کے ایک سے زیادہ شراکت دار ہوں۔ آرام دہ اور پرسکون تعلقات میں، جوڑے اکثر ایک ہی طول موج پر نہیں ہوتے ہیں۔ مطلب، دونوں میں سے ایک ہمیشہ تعلقات کو زیادہ سنجیدگی سے لیتا ہے، جیسے کہ اپنے ساتھی کے ساتھ بسنے کی خواہش۔ جبکہ دوسرا اپنے مستقبل کے بارے میں ایسا محسوس نہیں کرتا۔

جب رویے میں یہ فرق بالآخر سامنے آتا ہے تو یہ اکثر اس شخص کے لیے طویل عرصے سے جذباتی صدمے کا باعث بنتا ہے جس نے اس رشتے کو زیادہ سنجیدگی سے لیا تھا۔ جبکہ ایک شادی شدہ جوڑے پہلے قدم سے ہی ایک دوسرے کے ساتھ طویل مدتی وابستگی کے سلسلے میں ایک ہی طول موج پر ہوتے ہیں۔ شادی شدہ جوڑے ہر حال میں ایک دوسرے کے لیے وقف ہوتے ہیں، چاہے انہیں ایسے حالات کا سامنا ہو جو منصوبہ بند ہوں یا غیر منصوبہ بند، جیسے بچے پیدا کرنا۔ یہ رویہ عام جوڑوں میں بہت کم پایا جاتا ہے۔ کسی دوسرے کے ساتھ تعلقات رکھنا بھی ایک شخص کو یہ یقین کرنے میں بے وقوف بناتا ہے کہ وہ اپنے ساتھی کو پوری طرح سے جانتا ہے اور اگر وہ شادی کرتے ہیں تو وہ اکثر شادی کے بعد اپنے شریک حیات کی تبدیلی کی شکایت کرتے ہیں۔ زیادہ تر معاملات میں، وہ تبدیل نہیں ہوئے .جو چیزیں تبدیل ہوئیں وہ ان کے تعلقات کی ذمہ داریاں اور دباؤ تھیں۔ یہ مسئلہ اکثر ان جوڑوں کے لیے شادی کے مسائل کا باعث بنتا ہے جو شادی سے پہلے رشتے میں تھے۔ یہاں تک کہ اگر وہ شادی سے پہلے ایک ساتھ رہتے ہیں، تب بھی ایک ہی مسئلہ ہوگا۔ اس کے علاوہ، یہ کوئی راز نہیں ہے کہ جب بھی کسی کو اپنے ساتھی کے ساتھ پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اس کا ان کی زندگی کے ہر دوسرے پہلو پر کتنا شدید اثر پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر، بہت سے نوجوان صرف اس لیے تعلیم چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ ہر روز اپنے سابق ساتھی کو دیکھنے کا سامنا نہیں کر سکتے۔ چونکہ شادی دو لوگوں کے درمیان ایک گہرا تعلق اور وابستگی ہے، اس لیے ان کے ٹوٹنے کا امکان کم ہی ہوتا ہے انہی معمولی مسائل پر جو عام جوڑے کے ٹوٹ جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ، کسی شخص کو کسی غیر قانونی رشتے کی ظاہری شکل میں دھوکہ نہیں دیا جانا چاہیے کہ اس میں جوڑے یا وسیع تر معاشرے کے لیے کوئی نقصان نہیں ہے۔ چونکہ لوگ محدود علم رکھتے ہیں، انتہائی کم نظر ہوتے ہیں اور اکثر اپنے جذبات پر قابو پاتے ہیں، اس لیے وہ غلط طور پر یقین کر سکتے ہیں کہ شادی سے باہر رشتہ رکھنا بے ضرر ہے جبکہ وہ اس چھپے ہوئے زہر کو دیکھنے میں ناکام رہتے ہیں جو ان پر اور دوسروں پر منفی اثر ڈالے گا۔ غیر قانونی تعلقات میں رہنے والے مسلمان کو وقت کے ساتھ ساتھ مزید قدم اٹھانے اور اپنے ساتھی کے ساتھ گناہ کرنے ،کی ترغیب دی جائے گی۔ چونکہ جذبات اور احساسات پر قابو پانا مشکل ہے اور چونکہ یہ گناہ جیسے زنا، زیادہ تر معاشروں میں معمول بن چکے ہیں، اس لیے ایک غیر شادی شدہ جوڑا آسانی سے ان گناہوں میں پڑ سکتا ہے۔ یہ ان کے اور معاشرے کے لیے بے شمار دیگر مسائل کا باعث بنتا ہے، جیسے کہ ناپسندیدہ حمل اور یہاں تک کہ اسلام کے اندر دیگر بڑے گناہوں کو کم تر کرنا۔ ،اس کے علاوہ، یہاں تک کہ اگر کوئی اپنے ناجائز تعلقات کے اندر کوئی اور بڑا گناہ نہیں کرتا جیسے کہ زنا، تب بھی ان کے جذبات انہیں واضح طور پر سوچنے سے روکیں گے اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے ساتھی سے اچھی طرح شادی کر سکتے ہیں، یہ سمجھے بغیر کہ وہ مناسب ،شریک حیات نہیں ہیں، چاہے وہ ایک اچھا ساتھی ہی کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ پہلے بات کی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ شادی کے دباؤ اور ذمہ داریاں، جیسے کہ شریک حیات اور بچوں کے حقوق کی تکمیل، جوڑے کے درمیان تعلقات کو بدل دیتی ہے، جس کے نتیجے میں اکثر ازدواجی مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شادی شدہ جوڑے جو شادی سے پہلے اکٹھے تھے اکثر ایک دوسرے

پر شادی کے بعد اپنے رویے میں تبدیلی کا الزام لگاتے ہیں۔ اس کے علاوہ، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کوئی اپنے ساتھی کے ساتھ کتنا ہی وقت گزارتا ہے، وہ کبھی بھی اپنے کردار کو نہیں جان پائیں گے جیسے ایک شادی شدہ جوڑا ایک دوسرے کو جانتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک میں پوشیدہ منفی خصوصیات شادی کے بعد ظاہر ہو جائیں گی، جو شادی کے مزید مسائل کا باعث بنتی ہیں۔ ایک سچائی جسے اکثر غیر قانونی تعلقات میں رہنے والے کسی شخص کی طرف سے نظر انداز کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص ایک اچھا ساتھی بناتا ہے وہ اس بات کی ضمانت نہیں دیتا ہے کہ وہ ایک اچھا شریک حیات یا اچھا والدین بنائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک اچھا ساتھی بنانے کے مقابلے میں ایک اچھا شریک حیات اور والدین بنانے کے لیے مختلف خصوصیات کی ضرورت ہوتی ہے۔ اپنے ساتھی کے لیے اپنے جذبات کی وجہ سے، ایک شخص اکثر شادی کے لیے ایک متقی شخص کو منتخب کرنے کی اہمیت کو نظر انداز کر دیتا ہے، کیونکہ وہ واحد شخص ہے جو اپنے شریک حیات اور بچوں کے حقوق کو پورا کرے گا اور انہیں نقصان پہنچانے سے گریز کرے گا، خواہ وہ غصے میں ہوں۔ جبکہ جو شخص تقویٰ نہیں رکھتا وہ اپنے شریک حیات یا بچوں کے حقوق ادا نہیں کرے گا اور ان پر ظلم کرے گا، خاص طور پر جب وہ ناراض ہوں گے۔ جس کا ساتھی ہے وہ اس اہم نکتے کو نظر انداز کر دے گا اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے ساتھی سے ان کے جذبات کی وجہ سے شادی کر لے گا، خواہ وہ تقویٰ کا مالک نہ ہو۔ محبت جیسے جذبات انسان کو اپنے محبوب کی منفی خصوصیات سے اندھا اور بہرا بنا دیتے ہیں۔ سنن ابوداؤد نمبر 5130 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ، جو بھی بچے غیر ارادی طور پر رشتے سے پیدا ہوتے ہیں وہ ان کے تعلقات پر مزید دباؤ ڈالتے ہیں، جس کے نتیجے میں اکثر وہ الگ ہوجاتے ہیں، کیونکہ وہ بچے کی پرورش کی ذمہ داری بانٹنا نہیں چاہتے۔ اس سے بچے کے بڑے ہونے کے لیے ایک ٹوٹا ہوا گھر بنتا ہے جہاں انہیں والدین دونوں کی حمایت اور نگرانی حاصل نہیں ہوتی، جو اکثر ہر کسی کے لیے پریشانی کا باعث بنتی ہے۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ جرائم، گروہوں میں ملوث نوجوانوں کی اکثریت اور وہ بچے جنہیں جنسی شکاریوں نے پالا ہے اور گھریلو تشدد کا شکار ہیں، ٹوٹے پھوٹے خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ بچے کی صحیح طریقے سے پرورش کرنا جب کوئی بچہ چاہتا ہے تو بہت مشکل ہوتا ہے، پھر کیا کوئی بچے کی صحیح پرورش کے جذباتی دباؤ کا تصور کر سکتا ہے جب کہ والدین پہلے بچے کی خواہش نہیں رکھتے تھے؟ یہ بچے کی پرورش پر منفی اثر ڈالتا ہے اور اکثر پہلے بیان کردہ مسائل کا باعث بنتا ہے۔ یہ تناؤ اکثر واحد والدین کی طرف سے بچے کو پرورش یا گود لینے کے لیے ترک کر دیتا ہے، جس کے زیادہ تر معاملات میں بچے پر نقصان دہ منفی اور طویل مدتی اثرات مرتب ہوتے ہیں، جن میں سے کچھ کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ اس سے بچے کے گمراہ ہونے کے امکانات مزید بڑھ جاتے ہیں۔

غیر قانونی تعلقات کے اندر یہ سب اور زیادہ منفی چیزیں کسی ایسے شخص کی تعریف نہیں کی جا سکتی جو جذباتی یا جاہل ہو، چاہے غیر قانونی تعلقات بے ضرر ہی کیوں نہ ہوں۔ غیر قانونی تعلقات میں ملوث ہونا بالکل ایسے ہی ہے جیسے کسی ایسے کھانے کا کھانا جو حقیقت میں زہر آلود ہونے پر مزیدار لگتا ہے۔ چونکہ یہ زہر پوشیدہ ہے، اس لیے کسی ایسے شخص پر بھروسہ کرنا چاہیے جو اس زہر سے واقف ہو اور ان کی نصیحت پر بھروسہ کرے کہ وہ کھانے سے پرہیز کرے جو لذیذ لگتا ہے، خواہ یہ اس کی خواہشات کے خلاف ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام چیزوں کو جانتا ہے، خاص کر بعض اعمال اور رشتوں کے اندر چھپے زہروں کو ، اس لیے اس کی نصیحت کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے، خواہ وہ خواہشات کے خلاف ہو۔ یہ ایک عقلمند مریض کی طرح ہے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور غذا کا سخت منصوبہ۔ جس طرح یہ عقلمند مریض اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کرے گا، اسی طرح وہ شخص جو اسلامی تعلیمات کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف وہی علم ہے جس کے پاس کسی شخص کو متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کے حصول کو یقینی بنانے کے لیے ضروری علم ہے، وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ معاشرے میں موجود انسانوں کی ذہنی اور جسمانی حالتوں کا علم تمام تر تحقیق کے باوجود اس نتیجے کو حاصل کرنے کے لیے کبھی بھی کافی نہیں ہو گا، کیونکہ وہ ہر اس مسئلے کو حل نہیں کر سکتے جو انسان کو اپنی زندگی میں درپیش ہو اور نہ ہی ان کے مشورے محدود علم، تجربے اور دور اندیشی کی وجہ سے ہر قسم کے ذہنی اور جسمانی دباؤ سے بچ سکیں۔ یہ علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اس نے اسے قرآن مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی صورت میں انسانوں کو عطا کیا ہے۔ یہ حقیقت اس وقت عیاں ہوتی ہے جب کوئی ان لوگوں کا مشاہدہ کرتا ہے جو اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرتے ہیں جو انہیں عطا کی گئی ہیں اور جو نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے ان بے شمار شاخوں کے مسائل کو اصل مسئلہ یعنی ناجائز تعلقات کو ممنوع قرار دے کر اور شادی کی ترغیب دے کر دور کر دیا جس کے تحت ایک جوڑے نے اپنے آپ کو ایک دوسرے اور اپنے بچوں کے لیے مخلصانہ طور پر وقف کر دیا۔

بہت سے مفکرین آئے اور چلے گئے جنہوں نے لوگوں اور معاشرے کو درپیش مسائل کو حل کیا ہے لیکن چونکہ یہ حل برانچ کے مسائل کو نشانہ بناتے ہیں ان حلوں کا فائدہ کم ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے بنیادی مسائل کے حل کے اس طریقے کے ذریعے جو فرد اور معاشرے کو متاثر کرتے ہیں، تمام چیزوں کو واضح کر دیا ہے تاکہ لوگ دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کر سکیں۔ باب 16 النحل، آیت 89:

اور ہم نے تم پر یہ کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کی وضاحت اور ہدایت اور رحمت ہے‘‘۔’’

اس کے علاوہ زیر بحث اہم واقعہ اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ توبہ اور اصلاح ہر کسی کے لیے دستیاب ہے خواہ اس کے اعمال کچھ بھی ہوں۔ لیکن اس کے لیے انسان کو اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے کہ وہ صدق دل سے توبہ کرے اور موت سے پہلے اپنے طرز عمل کی اصلاح کی کوشش کرے۔ باب 4 النساء، آیات 17-18:

"اللہ کی طرف سے توبہ قبول ہوتی ہے صرف ان لوگوں کی جو نادانی میں غلط کام کر بیٹھتے ہیں اور پھر جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کی طرف اللہ معاف کر دیتا ہے، اور اللہ ہمیشہ جاننے والا اور حکمت والا ہے، لیکن ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو برے کام کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب میں کسی کی موت آ جائے، "جو لوگ کفر کی حالت میں مرتے ہیں ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

مخلص توبہ میں احساس جرم، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہے، شامل ہے، جب تک کہ یہ مزید پریشانی کا باعث نہ ہو۔ انسان کو سچے دل سے وعدہ کرنا چاہیے کہ وہ دوبارہ وہی یا اس سے ملتا جلتا گناہ نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہوں ان کی تلافی کرنی چاہیے۔

ختم نبوت کے دوست

فتح مکہ کے بعد مدینہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے افسوس کے ساتھ ایک دوسرے سے سوال کیا کہ کیا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں رہیں گے یا مدینہ واپس آئیں گے؟ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بتایا کہ جہاں وہ رہیں گے وہیں رہیں گے اور جہاں مریں گے وہاں مریں گے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 415-416 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ اُس عظیم محبت کا مظہر تھا جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے تھی۔ انہوں نے اس کی مدد کی اور اس کی مدد کی جب اس کے اپنے رشتہ داروں نے اس کی طرف رجوع کیا۔ جب اس کے اپنے لوگوں نے اسے جلاوطن کر دیا تو انہوں نے اسے اپنے شہر میں سلامتی اور پناہ گاہ کی پیشکش کی۔ مسلمانوں کو ان صفات کو اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ہیں، اگر وہ ان عظیم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنا چاہتے ہیں۔

جامع ترمذی نمبر 2347 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اس کا حقیقی دوست وہ ہے جس میں درج ذیل خصوصیات ہوں۔

پہلی خصلت یہ ہے کہ وہ اپنی ضرورتوں اور اپنے محتاجوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کوشش کرتے ہیں اور صرف وہی حاصل کرتے ہیں جو اسراف، فضول خرچی اور اسراف سے بچتے ہیں۔ یہ رویہ اس وقت اختیار کیا جا سکتا ہے جب وہ ان نعمتوں کو استعمال کرنے کی کوشش کریں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں۔ قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔

اگلی خصوصیت جو مرکزی حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ نماز میں ان کا اچھا حصہ ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ اپنی فرض نمازوں کو ان کی تمام شرائط اور آداب کے ساتھ صحیح طریقے سے ادا کرتے ہوئے قائم کرتے ہیں، جیسے کہ وقت پر پڑھنا۔ اس میں نفلی عبادات کا قیام بھی شامل ہے جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات پر مبنی ہیں، جیسے کہ رات کی نماز۔ سنن نسائی نمبر 1614 میں موجود حدیث کے مطابق فرض نمازوں کے بعد یہ درحقیقت بہترین نماز ہے۔ نماز میں ایک اچھا حصہ یہ بھی ہے کہ جب ممکن ہو مسجد میں فرض نمازیں جماعت کے ساتھ ادا کی جائیں۔ یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ کتنے مسلمان ایک مسجد کے قریب رہتے ہیں لیکن پھر بھی کام سے فارغ ہونے کے باوجود جماعت میں شامل نہیں ہوتے۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی خصوصیت کا ذکر کیا گیا ہے کہ یہ مسلمان علانیہ اور نجی طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے۔ اس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا شامل ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کرے گا جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو راضی ہوں۔ تنہائی میں ایسا کرنا کسی شخص کے اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کی نشاندہی کرتا ہے، یعنی وہ صرف اس کی خاطر اعمال صالحہ کرتے ہیں۔ یہ وہ ہے جو مضبوطی سے یاد رکھتا ہے کہ چاہے وہ کہیں بھی ہوں، ان کی ذات کے باطنی اور ظاہری پہلو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلسل دیکھے جا رہے ہیں۔ اگر کوئی اس عقیدہ پر قائم رہے تو وہ ایمان کی فضیلت اختیار کرے گا جس کا ذکر صحیح مسلم نمبر 99 میں ایک حدیث میں آیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ عمل کرتے ہیں، جیسے کہ نماز پڑھتے ہیں، گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ یہ رویہ عمل صالح کی ترغیب دیتا ہے اور گناہوں سے روکتا ہے۔

دوسری خصوصیت جو مرکزی حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ وہ کسی قسم کی شہرت یا سماجی عزت حاصل کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود حدیث کے مطابق یہ خواہش ایک مسلمان کے ایمان کے لیے اس تباہی سے زیادہ تباہ کن ہے جس سے دو بھوکے بھیڑیے بکریوں کے ریوڑ کو تباہ کرتے ہیں۔ کسی شخص کی شہرت اور رتبے کی خواہش اس کے ایمان کے لیے دولت کی خواہش سے زیادہ تباہ کن ہے۔ یہاں تک کہ ایک شخص اپنی محبوب دولت کو شہرت اور وقار کے حصول پر خرچ کرے گا۔

ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے کہ کوئی شخص مقام و شہرت حاصل کرے اور پھر بھی صحیح راستے پر قائم رہے جس کے تحت وہ مادی دنیا سے لطف اندوز ہونے پر آخرت کی تیاری کو ترجیح دیتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 6723 میں موجود ایک حدیث میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص معاشرے میں قیادت جیسی حیثیت کا خواہاں ہے اسے خود اس سے نمٹنے کے لیے چھوڑ دیا جائے گا لیکن جو اسے مانگے بغیر حاصل کرے گا اس کی مدد اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی فرمانبرداری میں ہو گی۔ صحیح بخاری کی ایک اور حدیث نمبر 7148 میں متنبہ کیا گیا ہے کہ لوگ مقام و مرتبہ حاصل کرنے کے خواہش مند ہوں گے لیکن یہ ان کے لیے قیامت کے دن بڑی پشیمانی ہوگی۔

یہ ایک خطرناک خواہش ہے کیونکہ یہ انسان کو اس کو حاصل کرنے کے لیے شدید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے اور پھر اسے برقرار رکھنے کے لیے مزید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے خواہ یہ ظلم اور دیگر گناہوں کی ترغیب دے۔

رتبہ کی خواہش کی بدترین قسم وہ ہے جب کوئی اسے مذہب کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 2654 میں حدیث ہے کہ یہ شخص جہنم میں جائے گا۔

شہرت کا حصول بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنے کی بجائے لوگوں کو خوش کرنے کے لیے عمل کرنے کا سبب بنتا ہے۔ اس شخص سے کہا جائے گا کہ وہ قیامت کے دن اپنے اعمال کا بدلہ ان لوگوں سے حاصل کرے جن کے لیے اس نے عمل کیا، جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

شہرت کی تلاش ہر کسی کو خوش کرنے کے لیے منفی خصوصیات کو اپنانے کا سبب بھی بنتی ہے، جیسے کہ دو چہروں والا ہونا۔ یہ بہت سے گناہوں کا باعث بنتا ہے اور یہ شخص بالآخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھلے عام رسوا ہو گا۔ جن لوگوں کو وہ خوش کرنا چاہتے ہیں وہ ان پر تنقید اور نفرت کریں گے، چاہے وہ ان سے یہ بات چھپائیں۔

صحیح حدیث میں آخری بات یہ ہے کہ ان کی موت جلدی آتی ہے، ان کے سوگوار کم ہوتے ہیں اور جو وراثت وہ چھوڑ جاتے ہیں وہ کم ہے۔

ان کی موت اچانک آجاتی ہے تاکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت میں جلدی سے لے جایا جائے تاکہ انہیں سست اور طویل موت کی مشکلات سے بچایا جا سکے۔

ان کے ماتم کرنے والے کم ہیں، کیونکہ انہوں نے سماجی عزت کی تلاش سے گریز کیا اور گمنام رہنے کو ترجیح دی، کیونکہ وہ دوسروں کے سامنے اپنے نیک اعمال ظاہر کرنے سے ڈرتے تھے۔ لیکن ان کے پاس جو چند سوگوار ہیں وہ بہت سے امیروں اور مشہور لوگوں سے کہیں بہتر ہیں۔ ان کے چند سوگوار اپنے غم میں مخلص ہوتے ہیں اور سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے ان کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں جب کہ بہت سے امیروں اور مشہور لوگوں کے ماتم کرنے والے اس طرح کا برتاؤ نہیں کرتے۔

انہوں نے جو وراثت چھوڑی ہے وہ بہت کم ہے، کیونکہ انہوں نے اپنی نعمتوں کی اکثریت کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے استعمال کر کے آخرت کی طرف منتقل کیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ جو کچھ بھی انہوں نے چھوڑا ہے وہ دوسروں کے ہاتھ میں آجائے گا جو نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے جبکہ وہ، میت، اس کے حصول کے لیے جوابدہ ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 2379 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ کسی شخص کا اہل و عیال اس کی قبر پر چھوڑ دیتے ہیں اور تنہا قبر میں اس کے اعمال ہی اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کی نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہوئے اعمال صالحہ حاصل کرنے پر توجہ مرکوز کرتے ہیں اور ان کا غلط استعمال کرتے ہوئے گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ وراثت کے طور پر بہت کم چھوڑ جاتے ہیں درحقیقت وہ اپنے ساتھ آخرت کے لیے بہت کچھ لے جاتے ہیں تاکہ اپنی ضرورت کے وقت خود کو سہارا دے سکیں۔ باب 59 الحشر، آیت 18:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو، اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل کے لیے کیا پیش کیا ہے۔"

آخر میں، وہ اپنے پیچھے بہت سی دنیاوی چیزیں نہیں چھوڑ سکتے، جیسے کہ مال اور جائیداد، لیکن وہ اپنے پیچھے نیکی کا ایک بہت بڑا ورثہ چھوڑ جاتے ہیں، جیسے جاری صدقہ اور مفید علم، جو ان کے مرنے کے بعد بھی انہیں فائدہ پہنچاتا رہتا ہے۔ اس کی طرف جامع ترمذی نمبر 1376 میں موجود حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

آخر میں، جو لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، انہیں اس زبانی دعوے کی عمل سے تائید کرنی چاہیے۔ عمل کے بغیر دعوے دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ ان میں سے ایک دلیل ان خصلتوں کو اپنانا ہے جو اس کی دوستی کا باعث بنتی ہیں۔ جو شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دوستی کرے گا اسے آخرت میں اس کی صحبت نصیب ہوگی۔ باب 4 النساء آیت 69:

"اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انبیاء، ثابت قدمی کرنے والے، شہداء اور صالحین کا فضل کیا ہے۔"

عوام کے لیے اخلاص

فتح مکہ کے بعد خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو قبیلہ بنو جُذَیمہ کے پاس بھیجا گیا تاکہ وہ انہیں اسلام کی دعوت دیں۔ اگرچہ وہ اسلام قبول کر چکے تھے، لیکن ایک غلط فہمی کی وجہ سے ان کے کچھ قبائلی قتل ہو گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو قبیلہ کی غلطی کی تلافی کے لیے روانہ کیا۔ اس نے ہلاک ہونے والوں کے لیے معاوضہ ادا کیا اور ان کو کتے کے پانی کے پیالے سمیت مال و جائیداد کے نقصان کی تلافی کی۔ حتیٰ کہ اس نے ان کو بقیہ مال بھی دے دیا جو اس کے پاس تھا اگر ان کی تلافی میں غلطی ہو جائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عمل کی توثیق فرمائی۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 190 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں

ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 53:

شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے"۔"

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی دونوں میں بہتری آئے۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا کسی مسلمان کا رویہ نہیں ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77:

اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے"۔"

دوسروں کے لیے مخلص ہونے کا ایک پہلو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے ان کی مدد کرنا ہے۔ انسان کو لوگوں سے شکرگزاری کی خواہش نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس سے اجر ضائع ہو جاتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں سے صریح بے وفائی ہے۔

انصاف سب کے لیے

،فتح مکہ کے بعد، ایک شریف گھرانے کی ایک عورت مکہ میں چوری کرتے ہوئے پکڑی گئی جو اسلام کی قانونی سزا کے لیے کافی سنگین تھی۔ ان کے اہل خانہ نے ایک صحابی اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے رابطہ کیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ ان کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کریں۔ جب یہ واقعہ پیش آیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت ناراض ہوئے اور انہوں نے اسامہ رضی اللہ عنہ کو قانونی سزا کم کرنے کی کوشش کرنے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بعد کمیونٹی سے خطاب پر تنقید کا نشانہ بنایا۔ کیا اور انہیں متنبہ کیا کہ پچھلی قومیں تباہ ہو گئی تھیں کیونکہ حکام کمزوروں کو سزا دیتے تھے جب وہ قانون توڑتے تھے لیکن امیر اور بااثر کو معاف کر دیتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سربراہ مملکت ہونے کے ناطے اعلان کیا کہ اگر ان کی اپنی بیٹی نے کوئی جرم کیا تو وہ اس پر پوری قانونی سزا نافذ کریں گے۔ پھر اس نے حکم دیا کہ عورت کو قانون کے صحیح اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 348-349 اور مطابق سزا دی جائے۔ بخاری نمبر 6787 میں موجود حدیث میں بحث ہوئی ہے۔

معاشرہ تنزلی کا شکار نظر آنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے انصاف کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اگرچہ عوام الناس کے ارکان اس پوزیشن میں نہیں ہوں گے کہ وہ اپنے قائدین کو صرف اپنے اعمال پر قائم رہنے کا مشورہ دے سکیں لیکن وہ اپنے تمام معاملات اور اعمال میں انصاف سے کام لے کر ان پر بالواسطہ اثر ڈال سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان کو اپنے زیر کفالت افراد جیسے کہ ان کے بچوں کے ساتھ برابری کا سلوک کرتے ہوئے انصاف سے کام لینا چاہیے۔ سنن ابوداؤد نمبر 3544 میں موجود حدیث میں خاص طور پر اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ انہیں چاہئے کہ وہ اپنے تمام کاروباری معاملات میں عدل و انصاف سے کام لیں خواہ وہ کسی کے ساتھ معاملہ کریں۔ اگر لوگ انفرادی سطح پر انصاف کے ساتھ کام کریں تو کمیونٹیز بہتر طور پر بدل سکتی ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ لوگ جو بااثر عہدوں پر ہیں، جیسے کہ سیاست دان، چاہے وہ چاہیں یا نہ چاہیں، انصاف سے کام لیں گے۔

کوشش اور نیک نیت

فتح مکہ کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ مکہ سے اب کوئی ہجرت نہیں ہوگی۔ یعنی وہاں سے ہجرت اب مسلمانوں پر فرض نہیں رہی کیونکہ اب یہ اسلام کا مسکن بن چکا تھا۔ لیکن صرف اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد اور ایک مسلمان کا ارادہ باقی تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 433 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ اسلام کی باطنی بنیاد انسان کی نیت ہے۔ اگر کسی کی نیت خراب ہے تو وہ جو کچھ کرے گا وہ کرپٹ ہو گا۔ اس لیے اس بات کو یقینی بنانا ضروری ہے کہ کسی کی نیت ہمیشہ درست ہو تاکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عمل کرے۔ کسی اور وجہ سے عمل کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اجر نہیں ملے گا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے ۔

اس کے علاوہ زیر بحث اہم واقعہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ہمیشہ قائم رہنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس میں اسلامی تعلیمات میں بیان کردہ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنا شامل ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کریں گے اور قیامت کے دن اپنے احتساب کے لیے مناسب تیاری کرتے ہوئے ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں درست طریقے سے رکھیں گے۔ لہذا یہ طرز عمل دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنے گا۔

اس کے علاوہ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جدوجہد کرنا، عملاً اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں شامل ہے، اس لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے زبانی اعلانِ ایمان کو عملی طور پر اطاعت کے عمل کے ذریعے حاصل کرے۔ یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جسے پھلنے پھولنے کے لیے اطاعت کے عمل سے پرورش پانا ضروری ہے۔ جس طرح ایک پودا جو سورج کی روشنی جیسی پرورش حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے وہ پھلنے پھولنے میں ناکام رہتا ہے اور وہ مر بھی سکتا ہے، اسی طرح جو شخص اس کی پرورش نہ کرے اس کا ایمان نہ پھلے پھولے گا اور اس کے مرنے کا شدید خطرہ ہے۔ یہ سب سے بڑا نقصان ہے۔

انجام کی نشاندہی کرنا

فتح مکہ کے بعد عربوں کی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے نازل کیا باب
نصر آیات 1 تا 3 110:

"جب اللہ کی فتح اور فتح آ گئی، اور تم دیکھتے ہو کہ لوگ اللہ کے دین میں کثرت سے داخل ہو رہے ہیں، تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو اور اس سے بخشش مانگو، بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔"

صحیح بخاری نمبر 4430 میں موجود حدیث کے مطابق عمر بن خطاب اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کا اعلان ان آیات میں کیا جب کہ ان کا مشن اپنے عروج کو پہنچ چکا تھا۔

یہ آیات مرتے دم تک اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت اور ذکر پر ثابت قدم رہنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہیں۔

صحیح بخاری نمبر 6407 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے اور نہ کرنے والے میں مردہ کے مقابلے میں زندہ آدمی کا فرق ہے۔

ان مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوط تعلق قائم کرنا چاہتے ہیں، تاکہ وہ دنیا اور آخرت کی تمام مشکلات پر کامیابی سے قابو پا سکیں، اللہ تعالیٰ کو زیادہ سے زیادہ

یاد کریں۔ سادہ الفاظ میں، وہ جتنا زیادہ اسے یاد کریں گے، اتنا ہی وہ اس اہم مقصد کو حاصل کریں گے۔

یہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے تین درجوں پر عملاً عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ پہلا درجہ اللہ تعالیٰ کو اندرونی اور خاموشی سے یاد کرنا ہے۔ اس میں اپنی نیت کو درست کرنا بھی شامل ہے تاکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عمل کرے۔ دوسرا اللہ تعالیٰ کو زبان سے یاد کرنا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے طریقوں سے بات کرنا، یا خاموش رہنا شامل ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 176 میں موجود حدیث میں اس کا حکم دیا گیا ہے کہ جب کسی کے پاس کہنے کو کچھ اچھا نہ ہو تو خاموش رہنا ایک نیک عمل ہے اور اس لیے اللہ تعالیٰ کے ذکر کا حصہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط کرنے کا سب سے اعلیٰ اور مؤثر طریقہ عملاً اسے اعضاء کے ساتھ یاد کرنا ہے۔ یہ اس کے احکام کو پورا کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ جو ایسا کرے گا وہ ان نعمتوں کو استعمال کرے گا جو انہیں عطا کی گئی ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے۔ لیکن اس کے لیے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے، جو کہ دونوں جہانوں میں تمام بھلائیوں اور کامیابیوں کی جڑ ہے۔

پہلے دو درجوں پر رہنے والوں کو ان کی نیت کے اعتبار سے ثواب ملے گا لیکن ان کے ایمان اور تقویٰ میں اس وقت تک اضافہ ہونے کا امکان نہیں ہے جب تک کہ وہ ذکر الٰہی کے تیسرے اور اعلیٰ درجے تک نہ پہنچ جائیں۔

تینوں سطحوں کو پورا کرنے والے کو دونوں جہانوں میں دماغ اور جسم کی سلامتی کا وعدہ کیا گیا ہے۔ باب 13 الرعد، آیت 28:

‘‘بلاشبہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔’’

اور باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان جو اپنے واجبات کو پورا کرتے ہیں اور رضاکارانہ عبادت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ان درجات کو نظر انداز کرتے ہیں اور ان کو پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں، اور نتیجتاً وہ اپنی عبادت اور نیک اعمال کے باوجود اس دنیا میں سکون حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔

حنین کی جنگ

کرپشن کا خاتمہ

فتح مکہ کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ ایک غیر مسلم قبیلہ ہوازن آپ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوا ہے۔ یہ بالآخر جنگ حنین کا باعث بنا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک غیر مسلم صفوان بن امیہ سے درخواست کی کہ وہ جنگ کے لیے مسلم فوج کے ہتھیار اور زرہ بکتر ادھار دیں۔ صفوان نے پوچھا کہ کیا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سامان کو زبردستی لینے کا ارادہ کر رہے تھے کیونکہ آپ کا مکہ پر کنٹرول تھا؟ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے وعدہ کیا کہ یہ صرف قرض ہے اور وہ اسے سب کچھ واپس کر دیں گے۔ جنگ ختم ہونے کے بعد اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3 صفحہ 439-440 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ کسی کے کاروباری وعدوں اور معاہدوں کو پورا کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ جب عوام ایک دوسرے ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ سنن ابن ماجہ نمبر 4019 میں موجود کو مالی طور پر دھوکہ دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر جابر سردار مقرر کر کے انہیں عذاب دیتا ہے۔ اس ظلم کا ایک پہلو بدعنوانی ہے جس کی وجہ سے عام لوگوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ اسی حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جب عام لوگ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے عہد کو توڑ دیں گے تو ان پر ان کے دشمن غالب آجائیں گے جو ان کے مال و جائیداد کو ناجائز طور پر چھین لیں گے۔ ایک بار پھر، یہ بدعنوانی کا ایک پہلو ہے جہاں اثر و رسوخ رکھنے والے لوگ، جیسے کہ سرکاری اہلکار، نتائج کے خوف کے بغیر دوسروں کا سامان آزادانہ طور پر لے جاتے ہیں۔ جب عام لوگ کرپٹ ہو جاتے ہیں تو ان کے لیڈر اور دوسرے بااثر سماجی عہدوں پر فائز افراد بھی اسی طرح کام کرنے کی ترغیب دیتے ہیں جس پر یقین رکھتے ہوئے عام لوگ اس طرز عمل کو قبول کرتے ہیں۔ اس سے قومی سطح پر کرپشن بڑھ رہی ہے۔ لیکن اگر عام لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں اور بدعنوانی کے ذریعے دوسروں کے ساتھ بدسلوکی سے گریز کرتے ہیں تو ان کے قائدین اور بااثر سماجی عہدوں پر فائز افراد بدعنوانی کی جرأت نہیں کریں گے اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ عام عوام اس کی حمایت نہیں کریں گے۔ اور اس سے پہلے نقل کی گئی حدیث کے مطابق اگر عام لوگ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہیں تو وہ ان لوگوں کو بااثر عہدوں پر تعینات کر کے بدعنوان اہلکاروں سے بچائے گا جو اپنے معاملات میں انصاف کرتے ہیں۔

مسلمانوں کو دنیا میں پھیلی بدعنوانی کے لیے دوسروں کو مورد الزام ٹھہرانے کی نادانی کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے صحیح معنوں میں اپنے طرز عمل پر غور کرنا چاہیے اور اگر ضروری ہو تو اپنا رویہ درست کرنا چاہیے۔ ورنہ معاشرے میں کرپشن وقت کے ساتھ ساتھ بڑھے گی۔ کسی کو یہ یقین نہیں کرنا چاہئے کہ وہ ایک بااثر سماجی حیثیت میں نہیں ہیں ان کا معاشرے میں ہونے والی بدعنوانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔ جیسا کہ اس بحث سے ثابت ہے کہ بدعنوانی عام لوگوں کے منفی رویے کی وجہ سے ہوتی ہے اور اس لیے اسے عام لوگوں کے اچھے رویے سے ہی دور کیا جا سکتا ہے۔ باب 13 الرعد، آیت 11:

”بے شک اللہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنے اندر کی حالت نہ بدلیں“۔

اسلام کی پاکیزگی کو برقرار رکھیں

حنین کے راستے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تھے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ فتح کیا اور ان صحابہ رضی اللہ عنہم سے، جنہوں نے فتح مکہ کے بعد حال ہی میں اسلام قبول کیا تھا۔ یہ نئے مذہب تبدیل کرنے والے ایک عظیم درخت کی تعظیم کرتے تھے جسے دھت انوت کہتے ہیں۔ وہ ہر سال اس کا سفر کرتے اور اس پر اپنے ہتھیار لٹکاتے، اس کے قریب قربانیاں کرتے اور وہیں دن گزارتے۔ جب یہ لوگ حنین کے راستے میں ایک بڑے درخت کے پاس سے گزرے تو انہیں دھت انوات یاد آ گئی اور انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ ان کے لیے اسلام میں ایک ایسا درخت لگا دیں جو دشت انوات جیسا ہو۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر تنقید کی اور انہیں متنبہ کیا کہ ان قدیم ثقافتی اور مذہبی رسومات کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 441 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

سنن ابو داؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ ہر وہ معاملہ جس کی بنیاد اسلام پر نہ ہو اسے رد کر دیا جائے گا۔

اگر مسلمان دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں دائمی کامیابی چاہتے ہیں تو انہیں قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر سختی سے عمل کرنا چاہیے۔ اگر چہ بعض اعمال جو براہ راست ہدایت کے ان دو ذرائع سے نہیں کیے گئے ہیں ان کو پھر بھی اعمال صالحہ قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن ان دونوں ذرائع کو ہدایت کے تمام چیزوں پر ترجیح دینا ضروری ہے۔ درحقیقت انسان ان دو ذرائع سے نہ لینے والی چیزوں پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، خواہ وہ اعمال صالحہ ہی کیوں نہ ہوں، ہدایت کے ان دو ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ کتنے مسلمانوں نے اپنی زندگیوں میں ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے جن کی رہنمائی کے ان دو ذرائع میں کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اگر یہ ثقافتی عادات گناہ نہیں ہیں، تب بھی انہوں نے مسلمانوں کو ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے سے روک دیا ہے، کیونکہ وہ اپنے طرز عمل سے مطمئن ہیں۔ یہ ہدایت کے دو ذرائع سے ناواقفیت کا باعث بنتا ہے جس کے نتیجے میں گمراہی ہی ہوتی ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھے اور ان پر عمل کرے جو راہنمائی کے رہنماوں نے قائم کیے ہیں اور اس کے بعد اگر اس کے پاس وقت اور توانائی ہو تو دوسرے رضاکارانہ اعمال پر عمل کرے۔ لیکن اگر وہ جہالت اور من گھڑت کاموں کا انتخاب کریں، خواہ وہ گناہ ہی کیوں نہ ہوں، ان دو ذرائع ہدایت پر سیکھنے اور ان پر عمل کرنے سے وہ کامیاب نہیں ہوں گے۔

آخر کار جب کوئی ایسے کام کرنے پر لگا رہتا ہے جو ہدایت کے دو ذرائع سے براہِ راست جڑے نہیں ہوتے، جہالت کی وجہ سے وہ آسانی سے ایسے عمل اور عقائد میں پڑ جاتے ہیں جو اسلامی علم سے متصادم ہوتے ہیں۔ یہ مسلمان کو گناہوں اور گمراہی کے راستے پر لے جاتا ہے جبکہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ صحیح راہ پر ہیں۔ جو جانتا ہے کہ وہ کھو چکے ہیں وہ دوسروں کی طرف سے مشورہ دینے پر اپنی سمت کو قبول کرنے اور تبدیل کرنے کا امکان ہے۔ لیکن جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ صحیح راستے پر ہیں وہ اپنی سمت کو تبدیل کرنے اور درست کرنے کا بہت زیادہ امکان نہیں رکھتا ہے، یہاں تک کہ جب انہیں علم اور واضح ثبوت کے حامل دوسرے لوگوں کی طرف سے تنبیہ کی گئی ہو۔ اس نتیجہ سے بچنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہدایت کے دو ذرائع میں پائے جانے والے علم کو حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے اور دوسرے اعمال سے گریز کیا جائے، خواہ وہ اچھے کام ہی کیوں نہ ہوں۔

اطاعت میں فتح

جنگ حنین کے دوران مسلمانوں کی فوج ابتدائی طور پر مغلوب ہو گئی اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہ نے عارضی طور پر میدان جنگ سے پسپائی اختیار کی۔ لیکن جب انہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر بلایا گیا تو وہ سب آگے بڑھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح عطا فرما دی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 451 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ ابتدائی مشکل اس وقت پیش آئی جب بعض چھوٹے صحابہ رضی اللہ عنہ نے جنگ سے پہلے اعلان کیا کہ ان کی بڑی فوج کو شکست نہیں ہوگی۔ باب 9 توبہ، آیات 25-26:

"اللہ تعالیٰ نے تمہیں بہت سے علاقوں میں فتح عطا فرمائی ہے اور حنین کے دن بھی جب تمہاری کثیر تعداد تمہیں خوش کر چکی تھی، لیکن وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر محصور ہو کر رہ گئی، پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگے، پھر اللہ نے اپنے رسول پر اپنی تسکین نازل فرمائی اور مومنوں پر فرشتے بھیجے اور تم پر عذاب نازل کیا۔ جنہوں نے کفر کیا اور یہ کافروں کی سزا ہے۔

یہ واقعہ اس بات کو سمجھنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ حقیقی کامیابی صرف انہی کو ملتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت پر ثابت قدم رہتے ہیں، جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب، تقدیر کا مقابلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا شامل ہے ۔ حقیقی کامیابی کا تعلق دنیاوی مال، بڑی تعداد یا جسمانی طاقت سے نہیں ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 139:

پس تم کمزور نہ ہو اور غم نہ کرو اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو‘‘۔’’

دونوں جہانوں میں برتری اور کامیابی حاصل کرنے کی شرط سچا عقیدہ اختیار کرنا ہے۔ اس میں ان نعمتوں کا استعمال کرنا شامل ہے جو صحیح طور پر عطا کی گئی ہیں جیسا کہ قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے، اور اس وجہ سے یہ زبانی طور پر اسلام پر ایمان کا دعویٰ کرنے سے بہت آگے ہے۔ اگر آج مسلمانوں کو برتری حاصل نہیں ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ سچے مومن نہیں ہیں۔ لہٰذا ہر مسلمان کو یہ اندازہ لگانا چاہیے کہ آیا وہ اسلام پر ایمان کے اپنے زبانی اعلان کی حمایت کر رہے ہیں یا نہیں، اور اگر ضروری ہو تو اپنے طرز عمل کو درست کریں اگر وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون اور برتری چاہتے ہیں۔

اس کے علاوہ، ذہنی سکون کی صورت میں برتری اس کو دی جائے گی جو سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے۔ جو شخص اسلامی تعلیمات میں بیان کردہ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے جس کا ذکر کیا گیا ہے وہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرے گا اور قیامت کے دن اپنے احتساب کے لیے مناسب تیاری کرتے ہوئے ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں صحیح طریقے سے جگہ دے گا۔ لہذا یہ طرز عمل دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنے گا۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

باب 24 نور، آیت 55 اور:

’’تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین پر ضرور جانشینی عطا کرے گا جیسا کہ اس نے ان سے پہلے والوں کو دیا تھا اور یہ کہ وہ ان کے لیے ان کے دین کو ضرور قائم کرے گا جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے اور یہ کہ وہ ان کی جگہ ضرور لائے گا، ان کے خوف اور سلامتی کے بعد جو مجھ سے بیزاری کرتے ہیں، وہ میری عبادت نہیں کرتے۔ کہ پھر وہی لوگ نافرمان ہیں۔

جبکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کا غلط استعمال کرنا مسلمانوں کو ان کے دشمنوں کے ہاتھوں مغلوب ہونے کا باعث بنے گا اور انہیں ذہنی سکون نہیں ملے گا کیونکہ وہ متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل نہیں کر پائیں گے اور وہ اپنی زندگی میں ہر چیز اور ہر چیز کو ضائع کر دیں گے۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جس کے بدلے میں وہ کماتے تھے۔"

باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے" قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اس لیے ایک شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے مفاد کے لیے اسلامی تعلیمات کو قبول کرے اور اس پر عمل کرے، چاہے وہ اس کی خواہشات کے خلاف ہو۔ انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی گئی ہیں اور ایک سخت خوراک کا منصوبہ ہے۔ جس طرح یہ عقلمند مریض اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کرے گا، اسی طرح وہ شخص جو اسلامی تعلیمات کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف وہی علم رکھتا ہے جس کے پاس اس بات کو یقینی بنانے کے لیے ضروری ہے کہ انسان ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کو حاصل کرے اور ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں صحیح طور پر رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ ہے۔ معاشرے میں موجود انسانوں کی ذہنی اور جسمانی حالتوں ،کا علم اس نتیجے کو حاصل کرنے کے لیے کبھی بھی کافی نہیں ہو گا، تمام تر تحقیق کے باوجود

کیونکہ وہ اپنی زندگی کے ہر مسئلے کو حل نہیں کر سکتے، ان کے مشورے ہر قسم کے ذہنی اور جسمانی تناؤ سے بچنے کا باعث نہیں بن سکتے اور نہ ہی ان کی نصیحتیں محدود علم، تجربے اور کم علمی کی وجہ سے اپنی زندگی میں ہر چیز کو صحیح طریقے سے اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں رکھنے کا باعث بن سکتی ہیں۔ یہ علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اس نے اسے قرآن مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی صورت میں انسانوں کو عطا کیا ہے۔ یہ حقیقت اس وقت عیاں ہوتی ہے جب کوئی ان لوگوں کو دیکھتا ہے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق عطا کی گئی نعمتوں کو استعمال کرتے ہیں اور جو نہیں کرتے۔ اگرچہ، زیادہ تر معاملات میں، مریض اپنی تجویز کردہ دوائیوں کے پیچھے سائنس کو نہیں سمجھتے اور اس لیے اپنے ڈاکٹر پر اندھا اعتماد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ لوگوں کو اسلام کی تعلیمات پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے تاکہ وہ اپنی زندگی پر اس کے مثبت اثرات کو سمجھ سکیں۔ وہ لوگوں سے یہ توقع نہیں کرتا کہ وہ اسلام کی تعلیمات پر اندھا اعتماد کریں بلکہ وہ چاہتا ہے کہ وہ اس کی سچائی کو اس کے واضح دلائل سے پہچانیں۔ لیکن اس کے لیے انسان کو اسلام کی تعلیمات سے رجوع کرتے ہوئے غیر جانبدارانہ اور کھلے ذہن کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ باب 12 یوسف، آیت 108:

کہو، "یہ میرا راستہ ہے؛ میں اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ دعوت دیتا ہوں، میں اور وہ لوگ جو میری پیروی کرتے ہیں..."

اس کے علاوہ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی لوگوں کے روحانی دلوں کو کنٹرول کرتا ہے، ذہنی سکون کا گھر، وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کون اسے حاصل کرتا ہے اور کس کو نہیں۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے‘‘۔’’

اور یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کو ذہنی سکون دے گا جو اس کی عطا کردہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔

عادل ہونا

،جنگ حنین کے دوران ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے دشمن کے ایک سپاہی کو قتل کر دیا۔ فتح کے بعد انہیں بتایا گیا کہ جو بھی یہ ثابت کر سکتا ہے کہ اس نے دشمن کے سپاہی کو مارا ہے، اسے ان کا سامان، جیسے ان کے ہتھیار لینے کی اجازت ہوگی۔ ابتدا میں کسی نے بھی ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے قصے کی تصدیق نہیں کی، یہاں تک کہ کسی دوسرے نے تصدیق کر دی کہ دشمن کے جس سپاہی کو اس نے مارا تھا اس کا مال اس کے پاس تھا۔ اس شخص نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ مال ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کرنے کے بجائے اپنے پاس رکھنے کی اجازت دیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مداخلت کی اور تبصرہ کیا کہ جب وہ حق کے طور پر اللہ تعالیٰ کے شیروں میں سے کسی ایک کے ہیں، یعنی ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کا مال رکھنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 142-143 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ استنباط واضح طور پر ان کی عدل و انصاف پر دلالت کرتا ہے۔

صحیح مسلم نمبر 4721 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ انصاف کے ساتھ کام کرنے والے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک نور کے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ اس میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے فیصلوں میں، اپنے خاندانوں کے حوالے سے اور ان کی دیکھ بھال اور اختیار کے تحت ہیں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر حال میں انصاف سے کام لیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انصاف کا مظاہرہ کرنا چاہیے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا چاہیے۔ انہیں ان تمام نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا چاہیے جو انہیں دی گئی ہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق۔ اس میں کھانے اور آرام کے اپنے حقوق کو پورا کرتے ہوئے اپنے جسم اور دماغ کے ساتھ انصاف کرنا

اور ہر عضو کو اس کے حقیقی مقصد کے مطابق استعمال کرنا شامل ہے۔ اسلام مسلمانوں کو یہ نہیں سکھاتا کہ وہ اپنے جسم اور دماغ کو اپنی حدود سے باہر دھکیلیں جس سے خود کو نقصان پہنچے۔

کسی کو لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ دوسروں کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں دنیاوی چیزوں مثلاً دولت اور اختیار کے حصول کے لیے لوگوں کے ساتھ ناانصافی کرتے ہوئے اسلام کی تعلیمات پر کبھی سمجھوتہ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کا ایک بڑا سبب ہو گا اور صحیح مسلم نمبر 6579 میں ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

انہیں صرف اس صورت میں بھی رہنا چاہئے جب یہ ان کی خواہشات اور ان کے پیاروں کی خواہشات سے متصادم ہو۔ باب 4 النساء، آیت 135:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، خواہ کوئی امیر ہو یا غریب، اللہ دونوں کا زیادہ حقدار ہے، لہٰذا تم)ذاتی (میلان کی پیروی نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ انصاف کرو۔"

اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کے حقوق اور ضروریات کو پورا کرتے ہوئے اپنے محتاجوں کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے۔ سنن ابو داؤد نمبر 2928 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ اس کا ایک اہم پہلو اپنے زیر کفالت افراد کو اسلام کے بارے میں تعلیم دینا اور اس کی تعلیمات کو اپنی زندگیوں میں نافذ کرنے کی اہمیت ہے۔ انہیں نظر انداز نہیں کیا جانا چاہئے اور نہ ہی انہیں دوسروں کے حوالے کیا جانا چاہئے، جیسے کہ اسکول اور مسجد کے اساتذہ۔ کسی شخص کو یہ ذمہ داری نہیں اٹھانی چاہئے اگر وہ ان کے بارے میں انصاف کے ساتھ کام کرنے میں بہت سست ہو۔

آخر میں، کوئی بھی شخص انصاف کے ساتھ کام کرنے سے آزاد نہیں ہے، جیسا کہ کم از کم اللہ تعالیٰ اور اپنے آپ کے ساتھ انصاف کے ساتھ کام کرنا ہے۔

طائف کا محاصرہ

ذلت آمیز غلامی سے آزادی

جنگ حنین کے بعد کچھ غیر مسلم دشمن طائف شہر کی طرف پیچھے ہٹ گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر طائف کی طرف ایک مہم کی قیادت کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمن کو اعلان فرمایا کہ ہر وہ غلام جو دشمن کو چھوڑ کر اسلام قبول کرے گا ان کی غلامی سے آزاد ہو گا۔ دشمن کے کچھ غلام طائف سے نکل کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا۔ درحقیقت غلاموں کے ساتھ معاملہ کرتے وقت یہ اس کا معمول تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 471 میں بحث کی گئی ہے۔

لوگ اسے تسلیم کرنا چاہیں یا نہ کریں حقیقت میں ہر شخص کسی نہ کسی چیز کا غلام ہے۔ کچھ دوسروں کے نوکر ہیں، جیسے کہ ہالی ووڈ کے ایگزیکٹوز اور جو کچھ وہ انہیں کرنے کا حکم دیتے ہیں وہ کرتے ہیں یہاں تک کہ اگر یہ حیا اور شرم کو چیلنج کرتا ہے۔ دوسرے اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے نوکر ہوتے ہیں اور ان کو خوش کرنے کے لیے جو کچھ کرنا پڑتا ہے کرتے ہیں۔ دوسروں کی اپنی خواہشات کے غلام بن کر بدتر ہوتے ہیں کیونکہ یہ ان جانوروں کا رویہ ہے جو عموماً اپنے آپ کو خوش کرنے کے لیے کام کرتے ہیں۔ بندگی کی بہترین اور اعلیٰ ترین صورت اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونا ہے۔ تاریخ کے اوراق پلٹیں تو یہ بات بالکل عیاں ہوتی ہے جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بندے تھے مثلاً انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اس دنیا میں سب سے زیادہ عزت و تکریم عطا کی گئی اور آئندہ بھی ملے گی۔ صدیاں اور ہزار سال گزر چکے ہیں لیکن ان کے نام تاریخ کے ستونوں اور میناروں کے طور پر یاد کیے جاتے ہیں۔ جب کہ جو لوگ خاص طور پر دوسروں کے بندے بن گئے ان کی اپنی خواہشات آخر کار اس دنیا میں رسوا ہو گئیں خواہ انہیں کوئی دنیاوی حیثیت حاصل ہو گئی اور وہ تاریخ میں محض حاشیہ بن گئے۔ میڈیا بمشکل ان لوگوں کو یاد کرتا ہے جو چند دن سے زیادہ گزر جاتے ہیں اس سے پہلے کہ وہ اگلے شخص پر رپورٹ کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ اپنی زندگی کے دوران یہ لوگ آخرکار اداس، تنہا، افسردہ اور خودکشی تک کا شکار ہو جاتے ہیں کیونکہ اپنی روح اور شرافت کو اپنے دنیاوی آقاؤں کے سامنے بیچنے سے انہیں وہ اطمینان نہیں ملتا جس کی وہ تلاش کر رہے تھے۔ اس واضح حقیقت کو سمجھنے کے لیے کسی کو عالم ہونے کی ضرورت نہیں۔ پس اگر لوگوں کو

بندے بننا چاہیے تو اللہ عزوجل کے بندے بنیں کیونکہ دائمی عزت، عظمت اور حقیقی کامیابی اسی میں ہے۔

دو چہرے ہونے کے خطرات

طائف کے محاصرے کے دوران ایک شخص نے طائف کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے ان سے بات کرنے کی درخواست کی اور اسے اجازت دی گئی۔ اس شخص نے بجائے طائف کے لوگوں کو یہ کہہ کر اسلام سے غداری کی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ڈٹے رہیں۔ جب وہ مسلمانوں کے کیمپ میں واپس آیا تو اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا کہ میں نے طائف کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تھی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ڈانٹا اور بیان کیا کہ آپ نے کیا کہا تھا۔ اس شخص نے حقیقت کو سمجھا اور سچے دل سے توبہ کی اور یقین کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 473 میں بحث کی گئی ہے۔

دو رخا ہونا تب ہوتا ہے جب کوئی شخص اپنے رویے کو اس بات پر منحصر کرتا ہے کہ وہ کس کے ساتھ بات چیت کر رہا ہے تاکہ وہ اسے خوش کرنے کے لیے دنیاوی چیزیں حاصل کر سکے، جیسے عزت اور شہرت۔ سنن ابوداؤد نمبر 4873 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ جو شخص دو چہروں والی ذہنیت اختیار کرے گا اس کی قیامت کے دن آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے قول و فعل میں دیانتداری اور مستقل مزاجی سے کام لے اور اپنے تمام کاموں میں صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرے۔ جو شخص اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ اللہ عزوجل کی طرف سے کسی بھی طویل مدتی منفی اثرات سے محفوظ رہے گا جو مستقل ایمانداری کے نتیجے میں ہو سکتے ہیں۔ لیکن جو منافقین کی راہ پر چلے گا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور حفاظت سے محروم ہو جائے گا اور گمراہی میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ جلد یا بدیر ان کے برے عزائم ان لوگوں کے سامنے آشکار ہو جائیں جن کو وہ خوش کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ دنیاوی نعمتوں کے حصول سے محروم ہو جائیں اور اپنے معاشرے سے نفرت کا شکار ہو جائیں۔ یہ دنیاوی سزا آخرت میں ان کے لیے مختص کی گئی سزا کے مقابلے میں چھوٹی ہے جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں۔

نرمی اور دوسرا امکان

طائف کے غیر مسلموں نے تقریباً 30 دن تک محاصرہ کیا لیکن فتح نہیں ہوئی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کی فوج کو طائف سے پیچھے ہٹنے کا حکم دیا اور ان کی رہنمائی کے لیے دعا کی۔ غالباً اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو طائف کو فتح کرنے سے برسوں پہلے، مدینہ کی طرف ہجرت سے پہلے، جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طائف کے لوگوں کے ساتھ بدسلوکی کی وجہ سے تباہ کرنے کا اختیار دیا گیا تھا، کی وجہ سے روک دیا تھا۔ لیکن اس نے اس اختیار کو ٹھکرا دیا اور اس کے بجائے تبصرہ کیا کہ اسے امید ہے کہ وہ بالآخر اسلام قبول کر لیں گے۔ صحیح بخاری نمبر 3231 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ تحفظ کا یہ انتخاب جاری رہا اور مسلمانوں کو طائف کو فتح کرنے سے روک دیا۔

اس کے علاوہ طائف کے لوگوں نے بالآخر حق کو قبول کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیے گئے اس دوسرے موقع سے فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے ایک وفد مدینہ منورہ بھیجا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کریں اور اسلام قبول کریں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 476 میں بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نرمی کی وجہ سے اس کے لیے عذاب میں جلدی نہیں کرتا۔ اس کے بجائے وہ انہیں خلوص دل سے توبہ کرنے اور اپنے طرز عمل کو درست کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ جو مسلمان اس بات کو سمجھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی امید نہیں چھوڑے گا، بلکہ حد سے تجاوز نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر خواہش مندانہ سوچ اختیار کرے گا، انہیں کبھی عذاب نہیں دے گا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ سزا میں صرف تاخیر ہوتی ہے جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہیں کرتے۔ پس یہ الہی نام ایک مسلمان میں امید اور خوف پیدا کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو اس تاخیر کو توبہ کرنے اور نیک کاموں کی طرف جلدی کرنے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

ایک مسلمان کو اس الٰہی صفت پر لوگوں کے ساتھ نرمی برتتے ہوئے عمل کرنا چاہیے، خاص طور پر جب وہ برے کردار کا مظاہرہ کریں۔ انہیں دوسروں کے ساتھ نرمی کا مظاہرہ کرنا چاہئے نرمی برتنے کی خواہش سے ان کی غفلت کے لمحات میں ان کے ساتھ جس طرح وہ اللہ تعالیٰ

لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہیں اپنی بری خصوصیات کے ساتھ نرمی نہیں برتنی چاہئے رکھتے ہیں . یہ جانتے ہوئے کہ گناہوں کی سزا میں تاخیر ہوتی ہے جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کر لیں تب تک ہمیشہ کے لئے ترک نہیں کیا جاتا۔ انہیں بھی چاہیے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق برائی کا جواب اچھائی سے دیتے ہوئے نرمی پر ثابت قدم رہیں۔ باب 41 فصیلات، آیت 34:

"اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، برائی کو اس سے دور کرو جو بہتر ہو، پھر جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسے وہ ایک مخلص دوست ہو۔"

انتہائی مہربانی

طائف کے محاصرے کے بعد ایک شخص نے اطلاع دی کہ وہ بھاری جوتے پہنے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوار ہے۔ ان کا اونٹ اتفاقاً حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ٹکرا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ٹانگ پر آپ کا پیر مارا اور چوٹ لگی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کے پاؤں کو اپنے کوڑے سے تھپتھپا کر اس سے کہا کہ وہ اس سے دور ہو جائے کیونکہ اس نے اسے تکلیف دی تھی۔ اگلے دن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آدمی کو بلوایا اور بتایا کہ اس نے اپنے کوڑے سے اس کے پاؤں کو تھپتھپا دیا تھا، اس لیے اس نے اسے معاوضہ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ پھر اس نے اس آدمی کو 80 بھیڑیں تحفے میں دیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 481-482 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ دوسروں کے ساتھ مہربانی اور رحم کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 7376 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرے گا جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا۔

اسلام بہت سادہ مذہب ہے۔ اس کی بنیادی تعلیمات میں سے ایک یہ ہے کہ لوگ دوسروں کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کیسا سلوک کرے گا۔ مثال کے طور پر جو لوگ دوسروں کی غلطیوں کو درگزر کرنا اور معاف کرنا سیکھتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔ باب 24 النور، آیت 22:

‘‘اور وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا آپ پسند نہیں کریں گے کہ اللہ آپ کو معاف کر دے؟’’

جو لوگ فائدہ مند دنیاوی اور دینی معاملات میں دوسروں کی مدد کرتے ہیں جیسے کہ جذباتی یا مالی امداد اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں ان کی مدد کرے گا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4893 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ یہی حدیث نصیحت کرتی ہے کہ جو دوسروں کے عیب چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیب چھپاتا ہے۔

سیدھے الفاظ میں، اگر کوئی اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے ساتھ حسن سلوک اور احترام سے پیش آتا ہے، تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرے گا۔ اور جو لوگ دوسروں کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں ان کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ ایسا ہی سلوک کرے گا، خواہ وہ اس سے متصل واجبات کو پورا کرتے ہوں، جیسے فرض نماز۔ اس لیے کہ ایک مسلمان کو کامیابی حاصل کرنے کے لیے دونوں فرائض کو پورا کرنا چاہیے، یعنی اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے لیے فرائض۔

الٰہی رحمت حاصل کرنے کا ایک آسان طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جیسا کہ لوگ چاہتے ہیں۔ یہ تمام لوگوں کے لیے درست ہے، خواہ ان کا عقیدہ کچھ بھی ہو، اور درحقیقت تمام مخلوقات پر محیط ہے۔

آخر میں، یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے حسن سلوک کیا جائے گا، اگر وہ اس کی خاطر دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ اگر وہ اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے ایسا کرتے ہیں تو بلاشبہ ان تعلیمات میں مذکور اجر کو ضائع کر دیں گے۔ تمام عبادات اور اسلام کی بنیاد خود انسان کی نیت ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

جنگ حنین کا غنیمت

حرام سے بچنا

طائف سے فتح کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی طرف لوٹے اور جنگ حنین کا مال غنیمت تقسیم کرنے سے پہلے اعلان کیا کہ کوئی مسلمان سپاہی جنگ کے مال غنیمت میں سے کچھ بھی نہیں لے گا جب تک کہ اس کی تقسیم اسلامی شریعت کے مطابق نہ ہو، چاہے وہ دھاگہ یا سوئی ہی کیوں نہ ہو۔ انہوں نے مزید کہا کہ اس طرح کا برتاؤ دونوں جہانوں میں رسوائی، آگ اور شرمندگی ہے۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1790-1792 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر دیکھا جائے تو حرام کو استعمال کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اس میں غیر قانونی دولت کا استعمال، غیر قانونی اشیاء کا استعمال اور غیر قانونی کھانا کھانا شامل ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اسلام نے جن مخصوص چیزوں کو حرام قرار دیا ہے جیسے کہ شراب صرف وہی چیزیں نہیں ہیں جو حرام ہیں۔ درحقیقت حلال چیزیں بھی حرام ہو سکتی ہیں اگر وہ حرام چیزوں سے حاصل کی گئی ہوں۔ مثال کے طور پر، حلال کھانا حرام ہو سکتا ہے اگر اسے حرام مال سے خریدا جائے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ وہ صرف حلال چیزوں سے نمٹتے ہیں کیونکہ یہ کسی کو برباد کرنے کے لیے حرام کا صرف ایک عنصر لیتا ہے۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 2346 کی ایک حدیث میں ایک مرتبہ تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص ناجائز استعمال کرے گا اس کی تمام دعائیں رد ہوں گی۔ اگر اللہ تعالیٰ سے ان کی دعائیں رد ہو جائیں تو کیا ان کی کوئی نیکی قبول ہونے کی امید رکھی جا سکتی ہے؟ درحقیقت اس کا جواب صحیح بخاری نمبر 1410 میں موجود ایک اور حدیث میں دیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ صرف حلال کو قبول کرتا ہے۔ لہٰذا ہر وہ عمل جس کی بنیاد ناجائز ہو مثلاً حرام مال کے ساتھ حج کرنا مردود ہے۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 3118 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ اس قسم کے آدمی کو قیامت کے دن جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 188:

’’اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ اسے حکمرانوں کے پاس [رشوت میں] بھیجو تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ میں کھاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو کہ یہ حرام ہے۔‘‘

آپ کیا ڈھونڈتے ہیں۔

طائف کے محاصرہ کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ واپس تشریف لے گئے۔ جنگ حنین سے مال غنیمت تقسیم کرتے وقت، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نئے مسلمان ہونے والے مسلمانوں کو ان کے دلوں کو مضبوط کرنے کے لیے اور زیادہ دیا۔ مدینہ کے بعض چھوٹے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے اس معاملے میں کوتاہی محسوس کی۔ جب یہ خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بلوایا اور سوال کیا کہ کیا وہ اس بات سے مطمئن نہیں ہیں کہ جب دوسرے لوگ اپنے گھر کا مال غنیمت لے جائیں گے تو وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھر لے جائیں گے۔ انہوں نے یک زبان ہو کر جواب دیا کہ وہ اس سے مطمئن ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید فرمایا کہ اگر میں مدینہ کی طرف ہجرت کرکے وہاں سے ہجرت نہ کرتا تو وہ مدینہ کے صحابہ میں سے ہوتا، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوتا۔ اور اگر دنیا ایک وادی کا سفر کرے اور مدینہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ الگ الگ وادی کا سفر کریں تو وہ ضرور اس وادی کا سفر کرے گا جس وادی میں مدینہ سے صحابہ رضی اللہ عنہ نے سفر کیا تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 483 اور سیرت ابن ہشام صفحہ 237-238 اور صفحہ 483 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ ان کی اللہ تعالیٰ کی عبادت کیوں کی جاتی ہے کیونکہ یہ وجہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافے کا سبب بن سکتی ہے یا بعض صورتوں میں نافرمانی کا باعث بن سکتی ہے۔ جب کوئی اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اس سے حلال دنیاوی چیزیں حاصل کرنے کے لیے اس کی نافرمانی کا خطرہ مول لے لیتا ہے۔ اس قسم کے شخص کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔ باب 22 الحج، آیت 11:

"اور لوگوں میں سے کوئی وہ ہے جو اللہ کی عبادت کنارے پر کرتا ہے، اگر اسے کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو اسے تسلی ملتی ہے، اور اگر اسے کوئی آزمائش پہنچتی ہے تو وہ منہ پھیر لیتا ہے، اس نے دنیا اور آخرت کو کھو دیا، یہی صریح نقصان ہے۔"

جب وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں تو دنیاوی نعمتوں کو حاصل کرنے کے لیے جب وہ ان کو حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں یا کسی مشکل کا سامنا کرتے ہیں تو وہ اکثر ناراض ہو جاتے ہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے دور کر دیتا ہے۔ یہ لوگ اکثر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور نافرمانی کرتے ہیں، اس صورت حال کے مطابق جس کا وہ سامنا کر رہے ہیں جو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی حقیقی بندگی کے خلاف ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ سے حلال دنیوی چیزوں کی خواہش کرنا اسلام میں قابل قبول ہے، لیکن اگر کوئی اس رویہ پر قائم رہے تو وہ اس آیت میں مذکور کی طرح ہو سکتے ہیں۔ آخرت میں نجات پانے اور جنت حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا افضل ہے۔ مشکلات کا سامنا کرتے وقت یہ شخص اپنے رویے کو تبدیل کرنے کا امکان نہیں رکھتا ہے۔ لیکن سب سے اعلیٰ اور بہترین وجہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا ہے، صرف اس لیے کہ وہ ان کا رب اور کائنات کا رب ہے۔ یہ مسلمان اگر مخلص ہو گا تو ہر حال میں ثابت قدم رہے گا اور اس اطاعت کے ذریعے انہیں دنیاوی اور دینی دونوں نعمتیں حاصل ہوں گی جو دنیاوی نعمتوں سے بڑھ کر پہلی قسم کے انسان کو حاصل ہوں گی۔

آخر میں، مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی نیت پر غور کریں اور اگر ضروری ہو تو اس کی اصلاح کریں تاکہ یہ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے، اس کے احکام کو پورا کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ ہر حال میں سامنا کرنے کی ترغیب دے۔

اس کے علاوہ زیر بحث اہم واقعہ اس بات کی بھی نشاندہی کرتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ کے صحابہ سے اور بقیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کتنی محبت تھی۔

ان تمام لوگوں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقی محبت کی نشانی سے محبت کرنا جو اللہ عزوجل اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے لیے، خواہ یہ ان کے بارے میں کسی کی ذاتی رائے کے خلاف ہو۔ اس محبت میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے الفاظ کے ذریعے اور زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اپنے اعمال کے ذریعے محبت کا اعلان کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ بات سب پر ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اہل بیت رضی اللہ عنہم، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور صالحین اس سچی محبت کے حامل تھے۔ پس ان میں سے ہر ایک سے محبت اس شخص پر فرض ہے جو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرے۔ یہ بات بہت سی احادیث سے ثابت ہے جیسے کہ صحیح بخاری نمبر 17 میں موجود ہے۔ اس میں یہ نصیحت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگاروں سے محبت، یعنی مدینہ منورہ کے رہنے والوں سے محبت ایمان کا حصہ ہے اور ان سے بغض رکھنا نفاق کی علامت ہے۔ جامع ترمذی نمبر 3862 میں موجود ایک اور حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو واضح طور پر تنبیہ فرمائی ہے کہ وہ کسی بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید نہ کریں کیونکہ ان سے محبت کرنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی علامت ہے اور ان سے بغض رکھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغض رکھنے کی علامت ہے۔ یہ شخص اس وقت تک کامیاب نہیں ہو گا جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کرے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 143 میں موجود ایک حدیث میں اپنے مبارک گھر والوں کے بارے میں اسی طرح کا بیان فرمایا ہے۔

اگر کوئی مسلمان کسی ایسے مسلمان پر بلاجواز تنقید کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے تو اس سے ان کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی کمی ثابت ہوتی ہے۔ اگر کوئی مسلمان گناہ کرتا ہے تو دوسرے مسلمانوں کو گناہ سے نفرت کرنی چاہیے لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے پھر بھی گناہ گار مسلمان کے لیے اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی وجہ سے محبت رکھنا چاہیے۔ دوسروں سے محبت کرنے کی علامت ان کے ساتھ حسن سلوک اور احترام سے پیش آنا ہے۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جیسا وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو ان تمام لوگوں کو ناپسند کرنا چاہیے جو ان لوگوں کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں، خواہ وہ شخص رشتہ دار ہو یا اجنبی۔ ایک مسلمان کے جذبات انہیں اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی محبت کے اس نشان کو پورا کرنے سے کبھی نہیں روک سکتے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ان کو نقصان پہنچائیں بلکہ ان پر واضح کر دیں کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والوں سے عداوت ناقابل قبول ہے۔ اگر وہ اس منحرف رویے پر قائم رہیں تو جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کر لیں ان سے الگ ہو جانا چاہیے۔

آزادی کے لیے جدوجہد کریں۔

جنگ حنین سے مال غنیمت تقسیم کرتے وقت، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نئے مسلمان ہونے والے مسلمانوں کو ان کے دلوں کو مضبوط کرنے کے لیے اور زیادہ دیا۔ جب بعض لوگوں نے اس کی شکایت کی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ان لوگوں کو دے دیا جن کے بارے میں اندیشہ تھا کہ وہ بے صبری اور ناراضگی کا شکار ہوں گے اور ان لوگوں کو دینے سے گریز کیا جو خود کفیل تھے اور جن کی بھلائی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر نازل ہوئی تھی۔ اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ بعد کے لوگوں میں سے ایک عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ تھے۔ اس پر ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 490-491 اور صحیح بخاری نمبر 3145 میں موجود ایک حدیث میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ خود مختار ہونے کی کوشش کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 6470 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص دوسروں سے مانگنے سے باز رہے گا اسے آزادی دی جائے گی۔ اور جو شخص سچے دل سے صبر کرنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے صبر عطا کرتا ہے۔ اور جو اس کے پاس ہے اس پر راضی ہو گا وہ خود کفیل ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ صبر سے بڑا کوئی تحفہ نہیں ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6470 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص دوسروں سے مانگنے سے باز رہے گا اسے آزادی دی جائے گی۔ اور جو شخص سچے دل سے صبر کرنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے صبر عطا کرتا ہے۔ اور جو اس کے پاس ہے اس پر راضی ہو گا وہ خود کفیل ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ صبر سے بڑا کوئی تحفہ نہیں ہے۔

ضرورت پڑنے پر دوسروں سے مدد مانگنے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن مسلمان کو یہ عادت نہیں ڈالنی چاہیے کیونکہ اس سے عزت نفس کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ یہ خطرناک ہو سکتا ہے کیونکہ جو شخص عزت نفس کھو دیتا ہے اس کے گناہوں کا زیادہ امکان ہوتا ہے کیونکہ وہ اس بات کی پرواہ کرنا چھوڑ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور دوسرے ان کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ غیر

ضروری طور پر دوسروں سے مانگنے والا بھی ان کی مدد کے لیے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے بجائے ان کی مدد کے لیے دوسروں پر بھروسہ کرنے لگے گا۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جو ذرائع حلال طریقے سے عطا کیے گئے ہیں ان کو استعمال کریں اور پھر اس کے نتیجے پر یقین کریں، جسے اللہ تعالیٰ اکیلے منتخب کرتا ہے، اس میں شامل ہر فرد کے لیے بہترین ہوگا۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کی مدد کے لیے رجوع کرنے سے پہلے ان تمام وسائل کو بروئے کار لانے کی کوشش کرے۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا اسے اللہ تعالیٰ لوگوں کی آزادی عطا فرمائے گا۔

ایک مسلمان کو اپنے اوپر خاص طور پر مشکل کے وقت صبر پر مجبور کرنا چاہیے۔ اس کے حصول کا بہترین طریقہ اسلامی علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ مثال کے طور پر جو شخص اللہ تعالیٰ کو جانتا ہے کہ وہ صبر کرنے والے مسلمان کو بے حساب اجر دے گا، وہ اس حقیقت سے ناواقف شخص سے زیادہ صبر کرنے کا امکان رکھتا ہے۔ باب 39 از زمر، آیت 10:

"بے شک، مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا [یعنی حد]..."

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ حقیقی صبر کسی صورت حال کے آغاز پر دکھایا جاتا ہے، بعد میں نہیں۔ جب کوئی بعد میں صبر کا مظاہرہ کرتا ہے، تو یہ قبولیت ہے، جس کا تجربہ سب سے زیادہ بے صبرے کو بھی ہوتا ہے۔

حقیقی امیر وہ ہے جو محتاج اور چیزوں کا لالچی نہ ہو۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی اس پر مطمئن ہو جاتا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے۔ یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی صحیح طور پر یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے لامحدود علم کے مطابق ہر ایک کو بہترین چیز دیتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ" "تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

یہ شخص واقعی امیر ہے جب کہ جو ہمیشہ چیزوں کا لالچی اور محتاج رہتا ہے وہ غریب ہے خواہ اس کے پاس بہت زیادہ دولت ہو۔ صحیح مسلم نمبر 2420 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس لیے رزق پر قناعت حقیقی دولت ہے جب کہ زیادہ کی حرص مفلس کو مفلس بنا دیتی ہے۔

آخر میں صبر کو اپنانا ضروری ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ہر عنصر میں اس کی ضرورت ہے۔ اس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے۔ آسان الفاظ میں دنیاوی یا دینی معاملات میں کامیابی صبر کے بغیر ممکن نہیں۔ لہٰذا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ایک عظیم تحفہ ہے جو اسے اپنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

مسائل کو چھوٹا بنائیں

جنگ حنین کے مال غنیمت کی تقسیم کے دوران ایک جاہل نے تبصرہ کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس تقسیم میں اللہ تعالیٰ کی بندگی کے خواہاں نہیں تھے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ غصے میں آگئے اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعا کی اور پھر فرمایا کہ مجھے اپنی قوم کی طرف سے زیادہ تکلیف ہوئی لیکن پھر بھی صبر کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 492 اور صحیح بخاری نمبر 4335 میں موجود حدیث میں بحث ہوئی ہے۔

مشکلات میں صبر کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اپنی مشکل کا ہمیشہ سخت اور سخت مشکلات سے موازنہ کیا جائے۔ جب کوئی ایسا کرے گا تو اس سے ان کا مسئلہ چھوٹا اور کم اہم معلوم ہوگا۔ توجہ میں یہ تبدیلی ایک مسلمان کو صبر کرنے اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہنے میں مدد دے سکتی ہے۔ اس کی وضاحت ایک دنیاوی مثال کے ذریعے کی جا سکتی ہے۔ شدید درد شقیقہ میں مبتلا شخص کو اس طرح متاثر کیا جاسکتا ہے کہ اسے لگتا ہے کہ دنیا ان کے گرد سمٹ رہی ہے۔ لیکن اگر یہی شخص کسی ایسے جہاز پر تھا جو برف کے تودے سے ٹکرا کر منجمد سمندر کے بیچ میں ڈوبنے والا ہے تو ان کا شدید درد شقیقہ کوئی بڑی بات نہیں لگتی۔ درحقیقت، وہ شاید اس سے بالکل بھی متاثر نہیں ہوں گے کیونکہ ان کی ساری توجہ جان لیوا خطرے یعنی ڈوبتے ہوئے جہاز کی طرف مبذول ہو جائے گی۔ مشکل کے وقت مسلمان کو ایسا ہی سلوک کرنا چاہیے۔ جب انہیں کسی مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو انہیں یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ بہت زیادہ خراب ہو سکتی تھی اور وہ ان مشکلات پر توجہ مرکوز کرنے کی کوشش کرتے ہیں جن کا انہیں سامنا ہو سکتا تھا۔ یہ دوسروں کا مشاہدہ کرکے حاصل کیا جاسکتا ہے جو ان سے زیادہ مشکل حالات میں ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک شخص جو کمر کے درد میں مبتلا ہے وہ اس شخص پر غور کر سکتا ہے جو جسمانی طور پر معذور ہے۔ یا وہ موت اور یومِ جزا جیسی بہت بڑی مشکلات پر غور کر سکتے ہیں۔ یہ موازنہ ان کی مشکل اور اس کے اثرات کی اہمیت کو کم کر دے گا، جس کے نتیجے میں انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر اور ثابت قدم رہنے میں مدد ملے گی، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔

مستقبل کے باغی

جنگ حنین کے مال غنیمت کی تقسیم کے دوران ذوالخواصیرہ نامی ایک منافق نے تبصرہ کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عدل و انصاف سے کام نہیں لے رہے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غصے میں آگئے اور جواب دیا کہ اگر میں نے انصاف نہیں کیا تو کون کرے گا؟ جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس صریح منافق کو قتل کرنے کی اجازت چاہی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ یہ شخص آخر کار ایک باغی گروہ کی قیادت کرے گا جو اسلام کے ایمان سے بالکل اسی طرح داخل اور خارج ہو جائے گا جس طرح تیر اپنے نشانے سے داخل ہو کر نکلتا ہے۔ انہوں نے نتیجہ اخذ کیا کہ جب یہ لوگ قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں تو یہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترتا، ان کے روحانی دلوں تک نہیں پہنچتا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 492-493 میں بحث کی گئی ہے۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے توبہ کی آیت 58 میں باب 9 نازل فرمایا:

"اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو صدقات کی تقسیم میں تم پر تنقید کرتے ہیں، اگر ان کو ان کی طرف سے دیا جائے تو وہ منظور کر لیتے ہیں، اور اگر ان سے نہ دیا جائے تو فوراً ناراض ہو جاتے ہیں۔"

اس پر امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ، اصباب النزول، 9:58، صفحہ 88 میں بحث کی گئی ہے۔

M کوئی بھی حدیث مثلاً صحیح بخاری نمبر 6934 میں ان باغیوں پر بحث کریں۔ ان باغیوں نے اسلام کے چوتھے صحیح رہنما خلیفہ علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی قیادت کو چیلنج کیا۔ یہ حدیث بھی بہت سی دوسری چیزوں کی طرح اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ باغی اکثر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے تھے لیکن جس چیز کی وجہ سے وہ اسلام کی حقیقی تعلیمات سے منحرف ہوئے وہ ان کی جہالت تھی۔ انہوں نے احمقانہ طور پر عبادت کو اسلامی علم حاصل کرنے اور اس

پر عمل کرنے سے زیادہ اہمیت دی۔ ان کی جہالت کی وجہ سے وہ اسلام کی تعلیمات کی غلط تشریح کر رہے تھے جس کی وجہ سے ان کے کبیرہ گناہ ہوئے۔ اگر ان کے پاس صحیح علم ہوتا تو ایسا نہ ہوتا۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ علم کس طرح گناہوں کو روک سکتا ہے، خاص طور پر دوسروں کے لیے، جیسے گھریلو زیادتی۔ ایک شخص صرف اس وقت دوسروں پر ظلم کرنے سے گریز کرتا ہے جب وہ اپنے اعمال کے نتائج سے ڈرتا ہو، یعنی دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جوابدہ اور سزا پانے کا۔ لیکن اپنے اعمال کے نتائج کے خوف کی بنیاد اور جڑ علم ہے۔ علم کے بغیر انسان اپنے اعمال کے نتائج سے کبھی نہیں ڈرتا۔ اس سے ان کی جہالت انہیں گناہوں اور دوسروں پر ظلم کرنے کی ترغیب دے گی۔

اگر معاشرہ لوگوں کے خلاف گھریلو زیادتیوں اور دیگر جرائم کے واقعات کو کم کرنا چاہتا ہے تو اسے علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کو ترجیح دینی چاہیے کیونکہ صرف عبادت سے ایسا نہیں ہو گا جس طرح اس نے باغیوں کو اسلام سے منحرف ہونے اور بے گناہوں کے لیے بڑی تکلیف کا باعث نہیں بنایا۔ باب 35 فاطر، آیت 28:

اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں‘‘۔’’

زیر بحث اہم واقعہ یہ بھی بتاتا ہے کہ یہ باغی قرآن پاک کی تعلیمات کو صحیح طور پر سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہے۔

امام منذری کی بیداری اور اندیشہ نمبر 30 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قرآن کریم قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس کی پیروی کرتے ہیں وہ قیامت کے دن اس کے ذریعہ جنت میں لے جائیں

گے۔ لیکن جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس کو نظرانداز کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ یہ انہیں قیامت کے دن جہنم میں دھکیل دے گا۔

قرآن پاک ہدایت کی کتاب ہے۔ یہ محض تلاوت کی کتاب نہیں ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک کے تمام پہلوؤں کو پورا کرنے کی کوشش کریں تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ یہ دونوں جہانوں میں کامیابی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ پہلا پہلو اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اسے کسی معتبر عالم کے ذریعے سمجھ لیا جائے۔ اور آخری پہلو یہ ہے کہ اس کی تعلیمات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کیا جائے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ قرآن پاک پر صحیح طریقے سے عمل کریں، جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی، قرآن پاک کا عملی نفاذ ہے۔ ایسا سلوک کرنے والوں کو دنیا کی ہر مشکل سے راہنمائی اور قیامت کے دن اس کی شفاعت کی بشارت دی جاتی ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

لیکن جیسا کہ مرکزی حدیث سے متنبہ کیا گیا ہے کہ قرآن کریم صرف ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو اس کے پہلوؤں پر صحیح طریقے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے سے گریز کرتے ہیں یا جان بوجھ کر اس کی غلط تشریح کرتے ہیں اور بجائے اپنی خواہشات کے مطابق عمل کرتے ہیں وہ قیامت کے دن اس صحیح ہدایت اور اس کی شفاعت سے محروم رہیں گے۔ درحقیقت دونوں جہانوں میں ان کا مکمل نقصان اس وقت تک بڑھے گا جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں۔ باب 20 طہٰ، آیت 124:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔"

آخر میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ قرآن پاک اگرچہ دنیاوی مسائل کا علاج ہے لیکن مسلمان کو صرف اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ یعنی قرآن کریم کو ایک آلے کی طرح سمجھ کر نہ صرف اس کی تلاوت کریں تاکہ وہ اپنے دنیوی مسائل کو حل کر سکیں، جسے مشکل کے وقت دور کیا جاتا ہے اور پھر مسئلہ حل ہونے پر اسے دوبارہ ٹول باکس میں رکھ دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کا بنیادی کام دنیا کی مشکلات میں رہنمائی کرنا ہے تاکہ آخرت میں محفوظ طریقے سے پہنچ سکے۔ یہ مقصد قرآن کریم کو سمجھے اور اس پر عمل کیے بغیر پورا ہونا ممکن نہیں۔ اندھی تلاوت ہی کافی نہیں ہے۔ اس اہم کام کو نظر انداز کرنا اور اسے صرف اپنے دنیوی مسائل کے حل کے لیے استعمال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ ایک سچے مسلمان کے طرز عمل کے خلاف ہے۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جو بہت سے مختلف لوازمات کے ساتھ کار خریدتا ہے لیکن اسے نہیں چلایا جا سکتا، جو کہ کار کا بنیادی مقصد ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شخص محض بے وقوف ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 82:

"اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔"

رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک

جنگ حنین کے اسیروں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن شمع رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔ جب وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی پیٹھ پر کاٹنے کے نشان کی یاد دلاتے ہوئے ثابت کیا کہ وہ کون ہے، جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے تھا، جب وہ شیر خوار تھے۔ پھر اس نے اپنی چادر اس کے بیٹھنے کے لیے پھیلا دی اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا۔ اس نے اسلام قبول کیا اور اس نے اسے اپنے ساتھ رہنے کا اختیار دیا، جہاں وہ اس کی بہت عزت کرے گا، یا وہ تحفے اور سامان کے ساتھ اپنے لوگوں کے پاس واپس آسکتی ہے۔ اس نے مؤخر الذکر آپشن کا انتخاب کیا اور اس لیے اسے اعزاز اور تحائف کے ساتھ رہا کر دیا گیا۔ اس پر ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 494 میں بحث کی گئی ہے۔

رشتہ داری کو برقرار رکھنا اسلام کا ایک اہم پہلو ہے جسے اگر کوئی کامیابی چاہتا ہے تو اسے دونوں جہانوں میں ایمان کی حقیقی نشانی یہ نہیں ہے کہ سارا دن مسجد میں ترک نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی اور مخلوق کے حقوق کی ادائیگی ہے۔ مخلوق کے سب سے اہم حقوق میں سے ایک رشتہ داری کو برقرار رکھنا ہے۔ کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا لیکن اللہ تعالیٰ کو شخص اسلامی لباس پہن کر تقویٰ کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ تاریخ کے اوراق ہمیشہ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں نے رشتہ جب کوئی مڑتا ہے۔ داریوں کو نبھایا۔ یہاں تک کہ جب ان کے رشتہ داروں نے ان کے ساتھ بدسلوکی کی تب بھی انہوں نے مہربانی سے جواب دیا۔ باب 41 فصیلات، آیت 34:

"اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، برائی کو اس سے دور کرو جو بہتر ہو، پھر جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسے وہ ایک مخلص دوست ہو۔"

صحیح مسلم نمبر 6525 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص رشتہ داریوں کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ ان کے لیے ہمیشہ اس کی مدد کرتا ہے خواہ اس کے رشتہ دار مشکلات کا شکار ہوں۔

مومن مخلص اچھائی کا جواب اچھائی سے دینا کوئی خاص بات نہیں جبکہ برائی کا اچھا جواب دینا کوئی زیادہ تر معاملات میں، جب کی نشانی ہے۔ سابقہ رویہ جانوروں میں بھی دیکھا جاتا ہے۔ میں کسی جانور کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے تو اس کے بدلے میں پیار واپس آتا ہے۔ صحیح بخاری برقرار نمبر 5991 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ رشتہ داری کو صحیح معنوں میں حضور نبی رکھنے والا وہ ہے جو رشتہ داروں سے قطع تعلق کرتے ہوئے بھی رشتہ قائم رکھے۔ اکثر رشتہ داروں کی طرف سے لیکن اپنے اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلسل دہشت زدہ تھے۔ اس نے ہمیشہ ان کے ساتھ شفقت کا مظاہرہ کیا۔

یہ بات عام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کے بغیر کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا ۔ لیکن صحیح بخاری نمبر 5987 میں موجود ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر اعلان کیا ہے کہ جو شخص دنیاوی وجوہات کی بنا پر رشتہ داریاں توڑے گا اس سے وہ رشتہ توڑ دے گا۔ ذہن میں فرض نماز جیسی عبادات کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کی رکھو، یہ قطع نظر سچ ہے اگر اللہ تعالیٰ کسی مسلمان سے رشتہ منقطع کر ۔ ادائیگی کے لیے کتنی جدوجہد کرنی پڑتی ہے دے تو وہ اس کا قرب اور ابدی کامیابی کیسے حاصل کر سکتا ہے؟

لوگوں کو موقع دینے اس کے علاوہ، زیادہ تر معاملات میں اللہ تعالیٰ عذاب میں تاخیر کرتا ہے۔ توبہ کرنا لیکن دنیاوی وجوہات کی بنا پر رشتہ داری کو توڑنے کی سزا بہت کے لیے گناہوں کا جلد ملتی ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 4212 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

بدقسمتی سے آج دنیا میں تعلقات منقطع کرنے کا رواج عام دیکھا جاتا ہے۔ لوگ چھوٹی موٹی دنیاوی وجوہات کی بنا پر رشتہ داریوں کو آسانی سے توڑ دیتے ہیں۔ وہ کسی بھی نقصان کو پہچاننے میں جو مادی دنیا میں ہوتا ہے وہ عارضی ہوتا ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ سے ان کا تعلق ناکام رہتے ہیں۔ منقطع ہو جائے تو دونوں جہانوں میں انہیں طویل مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

جب کوئی اپنے وجہ جو اسلامی معاشرے میں عام طور پر دیکھی جاتی ہے۔ ٹوٹنے یا ٹوٹنے کی پیشے کے ذریعے اعلیٰ سماجی مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ انہیں اپنے رشتہ داروں کو ترک کرنے جیسا کہ انہیں یقین ہے کہ وہ اب ان کے ساتھ بات چیت کرنے کے قابل نہیں کی ترغیب دیتا ہے۔ سے ان کی محبت انہیں بے حیائی کے دروازے پر دھکیل دیتی سماجی حیثیت ہیں۔ اپنی دولت اور صرف ان سے ان کی دولت چھیننا چاہتے ہیں۔ ہے جو انہیں یقین دلاتی ہے کہ ان کے رشتہ دار

،قرآن کریم بتاتا ہے کہ ان بندھنوں کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا۔ باب 4 النساء
:آیت 1

،اور اس اللہ سے ڈرو جس کے ذریعے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رحم سے بھی''
''بے شک اللہ تم پر ہمیشہ دیکھنے والا ہے۔

یہ آیت بھی واضح طور پر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رشتہ داری کو برقرار رکھے بغیر تقویٰ وہ اسے زیادہ عبادت کے ذریعے حاصل کر سکتے ۔ تو جو لوگ ایمان لائے سکتا حاصل نہیں ہو اس لیے اپنے رویے کو بدلنا چاہیے۔ اور روزے غلط ثابت ہوئے ہیں ہیں۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کی ان معاملات میں مدد کر کے تمام رشتہ داریوں کو برقرار رکھیں جو جب بھی اور جہاں بھی ممکن ہو اچھے ہوں۔ انہیں ایک تعمیری ذہنیت معاشرے کے فائدے کی بجائے رشتہ داروں کو متحد کرتا ہے۔ جو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے سنن ابوداؤد نمبر 4919 میں ایک تباہ کن ذہنیت جو صرف خاندانوں میں تقسیم کا باعث بنتی ہے۔ موجود ایک حدیث کے مطابق لوگوں میں تفرقہ ڈالنا تباہی کا باعث بنتا ہے۔

:رشتہ توڑنے والوں پر قرآن پاک میں لعنت کی گئی ہے۔ باب 47 محمد، آیات 22-23

تو کیا تم اگر منہ موڑو گے تو زمین میں فساد برپا کرو گے اور اپنے تعلقات توڑ دو گے؟’’

دنیا میں یا آخرت اور اس کی رحمت سے محروم ہوں تو اللہ تعالیٰ کی لعنت میں گھرے ہوئے ہوں میں کوئی اپنی جائز خواہشات کیسے حاصل کرسکتا ہے ؟

حکم نہیں دیتا اور نہ ہی یہ ان اپنے رشتہ داروں کی کفالت میں اپنی وسعت سے تجاوز کرنے کا سے یہ کہتا ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے لیے اللہ تعالیٰ کی حدود کو قربان کر دیں کیونکہ اگر خالق کی نافرمانی اس کی تصدیق سنن ابوداؤد اس کا مطلب ہے تو مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔ نمبر 2625 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا کبھی بھی اپنے رشتہ داروں کو برائیوں میں اپنے رشتہ داروں کو نیکی کا ایک مسلمان کو چاہئے ، شامل نہیں کرنا چاہیے۔ اس صورت میں کا احترام کرتے ہوئے انہیں برائی سے نرمی سے روکیں۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2 حکم دیں اور ان:

‘‘اور نیکی اور پرہیزگاری میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔ ’’

اللہ کی رضا حاصل کیا جاتا ہے ۔ کے ذریعہ رشتہ داری کو برقرار رکھنے والے بے شمار فوائد کے لیے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو بندہ جوڑتا ہے اس کے رزق میں اور ان کی زندگی میں اضافی فضل ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 1693 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا رزق خواہ .اور جسم سکون ملے گا ۔ کتنا ہی کم کیوں نہ ہو ان کے لیے کافی ہو گا اور اس سے انہیں ذہنی زندگی میں فضل کا مطلب ہے کہ وہ اپنے تمام دینی اور دنیاوی فرائض کو پورا کرنے کے لیے مسلمان اپنی ساری زندگی اور مال حاصل کرنے کی کوشش میں وقت نکالیں گے۔ یہ دو نعمتیں ہیں۔ صرف کرتے ہیں لیکن بہت سے لوگ اس بات کو پہچاننے میں ناکام رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان رشتہ داریوں کو برقرار رکھنے میں دونوں کو رکھا ہے۔

کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں ہے رشتہ داریاں نبھانا اس قدر ضروری رشتہ داروں کے ساتھ بھی اس اہم فرض کو پورا کریں ۔ اس کی تلقین اپنے غیر مسلم کو حکم دیا۔ کرنے والی ایک حدیث صحیح مسلم نمبر 2324 میں موجود ہے۔

شیطان کے پھندے میں سے ایک یہ ہے کہ وہ رشتہ داروں اور معاشرے میں تفرقہ پیدا کرنا چاہتا اور سماجی تقسیم .اس کا حتمی مقصد اسلام کو بحیثیت قوم ہے جس سے خاندان ٹوٹ جاتے ہیں۔ کمزور کرنا ہے۔ بدقسمتی سے، کچھ لوگ رنجشوں کو پناہ دینے کے لیے بدنام ہو گئے ہیں جو کئی اور نسل در نسل منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ ایک شخص دہائیوں تک کسی تک جاری رہتے ہیں دہائیوں ان سے دوبارہ کبھی وہ رشتہ دار کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا لیکن ایک غلطی اور دلیل کے بعد بات نہیں کرے گا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6526 میں ہے کہ ایک مسلمان کے لیے کسی دنیاوی معاملے میں دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ تعلقات منقطع رکھنا ناجائز ہے۔ اگر غیر رشتہ داروں سے رشتہ توڑنے کا یہ حکم ہے تو کیا رشتہ داروں سے رشتہ توڑنے کی سنگینی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے؟ صحیح بخاری نمبر 5984 میں اس کا جواب دیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ یہ سوال وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا ہے کہ جو شخص کسی رشتہ دار سے دنیوی وجوہات کی بناء پر تعلق توڑے گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔

اس اہم موضوع پر بحث کرنے والی آیات اور احادیث پر غور کرنا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ اگر اللہ عشرہ کے گناہوں کے بعد بھی اپنے دروازے بند نہیں کرتا اور لوگوں کے ساتھ اپنے سرور کا واسطہ نہیں دیتا تو لوگ چھوٹے چھوٹے دنیوی معاملات میں اپنے رشتہ داروں سے اتنی آسانی سے کیوں منہ موڑ لیتے ہیں؟ اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے ان کے تعلق کو برقرار رکھنا چاہتا ہے تو اسے تبدیل ہونا چاہیے۔

اچھا کرنا

جنگ حنین کے مال غنیمت کی تقسیم کے بعد قبیلہ ہوازن نے ایک وفد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور ان کے قبول اسلام کا اعلان کیا اور ان سے مال غنیمت میں سے کچھ واپس کرنے کا مطالبہ کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے سوال کیا کہ کیا انہوں نے اپنا مال واپس کرنے کو ترجیح دی یا ان کے اسیر رشتہ داروں کو واپس کر دیا جائے۔ ہوازن کے وفد نے جواب دیا کہ وہ اپنے رشتہ داروں کی رہائی کو ترجیح دیتے ہیں۔ پھر آپ نے انہیں نصیحت کی کہ نماز باجماعت کے بعد اٹھیں اور عوامی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تاکید کریں کہ وہ اپنے گرفتار کیے گئے رشتہ داروں کو ان کے حوالے کر دیں۔ جب انہوں نے ہدایت کے مطابق عمل کیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً جواب دیا اور اعلان کیا کہ مال غنیمت میں سے جو قیدی ان کے حصہ میں آئیں گے انہیں فوراً واپس کر دیا جائے گا۔ مکہ اور مدینہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فوراً اپنے اسیروں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا کہ وہ ان کے ساتھ جیسا چاہیں کریں۔ نئے تبدیل ہونے والے مسلمانوں میں سے کچھ نے اپنے اسیروں کو ہوازن وفد کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر ان سب کو اپنی خواہش کی تعمیل کرنے کی تاکید کی اور اگلی جنگ میں ان کو ملنے والے مال غنیمت میں بہت زیادہ حصہ دینے کا وعدہ کیا۔ آخرکار تمام مسلمانوں نے اسیروں کو رہا کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا کہ وہ واپس ہوازن وفد کو بھیج دیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرتِ نبوی، جلد 3، صفحہ 493 اور امام صفی الرحمن کی، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 414-415 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا جواب دینے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے، خواہ کسی کی خواہشات کے خلاف ہو۔ باب علی عمران، آیت 92 3:

”تم ہرگز نیکی کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ تم اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے خرچ نہ کرو اور جو کچھ بھی خرچ کرو، اللہ اس کو جانتا ہے۔“

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ کوئی شخص سچا مومن نہیں ہو سکتا، یعنی وہ اپنے ایمان میں نقص رکھتا ہے، جب تک کہ وہ اپنی پسند کی چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔ اگرچہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ اس آیت کا اطلاق دولت پر ہوتا ہے لیکن حقیقت میں اس کا مطلب بہت زیادہ ہے۔ اس میں ہر وہ نعمت شامل ہے جسے ایک مسلمان پسند اور پسند کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، مسلمان اپنے قیمتی وقت کو ان چیزوں پر صرف کرنے میں خوش ہوتے ہیں جو انہیں خوش کرتی ہیں۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ان فرضی فرائض سے ہٹ کر وقت دینے سے انکار کرتے ہیں جو ایک دن میں بمشکل ایک یا دو گھنٹے لگتے ہیں۔ لاتعداد مسلمان ابھی تک مختلف خوشگوار سرگرمیوں میں اپنی جسمانی طاقت کو وقف کرنے پر خوش ہیں، ان میں سے بہت سے لوگ اسے ان چیزوں کے لیے وقف کرنے سے انکار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتی ہیں، جیسے کہ رضاکارانہ روزہ۔ عام طور پر لوگ ان چیزوں میں کوشش کرنے میں خوش ہوتے ہیں جن کی وہ خواہش کرتے ہیں جیسے کہ ضرورت سے زیادہ مال حاصل کرنا جس کی انہیں ضرورت نہیں ہے خواہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اوور ٹائم کرنا پڑے اور اپنی نیند ترک کرنا پڑے پھر بھی کتنے ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے بچتے ہوئے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں؟ کتنے لوگ نماز ادا کرنے کے لیے اپنی قیمتی نیند ترک کر دیتے ہیں؟

یہ عجیب بات ہے کہ مسلمان ابھی تک حلال دنیاوی اور دینی نعمتوں کے خواہاں ہیں، ایک سادہ سی حقیقت کو نظر انداز کرتے ہیں۔ کہ یہ چیزیں انہیں تب ہی حاصل ہوں گی جب وہ اپنے پاس موجود نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کریں گے۔ وہ کیسے کم سے کم چیزیں اس کے لیے وقف کر سکتے ہیں اور پھر بھی اپنے تمام خوابوں کو حاصل کرنے کی توقع رکھتے ہیں؟ یہ رویہ واقعی عجیب ہے۔

برائی کے خلاف اچھا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ چل رہے تھے کہ ایک اعرابی آپ کے پاس آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر کو اس قدر کھینچا کہ کندھے پر نشان رہ گیا۔ اس اعرابی نے بدتمیزی کے ساتھ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ مال دینے کا مطالبہ کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور اعرابی کو کچھ مال دینے کا حکم دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 489 میں بحث کی گئی ہے۔

برائی کا برائی سے جواب دینا آسان ہے۔ لیکن جو چیز ایک مسلمان کو خاص بناتی ہے وہ یہ ہے کہ جب وہ برائی کا جواب اچھائی سے دیتے ہیں۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس طرح برتاؤ کرنے سے کسی بھی شخص کے درجے میں کبھی کمی نہیں آئے گی۔ ورنہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح عمل نہ کرتے۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 2029 میں ایک حدیث پائی گئی ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ جب کوئی برائی کا جواب اچھائی سے دیتا ہے، جیسے کہ دوسروں کو معاف کرنا، تو اللہ تعالیٰ ان کی عزت بلند کرتا ہے۔ لہٰذا یہ رویہ نہ صرف دوسروں کو فائدہ پہنچاتا ہے بلکہ اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ یہ خود مسلمانوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 34:

" اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، برائی کو اس)عمل (سے دور کرو جو بہتر ہو، پھر جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسے وہ ایک مخلص دوست ہو۔"

اس کے علاوہ، جیسا کہ اس آیت میں نصیحت کی گئی ہے کہ اگر کوئی یہ رویہ اختیار کرے گا تو وہ پائیں گے کہ جو لوگ ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے وہ آخر کار اپنے عمل پر شرمندہ ہو جائیں گے اور اپنا رویہ بدل لیں گے۔ یہاں تک کہ سخت ترین دل بھی بالآخر متاثر ہو جاتے ہیں جب اس طریقے سے علاج کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، جب شوہر اپنی بیوی سے بدتمیزی کرتا ہے تو اس کے لیے بہتر ہے کہ وہ منفی جواب سے اوپر اٹھ کر اس کے بجائے اچھے انداز میں جواب دے۔ اس سے شوہر اپنی بیوی سے زیادہ عزت اور محبت کرے گا۔ جب کام پر کوئی ساتھی برے رویے کا مظاہرہ کرتا ہے تو اسے اچھے اخلاق سے جواب دے کر ایک سچے مسلمان کی

خوبی دکھانا بہتر ہے۔ جب کوئی اس طرح کا برتاؤ کرے گا تو اس کے آس پاس کے لوگ ان کا احترام اور پیار کریں گے جس کی وجہ سے ان کی زندگی آسان ہو جائے گی۔ لیکن جب کوئی شخص برائی کا جواب برائی سے دیتا ہے تو اسے ہمیشہ دوسروں کی طرف سے مزید برائیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس سے دونوں جہانوں میں اس کی زندگی مشکل ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی ایک لمحے کے لیے اس پر غور کرے تو یہ بالکل واضح ہے۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ جب دوسرے حد سے تجاوز کرتے ہیں تو پھر کسی کو اپنا دفاع کرنا چاہئے اور اس شخص سے الگ ہونا چاہئے۔ لیکن اکثر صورتوں میں برے کردار کا جواب اچھے کردار سے دینا چاہیے۔

ایک کامیاب حج

غزوہ طائف کے بعد جو کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ ہجرت کے آٹھویں سال پیش آیا، آپ نے زیارت)عمرہ (کی اور پھر مدینہ واپس چلے گئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 500 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 1773 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ قبول شدہ حج کا ثواب جنت کے سوا کچھ نہیں۔

حج کا اصل مقصد مسلمانوں کو آخرت کے آخری سفر کے لیے تیار کرنا ہے۔ جس طرح ایک مسلمان حج کے لیے اپنے گھر، کاروبار، دولت، خاندان، دوست احباب اور سماجی حیثیت کو پیچھے چھوڑتا ہے، یہ اس کی موت کے وقت ہوگا، جب وہ آخرت کا سفر طے کرے گا۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 2379 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ کسی شخص کے اہل و عیال ان کو قبر پر چھوڑ دیتے ہیں اور ان کے اچھے اور برے اعمال ہی ان کے پاس رہتے ہیں۔

جب کوئی مسلمان اپنے حج کے دوران اس بات کو ذہن میں رکھے گا تو وہ اس فرض کے تمام پہلوؤں کو صحیح طریقے سے ادا کرے گا۔ یہ مسلمان ایک بدلے ہوئے انسان کے گھر واپس آئے گا، کیونکہ وہ اس مادی دنیا کے اضافی پہلوؤں کو جمع کرنے کے بجائے آخرت کے اپنے آخری سفر کی تیاری کو ترجیح دیں گے۔ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں کوشش کریں گے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کریں گے اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کریں گے، جس میں فضول خرچی اور اسراف کے بغیر اپنی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے دنیا سے لے جانا بھی شامل ہے۔ اس سے وہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں گے جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ حج کو تعطیل اور خریداری کے سفر کے طور پر نہ سمجھیں کیونکہ یہ رویہ اس کے مقصد کو ختم کر دیتا ہے۔ اسے مسلمانوں کو ان کے آخرت کے آخری سفر کی یاد دلانا چاہیے، ایسا سفر جس کی واپسی اور کوئی دوسرا موقع نہیں ہے۔ صرف اسی سے انسان کو حج کی صحیح تکمیل اور آخرت کے لیے مناسب تیاری کرنے کی ترغیب ملے گی۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا اس کو ان کی مقدس زیارت سے جنت میں لے جایا جائے گا۔

خطرے کا سامنا

طائف کی ناکام مہم جو کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال ہوئی تھی، طائف کے کچھ باشندوں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا، کیونکہ یہ جزیرہ نمائے عرب پر غالب تھا۔ ان باشندوں میں سے ایک عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے جو طائف کے لوگوں کے سرداروں میں سے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے قبیلہ بنو ثقیف کو اسلام کی طرف بلانے کی اجازت چاہی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں خبردار کیا کہ وہ اسے قتل کر دیں گے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کا قبیلہ کتنا ضدی اور خطرناک ہے۔ لیکن اس نے جواب دیا کہ اس کا قبیلہ اس سے محبت کرتا ہے اور اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ جب وہ گھر واپس آیا اور اپنے قبیلے کو کھلے عام اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے اس پر تیروں سے حملہ کر کے اسے شہید کر دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب حیاتِ نبوی، جلد 3، صفحہ 500 اور امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 1777-1778 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے ان مشکلات پر قابو پانے کا مطالبہ نہیں کرتا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے برداشت کیں۔ مثال کے طور پر، وہ مکہ سے مدینہ ہجرت کر گئے جہاں انہوں نے اپنے گھر والوں، گھروں، کاروباروں کو پیچھے چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ کی خاطر ایک اجنبی سرزمین کی طرف ہجرت کی۔

اس کے مقابلے میں مسلمانوں کو اس وقت جن مشکلات کا سامنا ہے وہ اتنا مشکل نہیں جتنا کہ صالح پیشروؤں کو درپیش تھا۔ لہٰذا مسلمانوں کو شکر گزار ہونا چاہیے کہ ان سے صرف چند چھوٹی قربانیاں کرنے کی ضرورت ہے، جیسے فرض فجر کی نماز ادا کرنے کے لیے کچھ نیند کی قربانی اور فرض صدقہ کرنے کے لیے کچھ مال۔ اللہ تعالیٰ ان کو یہ حکم نہیں دے رہا ہے کہ وہ اپنے گھر اور اہل و عیال کو اس کی خاطر چھوڑ دیں۔ اس شکر کو عملی طور پر ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے ظاہر کیا جانا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ، جب کسی مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اسے ان مشکلات کو یاد رکھنا چاہیے جو نیک پیشرووں کو پیش آئیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی سے ان پر کیسے قابو پایا، جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ علم ایک مسلمان کو اپنی مشکلات پر قابو پانے کی طاقت فراہم کر سکتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ صالح پیش رو اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب تھے، پھر بھی انہوں نے صبر کے ساتھ زیادہ سخت مشکلات کو برداشت کیا۔ درحقیقت سنن ابن ماجہ نمبر 4023 میں موجود ایک حدیث اس بات کی نصیحت کرتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے سخت ترین امتحانات کو برداشت کیا اور وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

اگر کوئی مسلمان نیک پیشرووں کے ثابت قدمی کی پیروی کرتا ہے تو امید ہے کہ وہ آخرت میں ان کے ساتھ ہو گا۔

ایک سادہ زندگی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ شہر فتح ہوا۔ مکہ سے نکلتے وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ کا انچارج مقرر کیا اور انہیں چاندی کا ایک سکہ یومیہ تنخواہ دیا۔ عتاب رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اگر وہ ایک دن میں چاندی کے ایک سکے سے سیر نہ ہو جائے تو وہ بھوکا اور لالچی رکھے۔ اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ اس دن کے بعد اسے دولت کمانے کے سلسلے میں کسی کی ضرورت نہیں رہی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 500-501 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ سادہ طرز زندگی اپنانے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4118 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ سادگی ایمان کا حصہ ہے۔

اسلام مسلمانوں کو اپنی تمام دولت اور جائز خواہشات کو ترک کرنے کا درس نہیں دیتا بلکہ یہ ان کو اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں مثلاً خوراک، لباس، مکان اور کاروبار میں سادہ طرز زندگی اپنانے کا درس دیتا ہے تاکہ انہیں آخرت کی تیاری کے لیے مناسب وقت فراہم کیا جائے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنا شامل ہے۔ اس سادہ زندگی میں اس دنیا میں کوشش ،کرنا بھی شامل ہے تاکہ کسی کی ضرورتوں اور ان کے محتاجوں کی ضرورتوں کو بغیر زیادتی فضول خرچی اور اسراف کے پورا کیا جا سکے۔ ایک سادہ زندگی پر جتنا زیادہ توجہ مرکوز کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کا استعمال کرنا اتنا ہی آسان ہو جاتا ہے - یہ دونوں جہانوں میں امن اور کامیابی کا باعث بنتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ جتنی سادہ زندگی گزاریں گے، وہ دنیاوی چیزوں پر اتنا ہی کم دباؤ ڈالیں گے اور اس لیے وہ آخرت کے لیے اتنا ہی زیادہ کوشش کر سکیں گے، جس سے ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل ہو گا۔ لیکن ایک شخص کی زندگی جتنی زیادہ پیچیدہ ہوگی، وہ اتنا ہی زیادہ دباؤ ڈالے گا، مشکلات کا سامنا کرے گا اور اپنی آخرت کے لیے کم کوشش کرے گا، کیونکہ دنیاوی چیزوں سے اس کی مصروفیات کبھی ختم ہوتی نظر نہیں آئیں گی۔ یہ رویہ انہیں ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل کرنے سے روک دے گا۔

سادگی دنیا میں آسودگی کی زندگی اور قیامت کے دن سیدھا حساب کتاب کا باعث بنتی ہے۔ جب کہ ایک پیچیدہ اور عیش و عشرت کی زندگی صرف ایک دباؤ والی زندگی اور قیامت کے دن سخت اور مشکل حساب کتاب کا باعث بنے گی۔ جتنا سخت احتساب ہو گا، اتنی ہی زیادہ سزا ملے گی۔ صحیح بخاری نمبر 103 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ہجرت کے بعد نواں سال

حلال کی پابندی کرنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال آپ نے چند آدمیوں کو مختلف علاقوں میں صدقہ فطر جمع کرنے کے لیے روانہ کیا۔ ان میں سے ایک شخص واپس آیا اور اس نے جو فرض صدقہ جمع کیا تھا وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کر دیا، پھر بھی کچھ مال اپنے پاس رکھ لیا اور کہا کہ یہ اسے بطور تحفہ دیا گیا ہے۔ اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا جس میں آپ نے اس شخص کا نام نہیں لیا تاکہ وہ شرمندہ نہ ہوں لیکن اس کے اعمال پر بحث کی۔ انہوں نے اپنے کیے پر کڑی تنقید کی اور واضح کیا کہ یہ تحفہ انہیں صرف اس لیے دیا گیا تھا کہ وہ صدقہ فطر جمع کر رہے تھے۔ انہوں نے واضح کیا کہ لیڈر کی طرف سے خیرات جمع کرنے والے کو صرف وہی دولت الاٹ کی گئی ہے جو ان کے لیے حلال ہے۔ اس کا تذکرہ صحیح بخاری نمبر 7174 اور امام محمد السلّابی رحمۃ اللہ علیہ، جلد 1، صفحہ 1798-1800 میں موجود ہے۔

اس صورت حال میں تحفہ لینا رشوت سمجھا جاتا ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1337 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں ملعون ہیں۔

لعنت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کو ختم کرنا شامل ہے۔ جب ایسا ہوتا ہے تو دنیوی اور دینی معاملات میں حقیقی پائیدار امن اور کامیابی ممکن نہیں رہتی۔ جو بھی دنیاوی کامیابی، مثلاً مال رشوت کے ذریعے حاصل ہوتا ہے، وہ دونوں جہانوں میں بڑی مشکل، تناؤ اور عذاب کا باعث بن جائے گا، بشرطیکہ کوئی سچے دل سے توبہ کرے۔ چونکہ رشوت غیر قانونی ہے، اس لیے کوئی بھی نیکی

جس پر اس کا استعمال کیا جائے، رد کر دیا جائے گا اور اسے گناہ کے طور پر درج کیا جائے گا۔ رشوت لینے والا اگر کسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں کامیاب ہو جائے تو بھی لوگوں کے خلاف اس کے گناہ انہیں قیامت کے دن تباہی کی طرف لے جائیں گے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

مزید برآں، اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر ایمان کے تین پہلوؤں کا صحیح طور پر پورا ہونا ممکن نہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا۔

بدقسمتی سے اس دور میں رشوت کا بڑا گناہ دنیا کے تمام حصوں میں بہت عام ہو چکا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تیسری دنیا کے ممالک میں یہ کھلے عام اور زیادہ ترقی یافتہ ممالک میں خفیہ طور پر کیا جاتا ہے۔ زیادہ تر معاملات میں، رشوت میں ایک شخص شامل ہوتا ہے جو بااثر لوگوں کو تحفہ پیش کرتا ہے، جیسے کہ جج، کچھ حاصل کرنے کے لیے جو ان کی نہیں ہے۔ صرف اس وقت رشوت کو گناہ کے طور پر درج نہیں کیا جائے گا جب کسی کو اپنی جائیداد کی واپسی کے لیے رشوت دینے پر مجبور کیا جائے۔ اس معاملے میں لعنت ہے رشوت لینے والے پر۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اگر مسلمان بحیثیت مجموعی رشوت خوری اور دیگر بدعنوانی کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو انہیں خود ان سے بچنا چاہیے۔ جب یہ درست رویہ انفرادی سطح پر اپنایا جائے گا تو اس کا اثر سماجی اور سیاسی عہدوں پر فائز افراد پر پڑے گا۔ ان لوگوں کے اس طرح کام کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ معاشرے کو بذات خود بدعنوانی پر عمل کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ لیکن اگر معاشرہ، انفرادی سطح پر، ان طریقوں کو مسترد کرتا ہے، تو کوئی سماجی یا سیاسی اثر و رسوخ رکھنے والا شخص اس طرح سے کام کرنے کی ہمت نہیں کرے گا، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ لوگ اس کے لیے کھڑے نہیں ہوں گے۔

تبوک کی جنگ

آسانی اور مشکل میں اطاعت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں، جوں جوں اسلام کی طاقت بڑھ رہی تھی۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت گرمی اور تکلیف کے دور میں جنگ تبوک کی تیاری کرنے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ یہ سفر طویل اور انتہائی مشکل ہوگا۔ اس مہم میں کل 30,000 سپاہی اس کے ساتھ شامل ہوئے لیکن کچھ نے غفلت یا منافقت کی وجہ سے پیچھے ہٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر تنقید کرتے ہوئے قرآن پاک کی بہت سی آیات نازل کیں، جیسے کہ باب 9 توبہ، آیت 38:

"اے ایمان والو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم زمین پر جم جاتے ہو، کیا تم آخرت کی بجائے دنیا کی زندگی پر راضی ہو؟ لیکن آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کا مزہ کیا ہے سوائے تھوڑے کے۔"

9:38، اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 1 اور امام واحدی کی، اصباب النزول، صفحہ 87 میں بحث کی گئی ہے۔

زندگی میں ایک مسلمان کو ہمیشہ یا تو آسانی کے وقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا پھر مشکل کا۔ کوئی بھی شخص کچھ مشکلات کا سامنا کیے بغیر صرف آسانی کے اوقات کا تجربہ نہیں کرتا ہے۔ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اگرچہ تعریف کے اعتبار سے مشکلات کا مقابلہ کرنا مشکل ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حقیقی عظمت اور بندگی کو حاصل کرنے اور اس کے اظہار کا ذریعہ ہیں۔ اس کے

علاوہ، زیادہ تر معاملات میں لوگ زندگی کے اہم اسباق سیکھتے ہیں جب انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور پھر جب وہ آسانی کے وقت کا سامنا کرتے ہیں۔ اور لوگ اکثر آسانی کے اوقات کے مقابلے مشکل کے وقت کا سامنا کرنے کے بعد بہتر کے لیے بدل جاتے ہیں۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے صرف اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت، اگر کوئی قرآن پاک کا مطالعہ کرے تو وہ سمجھے گا کہ زیر بحث واقعات کی اکثریت، جیسے کہ اس میں مشکلات شامل ہیں۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ حقیقی عظمت ہمیشہ آسانی کے اوقات کا تجربہ کرنے میں مضمر نہیں ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے مشکلات کا سامنا کرنا، اس کے احکام کو بجا لانا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا ہے۔ یہ اس حقیقت سے ثابت ہے کہ اسلامی تعلیمات میں جن بڑی مشکلوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک کا خاتمہ ان لوگوں کے لیے حتمی کامیابی پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ لہٰذا ایک مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنے کی فکر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ صرف ان کے لیے چمکنے کے لمحات ہیں اور سچی اطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی کا اعتراف کرتے ہیں۔ یہ دونوں جہانوں میں حتمی کامیابی کی کلید ہے۔

مزید برآں، مشکلات کا سامنا ان لوگوں کو الگ کرتا ہے جو سچے دل سے اللہ کی اطاعت کرتے ہیں، ان لوگوں سے جو صرف زبانی طور پر اس پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں۔ جو شخص مشکل کے وقت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہتا ہے، اسلامی تعلیمات میں بیان کردہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کر کے، اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کو ثابت کرتا ہے، کیونکہ آسانی کے وقت اللہ کی اطاعت کرنا اکثر آسان ہوتا ہے۔ مزید برآں، ایک مسلمان کو مضبوط ایمان حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ یہ انہیں آسانی اور مشکل دونوں وقتوں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے میں مدد فراہم کرے گا۔ پختہ ایمان تب حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص قرآن پاک میں موجود واضح دلائل و شواہد کو سیکھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات جو اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ کس قدر خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنتی ہے۔ دوسری طرف جو اسلامی تعلیمات سے غافل رہے گا وہ کمزور ایمان حاصل کر لے گا۔ یہ شخص جب بھی ان کی خواہشات کے خلاف ہو گا تو آسانی سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا کیونکہ وہ یہ دیکھنے میں ناکام رہتے ہیں کہ کس طرح اپنی خواہشات کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے سے دونوں جہانوں میں سکون ملتا ہے۔ لہٰذا اسلامی علم سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے ایمان کا یقین حاصل کرنا چاہیے تاکہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہے۔ اس میں ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا شامل ہے جو کسی کو عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ دونوں جہانوں میں ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرکے اور ہر ایک اور ہر چیز کو اپنی زندگی میں صحیح طریقے سے رکھ کر ذہنی سکون حاصل کریں۔

برکات کا استعمال

چونکہ تبوک کی مہم انتہائی مشکل تھی، اس لیے کچھ لوگ غفلت یا منافقت کی وجہ سے اس میں شامل ہونے سے باز رہے۔ بعض نے اپنی دنیاوی مصروفیات اور وسائل کی کمی کی وجہ سے اپنے آپ کو مہم میں شامل ہونے سے معذرت کرنے کی کوشش کی۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے توبہ کی آیت 41 میں باب 9 نازل کیا۔

نکلو ہلکے ہوں یا بھاری اور اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرو یہ تمہارے لیے بہتر ’’ ہے اگر تم جانو‘‘۔

اس پر امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ، اصباب النزول، 9:41، صفحہ 87 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ آیت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ انسان کو اپنے وسائل کی کمی کی فکر نہیں کرنی چاہیے بلکہ اس کے پاس جو کچھ ہے اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ کچھ مسلمانوں نے ایک کمزور خصوصیت اختیار کر لی ہے جو انہیں بہتر کرنے میں صرف رکاوٹ ہے۔ یعنی وہ اپنے حالات اور حالات کا موازنہ دوسروں سے کرتے ہیں جو آسان حالات کا سامنا کر رہے ہیں اور اس کو بہانے کے طور پر استعمال کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ نہ کریں، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق سامنا کریں۔ مثال کے طور پر ، ایک شخص جو کل وقتی کام کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوشش نہ کرنے کا عذر پیش کرتا ہے، اپنا موازنہ کسی ایسے شخص سے کرتا ہے جو پارٹ ٹائم کام کرتا ،ہے اور محض یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کرنا آسان ہے کیونکہ ان کے پاس زیادہ فارغ وقت ہے۔ یا ایک غریب مسلمان زیادہ مال رکھنے والوں کو دیکھ کر اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مالدار ان سے زیادہ آسانی سے صدقہ دے سکتا ہے۔ وہ یہ سمجھنے

میں ناکام رہتے ہیں کہ یہ بہانے ان کی روح کو بہتر محسوس کر سکتے ہیں لیکن یہ ان کی دنیا یا آخرت میں مدد نہیں کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ لوگ دوسروں کے وسیلہ کے مطابق عمل کریں وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ لوگ اپنے اسباب کے مطابق اس کی اطاعت پر عمل کریں۔ مثال کے طور پر جو شخص کل وقتی کام کرتا ہے وہ اپنے پاس جو بھی فارغ وقت رکھتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے وقف کر سکتا ہے، خواہ وہ جز وقتی کام کرنے والے سے کم ہی کیوں نہ ہو۔ اس سلسلے میں پارٹ ٹائمر جو کچھ کرتا ہے اس کا کل وقتی کام کرنے والے پر کوئی اثر نہیں ہوتا اس لیے انہیں زیادہ محنت نہ کرنے کے بہانے کے طور پر استعمال کرنا محض ایک لنگڑا بہانہ ہے۔ غریب مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق صدقہ دے خواہ وہ مالدار سے کم ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا فیصلہ کرے گا اور دوسرے مسلمانوں کے اعمال کے مطابق ان کا فیصلہ نہیں کرے گا۔

مسلمانوں کو ان فضول عذروں کو ترک کر دینا چاہیے اور بس اپنے اپنے ذرائع کے مطابق اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے۔

غریب بہانے

چونکہ تبوک کی مہم انتہائی مشکل تھی، اس لیے کچھ لوگ غفلت یا منافقت کی وجہ سے اس میں شامل ہونے سے باز رہے۔ منافقین نے اس مشکل جنگ میں حصہ لینے سے باز رہنے کے لیے بہت سے لغو اور ناقص بہانے بنائے حالانکہ ان پر جواب دینا اور حصہ لینا واجب تھا۔ مثال کے طور پر، ایک شخص نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ اس میں شرکت سے معذرت کر لیں کیونکہ وہ ڈرتا تھا کہ وہ بازنطینی عورتوں کا مقابلہ نہ کر پائیں گے جن کا وہ سفر کے دوران سامنا کریں گے۔ چونکہ یہ آدمی واضح طور پر ایک ذمہ داری ہو گا نہ کہ مہم کا اثاثہ، اس لیے اسے شرکت کرنے سے معذرت کر دی گئی۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ 9 آیت 49 نازل فرمائی:

اور ان میں سے وہ ہے جو کہتا ہے کہ مجھے اجازت دو اور مجھے آزمائش میں نہ ڈالو۔ "بلاشبہ وہ آزمائش میں پڑ گئے اور یقیناً جہنم کافروں کو گھیرے گی۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 2 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دنیاوی چیزوں کے لیے کسی فرض پر سمجھوتہ نہ کریں کیونکہ یہ چیزیں آخرکار ان کے لیے دونوں جہانوں میں بوجھ اور عذاب بن جائیں گی۔

کسی مسلمان کو یہ یقین کرنے میں دھوکہ نہیں دینا چاہئے کہ اگر وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں ناکام رہے تو وہ کسی نہ کسی طرح اللہ تعالیٰ کے عذاب اور عذاب سے نکلنے کا راستہ تلاش کر لیں گے۔ محض کسی کی نافرمانی اور قیامت کی حقیقت کو نظر انداز کرنے سے وہ دور نہیں ہوگا۔ جب کسی نے اسلام کو اپنے عقیدے کے طور پر قبول کیا اور مسلمان ہو گیا تو اس میں اسلام کے ساتھ فرائض کی ادائیگی کی ذمہ داری قبول کرنا بھی شامل ہے۔ ایک شخص جو تعریف کے مطابق ملازمت کو قبول کرتا ہے اس کے ساتھ آنے والے فرائض کو قبول کرتا ہے۔ اگر وہ محض اپنی

ذمہ داریاں نبھانے سے انکار کرتے ہیں تو بلاشبہ انہیں برطرف کردیا جائے گا۔ اسی طرح جو شخص اسلام کو اپنا دین ماننے کے بعد اپنے فرائض کی ادائیگی سے انکار کرتا ہے وہ دونوں جہانوں میں عذاب اور مشکلات میں گھرا ہو سکتا ہے۔

درحقیقت واجبات بہت زیادہ نہیں ہیں اور اس میں زیادہ وقت یا محنت کی ضرورت نہیں ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں واضح کر دیا ہے کہ وہ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ باب 2 البقرہ، آیت 286:

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

لہٰذا جو بھی فرض کسی شخص پر واجب ہو وہ ان کے ذریعے ادا کیا جا سکتا ہے۔ یہ صرف ان کی انتہائی سستی اور ناقص فیصلہ ہے جو انہیں ایسا کرنے سے روکتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنا رویہ بدلیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق اپنے فرائض کی ادائیگی کریں۔

دوسروں کو بیوقوف بنانا

چونکہ تبوک کی مہم انتہائی مشکل تھی، اس لیے بعض نے غفلت یا منافقت کی وجہ سے اس میں شامل ہونے سے روک دیا، منافقین نے حتیٰ کہ دوسروں کو اس مہم میں شامل ہونے سے روک کر گمراہ کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ 9 توبہ، آیات 81-82 نازل فرمائی:

"جو لوگ پیچھے رہ گئے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد [گھر میں]رہنے پر خوش ہوئے اور اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرنے کو ناپسند کرتے تھے اور کہتے تھے کہ گرمی میں نہ نکلو، کہہ دو کہ جہنم کی آگ گرمی میں زیادہ شدید ہے، اگر وہ سمجھیں، تو ہم ان کو تھوڑا سا ہنسا دیں اور ہم ان کو ہنسانے کے لیے تھوڑا سا استعمال کریں۔ کمائیں۔"

اس پر سیرت ابن ہشام صفحہ 241-242 میں بحث ہوئی ہے۔

منافقت کا ایک حصہ یہ ہے کہ انسان نہ صرف خود برے کام کرتا ہے اور عمل صالح سے باز رہتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے بھی ان کی طرح اسی کشتی میں سوار ہوں تاکہ انہیں اپنے برے کردار میں کچھ سکون ملے۔ وہ نہ صرف خود ڈوبتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایک شخص ہر دوسرے شخص کے لیے جوابدہ ہوگا جو ان کی دعوت کی وجہ سے گناہ کرتا ہے۔ اس شخص کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے گا جیسے اس نے گناہ کیا ہے اگرچہ اس نے صرف دوسروں کو اس کی طرف دعوت دی۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 203 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ اسی لیے بعض نے کہا ہے کہ مبارک ہے وہ شخص جس کی برائی ان کے ساتھ مر جائے کیونکہ اس کے گناہ بڑھ جائیں گے اگر دوسرے ان کی بُری نصیحت پر عمل کریں اگرچہ وہ زندہ نہ ہوں۔

اس کے علاوہ زیر بحث اہم واقعہ بری صحبت کے خلاف بھی تنبیہ کرتا ہے۔

مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ سچی محبت کی ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ جب کوئی اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتا ہے، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ اس لیے کہ اطاعت دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی اور سلامتی کا باعث بنتی ہے۔ جو شخص کسی شخص کے لیے حفاظت اور کامیابی کا خواہاں نہیں ہے وہ کبھی بھی ان سے حقیقی محبت نہیں کر سکتا چاہے وہ کیا دعویٰ کرے یا دوسرے شخص کے ساتھ کیسا سلوک کرے۔ جس طرح بندہ اس وقت خوش ہوتا ہے جب اس کے محبوب کو دنیاوی کامیابی ملتی ہے، جیسے نوکری کی، وہ بھی اپنے محبوب سے آخرت کی کامیابی کی تمنا کرے گا۔ اگر کوئی شخص دوسرے کی حفاظت اور کامیابی کی پرواہ نہیں کرتا ہے خاص طور پر اگلے جہان میں تو وہ اس سے محبت نہیں کرتا۔

ایک سچا عاشق اپنے محبوب کو دنیا یا آخرت میں مشکلات اور عذاب کا سامنا کرتے ہوئے جاننا اور دیکھنا برداشت نہیں کرسکتا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اس لیے وہ ہمیشہ اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتے۔ اگر کوئی شخص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کے بجائے کسی دوسرے کو اپنے ذاتی مفاد یا دوسروں کے مفاد کی طرف لے جائے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں رکھتے۔ یہ تمام رشتوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دوستی اور رشتہ دار۔

لہٰذا ایک مسلمان کو یہ اندازہ لگانا چاہیے کہ آیا ان کی زندگی میں وہ لوگ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو یہ ان کے لیے ان کی محبت کی واضح علامت ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں کرتے۔ باب 43 از زخرف، آیت 67:

‘‘اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔’’

آخر میں زیر بحث اہم واقعہ اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ جو راستہ آسان معلوم ہوتا ہے اس کا انتخاب اگر اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روکے تو ذہنی سکون اور کامیابی حاصل نہیں کرتا۔ جس طرح دنیاوی کامیابی کے حصول کے لیے ڈاکٹر بننے کے لیے زندگی میں مشکل راستے کا انتخاب کرنا پڑتا ہے، اسی طرح جو شخص دونوں جہانوں میں سکون قلب حاصل کرنا چاہتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جدوجہد اور کوشش کا راستہ اختیار کرنا چاہیے، ایسا راستہ جو اکثر ان کی خواہشات کے خلاف ہو۔ اس راستے میں ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا شامل ہے جو اسلامی تعلیمات میں بیان کی گئی ہیں۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کریں گے اور قیامت کے دن اپنے احتساب کے لیے مناسب تیاری کرتے ہوئے ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں درست طریقے سے رکھیں گے۔ لہٰذا یہ طرز عمل دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنے گا۔ جبکہ جو شخص اس راستے کا انتخاب کرتا ہے جو آسان معلوم ہوتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جدوجہد کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے تو وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو انہیں دی گئی ہیں۔ یہ انہیں متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرنے سے روک دے گا اور اس کی وجہ سے وہ اپنی زندگی میں ہر چیز اور ہر چیز کو غلط جگہ پر رکھ دیں گے۔ اس سے دونوں جہانوں میں تناؤ، پریشانی اور مشکلات پیدا ہوں گی، خواہ وہ دنیاوی آسائشوں سے لطف اندوز ہوں۔ اس لیے ایک شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے مفاد کے لیے اسلامی تعلیمات کو قبول کرے اور اس پر عمل کرے، چاہے وہ اس کی خواہشات کے خلاف ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنی خواہشات پر قابو رکھنا دماغ اور جسم کے سکون کے حصول کے لیے ادا کرنے کی ایک چھوٹی سی قیمت ہے، جس طرح ایک شخص اچھی جسمانی صحت کے حصول کے لیے اپنی خوراک کو کنٹرول کرتا ہے۔ جبکہ زندگی اس کے لیے ایک تاریک قید خانہ بن جاتی ہے جو اپنی تمام خواہشات کو پورا کرنے کے باوجود ذہنی سکون حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ جب کوئی امیر اور مشہور کا مشاہدہ کرتا ہے تو یہ بالکل واضح ہے۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور [پھر] زیادہ روئیں جتنا وہ کمایا کرتے تھے۔"

باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ

میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

غداری کی سزا

چونکہ تبوک کی مہم انتہائی مشکل تھی، اس لیے بعض نے غفلت یا منافقت کی وجہ سے اس میں شامل ہونے سے روک دیا، منافقین نے حتیٰ کہ دوسروں کو اس مہم میں شامل ہونے سے روک کر گمراہ کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ منافقین نے ایک غیر مسلم سویلم کے گھر ایک جلسہ منعقد کیا تاکہ لوگوں کو غزوہ تبوک میں حصہ لینے سے ان کے فرض سے باز رکھا جا سکے۔ جب ان کی غداری کا واقعہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرکت کرنے والوں کو پھانسی دینے کے بجائے تمام منافقین کو پیغام دینے کا انتخاب کیا اور اسی لیے سویلم کے گھر کو جلانے کے لیے کسی کو روانہ کیا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1822-1823 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر، اگر کوئی شخص دوسروں کی بھلائی میں مدد نہیں کر سکتا، تو وہ کم از کم غیر جانبدار رہنا ہے۔

مسلمان اکثر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ چونکہ وہ اپنی دنیاوی سرگرمیوں میں بہت مصروف ہیں، انہیں رضاکارانہ نیک اعمال کرنے میں مشکل پیش آتی ہے، خاص طور پر وہ کام جو لوگوں سے متعلق ہیں، جیسے کسی کی جسمانی مدد کرنا۔ اگرچہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ زیادہ سے زیادہ نفلی اعمال انجام دینے کی کوشش کریں جس سے دونوں جہانوں میں ان کا فائدہ ہو، حالانکہ ان کی دنیاوی سرگرمیاں ان کو اس دنیا میں ہی فائدہ پہنچائیں گی، ان مسلمانوں کو کم از کم دوسروں کے بارے میں غیر جانبدارانہ ذہنیت اختیار کرنا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان دوسروں کی مدد نہیں کرسکتا تو اسے ان کے حلال اور اچھے کاموں میں رکاوٹ نہیں ڈالنی چاہیے۔ اگر وہ دوسروں کو خوش نہیں کر سکتے تو انہیں غمگین نہ کریں۔ اگر وہ دوسروں کو نہیں ہنسا سکتے تو انہیں رونا نہیں چاہیے۔ اس کا اطلاق بے شمار منظرناموں پر کیا جا سکتا ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ بہت سے مسلمان دوسروں کے ساتھ بھلائی کر سکتے ہیں، جیسے کہ انہیں جذباتی مدد فراہم کرتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ لوگوں کی طرف منفی رویہ اختیار کر کے اپنے اچھے اعمال کو تباہ کر دیتے ہیں۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اگر کوئی مسلمان دوسروں کے بارے میں حد سے زیادہ منفی رویہ اختیار کرتا ہے تو یہ اسے قیامت کے دن جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ غیر جانبدارانہ ذہنیت کا ہونا دراصل ایک نیک عمل ہے جب اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا جائے۔ صحیح مسلم نمبر 250 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، دوسروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا بہتر ہے جو کہ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث کے مطابق ایک سچے مومن کی علامت ہے۔ لیکن اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو کم از کم دوسروں کے ساتھ غیر جانبدارانہ سلوک کرنا چاہیے۔ جیسا کہ دوسروں کے ساتھ منفی سلوک کرنا کسی کی تباہی کا باعث بن سکتا ہے۔

مفید دولت

جنگ تبوک کی تیاری میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے اس مہم کے لیے چندہ دینے کی تاکید کی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی طاقت کے مطابق ان کی مدد کی عثمان میں موجود حدیث اور ذرا بھی پیچھے نہ ہٹے۔ مثال کے طور پر جامع ترمذی نمبر 3701 سونے کے 1000 اس سے خوش ہو کر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کرتی ہے۔ بن عفان اور رحمت ہو اس پر، جس ۔ سکے عطیہ کئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں ان کو انڈیل دیا کہ اس کے بعد سے کوئی چیز اس کے ایمان کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اس پر نے تبصرہ کیا امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 3 میں بحث کی گئی ہے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنا آدھا مال صدقہ کر دیا۔ جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال خیرات کر دیا۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے تو اس نے جواب دیا کہ میں نے ان کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 3675 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

عبد الرحمن رضی اللہ عنہ نے چاندی کے چار ہزار سکے عطیہ کئے۔ منافقوں نے اس پر دکھاوے کا الزام لگایا اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے توبہ میں باب 9 آیت 79 نازل کی۔

"جو لوگ مومنین میں سے صدقات میں حصہ ڈالنے والوں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں اور جو لوگ اپنی کوشش کے سوا کچھ نہیں پاتے تو وہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں، اللہ ان کا مذاق اڑائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

ابو عقیل رضی اللہ عنہ نے ساری رات کام میں گزاری اور اس کے نتیجے میں مٹھی بھر کھجوریں اس مہم کے لیے عطیہ کیں۔ منافقین نے اس کے عطیہ کا مذاق اڑایا اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے توبہ میں باب 9، آیت 79 نازل کی۔

"جو لوگ مومنین میں سے صدقات میں حصہ ڈالنے والوں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں اور جو لوگ اپنی کوشش کے سوا کچھ نہیں پاتے تو وہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں، اللہ ان کا مذاق اڑائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 191-192 اور امام واحدی کی، اصباب النزول، 9:79، صفحہ 91 میں بحث کی گئی ہے۔

یہاں تک کہ خواتین نے بھی اس مہم کے لیے جتنا وہ کر سکتے تھے عطیہ کیا، جیسے کہ اپنے زیورات۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 426 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعات مقدار سے زیادہ معیار کی اہمیت کی نشاندہی کرتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنی وسعت کے مطابق کوشش کرنی چاہیے۔

صحیح بخاری نمبر 1417 کی حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مسلمان کو جہنم سے بچنا چاہیے خواہ نصف کھجور کا صدقہ دے کر۔

یہ حدیث بھی اسلام کی دیگر تعلیمات کی طرح مقدار پر معیار کی اہمیت کی نشاندہی کرتی ہے۔ شیطان اکثر مسلمانوں کو اعمال صالحہ کرنے سے روکتا ہے اور ان کو یہ یقین دلاتا ہے کہ عمل بہت چھوٹا ہے اور اس لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقیر ہے۔ بدقسمتی سے، یہاں تک کہ دوسرے

جاہل مسلمان بھی اکثر دوسروں کو بعض صالح اعمال سے یہ کہہ کر حوصلہ شکنی کرتے ہیں کہ وہ معمولی اور غیر ضروری ہیں۔

ایک مسلمان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اس جال میں نہ پھنسے اور اس کے بجائے چھوٹے یا بڑے تمام نیک اعمال انجام دینے کی کوشش کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ بلاشبہ کسی کے معیار کو دیکھتا ہے اور اس کی بنیاد پر لوگوں کا فیصلہ کرتا ہے۔ اس خوبی کا ایک پہلو اس کی نیت ہے، یعنی چاہے کوئی اسے خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کر رہا ہو، یا کسی اور وجہ سے، جیسے دکھاوے کے۔

ایک مسلمان کو چاہیے کہ سب سے پہلے اپنے نیک عمل کے معیار کو درست کرنے پر توجہ مرکوز کرے، جیسے کہ اچھی نیت، اور پھر اس بات کو یقینی بنائے کہ نیک کام کا ذریعہ، جیسے صدقہ دینا، حلال ذریعہ سے ہے، کیونکہ کوئی ایسا عمل جس کی بنیاد حرام پر ہو، قبول نہیں کیا جائے گا۔ جامع ترمذی نمبر 661 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اس کے بعد ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت اور طاقت کے مطابق تمام نفلی اعمال بجا لائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 6465 میں موجود ایک حدیث میں واضح فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اعمال معمول کے ہیں خواہ وہ چھوٹے ہی کیوں نہ ہوں۔

اس کے علاوہ، باقاعدگی سے اچھے کام کرنے سے ایک مسلمان کو بہتر طور پر بدلنے کا امکان زیادہ ہوتا ہے جو کہ نیلے چاند میں ایک بار بڑا کام کرنے کے مقابلے میں ہوتا ہے۔ رضاکارانہ صدقہ کے سلسلے میں، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق باقاعدگی سے صدقہ کرے، چاہے وہ ایک پاؤنڈ ہی کیوں نہ ہو، اور اس بات پر پختہ یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ثواب کے پہاڑ میں بدل دے گا۔ درحقیقت اس کا وعدہ جامع ترمذی نمبر 662 میں موجود حدیث میں کیا گیا ہے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ مقدار سے زیادہ معیار پر توجہ دے اور ہر قسم کے نیک اعمال کو اپنے اسباب اور طاقت کے مطابق باقاعدگی سے انجام دے۔

وسائل اور مواقع

بعض غریب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تبوک کی طویل اور دشوار گزار مہم میں حصہ لینے کے لیے وسائل نہیں تھے اور بعض صورتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی ان کی مدد کے لیے وسائل نہیں تھے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے خود ان کو معاف کر دیا تھا لیکن وہ اس قدر غمگین تھے کہ وہ اس مہم میں شریک نہ ہونے پر روتے تھے۔ باب 9 توبہ آیت 92:

اور نہ ہی ان لوگوں پر الزام ہے کہ جب وہ آپ کے پاس انہیں لے جانے کے لیے آپ کے پاس" آئے تو آپ نے کہا کہ مجھے کچھ نہیں ملا جس پر آپ کو لے جا سکوں۔ "وہ واپس چلے گئے جب کہ ان کی آنکھیں اس غم سے آنسوؤں سے بہہ رہی تھیں کہ انہیں خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں ملا۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 5 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ ہر اس وسائل اور موقع کی تعریف کرنے اور صحیح طریقے سے استعمال کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے، جیسے کہ وقت اور دولت، ایک شخص کو عطا کیا گیا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو اپنے تمام وسائل اور مواقع کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کر سکیں۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کریں گے اور قیامت کے دن اپنے احتساب کے لیے مناسب تیاری کرتے ہوئے ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں درست طریقے سے رکھیں گے۔ لہٰذا یہ طرز عمل دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنے گا۔ جبکہ جو شخص اپنے عطا کردہ وسائل اور مواقع کی قدر کرنے اور صحیح طریقے سے استعمال کرنے میں ناکام رہتا ہے وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل نہیں کر سکے گا اور موت اور قیامت کے دن اس کے پاس سوائے افسوس کے کچھ نہیں بچے گا۔ باب 89 الفجر، آیات 23-24:

اور لایا گیا، وہ دن جہنم ہے، اس دن آدمی یاد رکھے گا، لیکن اس کے لیے کیا فائدہ ہوگا، وہ کہے "گا، "کاش میں نے اپنی زندگی کے لیے آگے بھیج دیا ہوتا۔

ہدایت کا انعام

بعض غریب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تبوک کی طویل اور مشکل مہم میں حصہ لینے کے لیے وسائل نہیں تھے۔ ان میں سے دو صحابہ کو ایک دوسرے ابن یامین رضی اللہ عنہ نے روتے ہوئے دیکھا۔ ابن یامین رضی اللہ عنہ نے پھر انہیں اپنا اونٹ دیا اور کچھ کھجوریں فراہم کیں تاکہ وہ اس مہم میں شامل ہو سکیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 5 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2674 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ دوسروں کو نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والے کو ان کی نصیحت پر عمل کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا۔ اور جو لوگ دوسروں کو گناہوں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، ان سے ایسے حساب لیا جائے گا جیسے انہوں نے گناہ کیے ہوں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو نصیحت اور رہنمائی کرتے وقت محتاط رہیں۔ ایک مسلمان کو صرف دوسروں کو نیکی کی نصیحت کرنی چاہیے تاکہ وہ اس سے ثواب حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نصیحت کرنے سے گریز کریں۔ قیامت کے دن کوئی شخص محض یہ دعویٰ کر کے سزا سے نہیں بچ سکے گا کہ وہ صرف دوسروں کو گناہوں کی طرف دعوت دے رہا ہے چاہے اس نے خود گناہ کیوں نہ کیے ہوں۔ اللہ تعالیٰ رہنما اور پیروکار دونوں کو ان کے اعمال کے لیے جوابدہ ٹھہرائے گا۔ لہٰذا مسلمانوں کو دوسروں کو صرف وہی کام کرنے کی تلقین کرنی چاہیے جو وہ خود کریں گے۔ اگر وہ اپنے نامہ اعمال میں کسی عمل کو ناپسند کرتے ہیں تو انہیں دوسروں کو اس عمل کی تلقین نہیں کرنی چاہیے۔

اس اسلامی اصول کی وجہ سے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے مناسب علم حاصل کر لیں کیونکہ اگر وہ دوسروں کو غلط نصیحت کرتے ہیں تو وہ آسانی سے اپنے گناہوں کو بڑھا سکتے ہیں۔

مزید برآں، یہ اصول مسلمانوں کے لیے ان اعمال کا اجر حاصل کرنے کا ایک انتہائی آسان طریقہ ہے جو وہ وسائل کی کمی کی وجہ سے خود انجام نہیں دے سکتے، جیسے کہ دولت۔ مثال کے طور پر، ایک شخص جو مالی طور پر صدقہ دینے کی استطاعت نہیں رکھتا ہے وہ دوسروں کو

ایسا کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ صدقہ کرنے والے کے برابر ثواب حاصل کرے گا۔

اس کے علاوہ، یہ اسلامی اصول ایک بہترین طریقہ ہے کہ کسی کے مرنے کے بعد بھی نیک اعمال کی نشوونما کو یقینی بنایا جائے۔ جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اس کی جتنی زیادہ رہنمائی کرے گا، اتنا ہی ان کی نیکیوں میں اضافہ ہوگا۔ یہ وہ میراث ہے جس کے بارے میں ایک مسلمان کو اپنی فکر کرنی چاہیے، کیونکہ دیگر تمام وراثتیں، جیسے املاک کی سلطنتیں، آئیں گی اور جائیں گی اور ان کے مرنے کے بعد ان کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اگر کچھ بھی ہے تو، وہ اپنی سلطنت کمانے اور ذخیرہ کرنے کے لیے جوابدہ ہوں گے جبکہ ان کے وارثوں کو اس سلطنت سے لطف اندوز ہوں گے جو مرحوم نے پیچھے چھوڑ دیا تھا۔

نیت میں خالص

بعض غریب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تبوک کی طویل اور مشکل مہم میں حصہ لینے کے لیے وسائل نہیں تھے۔ واثلہ بن اقصی رضی اللہ عنہ ان غریب آدمیوں میں سے ایک تھے جنہوں نے مال غنیمت میں سے اپنا حصہ کسی ایسے شخص کو پیش کیا جو اس کی فوج میں شامل ہونے میں مدد کرنا چاہتا تھا۔ ایک پرانے صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنے سواری کا جانور اور کھانا ان کے ساتھ بانٹنے کی پیشکش کی تاکہ وہ اس مہم میں شامل ہو سکیں۔ بعد کی ایک مہم میں واثلہ رضی اللہ عنہ نے غنیمت کا کچھ سامان حاصل کیا اور انہیں پرانے صحابی رضی اللہ عنہ کو پیش کیا جس نے اسے لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ سے اجر چاہتے ہیں۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1818-1819 میں بحث کی گئی ہے۔

اس سے اللہ تعالیٰ کے لیے مخلص ہونے کی اہمیت کی نشاندہی ہوتی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرنے کے بجائے لوگوں کے لیے دکھاوے جیسے کام کرتے ہیں، ان سے کہا جائے گا کہ وہ قیامت کے دن ان لوگوں سے ان کا اجر حاصل کریں جن پر عمل کرنا ان کے لیے ممکن نہیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ تمام اعمال کی بنیاد، حتیٰ کہ اسلام بھی، کسی کی نیت ہے۔ یہ وہی چیز ہے جس پر اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ کرتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

ایک مسلمان کو یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ تمام دینی اور مفید دنیوی اعمال اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انجام دیں، تاکہ وہ دونوں جہانوں میں اس کی طرف سے اجر حاصل کریں۔ اس صحیح ذہنیت کی علامت یہ ہے کہ یہ شخص نہ تو یہ توقع رکھتا ہے اور نہ ہی چاہتا ہے کہ لوگ ان کے اعمال

کی تعریف کریں یا ان کا شکریہ ادا کریں۔ اگر کوئی یہ چاہتا ہے تو یہ اس کی غلط نیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

اس کے علاوہ، صحیح نیت کے ساتھ عمل کرنا اداسی اور تلخی کو روکتا ہے کیونکہ جو شخص لوگوں کی خاطر کام کرتا ہے وہ آخرکار ناشکرے لوگوں کا سامنا کرے گا جو انہیں ناراض اور تلخ کر دیں گے، کیونکہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی محنت اور وقت ضائع کیا ہے۔ بدقسمتی سے، والدین اور رشتہ داروں میں یہ دیکھا جاتا ہے کیونکہ وہ اکثر اللہ تعالی کی رضا کے بجائے ان کی خاطر اپنے بچوں اور رشتہ داروں کے بارے میں اپنے فرائض ادا کرتے ہیں۔ لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرتا ہے، وہ دوسروں کے لیے اپنے تمام فرائض ادا کرتا ہے، جیسے کہ ان کی اولاد، اور جب وہ ان کا شکر ادا کرنے میں ناکام ہوں گے تو وہ کبھی تلخ یا غصے میں نہیں آئیں گے۔ یہ رویہ ذہنی سکون اور عمومی خوشی کا باعث بنتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے نیک عمل سے پوری طرح واقف ہے اور انہیں اس کا اجر دے گا۔ تمام مسلمانوں کو یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے ورنہ وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ رہ سکتے ہیں۔
باب 18 الکہف، آیت 110:

"...پس جو اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہو اسے چاہیے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔"

بہت باتیں چھوٹی ایکشن

غزوہ تبوک کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثنیات الوداع میں کیمپ لگایا۔ منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی اور اس کے پیروکار مسلمانوں کی فوج کے ساتھ تھے لیکن مرکزی کیمپ سے دور کیمپ لگا دیا۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوبارہ روانہ ہوئے تو عبداللہ بن ابی چوری چھپے منافقین کے ساتھ رہ گئے اور ان کے وعدے کے مطابق اس مہم میں شامل نہ ہوئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 7 میں بحث کی گئی ہے۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات نازل کیں جیسے باب 9 توبہ آیت 47:

”اگر وہ تمہارے ساتھ نکلتے تو تم میں اضطراب کے سوا کچھ نہ بڑھتے اور وہ تمہارے درمیان فتنے کی تلاش میں سرگرداں رہتے اور تم میں ان کی بات سننے والے بڑے شوق سے ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔“

اس پر امام واحدی کی، اصباب النزول، 9:42-47، صفحہ 87-88 میں بحث کی گئی ہے۔

منافقت کا ایک پہلو یہ ہے کہ جب کوئی زبانی طور پر دوسروں اور ان کے اچھے منصوبوں جیسے کہ مسجد کی تعمیر کے لیے حمایت کا اظہار کرتا ہے لیکن جب اس منصوبے میں حصہ لینے کا وقت آتا ہے، جیسے کہ دولت عطیہ کرنا، وہ غائب دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح، جب لوگ اچھے وقت کا سامنا کر رہے ہوتے ہیں تو وہ زبانی طور پر ان کی حمایت کرتے ہیں اور دوسروں کو ان کی وفاداری کی یاد دلاتے ہیں۔ لیکن جس وقت عوام کو مشکلات کا سامنا ہوتا ہے یہ منافق کوئی جذباتی یا جسمانی سہارا نہیں دیتے۔ اس کے بجائے وہ ان پر تنقید کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منافقین کا یہی رویہ تھا۔ باب 4 النساء آیت 62:

تو کیسا ہو گا جب ان کے ہاتھوں کے آگے بڑھنے کی وجہ سے ان پر کوئی آفت آجائے اور پھر'' ''وہ اللہ کی قسم کھا کر آپ کے پاس آئیں کہ ہم نے حسن سلوک اور رہائش کے سوا کچھ نہیں چاہا۔

اس کے علاوہ زیر بحث مرکزی آیت معاشرے کے اندر مسائل پیدا کرنے والی بری صفت سے بچنے کی اہمیت پر بھی دلالت کرتی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی اچھے کام میں دوسروں کی مدد نہیں کر سکتا تو اسے غیر جانبدار رہنا چاہیے اور معاشرے میں بدعنوانی اور مسائل نہیں پھیلانا چاہیے۔ یہ سب سے بہتر اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی ان چیزوں سے پرہیز کرتا ہے جن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس سے اسلام کی تکمیل ہوتی ہے جس کی نصیحت جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ یا تو اچھی بات کرنی چاہیے یا خاموش رہنا چاہیے۔ یہ دونوں چیزیں اس بات کو یقینی بنائیں گی کہ صرف ایک ہی معاشرے میں اچھائی پھیلاتا ہے۔

اس کے علاوہ زیر بحث مرکزی آیت مسلمانوں کو متنبہ کرتی ہے کہ وہ ان لوگوں کی صحبت سے بچیں جو معاشرے میں منفیت پھیلاتے ہیں۔ کسی کو اس طرح کے لوگوں سے دوستی یا بات چیت نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ یہ صرف انہیں معاشرے میں برائی پھیلانے کی ترغیب دیتا ہے۔ ان لوگوں کو شائستگی سے اس وقت تک گریز کرنا چاہیے جب تک کہ وہ اپنے رویے کو تبدیل نہ کریں۔

پریشانی پیدا کرنے والے

غزوہ تبوک کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر والوں کی دیکھ بھال کے لیے مدینہ میں پیچھے چھوڑ دیا۔ منافقین نے اس کے پیچھے رہنے کی وجہ کے بارے میں جھوٹ پھیلایا اور دعویٰ کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو ناپسندیدگی کی وجہ سے پیچھے چھوڑ دیا۔ علی رضی اللہ عنہ اس بات سے اس قدر غمگین ہوئے کہ مدینہ چھوڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی تاکہ آپ سے اس مسئلہ پر گفتگو کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنے ارادے کا یقین دلایا اور اپنے خاندان کی دیکھ بھال کے لیے مدینہ واپس آنے کو کہا۔ اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ علی رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ اسی طرح تھے جس طرح حضرت ہارون علیہ السلام کو ان کے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معزول کیا تھا۔ واضح فرق یہ تھا کہ خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہو گا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 7-8 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو دوسروں کے بارے میں بدنیتی پر مبنی گپ شپ پھیلانے سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ یہ منافقت کی خصوصیت ہے۔

صحیح مسلم نمبر 290 کی حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ بدگمانی پھیلانے والا جنت میں نہیں جائے گا۔

یہ وہ ہے جو گپ شپ پھیلاتا ہے، چاہے یہ سچ ہو یا نہیں، جو لوگوں کے درمیان مسائل کا باعث بنتا ہے اور رشتوں میں دراڑ اور ٹوٹ پھوٹ کا باعث بنتا ہے۔ یہ ایک خبیث خصلت ہے اور جو لوگ اس طرح کا برتاؤ کرتے ہیں وہ درحقیقت انسان کے شیطان ہیں کیونکہ یہ ذہنیت شیطان کے علاوہ کسی اور کی نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ لوگوں کے درمیان جدائی پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایسے شخص پر لعنت فرمائی ہے۔ باب 104 الحمزہ، آیت 1:

‘‘ہر غیبت کرنے والے اور بہتان لگانے والے کے لیے ہلاکت ہے۔’’

اگر یہ لعنت ان کو گھیرے ہوئے ہے تو اللہ تعالیٰ سے ان کے مسائل حل کرنے اور انہیں نعمتوں سے نوازنے کی امید کیسے کی جا سکتی ہے؟ صرف وہی وقت قابل قبول ہے جب کوئی دوسروں کو خطرے سے خبردار کر رہا ہو۔

ایک مسلمان پر فرض ہے کہ وہ کسی افسانہ نگار کی طرف توجہ نہ کرے کیونکہ وہ بدکار لوگ ہیں جن پر بھروسہ یا یقین نہیں کیا جانا چاہیے۔ باب 49 الحجرات، آیت 6:

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لو، ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو جہالت کی وجہ سے نقصان پہنچا دو۔‘‘

اور باب 24 النور، آیت 12:

"جب تم نے اسے سنا تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے بارے میں اچھا کیوں نہ سمجھا اور کیوں نہ کہا کہ یہ صریح جھوٹ ہے؟"

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ کہانی سنانے والے کو اس بری صفت کو جاری رکھنے سے روکے اور انہیں سچے دل سے توبہ کرنے کی تلقین کرے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں حکم دیا گیا ہے کہ ایک

مسلمان کو اس شخص کے خلاف کوئی بری خواہش نہیں رکھنی چاہیے جس نے ان کے بارے میں یا دوسروں کے بارے میں بُرا کہا ہو۔ باب 49 الحجرات، آیت 12:

"...اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت سے گمانوں سے بچو، بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں"

یہی آیت مسلمانوں کو سکھاتی ہے کہ وہ دوسروں کی جاسوسی کر کے کہانی کے علمبردار کو ثابت یا غلط ثابت کرنے کی کوشش نہ کریں۔ باب 49 الحجرات، آیت 12:

‘‘...اور جاسوسی نہ کرو’’

بجائے اس کے کہ کہانی بیان کرنے والے کو نظر انداز کر دیا جائے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اس کی اطلاع کسی دوسرے شخص کو نہ بتائے اور نہ ہی اس کا تذکرہ کرے کیونکہ اس سے وہ بھی کہانی سنانے والا بن جائے گا۔

مسلمانوں کو قصہ گوئی اور افسانہ نگاروں کی صحبت سے بچنا چاہیے کیونکہ وہ اس وقت تک بھروسہ یا صحبت کے لائق نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ جو کسی شخص کے ساتھ دوسروں کے بارے میں گپ شپ کرتا ہے، وہ اس شخص کے بارے میں بھی دوسروں کے ساتھ گپ شپ کرے گا۔

آخر میں، جیسا کہ کہانی سنانے والے نے لوگوں پر ظلم کیا، انہیں اللہ تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ ان کے متاثرین انہیں پہلے معاف نہ کر دیں۔ چونکہ لوگ اتنے مہربان اور معاف کرنے والے نہیں ہیں، اس لیے یہ بات اس بات کا باعث بن سکتی ہے کہ کہانی سنانے

والا اپنی نیکیاں اپنے متاثرین کو دے دے اور اگر ضرورت ہو تو قیامت کے دن کہانی سنانے والا اپنے متاثرین کے گناہ لے لے گا۔ یہ ان کو جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ آخر میں، مرکزی حدیث میں جنت سے محروم ہونے کی تنبیہ، ایک قصہ گو کے لیے آسانی سے ہو سکتی ہے، کیونکہ ان کی شروع کردہ بدنیتی پر مبنی گپ شپ سوشل میڈیا کے ذریعے آسانی سے پوری برادری اور یہاں تک کہ دنیا میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل سکتی ہے۔ نتیجتاً، گپ شپ شروع کرنے والا ہر اس شخص کے گناہ میں حصہ دار ہوگا جو اس گپ شپ پر بحث کرتا ہے۔ اور ان کے مرنے کے بعد بھی ان کے گناہوں میں اضافہ ہوتا رہے گا، جب تک ان کی شروع کردہ گپ شپ کا چرچا ہوتا رہے گا۔ اس کی طرف جامع ترمذی نمبر 2674 میں موجود حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

لہٰذا، کسی کو ہمیشہ دوسروں کے بارے میں گپ شپ کرنے سے گریز کرتے ہوئے اس خطرناک نتائج سے بچنا چاہیے، جیسا کہ وہ دوسروں کے لیے ان کے بارے میں گپ شپ کرنا ناپسند کرتے ہیں۔ اگر کسی کو دوسروں کے بارے میں بات کرنی چاہیے تو اسے مثبت انداز میں کرنا چاہیے ورنہ خاموش رہنا چاہیے۔

ایمان کا مذاق اڑانا

غزوہ تبوک کے دوران ایک منافق نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تنقید کی اور ان کے اسلام کے دعویٰ کا مذاق اڑایا کہ آخر کار سرزمین شام فتح ہو گیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی اور جب اس منافق سے سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ یہ تو صرف فضول باتیں اور مذاق میں مشغول ہیں۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے توبہ کی آیت نمبر 9، آیات 65-66 نازل فرمائی:

اور اگر تم ان سے پوچھو تو وہ ضرور کہیں گے کہ ہم تو صرف باتیں اور کھیل رہے تھے، کہہ دو کیا اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کا تم مذاق اڑاتے تھے، عذر نہ کرو، تم اپنے ایمان کے بعد کافر ہو گئے، اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف کر دیں تو دوسرے گروہ کو سزا دیں گے کیونکہ وہ مجرم تھے۔

اس پر امام واحدی کی، اصباب النزول، 9:65، صفحہ 89 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر دیکھا جائے تو ایک مسلمان اس وقت اسلام کا مذاق بھی اڑا سکتا ہے جب وہ زبانی طور پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور احترام کا دعویٰ کرتا ہے، لیکن قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ یہاں تک کہ پچھلی قومیں اللہ تعالیٰ اور ان کے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے اور ان سے محبت کرنے کا دعویٰ کرتی ہیں، پھر بھی ان کا یہ دعویٰ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناقابل قبول ہے، کیونکہ انہوں نے اپنے زبانی دعووں کی تائید اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نہیں کی۔ اسلام میں بغیر عمل کے الفاظ کی بہت کم اہمیت ہے ۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کا مذاق اڑانے سے گریز کرے اور اس کے زبانی اعلان عقیدہ کی تائید کرے ورنہ وہ اپنے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان ایک پودے کی ایمان کے بغیر اس دنیا سے رخصت ہو سکتے ہیں۔ مانند ہے جس کو پھلنے پھولنے اور زندہ رہنے کے لیے اطاعت کے عمل سے پرورش پانی چاہیے۔ جس طرح ایک پودا جو سورج کی روشنی جیسی پرورش حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے وہ مر

جائے گا، اسی طرح اس شخص کا ایمان بھی فوت ہو سکتا ہے جو اس کی پرورش اطاعت کے ساتھ نہیں کرتا۔ یہ سب سے بڑا نقصان ہے۔

خواہش مند سوچ میں اللہ تعالیٰ اس کے علاوہ خواہش مندانہ سوچ اپنا کر اسلام کا مذاق اڑا سکتا ہے۔ کی نافرمانی پر قائم رہنا، دونوں جہانوں میں اس کی رحمت اور بخشش کی امید رکھنا شامل ہے۔ اسلام میں اس رویے کی کوئی اہمیت نہیں۔ جبکہ حقیقی امید میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جدوجہد کرنا شامل ہے، جس میں اسلامی تعلیمات کے مطابق جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کا صحیح استعمال کرنا اور اپنے طرز عمل کی اصلاح کرنا اور پھر دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش کی امید رکھنا شامل ہے۔ اس فرق کو جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے اس فرق کی قدر کرنا چاہیے اور اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش میں حقیقی امید اختیار کریں، اور خواہش مندانہ سوچ سے بچیں، کیونکہ اسلام میں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔

کمال کی کوئی طلب نہیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد غزوہ تبوک کے لیے روانہ ہونے کے بعد چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سستی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے۔ ان میں سے ایک ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ تھے۔ فوج کے جانے کے کئی دن بعد، وہ گھر واپس آیا اور اس کے لیے ٹھنڈے مشروبات اور کھانا تیار کیا۔ اس نے اپنے آپ کو اس مشکل کو یاد کرتے ہوئے ملامت کی جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مہم میں گھر پر آرام فرما رہے تھے۔ اس نے اپنے گھر والوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی روانگی کی تیاری کریں اور جلد بازی میں اس مہم میں شامل ہو گئے جس نے تبوک میں کیمپ لگا رکھا تھا۔ جب ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف سے دعا کی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 8-9 میں بحث کی گئی ہے۔

چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ بلاشبہ غلطیاں کریں گے اور گناہ کریں گے۔ لہٰذا ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، اس کے احکام کو بجا لاتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنا چاہیے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا چاہیے اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کریں۔ اس کی طرف باب 41 فصیلات، آیت 6 میں اشارہ کیا گیا ہے:

‘‘...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو’’

اس کی مزید تائید جامع ترمذی نمبر 1987 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور کسی نیک عمل سے سرزد ہونے والے)معمولی (گناہ کو مٹانے کی تلقین کی گئی ہے۔ امام مالک کی موطا، کتاب 2، حدیث نمبر 37 میں موجود ایک اور حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی پوری کوشش کریں، اگرچہ وہ اس پر پوری طرح عمل نہ کر سکیں۔ لہٰذا، ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی نیت اور جسمانی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں اس کو جو

صلاحیت عطا کی گئی ہے اسے پورا کرے۔ انہیں کمال حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

اسلام میں فضیلت

غزوہ تبوک کے دوران جب بھی کوئی لشکر سے پیچھے ہو جاتا تو لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی اطلاع دیتے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخبر سے صرف اتنا فرماتے کہ غائب شخص کو اکیلا چھوڑ دو اور اگر ان میں بھلائی ہوتی تو اللہ تعالیٰ انہیں فوج میں شامل ہونے کی ترغیب دیتا ورنہ فوج اس شخص سے فارغ ہوجاتی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 9 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ مسلمان اس وقت تک اپنے اسلام کو بہترین نہیں بنا سکتا جب تک کہ وہ ان چیزوں سے اجتناب نہ کرے جن سے ان کا تعلق نہیں ہے۔

اس حدیث میں ایک ہمہ گیر نصیحت ہے جس کا اطلاق زندگی کے ہر پہلو پر ہونا چاہیے۔ اس میں ایک شخص کی تقریر کے ساتھ ساتھ ان کے دیگر جسمانی اعمال بھی شامل ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو مسلمان اپنے ایمان کو کامل کرنا چاہتا ہے اسے ایسی باتوں سے اجتناب کرنا چاہیے، قول و فعل کے ذریعے، جن سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور اس کے بجائے وہ خود کو ان کاموں میں مشغول رکھیں جو کرتے ہیں۔ انسان کو ان باتوں کو بہت سنجیدگی سے لینا چاہیے جو اس کے ساتھ ہیں اور اسلامی تعلیمات کے مطابق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی سوچ یا خواہشات کے مطابق چیزوں سے گریز کرے تو وہ اپنا ایمان مکمل نہیں کر سکے گا۔ لیکن جو اپنا ایمان کامل کرتا ہے وہ ان چیزوں سے اجتناب کرتا ہے جن سے بچنے کی اسلام نے نصیحت کی ہے۔ یعنی اپنے تمام فرائض کو پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، تمام گناہوں اور اسلام میں ناپسندیدہ چیزوں سے بچنا چاہیے اور غیر ضروری حلال چیزوں کے زیادہ استعمال سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔ یہ فضیلت حاصل کرنا ایمان کی فضیلت کی ایک خصوصیت ہے جس کا ذکر صحیح مسلم نمبر 99 کی حدیث میں ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرتا ہے کہ گویا وہ اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے یا کم از کم اللہ تعالیٰ سے پوری طرح واقف ہو جاتا ہے، ان کے ہر خیال اور عمل کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس الٰہی نگرانی سے آگاہ ہونا ایک مسلمان کو ہمیشہ گناہوں سے پرہیز کرنے اور اعمال صالحہ کی طرف جلدی کرنے کی ترغیب دے گا۔ جو ان چیزوں سے پرہیز نہیں کرتا جن سے کوئی سروکار نہیں وہ اس درجہ فضیلت کو نہیں پہنچ سکتا۔

ان چیزوں سے اجتناب کرنے کا ایک بڑا پہلو جن سے انسان کو کوئی سروکار نہیں ہوتا ہے اس کا تعلق تقریر سے ہے۔ گناہوں کی کثرت اس وقت ہوتی ہے جب انسان ایسے الفاظ کہے جن سے کوئی تعلق نہ ہو، جیسے غیبت اور غیبت۔ فضول گفتگو کی تعریف یہ ہے کہ جب کوئی شخص ایسے الفاظ کہے جو گناہ کے تو نہ ہوں لیکن بیکار ہوں اور اس لیے ان کی فکر نہ ہو۔ جیسا کہ صحیح بخاری ،نمبر 2408 میں موجود حدیث سے ثابت ہے کہ لغو بات اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ لاتعداد دلائل لڑائیاں اور یہاں تک کہ جسمانی نقصان بھی صرف اس لیے ہوا ہے کہ کسی نے ایسی بات کی جس سے انہیں کوئی سروکار نہ ہو۔ کئی خاندان تقسیم ہو چکے ہیں۔ بہت سی شادیاں ختم ہو چکی ہیں کیونکہ کسی کو ان کے کاروبار پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مفید کلام کی مختلف اقسام کی نصیحت فرمائی ہے جس سے لوگوں کو فکر مند ہونا چاہیے۔ باب 4 النساء، آیت 114:

"ان کی اکثر گفتگو میں کوئی بھلائی نہیں سوائے ان لوگوں کے جو خیرات کا حکم دیتے ہیں یا حق بات یا لوگوں کے درمیان صلح کرواتے ہیں اور جو شخص یہ کام اللہ کی رضا مندی کے لیے کرے گا تو ہم اسے بہت بڑا اجر دیں گے۔"

درحقیقت ایسے الفاظ کا بولنا جو انسان کے لیے فکرمند نہ ہوں، لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی بنیادی وجہ ہو گی۔ جامع ترمذی نمبر 2616 میں ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2412 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت فرمائی کہ ہر بات کسی شخص کے خلاف شمار کی جائے گی بشرطیکہ اس کا تعلق نیکی کی نصیحت، برائی سے منع کرنے یا اللہ تعالیٰ کی سابقہ باتوں سے نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تقریر کی دیگر تمام شکلیں کسی شخص کی فکر نہیں ہیں کیونکہ ان سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اچھی نصیحت کرنا ہر اس چیز کو شامل کرتا ہے جو کسی کی دنیاوی اور مذہبی زندگی میں فائدہ مند ہو، جیسے کہ وہ پیشہ۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے قول و فعل کے ذریعے ان باتوں سے بچنے کی کوشش کریں جن سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے تاکہ وہ اپنے ایمان کو مکمل کر سکیں۔ سیدھے الفاظ میں، جو

شخص ان چیزوں کے لیے وقت لگاتا ہے جن سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، وہ ان چیزوں میں ناکام ہو جاتا ہے جو ان سے متعلق ہیں۔ اور جو اپنے آپ کو ان چیزوں میں مشغول رکھتا ہے جو ان سے متعلق ہیں وہ ان چیزوں پر خرچ کرنے کے لئے وقت نہیں پائے گا جو ان سے متعلق نہیں ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کریں گے۔

آخر میں، جو اپنے آپ کو ان چیزوں میں مشغول رکھتا ہے جو ان سے متعلق ہیں، وہ تمام مفید دنیوی اور دینی چیزوں کو مکمل کر لے گا جن کے وہ ذمہ دار ہیں اور اس طرح ذہنی سکون حاصل کر لیتے ہیں۔ تناؤ کے اہم ذرائع میں سے ایک یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنے آپ کو ایسی چیزوں میں مشغول کر لیتا ہے جن سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے، کیونکہ یہ اسے اپنی دنیاوی اور مذہبی ذمہ داریوں کو پورا کرنے سے روکتا ہے۔ صحیح طریقے سے برتاؤ کرنے سے کسی کو اپنی اہم ذمہ داریوں کو پورا کرنے کا موقع ملے گا اور اس بات کو یقینی بنایا جائے گا کہ ان کے پاس آرام کرنے اور ان چیزوں کو کرنے کے لیے کافی وقت ملے جن سے وہ لطف اندوز ہوں۔

ایک اجنبی

غزوہ تبوک کے دوران ابو ذر رضی اللہ عنہ اپنے اونٹ کی رفتار کی وجہ سے لشکر سے پیچھے رہ گئے۔ اس نے اپنا سامان اونٹ سے اتارا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے چل دیا۔ جب لشکر نے پڑاؤ ڈالا تو ان لوگوں نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو کیمپ کی طرف اکیلے چلتے ہوئے دیکھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ پر اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعا فرمائی اور فرمایا کہ وہ اکیلے چلتے تھے، اکیلے ہی مرتے تھے اور اکیلے ہی زندہ کیے جاتے تھے۔ برسوں بعد عثمان بن عفان کے دور خلافت میں ابوذر رضی اللہ عنہ ایک دور دراز مقام پر مقیم ہوئے اور وہیں انتقال کر گئے۔ اس پر سیرت ابن ہشام صفحہ 245-246 میں بحث ہوئی ہے۔

ابوذر رضی اللہ عنہ اس دنیا میں ایک اجنبی اور مسافر کی طرح رہتے تھے۔

صحیح بخاری نمبر 6416 میں موجود ایک حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اس دنیا میں اجنبی یا مسافر کی طرح رہنے کی نصیحت کی۔ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نصیحت کرتے تھے کہ جب آدمی شام کو پہنچے تو صبح کے زندہ ہونے کی امید نہ رکھے۔ اور اگر وہ صبح کو پہنچ جائیں تو شام کو زندہ ہونے کی امید نہ رکھیں۔ اور یہ کہ ایک مسلمان کو بیماری کا سامنا کرنے سے پہلے اپنی اچھی صحت سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور موت سے پہلے اپنی زندگی کا اچھا استعمال کرنا چاہیے۔

یہ حدیث مسلمانوں کو لمبی زندگی کی امیدیں محدود رکھنے کا درس دیتی ہے۔ لمبی زندگی کی امیدیں آخرت کی تیاری میں ناکامی کا سب سے بڑا سبب ہے کیونکہ یہ انسان کو اپنی پوری کوشش مادی دنیا کے لیے وقف کرنے کی ترغیب دیتی ہے، کیونکہ وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ان کے پاس آخرت کی تیاری کے لیے کافی وقت ہے۔

ایک مسلمان کو اس عارضی دنیا کو اپنا مستقل گھر نہیں سمجھنا چاہیے۔ اس کے بجائے، انہیں کسی ایسے شخص کی طرح برتاؤ کرنا چاہئے جو اسے چھوڑنے والا ہے، کبھی واپس نہ آنے والا ہے۔ اس سے انسان کو ترغیب ملے گی کہ وہ اپنی کوششوں کی اکثریت کو اپنی آخری منزل یعنی آخرت کی تیاری میں وقف کردے اور مادی دنیا کے حصول میں اپنی کوششوں کو محدود کردے جو ان کی ضرورت اور ذمہ داریوں سے باہر ہے۔ اس تصور پر پورے قرآن پاک اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں بحث ہوئی ہے، مثال کے طور پر باب 40 غافر، آیت 39:

’’یہ دنیوی زندگی تو محض]عارضی [لطف اندوزی ہے، اور درحقیقت آخرت - یہی]مستقل [ٹھکانے کا گھر ہے۔‘‘

زیر بحث مرکزی حدیث سے ملتی جلتی حدیث جو جامع ترمذی نمبر 2377 میں موجود ہے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دنیا میں اپنے آپ کو ایک سوار کے طور پر بیان کیا جو درخت کے سائے میں تھوڑا سا آرام کرتا ہے اور پھر تیزی سے آگے بڑھتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا کی دنیاوی نوعیت کو ظاہر کرنے کے لیے اس کا موازنہ سایہ سے کیا جو کہ سب جانتے ہیں کہ ظاہری طور پر مستقل ہونے کے باوجود زیادہ دیر تک نہیں رہتی۔ کچھ لوگوں کو مادی دنیا اس طرح ظاہر ہو سکتی ہے۔ وہ ایسا برتاؤ کرتے ہیں جیسے دنیا ہمیشہ باقی رہے گی جبکہ حقیقت میں یہ بہت جلد ختم ہو جائے گی۔

اس کے علاوہ اس حدیث میں سوار کا ذکر ہے نہ کہ پیدل چلنے والے کا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سوار پیدل سفر کرنے والے کے مقابلے میں نمایاں طور پر کم آرام کرے گا۔ اس سے مزید معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا اس دنیا میں قیام بہت مختصر ہے۔ یہ سب پر بالکل واضح ہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ بوڑھے ہو جاتے ہیں وہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان کی زندگی ایک جھلک میں گزر گئی۔ تو درحقیقت چاہے بڑھاپے کو پہنچے یا نہ پہنچے، زندگی بس ایک لمحہ ہے۔ باب 10 یونس، آیت 45:

’’اور جس دن وہ ان کو جمع کرے گا تو گویا وہ دن کی ایک گھڑی باقی نہیں رہے تھے۔‘‘

درحقیقت مادی دنیا ایک پل کی مانند ہے جسے عبور کرنا ہے نہ کہ مستقل گھر کے طور پر۔ جس طرح کوئی شخص بس اسٹیشن کو اپنا گھر نہیں سمجھتا یہ جانتے ہوئے کہ اس کا قیام صرف تھوڑی دیر کے لیے ہوگا اسی طرح دنیا آخرت تک پہنچنے سے پہلے ایک مختصر پڑاؤ ہے۔

جب کوئی زندگی بھر کی چھٹیوں میں ایک بار جاتا ہے، تو زیادہ تر معاملات میں، وہ لگژری گھریلو اشیاء، جیسے کہ ایک وسیع اسکرین ٹیلی ویژن پر اپنے اخراجات کو محدود کر دیتے ہیں، اور اس کے بجائے ان کا ہوٹل جو بھی خدمات پیش کرتا ہے اس کے ساتھ کام کرتا ہے۔ وہ اس طرح برتاؤ کرتے ہیں جیسے وہ سمجھتے ہیں کہ ہوٹل میں ان کا قیام مختصر ہو گا اور جلد ہی وہ چلے جائیں گے، کبھی واپس نہیں آئیں گے۔ یہ ذہنیت انہیں چھٹیوں کی منزل کو اپنے مستقل گھر کے طور پر لینے سے روکتی ہے۔ اسی طرح لوگوں کو زمین پر ایک مقصد کے لیے بھیجا گیا تھا جو یقینی طور پر اسے اپنا مستقل ٹھکانہ بنانا نہیں تھا۔ اس کے بجائے انہیں اس سے رزق لینے کے لیے بھیجا گیا تاکہ وہ اپنے مستقل گھر یعنی آخرت تک بحفاظت پہنچ سکیں۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو خوش کرنے کے طریقوں سے عطا کی گئی ہیں۔

جب بھی کوئی شخص سفر کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ سب سے پہلے وہ سامان حاصل کرتا ہے جس کی اسے ضرورت ہوتی ہے تاکہ سفر کو آرام دہ اور کامیاب بنایا جاسکے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں بتایا گیا ہے کہ آخرت کا بہترین سامان تقویٰ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 197:

‘‘بے شک بہترین رزق اللہ سے ڈرنا ہے۔’’

یہ اس وقت ہوتا ہے جب ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لاتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز آتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، اس یقین کے ساتھ کہ وہ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ دنیا سے آخرت تک کا سفر مکمل کرنے کے لیے دوسرے رزق جیسے خوراک کی ضرورت ہے۔ لیکن جس رزق کو ترجیح دی جائے وہ تقویٰ ہے کیونکہ یہ واحد رزق ہے جو کسی کو دنیا اور آخرت

دونوں میں فائدہ پہنچاتا ہے۔ یہ دنیا اور آخرت میں امن کی طرف لے جاتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

چونکہ مادی دنیا کسی شخص کا مستقل ٹھکانہ نہیں ہے لہٰذا ان کو چاہیے کہ زیر بحث مرکزی حدیث پر عمل کریں اور یا تو اجنبی یا مسافر کی طرح زندگی گزاریں۔

اجنبی ہونے کی پہلی حالت وہ ہے جو اپنے دل و دماغ کو اپنے عارضی گھر سے نہیں لگاتا۔ ان کا مقصد صرف اتنا ہے کہ کافی سامان اکٹھا کریں تاکہ وہ اپنے مستقل گھر یعنی آخرت میں بحفاظت واپس لوٹ سکیں۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جو کام کے ویزے پر کسی بیرونی ملک میں رہتا ہے۔ ان کے کام کی جگہ ان کا گھر نہیں ہے۔ صرف پیسہ کمانے کی جگہ تاکہ وہ اس کے ساتھ اپنے وطن واپس لوٹ سکیں۔ یہ شخص کبھی بھی اجنبی ملک کو اپنا گھر نہیں سمجھے گا۔ اس کے بجائے، وہ صرف ضروری چیزوں پر خرچ کریں گے اور اپنی دولت کو بچانے پر توجہ دیں گے تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ دولت واپس اپنے حقیقی اور مستقل گھر میں لے جائیں۔ اگر یہ شخص اپنی ساری یا زیادہ تر دولت بیرون ملک خرچ کر کے خالی ہاتھ اپنے وطن واپس چلا جائے تو بلا شبہ ان کے رشتہ داروں کے نزدیک یہ قابلِ ملامت تصور کیا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ورک ویزا پر کسی دوسرے ملک میں رہنے کے اپنے مشن اور مقصد میں ناکام رہے ہیں۔ اسی طرح ایک مسلمان کو اپنی کوششوں کا زیادہ تر حصہ رزق کے حصول میں وقف کر دینا چاہیے تاکہ وہ آخرت کی طرف لے جائیں۔ انہیں مادی دنیا کی آسائشوں کے لیے دوسروں کے ساتھ مقابلہ نہیں کرنا چاہیے۔ اس کے بجائے، انہیں ابدی آخرت کے حصول کے لیے اپنے مشن پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے۔ اگر وہ اپنے عارضی گھر کو سنوارنے میں بہت زیادہ محنت کریں گے تو وہ آخرت میں بغیر تیاری اور خالی ہاتھ داخل ہوں گے اور اس لیے اپنے اس مشن میں ناکام ہوں گے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں سونپا ہے۔ ایک مسلمان کو اپنے ساتھ ایماندار ہونا چاہیے اور اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ وہ دن کے کتنے گھنٹے مادی دنیا اور آخرت کی تیاری کے لیے وقف کرتے ہیں۔ یہ خود غور و فکر انہیں دکھائے گا کہ ان کی ذہنیت صحیح ہے یا نہیں اور آخرت پر ان کا ایمان کتنا مضبوط ہے۔ باب 87 العلا، آیات 16-17:

''لیکن تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، جب کہ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔''

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی نوع انسان کی طرف اس وقت بھیجا گیا جب وہ سب سے ذلیل تھے اور ان کی اکثریت گناہوں کی زندگی گزار رہی تھی جس کی وجہ سے وہ جہنم میں داخل ہو گئے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں واضح دلائل کے ساتھ راہ حق کی طرف بلایا۔ ان میں سے بہت سے لوگوں نے اس کے واضح پیغام کو قبول کیا اور اس کی پیروی کی۔ اس نے ان سے وعدہ کیا کہ اسلام بہت سی قوموں کو فتح کرے گا اور مسلمانوں کو بہت زیادہ دولت حاصل ہوگی۔ لیکن اس نے انہیں متنبہ کیا کہ وہ مادی دنیا کی آسائشوں میں مشغول نہ ہوں۔ اس تنبیہ کی ایک مثال سنن ابن ماجہ نمبر 3997 میں موجود ایک حدیث میں مذکور ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متنبہ کیا ہے کہ مادی دنیا کی غیر ضروری آسائشوں کے لیے مقابلہ کرنا انسانوں کو تباہ کر دے گا۔ اس لیے انہوں نے مسلمانوں کو نصیحت کی کہ وہ اپنی ذمہ داریوں اور ضروریات کو پورا کرنے کے لیے بنیادی ضروریات پر قناعت کریں اور آخرت کی تیاری پر توجہ دیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں سے جو وعدہ کیا تھا وہ سب پورا ہوا۔ جب دنیا مسلمانوں کے لیے کھول دی گئی تو ان کی اکثریت مقابلہ بازی، جمع ذخیرہ اندوزی اور مادی دنیا کی زیادتی سے لطف اندوز ہونے میں مصروف ہوگئی۔ چنانچہ انہوں نے آخرت کی تیاری کو صحیح طریقے سے ترک کر دیا جیسا کہ انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا۔ صرف چند لوگوں نے ان کی نصیحت کو قبول کیا اور اپنی ضروریات اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے مادی دنیا سے صرف وہی لیا اور اپنی زیادہ تر کوششیں ابدی آخرت کی تیاری میں وقف کر دیں۔ یہ چھوٹی سی جماعت، یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اور نیک پیشرو، آخرت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جڑے ہوئے تھے، جیسا کہ انہوں نے عملی طور پر آپ کی نصیحت اور نقش قدم پر عمل کیا۔ دوسری طرف، اکثریت اپنی غفلت میں مادی دنیا کا پیچھا کرتی رہی یہاں تک کہ موت نے انہیں بغیر تیاری کے پکڑ لیا۔

دوسری ذہنیت جو مسلمانوں کو اختیار کرنی چاہیے جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں نصیحت کی گئی ہے وہ مسافر کی ہے۔ یہ شخص اس مادی دنیا کو اپنا گھر نہیں سمجھتا بلکہ اپنے حقیقی گھر یعنی آخرت کی طرف سفر کرتا ہے۔ یہ ذہنیت ایک بیک پیکر جیسی ہے جو مختلف شہروں میں سو سکتا ہے لیکن انہیں کبھی اپنا گھر نہیں سمجھتا۔ وہ اپنے ساتھ صرف وہی سامان لے جاتے ہیں جو وہ معنی، لوازم لے سکتے ہیں۔ اس میں وہ چیزیں شامل ہیں جن کی انہیں زندہ رہنے کے لیے ضرورت ہے اور یہ انہیں اپنی منزل تک محفوظ طریقے سے پہنچنے میں مدد کرے گی۔ ایک بیک پیکر کبھی بھی غیر ضروری اشیاء کو پیک نہیں کرے گا یہ جانتے ہوئے کہ یہ چیزیں ان کے لئے صرف ایک بوجھ ہوں گی۔ اور نہ ہی وہ اپنے سفر کو محفوظ طریقے سے مکمل کرنے

کے لیے ضروری سامان پیک کرنے میں ناکام رہیں گے۔ اسی طرح ایک ذہین مسلمان صرف اس مادی دنیا سے اعمال اور قول کے حوالے سے اعمال جمع کرتا ہے جو اسے آخرت تک پہنچنے میں مدد فراہم کرتا ہے۔ وہ ان تمام افعال و کلام سے منہ موڑ لیں گے جو ان کے لیے دنیا اور آخرت دونوں میں بوجھ بن جائیں گے۔ سنن ابن ماجہ، نمبر 4104 میں موجود ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنانے کی تلقین فرمائی ہے۔ باب 18 الکہف، آیات 7-8:

"بے شک ہم نے زمین پر جو کچھ ہے اسے اس کی زینت بنایا ہے تاکہ ہم ان کو آزمائیں کہ ان میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے، اور جو کچھ اس پر ہے اسے ہم ایک بنجر زمین بنا دیں گے۔"

ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ دن اور رات صرف مختصر مراحل ہیں جن میں لوگ سفر کرتے ہیں، مرحلہ وار، آخرت تک پہنچنے تک۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ ہر مرحلہ کو اعمال صالحہ کی صورت میں آگے کا رزق بھیج کر استعمال کریں۔ انہیں مسلسل یہ خیال رکھنا چاہیے کہ ان کا سفر بہت جلد ختم ہونے والا ہے اور وہ آخرت تک پہنچ جائیں گے۔ یہاں تک کہ اگر سفر لمبا لگتا ہے تو یہ بالآخر ایک لمحے کی طرح محسوس ہوگا لہذا اسے ختم ہونے سے پہلے اسے اطاعت کا لمحہ بنانا چاہئے جب کہ وہ تیار نہیں ہیں۔ باب 10 یونس، آیت 45:

‘‘اور جس دن وہ ان کو جمع کرے گا تو گویا وہ دن کی ایک گھڑی باقی نہیں رہے تھے۔’’

ہر سانس کے ساتھ دنیا کو پیچھے چھوڑ کر آخرت کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اگر چہ بظاہر کوئی حرکت نہیں کرتا لیکن حقیقت میں دن اور رات ان کی آمدورفت کا کام کرتے ہیں جو انہیں تیزی سے بغیر توقف کے، اگلی دنیا میں لے جاتے ہیں۔

مسلمانوں کو یہ جان لینا چاہیے کہ چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، جلد ہی ایک دن آئے گا جب وہ اس کی طرف لوٹیں گے۔ جب وہ واپس آئیں گے تو انہیں پوچھ گچھ کے لیے روک دیا جائے گا۔ اس لیے انہیں اس تفتیش کے لیے کچھ اچھی تیاری کرنی چاہیے۔ انہیں اس دنیا میں جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے استعمال کرتے ہوئے تیاری کرنی چاہیے۔ لیکن اگر وہ غافل رہیں اور تیاری کرنے میں ناکام رہیں تو ان سے جو کچھ ہو چکا ہے اور جو باقی ہے اس کے لیے ان سے کارروائی کی جائے گی۔

صحابی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی نصیحت کی طرف چلتے ہیں جس کا ذکر زیر بحث مرکزی حدیث میں ہے۔ اس کا پہلا حصہ اس دنیا میں لمبی زندگی کی امید کو مختصر کرنے کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو یہ نہیں ماننا چاہیے کہ ان کا اس دنیا میں قیام طویل ہے، کیونکہ وہ کسی بھی وقت انتقال کر سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی کئی سال تک زندہ رہتا ہے، تب بھی ایسا لگتا ہے کہ زندگی ایک جھٹکے سے گزری ہے۔ یہی بات عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہوئے کہی ہے کہ اگر وہ شام کو پہنچ جائیں تو صبح کو زندہ ہونے کا یقین نہ کریں۔ یہ ذہنیت دنیاوی ذمہ داریوں کو نبھانے اور آخرت کی تیاری کے لیے مادی دنیا سے صرف اس چیز کو لینے کی بنیادی وجہ ہے۔ جب کہ لمبی عمر کی امید رکھنا اس کے برعکس معنی کی اصل وجہ ہے، اس سے اعمال صالحہ اور گناہوں سے اجتناب کے ذریعے آخرت کی تیاری میں تاخیر ہوتی ہے اور یہ اسے مادی دنیا کو جمع کرنے اور جمع کرنے کی ترغیب دیتی ہے، یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اس میں ان کا قیام بہت طویل ہوگا۔

اس کے علاوہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی مسلمانوں کو بیماری کا سامنا کرنے سے پہلے اپنی اچھی صحت کا صحیح استعمال کرنے کی تلقین کی۔ بدقسمتی سے اکثر لوگ اچھی صحت کی قدر صرف اس کے کھونے کے بعد کرتے ہیں جس کی تنبیہ صحیح بخاری نمبر 6412 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ اچھی صحت سے استفادہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان اپنی جسمانی اور ذہنی طاقت کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی فرمانبرداری میں استعمال کرے، نیک اعمال انجام دے کر اور گناہوں سے پرہیز کرنے کے لیے اس وقت سے پہلے جب وہ نیکی کی خواہش پوری نہ کر سکے۔ وہ خراب صحت کی وجہ سے .جو ان کی اچھی صحت کا صحیح استعمال کرے گا اسے ان اعمال کا اجر دیا جائے گا جو انہوں نے اپنی اچھی صحت کے دوران کیے تھے، یہاں تک کہ جب وہ بیماری کا سامنا کریں اور وہ انہیں مزید نہ کرسکیں۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 2996 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جبکہ جو شخص اپنی صحت کا صحیح استعمال نہیں کرتا وہ بیمار ہونے پر اس ممکنہ اجر سے محروم ہو جاتا ہے۔ درحقیقت ان کے پاس پشیمانی کے سوا کچھ نہیں بچے گا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے دی گئی نصیحت کا آخری حصہ یہ ہے کہ انسان کو موت سے پہلے اپنی زندگی کا اچھا استعمال کرنا چاہیے۔ اس میں ان تمام چیزوں کا استعمال شامل ہے جو اعمال صالحہ کی طرف لے جاتی ہیں، جیسے کہ مال، اور ان تمام چیزوں سے اجتناب کرنا جو نیک کاموں سے روکتی ہیں، جیسے کہ غیر ضروری مصروفیات۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے وقت کا صحیح استعمال کریں اس سے پہلے کہ وہ ان ذمہ داریوں میں مشغول ہو جائیں جو فطری طور پر وقت گزرنے کے ساتھ ہوتی ہیں، جیسے کہ شادی۔ اور اپنی مالی ذمہ داریوں میں اضافے سے پہلے اپنی دولت کا خوب استعمال کریں۔ کامیابی کے لیے وقت کا صحیح استعمال ضروری ہے کیونکہ یہ ایک عجیب دنیاوی نعمت ہے جو باقی تمام نعمتوں کے برعکس اس کے جانے کے بعد کبھی واپس نہیں آتی۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنی سرگرمیوں کو صحیح طریقے سے ترجیح دیتے ہوئے وقت کا استعمال کرنا چاہیے۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ اپنی تمام ذمہ داریوں، فرائض اور ضروریات کو پورا کرے گا اور اس کے پاس متوازن طریقے سے حلال لذتوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے کافی وقت ہوگا۔

جیسا کہ جامع ترمذی کی حدیث نمبر 2403 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ تمام لوگوں کو موت کے وقت ندامت ہوگی۔ نیکی کرنے والے پچھتائیں گے کہ انہوں نے مرنے سے پہلے مزید نیکیاں نہیں کیں۔ گنہگار شخص پچھتائے گا کہ اس نے اپنی موت سے پہلے سچے دل سے توبہ نہیں کی۔ اس دنیا میں لوگوں کو اکثر دوسرا موقع دیا جاتا ہے مثال کے طور پر، ڈرائیونگ ٹیسٹ کو دوبارہ کرنا، لیکن ایک شخص کے مرنے کے بعد کوئی کام نہیں ہوتا۔ پشیمانی ان کے کسی کام نہیں آئے گی۔ اس کے بجائے، یہ صرف ان کے درد اور تکلیف میں اضافہ کرے گا .لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں کوشش کرنے کے لیے جو وقت دیا گیا ہے اسے استعمال کریں، اس سے پہلے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنا لمحہ پورا کریں۔ کاموں کو کل تک موخر کرنے کی ذہنیت کو ترک کر دینا چاہیے کیونکہ اکثر معاملات میں یہ کل کبھی نہیں آتا۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ آج پر توجہ مرکوز کرے اور اس لیے وہ کام کرے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو، جیسا کہ کل اس دنیا میں آ سکتا ہے لیکن وہ اس کی گواہی کے لیے زندہ نہ ہوں۔

حق کے اندھے

تبوک کی مہم کے دوران فوج کو شدید بھوک اور پیاس کا سامنا کرنا پڑا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ تعالیٰ سے مدد کی درخواست کی گئی۔ اس سے پہلے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا سے ہاتھ نیچے کرتے بارش شروع ہو گئی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نوٹ کیا کہ بارش صرف ان کے پڑاؤ پر پڑی تھی اس سے آگے نہیں۔ جب ایک منافق سے پوچھا گیا کہ کیا اس کے بعد بھی وہ اسلام کی مزید دلیل چاہتے ہیں تو اس نے جواب دیا کہ یہ تو بادل ہی ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 10-11 میں بحث کی گئی ہے۔

بعض لوگ مادی دنیا میں اس قدر غرق ہیں کہ کوئی نصیحت کہ قرآن پاک انسانوں کو سکھاتا ہے ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوگی۔ قرآن پاک بیان کرتا ہے کہ لوگوں کے اس گروہ کے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 74:

"...پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے، پتھر کی طرح یا اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے"

دوسروں اس قسم کے لوگوں سے الگ ہو کر جو لوگ اسلام کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں وہ اس وقت اس معاملے میں بھی ایک مسلمان کو کہ لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے ۔ پر توجہ مرکوز کریں گناہگاروں کے ساتھ ہمیشہ اچھے کردار کا مظاہرہ کرنا چاہیے کیونکہ وہ کسی بھی وقت توبہ کر سکتے ہیں۔ باب 25 الفرقان، آیت 63:

‘‘اور جب جاہل ان سے [سختی سے] خطاب کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے ہیں۔ ’’

جب حد ۔ اعلیٰ، مشورہ دیتا ہے فرمایا اسی طرح قرآن مجید کی ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے جھوٹے ہو جائے تو بہتر ہے کہ الگ ہو جائیں اور ضدی اور گمراہ لوگوں کو چھوڑ دیں۔ کون سیدھی راہ پر انسانوں کو آگاہ کرے گا۔ ،اعلیٰ تعالیٰ عقائد پر۔ ایک دن بلاشبہ آئے گا جب اللہ :باب 28 القصص، آیت 55 اندھیرے میں تھا اور کون گمراہ تھا۔

اور جب وہ بری بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لیے ہمارے'' اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں۔ تم پر سلامتی ہو گی۔ ہم جاہلوں کی تلاش نہیں "کرتے۔

جب ان کی اچھی نصیحت دوسروں پر اثر انداز نہ ہو تو مسلمانوں کو کبھی مایوس اور الجھن میں گناہوں میں اس حد تک غرق ہو جاتے ہیں کہ ان ہیں لوگ نہیں پڑنا چاہیے۔ کچھ معاملات میں، یہ ایک کے دل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ یہ پردہ ان پر اثر انداز ہونے والی اچھی نصیحتوں کو روکتا ہے۔ بات کی وضاحت کی گئی ہے اس نمبر 4244 میں سنن ابن ماجہ ملی مثبت انداز میں .ایک حدیث روحانی دل پر سیاہ دھبہ بن جاتا ہے۔ جتنا کوئی گناہ کرتا ہے اتنا ہی اس کا کہ گناہ کیسے ہوتا ہے۔ :باب 83 المطففین، آیت 14 روحانی دل اس تاریکی میں مگن ہوتا جاتا ہے۔

"نہیں، بلکہ داغ نے ان کے دلوں پر جو کچھ کمایا تھا، ڈھانپ دیا ہے۔ "

کان، آنکھیں ان کے اعلان کرتا ہے کہ ،بلند نے یہ ایک اور آیت سے ملتا جلتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ باب 2 ۔ حق کی طرف رہنمائی نہیں کر سکتے سچائی سے پردہ پڑا ہوا ہے اس لیے وہ اور دل :البقرہ، آیت 7

‘‘اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی بصارت پر پردہ ہے۔ ’’

قصور اسلام کے پیغام میں نہیں بلکہ گمراہوں کے دلوں میں ہے۔ جیسے عیب ایک اندھے کی اس کا ضدی رویہ ایک وسیع مسئلہ بن ،بدقسمتی سے آنکھوں میں ہوتا ہے روشن سورج کا نہیں۔ معاشرے کے اندر .ان میں سے کچھ لوگ اسلام کو ماننے کے باوجود اپنے دل و دماغ کو گیا ہے۔ اور ۔ قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے لیے بند کر چکے ہیں وہ کسی بھی اچھی نصیحت کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں جس سے انہیں اس پر درود ہو۔ فائدہ ہو۔ دونوں جہانوں میں

جو لوگ اسلام کے کلام کو پھیلانے کا انتخاب کرتے ہیں انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ لوگ دو طرح کے ذہنوں کو اپنا سکتے ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ جب کوئی کسی مسئلے کے بارے میں پہلے ہی اپنا ذہن اس کے پہلے سے طے جو پھر صرف وہی چیزیں تلاش کرتا ہے اور قبول کرتا ہے اور بناتا ہے شدہ عقیدے کی تائید کرتی ہیں۔ جبکہ صحیح رویہ یہ ہے کہ مختلف مسائل کے حوالے سے مضبوط پہلی ذہنیت صرف ذاتی سطح سے ۔ شواہد تلاش کر کے کھلے ذہن کے ساتھ زندگی گزاری جائے .میڈیا کے کام کی لے کر قومی سطح تک مسائل پیدا کرے گی۔ بدقسمتی سے، اس طرح کچھ پہلوؤں وہ معلومات جو وہ شائع کرنا چاہیں گے، کمزور معاون ثبوت کے وہ پہلے سے طے کرتے ہیں۔ اسلام کی تبلیغ کرنے اور پھر اسے دنیا کے دیکھنے کے تناسب سے اڑا دیں۔ بٹس تلاش کریں۔ والوں کو چاہیے کہ وہ پہلی قسم کے لوگوں سے بچیں اور دوسرے گروہ کو حق کی طرف دعوت دینے پر توجہ دیں۔

صبر اور قناعت

تبوک کی مہم کے دوران فوج کو شدید بھوک اور پیاس کا سامنا کرنا پڑا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے پانی سے گزرنے والے اونٹوں کو ذبح کرنے اور کھانے کی اجازت طلب کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ایسا کرنے کی اجازت دے دی لیکن اس سے پہلے کہ وہ کر سکیں، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ اس سے ٹرانسپورٹ کی قلت ہو جائے گی۔ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشورہ دیا کہ تمام دستیاب کھانے کو جمع کریں اور اللہ تعالیٰ سے اس میں برکت کی دعا کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر اس تجویز پر اتفاق کیا اور معجزانہ طور پر کھانے کی تھوڑی سی مقدار ان کے تمام برتنوں میں بھر گئی اور سب نے اطمینان سے کھا لیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 11-12 میں بحث کی گئی ہے۔

غور طلب باتوں میں سے ایک بات یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اونٹوں کو خود ذبح کرنے کے بجائے آسانی سے دعا کرنے کا مشورہ دے سکتے تھے۔ اس کے طرز عمل کے پیچھے حکمتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب اور فیصلوں پر قناعت کی اہمیت سکھائی جائے۔

صبر اور قناعت میں فرق یہ ہے کہ صبر کرنے والا کسی صورت حال سے شکایت نہیں کرتا بلکہ حالت بدلنے کی خواہش اور دعا بھی کرتا ہے۔ جبکہ قناعت کرنے والا اپنی پسند پر اللہ تعالیٰ کے انتخاب کو ترجیح دیتا ہے اور اس لیے حالات کو بدلنے کی خواہش نہیں رکھتا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹوں کو ذبح کرنے کی اجازت دینے کے بجائے اللہ تعالیٰ سے آسانی سے دعا کر سکتے تھے۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ممکنہ طور پر متصادم نہیں ہونا چاہتا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ، غالباً یہ چاہتا تھا کہ وہ مطمئن رہے۔ اگرچہ ایک دعا جائز ہوتی پھر بھی اس نے اللہ تعالیٰ کی مکمل بندگی کی خواہش کی اور اس لیے اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر بھروسہ کرتے ہوئے خاموش رہا۔ ایسا کرنے کی درخواست کے بعد ہی اس نے دعا کی۔ سیکھنے کا سبق یہ ہے کہ اگرچہ کچھ حالات ظاہر ہوتے ہیں اور طویل عرصے میں تکلیف دہ محسوس کرتے ہیں، جو چیزیں رونما ہوتی ہیں وہ ایک مسلمان کے لیے اس کی خواہش سے بہتر ہوتی ہیں، خواہ وہ ان کے پیچھے موجود حکمت کو فوری طور پر نہ دیکھیں۔ شاید مشکل کا سامنا کرنا ایک مسلمان کو جنت میں داخل کرنے کی وجہ ہو سکتا ہے۔ پس یہ ضروری ہے کہ کم از کم صبر کیا جائے اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے فرمان پر راضی نہیں ہو سکتا۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

”لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو، اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہو اور وہ آپ کے لیے بری ہو...“

ایک مسلمان کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جس نے ان کے لیے حالات کا انتخاب کیا، یعنی اللہ تعالیٰ ہی ان کو اس سے محفوظ طریقے سے نکال سکتا ہے۔ یہ صرف اس کی اطاعت سے اس کے احکام کو پورا کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 2:

”اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔“

مشاہدہ کرنے والا

تبوک کی مہم کے دوران، فوج ایک بہت ہی طاقتور قدیم قوم ثمود کے پرانے ویران مکانات سے گزری۔ ان کی اللہ تعالیٰ کی مسلسل نافرمانی، اور آخری تباہی پر اسلامی تعلیمات میں بحث کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوج کو حکم دیا کہ وہ اپنے آپ کو نقصان پہنچانے والوں کے ویران گھروں میں داخل نہ ہوں جب تک کہ وہ روتے ہوئے ایسا نہ کریں ورنہ ثمود پر اس عذاب کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 12 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں چوکنا رہے اور اپنے دنیوی معاملات میں بہت زیادہ مشغول ہونے سے گریز کرے تاکہ وہ اپنے اردگرد ہونے والی چیزوں سے اور جو کچھ ہو چکا ہے ان سے غافل ہو جائے۔ یہ ایک اہم خوبی ہے کیونکہ یہ کسی کے ایمان کو مضبوط کرنے کا ایک بہترین طریقہ ہے جس کے نتیجے میں انسان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں مدد ملتی ہے۔ مثال کے طور پر، جب کوئی مسلمان کسی بیمار کو دیکھتا ہے تو اسے نہ صرف اس کی مدد کرنی چاہیے، خواہ وہ صرف دعا ہی کیوں نہ ہو، بلکہ اسے اپنی صحت پر غور کرنا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ بھی آخر کار بیماری، بڑھاپے یا موت سے اپنی صحت سے محروم ہو جائیں گے۔ اس سے انہیں اپنی اچھی صحت کے لیے شکر گزار ہونے کی ترغیب دینی چاہیے اور دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں ان کی اچھی صحت سے فائدہ اٹھا کر اپنے عمل سے یہ ظاہر کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔

جب وہ کسی امیر کی موت کا مشاہدہ کرتے ہیں تو انہیں نہ صرف میت اور اس کے گھر والوں کے لیے غمگین ہونا چاہیے بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ ایک دن وہ بھی مر جائے گا جو ان کے لیے نامعلوم ہے۔ انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ جس طرح امیر کو ان کی قبر پر دولت، شہرت اور خاندان چھوڑ دیا گیا تھا، اسی طرح وہ بھی قبر میں صرف ان کے اعمال کے ساتھ رہ جائیں گے۔ اس سے انہیں اپنی قبر اور آخرت کی تیاری کا حوصلہ ملے گا۔

یہ رویہ ان تمام چیزوں پر لاگو کیا جا سکتا ہے اور کیا جانا چاہیے ایک مسلمان کو اپنے اردگرد کی ہر چیز سے سبق سیکھنا چاہیے جس کی نصیحت قرآن پاک میں کی گئی ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 191:

اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے بارے میں سوچو، "اے ہمارے رب، تو نے اسے بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ تو بلند ہے]ایسی چیز سے اوپر[۔ تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔‘‘

جو لوگ اس طرح کا برتاؤ کرتے ہیں ان کا ایمان روزانہ کی بنیاد پر مضبوط ہوتا جائے گا اور جو لوگ اپنی دنیاوی زندگی میں بہت زیادہ مشغول ہیں وہ غافل رہیں گے جو انہیں تباہی کی طرف لے جائے گا۔

لازوال معجزہ

تبوک کی مہم کے دوران، فوج ایک بہت ہی طاقتور قدیم قوم ثمود کے پرانے ویران مکانات سے گزری۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ نشانیاں)یعنی معجزات (نہ مانگیں جیسا کہ قوم ثمود نے کیا تھا۔ ثمود نے اس کے بعد کفر کیا جب انہیں نشانیاں دی گئیں اور اس طرح وہ ہلاک ہو گئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 13 میں بحث کی گئی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کبھی بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے دعویٰ نبوت کی تائید کے لیے کوئی معجزہ دکھانے کی درخواست نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کا ثبوت تلاش کیا اور قرآن کریم کے لازوال معجزہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے ذریعے اپنے ایمان کو مضبوط کرنے کی کوشش کی۔ جو شخص کھلے اور غیر جانبدارانہ ذہن کے ساتھ قرآن پاک کا مطالعہ کرے گا وہ بلاشبہ ان تمام معجزات سے بڑا معجزہ سمجھے گا جو انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوئے ہیں۔

عام طور پر دیکھا جائے تو قرآن پاک میں الفاظ بے مثال ہیں اور اس کے معانی سیدھے آگے بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے الفاظ اور اشعار انتہائی فصیح و بلیغ ہیں اور کوئی کتاب اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ قرآن پاک میں پچھلی امتوں کی تاریخ کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے حالانکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاریخ میں تعلیم یافتہ نہیں تھے۔ ہر نیکی کا حکم دیتا ہے اور ہر برائی ،سے روکتا ہے۔ جو ایک فرد پر اثر انداز ہوتے ہیں اور جو پورے معاشرے کو متاثر کرتے ہیں تاکہ ہر گھر اور معاشرے میں انصاف، سلامتی اور امن پھیل جائے۔ قرآن مجید مبالغہ آرائی، جھوٹ یا کسی بھی جھوٹ سے اجتناب کرتا ہے، شاعری، کہانیوں اور افسانوں کے برعکس۔ تمام آیات فائدہ مند ہیں اور ان کا عملی طور پر کسی کی زندگی پر اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ یہاں تک کہ جب قرآن پاک میں ایک ہی کہانی کو دہرایا جاتا ہے تو مختلف اہم اسباق کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ دوسری تمام کتابوں کے برعکس، قرآن پاک کا بار بار مطالعہ کرنے پر کوئی شخص بور نہیں ہوتا۔ قرآن پاک وعدے اور تنبیہات فراہم کرتا ہے اور ناقابل تردید اور واضح دلائل کے ساتھ ان کی تائید کرتا ہے۔ جب قرآن پاک کسی ایسی چیز پر بحث کرتا ہے جو تجریدی معلوم ہو سکتی ہے، جیسے صبر کو اپنانا، تو یہ ہمیشہ اسے اپنی زندگی میں نافذ کرنے کا ایک سادہ اور عملی طریقہ فراہم کرتا ہے۔ یہ لوگوں کو اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا کرنے کی ترغیب دیتا ہے، جس میں خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری شامل ہے، ان نعمتوں کا استعمال کرتے ہوئے جو انہیں اس کی خوشنودی

کے لیے دی گئی ہیں، اور اس طرح انہیں ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی کو یقینی بنانا ہے۔ یہ سیدھا راستہ اس شخص کے لیے واضح اور پرکشش بناتا ہے جو ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں حقیقی کامیابی چاہتا ہے۔ قرآن پاک کا علم لازوال ہے کیونکہ اس کا اطلاق ہر معاشرے اور دور میں ہو سکتا ہے۔ یہ ہر جذباتی، معاشی اور جسمانی مشکل کا علاج ہے جب اسے صحیح طریقے سے سمجھا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔ یہ ہر اس مسئلے کا حل فراہم کرتا ہے جس کا سامنا ایک فرد یا پورے معاشرے کو ہوسکتا ہے۔ صرف تاریخ کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے کہ جن معاشروں نے قرآن کریم کی تعلیمات پر عمل کیا وہ اس کی ہمہ گیر اور لازوال تعلیمات سے کس طرح مستفید ہوئے۔ صدیاں گزر گئیں ابھی تک قرآن پاک میں ایک حرف بھی نہیں بدلا گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا۔ تاریخ کی کوئی اور کتاب اس معیار کی حامل نہیں ہے۔ باب 15 الحجر، آیت 9:

بے شک ہم نے ہی اس پیغام کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں‘‘۔’’

اللہ تعالیٰ نے ایک کمیونٹی کے اندر پائے جانے والے بنیادی مسائل پر بحث کی اور ان سب کا عملی علاج بھی تفصیل سے بتایا۔ جڑ کے مسائل کو درست کرنے سے، ان گنت شاخوں کے مسائل جو ان سے پیدا ہوتے ہیں خود بخود درست ہو جائیں گے۔ اس طرح قرآن پاک نے ان تمام چیزوں کو بیان کیا ہے جن کی ایک شخص اور معاشرے کو دونوں جہانوں میں کامیابی کے لیے ضرورت ہے۔ باب 16 النحل، آیت 89:

‘‘اور ہم نے آپ پر ہر چیز کی وضاحت کے لیے کتاب نازل کی ہے۔’’

یہ سب سے بڑا لازوال معجزہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا ہے۔ لیکن حق کی تلاش اور اس پر عمل کرنے والوں کو ہی اس سے فائدہ پہنچے گا جبکہ اپنی خواہشات اور اس سے چیری چننے والوں کو دونوں جہانوں میں نقصان ہی ہوگا۔ باب 17 الاسراء، آیت 82:

اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ"
"ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔

اللہ کے لیے ناراض ہونا

غزوہ تبوک کے دوران، ایک صحابی، عمرہ بن حزم رضی اللہ عنہ، نادانستہ طور پر اپنی سواری ایک منافق، زید ابن لثیت رضی اللہ عنہ کے ساتھ بانٹ رہے تھے۔ جب فوج نے کیمپ لگایا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اونٹ غائب ہو گیا اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہ اس کی تلاش میں نکل پڑے۔ زید نے اپنے کیمپ میں آرام کرتے ہوئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذاق اڑایا، یہ تبصرہ کرتے ہوئے کہ اس نے دعویٰ کیا کہ مجھے آسمانوں سے خبریں موصول ہوئی ہیں لیکن یہ نہیں معلوم کہ اس کا اونٹ کہاں ہے۔ اسی وقت، عمرہ رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے، جب انہیں زید کے کہنے کی الٰہی اطلاع ملی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبصرہ فرمایا کہ انہیں آسمانوں سے خبریں ملی ہیں، بشمول ان کے کھوئے ہوئے اونٹ کے ٹھکانے کی بھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ اسے واپس لے لیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ذکر نہیں کیا کہ زید نے ان کے بارے میں یہ تبصرہ کیا ہے۔ جب عمرہ رضی اللہ عنہ اپنے کیمپ میں واپس آئے تو انھوں نے جو کچھ ہوا اس کا ذکر کیا اور بتایا گیا کہ زید رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ کہے تھے۔ عمرہ رضی اللہ عنہ نے زید کو پکڑ لیا اور اپنے کیمپ سے نکال دیا۔ اس پر سیرت ابن ہشام صفحہ 244-245 میں بحث ہوئی ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان خصوصیات کی نصیحت فرمائی جو مسلمان کے ایمان کو کامل کرتی ہیں۔

ان خصلتوں میں سے ایک اللہ تعالیٰ کے لیے بغض رکھنا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ انسان کو ان چیزوں کو ناپسند کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں جیسے اس کی نافرمانی۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں سے نفرت کرنی چاہیے، کیونکہ لوگ سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے توبہ کر سکتے ہیں۔ اس کے بجائے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ خود اس گناہ کو ناپسند کرے جو ان سے ثابت ہے کہ اس سے بچنا اور دوسروں کو بھی اس سے خبردار کرنا، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں سے تعلقات توڑنے کے بجائے نصیحت کرتے رہیں کیونکہ یہ حسن سلوک ان کے لیے صدق دل سے توبہ کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔ اس میں اپنے جذبات کی بنیاد پر چیزوں کو ناپسند کرنا شامل ہے، جیسے کوئی عمل، جو کہ جائز ہے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسندیدگی کا ثبوت یہ ہے کہ جب وہ اپنے قول و فعل سے ناپسندیدگی کا اظہار کریں گے تو یہ ہرگز اس طرح نہیں ہوگا جو اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہو۔ یعنی کسی چیز کے

لیے ان کی ناپسندیدگی ان سے کبھی گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گی کیونکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی چیز سے ان کی ناپسندیدگی ان کے اپنے لیے ہے۔

تبوک میں خطبہ نبوی

جب لشکر تبوک پہنچا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تقریر فرمائی" :لوگو، سب سے زیادہ سچی بات اللہ کی کتاب ہے، سب سے مضبوط بندھن کلمہ ہے)یعنی ایمان کی گواہی(،سب سے بہتر دین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے، سب سے بہترین طریقہ حیات محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور سب سے زیادہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ سب سے افضل عمل وہ ہے جو اللہ کی طرف سے منظور کیا گیا ہے، سب سے افضل عمل انبیاء کرام کی ہے، جو سب سے افضل عمل ہے۔ ہیں وہ جو فائدہ مند ہیں وہ ہے جس کی پیروی کی جائے)اور بدتر نہ ہو (دل کا اندھا پن۔ اوپر والا ہاتھ)یعنی صدقہ دینا (نیچے والے ہاتھ)یعنی صدقہ لینے والے (سے بہتر ہے۔ جو تھوڑا ہے لیکن کافی ہے وہ اس سے بہتر ہے جو بہت ہے لیکن فضول ہے۔ بدترین معافی وہ ہے جب موت قریب ہو۔ قیامت کے دن بدترین توبہ ہے۔ وہ لوگ ہیں جو صرف اس کے آخر میں جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں۔ ایسے لوگ ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر بے فائدہ کرتے ہیں۔ سب سے برا گناہ جھوٹی زبان ہے۔ بہترین دولت وہ ہے جو نفس کی ہے)یعنی قناعت(۔ بہترین صفات تقویٰ ہے۔ حکمت کی انتہا اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔ دل کی بہترین خوبی یقین)ایمان (ہے۔ شک کرنا کفر میں سے ہے۔ ماتم میں نوحہ کرنا زمانہ جاہلیت)یعنی زمانہ جاہلیت (کا عمل ہے۔ دھوکہ جہنم میں پھیلی ہوئی مٹی کا ہے۔)زیادہ تر (شاعری شیطان کی طرف سے آتی ہے۔ شراب گناہوں کا مجموعہ ہے۔ عورتیں)مردوں کے لیے اور مرد عورتوں کے لیے (شیطان کے پھندے ہیں۔ جوانی جنون کی ایک شاخ ہے)کنٹرول نہ ہونے کی وجہ سے(۔ سب سے بری آمدنی مالی سود سے ہوتی ہے۔ یتیموں کا مال ہڑپ کرنا بدترین کھانا ہے۔ خوش نصیب وہ ہے جسے دوسروں کے اعمال سے ڈرایا جائے۔ تم میں سے کسی کو آخرت کی طرف لے جانے کے لیے معاملہ)یعنی موت (کے لیے صرف چار بازو دور جانا ہے۔ کسی عمل کی بنیاد اس کے نتائج سے طے ہوتی ہے۔ حکایتوں میں بدتر وہ ہیں جو جھوٹی ہیں۔ جو کچھ آنے والا ہے وہ قریب ہی ہے۔ مومن کو گالی دینا غضب ہے۔ مومن سے لڑنا کفر ہے۔ اس کا گوشت کھانا)یعنی غیبت (اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ اس کے مال کی حرمت اس کے خون کی حرمت کے برابر ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتا ہے وہ اس پر جھوٹ بولتا ہے۔ جو اس کی بخشش مانگے گا اسے بخش دیا جائے گا۔ جو معاف کرے گا اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا۔ جو غصے کو دبائے گا اللہ تعالیٰ اس کا اجر دے گا۔ جو مصیبت پر ثابت قدم رہے گا اللہ تعالیٰ ،اس کی تلافی کرے گا۔ جو شہرت چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے رسوا کر دے گا۔ جو ثابت قدم رہے گا اللہ تعالیٰ اس کو دوگنا اجر دے گا۔ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا، اللہ تعالیٰ عذاب دے گا۔ اے اللہ مجھے اور میری قوم کو معاف فرما۔ اے اللہ مجھے اور میری قوم کو معاف فرما۔ اے اللہ مجھے اور میری قوم کو معاف فرما۔ میں اپنے لیے اور تمہارے لیے معافی چاہتا ہوں۔ ‘‘اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 16-17 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک مبارک قبر

غزوہ تبوک کے دوران ایک صحابی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ وہ ایک مرتبہ آدھی رات کو اٹھے اور روشنی دیکھی۔ جب وہ تحقیق کے لیے اس کے پاس گیا تو اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ایک صحابی ذی البجادین رضی اللہ عنہ کی قبر کھودتے ہوئے پایا، جن کا انتقال ہو چکا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر میں تھے جب کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے ذو البیضادین رضی اللہ عنہ کے جسد خاکی کو قبر میں اتارا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جسم کو صحیح طریقے سے قبر میں رکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے اس طرح راضی ہونے کی درخواست کی جس طرح وہ آپ سے راضی تھے۔ اس واقعہ کو دیکھنے کے بعد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اکثر کہا کرتے تھے کہ کاش یہ ان کی قبر ہو۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 22-23 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 1372 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبر میں عذاب ہونے کی تصدیق فرمائی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی آیات اور احادیث اس مرحلے پر بحث کرتی ہیں جس کا سامنا تمام لوگوں کو کسی نہ کسی شکل میں کرنا پڑے گا۔ جیسا کہ یہ ناگزیر ہے، مسلمانوں کو اس کے لیے تیاری کرنی چاہیے کیونکہ قبر کی روشنی یا اندھیرا قبر سے ہی نہیں آتا۔ یہ اس کے اعمال ہیں جو یا تو اس کی قبر کو تاریک یا روشن کر دیتے ہیں۔ اسی طرح یہ اس کے اعمال ہیں جو اس بات کا تعین کرتے ہیں کہ اسے قبر میں عذاب یا رحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کی تیاری کا واحد طریقہ تقویٰ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کرے گا جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو راضی ہوں۔ یہ اعمال صالحہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور رحمت سے عذابِ قبر سے محفوظ رکھیں گے۔

یہ عجیب بات ہے کہ ایک مسلمان اپنے دنیاوی گھر کو آرام دہ بنانے کے لیے کتنا وقت، توانائی اور دولت صرف کرے گا، حالانکہ اس کا اس دنیا میں قیام بہت کم ہے، جب کہ وہ اپنی قبر کو آرام دہ بنانے کی طرف بہت کم توجہ دیتے ہیں، حالانکہ قبر میں اس کا قیام طویل اور سنگین ہو۔

مسلمان اکثر اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو دفنانے کے لیے قبرستانوں کا سفر کرتے ہیں۔ لیکن بہت کم لوگوں کو یہ احساس ہوتا ہے کہ ایک دن، جلد یا بدیر، ان کی باری آئے گی۔ حالانکہ مسلمانوں کی اکثریت اپنی کوششوں کی اکثریت اپنے اہل و عیال کو خوش کرنے کے لیے اور دولت کمانے کے لیے صرف اعمال صالحہ کے ذریعے وقف کردیتی ہے، جامع ترمذی نمبر 2379 میں موجود ایک حدیث میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ یہ دونوں چیزیں جن کو مسلمان ترجیح دیتے ہیں، وہ ان کے ساتھ چھوڑ دیں گے۔ لہٰذا ایک مسلمان کے لیے یہ بات درست ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کی خوشنودی اور مال غنیمت کے حصول پر عمل صالح کو ترجیح دے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی اپنے خاندان اور مال کو چھوڑ دے۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے خاندان کے لیے اپنے فرض کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق پورا کریں اور اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے فرائض سے غفلت برتتے ہوئے صرف وہی دولت حاصل کریں جس کی انہیں ضرورت ہے۔ جب یہ صحیح طریقے سے کیا جائے تو یہ بھی ایک نیک عمل بن جاتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 4006 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ کسی کو اپنے اہل و عیال یا مال کی خاطر اللہ تعالیٰ کے ذمہ اپنے فرائض کو کبھی نہیں چھوڑنا چاہیے کیونکہ یہ صرف تنہا، تنہا اور تاریک قبر کی طرف لے جائے گا۔ باب 20 طہٰ، آیت 55:

اسی سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے ایک بار پھر تمہیں نکالیں گے۔

فتح اطاعت میں ہے۔

جب مسلم فوج تبوک پہنچی تو بازنطینی فوج لڑنے سے بہت خوفزدہ تھی اور اس کے بجائے اپنے علاقے میں مزید پیچھے ہٹ گئی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ دن وہاں رہے اور پھر مدینہ واپس تشریف لے گئے۔ اگر چہ کوئی لڑائی نہیں ہوئی، لیکن اس کے نتیجے میں مسلمانوں کی ہیبت اور خوف ان کے دشمنوں کے دلوں میں مزید گھر کر گیا اور بہت سے غیر مسلموں کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی، کیونکہ انہوں نے پہچان لیا کہ اس پر قابو نہیں پایا جا سکتا۔ درحقیقت بہت سے قبائل جو بازنطینی سلطنت کی سرحد پر رہتے تھے اور ان کے ساتھ اتحاد کر چکے تھے، انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کی۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 429-430 میں بحث کی گئی ہے۔

وقت کے ساتھ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے کے باوجود ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی طاقت میں کمی آئی ہے۔ ہر مسلمان اپنے عقیدے کی مضبوطی سے قطع نظر قرآن پاک کی صداقت پر یقین رکھتا ہے کیونکہ اس سے ان کا ایمان ختم ہو جائے گا۔ درج ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ نے برتری اور کامیابی حاصل کرنے کی کنجی بتائی ہے جس سے دنیا بھر کے مسلمان اس کمزوری اور غم کو دور کر دیں گے۔ باب 3 علی عمران، آیت 139:

پس تم کمزور نہ ہو اور غم نہ کرو اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو‘‘۔ ’’

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ مسلمانوں کو اس برتری اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے صرف سچے مومن بننے کی ضرورت ہے۔ حقیقی عقیدہ میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لانا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر سے کرنا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے لیے فرائض بھی شامل ہیں، جیسے دوسروں کے لیے وہی محبت کرنا جو اپنے لیے پسند کرتا ہے جس کی نصیحت جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث میں آئی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات کو سیکھے اور اس پر عمل کرے۔ اس رویہ کے ذریعے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کامیابی اور برتری حاصل ہوئی۔ اور اگر مسلمان اس کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو انہیں اس راہ راست پر

واپس آنا چاہیے۔ جیسا کہ مسلمان قرآن پاک پر یقین رکھتے ہیں انہیں اس سادہ تعلیم کو سمجھنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔

برائی کے خلاف معافی

تبوک سے واپسی پر منافقین کے ایک گروہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جب وہ ایک تنگ سی چوٹی پر سفر کر رہے تھے۔ منافقین نے اپنے چہرے چھپا لیے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دھکیلنے کی کوشش کی لیکن دونوں صحابہ رضی اللہ عنہم نے انہیں بھگا دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے شیطانی منصوبے اور ان کے ناموں سے آگاہ کیا گیا۔ اس نے منافقوں کو سزا نہیں دی بلکہ ان کے سنگین گناہ پر پردہ ڈالا۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 4، صفحہ 23-24 میں بحث کی گئی ہے۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے توبہ کی آیت 74 میں باب 9 نازل فرمایا:

"وہ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے [پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خلاف کچھ نہیں کہا [جب کہ انہوں نے کلمہ کفر کہا تھا اور اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے تھے اور وہ منصوبہ بنایا تھا جو انہیں حاصل نہیں ہونا تھا..."

اس پر امام واحدی کی، اصباب النزول، 9:74، صفحہ 89-90 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قتل کی سازش کے پیچھے لوگوں کو بے نقاب نہیں کیا، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہا کہ وہ سچے دل سے توبہ کریں اور اسلام قبول کریں۔

صحیح بخاری نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اپنی ذات سے بدلہ نہیں لیا بلکہ معاف کر دیا اور نظر انداز کیا۔

مسلمانوں کو مناسب اور معقول طریقے سے اپنا دفاع کرنے کی اجازت دی گئی ہے جب ان کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں بچا ہے۔ لیکن انہیں کبھی بھی لائن سے اوپر نہیں جانا چاہئے کیونکہ یہ ایک گناہ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 190:

’’اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہ کرو، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔‘‘

چونکہ نشان پر قدم رکھنے سے بچنا مشکل ہے، اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ صبر کی پابندی کرے، دوسروں کو نظر انداز کرے اور معاف کرے کیونکہ یہ نہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف ان کے گناہوں کو معاف کرنے کی طرف لے جاتی ہے۔ باب 24 النور، آیت 22:

’’اور وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا آپ پسند نہیں کریں گے کہ اللہ آپ کو معاف کر دے؟‘‘

دوسروں کو معاف کرنا دوسروں کے کردار کو مثبت انداز میں بدلنے میں بھی زیادہ موثر ہے، جو کہ اسلام کا مقصد ہے اور مسلمانوں پر فرض ہے، کیونکہ بدلہ لینے سے ملوث افراد کے درمیان مزید دشمنی اور غصہ پیدا ہوتا ہے۔

جو لوگ دوسروں کو معاف نہ کرنے کی بری عادت رکھتے ہیں اور معمولی باتوں پر بھی ہمیشہ رنجشوں میں مبتلا رہتے ہیں، وہ اچھی طرح جان سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ ان کے ہر چھوٹے گناہ کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چیزوں کو جانے دینا سیکھنا چاہئے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں بخشش کا باعث بنتا ہے۔ اس کے علاوہ، ذہنی سکون اس وقت ختم ہو جاتا ہے جب کوئی شخص ہر اس چھوٹے سے مسئلے کو پکڑنے کی عادت اپنا لیتا ہے جو اسے پریشان کرتا ہے۔ لہٰذا، دوسروں کو نظر انداز کرنا اور معاف کرنا سیکھنا چھوٹے موٹے مسائل کو چھوڑنے میں مدد کرتا ہے، جس کے نتیجے میں انہیں ذہنی سکون حاصل کرنے میں مدد ملتی ہے۔

آخر میں، اہم حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جب دوسرے لوگ لائن کو عبور کریں تو کسی کو اپنا دفاع نہیں کرنا چاہئے، جیسا کہ اسلام بغیر کسی کمزوری کے عاجزی کا درس دیتا ہے۔ اس کے علاوہ، یہاں تک کہ جب کوئی دوسروں کو معاف کرتا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ان پر اندھا اعتماد کریں یا ان کے ساتھ ہمیشہ کی طرح سماجی تعلقات جاری رکھیں۔ اس سے ان کے دوبارہ غلط ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں کو معاف کرنا چاہیے، اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے حقوق ادا کرنے چاہئیں، اور ماضی میں ان لوگوں کے ساتھ پیش آنا چاہیے جنہوں نے ان پر ظلم کیا ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ تاریخ اپنے آپ کو نہ دہرائے اور وہ دونوں جہانوں میں برکتیں اور انعامات حاصل کریں۔

نقصان پہنچانے کے لیے مسجد

غزوہ تبوک سے واپسی پر اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ قباء کے قریب ایک عمارت جو منافقین نے تعمیر کی تھی اسے ڈھا دیں۔ انہوں نے اسے مسجد کہا جبکہ ان کا ارادہ ایک ایسا اڈہ بنانا تھا جہاں وہ مل سکیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محفوظ محسوس کرتے ہوئے اسلام کے خلاف سازش کر سکیں۔ وہ قبیلہ قبا کے اندر تفرقہ پیدا کرنا چاہتے تھے تاکہ مقامی مسلمانوں کو اسلام سے دور کر دیا جائے۔ اس منصوبے کا سرغنہ ابو عامر نامی ایک بدکار شخص تھا جس نے اسلام سے انکار کیا اور مکہ کی طرف ہجرت کی جہاں اس نے انہیں جنگ پر اکسایا۔ جب یہ ناکام ہوا تو اس نے بازنطینی بادشاہ کے پاس سفر کیا اور اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ ان منافقین نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خواہش کی کہ اس عمارت کے اندر نماز پڑھ کر برکت عطا فرمائیں۔ اس عمل سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس کے اندر نماز پڑھنے کی ترغیب ملتی جس سے منافقین کو گمراہ کرنے کا موقع ملتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کے اندر کھڑے ہونے سے منع فرمایا اور اس کے بجائے عمارت کو ڈھانے کا حکم دیا۔ مزید برآں، اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بالواسطہ تمام مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے حقیقی گھروں، برگزیدہ، مساجد پر قبضہ کرنے کی ترغیب دی، جن کی بنیاد تقویٰ یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر رکھی گئی ہے۔ باب 9 توبہ، آیات 107-110:

"اور وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے لیے مسجد کو نقصان پہنچانے اور کفر اور مومنوں میں تفرقہ ڈالنے کے لیے اور ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور اس کے رسول سے پہلے جنگ کی تھی، جگہ بنالیا، اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے صرف بہتر ہی کا ارادہ کیا تھا، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں، پہلے سے نماز کے لیے مسجد میں کھڑے نہ ہو جاؤ۔ اس کے اندر وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو پاک کرنے کو پسند کرتے ہیں، پھر کیا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ سے اور اس کی رضامندی پر رکھی ہو، وہ اس کے ساتھ ہی گرے گا؟ ظالم لوگ ان کی عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ان کے دلوں میں اس وقت تک شک نہیں رہے گا جب تک کہ ان کے دلوں کو روک نہ دیا جائے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 4، صفحہ 26-27 میں بحث کی گئی ہے۔

منافقت کی نشانی یہ ہے کہ انسان معاشرے میں فساد پھیلاتا ہے۔ یہ منفی خصوصیت خاندانی اکائی سے شروع ہوکر بین الاقوامی سطح پر ختم ہونے والی تمام سماجی سطحوں کو متاثر کرتی ہے۔ اس قسم کے لوگ لوگوں کو اچھائی پر متحد ہوتے دیکھنا ناپسند کرتے ہیں کیونکہ اس سے دوسروں کی دنیاوی حیثیت ان کے اپنے سے بڑھ جاتی ہے۔ یہ انہیں غیبت اور غیبت کی طرف لے جاتا ہے تاکہ لوگ ایک دوسرے کے خلاف ہو جائیں۔ ان کا برا رویہ ان کے اپنے رشتے داروں کو تباہ کر دیتا ہے اور جب وہ دوسرے خاندانوں کو دیکھتے ہیں جو خوش ہوتے ہیں تو یہ انہیں ان کی خوشیوں کو بھی تباہ کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ وہ فالٹ فائنڈر ہیں جو اپنا وقت دوسروں کی غلطیوں کی نقاب کشائی کرنے کے لیے وقف کرتے ہیں تاکہ ان کی سماجی حیثیت کو نیچے لے جا سکیں۔ وہ پہلے لوگ ہیں جنہوں نے دوسروں کے بارے میں گپ شپ شروع کی اور جب بھی اچھی بات کی جائے تو بہرے کام کرتے ہیں۔ امن اور سکون انہیں پریشان کرتا ہے لہذا وہ اپنے آپ کو تفریح کرنے کے لئے مسائل پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ سنن ابن ماجہ نمبر 2546 میں موجود حدیث کو یاد کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ یہ نصیحت کرتی ہے کہ جو شخص دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالے گا اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں پر پردہ ڈالے گا۔ لیکن جو شخص دوسروں کے عیب تلاش کرتا ہے اور ان کی پردہ پوشی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو لوگوں پر ظاہر کر دیتا ہے۔ تو درحقیقت، اس قسم کے افراد معاشرے کے سامنے صرف اپنے عیبوں کی پردہ پوشی کر رہے ہوتے ہیں حالانکہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ دوسروں کے عیبوں کو بے نقاب کر رہے ہیں۔ مزید برآں، جیسا کہ آیات کے حوالے سے متنبہ کیا گیا ہے کہ جو شخص معاشرے میں فساد پھیلاتا ہے وہ دونوں جہانوں میں اس کا خمیازہ بھگتتا ہے۔ وہ دنیاوی چیزیں جو وہ اپنے طرز عمل سے حاصل کرتے ہیں، جیسے سماجی اثر و رسوخ، دونوں جہانوں میں ان کے لیے تناؤ، پریشانی اور مشکلات کا باعث بنیں گے۔ یہ ناگزیر ہے کیونکہ جو معاشرے میں فساد پھیلاتا ہے وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو انہیں دی گئی ہیں۔ نتیجے کے طور پر، وہ ایک غیر متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کریں گے اور وہ اپنی زندگی کے ساتھ ہر چیز اور ہر ایک کو غلط جگہ دیں گے۔ اس لیے ان کا رویہ انہیں دونوں جہانوں میں تناؤ اور مشکلات کی طرف لے جائے گا۔ اس کے علاوہ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی تمام چیزوں کو کنٹرول کرتا ہے، بشمول لوگوں کی روحانی سماعتیں ، اسی لیے وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کس کو ذہنی سکون حاصل ہے اور کون نہیں۔ اور وہ ان لوگوں کو نہیں دیتا جو معاشرے میں فساد پھیلاتے ہیں۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے‘‘۔’’

اس کے علاوہ، زیر بحث اہم واقعہ اللہ کے گھر، برگزیدہ، مساجد کے قیام کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

صحیح مسلم نمبر 1528 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب جگہیں مسجدیں ہیں اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ جگہیں بازار ہیں۔

اسلام مسلمانوں کو مساجد کے علاوہ کسی اور جگہ جانے سے منع نہیں کرتا اور نہ ہی انہیں ہمیشہ مساجد میں رہنے کا حکم دیتا ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ باجماعت نماز کے لیے مساجد میں جانے اور مذہبی اجتماعات میں شرکت کو ترجیح دیں، بازاروں اور دیگر مقامات پر غیر ضروری طور پر جانے سے زیادہ۔

،جب ضرورت پیش آئے تو دوسری جگہوں مثلاً شاپنگ سینٹرز میں جانے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن مسلمان کو غیر ضروری طور پر وہاں جانے سے گریز کرنا چاہیے، کیونکہ یہ وہ جگہیں ہیں جہاں گناہ زیادہ ہوتے ہیں۔ جب بھی وہ دوسری جگہوں پر جاتے ہیں تو انہیں اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچیں، جس میں دوسروں پر ظلم کرنا بھی شامل ہے۔ انہیں ضرورت سے زیادہ میل جول سے بچنا چاہیے، کیونکہ یہ معاشرے میں ہونے والے اکثر گناہوں کا سبب ہے۔

مساجد سے مراد گناہوں سے پناہ گاہ اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے لیے ایک آرام دہ جگہ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق سامنا کرنا شامل ہے۔ جس طرح ایک طالب علم لائبریری سے استفادہ کرتا ہے، جیسا کہ یہ مطالعہ کے لیے ایک ماحول ہے، اسی طرح مسلمان مساجد سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، کیونکہ ان کا اصل مقصد مسلمانوں کو مفید علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دینا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی صحیح اطاعت کر سکیں۔

مساجد اپنے ایک مقصد کو یاد دلانے کے لیے بھی ایک بہترین جگہ ہیں، جو کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کی خوشنودی کے لیے استعمال کرتے ہوئے خلوص دل سے اللہ کی اطاعت کرنا ہے۔ مساجد بھی لوگوں کو اپنی سرگرمیوں کو صحیح طریقے سے ترجیح دینے کی ترغیب دیتی ہیں، تاکہ وہ اپنی ضروریات اور ذمہ داریوں کو پورا کر سکیں، آخرت کے لیے مناسب تیاری کر سکیں اور اعتدال کے ساتھ حلال لذتوں سے لطف اندوز ہو سکیں۔ جو شخص مساجد سے اجتناب کرتا ہے وہ اکثر اپنا وقت اور وسائل فضول اور فضول کاموں میں ضائع کرتا ہے اور اس وجہ سے وہ دونوں جہانوں میں فائدہ اٹھانے سے محروم رہتا ہے۔

ایک مسلمان کو نہ صرف مساجد کو دوسری جگہوں پر ترجیح دینی چاہیے بلکہ وہ دوسروں کو بھی، جیسے کہ اپنے بچوں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دینی چاہیے۔ درحقیقت یہ نوجوانوں کے لیے گناہوں، جرائم اور بری صحبت سے بچنے کے لیے بہترین جگہ ہے جس سے دونوں جہانوں میں مصیبت اور پشیمانی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اپنے ذرائع استعمال کریں۔

غزوہ تبوک سے واپسی کے وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ مدینہ میں ایسے لوگ بھی ہیں جو غزوۂ سفر کے دوران ٹھہرے تھے لیکن ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تھے، جنہوں نے اس مہم میں حصہ لیا کیونکہ ان کے پاس ان کے ساتھ شامل نہ ہونے کا معقول عذر تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 28 میں بحث کی گئی ہے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ کچھ مسلمانوں نے ایک کمزور خصوصیت اختیار کر لی ہے جو انہیں بہتر کرنے میں صرف رکاوٹ ہے۔ یعنی وہ اپنے حالات اور حالات کا موازنہ دوسروں سے کرتے ہیں جو آسان حالات کا سامنا کر رہے ہیں اور اس کو بہانے کے طور پر استعمال کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ نہ کریں، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق سامنا کریں۔ مثال کے طور پر، ایک شخص جو کل وقتی کام کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوشش نہ کرنے کا عذر پیش کرتا ہے، اپنا موازنہ کسی ایسے شخص سے کرتا ہے جو پارٹ ٹائم کام کرتا ہے، اور محض یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کرنا آسان ہے کیونکہ ان کے پاس زیادہ فارغ وقت ہے۔ یا ایک غریب مسلمان زیادہ مال رکھنے والوں کو دیکھ کر اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مالدار ان سے زیادہ آسانی سے صدقہ دے سکتا ہے۔ وہ یہ سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں کہ یہ بہانے ان کی روح کو بہتر محسوس کر سکتے ہیں لیکن یہ ان کی دنیا یا آخرت میں مدد نہیں کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ لوگ دوسروں کے وسیلہ کے مطابق عمل کریں وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ لوگ اپنے اسباب کے مطابق اس کی اطاعت پر عمل کریں۔ مثال کے طور پر جو شخص کل وقتی کام کرتا ہے وہ اپنے پاس جو بھی فارغ وقت رکھتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے وقف کر سکتا ہے، خواہ وہ جز وقتی کام کرنے والے سے کم ہی کیوں نہ ہو۔ اس سلسلے میں پارٹ ٹائمر جو کچھ کرتا ہے اس کا کل وقتی کام کرنے والے پر کوئی اثر نہیں ہوتا اس لیے انہیں زیادہ محنت نہ کرنے کے بہانے کے طور پر استعمال کرنا محض ایک لنگڑا بہانہ ہے۔ غریب مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق صدقہ دے خواہ وہ مالدار سے بہت کم کیوں نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی نیت اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اس کے مطابق ان کا فیصلہ نہیں کرے گا۔

مسلمانوں کو ان فضول عذروں کو ترک کر دینا چاہیے اور بس اپنے اپنے ذرائع کے مطابق اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے۔

نرم رویہ بہترین ہے۔

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ تبوک کے بعد مدینہ واپس آئے تو جو لوگ اس مہم میں حصہ نہ لے سکے وہ اپنے عذر دہرا کر آپ کے پاس آئے اور آپ کی بیعت کا اعلان کیا۔ اس نے ان کے تمام عذر قبول کیے اور ان کی طرف سے دعا کی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 30 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منافقین کو صدق دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دینے کے لیے ان کے ساتھ نرم رویہ اختیار کیا۔

جامع ترمذی نمبر 2701 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔

یہ ایک اہم خصوصیت ہے جسے تمام مسلمانوں کو اپنانا چاہیے۔ اسے اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں استعمال کیا جانا چاہیے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ نرم مزاجی سے خود مسلمانوں کو کسی اور سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکتیں اور اجر و ثواب حاصل کریں گے اور گناہوں کی مقدار کو کم کریں گے، کیونکہ ایک شریف آدمی اپنے قول و فعل سے گناہوں کا امکان کم رکھتا ہے، بلکہ اس سے انہیں دنیاوی معاملات میں بھی فائدہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، جو شخص اپنے شریک حیات کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے وہ بدلے میں زیادہ پیار اور عزت حاصل کرے گا اگر وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ سختی سے پیش آئے۔ جب بچوں کے ساتھ نرمی سے برتاؤ کیا جاتا ہے تو بچے اپنے والدین کی فرمانبرداری اور احترام کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ کام پر موجود ساتھی اس کی مدد کرنے کا زیادہ امکان رکھتے ہیں جو ان کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے۔ مثالیں لامتناہی ہیں۔ صرف انتہائی شاذ و نادر ہی صورتوں میں سخت رویہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ زیادہ تر معاملات میں، نرم رویہ سخت رویہ سے کہیں زیادہ موثر ہوگا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی بھی بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی نرمی کو خاص طور پر اجاگر کیا ہے، کیونکہ یہ ایک اہم جز ہے جو دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کے لیے ضروری ہے۔ باب 3 آل عمران، آیت 159:

"پس اللہ کی رحمت سے آپ نے ان کے ساتھ نرمی برتی، اور اگر آپ بد زبان اور دل میں سخت ہوتے تو وہ آپ سے دور ہو جاتے۔"

ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ کبھی بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر نہیں ہو سکتے اور نہ ہی وہ جس شخص سے بات کرتے ہیں وہ فرعون سے بدتر ہو گا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرعون کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔ باب 20 طٰہٰ، آیت 44:

اور اس سے نرمی سے بات کرو شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا اللہ سے ڈرے‘‘۔’’

سختی صرف لوگوں کو اسلام سے دور کرتی ہے اور دوسروں کو یہ ماننے کا باعث بنتی ہے کہ یہ ایک سخت اور خام مذہب ہے۔ اسلام کو اس طرح غلط بیان کرنا ایک سنگین جرم ہے جس سے تمام مسلمانوں کو بچنا چاہیے۔

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام معاملات میں نرمی اختیار کرے کیونکہ اس سے بہت زیادہ ثواب ملتا ہے اور دوسروں جیسے کہ اپنے گھر والوں پر مثبت اثر پڑتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ بنیادی حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جب کوئی دوسرے لائن کو عبور کرے تو کسی کو اپنا دفاع نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ اسلام بغیر کسی کمزوری کے عاجزی کا درس دیتا ہے۔ لیکن یہ مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ عام طور پر نرمی کو اپنا طریقہ اختیار کریں اور دوسروں کو ان کا فائدہ اٹھانے کی اجازت نہ دیں۔

آخر میں، ایک سادہ اسلامی فلسفہ کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے، کہ کوئی دوسرے کے ساتھ کیسا سلوک کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کیسا سلوک کرے گا۔ اگر کوئی اپنے قول و فعل میں دوسروں کے ساتھ سختی کا مظاہرہ کرے تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرے گا۔ جبکہ اگر وہ دوسروں کے ساتھ نرمی سے پیش آتے ہیں، دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرتے ہیں، اچھی باتوں میں دوسروں کی مدد کرتے ہیں اور دوسروں کی غلطیوں اور عیبوں سے درگزر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرے گا۔

اس کے علاوہ زیر بحث اہم واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں کو شک کا فائدہ دیا کیونکہ آپ نے ان کی نیت یا عذر پر سوال نہیں کیا۔

سنن ابو داؤد نمبر 4993 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت کی کہ لوگوں کے بارے میں اچھا گمان کرنا اللہ تعالیٰ کی عبادت کا ایک پہلو ہے۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک پہلو ہے۔

چیزوں کو منفی انداز میں بیان کرنا اکثر گناہوں کا باعث بنتا ہے، جیسے غیبت اور غیبت۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جہاں ممکن ہو مثبت انداز میں چیزوں کی تشریح کرے تاکہ شک کا فائدہ دوسروں تک پہنچایا جا سکے۔ بدقسمتی سے، منفی سوچ کو اپنانے سے خاندانی یونٹ سے لے کر قومی سطح تک لوگوں پر اثر پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک قوم کتنی بار ایک مفروضے اور شک پر جنگ میں گئی ہے؟ میڈیا میں پائے جانے والے اسکینڈلز کی اکثریت مفروضوں پر مبنی ہے۔ یہاں تک کہ ایسے قوانین بھی بنائے گئے ہیں جو مفروضوں اور شبہات کے استعمال کی حمایت کرتے ہیں۔ یہ اکثر ٹوٹنے اور ٹوٹنے والے رشتوں کی طرف لے جاتا ہے کیونکہ اس ذہنیت کے حامل لوگ ہمیشہ یہ مانتے ہیں کہ دوسرے ان کے الفاظ یا اعمال کے ذریعے ان پر تنقید کر رہے ہیں۔ یہ کسی کو دوسروں سے مشورہ لینے سے روکتا ہے، کیونکہ ان کا ماننا ہے کہ مشورہ دینے والے کی طرف سے ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے اور یہ ایک کو مشورہ دینے سے روکتا ہے کیونکہ انہیں یقین ہے کہ دوسرا شخص ان کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دے گا۔ اور ایک شخص اس منفی ذہنیت کے حامل شخص کو نصیحت کرنے سے گریز کرے گا کیونکہ ان کا خیال ہے کہ یہ صرف ایک دلیل کا باعث بنے گا۔ یہ دیگر منفی خصلتوں کی طرف جاتا ہے، جیسے کہ تلخی۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگر وہ یہ فرض کر لیں کہ کوئی ان پر طنز کر رہا ہے، تب بھی انہیں ان کی نصیحت کو قبول کرنا چاہیے اگر یہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر مبنی ہے۔

چیزوں کی ہمیشہ منفی تشریح کرنا بھی ایک طاقتور دماغی بیماری کو جنم دیتا ہے، یعنی پیراونیا۔ جو شخص بے حیائی کو اپناتا ہے وہ ہمیشہ دوسروں کو بری چیزوں کا شکوہ کرتا ہے۔ یہ رشتوں کے لیے انتہائی تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے، جیسے شادی۔

کوشش کرنی چاہیے کہ جہاں ممکن ہو مثبت انداز میں چیزوں کی تشریح کی جائے، جس سے مثبت ذہنیت جنم لے۔ اور ایک مثبت ذہنیت صحت مند تعلقات، احساسات اور اتحاد کا باعث بنتی ہے۔ جبکہ چیزوں کی ہمیشہ منفی انداز میں تشریح کرنا انسان کو دوسروں کے بارے میں ہمیشہ منفی سوچنے اور عمل کرنے کی ترغیب دیتا ہے، چاہے ان کا برتاؤ اچھا ہو۔ یہ صرف انسان کو دوسروں کے حقوق ادا کرنے سے روکتا ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 12:

"...اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت سے گمانوں سے بچو، بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ تبوک کے بعد مدینہ واپس آئے تو جو لوگ اس مہم میں حصہ نہ لے سکے وہ اپنے عذر دہرا کر آپ کے پاس آئے اور آپ کی بیعت کا اعلان کیا۔ اس نے ان کے تمام عذر قبول کیے اور ان کی طرف سے دعا کی اور ان کے پوشیدہ ارادوں کو ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان چھوڑ دیا۔ ایک صحابی کعب بن مالک رضی اللہ عنہ صرف غفلت اور سستی کی وجہ سے پیچھے رہے۔ اگرچہ اس نے دوسروں کو عذر کرتے ہوئے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معافی مانگتے ہوئے دیکھا، لیکن پھر بھی انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حق بیان کیا، یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے پر ان پر ناراض ہو گا، خواہ وہ وقتی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی سے بچ جائے۔ دو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی حق کا اقرار کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے حالات کا فیصلہ کرے گا۔ اہل مدینہ سے کہا گیا کہ جب تک ان کے بارے میں فیصلہ نہیں ہو جاتا ان تینوں کا سماجی بائیکاٹ کریں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 31-32 میں بحث کی گئی ہے۔

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو تین آدمیوں کا سماجی بائیکاٹ کرنے کا حکم دیا تو ان کے پیارے دوستوں اور رشتہ داروں میں سے کسی نے بھی ان سے بات نہیں کی۔ یہ سخت معلوم ہو سکتا ہے، لیکن تمام مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کے لیے واضح پیغام دینا ضروری تھا، اور یہ ان تینوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس آزمائش کا حصہ تھا جس کا سامنا کرنا پڑا۔ اس حکم پر لوگوں کا ردعمل ظاہر کرتا ہے کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کس قدر محبت اور خلوص رکھتے تھے۔

لہٰذا ان کی زندگی اور تعلیمات کو سیکھ کر اور ان پر عمل کرتے ہوئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان، محبت اور احترام کے ان کے زبانی اعلان کی تائید کرنی چاہیے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور’’
"تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

:اور باب 59 الحشر، آیت 7

‘‘اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔’’

:اور باب 4 النساء آیت 80

‘‘جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔’’

:اور باب 33 الاحزاب، آیت 21

یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم’’
‘‘آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہے۔

انسان کو اپنے کردار کو اس کے مبارک کردار کے مطابق بنانا چاہیے تاکہ وہ صبر، شکر اور سخاوت جیسی اچھی صفات کو اپنا لیں اور حسد، غرور اور لالچ جیسی منفی خصوصیات کو ترک کر دیں۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ ذہنی سکون حاصل کرتے ہیں، کیونکہ مثبت خصوصیات کو اپنانے

سے مثبت ذہنیت جنم لیتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی اور تعلیمات کو سیکھنا اور ان پر عمل کرنا بھی اس بات کو یقینی بنائے گا کہ کوئی شخص بیرونی دنیا میں ان کی صحیح نمائندگی کرتا ہے۔ جو ایسا کرنے میں ناکام رہے گا وہ لامحالہ اس کی غلط تشریح کرے گا اور اس لیے غیر مسلموں اور دیگر مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے روک دے گا۔ اس کو غلط طریقے سے پیش کرنے سے بیرونی دنیا بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تنقید کرنے کا سبب بنے گی جب وہ مسلمانوں کے برے رویے کو دیکھیں گے۔ یہ وہ چیز ہے جس کا ہر مسلمان جواب دے گا کیونکہ یہ ان پر فرض ہے کہ وہ بیرونی دنیا میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح نمائندگی کریں۔

اس کے علاوہ سابقہ امتوں کی طرح جو اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت کا دعویٰ کرتی ہیں، آخرت میں ان کے ساتھ شامل نہیں ہوں گی کیونکہ وہ عملی طور پر ان کی پیروی کرنے میں ناکام رہی ہیں، اور نہ ہی وہ مسلمان جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی طور پر پیروی کرنے میں ناکام رہے ہیں، آخرت میں ان کے ساتھ شامل نہیں ہوں گے۔ اس کے بجائے، ایک شخص ان لوگوں میں شامل ہو جائے گا جن کی وہ اس دنیا میں عملی طور پر نقل کرتے تھے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4031 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔

کنارے پر اطاعت

غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سماجی بائیکاٹ کیا گیا جب کہ مسلمان ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا انتظار کر رہے تھے۔ اس دوران ایک غیر مسلم حکمران نے ان میں سے ایک صحابی کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو خط بھیجا کہ ان کے ساتھ سخت سلوک کیا جا رہا ہے اور وہ مدینہ چھوڑ کر ان کے پاس آجائیں جہاں ان کے ساتھ بڑی عزت و تکریم کی جائے گی۔ کعب رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ یہ امتحان ہے اور خط کو جلا دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 31-32 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ آسانی اور مشکل دونوں وقتوں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ آسانی کے اوقات میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا اکثر آسان ہوتا ہے، اس لیے کسی کے ایمان کا اصل امتحان یہ ہے کہ جب وہ مشکل کے وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت جاری رکھے۔ باب العنکبوت، آیات 2-3 29:

"کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انہیں یہ کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی، لیکن ہم نے ان سے پہلے والوں کو ضرور آزمایا ہے، اور اللہ ضرور ان لوگوں کو ظاہر کرے گا جو سچے ہیں اور وہ ضرور جھوٹوں کو ضرور ظاہر کر دے گا۔"

اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کے لیے ہر وقت مضبوط ایمان کو اپنانا چاہیے۔ پختہ ایمان تب حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص قرآن پاک میں موجود واضح دلائل و شواہد کو سیکھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات جو اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ کس قدر خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنتی ہے۔ دوسری طرف جو اسلامی تعلیمات سے غافل رہے گا وہ کمزور ایمان حاصل کر لے گا۔ یہ شخص جب بھی ان کی خواہشات کے خلاف ہو گا تو آسانی سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا کیونکہ وہ یہ دیکھنے میں ناکام رہتے ہیں کہ کس طرح اپنی خواہشات کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے سے دونوں جہانوں میں سکون ملتا ہے۔ لہٰذا اسلامی علم سیکھنے اور اس

پر عمل کرنے سے ایمان کا یقین حاصل کرنا چاہیے تاکہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہے۔ اس میں ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا شامل ہے جو کسی کو عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ دونوں جہانوں میں ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرکے اور ہر ایک اور ہر چیز کو اپنی زندگی میں صحیح طریقے سے رکھ کر ذہنی سکون حاصل کریں۔

سچائی کامیابی کی طرف لے جاتی ہے۔

غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سماجی بائیکاٹ کیا گیا جب کہ مسلمان ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا انتظار کر رہے تھے۔ 50 مشکل دنوں کے بعد، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی بخشش نازل فرمائی، خاص طور پر حق پر قائم رہنے کے لیے ان کے لیے ایک خاص نعمت ہے۔ باب 9 توبہ آیت 118:

"اور ان تینوں کو بھی بخش دیا جو اکیلے رہ گئے تھے [یعنی اپنی غلطی پر افسوس کرتے ہوئے] یہاں تک کہ زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر بند ہو گئی اور ان کی روحیں ان پر مقید ہو گئیں اور انہیں یقین ہو گیا کہ اللہ کے سوا کوئی پناہ گاہ نہیں، پھر اس نے ان کی طرف رجوع کیا تاکہ وہ توبہ قبول کر سکیں۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 30-33 میں بحث کی گئی ہے۔

تینوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ اعزاز اس لیے حاصل ہوا کہ جب انہوں نے غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے کا عذر پیش کرتے ہوئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ بولنے کے بجائے حق پر قائم رہے۔

جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچائی کی اہمیت اور جھوٹ سے اجتناب فرمایا۔ پہلا حصہ نصیحت کرتا ہے کہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے جو بدلے میں جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب کوئی شخص سچائی پر قائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سچا شخص لکھتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سچائی تین سطحوں کے طور پر۔ پہلا وہ ہے جب کوئی شخص اپنی نیت اور اخلاص میں سچا ہو۔ یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں اور شہرت جیسے باطل مقاصد کے لیے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ درحقیقت یہی اسلام کی بنیاد ہے کیونکہ ہر عمل کا فیصلہ نیت پر ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ کسی کے اخلاص کی دلیل یہ ہے کہ وہ دوسروں کے شکر گزاری کی خواہش اور امید نہ رکھے۔

اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی اپنے الفاظ کے ذریعے سچا ہو۔ حقیقت میں اس کا مطلب ہے کہ وہ ہر قسم کے زبانی گناہوں سے بچتے ہیں نہ کہ صرف جھوٹ۔ جیسا کہ دوسرے زبانی گناہوں میں ملوث ہونے والا حقیقی سچا نہیں ہو سکتا۔ اس کے حصول کا ایک بہترین طریقہ جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود حدیث پر عمل کرنا ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ انسان اپنے اسلام کو صرف اسی صورت میں بہترین بنا سکتا ہے جب وہ ان چیزوں میں ملوث ہونے سے گریز کرے جن سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ زبانی گناہوں کی کثرت اس لیے ہوتی ہے کہ مسلمان کسی ایسی بات پر بحث کرتا ہے جس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ اس میں فضول باتوں سے پرہیز کرنا بھی شامل ہے، کیونکہ یہ اکثر گناہ کی بات کا باعث بنتا ہے اور کسی کے قیمتی وقت کا ضیاع ہے، جو قیامت کے دن ان کے لیے باعث ندامت ہوگا۔ سچائی کے اس درجے کو کوئی اچھا کہہ کر یا خاموش رہنے سے اختیار کر سکتا ہے۔

آخری مرحلہ اعمال میں سچائی ہے۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بغیر کسی خوشامد کے چناؤ یا اسلام کی تعلیمات کی غلط تشریح کیے جو کسی کی خواہشات کے مطابق ہو۔ انہیں تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ درجہ بندی اور ترجیحی ترتیب کی پابندی کرنی چاہیے۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ ہر اس نعمت کو استعمال کرے گا جو اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں۔

سچائی کے ان درجات کے برعکس یعنی جھوٹ بولنے کے نتائج، زیر بحث مرکزی حدیث کے مطابق یہ ہیں کہ یہ معصیت کی طرف لے جاتا ہے جس کے نتیجے میں جہنم کی آگ لگ جاتی ہے۔ جب کوئی اس رویہ پر قائم رہے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا لکھا جائے گا۔ تین درجات کے مطابق جن کا پہلے ذکر کیا گیا ہے، نیت میں جھوٹ بولنے میں اللہ تعالیٰ سے

بے نیاز ہونا اور لوگوں کی خاطر نیک اعمال کرنا شامل ہے۔ تقریر میں جھوٹ بولنے میں ہر قسم کی گناہ والی بات شامل ہے۔ اعمال میں جھوٹ بولنا گناہوں پر قائم رہنا بھی شامل ہے جس میں اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حقوق کو پامال کرنا شامل ہے۔ جو جھوٹ کے ان تمام درجات پر محیط ہے وہ بڑا جھوٹا ہے اور یہ فیصلہ کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں ہے کہ قیامت کے دن اس شخص کے ساتھ کیا ہو گا جسے اللہ تعالیٰ نے بڑا جھوٹا لکھا ہے۔

ذرائع کے مطابق متوازن خرچ

تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد جو غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا، ان میں سے ایک کعب بن مالک رضی اللہ عنہ پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مبارکباد دی۔ کعب رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنا سارا مال صدقہ کر دیا۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بتایا کہ یہ بہتر ہے کہ وہ صرف چندہ دے دیں اور باقی رکھ لیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 30-33 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 2376 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرتا ہے اس کو اس کے مطابق اجر دیا جائے گا۔ اور اس نے خبردار کیا کہ ذخیرہ اندوزی نہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کو روک دے گا۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ انسان کو صرف حلال مال حاصل کرنا اور خرچ کرنا چاہیے، کیونکہ کوئی بھی نیک عمل جس کی بنیاد حرام پر ہو، اللہ تعالیٰ اسے رد کر دے گا، خواہ اس کی نیت کچھ بھی ہو۔ صحیح مسلم نمبر 2342 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ جس طرح اسلام کی باطنی بنیاد نیت ہے اسی طرح اسلام کی ظاہری بنیاد حلال کا حصول اور اس کا استعمال ہے۔

اس کے علاوہ یہ خرچ صرف خیرات کے ذریعے نہیں ہوتا بلکہ اس میں فضول خرچی، اسراف یا اسراف کے بغیر اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات پر خرچ کرنا شامل ہے۔ صحیح بخاری نمبر 4006 میں موجود حدیث کے مطابق یہ درحقیقت ایک نیک عمل ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ متوازن طریقے سے خرچ کرے جس سے وہ خود محتاج نہ ہو کر دوسروں کی مدد کرے۔ باب 17 الاسراء، آیت 29:

اور اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے نہ باندھو اور نہ ہی اسے پوری طرح پھیلا دو اور]اس طرح[" ملامت اور دیوالیہ بن جاؤ۔"

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق باقاعدگی سے صدقہ کرے، چاہے وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کسی کے معیار کے معنی، ان کے اخلاص کو دیکھتا ہے، نہ کہ عمل کی مقدار کو۔ باقاعدگی کے ساتھ تھوڑا سا صدقہ کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ بہتر اور زیادہ محبوب ہے، اس سے کہ ایک بار زیادہ صدقہ کیا جائے۔ صحیح بخاری نمبر 6465 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص اپنی وسعت کے مطابق دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے لامحدود درجہ کے مطابق اجر دے گا۔ لیکن جو روکے گا اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا ہی جواب ملے گا۔ اگر کوئی مسلمان اپنا مال جمع کرتا ہے تو وہ اسے دوسروں کے لیے چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ اس کے لیے جوابدہ ہوں گے۔ اگر وہ اپنی دولت کا غلط استعمال کریں گے تو یہ ان کے لیے دنیا میں لعنت اور بوجھ اور آخرت میں عذاب بن جائے گا۔

آخر میں، اس حدیث کا اطلاق ان تمام دنیاوی نعمتوں پر ہوتا ہے جو کسی کو عطا کی گئی ہیں، نہ کہ صرف دولت۔ جب کوئی ان کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ ذہنی سکون، کامیابی اور نعمتوں میں اضافہ پائے گا، جیسا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ" کروں گا"۔

اور باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مسلمان کو دونوں جہانوں میں برکت، امن اور کامیابی حاصل کرنے کے لیے دولت مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ انہیں صرف ان نعمتوں کو استعمال کرنے کی ضرورت ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے، خواہ یہ نعمتیں کتنی ہی کم کیوں نہ ہوں۔

بخشش حاصل کرنا

ان کے ساتھ سات دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی غفلت کی وجہ سے غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے، انہوں نے کوئی عذر پیش نہیں کیا بلکہ توبہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ستونوں سے باندھ لیا۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ انہوں نے کیا کیا ہے تو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا۔ بالآخر، اللہ تعالیٰ نے توبہ میں باب 9، آیت 102 نازل کی، جس میں ان کی توبہ کی قبولیت کی طرف اشارہ کیا گیا:

"اور کچھ اور ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا، انہوں نے ایک نیک عمل کو دوسرے برے کے ساتھ ملا دیا، شاید اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے، بے شک اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 34 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 3540 میں موجود ایک الہامی حدیث اللہ تعالیٰ کی بخشش کی اہمیت اور وسعت کی تلقین کرتی ہے۔ حدیث کا پہلا حصہ اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ جب تک کوئی مسلمان سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے اور اس کی رحمت کی امید رکھتا ہے تو وہ اس کی بخشش کرتا ہے۔

یہ جواب درحقیقت قرآن پاک میں تمام جائز دعاؤں کی ضمانت دی گئی ہے، نہ صرف استغفار کے لیے۔ باب 40 غافر، آیت 60:

..."اور تمہارا رب کہتا ہے کہ مجھے پکارو۔ میں آپ کو جواب دوں گا۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کا تذکرہ فرمایا اور اعلان فرمایا کہ دعا عبادت کے معنیٰ ایک نیک عمل ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 1479 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ جامع ترمذی نمبر 3604 میں موجود ایک حدیث میں بتایا گیا ہے کہ ہر دعا مختلف طریقوں سے قبول ہوتی ہے جب تک کہ وہ حلال ہو۔ اس شخص کو یا تو وہ عطا کر دیا جاتا ہے جو اس نے مانگی تھی یا آخرت میں ان کے لیے اجر محفوظ کر دیا جائے گا یا اس کے برابر گناہ معاف کر دیا جائے گا۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ مثبت جواب حاصل کرنے کے لیے ایک مسلمان کو دعا کی شرائط اور آداب کو پورا کرنا چاہیے۔ استغفار کے سلسلے میں، اس میں گناہوں سے بچنے کے لیے سرگرم عمل کوشش کرنا اور اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرنا شامل ہے، کیونکہ گناہوں پر قائم رہتے ہوئے استغفار کرنا عقل سے متصادم ہے۔

سب سے بڑی دعا جو ایک مسلمان کر سکتا ہے وہ استغفار ہے، کیونکہ یہ نعمتیں حاصل کرنے، دنیا کی مشکلات سے بچنے اور جنت حاصل کرنے اور آخرت میں جہنم سے بچنے کا ذریعہ ہے۔
باب 71 نوح، آیات 10-12:

"اور کہا اپنے رب سے معافی مانگو، بے شک وہ ہمیشہ رہنے والا ہے، وہ تم پر آسمان سے بارش برسائے گا، اور تمہیں مال اور اولاد میں اضافہ کرے گا اور تمہارے لیے باغات مہیا کرے گا اور تمہارے لیے نہریں مہیا کرے گا۔"

جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی لامحدود رحمت کی امید رکھنا، جب دعا مانگنا استغفار کی شرط ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی اپنی رائے کے مطابق عمل کرتا ہے جس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 7405 میں موجود ایک آسمانی حدیث سے ہوئی ہے۔

بخشش کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان صرف اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہے کہ وہ انہیں معاف کر دے گا، یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی انہیں معاف نہیں کر سکتا اور نہ ہی انہیں عذاب سے بچا سکتا ہے۔

اس کے بعد جو اہم حدیث زیر بحث ہے وہ یہ ہے کہ انسان کتنے ہی گناہوں کا ارتکاب کر لے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش اس سے زیادہ ہے۔ درحقیقت یہ لامحدود ہے، اس لیے انسان کے محدود گناہ کبھی بھی اس پر قابو نہیں پا سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی کہ وہ جس چیز کے لیے دعا کرتے ہیں اس کی بڑائی کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی چیز اتنی بڑی نہیں ہے کہ وہ عطا کرے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6812 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بخشش لامحدود ہونے کو گناہوں پر قائم رہنے کے لیے عذر کے طور پر استعمال کرنا صرف اس اہم حقیقت کا مذاق اڑانا ہے اور ایسا سلوک کرنے والا اس کی بخشش سے محروم ہو سکتا ہے۔

زیر بحث مرکزی حدیث کا اگلا حصہ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے استغفار کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کا تذکرہ بہت سی آیات اور دیگر احادیث میں آیا ہے۔ استغفار کا یہ عمل مخلصانہ توبہ کا حصہ ہے۔ یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ استغفار کرنا زبان کا عمل ہے جبکہ باقی سچی توبہ میں اعمال کے ذریعے گناہ سے منہ موڑنا شامل ہے۔ سچی توبہ میں حقیقی ندامت کا احساس، دوبارہ گناہ نہ کرنے کا پختہ وعدہ کرنا اور اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہیں ان کی تلافی کرنا بھی شامل ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ ایک ہی گناہ پر اڑے نہ رہنا توبہ کے قبول ہونے کی شرط ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 135:

"اور وہ لوگ جو جب کوئی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہیں یا اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو معاف کر سکتا ہے؟

ایک مسلمان کے لیے استغفار میں ثابت قدم رہنا انتہائی ضروری ہے کیونکہ یہ ہر پریشانی سے نجات، ہر مشکل سے نکلنے کا راستہ اور ایسی جگہوں سے مدد کا باعث بنتا ہے جہاں سے کسی کی توقع نہ ہو۔ سنن ابوداؤد نمبر 1518 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

اگلی بات جو زیر بحث مرکزی حدیث میں مذکور ہے وہ بخشش کا سب سے بڑا سبب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرانا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کی دو قسمیں ہیں :بڑا شرک اور چھوٹا شرک۔ سب سے بڑی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ کے علاوہ کسی اور چیز کی عبادت کرتا ہے یا اس کے علاوہ۔ معمولی شکل یہ ہے کہ جب کوئی اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے علاوہ کسی اور کام کرتا ہے، جیسے دکھاوا کرنا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ درحقیقت لوگوں کی بھلائی کے لیے عمل کرنے والے کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے کہ وہ ان لوگوں سے ان کا اجر طلب کرے گا جن کے لیے انہوں نے عمل کیا، جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جو اس طریقے پر عمل کرے گا وہ آخر کار اس دنیا میں ہی بے نقاب ہو جائے گا اور چاہے وہ دوسروں کے ساتھ کتنا ہی اچھا سلوک کرے، اپنی بری نیت کی وجہ سے کبھی بھی ان کی حقیقی محبت یا عزت حاصل نہیں کر سکے گا۔ صحیح مسلم نمبر 6705 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

جب کسی کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا ادراک ہوتا ہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کے خوف اور محبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ارادہ کرتے ہیں، سوچتے ہیں، عمل کرتے ہیں اور بولتے ہیں۔ یہ طرز عمل گناہوں کے ارتکاب کے امکانات کو کم کرتا ہے اور جو بھی گناہ سرزد ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 3797 میں موجود ایک حدیث میں اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تمام برائیوں کو دور کر دیتا ہے۔

یہی طرز عمل تمام مسلمانوں کو اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس کی بنیاد قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کرے گا جو انہیں اللہ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں۔ یہ کسی کے گناہوں کو کم کرے گا اور جب بھی وہ گناہ کرتا ہے تو اسے ہمیشہ مخلصانہ توبہ

کی طرف ترغیب دیتا ہے۔ یہ دونوں جہانوں میں بخشش، امن اور کامیابی کا باعث بنتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

غمگین

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال آپ کے اٹھارہ ماہ کے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ اس پر ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 436 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 3127 میں ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نوحہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

بدقسمتی سے، کچھ کا خیال ہے کہ مشکل کے وقت رونے کی اجازت نہیں ہے، جیسے کہ کسی عزیز کو کھونا۔ یہ غلط ہے کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کئی موقعوں پر جب کسی کا انتقال ہوا تو روئے تھے۔ مثال کے طور پر جب ان کے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو وہ رو پڑے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 3126 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

درحقیقت کسی کی موت پر رونا رحمت کی نشانی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں جگہ دی ہے۔ اور صرف وہی لوگ جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں اللہ کی طرف سے رحم کیا جائے گا .صحیح بخاری نمبر 1284 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ اسی حدیث میں واضح طور پر ذکر ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے نواسے پر روئے جو فوت ہو گیا۔

صحیح مسلم نمبر 2137 میں موجود ایک حدیث میں بتایا گیا ہے کہ کسی شخص کو کسی کی موت پر رونے یا اپنے دل میں ہونے والے غم پر عذاب نہیں دیا جائے گا۔ لیکن ان کو سزا کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب کے بارے میں اپنی بے صبری کا اظہار کرتے ہوئے الفاظ بولیں۔

واضح رہے کہ دل میں غم محسوس کرنا یا آنسو بہانا اسلام میں منع نہیں ہے۔ جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے وہ ہیں رونا، قول و فعل سے بے صبری کا اظہار کرنا، جیسے کپڑے پھاڑنا یا غم میں سر منڈوانا۔ اس طرح کام کرنے والوں کے خلاف سخت وارننگ دی گئی ہے۔ اس لیے ان کاموں سے ہر حال میں اجتناب کرنا چاہیے۔ اس طرح کے کام کرنے پر نہ صرف کسی شخص کو سزا کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے بلکہ اگر میت نے مرنے کے وقت دوسروں کو اس طرح کا عمل کرنے کا حکم دیا تو وہ بھی جوابدہ ہوں گے۔ لیکن اگر مرحوم نے یہ خواہش نہ کی ہو تو وہ کسی قسم کے احتساب سے پاک ہیں۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1006 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ سمجھنا عام فہم ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی دوسرے کے فعل کی وجہ سے عذاب نہیں دے گا جب کہ پہلے نے اسے اس طرح عمل کرنے کی نصیحت نہیں کی۔ باب 35 فاطر، آیت 18:

"...اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا"

ثقیف قبیلہ

سمجھوتہ ناکامی کی طرف لے جاتا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال، غیر مسلم قبیلہ ثقیف کا ایک وفد اسلام قبول کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لیکن ان کے قبول اسلام میں کچھ شرائط شامل تھیں جن کے قبول کرنے کی وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے توقع رکھتے تھے۔ ان میں سے ایک شرط یہ تھی کہ وہ اپنے ایک بت کو تین سال تک اپنی سرزمین میں رکھنا چاہتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شرط سے صاف انکار کر دیا حالانکہ وہ مدت کم کرتے رہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 38-39 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر دیکھا جائے تو یہ مسلمانوں کے ہر حال میں اسلام کے اصولوں پر ثابت قدم رہنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ اسلام کو ہرگز اس کوٹ جیسا نہیں سمجھنا چاہیے جسے کسی کی خواہش کے مطابق پہنا اور اتارا جا سکے۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتا، وہ صرف اپنی خواہشات کی عبادت کر رہا ہوتا ہے۔ باب 25 الفرقان، آیت 43:

"کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جو اپنی خواہش کو اپنا معبود بناتا ہے؟"

لہٰذا ہر حال میں اسلامی تعلیمات کے مطابق ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اس رویہ سے بچنا چاہیے۔ اس طرح کوئی ان کے اسلام پر ایمان کے زبانی اعلان کی حمایت کرتا ہے۔ اسلام میں عمل کے بغیر الفاظ کی کوئی اہمیت نہیں۔ لہٰذا، اگر کوئی متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کے حصول کے ذریعے اور ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی کے ساتھ صحیح طریقے سے لگا کر ذہنی سکون حاصل کرنا چاہتا ہے، تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ

تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہوئے، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے، ہر وقت اخلاص کے ساتھ اطاعت کرے۔

نمازیں جنت کی طرف لے جاتی ہیں۔

اسلام قبول کرتے وقت قبیلہ ثقیف نے شرائط طے کرنے کی کوشش کی۔ ان میں سے ایک شرط یہ تھی کہ وہ پانچ وقت کی فرض نمازوں کی ادائیگی سے مستثنیٰ ہوں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ ایمان میں کوئی ایسی نیکی نہیں جو نماز سے غائب ہو۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 39 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2618 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ فرض نمازوں کو چھوڑنا ایمان اور کفر میں فرق ہے۔

اس دن اور عمر میں یہ بہت عام ہو گیا ہے۔ بہت سے لوگ معمولی وجوہات کی بنا پر اپنی فرض نمازیں ترک کر دیتے ہیں، جو کہ بلاشبہ رد ہیں۔ اگر جنگ کرنے والے پر نماز کی فرضیت ختم نہیں ہوئی تو کسی اور سے کیسے ہٹائی جائے گی؟ باب 4 النساء، آیت 102:

”اور جب تم ان کے درمیان ہو اور ان کی امامت کرو تو ان میں سے ایک گروہ تمہارے ساتھ کھڑا ہو اور وہ اپنے ہتھیار اٹھائے اور جب وہ سجدہ کر لیں تو وہ تمہارے پیچھے ہوں اور دوسرے گروہ کو آگے آنے دیں جنہوں نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی ہے اور وہ احتیاط کرتے ہوئے اور اپنے ہتھیار اٹھائے ہوئے تمہارے ساتھ نماز پڑھیں۔“

نہ مسافر اور نہ بیمار اپنی فرض نمازوں سے مستثنیٰ ہیں۔ مسافر کو بعض فرض نمازوں میں چکروں کی مقدار کو کم کرنے کی تلقین کی گئی ہے تاکہ ان پر بوجھ کم ہو جائے لیکن وہ ان کی ادائیگی سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ باب 4 النساء، آیت 101:

‘‘...اور جب تم پورے ملک میں سفر کرتے ہو تو تم پر نماز قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں’’

بیماروں کو خشک وضو کرنے کی تلقین کی گئی ہے اگر پانی سے رابطہ انہیں نقصان پہنچاتا ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 6:

’’لیکن اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کی جگہ سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے رابطہ کیا ہو اور پانی نہ ملے تو صاف زمین تلاش کرو اور اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو۔‘‘

اس کے علاوہ بیمار فرض نماز اس طریقے سے ادا کرسکتے ہیں جو ان کے لیے آسان ہو۔ یعنی اگر کھڑے نہیں ہو سکتے تو بیٹھنے کی اجازت ہے اور اگر بیٹھ نہیں سکتے تو لیٹ کر فرض نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 372 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ لیکن پھر یہ کہ بیمار کو مکمل رعایت نہیں دی جاتی جب تک کہ کوئی ذہنی مریض نہ ہو جو اسے نماز کی فرضیت کو سمجھنے سے روکتا ہو۔

دوسرا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ بعض مسلمان اپنی فرض نمازوں میں تاخیر کرتے ہیں اور صحیح اوقات سے زیادہ پڑھتے ہیں۔ یہ قرآن کریم سے واضح طور پر متصادم ہے، جیسا کہ مومنین کو اپنی فرض نمازیں وقت پر ادا کرنے والوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ باب 4 النساء، آیت 103:

‘‘بے شک نماز مومنوں پر مقررہ اوقات کے لیے فرض کی گئی ہے۔’’

بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ قرآن کریم کی درج ذیل آیت سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی فرض نمازوں میں بلاوجہ تاخیر کرتے ہیں۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 10، صفحہ 603-604 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ باب 107 المعون، آیات 4-5:

"پس خرابی ہے ان نمازیوں کے لیے، جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔"

یہاں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ان لوگوں پر لعنت فرمائی ہے جنہوں نے اس بری صفت کو اختیار کیا ہے۔ اگر کوئی اللہ کی رحمت سے دور ہو جائے تو اس دنیا یا آخرت میں کامیابی کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 512 میں موجود ایک حدیث میں فرمایا کہ فرض نماز میں بلا ضرورت تاخیر کرنا نفاق کی علامت ہے۔ قرآن کریم نے واضح کیا ہے کہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی ایک بڑی وجہ فرض نمازوں کو قائم نہ کرنا ہے۔ باب المدثر، آیات 42-43 74:

"اور ان سے پوچھنا" [تمہیں کس چیز نے سقر میں ڈالا؟ "وہ کہیں گے" :ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہیں تھے۔"

فرض نمازوں کا ترک کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2621 میں موجود حدیث میں اعلان فرمایا کہ جس نے یہ گناہ کیا اس نے اسلام سے کفر کیا۔

اس کے علاوہ کوئی اور نیک عمل کسی مسلمان کو اس وقت تک فائدہ نہیں دے گا جب تک کہ اس کی فرض نمازیں قائم نہ ہوں۔ صحیح بخاری نمبر 553 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر عصر کی فرض نماز چھوٹ جائے تو اس کے نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ اگر ایک فرض نماز کے ترک کرنے کا یہ حال ہے تو کیا ان سب کو چھوڑنے کی سزا کا تصور کیا جا سکتا ہے؟

صحیح مسلم کی حدیث نمبر 252 میں فرض نمازوں کو ان کے صحیح اوقات میں پڑھنے کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین اعمال میں سے ایک ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ فرض نمازوں میں وقت سے زیادہ تاخیر کرنا یا ان کو مکمل طور پر غائب کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ کام ہے۔

تمام بزرگوں کے لیے یہ ایک اہم فریضہ ہے کہ وہ اپنے زیر کفالت بچوں کو چھوٹی عمر سے ہی فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دیں تاکہ وہ ان پر شرعی طور پر پابند ہونے سے پہلے ہی اسے قائم کر لیں۔ وہ بالغ جو اس میں تاخیر کرتے ہیں اور اپنے بچوں کے بڑے ہونے کا انتظار کرتے ہیں، وہ اس انتہائی اہم فریضے میں ناکام رہے ہیں۔ جن بچوں کو صرف فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دی گئی تھی جب یہ ان پر فرض ہو گئی تھی، وہ بہت کم ہی انہیں جلدی قائم کرتے تھے۔ زیادہ تر معاملات میں اس اہم فرض کو صحیح طریقے سے نبھانے میں انہیں برسوں لگ جاتے ہیں۔ اور قصور خاندان کے بزرگوں پر، خاص طور پر والدین پر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 495 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت کی ہے کہ خاندان سب سے زیادہ اپنے بچوں کو جب سات سال کے ہو جائیں تو فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

ایک اور بڑا مسئلہ جس کا بہت سے مسلمانوں کو سامنا ہے وہ یہ ہے کہ وہ فرض نماز تو ادا کر سکتے ہیں لیکن صحیح طریقے سے ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر، بہت سے لوگ نماز کے مراحل کو صحیح طریقے سے مکمل نہیں کر پاتے اور اس کے بجائے اس میں جلدی کرتے ہیں۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 757 میں موجود ایک حدیث واضح طور پر تنبیہ کرتی ہے کہ اس طرح کی نماز پڑھنے والے نے بالکل نماز نہیں پڑھی۔ یعنی ان کا ذکر اس شخص کے طور پر نہیں ہے جس نے اپنی نماز پڑھی اور اس وجہ سے ان کی ذمہ داری پوری نہیں ہوئی۔

جامع ترمذی نمبر 265 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص نماز کے ہر مقام پر قائم نہیں رہتا اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں رکوع اور سجدہ نہ کرنے والے کو بدترین چور قرار دیا۔ موطا مالک، کتاب نمبر 9، حدیث نمبر 75 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے۔ بدقسمتی سے بہت سے مسلمان جنہوں نے کئی دہائیاں اپنی فرض اور اس جیسی بہت سی نفلی نمازیں ادا کی ہیں، ان میں سے کسی نے بھی شمار نہیں کیا اور اس طرح ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے گا جس نے فرض ادا نہیں کیا۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر 1313 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

قرآن پاک عام طور پر مسجد میں جماعت کے ساتھ فرض نماز ادا کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 43:

''اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔''

درحقیقت اس آیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی بنا پر بعض معتبر علماء نے اس کو مسلمان مردوں پر واجب قرار دیا ہے۔ مثال کے طور پر سنن ابو داؤد نمبر 550 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ جو مسلمان اپنی فرض نمازیں مسجد میں باجماعت ادا نہیں کریں گے انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے منافق قرار دیا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مردوں کے گھروں کو جلانے کی دھمکی بھی دی تھی جو بغیر کسی عذر کے باجماعت مسجد میں اپنی فرض نمازیں ادا کرنے میں ناکام رہے تھے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 1482 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جو مسلمان اس اہم عمل کو انجام دینے کی پوزیشن میں ہوں وہ کریں۔ انہیں اپنے آپ کو یہ دعویٰ کرنے میں بے وقوف نہیں بنانا چاہئے کہ وہ دوسرے نیک کام انجام دے رہے ہیں، جیسے گھر کے کاموں میں اپنے خاندان کی مدد کرنا۔ یوں تو صحیح بخاری نمبر 676 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے، لیکن ضروری ہے کہ آپ کی روایات کی اہمیت کو اپنی خواہشات کے مطابق ترتیب نہ دیا جائے۔ جو کوئی ایسا کرتا ہے وہ اس کی روایات کی پیروی نہیں

کر رہا ہے، وہ صرف اپنی خواہشات کی پیروی کر رہا ہے، چاہے وہ نیک عمل ہی کیوں نہ کر رہا ہو۔ درحقیقت اسی حدیث کا اختتام اس نصیحت سے ہوتا ہے کہ جب فرض نماز کا وقت ہوتا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد حرام کی طرف روانہ ہوتے۔

آخر میں، جیسا کہ مرکزی حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے، فرض نمازوں کو چھوڑنے پر اڑے رہنے والے کو یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے ایمان کے بغیر اس دنیا سے چلا جائے گا۔ درحقیقت، وہ اپنی زندگی کے دوران اسے محسوس کیے بغیر بھی اسے کھو سکتے ہیں۔ کسی کو کبھی بھی اپنے آپ کو یہ سوچنے میں بے وقوف نہیں بنانا چاہئے کہ فرض نماز جیسے اعمال کے ذریعہ ایمان کے اپنے زبانی دعوے کی حمایت میں ناکام ہونا قابل قبول ہے۔ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ مسلمان کی تعریف ہی وہ ہے جس نے اپنے آپ کو عملی اور باطنی طور پر اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا ہو۔ اس لیے اسلام پر عمل نہ کرنے والے مسلمان ہونے کی کوئی بات نہیں کیونکہ یہ رویہ مسلمان کی تعریف کے خلاف ہے۔ اگر کوئی شخص مسلمان کی تعریف پر پورا نہیں اترتا تو وہ اپنے آپ کو ایک کیسے سمجھے گا؟

فرض نمازوں کا قیام قرآن پاک میں اکثر دہرایا گیا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کا سب سے اہم عملی ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ، جیسا کہ روزانہ کی نمازیں تمام پھیلی ہوئی ہیں، یہ روزِ قیامت کی مستقل یاد دہانی کے طور پر کام کرتی ہیں اور عملی طور پر اس کی تیاری کرتی ہیں، کیونکہ فرض نماز کا ہر مرحلہ قیامت سے جڑا ہوا ہے۔ جب کوئی صحیح معنوں میں کھڑا ہوتا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح کھڑا ہوتا ہے۔ باب 83 المطففین، آیات 4-6:

"کیا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے، ایک عظیم دن کے لیے جس دن انسان رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے؟"

جب وہ جھکتے ہیں، تو یہ انہیں بہت سے لوگوں کی یاد دلاتا ہے جن پر قیامت کے دن تنقید کی جائے گی کہ انہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ نہ کیا۔ باب 77 المرسلات، آیت 48:

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رکوع کرو تو وہ رکوع نہیں کرتے۔

اس تنقید میں زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو عملی طور پر تسلیم نہ کرنا بھی شامل ہے۔ جب کوئی نماز میں سجدہ کرتا ہے تو یہ انہیں یاد دلاتا ہے کہ کس طرح لوگوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے کی دعوت دی جائے گی۔ لیکن وہ لوگ جنہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران اسے صحیح طریقے سے سجدہ نہیں کیا، جس میں ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اس کی اطاعت شامل ہے، وہ قیامت کے دن ایسا نہیں کر سکیں گے۔ باب 68 القلم، آیات 42-43:

"جس دن حالات سنگین ہو جائیں گے، انہیں سجدہ کرنے کی دعوت دی جائے گی، لیکن ایسا کرنے سے روکا جائے گا، ان کی نظریں جھکی ہوئی ہوں گی، ذلت ان پر چھائی ہوئی ہے، اور انہیں سجدے کی طرف بلایا جاتا تھا جب وہ ٹھیک تھے۔"

جب کوئی نماز میں گھٹنوں کے بل بیٹھتا ہے تو یہ انہیں یاد دلاتا ہے کہ وہ کس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے آخری فیصلے سے ڈرتے ہوئے اس مقام پر بیٹھے ہوں گے۔ باب 45 الجثیہ، آیت 28:

اور تم ہر امت کو گھٹنے ٹیکتے ہوئے دیکھو گے اور ہر قوم کو اس کے اعمال نامے کی طرف بلایا جائے گا کہ آج تمہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

جو ان عناصر کو ذہن میں رکھ کر نماز پڑھے گا وہ اپنی نماز کو صحیح طور پر قائم کرے گا۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ نماز کے درمیان خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ باب 29 العنکبوت، آیت 45:

‘‘...بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے’’

اس اطاعت میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو راضی کرنے کے طریقے سے عطا کی گئی ہیں جیسا کہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

ایک محفوظ گھر اور معاشرہ

اسلام قبول کرتے وقت قبیلہ ثقیف نے شرائط طے کرنے کی کوشش کی۔ ان میں سے ایک شرط یہ تھی کہ انہیں زنا کرنے کی اجازت ہوگی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ زنا کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب حیاتِ نبوی، جلد 4، صفحہ 39 اور امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 1899 میں بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نکاح کی ترغیب دیتا ہے اور ناجائز تعلقات سے منع کرتا ہے۔ جب ایک جوڑے ایک شادی شدہ جوڑے کی طرح ایک دوسرے کے لیے حقیقی طور پر وقف نہیں ہوتے ہیں، تو پھر ان کو درپیش کوئی بھی حقیقی مشکلات جوڑے کے لیے زیادہ جذباتی دباؤ کا باعث بنتی ہیں، کیونکہ وہ ایک دوسرے کا صحیح طریقے سے ساتھ دینے میں ناکام رہتے ہیں۔ کسی کی زندگی میں ایک سے زیادہ رشتوں کا آنا اور باہر آنا بلاشبہ ان کی ذہنی صحت پر نقصان دہ اثر ڈالتا ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ جو لوگ اپنے شراکت داروں سے الگ ہوجاتے ہیں وہ اکثر مشاورت میں ختم ہوجاتے ہیں۔ وہ ان رشتوں سے گریز کرنے والوں سے زیادہ ذہنی عارضے مثلاً ڈپریشن کا شکار ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ، وہ لوگ جو معاشرے میں ایک سے زیادہ شراکت داروں کے لیے جانے جاتے ہیں، ان کے لیے مناسب شریک حیات ملنے کا امکان کم ہوتا ہے جو ان کے حقوق کو پورا کرے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس کی زندگی میں ایک سے زیادہ ساتھی ہوں گے وہ ایک ڈھیلے اور ناپسندیدہ کردار کو اپنائے گا، جسے لوگ شادی جیسے سنجیدہ عزم کے خواہاں ہیں، ناپسند کریں گے۔ یہ صرف اس شخص کے لیے جذباتی تناؤ میں اضافہ کرے گا جس کے ایک سے زیادہ شراکت دار ہوں۔ آرام دہ اور پرسکون تعلقات میں، جوڑے اکثر ایک ہی طول موج پر نہیں ہوتے ہیں۔ مطلب، دونوں میں سے ایک ہمیشہ تعلقات کو زیادہ سنجیدگی سے لیتا ہے، جیسے کہ اپنے ساتھی کے ساتھ بسنے کی خواہش۔ جبکہ دوسرا اپنے مستقبل کے بارے میں ایسا محسوس نہیں کرتا۔ جب رویے میں یہ فرق بالآخر سامنے آتا ہے تو یہ اکثر اس شخص کے لیے طویل عرصے سے جذباتی صدمے کا باعث بنتا ہے جس نے اس رشتے کو زیادہ سنجیدگی سے لیا تھا۔ جبکہ ایک شادی شدہ جوڑے پہلے قدم سے ہی ایک دوسرے کے ساتھ طویل مدتی وابستگی کے سلسلے میں ایک ہی طول موج پر ہوتے ہیں۔ شادی شدہ جوڑے ہر حال میں ایک دوسرے کے لیے وقف ہوتے ہیں، چاہے انہیں ایسے حالات کا سامنا ہو جو منصوبہ بند ہوں یا غیر منصوبہ بند، جیسے بچے پیدا کرنا۔ یہ رویہ عام جوڑوں میں بہت کم پایا جاتا ہے۔ کسی دوسرے کے ساتھ تعلقات رکھنا بھی ایک شخص کو یہ یقین کرنے میں بے وقوف بناتا ہے کہ وہ اپنے ساتھی کو پوری طرح سے جانتا ہے اور اگر وہ شادی کرتے ہیں تو وہ اکثر شادی کے بعد اپنے شریک حیات کی تبدیلی کی شکایت کرتے ہیں۔ زیادہ تر معاملات میں، وہ تبدیل نہیں ہوئے .جو چیزیں تبدیل ہوئیں وہ ان کے تعلقات کی ذمہ داریاں

اور دباؤ تھیں۔ یہ مسئلہ اکثر ان جوڑوں کے لیے شادی کے مسائل کا باعث بنتا ہے جو شادی سے پہلے رشتے میں تھے۔ یہاں تک کہ اگر وہ شادی سے پہلے ایک ساتھ رہتے ہیں، تب بھی ایک ہی مسئلہ ہوگا۔ اس کے علاوہ، یہ کوئی راز نہیں ہے کہ جب بھی کسی کو اپنے ساتھی کے ساتھ پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اس کا ان کی زندگی کے ہر دوسرے پہلو پر کتنا شدید اثر پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر، بہت سے نوجوان صرف اس لیے تعلیم چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ ہر روز اپنے سابق ساتھی کو دیکھنے کا سامنا نہیں کر سکتے۔ چونکہ شادی دو لوگوں کے درمیان ایک گہرا تعلق اور وابستگی ہے، اس لیے ان کے ٹوٹنے کا امکان کم ہی ہوتا ہے انہی معمولی مسائل پر جو عام جوڑے کے ٹوٹ جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ، کسی شخص کو کسی غیر قانونی رشتے کی ظاہری شکل میں دھوکہ نہیں دیا جانا چاہیے کہ اس میں جوڑے یا وسیع تر معاشرے کے لیے کوئی نقصان نہیں ہے۔ چونکہ لوگ محدود علم رکھتے ہیں، انتہائی کم نظر ہوتے ہیں اور اکثر اپنے جذبات پر قابو پاتے ہیں، اس لیے وہ غلط طور پر یقین کر سکتے ہیں کہ شادی سے باہر رشتہ رکھنا بے ضرر ہے جبکہ وہ اس چھپے ہوئے زہر کو دیکھنے میں ناکام رہتے ہیں جو ان پر اور دوسروں پر منفی اثر ڈالے گا۔ غیر قانونی تعلقات میں رہنے والے مسلمان کو وقت کے ساتھ ساتھ مزید قدم اٹھانے اور اپنے ساتھی کے ساتھ گناہ کرنے کی ترغیب دی جائے گی۔ چونکہ جذبات اور احساسات پر قابو پانا مشکل ہے اور چونکہ یہ گناہ، جیسے زنا، زیادہ تر معاشروں میں معمول بن چکے ہیں، اس لیے ایک غیر شادی شدہ جوڑا آسانی سے ان گناہوں میں پڑ سکتا ہے۔ یہ ان کے اور معاشرے کے لیے بے شمار دیگر مسائل کا باعث بنتا ہے، جیسے کہ ناپسندیدہ حمل اور یہاں تک کہ اسلام کے اندر دیگر بڑے گناہوں کو کم تر کرنا۔ اس کے علاوہ، یہاں تک کہ اگر کوئی اپنے ناجائز تعلقات کے اندر کوئی اور بڑا گناہ نہیں کرتا، جیسے کہ زنا، تب بھی ان کے جذبات انہیں واضح طور پر سوچنے سے روکیں گے اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے ساتھی سے اچھی طرح شادی کر سکتے ہیں، یہ سمجھے بغیر کہ وہ مناسب شریک حیات نہیں ہیں، چاہے وہ ایک اچھا ساتھی ہی کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ پہلے بات کی گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شادی کے دباؤ اور ذمہ داریاں، جیسے کہ شریک حیات اور بچوں کے حقوق کی تکمیل، جوڑے کے درمیان تعلقات کو بدل دیتی ہے، جس کے نتیجے میں اکثر ازدواجی مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شادی شدہ جوڑے جو شادی سے پہلے اکٹھے تھے اکثر ایک دوسرے پر شادی کے بعد اپنے رویے میں تبدیلی کا الزام لگاتے ہیں۔ اس کے علاوہ، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کوئی اپنے ساتھی کے ساتھ کتنا ہی وقت گزارتا ہے، وہ کبھی بھی اپنے کردار کو نہیں جان پائیں گے جیسے ایک شادی شدہ جوڑا ایک دوسرے کو جانتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک میں پوشیدہ منفی خصوصیات شادی کے بعد ظاہر ہو جائیں گی، جو شادی کے مزید مسائل کا باعث بنتی ہیں۔ ایک سچائی جسے اکثر غیر قانونی تعلقات میں رہنے والے کسی شخص کی طرف سے نظر انداز کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص ایک اچھا ساتھی بناتا ہے وہ اس بات کی ضمانت نہیں دیتا ہے کہ وہ ایک اچھا شریک حیات یا اچھا والدین بنائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک اچھا ساتھی بنانے کے مقابلے میں ایک اچھا شریک حیات اور والدین بنانے کے لیے مختلف خصوصیات کی ضرورت ہوتی ہے۔ اپنے ساتھی کے لیے اپنے جذبات کی وجہ سے، ایک شخص اکثر شادی

کے لیے ایک متقی شخص کو منتخب کرنے کی اہمیت کو نظر انداز کر دیتا ہے، کیونکہ وہ واحد شخص ہے جو اپنے شریک حیات اور بچوں کے حقوق کو پورا کرے گا اور انہیں نقصان پہنچانے سے گریز کرے گا، خواہ وہ غصے میں ہوں۔ جبکہ جو شخص تقویٰ نہیں رکھتا وہ اپنے شریک حیات یا بچوں کے حقوق ادا نہیں کرے گا اور ان پر ظلم کرے گا، خاص طور پر جب وہ ناراض ہوں گے۔ جس کا ساتھی ہے وہ اس اہم نکتے کو نظر انداز کر دے گا اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے ساتھی سے ان کے جذبات کی وجہ سے شادی کر لے گا، خواہ وہ تقویٰ کا مالک نہ ہو۔ محبت جیسے جذبات انسان کو اپنے محبوب کی منفی خصوصیات سے اندھا اور بہرا بنا دیتے ہیں۔ سنن ابوداؤد نمبر 5130 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ، جو بھی بچے غیر ارادی طور پر رشتے سے پیدا ہوتے ہیں وہ ان کے تعلقات پر مزید دباؤ ڈالتے ہیں، جس کے نتیجے میں اکثر وہ الگ ہوجاتے ہیں، کیونکہ وہ بچے کی پرورش کی ذمہ داری بانٹنا نہیں چاہتے۔ اس سے بچے کے بڑے ہونے کے لیے ایک ٹوٹا ہوا گھر بنتا ہے جہاں انہیں والدین دونوں کی حمایت اور نگرانی حاصل نہیں ہوتی، جو اکثر ہر کسی کے لیے پریشانی کا باعث بنتی ہے۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ جرائم، گروہوں میں ملوث نوجوانوں کی اکثریت اور وہ بچے جنہیں جنسی شکاریوں نے پالا ہے اور گھریلو تشدد کا شکار ہیں، ٹوٹے پھوٹے خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ بچے کی صحیح طریقے سے پرورش کرنا جب کوئی بچہ چاہتا ہے تو بہت مشکل ہوتا ہے، پھر کیا کوئی بچے کی صحیح پرورش کے جذباتی دباؤ کا تصور کر سکتا ہے جب کہ والدین پہلے بچے کی خواہش نہیں رکھتے تھے؟ یہ بچے کی پرورش پر منفی اثر ڈالتا ہے اور اکثر پہلے بیان کردہ مسائل کا باعث بنتا ہے۔ یہ تناؤ اکثر واحد والدین کی طرف سے بچے کو پرورش یا گود لینے کے لیے ترک کر دیتا ہے، جس کے زیادہ تر معاملات میں بچے پر نقصان دہ منفی اور طویل مدتی اثرات مرتب ہوتے ہیں، جن میں سے کچھ کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ اس سے بچے کے گمراہ ہونے کے امکانات مزید بڑھ جاتے ہیں۔

غیر قانونی تعلقات کے اندر یہ سب اور زیادہ منفی چیزیں کسی ایسے شخص کی تعریف نہیں کی جا سکتی جو جذباتی یا جاہل ہو، چاہے غیر قانونی تعلقات بے ضرر ہی کیوں نہ ہوں۔ غیر قانونی تعلقات میں ملوث ہونا بالکل ایسے ہی ہے جیسے کسی ایسے کھانے کا کھانا جو حقیقت میں زہر آلود ہونے پر مزیدار لگتا ہے۔ چونکہ یہ زہر پوشیدہ ہے، اس لیے کسی ایسے شخص پر بھروسہ کرنا چاہیے جو اس زہر سے واقف ہو اور ان کی نصیحت پر بھروسہ کرے کہ وہ کھانے سے پرہیز کرے جو لذیذ لگتا ہے، خواہ یہ اس کی خواہشات کے خلاف ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام چیزوں کو جانتا ہے، خاص کر بعض اعمال اور رشتوں کے اندر چھپے زہروں کو، اس لیے اس کی نصیحت کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے، خواہ وہ خواہشات کے خلاف ہو۔ یہ ایک عقلمند مریض کی طرح ہے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے

ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور غذا کا سخت منصوبہ۔ جس طرح یہ عقلمند مریض اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کرے گا، اسی طرح وہ شخص جو اسلامی تعلیمات کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف وہی علم ہے جس کے پاس کسی شخص کو متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کے حصول کو یقینی بنانے کے لیے ضروری علم ہے، وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ معاشرے میں موجود انسانوں کی ذہنی اور جسمانی حالتوں کا علم تمام تر تحقیق کے باوجود اس نتیجے کو حاصل کرنے کے لیے کبھی بھی کافی نہیں ہو گا، کیونکہ وہ ہر اس مسئلے کو حل نہیں کر سکتے جو انسان کو اپنی زندگی میں درپیش ہو اور نہ ہی ان کے مشورے محدود علم، تجربے اور دور اندیشی کی وجہ سے ہر قسم کے ذہنی اور جسمانی دباؤ سے بچ سکیں۔ یہ علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اس نے اسے قرآن مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی صورت میں انسانوں کو عطا کیا ہے۔ یہ حقیقت اس وقت عیاں ہوتی ہے جب کوئی ان لوگوں کا مشاہدہ کرتا ہے جو اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرتے ہیں جو انہیں عطا کی گئی ہیں اور جو نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے ان بے شمار شاخوں کے مسائل کو اصل مسئلہ یعنی ناجائز تعلقات کو ممنوع قرار دے کر اور شادی کی ترغیب دے کر دور کر دیا جس کے تحت ایک جوڑے نے اپنے آپ کو ایک دوسرے اور اپنے بچوں کے لیے مخلصانہ طور پر وقف کر دیا۔

بہت سے مفکرین آئے اور چلے گئے جنہوں نے لوگوں اور معاشرے کو درپیش مسائل کو حل کیا ہے لیکن چونکہ یہ حل برانچ کے مسائل کو نشانہ بناتے ہیں ان حلوں کا فائدہ کم ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے بنیادی مسائل کے حل کے اس طریقے کے ذریعے جو فرد اور معاشرے کو متاثر کرتے ہیں، تمام چیزوں کو واضح کر دیا ہے تاکہ لوگ دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کر سکیں۔ باب 16 النحل، آیت 89:

اور ہم نے تم پر یہ کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کی وضاحت اور ہدایت اور رحمت ہے‘‘۔”

سود سے بچنا

اسلام قبول کرتے وقت قبیلہ ثقیف نے شرائط طے کرنے کی کوشش کی۔ ان میں سے ایک شرط یہ تھی کہ انہیں سود)یعنی مالی سود (پر عمل کرنے کی اجازت ہوگی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ سود حرام ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب حیاتِ نبوی، جلد 4، صفحہ اور امام محمد السلّابی کی کتاب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم زندگی، جلد 1، صفحہ 39 میں بحث کی گئی ہے۔ 1899-1900

مالیاتی سود اس رقم کی نشاندہی کرتا ہے جو قرض دہندہ قرض لینے والے سے سود کی ایک مقررہ شرح پر وصول کرتا ہے۔ قرآن مجید کے نزول کے وقت سودی لین دین کی کئی صورتیں رائج تھیں۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ فروش نے ایک مضمون فروخت کیا اور قیمت کی ادائیگی کے لیے ایک وقت کی حد مقرر کی، یہ شرط رکھی کہ اگر خریدار مقررہ مدت کے اندر ادائیگی کرنے میں ناکام رہا تو وہ وقت کی حد کو بڑھا دے گا لیکن مضمون کی قیمت میں اضافہ کر دے گا۔ دوسرا یہ تھا کہ ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو ایک رقم ادھار دی اور یہ شرط رکھی کہ قرض لینے والے کو ایک مقررہ مدت کے اندر قرض کی رقم سے زائد رقم واپس کرنی چاہیے۔ سود کے لین دین کی ایک تیسری شکل یہ تھی کہ قرض لینے والے اور بیچنے والے نے اس بات پر اتفاق کیا کہ سابقہ قرض ایک مقررہ حد کے اندر ایک مقررہ شرح سود پر ادا کرے گا، اور یہ کہ اگر وہ اس حد کے اندر ایسا کرنے میں ناکام رہے تو قرض دہندہ وقت کی حد بڑھا دے گا لیکن ساتھ ہی شرح سود کو بڑھا دے گا۔ یہ ایسے لین دین ہیں جن پر یہاں مذکور احکام لاگو ہوتے ہیں۔

جو لوگ اس پر یقین رکھتے ہیں وہ حلال سرمایہ کاری اور مالی مفاد سے حاصل ہونے والے منافع میں فرق کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اس الجھن کے نتیجے میں بعض لوگ یہ استدلال کرتے ہیں کہ اگر کسی کاروبار میں لگائی گئی رقم سے منافع حلال ہے تو قرض سے حاصل ہونے والے منافع کو کیوں حرام قرار دیا جائے؟ وہ دلیل دیتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی دولت کی سرمایہ کاری کرنے کے بجائے اسے کسی ایسے شخص کو قرض دیتا ہے جو بدلے میں اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ ایسے حالات میں قرض خواہ قرض خواہ کو منافع کا حصہ کیوں ادا نہ کرے؟ وہ یہ تسلیم کرنے میں ناکام رہتے ہیں کہ کوئی بھی کاروباری منصوبہ خطرے سے محفوظ نہیں ہے۔ کوئی بھی منصوبہ منافع کی مطلق ضمانت نہیں رکھتا۔ لہٰذا یہ مناسب نہیں ہے کہ اکیلے فنانسر کو ہر حال میں ایک مقررہ شرح پر منافع کا حقدار سمجھا جائے اور اسے نقصان کے کسی بھی امکان سے محفوظ رکھا جائے۔ یہ انصاف کا حصہ نہیں ہے کہ جو لوگ اپنے وسائل وقف کرتے ہیں انہیں کسی بھی مقررہ شرح

پر منافع کی ضمانت نہیں دی جاتی جبکہ جو لوگ اپنی دولت کو قرض دیتے ہیں وہ نقصان کے تمام خطرات سے مکمل طور پر محفوظ ہوتے ہیں اور ایک مقررہ شرح پر منافع کی ضمانت دی جاتی ہے۔

ایک عام حلال لین دین میں خریدار اس چیز سے فائدہ اٹھاتا ہے جسے وہ بیچنے والے سے خریدتا ہے۔ بیچنے والے کو شے بنانے میں لگائی گئی محنت اور وقت کا معاوضہ ملتا ہے۔ دوسری طرف سود سے متعلق لین دین میں، فوائد کا تبادلہ منصفانہ طور پر نہیں ہوتا ہے۔ سود وصول کرنے والے فریق کو اپنے دیئے گئے قرض کی ادائیگی کے طور پر ایک مقررہ رقم ملتی ہے اور اس طرح ان کا فائدہ محفوظ ہوجاتا ہے۔ دوسرا فریق قرضے میں دیے گئے فنڈز کا استعمال کر سکتا ہے لیکن یہ ہمیشہ منافع نہیں دے سکتا۔ اگر ایسا شخص ادھار کی رقم کسی ضرورت پر خرچ کرے تو کوئی نفع نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر فنڈز کی سرمایہ کاری کی جاتی ہے تب بھی کسی کو نفع یا نقصان دونوں کا موقع ملتا ہے۔ اس لیے سود سے متعلق لین دین یا تو ایک طرف نقصان اور دوسری طرف منافع یا ایک طرف یقینی اور مقررہ منافع اور دوسری طرف غیر یقینی منافع کا سبب بنتا ہے۔ اس لیے حلال تجارت مالی سود کے برابر نہیں ہے۔

اس کے علاوہ، سود کا بوجھ قرض لینے والوں کے لیے قرض کی واپسی کو انتہائی مشکل بنا دیتا ہے۔ اصل قرض اور سود کی ادائیگی کے لیے انہیں کسی اور ذریعے سے قرض بھی لینا پڑ سکتا ہے۔ سود کے کام کرنے کے طریقے کی وجہ سے ان پر واجب الادا رقم اکثر قرض کی ادائیگی کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ یہ مالی دباؤ لوگوں کو اپنے اور اپنے خاندان کے لیے ضروریات زندگی حاصل کرنے سے روک سکتا ہے۔ یہ تناؤ بہت سے جسمانی اور ذہنی مسائل کا باعث بن سکتا ہے۔

بالآخر، اس قسم کے نظام میں صرف امیر ہی امیر تر ہوتے ہیں جبکہ غریب غریب تر ہوتے جاتے ہیں۔

اگرچہ مالی مفادات سے نمٹنا ظاہری طور پر ایسا لگتا ہے کہ کسی شخص کو دولت حاصل ہوتی ہے لیکن حقیقت میں اس سے ان کا مجموعی نقصان ہی ہوتا ہے۔ یہ نقصان کئی شکلیں لے سکتا ہے۔ مثال کے طور پر، یہ انہیں اچھے اور حلال کاروباری معاملات کو کھونے کا باعث بن سکتا

ہے جو وہ حاصل کر سکتے تھے اگر وہ مالی مفاد سے نمٹتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے مال کو ایسے طریقوں سے استعمال کرنے پر مجبور کر سکتا ہے جو ان کو پسند نہ ہوں۔ مثال کے طور پر، ان کو جسمانی بیماریوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی قیمتی غیر قانونی دولت کو اس طرح خرچ کرتے ہیں کہ اس کو ان طریقوں سے استعمال کرنے میں ناکام رہتے ہیں جو انہیں خوش کرتے ہیں۔ مجموعی نقصان کا ایک روحانی پہلو بھی ہے۔ وہ جتنا زیادہ مالی سود کا سودا کرتے ہیں ان کا لالچ اتنا ہی زیادہ معنی خیز ہوتا جاتا ہے، ان کی دنیاوی چیزوں کی حرص کبھی پوری نہیں ہوتی جو تعریف کے اعتبار سے انہیں غریب بنا دیتی ہے خواہ ان کے پاس بہت زیادہ دولت ہو۔ یہ لوگ دن بھر ایک دنیاوی مسئلے سے دوسرے مسئلے میں جائیں گے اور قناعت حاصل کرنے میں ناکام رہیں گے کیونکہ وہ اس فضل سے محروم رہیں گے جو حلال کاروبار اور دولت کے ساتھ ہے۔ یہ انہیں مالی مفاد اور دیگر ذرائع سے مزید غیر قانونی دولت حاصل کرنے کی طرف دھکیل سکتا ہے۔ آخرت کا نقصان زیادہ واضح ہے۔ وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ چھوڑے جائیں گے کیونکہ کوئی نیک عمل جو حرام سے جڑا ہوا ہو مثلاً حرام مال سے صدقہ کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوتا۔ یہ طے کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں ہے کہ اس شخص کا قیامت کے دن کہاں تک پہنچنے کا امکان ہے۔

حلال کاروباری لین دین اور سود سے متعلق لین دین میں بہت فرق ہے۔ سابقہ معاشرہ میں فائدہ مند ،کردار ادا کرتا ہے جبکہ بعد والا اس کے زوال کا باعث بنتا ہے۔ اپنی فطرت کے مطابق مفاد لالچ خود غرضی، بے حسی اور دوسروں کے ساتھ ظلم کو جنم دیتا ہے۔ یہ دولت کی عبادت کی طرف لے جاتا ہے اور دوسروں کے ساتھ ہمدردی اور اتحاد کو ختم کرتا ہے۔ اس طرح یہ معاشرے کو معاشی اور اخلاقی دونوں لحاظ سے تباہ کر سکتا ہے۔

دوسری طرف صدقہ، سخاوت اور ہمدردی کا نتیجہ ہے۔ باہمی تعاون اور خیرسگالی سے معاشرہ مثبت طور پر ترقی کرے گا جس سے سب کو فائدہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی ایسا معاشرہ ہو جس کے افراد ایک دوسرے کے ساتھ معاملات میں خود غرض ہوں، جس میں امیروں کے مفادات عام لوگوں کے مفادات کے بالواسطہ مخالف ہوں تو وہ معاشرہ مستحکم بنیادوں پر قائم نہیں رہتا۔ ایسے معاشرے میں محبت اور ہمدردی کی بجائے باہمی رنجش اور تلخی بڑھنے لگتی ہے۔

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب لوگ اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات پوری کریں گے اور پھر اپنی زائد دولت سے خیراتی طریقوں سے خرچ کریں گے یا باہمی طور پر حلال

کاروبار میں حصہ لیں گے تو ایسے معاشرے میں تجارت، صنعت اور زراعت میں بہتری آئے گی۔ معاشرے کے اندر زندگی کا معیار بلند ہو گا اور اس میں پیداوار ان معاشروں کی نسبت بہت زیادہ ہو گی جہاں معاشی سرگرمیاں مالی مفاد کی وجہ سے محدود ہیں۔

بدی کی ماں

اسلام قبول کرتے وقت قبیلہ ثقیف نے شرائط طے کرنے کی کوشش کی۔ ان میں سے ایک شرط یہ تھی کہ انہیں شراب پینے کی اجازت ہوگی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا ،کہ شراب کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب حیاتِ نبوی، جلد 4 صفحہ 39 اور امام محمد السلّابی کی کتاب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم زندگی، جلد 1، صفحہ 1900 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 3371 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ مسلمان کو ہرگز شراب نہیں پینی چاہیے کیونکہ یہ تمام برائیوں کی کنجی ہے۔

بدقسمتی سے مسلمانوں میں یہ کبیرہ گناہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا گیا ہے۔ یہ تمام برائیوں کی کنجی ہے کیونکہ یہ دوسرے گناہوں کو جنم دیتی ہے۔ یہ بالکل واضح ہے کیونکہ شرابی اپنی زبان اور جسمانی افعال پر قابو کھو دیتا ہے۔ صرف اس خبر کو دیکھنے کی ضرورت ہے کہ شراب پینے سے کتنا جرم ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ اعتدال سے پیتے ہیں وہ صرف اپنے جسم کو نقصان پہنچاتے ہیں، جسے سائنس نے ثابت کیا ہے۔ الکحل سے منسلک جسمانی اور ذہنی بیماریاں بے شمار ہیں اور نیشنل ہیلتھ سروس اور ٹیکس دہندگان پر بھاری بوجھ کا باعث بنتی ہیں۔ یہ تمام برائیوں کی کلید ہے کیونکہ یہ انسان کے تینوں پہلوؤں پر منفی اثر ڈالتی ہے :ان کا جسم، دماغ اور روح۔ یہ لوگوں کے درمیان تعلقات کو تباہ کر دیتا ہے، کیونکہ الکحل کسی کے رویے کو منفی طور پر متاثر کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، شراب نوشی اور گھریلو تشدد کے درمیان واضح تعلق ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 90:

’’اے ایمان والو، بے شک نشہ، جوا، پتھروں پر قربانی کرنا، اور طاغوت کے تیر شیطان کے کام سے ناپاک ہیں، لہٰذا اس سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔‘‘

اس آیت میں شراب پینے کو ان چیزوں کے ساتھ رکھا گیا ہے جن کا تعلق شرک سے ہے، اس بات پر روشنی ڈالتا ہے کہ اس سے بچنا کتنا ضروری ہے۔

یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 3376 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ شراب باقاعدگی سے پینے والا جنت میں نہیں جائے گا۔

سنن ابن ماجہ، نمبر 68 میں موجود ایک حدیث کے مطابق امن کے اسلامی سلام کو پھیلانا جنت کے حصول کی کلید ہے۔ امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 1017 میں پائی جانے والی ایک حدیث، مسلمانوں کو مشورہ دیتی ہے کہ باقاعدگی سے شراب پینے والے کو سلام نہ کریں۔

شراب ایک انوکھا کبیرہ گناہ ہے کیونکہ سنن ابن ماجہ نمبر 3380 میں موجود ایک حدیث میں دس مختلف طریقوں سے اس پر لعنت کی گئی ہے۔ ان میں شراب خود، اسے بنانے والا، جس کے لیے پیدا کیا جاتا ہے، اسے بیچنے والا، اسے خریدنے والا، اسے اٹھانے والا، اس کو استعمال کرنے والا، اس کو پینے کے لیے لے جانے والا، اس کو بیچنے والا، استعمال کرنے والا۔ اور جو اسے ڈالتا ہے۔ جو شخص ایسی لعنت کا معاملہ کرے گا وہ اس وقت تک حقیقی کامیابی حاصل نہیں کرے گا جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کرے۔

اگرچہ، شراب کی لت کو توڑنا مشکل ہے، لیکن کسی کو بھی ان تمام چیزوں سے بچنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے جو اسے اس کی طرف مائل کریں، جیسے برے دوست۔ انہیں ان کے لیے دستیاب تمام مدد کا استعمال کرنا چاہیے، جیسے کہ کونسلنگ سیشن۔ انہیں کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص پر ایسا بوجھ نہیں ڈالتا جس کو وہ پورا نہ کر سکے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286:

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

یہ چیزیں ان کو اس بڑے گناہ سے نیکی سے باز آنے میں مدد دیں گی۔

سمجھوتہ کے بغیر لچک

اسلام قبول کرتے وقت قبیلہ ثقیف نے شرائط طے کرنے کی کوشش کی۔ ان میں سے دو شرطیں یہ تھیں کہ ان کے قبیلے کو لڑائیوں میں حصہ لینے کی ضرورت نہیں ہوگی اور صرف ان کے قبیلے کے کسی فرد کو ان کا انچارج مقرر کیا جا سکتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں شرائط کو قبول فرمایا۔ تاہم اس نے بعد میں یہ تبصرہ کیا کہ ایک بار جب وہ سچے مسلمان ہو گئے تو وہ بلاشبہ اپنی مرضی سے لڑائیوں میں حصہ لیں گے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 39 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ دونوں شرطیں اس لیے قبول کی گئیں کہ وہ اتنی اہم نہیں تھیں اور نہ ہی اسلام کی بنیادی تعلیمات کو چیلنج کرتی تھیں۔ اس کے علاوہ ان کی بعض شرائط کو قبول کرنا انہیں اسلام قبول کرنے کی ترغیب دینے کا بہترین طریقہ تھا۔ عام طور پر دیکھا جائے تو اس سے تمام معاملات میں ضد نہ اپنانے کی اہمیت کی نشاندہی ہوتی ہے۔

بعض دنیوی معاملات میں ہٹ دھرمی اختیار کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے کردار میں بہتری نہیں لاتے۔ اس کے بجائے، وہ اپنے رویے پر ثابت قدم رہتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ یہ کسی نہ کسی طرح ان کی عظیم طاقت اور دانشمندی کی علامت ہے۔ ایمان کے معاملات میں ثابت قدمی ایک قابل تعریف رویہ ہے لیکن اکثر دنیاوی معاملات میں اسے صرف ضد کہا جاتا ہے جو کہ قابل ملامت ہے۔

بدقسمتی سے، کچھ کا خیال ہے کہ اگر وہ اپنا رویہ بدلتے ہیں تو یہ کمزوری کو ظاہر کرتا ہے یا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنی غلطی تسلیم کر رہے ہیں اور اس وجہ سے وہ ضد کے ساتھ بہتر کے لیے تبدیل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ بالغ لوگ یہ مان کر نادان بچوں کی طرح برتاؤ کرتے ہیں کہ اگر وہ اپنا رویہ بدل لیتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ہار گئے ہیں جبکہ دوسرے جو اپنے رویے پر ثابت قدم رہتے ہیں وہ جیت گئے ہیں۔ یہ محض بچگانہ ہے۔

درحقیقت ایک ذہین آدمی ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہے گا لیکن دنیاوی معاملات میں جب تک گناہ نہ ہو اپنی زندگی کو آسان بنانے کے لیے اپنا رویہ بدلے گا۔ لہٰذا اپنی زندگی کو سنوارنے کے لیے بدلنا کمزوری کی علامت نہیں بلکہ دراصل ذہانت کی علامت ہے۔

بہت سے معاملات میں، ایک شخص اپنا رویہ تبدیل کرنے سے انکار کرتا ہے اور اپنی زندگی میں دوسروں سے توقع کرتا ہے کہ وہ اپنا رویہ بدلیں، جیسے کہ ان کے رشتہ دار۔ لیکن جو اکثر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ضد کی وجہ سے سب ایک ہی حالت میں رہتے ہیں جس سے باقاعدہ اختلاف اور جھگڑے ہی ہوتے ہیں۔ ایک عقلمند شخص یہ سمجھتا ہے کہ اگر اس کے ارد گرد کے لوگ اس سے بہتر نہیں ہوتے جو ان کی ضرورت سے بہتر ہوتی ہے۔ یہ تبدیلی ان کی زندگی کے معیار اور دوسروں کے ساتھ ان کے تعلقات کو بہتر بنائے گی جو لوگوں کے ساتھ سرکلر بحث کرنے سے کہیں بہتر ہے۔ یہ مثبت رویہ بالآخر دوسروں کو ان کا احترام کرنے کا سبب بنے گا کیونکہ کسی کے کردار کو بہتر بنانے کے لیے حقیقی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔

جو لوگ ضدی رہتے ہیں وہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ ناراض پاتے ہیں جس سے ان کی زندگی سے سکون ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں مزید مشکلات پیدا ہوں گی، جیسے کہ ان کی ذہنی صحت۔ لیکن جو لوگ بہتر کے لیے اپناتے اور بدلتے ہیں وہ ہمیشہ امن کے ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتے ہیں۔ اگر کوئی یہ امن حاصل کر لیتا ہے تو کیا اس سے واقعی کوئی فرق پڑتا ہے اگر دوسرے یہ مانتے ہیں کہ وہ صرف اس لیے بدل گئے کہ وہ غلط تھے؟

آخر میں قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر ثابت قدم رہنا قابل تعریف ہے۔ لیکن دنیاوی معاملات میں اور ایسے معاملات میں جہاں کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو انسان کو اپنا رویہ بدلنا سیکھنا چاہیے تاکہ وہ اس دنیا میں سکون حاصل کر سکے۔

سچا اچھا

قبیلہ ثقیف کے اسلام قبول کرنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے قبیلوں میں سے ایک عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو اپنا سپہ سالار مقرر کیا۔ اس نے ایسا کیا حالانکہ وہ سب سے کم عمر مردوں میں سے ایک تھا، کیونکہ اس نے قرآن پاک کو سمجھنے کے لیے بے حد شوق ظاہر کیا تھا۔ آخرکار وہ قرآن پاک کا ماہر بن گیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بہت پسند کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 40 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2645 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو بھلائی دینا چاہتا ہے تو اسے اسلامی علم عطا کرتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مسلمان خواہ اس کے ایمان کی مضبوطی ہو دونوں جہانوں میں بھلائی کا خواہاں ہے۔ اگرچہ بہت سے مسلمان غلط طور پر یہ مانتے ہیں کہ وہ جو بھلائی چاہتے ہیں وہ شہرت، دولت، اختیار، صحبت اور اپنے کیرئیر میں مضمر ہے، لیکن یہ حدیث اس بات کو واضح کرتی ہے کہ حقیقی دیرپا بھلائی اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے میں ہے۔ غور طلب ہے کہ دینی علم کی ایک شاخ مفید دنیاوی علم ہے جس کے ذریعے انسان اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات پوری کرنے کے لیے حلال رزق کماتا ہے۔ اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی نشاندہی کر دی ہے کہ بھلائی کہاں ہے پھر بھی یہ شرم کی بات ہے کہ کتنے مسلمان اس کی قدر نہیں کرتے۔ وہ زیادہ تر معاملات میں اپنے واجبات کو پورا کرنے کے لیے کم سے کم اسلامی علم حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور زیادہ حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں، جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات۔ اس کے بجائے وہ اپنی کوششیں دنیاوی چیزوں کے لیے وقف کر دیتے ہیں، سچی بھلائی کا یقین وہاں پایا جاتا ہے۔ بہت سے مسلمان اس بات کی تعریف کرنے میں ناکام رہتے ہیں کہ نیک پیشروؤں کو صرف ایک آیت یا حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیکھنے کے لیے ہفتوں تک سفر کرنا پڑا، جب کہ آج کوئی بھی اپنا گھر چھوڑے بغیر اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کر سکتا ہے۔ اس کے باوجود، بہت سے لوگ آج کے دور کے مسلمانوں کو دی گئی اس نعمت کو استعمال کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت سے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے نہ صرف یہ بتا دیا ہے کہ سچی بھلائی کہاں ہے بلکہ اس نیکی کو انگلی کے اشارے پر بھی رکھا ہے۔

ایک مسلمان کو یہ یقین کرنے میں بے وقوف نہیں بنایا جانا چاہئے کہ اسلامی علم صرف یہ بتاتا ہے کہ عبادات کیسے کی جائیں اور کیا حرام اور حلال ہے۔ درحقیقت یہ لوگوں کو یہ سکھاتا ہے کہ کس طرح صحیح رویہ اور طرز عمل اختیار کیا جائے تاکہ وہ ان تمام دنیاوی نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کریں جو انہیں عطا کی گئی ہیں تاکہ وہ دونوں جہانوں میں اپنے اور دوسروں کو فائدہ پہنچائیں اور اس طرح دونوں جہانوں میں ذہنی سکون اور کامیابی حاصل کریں۔ انسانوں کو یہ سکھانے والا صرف وہی ہے جس نے تمام چیزوں کو پیدا کیا اور جانتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ۔ اس لیے دینی علم پر دنیاوی علم کو حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کو ترجیح دینا عقلمندی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو بتا دیا ہے کہ ایک ابدی دفن خزانہ کہاں ہے جو دونوں جہانوں میں پیش آنے والے تمام مسائل کو حل کر سکتا ہے۔ لیکن مسلمانوں کو یہ بھلائی تبھی ملے گی جب وہ اسے حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی جدوجہد کریں گے۔ اس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں امن اور کامیابی ہوگی۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

ایک اچھا لیڈر

قبیلہ ثقیف کے اسلام قبول کرنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے قبیلوں میں سے ایک عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو اپنا سپہ سالار مقرر کیا۔ مدینہ سے روانہ ہوتے وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ نماز میں اختصار کرو اور لوگوں کو ان کے کمزور ترین رکن سے جانچو کیونکہ ان میں بوڑھے، جوان کمزور اور ضرورت مند سب شامل ہوں گے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 40 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2409 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ ہر شخص ایک ولی ہے اس لیے اس کی زیر نگرانی چیزوں کا ذمہ دار ہے۔

ایک مسلمان سب سے بڑی چیز جس کا محافظ ہے وہ ان کا ایمان ہے۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری کو نبھانے کی کوشش کریں۔

اس ولایت میں ہر وہ نعمت بھی شامل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے، جس میں ظاہری چیزیں شامل ہیں، جیسے مال، اور اندرونی چیزیں، جیسے کہ جسم۔ ایک مسلمان کو ان چیزوں کو اسلام کے بتائے ہوئے طریقے سے استعمال کرکے ان کی ذمہ داری پوری کرنی چاہیے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان کو صرف حلال چیزوں کو دیکھنے کے لیے، اپنی زبان کو صرف حلال اور فائدہ مند الفاظ اور اپنے مال کو فائدہ مند اور نیک طریقوں سے دیکھنے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

یہ سرپرستی کسی کی زندگی میں دوسروں تک بھی پھیلتی ہے، جیسے رشتہ دار اور دوست۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق ایک مسلمان کو یہ ذمہ داری اپنے حقوق کی ادائیگی کے ذریعے ادا کرنی چاہیے، جیسے کہ ان کو فراہم کرنا اور نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا۔ کسی کو دوسروں سے الگ نہیں ہونا چاہیے، خاص کر دنیاوی مسائل میں۔ اس کے بجائے، انہیں اس امید پر ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا جاری رکھنا چاہیے کہ وہ بہتر کے لیے بدل جائیں گے۔ اس سرپرستی میں کسی کے بچے بھی شامل ہیں۔ ایک مسلمان کو مثال کے طور پر رہنمائی کرتے ہوئے ان کی رہنمائی کرنی چاہیے، کیونکہ یہ بچوں کی رہنمائی کا سب سے مؤثر طریقہ ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، اور اپنے بچوں کو بھی ایسا ہی کرنا سکھائیں۔ اس کی جڑ میں اسلامی علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا شامل ہے۔

نتیجہ اخذ کرنا کہ اس حدیث کے مطابق ہر ایک کو کسی نہ کسی قسم کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ علم حاصل کریں اور ان کی تکمیل کے لیے اس پر عمل کریں، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک حصہ ہے، اس لیے قیامت کے دن ان سے سوال کیا جائے گا۔ باب الاسراء، آیت 34 17:

اور]ہر [عہد کو پورا کرو۔ بیشک عہد ہمیشہ]جس کے بارے میں سوال کیا جائے گا[..."

چیزوں کو آسان بنائیں

جب قبیلہ ثقیف مدینہ سے روانہ ہو رہا تھا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سردار عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وہ نماز باجماعت پڑھاتے وقت قرآن مجید کے چھوٹے چھوٹے سوروں کی تلاوت کریں تاکہ لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا ہوں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 40 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6125 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسروں کے لیے مشکل بنانے کی بجائے آسان بنانے کی تلقین فرمائی۔ اور دوسروں کو خوشخبری دینا اور نہ ڈرانا۔

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ اپنے لیے آسانیاں پیدا کرے، سب سے پہلے اسلامی علم سیکھ کر اور اس پر عمل کر کے، تاکہ وہ اپنے واجبات کو پورا کر سکے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ روایات پر عمل کر سکے، اور اپنی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات پوری کر سکے۔ اس سے انہیں فضول خرچی یا اسراف کے بغیر حلال چیزوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے کافی وقت ملے گا۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی طاقت کے مطابق عمل صالح کے لیے کرے نہ کہ اپنے اوپر بوجھ ڈالے، کیونکہ اسلام میں یہ ناپسندیدہ ہے۔ صحیح بخاری نمبر 6465 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ متوازن طرز عمل ہمیشہ بہترین ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کریں، خاص طور پر مذہبی معاملات میں، تاکہ لوگ اسلام سے نفرت نہ کریں، یہ مانتے ہوئے کہ یہ ایک بوجھل مذہب ہے جبکہ یہ ایک سادہ اور آسان مذہب ہے۔ اس کی تصدیق امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 287 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ دوسروں کو، خصوصاً بچوں کو سکھانا ضروری ہے۔ اگر بچے غلط طور پر مانتے ہیں کہ اسلام ایک مشکل مذہب ہے تو وہ بڑے ہو کر اس سے منہ موڑ لیں گے۔ بچوں کو سکھایا جائے کہ اسلام میں کچھ ذمہ داریاں ہیں جنہیں پورا کرنے میں زیادہ وقت نہیں لگتا اور وہ اچھے اور صحت مند طریقوں سے تفریح کے لیے کافی وقت چھوڑ دیتے ہیں۔

لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ دینی معاملات میں اپنے یا دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان کاہل ہو جائے اور دوسروں کو کاہل ہونا سکھائے، کیونکہ کم از کم فرائض کو ہر وقت پورا کرنا ضروری ہے، الا یہ کہ اسلام اس سے مستثنیٰ ہو۔ سستی کرنے والا اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتا، صرف اپنی خواہشات کو مانتا ہے۔

دوسروں کے لیے چیزوں کو آسان بنانے کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسروں سے اپنے مکمل حقوق کا مطالبہ نہیں کرتا ہے۔ اس کے بجائے، انہیں اپنی مدد کرنے اور دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کے لیے ان کی جسمانی یا مالی طاقت جیسے وسائل کا استعمال کرنا چاہیے۔ بعض صورتوں میں دوسروں کے حقوق ادا کرنے میں ناکامی سزا کا باعث بنتی ہے۔ دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کے لیے ایک مسلمان کو صرف بعض صورتوں میں اپنے حقوق کا مطالبہ کرنا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمان دوسروں کے حقوق ادا کرنے کی کوشش نہ کرے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرے جن پر ان کے حقوق ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک والدین اپنے بالغ بچے کو گھر کے کسی خاص کام سے عذر کر سکتے ہیں اور یہ کام خود کر سکتے ہیں، اگر ان کے پاس بغیر کسی پریشانی کے ایسا کرنے کا ذریعہ ہے، خاص طور پر اگر وہ بچہ کام سے تھک کر گھر لوٹتا ہے۔ یہ نرمی اور رحم نہ صرف اللہ تعالیٰ کو ان پر زیادہ رحم کرنے کا باعث بنے گا بلکہ اس سے لوگوں میں ان کے لیے محبت اور احترام بھی بڑھے گا۔ جو ہمیشہ اپنے پورے حقوق کا مطالبہ کرتا ہے وہ گنہگار نہیں ہے لیکن اگر وہ اس طرح کا برتاؤ کریں گے تو وہ اس اجر و ثواب سے محروم ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کریں اور امید رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے دنیا اور آخرت میں آسانیاں پیدا کرے گا۔ لیکن جو لوگ دوسروں کے لیے مشکلیں پیدا کرتے ہیں وہ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے دونوں جہانوں میں مشکلیں پیدا کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو اور دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی ان گنت نعمتوں اور عظیم انعامات کی یاد دلائے جو وہ مسلمانوں کو اس دنیا اور آخرت میں عطا کرتا ہے جو اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر سے کام لیتے ہیں۔ یہ طریقہ زیادہ تر معاملات میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف ترغیب دینے میں زیادہ کارگر ہے۔ صرف بعض صورتوں میں جب کوئی شخص خواہش مندانہ سوچ میں مبتلا ہو اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر رہا ہو، اس امید کے ساتھ کہ وہ کامیاب ہو جائے گا، کیا کسی مسلمان کو ان کے اس عمل کے نتائج سے خبردار کرنا چاہیے، اور ان میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کرنا چاہیے۔

ایک توازن بہترین ہے جس کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ پر امید رکھتا ہے، اس کی اطاعت اور اس سے ڈرنے کی ترغیب دیتا ہے تاکہ گناہوں سے بچا جا سکے۔ اور جب بھی کوئی عدم توازن محسوس کرتا ہے یا دوسروں کو دیکھتا ہے جو عدم توازن کا شکار ہو چکے ہیں تو ایک مسلمان کو اپنے آپ کو اور دوسروں کو صحیح درمیانی راستے پر لانے کے لیے مناسب طریقے سے عمل کرنا چاہیے۔

رحمت کی امید

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال، غیر مسلم قبیلہ ثقیف کا ایک وفد اسلام قبول کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وحشی، وہ شخص جس نے جنگ احد میں حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا، اس وفد میں شامل ہوا تاکہ اس کی حفاظت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اسلام قبول کر سکے۔ جب وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ آپ کی توبہ قبول کرے گا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ چیزوں کو شریک کیا، لوگوں کو ناحق قتل کیا اور زنا کیا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان آیت نمبر 68-70 نازل فرمائی۔

"اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور نہ ہی کسی جان کو قتل کرتے ہیں جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے، سوائے حق کے، اور نہ ہی ناجائز جماع کا ارتکاب کرتے ہیں، اور جو ایسا کرے گا اسے سزا ملے گی، قیامت کے دن اس کے لیے کئی گنا عذاب ہے، اور وہ اس میں ہمیشہ رہے گا، لیکن جو لوگ نیک کام کرتے ہیں ان کے لیے ذلیل و خوار ہوتے ہیں۔" اللہ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ ہمیشہ بخشنے والا مہربان ہے۔

وحشی نے مشاہدہ کیا کہ توبہ اسی صورت میں قبول کی جائے گی جب وہ نیک کام جاری رکھے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے باب 4 النساء آیت 48 نازل فرمائی:

"بے شک اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ شرک کرنے کو نہیں بخشتا لیکن اس سے کم جس کے لیے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اس نے یقیناً بہت بڑا گناہ باندھا۔

وحشی نے تبصرہ کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق معافی کی شرط کو متعین کرتا ہے اور اگر وہ اس سے خارج ہو تو کیا ہوگا؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر آیت نمبر 39 نازل فرمائی:

”کہہ دو کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔“

یہ آیت سن کر اس نے اسلام قبول کر لیا۔

اس کا تذکرہ امام واحدی کی، اصباب النزول، 68:25-70، صفحہ 122-123 اور صحیح بخاری، نمبر 4072 میں موجود ایک حدیث میں کیا گیا ہے۔

اگرچہ اللہ تعالیٰ اس دنیا کے تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے لیکن خواہش مندانہ سوچ کو اپنانے سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ اسلام میں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔

جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحمت الٰہی سے حقیقی امید اور خواہش مندانہ سوچ کے درمیان فرق بیان فرمایا۔ حقیقی امید وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچ کر اپنی روح کو قابو میں رکھے اور آخرت کی تیاری کے لیے سرگرم جدوجہد کرے۔ جبکہ احمق خواہش مند مفکر ان کی خواہشات کی پیروی کرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ سے ان کی مغفرت اور ان کی خواہشات کی تکمیل کی توقع رکھتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ان دونوں رویوں میں خلط ملط نہ کریں تاکہ وہ ایک خواہش مند مفکر کے طور پر جینے اور مرنے سے بچیں، کیونکہ اس شخص کے اس دنیا یا آخرت میں کامیاب ہونے کا امکان بہت کم ہے۔ خواہش مند سوچ ایک کسان کی طرح ہے جو پودے لگانے کے لیے زمین کو تیار کرنے میں ناکام رہتا ہے، بیج لگانے میں ناکام رہتا ہے، زمین کو پانی دینے میں ناکام رہتا ہے اور پھر بڑی فصل کی کٹائی کی توقع رکھتا ہے۔ یہ صریح حماقت ہے اور اس کسان کے کامیاب ہونے کا امکان بہت کم ہے۔ جبکہ حقیقی امید ایک کسان کی طرح ہے جو زمین کو تیار کرتا ہے، بیج لگاتا ہے، زمین کو پانی دیتا ہے اور پھر یہ امید رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بڑی فصل سے نوازے گا۔ اہم فرق یہ ہے کہ سچی امید رکھنے والا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے سرگرم عمل ہو گا، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرے گا۔ اور جب بھی پھسلتے ہیں تو سچے دل سے توبہ کرتے ہیں۔ جبکہ خواہش مند مفکر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سرگرداں نہیں ہو گا بلکہ ان کی خواہشات کی پیروی کرے گا اور پھر بھی اللہ تعالیٰ سے یہ امید رکھے گا کہ وہ انہیں معاف کر دے گا اور ان کی خواہشات کو پورا کرے گا۔

لہٰذا مسلمانوں کو اس اہم فرق کو سیکھنا چاہیے تاکہ وہ خواہش مندانہ سوچ کو ترک کر سکیں اور اس کے بجائے اللہ تعالیٰ سے سچی امید اختیار کر سکیں جو ہمیشہ دونوں جہانوں میں بھلائی اور کامیابی کے سوا کچھ نہیں دیتی۔ صحیح بخاری نمبر 7405 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

خواہش مندانہ سوچ کی ایک خاص قسم جس نے ماضی کی قوموں اور حتیٰ کہ مسلم قوم کو بھی متاثر کیا جب کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام و ممنوعات کو نظر انداز کر سکتا ہے اور قیامت کے دن کوئی نہ کوئی ان کی شفاعت کرے گا اور انہیں جہنم سے نجات دے گا۔ اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت ایک حقیقت ہے اور بہت سی احادیث میں اس پر بحث ہوئی ہے، جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 4308 میں ہے، لیکن اس سے کم نہیں حتیٰ کہ آپ کی شفاعت سے بعض مسلمان، جن کے عذاب میں تخفیف ہو گی، پھر بھی جہنم میں داخل ہوں گے۔ جہنم میں ایک لمحہ بھی واقعی ناقابل برداشت ہے۔ لہٰذا خواہش مندانہ سوچ کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں عملی طور پر کوشش کرتے ہوئے سچی امید کو اپنانا چاہیے۔

شیطان ان لوگوں کو جو قیامت پر یقین نہیں رکھتے ہیں کہ اگر ایسا ہو بھی جائے تو وہ اس دن یہ دعویٰ کر کے اللہ تعالیٰ سے صلح کر لیں گے کہ وہ اتنے برے نہیں تھے کہ انہوں نے قتل جیسے بڑے جرائم سے اجتناب کیا۔ انہوں نے اپنے آپ کو یہ باور کرایا ہے کہ ان کی درخواستیں قبول کی جائیں گی اور انہیں جنت میں بھیج دیا جائے گا اگرچہ انہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران اللہ تعالیٰ سے کفر کیا۔ یہ ناقابل یقین حد تک احمقانہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس شخص کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرے گا جو اس پر ایمان لایا اور اس کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنے والے کے ساتھ کفر کیا۔ ایک آیت نے اس قسم کی خواہش مند سوچ کو مٹا دیا ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 85:

"اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو چاہے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔"

آخر میں، ایک مسلمان کو یہ یقین کر کے خواہش مندانہ سوچ نہیں اختیار کرنی چاہیے کہ وہ مسلمان ہونے کے ناطے ایک دن جنت میں داخل ہوں گے، چاہے وہ اپنے گناہوں کے نتیجے میں پہلے جہنم میں ہی کیوں نہ جائیں۔ کوئی بھی اپنے ایمان کے ساتھ اس دنیا سے جانے کی ضمانت نہیں دیتا۔ جو شخص سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو چھوڑ دیتا ہے، اس کے اس دنیا سے بغیر ایمان کے چلے جانے کا بڑا خطرہ ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جس کی پرورش اور نگہداشت اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت سے ہونی چاہیے۔ جب ایمان کا پودا نظر انداز کر دیا جائے تو وہ مر سکتا ہے، جس کے پاس دونوں جہانوں میں کامیابی کو یقینی بنانے کے لیے کچھ بھی نہیں بچا۔

معاف کرو اور بھول جاؤ

جنگ احد میں حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والا وحشی جب اسلام قبول کرنے کے لیے مدینہ تشریف لے گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم نے حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا، پھر ان کے ایمان کی گواہی قبول کر لی۔ اس کے بعد اس نے درخواست کی کہ کیا وہ مستقبل میں اس سے غیر ضروری طور پر ملنے سے بچ سکتا ہے، جیسا کہ اسے دیکھ کر اسے اپنے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل اور مسخ کرنے کی یاد آئی۔ صحیح بخاری نمبر 4072 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

اگرچہ وحشی کے گناہ معاف کر دیے گئے، جیسا کہ اس نے اسلام قبول کر لیا، پھر بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے درخواست کی کہ وہ بلا ضرورت اس سے ملنے سے گریز کریں۔ سب سے پہلے تو یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی انسانی فطرت پر دلالت کرتا ہے۔ اس نے وہی احساسات محسوس کیے جو کوئی دوسرا انسان محسوس کرے گا، جیسے غصہ اور غم۔ یہ ہمیشہ یاد رکھنا ضروری ہے کیونکہ یہ کسی کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق قائم کرنے کی اجازت دیتا ہے، جس کے نتیجے میں انہیں عملی طور پر آپ کی پیروی کرنے کی ترغیب ملتی ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ بعض علماء صرف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلیٰ مقام پر بحث کرتے ہیں، اس طرح یہ تاثر دیتے ہیں کہ عملی طور پر ان کی پیروی نہیں کی جا سکتی۔ اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہترین مخلوق ہیں، کوئی بھی کم نہیں، وہ ایک ایسے انسان ہیں جن کی عملی طور پر پیروی کی جا سکتی ہے اور ضروری ہے۔

اس کے علاوہ، یہ درخواست مسلم کمیونٹی کے لیے ایک بڑی راحت تھی کیونکہ اس سے ان کے لیے چیزیں آسان ہو گئی تھیں۔ اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا برتاؤ کرتے جیسے وحشی نے کچھ نہیں کیا تو تمام مسلمانوں کو اس طرح کا برتاؤ کرنے پر مجبور کر دیتا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ اختیار کرنا واجب ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

مسلمانوں کی اکثریت دوسروں کے ساتھ اس طرح کا سلوک نہیں کر سکے گی۔ چنانچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی درخواست نے ان کے لیے آسانیاں پیدا کر دیں۔ یہ معاف کرنے اور بھول جانے کے غلط تصور کو درست کرتا ہے۔ یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ انسان کمپیوٹر نہیں ہیں، جو ذہنوں سے یادیں مٹا دیں۔ لوگوں سے یہ توقع نہیں کی جاتی کہ وہ دوسروں کے اعمال کو بھول جائیں، بلکہ ان سے یہ ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو مستقبل میں دوسروں کے نقصان سے بچانے کے لیے اقدامات کریں تاکہ تاریخ اپنے آپ کو نہ دہرائے، پھر وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دوسروں کو معاف کر دیں اور دوسروں کے حقوق ادا کرتے رہیں۔ باب 24 النور، آیت 22:

’’اور وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا آپ پسند نہیں کریں گے کہ اللہ آپ کو معاف کر دے؟‘‘

اسی لیے صحیح بخاری کی حدیث نمبر 6133 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی ہے کہ مومن کو ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا۔ مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو دوسروں کو معاف کرنا چاہیے اور ان کے حقوق ادا کرنے چاہییں، لیکن دوسروں پر اندھا بھروسہ نہیں کرنا چاہیے، خاص کر جب ماضی میں ان پر ظلم ہوا ہو۔ دوسروں کے ماضی کے اعمال کو نظر انداز کرنا انہیں مستقبل میں اسی طرح برتاؤ کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو اس واقعہ سے سبق حاصل کرنا چاہیے اور دوسروں کو معاف کرنا سیکھنا چاہیے اور اپنے حقوق کی ادائیگی کے لیے جدوجہد کرنا چاہیے لیکن ان سے یہ توقع نہیں کی جاتی کہ وہ دوسروں کے اعمال کو بھول جائیں اور نہ ہی ان پر اندھا اعتماد کریں۔ درحقیقت انہیں خود کو تاریخ کے دہرانے سے بچانے کے لیے اقدامات کرنے چاہئیں۔

چیزوں کو چھوڑنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت کے نویں سال میں بالی کے غیر مسلم قبیلے کا ایک وفد مدینہ آیا اور اسلام قبول کیا۔ ان کے سردار ابو ادیب رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سلسلہ وار سوالات کئے۔ ان میں سے ایک اس بارے میں تھا کہ آوارہ اونٹ کے بارے میں کیا کیا جائے جو کسی کو ملے۔ مؤخر الذکر نے جواب دیا کہ کھویا ہوا اونٹ اس کا کوئی کام نہیں ہے اور اسے چاہیے کہ اسے اپنے لیے لینے کے بجائے مالک کو تلاش کرنے کی کوشش کرے۔ اس پر امام صفی الرحمٰن کی کتاب مہربند نیکٹر صفحہ 446 میں بحث ہوئی ہے۔

عام طور پر، یہ کسی کے کاروبار کو ذہن میں رکھنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ مسلمان اس وقت تک اپنے اسلام کو بہترین نہیں بنا سکتا جب تک کہ وہ ان چیزوں سے اجتناب نہ کرے جن سے ان کا تعلق نہیں ہے۔

اس حدیث میں ایک ہمہ گیر نصیحت ہے جس کا اطلاق زندگی کے ہر پہلو پر ہونا چاہیے۔ اس میں ایک شخص کی تقریر کے ساتھ ساتھ ان کے دیگر جسمانی اعمال بھی شامل ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو مسلمان اپنے ایمان کو کامل کرنا چاہتا ہے اسے ایسی باتوں سے اجتناب کرنا چاہیے، قول و فعل کے ذریعے، جن سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور اس کے بجائے وہ خود کو ان کاموں میں مشغول رکھیں جو کرتے ہیں۔ انسان کو ان باتوں کو بہت سنجیدگی سے لینا چاہیے جو اس کے ساتھ ہیں اور اسلامی تعلیمات کے مطابق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی سوچ یا خواہشات کے مطابق چیزوں سے گریز کرے تو وہ اپنا ایمان مکمل نہیں کر سکے گا۔ لیکن جو اپنا ایمان کامل کرتا ہے وہ ان چیزوں سے اجتناب کرتا ہے جن سے بچنے کی اسلام نے نصیحت کی ہے۔ یعنی اپنے تمام فرائض کو پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، تمام گناہوں اور اسلام میں ناپسندیدہ چیزوں سے بچنا چاہیے اور غیر ضروری حلال چیزوں کے زیادہ استعمال سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔ یہ فضیلت حاصل کرنا ایمان کی فضیلت کی ایک خصوصیت ہے جس کا ذکر صحیح

مسلم نمبر 99 کی حدیث میں ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرتا ہے کہ گویا وہ اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے یا کم از کم اللہ تعالیٰ سے پوری طرح واقف ہو جاتا ہے، ان کے ہر خیال اور عمل کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس الٰہی نگرانی سے آگاہ ہونا ایک مسلمان کو ہمیشہ گناہوں سے پرہیز کرنے اور اعمال صالحہ کی طرف جلدی کرنے کی ترغیب دے گا۔ جو ان چیزوں سے پرہیز نہیں کرتا جن سے کوئی سروکار نہیں وہ اس درجہ فضیلت کو نہیں پہنچ سکتا۔

ان چیزوں سے اجتناب کرنے کا ایک بڑا پہلو جن سے انسان کو کوئی سروکار نہیں ہوتا ہے اس کا تعلق تقریر سے ہے۔ گناہوں کی کثرت اس وقت ہوتی ہے جب انسان ایسے الفاظ کہے جن سے کوئی تعلق نہ ہو، جیسے غیبت اور غیبت۔ فضول گفتگو کی تعریف یہ ہے کہ جب کوئی شخص ایسے الفاظ کہے جو گناہ کے تو نہ ہوں لیکن بیکار ہوں اور اس لیے ان کی فکر نہ ہو۔ جیسا کہ صحیح بخاری ،نمبر 2408 میں موجود حدیث سے ثابت ہے کہ لغو بات اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ لاتعداد دلائل لڑائیاں اور یہاں تک کہ جسمانی نقصان بھی صرف اس لیے ہوا ہے کہ کسی نے ایسی بات کی جس سے انہیں کوئی سروکار نہ ہو۔ کئی خاندان تقسیم ہو چکے ہیں۔ بہت سی شادیاں ختم ہو چکی ہیں کیونکہ کسی کو ان کے کاروبار پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مفید کلام کی مختلف اقسام کی نصیحت فرمائی ہے جس سے لوگوں کو فکر مند ہونا چاہیے۔ باب 4 النساء، آیت 114:

"ان کی اکثر گفتگو میں کوئی بھلائی نہیں سوائے ان لوگوں کے جو خیرات کا حکم دیتے ہیں یا حق بات یا لوگوں کے درمیان صلح کرواتے ہیں اور جو شخص یہ کام اللہ کی رضا مندی کے لیے کرے گا تو ہم اسے بہت بڑا اجر دیں گے۔"

درحقیقت ایسے الفاظ کا بولنا جو انسان کے لیے فکرمند نہ ہوں، لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی بنیادی وجہ ہو گی۔ جامع ترمذی نمبر 2616 میں ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2412 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت فرمائی کہ ہر بات کسی شخص کے خلاف شمار کی جائے گی بشرطیکہ اس کا تعلق نیکی کی نصیحت، برائی سے منع کرنے یا اللہ تعالیٰ کی سابقہ باتوں سے نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تقریر کی دیگر تمام شکلیں کسی شخص کی فکر نہیں ہیں کیونکہ ان سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اچھی نصیحت کرنا ہر اس چیز کو شامل کرتا ہے جو کسی کی دنیاوی اور مذہبی زندگی میں فائدہ مند ہو، جیسے کہ وہ پیشہ۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے قول و فعل کے ذریعے ان باتوں سے بچنے کی کوشش کریں جن سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے تاکہ وہ اپنے ایمان کو مکمل کر سکیں۔ سیدھے الفاظ میں، جو شخص ان چیزوں کے لیے وقت لگاتا ہے جن سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، وہ ان چیزوں میں ناکام ہو جاتا ہے جو ان سے متعلق ہیں۔ اور جو اپنے آپ کو ان چیزوں میں مشغول رکھتا ہے جو ان سے متعلق ہیں وہ ان چیزوں پر خرچ کرنے کے لئے وقت نہیں پائے گا جو ان سے متعلق نہیں ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کریں گے۔

آخر میں، جو اپنے آپ کو ان چیزوں میں مشغول رکھتا ہے جو ان سے متعلق ہیں، وہ تمام مفید دنیوی اور دینی چیزوں کو مکمل کر لے گا جن کے وہ ذمہ دار ہیں اور اس طرح ذہنی سکون حاصل کر لیتے ہیں۔ تناؤ کے اہم ذرائع میں سے ایک یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنے آپ کو ایسی چیزوں میں مشغول کر لیتا ہے جن سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے، کیونکہ یہ اسے اپنی دنیاوی اور مذہبی ذمہ داریوں کو پورا کرنے سے روکتا ہے۔ صحیح طریقے سے برتاؤ کرنے سے کسی کو اپنی اہم ذمہ داریوں کو پورا کرنے کا موقع ملے گا اور اس بات کو یقینی بنایا جائے گا کہ ان کے پاس آرام کرنے اور ان چیزوں کو کرنے کے لیے کافی وقت ملے جن سے وہ لطف اندوز ہوں۔

اس کے علاوہ، زیر بحث اہم واقعہ متعلقہ سوالات پوچھنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

صحیح مسلم نمبر 3257 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت زیادہ سوالات کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس سے ماضی کی قومیں تباہ ہوگئیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق جس چیز کا انہیں حکم دیا گیا ہے وہ کریں اور جس چیز سے انہیں منع کیا گیا ہے اس سے پرہیز کریں۔

مسلمانوں کو اس ذہنیت کو نہیں اپنانا چاہئے کیونکہ جن لوگوں کو بہت زیادہ سوالات کرنے کی عادت ہوتی ہے وہ اکثر اپنے فرائض کی ادائیگی اور فائدہ مند علم حاصل کرنے میں ناکام رہتے

ہیں کیونکہ وہ کم اہم اور بعض اوقات غیر متعلقہ معلومات کے بارے میں پوچھنے اور تحقیق کرنے میں بہت زیادہ مصروف رہتے ہیں۔ یہ ذہنیت کسی شخص کو اس قسم کے مسائل پر بحث اور بحث کرنے کی ترغیب دے سکتی ہے۔ بدقسمتی سے آج مسلمانوں میں یہ رویہ کافی پھیل چکا ہے کیونکہ وہ اکثر غیر واجب اور کم اہم مسائل کے بارے میں بحث کرتے ہیں بجائے اس کے کہ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قائم کردہ روایات کو صحیح طور پر پورا کریں، انہیں ان کے پورے آداب اور شرائط کے ساتھ پورا کریں۔

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ایسے موضوعات پر تحقیق اور استفسار کرے جو دنیوی اور دینی دونوں معاملات کے لیے ضروری اور سمجھنے کے لیے ضروری ہیں، ورنہ وہ اس حدیث میں مذکور لوگوں کے نقش قدم پر چلیں گے اور اپنی زندگی کو مزید مشکل میں ڈال دیں گے۔ کسی کے عقیدے کے سلسلے میں، مطابقت کا تعین اس بات سے کیا جاتا ہے کہ آیا کچھ سیکھنے سے اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں اضافہ ہو گا۔ اگر ایسا نہیں ہو گا، تو انہیں اس علم کی تحقیق اور سیکھنے میں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ کسی کی دنیوی زندگی کے حوالے سے، مطابقت کا تعین اس فیصلہ سے کیا جاتا ہے کہ آیا کچھ سیکھنے سے کسی کو اپنے دنیاوی فرائض، جیسے کام پر اپنے فرائض کی تکمیل میں مدد ملے گی۔ اگر ایسا نہیں ہو گا، تو انہیں اس علم کی تحقیق اور سیکھنے میں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

آخر میں، کسی کو یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ بنیادی حدیث میں مذکور ذہنیت سے بچیں، خاص طور پر جب وہ اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرتے ہیں، کیونکہ کوئی شخص آسانی سے اس بات کو تبدیل کر سکتا ہے کہ اپنی زندگی کے ہر پہلو میں خلوص نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ذریعہ کیا ہونا چاہیے، اسلام کے علمی مطالعہ کی طرف جس کا ان کی زندگی اور طرز عمل پر کوئی عملی اثر نہ ہو۔ مؤخر الذکر رویہ اس وقت آسانی سے اختیار کیا جا سکتا ہے جب کوئی علم کے بارے میں تحقیق اور سیکھنے پر لگا رہتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں اضافہ نہیں ہوتا۔ یہ آسانی سے اس علم کے طور پر پہچانا جاتا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کوئی بات نہیں کی ہے اور نہ ہی اس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث میں بحث کی ہے۔ رہنمائی کے ان دو ذرائع میں زیر بحث نہ آنے والا تمام مذہبی علم غیر متعلقہ ہے اور اس لیے دونوں جہانوں میں امن اور کامیابی کی طرف رہنمائی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ضرورت ہوتی تو ہدایت کے ان دو مصرعوں میں اس پر بحث کی جاتی۔ لہٰذا، کوئی بھی مذہبی علم جو ہدایت کے دو ذرائع میں جڑا ہوا ہے متعلقہ ہے اور اس پر تحقیق اور عمل کرنا ضروری ہے، باقی تمام دینی علم سے پرہیز کرنا چاہیے۔

منافقوں کے سردار کی موت

استقامت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کا انتقال ہوگیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی آخری بیماری کے دوران باقاعدگی سے ان کی عیادت کرتے تھے اس امید پر کہ وہ سچے دل سے توبہ کریں گے اور سچے مسلمان بن جائیں گے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 45 میں بحث کی گئی ہے۔

جو شخص اسلام کی تبلیغ کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ دوسروں کو نیکی کی کثرت سے یاد دلانے کی کوشش کرے۔ لوگ جلدی سے غافل ہو سکتے ہیں اس لیے انہیں مسلسل یاد دلانا ضروری ہے۔ باب 28 القصص، آیت 51:

"اور ہم نے ان تک کلام]یعنی قرآن [پہنچایا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ "

بالکل ایسے طلباء کی طرح جو اس کے علم کو تقویت دینے کے لیے اپنے نوٹوں پر بار بار نظر ثانی کرتے ہیں۔ اسلام کے حقیقی لفظ کا کسی ان کے ذہنوں میں بار بار یاد دلانے سے فائدہ ہوگا۔ کو صرف ایک بار اچھا مشورہ نہیں دینا چاہئے اور پھر ترک نہیں کرنا چاہئے۔ اچھے الفاظ کو ڈھانچے میں دہرانا پانی کے مسلسل قطروں کی طرح ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ گھس جاتا ہے۔ ۔ مثال کے پر درود و سلام تمام انبیاء علیہم السلام ۔ سب سے مشکل .یہ اللہ تعالیٰ کی روایت ہے صرف مسلمانوں کو فرض نمازوں کو ایک بار قائم کرنے کا حکم دینے کی ،اعلیٰ اللہ ،طور پر ضرورت تھی، لیکن اس نے قرآن پاک میں کئی بار ایسا کیا ہے۔

تقریباً 950 سال لگاتار اپنی قوم میں ایمان کی بات پھیلانے میں گزارے۔ علیہ السلام نے حضرت نوح
باب 29 العنکبوت، آیت 14:

اور یقیناً ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور وہ ان میں ایک ہزار سال کم پچاس سال ’’ رہے‘‘۔

نے ہر لمحہ اسلام کی تبلیغ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ وسلم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ کرام رضی اللہ عنہم کو اسلامی تعلیمات لیے استعمال کیا اور اپنے آخری لمحات میں بھی صحابہ پر کاربند رہنے کی تلقین فرمائی۔ یہ سنن ابن ماجہ نمبر 2697 میں موجود ایک حدیث میں درج ہے اور چند مواقع کے بعد نصیحت کرنا چھوڑ کر شیطان کے رویہ اختیار کرنا چاہیے یہ اس لیے ۔ وسوسوں کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ جو مسلمان دوسروں کو اسلام کی دعوت دیتا ہے اس کا فرض لیکن اس کا اثر لوگوں کے دلوں پر پڑتا ہے یا نہیں؟ یہ ہے کہ وہ اسے مسلسل کرے

لیکن اس بات پر زور دینا ضروری ہے کہ باقاعدگی سے رہنے اور دوسروں کو مارنے میں فرق ہے۔ ایک مسلمان کو مسلسل دوسروں کو نیکی کا حکم نہیں دینا چاہیے کیونکہ یہ دوسروں کے لیے دبنگ اور بوجھ بن سکتا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت زیادہ لیکچر دینے سے پرہیز کیا کیونکہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نہیں چاہتے تھے کہ وہ بور اور بوجھل ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صرف جمعرات کو ہی خطبہ دیا حالانکہ ان سے زیادہ دینے کی درخواست کی گئی تھی۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 7127 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

سب کا شکریہ ادا کریں۔

منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے عبداللہ بن عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قمیص کی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے والد کے جسم کو اس سے لپیٹ لیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے ان سے اپنے والد کی نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قمیص دی اور نماز جنازہ کی امامت کے لیے اٹھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف اپنے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ جو ایک مخلص صحابی رضی اللہ عنہ کی خواہش پوری کی بلکہ عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ کے احسان کا بدلہ بھی دیا جب انہوں نے اپنی قمیص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کو دے دی، عباس بن مطہر رضی اللہ عنہ کے بعد ٹوپی تھی۔ غزوہ بدر، جیسا کہ کوئی اور قمیض اس کے لیے موزوں نہیں تھی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 46-47 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1954 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔

اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام نعمتوں کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے، کسی سے کم نہیں، لوگوں کا شکر ادا کرنا اسلام کا ایک اہم پہلو ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات کسی شخص کو دوسروں کی مدد کے لیے استعمال کرتا ہے، جیسے کہ والدین۔ جیسا کہ اسباب اللہ تعالیٰ نے بنائے اور استعمال کیے، ان کا شکر ادا کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے۔ لہٰذا، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اچھے کردار کا مظاہرہ کریں اور دوسروں کی طرف سے ملنے والی کسی بھی امداد یا مدد کے لیے ہمیشہ قدردانی کا اظہار کریں، چاہے اس کا حجم کچھ بھی ہو۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اس کے حکم کے مطابق استعمال کرتے ہوئے اس کا شکر ادا کرنا چاہئے کیونکہ وہ نعمت کا سرچشمہ ہے اور انہیں چاہئے کہ اس شخص کا شکر ادا کریں جس نے ان کی مدد کی کیونکہ یہ وہ وسیلہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا اور منتخب کیا گیا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ زبانی طور پر لوگوں کا شکر ادا کرے اور عملاً ان کے احسان کا بدلہ ان کے وسائل کے مطابق ادا کرے، چاہے وہ ان کی طرف سے صرف دعا ہی کیوں نہ ہو۔ امام بخاری کی کتاب ادب المفرد نمبر 216 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کی مدد کے ظاہری مظہر کا شکر ادا نہیں کرتا، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو براہِ راست ظاہر کرے گا۔

جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا سچا شکر ادا نہیں کر سکتا، اس لیے اسے نعمتوں میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

اگر کوئی مسلمان نعمتوں میں اضافہ چاہتا ہے تو اسے شکر گزاری کے دونوں پہلوؤں کو پورا کرنا چاہیے، یعنی اللہ تعالیٰ اور لوگوں کا۔

رحمت کامیابی کی طرف لے جاتی ہے۔

عبداللہ بن عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ کی درخواست کے جواب میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے والد، منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے روانہ ہوئے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنا گاؤن پکڑا اور اس شخص کی نماز جنازہ نہ پڑھانے کی تاکید کی جو اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تباہ کرنے کی کوشش میں کسی چیز سے باز نہیں آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہاں تک کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ آیت یاد دلائی جس میں واضح طور پر لکھا ہے کہ اگر آپ منافقین کے لیے ستر مرتبہ بھی استغفار کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف نہیں کرے گا۔ باب 9 توبہ آیت 80:

”ان کے لیے استغفار کرو یا نہ کرو، اگر تم ان کے لیے ستر مرتبہ استغفار کرو گے تو اللہ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا، یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ میں اس کے لیے ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں گا۔ پھر اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اللہ تعالیٰ نے پھر اسے آئندہ ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ باب 9 توبہ آیت 84:

”ان میں سے جو کبھی فوت ہو جائے اس کی نماز نہ پڑھو اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہو، بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور نافرمانی کی حالت میں مرے۔“

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 46-47 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو راضی کرنے کے لیے ان کی نماز جنازہ پڑھائی جو کہ ایک متقی صحابی تھے۔ اس کے علاوہ یہ احسان کا عمل دوسرے منافقین کو خلوص دل سے توبہ کرنے اور اسلام قبول کرنے کی ترغیب دینے میں زیادہ کارگر ثابت ہوتا۔

صحیح بخاری نمبر 7376 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرے گا جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا۔

اسلام بہت سادہ مذہب ہے۔ اس کی بنیادی تعلیمات میں سے ایک یہ ہے کہ لوگ دوسروں کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کیسا سلوک کرے گا۔ مثال کے طور پر جو لوگ دوسروں کی غلطیوں کو درگزر کرنا اور معاف کرنا سیکھتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔ باب 24 النور، آیت 22:

‘‘اور وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا آپ پسند نہیں کریں گے کہ اللہ آپ کو معاف کر دے؟’’

جو لوگ فائدہ مند دنیاوی اور دینی معاملات میں دوسروں کی مدد کرتے ہیں جیسے کہ جذباتی یا مالی امداد اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں ان کی مدد کرے گا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4893 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ یہی حدیث نصیحت کرتی ہے کہ جو دوسروں کے عیب چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیب چھپاتا ہے۔

سیدھے الفاظ میں، اگر کوئی اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے ساتھ حسن سلوک اور احترام سے پیش آتا ہے، تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرے گا۔ اور جو لوگ دوسروں کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں ان کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ ایسا ہی سلوک کرے گا، خواہ وہ اس سے

متصل واجبات کو پورا کرتے ہوں، جیسے فرض نماز۔ اس لیے کہ ایک مسلمان کو کامیابی حاصل کرنے کے لیے دونوں فرائض کو پورا کرنا چاہیے، یعنی اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے لیے فرائض۔

الٰہی رحمت حاصل کرنے کا ایک آسان طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جیسا کہ لوگ چاہتے ہیں۔ یہ تمام لوگوں کے لیے درست ہے، خواہ ان کا عقیدہ کچھ بھی ہو، اور درحقیقت تمام مخلوقات پر محیط ہے۔

آخر میں، یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے حسن سلوک کیا جائے گا، اگر وہ اس کی خاطر دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ اگر وہ اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے ایسا کرتے ہیں تو بلاشبہ ان تعلیمات میں مذکور اجر کو ضائع کر دیں گے۔ تمام عبادات اور اسلام کی بنیاد خود انسان کی نیت ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

مقدس زیارت کو پاک کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ اس سال کے بعد صرف ایک مسلمان ہی حجاز مقدس میں شرکت کر سکتا ہے۔ اس سے پہلے غیر مسلم اپنے اپنے گمراہ کن رسم و رواج کے مطابق حج کرتے تھے۔ اس اعلان سے پہلے اور اسی سال حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حج کا انچارج مقرر فرمایا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 48-49 اور امام محمد السلبی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 150-151 میں بحث کی گئی ہے۔

اس اعلان کو عام کرنے کے لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو حجاج میں شامل ہونے کے لیے روانہ کیا۔ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ ان سے ملے تو انہوں نے فوراً دریافت کیا کہ کیا آپ کو ان سے قیادت سنبھالنے کے لیے بھیجا گیا ہے یا کوئی پیغام پہنچانے کے لیے؟ علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ وہ صرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ سنن نسائی نمبر 2996 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تبدیل کرنے میں کوئی پریشانی نہیں تھی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلص تھے۔ یعنی اسے قیادت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی بلکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اطاعت کرنا چاہتا تھا۔

صحیح بخاری نمبر 1773 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ قبول شدہ حج کا ثواب جنت کے سوا کچھ نہیں۔

حج کا اصل مقصد مسلمانوں کو آخرت کے آخری سفر کے لیے تیار کرنا ہے۔ جس طرح ایک مسلمان حج کے لیے اپنے گھر، کاروبار، دولت، خاندان، دوست احباب اور سماجی حیثیت کو پیچھے چھوڑتا ہے، یہ اس کی موت کے وقت ہوگا، جب وہ آخرت کا سفر طے کرے گا۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر

2379 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ کسی شخص کے اہل و عیال ان کو قبر پر چھوڑ دیتے ہیں اور ان کے اچھے اور برے اعمال ہی ان کے پاس رہتے ہیں۔

جب کوئی مسلمان اپنے حج کے دوران اس بات کو ذہن میں رکھے گا تو وہ اس فرض کے تمام پہلوؤں کو صحیح طریقے سے ادا کرے گا۔ یہ مسلمان ایک بدلے ہوئے انسان کے گھر واپس آئے گا، کیونکہ وہ اس مادی دنیا کے اضافی پہلوؤں کو جمع کرنے کے بجائے آخرت کے اپنے آخری سفر کی تیاری کو ترجیح دیں گے۔ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں کوشش کریں گے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کریں گے اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کریں گے، جس میں فضول خرچی اور اسراف کے بغیر اپنی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے دنیا سے لے جانا بھی شامل ہے۔ اس سے وہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں گے جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ حج کو تعطیل اور خریداری کے سفر کے طور پر نہ سمجھیں کیونکہ یہ رویہ اس کے مقصد کو ختم کر دیتا ہے۔ اسے مسلمانوں کو ان کے آخرت کے آخری سفر کی یاد دلانا چاہیے، ایسا سفر جس کی واپسی اور کوئی دوسرا موقع نہیں ہے۔ صرف اسی سے انسان کو حج کی صحیح تکمیل اور آخرت کے لیے مناسب تیاری کرنے کی ترغیب ملے گی۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا اس کو ان کی مقدس زیارت سے جنت میں لے جایا جائے گا۔

غربت سے مت ڈرو

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال، اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ مشرکین مکہ، کعبہ، حج کے دوران یا کسی اور موقع پر بیت اللہ کے اردگرد مقدس جگہ میں داخل نہ ہوں۔ مکہ کے کچھ لوگ پریشان ہو گئے کیونکہ وہ حج کے موسم میں تجارت کے لیے مسلم اور غیر مسلم حاجیوں پر انحصار کرتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر حال میں رزق دینے کا وعدہ کیا۔ باب 9 توبہ آیت 28:

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بے شک مشرک ناپاک ہیں، لہٰذا وہ اپنے آخری سال کے بعد مسجد الحرام کے قریب نہ آئیں، اور اگر تم کو محرومی کا اندیشہ ہے، اللہ چاہے گا تو تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا“۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 1 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے تمام مخلوقات کے لیے رزق جیسی تمام چیزیں مختص کر دیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ تمام حالات کے حوالے سے دو پہلو ہوتے ہیں، جیسے رزق حاصل کرنا۔ پہلا پہلو وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے معنی، تقدیر کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ واقع ہو گا اور تخلیق میں کوئی بھی چیز اسے ہونے سے نہیں روک سکتی۔ چونکہ یہ کسی شخص کے ہاتھ سے باہر ہے، اس لیے اس پہلو پر دباؤ ڈالنا کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ ان کا تقدیر پر کوئی اثر نہیں ہوتا چاہے وہ یا کوئی اور کیا کرے۔ اس کے علاوہ، اس فراہمی میں ایک شخص کو اس دنیا میں زندہ رہنے کے

لیے کم از کم ضرورت بھی شامل ہے۔ یعنی جب تک وہ زندہ ہیں انسان کو رزق ملتا رہے گا اور اسے حاصل کرنے اور استعمال کرنے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی، خود بھی نہیں۔

دوسرا پہلو اس کی اپنی کوشش ہے۔ اس پہلو پر انسان کو مکمل اختیار حاصل ہے اور اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ اس پہلو پر توجہ مرکوز کریں جو انہیں فراہم کیے گئے ذرائع استعمال کرتے ہوئے جیسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے ان کی جسمانی طاقت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرتے ہوئے جس پر ان کا کوئی اختیار نہیں ہے، روایات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق۔ اس میں حرام، زیادتی، فضول خرچی اور اسراف سے بچتے ہوئے ان کی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے حلال رزق حاصل کرنے کی کوشش کرنا شامل ہے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، ایک مسلمان کو کبھی بھی ایسی چیزوں پر دباؤ ڈالنے میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے جن پر ان کا کوئی کنٹرول یا اثر نہیں ہے۔ اس کے بجائے وہ اپنے پاس موجود ذرائع استعمال کریں اور ان چیزوں پر عمل کریں جن پر ان کا اختیار ہے اسلام کی تعلیمات کے مطابق۔ ایک مسلمان کو اپنا رزق ان تک پہنچانے کے لیے یا تو سستی اختیار کرتے ہوئے اور تقدیر پر بھروسہ کرتے ہوئے سخت ذہنیت اختیار کرنے سے گریز کرنا چاہیے اور نہ ہی اپنی کوششوں پر مکمل بھروسہ کرنا چاہیے۔ میزان یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق حلال مال کمانے کی کوشش کی جائے اور اللہ تعالیٰ کی ضمانت پر بھروسہ کیا جائے کیونکہ یہ بھروسہ بے صبری اور ناجائز ذرائع سے مال کی تلاش کو روک دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی کا حکم دیا ہے۔

ایک اچھے مہمان بنیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال ایک وفد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرنے آیا۔ یہ لوگ جلدی سے پہنچے اور اس کے اپارٹمنٹ کے پیچھے سے اونچی آواز میں اسے پکارا۔ اس کے نتیجے میں، اللہ تعالیٰ نے سورہ الحجرات، آیات 4-5 نازل فرمائی:

"بے شک وہ لوگ جو تمہیں کوٹھریوں کے پیچھے سے پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر عقل سے کام نہیں لیتے، اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تم ان کے پاس آ جاتے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا، لیکن اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 60 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ثواب کے حصول کے لیے اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کی زیارت کے آداب اور شرائط کو پورا کرے۔ انہیں زیادہ دیر نہیں ٹھہرنا چاہیے، جس سے میزبان اور ان کے رشتہ داروں کو پریشانی ہو۔ اس دن اور عمر میں میزبان اور ان کے اہل خانہ سے پہلے سے رابطہ کرنا آسان ہے تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ وہ مناسب وقت پر ان سے ملیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ اپنے اعمال اور گفتار پر قابو رکھیں تاکہ وہ ہر قسم کے گناہوں جیسے کہ گپ شپ، غیبت اور دوسروں کی غیبت سے بچیں۔ انہیں دنیا اور آخرت کے فائدے والے امور پر بحث کرنی چاہیے۔ جب کوئی اس طرح کا برتاؤ کرے گا تو اسے وہ ثواب ملے گا جو احادیث نبوی میں بیان کیا گیا ہے ۔ اگر وہ اس میں ناکام رہتے ہیں تو انہیں یا تو کوئی اجر نہیں ملے گا یا پھر ان کے برتاؤ کے لحاظ سے گناہوں کے ساتھ چھوڑ دیا جائے گا۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اس نیک عمل کو انجام دینے سے لطف اندوز ہوتے ہیں لیکن اس کی شرائط کو صحیح طریقے سے پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ باب 4 النساء، آیت 114:

ان کی اکثر گفتگو میں کوئی بھلائی نہیں سوائے ان لوگوں کے جو خیرات کا حکم دیتے ہیں یا حق" بات یا لوگوں کے درمیان صلح کرواتے ہیں اور جو شخص یہ کام اللہ کی رضا مندی کے لیے کرے "گا تو ہم اسے بہت بڑا اجر دیں گے۔

دو بابرکت صفات

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال ایک وفد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرنے آیا۔ اس وفد میں سے تمام لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تشریف لے گئے، سوائے ایک آدمی کے، اشج منذر بن عامر رضی اللہ عنہ کے۔ اس کے بجائے وہ آہستہ سے نیچے اترا اور اپنا اونٹ باندھ دیا۔ پھر اس نے باہر نکال کر دو سفید کپڑے پہن لیے جو اس نے اپنے سامان میں رکھے تھے۔ اس کے بعد اس نے دوسرے مندوبین کے اونٹوں کو باندھا اور پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنے کے لیے آگے بڑھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان میں دو خصلتیں تھیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسند تھیں، یعنی فہم و فراست اور تدبر۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 63 میں بحث کی گئی ہے۔

حقیقی فہم صرف اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ان کا دنیاوی علم خواہ ان کے پاس کتنا ہی کیوں نہ ہو ان کی دینی زندگی میں کامیابی کے لیے کافی نہیں ہے۔ اگرچہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق مفید دنیوی علم حاصل کرنا قابل تعریف ہے کیونکہ یہ اپنے اور اپنے زیر کفالت افراد کے لیے حلال رزق حاصل کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے، لیکن یہ ان کی مذہبی زندگی میں محفوظ طریقے سے رہنمائی کے لیے کافی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر، زیادہ تر معاملات میں، دنیاوی علم کسی کو یہ نہیں سکھائے گا کہ کس طرح کسی مشکل یا امتحان میں محفوظ طریقے سے اس طریقے سے سفر کیا جائے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو، تاکہ وہ دونوں جہانوں میں اجر حاصل کر سکے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واجب فرائض اور روایات پر کوئی ایسا مسلمان عمل نہیں کر سکتا جس کے پاس صرف دنیاوی علم ہو۔ درحقیقت دینی علم دونوں جہانوں میں کامیابی کی طرف رہنمائی کرنے کی طاقت رکھتا ہے جبکہ دنیاوی علم صرف اس دنیا میں کسی کی مدد کرے گا۔ دینی علم رکھنے والا اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم رہے گا جس کے نتیجے میں ایسی برکتیں اور فضل ہوں گے کہ وہ دونوں جہانوں میں کامیابی پائے گا۔ جبکہ دنیوی علم انسان کو ہدایت پر عمل کرنے کے بجائے دین میں اپنا راستہ نکالنے کی ترغیب دے گا، یعنی نیک پیشروؤں کی تعلیمات کے مطابق۔ مذہب اپنا راستہ خود بنانا نہیں ہے بلکہ صرف اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا ہے۔

افسوس کی بات ہے کہ دنیاوی علم رکھنے والے بہت سے مسلمان اس اہم نکتے کو نہیں سمجھتے جس کی وجہ سے دونوں جہانوں میں کامیابی کے ان کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں

کو چاہیے کہ اگر وہ دونوں جہانوں میں کامیابی چاہتے ہیں تو دینی اور مفید دنیوی علم حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ یہی وجہ ہے کہ سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود حدیث کے مطابق مفید علم حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔

اس کے علاوہ غور و فکر کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ یہ گناہوں سے روکتا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 2012 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ غور و فکر کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جب کہ جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔

یہ سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے ایک انتہائی اہم تعلیم ہے، کیونکہ جو مسلمان بہت زیادہ نیک اعمال انجام دیتے ہیں وہ انہیں جلد بازی سے تباہ کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر، وہ غصے میں کچھ برے الفاظ کہہ سکتے ہیں جس کی وجہ سے وہ قیامت کے دن جہنم میں جا سکتے ہیں۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 2314 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

زیادہ تر گناہ اور مشکلات، جیسے دلائل، اس لیے پیش آتے ہیں کہ لوگ چیزوں کو سوچنے میں ناکام رہتے ہیں اور اس کے بجائے عجلت میں کام کرتے ہیں۔ ذہانت کی نشانی یہ ہے کہ جب کوئی بولنے یا عمل کرنے سے پہلے سوچتا ہے اور صرف اس وقت آگے آتا ہے جب وہ جانتا ہو کہ اس کی بات یا عمل دنیاوی اور دینی معاملات میں اچھا اور فائدہ مند ہے۔

اگر چہ ایک مسلمان کو اعمال صالحہ میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے، پھر بھی ان کو انجام دینے سے پہلے غوروفکر کرنا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی نیک عمل کا بدلہ محض اس لیے نہیں ملتا کہ اس کی شرائط اور آداب جلد بازی کی وجہ سے پورے نہ ہوئے ہوں۔ اس سلسلے میں، کسی بھی معاملے میں سوچنے کے بعد ہی آگے بڑھنا چاہیے۔

جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ نہ صرف اپنے گناہوں کو کم کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کرے گا بلکہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں پیش آنے والی مشکلات مثلاً جھگڑے، مشکلات اور اختلاف کو کم کر دے گا۔

مسیلمہ، جھوٹا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال ایک وفد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرنے آیا۔ ان میں ایک جھوٹی مسیلمہ بھی تھی جس نے مدینہ پہنچ کر کہا کہ وہ صرف اسی صورت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے گا جب ان کے بعد انہیں ملت اسلامیہ کا سربراہ مقرر کیا جائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں ڈرایا گیا کہ مسیلمہ، جھوٹی، آخرکار نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے گی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سزا دینے کے بجائے سخت تنبیہ فرمائی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 66 میں بحث کی گئی ہے۔

جب مسیلمہ، جھوٹا، یمامہ واپس آیا، تو اس نے آخرکار نبوت کا اعلان کیا اور دنیاوی چیزوں کے لالچ میں، اس کے بہت سے لوگوں نے اسے قبول کیا۔ اس کے بعد اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خط لکھ کر اپنے اعلان سے آگاہ کیا اور آپ سے سمجھوتہ کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے کہا کہ وہ حکمرانی کے معاملے میں شریک ہوں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باب 7 الاعراف آیت 128 کا حوالہ دیتے ہوئے انہیں ایک خط واپس بھیجا:

"...بے شک زمین اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے، اور [انجام نیک لوگوں کے لیے ہے۔]بہترین"

اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 452-454 میں بحث کی گئی ہے۔

مسیلمہ، جھوٹا، نے قرآن پاک سے مماثل آیات تحریر کرنے کی کوشش کی اور دوسروں کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ وہ بھی الہی وحی حاصل کر رہا ہے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام آیت نمبر 93 نازل فرمائی۔

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا کہے کہ یہ میری طرف وحی کی'' گئی ہے، حالانکہ اس کی طرف کچھ وحی نہیں کی گئی ہے، اور وہ جو کہتا ہے کہ میں اس طرح ظاہر کروں گا جو اللہ نے نازل کیا ہے۔ روحیں !آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی اس کی وجہ "سے جو تم اللہ کے خلاف حق کے سوا اور کہا کرتے تھے اور اس کی آیات کی طرف متکبر تھے۔

جب اس نے یہ کوشش کی تو عقل رکھنے والوں پر اس کی بے وقوفی زیادہ عیاں ہو گئی کیونکہ اس کی تحریر کردہ شاعری بے مقصد باتوں پر مبنی تھی جس سے کسی کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اس نے اندھی وفاداری کے ذریعے پیروکاروں کو حاصل کیا اور ان سے دولت اور اختیار جیسی دنیاوی چیزوں کا وعدہ کیا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 480 اور امام واحدی کی، اصباب النزول، 6:93، صفحہ 77-78 میں بحث کی گئی ہے۔

اپنی خلافت کے دوران، ابوبکر نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مسیلمہ، جھوٹے کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ وحشی جبیر بن مطعم کا آزاد کردہ غلام تھا ۔ غزوہ احد کے دوران جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال ہوئی، وحشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حمزہ ابن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا۔ برسوں بعد، وحشی نے اسلام قبول کیا اور مسیلمہ، جھوٹے کے خلاف مہم میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا۔ اس نے بہترین انسان کے قتل ،کا بدلہ لینے کے لیے زمین پر بدترین انسان کو مارنا چاہا۔ جنگ کے دوران، وحشی نے مسیلمہ جھوٹے پر نیزہ چلایا، اور اسے جان لیوا زخمی کر دیا۔ ایک اور صحابی ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے پھر مسیلمہ کو جھوٹا ختم کر دیا۔ صحیح بخاری نمبر 4072 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

مسیلمہ، جھوٹے، اور اس کے پیروکاروں کی طرح، ایک شخص کو تمام حلال حدوں کو پار کرنے کی ترغیب دی جا سکتی ہے جب وہ دولت اور سماجی حیثیت سے شدید محبت رکھتا ہو۔

جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ مال و دولت کی خواہش ایمان کے لیے اس تباہی سے زیادہ تباہ کن ہے جو بکریوں کے ریوڑ پر دو بھوکے بھیڑیوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید ہی کسی مسلمان کا ایمان محفوظ رہے اگر وہ اس دنیا میں دولت اور شہرت کی تمنا کرے جس طرح دو بھوکے بھیڑیوں سے شاید ہی کوئی بھیڑ بچ سکے۔ لہٰذا اس عظیم مثال میں دنیا میں زیادہ دولت اور سماجی حیثیت کے بعد حرص کی برائی کے خلاف سخت تنبیہ ہے۔

دولت کی طلب کی پہلی قسم وہ ہے جب کسی کو دولت سے شدید محبت ہو اور وہ اسے حلال ذرائع سے حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اس طرح کا برتاؤ کسی عقلمند کی نشانی نہیں ہے کیونکہ ایک مسلمان کو پختہ یقین رکھنا چاہیے کہ ان کا رزق ان کے لیے ضامن ہے اور یہ تقسیم کبھی نہیں بدل سکتی۔ درحقیقت خلقت کا رزق زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مختص کیا گیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ شخص بلا شبہ اپنے فرائض اور ذمہ داریوں میں کوتاہی کرے گا کیونکہ وہ دولت کے حصول میں بہت زیادہ مشغول ہے۔ جو جسم دولت کے حصول میں بہت زیادہ مصروف ہو وہ آخرت کے لیے کبھی بھی مناسب تیاری نہیں کر سکے گا، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے دی گئی ہیں۔ درحقیقت یہ شخص زیادہ دولت کے حصول کے لیے اتنی محنت کرے گا کہ اسے لطف اندوز ہونے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔ اس کے بجائے، وہ اس دنیا سے چلے جائیں گے اور اسے دوسرے لوگوں کے لئے لطف اندوز کرنے کے لئے چھوڑ دیں گے، اگرچہ وہ اس کے لئے جوابدہ ہوں گے .یہ شخص حلال طریقے سے دولت حاصل کر سکتا ہے لیکن پھر بھی اسے ذہنی سکون نہیں ملے گا کیونکہ وہ جتنا بھی حاصل کر لیں وہ صرف اور کی خواہش کرے گا۔ یہ شخص محتاج ہے اور اس لیے حقیقی مفلس ہے خواہ اس کے پاس بہت زیادہ مال ہو۔ چونکہ زیادہ دولت حاصل کرنے کی کوشش میں زیادہ دنیاوی دروازے کھولنا اور مصروفیات شامل ہیں، وہ جتنا زیادہ اپنی دولت بڑھانے کی کوشش کریں گے، اتنا ہی کم ذہنی اور جسمانی سکون حاصل کریں گے۔ اور جتنا زیادہ وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کریں گے جو انہیں ان کی قسمت کے حصول میں دی گئی ہیں۔ صرف وہی جو اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے، اس کی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے۔ باب 20 طٰہٰ، آیت 124:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے "قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔"

ایک ہی خواہش جو فائدہ مند ہے وہ ہے حقیقی دولت جمع کرنے کی خواہش، یعنی اعمال صالحہ تاکہ واپسی کے دن کی تیاری ہو۔

دوسری قسم کی دولت کی طلب پہلی قسم کی طرح ہے لیکن اس کے علاوہ یہ قسم کے لوگ ناجائز ذرائع سے مال حاصل کرتے ہیں اور لوگوں کے حقوق مثلاً صدقہ فطر ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد احادیث میں اس کے خلاف تنبیہ فرمائی ہے۔ مثال کے طور پر صحیح مسلم نمبر 6576 میں موجود ایک حدیث میں آپ نے تنبیہ کی کہ اس رویے نے پچھلی امتوں کو تباہ کر دیا کیونکہ انہوں نے حرام چیزوں کو حلال کیا، دوسروں کے حقوق کو روکا اور مال کی زیادتی کی خاطر دوسروں کو قتل کیا۔ یہ شخص اس دولت کے لیے کوشش کرتا ہے جس کا وہ حقدار نہیں ہے جس سے بے شمار کبیرہ گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ جب کوئی یہ رویہ اختیار کرتا ہے تو وہ شدید لالچی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ کیا ہے کہ جامع ترمذی نمبر 1961 میں موجود ایک حدیث میں لالچی شخص اللہ تعالیٰ سے دور، جنت سے دور، لوگوں سے دور اور جہنم کے قریب ہوتا ہے۔ درحقیقت سنن نسائی نمبر 3114 میں پائی جانے والی ایک حدیث متنبہ کرتی ہے کہ ایک سچے مسلمان کے دل میں شدید لالچ اور سچا ایمان کبھی جمع نہیں ہوگا۔

اگر کوئی مسلمان اس قسم کی حرص کو اپنائے تو اس کا شدید خطرہ ان پڑھ مسلمان پر بھی واضح ہے۔ یہ ان کے ایمان کو تباہ کر دے گا یہاں تک کہ سوائے تھوڑے کے کچھ باقی نہ رہے گا۔ جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ کسی کے ایمان کی یہ تباہی دو بھوکے بھیڑیوں کی تباہی سے زیادہ شدید ہے جنہیں بکریوں کے ریوڑ پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ مسلمان اپنی موت کے وقت اپنے پاس موجود تھوڑے سے ایمان کو کھونے کا خطرہ رکھتا ہے، جو کہ سب سے بڑا نقصان ہے۔

ایک شخص کی شہرت اور رتبے کی خواہش اس کے ایمان کے لیے زیادہ دولت کی خواہش سے زیادہ تباہ کن ہے۔ ایک شخص اکثر اپنی محبوب دولت کو شہرت اور سماجی حیثیت کے حصول پر خرچ کرتا ہے۔

ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی شخص مقام و شہرت حاصل کر کے صحیح راستے پر قائم رہے جس کے تحت وہ مادی دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 6723 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص معاشرے میں قیادت جیسی حیثیت کا خواہاں ہے اسے خود اس سے نمٹنے کے لیے چھوڑ دیا جائے گا لیکن اگر کوئی اسے مانگے بغیر حاصل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا اور اس کی اطاعت میں رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی ایسے شخص کا تقرر نہیں کرتے تھے جو کسی منصب پر فائز ہونے کی درخواست کرتا ہو یا اس کی خواہش بھی ظاہر کرتا ہو۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 6923 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ صحیح بخاری نمبر 7148 میں موجود ایک اور حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ لوگ مقام و مرتبہ حاصل کرنے کے خواہش مند ہوں گے لیکن قیامت کے دن ان کے لیے یہ بڑی پشیمانی ہوگی۔ یہ ایک خطرناک خواہش ہے کیونکہ یہ انسان کو اس کو حاصل کرنے کے لیے شدید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے اور پھر اس کو برقرار رکھنے کے لیے مزید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے، خواہ یہ ظلم اور دیگر گناہوں کا ارتکاب کرے۔

رتبہ کی خواہش کی بدترین قسم وہ ہے جب کوئی اسے مذہب کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2654 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ شخص جہنم میں جائے گا۔

لہٰذا ایک مسلمان کے لیے زیادہ مال و دولت اور اعلیٰ سماجی رتبے کی حرص سے بچنا زیادہ محفوظ ہے کیونکہ یہ دو چیزیں ہیں جو ان کے ایمان کی تباہی کا باعث بنتی ہیں اور آخرت کی تیاری سے غافل ہو جاتی ہیں، جن میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ احادیث مبارکہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں بیان کی گئی ہیں۔

حقیقی خوبصورتی

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال ایک وفد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرنے آیا۔ وفد کے دو آدمیوں نے مہنگے اور اسراف کے کپڑے بدلے اور سونے کی انگوٹھیاں بھی پہنائیں۔ جب انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں کوئی جواب نہیں دیا اور نہ ہی ان سے بات کی۔ اس کے بعد مندوبین نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے سوال کیا، جنہوں نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ اپنے سفری لباس میں واپس آجائیں اور سونے کی انگوٹھیاں اتار دیں۔ جب انہوں نے ایسا کیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب دیا اور ان سے بات کی۔ اس نے انہیں بتایا کہ جب وہ پہلی بار اپنے اسراف لباس میں اس کے پاس آئے تو شیطان ان کے ساتھ تھا اس لیے اس نے انہیں نظر انداز کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 72 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ اسلام اپنے آپ کو سنوارنے کے خلاف نہیں ہے لیکن اسے اسراف اور فضول خرچی کے بغیر کرنا چاہیے۔

جامع ترمذی نمبر 1999 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ حسن کو پسند کرتا ہے۔

اسلام کسی مسلمان کو اپنے آپ کو سنوارنے میں توانائی، وقت اور پیسہ خرچ کرنے سے منع نہیں کرتا، کیونکہ یہ ان کے جسم کے حقوق کو پورا کرنا سمجھا جا سکتا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 5199 میں موجود حدیث میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن اہم چیز جو اس طرز عمل کو ناپسندیدہ یا حتیٰ کہ گناہ کے عمل سے الگ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی اپنے آپ کو سنوارتے وقت حد سے زیادہ، فضول خرچی یا اسراف کرے۔ اس کا تعین کرنے کا ایک اچھا طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنوارنے سے کبھی بھی اللہ تعالیٰ یا لوگوں کے لیے اپنے فرض کو پورا کرنے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے، جسے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کیے بغیر پورا کرنا ممکن نہیں۔ اور نہ ہی اپنے آپ کو سنوارنا انہیں ان نعمتوں کو استعمال کرنے سے روکنا چاہئے جو انہیں اللہ تعالیٰ

کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں۔ اور درحقیقت کسی کی جسمانی شکل کو درست کرنا تاکہ وہ صاف ستھرا اور ہوشیار نظر آئے، مہنگا نہیں ہے اور نہ ہی اس میں زیادہ وقت لگتا ہے۔

یہ خوبصورتی کا رویہ تمام چیزوں پر لاگو ہوتا ہے، جیسے کہ کسی کا گھر۔ جب تک کوئی اسراف اور فضول خرچی سے پرہیز کرتا ہے اور جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے استعمال کرتا رہتا ہے، وہ اعتدال کے ساتھ چیزوں کو اپنے لیے آسان بنانے کے لیے آزاد ہے۔

اس کے علاوہ یہ سمجھنا زیادہ ضروری ہے کہ حقیقی خوبصورتی جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے، اس کا تعلق اندرونی حسن یعنی کردار سے ہے۔ یہ خوبصورتی دونوں جہانوں میں قائم رہے گی جبکہ ظاہری خوبصورتی وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہو جائے گی۔ اس لیے اس حقیقی حسن کو ظاہری خوبصورتی پر حاصل کرنے کو اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے ترجیح دینی چاہیے تاکہ وہ اپنے کردار سے حسد جیسی بری خصلت کو ختم کر کے سخاوت جیسی اچھی خصوصیات کو اپنا لے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی میں مدد ملے گی، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق مقابلہ کرنے میں مدد ملے گی، اور لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں مدد ملے گی، جس میں دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا بھی شامل ہے جو لوگ ان کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے ہیں۔

عیسائی وفد کا مدینہ منورہ کا دورہ

اعلیٰ ترین درجہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال ایک عیسائی وفد نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیادت کی۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت پر اپنے عقیدہ کے بارے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بحث و مباحثہ کرتے ہوئے کافی وقت گزارا۔ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر الزام لگایا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بندہ کہہ کر ان کی توہین کی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونا میرے لیے باعث شرم نہیں ہے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء آیت 172 نازل فرمائی۔

"مسیح اللہ کے بندے ہونے سے کبھی عار محسوس نہیں کرے گا اور نہ ہی مقرب فرشتے، اور جو کوئی اس کی عبادت کو حقیر سمجھے گا اور تکبر کرے گا تو وہ ان سب کو اپنے پاس اکٹھا کر لے گا۔"

اس پر امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ، اصباب النزول، 4:172، صفحہ 65 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ انسان جس بلند ترین مقام پر پہنچ سکتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا مخلص بندہ۔ اگر اس سے بڑا کوئی درجہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف رجوع فرماتے۔ اس کی تائید بہت سی احادیث سے ہوئی ہے، جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 851 میں موجود ہے، جہاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی رسالت کا اعلان کرنے سے پہلے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا بندہ کہا ہے۔ یہ تمام مسلمانوں کے لیے ایک واضح سبق ہے کہ اگر وہ آخری کامیابی اور دونوں جہانوں میں اعلیٰ مقام چاہتے ہیں تو انہیں اللہ تعالیٰ کے سچے بندے بننا چاہیے۔ یہ اللہ کے سب سے بڑے بندے، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کے نقش قدم پر چلنے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ بندگی کا حصول کسی اور طریقے سے ممکن نہیں۔
باب 3 علی عمران، آیت 31:

”کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور
تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

واضح حقیقت

عیسائیوں کے ایک وفد نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت پر ان کے عقیدہ کے بارے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بحث و مباحثہ میں کافی وقت گزارا۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ 3 علی عمران، آیات 59-61 نازل فرمائی:

”بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی سی ہے، اس نے انہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر اس سے کہا کہ ہو جا، تو وہ ہو گیا، حق تیرے رب کی طرف سے ہے، لہٰذا شک کرنے والوں میں سے نہ ہو، پھر جو کوئی آپ کے پاس علم آ جانے کے بعد آپ سے اس میں جھگڑے، تو آپ کہہ دیجئے کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور اپنے بیٹوں کو بلائیں، پھر اپنی عورتوں کو اپنی مرضی کے مطابق بنائیں۔ اور)ہمارے درمیان (جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔"

اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 450-452 میں بحث کی گئی ہے۔

ان مسائل پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے کے بعد بھی نجران کے عیسائی وفد نے حق کو جھٹلایا۔ ان کی ضد کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ان کے عقیدہ کی مزید تردید کرتے ہوئے انہیں باہمی اجتماع میں مدعو کیا جہاں دونوں فریق جھوٹ بولنے والے گروہ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت بھیجیں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہل و عیال علی بن ابو طالب، ان کی زوجہ محترمہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے دونوں بیٹوں حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو بلایا۔ یہ دیکھنے کے بعد عیسائی وفد نے اس اجتماع میں شرکت سے انکار کر دیا کیونکہ وہ بخوبی جانتے تھے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچ بول رہے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ باہمی عداوت پر راضی ہو جاتے تو ان پر آگ برستی۔ اس پر امام واحدی کی، اصباب النزول، صفحہ 33 میں بحث کی گئی ہے۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 2، صفحہ 179-180 سے نقل کی 3:61، گئی ایک اور حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر وہ سب جھوٹے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کے لیے دعا کریں گے تو ان کے گھر عیسائیوں کے گھر لوٹیں گے اور نہ ان کے گھر والوں کو۔

جب انہوں نے اس باہمی تعطل میں حصہ لینے سے انکار کر دیا تو سب پر یہ بات واضح ہو گئی ،کہ نجران میں عیسائیت کے پادری اور رہنما، جن کی اپنے عقیدے کے لیے لگن بہت مشہور تھی ان عقائد کی پیروی کرتے تھے جن پر وہ خود بھی مکمل یقین نہیں رکھتے تھے۔

عام طور پر دیکھا جائے تو قرآن کریم نے عیسائیوں کے لیے یہ ثابت کیا ہے کہ ان کی کوئی بھی ایسی وجہ صحیح نہیں تھی جس سے ان کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت پر ایمان پیدا ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام وہ انسان تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ایک خاص اور منفرد انداز میں پیدا کیا اور اپنی نبوت کے ثبوت کے لیے بعض معجزات کرنے کی طاقت عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب ہونے سے بچایا اور اپنی طرف اٹھا لیا۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام الٰہی ہوتے تو ایسا کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی کیونکہ کسی ہستی کو موت نہیں آتی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ اپنی مرضی کے مطابق برتاؤ کرتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہ غیر معمولی سلوک کس طرح اس نتیجے کو درست ثابت کر سکتا ہے کہ آپ الٰہی ہیں؟

اس کے علاوہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت بھی وہی ہے جو تمام انبیاء کرام علیہم السلام بشمول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہے۔

آخر کار قرآن کریم نے یہاں تک قائم کر دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معراج کے بعد آپ کے شاگردوں کا مذہب وہی رہا، یعنی اسلام، جس کی تائید اب قرآن کریم نے کی ہے۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو ترک کر دیا اور ان کے لائے ہوئے دین میں بدعات متعارف کرائیں۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا تاکہ حالات کو درست کریں اور انسانیت کو اس صراط مستقیم پر گامزن کریں جو پچھلے انبیاء کرام علیہم السلام نے بتائی تھی۔ اہل کتاب پر یہ بات واضح تھی کیونکہ قرآن مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے آسمانی صحیفوں میں بیان کیا گیا تھا لیکن پھر بھی انہوں نے دولت کی لالچ اور اپنے ایمان پر سمجھوتہ کرکے حاصل کی گئی سماجی حیثیت کی وجہ سے انہیں رد کیا۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو
..."پہچانتے ہیں

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں
کو جانتے ہیں‘‘۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلط عقائد کے پھیلنے کی وجوہات میں آپ کی معجزانہ ولادت، آپ کے معجزات اور آپ کی حیات طیبہ میں آسمان پر چڑھنا شامل تھے۔ قرآن پاک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش کی تصدیق کرتا ہے اور واضح طور پر ان کی ولادت کو اللہ تعالیٰ کی لامحدود قدرت کی نشانی کے طور پر بیان کرتا ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 47:

اس نے کہا :اے میرے رب، میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا جب کہ مجھے کسی آدمی نے چھوا تک نہیں؟ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو اس سے صرف اتنا کہتا ہے کہ ہو جا، اور وہ ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا، جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر باپ اور ماں کے پیدا کیا۔ اس حقیقت کا مطلب یہ نہیں کہ وہ الہی ہیں۔ باب 3 علی عمران، آیت 59:

بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی سی ہے، اس نے انہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر اس’’ ‘‘سے کہا کہ ہو جا، تو وہ ہو گیا۔

عجیب بات ہے کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے فرزند ہیں کیونکہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ لیکن وہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا نہیں مانتے، حالانکہ وہ بغیر باپ اور ماں کے پیدا ہوئے تھے۔ ان کی ذہنیت کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہلانے کا حق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے زیادہ ہے، لیکن وہ اس کا دعویٰ نہیں کرتے۔ عجیب بات ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے معاملے میں منطق اور عقل کا اطلاق کیسے کرتے ہیں لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں منطق اور عقل کا اطلاق نہیں کرتے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی تصدیق قرآن پاک سے ہوئی ہے۔ تاہم یہ واضح کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ معجزات اللہ تعالیٰ کی مرضی، اجازت اور حکم سے انجام دیے۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام الٰہی ہوتے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی مرضی یا اجازت کی ضرورت نہ ہوتی۔ باب 3 علی عمران، آیت 49:

اور بنی اسرائیل کی طرف پیغمبر بنو]جو کہے گا [کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف" سے نشانی لے کر آیا ہوں کہ میں تمہارے لیے مٹی سے بناتا ہوں]جو کہ پرندے کی طرح ہے، پھر میں اس میں پھونک مارتا ہوں اور وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسے جنم دیتا ہوں [مردوں کو زندہ کرنا - اللہ کے حکم سے اور میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تم کیا کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں کیا ذخیرہ کرتے ہو۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زندہ ہوتے ہوئے آسمانوں پر چڑھنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی مزید نشاندہی کرتا ہے جیسا کہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس سفر میں لے لیا تھا۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام الٰہی ہوتے تو اپنی فطری قوت سے یہ سفر طے کر سکتے تھے۔ باب 3 55 علی عمران، آیت:

جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ، بیشک میں تمہیں لے لوں گا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا اور’’ تمہیں کافروں سے پاک کروں گا۔‘‘

قرآن کریم عیسائیوں کو بتاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے عقیدے کے برعکس سولی نہیں دی گئی۔ صلیب پر جس کی تصویر نظر آئی وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نہیں تھی بلکہ وہ شخص تھا جسے آپ جیسا بنا دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس وقت تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھا چکا تھا۔ باب 4 النساء، آیات 156-158:

اور ان کے کفر اور مریم پر بہتان تراشی کی وجہ سے، اور ان کے یہ کہنے کے لیے کہ "بے شک ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم، اللہ کے رسول کو قتل کر دیا ہے۔ "اور انہوں نے اسے قتل نہیں کیا اور نہ سولی پر چڑھایا، بلکہ اس کو ان کے مشابہ بنایا گیا تھا، بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھایا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا غلط عیسائی عقیدہ، آپ کا مصلوب ہونا، مارا جانا، اپنے آپ میں عجیب ہے کیونکہ ایک حقیقی الٰہی ہستی موت کا سامنا کرنے سے بہت دور ہے۔ اگر کوئی ہستی مر سکتی ہے تو وہ الہی نہیں ہو سکتی۔ تو درحقیقت، مصلوب کے ذریعے اس کی موت کے بارے میں ان کا غلط عقیدہ خود ان کی الوہیت کے غلط عقیدے کی نفی کرتا ہے۔

ایک الہٰی ہستی فطرتاً ایک ایسی چیز ہے جو خود کو برقرار رکھنے کے معنی رکھتی ہے، انہیں برقرار رکھنے کے لیے کسی اور کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر ایک ہستی دوسرے کے ذریعہ برقرار ہے تو وہ الہی نہیں ہوسکتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا دونوں آسمانی مخلوق نہیں تھے کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پرورش کی ضرورت تھی، یعنی وہ خود کفیل مخلوق نہیں تھے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 75:

"مسیح ابن مریم تو صرف ایک رسول تھا، اس سے پہلے اور بھی رسول گزر چکے ہیں، اور اس کی ماں حق کی حمایتی تھی، وہ دونوں کھانا کھاتے تھے، دیکھو ہم ان کے لیے کیسے نشانیاں بیان کرتے ہیں، پھر دیکھو کہ وہ کس طرح دھوکے میں پڑتے ہیں۔"

اس کے علاوہ کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ جیسا کہ فرشتے نہیں کھاتے انہیں خدا سمجھا جا سکتا ہے۔ درحقیقت وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف طریقے سے برقرار ہیں اس لیے وہ بھی خود کفیل نہیں ہیں۔ یہ حقیقت کہ وہ تخلیق کیے گئے ہیں اور باقی مخلوقات کی طرح موت کا تجربہ کریں گے، الوہیت کی نفی کرنے کے لیے کافی ہے۔

ایک حیاتیاتی بچہ ہمیشہ اپنے والدین کے ساتھ کچھ خصوصیات کا اشتراک کرے گا۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معاملے میں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی صفات میں شریک نہیں ہیں۔ درحقیقت اس کی تمام خصوصیات دوسرے انسانوں کے ساتھ مشترک ہیں۔ وہ پیدا کیا گیا تھا، اسے خوراک اور پانی سے پالا گیا تھا، وہ مرے گا اور دوبارہ زندہ کیا جائے گا، بالکل دوسرے انسانوں کی طرح۔ اس کی خصوصیات الوہیت کی نفی کے لیے کافی ہیں۔

عیسائیت اختیار کرنے والے رومیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تصور کو اپنے عقیدے میں الٰہی ہونے کے تصور کو متعارف کرایا، وہ تصورات جو انہوں نے اپنے سابقہ عقیدے، بت پرستی سے لے کر چلائے تھے۔ انہوں نے ایک عظیم اور بابرکت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لے لیا اور اسے زیوس، ہرکولیس اور اوڈن جیسے افسانوں اور افسانوں کے ساتھ رکھا۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے صرف تھوڑی سی عقل کی ضرورت ہے کہ جو وجود کسی اور کے ذریعے پیدا کیا گیا ہو، اسے برقرار رکھا گیا ہو اور وہ مر سکتا ہے وہ کبھی بھی الٰہی نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ چیزیں الٰہی ہستی کے معیار سے متصادم ہیں۔

دنیا کے غلام

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث کے بعد عیسائی وفد نے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلح کا معاہدہ کیا۔ جب وفد مدینہ سے نکلا تو دو بھائی ابو حارثہ اور کرز بن علقمہ ایک دوسرے کے قریب سوار تھے۔ ابو حارثہ کے خچر نے ٹھوکر کھائی اور کرز نے مایوس ہو کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بالواسطہ سرزنش کی۔ ابو حارثہ نے جواب میں اسے ڈانٹا۔ جب کرز نے ان کے جواب کے بارے میں پوچھا تو ابو حارثہ نے بتایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلاشبہ آخری نبی ہیں، وہ انتظار کر رہے تھے اور جن کا ان کے آسمانی صحیفوں میں بیان کیا گیا ہے۔ جب کرز نے ان سے پوچھا کہ اس نے اسلام کو کیوں مسترد کیا حالانکہ وہ جانتے تھے کہ یہ حقیقت ہے تو ابو حارثہ نے جواب دیا کہ میں نے ایسا اس لیے کیا کہ عزت، دولت اور اختیار ان کے لوگوں نے انہیں دیا تھا اور اسے ڈر تھا کہ اگر وہ اسلام قبول کر لے گا تو وہ سب کچھ کھو دے گا۔ کرز نے ابو حارثہ کی باتوں پر بہت غور کیا اور آخر کار مدینہ واپس آکر اسلام قبول کر لیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 75-76 میں بحث کی گئی ہے۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ مادی دنیا سے کچھ حاصل کرنے کے لیے اپنے ایمان پر کبھی سمجھوتہ نہ کریں۔ باب 4 النساء، آیت 135:

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔“

چونکہ مادی دنیا عارضی ہے اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ آخرکار ختم ہو جاتا ہے اور آخرت میں ان کے اعمال اور رویوں کا جوابدہ ہو گا۔ دوسری طرف، ایمان وہ قیمتی زیور ہے جو ایک مسلمان کی دنیا اور آخرت میں تمام مشکلات سے باحفاظت رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے کسی عارضی چیز کی خاطر جو چیز زیادہ فائدہ مند اور پائیدار ہو اس سے سمجھوتہ کرنا صریح حماقت ہے۔

بہت سے لوگ خاص طور پر خواتین، اپنی زندگی میں ایسے لمحات کا سامنا کریں گے جہاں انہیں اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر، بعض صورتوں میں اور کسی خاص طریقے اسکارف اتار دیا ایک مسلمان عورت یہ مان سکتی ہے کہ اگر اس نے اپنا سے لباس پہن لیا تو وہ کام پر زیادہ عزت دار ہو گی اور کارپوریٹ کی سیڑھی بھی زیادہ تیزی سے چڑھ سکتی ہے۔ اسی طرح کارپوریٹ دنیا میں کام کے اوقات کے بعد ساتھیوں کے ساتھ گھل مل جانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان اپنے آپ کو کام کے بعد کسی پب یا کلب میں مدعو کر سکتا ہے۔

ایسے وقت میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ حتمی فتح اور کامیابی صرف انہی کو ملے گی جو اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم رہیں۔ اس طرح عمل کرنے والوں کو دنیوی اور دینی کامیابیاں نصیب ہوں گی۔ لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان کی دنیاوی کامیابی ان کے لیے بوجھ نہیں بنے گی۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بنی نوع انسان کے درمیان ان کے درجات اور ذکر کو بڑھانے کا ذریعہ بنے گا۔ اس کی مثالیں خلفائے راشدین اسلام ہیں۔ انہوں نے اپنے عقیدے پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ زندگی بھر ثابت قدم رہے اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی اور مذہبی سلطنت عطا فرمائی۔

کامیابی کی دیگر تمام شکلیں بہت وقتی ہیں اور جلد یا بدیر وہ اس کے علمبردار کے لیے مشکل بن جاتی ہیں۔ صرف ان بہت سی ہستیوں کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے شہرت اور خوش قسمتی کے حصول کے لیے اپنے نظریات اور عقیدے پر سمجھوتہ کیا اور صرف یہی چیزیں ان کی اداسی، پریشانی، ڈپریشن، منشیات کے استعمال اور یہاں تک کہ خودکشی کا سبب بنیں۔

ایک لمحے کے لیے ان دونوں راستوں پر غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ کس کو ترجیح دی جائے اور کس کا انتخاب کیا جائے۔

قابل اعتماد

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال ایک وفد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرنے آیا۔ نجران کے اس وفد نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کے سوالوں کا جواب دینے کے لیے ایک قابل اعتماد شخص کو ان کے پاس بھیجیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس شخص کی خواہش رکھتے تھے لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو چن لیا اور آپ کو اپنی امت میں سب سے زیادہ امانت دار شخص قرار دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 71 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی کہ امانتوں میں خیانت منافقت کا ایک پہلو ہے۔

اس میں وہ تمام امانتیں شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی طرف سے ہیں۔ ہر نعمت اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کی ہے۔ ان امانتوں کو پورا کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ نعمتوں کو ان طریقوں سے استعمال کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کو راضی ہو۔ اس پر قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بحث اور وضاحت کی گئی ہے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ مزید برکات حاصل کریں گے، کیونکہ یہ سچا شکر ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

لوگوں کے درمیان اعتماد کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ جسے کسی دوسرے کے سپرد کیا گیا ہو اسے چاہیے کہ اس کا غلط استعمال نہ کرے اور مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ لوگوں

کے درمیان سب سے بڑا اعتماد بات چیت کو خفیہ رکھنا ہے، جب تک کہ دوسروں کو مطلع کرنے میں کوئی واضح فائدہ نہ ہو۔ بدقسمتی سے، مسلمانوں کے درمیان اکثر اس کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ کسی کو اپنے اور لوگوں کے درمیان امانتوں کے ساتھ اس طرح برتاؤ کرنا چاہئے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے ان کے درمیان موجود امانتوں کے ساتھ سلوک کریں۔

اس کے علاوہ، ان ٹرسٹوں میں وہ لوگ شامل ہوتے ہیں جو کسی کی دیکھ بھال کے تحت ہوتے ہیں، جیسے کہ انحصار کرنے والے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان لوگوں کے حقوق ادا کرتے ہوئے ان امانتوں کو پورا کرنے کی کوشش کرے۔ مثال کے طور پر، والدین کا فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کو قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے، سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی ترغیب دیں۔

برے منصوبے بیک فائر

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال بنو عامر کے ایک وفد نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیادت کی۔ تین آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خیانت کرنے اور شہید کرنے کے ارادے سے آئے۔ عامر بن طفیل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ ہٹانے کا منصوبہ بنایا تاکہ اپنے بدکار دوست العربد کو آپ پر حملہ کرنے کا موقع فراہم کر سکے۔ جب العربد حملہ کرنے میں ناکام رہا تو عامر بن طفیل نے سازش ترک کر دی اور اس کے بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زبانی دھمکی دی، جس نے بدلے میں اللہ تعالیٰ سے کہا کہ وہ اپنی طرف سے امیر بن طفیل کی دیکھ بھال کرے۔ دونوں کے مدینہ سے نکلنے کے بعد، امیر نے العربد کو حملہ نہ کرنے پر ڈانٹا لیکن اس نے جواب دیا کہ جب بھی اس نے حملہ کرنے کا فیصلہ کیا تو وہ صرف امیر کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا دیکھ سکتا ہے۔ یہ درحقیقت خدائی حفاظت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ گھر کے راستے میں، عامر کو اس کی گردن میں انفیکشن ہوگیا جو بالآخر اس کی موت کا باعث بنا۔ الارباد کو بالآخر آسمانی بجلی گرا اور وہ مر گیا۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الرعد، آیت 13 نازل فرمائی:

"اور گرج اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے اور فرشتے بھی اس کے خوف سے - اور وہ کڑک بھیجتا ہے اور جس پر چاہتا ہے مارتا ہے جب کہ وہ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں اور وہ حملہ کرنے میں سخت ہے۔"

اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 4، صفحہ 66-80 میں بحث کی گئی ہے۔

کسی کو کبھی بھی برے کام کرنے کی سازش نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ ہمیشہ، کسی نہ کسی طرح، ان پر الٹا فائر ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر یہ نتائج اگلے جہان تک موخر کر دیے جائیں تو آخرکار ان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو نقصان پہنچانا چاہا جیسا کہ وہ اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت، احترام اور پیار چاہتے تھے۔ لیکن یہ واضح ہے کہ ان کی تدبیریں انہیں اپنی خواہش سے دور کر دیتی ہیں۔ باب یوسف، آیت 18 12:

اور وہ اس کی قمیص پر جھوٹا خون لے آئے،]یعقوب [نے کہا، "بلکہ تمہاری جانوں نے تمہیں "کسی چیز پر آمادہ کیا ہے، اس لیے صبر سب سے زیادہ مناسب ہے۔

جتنی زیادہ برائی کی تدبیریں کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں ان کے مقصد سے دور کر دے گا۔ خواہ وہ ظاہری طور پر اپنی خواہش پوری کر لیں، اللہ تعالیٰ جس چیز کی خواہش کی تھی وہ دونوں جہانوں :میں ان کے لیے لعنت بن جائے گا الا یہ کہ وہ سچے دل سے توبہ کریں۔ باب 35 فاطر، آیت 43

لیکن شیطانی تدبیر سوائے اپنے لوگوں کے گھیرے میں نہیں آتی، پھر کیا وہ پہلے لوگوں کے'' ''راستے کے سوا انتظار کرتے ہیں؟

نیک کردار جنت کی طرف لے جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال ایک غیر مسلم قبیلہ کو جنگی قیدی بنا کر مدینہ لایا گیا۔ حاتم الطائی کی بیٹی بھی ان میں شامل تھی۔ جب اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چلتے ہوئے دیکھا تو آپ سے درخواست کی کہ وہ اسے چھوڑ دیں اور عرب قبائل کی بدتمیزی سے بچائیں کیونکہ وہ اپنی قوم کے سردار کی بیٹی تھیں۔ اس کے بعد اس نے اپنے والد کی کچھ خوبیوں کا ذکر کیا :وہ ان کی مقدس چیزوں کے محافظ تھے، وہ مصیبت زدوں کو راحت دیتے تھے، بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے، ننگے کو کپڑے پہناتے تھے، فراخدلی سے مہمان نوازی کرتے تھے، بہترین کھانا فراہم کرتے تھے، انہوں نے امن پھیلایا تھا اور ضرورت مندوں کی درخواست کو کبھی رد نہیں کیا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ یہ واقعی ایک سچے مومن کا بیان ہے حالانکہ حاتم الطائی مسلمان نہیں تھا۔ اس کے بعد اس نے اپنی بیٹی کی رہائی کا اعلان کیا اور تبصرہ کیا کہ اس کے والد ایک ایسے شخص تھے جو اعلیٰ کردار کے خصائل سے محبت کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو اعلیٰ کردار کی خصلتوں سے محبت ہے۔ اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ جنت میں کوئی نہیں جائے گا سوائے اعلیٰ کردار کے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 92 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2003 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قیامت کے ترازو میں سب سے بھاری چیز حسن اخلاق ہوگی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن سلوک، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنا شامل ہے۔ یہ ان نعمتوں کو استعمال کرنے کا سبب بنے گا جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو راضی ہوں۔ اس کا خلاصہ اسلامی علم کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔

اصل حدیث میں لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کو بھی شامل ہے۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اللہ تعالیٰ کے حوالے سے واجبات کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن دوسروں کے ساتھ بدسلوکی کرکے دوسرے پہلو کو نظر انداز کرتے ہیں۔ وہ اس کی اہمیت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ یعنی جس طرح انسان چاہتا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ حسن سلوک کریں، اسی طرح اسے دوسروں سے بھی حسن سلوک کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ، کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن اور مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی زبانی اور جسمانی اذیت کو دوسروں اور ان کے مالوں سے دور نہ رکھے، خواہ اس کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 3318 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ تنبیہ فرمائی کہ ایک عورت جہنم میں جائے گی کیونکہ اس نے بلی کے ساتھ بدسلوکی کی جس سے اس کی موت واقع ہوئی۔ اور سنن ابوداؤد نمبر 2550 میں ایک اور حدیث ملتی ہے کہ ایک آدمی کو پیاسے کتے کو کھانا کھلانے کی وجہ سے معاف کر دیا گیا۔ اگر یہ اچھا کردار دکھانے کا نتیجہ ہے اور جانوروں کو برے کردار دکھانے کا نتیجہ ہے تو کیا اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے؟ درحقیقت زیر بحث مرکزی حدیث اس نصیحت کے ساتھ ختم ہوتی ہے کہ اچھے کردار کے حامل کو اس مسلمان کی طرح اجر ملے گا جو اللہ تعالیٰ کی مسلسل عبادت کرتا ہے اور باقاعدگی سے روزے رکھتا ہے۔

آخر میں مرکزی حدیث کے مطابق اگر قیامت کے ترازو میں کسی شخص کے حق میں اچھا کردار سب سے بھاری ہو گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے ترازو میں انسان کے حق میں سب سے بھاری چیز بد کردار ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ برے اخلاق، خلوص نیت سے اس کی اطاعت میں ناکامی، اور مخلوق کے ساتھ، ان کے ساتھ ایسا سلوک کرنے میں ناکامی جیسے کہ کوئی دوسرے کے ساتھ برتاؤ کرنا چاہتا ہے۔

عاجزی میں حقیقی عزت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کے نویں سال مدینہ کی طرف ہجرت کی گئی، ایک مشہور عیسائی عالم، جو بالآخر مسلمان ہو گئے، عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ، قبول اسلام سے پہلے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ ان سے ملاقات کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اپنے گھر لے گئے۔ راستے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بوڑھی معذور عورت نے روکا۔ وہ کافی دیر تک اس کے ساتھ کھڑا رہا اور اس کا مسئلہ حل کرتا رہا۔ اس طویل گفتگو کے دوران عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو بتایا کہ یہ کسی دنیاوی بادشاہ کا طرز عمل نہیں تھا۔ اپنے گھر پہنچنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عدی رضی اللہ عنہ کو تکیے پر بیٹھنے کی تاکید کی جب کہ وہ خود فرش پر بیٹھے ہوئے تھے۔ عدی رضی اللہ عنہ نے پھر اپنے آپ کو بتایا کہ یہ کسی دنیاوی بادشاہ کا طرز عمل نہیں تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 87-88 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ باب 25 الفرقان آیت 63 سے مربوط ہے:

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آسانی سے چلتے ہیں‘‘۔’’

یہ سمجھ لیا ہے کہ ان کے پاس جو بھی خوبی ہے وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے بندوں نے اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا ہے۔ اور جس برائی سے وہ بچ گئے وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی۔ جو چیز کسی کی نہیں اس پر فخر کرنا کیا حماقت نہیں؟ بالکل ان سے تعلق نہیں رکھتا اسی طرح جیسے کوئی شخص کسی اسپورٹس کار پر فخر نہیں کرتا جو مسلمانوں کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ حقیقت میں کچھ بھی ان کا نہیں ہے۔ یہ رویہ یقینی بناتا ہے کہ انسان ہر وقت عاجز رہے۔ اللہ تعالیٰ کے عاجز بندے، صحیح بخاری نمبر 5673 میں موجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث پر مکمل یقین رکھتے ہیں، جس میں بتایا گیا ہے کہ کسی شخص کے اعمال صالحہ انہیں جنت میں نہیں لے جائیں گے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی اس کا سبب بن سکتی ہے۔ اس لیے کہ ہر عمل صالح اسی وقت ممکن ہے جب اللہ تعالیٰ

اس کو انجام دینے کے لیے علم، طاقت، موقع اور الہام عطا فرمائے۔ یہاں تک کہ عمل کی قبولیت پر .جب کوئی اس کو ذہن میں رکھتا ہے تو یہ انہیں غرور سے اللہ کی رحمت بھی منحصر ہے۔ بچاتا ہے اور انہیں عاجزی اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ عاجز ہونا کمزوری کی علامت نہیں ہے کیونکہ اسلام نے ضرورت پڑنے پر اپنے دفاع کی ترغیب دی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسلام مسلمانوں کو کمزوری کے بغیر عاجزی کا درس دیتا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2029 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اٹھائے گا۔ پس حقیقت میں عاجزی دونوں جہانوں میں عزت کا باعث بنتی ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے مخلوق میں سے سب سے زیادہ حلیم پر غور کرنے کی ضرورت ہے، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے واضح طور پر لوگوں کو اس اہم صفت کو اپنانے کا حکم دے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے۔ باب 26 اشعرا، آیت 215:

"اور اپنے بازو کو نیچے رکھو]یعنی مہربانی کرو [مومنوں میں سے جو تمہاری پیروی کرتے ہیں۔"

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاجزانہ زندگی گزاری۔ مثال کے طور پر، اس نے خوشی سے گھر میں گھریلو فرائض انجام دیے اور یہ ثابت کیا کہ یہ کام صنفی غیر جانبدار ہیں۔ اس کی تصدیق امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 538 میں ہوتی ہے۔

باب 25 الفرقان، آیت 63، ظاہر کرتی ہے کہ عاجزی ایک باطنی خصوصیت ہے جو باہر کی طرف ظاہر ہوتی ہے جیسے کہ چلنے کا راستہ۔ اس پر ایک اور آیت باب 31 لقمان، آیت 18 میں بحث کی گئی ہے۔

”اور لوگوں کی طرف اپنے گال نہ پھیر اور زمین پر اکڑ کر نہ چل“۔

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ جنت ان عاجز بندوں کے لیے ہے جن میں غرور کا کوئی نشان نہیں ہے۔ باب 28 القصص، آیت 83:

”آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لیے مقرر کرتے ہیں جو نہ زمین میں بلندی چاہتے ہیں اور نہ فساد، اور]بہترین [انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے۔“

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 1998 میں موجود ایک حدیث کی تصدیق فرمائی ہے کہ جس کے پاس ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ فخر کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کیونکہ وہ پوری کائنات کا خالق، پالنے والا اور مالک ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، فخر اس وقت ہوتا ہے جب کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں اور جب سچائی ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو اسے مسترد کر دیتا ہے کیونکہ وہ اس طرف سے آتا ہے ۔ ان کے علاوہ کسی اور کی قبول کرنا ناپسند کرتے ہیں جب وہ سچائی کو کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4092 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

مسلمانوں کے حقوق

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال میں جریر بن عبداللہ البجلی نامی ایک شخص مدینہ آیا اور اسلام قبول کیا۔ اسلام قبول کرتے وقت، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے یہ عہد کرنے کو کہا کہ وہ فرض نمازیں ادا کریں گے، فرض زکوٰۃ ادا کریں گے اور تمام مسلمانوں کے ساتھ وفادار رہیں گے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 106 میں بحث کی گئی ہے۔

،اس دن اور دور میں مسلمان اکثر اس عہد میں مذکور پہلی دو چیزوں پر بہت زیادہ توجہ دیتے ہیں یعنی فرض نماز اور فرض صدقہ، لیکن وہ اکثر تمام مسلمانوں کے ساتھ مخلص اور وفادار ہونے کو نظر انداز کرتے ہیں۔ یہ حقیقت کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو اسلام کے دو ستونوں کے ساتھ ادا کیا ہے، اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اسے پورا کرنا کتنا مسلمانوں کو ہمیشہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ تعلقات کو برقرار رکھنے ضروری ہے۔ اس لیے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ تمام مسلمانوں پر لاگو ہوتا ہے خواہ وہ رشتہ دار ہوں یا نہ ہوں اور اگر وہ ایک دوسرے کو جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں۔ قرآن پاک اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مسلمانوں کے بہت سے حقوق بیان ہوئے ہیں اور ہر مسلمان کو ان کو سیکھنے اور پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ مثال کے طور پر صحیح بخاری نمبر 1240 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حقوق درج کیے ہیں۔

اس سے بھی اہم بات اول تو سلام کا جواب دینا ہے خواہ جواب دینا ان کی خواہش کے خلاف ہو۔ یہ ہے کہ ایک مسلمان کو اپنی گفتگو اور عمل کے ذریعے دوسروں کے ساتھ امن اور مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے عملی طور پر امن کے اسلامی سلام کو پورا کرنا چاہیے۔ اسلامی سلام کا صحیح مفہوم یہی ہے۔

ایک مسلمان کو بیمار مسلمانوں کی عیادت کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ ان کی جسمانی اور نفسیاتی مدد کی جا سکے۔ تمام بیمار مسلمانوں کی عیادت کرنا مشکل ہوگا لیکن اگر ہر مسلمان کم

ہر قسم از کم اپنے بیمار رشتہ داروں کی عیادت کرے تو بیماروں کی اکثریت کو یہ سہارا ملے گا۔
کی فضول اور گناہ والی باتوں اور کاموں سے پرہیز کرنا چاہیے جیسے کہ گپ شپ کرنا ورنہ
مسلمان برکت کے بجائے گناہ ہی کمائے گا۔

ایک مسلمان کو جب ممکن ہو دوسرے مسلمانوں کے جنازے میں شرکت کرنی چاہیے کیونکہ ہر
شریک میت کے لیے مغفرت کی دعا کرتا ہے۔ اس لیے جتنے زیادہ مسلمان حاضر ہوں گے اتنا ہی
بہتر ہے۔ جس طرح کوئی چاہتا ہے کہ دوسرے ان کے جنازے میں شرکت کریں اور ان کے لیے
دعا کریں وہ بھی دوسروں کے لیے ایسا کرے۔ اس خاص عمل میں ایک مسلمان کے لیے ایک
اچھی یاد دہانی ہے کہ وہ بھی آخرکار مریں گے۔ امید ہے کہ اس سے ان کے طرز عمل میں بہتری
اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے آئے گی تاکہ وہ
ہوئے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے اپنی موت کے لیے بہتر طور پر تیاری کریں۔

کو کھانے اور اجتماعی اگلی بات جو زیر بحث مرکزی حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں
تقریبات کی دعوت اس وقت تک قبول کرنی چاہیے جب تک کہ کوئی غیر شرعی یا ناپسندیدہ کام
انجام نہ دیا جائے جو کہ اس زمانے میں بہت کم ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ بعض مسلمان ایسے
سماجی پروگراموں میں شرکت کرتے ہیں جہاں غیر قانونی یا ناپسندیدہ چیزیں پیش آتی ہیں اور
اپنے اعمال کی تائید کے لیے اس حدیث کا حوالہ دیتے ہیں۔ کسی کو اپنی خواہشات کی تکمیل کے
یہ صریح گمراہی اور عذاب الٰہی کی کیونکہ لیے آسمانی تعلیمات کی غلط تشریح نہیں کرنی چاہیے
دعوت ہے۔

آخر میں، مرکزی حدیث مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہوئے ختم ہوتی ہے کہ وہ مسلمان کے لیے
کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے ۔ دعا کریں جو چھینک آنے

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 2714 میں موجود ایک حدیث
میں ایک انتہائی اہم فرض کی طرف اشارہ کیا ہے جو کہ دوسرے مسلمانوں کو اچھی اور مخلصانہ
نصیحت کرنا ہے۔

سب سے پہلے، یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اچھی نصیحت سب کو پیش کی جانی چاہئے چاہے وہ کسی بھی مذہب سے ہوں۔ سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں واضح طور پر اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو اس طرح نصیحت کریں جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ انہیں نصیحت کریں۔ کسی کو بھی اپنے جذبات کو اس فرض کی ادائیگی سے باز نہیں آنا چاہیے کیونکہ جو شخص جان بوجھ کر برا مشورہ دیتا ہے اسے لوگ غلط مشورہ دیتے ہیں۔ مخلصانہ نصیحت کرنا اس قدر ضروری ہے کہ جیسا کہ جامع ترمذی نمبر 1925 میں ایک حدیث میں مذکور ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں سے اس فرض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ نماز جیسے فرض کی ادائیگی کا عہد لیتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ مخلصانہ طور پر دوسروں کو نصیحت کرنا ان واجبات کے ساتھ رکھا گیا ہے اس کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ لہٰذا کسی مسلمان کو اس حقیقت سے کبھی چشم پوشی نہیں کرنی چاہیے۔

ہر شخص خواہ کسی بھی عقیدے سے تعلق رکھتا ہو، ان چیزوں کو حاصل کرنا پسند کرتا ہے جو اسے فائدہ پہنچاتی ہیں اور نقصان دہ چیزوں سے محفوظ رکھتی ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث میں واضح طور پر اعلان فرمایا کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسرے مسلمانوں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ دوسروں کو ان چیزوں کو حاصل کرنے کو یقینی بنانے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے اعمال کے ذریعے ظاہر کیا جانا چاہئے جو ان کے لئے دستیاب کسی بھی ذریعہ سے وہ اپنے لئے پسند کرتے ہیں۔ ایک مسلمان کو محض اپنے الفاظ سے یہ دعویٰ نہیں کرنا چاہیے۔

حق یہ ہے کہ ان کے لیے صدق دل سے دعا کرے۔ یہ ایک دوسرے پر رحم کرنے کا ایک اور ایک پہلو ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔ باب 48 الفتح، آیت 29:

"محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ آپس میں مہربان ہیں "

درحقیقت جب ایک مسلمان دوسرے کے لیے دعا کرتا ہے تو وہ خود اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6927 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جب ایک مسلمان دوسرے مسلمانوں کے لیے چپکے سے دعا کرتا ہے تو فرشتہ ان کے لیے دعا کرتا ہے۔

دوسرا اہم حق یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمانوں کے لیے وہی محبت اور نفرت کرے جو وہ اپنے لیے پسند اور نفرت کرتا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود ایک حدیث میں صدق دل سے اس کو شرط قرار دیا ہے۔

ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کی حلال خوشی پر خوش ہونا چاہیے اور امید رکھنی چاہیے کہ یہ ان کے لیے باقی رہے گی۔ جب کسی دوسرے مسلمان کو کوئی مشکل پیش آئے تو انہیں غمگین ہونا چاہیے اور اس میں ان کی مدد کرنا چاہیے، چاہے یہ ان کی طرف سے صرف دعا ہی کیوں نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 6011 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی کہ مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں۔ جسم کا کوئی حصہ بیمار ہو تو باقی جسم درد میں شریک ہوتا ہے۔

کسی مسلمان کو اپنے قول و فعل سے کبھی بھی کسی دوسرے مسلمان یا غیر مسلم کو بلا جواز نقصان نہیں پہنچانا چاہئے کیونکہ جامع ترمذی نمبر 2627 کی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے دی گئی مسلمان کی یہی تعریف ہے۔ صحیح مسلم نمبر 250 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ یہ اپنے آپ پر صدقہ ہے کیونکہ یہ انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچاتا ہے۔

دوسرے مسلمانوں کے حقوق میں ان کے راستے کی رکاوٹوں کو ہٹانا بھی شامل ہے۔ اس میں جسمانی رکاوٹوں کے ساتھ ساتھ علامتی رکاوٹیں بھی شامل ہیں جو انہیں نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ درحقیقت صحیح مسلم نمبر 6670 میں موجود ایک حدیث میں بتایا گیا ہے کہ ایک شخص کو اس درخت کو ہٹانے پر جنت دی جائے گی جو ساتھی مسلمانوں کے راستے میں رکاوٹ تھا۔

یہ ایک مسلمان کا حق ہے کہ دوسرے مسلمان جب ان پر کسی بھی طرح سے ظلم ہو تو ان کی مدد کریں جیسے کہ مالی مدد، اور ان مسلمانوں کی مدد کریں جو ظلم کرتے ہیں انہیں اس طرز عمل کے نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 6952 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ غور کرنا ضروری ہے کہ مشورہ صرف اسی صورت میں دیا جائے جب مشورہ دینے والا ظالم کے نقصان سے محفوظ ہو۔

ایک مسلمان کو اجازت نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے مسلمان سے کسی دنیاوی وجہ سے تین دن سے زیادہ تعلق توڑے ۔ یہ بات بہت سی احادیث میں واضح ہو چکی ہے جیسا کہ جامع ترمذی نمبر 1932 میں موجود ہے۔ دوسرے مسلمان سے اس طرح منہ پھیرنا اتنا سنگین مسئلہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 1740 کی حدیث میں ایک مرتبہ تنبیہ فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سوائے سوموار کے تمام مسلمانوں کو بخش دیا ہے اور سوائے جمعرات کے دن تمام مسلمانوں کو معاف کر دیا ہے۔ مصالحت

دوسرا حق یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمانوں کے ساتھ تکبر سے پیش نہ آئے۔ اس کے بجائے، انہیں عاجزی کا مظاہرہ کرنا چاہئے جو معاشرے میں ہمیشہ پیار اور محبت کے پھیلاؤ کا باعث بنتا ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4895 میں ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ اس کے برعکس تکبر اور غرور صرف معاشرتی رکاوٹوں اور معاشروں کی علیحدگی کا باعث بنتے ہیں۔ اگر کسی مسلمان کے ساتھ تکبر کا برتاؤ کیا جائے تو انہیں اس طرح جواب نہیں دینا چاہئے بلکہ صبر اور درگزر سے کام لینا چاہئے۔

درحقیقت دوسروں کے لیے ان کی سماجی حیثیت سے قطع نظر انکساری آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ جیسا کہ سنن نسائی نمبر 1415 میں موجود حدیث میں آتا ہے کہ آپ غریبوں اور مسکینوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ان کے ساتھ چلنے کو کبھی ناپسند نہیں کرتے تھے۔

ایک مسلمان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کے بارے میں افواہوں یا گپ شپ پر کبھی دھیان نہ دے کیونکہ زیادہ تر معاملات میں وہ یا تو مکمل طور پر جھوٹے ہوتے ہیں یا کچھ حقائق پر مشتمل افسانے کے ساتھ ملایا جاتا ہے۔ بہت سے معاملات میں، کسی کی بری خواہشات کی تکمیل کے لیے سچائی کو بھی سیاق و سباق سے ہٹ کر توڑ مروڑ دیا گیا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ کہی گئی باتوں کو نظر انداز کرے اور گپ شپ کرنے والے کو سچے دل سے توبہ کرنے کی تلقین کرے۔ انہیں کبھی بھی دوسروں سے گپ شپ نہیں دہرانی چاہئے اور نہ ہی دوسروں سے گپ شپ کا ذکر کرنا چاہئے۔ اس کو چھپا کر انہیں امید رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو دونوں جہانوں میں چھپائے گا۔ جامع ترمذی نمبر 1930 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ کسی مسلمان کو کبھی بھی دوسرے مسلمانوں کی غیبت یا غیبت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ درحقیقت صحیح مسلم نمبر 290 میں موجود ایک حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ کہنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے وسائل میں رہتے ہوئے دوسرے مسلمانوں کی کسی بھی مصیبت میں مدد کرنے کی کوشش کرے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 225 میں ایک حدیث سے ثابت ہے کہ جو بھی ایسا کرے گا قیامت کے دن اس کی سختی سے نجات ملے گی۔ یہی حدیث نصیحت کرتی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے مسلمان کا مالی بوجھ ہلکا کرے گا اللہ تعالیٰ اسے دونوں جہانوں میں راحت عطا فرمائے گا۔ لہٰذا مسلمانوں کو ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے جو ان کے مقروض ہیں۔

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمانوں پر ایک اور حق یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان پر ظلم کرے اور پھر ان سے معافی مانگے تو مظلوم اسے اللہ تعالیٰ کے لیے معاف کر دے۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کے شکار کو معاف کر دے گا۔ باب 24 النور، آیت 22:

‘‘اور وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے؟ ’’

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6592 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت فرمائی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دوسروں کو معاف کرے گا اسے زیادہ عزت نصیب ہوگی۔

اس کے علاوہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ان کی حیثیت کے مطابق سلوک کرنا چاہیے جس کی نصیحت جامع ترمذی نمبر 1921 میں موجود حدیث میں آئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بزرگوں کے ساتھ احترام اور چھوٹے کے ساتھ رحم کیا جائے۔ یہ حدیث متنبہ کرتی ہے کہ جو لوگ اس طرح کا برتاؤ نہیں کرتے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے تعلق نہیں رکھتے۔ درحقیقت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ادب المفرد نمبر 357 میں ایک حدیث یہ نصیحت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا ایک حصہ بزرگوں کا احترام کرنا ہے۔ تمام لوگ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کا حصہ ہیں، لہٰذا اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کا احترام کرنا درحقیقت خالق یعنی اللہ تعالیٰ کا احترام کرنا ہے۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ جو دیتے ہیں وہی انہیں ملے گا۔ جامع ترمذی نمبر 2022 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جب کوئی نوجوان کسی بوڑھے کی اس کی عمر کی وجہ سے تعظیم و تکریم کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی بزرگی کے لیے کسی کو مقرر کرے گا۔

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمانوں کا دوسرا حق یہ ہے کہ جب تک گناہوں سے اجتناب کیا جائے ان کے ساتھ خوش دلی سے پیش آئے۔ درحقیقت دوسرے مسلمان کو تسلی دینے کے لیے مسکرانا صدقہ ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1956 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

دوسرے مسلمانوں کے ساتھ نرمی اور نرم رویہ رکھنے والے کو جامع ترمذی نمبر 2488 کی حدیث میں جہنم کی آگ سے حفاظت کی بشارت دی گئی ہے۔ یہ اس قدر اہم ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 7512 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی ہے کہ یہ وہ عمل ہے جو جہنم کی آگ سے بچاتا ہے۔ درحقیقت اس پر عمل کرنے والے کو جامع ترمذی نمبر 1984 کی حدیث میں جنت میں ایک خوبصورت کوٹھی کا وعدہ کیا گیا ہے۔

مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کے درمیان مسائل کو اپنی استطاعت کے مطابق درست کریں۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2509 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی کہ ایسا کرنا نفلی نماز، روزہ یا صدقہ سے افضل ہے۔

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمانوں پر دوسرا حق یہ ہے کہ اپنے عیبوں کو چھپائے ۔ جامع ترمذی نمبر 1930 میں ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مسلمان کے عیبوں پر پردہ ڈال دے گا جو اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں کے عیب چھپاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 2546 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص دوسروں کے عیبوں کو ظاہر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیبوں کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان دوسروں کے گناہوں کو نظر انداز کرے۔ لیکن اس کا مطلب ہے کہ انہیں نرمی سے اور نجی طور پر گنہگار کو خلوص دل سے توبہ کرنے اور دوسروں کے سامنے اپنے گناہ کا ذکر نہ کرنے کی تلقین کرنی چاہیے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی مسلمان دوسروں کو ایسا گناہ نہ کرنے کی تعلیم دینا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرے اور لوگوں کا نام لیے بغیر دوسروں کو نصیحت کرے۔ اس کی مثال صحیح بخاری نمبر 6979 میں موجود ایک حدیث میں درج ہے، اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے عیبوں کی پردہ پوشی کرے جس طرح اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں اور دوسروں کی غلطیوں پر پردہ ڈالتا ہے۔

ایک مسلمان کو ہمیشہ ایسی صورت حال سے بچنا چاہیے جس سے دوسرے مسلمانوں کے ذہن میں شکوک و شبہات پیدا ہوں۔ یہ ان کو ان گناہوں سے بچانے کے لیے ہے جن کا ارتکاب دوسرے مشتبہ ہیں جیسے غیبت اور غیبت۔ اس تحفظ کو دوسرے مسلمانوں تک پہنچانا ان کے لیے بھلائی کا ایک حصہ ہے جس طرح کوئی اپنے لیے بھلائی کو پسند کرتا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 3101 میں موجود حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ رات کے وقت اپنی بیوی سے ملے۔ اسی وقت دو صحابہ رضی اللہ عنہ تیزی سے چل پڑے۔ حضور نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بلایا اور بتایا کہ وہ اپنی بیوی سے مل رہے ہیں نہ کہ کوئی اجنبی عورت۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے واضح کیا کہ ان کے ذہن میں غلط خیال بھی نہیں آتا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو یہ تعلیم دینے کے لیے صرف اس انداز میں جواب دیا کہ کسی بھی ایسی سرگرمی کو واضح کرنا چاہیے جو دوسرے مسلمانوں کے افکار کی حفاظت کے لیے مشکوک نظر آئے۔

اس کا تعلق ایک اور نیک صفت سے ہے۔ یہ تب ہوتا ہے جب کوئی ایسے کاموں سے اجتناب کرتا ہے جو حلال ہیں تاکہ دوسرے مسلمانوں کو برا نہ لگے۔ مثال کے طور پر، ایک شوہر دوسرے مسلمانوں جیسے کہ اس کی بہن کے سامنے اپنی بیوی سے محبت کا اظہار نہیں کرتا۔ اگرچہ یہ مکمل طور پر حلال ہے لیکن اپنی بہن کے سامنے ایسا کرنے سے اسے برا لگے خصوصاً اگر اس کا شوہر اس کے ساتھ ایسی حرکت نہ کرے۔ یہ اعلیٰ درجہ کا اعلیٰ کردار ہے جو واجب نہیں بلکہ بہت بڑی فضیلت ہے۔

مسلمانوں کا دوسرے مسلمانوں پر ایک اور حق یہ ہے کہ ان کا استقبال اسلامی سلام کے ساتھ کیا جائے۔ اس میں وہ مسلمان شامل ہوں جو ایک جانتا ہے اور جو مسلمان نہیں جانتے۔ بہت سی احادیث میں اس نیک عمل کی اہمیت اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر، سنن ابن ماجہ، نمبر 68 میں پائی جانے والی ایک حدیث، دوسرے مسلمانوں کے لیے سلامتی کے پیغام کو جنت میں داخل ہونے سے جوڑتی ہے۔ باب 4 النساء آیت 86:

"اور جب تمھیں سلام کیا جائے تو اس سے بہتر سلام دو یا]کم از کم [اسے]اسی طرح [واپس کرو۔"

جامع ترمذی نمبر 2706 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ ایک مسلمان جب دوسرے مسلمان سے ملے اور جب وہ اسے چھوڑے تو سلام کرے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ امن کا اسلامی سلام اس بات کا اشارہ ہے کہ ایک مسلمان کو نہ صرف کسی مسلمان کا پرامن الفاظ سے استقبال کرنا چاہئے بلکہ ہر گفتگو کے دوران اچھے الفاظ کو برقرار رکھنا چاہئے۔ اس کے علاوہ امن کے اس پھیلاؤ کو صرف الفاظ سے نہیں بلکہ ایک مسلمان کے عمل سے ظاہر کیا جانا چاہیے۔ یہ دوسروں تک اسلامی سلام کا پیغام پہنچانے کا صحیح مفہوم ہے۔

ایک مسلمان کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت پر عمل کرنا چاہیے، جب وہ دوسرے مسلمانوں کو سلام پیش کرتے ہیں تو ان سے مصافحہ کرتے ہوئے درحقیقت جو مسلمان ایسا کرتے ہیں اور گفتگو کے دوران گناہوں سے بچتے ہیں ان کے چھوٹے گناہ الگ ہونے سے پہلے ہی معاف کر دیے جائیں گے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 5212 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

تمام مسلمانوں پر یہ فرض ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کے حقوق کا حتی الامکان دفاع کریں، بغیر کسی گناہ کے یا خود کو نقصان پہنچائے۔ مثال کے طور پر انہیں دوسرے مسلمانوں کی عزت کی حفاظت کرنی چاہیے جو اکثر ان کی پیٹھ پیچھے غیبت اور غیبت کی صورت میں پامال ہوتی ہیں۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 1931 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے مسلمان کی عزت کی حفاظت کرے گا وہ قیامت کے دن جہنم کی آگ سے محفوظ رہے گا۔

اگر کوئی دوسرا مسلمان برے رویے کا مظاہرہ کرتا ہے تو دوسرے مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ اس کے علاوہ، انہیں ذاتی طور پر مشورہ دینا چاہئے کہ وہ اپنے کردار کو بہتر سے بہتر بنائیں۔ عوامی سطح پر ایسا کرنا ان کی شرمندگی کا باعث بن سکتا ہے اور یہ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کو شرمندہ نہ کرے۔ اس کے علاوہ، شرمندہ ہونے والا شخص زیادہ غصے میں آجائے گا اور اس لیے وہ اس اچھی نصیحت کو قبول کرنے کا امکان کم ہے جو انہیں دیا گیا ہے۔

ٹنگ چیزوں کو جانے دو

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال یمن میں حضرموت کے ایک شہزادے وائل بن حجر نے مدینہ آکر اسلام قبول کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر انہیں حضرموت کے دوسرے شہزادوں کا سپہ سالار مقرر کیا اور ایک مخصوص علاقہ کا انچارج مقرر کیا۔ اس نے صحابی معاویہ بن ابو سفیان کو وائل رضی اللہ عنہ کے ساتھ گھر روانہ کیا۔ معاویہ کے پاس سواری کے لیے کوئی اونٹ نہیں تھا اور وہ اپنے اونٹ پر سوار ہوتے ہوئے وائل رضی اللہ عنہ کے ساتھ چلنے پر مجبور تھے۔ اس نے وائل رضی اللہ عنہ کے پیچھے سوار ہونے کو کہا، لیکن انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ بادشاہوں کے پیچھے سواری کے قابل نہیں ہیں۔ برسوں بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اسلام کے خلیفہ بنے اور جب وائل رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے تو آپ نے ان کی بہت عزت کی اور طنزیہ انداز میں ان کو یاد دلایا کہ اس سفر میں آپ نے کیا کہا تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 108 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر، یہ واقعہ دوسروں کی غلطیوں کو نظر انداز کرنے اور معاف کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

تمام مسلمانوں کو امید ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی گزشتہ غلطیوں اور گناہوں کو ایک طرف رکھے گا، نظر انداز کرے گا اور معاف کر دے گا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انہی مسلمانوں میں سے اکثر جو اس کی امید اور دعا کرتے ہیں وہ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتے۔ مطلب، وہ اکثر دوسروں کی ماضی کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں اور انہیں اپنے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ ان غلطیوں کی طرف اشارہ نہیں ہے جن کا اثر حال یا مستقبل پر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، ڈرائیور کی وجہ سے ہونے والا کار حادثہ جو کسی دوسرے شخص کو جسمانی طور پر معذور کر دیتا ہے، ایک غلطی ہے جو حال اور مستقبل میں شکار کو متاثر کرے گی۔ اس قسم کی غلطی کو چھوڑنا اور نظر انداز کرنا سمجھنا مشکل ہے۔ لیکن بہت سے مسلمان اکثر دوسروں کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں جو کسی بھی طرح سے مستقبل کو متاثر نہیں کرتی ہیں، جیسے کہ زبانی توہین۔ اگرچہ غلطی ختم ہو چکی ہے لیکن یہ لوگ موقع ملنے پر اسے زندہ کرنے اور دوسروں کے خلاف استعمال کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ ایک انتہائی افسوسناک ذہنیت ہے جیسا کہ کسی کو سمجھنا چاہئے کہ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔ کم از کم ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ سے اپنی ماضی کی غلطیوں سے درگزر کرنے کی امید رکھتا ہے اسے دوسروں کی ماضی

کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ جو لوگ اس طرح برتاؤ کرنے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ ان کے زیادہ تر تعلقات ٹوٹ چکے ہیں کیونکہ کوئی بھی رشتہ مکمل نہیں ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اختلاف کا شکار رہیں گے جو ہر رشتے میں غلطی کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس لیے جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ تنہا ہو جائے گا کیونکہ ان کی بری ذہنیت انہیں دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کو خراب کرنے کا باعث بنتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ تنہا رہنے سے نفرت کرتے ہیں لیکن پھر بھی ایسا رویہ اپناتے ہیں جو دوسروں کو ان سے دور کرتا ہے۔ یہ منطق اور عقل کی نفی کرتا ہے۔ تمام لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ زندہ رہتے ہوئے اور ان کے انتقال کے بعد ان سے محبت اور احترام کیا جائے لیکن یہ رویہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ جب وہ زندہ ہوتے ہیں تو لوگ ان سے تنگ آ جاتے ہیں اور جب وہ مرتے ہیں تو لوگ انہیں سچے پیار اور محبت سے یاد نہیں کرتے۔ اگر وہ انہیں یاد کرتے ہیں تو یہ محض رواج سے باہر ہے۔

ماضی کو جانے دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں کے ساتھ حد سے زیادہ اچھا سلوک کرنے کی ضرورت ہے لیکن اسلام کی تعلیمات کے مطابق سب سے کم احترام کرنا ہے۔ اس میں کچھ خرچ نہیں ہوتا اور اس کے لیے تھوڑی محنت درکار ہوتی ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ درگزر کرنا سیکھے اور لوگوں کی ماضی کی غلطیوں کو جانے دیا جائے تو شاید اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی پچھلی غلطیوں کو درگزر فرمائے گا۔ باب 24 النور، آیت 22:

وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے اور اللہ اور بخشنے والا مہربان ہے۔

قیادت میں اخلاص

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال ایک خاندان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر ایک گورنر مقرر کیا ہے۔ انہوں نے گورنر پر الزام لگایا کہ وہ ان کے ساتھ منفی رویہ رکھتے ہیں کیونکہ اسلام کے آنے سے پہلے ان کے ایک دوسرے کے ساتھ مسائل تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تب تبصرہ فرمایا کہ ایک سچے مومن کے لیے حکم رکھنے میں کوئی دنیوی فائدہ نہیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 113 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ایک سچا مومن دنیاوی وجوہات کی بنا پر ان کے منصبِ اقتدار سے فائدہ نہیں اٹھائے گا۔

صحیح مسلم نمبر 4721 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ انصاف کے ساتھ کام کرنے والے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک نور کے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ اس میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے فیصلوں میں، اپنے خاندانوں کے حوالے سے اور ان کی دیکھ بھال اور اختیار کے تحت ہیں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر حال میں انصاف سے کام لیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انصاف کا مظاہرہ کرنا چاہیے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا چاہیے۔ انہیں ان تمام نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا چاہیے جو انہیں دی گئی ہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق۔ اس میں کھانے اور آرام کے اپنے حقوق کو پورا کرتے ہوئے اپنے جسم اور دماغ کے ساتھ انصاف کرنا اور ہر عضو کو اس کے حقیقی مقصد کے مطابق استعمال کرنا شامل ہے۔ اسلام مسلمانوں کو یہ نہیں سکھاتا کہ وہ اپنے جسم اور دماغ کو اپنی حدود سے باہر دھکیلیں جس سے خود کو نقصان پہنچے۔

کسی کو لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ دوسروں کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں دنیاوی چیزوں مثلاً دولت اور اختیار کے حصول کے لیے لوگوں کے ساتھ ناانصافی کرتے ہوئے اسلام کی تعلیمات پر کبھی سمجھوتہ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کا ایک بڑا سبب ہو گا اور صحیح مسلم نمبر 6579 میں ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

انہیں صرف اس صورت میں بھی رہنا چاہئے جب یہ ان کی خواہشات اور ان کے پیاروں کی خواہشات سے متصادم ہو۔ باب 4 النساء، آیت 135:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، خواہ کوئی امیر ہو یا غریب، اللہ دونوں کا زیادہ حقدار ہے، لہٰذا تم)ذاتی (میلان کی پیروی نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ انصاف کرو۔"

اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کے حقوق اور ضروریات کو پورا کرتے ہوئے اپنے محتاجوں کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے۔ سنن ابو داؤد نمبر 2928 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ اس کا ایک اہم پہلو اپنے زیر کفالت افراد کو اسلام کے بارے میں تعلیم دینا اور اس کی تعلیمات کو اپنی زندگیوں میں نافذ کرنے کی اہمیت ہے۔ انہیں نظر انداز نہیں کیا جانا چاہئے اور نہ ہی انہیں دوسروں کے حوالے کیا جانا چاہئے، جیسے کہ اسکول اور مسجد کے اساتذہ۔ کسی شخص کو یہ ذمہ داری نہیں اٹھانی چاہئے اگر وہ ان کے بارے میں انصاف کے ساتھ کام کرنے میں بہت سست ہو۔

آخر میں، کوئی بھی شخص انصاف کے ساتھ کام کرنے سے آزاد نہیں ہے، جیسا کہ کم از کم اللہ تعالیٰ اور اپنے آپ کے ساتھ انصاف کے ساتھ کام کرنا ہے۔

آزاد

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ یہ نصیحت فرمائی کہ غیر ضروری طور پر دوسروں سے بھیک مانگنے والوں کے سر میں درد اور پیٹ میں درد ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 113 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 7432 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے محبت کرتا ہے جو مخلوق سے بے نیاز ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو نبھانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ اسباب مثلاً اپنی جسمانی طاقت کو پوری طرح استعمال کرے۔ انہیں سستی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے اور لوگوں سے غیر ضروری چیزوں کی تلاش نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ عادت ان پر انحصار کا باعث بنتی ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ پر توکل کم ہوجاتا ہے۔ اس بات پر پختہ یقین رکھنا چاہیے کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے، جو کچھ بھی ان کا مقدر ہے وہ زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے ان کے لیے مختص کر دیا گیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ ایک مسلمان کو اپنے وسائل جیسے کہ اپنی جسمانی طاقت کو استعمال کرنے پر توجہ دینی چاہیے اور اس بات پر بھروسہ رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں وہی عطا کرے گا جو ان کے لیے بہتر ہے۔ مذہبی نقطہ نظر سے، کوئی شخص دوسروں پر غلط طور پر انحصار کر سکتا ہے جب وہ یہ مانے کہ کوئی شخص، جیسا کہ ایک مذہبی اور روحانی استاد، ان کی دعاؤں اور شفاعت سے دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے کافی ہے۔ یہ رویہ صرف سستی کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، جیسا کہ کسی کا ماننا ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق برتاؤ کرنے کے لیے آزاد ہیں اور پھر بھی اپنے روحانی استاد کے ذریعے دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کریں گے۔ ایک مسلمان کو اس گمراہی سے بچنا چاہیے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنا چاہیے، جن کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت حاصل تھی، پھر بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کی خوشنودی کے لیے استعمال کرتے ہوئے خلوص نیت سے اطاعت گزاری کرتے رہے۔ یہی صحیح رویہ ہے جسے اپنانا چاہیے۔

اور لوگوں کی محبت (SWT)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال ایک غیر مسلم وفد مدینہ آیا۔ ان میں سے ایک شخص عبدالرحمٰن بن ابو عقیل نے کہا کہ مدینہ تشریف لانے سے پہلے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی سے نفرت نہیں کرتے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے بعد انہوں نے آپ سے زیادہ محبت کسی سے نہیں کی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 116 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4102 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کی محبت حاصل کرنے کا طریقہ بتایا۔

ایک مسلمان اپنے دنیوی مال سے بچ کر اور اس کی خواہش کر کے لوگوں کی محبت حاصل کر سکتا ہے۔ حقیقت میں، ایک شخص دوسروں کے ساتھ صرف اس وقت منفی رویہ اختیار کرتا ہے جب وہ محسوس کرتا ہے کہ دوسرے فعال طور پر ان کے مال کی خواہش رکھتے ہیں یا جب دوسرے دنیاوی چیزوں کے لیے سرگرمی سے مقابلہ کرتے ہیں جن کی وہ خود خواہش کرتے ہیں۔ مطلب، دوسروں کے ساتھ مسابقت کے ذریعے اپنے پاس موجود چیزوں کو کھونے اور ان چیزوں کو کھونے کا خوف، جو دوسروں کے تئیں منفی جذبات کا باعث بن سکتے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان اس حدیث کے پہلے حصے پر عمل کرنے کے بجائے اپنے آپ کو مشغول کر لے تو یہ اسے ان فاضل دنیاوی چیزوں کے لیے مقابلہ کرنے سے روک دے گا جن کی دوسروں کی خواہش ہوتی ہے، کیونکہ ان خواہشات کی اکثریت غیر ضروری دنیاوی چیزوں کے لیے ہوتی ہے۔ اور اگر کوئی مسلمان دوسروں کے نفس اور مال سے اپنے نقصان کو دور رکھے جو کہ سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث کے مطابق ایک سچے مومن کی نشانی ہے تو وہ لوگوں کی محبت بھی حاصل کر لے گا۔

شفاعت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال ایک وفد اسلام قبول کرنے کے لیے مدینہ آیا۔ ایک آدمی نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے ایسی جسمانی بادشاہی کیوں نہیں مانگی جیسی حضرت سلیمان علیہ السلام نے مانگی تھی۔ باب 38 غم، آیت 35:

اس نے کہا اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسی بادشاہی عطا فرما جو میرے بعد کسی کی نہ ہو۔ بے شک تو ہی عطا کرنے والا ہے۔''

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہنس کر جواب دیا کہ شاید اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ درجہ دیا ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے مرتبے سے بلند ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر خصوصی دعا فرمائی۔ ان میں سے ہر ایک نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران اپنی خصوصی دعا کا استعمال کیا لیکن اس نے اپنی دعا کو قیامت کے دن کے لیے محفوظ کر رکھا تھا جب وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا کہ وہ اسے اپنی قوم کے حق میں شفاعت کی اجازت دے سکے۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 116 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4308 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ وہ پہلا شخص ہے جس کی شفاعت ہوگی اور وہ پہلا شخص ہے جس کی شفاعت اللہ تعالیٰ قیامت کے دن قبول فرمائے گا۔

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے لائق بنانے کی کوشش کرے، ان اعمال کو انجام دے جس کے نتیجے میں اذان کی آواز سن کر اس کے لیے دعا کرنا شامل ہے۔ سنن نسائی نمبر 679 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ گھر میں پڑھنے کے بجائے باقاعدگی سے مسجد میں پڑھے۔ سب سے بڑا عمل جو شفاعت کا باعث بنے گا وہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اس فرض سے انکار کر کے غفلت میں نہ رہے اور پھر قیامت کے دن شفاعت کی امید رکھے کیونکہ یہ خواہش مندانہ سوچ کے زیادہ قریب ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے حقیقی امید کے مقابلے میں قابل ملامت ہے اور اس کی کوئی اہمیت نہیں۔

بدقسمتی سے کچھ مسلمان جنہوں نے اس خواہش مندانہ سوچ کو اختیار کیا ہے وہ اس شفاعت کے ذریعے جنت حاصل کرنے کی امید رکھتے ہیں حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتے، اس کے احکام کی تعمیل کرتے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں۔ ان مسلمانوں کو یہ جان لینا چاہیے کہ اگرچہ شفاعت ایک حقیقت ہے کچھ مسلمان جن کی شفاعت سے ان کے عذاب میں تخفیف ہو جائے گی وہ پھر بھی جہنم میں داخل ہوں گے۔ جہنم میں ایک لمحہ بھی واقعی ناقابل برداشت ہے۔ لہٰذا خواہش مندانہ سوچ کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں عملی طور پر کوشش کرتے ہوئے سچی امید کو اپنانا چاہیے۔

زندگی کے تمام پہلوؤں میں ایمانداری

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال طارق بن عبداللہ نامی ایک شخص اور اس کے ساتھی کھجور کی خریداری کے لیے مدینہ تشریف لائے۔ جب وہ مدینہ پہنچے تو ایک اجنبی نے ان کا استقبال کیا اور ان کے سفر کے بارے میں پوچھا۔ پھر اجنبی نے کھجور کے بدلے اپنا اونٹ خریدنے کی پیشکش کی۔ طارق بیچنے پر راضی ہو گیا اور اجنبی اونٹ لے گیا اور کہا کہ وہ جلد ہی ان کے پاس کھجوریں لے آئے گا۔ جب اجنبی ان کی نظروں سے پرے چلا گیا تو انہیں شک ہونے لگا کہ انہیں قید کر دیا گیا ہے۔ لیکن ان کے ساتھ ایک خاتون نے تبصرہ کیا کہ وہ اپنے آپ کو مورد الزام نہ ٹھہرائیں کیونکہ اجنبی کا چہرہ پورے چاند سے زیادہ خوبصورت تھا اور وہ دھوکے باز نہیں لگتا تھا۔ چند لمحوں بعد وہ اجنبی دوبارہ نمودار ہوا اور ان کے سامنے اعلان کیا کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس کے بعد اس نے انہیں جتنی کھجوریں چاہیں کھانے کی دعوت دی اور وہ پورا پیمانہ لیں جس پر وہ پہلے راضی ہوئے تھے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 117 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 2146 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ تاجروں کو قیامت کے دن فاسقوں کے طور پر اٹھایا جائے گا سوائے ان لوگوں کے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، نیک عمل کرتے ہیں اور سچ بولتے ہیں۔

اس حدیث کا اطلاق ان تمام لوگوں پر ہوتا ہے جو تجارتی لین دین میں حصہ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، اس کے احکام کو بجا لاتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اس میں اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے ۔ درحقیقت، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ لوگ چاہتے ہیں کہ وہ سلوک کرے۔

کاروباری لین دین کے سلسلے میں، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی بات میں ایماندار ہو اور اس لین دین کی تمام تفصیلات اس میں شامل تمام لوگوں کو بتائے۔ صحیح بخاری نمبر 2079 میں

موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جب مسلمان مالی لین دین میں چیزوں کو چھپاتے ہیں جیسے کہ اپنے سامان میں خرابی تو یہ نعمتوں میں نقصان کا باعث بنتی ہے۔

راستبازی سے کام لینے میں دوسروں کو سامان کی ضرورت سے زیادہ ادائیگی کرکے دھوکہ دینے سے گریز کرنا شامل ہے۔ ایک مسلمان کو صرف دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ وہ ایمانداری اور پورے انکشاف کے ساتھ معنی خیز سلوک کریں۔ جس طرح ایک مسلمان مالی معاملات میں برا سلوک کرنا پسند نہیں کرے گا، اسی طرح وہ دوسروں کے ساتھ برا سلوک نہ کرے۔

نیک عمل کرنے میں اسلام اور زمین کے قانون میں زیر بحث غیر قانونی طریقوں سے بچنا شامل ہے۔ اگر کوئی اپنے ملک کے کاروباری قوانین سے خوش نہیں ہے تو اسے وہاں کاروبار نہیں کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ، نیک عمل کرنے میں یہ بھی شامل ہے کہ کسی کی کاروباری کامیابی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے استعمال کیا جائے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ ان کا کاروبار اور دولت دونوں جہانوں میں ان کے لیے سکون اور سکون کا ذریعہ بن جائے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

لیکن جو لوگ اپنی کاروباری کامیابی کا غلط استعمال کرتے ہیں وہ پائیں گے کہ یہ ان کے تناؤ اور پریشانی کا باعث بنتا ہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو بھول چکے ہیں، جس نے انہیں کامیابی عطا کی تھی۔ باب 20 طٰہٰ، آیت 124:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے" قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔"

کاروبار کرنے والوں کو ہمیشہ جھوٹ بولنے سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ بے حیائی کی طرف لے جاتا ہے اور فانی جہنم میں لے جاتا ہے۔ درحقیقت ایک شخص جھوٹ بولتا اور اس پر عمل کرتا رہے گا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا درج نہ ہو جائے۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

مخالف مسیح کی کہانی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال میں تمیم الداری رضی اللہ عنہ نامی ایک صحابی مدینہ تشریف لائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے عجیب سفر کے بارے میں بتایا۔ تمیم رضی اللہ عنہ ایک جہاز پر سفر کر رہے تھے جب وہ راستہ سے اڑ گیا۔ عملے کو ایک نامعلوم جزیرے پر ڈالا جا رہا تھا۔ وہ پینے کے پانی کی تلاش میں جہاز سے نکلے اور آخرکار ایک آدمی سے ملے جو زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ قیدی نے ان سے پوچھا کہ یہ کون ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ عرب ہیں۔ قیدی نے ان سے پوچھا کہ کیا کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا اعلان کرتا ہوا آیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایسا ہوا ہے اور لوگ اس پر ایمان لے رہے ہیں، اس کی پیروی کر رہے ہیں اور اسے سچا سمجھ رہے ہیں۔ قیدی نے تبصرہ کیا کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے۔ اس کے بعد حجاز میں عین زر کے مقام کی خبر پوچھی۔ آدمیوں نے اسے بتایا اور قیدی بہت خوش ہو گیا۔ اس کے بعد قیدی نے پوچھا کہ کیا ال یمامہ میں واقع بایسن میں کھجوریں پھل دے رہی ہیں؟ مردوں نے جواب دیا کہ وہ ہیں اور وہ پھر سے خوش ہو گیا۔ قیدی نے آخر میں تبصرہ کیا کہ اگر اسے ایسا کرنے کی اجازت دی گئی تو وہ طیبہ کی زمین کے علاوہ زمین کا سفر کرے گا۔ تمیم رضی اللہ عنہ نے یہ قصہ سنایا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا کہ قیدی مخالف مسیح اور طیبہ کی سرزمین مدینہ تھی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 119 میں بحث کی گئی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سنن ابن ماجہ نمبر 4077 میں موجود ایک حدیث میں مخالف مسیح کی آزمائش کو مسلمانوں کو زمین پر اپنی زندگی کے دوران سب سے بڑی آزمائش کے طور پر بیان کیا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو مستقبل کے اس واقعے سے کچھ اہم سبق سیکھنا چاہیے۔ پہلا مضبوط ایمان رکھنے کی اہمیت ہے۔ کمزور ایمان والے ہی اس سے گمراہ ہوں گے۔ مضبوط ایمان انتہائی ضروری ہے کیونکہ یہ ہر آزمائش یا مشکل کے خلاف ایک ہتھیار ہے جس کا سامنا زندگی کے دوران ہوتا ہے۔ پختہ ایمان رکھنے والا ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہر مشکل کو ثواب اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی سے دور کرتا ہے کیونکہ وہ اس طرز عمل کو سمجھتے ہیں جس کا انہیں ہر حال میں مظاہرہ کرنا چاہیے۔ جبکہ کمزور عقیدہ رکھنے والے آسانی سے گمراہ ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے دور ہو جاتے ہیں، ان آزمائشوں اور آزمائشوں سے جن کا ان کی زندگی میں سامنا کرنا پڑتا ہے بالکل اسی طرح جیسے کمزور ایمان والے مخالف مسیح سے گمراہ ہو جاتے ہیں۔ باب 22 الحج، آیت 11:

اور لوگوں میں سے کوئی وہ ہے جو اللہ کی عبادت کنارے پر کرتا ہے، اگر اسے کوئی بھلائی" پہنچتی ہے تو اسے تسلی ملتی ہے، اور اگر اسے کوئی آزمائش آتی ہے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے، اس "نے دنیا اور آخرت کو کھو دیا، یہی صریح نقصان ہے۔

مضبوط ایمان حاصل کرنے کا بہترین طریقہ اسلامی علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ اس سے ایک مسلمان آزمائشوں اور آزمائشوں کی وجہ اور حکمت کو سمجھ سکے گا۔ اس کے نتیجے میں وہ ان پر کامیابی سے قابو پا سکیں گے۔

اس عظیم واقعہ سے سیکھنے کی دوسری چیز مشکوک چیزوں سے بچنے کی اہمیت ہے۔ جس طرح ایک شخص جو کسی سرحد کے قریب سے سفر کرتا ہے اس کے اسے عبور کرنے کا زیادہ امکان ہوتا ہے اسی طرح ایک مسلمان جو فتنوں میں گھرا ہوا ہے اس کے گمراہ ہونے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ جو ان جگہوں اور چیزوں سے بچتا ہے جو اسے گناہوں کی طرف مائل کرتی ہیں وہ اس کے ایمان اور عزت کی حفاظت کرے گا۔ یہ نصیحت جامع ترمذی نمبر 1205 میں موجود ایک حدیث میں دی گئی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے ایمان کی حفاظت کریں اور ان چیزوں، جگہوں اور لوگوں سے بچیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے ہیں یا فتنہ میں ڈالتے ہیں اور ان کے زیر کفالت افراد جیسا کہ ان کے بچے بھی ایسا کرتے ہیں۔

اپنے آپ کو پسند کرنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال بنو اسد کا ایک وفد اسلام قبول کرنے کے لیے مدینہ آیا۔ ان کے کمانڈر نے ایک تبصرہ کیا جس میں یہ تجویز کیا گیا کہ وہ اسلام قبول کرکے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان کر رہے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ الحجرات آیت نمبر 49 نازل فرمائی:

"وہ تم پر احسان سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے، کہہ دو کہ تم اپنے اسلام کو مجھ پر احسان نہ سمجھو۔ بلکہ اللہ نے تم پر احسان کیا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی طرف رہنمائی کی ہے اگر تم سچے ہو۔"

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 120 میں بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ لوگوں کو اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کریں جو انہیں اسلامی تعلیمات میں بیان کی گئی ہیں تاکہ وہ متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کریں اور ہر چیز اور ہر ایک کو صحیح طریقے سے اپنی زندگی کے اندر رکھیں اور روزِ قیامت اپنے احتساب کے لیے مناسب تیاری کریں۔ لہٰذا یہ طرز عمل دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنے گا۔ اللہ تعالیٰ کو نہ تو لوگوں کی اطاعت سے کوئی فائدہ پہنچتا ہے اور نہ ہی ان کی نافرمانی سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان پہنچتا ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 7:

]اور کہا[، "اگر تم نیکی کرو گے تو اپنے لیے بھلائی کرو گے۔ اور اگر تم برائی کرتے ہو تو اپنے ہی ساتھ کرتے ہو۔"

لہٰذا ایک متکبرانہ رویہ اختیار کرنے سے گریز کرنا چاہیے جس کے ذریعے وہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے اس کا احسان کر رہے ہیں۔ یہ تکبر انہیں اسی وقت گمراہ کرے گا جب ان کی خواہشات اسلامی تعلیمات سے متصادم ہوں گی۔ یہ احمق بالکل اس نادان مریض کی طرح ہے جو ایسا برتاؤ کرتا ہے جیسے وہ اپنے ڈاکٹر کے مشورے سن کر اور اس پر عمل کر کے ان پر احسان کر رہا ہو۔ یہ نادان مریض جب بھی ان کی خواہشات کے خلاف ہوتا ہے تو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو نظر انداز کر دیتا ہے جس سے انہیں نقصان ہی ہوتا ہے۔ اس کے بجائے کسی کو ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو سمجھتا ہے کہ ان کا ڈاکٹر ان کی مدد کر رہا ہے اور اس لیے ان کے طبی مشورے پر اپنی خاطر عمل کرے۔

جہاں عظمت مضمر ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال ایک وفد مدینہ آیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بڑے بڑے تحفے عطا فرمائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ایک نوجوان سے پوچھا کہ وہ کون سا تحفہ چاہتا ہے؟ نوجوان نے جواب دیا کہ میں چاہتا ہوں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا کریں، ان کی مغفرت فرمائیں، رحمت عطا فرمائیں اور ان کے دل میں دولت یعنی قناعت رکھ دیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی حاجت پوری فرمائی اور نوجوان سب سے زیادہ متقی اور متقی بن گئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 127 میں بحث کی گئی ہے۔

عظمت اور حقیقی کامیابی کا تعلق دنیاوی چیزوں سے نہیں ہے، جیسے کہ دولت یا شہرت۔ انسان کو ان چیزوں کے ذریعے دنیاوی کامیابی حاصل ہو سکتی ہے لیکن تاریخ کے اوراق پلٹیں تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس قسم کی کامیابی بہت عارضی ہوتی ہے اور آخرکار انسان کے لیے بوجھ اور ندامت بن جاتی ہے۔ ایک مسلمان کو ہرگز یہ نہیں ماننا چاہیے کہ برتری ان چیزوں میں مضمر ہے اور اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے لیے اپنے فرائض سے غفلت برتتے ہوئے انہیں حاصل کرنے کے لیے خود کو وقف کر دیتی ہے۔ اور نہ ہی انہیں دوسروں کو نیچا دیکھنا چاہئے جن کے پاس یہ دنیاوی چیزیں نہیں ہیں یہ سمجھتے ہوئے کہ ان کی کوئی قدر و اہمیت نہیں ہے کیونکہ یہ رویہ اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 6071 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت فرمائی ہے کہ اہل جنت وہ ہیں جنہیں معاشرہ حقیر سمجھتا ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اگر انہوں نے کسی چیز پر قسم کھائی تو اللہ تعالیٰ اس کو پورا کرے گا۔

دنیا اور آخرت میں حقیقی عزت، کامیابی اور عظمت صرف تقویٰ میں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کرنے کی جس قدر خلوص نیت سے کوشش کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، وہ معاشرے کے لیے حقیر ہی کیوں نہ ہوں۔ باب 49 الحجرات آیت 13:

’’بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے‘‘۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ اس میں حقیقی کامیابی تلاش کرے اور دنیاوی چیزوں میں اس کی تلاش میں اپنا وقت اور محنت ضائع نہ کرے۔ یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے جو انہیں اسلامی تعلیمات میں بیان کی گئی ہیں۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کریں گے اور قیامت کے دن اپنے احتساب کے لیے مناسب تیاری کرتے ہوئے ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں درست طریقے سے رکھیں گے۔ لہذا یہ طرز عمل دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنے گا۔ ذہنی سکون حاصل کرنا ہی حقیقی کامیابی ہے جیسا کہ شہرت، دولت، اختیار، خاندان، دوست اور کیریئر، کی اہمیت صرف اسی وقت ہوتی ہے جب کسی کے پاس ذہنی سکون ہو۔ یہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب کوئی ان لوگوں کو دیکھتا ہے جن کے پاس دنیاوی چیزیں ہیں لیکن پھر بھی ان کے پاس ذہنی سکون نہیں ہوتا۔ لہٰذا، انسان کو حقیقی کامیابی کی تلاش کرنی چاہیے، جو کہ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرکے جو اسلامی تعلیمات میں بیان کی گئی ہیں، ذہنی سکون حاصل کرنے میں مضمر ہے، ورنہ وہ دونوں جہانوں میں خسارے میں ہوں گے، خواہ ان کے پاس بہت سی دنیاوی چیزیں ہوں۔ باب 18 الکہف، آیات 103-104:

’’کہہ دو، کیا ہم تمہیں ان کے اعمال کے لحاظ سے سب سے بڑے خسارے میں رہنے والوں کے بارے میں بتائیں؟ وہ لوگ ہیں جن کی محنت دنیاوی زندگی میں ضائع ہو جاتی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ کام میں اچھا کر رہے ہیں۔"

سچی عقیدت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال ایک غیر مسلم وفد مدینہ آیا اور اسلام قبول کیا۔ ان کے سابقہ عقیدے کے مطابق انہیں ایک مخصوص قسم کا گوشت کھانے سے منع کیا گیا تھا جو اسلام میں حلال تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس گوشت کو پکا کر اپنے پیشوا کو پیش کیا اور فرمایا کہ جب تک وہ کھانا نہ کھائیں تمہارا ایمان مکمل نہیں ہو گا۔ قائد نے کچھ ہچکچاہٹ ظاہر کرنے کے باوجود گوشت کھایا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 127 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ ہدایت کے دو منابع پر سختی سے عمل کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے :قرآن کریم اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات، اور دینی علم کے دیگر تمام ذرائع سے اجتناب کرنا، خواہ یہ نیک اعمال کی طرف لے جائے۔

سنن ابو داؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ ہر وہ معاملہ جس کی بنیاد اسلام پر نہ ہو اسے رد کر دیا جائے گا۔

اگر مسلمان دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں دائمی کامیابی چاہتے ہیں تو انہیں قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر سختی سے عمل کرنا چاہیے۔ اگر چہ بعض اعمال جو براہ راست ہدایت کے ان دو ذرائع سے نہیں کیے گئے ہیں ان کو پھر بھی اعمال صالحہ قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن ان دونوں ذرائع کو ہدایت کے تمام چیزوں پر ترجیح دینا ضروری ہے۔ درحقیقت انسان ان دو ذرائع سے نہ لینے والی چیزوں پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، خواہ وہ اعمال صالحہ ہی کیوں نہ ہوں، ہدایت کے ان دو ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ کتنے مسلمانوں نے اپنی زندگیوں میں ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے جن کی رہنمائی کے ان دو ذرائع میں کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اگر یہ ثقافتی عادات گناہ نہیں ہیں، تب بھی انہوں نے مسلمانوں کو ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے سے روک دیا ہے، کیونکہ وہ اپنے طرز عمل سے مطمئن ہیں۔ یہ ہدایت کے دو ذرائع سے ناواقفیت کا باعث بنتا ہے جس کے نتیجے میں گمراہی ہی ہوتی ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھے اور ان پر عمل کرے جو راہنمائی کے رہنماوں نے قائم کیے ہیں اور اس کے بعد اگر اس کے پاس وقت اور توانائی ہو تو دوسرے رضاکارانہ اعمال پر عمل کرے۔ لیکن اگر وہ جہالت اور من گھڑت کاموں کا انتخاب کریں، خواہ وہ گناہ ہی کیوں نہ ہوں، ان دو ذرائع ہدایت پر سیکھنے اور ان پر عمل کرنے سے وہ کامیاب نہیں ہوں گے۔

آخر کار جب کوئی ایسے کام کرنے پر لگا رہتا ہے جو ہدایت کے دو ذرائع سے براہِ راست جڑے نہیں ہوتے، جہالت کی وجہ سے وہ آسانی سے ایسے عمل اور عقائد میں پڑ جاتے ہیں جو اسلامی علم سے متصادم ہوتے ہیں۔ یہ مسلمان کو گناہوں اور گمراہی کے راستے پر لے جاتا ہے جبکہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ صحیح راہ پر ہیں۔ جو جانتا ہے کہ وہ کھو چکے ہیں وہ دوسروں کی طرف سے مشورہ دینے پر اپنی سمت کو قبول کرنے اور تبدیل کرنے کا امکان ہے۔ لیکن جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ صحیح راستے پر ہیں وہ اپنی سمت کو تبدیل کرنے اور درست کرنے کا بہت زیادہ امکان نہیں رکھتا ہے، یہاں تک کہ جب انہیں علم اور واضح ثبوت کے حامل دوسرے لوگوں کی طرف سے تنبیہ کی گئی ہو۔ اس نتیجہ سے بچنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہدایت کے دو ذرائع میں پائے جانے والے علم کو حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے اور دوسرے اعمال سے گریز کیا جائے، خواہ وہ اچھے کام ہی کیوں نہ ہوں۔

سچا عقیدہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال اسلام قبول کرنے کے بعد ایک وفد مدینہ آیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ وہ کیا ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ مومن ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے جواب دیا کہ ہر سچے قول کی تائید ثبوت سے ہوتی ہے تو ان کے بیان اور ایمان کے دعویٰ کی کیا دلیل تھی؟ انہوں نے جواب دیا کہ پندرہ چیزیں ہیں جن پر انہوں نے عمل کیا۔ پانچ چیزیں جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندوں نے انہیں ایمان لانے کا حکم دیا، پانچ چیزیں جن پر عمل کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا اور پانچ چیزیں جو انہوں نے اسلام قبول کرنے سے پہلے خود پیدا کی تھیں جنہیں وہ صرف اس صورت میں چھوڑیں گے جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا حکم دیں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے ان پندرہ چیزوں کے نام رکھنے کو کہا۔ انہوں نے جواب دیا کہ انہیں جن پانچ چیزوں پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے وہ یہ ہیں کہ اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، ان پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاؤ۔ ان کو جن پانچ چیزوں پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا وہ یہ تھے کہ زبانی اعلان کریں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، فرض نمازیں ادا کریں، فرض صدقہ کریں، رمضان کے روزے رکھیں اور استطاعت ہو تو حج کریں۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے جو آخری پانچ چیزیں انہوں نے خود پیدا کیں وہ خوشحالی کے وقت شکر گزاری، مشکل کے وقت بردباری، تقدیر کے ہر کام پر راضی رہنا، اجتماعات میں سچا ہونا اور دشمنوں کو برا بھلا کہنے سے پرہیز کرنا تھیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر ان کی بہت تعریف فرمائی اور پھر ان کو مزید پانچ چیزیں بتائیں جن پر عمل کر کے کل بیس بنانے چاہئیں۔ اس نے ان سے کہا کہ وہ اسے جمع نہ کریں جو وہ خود استعمال نہیں کریں گے، جس چیز کو وہ آباد نہیں کریں گے اس کی تعمیر نہ کریں، اس چیز کے لیے مقابلہ نہ کریں جس کو وہ جلد ہی اس دنیا میں چھوڑ جائیں گے، ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے ڈریں، جس کی طرف وہ آخرت میں واپس جائیں گے اور جس کے سامنے آنے سے پہلے وہ اس مقام کی طرف بڑھیں گے اور اس کے نام پر ہمیشہ رہیں گے۔ اس کے بعد وفد مدینہ سے چلا گیا اور اس مشورے پر عمل کر کے عملاً اپنا ایمان ثابت کر دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 128 میں بحث کی گئی ہے۔

بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا عقیدہ اور اپنے خدا کی اطاعت ان کے دلوں میں ہے اس لیے انہیں عملی طور پر اس کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بدقسمتی سے، اس احمقانہ ذہنیت نے بہت سے مسلمانوں کو متاثر کیا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایک خالص وفادار دل کے مالک ہیں حالانکہ وہ اسلام کے واجبات کو ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر

اعلان فرمایا ہے کہ جب کسی کا دل پاک ہوتا ہے تو جسم بھی پاک ہوتا ہے یعنی اس کے اعمال درست ہوجاتے ہیں۔ لیکن اگر کسی کا دل فاسد ہو تو جسم فاسد ہو جاتا ہے یعنی اس کے اعمال فاسد اور غلط ہوں گے۔ لہٰذا جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اپنے فرائض کو عملی طور پر ادا نہیں کرتا وہ کبھی بھی پاک دل نہیں ہوسکتا۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا عملی طور پر مظاہرہ کرنا ان کا ثبوت اور شہادت ہے جو قیامت کے دن جنت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے۔ اس عملی ثبوت کا نہ ہونا اتنا ہی احمقانہ ہے جتنا ایک طالب علم جو اپنے استاد کو خالی امتحانی پرچہ واپس دے دیتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ ان کا علم ان کے ذہن میں ہے اس لیے انہیں امتحان کے سوالات کے جوابات دے کر اسے لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلاشبہ یہ طالب علم جس طرح ناکام ہو گا اسی طرح وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بغیر، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرنے کی صورت میں قیامت تک پہنچے گا، خواہ اس کے دل میں ایمان ہی کیوں نہ ہو۔

یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جسے پھلنے پھولنے اور ،آخر میں زندہ رہنے کے لیے فرمانبرداری کے عمل سے پرورش پانی چاہیے۔ جس طرح ایک پودا جو سورج کی روشنی جیسی پرورش حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے وہ مر جائے گا، اسی طرح اس شخص کا ایمان بھی فوت ہو سکتا ہے جو اس کی پرورش اطاعت کے ساتھ نہیں کرتا۔ یہ سب سے بڑا نقصان ہے۔

امن کا سلام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے نویں سال، الصادف کے ایک مسلمان وفد نے مدینہ کا دورہ کیا۔ وہ مسجد نبوی میں داخل ہوئے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے منبر پر خطبہ دے رہے تھے۔ سلام کا اسلامی سلام دیے بغیر بیٹھ گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیا وہ مسلمان ہیں جس کا انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ اس کے بعد انہوں نے پوچھا کہ کیا وہ سلام کا اسلامی سلام کہیں گے؟ انہوں نے کھڑے ہو کر سب کو سلام کا اسلامی سلام پیش کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 129 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 12 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام میں پائے جانے والے ایک اچھے معیار کی نصیحت کی۔ یعنی سلام کا اسلامی سلام ان لوگوں تک پہنچانا جن کو وہ جانتا ہے اور جن کو وہ نہیں جانتے۔

اس اچھی خصوصیت پر عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ آج کل کے مسلمان اکثر صرف ان لوگوں ،کو امن کا اسلامی سلام پھیلاتے ہیں جنہیں وہ جانتے ہیں۔ اسے سب تک پہنچانا ضروری ہے کیونکہ اس سے لوگوں کے درمیان محبت پیدا ہوتی ہے اور اسلام مضبوط ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ خصوصیت صحیح مسلم نمبر 194 میں موجود حدیث کے مطابق جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ دوسرے مسلمانوں سے صرف مصافحہ کرنے کی بُری عادت سے بچنا چاہیے اور ان کو سلام کا سلام پیش کیے بغیر۔ صلح کا زبانی سلام صرف مصافحہ کرنے سے زیادہ اہم ہے۔

ایک مسلمان کو یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ وہ دوسروں کو بھیجے جانے والے ہر سلام کے لیے کم از کم دس انعامات حاصل کریں گے، چاہے دوسرے ان کا جواب نہ دیں۔ سنن ابوداؤد نمبر 5195 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی زبانی اور جسمانی اذیت کو لوگوں اور ان کے مالوں سے دور رکھ کر اپنی دوسری تقریروں اور افعال میں اس امن کا مظاہرہ کرتے ہوئے سلامتی کے اسلامی سلام کو صحیح طریقے سے پورا کرے۔ یہ دراصل سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث کے مطابق سچے مسلمان اور مومن کی تعریف ہے۔ کوئی شخص کسی کو سلام کرے اور پھر اپنے قول و فعل سے اسے نقصان پہنچائے۔ درحقیقت یہ رویہ دوسروں کو سلام کا پیغام پہنچانے کے مقصد سے انکار کرتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو اختیار دیا گیا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے نویں سال، بعض علاقوں کی فتح کے بعد اسلام کے لیے چیزیں آسان ہو گئیں۔ نتیجتاً، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض ازواجِ مطہرات نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ خواہش کی کہ وہ اپنی دنیاوی زندگی کو زیادہ آرام دہ بنا دیں۔ انہوں نے اس طرح برتاؤ کیا جیسا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشاہدہ کرنے، آرام دہ زندگی گزارنے کی خواہش رکھتے تھے۔ وہ دنیا کی شان و شوکت کی خواہش نہیں رکھتے تھے کیونکہ ان میں سے کسی نے بھی اللہ تعالیٰ کی اس پیشکش کو قبول نہیں کیا جو باب 33 الاحزاب آیت 28-29 میں نازل ہوئی ہے:

اے نبیؐ، اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ، میں" تمہیں کچھ دے دوں گا اور تمہیں بخوشی رخصت کر دوں گا۔ لیکن اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کا گھر چاہتے ہو تو یقیناً اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والوں کے لیے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

تفسیر ابن کثیر، جلد 7، صفحہ 672-675، اور صحیح مسلم، نمبر 3690 اور جامع ترمذی، نمبر 3204 میں موجود احادیث میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ، وہ صرف کچھ سکون چاہتے تھے کیونکہ وہ سب انتہائی غربت میں رہ رہے تھے۔ مثال کے طور پر تین مہینے اکثر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھروں کے بغیر گزر جاتے، کھانا پکانے کے لیے آگ جلاتے۔ وہ اس کے بجائے کھجور اور پانی پر زندہ رہیں گے۔ صحیح بخاری نمبر 6459 کی ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

لہٰذا مسلمانوں کو ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مادی دنیا کی آسائشوں پر آخرت کو ترجیح دینا اور اس کی تیاری کرنی چاہیے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو صرف ایک دل دیا ہے۔ اس لیے اس کے اندر دو متضاد چیزیں بیک وقت نہیں رہ سکتیں جس طرح آگ اور برف ایک برتن میں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ یہ اسی طرح ہے کہ کس طرح مشرق کی طرف جانے والا مسافر لامحالہ مغرب سے مزید دور جاتا ہے۔ اسی طرح آخرت اور مادی دنیا دو متضاد ہیں۔ اس لیے وہ ایک ہی وقت میں کسی ایک شخص کے دل میں نہیں رہ سکتے۔ مادی دنیا سے جتنی زیادہ محبت اور عملی طور پر کوشش کرے گا وہ آخرت کے لیے اتنی ہی کم محبت اور عملی طور پر کوشش کرے گا۔ یہ ایک ناگزیر حقیقت ہے۔ ایک مسلمان کو یہ یقین کرنے میں خود کو بیوقوف نہیں بنانا چاہئے کہ یہ ممکن ہے۔ دونوں کبھی ایک دل میں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ ایک ہمیشہ دوسرے پر غالب آئے گا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی یہ مانتا ہے کہ وہ اس مادی دنیا کی حلال زیادتی میں ملوث ہو سکتا ہے تو اسے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ سب سے پہلے یہ ان کی آخرت کی تیاری سے توجہ ہٹا دے گا۔ دوسری بات یہ کہ یہ ان کو حرام سے اتنا قریب کر دے گا کیونکہ حلال چیزوں میں مشغول ہونا عموماً حرام اور گناہوں کی طرف پہلا قدم ہوتا ہے۔ اس ذہنیت سے بچنے والا اپنے ایمان اور عزت کی حفاظت کرے گا۔ اس کی طرف جامع ترمذی نمبر 1205 میں موجود حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 87 الاعلیٰ، آیات 16-17:

"لیکن تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، جب کہ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔"

اس کے علاوہ، کسی کو یہ سمجھنا چاہیے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے کوشش کریں گے، اسلامی تعلیمات میں بیان کردہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہوئے، تب وہ ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کر لیں گے اور قیامت کے دن اپنے احتساب کے لیے مناسب تیاری کرتے ہوئے ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں درست طریقے سے جگہ دیں گے۔ لہٰذا یہ طرز عمل دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنے گا۔ جبکہ فضول دنیاوی عیش و عشرت میں مشغول رہنے والا لازماً ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو انہیں دی گئی ہیں، چاہے وہ گناہ ہی کیوں نہ کرے۔ ان کا یہ رویہ ان کو ایک غیر متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرنے کا سبب بنے گا، اس کی وجہ سے وہ اپنی زندگی میں ہر چیز اور ہر چیز کو غلط جگہ دیں گے اور انہیں قیامت کے دن اپنے احتساب کے لیے مناسب تیاری کرنے سے روکیں گے۔ اس لیے

دنیاوی آسائشوں میں مشغول ہونا دونوں جہانوں میں سکون قلب حاصل کرنے سے روکتا ہے۔ چونکہ ذہنی سکون تمام دنیوی چیزوں کو اہمیت دیتا ہے، جیسے شہرت، دولت، اختیار، خاندان، دوست احباب اور کیریئر، اس لیے انسان کو دنیاوی آسائشوں میں مشغول ہونے پر ذہنی سکون حاصل کرنے کو ترجیح دینی چاہیے، چاہے وہ جائز ہی کیوں نہ ہوں۔ اس لیے ایک شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے مفاد کے لیے اسلامی تعلیمات کو قبول کرے اور اس پر عمل کرے، چاہے وہ اس کی خواہشات کے خلاف ہو۔ انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے ڈاکٹر کے طبی مشورے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے، حالانکہ انہیں کڑوی دوائیں تجویز کی گئی ہیں اور ایک سخت خوراک کا منصوبہ ہے۔ جس طرح یہ عقلمند مریض اچھی ذہنی اور جسمانی صحت حاصل کرے گا، اسی طرح وہ شخص جو اسلامی تعلیمات کو قبول کرے گا اور اس پر عمل کرے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف وہی علم رکھتا ہے جس کے پاس اس بات کو یقینی بنانے کے لیے ضروری ہے کہ انسان ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کو حاصل کرے اور ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں صحیح طور پر رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ ہے۔ معاشرے میں موجود انسانوں کی ذہنی اور جسمانی حالتوں کا علم اس نتیجے کو حاصل کرنے کے لیے کبھی بھی کافی نہیں ہو گا، تمام تر تحقیق کے باوجود، کیونکہ وہ اپنی زندگی کے ہر مسئلے کو حل نہیں کر سکتے، ان کے مشورے ہر قسم کے ذہنی اور جسمانی تناؤ سے بچنے کا باعث نہیں بن سکتے اور نہ ہی ان کی نصیحتیں محدود علم، تجربے اور کم علمی کی وجہ سے اپنی زندگی میں ہر چیز کو صحیح طریقے سے اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں رکھنے کا باعث بن سکتی ہیں۔ یہ علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اس نے اسے قرآن مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی صورت میں انسانوں کو عطا کیا ہے۔ یہ حقیقت اس وقت عیاں ہوتی ہے جب کوئی ان لوگوں کو دیکھتا ہے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق عطا کی گئی نعمتوں کو استعمال کرتے ہیں اور جو نہیں کرتے۔ اگرچہ، زیادہ تر معاملات میں، مریض اپنی تجویز کردہ دوائیوں کے پیچھے سائنس کو نہیں سمجھتے اور اس لیے اپنے ڈاکٹر پر اندھا اعتماد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ لوگوں کو اسلام کی تعلیمات پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے تاکہ وہ اپنی زندگی پر اس کے مثبت اثرات کو سمجھ سکیں۔ وہ لوگوں سے یہ توقع نہیں کرتا کہ وہ اسلام کی تعلیمات پر اندھا اعتماد کریں بلکہ وہ چاہتا ہے کہ وہ اس کی سچائی کو اس کے واضح دلائل سے پہچانیں۔ لیکن اس کے لیے انسان کو اسلام کی تعلیمات سے رجوع کرتے ہوئے غیر جانبدارانہ اور کھلے ذہن کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ باب 12 یوسف، آیت 108:

"کہو، "یہ میرا راستہ ہے؛ میں اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ دعوت دیتا ہوں، میں اور وہ لوگ جو میری پیروی کرتے ہیں..."

اس کے علاوہ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی لوگوں کے روحانی دلوں کو کنٹرول کرتا ہے، ذہنی سکون کا گھر، وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کون اسے حاصل کرتا ہے اور کس کو نہیں۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے‘‘۔’’

اور یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کو ذہنی سکون دے گا جو اس کی عطا کردہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔

ہجرت کے بعد 10 واں سال

نظر انداز کرنا اور معاف کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال اسلام قبول کرنے کے بعد ایک وفد مدینہ آیا۔ یہ قبیلہ ایسے مردوں پر مشتمل تھا جنہوں نے اسلام قبول کرنے سے پہلے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حج کے موسموں میں انتہائی سخت اور بدتمیزی کا برتاؤ کیا تھا جن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ ہجرت سے قبل لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے میں شریک ہوتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان آدمیوں میں سے ایک کو پہچانا جنہوں نے اس کے ساتھ ناروا سلوک کیا، پھر بھی اس پر کوئی تنقید نہیں کی۔ اس پر ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 122 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اپنی ذات سے بدلہ نہیں لیا بلکہ معاف کر دیا اور نظر انداز کیا۔

مسلمانوں کو مناسب اور معقول طریقے سے اپنا دفاع کرنے کی اجازت دی گئی ہے جب ان کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں بچا ہے۔ لیکن انہیں کبھی بھی لائن سے اوپر نہیں جانا چاہئے کیونکہ یہ ایک گناہ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 190:

’’اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہ کرو، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔‘‘

چونکہ نشان پر قدم رکھنے سے بچنا مشکل ہے، اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ صبر کی پابندی کرے، دوسروں کو نظر انداز کرے اور معاف کرے کیونکہ یہ نہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف ان کے گناہوں کو معاف کرنے کی طرف لے جاتی ہے۔ باب 24 النور، آیت 22:

''اور وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا آپ پسند نہیں کریں گے کہ اللہ آپ کو معاف کر دے؟''

دوسروں کو معاف کرنا دوسروں کے کردار کو مثبت انداز میں بدلنے میں بھی زیادہ موثر ہے، جو کہ اسلام کا مقصد ہے اور مسلمانوں پر فرض ہے، کیونکہ بدلہ لینے سے ملوث افراد کے درمیان مزید دشمنی اور غصہ پیدا ہوتا ہے۔

جو لوگ دوسروں کو معاف نہ کرنے کی بری عادت رکھتے ہیں اور معمولی باتوں پر بھی ہمیشہ رنجشوں میں مبتلا رہتے ہیں، وہ اچھی طرح جان سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ ان کے ہر چھوٹے گناہ کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چیزوں کو جانے دینا سیکھنا چاہئے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں بخشش کا باعث بنتا ہے۔ اس کے علاوہ، ذہنی سکون اس وقت ختم ہو جاتا ہے جب کوئی شخص ہر اس چھوٹے سے مسئلے کو پکڑنے کی عادت اپنا لیتا ہے جو اسے پریشان کرتا ہے۔ لہذا، دوسروں کو نظر انداز کرنا اور معاف کرنا سیکھنا چھوٹے موٹے مسائل کو چھوڑنے میں مدد کرتا ہے، جس کے نتیجے میں انہیں ذہنی سکون حاصل کرنے میں مدد ملتی ہے۔

آخر میں، اہم حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جب دوسرے لوگ لائن کو عبور کریں تو کسی کو اپنا دفاع نہیں کرنا چاہئے، جیسا کہ اسلام بغیر کسی کمزوری کے عاجزی کا درس دیتا ہے۔ اس کے علاوہ، یہاں تک کہ جب کوئی دوسروں کو معاف کرتا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ان پر اندھا اعتماد کریں یا ان کے ساتھ ہمیشہ کی طرح سماجی تعلقات جاری رکھیں۔ اس سے ان کے دوبارہ غلط ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں کو معاف کرنا چاہیے، اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے حقوق ادا کرنے چاہئیں، اور ماضی میں ان لوگوں کے

ساتھ پیش آنا چاہیے جنہوں نے ان پر ظلم کیا ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ تاریخ اپنے آپ کو نہ دہرائے اور وہ دونوں جہانوں میں برکتیں اور انعامات حاصل کریں۔

دشمنوں پر قابو پانا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں، آپ نے ایک گروہ جس کی قیادت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کر رہے تھے، ایک غیر مسلم قبیلہ بنو الحارث بن کعب کی طرف روانہ کیا، تاکہ انہیں اسلام کی دعوت دیں۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور پھر ان کا ایک وفد مدینہ آیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے انہوں نے اپنے دشمنوں پر کیسے ثابت قدمی سے غلبہ حاصل کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ انہوں نے متحد رہ کر اور کبھی کسی کے ساتھ ناانصافی شروع نہ کر کے یہ حاصل کیا۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 135 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6541 میں موجود ایک حدیث میں معاشرے کے اندر اتحاد پیدا کرنے کے بعض پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے حسد نہ کرنے کی تلقین کی۔

یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص اس نعمت کو حاصل کرنے کی خواہش کرتا ہے جس کا کوئی دوسرا معنی رکھتا ہے، وہ اس نعمت سے محروم ہونے کی خواہش کرتا ہے۔ اور اس میں اس حقیقت کو ناپسند کرنا شامل ہے کہ مالک کو اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے یہ نعمت دی تھی۔ کچھ صرف یہ چاہتے ہیں کہ یہ ان کے دلوں میں پیدا ہو جائے بغیر ان کے عمل یا تقریر کے ذریعہ۔ اگر وہ اپنے خیالات اور احساسات کو ناپسند کرتے ہیں، تو امید ہے کہ وہ ان کی حسد کے لئے جوابدہ نہیں ہوں گے .بعض اپنے قول و فعل کے ذریعے دوسرے شخص سے نعمت چھیننے کی کوشش کرتے ہیں جو کہ بلا شبہ گناہ ہے۔ بدترین قسم وہ ہے جب کوئی شخص نعمت کو مالک سے دور کرنے کی کوشش کرے خواہ حسد کرنے والے کو نعمت نہ ملے۔

حسد تب ہی جائز ہے جب کوئی شخص اپنے جذبات پر عمل نہیں کرتا، اپنے جذبات کو ناپسند کرتا ہے اور اس کے بدلے اس جیسی نعمت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے بغیر اس کے کہ مالک اس کے پاس موجود نعمت سے محروم ہو۔ اگر چہ یہ قسم گناہ گار نہیں ہے پھر بھی یہ ناپسندیدہ ہے اگر حسد کسی دنیوی نعمت پر ہو اور صرف اس صورت میں قابل تعریف ہے جب اس میں

دینی نعمت شامل ہو۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 1896 میں موجود ایک حدیث میں قابل تعریف قسم کی دو مثالیں بیان کی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ جب کوئی شخص اس شخص سے حسد کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے حلال مال حاصل کرتا ہے اور خرچ کرتا ہے۔ دوسرا وہ ہے جب کوئی شخص اس شخص سے حسد کرتا ہے جو اپنی حکمت اور علم کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔

حسد کی بری قسم، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، براہ راست اللہ تعالیٰ کے انتخاب کو چیلنج کرتا ہے۔ حسد کرنے والا ایسا برتاؤ کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کے بجائے کسی اور کو خاص نعمت دے کر غلطی کی ہو۔ اس لیے یہ کبیرہ گناہ ہے۔ درحقیقت جیسا کہ سنن ابوداؤد نمبر 4903 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

ایک غیرت مند مسلمان کو جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ لہٰذا ایک غیرت مند مسلمان کو چاہیے کہ وہ جس شخص سے حسد کرتے ہیں اس کے ساتھ حسن سلوک اور مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس احساس کو اپنے دل سے نکالنے کی کوشش کریں، جیسے کہ ان کی خوبیوں کی تعریف کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا یہاں تک کہ ان کی حسد ان سے محبت بن جائے۔ انہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق جس شخص سے وہ حسد کرتے ہیں اس کے حقوق ادا کرتے رہیں۔ انہیں اسلامی علم سیکھنا اور اس پر عمل کرنا چاہئے تاکہ یہ سمجھ سکیں کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو بہترین چیز عطا کرتا ہے اور اگر انہیں کوئی خاص دنیوی نعمت عطا نہیں کی گئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا نہ ہونا ہی بہتر ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

”لیکن شاید تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

ایک اور چیز جس کی نصیحت شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایک دوسرے سے نفرت نہیں کرنی چاہیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو صرف اسی صورت میں ناپسند کرنا چاہئے جب اللہ تعالیٰ اسے ناپسند کرے۔ اسے سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث میں ایمان کی تکمیل کا ایک پہلو بتایا گیا ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی خواہشات کے مطابق چیزوں یا لوگوں کو ناپسند نہ کرے۔ اگر کوئی اپنی خواہشات کے مطابق دوسرے کو ناپسند کرتا ہے تو اسے کبھی بھی اپنے قول و فعل پر اثر انداز نہیں ہونے دینا چاہیے کیونکہ یہ گناہ ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسرے کے ساتھ اسلام کی تعلیمات کے مطابق احترام اور مہربانی کے ساتھ سلوک کرتے ہوئے احساس کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ دوسرے لوگ بالکل ایسے نہیں جیسے وہ کامل نہیں ہیں۔ اور اگر دوسروں میں کوئی بری خصلت ہے تو وہ بھی بلاشبہ اچھی صفات کے مالک ہوں گے۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرے کہ وہ اپنی بُری خصلتوں کو چھوڑ دیں لیکن ان میں موجود اچھی صفات سے محبت کرتے رہیں۔ ایک مسلمان کو گناہوں کو ناپسند کرنا چاہیے لیکن انسان کو نہیں، جیسا کہ ایک شخص ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کر سکتا ہے۔ انہیں اسلام کی حدود میں گناہوں سے ناپسندیدگی کا اظہار کرنا چاہیے۔ انہیں بری باتوں کے خلاف نرمی سے دوسروں کو نصیحت کرنی چاہیے، کیونکہ سختی اکثر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے سے مزید دور کر دیتی ہے۔

اس موضوع پر ایک اور نکتہ بیان کرنا ضروری ہے۔ ایک مسلمان جو کسی خاص عالم کی پیروی کرتا ہے جو کسی مخصوص عقیدے کی حمایت کرتا ہے اسے متعصب کی طرح کام نہیں کرنا چاہئے اور اپنے عالم کو ہمیشہ حق پر یقین رکھنا چاہئے اس لئے ان لوگوں سے نفرت کرنا چاہئے جو ان کے علماء کی رائے کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ طرز عمل اللہ تعالیٰ کے لیے کسی چیز/کسی کو ناپسند کرنے والا نہیں ہے ۔ جب تک علماء کے درمیان جائز اختلاف موجود ہے، کسی خاص عالم کی پیروی کرنے والے مسلمان کو اس کا احترام کرنا چاہئے اور دوسروں کو ناپسند نہیں کرنا چاہئے جو ان کے ماننے والے عالم سے مختلف ہوں۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایک دوسرے سے منہ نہ موڑنا چاہیے۔ اس کا مطلب ہے کہ انہیں دنیاوی مسائل پر دوسرے مسلمانوں سے تعلقات منقطع نہیں کرنے چاہئیں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کی حمایت سے انکار کر دینا چاہیے۔ صحیح بخاری نمبر 6077 میں موجود حدیث کے مطابق کسی مسلمان کے لیے کسی دنیاوی معاملے میں دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ تعلقات منقطع کرنا ناجائز ہے۔ درحقیقت کسی دنیوی مسئلہ میں ایک سال سے زیادہ عرصہ تک تعلقات منقطع کرنے والا دوسرے مسلمان کو قتل کرنے والے کی طرح سمجھا جاتا ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4915 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

دوسروں کے ساتھ تعلقات منقطع کرنا صرف ایمان کے معاملات میں جائز ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کو خلوص دل سے توبہ کرنے کی تلقین جاری رکھنی چاہئے اور صرف اس صورت میں ان کی صحبت سے گریز کرنا چاہئے جب وہ بہتر کے لئے تبدیل کرنے سے انکار کریں۔ جب بھی ان سے ایسا کرنے کی درخواست کی جائے تو انہیں حلال چیزوں پر ان کا ساتھ دینا چاہیے، کیونکہ یہ احسان مندی انہیں اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دے سکتی ہے۔

ایک اور بات جو زیر بحث مرکزی حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ اس حدیث میں دی گئی سابقہ نصیحت پر عمل کریں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسرے مسلمانوں کے تئیں اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کریں، جیسے کہ بھلائی کے کاموں میں دوسروں کی مدد کرنا اور برائیوں سے ڈرانا۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

صحیح بخاری نمبر 1240 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمانوں کے درج ذیل حقوق ادا کرنے چاہئیں :سلام کا جواب دینا، بیماروں کی عیادت کرنا، ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا اور چھینکنے والے کو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کا جواب دینا۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ وہ تمام حقوق سیکھے اور پورا کرے جو دوسرے لوگوں کے، خاص کر دوسرے مسلمانوں کے ان پر ہیں، کیونکہ ہر ایک سے پوچھا جائے گا کہ کیا اس نے قیامت کے دن دوسرے لوگوں کے حقوق ادا کیے؟ کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ سلوک کریں۔

ایک اور بات جو زیر بحث مرکزی حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر ظلم نہیں کرنا چاہیے، اسے چھوڑنا یا نفرت نہیں کرنی چاہیے۔ انسان کے گناہوں سے نفرت ہونی چاہیے لیکن گناہ گار ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ کسی بھی وقت صدق دل سے توبہ کر لے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4884 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے مسلمان کی تذلیل کرے گا اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل کرے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کو ذلت سے بچاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے گا۔

شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں مذکور منفی خصوصیات اس وقت پیدا ہو سکتی ہیں جب کوئی شخص غرور اختیار کر لے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث کے مطابق تکبر اس وقت ہوتا ہے جب انسان دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے۔ مغرور شخص خود کو کامل دیکھتا ہے جبکہ دوسروں کو نامکمل دیکھتا ہے۔ یہ انہیں دوسروں کے حقوق ادا کرنے سے روکتا ہے اور دوسروں کو ناپسند کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اور فخر انسان کو اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ سچائی کو مسترد کر دے جب وہ ان کے سامنے پیش کیا جائے، کیونکہ یہ ان کی طرف سے نہیں آیا اور ان کی خواہشات کے خلاف ہے۔

ایک اور بات جو اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ حقیقی تقویٰ کسی کی ظاہری شکل و صورت میں نہیں ہے جیسا کہ اسلامی لباس پہننا، بلکہ یہ ایک باطنی صفت ہے۔ یہ باطنی خصلت ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ کوئی شخص ان نعمتوں کا استعمال کرے جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں۔ اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 4094 میں موجود ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ جب روحانی قلب پاک ہوتا ہے تو سارا جسم پاک ہوجاتا ہے لیکن جب روحانی قلب فاسد ہوتا ہے تو سارا جسم فاسد ہوجاتا ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہری صورتوں مثلاً مال و دولت کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی نیتوں اور اعمال پر غور کرتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6542 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے باطنی تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرے تاکہ یہ ظاہری طور پر اس طرح ظاہر ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے ساتھ تعامل کرتے ہیں۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے بغض رکھنا گناہ ہے۔ اس نفرت کا اطلاق دنیاوی چیزوں پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر دوسروں کو ناپسند نہیں کرنا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور بغض رکھنا ایمان کی تکمیل کا ایک پہلو ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو ہر حال میں دوسروں کا احترام کرنا چاہیے اور اس شخص سے نفرت کیے بغیر صرف ان کے گناہوں کو ناپسند کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ، ان کی ناپسندیدگی انہیں کبھی بھی اسلام کی تعلیمات کے خلاف کام کرنے پر مجبور نہیں کرے گی، کیونکہ اس سے یہ ثابت ہو گا کہ ان کی نفرت ان کی اپنی خواہشات پر مبنی ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے۔ دنیاوی وجوہات کی بنا پر دوسروں کو حقیر سمجھنے کی اصل وجہ تکبر ہے۔ یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ ایک ایٹم کا فخر کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

اس کے بعد جو اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کی جان، مال اور آبرو سب مقدس ہیں۔ ایک مسلمان کو ان حقوق میں سے کسی کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں اعلان فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ غیر مسلموں سمیت دیگر لوگوں کو ان کی ضرر رساں باتوں اور افعال سے محفوظ نہ رکھے۔ اور سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کی برائیوں کو دور رکھے۔ ان حقوق کی خلاف ورزی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ ان کا شکار پہلے انہیں معاف نہ کر دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو قیامت کے دن انصاف قائم ہو گا جس کے تحت مظلوم کو ظالم کی نیکیاں ملیں گی اور اگر ضرورت پڑی تو مظلوم کے گناہ مظلوم کو ملیں گے۔ اس سے ظالم کو جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ یہ ایک فرد کے لیے بہت زیادہ برکتوں کا باعث بنے گا اور اس کے معاشرے میں اتحاد پیدا ہوگا۔

،اس کے علاوہ، زیر بحث مرکزی تقریب میں دشمنوں پر قابو پانے کی خصوصیت کے طور پر کسی کے ساتھ ناانصافی شروع کرنے سے گریز کا بھی ذکر ہے۔

امام منذری کی بیداری اور اندیشہ نمبر 2556 میں موجود ایک حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاجزی رکھنے والے کو بشارت دی ہے جس کے معنی کمزوری کے بغیر ہیں۔ عاجز اللہ تعالیٰ کے احکام و ممنوعات پر سرتسلیم خم کرتا ہے، قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، اس طرح اس کی بندگی کا ثبوت دیتا ہے۔ جب سچائی ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو وہ اسے آسانی سے قبول کر لیتے ہیں، چاہے وہ ان کی خواہشات کے خلاف ہو اور اس سے قطع نظر کہ اسے کون ان تک پہنچاتا ہے۔ مطلب، وہ سچائی کو یہ سمجھتے ہوئے رد نہیں کرتے کہ وہ بہتر جانتے ہیں۔ وہ دوسروں کو حقیر نہیں سمجھتے، یہ مانتے ہیں کہ وہ کسی دنیاوی چیز کی وجہ سے جو ان کے پاس ہے یا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی وجہ سے وہ ان سے برتر ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ تمام دنیاوی نعمتیں جو ان کے پاس ہیں، ان سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے عطا کی ہیں۔ اس لیے ان کے پاس فخر کرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ اس کے علاوہ، وہ سمجھتے ہیں کہ نیک اعمال کرنا صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی ممکن ہے، کیونکہ نیک کام کرنے کی الہام، موقع، طاقت اور صلاحیت سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس کے علاوہ، صرف ایک احمق فخر کو اپناتا ہے کیونکہ کسی کو ان کے حتمی نتائج یا دوسروں کے حتمی نتائج کا علم نہیں ہوتا ہے۔ یعنی ان کی موت اس حال میں ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی نہ ہوں اور کفر کی حالت میں بھی۔ ان سچائیوں کو سمجھنا انسان کو تکبر کے مہلک گناہ سے روک دے گا۔ ایک ایٹم کی قیمت کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ کمزوری کے بغیر عاجزی کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان ہمیشہ دوسروں کے ساتھ مہربانی کا مظاہرہ کرتا ہے لیکن ضرورت پڑنے پر اپنا دفاع کرنے اور حق کے لیے کھڑا ہونے سے نہیں ڈرتا اور نہ ہی اس کی عاجزی دوسروں کی نظروں میں رسوا اور بے عزت ہونے کا باعث بنتی ہے۔

گورنروں کو یمن بھیجنا

آپ کے اختیار کے تحت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال آپ نے ابو موسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے دو صوبوں پر حکومت کرنے کے لیے روانہ کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 135-136 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2409 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ ہر شخص ایک ولی ہے اس لیے اس کی زیر نگرانی چیزوں کا ذمہ دار ہے۔

ایک مسلمان سب سے بڑی چیز جس کا محافظ ہے وہ ان کا ایمان ہے۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری کو نبھانے کی کوشش کریں۔

اس ولایت میں ہر وہ نعمت بھی شامل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے، جس میں ظاہری چیزیں شامل ہیں، جیسے مال، اور اندرونی چیزیں، جیسے کہ جسم۔ ایک مسلمان کو ان چیزوں کو اسلام کے بتائے ہوئے طریقے سے استعمال کرکے ان کی ذمہ داری پوری کرنی چاہیے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان کو صرف حلال چیزوں کو دیکھنے کے لیے، اپنی زبان کو صرف حلال اور فائدہ مند الفاظ اور اپنے مال کو فائدہ مند اور نیک طریقوں سے دیکھنے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

یہ سرپرستی کسی کی زندگی میں دوسروں تک بھی پھیلتی ہے، جیسے رشتہ دار اور دوست۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق ایک مسلمان کو یہ ذمہ داری اپنے حقوق کی ادائیگی کے ذریعے ادا کرنی چاہیے، جیسے کہ ان کو فراہم کرنا اور نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا۔ کسی کو دوسروں سے الگ نہیں ہونا چاہیے، خاص کر دنیاوی مسائل میں۔ اس کے بجائے، انہیں اس امید پر ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا جاری رکھنا چاہیے کہ وہ بہتر کے لیے بدل جائیں گے۔ اس سرپرستی میں کسی کے بچے بھی شامل ہیں۔ ایک مسلمان کو مثال کے طور پر رہنمائی کرتے ہوئے ان کی رہنمائی کرنی چاہیے، کیونکہ یہ بچوں کی رہنمائی کا سب سے مؤثر طریقہ ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، اور اپنے بچوں کو بھی ایسا ہی کرنا سکھائیں۔ اس کی جڑ میں اسلامی علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا شامل ہے۔

نتیجہ اخذ کرنا کہ اس حدیث کے مطابق ہر ایک کو کسی نہ کسی قسم کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ علم حاصل کریں اور ان کی تکمیل کے لیے اس پر عمل کریں، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک حصہ ہے، اس لیے قیامت کے دن ان سے سوال کیا جائے گا۔ باب الاسراء، آیت 34 17:

اور]ہر [عہد کو پورا کرو۔ بیشک عہد ہمیشہ]جس کے بارے میں سوال کیا جائے گا[..."

آسانی اور خوشخبری۔

جب حضرت ابو موسیٰ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے دو صوبوں پر حکومت کرنے کے لیے روانہ کیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں نرمی برتنے، سختی نہ کرنے اور خوشخبری سنانے اور لوگوں کو ڈرانے سے بچنے کی تلقین کی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 135-136 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ اپنے لیے آسانیاں پیدا کرے، سب سے پہلے اسلامی علم سیکھ کر اور اس پر عمل کر کے، تاکہ وہ اپنے واجبات کو پورا کر سکے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ روایات پر عمل کر سکے، اور اپنی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات پوری کر سکے۔ اس سے انہیں فضول خرچی یا اسراف کے بغیر حلال چیزوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے کافی وقت ملے گا۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی طاقت کے مطابق عمل صالح کے لیے کرے نہ کہ اپنے اوپر بوجھ ڈالے، کیونکہ اسلام میں یہ ناپسندیدہ ہے۔ صحیح بخاری نمبر 6465 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ متوازن طرز عمل ہمیشہ بہترین ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کریں، خاص طور پر مذہبی معاملات میں، تاکہ لوگ اسلام سے نفرت نہ کریں، یہ مانتے ہوئے کہ یہ ایک بوجھل مذہب ہے جبکہ یہ ایک سادہ اور آسان مذہب ہے۔ اس کی تصدیق امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 287 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ دوسروں کو، خصوصاً بچوں کو سکھانا ضروری ہے۔ اگر بچے غلط طور پر مانتے ہیں کہ اسلام ایک مشکل مذہب ہے تو وہ بڑے ہو کر اس سے منہ موڑ لیں گے۔ بچوں کو سکھایا جائے کہ اسلام میں کچھ ذمہ داریاں ہیں جنہیں پورا کرنے میں زیادہ وقت نہیں لگتا اور وہ اچھے اور صحت مند طریقوں سے تفریح کے لیے کافی وقت چھوڑ دیتے ہیں۔

لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ دینی معاملات میں اپنے یا دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان کاہل ہو جائے اور دوسروں کو کاہل ہونا سکھائے، کیونکہ کم

از کم فرائض کو ہر وقت پورا کرنا ضروری ہے، الا یہ کہ اسلام اس سے مستثنیٰ ہو۔ سستی کرنے والا اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتا، صرف اپنی خواہشات کو مانتا ہے۔

دوسروں کے لیے چیزوں کو آسان بنانے کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسروں سے اپنے مکمل حقوق کا مطالبہ نہیں کرتا ہے۔ اس کے بجائے، انہیں اپنی مدد کرنے اور دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کے لیے ان کی جسمانی یا مالی طاقت جیسے وسائل کا استعمال کرنا چاہیے۔ بعض صورتوں میں دوسروں کے حقوق ادا کرنے میں ناکامی سزا کا باعث بنتی ہے۔ دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کے لیے ایک مسلمان کو صرف بعض صورتوں میں اپنے حقوق کا مطالبہ کرنا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمان دوسروں کے حقوق ادا کرنے کی کوشش نہ کرے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرے جن پر ان کے حقوق ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک والدین اپنے بالغ بچے کو گھر کے کسی خاص کام سے عذر کر سکتے ہیں اور یہ کام خود کر سکتے ہیں، اگر ان کے پاس بغیر کسی پریشانی کے ایسا کرنے کا ذریعہ ہے، خاص طور پر اگر وہ بچہ کام سے تھک کر گھر لوٹتا ہے۔ یہ نرمی اور رحم نہ صرف اللہ تعالیٰ کو ان پر زیادہ رحم کرنے کا باعث بنے گا بلکہ اس سے لوگوں میں ان کے لیے محبت اور احترام بھی بڑھے گا۔ جو ہمیشہ اپنے پورے حقوق کا مطالبہ کرتا ہے وہ گنہگار نہیں ہے لیکن اگر وہ اس طرح کا برتاؤ کریں گے تو وہ اس اجر و ثواب سے محروم ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کریں اور امید رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے دنیا اور آخرت میں آسانیاں پیدا کرے گا۔ لیکن جو لوگ دوسروں کے لیے مشکلیں پیدا کرتے ہیں وہ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے دونوں جہانوں میں مشکلیں پیدا کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو اور دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی ان گنت نعمتوں اور عظیم انعامات کی یاد دلائے جو وہ مسلمانوں کو اس دنیا اور آخرت میں عطا کرتا ہے جو اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر سے کام لیتے ہیں۔ یہ طریقہ زیادہ تر معاملات میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف ترغیب دینے میں زیادہ کارگر ہے۔ صرف بعض صورتوں میں جب کوئی شخص خواہش مندانہ سوچ میں مبتلا ہو اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر رہا ہو، اس امید کے ساتھ کہ وہ کامیاب ہو جائے گا، کیا کسی مسلمان کو ان کے اس عمل کے نتائج سے خبردار کرنا چاہیے، اور ان میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کرنا چاہیے۔

ایک توازن بہترین ہے جس کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ پر امید رکھتا ہے، اس کی اطاعت اور اس سے ڈرنے کی ترغیب دیتا ہے تاکہ گناہوں سے بچا جا سکے۔ اور جب بھی کوئی عدم توازن محسوس کرتا ہے یا دوسروں کو دیکھتا ہے جو عدم توازن کا شکار ہو چکے ہیں تو ایک مسلمان کو اپنے آپ کو اور دوسروں کو صحیح درمیانی راستے پر لانے کے لیے مناسب طریقے سے عمل کرنا چاہیے۔

نیکی میں مدد کریں۔

حضرت ابو موسیٰ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے دو صوبوں پر حکومت کرنے کے لیے روانہ کرتے وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے اور آپس میں جھگڑا نہ کرنے کی تلقین فرمائی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 135-136 میں بحث کی گئی ہے۔

صالح پیشواؤں کے گزرنے کے بعد سے مسلم قوم کی طاقت ڈرامائی طور پر کمزور ہوئی ہے۔ یہ منطقی بات ہے کہ جتنے زیادہ لوگوں کی تعداد ایک گروہ میں ہوگی اتنا ہی وہ گروہ مضبوط ہوگا لیکن مسلمانوں نے کسی نہ کسی طرح اس منطق کی نفی کی ہے۔ مسلمانوں کی تعداد بڑھنے کے ساتھ ہی مسلم قوم کی طاقت میں کمی آئی ہے۔ اس کے پیش آنے کی ایک اہم وجہ قرآن کریم کی سورہ 5 المائدہ، آیت 2 سے مربوط ہے:

"اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو"۔

اللہ تعالیٰ واضح طور پر مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ کسی بھی اچھے معاملے میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور کسی برے معاملے میں ایک دوسرے کا ساتھ نہ دیں۔ اس پر نیک پیشواؤں نے عمل کیا لیکن بہت سے مسلمان ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہے ہیں۔ بہت سے مسلمان اب اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں اس کا مشاہدہ کرنے کے بجائے کون عمل کر رہا ہے۔ اگر وہ شخص ان سے جڑا ہوا ہے، مثال کے طور پر، کوئی رشتہ دار، تو وہ ان کا ساتھ دیتے ہیں چاہے بات اچھی نہ ہو۔ اسی طرح اگر اس شخص کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے تو وہ ان کی حمایت سے منہ موڑ لیتے ہیں خواہ بات اچھی ہو۔ یہ رویہ صالح پیشواؤں کی روایات کے بالکل خلاف ہے۔ وہ بھلائی میں دوسروں کی حمایت کریں گے قطع نظر اس کے کہ کون کر رہا ہے۔ درحقیقت وہ قرآن کریم کی اس آیت پر عمل کرتے ہوئے اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ وہ ان کی حمایت بھی کریں گے جب تک کہ یہ اچھی بات نہ ہو۔

اس سے جڑی دوسری چیز یہ ہے کہ بہت سے مسلمان ایک دوسرے کی اچھی مدد کرنے میں ناکام رہتے ہیں کیونکہ انہیں یقین ہے کہ جس شخص کی وہ حمایت کر رہے ہیں وہ ان سے زیادہ اہمیت حاصل کرے گا۔ اس صورتحال نے علماء اور اسلامی تعلیمی اداروں کو بھی متاثر کیا ہے۔ وہ دوسروں کی بھلائی میں مدد نہ کرنے کے لیے لنگڑے بہانے بناتے ہیں کیونکہ ان کا ان کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہے اور انھیں ڈر ہے کہ ان کا اپنا ادارہ بھلا دیا جائے گا اور وہ جن کی مدد کریں گے وہ معاشرے میں مزید عزت حاصل کریں گے۔ لیکن یہ سراسر غلط ہے کیونکہ حقیقت کا مشاہدہ کرنے کے لیے صرف تاریخ کے اوراق پلٹنے پڑتے ہیں۔ جب تک کسی کی نیت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہو، دوسروں کی بھلائی میں مدد کرنے سے معاشرے میں اس کی عزت بڑھے گی۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف متوجہ کرے گا خواہ ان کا تعاون کسی اور ادارے، ادارے یا شخص کے لیے ہو۔ مثال کے طور پر جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آسانی سے خلافت کو چیلنج کر سکتے تھے اور ان کے حق میں کافی حمایت حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اسلام کے پہلے خلیفہ کے طور پر نامزد کرنا صحیح ہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اس بات کی فکر نہیں تھی کہ اگر وہ کسی دوسرے شخص کا ساتھ دیں تو معاشرہ اسے بھول جائے گا۔ اس کے بجائے اس نے پہلے بیان کی گئی آیت میں حکم کی تعمیل کی اور جو صحیح تھا اس کی تائید کی۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 3667 اور 3668 میں موجود احادیث سے ہوتی ہے۔ اس عمل سے معاشرے میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی عزت و تکریم میں اضافہ ہی ہوا۔ یہ بات ان لوگوں پر واضح ہے جو اسلامی تاریخ سے واقف ہیں۔

مسلمانوں کو اس پر گہرائی سے غور کرنا چاہیے، اپنی ذہنیت کو بدلنا چاہیے اور دوسروں کی بھلائی میں مدد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، قطع نظر اس کے کہ یہ کام کون کر رہا ہے اور اس خوف سے پیچھے نہیں ہٹیں گے کہ ان کی حمایت انھیں معاشرے میں بھلا دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والوں کو دنیا اور آخرت دونوں میں کبھی فراموش نہیں کیا جائے گا۔ درحقیقت ان کی عزت و تکریم دونوں جہانوں میں ہی بڑھے گی۔

اندھیرے سے بچیں۔

جب حضرت ابو موسیٰ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے دو صوبوں پر حکومت کرنے کے لیے روانہ کیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مظلوم کی بددعا سے ڈرنے کی تلقین فرمائی کیونکہ ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 136 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2447 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ ظلم قیامت کے دن اندھیروں میں بدل جائے گا۔

اس سے بچنا بہت ضروری ہے کیونکہ جو لوگ اپنے آپ کو اندھیرے میں ڈوبے ہوئے پاتے ہیں ان کے جنت کا راستہ تلاش کرنے کا امکان نہیں ہے۔ صرف وہی لوگ کامیاب ہوں گے جنہیں رہنمائی کی روشنی فراہم کی جائے گی۔ اس لیے جبر کا ارتکاب اس روشنی کو حاصل کرنے سے روک دے گا۔

جبر کئی شکلیں لے سکتا ہے۔ پہلی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے احکام کو پورا کرنے میں ناکام رہتا ہے اور اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے۔ اگرچہ اس کا اللہ تعالیٰ کی لامحدود حیثیت پر کوئی اثر نہیں ہوتا لیکن اس سے انسان دونوں جہانوں میں تاریکی میں ڈوب جائے گا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4244 میں موجود ایک حدیث کے مطابق انسان جب بھی کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے روحانی قلب پر ایک سیاہ دھبہ لگ جاتا ہے۔ وہ جتنا زیادہ گناہ کریں گے، اتنا ہی ان کے دل پر اندھیرا چھا جائے گا۔ یہ انہیں اس دنیا میں حقیقی رہنمائی کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے سے روک دے گا ۔ اس کے نتیجے میں، اگلی دنیا میں اندھیروں کا باعث بنے گا۔ باب 83 المطففین، آیت 14:

’’نہیں، بلکہ داغ نے ان کے دلوں پر جو کچھ وہ کما رہے تھے، ڈھانپ دیا ہے۔‘‘

ظلم کی اگلی قسم وہ ہے جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی امانت کو پورا کرنے میں ناکام ہو کر اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے، ان کے پاس جو دنیاوی نعمتیں ہیں، جیسے کہ اس کے جسم اور مال۔ یہ امانت اس وقت پوری ہوتی ہے جب کوئی شخص اپنی عطا کی گئی ہر نعمت کو اس طرح استعمال کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتا ہے، جو تمام نعمتوں کا خالق اور مالک ہے۔

ان نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ایمان ہے۔ اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے اس کی حفاظت اور مضبوطی ہونی چاہیے۔ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جس کی مسلسل دیکھ بھال اور پرورش اسلامی علم کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے ہوتی ہے۔ اس پودے کی موت کسی کے ایمان کی روشنی کو بجھا دے گی جس کے نتیجے میں وہ دونوں جہانوں میں اندھیروں میں ڈوب جائیں گے۔

ظلم کی آخری قسم وہ ہے جب کوئی دوسرے کے ساتھ بدسلوکی کرے۔ اللہ تعالیٰ ان گناہوں کو اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ مظلوم ان کو پہلے معاف نہ کر دے۔ چونکہ لوگ اتنے مہربان نہیں ہیں اس لیے ایسا ہونے کا امکان نہیں ہے۔ پھر قیامت کے دن انصاف قائم ہو گا جہاں ظالم کے اعمال صالحہ اس کے مظلوم کو ملیں گے اور ضرورت پڑنے پر مظلوم کے گناہ مظلوم کو دیے جائیں گے۔ اس سے ظالم کو جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنے سے بچنا چاہیے جیسا کہ وہ لوگ چاہتے ہیں۔

ایک مسلمان کو ہر قسم کے ظلم سے بچنا چاہیے اگر وہ دنیا اور آخرت میں رہنمائی کا خواہاں ہے۔

نبوی صحبت

جب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے ایک صوبے پر حکومت کرنے کے لیے روانہ کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے نکلتے وقت ان کی کوہ طور کے ساتھ ساتھ چل پڑے۔ ان کو کچھ الوداعی نصیحتیں کرنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شاید اس سال کے بعد وہ ان سے دوبارہ نہ ملیں گے اور معاذ رضی اللہ عنہ اگلی بار ان کی قبر کے پاس سے گزریں گے۔ ان کے تبصرے کے جواب میں معاذ رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں رو پڑے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 137 میں بحث کی گئی ہے۔

معاذ رضی اللہ عنہ نے عملی طور پر دونوں جہانوں میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کی اپنی خواہش کو ثابت کر دیا اور اگر کوئی اس نبوی صحبت کا خواہاں ہے تو اسے ایسا ہی کرنا چاہیے۔

ہر مسلمان کھلے عام اعلان کرتا ہے کہ وہ آخرت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت کا خواہش مند ہے۔ وہ اکثر صحیح بخاری نمبر 3688 میں پائی جانے والی حدیث کا حوالہ دیتے ہیں، جو اس بات کی تلقین کرتی ہے کہ انسان آخرت میں ان کے ساتھ رہے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں سے اپنی محبت کا کھلم کھلا اعلان کرتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہ اس نتیجہ کی خواہش کیسے کرتے ہیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، پھر بھی انہیں بمشکل جانتے ہیں کیونکہ وہ آپ کی سیرت، کردار اور تعلیمات کا مطالعہ کرنے میں مصروف ہیں۔ یہ بے وقوفی کی بات ہے کہ کوئی کسی سے سچی محبت کیسے کر سکتا ہے جسے وہ جانتا تک نہیں ہے۔

اس کے علاوہ جب ان لوگوں سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا ثبوت پوچھا جائے گا تو قیامت کے دن کیا کہیں گے؟ وہ کیا پیش کریں گے؟ اس اعلان کا ثبوت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت، کردار اور تعلیمات کا مطالعہ اور ان پر عمل کرنا

ہے۔ اس دلیل کے بغیر اعلان اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا۔ یہ بالکل واضح ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہتر اسلام کو کسی نے نہیں سمجھا اور ان کا یہ رویہ نہیں تھا۔ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا اعلان کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر عمل کے ذریعے اپنے دعوے کی تائید کی۔ اس لیے وہ آخرت میں اس کے ساتھ ہوں گے۔

جو لوگ یہ مانتے ہیں کہ محبت دل میں ہوتی ہے اور اسے عمل سے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی وہ اتنا ہی بے وقوف ہے جتنا وہ طالب علم جو امتحان کا خالی پرچہ اپنے استاد کو دے کر دعویٰ کرتا ہے کہ علم ان کے دماغ میں ہے اس لیے انہیں عملی طور پر اسے کاغذ پر لکھنے کی ضرورت نہیں ہے اور پھر بھی پاس ہونے کی امید رکھتا ہے۔

ایسا سلوک کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے محبت نہیں کرتا، صرف اپنی خواہشات رکھتا ہے اور بلاشبہ انہیں شیطان نے دھوکا دیا ہے۔

آخر میں یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ناکام رہے وہ یقیناً قیامت کے دن ان کے ساتھ نہیں ہوں گے۔ اگر کوئی ایک لمحے کے لیے اس حقیقت پر غور کرے تو یہ بالکل واضح ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو مدینہ سے باہر لے جاتے ہوئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اعلان فرمایا کہ جو لوگ آپ کے سب سے زیادہ قریب ہیں وہ متقی ہیں خواہ کوئی بھی ہو اور جہاں بھی ہو۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 137 میں بحث کی گئی ہے۔

اگر کوئی مسلمان آخرت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب چاہتا ہے تو اسے تقویٰ اختیار کرنا چاہیے۔ تقویٰ میں ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا شامل ہے جیسا کہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے تاکہ دونوں جہانوں میں سکون قلب حاصل ہو۔ اس لیے تقویٰ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کی جائے اور روزِ قیامت اپنے احتساب کے لیے مناسب تیاری کرتے ہوئے ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں درست طریقے سے رکھا جائے۔

اس کے علاوہ تقویٰ کا ایک پہلو یہ ہے کہ کچھ حلال چیزوں سے اس خوف سے بچنا ہے کہ یہ حرام کی طرف لے جائے گی۔ باب 2 البقرہ، آیت 187:

‘‘یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں، ان کے قریب نہ جاؤ۔’’

اللہ تعالیٰ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ اپنی حدود سے تجاوز نہ کرو، بلکہ اس نے واضح کیا کہ لوگوں کو اس کی حدود تک بھی نہیں جانا چاہیے۔ یہ نصیحت پورے قرآن پاک میں گونجتی رہی ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں درخت کا پھل نہ کھانے کا حکم دیا لیکن ان کو نصیحت کی کہ درخت کے قریب بھی نہ جانا حالانکہ اس کے پاس جانا جائز تھا۔ باب 7 الاعراف، آیت 19:

اور اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو کھاؤ لیکن اس درخت کے قریب" نہ جانا ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔"

ایسی بے شمار مثالیں ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ کوئی چیز حلال ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی اسے کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حدود تک پہنچنا حرام نہیں ہے، صرف ان سے تجاوز کرنا حرام ہے۔ بعض حلال چیزوں سے بچنا چاہیے، جیسا کہ لغو چیزوں سے، کیونکہ یہ اکثر حرام کی طرف لے جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر، فضول گفتگو، جسے گناہ نہیں سمجھا جاتا، اکثر غیبت اور جھوٹ جیسے گناہوں کا باعث بنتا ہے۔ مال کا فضول خرچ اکثر فضول خرچی کا باعث بنتا ہے جو کہ گناہ ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 27:

بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا کبھی ناشکرا" رہا ہے۔"

لوگوں کی اکثریت جو گمراہ ہو چکی ہے، مرحلہ وار عمل کے ذریعے ایسا ہو گیا۔ مثال کے طور پر، وہ ان میں حصہ لیے بغیر غیر قانونی چیزوں تک پہنچ گئے اور آخر کار، وقت گزرنے کے ساتھ، ان غیر قانونی چیزوں میں حصہ لینے کے لیے حوصلہ افزائی اور آزمائش کی گئی۔ مثال کے طور پر ، کوئی ایسا شخص جو شراب پینے والے لوگوں کے ساتھ جاتا ہے، آخرکار اس کے پینے کا زیادہ امکان ہوتا ہے، پھر وہ شخص جو شراب پینے والے لوگوں کے ساتھ نہیں جاتا۔ کچھ حلال چیزوں خصوصاً فضول چیزوں سے بچنے کا یہ رویہ وہ چیز ہے جس کی نصیحت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2451 میں موجود حدیث میں فرمائی ہے۔ درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت کی ہے کہ کوئی شخص متقی نہیں بن سکتا، یعنی ان نعمتوں کو استعمال کرنے پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا جب تک کہ کچھ اسلامی تعلیمات میں اس سے خوفزدہ نہ ہو جائیں، جیسا کہ کچھ شریعتوں میں بیان کیا گیا ہے۔ انہیں غیر قانونی .اس لیے نہ صرف ،حرام چیزوں سے پرہیز کرنے پر زیادہ توجہ دینی چاہیے بلکہ کچھ حلال چیزوں سے بچنا چاہیے خاص طور پر لغو چیزوں سے، اس خوف سے کہ وہ آخرکار حرام کی طرف لے جائے گی۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر ثابت قدم رہیں گے، جس میں ان

نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنا شامل ہے، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے، جو راستبازی کا نچوڑ ہے اور دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 187:

‘‘اس طرح اللہ لوگوں کے لیے اپنی آیات کو واضح کرتا ہے تاکہ وہ پرہیزگار بن جائیں۔’’

اور باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

جبکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی حدود کے قریب نہ جانے کی اہمیت کو سمجھنے سے قاصر رہتا ہے وہ حلال چیزوں خصوصاً فضول کاموں میں زیادتی کرے گا، جس سے ان کے حرام کاموں کے مرتکب ہونے کے امکانات بڑھ جائیں گے اور وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کریں گے جو انہیں عطا کی گئی ہیں، جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں تناؤ، پریشانیاں اور پریشانیاں پیدا ہوں گی، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی طاقت اور طاقت کے لمحات کو حاصل نہ کر سکیں۔ سربلند یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے اگر کوئی ان لوگوں کی زندگی کا مشاہدہ کرے جو اس طرح کے برتاؤ کرتے ہیں، جیسے کہ امیر۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور [پھر] زیادہ روئیں جس کے بدلے میں وہ کماتے تھے۔"

باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے" قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اللہ (SWT) اور لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنا

جب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے ایک صوبے کی حکومت کے لیے روانہ کیا گیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مندرجہ ذیل باتوں کی نصیحت فرمائی :اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، وہ جہاں کہیں بھی ہوں، نیکی کے ساتھ گناہ کی پیروی کرنا تاکہ اس سے گناہ مٹ جائے اور آخر کار لوگوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 138 میں بحث کی گئی ہے۔

پہلا ذکر تقویٰ کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا ہے۔ یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لاتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز آتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے۔ یہ صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ نصیحت اسلام کی تمام تعلیمات اور فرائض کا احاطہ کرتی ہے۔ جب کوئی اس طریقے سے کوشش کرتا ہے تو بالآخر وہ ایمان کے اعلیٰ درجے تک پہنچ جاتا ہے جسے فضیلت کہتے ہیں۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی عمل کرتا ہے، جیسے کہ نماز پڑھنا، گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے، ان کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 99 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ اور مخلوق دونوں کے لیے اپنے فرائض کو پورا کرے۔ مؤخر الذکر میں اسلام کی تعلیمات کے مطابق لوگوں کے حقوق کو پورا کرنا شامل ہے۔ یہ دوسروں کے ساتھ سلوک کرنے سے بہترین طریقے سے پورا ہوتا ہے جیسا کہ کوئی شخص لوگوں کے ساتھ سلوک کرنا چاہتا ہے۔

دوسری نصیحت یہ دی گئی ہے کہ مسلمان کو چاہیے کہ گناہ کے بعد نیک عمل کرے تاکہ اس سے گناہ مٹ جائے۔ اس سے مراد صرف چھوٹے گناہ ہیں کیونکہ بڑے گناہوں کے لیے سچی توبہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر کوئی اپنے عمل صالح میں سچے دل سے توبہ کا اضافہ کرے تو اس سے چھوٹے یا بڑے تمام گناہ مٹ جائیں گے۔ لیکن عمل صالح کا ایک حصہ یہ ہے کہ اس گناہ کو دوبارہ نہ دہرانے کی کوشش کی جائے، کیونکہ نیک عمل کے ساتھ عمل کرنے کی نیت سے گناہ کرنا ایک خطرناک گمراہ کن ذہنیت ہے۔ گناہ نہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور جب وہ سرزد ہو جائیں تو سچے دل سے توبہ کرنی چاہیے۔ سچی توبہ میں ندامت کا احساس، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہے، جب تک کہ اس سے مزید پریشانی نہ ہو، خلوص دل سے

وعدہ کرنا چاہیے کہ وہ دوبارہ وہی یا اس سے ملتے جلتے گناہوں سے اجتناب کرے اور اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہوں ان کی تلافی کرے۔

آخر میں، آخری چیز جس کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ لوگوں سے اچھے کردار کے ساتھ پیش آئیں۔ یہ بہت ضروری ہے کیونکہ حسن کردار قیامت کے ترازو میں سب سے بھاری چیز ہو گی۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2003 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اسے سیکھ کر اور اس پر عمل کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو اپنانا چاہیے، جو کہ قرآن کریم کی تعلیم ہے۔ اس کے ذریعے کوئی ان کی منفی خصوصیات کو اچھی خصوصیات سے بدل دے گا۔ جو لوگ دوسروں کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں، خواہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی ذمہ داریاں ادا کرتے ہوں، وہ قیامت کے دن پائیں گے کہ ان کی نیکیاں ان کے شکار کو دی جائیں گی اور اگر ضرورت پڑی تو ان کے شکار کے گناہ ان کے سپرد کر دیے جائیں گے۔ یہ ان کو جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

ایک پرتعیش زندگی

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے ایک صوبے کی حکومت کے لیے روانہ کرتے وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو تنبیہ کی کہ عیش و عشرت سے بچو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بندے عیش و عشرت کی تلاش میں نہیں رہتے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 138 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4118 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ سادگی ایمان کا حصہ ہے۔

اسلام مسلمانوں کو اپنی تمام دولت اور جائز خواہشات کو ترک کرنے کا درس نہیں دیتا بلکہ یہ ان کو اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں مثلاً خوراک، لباس، مکان اور کاروبار میں سادہ طرز زندگی اپنانے کا درس دیتا ہے تاکہ انہیں آخرت کی تیاری کے لیے مناسب وقت فراہم کیا جائے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنا شامل ہے۔ اس سادہ زندگی میں اس دنیا میں کوشش ،کرنا بھی شامل ہے تاکہ کسی کی ضرورتوں اور ان کے محتاجوں کی ضرورتوں کو بغیر زیادتی فضول خرچی اور اسراف کے پورا کیا جا سکے۔ ایک سادہ زندگی پر جتنا زیادہ توجہ مرکوز کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کا استعمال کرنا اتنا ہی آسان ہو جاتا ہے۔ یہ دونوں جہانوں میں امن اور کامیابی کا باعث بنتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ جتنی سادہ زندگی گزاریں گے، وہ دنیاوی چیزوں پر اتنا ہی کم دباؤ ڈالیں گے اور اس لیے وہ آخرت کے لیے اتنا ہی زیادہ کوشش کر سکیں

گے، جس سے ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل ہو گا۔ لیکن ایک شخص کی زندگی جتنی زیادہ پیچیدہ ہوگی، وہ اتنا ہی زیادہ دباؤ ڈالے گا، مشکلات کا سامنا کرے گا اور اپنی آخرت کے لیے کم کوشش کرے گا، کیونکہ دنیاوی چیزوں سے اس کی مصروفیات کبھی ختم ہوتی نظر نہیں آئیں گی۔ یہ رویہ انہیں ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل کرنے سے روک دے گا۔

سادگی دنیا میں آسودگی کی زندگی اور قیامت کے دن سیدھا حساب کتاب کا باعث بنتی ہے۔ جب کہ ایک پیچیدہ اور عیش و عشرت کی زندگی صرف ایک دباؤ والی زندگی اور قیامت کے دن سخت اور مشکل حساب کتاب کا باعث بنے گی۔ جتنا سخت احتساب ہو گا، اتنی ہی زیادہ سزا ملے گی۔ صحیح بخاری نمبر 103 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

علم کا صحیح استعمال کرنا

جب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے ایک صوبے پر حکومت کرنے کے لیے روانہ کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ اگر ان پر مقدمہ چلایا جائے تو آپ کیا کریں گے؟ معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں قرآن کریم کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اگر قرآن پاک میں مقدمہ اور اس کا فیصلہ نہ ملے تو کیا ہو گا۔ اس کے بعد انہوں نے جواب دیا کہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اگر یہ مقدمہ اور اس کا فیصلہ اپنی روایات میں نہ ملے تو کیا ہو گا۔ معاذ رضی اللہ عنہ نے آخر میں جواب دیا کہ وہ آزاد استدلال کے معنی استعمال کریں گے، ایک ایسا فیصلہ جو قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق ہو۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی کہ اس نے انہیں ایک ایسا نمائندہ دیا جس سے وہ خوش ہوں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 140-141 میں بحث کی گئی ہے۔

جب بھی کوئی عالم اسلام کے مختلف علوم پر عبور حاصل کرتا ہے تو وہ آزاد استدلال کہلانے والی سطح تک پہنچ سکتا ہے۔ اس سے وہ اسلام کے اندر حکم حاصل کرنے کے لیے اپنے پیشہ ورانہ غیرجانبدارانہ فیصلے کے ساتھ قرآن پاک کی تعلیمات، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو لاگو کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 4487 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جب یہ عالم غلط حکم دے گا تو ان کو ان کی کوشش کا ایک ہی مرتبہ اجر ملے گا۔ اگر وہ صحیح فیصلہ کرتے ہیں تو انہیں دوگنا اجر ملے گا۔

ہر چیز سے ثواب حاصل کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال آپ نے ابو موسیٰ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے دو صوبوں پر حکومت کرنے کے لیے روانہ کیا۔ ایک دفعہ معاذ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور انہوں نے قرآن پاک کی تلاوت جیسے نیک اعمال پر بحث شروع کی۔ اپنے رات کے معمولات کا ذکر کرتے ہوئے معاذ رضی اللہ عنہ نے تبصرہ کیا کہ وہ رات کے پہلے حصے میں سوتے تھے پھر بیدار ہوتے اور قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے۔ اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ اس معمول سے وہ اپنے سونے اور تلاوت دونوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید رکھتا ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 136 میں بحث کی گئی ہے۔

اسے اس انعام کی امید تھی کیونکہ سونے کا مقصد اس کے جسم کو کافی آرام دینا تھا تاکہ وہ رات کے بعد جاگ کر قرآن پاک کی تلاوت کر سکے۔ اس نیک نیت نے اسے اپنے سونے اور تلاوت دونوں کا ثواب حاصل کیا۔

عام طور پر، یہ واقعہ رات کے وقت رضاکارانہ عبادت کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 1145 میں موجود ایک الوہی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر رات اپنی لامحدود شان کے مطابق قریب ترین آسمان پر نزول فرماتا ہے اور لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اس سے ان کی حاجتیں پوری کریں تاکہ وہ ان کو پورا کرے۔

رات کی رضاکارانہ عبادت اللہ تعالیٰ کے تئیں انسان کے اخلاص کو ثابت کرتی ہے کیونکہ کوئی دوسری آنکھ انہیں نہیں دیکھ رہی ہوتی۔ اسے پیش کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مباشرت کرنے کا ذریعہ ہے، اور یہ اس کی بندگی کی علامت ہے۔ اس کے بے شمار فضائل ہیں، مثال کے طور پر سنن نسائی، نمبر 1614 میں ایک حدیث پائی جاتی ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ یہ بہترین نماز ہے۔

قیامت کے دن یا جنت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کسی کا درجہ نہیں ہو گا اور یہ درجہ براہِ راست رات کی نماز سے مربوط ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ رات کو نفلی نماز قائم کرتے ہیں انہیں دونوں جہانوں میں اعلیٰ درجات سے نوازا جائے گا۔
باب 17 الاسراء، آیت 79:

"اور رات کے کچھ حصہ سے اس کے ساتھ نماز پڑھو [یعنی قرآن کی تلاوت] تمہارے لیے اضافی [عبادت] کے طور پر، امید ہے کہ تمہارا رب تمہیں مقام حمد پر اٹھائے گا۔"

جامع ترمذی نمبر 3579 میں ایک حدیث ہے کہ مسلمان رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر اس وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے تو بے شمار نعمتیں حاصل ہو سکتی ہیں۔

تمام مسلمانوں کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی دعائیں قبول ہوں اور ان کی حاجتیں پوری ہوں۔ لہٰذا انہیں رات کی نماز نفلی ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 1770 میں موجود حدیث ہے کہ ہر رات میں ایک خاص گھڑی ہوتی ہے جب اچھی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

نفلی رات کی نماز کا قیام گناہوں سے بچنے کا ایک بہترین طریقہ ہے، یہ انسان کو فضول اجتماعات سے دور رہنے میں مدد دیتا ہے اور یہ انسان کو بہت سی جسمانی بیماریوں سے بچاتا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 3549 میں ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

رات کی نماز کے لیے تیاری کرنی چاہیے، خاص طور پر سونے سے پہلے، زیادہ کھانے یا پینے سے نہیں، کیونکہ یہ سستی کا باعث بنتی ہے۔ کسی کو دن میں غیر ضروری طور پر خود کو تھکانا نہیں چاہئے۔ دن میں ایک مختصر جھپکی اس میں مدد کر سکتی ہے۔ آخر میں گناہوں سے بچنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے کوشش کرنی چاہیے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا چاہیے، جیسا کہ فرمانبرداروں کے لیے شب قدر کی نماز ادا کرنا آسان ہے۔

آخر میں اہم حدیث بھی امید کو نہ چھوڑنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتی ہے کیونکہ توبہ اور کامیابی کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ لوگوں کو دن رات موقع دیا جاتا ہے کہ وہ سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف لوٹ جائیں تاکہ وہ دونوں جہانوں میں امن اور کامیابی حاصل کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ کی عظیم رحمت کی قدر کرنی چاہیے کیونکہ وہ مخلوق کا محتاج نہیں ہے پھر بھی انہیں اپنی طرف بلاتا ہے تاکہ وہ کامیاب ہو سکیں۔ وقت ختم ہونے سے پہلے ان مواقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور ان کے پاس سوائے پچھتاوے کے کچھ نہیں بچا۔

یمن کی طرف ایک مہم

انصاف کرو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ نے علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں یمن کی طرف ایک مہم روانہ کی۔ اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کیا کہ وہ جوان تھے اور علم سے محروم تھے کہ یمن میں جو مقدمات آپ کے پاس لائے گئے تھے ان کا صحیح فیصلہ کیسے کریں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ علی رضی اللہ عنہ کے سینے پر رکھا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کی زبان کو ثابت قدم رکھے اور ان کے دل کو ہدایت دے۔ اس کے بعد اس نے اسے نصیحت کی کہ اگر دو حریف اس کے پاس فیصلے کے لیے آئیں تو جب تک وہ دونوں طرف سے نہ سن لے فیصلہ نہ کرے۔ اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ اس طرح برتاؤ کرنے سے اس پر چیزیں واضح ہو جائیں گی۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 147 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ ہمیشہ انصاف پر قائم رہنے کی اہمیت اور تمام معاملات میں درست ہونے کی نشاندہی کرتا ہے۔ کسی کو کبھی بھی دوسروں کی تنقید یا تعریف اس بنیاد پر نہیں کرنی چاہیے کہ وہ کون ہیں اور اس کے بجائے ان کے اعمال کی بنیاد پر تعمیری تنقید یا تعریف کریں۔ اگر کوئی شخص اسلام کی تعلیمات کے مطابق کام کر رہا ہے تو وہ تعریف کے مستحق ہیں، خواہ وہ شخص اجنبی ہی کیوں نہ ہو یا کسی کے ساتھ نہ ہو۔ اگر کوئی شخص ایسا رویہ اختیار کر رہا ہے جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہو تو اس پر تعمیری اور نرمی سے تنقید کی جانی چاہیے، چاہے وہ محبوب ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے کسی کی وفاداری سچائی کے ساتھ ہونی چاہیے، جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے نہ کہ لوگوں سے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق لوگوں کے حقوق ادا کرنے چاہئیں لیکن ان کی وفاداری ہمیشہ حق کے ساتھ ہونی چاہیے ورنہ وہ راہ راست سے ہٹ جائیں گے۔

بہترین بنیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے دسویں سال آپ نے یمن کی طرف ایک غزوہ روانہ کیا۔ ان میں ایک صحابی بریدہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جنہوں نے اعتراف کیا کہ اس وقت وہ ایک اور صحابی علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں منفی جذبات رکھتے تھے۔ اس مہم کے بعد غنیمت کی تقسیم ضروری تھی چنانچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کام کے لیے روانہ کیا۔ اس واقعہ کے بعد بریدہ رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس واپس آئے اور علی رضی اللہ عنہ پر تنقید کی، حالانکہ انہوں نے کوئی غلط کام نہیں کیا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بریدہ سے پوچھا کہ کیا وہ علی رضی اللہ عنہ کو ناپسند کرتے ہیں، جس کا جواب انہوں نے اثبات میں دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر ان سے فرمایا کہ اسے ناپسند نہ کرو اور اس کے بجائے اس سے محبت میں اضافہ کرو کیونکہ وہ اس کے لائق ہیں۔ اس تبصرے کے بعد بریدہ رضی اللہ عنہ نے خلوص کے ساتھ اعلان کیا کہ وہ علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی سے محبت نہیں کرتے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 142-143 میں بحث کی گئی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے بہترین گروہ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے جسمانی طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی زندگی کے دوران دیکھا، یقیناً ایک عنصر ہے۔ لیکن جو کوئی ان کی زندگی اور ان کے اعمال صالحہ کے بارے میں جانتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ ان کی برتری صرف اس منفرد اور عظیم عمل سے زیادہ ہے۔

ان کی فضیلت کی ایک بڑی وجہ اس واقعہ میں اور صحابی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے متعلق ایک حدیث میں ہے جو صحیح مسلم نمبر 6515 میں موجود ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک بار صحرا میں اپنی سواری پر سوار تھے کہ ایک اعرابی سے ملاقات ہوئی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اعرابی کو سلام کیا، اعرابی کے سر پر اپنی پگڑی رکھ دی اور اعرابی کو اپنی سواری پر سوار ہونے کی تاکید کی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا کہ اس نے اعرابی کو جو سلام کیا وہ کافی سے زیادہ تھا کیونکہ اعرابی اس بات پر بہت خوش ہوا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم صحابی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سلام کیا۔ اس کے باوجود ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے بہت آگے جا کر بدویوں کا بہت احترام کیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ میں نے یہ صرف اس لیے کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار یہ نصیحت

کی تھی کہ ایک شخص اپنے والدین کی عزت کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے والدین کے رشتہ داروں اور دوستوں کے ساتھ محبت اور احترام کا اظہار کرے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے مزید کہا کہ اعرابی کے والد اپنے والد امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دوست تھے۔

یہ واقعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے۔ وہ مکمل طور پر اسلام کی تعلیمات کے تابع تھے۔ انہوں نے نہ صرف فرض کی ادائیگی کی اور تمام گناہوں سے اجتناب کیا بلکہ ان تمام اعمال کو مکمل طور پر پورا کیا جن کی سفارش ان کے لیے ممکن حد تک ممکن تھی۔ ان کی سر تسلیم خم کرنے کی وجہ سے وہ اپنی خواہشات کو ایک طرف رکھ کر صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما آسانی سے اعرابی کو نظر انداز کر سکتے تھے کیونکہ اس نے جو عمل کیا تھا ان میں سے کوئی بھی واجب نہیں تھا، اس عذر کو استعمال کرنے والے بہت سے مسلمانوں کے برعکس، اس نے مکمل طور پر اسلام کی تعلیمات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور اس کے مطابق عمل کیا۔

اسلام کی تعلیمات کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کا ایمان کمزور ہوا ہے۔ بعض تو صرف واجبات کو پورا کرتے ہیں اور دوسرے اعمال صالحہ سے اعراض کرتے ہیں، مثلاً صدقہ، جو ان کی خواہشات کے خلاف یہ کہتے ہوئے کہ اعمال واجب نہیں ہیں۔ تمام مسلمان آخرت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ختم ہونے کی خواہش رکھتے ہیں۔ لیکن اگر وہ ان کے راستے یا راستے پر نہ چلیں تو یہ کیسے ممکن ہے؟ اگر کوئی مسلمان ان کے سوا کسی اور راستے پر چلے گا تو وہ ان کے ساتھ کیسے جا سکتا ہے؟ ان کے ساتھ ختم ہونے کے لیے ان کے راستے پر چلنا چاہیے۔ لیکن یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب کوئی شخص اپنی خواہشات کے مطابق کام کرنے کی بجائے اسلام کی تعلیمات کو پوری طرح تسلیم کر لے جیسا کہ انہوں نے کیا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان پہنچانا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ نے علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں یمن کی طرف ایک مہم روانہ کی۔ ایک صحابی عمرو بن شاس اسلمی جو اس مہم میں شامل تھے، نے محسوس کیا کہ علی رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ سخت سلوک کیا ہے۔ جب عمرو مدینہ واپس آیا تو اس نے علی رضی اللہ عنہ پر، مختلف ملاقاتوں میں اور مختلف لوگوں سے جن سے اس نے بات کی، ان پر تنقید کی۔ ایک دن وہ مسجد میں داخل ہوا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھورتے رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھ گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر عمرو رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ اس نے مجھے نقصان پہنچایا ہے۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے اسے نقصان پہنچانے پر افسوس کا اظہار کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخر میں یہ تبصرہ فرمایا کہ جس نے علی رضی اللہ عنہ کو نقصان پہنچایا اس نے اسے نقصان پہنچایا۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 4 صفحہ 143 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

سب سے پہلے یہ واقعہ دوسروں کے معمولی منفی رویے کو نظر انداز کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ جیسے لوگ فرشتے نہیں ہوتے، وہ غلطی کرنے کے پابند ہوتے ہیں، جیسے وہ خود غلطی کرتے ہیں۔ اور جس طرح وہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں سے اپنی غلطیوں کو معاف کرنے کی خواہش رکھتے ہیں، اسی طرح انہیں دوسروں کی غلطیوں کو بھی معاف کرنا سیکھنا چاہیے۔ یہ بات قابل فہم ہے کہ کوئی شخص کسی ایسے مسئلے پر دوسرے کو معاف کرنے کے لیے جدوجہد کر سکتا ہے جو جاری ہے، جیسے کہ ٹریفک حادثے کے بعد معذور ہو جانا۔ اگر وہ اس صورت میں بھی معاف کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں تو ان کے لیے اجر زیادہ ہو گا۔ لیکن ایسی صورتوں میں جہاں کسی کے ساتھ غلط کام جاری نہیں ہے، ایک شخص کو دوسروں کو معاف کرنا چاہیے اور رنجش پر قائم نہیں رہنا چاہیے۔ اس قسم کی بغض رکھنے والے کو ڈرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے اعمال کی اسی طرح جانچ پڑتال کرے گا جس طرح اس نے دنیا میں لوگوں کی غلطیوں کی جانچ پڑتال کی تھی۔ قیامت کے دن جس کے اعمال کی جانچ پڑتال کی جائے گی اسے سزا ملے گی۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 103 میں موجود ہے۔ آخر میں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ دوسروں کو معاف کرنے ایک حدیث سے ہوئی ہے میں خود کو دوسروں کے نقصان سے بچانے کے لیے اقدامات کرنا بھی شامل ہے تاکہ تاریخ اپنے آپ کو نہ دہرائے۔ صبر اور دوسروں کو معاف کرنے میں غیر فعال رویہ اپنانا شامل نہیں ہے جس کے تحت کوئی دوسروں کو ان پر ظلم کرنے دیتا ہے اور وہ خود کو دوبارہ نقصان پہنچنے سے بچانے کے لیے اقدامات کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اس غیر فعال رویہ کا اسلام کی تعلیمات سے

کوئی تعلق نہیں۔ مثال کے طور پر، ایک عورت جو اپنے شوہر کی طرف سے جسمانی زیادتی کا شکار ہو رہی ہے، اسے اپنی اور اپنے بچوں کی حفاظت کے لیے اقدامات کرنے چاہئیں، چاہے اس میں پولیس کو کال کرنا اور اسے چھوڑنا شامل ہو۔ جب اس نے اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو اس کے نقصان سے بچا لیا اور اپنی زندگی کو آگے بڑھایا، تو وہ اس دنیا میں حکومت کے ذریعے انصاف حاصل کر سکتی ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے انصاف حاصل کر سکتی ہے۔ لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اس کی ماضی کی غلطیوں کے لیے اسے معاف کر دے تو یہ اس کی مغفرت کا باعث بنے گا۔ باب 24 النور، آیت 22:

"... اور وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

اللہ تعالیٰ اور حضرت اس کے علاوہ زیر بحث اہم واقعہ اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حقیقی محبت کرنے کی علامت یہ ہے کہ ان تمام لوگوں سے محبت کریں جو اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتے ہیں، خواہ ان کے بارے میں ان کی ذاتی رائے کے خلاف ہو۔ اس محبت میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے الفاظ کے ذریعے اور زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اپنے اعمال کے ذریعے محبت کا اعلان کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ بات سب پر ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اہل بیت رضی اللہ عنہم، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور صالحین اس سچی محبت کے حامل تھے۔ پس ان میں سے ہر ایک سے محبت اس شخص پر فرض ہے جو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرے۔ یہ بات بہت سی احادیث سے ثابت ہے جیسے کہ صحیح بخاری نمبر 17 میں موجود ہے۔ اس میں یہ نصیحت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگاروں سے محبت، یعنی مدینہ منورہ کے رہنے والوں سے محبت ایمان کا حصہ ہے اور ان سے بغض رکھنا نفاق کی علامت ہے۔ جامع ترمذی نمبر 3862 میں موجود ایک اور حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو واضح طور پر تنبیہ فرمائی ہے کہ وہ کسی بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید نہ کریں کیونکہ ان سے محبت کرنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی علامت ہے اور ان سے بغض رکھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغض رکھنے کی علامت ہے۔ یہ شخص اس وقت تک کامیاب نہیں ہو گا جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کرے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 143 میں موجود ایک حدیث میں اپنے مبارک گھر والوں کے بارے میں اسی طرح کا بیان فرمایا ہے۔

اگر کوئی مسلمان کسی ایسے مسلمان پر بلاجواز تنقید کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے تو اس سے ان کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی کمی ثابت ہوتی ہے۔ اگر کوئی مسلمان گناہ کرتا ہے تو دوسرے مسلمانوں کو گناہ سے نفرت کرنی چاہیے لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے پھر بھی گناہ گار مسلمان کے لیے اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی وجہ سے محبت رکھنا چاہیے۔ دوسروں سے محبت کرنے کی علامت ان کے ساتھ حسن سلوک اور احترام سے پیش آنا ہے۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جیسا وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں۔

سچا ہونا

یمن کی مہم کے دوران، علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے ضرورت مندوں کے لیے چند اونٹوں کو صدقہ کے طور پر منتخب کیا۔ اس کے کچھ آدمیوں نے پوچھا کہ کیا وہ ان اونٹوں پر سواری کر سکتے ہیں اور اپنے اونٹوں کو آرام دے سکتے ہیں۔ لیکن اس نے انکار کر دیا اور تبصرہ کیا کہ چونکہ انہیں خیراتی عطیات کے لیے منتخب کیا گیا تھا صرف وہی لوگ ان کا استعمال کر سکتے ہیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 144 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ اس اخلاص کی نشاندہی کرتا ہے جو علی رضی اللہ عنہ دوسروں کے لیے رکھتے تھے۔ یہ سب سے بہتر اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی دوسروں کے لیے محبت کرتا ہے، جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ درحقیقت کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک نہ کرے۔ صحیح بخاری نمبر 13 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر کوئی مسلمان اس خصوصیت کو اپنانے میں ناکام رہے تو اس کا ایمان ختم ہو جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک وہ اس نصیحت پر عمل نہ کریں۔ یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ مسلمان اس وقت تک اپنا ایمان مکمل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے بھی وہ چیز ناپسند نہ کرے جو اپنے لیے ناپسند کرتا ہے۔ اس کی تائید صحیح مسلم نمبر 6586 میں موجود ایک اور حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ نصیحت کرتی ہے کہ امت مسلمہ ایک جسم کی مانند ہے۔ جسم کے ایک حصے میں درد ہو تو باقی جسم درد میں شریک ہوتا ہے۔ اس باہمی احساس میں دوسروں کے لیے محبت اور نفرت شامل ہے جو کوئی اپنے لیے پسند کرتا ہے اور نفرت کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو یہ مقام صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب اس کا دل بغض اور حسد سے پاک ہو۔ یہ بُری خصلتیں انسان کو ہمیشہ اپنے لیے بہتر کی خواہش کا باعث بنتی ہیں۔ پس درحقیقت یہ حدیث اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کو اچھی خصلتوں کو اپنا کر اپنے دل کو پاک کرنا چاہیے جیسا کہ معاف کرنے والا ہونا اور حسد جیسی بری خصلتوں کو ختم کرنا چاہیے۔ یہ صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے ہی ممکن ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دوسروں کے لیے بھلائی کی خواہش کرنے سے وہ اچھی چیزوں سے محروم نہیں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے خزانے کی کوئی حد نہیں اس لیے خود غرضی اور لالچی ذہنیت اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔

دوسروں کے لیے بھلائی کی خواہش میں دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے، جیسے کہ مالی یا جذباتی مدد، اسی طرح ایک شخص چاہتا ہے کہ دوسروں کی ضرورت کے وقت ان کی مدد کریں۔ اس لیے اس محبت کو صرف الفاظ سے نہیں بلکہ عمل سے ظاہر کرنا چاہیے۔ یہاں تک کہ جب کوئی مسلمان برائی سے منع کرتا ہے اور ایسی نصیحت کرتا ہے جو دوسروں کی خواہشات کے خلاف ہو تو انہیں نرمی سے ایسا کرنا چاہئے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے انہیں اچھی نصیحت کریں۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، زیر بحث اہم حدیث ان تمام برے خصلتوں کو ختم کرنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے جو باہمی محبت اور نگہداشت سے متصادم ہوں، جیسا کہ حسد۔ حسد اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص کسی خاص نعمت کا مالک ہونا چاہتا ہے جو صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے جب اسے کسی اور سے چھین لیا جائے۔ یہ رویہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب کردہ نعمتوں کی تقسیم کے لیے براہ راست چیلنج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کبیرہ گناہ ہے اور حسد کرنے والے کی نیکیوں کو برباد کرنے کا باعث ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4903 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اگر کوئی مسلمان دوسروں کے پاس حلال چیزوں کی خواہش رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ وہ اسے وہی چیز عطا کرے جو دوسرے شخص کی نعمت سے محروم نہ ہو۔ اس قسم کی حسد جائز ہے اور مذہب کے پہلوؤں میں قابل تعریف ہے۔ صحیح مسلم نمبر 1896 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت کی ہے کہ مسلمانوں کو صرف اس دولت مند سے حسد کرنا چاہئے جو اپنی دولت کا صحیح استعمال کرے۔ اور ایک ایسے علم والے سے رشک کریں جو اپنے علم کو اپنے اور دوسروں کے فائدے کے لیے استعمال کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو نہ صرف دوسروں کے لیے دنیاوی نعمتوں کے حصول کے لیے محبت کرنی چاہیے بلکہ ان کے لیے دونوں جہانوں میں دینی برکات حاصل کرنے کے لیے بھی محبت کرنی چاہیے۔ درحقیقت جب کوئی دوسروں کے لیے یہ خواہش کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس کے احکام کی تعمیل کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنے اور تقدیر کا مقابلہ کرنے کے لیے نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر سے کام لینے کی ترغیب دیتا ہے۔ اسلام میں اس قسم کے صحت مند مقابلے کا خیر مقدم کیا گیا ہے۔ باب 83 المطففین، آیت 26:

"تو اس کے لیے حریفوں کو مقابلہ کرنے دیں۔..."

یہ ترغیب ایک مسلمان کو اپنے کردار میں کسی خامی کو تلاش کرنے اور اسے دور کرنے کے لیے اپنا جائزہ لینے کی بھی ترغیب دے گی۔ جب یہ دونوں عناصر معنی کو یکجا کرتے ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کرتے ہیں، اور کردار کو پاک کرتے ہیں، تو یہ دونوں جہانوں میں کامیابی کا باعث بنتا ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں سے محبت کا دعویٰ نہ صرف زبانی طور پر کرے بلکہ اپنے عمل سے ظاہر کرے۔ امید ہے کہ جو اس طرح دوسروں کی فکر کرتا ہے اسے دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی فکر حاصل ہوگی۔ اس کی طرف جامع ترمذی نمبر 1930 میں موجود حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

اعتماد دکھا رہا ہے۔

جنگ یمن کے دوران علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے سونے کا ایک ٹکڑا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واپس بھیجا جسے آپ نے چار لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ کسی نے تبصرہ کیا کہ سونے پر ان کا ان مردوں سے زیادہ حق ہے۔ جب یہ بات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے سوال کیا کہ کیا لوگ آپ پر بھروسہ کرتے ہیں اور مزید فرمایا کہ آپ پر صبح و شام آسمان سے خبریں نازل کرنے والے کا بھروسہ ہے۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 146 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنا اعتماد ظاہر کرے، خلوص نیت سے آپ کی پیروی اور اطاعت کرتے ہوئے، چاہے آپ کی روایات کے پیچھے جو حکمتیں ہیں ان پر ظاہر نہ ہوں۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

اور باب 59 الحشر، آیت 7:

‘‘اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔’’

اور باب 4 النساء آیت 80:

''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

اور باب 33 الاحزاب، آیت 21:

''یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہے۔''

انسان کو اپنے کردار کو اس کے مبارک کردار کے مطابق بنانا چاہیے تاکہ وہ صبر، شکر اور سخاوت جیسی اچھی صفات کو اپنا لیں اور حسد، غرور اور لالچ جیسی منفی خصوصیات کو ترک کر دیں۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ ذہنی سکون حاصل کرتے ہیں، کیونکہ مثبت خصوصیات کو اپنانے سے مثبت ذہنیت جنم لیتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی اور تعلیمات کو سیکھنا اور ان پر عمل کرنا بھی اس بات کو یقینی بنائے گا کہ کوئی شخص بیرونی دنیا میں ان کی صحیح نمائندگی کرتا ہے۔ جو ایسا کرنے میں ناکام رہے گا وہ لامحالہ اس کی غلط تشریح کرے گا اور اس لیے غیر مسلموں اور دیگر مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے روک دے گا۔ اس کو غلط طریقے سے پیش کرنے سے بیرونی دنیا بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تنقید کرنے کا سبب بنے گی جب وہ مسلمانوں کے برے رویے کو دیکھیں گے۔ یہ وہ چیز ہے جس کا ہر مسلمان جواب دے گا کیونکہ یہ ان پر فرض ہے کہ وہ بیرونی دنیا میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح نمائندگی کریں۔

اس کے علاوہ سابقہ امتوں کی طرح جو اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت کا دعویٰ کرتی ہیں، آخرت میں ان کے ساتھ شامل نہیں ہوں گی کیونکہ وہ عملی طور پر ان کی پیروی کرنے میں ناکام رہی ہیں، اور نہ ہی وہ مسلمان جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی طور پر پیروی کرنے میں ناکام رہے ہیں، آخرت میں ان کے ساتھ شامل نہیں ہوں گے۔ اس کے بجائے، ایک شخص ان

لوگوں میں شامل ہو جائے گا جن کی وہ اس دنیا میں عملی طور پر نقل کرتے تھے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4031 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔

اعمال کا مثبت انداز میں فیصلہ کرنا

سونے کا ایک ٹکڑا تقسیم کرتے وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک منافق نے تنقید کا نشانہ بنایا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی سرزنش کی اور اسے یاد دلایا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرتا ہے۔ وہ آدمی پھر چلا گیا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو اس کی توہین کے جرم میں پھانسی دینے کی اجازت چاہی لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ یہ شخص فرض نماز پڑھنے والا ہو سکتا ہے۔ علی رضی اللہ عنہ نے پھر تبصرہ کیا کہ وہ بہت سے لوگ تھے جو نماز پڑھتے تھے لیکن منافق تھے کیونکہ انہوں نے ایسی باتیں زبانی بیان کیں جو ان کے دلوں کے خلاف تھیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر جواب دیا کہ مجھے لوگوں کے دلوں کو تلاش کرنے کا حکم نہیں دیا گیا اور نہ ہی ان کی نیت کی تلاش میں ان کے پیٹ کاٹنے کا حکم دیا گیا ہے۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 146 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

سنن ابو داؤد نمبر 4993 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت کی کہ لوگوں کے بارے میں اچھا گمان کرنا اللہ تعالیٰ کی عبادت کا ایک پہلو ہے۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک پہلو ہے۔

چیزوں کو منفی انداز میں بیان کرنا اکثر گناہوں کا باعث بنتا ہے، جیسے غیبت اور غیبت۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جہاں ممکن ہو مثبت انداز میں چیزوں کی تشریح کرے تاکہ شک کا فائدہ دوسروں تک پہنچایا جا سکے۔ بدقسمتی سے، منفی سوچ کو اپنانے سے خاندانی یونٹ سے لے کر قومی سطح تک لوگوں پر اثر پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک قوم کتنی بار ایک مفروضے اور شک پر جنگ میں گئی ہے؟ میڈیا میں پائے جانے والے اسکینڈلز کی اکثریت مفروضوں پر مبنی ہے۔ یہاں تک کہ ایسے قوانین بھی بنائے گئے ہیں جو مفروضوں اور شبہات کے استعمال کی حمایت کرتے ہیں۔ یہ اکثر ٹوٹنے اور ٹوٹنے والے رشتوں کی طرف لے جاتا ہے کیونکہ اس ذہنیت کے حامل لوگ ہمیشہ یہ مانتے ہیں کہ دوسرے ان کے الفاظ یا اعمال کے ذریعے ان پر تنقید کر رہے ہیں۔ یہ کسی کو دوسروں سے مشورہ لینے سے روکتا ہے، کیونکہ ان کا ماننا ہے کہ مشورہ دینے والے کی طرف سے ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے اور یہ ایک کو مشورہ دینے سے روکتا ہے کیونکہ انہیں یقین ہے کہ دوسرا شخص ان کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دے گا۔ اور ایک شخص اس منفی

ذہنیت کے حامل شخص کو نصیحت کرنے سے گریز کرے گا کیونکہ ان کا خیال ہے کہ یہ صرف ایک دلیل کا باعث بنے گا۔ یہ دیگر منفی خصلتوں کی طرف جاتا ہے، جیسے کہ تلخی۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگر وہ یہ فرض کر لیں کہ کوئی ان پر طنز کر رہا ہے، تب بھی انہیں ان کی نصیحت کو قبول کرنا چاہیے اگر یہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر مبنی ہے۔

چیزوں کی ہمیشہ منفی تشریح کرنا بھی ایک طاقتور دماغی بیماری کو جنم دیتا ہے، یعنی پیراونیا۔ جو شخص بے حیائی کو اپناتا ہے وہ ہمیشہ دوسروں کو بری چیزوں کا شکوہ کرتا ہے۔ یہ رشتوں کے لیے انتہائی تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے، جیسے شادی۔

کوشش کرنی چاہیے کہ جہاں ممکن ہو مثبت انداز میں چیزوں کی تشریح کی جائے، جس سے مثبت ذہنیت جنم لے۔ اور ایک مثبت ذہنیت صحت مند تعلقات، احساسات اور اتحاد کا باعث بنتی ہے۔ جبکہ چیزوں کی ہمیشہ منفی انداز میں تشریح کرنا انسان کو دوسروں کے بارے میں ہمیشہ منفی سوچنے اور عمل کرنے کی ترغیب دیتا ہے، چاہے ان کا برتاؤ اچھا ہو۔ یہ صرف انسان کو دوسروں کے حقوق ادا کرنے سے روکتا ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 12:

"...اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت سے گمانوں سے بچو، بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں"

الوداعی مقدس زیارت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 152 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 1773 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ قبول شدہ حج کا ثواب جنت کے سوا کچھ نہیں۔

حج کا اصل مقصد مسلمانوں کو آخرت کے آخری سفر کے لیے تیار کرنا ہے۔ جس طرح ایک مسلمان حج کے لیے اپنے گھر، کاروبار، دولت، خاندان، دوست احباب اور سماجی حیثیت کو پیچھے چھوڑتا ہے، یہ اس کی موت کے وقت ہوگا، جب وہ آخرت کا سفر طے کرے گا۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 2379 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ کسی شخص کے اہل و عیال ان کو قبر پر چھوڑ دیتے ہیں اور ان کے اچھے اور برے اعمال ہی ان کے پاس رہتے ہیں۔

جب کوئی مسلمان اپنے حج کے دوران اس بات کو ذہن میں رکھے گا تو وہ اس فرض کے تمام پہلوؤں کو صحیح طریقے سے ادا کرے گا۔ یہ مسلمان ایک بدلے ہوئے انسان کے گھر واپس آئے گا، کیونکہ وہ اس مادی دنیا کے اضافی پہلوؤں کو جمع کرنے کے بجائے آخرت کے اپنے آخری سفر کی تیاری کو ترجیح دیں گے۔ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں کوشش کریں گے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کریں گے اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کریں گے، جس میں فضول خرچی اور اسراف کے بغیر اپنی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے دنیا سے لے جانا بھی شامل ہے۔ اس سے وہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں گے جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ حج کو تعطیل اور خریداری کے سفر کے طور پر نہ سمجھیں کیونکہ یہ رویہ اس کے مقصد کو ختم کر دیتا ہے۔ اسے مسلمانوں کو ان کے آخرت کے آخری سفر کی یاد دلانا چاہیے، ایسا سفر جس کی واپسی اور کوئی دوسرا موقع نہیں ہے۔ صرف اسی سے انسان کو حج کی صحیح تکمیل اور آخرت کے لیے مناسب تیاری کرنے کی ترغیب ملے گی۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا اس کو ان کی مقدس زیارت سے جنت میں لے جایا جائے گا۔

اعمال میں اخلاص

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج کے لیے مدینہ سے نکلے تو آپ ایک پھٹی ہوئی زین پر سوار تھے جس کے نیچے ایک سستے کپڑے کا ٹکڑا تھا۔ اس کا سارا سامان اس کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے تبصرہ کیا کہ مقدس زیارت کو دکھاوے اور شہرت کے حصول سے مبرا ہونا ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 155 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ ذرا سی بھی دکھاوا کرنا شرک ہے۔

یہ شرک کی ایک معمولی قسم ہے جس سے کسی کا ایمان ضائع نہیں ہوتا۔ اس کے بجائے یہ ثواب کے نقصان کا باعث بنتا ہے، جیسا کہ اس مسلمان نے لوگوں کی خوشنودی کے لیے عمل کیا جب کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے عمل کرنا چاہیے تھا۔ درحقیقت قیامت کے دن ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ وہ اپنے اعمال کا بدلہ ان سے مانگیں جو کہ ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

اگر شیطان کسی کو اعمال صالحہ سے نہیں روک سکتا تو وہ ان کی نیت کو خراب کرنے کی کوشش کرے گا جس سے ان کے اجر کو ختم کر دے گا۔ اگر وہ ان کی نیت کو ظاہری طور پر خراب نہیں کر سکتا تو وہ باریک طریقے سے اسے خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس میں یہ بھی شامل ہے جب لوگ اپنے نیک اعمال کو دوسروں کے سامنے دکھاتے ہیں۔ بعض اوقات یہ اتنا لطیف ہوتا ہے کہ انسان خود بھی اس سے پوری طرح واقف نہیں ہوتا ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ جیسا کہ علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا سب پر فرض ہے، سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جہالت کا دعویٰ کرنا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن قبول نہیں کرے گا۔

باریک بینی کا مظاہرہ اکثر سوشل میڈیا اور کسی کی تقریر کے ذریعے ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان دوسروں کو بتا سکتا ہے کہ وہ روزہ رکھ رہا ہے حالانکہ کسی نے ان سے براہ راست نہیں پوچھا کہ کیا وہ روزہ رکھتے ہیں۔ ایک اور مثال یہ ہے کہ جب کوئی عام طور پر دوسروں کے سامنے قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے اور دوسروں کو دکھاتا ہے کہ انہوں نے قرآن پاک حفظ کر لیا ہے۔ یہاں تک کہ عوامی سطح پر خود پر تنقید کرنا بھی دوسروں کے سامنے اپنی عاجزی کا مظاہرہ سمجھا جا سکتا ہے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، نفاست سے دکھاوا ایک مسلمان کے اجر کو ختم کر دیتا ہے اور ان کے اعمال صالحہ کی حفاظت کے لیے اس سے بچنا چاہیے۔ یہ صرف اسلامی علم سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے ہی ممکن ہے، جیسے کہ کسی کے قول و فعل کی حفاظت کیسے کی جائے۔

مقدس کیا ہے

حج کے سفر کے دوران جب وہ وادی العقیق نامی وادی میں پہنچے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان کیا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روح کی سیر حاصل ہوئی ہے، یعنی ایک فرشتہ، جس نے ان سے کہا کہ اس مقدس وادی میں نماز پڑھو۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 4 صفحہ 162 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

زیادہ تر مسلمان مقدس مقامات اور اسلامی نوادرات کا بہت احترام کرتے ہیں لیکن اکثر ان چیزوں کو نظرانداز کرتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے مقدس قرار دیا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 67 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ اسلام میں مسلمان کا خون، مال اور عزت حرمت ہے۔

یہ حدیث، بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح، مسلمانوں کو سکھاتی ہے کہ کامیابی صرف اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے حقوق، جیسے فرض نماز، اور لوگوں کے حقوق کو ادا کرے۔ ایک کے بغیر دوسرا کافی اچھا نہیں ہے۔ قیامت کے دن انصاف قائم کیا جائے گا جس کے تحت ظالم کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنی نیکیاں متاثرین کے سپرد کرے اور اگر ضرورت پڑے تو ظالم کو ان کے مظلوموں کے گناہوں کی سزا دی جائے گی۔ اس سے ظالم کو جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

سچا مومن اور مسلمان وہ ہے جو دوسروں کے نفس اور مال سے اپنی زبانی اور جسمانی اذیت کو دور رکھے۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے فعل یا قول سے دوسروں کو نقصان نہ پہنچائیں۔

ایک مسلمان کو دوسروں کے مال کا احترام کرنا چاہیے اور انہیں غلط طریقے سے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے، مثال کے طور پر، قانونی معاملے میں۔ صحیح مسلم نمبر 353 میں موجود ایک حدیث میں خبردار کیا گیا ہے کہ جو شخص ایسا کرے گا وہ جہنم میں جائے گا، خواہ اس نے حاصل کی ہوئی چیز درخت کی ٹہنی کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے مال کو صرف ان کی خواہش کے مطابق استعمال کریں اور انہیں اس طریقے سے واپس کریں کہ اس کے مالک کی خوشنودی ہو۔ کسی کو دوسروں کے مال کے ساتھ اس طرح برتاؤ کرنا چاہئے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ اپنے مال کے ساتھ سلوک کریں۔

غیبت یا غیبت جیسے فعل یا تقریر سے کسی مسلمان کی عزت کو پامال نہیں کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کی عزت کا دفاع کرے، خواہ ان کی موجودگی میں ہو یا غیر موجودگی میں، کیونکہ یہ جہنم کی آگ سے ان کی حفاظت کا باعث بنے گا۔ اس کی نصیحت جامع ترمذی نمبر 1931 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ کسی کو دوسروں کے بارے میں اس طرح بات کرنی چاہئے جس طرح وہ چاہتا ہو کہ دوسرے ان کے بارے میں بات کریں۔ اس لیے اچھا بولنا چاہیے یا خاموش رہنا چاہیے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، کسی کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرتے ہوئے اپنے نفس، مال یا عزت پر ظلم کرنے سے گریز کرنا چاہیے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ جس طرح کوئی اسے اپنے لیے پسند کرتا ہے اسی طرح اسے دوسروں کے لیے بھی پسند کرنا چاہیے اور اسے اپنے عمل اور تقریر سے ثابت کرنا چاہیے۔ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث کے مطابق یہ مومن کی نشانی ہے۔

عرفات میں خطبہ

ثقافت پر مذہب

حج کے دوران جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرفات کی سرزمین پر پہنچے تو آپ نے خطبہ دیا۔ اس نے جو باتیں کہی ان میں سے ایک یہ تھی کہ اس نے ان جاہلانہ طریقوں سے متعلق ہر چیز کو تباہ کر دیا ہے جو اسلام سے پہلے عام تھے۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 4، صفحہ 210-211 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو غیر مسلموں کے رسم و رواج کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔ مسلمان جتنا زیادہ ایسا کریں گے وہ قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر اتنا ہی کم عمل کریں گے۔ یہ اس دور اور دور میں بالکل واضح ہے کیونکہ بہت سے مسلمانوں نے دوسری قوموں کے ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے جس کی وجہ سے وہ اسلام کی تعلیمات سے دور ہو گئے ہیں۔ مثال کے طور پر، کسی کو صرف جدید مسلم شادی کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ دیکھا جا سکے کہ مسلمانوں نے کتنے غیر مسلم ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے۔ جو چیز اس سے بدتر بناتی ہے وہ یہ ہے کہ بہت سے مسلمان قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات اور غیر مسلموں کے ثقافتی طریقوں پر مبنی اسلامی طریقوں میں فرق نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ سے غیر مسلم بھی ان میں تفریق نہیں کر سکتے جس کی وجہ سے اسلام کے لیے بہت زیادہ مسائل پیدا ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر غیرت کے نام پر قتل ایک ثقافتی عمل ہے جس کا ابھی تک اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں کی جہالت اور غیر مسلم ثقافتی طریقوں کو اپنانے کی ان کی عادت کی وجہ سے جب بھی معاشرے میں غیرت کے نام پر قتل ہوتا ہے تو اسلام کو مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو متحد کرنے کے لیے ذات پات اور بھائی چارے کی شکل میں سماجی رکاوٹوں کو دور کیا لیکن جاہل مسلمانوں نے غیر مسلموں کے ثقافتی طریقوں کو اپنا کر انہیں زندہ کیا ہے۔ سیدھے الفاظ میں، مسلمان جتنے زیادہ ثقافتی طریقوں کو اپنائیں گے، وہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر اتنا ہی کم عمل کریں گے۔

قانون سب پر لاگو ہوتا ہے۔

عرفات میں اپنے خطبہ کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان کیا کہ انہوں نے سود کے ان الزامات کو ختم کر دیا ہے جن پر اسلام سے پہلے لوگ متفق تھے کیونکہ یہ غیر قانونی تھا۔ اس نے سب سے پہلے جس سود کو ختم کرنے کا اعلان کیا وہ ان کے اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 4، صفحہ 210-211 میں بحث کی گئی ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ یہ واقعہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اسلام کا قانون تمام لوگوں پر یکساں لاگو ہوتا ہے۔

معاشرہ تنزلی کا شکار نظر آنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے انصاف کرنا چھوڑ دیا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 6787 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ تنبیہ کی ہے کہ پچھلی قومیں تباہ ہوئیں کیونکہ حاکم کمزوروں کو سزا دیتے تھے جب وہ قانون توڑتے تھے لیکن امیر اور بااثر کو معاف کر دیتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سربراہ مملکت ہونے کے ناطے اس حدیث میں یہاں تک اعلان فرمایا کہ اگر ان کی اپنی بیٹی نے کوئی جرم کیا تو وہ اس پر پوری قانونی سزا نافذ کریں گے۔ اگرچہ عوام الناس کے ارکان اس پوزیشن میں نہیں ہوں گے کہ وہ اپنے قائدین کو صرف اپنے اعمال پر قائم رہنے کا مشورہ دے سکیں لیکن وہ اپنے تمام معاملات اور اعمال میں انصاف سے کام لے کر ان پر بالواسطہ اثر ڈال سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان کو اپنے زیر کفالت افراد جیسے کہ ان کے بچوں کے ساتھ برابری کا سلوک کرتے ہوئے انصاف سے کام لینا چاہیے۔ سنن ابوداؤد نمبر 3544 میں موجود حدیث میں خاص طور پر اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ انہیں چاہئے کہ وہ اپنے تمام کاروباری معاملات میں عدل و انصاف سے کام لیں خواہ وہ کسی کے ساتھ معاملہ کریں۔ اگر لوگ انفرادی سطح پر انصاف کے ساتھ کام کریں تو کمیونٹیز بہتر طور پر بدل سکتی ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ لوگ جو بااثر عہدوں پر ہیں، جیسے کہ سیاست دان، چاہے وہ چاہیں یا نہ چاہیں، انصاف سے کام لیں گے۔

مالیاتی سود اس رقم کی نشاندہی کرتا ہے جو قرض دہندہ قرض دہندہ سے سود کی ،اس کے علاوہ ایک مقررہ شرح پر وصول کرتا ہے۔ قرآن مجید کے نزول کے وقت سودی لین دین کی کئی صورتیں رائج تھیں۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ فروش نے ایک مضمون فروخت کیا اور قیمت کی ادائیگی کے لیے ایک وقت کی حد مقرر کی، یہ شرط رکھی کہ اگر خریدار مقررہ مدت کے اندر ادائیگی کرنے میں ناکام رہا تو وہ وقت کی حد کو بڑھا دے گا لیکن مضمون کی قیمت میں اضافہ کر دے گا۔ دوسرا یہ تھا کہ ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو ایک رقم ادھار دی اور یہ شرط رکھی کہ قرض لینے والے کو ایک مقررہ مدت کے اندر قرض کی رقم سے زائد رقم واپس کرنی چاہیے۔ سود کے لین دین کی ایک تیسری شکل یہ تھی کہ قرض لینے والے اور بیچنے والے نے اس بات پر اتفاق کیا کہ سابقہ قرض ایک مقررہ حد کے اندر ایک مقررہ شرح سود پر ادا کرے گا، اور یہ کہ اگر وہ اس حد کے اندر ایسا کرنے میں ناکام رہے تو قرض دہندہ وقت کی حد بڑھا دے گا لیکن ساتھ ہی شرح سود کو بڑھا دے گا۔ یہ ایسے لین دین ہیں جن پر یہاں مذکور احکام لاگو ہوتے ہیں۔

جو لوگ اس پر یقین رکھتے ہیں وہ حلال سرمایہ کاری اور مالی مفاد سے حاصل ہونے والے منافع میں فرق کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اس الجھن کے نتیجے میں بعض لوگ یہ استدلال کرتے ہیں کہ اگر کسی کاروبار میں لگائی گئی رقم سے منافع حلال ہے تو قرض سے حاصل ہونے والے منافع کو کیوں حرام قرار دیا جائے؟ وہ دلیل دیتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی دولت کی سرمایہ کاری کرنے کے بجائے اسے کسی ایسے شخص کو قرض دیتا ہے جو بدلے میں اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ ایسے حالات میں قرض خواہ قرض خواہ کو منافع کا حصہ کیوں ادا نہ کرے؟ وہ یہ تسلیم کرنے میں ناکام رہتے ہیں کہ کوئی بھی کاروباری منصوبہ خطرے سے محفوظ نہیں ہے۔ کوئی بھی منصوبہ منافع کی مطلق ضمانت نہیں رکھتا۔ لہٰذا یہ مناسب نہیں ہے کہ اکیلے فنانسر کو ہر حال میں ایک مقررہ شرح پر منافع کا حقدار سمجھا جائے اور اسے نقصان کے کسی بھی امکان سے محفوظ رکھا جائے۔ یہ انصاف کا حصہ نہیں ہے کہ جو لوگ اپنے وسائل وقف کرتے ہیں انہیں کسی بھی مقررہ شرح پر منافع کی ضمانت نہیں دی جاتی جبکہ جو لوگ اپنی دولت کو قرض دیتے ہیں وہ نقصان کے تمام خطرات سے مکمل طور پر محفوظ ہوتے ہیں اور ایک مقررہ شرح پر منافع کی ضمانت دی جاتی ہے۔

ایک عام حلال لین دین میں خریدار اس چیز سے فائدہ اٹھاتا ہے جسے وہ بیچنے والے سے خریدتا ہے۔ بیچنے والے کو شے بنانے میں لگائی گئی محنت اور وقت کا معاوضہ ملتا ہے۔ دوسری طرف سود سے متعلق لین دین میں، فوائد کا تبادلہ منصفانہ طور پر نہیں ہوتا ہے۔ سود وصول کرنے والے فریق کو اپنے دیئے گئے قرض کی ادائیگی کے طور پر ایک مقررہ رقم ملتی ہے اور اس طرح ان کا فائدہ محفوظ ہوجاتا ہے۔ دوسرا فریق قرضے میں دیے گئے فنڈز کا استعمال کر سکتا ہے لیکن یہ ہمیشہ منافع نہیں دے سکتا۔ اگر ایسا شخص ادھار کی رقم کسی ضرورت پر خرچ کرے تو کوئی نفع

نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر فنڈز کی سرمایہ کاری کی جاتی ہے تب بھی کسی کو نفع یا نقصان دونوں کا موقع ملتا ہے۔ اس لیے سود سے متعلق لین دین یا تو ایک طرف نقصان اور دوسری طرف منافع یا ایک طرف یقینی اور مقررہ منافع اور دوسری طرف غیر یقینی منافع کا سبب بنتا ہے۔ اس لیے حلال تجارت مالی سود کے برابر نہیں ہے۔

اس کے علاوہ، سود کا بوجھ قرض لینے والوں کے لیے قرض کی واپسی کو انتہائی مشکل بنا دیتا ہے۔ اصل قرض اور سود کی ادائیگی کے لیے انہیں کسی اور ذریعے سے قرض بھی لینا پڑ سکتا ہے۔ سود کے کام کرنے کے طریقے کی وجہ سے ان پر واجب الادا رقم اکثر قرض کی ادائیگی کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ یہ مالی دباؤ لوگوں کو اپنے اور اپنے خاندان کے لیے ضروریات زندگی حاصل کرنے سے روک سکتا ہے۔ یہ تناؤ بہت سے جسمانی اور ذہنی مسائل کا باعث بن سکتا ہے۔

بالآخر، اس قسم کے نظام میں صرف امیر ہی امیر تر ہوتے ہیں جبکہ غریب غریب تر ہوتے جاتے ہیں۔

اگرچہ مالی مفادات سے نمٹنا ظاہری طور پر ایسا لگتا ہے کہ کسی شخص کو دولت حاصل ہوتی ہے لیکن حقیقت میں اس سے ان کا مجموعی نقصان ہی ہوتا ہے۔ یہ نقصان کئی شکلیں لے سکتا ہے۔ مثال کے طور پر، یہ انہیں اچھے اور حلال کاروباری معاملات کو کھونے کا باعث بن سکتا ہے جو وہ حاصل کر سکتے تھے اگر وہ مالی مفاد سے نمٹتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے مال کو ایسے طریقوں سے استعمال کرنے پر مجبور کر سکتا ہے جو ان کو پسند نہ ہوں۔ مثال کے طور پر، ان کو جسمانی بیماریوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی قیمتی غیر قانونی دولت کو اس طرح خرچ کرتے ہیں کہ اس کو ان طریقوں سے استعمال کرنے میں ناکام رہتے ہیں جو انہیں خوش کرتے ہیں۔ مجموعی نقصان کا ایک روحانی پہلو بھی ہے۔ وہ جتنا زیادہ مالی سود کا سودا کرتے ہیں ان کا لالچ اتنا ہی زیادہ معنی خیز ہوتا جاتا ہے، ان کی دنیاوی چیزوں کی حرص کبھی پوری نہیں ہوتی جو تعریف کے اعتبار سے انہیں غریب بنا دیتی ہے خواہ ان کے پاس بہت زیادہ دولت ہو۔ یہ لوگ دن بھر ایک دنیاوی مسئلے سے دوسرے مسئلے میں جائیں گے اور قناعت حاصل کرنے میں ناکام رہیں گے کیونکہ وہ اس فضل سے محروم رہیں گے جو حلال کاروبار اور دولت کے ساتھ ہے۔ یہ انہیں مالی مفاد اور دیگر ذرائع سے مزید غیر قانونی دولت حاصل کرنے کی طرف دھکیل سکتا ہے۔ آخرت کا نقصان زیادہ واضح ہے۔ وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ چھوڑے جائیں گے کیونکہ کوئی نیک عمل جو حرام سے جڑا ہوا ہو مثلاً حرام مال سے صدقہ کرنا اللہ تعالیٰ

کے ہاں قبول نہیں ہوتا۔ یہ طے کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں ہے کہ اس شخص کا قیامت کے دن کہاں تک پہنچنے کا امکان ہے۔

حلال کاروباری لین دین اور سود سے متعلق لین دین میں بہت فرق ہے۔ سابقہ معاشرہ میں فائدہ مند ،کردار ادا کرتا ہے جبکہ بعد والا اس کے زوال کا باعث بنتا ہے۔ اپنی فطرت کے مطابق مفاد لالچ خود غرضی، بے حسی اور دوسروں کے ساتھ ظلم کو جنم دیتا ہے۔ یہ دولت کی عبادت کی طرف لے جاتا ہے اور دوسروں کے ساتھ ہمدردی اور اتحاد کو ختم کرتا ہے۔ اس طرح یہ معاشرے کو معاشی اور اخلاقی دونوں لحاظ سے تباہ کر سکتا ہے۔

دوسری طرف صدقہ، سخاوت اور ہمدردی کا نتیجہ ہے۔ باہمی تعاون اور خیرسگالی سے معاشرہ مثبت طور پر ترقی کرے گا جس سے سب کو فائدہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی ایسا معاشرہ ہو جس کے افراد ایک دوسرے کے ساتھ معاملات میں خود غرض ہوں، جس میں امیروں کے مفادات عام لوگوں کے مفادات کے بالواسطہ مخالف ہوں تو وہ معاشرہ مستحکم بنیادوں پر قائم نہیں رہتا۔ ایسے معاشرے میں محبت اور ہمدردی کی بجائے باہمی رنجش اور تلخی بڑھنے لگتی ہے۔

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب لوگ اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات پوری کریں گے اور پھر اپنی زائد دولت سے خیراتی طریقوں سے خرچ کریں گے یا باہمی طور پر حلال کاروبار میں حصہ لیں گے تو ایسے معاشرے میں تجارت، صنعت اور زراعت میں بہتری آئے گی۔ معاشرے کے اندر زندگی کا معیار بلند ہو گا اور اس میں پیداوار ان معاشروں کی نسبت بہت زیادہ ہو گی جہاں معاشی سرگرمیاں مالی مفاد کی وجہ سے محدود ہیں۔

شادی میں ہم آہنگی۔

عرفات میں اپنے خطبہ کے دوران، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے کہا کہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ ہر وقت حسن سلوک کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 4، صفحہ 210-211 میں بحث کی گئی ہے۔

اگر عورت اور مرد دونوں کامیاب ازدواجی زندگی کا تجربہ کرنا چاہتے ہیں تو انہیں اسلام کی تعلیمات پر مبنی شریک حیات تلاش کرنا ہوگا۔

صحیح بخاری نمبر 5090 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ چار وجوہات کی بنا پر شادی کی جاتی ہے :مال، نسب، حسن یا تقویٰ۔ انہوں نے تنبیہ کرتے ہوئے نتیجہ اخذ کیا کہ آدمی کو تقویٰ کی خاطر شادی کرنی چاہیے ورنہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس حدیث میں مذکور پہلی تین چیزیں بہت عارضی اور ناقص ہیں۔ وہ کسی کو عارضی خوشی تو دے سکتے ہیں لیکن آخرکار یہ چیزیں ان کے لیے بوجھ بن جاتی ہیں کیونکہ ان کا تعلق مادی دنیا سے ہے نہ کہ اس چیز سے جو حتمی اور مستقل کامیابی عطا کرتی ہے یعنی ایمان۔ یہ سمجھنے کے لیے کہ دولت خوشی نہیں لاتی، صرف امیر اور مشہور کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت، امیر زمین پر سب سے زیادہ غیر مطمئن اور ناخوش لوگ ہیں۔ اپنے نسب کی خاطر کسی سے شادی کرنا بے وقوفی ہے کیونکہ یہ اس بات کی ضمانت نہیں دیتا کہ وہ شخص ایک اچھا شریک حیات بنائے گا۔ درحقیقت، اگر شادی کام نہیں کرتی ہے، تو یہ شادی سے پہلے دونوں خاندانوں کے خاندانی بندھن کو ختم کر دیتی ہے۔ صرف خوبصورتی یعنی محبت کی خاطر شادی کرنا عقلمندی نہیں ہے کیونکہ یہ ایک بے چین جذبہ ہے جو وقت کے ساتھ اور مزاج کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ قیاس محبت میں ڈوب جانے والے کتنے جوڑے ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگے؟

لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی ایسا شریک حیات تلاش کرے جو غریب ہو، کیونکہ یہ ضروری ہے کہ کسی ایسے شخص سے شادی کی جائے جو خاندان کی مالی مدد کر سکے۔ نہ ہی اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو اپنے شریک حیات کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ یہ صحت مند شادی کا ایک اہم پہلو ہے۔ لیکن اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں کسی کی شادی کی بنیادی یا حتمی وجہ نہیں ہونی چاہئیں۔ ایک مسلمان کو شریک حیات میں جو بنیادی اور حتمی خوبی تلاش کرنی چاہیے وہ تقویٰ ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لاتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز آتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے۔ سادہ لفظوں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اپنی شریک حیات کے ساتھ خوشی اور مشکل دونوں وقتوں میں اچھا سلوک کرے گا۔ دوسری طرف، جو لوگ بے دین ہیں وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ بدسلوکی کریں گے جب بھی وہ پریشان ہوں گے۔ حالیہ برسوں میں مسلمانوں کے درمیان گھریلو تشدد میں اضافے کی یہ ایک اہم وجہ ہے۔ اور جب وہ اپنے شریک حیات سے راضی ہوں گے تب بھی وہ اپنی لاعلمی کی وجہ سے اپنے حقوق ادا کرنے میں ناکام رہیں گے جس کو دور کرنے میں تقویٰ مدد کرتا ہے۔ باب فاطر، آیت 28 35:

’’اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں۔‘‘

اس کے علاوہ پرہیزگار انسان ہمیشہ دوسروں کے حقوق ادا کرنے کی فکر میں رہتا ہے، جیسے کہ ان کی شریک حیات، پھر وہ لوگوں کے حقوق ادا کرنے کی فکر میں رہتا ہے۔ اس لیے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے سوال کرے گا کہ انہوں نے لوگوں کے حقوق ادا کیے یا نہیں؟ وہ ان سے یہ نہیں پوچھے گا کہ کیا لوگوں نے ان کے حقوق ادا کیے ہیں، جیسا کہ یہ اس وقت کیا جائے گا جب اللہ تعالیٰ دوسروں سے سوال کرتا ہے، نہ کہ جب وہ ان سے سوال کرتا ہے۔ جبکہ ظالم مسلمان صرف اپنے حقوق، حقوق کی پرواہ کرے گا جو اس نے معاشرے، ثقافت، فیشن اور اپنے تخیل سے لیے ہیں اسلام سے نہیں۔ نتیجے کے طور پر، وہ اپنے شریک حیات سے کبھی بھی حقیقی طور پر راضی نہیں ہوں گے، خواہ ان کی شریک حیات اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنے حقوق ادا کرے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام سے لاعلمی اور طلاق کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔

آخر میں، اگر کوئی مسلمان شادی کرنا چاہتا ہے تو اسے سب سے پہلے اس سے متعلق علم حاصل کرنا چاہیے، جیسے کہ اس پر اپنی شریک حیات کے واجب الادا حقوق، جو حقوق اس پر اپنی شریک حیات سے واجب الادا ہیں اور مختلف حالات میں اپنی شریک حیات کے ساتھ صحیح سلوک کرنے کا طریقہ۔ بدقسمتی سے، اس سے لاعلمی بہت سے دلائل اور طلاقوں کا باعث بنتی ہے کیونکہ لوگ ایسی چیزوں کا مطالبہ کرتے ہیں جن کو پورا کرنے کے لیے ان کا شریک حیات پابند نہیں ہوتا۔ لہٰذا علم، جو تقویٰ کی جڑ ہے، صحت مند اور کامیاب ازدواجی زندگی کی بنیاد ہے۔

اس کے علاوہ زیر بحث اہم واقعہ خواتین کے حقوق کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ عام بات یہ ہے کہ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں عورتوں کے لیے گھریلو استعمال کی اشیاء کے برابر ہونا عام رواج تھا۔ انہیں مویشیوں کی طرح خریدا اور بیچا جائے گا۔ عورت کو شادی کے حوالے سے کوئی حق نہیں تھا، اپنے رشتہ داروں کی طرف سے وراثت میں کچھ حصہ کی حقدار ہونے کے علاوہ وہ خود کو وراثت کا ایک ٹکڑا سمجھا جاتا تھا جیسے گھر کے دیگر سامان۔ اسے مردوں کی ملکیت سمجھا جاتا تھا جبکہ اسے کسی چیز کی ملکیت کی اجازت نہیں تھی۔ اور وہ صرف مرد کی مرضی کے مطابق خرچ کر سکتی تھی۔ جبکہ مرد اپنی خواہش کے مطابق کوئی بھی مال خرچ کر سکتا ہے جو اس کا ہونا چاہیے، جیسے اجرت۔ اسے اس طریقہ پر سوال کرنے کا بھی حق نہیں تھا۔ یورپ کے کچھ گروہوں نے تو عورت کو انسان نہیں سمجھا اور اسے جانور کے برابر قرار دیا۔ عورت کو مذہب میں کوئی جگہ نہیں تھی۔ وہ عبادت کے لیے نااہل سمجھے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض نے عورتوں کو روح کی حامل نہیں قرار دیا۔ ایک باپ کے لیے اپنی نوزائیدہ یا جوان بیٹی کو قتل کرنا مکمل طور پر معمول سمجھا جاتا تھا کیونکہ اسے خاندان کے لیے شرمندگی کے طور پر دیکھا جاتا تھا۔ بعض کا یہ بھی ماننا تھا کہ عورت کو قتل کرنے والے کے خلاف کوئی انصاف نہیں کیا جائے گا۔ کچھ رسم و رواج نے تو مردہ شوہر کی بیوی کو بھی مار ڈالا کیونکہ وہ اس کے بغیر رہنے کے قابل نہیں تھی۔ بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ عورتوں کا مقصد صرف مردوں کی خدمت ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے انسان کو تمام انسانوں کا احترام سکھایا، عدل و انصاف کو قانون بنایا اور مردوں کو عورتوں کے حقوق ان پر ان کے اپنے حقوق کے متوازی پورے کرنے کا ذمہ دار بنایا۔ خواتین کو آزاد اور خود مختار بنایا گیا۔ وہ مردوں کی طرح اپنی جان و مال کی خود مالک بن گئی۔ کوئی مرد عورت کو زبردستی کسی سے شادی کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اگر اس کی رضامندی کے بغیر اسے مجبور کیا جاتا ہے تو یہ اس کا اختیار بنتا ہے کہ وہ نکاح جاری رکھے یا اسے فسخ کرے۔ کسی مرد کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی ملکیت میں سے کچھ بھی اس کی رضامندی اور منظوری کے بغیر خرچ کرے۔ شوہر کی موت کے بعد یا طلاق کے بعد وہ خود مختار ہو جاتی ہے اور اسے کسی کی طرف سے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ذمہ داریوں کے مطابق مردوں کی طرح وراثت میں حصہ ملتا ہے۔ عورتوں پر خرچ کرنا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا اللہ تعالیٰ نے عبادت قرار دیا ہے۔ یہ تمام حقوق اور اس سے زیادہ عورتوں کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے نہیں دیا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ آج خواتین کے حقوق کے لیے کھڑے ہونے والے اسلام پر تنقید کرتے ہیں حالانکہ اس نے خواتین کو صدیوں پہلے حقوق دیے تھے۔

اسلام میں برتری

عرفات میں اپنے خطبہ کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر فضیلت نہیں۔ واحد خوبی جو کسی بھی شخص کو دوسروں پر برتر بناتی ہے وہ ہے تقویٰ۔ اس پر امام محمد السلّابی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1958 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6543 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ ان کی ظاہری شکل وصورت یا مال کی بنیاد پر نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی باطنی نیت اور ان کے جسمانی اعمال کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ کوئی بھی عمل کرتے وقت ہمیشہ اپنی نیت کو درست کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس وقت اجر دے گا جب وہ اس کی رضا کے لیے عمل صالح کریں گے۔ جو لوگ دوسرے لوگوں اور چیزوں کی خاطر اعمال انجام دیتے ہیں ان سے کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اپنا اجر حاصل کریں جن کے لیے انہوں نے قیامت کے دن عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ یہ حدیث اسلام میں مساوات کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ ایک شخص دنیاوی چیزوں جیسے اس کی نسل یا دولت کے لحاظ سے دوسروں سے برتر نہیں ہے۔ اگرچہ بہت سے مسلمانوں نے یہ رکاوٹیں کھڑی کی ہیں، جیسے کہ سماجی ذاتیں اور فرقے، اس طرح بعض کو دوسروں سے بہتر مانتے ہوئے، اسلام نے واضح طور پر اس تصور کو رد کر دیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ اس لحاظ سے اسلام کی نظر میں تمام لوگ برابر ہیں۔ صرف ایک چیز جو ایک مسلمان کو دوسرے پر فضیلت دیتی ہے وہ ہے ان کی تقویٰ کا مطلب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو کس قدر پورا کرتے ہیں، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ" پرہیزگار ہے"۔

اس کے علاوہ زیر بحث اہم حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ عورتوں کو مردوں کے مقابلے میں دنیا میں اپنے مقام کے بارے میں بحث و تکرار میں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ اس کے بجائے، انہیں یہ سمجھنا چاہیے کہ برتری مردوں کی نقل کرنے یا آگے بڑھنے میں نہیں ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت میں مضمر ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس کے حقوق اور لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں مصروف ہو جائے اور اس بات پر یقین نہ کرے کہ جو چیز ان کے پاس ہے یا اس کی ملکیت ہے وہ کسی طرح انہیں عذاب سے بچا لے گی۔ صحیح مسلم نمبر 6853 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح فرمایا ہے کہ جس مسلمان میں اعمال صالحہ کا فقدان ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس کے نسب کی وجہ سے کوئی اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ حقیقت میں، یہ تمام دنیاوی چیزوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دولت، نسل، جنس یا سماجی بھائی چارے اور ذات پات۔

آخر میں، جس طرح اسلام لوگوں کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی بنیاد پر کرتا ہے، اسی طرح لوگوں کو بھی ہونا چاہیے۔ وہ دوسروں کو اپنے سے کمتر نہ سمجھیں اور نہ ہی دنیاوی معیارات کی بنیاد پر، کیونکہ یہ اکثر فخر اور دوسروں کے حقوق ادا کرنے میں ناکامی کا باعث بنتا ہے، دونوں جہانوں میں تباہی کا باعث بنتے ہیں۔

انسان کی اصل حیثیت پوشیدہ ہے، جیسا کہ کسی کی نیت لوگوں سے پوشیدہ ہے، خواہ وہ اس کے اعمال کو دیکھ سکے۔ اس لیے دوسروں کو حقیر سمجھنا بے وقوفی ہے، کیونکہ وہ ان سے برتر ہو سکتے ہیں۔

کامیابی کو پکڑو

عرفات میں اپنے خطبہ کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان کیا کہ وہ لوگوں کے لیے قرآن مجید اور اس کی روایات چھوڑ کر جا رہے ہیں، جو انہیں اس وقت تک صحیح راہ پر گامزن رکھے گا جب تک وہ ان پر قائم رہیں گے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرتِ نبوی، جلد 4، صفحہ 210-211 اور امام صفی الرحمن کی، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 464 میں بحث کی گئی ہے۔

ان کو تھامے رکھنے میں خلوص دل سے ہر وقت ان کی اطاعت اور پیروی کرنا شامل ہے۔

اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے قرآن کریم کے تین پہلوؤں کو پورا کرنا ضروری ہے۔ سب سے پہلے اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا اسے سمجھنا ہے اور آخری اس پر عمل کرنا ہے۔ انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن پاک کتاب ہدایت ہے تلاوت کی کتاب نہیں۔ رہنمائی اسی وقت حاصل کی جاسکتی ہے جب کوئی اس پر عمل کرے اور سیکھے۔

مزید برآں، لہٰذا ان کی زندگی اور تعلیمات کو سیکھ کر اور ان پر عمل کرتے ہوئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان، محبت اور احترام کرنے کے ان کے زبانی اعلان کی حمایت کرنی چاہیے۔
باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

اور باب 59 الحشر، آیت 7:

''اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔''

اور باب 4 النساء آیت 80:

''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

اور باب 33 الاحزاب، آیت 21:

''یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہے۔''

انسان کو اپنے کردار کو اس کے مبارک کردار کے مطابق بنانا چاہیے تاکہ وہ صبر، شکر اور سخاوت جیسی اچھی صفات کو اپنا لیں اور حسد، غرور اور لالچ جیسی منفی خصوصیات کو ترک کر دیں۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ ذہنی سکون حاصل کرتے ہیں، کیونکہ مثبت خصوصیات کو اپنانے سے مثبت ذہنیت جنم لیتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی اور تعلیمات کو سیکھنا اور ان پر عمل کرنا بھی اس بات کو یقینی بنائے گا کہ کوئی شخص بیرونی دنیا میں ان کی صحیح نمائندگی کرتا ہے۔ جو ایسا کرنے میں ناکام رہے گا وہ لامحالہ اس کی غلط تشریح کرے گا اور اس لیے غیر مسلموں اور دیگر مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے روک دے گا۔ اس کو غلط طریقے سے پیش کرنے سے بیرونی دنیا بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تنقید کرنے کا سبب بنے گی جب وہ مسلمانوں کے برے رویے کو دیکھیں گے۔ یہ وہ چیز

ہے جس کا ہر مسلمان جواب دے گا کیونکہ یہ ان پر فرض ہے کہ وہ بیرونی دنیا میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح نمائندگی کریں۔

،اس کے علاوہ سابقہ امتوں کی طرح جو اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت کا دعویٰ کرتی ہیں آخرت میں ان کے ساتھ شامل نہیں ہوں گی کیونکہ وہ عملی طور پر ان کی پیروی کرنے میں ناکام رہی ہیں، اور نہ ہی وہ مسلمان جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی طور پر پیروی کرنے میں ناکام رہے ہیں، آخرت میں ان کے ساتھ شامل نہیں ہوں گے۔ اس کے بجائے، ایک شخص ان لوگوں میں شامل ہو جائے گا جن کی وہ اس دنیا میں عملی طور پر نقل کرتے تھے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4031 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔

جب کوئی شخص قرآن پاک کی تعلیمات اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کو سیکھتا اور اس پر عمل کرتا ہے، تو یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ عطا کی گئی ہر نعمت کو صحیح طریقے سے استعمال کرے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کریں گے اور قیامت کے دن اپنے احتساب کے لیے مناسب تیاری کرتے ہوئے ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں درست طریقے سے رکھیں گے۔ لہذا یہ طرز عمل دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنے گا۔ لہٰذا ایک فرد کو اپنے فائدے کے لیے اسلامی تعلیمات کو اپنانا اور ان پر عمل کرنا چاہیے، چاہے یہ تعلیمات ذاتی خواہشات سے متصادم ہوں۔ انہیں ایک عقلمند مریض کی طرح کام کرنا چاہیے جو اپنے ڈاکٹر کے مشورے پر عمل کرتا ہے، یہ سمجھتے ہوئے کہ کڑوی دوائیں اور سخت غذائیں بھی ان کی صحت کے لیے ہیں۔ جس طرح یہ عقلمند مریض دماغی اور جسمانی صحت کو بہتر بنا سکتا ہے، اسی طرح اسلامی اصولوں کو قبول کرنے والا اور ان پر عمل کرنے والا بھی ہو سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دماغ اور جسم کی متوازن حالت کے حصول کے ساتھ ساتھ اپنے تعلقات اور ذمہ داریوں کو درست طریقے سے ترتیب دینے کے بارے میں حقیقی علم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ وسیع تحقیق کے باوجود ذہنی اور جسمانی صحت کے حوالے سے معاشرے کی سمجھ بوجھ ہر فرد کے چیلنجوں کو حل کرنے کے لیے ناکافی ہے۔ انسانی رہنمائی موروثی حدود اور تعصبات کی وجہ سے کسی کو ہر قسم کے تناؤ سے نہیں بچا سکتی یا زندگی کے ہر پہلو کو ترجیح دینے میں مدد نہیں کر سکتی۔ ضروری علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے جو قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے ذریعے انسانیت کو پہنچایا جاتا ہے۔ یہ حقیقت اس وقت عیاں ہو جاتی ہے جب کوئی ان لوگوں کو دیکھتا ہے جو انہیں عطا کی گئی نعمتوں کو اسلامی تعلیمات کے مطابق استعمال کرنے والوں کے مقابلے میں استعمال کرتے ہیں۔ اگرچہ بہت سے مریض اپنی دوائیوں کے پیچھے سائنس کو نہیں سمجھ سکتے اور اپنے ڈاکٹر پر مکمل بھروسہ کر سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ لوگوں کو اسلامی تعلیمات میں حکمت پر غور کرنے کی ترغیب دیتا ہے تاکہ وہ اپنی زندگی میں مثبت تبدیلیوں کو

پہچان سکیں۔ وہ اندھا یقین نہیں مانگتا۔ بلکہ، وہ چاہتا ہے کہ لوگ واضح ثبوت کے ذریعے اس کی سچائی کی تعریف کریں۔ اس کو حاصل کرنے کے لیے اسلام کی تعلیمات کو دریافت کرتے وقت ایک کھلی اور غیر جانبدارانہ ذہنیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ باب 12 یوسف، آیت 108:

کہو، "یہ میرا راستہ ہے؛ میں اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ دعوت دیتا ہوں، میں اور وہ لوگ جو میری پیروی کرتے ہیں..."

اس کے علاوہ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی لوگوں کے روحانی دلوں کو کنٹرول کرتا ہے، ذہنی سکون کا گھر، وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کون اسے حاصل کرتا ہے اور کس کو نہیں۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے‘‘۔’’

اور یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کو ذہنی سکون دے گا جو اس کی عطا کردہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔

ایک شاندار انکشاف

عرفات کے دن، 9 ذی الحجہ کو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درج ذیل وحی نازل ہوئی :باب 5 المائدۃ، آیت 3:

’’آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا‘‘۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 254 میں بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ اس کی طرف سے دیے گئے تمام فرائض کو احکام و ممنوعات کی صورت میں ادا کرنا، صرف اس کی رضا کے لیے۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ سب ان کی نیت سے پرکھیں گے۔ پس اگر کوئی نیک عمل کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلص نہ ہو تو اسے نہ دنیا میں اجر ملے گا اور نہ آخرت میں۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جن لوگوں نے گستاخیاں کیں ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اجر طلب کریں جن کے لیے انہوں نے عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ باب 98 البیینہ، آیت 5۔

"اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس کے لیے خالص ہو کر۔"

اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے تو یہ اخلاص کی کمی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ صدق دل سے توبہ کریں اور ان سب کو پورا کرنے کے لیے جدوجہد کریں۔ یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر کبھی بھی ایسے فرائض کا بوجھ نہیں ڈالتا جو وہ انجام نہیں دے سکتا اور نہ ہی نبھا سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286۔

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

اللہ تعالیٰ کے لیے مخلص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ اپنی اور دوسروں کی خوشنودی پر اس کی رضا کو پسند کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ ان اعمال کو ترجیح دینی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوں۔ انسان کو چاہیے کہ دوسروں سے محبت کرے اور اپنے گناہوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسند کرے نہ کہ اپنی خواہشات کے لیے۔ جب وہ دوسروں کی مدد کرتے ہیں یا گناہوں میں حصہ لینے سے انکار کرتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے۔ جس نے اس ذہنیت کو اپنایا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے مخلص ہونے کا ایک پہلو یہ ہے کہ اس پر بھروسہ کیا جائے کہ اس کے احکام اور انتخاب اس میں شامل لوگوں کے لیے بہترین ہیں، چاہے اس کے احکام کے پیچھے جو حکمتیں ہیں وہ لوگوں پر ظاہر نہ ہوں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

’’لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔‘‘

صرف ان احکام پر راضی ہونا جو خواہشات کے مطابق ہوں اور خواہشات کے خلاف ہونے والے احکام پر ناراض ہونا اللہ تعالیٰ سے صریح بے وفائی ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرتا ہے، اس کے احکام کی تعمیل کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتا ہے، وہ ہر حال اور حالت میں سچا مخلص ہے۔

قرآن پاک کے ساتھ اخلاص میں اللہ تعالیٰ کے کلام کے لیے گہرا احترام اور محبت شامل ہے۔ یہ اخلاص اس وقت ثابت ہوتا ہے جب کوئی شخص قرآن کریم کے تین پہلوؤں کو پورا کرتا ہے۔ سب سے پہلے اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا اس کی تعلیمات کو معتبر ذریعہ اور استاد کے ذریعے سمجھنا ہے۔ آخری پہلو یہ ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات پر اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے مقصد سے عمل کیا جائے۔ مخلص مسلمان اپنی خواہشات پر عمل کرنے پر اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کو ترجیح دیتا ہے جو قرآن کریم سے متصادم ہیں۔ اپنے کردار کو قرآن پاک پر ڈھالنا اللہ کی کتاب کے ساتھ سچے اخلاص کی علامت ہے۔ یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایت ہے جس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 1342 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ قرآن کریم کے ساتھ مخلص ہونے کا ایک پہلو یہ ہے کہ قرآن کریم کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی خلوص نیت کے ساتھ اس تک رسائی حاصل کی جائے، خواہ کسی کی خواہشات قرآن کے خلاف کیوں نہ ہوں۔ جو اپنی خواہشات کی بنیاد پر حکموں، ممانعتوں اور نصیحتوں پر عمل کرنے اور نظر انداز کرنے کا خوش دلی سے انتخاب کرتا ہے، اس نے اس کے بارے میں اخلاص اختیار کیا ہے اور وہ اس کی ہدایت سے صحیح معنوں میں فائدہ نہیں اٹھا سکے گا۔ باب الاسراء، آیت 82 17:

"اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔"

آخر میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ قرآن پاک دنیاوی مسائل کا علاج ہونے کے باوجود مسلمان کو صرف اسی مقصد کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ یعنی قرآن مجید کو صرف اس لیے نہیں پڑھنا چاہیے کہ وہ اپنے دنیاوی مسائل کے حل کے لیے اس کی تلاوت کریں، قرآن مجید کو ایک آلے کی طرح سمجھیں جو مشکل کے وقت ہٹا کر دوبارہ ٹول باکس میں رکھ دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کا بنیادی کام آخرت کی صحیح رہنمائی کرنا ہے۔ اس اہم کام کو نظر انداز کرنا اور اسے صرف اپنے

دنیوی مسائل کے حل کے لیے استعمال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ ایک سچے مسلمان کے طرز عمل کے خلاف ہے۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جو ابھی تک بہت سے مختلف لوازمات کے ساتھ کار خریدتا ہے، اس کے پاس کوئی انجن نہیں ہے۔ اس طرح کا برتاؤ اس کے ساتھ بے حسی ظاہر کرتا ہے۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی چیز جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے وہ ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4:

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7:

‘‘اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔’’

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک ہی حدیث میں ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ساری مخلوق سے زیادہ محبت نہ کرے۔ یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔ اس کا احترام، محبت اور عملی طور پر اس کی پیروی کرنا اس کے لیے مخلص ہونے کا ایک پہلو ہے۔ لیکن یہ آپ کی بابرکت زندگی اور تعلیمات کو سیکھے بغیر ممکن نہیں۔ کسی کی عزت، محبت اور پیروی کیسے کر سکتا ہے جسے وہ جانتا تک نہیں؟ جو شخص اس سے محبت اور احترام کا دعویٰ کرتا ہے لیکن عملی طور پر اس کی پیروی کرنے میں ناکام رہتا ہے وہ ان کے دعوے میں بے ایمان ہے۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی چیز جس کا تذکرہ کمیونٹی کے رہنماؤں کے ساتھ مخلص ہونا ہے اور اس میں مذہبی رہنماؤں اور اساتذہ کے ساتھ اخلاص کا اظہار بھی شامل ہے۔ اس میں انہیں بہترین مشورے کی پیشکش کرنا اور ان کے اچھے فیصلوں میں کسی بھی ضروری طریقے سے مدد کرنا شامل ہے، جیسے کہ مالی یا جسمانی مدد۔ امام مالک کی موطا، کتاب نمبر 56، حدیث نمبر 20 میں موجود ایک حدیث کے مطابق اس فرض کو ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ باب 4 النساء آیت 59:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے حاکم ہیں..."

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معاشرے کے سربراہان کی اطاعت فرض ہے۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ اطاعت اس وقت تک فرض ہے جب تک کہ کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔ مخلوق

کی کوئی اطاعت نہیں اگر یہ خالق کی نافرمانی کا باعث بنے۔ اس طرح کے معاملات میں لیڈروں کے خلاف بغاوت کرنے سے گریز کیا جانا چاہیے کیونکہ اس سے صرف معصوم لوگوں کا ہی نقصان ہوتا ہے۔ اس کے بجائے قائدین کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق نرمی سے نیکی اور برائی سے منع کرنا چاہیے۔ دوسروں کو اس کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کرنی چاہیے اور ہمیشہ راہنماؤں سے صحیح راستے پر چلنے کی دعا کرنی چاہیے۔ لیڈر سیدھے رہیں گے تو عوام بھی سیدھے رہیں گے۔

لیڈروں کے ساتھ دھوکہ کرنا منافقت کی علامت ہے جس سے ہر وقت بچنا چاہیے۔ اخلاص میں ان معاملات میں ان کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے جو معاشرے کو بھلائی پر اکٹھا کرتے ہیں اور ہر اس چیز سے تنبیہ کرتے ہیں جو معاشرے میں خلل پیدا کرے۔ اسلام میں قائدین کی اندھی وفاداری نہیں ہے، صرف ان چیزوں میں ان کی اطاعت ہے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتی ہیں۔

زیر بحث مرکزی حدیث میں آخری چیز جو عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں

کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 53:

"شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے۔"

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی دونوں میں بہتری آئے۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا کسی مسلمان کا رویہ نہیں ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77:

"اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے۔"

دوسروں کے لیے مخلص ہونے کا ایک پہلو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے ان کی مدد کرنا ہے۔ انسان کو لوگوں سے شکرگزاری کی خواہش نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس سے اجر ضائع ہو جاتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں سے صریح بے وفائی ہے۔

آخر میں، جو شخص اسلامی تعلیمات پر عمل کرتا ہے وہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ہر اس نعمت کو صحیح طریقے سے استعمال کرے جو اسے دی گئی ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کریں گے اور قیامت کے دن اپنے احتساب کے لیے مناسب تیاری کرتے ہوئے ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں درست طریقے سے رکھیں گے۔ لہٰذا یہ طرز عمل دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنے گا۔ اس لیے ایک شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے مفاد کے لیے اسلامی تعلیمات کو قبول کرے اور اس پر عمل کرے، چاہے وہ اس کی خواہشات کے خلاف ہو۔ اپنی خواہشات پر قابو رکھنا دماغ اور جسم کے سکون کو حاصل کرنے کے لیے ادا کرنا ایک چھوٹی سی قیمت ہے، جس طرح ایک شخص اچھی جسمانی صحت کے حصول کے لیے اپنی خوراک کو کنٹرول کرتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

جبکہ زندگی اس کے لیے ایک تاریک قید خانہ بن جاتی ہے جو اپنی تمام خواہشات کو پورا کرنے کے باوجود ذہنی سکون حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ جب کوئی امیر اور مشہور کا مشاہدہ کرتا ہے تو یہ بالکل واضح ہے۔ باب 9 توبہ آیت 82:

"پس وہ تھوڑا ہنسیں اور]پھر [زیادہ روئیں جس کے بدلے میں وہ کماتے تھے۔"

اور باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ

میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

ایمان کو پکڑو

عرفات کے دن، 9 ذی الحجہ کو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درج ذیل وحی نازل ہوئی :باب 5 المائدة، آیت 3:

آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے" لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا"۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 309 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ سن کر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ جب ان سے ان کے ردعمل کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ کمال کے بعد زوال ہی آتا ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 3997 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی کہ وہ مسلمان قوم کے لیے غربت سے نہیں ڈرتے۔ اس کے بجائے، وہ ڈرتا تھا کہ دنیاوی نعمتیں ان کے لیے آسان اور بہت زیادہ ہو جائیں گی۔ اس سے وہ اس کا مقابلہ کریں گے اور اس کے نتیجے میں یہ ان کی تباہی کا باعث بنے گا، جیسا کہ اسی مقابلے نے پچھلی امتوں کو تباہ کیا۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس کا اطلاق صرف دولت پر نہیں ہوتا۔ لیکن یہ تنبیہ لوگوں کی دنیاوی خواہشات کے ان تمام پہلوؤں پر لاگو ہوتی ہے جن میں شہرت، دولت، اختیار اور کسی کی زندگی کے سماجی پہلوؤں جیسے خاندان، دوست اور کیرئیر کی خواہش شامل ہو سکتی ہے۔ جب بھی

کوئی ان چیزوں کو اپنی ضروریات سے بالاتر کر کے اپنی خواہشات کو پورا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، چاہے وہ حلال ہی کیوں نہ ہوں، تو یہ اس کو عملی طور پر آخرت کی تیاری سے غافل کر دے گا، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے دی گئی ہیں۔ یہ ان کو برے کردار کی طرف لے جائے گا، جیسے فضول خرچی اور اسراف، اور ان چیزوں کو حاصل کرنے کے لیے انہیں گناہوں کی طرف بھی لے جا سکتا ہے۔ ان کو حاصل کرنے میں ناکامی بے صبری اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور نافرمانی کے دیگر اعمال کا باعث بن سکتی ہے۔ دوسروں کے ساتھ دنیوی نعمتوں کے حصول کے لیے مقابلہ کرنا ان میں دیگر منفی خصوصیات کو اپنانے کی طرف لے جائے گا، جیسے کہ حسد، کینہ اور دشمنی، جو کہ تفرقہ، کدورت اور دوسروں کے حقوق ادا کرنے میں ناکامی کا باعث بنتی ہے۔ یہ مقابلہ ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کا سبب بھی بن سکتا ہے۔ یہ دونوں جہانوں میں تباہی کا باعث بنتا ہے، خواہ اس دنیا میں کسی شخص پر یہ بات واضح نہ ہو۔

یہ ظاہر ہے کہ ان دنیاوی خواہشات نے بہت سے مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے کیونکہ وہ آدھی رات کو خوشی سے اٹھ کر دنیاوی نعمتیں حاصل کریں گے، مثلاً مال، یا چھٹی پر جائیں گے لیکن جب نفل رات کی نماز پڑھنے یا صبح کی فرض نماز جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرنے کا مشورہ دیا جائے گا تو وہ ایسا کرنے میں ناکام رہیں گے۔

ان چیزوں کو حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں جب تک کہ یہ حلال ہوں اور کسی شخص کی ضروریات اور اس کے محتاجوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ضروری ہوں۔ لیکن جب کوئی شخص اس سے آگے بڑھ جاتا ہے تو وہ اپنی آخرت کے نقصان میں مبتلا ہو جاتا ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حقوق کی پامالی ہو سکتی ہے۔ انسان جتنا زیادہ اپنی دنیوی خواہشات کی پیروی کرے گا وہ آخرت کی تیاری میں اتنی ہی کم کوشش کرے گا، کیونکہ ایک شخص یا تو ان نعمتوں کو استعمال کر سکتا ہے جو اسے اللہ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں یا پھر اپنی خواہشات کے مطابق۔ یہ اس تباہی کا باعث بنے گا جس کی بحث مرکزی حدیث میں کی گئی ہے۔ ایسی تباہی جو دنیا میں تناؤ اور پریشانی سے شروع ہوتی ہے اور آخرت میں سخت مشکلات کا باعث بنتی ہے۔ باب 20 طہٰ، آیت 124:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔"

تقویٰ کیا ہے؟

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرفات سے روانہ ہوئے تو لوگ آپ کے پیچھے دوڑ پڑے۔ اس کے بعد کسی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بتائے کہ تقویٰ رفتار سے نہیں ماپا جاتا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 257 میں بحث کی گئی ہے۔

تقویٰ اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے تاکہ جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کا صحیح استعمال کر سکے۔ باب 35 فاطر، آیت 28:

"اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں"۔

جامع ترمذی نمبر 2451 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مسلمان اس وقت تک متقی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ کسی ایسی چیز سے اجتناب نہ کرے جو اس کے دین کے لیے نقصان دہ نہ ہو اس احتیاط کے ساتھ کہ وہ نقصان دہ چیز کی طرف لے جائے گا۔ پس تقویٰ کا ایک پہلو یہ ہے کہ ان چیزوں سے بچنا جو مشتبہ ہوں نہ کہ حرام۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشتبہ چیزیں ایک مسلمان کو حرام سے ایک قدم اور قریب لے جاتی ہیں اور جتنا حرام کے قریب ہوتا ہے اس میں پڑنا اتنا ہی آسان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 1205 میں ایک حدیث ہے کہ جو حرام اور مشتبہ چیزوں سے بچتا ہے وہ اپنے دین اور عزت کی حفاظت کرے گا۔ اگر معاشرے میں گمراہ ہونے والوں کا مشاہدہ کیا جائے تو اکثر صورتوں میں یہ اچانک نہیں بلکہ بتدریج ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حرام میں پڑنے سے پہلے وہ شخص پہلے مشکوک چیزوں میں ملوث ہوا ۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اپنی زندگی میں غیر ضروری اور فضول چیزوں سے بچنے کی ضرورت پر زور دیتا ہے کیونکہ وہ انہیں حرام کی طرف لے جا سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر، فضول اور فضول گفتگو جس کو اسلام نے گناہ کی درجہ بندی نہیں کی ہے، اکثر بد کلامی کا باعث بنتی ہے، جیسے غیبت، جھوٹ اور غیبت۔ اگر کوئی شخص فضول باتوں میں مبتلا نہ ہو کر پہلے قدم سے بچتا ہے تو وہ بلا شبہ بد کلامی سے بچ جائے گا۔ یہ عمل ان تمام چیزوں پر لاگو کیا جا سکتا ہے جو فضول، غیر ضروری اور خاص طور پر مشکوک ہوں۔

صحیح طریقہ

حج کے دوران جب آپ وادی محسیر پہنچے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمرات پر کنکریاں پھینکیں اور لوگوں کو بھی ایسا ہی کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد اس نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ اس سے اپنی رسومات اختیار کرلیں کیونکہ اس سال کے بعد وہ اسے نہ دیکھیں گے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 264 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاص طور پر حج کے مناسک کا تذکرہ کیا ہے لیکن آپ کے الفاظ کا بالواسطہ مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں ان کی روایات پر عمل کرنا چاہیے۔ یہ بات قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات سے واضح ہو گئی ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

اور باب 59 الحشر، آیت 7:

’’اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔‘‘

اور باب 4 النساء آیت 80:

’’جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔‘‘

لہٰذا مسلمانوں کو اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ ہدایت کے دو ذرائع پر سختی سے عمل پیرا ہوں :قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات، اور مذہبی علم کے دیگر تمام ذرائع سے اجتناب کریں۔ دینی علم کے دوسرے ذرائع پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، خواہ وہ نیکیوں کی طرف لے جائے، وہ ہدایت کے دو ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا، جو کہ گمراہی کا باعث بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ ہر وہ چیز جس کی جڑیں ہدایت کے دو منابع میں نہ ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رد کر دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ، مذہبی علم کے دوسرے ذرائع پر جتنا زیادہ عمل کرے گا، اتنا ہی وہ ان چیزوں پر عمل کرنے لگے گا جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہیں۔ اس طرح شیطان قدم قدم پر لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، مشکلات کا سامنا کرنے والے شخص کو کچھ ایسی روحانی مشقیں کرنے کا مشورہ دیا جائے گا جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم اور چیلنج ہوں۔ چونکہ یہ شخص جاہل ہے اور اسے دینی علم کے دوسرے ذرائع پر عمل کرنے کی عادت ہے، اس لیے وہ آسانی سے اس جال میں پھنس جائیں گے اور ایسی روحانی مشقیں کرنے لگیں گے جو براہ راست اسلام کی تعلیمات کو چیلنج کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور کائنات کے بارے میں ایسی باتوں پر بھی یقین کرنے لگیں گے جو اسلام کی تعلیمات سے بھی متصادم ہیں، جیسے کہ ماننے والے لوگ یا مافوق الفطرت مخلوق اپنی تقدیر کو کنٹرول کر سکتے ہیں، کیونکہ ان کا علم ہدایت کے دو ذرائع کے علاوہ کسی اور سے لیا گیا ہے۔ ان گمراہ کن طریقوں اور عقائد میں سے کچھ واضح کفر ہیں، جیسے کالا جادو کرنا۔ باب 2 البقرہ، آیت 102:

’’سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا بلکہ شیاطین نے کفر کیا، لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر نازل ہوا تھا، لیکن وہ]یعنی دونوں فرشتے [کسی کو نہیں سکھاتے جب تک کہ یہ نہ کہیں کہ "ہم آزمائش ہیں، اس لیے کفر نہ کرو] "جادو کرکے[۔

اس لیے ایک مسلمان اس کا احساس کیے بغیر بھی اپنا ایمان کھو سکتا ہے، کیونکہ انہیں مذہبی علم کے دوسرے ذرائع پر عمل کرنے کی عادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی مذہبی بدعات پر عمل کرنا جن کی جڑیں ہدایت کے دو ذرائع میں نہیں ہیں، شیطان کے نقش قدم پر چلنا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 208:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔"

فتنوں پر قابو پانا

حج کے دوران جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منیٰ میں جانوروں کی قربانی کے مقام پر پہنچے تو آپ کے چھوٹے چچا زاد بھائی فضل ابن عباس رضی اللہ عنہ کو آپ کے پیچھے اونٹ پر سوار کیا گیا۔ ایک نوجوان عورت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور آپ سے سوال کیا۔ اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے، اس نے جسمانی طور پر اپنے کزن کا سر نوجوان عورت سے پھیر دیا تاکہ وہ اسے دیکھ نہ سکے۔ جب اس سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ میں نے ایک نوجوان مرد اور عورت کو ایک دوسرے کے قریب دیکھا ہے اور وہ شیطان پر بھروسہ نہیں کر سکتا یعنی ان پر منفی اثر ڈال رہا ہے۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 265 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو غیر قانونی تعلقات کے لالچ میں آنے سے بچنے کے لیے احتیاط کرنی چاہیے۔ سب سے پہلے، انہیں اپنی نظریں نیچی کرنا سیکھنا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو ہمیشہ اپنے جوتوں کو گھورنا چاہئے لیکن اس کا مطلب ہے کہ انہیں غیر ضروری طور پر ارد گرد دیکھنے سے گریز کرنا چاہئے خاص طور پر عوامی مقامات پر۔ انہیں دوسروں کو گھورنے سے گریز کرنا چاہئے اور مخالف جنس کا احترام برقرار رکھنا چاہئے۔ جس طرح ایک مسلمان یہ پسند نہیں کرے گا کہ کوئی اپنی بہن یا بیٹی کو گھورے اسے دوسرے لوگوں کی بہنوں اور بیٹیوں کو نہیں دیکھنا چاہیے۔ باب 24 النور، آیت 30:

”مومن مردوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی بصارت میں کچھ کمی کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔“

جب بھی ممکن ہو ایک مسلمان کو مخالف جنس کے ساتھ اکیلے وقت گزارنے سے گریز کرنا چاہیے جب تک کہ ان کا تعلق اس طرح سے نہ ہو جس سے شادی کی ممانعت ہو۔ صحیح بخاری نمبر 1862 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تلقین فرمائی ہے۔

مسلمانوں کو لباس پہننا چاہیے اور شائستگی سے پیش آنا چاہیے۔ معمولی لباس پہننا اجنبیوں کی نظروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے سے گریز کرتا ہے اور شائستہ برتاؤ کسی کو ابتدائی قدم اٹھانے سے روکتا ہے جو غیر قانونی تعلقات کا باعث بن سکتا ہے جیسے کہ مخالف جنس سے غیر ضروری بات کرنا۔

غیر قانونی تعلقات سے بچنے کی برکات کو سمجھنا خود کو ان سے بچانے کا ایک اور طریقہ ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان اور عفت کی حفاظت کرنے والے کو جنت کی ضمانت دی ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2408 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

غیر قانونی تعلقات میں ملوث ہونے کی سزا کے خوف سے بھی ایک مسلمان کو ان سے بچنے میں مدد ملے گی۔ مثال کے طور پر، ایمان اس شخص سے دور ہو جائے گا جو زنا کا ارتکاب کر رہا ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4690 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

حقیقت میں، ایک مسلمان کو غیر قانونی تعلقات کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ اسلام شادی کا حکم دیتا ہے۔ جو لوگ شادی کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے وہ کثرت سے روزہ رکھیں کیونکہ اس سے خواہشات اور اعمال پر قابو پانے میں بھی مدد ملتی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 3398 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آسانی کا مذہب

قربانی کے دن کی صبح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا زاد بھائی فضل ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وہ ان کے لیے کچھ کنکریاں جمع کریں جو منیٰ میں جمرات کو پتھر مارنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ فضل رضی اللہ عنہ نے چھوٹی چھوٹی کنکریاں چن لیں جو ایک گولی میں استعمال کی جا سکتی تھیں اور انہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دے دیا، جو آپ کے انتخاب سے خوش ہوئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر نصیحت فرمائی کہ غلو سے بچو، کیونکہ یہ دین میں زیادتی تھی جس نے سابقہ امتوں کو تباہ کر دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 267 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 39 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ دین سادہ اور سیدھا ہے۔ اور مسلمان کو اپنے اوپر بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے کیونکہ وہ اس کو برداشت نہیں کر سکیں گے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو ہمیشہ سادہ دینی اور دنیاوی زندگی گزارنی چاہیے۔ اسلام مسلمانوں سے یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ وہ اعمال صالحہ کی ادائیگی میں اپنے اوپر بوجھ ڈالیں۔ لیکن درحقیقت یہ سادگی سکھاتا ہے جو کہ اللہ عزوجل کے نزدیک سب سے زیادہ پیارا دین ہے، امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 287 میں موجود ایک حدیث کے مطابق، ایک مسلمان کو سب سے پہلے اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے کوشش کرنی چاہیے، جو بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی طرح ادا کرنے کی اس کی طاقت میں ہے، وہ اس سے زیادہ مسخر نہیں ہو سکتا۔ اس کی تصدیق قرآن مجید کی سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 286 میں ہوتی ہے:

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

اس کے بعد انہیں چاہیے کہ وہ اپنے دن میں سے کچھ وقت اسلامی تعلیمات کے مطالعہ کے لیے نکالیں تاکہ وہ اپنی طاقت کے مطابق قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ روایات پر عمل کر سکیں۔ صحیح بخاری نمبر 6502 میں موجود حدیث کے مطابق یہ اللہ تعالیٰ کی محبت کو راغب کرتا ہے۔

اگر کوئی مسلمان اس طرز عمل پر قائم رہے تو ان پر ایسی رحمت نازل کی جائے گی کہ وہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے تئیں اپنے تمام فرائض ادا کریں گے اور اس دنیا کی حلال لذتوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے وقت نکالیں گے اور اسراف اور اسراف کے بغیر۔

اس طرح ایک مسلمان اپنے لیے آسانیاں پیدا کرتا ہے۔ اور اگر ان کے زیر کفالت افراد ہوں، جیسے کہ بچے، تو انہیں چاہیے کہ انہیں بھی یہی سکھائیں، اس طرح ان کے لیے بھی آسانیاں پیدا ہوں۔ خود پر زیادہ بوجھ ڈالنا چیزوں کو مشکل بنا دیتا ہے اور کسی کو مکمل طور پر چھوڑنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ اور بہت زیادہ آرام کرنا چیزوں کو مشکل بنا دے گا کیونکہ انسان سستی کی وجہ سے دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جائے گا۔ اس لیے توازن بہترین ہے جس کی اسلام ہمیشہ حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

جیسا کہ اسلام سادہ ہے، حلال اور حرام واضح، سمجھنے میں آسان اور عمل کرنے میں آسان ہے۔ لہٰذا کسی کو اپنے یا اپنے زیر کفالت افراد کے لیے دینی علم کی تحقیق اور اس پر عمل کر کے ایسی چیزوں کو پیچیدہ نہیں کرنا چاہیے جس کی جڑیں ہدایت کے دو ماخذ قرآن مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں نہ ہوں۔ جب کوئی ان دونوں ذرائع پر سختی سے عمل کرے گا تو وہ اسلام کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں آسانی محسوس کرے گا۔

آخر میں، توسیع کے ذریعہ انسان کو اپنی دنیاوی زندگی کو سادہ رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی اسراف اور فضول خرچی سے گریز کرتے ہوئے اپنی ضروریات اور ذمہ داریوں کے مطابق حلال مال جیسی مادی دنیا کے لیے کوشش کرتا ہے۔ جو جتنا زیادہ اس پر عمل کرے گا اس کی دنیاوی زندگی اتنی ہی پر سکون ہوتی جائے گی۔ جب یہ ان

کے سادہ مذہب کے ساتھ جوڑا جاتا ہے، تو یہ ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی کا باعث بنتا ہے۔

سچی قربانی

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے حج کے دوران کل 100 اونٹوں کی قربانی کی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 209 میں بحث کی گئی ہے۔

قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک روایت ہے جسے مسلمان حج کے موسم میں نقل کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کریں۔ باب 37 صفات، آیت 102:

اور جب وہ اس کے ساتھ مشقت کی عمر کو پہنچا تو اس نے کہا :اے میرے بیٹے، میں نے خواب" میں دیکھا ہے کہ میں تجھ پر قربان ہوں، تو دیکھو کہ تم کیا سوچتے ہو، اس نے کہا :اے میرے باپ، جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے، وہی کرو۔ اگر اللہ نے چاہا تو تم مجھے ثابت قدم پاؤ گے۔"

سمجھنے کے لیے پہلا سبق یہ ہے کہ آزمائشوں اور آزمائشوں کا سامنا کرتے وقت صبر کی اہمیت ہے۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان سے زیادہ محبوب یعنی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ان سے زیادہ سخت آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2472 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے لیے کسی کو آزمایا نہیں گیا۔

مسلمانوں کو یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ خواہ وہ کسی بھی صورت حال میں ہوں ان کے لیے فائدہ مند ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 7500 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی مشکل کا سامنا کرے اور صبر کا مظاہرہ کرے تو اسے اس کا اجر ملے گا۔ اور اگر وہ آسانی کے وقت کا سامنا کرتے ہیں اور شکر گزار ہوتے ہیں تو انہیں اس کا اجر ملے گا۔ لہٰذا اس حدیث کے مطابق مسلمان کو ہر

صورت فائدہ پہنچتی ہے، خواہ وہ اس کے پیچھے حکمت کا مشاہدہ نہ کرے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ’’ ‘‘تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

مسلمانوں کو یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ وہ ایک ایسی صورت حال کا سامنا کریں گے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کر دیا ہے، چاہے وہ اس پر کس طرح کا ردعمل ظاہر کریں۔ اگر وہ صبر کے ساتھ اس کا مقابلہ کریں گے تو انہیں دنیا اور آخرت میں بے شمار اجر ملے گا۔ باب 39 از زمر، آیت 10:

"بے شک، مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا]یعنی حد[..."

لیکن اگر وہ بے صبری سے اس کا سامنا کریں گے تو پھر انہیں مزید مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لہذا کسی بھی طرح سے انہیں مشکل کا سامنا کرنا پڑے تاکہ وہ اس سے فائدہ بھی اٹھا سکیں۔

مزید برآں، ایک مسلمان کو بے ہودہ نہیں ہونا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ دنیا جنت نہیں ہے۔ یہ دنیا بنی نوع انسان کو آزمانے کے لیے بنائی گئی ہے اس لیے یہ کبھی بھی آزمائشوں اور آزمائشوں سے پاک نہیں ہو سکتی۔ جب کوئی مسلمان مشکلات اور آزمائشوں کا سامنا کرتے ہوئے اپنی فطری فطرت کو پہچان لیتا ہے تو وہ حیران نہیں ہوتا جیسا کہ وہ دنیا سے اس کی توقع رکھتے ہیں۔ جس طرح ایک شخص حملہ آور ہونے کی توقع رکھتا ہے اگر وہ اپنے آپ کو کسی جنگلی جانور کے ساتھ پاتا ہے تو اسے اس دنیا میں آزمائشوں اور آزمائشوں کی توقع کرنی چاہیے۔ اس طرح ذہنی طور پر تیاری کرنے سے ایک مسلمان کو پکڑے جانے سے بچ جائے گا جو کہ بے صبری کا سبب ہے۔

اس عظیم واقعہ سے ایک اور سبق یہ ہے کہ جس طرح انسان اس مادی دنیا میں چیزیں حاصل نہیں کر سکتا، جیسے کہ مال قربانی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی مسلمان قربانی کے بغیر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر سکتا ہے۔ باب 29 العنکبوت، آیت 2:

’’کیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں یہ کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لائے ہیں اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی؟‘‘

مسلمانوں کو شکر گزار ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان سے اتنی بڑی قربانیوں کا تقاضا نہیں کرتا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام نے کی تھیں۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ وہ اس طرح قربانی کریں جس طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ نے کی۔ انہوں نے اپنا مال، گھر، خاندان اور جانیں قربان کر دیں۔ اس کے بجائے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو چند فرضی فرائض سونپے ہیں جن کے لیے ان کے وقت، توانائی اور مال کی بہت کم قربانی درکار ہے۔ اگر کوئی جنت کی عظمت پر غور کرے تو اسے احساس ہو جائے گا کہ وہ قربانیاں دینے کی ترغیب دی گئی ہیں جو وعدے کے انعام کے مقابلے میں بہت کم ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے اس کا شکر ادا کریں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی اس بات کی دلیل ہے کہ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنی خواہشات، محبت اور خواہشات کو قربان کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جانوروں کی قربانی کی رسم مسلمان ہر سال ادا کرتے ہیں۔ یہ صرف ایک جانور کی قربانی نہیں بلکہ بہت کچھ ہے۔ باب 22 الحج، آیت 37:

"اللہ تک نہ ان کا گوشت پہنچے گا اور نہ ان کا خون، لیکن جو چیز اس تک پہنچتی ہے وہ تمہاری طرف سے تقویٰ ہے، اس طرح ہم نے انہیں تمہارے تابع کر دیا ہے تاکہ تم اللہ کی اس بات پر تسبیح کرو جس کی اس نے تمہیں ہدایت کی ہے۔"

مسلمانوں کو چاہئے کہ اس آیت میں بیان کردہ تقویٰ کو پورا سال اپنائیں اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کو اپنی خواہشات کے سامنے رکھیں۔ تب ہی وہ صحیح معنوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نقش قدم پر چل سکیں گے۔

اس عظیم واقعہ سے سیکھنے کا ایک اور اہم سبق اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے۔ اس عظیم واقعہ کی طرح ناگزیر اور تباہ کن حالات میں بھی ایک مسلمان کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ مسلمانوں کو سمجھنا چاہیے کہ ان کا علم بہت محدود ہے اور وہ انتہائی کم نظر ہیں۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب کے پس پردہ حکمتوں کو پوری طرح نہیں جان سکتے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کا علم اور الٰہی ادراک لامحدود ہے۔ لہٰذا، ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر بھروسہ کرنا چاہیے ، جس طرح ایک نابینا شخص اپنے جسمانی رہنما کی رہنمائی پر بھروسہ کرتا ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ ایک مسلمان کا رویہ جو بھی ہو اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہو گا، اس لیے بہتر ہے کہ اس کی حکمت پر بھروسہ کیا جائے بجائے اس کے کہ وہ بے صبری کا مظاہرہ کرے جو مزید پریشانی کا باعث بنے۔

اس کے علاوہ اپنی زندگی کے اندر ان گنت مثالوں کو یاد رکھنا بھی ضروری ہے جب کوئی شخص کسی چیز کی خواہش کرتا ہے صرف اسے حاصل کرنے کے بعد پچھتاوا کرتا ہے۔ اور جب وہ کسی چیز کو ناپسند کرتے تھے تو صرف بعد میں اپنا خیال بدلنے کے لیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

”لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

چونکہ تقدیر لوگوں کے ہاتھ سے باہر ہے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس چیز پر توجہ مرکوز کریں جو ان کے اختیار میں ہے اگر وہ مشکلات سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اس بات کی ضمانت دی ہے کہ وہ ایک مسلمان کو دونوں جہانوں کی تمام مشکلات سے بچا لے گا۔ انہیں صرف اس کی فرمانبرداری کرنا ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 2:

‘‘اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔’’

جو چیز کسی کے اختیار میں نہیں ہے اس کے معنی یعنی تقدیر پر زور دینا حماقت ہے اور جو چیز کسی کے اختیار میں ہے اس سے غافل رہنا یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا۔

محبت اعمال میں ہے۔

قربانی کرنے کے بعد، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حجام کو حکم دیا کہ وہ اپنا سر دائیں جانب سے شروع کرے۔ اس کے بعد اس نے منڈوائے ہوئے بالوں کو لوگوں میں تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت گھیر لیا جب آپ کا سر منڈوایا جا رہا تھا تاکہ آپ کا ایک بال بھی فرش پر نہ گرے۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 272 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ظاہر ہے کہ انہوں نے یہ رویہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور احترام کے پیش نظر رکھا تھا۔

،ہر مسلمان کھلے عام اعلان کرتا ہے کہ وہ آخرت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت کا خواہش مند ہے۔ وہ اکثر صحیح بخاری نمبر 3688 میں پائی جانے والی حدیث کا حوالہ دیتے ہیں، جو اس بات کی تلقین کرتی ہے کہ انسان آخرت میں ان کے ساتھ رہے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں سے اپنی محبت کا کھلم کھلا اعلان کرتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہ اس نتیجہ کی خواہش کیسے کرتے ہیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، پھر بھی انہیں بمشکل جانتے ہیں کیونکہ وہ آپ کی سیرت، کردار اور تعلیمات کا مطالعہ کرنے میں مصروف ہیں۔ یہ بے وقوفی کی بات ہے کہ کوئی کسی سے سچی محبت کیسے کر سکتا ہے جسے وہ جانتا تک نہیں ہے۔

اس کے علاوہ جب ان لوگوں سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا ثبوت پوچھا جائے گا تو قیامت کے دن کیا کہیں گے؟ وہ کیا پیش کریں گے؟ اس اعلان کا ثبوت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت، کردار اور تعلیمات کا مطالعہ اور ان پر عمل کرنا ہے۔ اس دلیل کے بغیر اعلان اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا۔ یہ بالکل واضح ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہتر اسلام کو کسی نے نہیں سمجھا اور ان کا یہ رویہ نہیں تھا۔ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا اعلان کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے نقش قدم پر چل کر عمل کے ذریعے اپنے دعوے کی تائید کی۔ اس لیے وہ آخرت میں اس کے ساتھ ہوں گے۔

جو لوگ یہ مانتے ہیں کہ محبت دل میں ہوتی ہے اور اسے عمل سے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی وہ اتنا ہی بے وقوف ہے جتنا وہ طالب علم جو امتحان کا خالی پرچہ اپنے استاد کو دے کر دعویٰ کرتا ہے کہ علم ان کے دماغ میں ہے اس لیے انہیں عملی طور پر اسے کاغذ پر لکھنے کی ضرورت نہیں ہے اور پھر بھی پاس ہونے کی امید رکھتا ہے۔

ایسا سلوک کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے محبت نہیں کرتا، صرف اپنی خواہشات رکھتا ہے اور بلاشبہ انہیں شیطان نے دھوکا دیا ہے۔

آخر میں یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ناکام رہے وہ یقیناً قیامت کے دن ان کے ساتھ نہیں ہوں گے۔ اگر کوئی ایک لمحے کے لیے اس حقیقت پر غور کرے تو یہ بالکل واضح ہے۔

کوئی نقصان نہیں پہنچانا

حج کا ایک پہلو حجر اسود کو چھونا اور بوسہ دینا ہے جو خانہ کعبہ سے متصل ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وہ مضبوط آدمی ہونے کے باوجود حجر اسود تک پہنچنے کے لیے جھٹکے نہ لگائیں کیونکہ اس سے دوسروں کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اگر لوگوں کے رش کی وجہ سے حجر اسود تک جانے کا راستہ نہ مل سکے تو اسے دور سے سلام کرنا چاہیے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 228 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ حجر اسود تک پہنچنا ایک عبادت ہے پھر بھی ایک مسلمان کو اس عمل میں دوسروں کو نقصان پہنچانے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ دوسروں کو نقصان پہنچانے سے باز رہنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچے مسلمان اور سچے مومن کی نشانیاں بتائی ہیں۔ سچا مسلمان وہ ہے جو دوسروں کی زبانی اور جسمانی اذیت کو دور رکھے۔ اس میں درحقیقت تمام لوگ شامل ہیں خواہ ان کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔ اس میں ہر قسم کی تقریر اور افعال شامل ہیں جو کسی دوسرے کو نقصان یا تکلیف پہنچا سکتے ہیں۔ اس میں دوسروں کو بہترین مشورہ دینے میں ناکامی بھی شامل ہو سکتی ہے، کیونکہ یہ دوسروں کے ساتھ خلوص سے متصادم ہے۔ سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ اس میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تلقین کرنا اور گناہوں کی طرف دعوت دینا شامل ہے۔ ایک مسلمان کو اس رویے سے بچنا چاہیے کیونکہ وہ ہر اس شخص کے لیے جوابدہ ہوں گے جو ان کی بری نصیحت پر عمل کرے گا۔ صحیح مسلم نمبر 2351 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اس میں دوسرے لوگوں کے کاروبار میں شامل نہ ہونا بھی شامل ہے، کیونکہ یہ اکثر دوسروں کو نقصان پہنچاتا ہے۔ ایک مسلمان کو دوسروں کے ساتھ ان کی موجودگی اور غیر موجودگی میں مثبت انداز میں بات کرنی چاہیے ، جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے لوگ ان کے بارے میں مثبت بات کریں۔

جسمانی نقصان میں دوسرے لوگوں کی روزی روٹی کے لیے مسائل پیدا کرنا، دھوکہ دہی کا ارتکاب کرنا، دوسروں کو دھوکہ دینا اور جسمانی زیادتی شامل ہے۔ یہ تمام خصوصیات اسلامی تعلیمات سے متصادم ہیں اور ان سے بچنا چاہیے۔

زیر بحث اصل حدیث کے مطابق سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کے نقصان کو دور رکھے۔ ایک بار پھر، یہ تمام لوگوں پر لاگو ہوتا ہے قطع نظر ان کے عقیدے کے۔ اس میں چوری کرنا، غلط استعمال کرنا یا دوسروں کی املاک اور سامان کو نقصان پہنچانا شامل ہے۔ جب بھی کسی کو کسی دوسرے کی جائیداد سونپی جاتی ہے، تو اسے اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ اسے صرف مالک کی اجازت سے اور اس طریقے سے استعمال کریں جو مالک کو خوش اور راضی ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 5421 میں موجود حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص جھوٹی قسم کے ذریعے کسی دوسرے کا مال ناجائز طور پر ہتھیا لے خواہ وہ درخت کی ٹہنی کے برابر ہی کیوں نہ ہو وہ جہنم میں جائے گا۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے عقیدے کے زبانی اعلان کو عمل سے سہارا دے، کیونکہ یہ کسی کے عقیدے کا جسمانی ثبوت ہیں جو دونوں جہانوں میں کامیابی کے لیے ضروری ہے۔ اس کے علاوہ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے بارے میں سچے عقیدے کی خصوصیات کو پورا کرنا چاہیے۔ لوگوں کے ساتھ اس کو حاصل کرنے کا ایک بہترین طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں، جو کہ احترام اور امن کے ساتھ ہے۔

دوسروں کی مدد کرنا

اپنی مقدس زیارت کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ کے نزدیک زمزم کے کنویں پر رکے۔ اس نے عبدالمطلب کے قبیلے کو حجاج کو کنویں سے پانی پلاتے ہوئے دیکھا جو انہوں نے کئی سالوں سے کیا تھا۔ انہوں نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ اسی طرح جاری رکھیں کیونکہ وہ صحیح کام کر رہے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے یہ تبصرہ کیا کہ اگر یہ لوگ نہ ہوتے جو قبیلہ کو کنویں سے پانی نکالنے سے روکتے اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید کرتے تو وہ خود کنویں سے پانی نکال لیتے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 277-278 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر، یہ کسی کے ذرائع کے مطابق دوسروں کی مدد کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ درحقیقت، صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود حدیث کے مطابق دوسروں کے لیے اس طرح مخلص ہونا اسلام کا ایک اہم پہلو ہے۔ درحقیقت دوسروں کے لیے مخلص ہونا اتنا ضروری ہے کہ اسے دو بہت اہم فرائض کے ساتھ رکھا گیا ہے :فرض نماز اور صدقہ دینا، صحیح بخاری میں موجود ،ایک حدیث میں ہے کہ ان کا مطلب نمبر 5 کے مطابق دوسروں کو دکھانا چاہیے۔ جیسے مالی جسمانی اور جذباتی امداد۔ کسی کو اپنی زبانی اور جسمانی نقصان کو دوسروں اور ان کے مال سے دور رکھنا چاہیے۔ سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث کے مطابق مسلمان اور مومن کی یہی تعریف ہے۔ کوئی شخص دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کر کے اخلاص اختیار کر سکتا ہے جیسا کہ وہ خود لوگوں سے سلوک کرنا چاہتا ہے۔

اس کے علاوہ زیر بحث اہم واقعہ بھی آزاد ہونے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 7432 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے محبت کرتا ہے جو مخلوق سے بے نیاز ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو نبھانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ اسباب مثلاً اپنی جسمانی طاقت کو پوری طرح استعمال کرے۔ انہیں سستی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے اور لوگوں سے غیر ضروری چیزوں کی تلاش نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ عادت ان پر انحصار کا باعث بنتی ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ پر توکل کم ہوجاتا ہے۔ اس بات پر پختہ یقین رکھنا چاہیے کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے، جو کچھ بھی ان کا مقدر ہے وہ زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے ان کے لیے مختص کر دیا گیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ ایک مسلمان کو اپنے وسائل جیسے کہ اپنی جسمانی

طاقت کو استعمال کرنے پر توجہ دینی چاہیے اور اس بات پر بھروسہ رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ انھیں وہی عطا کرے گا جو ان کے لیے بہتر ہے۔ مذہبی نقطہ نظر سے، کوئی شخص دوسروں پر غلط طور پر انحصار کر سکتا ہے جب وہ یہ مانے کہ کوئی شخص، جیسا کہ ایک مذہبی اور روحانی استاد، ان کی دعاؤں اور شفاعت سے دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے کافی ہے۔ یہ رویہ صرف سستی کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، جیسا کہ کسی کا ماننا ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق برتاؤ کرنے کے لیے آزاد ہیں اور پھر بھی اپنے روحانی استاد کے ذریعے دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کریں گے۔ ایک مسلمان کو اس گمراہی سے بچنا چاہیے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنا چاہیے، جن کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت حاصل تھی، پھر بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کی خوشنودی کے لیے استعمال کرتے ہوئے خلوص نیت سے اطاعت گزاری کرتے رہے۔ یہی صحیح رویہ ہے جسے اپنانا چاہیے۔

منیٰ میں خطبہ

صحیح علم پر گزرنا

اپنی مقدس زیارت کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایام منیٰ میں خطبہ دیا۔ ان کی ایک بات یہ تھی کہ حاضر اور سننے والے غیر حاضر ہونے والوں کو اطلاع دیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 280 میں بحث کی گئی ہے۔

معاشرے میں اسلام کی بیداری پھیلاتے وقت یہ یقینی بنانا ضروری ہے کہ صحیح علم کی منتقلی ہو۔ ورنہ جیسا کہ سنن ابن ماجہ کی حدیث نمبر 206 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ کسی شخص کو نہ صرف غلط علم دینے پر سزا دی جائے گی بلکہ سزا اس بات پر بڑھے گی کہ کتنے لوگ اس پر عمل کرتے ہیں۔ بدقسمتی سے اس حدیث کو عام طور پر نظر انداز کیا جاتا ہے جس کے نتیجے میں غیر معتبر اور غلط علم پھیلتا ہے۔ صحیح علم کی کمی کفر کا دروازہ کھول سکتی ہے۔ مثال کے طور پر، کچھ لوگ ہر اس چیز کو بدعت، شرک یا غیر قانونی قرار دیتے ہیں جسے وہ نہیں سمجھتے۔ یہاں تک کہ وہ صحیح مسلم نمبر 216 میں پائی جانے والی حدیث کو سمجھے بغیر مسلمانوں کو خوشی سے مرتد قرار دیتے ہیں۔ یہ واضح طور پر متنبہ کرتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان پر کفر کا جھوٹا الزام لگاتا ہے تو الزام لگانے والا اپنا ایمان کھو دیتا ہے۔ جہالت شیطان کے ہتھیاروں میں سے ایک ہتھیار ہے اور اس کو پھیلانے سے پہلے کسی معتبر عالم سے صحیح علم حاصل کر کے ہی اس سے بچ سکتا ہے۔ باب 39 از زمر، آیت 9:

"کہو، "کیا جاننے والے برابر ہیں جو نہیں جانتے؟..."

ضرر سے بچو

منیٰ کے ایام میں اپنے خطبہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو باتیں ارشاد فرمائیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ مسلمان کا خون اور مال مقدس ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 280 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 67 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ اسلام میں مسلمان کا خون، مال اور عزت حرمت ہے۔

یہ حدیث ایک اہم سبق دیتی ہے :مسلمانوں کے لیے حقیقی کامیابی اللہ تعالیٰ کے دونوں حقوق جیسے فرض نمازوں کی ادائیگی اور ساتھی انسانوں کے حقوق کی ادائیگی سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک دوسرے کو نظر انداز کرنا ناکافی ہے۔ قیامت کے دن انصاف کا غلبہ ہوگا، جہاں ظالموں کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنی نیکیاں اپنے متاثرین کو منتقل کریں اور ضرورت پڑنے پر ان کے گناہوں کو برداشت کریں جن پر انہوں نے ظلم کیا۔ اس طرح کے نتائج ان کے نزول کو جہنم میں لے جا سکتے ہیں، صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود ایک حدیث میں ایک تنبیہ بیان کی گئی ہے۔

ایک حقیقی مومن وہ ہوتا ہے جو دوسروں اور ان کے سامان کو - زبانی اور جسمانی دونوں طرح سے نقصان پہنچانے سے باز رہتا ہے۔ اس اصول کی تائید سنن نسائی نمبر 4998 کی ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ قول و فعل کے ذریعے نقصان پہنچانے سے گریز کریں۔

دوسروں کے مال کا احترام ضروری ہے، اور مسلمانوں کو کبھی بھی غلط طریقے سے اس چیز کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے جو ان کا نہیں ہے۔ صحیح مسلم نمبر 353 میں موجود ایک حدیث ان لوگوں کو جہنم سے خبردار کرتی ہے جو قانونی معاملات میں جھوٹی گواہی کے ذریعے دوسروں کی جائیداد پر ناجائز قبضہ کرتے ہیں، خواہ وہ ایک ٹہنی کے برابر معمولی

چیز کیوں نہ لیں۔ مسلمانوں کو دوسروں کے سامان کو اس طریقے سے استعمال کرنا چاہیے جس سے مالک کی خواہشات کا احترام ہو۔ انسان کو دوسروں کے مال کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرنا چاہیے جو وہ اپنے مال کے ساتھ کرنا چاہتا ہے۔

مزید یہ کہ غیبت یا غیبت سمیت کسی بھی عمل یا تبصرے کے ذریعے کسی مسلمان کی عزت کو نشانہ نہیں بنایا جانا چاہیے۔ اس کے بجائے، وہ دوسروں کی عزت کی حفاظت کریں، ان کی موجودگی اور غیر موجودگی میں، کیونکہ یہ انہیں جہنم کی آگ سے بچا سکتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1931 کی حدیث سے ہوئی ہے۔ دوسروں کے بارے میں اس طرح بات کرنا ضروری ہے جس کے بارے میں کوئی بات کرنا چاہے۔ اگر کوئی دوسروں کے بارے میں مہربان نہیں بول سکتا تو اسے خاموش رہنا چاہیے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ ظلم کرنے سے بچنا ضروری ہے، خواہ اس کا تعلق ان کی ذات، ان کے سامان یا ان کی عزت سے ہو۔ کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے جیسا کہ وہ خود چاہتا ہے کہ دوسروں کے ساتھ سلوک کیا جائے۔ یہ ایک سچے مومن کے جوہر کی عکاسی کرتا ہے جیسا کہ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

سنو اور مانو

منیٰ میں ایام کے دوران اپنے خطبہ میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ اپنے کمانڈر کو سنیں اور اس کی اطاعت کریں جس نے ان کی سماجی حیثیت، جیسے کہ غلام ہونے کے باوجود قرآن پاک کے ذریعے ان کی رہنمائی کی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 282-283 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام معاشرے کے قائدین کے لیے اخلاص ہے۔ اس میں انہیں بہترین مشورے کی پیشکش کرنا اور ان کے اچھے فیصلوں میں کسی بھی ضروری طریقے سے مدد کرنا شامل ہے، جیسے کہ مالی یا جسمانی مدد۔ امام مالک کی موطا، کتاب نمبر 56، حدیث نمبر 20 میں موجود ایک حدیث کے مطابق اس فرض کو ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ باب 4 النساء آیت 59:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے حاکم ہیں..."

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معاشرے کے سربراہان کی اطاعت فرض ہے۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ اطاعت اس وقت تک فرض ہے جب تک کہ کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔ مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں اگر یہ خالق کی نافرمانی کا باعث بنے۔ اس طرح کے معاملات میں لیڈروں کے خلاف بغاوت کرنے سے گریز کیا جانا چاہیے کیونکہ اس سے صرف معصوم لوگوں کا ہی نقصان ہوتا ہے۔ اس کے بجائے قائدین کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق نرمی سے نیکی اور برائی سے منع کرنا چاہیے۔ دوسروں کو اس کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کرنی چاہیے اور ہمیشہ راہنماؤں سے صحیح راستے پر چلنے کی دعا کرنی چاہیے۔ لیڈر سیدھے رہیں گے تو عوام بھی سیدھے رہیں گے۔

لیڈروں کے ساتھ دھوکہ کرنا منافقت کی علامت ہے جس سے ہر وقت بچنا چاہیے۔ اخلاص میں ان معاملات میں ان کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے جو معاشرے کو بھلائی پر اکٹھا کرتے ہیں اور ہر اس چیز سے تنبیہ کرتے ہیں جو معاشرے میں خلل پیدا کرے۔ اسلام میں قائدین کی اندھی وفاداری نہیں ہے، صرف ان چیزوں میں ان کی اطاعت ہے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتی ہیں۔

خاندانی تعلقات

منیٰ میں ایام کے دوران اپنے خطبہ میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ اپنی ماں، باپ، بہن، بھائی اور پھر اگلے قریبی رشتہ داروں کو خاص طور پر درج کر کے اپنے رشتہ داروں کے حقوق کو پورا کریں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 284 میں بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ہمیشہ جامع نصیحتیں دیتا ہے۔ اس معاملے میں، اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں اکثر رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کرتا ہے، کیونکہ صرف اس ایک نصیحت پر عمل کرنے سے ہی معاشرے میں خوشحالی، امن اور انصاف یقینی ہو گا۔ اگر ہر شخص اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرے تو کبھی کسی بیرونی ذریعہ سے کسی اور امداد کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ یہ یقینی بنائے گا کہ خاندان کی ہر اکائی کے ہر فرد کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، جس کے نتیجے میں پورے معاشرے پر مثبت اثرات مرتب ہوں گے۔

ضروری ہے کہ اپنے رشتہ داروں کی ہر اس چیز میں مدد کرے جو اسلام میں قابل تعریف ہے اور انہیں ہر اس چیز سے خبردار کرے جو قابلِ ملامت ہو۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

"اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو"۔

افسوس کی بات ہے کہ آج بہت سے مسلمان اس نصیحت کو نظر انداز کرتے ہیں اور اس کے بجائے دوسروں کی مدد کرتے ہیں ان کے ساتھ اپنے تعلق کے مطابق، اس بات سے قطع نظر کہ جس چیز میں وہ ان کی مدد کر رہے ہیں وہ اچھی ہے یا بری۔ ایک مسلمان کو مندرجہ ذیل آیت کی ترتیب پر عمل کرنا چاہیے اور اپنے رشتہ داروں کی صرف ان چیزوں میں مدد کرنی چاہیے جن کا براہ راست تعلق اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت سے ہے۔ باب 2 البقرہ، 83:

اللہ کے سوا عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ نیکی کرو اور رشتہ داروں کے ساتھ‘‘۔ ’’

اپنے رشتہ داروں کو ان کے وسائل کے مطابق مدد کرنی چاہیے، جس میں جذباتی، جسمانی اور مالی مدد شامل ہے۔ یہ سب سے بہتر اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرتا ہے جیسا وہ چاہتا ہے کہ دوسرے لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ لوگوں کے ذریعہ بیان کردہ اچھے رشتہ دار کے معیار اور تعریف پر زیادہ توجہ نہیں دینی چاہئے، کیونکہ ان کا معیار اور تعریف اکثر اسلام کے مقرر کردہ تعریف اور معیار سے متصادم ہوتی ہے۔ اس کے بجائے، اللہ ،تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اسلام کی تعلیمات کے مطابق رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے چاہئیں خواہ وہ رشتہ دار ان کو اچھا رشتہ دار سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ آخر میں، ایک مسلمان کو اپنے رشتہ داروں سے دنیاوی وجوہات کی بنا پر کبھی بھی رشتہ نہیں توڑنا چاہیے، جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 5984 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص اپنے رشتہ داروں سے دنیوی وجوہات کی بنا پر تعلق توڑے گا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ اس کے علاوہ، اگرچہ ایک مسلمان اپنے رشتہ دار سے مذہبی وجوہات کی بناء پر تعلقات منقطع کر سکتا ہے، لیکن یہ بہتر ہے کہ اپنے رشتہ دار سے اچھے کاموں میں ان کی مدد کر کے اور برے کاموں میں ان کو تنبیہ کرتے ہوئے تعلقات قائم رکھے، کیونکہ اس سے ان کے رشتہ دار کو اپنی گمراہی سے سچی توبہ کی ترغیب مل سکتی ہے۔

منافقت کی ایک شاخ

ایام منیٰ میں اپنے خطبہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو باتیں ارشاد فرمائیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی خطاؤں سے درگزر فرماتا ہے سوائے اس شخص کے جو کسی مسلمان سے اس نیت سے قرض لے کہ قرض ادا نہ کرے۔ اس شخص کو بہت بڑا مسئلہ ہے اور وہ برباد ہو چکا ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 284 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ وعدہ خلافی منافقت کا ایک پہلو ہے۔

ایک مسلمان نے سب سے بڑا وعدہ اللہ تعالیٰ سے کیا ہے، جس پر اتفاق اس وقت ہوا جب کسی نے اسے اپنا رب اور معبود تسلیم کیا۔ اس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا شامل ہے۔

لوگوں کے ساتھ کیے گئے دیگر تمام وعدوں کو بھی پورا کیا جانا چاہیے، جب تک کہ کسی کے پاس کوئی معقول عذر نہ ہو، خاص طور پر جو والدین بچوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ وعدوں کی خلاف ورزی بچوں کو صرف برے کردار کی تعلیم دیتی ہے اور انہیں یہ ماننے کی ترغیب دیتی ہے کہ دھوکے باز ہونا ایک قابل قبول خصوصیت ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2227 میں موجود حدیث میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا ہے کہ جو اس کے نام پر وعدہ کرے اور پھر بغیر کسی عذر کے اسے توڑ دے وہ اس کے خلاف ہو گا۔ جس کے خلاف اللہ تعالیٰ ہے وہ قیامت کے دن کیسے کامیاب ہو سکتا ہے؟ جہاں ممکن ہو دوسروں کے ساتھ وعدے نہ کرنا ہمیشہ محفوظ ہے ۔ لیکن جب کوئی حلال وعدہ کیا جائے تو اسے پورا کرنے کے لیے سخت کوشش کرنی چاہیے۔

اس کے علاوہ انسان کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ کوئی بھی دنیوی چیز جو اسے ناجائز طریقے سے حاصل ہوتی ہے وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے تناؤ، پریشانی اور مشکلات کا باعث بنے گی، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور کنٹرول سے نہیں بچ سکتے۔ باب 53 عن نجم، آیت 43:

اور یہ کہ وہی ہنستا ہے اور روتا ہے‘‘۔’’

اس کے علاوہ جو شخص اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ لامحالہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا اور ان کی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا۔ یہ انہیں متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کرنے سے روکے گا اور ان کو اپنی زندگی میں ہر چیز اور ہر چیز کو غلط جگہ دینے کا سبب بنے گا۔ اس سے دونوں جہانوں میں ان کے تناؤ، پریشانی اور مشکلات میں اضافہ ہی ہوگا۔ نتیجے کے طور پر، ان کی زندگی میں ہر چیز، جیسے کہ ان کا خاندان، دوست، کیریئر اور دولت، ان کے لیے تناؤ کا باعث بن جائے گی۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اڑے رہتے ہیں، تو وہ اپنی زندگی کے اندر کی غلط چیزوں اور لوگوں کو، جیسے کہ ان کی شریک حیات، کو اپنے تناؤ کا ذمہ دار ٹھہرائیں گے۔ جب وہ ان اچھے لوگوں کو اپنی زندگیوں سے نکال دیتے ہیں، تو یہ ان کے ذہنی عارضے میں صرف اس وقت تک اضافہ کرے گا جب تک کہ وہ ڈپریشن، نشے کی لت اور یہاں تک کہ خودکشی کے رجحانات میں ڈوب نہ جائیں۔ اگر کوئی اپنی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال کرتا رہے تو وہ قیامت کے دن اپنے احتساب کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ آخرت میں جو عذاب انہیں بھگتنا پڑے گا وہ اس سے بھی بدتر ہو گا جو اس دنیا میں بھگتنا پڑا۔

آخر میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ کوئی بھی مال یا دوسری دنیاوی چیزیں جو ناجائز طریقے سے حاصل کی جائیں وہ صرف اس کے اٹھانے والوں کے لیے لعنت ہی بنتی ہیں کیونکہ ان حرام چیزوں کے ساتھ جو بھی اچھے اعمال وہ انجام دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے رد کر دیتا ہے اور اگر وہ سچے دل سے توبہ کرنے میں ناکام ہو جاتے ہیں تو دونوں جہانوں میں ان کے گناہ اور عذاب میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اسلام کی ظاہری بنیاد حلال کی کمائی اور اس کا استعمال ہے جس طرح اسلام کی باطنی بنیاد نیت ہے۔ اگر کسی کی بنیاد ہی خراب ہے تو جو کچھ بھی اس سے نکلے گا وہ خراب ہو جائے گا اور اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رد کر دیا جائے گا، خواہ وہ اچھے اعمال ہی کیوں نہ ہوں۔ قیامت کے دن اس طرح کا برتاؤ کرنے والے کا نتیجہ نکالنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں۔

پر بھروسہ (SWT)

ایام منیٰ میں اپنے خطبہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو باتیں ارشاد فرمائیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ کوئی بیماری ایسی نہیں جس کا علاج اللہ تعالیٰ نے سوائے بڑھاپے کے نہ کیا ہو۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 284 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر، یہ چھوٹا سا بیان اسلام میں ایک اہم تصور کی وضاحت کرتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ پر توکل کیسے کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ دنیاوی وسائل مثلاً حلال دوائیوں کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق حلال طریقے سے استعمال کریں اور پھر یہ تسلیم کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے جو کچھ بھی چنتا ہے، مثلاً بیماری سے شفا یاب ہونا، ان کے لیے بہترین ہے اور اس لیے وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہتے ہیں۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ تھا۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا، اس لیے ان وسائل کو ترک کرنا شامل نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کیے ہیں، جیسے کہ حلال دوا، کیونکہ اس سے وہ وسیلہ بے کار ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ بے کار چیزیں پیدا نہیں کرتا۔ نہ ہی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو عطا کیے گئے وسائل پر مکمل بھروسہ کیا جائے اور یہ بھول جائے کہ تمام چیزیں صرف اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہوتی ہیں اور وہ ہمیشہ وہی چیز منتخب کرتا ہے جو لوگوں کے لیے بہتر ہو، چاہے یہ ان کے لیے واضح نہ ہو۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

”لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

جو شخص اپنے وسائل پر حد سے زیادہ انحصار کرتا ہے وہ اکثر روحانی مشقوں اور کرشموں پر زیادہ بھروسہ کرتا ہے جن کی جڑیں اسلامی تعلیمات میں نہیں ہیں، جس کے نتیجے میں اس کا یہ اعتماد اور یقین مزید کمزور ہو جاتا ہے کہ کائنات کے معاملات کو اللہ تعالیٰ ہی کنٹرول کرتا ہے۔ جتنا کوئی اس رویہ میں گہرائی میں ڈوبتا ہے، اتنا ہی زیادہ امکان ہے کہ وہ روحانی معالج ہونے کا بہانہ کرنے والے ایسے فنکاروں کے ذریعے دھوکے میں آجائیں گے جو فیس کے عوض دنیاوی

مسائل کو حل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن وہ روحانی مشقیں تجویز کرتے ہیں جو اکثر اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہوتی ہیں۔ یہ صرف ان کے ایمان کو خراب کرنے کا باعث بنے گا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کی حقیقت کو سمجھنا چاہیے اور اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے تاکہ زیر بحث دو انتہائی رویوں سے بچا جا سکے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ قرآن کریم، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسلام کو سادہ اور آسان بنایا لیکن ان کے بعد بہت سے مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ ،پر بھروسہ کرنے جیسے معاملات کے بارے میں بات کر کے اسلام کو پیچیدہ اور پیچیدہ بنا دیا حالانکہ تصور بہت آسان اور سیدھا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہدایت کے دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے پر سختی سے عمل کریں :قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات، کیونکہ یہ اسلام کو آسان بناتے ہیں اور ہر شخص کے لیے آسانیاں پیدا کرتے ہیں۔ انہیں دینی علم کے دوسرے ذرائع کے مطالعہ اور ان پر عمل کرنے سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ وہ صرف ایک شخص کے لیے چیزوں کو پیچیدہ بنا دیتے ہیں اور انھیں اللہ تعالیٰ کے قرب کا راستہ صرف چند چنیدہ لوگوں کے لیے ہے، حالانکہ اس کا دروازہ سب کے لیے کھلا ہے اور آسانی سے قابل رسائی ہے۔ اسلام کو پیچیدہ بنانا انہیں ایک درجہ بندی کا نظام تشکیل دینے کی اجازت دیتا ہے جس کے ذریعے وہ عام لوگوں کو قائل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قرب صرف اسی صورت میں حاصل ہوتا ہے جب وہ خاص روحانی لوگوں کی خدمت کرتے اور ان کی آنکھیں بند کرکے اطاعت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قریب ہیں۔ یہ روحانی لوگ عام لوگوں کے لیے اسلام کو مزید پیچیدہ بناتے ہیں تاکہ ان کی خدمت کرتے رہیں، انہیں تحفے پیش کرتے رہیں اور ہر وقت ان کی اندھی اطاعت کرتے رہیں، حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، جنہوں نے اسلام کو کسی اور سے بہتر سمجھا، ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ نہیں کیا۔

آپس میں لڑنا

ایام منیٰ میں اپنے خطبہ میں جو بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ان میں سے ایک یہ تھی کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مار کر دوبارہ کفر کی طرف نہ جائیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 284 میں بحث کی گئی ہے۔

اتحاد تب ہی حاصل ہو سکتا ہے جب مسلمان قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر خلوص دل سے عمل کریں۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ ایک ہی ضابطہ اخلاق کے مطابق زندگی گزاریں گے اور اس لیے اتحاد کی طرف لے جائیں گے۔ جب بھی لوگ ایک الگ ضابطہ اخلاق کے تحت زندگی گزارتے ہیں تو یہ ہمیشہ معاشرے میں تفرقہ کا باعث بنے گا۔ لہٰذا مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ واحد الٰہی ضابطہ اخلاق کی پابندی کرنی چاہیے اور ایسے لوگوں کی پیروی سے گریز کرنا چاہیے جو مختلف ضابطہ اخلاق کی وکالت کرتے ہیں۔ لیکن یہ تب ہی حاصل ہو گا جب وہ قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھیں گے اور ان پر عمل کریں گے اور دوسروں کی اندھی تقلید سے گریز کریں گے۔ کسی کو اپنے اساتذہ کا احترام ضرور کرنا چاہیے لیکن ان کی آنکھیں بند کر کے کبھی ان کی پیروی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ اسلام کے سکھائے گئے طرز عمل سے متصادم ہے۔ باب 12 یوسف، آیت 108:

کہو، "یہ میرا راستہ ہے؛ میں اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ دعوت دیتا ہوں، میں اور وہ لوگ جو میری پیروی کرتے ہیں..."

بچوں کی حفاظت

منیٰ کے دنوں میں اپنے خطبہ میں ایک بات جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی وہ یہ تھی کہ مسلمان کو اپنے بچے کو نقصان نہیں پہنچانا چاہیے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 284-285 میں بحث کی گئی ہے۔

والدین کو کبھی بھی اپنے بچے کو جسمانی یا جذباتی طور پر نقصان نہیں پہنچانا چاہیے کیونکہ یہ واضح طور پر اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہے۔ مزید برآں، انہیں اسلامی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی اہمیت سکھا کر انہیں روحانی طور پر نقصان پہنچانے سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ صرف یہ یقینی بنائے گا کہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون حاصل کر سکیں گے۔ یہ تعلیمات اس بات کو یقینی بنائیں گی کہ وہ ان نعمتوں کا صحیح استعمال کریں جو انہیں عطا کی گئی ہیں۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کریں گے اور قیامت کے دن اپنے احتساب کے لیے مناسب تیاری کرتے ہوئے ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں درست طریقے سے رکھیں گے۔ لہٰذا یہ طرز عمل دونوں جہانوں میں ذہنی سکون کا باعث بنے گا۔ اپنے بچے کو اسلامی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دینے کا بہترین طریقہ مثال کے طور پر رہنمائی کرنا ہے۔ اس لیے والدین کو چاہیے کہ وہ اسلامی تعلیمات کو سیکھیں اور ان پر عمل کریں تاکہ وہ اپنے بچوں کے لیے عملی نمونہ بن سکیں۔

گناہوں کی اقسام

ایام منیٰ میں اپنے خطبہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو باتیں ارشاد فرمائیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ شیطان مایوس ہو چکا ہے کیونکہ عرب میں اب اس کی عبادت نہیں کی جائے گی تاہم مسلمان بعض ایسے کاموں میں اس کی اطاعت کریں گے جو ان کے نزدیک معمولی معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ اعمال شیطان کو خوش کرتے ہیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 284-285 میں بحث کی گئی ہے۔

گناہوں کو حقیر سمجھنے سے بچنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ وہ اسلامی علم حاصل کرے تاکہ وہ مختلف قسم کے گناہوں کی قدر کرے اور ان سے کیسے بچا جائے۔

معمولی اور بڑے کے طور پر .کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کی گناہوں کی درجہ بندی کر دی گئی ہے۔ درجہ بندی کے لیے بہت سی مختلف باتیں زیر بحث آئی ہیں۔ مثال کے طور پر، اسلامی حکومت جس گناہ کی سزا دے گی اسے ایک بڑے گناہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور جس گناہ کا تعلق جہنم سے ہو، اللہ تعالیٰ کا غضب یا لعنت، وہ گناہ کبیرہ شمار ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ صغیرہ گناہوں پر قائم رہنا بھی ان کے کبیرہ گناہوں میں تبدیل ہونے کا سبب بن سکتا ہے۔ صغیرہ گناہ صرف سچی کبیرہ گناہوں سے اجتناب اور اعمال صالحہ سے مٹ گناہ توبہ سے معاف ہوتے ہیں جبکہ صغیرہ سکتے ہیں۔ باب 4 النساء، آیت 31:

"اگر تم ان کبیرہ گناہوں سے بچو گے جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تم سے تمہارے چھوٹے گناہوں کو دور کر دیں گے۔"

مخلص توبہ میں احساس جرم، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہے، شامل ہے، جب تک کہ یہ مزید پریشانی کا باعث نہ ہو۔ انسان کو سچے دل سے وعدہ کرنا چاہیے کہ وہ دوبارہ وہی یا اس سے ملتا جلتا گناہ نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے جو حقوق پامال

ہوئے ہوں ان کی تلافی کرنی چاہیے۔ انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرتے رہیں، اس کی عطا کردہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہوئے جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں بیان کیا گیا ہے۔

اسلامی تعلیمات نے جان بوجھ کر کبیرہ اور چھوٹے گناہوں کی فہرست میں شامل کرنے سے گریز کیا ہے تاکہ مسلمان اپنے کسی گناہ کو کبیرہ سمجھ کر چوکنا رہیں۔ اگر لوگوں کو ایک فہرست عطا کی جائے تو ان میں سے بہت سے لوگ بلا شبہ چھوٹے گناہوں پر اڑے رہیں گے اور یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ معمولی ہیں۔

اس کے علاوہ دو ذرائع ہدایت پر سختی سے عمل پیرا ہو کر شیطان کو خوش کرنے والے کاموں سے بچ سکتے ہیں :قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات، اور دینی علم کے دیگر تمام ذرائع سے اجتناب کر کے۔ ایک شخص جتنا زیادہ مذہبی علم کے متبادل ذرائع پر انحصار کرتا ہے، یہاں تک کہ اگر یہ بظاہر مثبت کاموں کا باعث بنتے ہیں، تو وہ رہنمائی کے دو بنیادی ذرائع پر اتنا ہی کم توجہ دے گا۔ انحصار میں یہ تبدیلی بالآخر گمراہی کا باعث بن سکتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابو داؤد نمبر 4606 میں درج ایک حدیث میں اس کے خلاف تنبیہ فرمائی ہے، جہاں آپ نے فرمایا ہے کہ کوئی بھی بات جو ہدایت کے دو مستند منابع میں نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے رد کر دیا جائے گا۔ مزید برآں، ان متبادل ذرائع پر عمل کرنے سے افراد اسلامی تعلیمات سے متصادم طرز عمل اختیار کر سکتے ہیں۔ یہ بتدریج موڑ ایک ایسا حربہ ہے جسے شیطان نے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے استعمال کیا ہے۔ مثال کے طور پر، کسی مشکل کا سامنا کرنے والے کو روحانی مشقوں میں مشغول ہونے کا مشورہ دیا جا سکتا ہے جو اسلامی اصولوں سے متصادم ہوں۔ اگر یہ شخص بے خبر ہے اور ثابت شدہ ذرائع سے باہر رہنمائی حاصل کرنے کا عادی ہے تو وہ آسانی سے ایسے جال میں پھنس سکتا ہے، ایسی سرگرمیوں میں حصہ لے سکتا ہے جو اسلام کے بنیادی اصولوں کو چیلنج کرتی ہیں۔ نتیجے کے طور پر، وہ ایسے عقائد رکھنے لگتے ہیں جو اللہ، عالی اور کائنات کے بارے میں اسلامی تعلیمات سے متصادم ہیں۔ وہ غلطی سے یہ مان سکتے ہیں کہ ان کی قسمت دیگر مخلوقات یا مافوق الفطرت ہستیوں کے زیر کنٹرول ہے، جو رہنمائی کی دو اہم شکلوں کے علاوہ ذرائع سے حاصل کردہ علم سے متاثر ہے۔ ان میں سے کچھ گمراہ کن اعمال اور عقائد سراسر کفر کا باعث بن سکتے ہیں، جیسے کہ کالا جادو جیسے طریقوں میں مشغول ہونا۔ باب 2 البقرہ، آیت 102:

سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا بلکہ شیاطین نے کفر کیا، لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور" جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر نازل ہوا تھا، لیکن وہ]یعنی دونوں فرشتے [کسی کو نہیں سکھاتے جب تک کہ یہ نہ کہیں کہ "ہم آزمائش ہیں، اس لیے کفر نہ کرو] "جادو کرکے[.

اس لیے ایک مسلمان نادانستہ طور پر مذہبی علم کے مختلف ذرائع پر انحصار کرتے ہوئے اپنے عقیدے سے دور ہو سکتا ہے۔ مذہبی طریقوں پر یہ انحصار جس کی بنیاد رہنمائی کے بنیادی ذرائع میں نہیں ہے، کسی کو گمراہی کی راہ پر لے جا سکتی ہے، بالآخر ان اصولوں اور تعلیمات سے بھٹک جاتی ہے جو ان کے عقائد کے لیے ضروری ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 208:

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ" چلو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔"

ایک جسم

منیٰ کے دنوں میں اپنے خطبہ میں جو باتیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ شیطان مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ڈالتا رہے گا۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 290 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

شیطان کے اس جال سے بچنے کے لیے مسلمانوں کو ایک ہستی کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے۔

صحیح مسلم نمبر 6586 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ امت مسلمہ ایک جسم کی مانند ہے۔ جسم کے کسی حصے میں درد ہو تو باقی جسم اس کے درد میں شریک ہوتا ہے۔

یہ حدیث، بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح، اپنی زندگی میں اس قدر خودغرض نہ ہونے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتی ہے اور اس طرح برتاؤ کرتی ہے کہ گویا کائنات ان کے اور ان کے مسائل کے گرد گھوم رہی ہے۔ شیطان مسلمانوں کو اپنی زندگی اور اپنے مسائل پر اس قدر توجہ مرکوز کرنے کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ بڑی تصویر پر توجہ مرکوز کرنے سے محروم ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ بے صبری کا باعث بنتا ہے اور وہ دوسروں سے غافل ہو جاتا ہے اور نتیجتاً وہ اپنے وسائل کے مطابق دوسروں کی مدد کرنے میں اپنا فرض ادا نہیں کرتا۔ ایک مسلمان کو یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیے اور دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جہاں تک وہ کر سکتے ہیں۔ یہ مالی مدد سے آگے بڑھتا ہے اور اس میں تمام زبانی اور جسمانی مدد شامل ہوتی ہے، جیسے کہ اچھا اور مخلصانہ مشورہ۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ خبروں کا باقاعدگی سے مشاہدہ کریں اور جو پوری دنیا میں مشکل حالات میں ہیں۔ اس سے انہیں حوصلہ ملے گا کہ وہ خودغرض اور خودغرض بننے سے بچیں اور اس کے بجائے دوسروں کی مدد کریں۔ درحقیقت جس کو صرف اپنی فکر ہوتی ہے وہ جانور

سے بھی کم تر ہے جیسا کہ وہ اپنی اولاد کا خیال رکھتا ہے۔ درحقیقت ایک مسلمان کو عملاً اپنے خاندان سے بڑھ کر دوسروں کا خیال رکھتے ہوئے جانوروں سے بہتر ہونا چاہیے۔

یہ حدیث اسلام میں اتحاد اور مساوات کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے، جیسا کہ دوسرے مسلمانوں کو ان کی جنس، نسل یا کسی بھی چیز سے قطع نظر ان کے وسائل کے مطابق مدد کرنی چاہیے۔

جس طرح ایک شخص اپنی پریشانی کو دور کرنا چاہتا ہے، اسی طرح اسے دوسروں کے لیے بھی اس طرح کا برتاؤ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، جیسا کہ بنیادی حدیث واضح طور پر بتاتی ہے کہ ایک مسلمان کے لیے کسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا دوسرے مسلمان کے لیے اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ ایک ہی میں ایک ہے۔

آخر میں، اگرچہ ایک مسلمان دنیا کے تمام مسائل کو دور نہیں کر سکتا لیکن وہ اپنا کردار ادا کر سکتا ہے اور اپنے وسائل کے مطابق دوسروں کی مدد کر سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور توقع یہی ہے۔

غلط نہ کرو

منیٰ کے دنوں میں اپنے خطبہ میں ایک بات جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی وہ یہ تھی کہ مسلمان پر کوئی ظلم نہیں کرنا چاہیے اور اس لیے ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 284-285 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2447 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ ظلم قیامت کے دن اندھیروں میں بدل جائے گا۔

اس سے بچنا بہت ضروری ہے کیونکہ جو لوگ اپنے آپ کو اندھیرے میں ڈوبے ہوئے پاتے ہیں ان کے جنت کا راستہ تلاش کرنے کا امکان نہیں ہے۔ صرف وہی لوگ کامیاب ہوں گے جنہیں رہنمائی کی روشنی فراہم کی جائے گی۔ اس لیے جبر کا ارتکاب اس روشنی کو حاصل کرنے سے روک دے گا۔

جبر کئی شکلیں لے سکتا ہے۔ پہلی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے احکام کو پورا کرنے میں ناکام رہتا ہے اور اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے۔ اگرچہ اس کا اللہ تعالیٰ کی لامحدود حیثیت پر کوئی اثر نہیں ہوتا لیکن اس سے انسان دونوں جہانوں میں تاریکی میں ڈوب جائے گا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4244 میں موجود ایک حدیث کے مطابق انسان جب بھی کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے روحانی قلب پر ایک سیاہ دھبہ لگ جاتا ہے۔ وہ جتنا زیادہ گناہ کریں گے، اتنا ہی ان کے دل پر اندھیرا چھا جائے گا۔ یہ انہیں اس دنیا میں حقیقی رہنمائی کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے سے روک دے گا۔ اس کے نتیجے میں، اگلی دنیا میں اندھیروں کا باعث بنے گا۔ باب 83 المطففین، آیت 14:

‘‘نہیں، بلکہ داغ نے ان کے دلوں پر جو کچھ وہ کما رہے تھے، ڈھانپ دیا ہے۔’’

ظلم کی اگلی قسم وہ ہے جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی امانت کو پورا کرنے میں ناکام ہو کر اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے، ان کے پاس جو دنیاوی نعمتیں ہیں، جیسے کہ اس کے جسم اور مال۔ یہ امانت اس وقت پوری ہوتی ہے جب کوئی شخص اپنی عطا کی گئی ہر نعمت کو اس طرح استعمال کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتا ہے، جو تمام نعمتوں کا خالق اور مالک ہے۔

ان نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ایمان ہے۔ اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے اس کی حفاظت اور مضبوطی ہونی چاہیے۔ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جس کی مسلسل دیکھ بھال اور پرورش اسلامی علم کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے ہوتی ہے۔ اس پودے کی موت کسی کے ایمان کی روشنی کو بجھا دے گی جس کے نتیجے میں وہ دونوں جہانوں میں اندھیروں میں ڈوب جائیں گے۔

ظلم کی آخری قسم وہ ہے جب کوئی دوسرے کے ساتھ بدسلوکی کرے۔ اللہ تعالیٰ ان گناہوں کو اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ مظلوم ان کو پہلے معاف نہ کر دے۔ چونکہ لوگ اتنے مہربان نہیں ہیں اس لیے ایسا ہونے کا امکان نہیں ہے۔ پھر قیامت کے دن انصاف قائم ہو گا جہاں ظالم کے اعمال صالحہ اس کے مظلوم کو ملیں گے اور ضرورت پڑنے پر مظلوم کے گناہ مظلوم کو دیے جائیں گے۔ اس سے ظالم کو جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنے سے بچنا چاہیے جیسا کہ وہ لوگ چاہتے ہیں۔

ایک مسلمان کو ہر قسم کے ظلم سے بچنا چاہیے اگر وہ دنیا اور آخرت میں رہنمائی کا خواہاں ہے۔

ٹرسٹ کی ادائیگی

ایام منیٰ میں اپنے خطبہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو باتیں ارشاد فرمائیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ مسلمانوں کو اپنی امانتوں کو پورا کرنا چاہیے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 291-292 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی کہ امانتوں میں خیانت منافقت کا ایک پہلو ہے۔

اس میں وہ تمام امانتیں شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی طرف سے ہیں۔ ہر نعمت اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کی ہے۔ ان امانتوں کو پورا کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ نعمتوں کو ان طریقوں سے استعمال کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کو راضی ہو۔ اس پر قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بحث اور وضاحت کی گئی ہے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ مزید برکات حاصل کریں گے، کیونکہ یہ سچا شکر ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

لوگوں کے درمیان اعتماد کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ جسے کسی دوسرے کے سپرد کیا گیا ہو اسے چاہیے کہ اس کا غلط استعمال نہ کرے اور مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ لوگوں کے درمیان سب سے بڑا اعتماد بات چیت کو خفیہ رکھنا ہے، جب تک کہ دوسروں کو مطلع کرنے میں کوئی واضح فائدہ نہ ہو۔ بدقسمتی سے، مسلمانوں کے درمیان اکثر اس کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ کسی کو اپنے اور لوگوں کے درمیان امانتوں کے ساتھ اس طرح برتاؤ کرنا چاہئے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے ان کے درمیان موجود امانتوں کے ساتھ سلوک کریں۔

اس کے علاوہ، ان ٹرسٹوں میں وہ لوگ شامل ہوتے ہیں جو کسی کی دیکھ بھال کے تحت ہوتے ہیں، جیسے کہ انحصار کرنے والے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان لوگوں کے حقوق ادا کرتے ہوئے ان امانتوں کو پورا کرنے کی کوشش کرے۔ مثال کے طور پر، والدین کا فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کو قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے، سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی ترغیب دیں۔

خطبہ غدیر خم

حج سے فارغ ہو کر مدینہ واپسی پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر خم میں خطبہ دیا۔ انہوں نے مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ ان دو خزانوں پر قائم رہیں جو وہ چھوڑے جا رہے ہیں، یعنی قرآن کریم اور ان کے خاندان، اللہ ان سے راضی ہیں۔ اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ قیامت کے دن اس کے آسمانی تالاب پر نہ پہنچ جائیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 301 میں بحث کی گئی ہے۔

امام منذری کی بیداری اور اندیشہ نمبر 30 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قرآن کریم قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس کی پیروی کرتے ہیں وہ قیامت کے دن اس کے ذریعہ جنت میں لے جائیں گے۔ لیکن جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس کو نظرانداز کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ یہ انہیں قیامت کے دن جہنم میں دھکیل دے گا۔

قرآن پاک ہدایت کی کتاب ہے۔ یہ محض تلاوت کی کتاب نہیں ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک کے تمام پہلوؤں کو پورا کرنے کی کوشش کریں تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ یہ دونوں جہانوں میں کامیابی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ پہلا پہلو اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اسے کسی معتبر عالم کے ذریعے سمجھ لیا جائے۔ اور آخری پہلو یہ ہے کہ اس کی تعلیمات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کیا جائے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ قرآن پاک پر صحیح طریقے سے عمل کریں، جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی، قرآن پاک کا عملی نفاذ ہے۔ ایسا سلوک کرنے والوں کو دنیا کی ہر مشکل سے راہنمائی اور قیامت کے دن اس کی شفاعت کی بشارت دی جاتی ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

لیکن جیسا کہ مرکزی حدیث سے متنبہ کیا گیا ہے کہ قرآن کریم صرف ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو اس کے پہلوؤں پر صحیح طریقے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے سے گریز کرتے ہیں یا جان بوجھ کر اس کی غلط تشریح کرتے ہیں اور بجائے اپنی خواہشات کے مطابق عمل کرتے ہیں وہ قیامت کے دن اس صحیح ہدایت اور اس کی شفاعت سے محروم رہیں گے۔ درحقیقت دونوں جہانوں میں ان کا مکمل نقصان اس وقت تک بڑھے گا جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں۔ باب 20 طہٰ، آیت 124:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔"

آخر میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ قرآن پاک اگرچہ دنیاوی مسائل کا علاج ہے لیکن مسلمان کو صرف اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ یعنی قرآن کریم کو ایک آلے کی طرح سمجھ کر نہ صرف اس کی تلاوت کریں تاکہ وہ اپنے دنیوی مسائل کو حل کر سکیں، جسے مشکل کے وقت دور کیا جاتا ہے اور پھر مسئلہ حل ہونے پر اسے دوبارہ ٹول باکس میں رکھ دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کا بنیادی کام دنیا کی مشکلات میں رہنمائی کرنا ہے تاکہ آخرت میں محفوظ طریقے سے پہنچ سکے۔ یہ مقصد قرآن کریم کو سمجھے اور اس پر عمل کیے بغیر پورا ہونا ممکن نہیں۔ اندھی تلاوت ہی کافی نہیں ہے۔ اس اہم کام کو نظر انداز کرنا اور اسے صرف اپنے دنیوی مسائل کے حل کے لیے استعمال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ ایک سچے مسلمان کے طرز عمل کے خلاف ہے۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جو بہت سے مختلف لوازمات کے ساتھ کار خریدتا ہے لیکن اسے نہیں چلایا جا سکتا، جو کہ کار کا بنیادی مقصد ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شخص محض بے وقوف ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 82:

"اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔"

اس کے علاوہ زیر بحث اہم واقعہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے بلند مرتبہ کی نشاندہی کرتا ہے۔

ان تمام لوگوں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقی محبت کی نشانی سے محبت کرنا جو اللہ عزوجل اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے لیے، خواہ یہ ان کے بارے میں کسی کی ذاتی رائے کے خلاف ہو۔ اس محبت میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے الفاظ کے ذریعے اور زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اپنے اعمال کے ذریعے محبت کا اعلان کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ بات سب پر ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اہل بیت رضی اللہ عنہم، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور صالحین اس سچی محبت کے حامل تھے۔ پس ان میں سے ہر ایک سے محبت اس شخص پر فرض ہے جو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرے۔ یہ بات بہت سی احادیث سے ثابت ہے جیسے کہ صحیح بخاری نمبر 17 میں موجود ہے۔ اس میں یہ نصیحت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگاروں سے محبت، یعنی مدینہ منورہ کے رہنے والوں سے محبت ایمان کا حصہ ہے اور ان سے بغض رکھنا نفاق کی علامت ہے۔ جامع ترمذی نمبر 3862 میں موجود ایک اور حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو واضح طور پر تنبیہ فرمائی ہے کہ وہ کسی بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید نہ کریں کیونکہ ان سے محبت کرنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی علامت ہے اور ان سے بغض رکھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغض رکھنے کی علامت ہے۔ یہ شخص اس وقت تک کامیاب نہیں ہو گا جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کرے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 143 میں موجود ایک حدیث میں اپنے مبارک گھر والوں کے بارے میں اسی طرح کا بیان فرمایا ہے۔

اگر کوئی مسلمان کسی ایسے مسلمان پر بلاجواز تنقید کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے تو اس سے ان کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی کمی ثابت ہوتی ہے۔ اگر کوئی مسلمان گناہ کرتا ہے تو دوسرے مسلمانوں کو گناہ سے نفرت کرنی چاہیے لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے پھر بھی گناہ گار مسلمان کے لیے اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی وجہ سے محبت رکھنا چاہیے۔ دوسروں سے محبت کرنے کی علامت ان کے ساتھ حسن سلوک اور احترام سے پیش آنا ہے۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جیسا وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو ان تمام لوگوں کو ناپسند کرنا چاہیے جو ان لوگوں کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں، خواہ وہ شخص رشتہ دار ہو یا اجنبی۔ ایک مسلمان کے جذبات انہیں اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی محبت کے اس نشان کو پورا کرنے سے کبھی نہیں روک سکتے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ان کو نقصان پہنچائیں بلکہ ان پر واضح کر دیں کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والوں سے عداوت ناقابل قبول ہے۔ اگر وہ اس منحرف رویے پر قائم رہیں تو جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کر لیں ان سے الگ ہو جانا چاہیے۔

حفاظتی تقریر

حج سے فارغ ہو کر مدینہ واپس آنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا۔ ان کی ایک بات یہ تھی کہ کسی کو اپنی تقریر سے مسلمانوں کو نقصان نہیں پہنچانا چاہئے اور اگر کوئی مسلمان مر جائے تو دوسرے ان کے بارے میں صرف اچھی بات کریں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 308-309 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں اس سے مسلسل آگاہ رہیں کیونکہ قیامت کے دن انہیں جہنم میں گرانے کے لیے صرف ایک لفظ کی ضرورت ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 3970 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ ضروری ہے کہ آدمی بولنے سے پہلے سوچے اور صرف اس وقت آگے بڑھے جب الفاظ گناہ یا لغو نہ ہوں۔ یہ ایک ذہین انسان کی نشانی ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث نمبر 176 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مسلمان کے لیے زبان کے تمام خطرات سے بچنے کا طریقہ بتایا ہے، یعنی اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔ زبان کے خطرات پر علم حاصل کرنا اس تعلیم کو نافذ کرے گا۔ لیکن اگر کوئی مسلمان جاہل رہے گا تو وہ اپنی باتوں سے بہت سے گناہوں کا ارتکاب کرے گا اور اسے احساس بھی نہیں ہوگا۔ اسی لیے علم حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض قرار دیا گیا ہے جس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

تقریر کو تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلی بری تقریر ہے جس سے ہر حال میں بچنا چاہیے۔ دوسری اچھی تقریر ہے جو مناسب وقت پر بولی جائے۔ تقریر کی آخری قسم فضول تقریر ہے۔ اس قسم کی تقریر کو گناہ یا نیکی نہیں سمجھا جاتا لیکن چونکہ یہ قسم برائی کی طرف لے جاتی ہے اس سے بچنا بھی بہتر ہے۔ مزید برآں، فضول گفتگو ایک شخص کے لیے قیامت کے دن ندامت کا باعث ہو گی جب وہ ان مواقع اور وقت کو دیکھے گا جو اس نے فضول گفتگو میں ضائع کیے تھے۔ اس لیے مسلمان کو چاہیے کہ وہ اچھی بات کہے یا پھر خاموش رہے۔ صحیح مسلم کی حدیث نمبر 176 میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ، زیر بحث اہم واقعہ مُردوں کے بارے میں اچھا بولنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ مرنے والوں کے بارے میں برا کہنا صرف ان کے زندہ رشتہ داروں اور عزیزوں کو پریشان کرتا ہے اور یہ تقریر اگر سچی بھی ہو تو میت کو کوئی فائدہ نہیں دیتا کیونکہ وہ اب اپنے رویے کی اصلاح نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی دوسروں کو سبق سکھانا چاہتا ہے تو وہ نام لیے بغیر ایسا کر سکتا ہے۔

ہجرت کے بعد گیارہواں سال

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بیماری

دوسروں کو یاد کرنا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ جب ایسا ہوا تو وہ آدھی رات کو ایک قبرستان بقیۃ الغرقد میں گئے اور وہاں دفن ہونے والوں کے لیے مغفرت کی دعا کی۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 4 صفحہ 321 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

دوسروں کو بھولنا آسان ہوتا ہے جب کسی کو کسی مشکل کا سامنا ہوتا ہے، جیسے کہ بیماری۔ اس لیے یہ واقعہ مسلمانوں کو یاد دلاتا ہے کہ وہ دوسروں کے لیے اپنا اخلاص برقرار رکھیں خواہ وہ آسانی کے وقت ہوں یا مشکل کا۔

صحیح بخاری نمبر 13 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں بن سکتا جب تک وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر کوئی مسلمان اس خصوصیت کو اپنانے میں ناکام رہے تو وہ اپنا ایمان کھو دے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک وہ اس نصیحت پر عمل نہ کریں۔ یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ مسلمان اس وقت تک

اپنا ایمان مکمل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے بھی وہ چیز ناپسند نہ کرے جو اپنے لیے ناپسند کرتا ہے۔ اس کی تائید صحیح مسلم نمبر 6586 میں موجود ایک اور حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ نصیحت کرتی ہے کہ امت مسلمہ ایک جسم کی مانند ہے۔ جسم کے ایک حصے میں درد ہو تو باقی جسم درد میں شریک ہوتا ہے۔ اس باہمی احساس میں دوسروں کے لیے محبت اور نفرت شامل ہے جو کوئی اپنے لیے پسند کرتا ہے اور نفرت کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو یہ مقام صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب اس کا دل بغض اور حسد سے پاک ہو۔ یہ بُری خصلتیں انسان کو ہمیشہ اپنے لیے بہتر کی خواہش کا باعث بنتی ہیں۔ پس درحقیقت یہ حدیث اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کو اچھی خصلتوں کو اپنا کر اپنے دل کو پاک کرنا چاہیے جیسا کہ معاف کرنے والا ہونا اور حسد جیسی بری خصلتوں کو ختم کرنا چاہیے۔ یہ صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے ہی ممکن ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دوسروں کے لیے بھلائی کی خواہش کرنے سے وہ اچھی چیزوں سے محروم نہیں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے خزانے کی کوئی حد نہیں اس لیے خود غرضی اور لالچی ذہنیت اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔

،دوسروں کے لیے بھلائی کی خواہش میں دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے جیسے کہ مالی یا جذباتی مدد، اسی طرح ایک شخص چاہتا ہے کہ دوسروں کی ضرورت کے وقت ان کی مدد کریں۔ اس لیے اس محبت کو صرف الفاظ سے نہیں بلکہ عمل سے ظاہر کرنا چاہیے۔ یہاں تک کہ جب کوئی مسلمان برائی سے منع کرتا ہے اور ایسی نصیحت کرتا ہے جو دوسروں کی خواہشات کے خلاف ہو تو انہیں نرمی سے ایسا کرنا چاہئے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے انہیں اچھی نصیحت کریں۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، زیر بحث اہم حدیث ان تمام برے خصلتوں کو ختم کرنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے جو باہمی محبت اور نگہداشت سے متصادم ہوں، جیسا کہ حسد۔ حسد اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص کسی خاص نعمت کا مالک ہونا چاہتا ہے جو صرف اس وقت حاصل ہوتا

ہے جب اسے کسی اور سے چھین لیا جائے۔ یہ رویہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب کردہ نعمتوں کی تقسیم کے لیے براہ راست چیلنج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کبیرہ گناہ ہے اور حسد کرنے والے کی نیکیوں کو برباد کرنے کا باعث ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4903 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اگر کوئی مسلمان دوسروں کے پاس حلال چیزوں کی خواہش رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ وہ اسے وہی چیز عطا کرے جو دوسرے شخص کی نعمت سے محروم نہ ہو۔ اس قسم کی حسد جائز ہے اور مذہب کے پہلوؤں میں قابل تعریف ہے۔ صحیح مسلم نمبر 1896 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت کی ہے کہ مسلمانوں کو صرف اس دولت مند سے حسد کرنا چاہئے جو اپنی دولت کا صحیح استعمال کرے۔ اور ایک ایسے علم والے سے رشک کریں جو اپنے علم کو اپنے اور دوسروں کے فائدے کے لیے استعمال کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو نہ صرف دوسروں کے لیے دنیاوی نعمتوں کے حصول کے لیے محبت کرنی چاہیے بلکہ ان کے لیے دونوں جہانوں میں دینی برکات حاصل کرنے کے لیے بھی محبت کرنی چاہیے۔ درحقیقت جب کوئی دوسروں کے لیے یہ خواہش کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس کے احکام کی تعمیل کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنے اور تقدیر کا مقابلہ کرنے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر سے کام لینے کی ترغیب دیتا ہے۔ اسلام میں اس قسم کے صحت مند مقابلے کا خیر مقدم کیا گیا ہے۔ باب 83 المطففین، آیت 26:

"تو اس کے لیے حریفوں کو مقابلہ کرنے دیں۔..."

یہ ترغیب ایک مسلمان کو اپنے کردار میں کسی خامی کو تلاش کرنے اور اسے دور کرنے کے لیے اپنا جائزہ لینے کی بھی ترغیب دے گی۔ جب یہ دونوں عناصر معنی کو یکجا کرتے ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کرتے ہیں، اور کردار کو پاک کرتے ہیں، تو یہ دونوں جہانوں میں کامیابی کا باعث بنتا ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں سے محبت کا دعویٰ نہ صرف زبانی طور پر کرے بلکہ اپنے عمل سے ظاہر کرے۔ امید ہے کہ جو اس طرح دوسروں کی فکر کرتا ہے اسے دونوں

جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی فکر حاصل ہوگی۔ اس کی طرف جامع ترمذی نمبر 1930 میں موجود حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

ایمان سے چمٹے رہو

جب آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آدھی رات کو ایک قبرستان بقیع الغرقد میں تشریف لے گئے اور وہاں دفن ہونے والوں کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی۔ اس کے بعد اس نے تبصرہ کیا کہ وہاں دفن ہونے والے لوگوں کو اس بات پر مطمئن ہونا چاہئے کہ وہ ان چیزوں کا تجربہ نہیں کریں گے جن کا زندہ لوگوں کو سامنا کرنا پڑے گا، جیسے مصیبتیں جو رات کے تاریک حصوں کی طرح ہیں جو یکے بعد دیگرے ایک دوسرے کے پیچھے آئیں گی، ان میں سے آخری پہلی سے بدتر ہے۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 4 صفحہ 321 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 7400 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص بڑے فتنوں اور فتنوں کے دوران اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہے وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے اپنی زندگی میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہجرت کی ہو۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہجرت کا ثواب بہت بڑا عمل تھا۔ صحیح مسلم نمبر 321 میں موجود حدیث کے مطابق درحقیقت اس سے پچھلے تمام گناہ مٹ جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرتے رہیں، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرتے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرتے رہیں۔ یہ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ کوئی شخص ان نعمتوں کو استعمال کرتا رہے جو اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس حدیث میں جس وقت کا ذکر ہے وہ آچکا ہے۔ اسلام کی تعلیمات سے گمراہ ہونا بہت آسان ہو گیا ہے کیونکہ مسلمان قوم پر دنیاوی خواہشات کے دروازے کھل گئے ہیں۔ سوشل میڈیا، فیشن اور ثقافت میں ہونے والی ترقی کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے ان نعمتوں کا غلط استعمال کرنے میں جھوٹا یقین کرنا آسان ہو گیا ہے جو ان کو دی گئی ہیں۔ اکثریت کی پیروی کرنے کی ذہنیت کو اپنانا آسان ہو گیا ہے، جنہوں نے ایمان کو خالی عملوں تک محدود کر دیا ہے جن کا اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کوئی شخص ان نعمتوں کو عملی طور پر کیسے استعمال کرتا ہے جو انہیں دی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں خواہش مندانہ سوچ مسلم قوم میں پھیل چکی ہے جس کی وجہ سے وہ قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو نظر انداز کرتے ہوئے دونوں جہانوں میں امن اور نجات کی امید رکھتے ہیں۔ جسے کسی بھی باشعور شخص کی طرف سے منحرف رویہ سمجھا جاتا تھا وہ کچھ ایسا بن گیا ہے کہ لوگوں کو گلے لگانے کی تاکید کی جا رہی ہے۔ اس ساری گمراہی سے منہ موڑنا مشکل ہوگا اور یہاں تک کہ کسی کے گھر والے اور دوست احباب بھی ان پر تنقید کریں گے کہ وہ اکثریت کی پیروی کرنے کے بجائے اسلام کی تعلیمات پر قائم ہیں۔ لیکن اگر کوئی اللہ پر قائم رہتا ہے تو وہ ان نقصانات کا بدلہ دے گا جو اسے اٹھانا پڑتا ہے، جیسے دوستوں اور رشتہ داروں سے محبت اور احترام کا نقصان، جس سے کہیں زیادہ اعلیٰ چیز ہے، یعنی ذہنی اور جسمانی سکون۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آخرت میں محفوظ کیا ہے وہ بہت بڑا ہے۔ دوسری طرف جو لوگ اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت سے منہ موڑ کر ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں جو انہیں عطا کی گئی ہیں، ان کے تمام دنیاوی رشتے اور نعمتیں دنیا میں ان کے لیے تناؤ اور لعنت کا باعث بنتی ہیں۔ اور آخرت میں جو ملے گا وہ اس سے بھی بدتر ہو گا۔ باب 20 طہٰ، آیات 124-126:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دنیاوی خواہشات میں مشغول نہ ہوں جو عام ہو چکی ہیں اور متنازعہ مسائل اور لوگوں سے اجتناب کریں اور اپنی زندگی کے ہر پہلو میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فرمانبردار رہیں، اگر وہ اس حدیث میں بیان کردہ ثواب حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

ابدی کو ترجیح دینا

جب آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آدھی رات کو ایک قبرستان بقیع الغرقد میں تشریف لے گئے اور وہاں دفن ہونے والوں کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر اپنے ساتھ موجود صحابی ابو معاذیبہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مجھے دنیا کے خزانوں کی کنجیاں رکھنے اور قیامت تک زندہ رہنے کے درمیان ایک انتخاب دیا گیا ہے جس کے بعد وہ جنت میں داخل ہوں گے یا اپنے رب سے ملاقات کریں گے اور پھر جنت میں داخل ہوں گے۔ ابو معوذیبہ رضی اللہ عنہ نے انہیں پہلے اختیار کرنے کا مشورہ دیا لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ میں نے آخری اختیار کو ترجیح دی۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب حیاتِ نبوی، جلد 4، صفحہ 321 اور امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 1975-1976 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخرت کو ترجیح دی کیونکہ آپ دنیا اور آخرت کے فرق کو بخوبی سمجھتے تھے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4108 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مادی دنیا آخرت کے مقابلے میں سمندر کے مقابلے میں پانی کے قطرے کی طرح ہے۔

درحقیقت یہ تشبیہ اس لیے دی گئی تھی کہ لوگ یہ سمجھ سکیں کہ مادی دنیا آخرت کے مقابلے میں کتنی چھوٹی ہے۔ لیکن حقیقت میں ان کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ مادی دنیا عارضی ہے اور آخرت ابدی ہے۔ یعنی محدود کا لامحدود سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ مادی دنیا کو چار قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :شہرت، قسمت، اختیار اور کسی کی سماجی زندگی، جیسے ان کا خاندان اور دوست۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کسی کو کوئی بھی دنیاوی نعمت حاصل ہو جو ان گروہوں میں آتی ہے، وہ ہمیشہ نامکمل، عارضی ہوگی اور موت انسان کو نعمتوں سے کاٹ دے

گی۔ دوسری طرف آخرت کی نعمتیں پائیدار اور کامل ہیں۔ تو اس لحاظ سے مادی دنیا ایک نہ ختم ہونے والے سمندر کے مقابلے میں ایک قطرے سے زیادہ نہیں ہے۔

اس کے علاوہ، ایک شخص کو اس دنیا میں طویل زندگی کا تجربہ کرنے کی ضمانت نہیں ہے، کیونکہ موت کا وقت نامعلوم ہے. جبکہ ہر ایک کو موت کا تجربہ کرنے اور آخرت تک پہنچنے کی ضمانت ہے۔ پس آخرت کے لیے کوشش کرنے پر جس تک پہنچنے کی ضمانت دی گئی ہے، ایک دن کے لیے جدو جہد کو ترجیح دینا بے وقوفی ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی دنیا کو چھوڑ دے کیونکہ یہ ایک پل ہے جسے آخرت تک پہنچنے کے لیے عبور کرنا ضروری ہے۔ اس کے بجائے ایک مسلمان کو چاہیے کہ اس مادی دنیا سے اپنی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق بغیر فضول خرچی اور اسراف کے پورا کرے۔ اور پھر اپنی بقیہ کوششیں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممنوعات سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ آخرت کی تیاری کے لیے وقف کریں۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کرے گا جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو راضی ہوں۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ ذہنی سکون اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کر سکیں گے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

ایک ذہین انسان نہ ختم ہونے والے سمندر پر پانی کے ایک قطرے کو ترجیح نہیں دے گا اور ایک ذہین مسلمان دنیاوی مادی دنیا کو ابدی آخرت پر ترجیح نہیں دے گا۔

ایک ذہین انسان نہ ختم ہونے والے سمندر پر پانی کے قطرے کو ترجیح نہیں دے گا اور ایک ذہین مسلمان دنیاوی مادی دنیا کو ابدی آخرت پر ترجیح نہیں دے گا۔

اس کے علاوہ زیر بحث اہم واقعہ ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کے قرب کو ترجیح دینے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس حقیقت کی تعریف کرنے کا ایک طریقہ یہ سمجھنا ہے کہ اس کو حاصل کرنا ہی وہ چیز ہے جو ان کے وجود کی قدر کرتی ہے۔ جس طرح ایجاد کی قدر اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے مقصدِ تخلیق کو پورا کرتی ہے، اسی طرح انسان کی قدر تب ہوتی ہے جب وہ اپنے مقصدِ تخلیق کو پورا کرتا ہے جو کہ اس کی مخلصانہ اطاعت سے دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے۔ باب 51 ذریات، آیت 56:

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ میری عبادت کریں‘‘۔’’

اس فرمانبرداری میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اسلامی تعلیمات میں بیان کیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قرب ہی وہ واحد راستہ ہے جس سے انسان اپنے مقصد کو پورا کر سکتا ہے اور اس کے نتیجے میں ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت حاصل کر کے اور ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی کے اندر صحیح طریقے سے رکھ کر اور قیامت کے دن اپنے احتساب کے لیے مناسب تیاری کر کے دونوں جہانوں میں سکون حاصل کر سکتا ہے۔ تمام دنیاوی چیزیں، جیسے شہرت، دولت، اختیار، خاندان، دوست اور کیریئر، اس ذہنی سکون کے بغیر کوئی قیمت نہیں رکھتے۔ یہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب کوئی امیر اور مشہور لوگوں کو دیکھتا ہے کہ وہ دنیاوی آسائشیں رکھنے کے باوجود کس طرح دکھی زندگی گزارتے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی ایسا معنوی وجود چاہتا ہے جو ذہنی سکون کا باعث ہو تو اسے چاہیے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے قرب میں اس کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے تلاش کرے۔ باب 13 الرعد، آیت 28:

‘‘بلاشبہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔’’

احد کی زیارت کرنا اور خطبہ دینا

ایک پیغمبری گواہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ اس کے بعد وہ احد کے لیے نکلے اور وہاں مدفون شہداء کے لیے الوداعی دعا کی۔ حالانکہ وہ مردہ اور زندہ دونوں کو الوداع کہہ رہا تھا۔ پھر منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا۔ ان کی ایک بات یہ تھی کہ وہ ان سے پہلے ہوں گے اور وہ ان پر گواہ ہیں۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 471-472 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ گواہ کسی کے حق میں یا اس کے خلاف گواہی دے سکتا ہے۔ کسی کو اچھی گواہی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ خلوص نیت سے اور عملی طور پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور پیروی کرے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4308 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ وہ پہلا شخص ہے جس کی شفاعت ہوگی اور وہ پہلا شخص ہے جس کی شفاعت اللہ تعالیٰ قیامت کے دن قبول فرمائے گا۔

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے لائق بنانے کی کوشش کرے ، ان اعمال کو انجام دے جن سے یہ نتیجہ نکلتا ہے، مثلاً اذان سن کر اس کے لیے دعا کرنا۔ سنن نسائی نمبر 679 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ گھر میں پڑھنے کے بجائے باقاعدگی سے مسجد میں پڑھے۔ سب سے بڑا عمل جو شفاعت کا باعث بنے گا وہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اس فرض سے انکار کر کے غفلت میں نہ رہے اور پھر قیامت کے دن شفاعت کی امید رکھے، کیونکہ یہ خواہش مندانہ

سوچ کے زیادہ قریب ہے، جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے سچی امید کے مقابلے میں قابل ملامت ہے اور اس کی کوئی قیمت نہیں۔

بدقسمتی سے بعض مسلمان جنہوں نے اس خواہش مندانہ سوچ کو اپنایا ہے وہ اس شفاعت کے ذریعے جنت حاصل کرنے کی امید رکھتے ہیں حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتے، اس کے احکام کی تعمیل کرتے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں۔ ان مسلمانوں کو یہ جان لینا چاہیے کہ اگرچہ شفاعت ایک حقیقت ہے، لیکن بعض مسلمان جن کی شفاعت سے ان کی سزا میں تخفیف ہو جائے گی، وہ پھر بھی جہنم میں داخل ہوں گے۔ جہنم میں ایک لمحہ بھی واقعی ناقابل برداشت ہے۔ لہٰذا انسان کو خواہش مندانہ سوچ کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں عملی طور پر کوشش کرتے ہوئے حقیقی امید کو اپنانا چاہیے اور ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہیں ان کو پسند کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ جو مسلمان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر قائم رہے اور یہ گمان کرے کہ وہ اس شفاعت سے نجات پا جائیں گے، انہیں اس حقیقت کو قبول کرنا چاہیے کہ ان کی نافرمانی اور تمسخرانہ رویہ کی وجہ سے وہ اپنے ایمان کے ساتھ اس دنیا سے رخصت بھی نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا اس مسلمان کو قیامت کے دن اس شفاعت کو حاصل کرنے سے زیادہ مسلمان کی حیثیت سے مرنے کی فکر ہونی چاہیے جو صرف مسلمانوں کے لیے مخصوص ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات

احد کی زیارت کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس نے جو باتیں کہی تھیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ وہ ان سے پہلے ہوں گے اور وہ ان پر گواہ ہیں اور یہ کہ وہ بہت جلد اس کے آسمانی تالاب پر اس سے ملیں گے۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 471-472 میں بحث کی گئی ہے۔

آسمانی تالاب کے بارے میں بہت سی احادیث موجود ہیں، جیسے کہ صحیح بخاری نمبر 6579 میں موجود ہے۔ اس میں یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ اس کی پوری لمبائی کو عبور کرنے میں ایک مہینہ لگتا ہے، اس کی بو عطر سے زیادہ اچھی ہے، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور جو اس سے ایک بار پی لے گا اسے پھر کبھی پیاس نہیں لگے گی۔ آخری نکتہ انتہائی اہم ہے، کیونکہ قیامت کے دن لوگوں کو شدید اور ناقابل تصور پیاس لگے گی۔ مثال کے طور پر سورج کو تخلیق کے دو میل کے فاصلے پر لایا جائے گا جس کی وجہ سے لوگوں کو بہت زیادہ پسینہ آئے گا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2421 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مسلمان اس تالاب سے پینا چاہتا ہے، خواہ اس کا ایمان کتنا ہی مضبوط ہو۔ لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو صرف اس کے حصول کی امید کرنے کے بجائے خود کو اس سے پینے کے لائق بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا چاہیے، خاص طور پر ان اعمال سے جو آسمانی تالاب تک پہنچنے سے روکتے ہیں۔ مثال کے طور پر، صحیح مسلم، نمبر 5996 میں پائی جانے والی ایک حدیث میں خبردار کیا گیا ہے کہ کچھ مسلمان جنہوں نے اسلام میں بدعتیں ایجاد کیں، انہیں حراست میں لے لیا جائے گا اور آسمانی تالاب تک پہنچنے سے روک دیا جائے گا۔ سنن نسائی نمبر 4212 میں موجود ایک اور حدیث متنبہ کرتی ہے کہ جو لوگ ظالم حکمرانوں کے جھوٹ اور غلط کاموں کی حمایت اور یقین کرتے ہیں وہ آسمانی تالاب تک نہیں پہنچ سکیں

گے۔ لہٰذا ان مسلمانوں کے لیے جو آسمانی تالاب تک پہنچنے اور پینے کی خواہش رکھتے ہیں ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچیں اور اس کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کریں۔

عوام کے لیے خوف

احد کی زیارت کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ ارشاد فرمایا۔ ان کی ایک بات یہ تھی کہ وہ اپنے بعد لوگوں کے مشرک ہونے سے نہیں ڈرتے تھے بلکہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ دنیاوی دولت کا حصول انہیں آپس میں لڑنے پر آمادہ کردے گا۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 471-472 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 3997 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی کہ وہ مسلمان قوم کے لیے غربت سے نہیں ڈرتے۔ اس کے بجائے، وہ ڈرتا تھا کہ دنیاوی نعمتیں ان کے لیے آسان اور بہت زیادہ ہو جائیں گی۔ اس سے وہ اس کا مقابلہ کریں گے اور اس کے نتیجے میں یہ ان کی تباہی کا باعث بنے گا، جیسا کہ اسی مقابلے نے پچھلی امتوں کو تباہ کیا۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس کا اطلاق صرف دولت پر نہیں ہوتا۔ لیکن یہ تنبیہ لوگوں کی دنیاوی خواہشات کے ان تمام پہلوؤں پر لاگو ہوتی ہے جن میں شہرت، دولت، اختیار اور کسی کی زندگی کے سماجی پہلوؤں جیسے خاندان، دوست اور کیرئیر کی خواہش شامل ہو سکتی ہے۔ جب بھی کوئی ان چیزوں کو اپنی ضروریات سے بالاتر کر کے اپنی خواہشات کو پورا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، چاہے وہ حلال ہی کیوں نہ ہوں، تو یہ اس کو عملی طور پر آخرت کی تیاری سے غافل کر دے گا، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے دی گئی ہیں۔ یہ ان کو برے کردار کی طرف لے جائے گا، جیسے فضول خرچی اور اسراف، اور ان چیزوں کو حاصل کرنے کے لیے انہیں گناہوں کی طرف بھی لے جا سکتا ہے۔ ان کو حاصل کرنے میں ناکامی بے صبری اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور نافرمانی کے دیگر اعمال کا باعث بن سکتی ہے۔ دوسروں کے ساتھ دنیوی نعمتوں کے حصول کے لیے مقابلہ کرنا ان میں دیگر منفی خصوصیات کو اپنانے کی طرف لے جائے گا، جیسے کہ حسد، کینہ اور دشمنی، جو کہ تفرقہ، کدورت اور دوسروں کے حقوق ادا کرنے میں ناکامی کا باعث بنتی ہے۔ یہ مقابلہ ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کا سبب بھی بن سکتا ہے۔ یہ دونوں جہانوں میں تباہی کا باعث بنتا ہے، خواہ اس دنیا میں کسی شخص پر یہ بات واضح نہ ہو۔

یہ ظاہر ہے کہ ان دنیاوی خواہشات نے بہت سے مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے کیونکہ وہ آدھی رات کو خوشی سے اٹھ کر دنیاوی نعمتیں حاصل کریں گے، مثلاً مال، یا چھٹی پر جائیں گے لیکن جب نفل رات کی نماز پڑھنے یا صبح کی فرض نماز جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرنے کا مشورہ دیا جائے گا تو وہ ایسا کرنے میں ناکام رہیں گے۔

ان چیزوں کو حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں جب تک کہ یہ حلال ہوں اور کسی شخص کی ضروریات اور اس کے محتاجوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ضروری ہوں۔ لیکن جب کوئی شخص اس سے آگے بڑھ جاتا ہے تو وہ اپنی آخرت کے نقصان میں مبتلا ہو جاتا ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حقوق کی پامالی ہو سکتی ہے۔ انسان جتنا زیادہ اپنی دنیوی خواہشات کی پیروی کرے گا وہ آخرت کی تیاری میں اتنی ہی کم کوشش کرے گا، کیونکہ ایک شخص یا تو ان نعمتوں کو استعمال کر سکتا ہے جو اسے اللہ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں یا پھر اپنی خواہشات کے مطابق۔ یہ اس تباہی کا باعث بنے گا جس کی بحث مرکزی حدیث میں کی گئی ہے۔ ایسی تباہی جو دنیا میں تناؤ اور پریشانی سے شروع ہوتی ہے اور آخرت میں سخت مشکلات کا باعث بنتی ہے۔ باب 20 طٰہٰ، آیت 124:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔"

آسانی اور مشکل میں حقوق کو پورا کریں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ وہ ہمیشہ اپنی بیویوں میں سے ہر ایک کو یکساں وقت اور توجہ دیتے تھے لیکن جب وہ تکلیف میں مبتلا ہو گئے تو انہوں نے اپنی بیویوں کو بلوایا اور ان سے اجازت طلب کی کہ وہ اپنی بیوی عائشہ بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا کے گھر ٹھہریں اور ان کی پرورش کریں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 323 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ دوسرے تمام شوہروں کے برعکس، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت تھی کہ وہ اپنی خواہشات کے مطابق اپنی ازواج کے درمیان وقت گزاریں۔ اس کے بعد بھی وہ اپنے وقت کے لحاظ سے ان کے ساتھ یکساں سلوک کرتے رہے۔ باب الاحزاب، آیت 51 33:

آپ ان میں سے جسے چاہیں الگ کر دیں یا جسے چاہیں اپنے پاس لے لیں۔’’

جامع ترمذی نمبر 2612 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ کامل ایمان والا وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو اور اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے زیادہ مہربان ہو۔

بدقسمتی سے، بعض نے اپنے ہی خاندان کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہوئے غیر رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی بری عادت اپنا لی ہے۔ وہ اس طرح برتاؤ کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے خاندان کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت کو نہیں سمجھتے اور اپنے خاندان کی تعریف کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ ایک مسلمان اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ ایمان کے دونوں پہلوؤں کو پورا نہ کرے۔ پہلا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی ادائیگی، اس کے احکام کی بجا آوری، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات

کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان تمام نعمتوں کا استعمال کریں جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں۔

دوسرا لوگوں کے حقوق کو پورا کرنا ہے جس میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ اس قسم کے سلوک کا اپنے خاندان سے زیادہ حق کسی کو نہیں ہے۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے اہل خانہ کی ان تمام معاملات میں مدد کرے جو اچھے ہوں اور انہیں برے کاموں اور طرز عمل سے نرمی کے ساتھ تنبیہ کریں۔ انہیں برے کاموں میں ان کی آنکھیں بند کر کے صرف اس وجہ سے مدد نہیں کرنی چاہئے کہ وہ ان کے رشتہ دار ہیں اور نہ ہی ان کے بارے میں بعض برے جذبات کی وجہ سے اچھے معاملات میں ان کی مدد کرنے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

دوسروں کی رہنمائی کا بہترین طریقہ عملی نمونہ کے ذریعے ہے، جیسا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، اور صرف زبانی رہنمائی سے کہیں زیادہ موثر ہے۔

کسی کو ان حقوق کو سیکھنا چاہیے جو اس پر واجب الادا ہیں اور وہ حقوق جو وہ دوسروں پر واجب الادا ہیں، خاص طور پر ان کے رشتہ داروں کو، تاکہ وہ ان کو پورا کریں۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص سے پوچھے گا کہ کیا اس نے دوسروں کے حقوق ادا کیے، وہ ان سے نہیں پوچھے گا کہ کیا لوگوں نے ان کے حقوق ادا کیے؟ لہٰذا، انسان کو اس بات کی فکر کرنی چاہیے کہ ان سے کس چیز کے بارے میں سوال کیا جائے گا، مطلب، دوسروں کے حقوق، اور اس لیے انہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

،آخر میں، کسی کو عام طور پر تمام معاملات میں نرمی کا انتخاب کرنا چاہئے، خاص طور پر اپنے خاندان کے ساتھ معاملہ کرتے وقت۔ اگر وہ گناہ بھی کریں تو انہیں نرمی کے ساتھ تنبیہ کی جائے اور پھر بھی اچھے کاموں میں ان کی مدد کی جائے کیونکہ یہ مہربانی انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف لوٹانے میں ان کے ساتھ سختی کرنے سے زیادہ موثر ہے۔

شرافت اطاعت میں ہے۔

آپ کی آخری بیماری کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بتایا کہ اس کی موت قریب آ رہی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے، صبر کرے اور اس کی روایات پر عمل کرے کیونکہ وہ اس کے لیے ایک قابل پیشرو تھے۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 325 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ شریف خاندان سے ہیں پھر بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں تاکید کی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اس کی روایات پر ہر وقت عمل کریں۔

سنن ابو داؤد نمبر 5116 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر تنبیہ فرمائی کہ شرافت کسی کے نسب میں نہیں ہے کیونکہ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مٹی سے بنے تھے۔ اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ لوگوں کو اپنے رشتہ داروں اور نسب پر فخر کرنا چھوڑ دینا چاہیے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگرچہ بعض جاہل مسلمانوں نے ذاتیں اور فرقے بنا کر دوسری قوموں کا رویہ اختیار کر رکھا ہے، اس طرح ان گروہوں کی بنیاد پر بعض لوگوں کو دوسروں سے برتر مان کر اسلام نے برتری کا ایک سادہ معیار قرار دیا ہے، یعنی تقویٰ۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمان جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لاتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز آتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کا درجہ اتنا ہی بلند ہوتا ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے"۔

یہ آیت دیگر تمام معیارات کو ختم کر دیتی ہے جو جاہل لوگوں نے بنائے ہیں، جیسے کہ کسی کی نسل، نسل، دولت، جنس یا سماجی حیثیت۔

اس کے علاوہ اگر کوئی مسلمان اپنے نسب میں کسی متقی شخص پر فخر کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور ان کے نقش قدم پر چل کر اس عقیدے کا صحیح مظاہرہ کرنا چاہیے۔ دوسروں کے نقش قدم پر چلے بغیر ان پر فخر کرنا اس دنیا یا آخرت میں کسی کے کام نہیں آئے گا۔ یہ بات جامع ترمذی نمبر 2945 میں موجود حدیث میں واضح ہو چکی ہے۔

جو دوسروں پر فخر کرتا ہے لیکن ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہتا ہے وہ بالواسطہ طور پر ان کی بے عزتی کر رہا ہے کیونکہ باہر کی دنیا ان کے برے کردار کو دیکھے گی اور یہ سمجھے گی کہ ان کے صالح آباؤ اجداد نے اسی طرح برتاؤ کیا تھا۔ ان لوگوں کو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ یہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری روایات اور نصیحتوں کو اپناتے ہیں، جیسے داڑھی بڑھانا یا دوپٹہ پہننا، پھر بھی ان کے باطنی حسن اخلاق کو اپنانے میں ناکام رہتے ہیں۔ بیرونی دنیا صرف اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منفی سوچے گی جب وہ ان مسلمانوں کے برے کردار کو دیکھیں گے۔

آخر میں، بنی نوع انسان کی ابتداء کو یاد رکھنا غرور کو اپنانے سے روکے گا، جس کی قیمت ایک ایٹم کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ غرور صرف دوسروں کو حقیر سمجھنے کی ترغیب دیتا ہے، حالانکہ ان کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا اور عطا کیا گیا ہے۔ فخر بھی کسی کو سچائی کو مسترد کرنے کی ترغیب دے گا، جب یہ ان سے پیدا نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا کسی بھی چیز پر غرور، جیسے کہ اپنے نیک بزرگ، ہر قیمت پر گریز کرنا چاہیے۔

قیادت کی خواہش سے بچیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری بیماری کے دوران علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو بالواسطہ نصیحت کی گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھیں کہ آپ کے بعد مسلمانوں کی قیادت کون کرے گا؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ اس بارے میں ان سے نہیں پوچھیں گے اور نہ ہی قائد کے طور پر تقرری کے لیے کہیں گے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 326 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ مال و دولت اور سماجی رتبے کی خواہش انسان کے ایمان کے لیے اس تباہی سے زیادہ تباہ کن ہے جو بکریوں کے ریوڑ پر دو بھوکے بھیڑیوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔

ایک شخص کی شہرت اور رتبے کی خواہش اس کے ایمان کے لیے زیادہ دولت کی خواہش سے زیادہ تباہ کن ہے۔ ایک شخص اکثر اپنی محبوب دولت کو شہرت اور وقار کے حصول پر خرچ کرتا ہے۔

ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی شخص مقام و شہرت حاصل کر کے صحیح راستے پر قائم رہے جس کے تحت وہ مادی دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 6723 میں موجود ایک حدیث میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص معاشرے میں قیادت جیسی حیثیت کا خواہاں ہے تو اسے خود اس سے نمٹنے کے لیے چھوڑ دیا جائے گا لیکن اگر کوئی اسے مانگے بغیر حاصل کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا اور اس کی اطاعت میں اس کی مدد کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی ایسے شخص کا تقرر نہیں کرتے تھے جو کسی منصب پر فائز ہونے کی درخواست کرتا ہو یا اس کی خواہش بھی ظاہر کرتا ہو۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 6923 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ صحیح بخاری نمبر 7148 میں موجود ایک اور حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ لوگ مقام و مرتبہ حاصل کرنے کے خواہش مند ہوں گے لیکن قیامت کے دن ان کے لیے یہ بڑی پشیمانی ہوگی۔ یہ ایک خطرناک خواہش ہے کیونکہ یہ انسان کو اس کو حاصل کرنے کے لیے شدید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے اور پھر اسے

برقرار رکھنے کے لیے مزید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے خواہ یہ ظلم اور دیگر گناہوں کی ترغیب دے۔

رتبہ کی خواہش کی بدترین قسم وہ ہے جب کوئی اسے مذہب کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2654 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ شخص جہنم میں جائے گا۔

لہٰذا ایک مسلمان کے لیے زیادہ مال و دولت اور اعلیٰ سماجی رتبے کی خواہش سے بچنا زیادہ محفوظ ہے کیونکہ یہ دو چیزیں ہیں جو آخرت کی تیاری سے غافل ہو کر اس کے ایمان کی تباہی کا باعث بنتی ہیں۔

آخری خطبہ

عیوب کو چھپانا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ اس دور میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عوامی خطبہ دیا جس میں صحابہ کرام خصوصاً مدینہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف کی۔ آپ نے مکہ کے صحابہ کو ترغیب دی کہ وہ ہمیشہ مدینہ کے صحابہ کی تعظیم کریں اور ان کے عیبوں کو نظر انداز کریں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 328-329 میں بحث کی گئی ہے۔

شاید حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کے صحابہ کو مدینہ کے صحابہ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی ترغیب دی ہو، اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو، اس طرح جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد قیادت مکہ سے صحابہ کرام کے پاس گئی، اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہے۔

اس کے علاوہ صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص کسی مسلمان کے عیب کو چھپائے گا اللہ تعالیٰ اس کے عیب دنیا اور آخرت دونوں میں چھپائے گا۔ اگر کوئی اس پر غور کرے تو یہ بات بالکل واضح ہے۔ جو لوگ دوسروں کے عیبوں کو ظاہر کرنے کے عادی ہوتے ہیں وہی لوگ ہوتے ہیں جن کے عیوب کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرتا ہے ۔ لیکن دوسروں کے عیب چھپانے والے کو معاشرہ ایسا سمجھتا ہے جس کا کوئی عیب نہ ہو۔

اس نصیحت کے سلسلے میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ پہلے وہ ہیں جن کے غلط کام نجی معنیٰ میں ہوتے ہیں، یہ شخص کھلم کھلا گناہ نہیں کرتا اور نہ ہی اپنے گناہوں کو فخریہ انداز میں دوسروں پر ظاہر کرتا ہے۔ اگر یہ شخص پھسل جائے اور کوئی ایسا گناہ کرے جو دوسروں کو معلوم ہو

،جائے تو اس پر پردہ ڈالنا چاہیے جب تک کہ اس سے دوسروں کو نقصان نہ پہنچے۔ باب 24 النور
:آیت 19

بے شک جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیل جائے ان کے لیے دنیا’’
‘‘اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4375 میں موجود ایک حدیث میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنے والوں کی غلطیوں کو نظر انداز کرنے کی نصیحت کی۔

دوسری قسم کا وہ فاسق ہے جو کھلم کھلا گناہ کرتا ہے اور اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ لوگ ان کے بارے میں معلوم کریں۔ درحقیقت، وہ اکثر ان گناہوں پر فخر کرتے ہیں جو انہوں نے دوسروں کے ساتھ کیے ہیں۔ جیسا کہ وہ دوسروں کو برے طریقے سے کام کرنے کی ترغیب دیتے ہیں تاکہ دوسروں کو تنبیہ کرنے کے لیے ان کے عیبوں کا پردہ فاش کرنا اس حدیث کے منافی نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس شخص کے عیوب کو ظاہر کرنے کے بدلے میں اس فاسق کے عیبوں کو ظاہر کرنے کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے عیوب کو ظاہر کیا جائے گا، جس کا ذکر سنن ابن ماجہ نمبر 2546 میں موجود ایک حدیث میں ہے، جب تک کہ وہ صحیح وجہ سے کسی دوسرے کے عیب کو ظاہر کر رہا ہو۔

ایک عمدہ انتخاب

اپنے آخری عوامی خطبہ کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان کیا کہ اللہ کے بندے کو، جو کچھ زمین پر ہے اور جو اللہ کے پاس ہے، اس میں سے ایک کا انتخاب دیا گیا ہے، اور بندے نے اس چیز کو منتخب کیا ہے جو اللہ کے پاس ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پھر رو پڑے کیونکہ وہ اس بندے کو جانتے تھے جس کا تذکرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود کر رہے تھے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 328-329 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے اسلام کے ایک کلیدی تصور کو سمجھنا ضروری ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے حلال دنیاوی چیزوں کی خواہش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن ان کو حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت سے پرہیز کرنا ہی بہتر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کے مسلمان اکثر صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور جب وہ دنیاوی چیزوں کی خواہش رکھتے ہیں تو مساجد میں رہتے ہیں۔ لیکن اگر وہ انہیں قبول نہیں کرتے ہیں تو وہ بے صبرے اور تنگ آ جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت چھوڑ دیتے ہیں۔ یا اگر انہیں حاصل ہو جائے تو ان کی خوشی اکثر انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ موڑنے پر مجبور کر دیتی ہے، جیسا کہ ان کا عقیدہ ہے کہ انہوں نے وہ حاصل کر لیا جو انہوں نے چاہا، اس لیے اب اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، یعنی وہ اللہ کی اطاعت کرتے ہیں، جب یہ ان کی خواہشات کے مطابق ہو۔ اور اس رویہ کی وجہ سے ان کے گمراہ ہونے کا خطرہ ہے۔ باب 22 الحج، آیت 11:

"اور لوگوں میں سے کوئی وہ ہے جو اللہ کی عبادت کنارے پر کرتا ہے، اگر اسے کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو اسے تسلی ملتی ہے، اور اگر اسے کوئی آزمائش پہنچتی ہے تو وہ منہ پھیر لیتا ہے، اس نے دنیا اور آخرت کو کھو دیا، یہی صریح نقصان ہے۔"

یہ مسلمان دعویٰ تو کر سکتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے ہیں، لیکن حقیقت میں وہ صرف اپنی خواہشات کی عبادت کر رہے ہیں اور انہیں ملنے والے تحفے اور نعمتیں ہیں۔

جنت جیسی مذہبی نعمتوں کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا قابل تعریف ہے جیسا کہ اسلامی تعلیمات نے اس کی سفارش کی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا بہت افضل ہے کیونکہ وہی اس کے لائق ہے اور اس لیے کہ مخلوق اس کے بندے ہیں۔

اگر ایک مسلمان کو تحفے اور نعمتوں کی خواہش کرنا ہی ہے تو بہتر ہے کہ دینی نعمتوں کی نیت کرے کیونکہ دنیاوی نعمتوں کا مقصد انسان کی نیت کو بدل سکتا ہے تاکہ وہ دینے والے کی بجائے تحفے کی عبادت کرنے لگے۔

مزید برآں، زیر بحث اہم واقعہ ہر چیز سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ قریبی تعلق کو ترجیح دینے کی گہری اہمیت کو بھی اجاگر کرتا ہے۔ اس حقیقت کو پہچاننا ضروری ہے۔ اس قربت کا حصول وہی ہے جو واقعی کسی کے وجود کو معنی دیتا ہے۔ جس طرح کوئی ایجاد اس وقت قیمتی ہوتی ہے جب وہ اپنے مطلوبہ مقصد کو پورا کرتی ہے، اسی طرح انسان کو اس کی حقیقی قدر اسی وقت ملتی ہے جب وہ زندگی میں اپنے مقصد کو پورا کرتا ہے یعنی خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا۔ باب 51 ذریات، آیت 56:

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ میری عبادت کریں‘‘۔’’

اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق عطا کی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس قرب سے ہی انسان اپنے مقصد کو پورا کر سکتا ہے اور دنیا اور آخرت دونوں میں حقیقی سکون پا سکتا ہے۔ یہ سکون ایک متوازن ذہنی اور جسمانی حالت کے حصول سے حاصل ہوتا ہے اور ہر چیز اور ہر ایک کو اپنی زندگی کے اندر رکھ کر، قیامت کے دن اپنے احتساب کی تیاری کے دوران۔ اس سکون کے بغیر جو اللہ کے اس قرب سے حاصل ہوتا ہے، اعلیٰ، دنیاوی مشاغل جیسے شہرت، دولت، طاقت، خاندان، دوستی اور کیریئر کی کوئی قدر نہیں ہے۔ یہ حقیقت اس وقت عیاں ہوتی ہے جب کوئی دولت مند اور مشہور لوگوں کی زندگیوں کو

دیکھتا ہے، جن میں سے بہت سے اپنے مادی اثاثوں کے باوجود اندرونی انتشار کا شکار ہیں۔ جو کوئی ایسی بامقصد زندگی کی تلاش میں ہے جو حقیقی سکون کی طرف لے جائے، سفر کا آغاز اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ساتھ کرنا چاہیے۔ باب 13 الرعد، آیت 28:

‘‘بلاشبہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔’’

صالحین میں شامل ہونا

اپنے آخری عوامی خطبہ کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف کی۔ اس نے اعلان کیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی دوستی اور مال میں سب سے زیادہ وفادار تھے۔ اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے بعد کسی گہرے دوست کو بنائے تو وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی ہوں گے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مسجد میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دروازے کے علاوہ کوئی دروازہ نہ کھولا جائے۔ یہ وہ دروازہ ہے جسے جماعت کی نماز کا رہنما استعمال کرے گا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 329-330 اور صحیح بخاری، نمبر 3654 میں موجود ایک حدیث میں بحث ہوئی ہے۔

اس واقعہ سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی محبت اور خلوص کو عمل سے ثابت کیا۔

لہٰذا ان کی زندگی اور تعلیمات کو سیکھ کر اور ان پر عمل کرتے ہوئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان، محبت اور احترام کے ان کے زبانی اعلان کی تائید بھی کرنی چاہیے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

اور باب 59 الحشر، آیت 7:

‘‘اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔’’

اور باب 4 النساء آیت 80:

‘‘جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔’’

اور باب 33 الاحزاب، آیت 21:

’’یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہے۔‘‘

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو مجسم کرنے کے لیے اسلامی تعلیمات میں صبر، شکر اور سخاوت جیسی خوبیاں پیدا کرنے کی تمنا کرنی چاہیے، جب کہ حسد، غرور اور لالچ جیسی منفی خصلتوں کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ شعوری کوشش اندرونی سکون کے احساس کا باعث بنے گی، کیونکہ مثبت خصوصیات صحت مند ذہنیت کو فروغ دیتی ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا مطالعہ اور ان پر عمل پیرا ہو کر افراد دنیا کے سامنے ان کی اقدار کی مستند نمائندگی کر سکتے ہیں۔ ایسا کرنے میں ناکامی سے غلط بیانی کا خطرہ ہے، جو غیر مسلموں اور ساتھی مسلمانوں دونوں کو اسلامی اصولوں کو اپنانے سے روک سکتا ہے۔ جب بیرونی دنیا مسلمانوں کے منفی رویے کا مشاہدہ کرتی ہے تو اس طرح کی غلط بیانی افسوسناک طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تنقید کا باعث بن سکتی ہے۔ ہر مومن کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلام کی درست نمائندگی کرے اور اس بات کو یقینی بنائے کہ ان کے اعمال اسلام کی حقیقی روح کی وسیع دنیا میں عکاسی کریں۔

مزید برآں، پچھلی امتوں کی طرح جو اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت کا اقرار کرتی ہیں، جو لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پر دل سے عمل نہیں کرتے، وہ آخرت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں مل سکیں گے۔ اس کے بجائے، افراد ان لوگوں کے ساتھ منسلک ہو جائیں گے جن کی انہوں نے اس دنیا میں واقعی تقلید کی ہے۔ یہ تصور سنن ابوداؤد نمبر 4031 میں موجود حدیث میں نمایاں ہے۔

ایک صاف دل

اپنے آخری عوامی خطبہ کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان کیا کہ آپ کی غیر حاضری)یعنی آپ کی وفات (قریب ہے۔ اور اگر کسی کو اس نے ناحق جسمانی نقصان پہنچایا ہو تو وہ اس سے بدلہ لے سکتے ہیں۔ اور اگر کوئی ایسا ہو جس کا مال اس نے واپس نہ کیا ہو تو وہ معاوضہ کے لیے آگے بڑھیں۔ اور اگر کوئی ایسا ہو جس کی عزت اس نے پامال کی ہو تو اس کی عزت کا بدلہ لینا چاہیے۔ انہوں نے مزید کہا کہ ان میں سے کسی کو اس بات کا خوف نہیں ہونا چاہیے کہ جو کوئی ان سے انتقام لے گا اس کے خلاف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے دل میں بغض رکھیں گے کیونکہ یہ ان کی فطرت اور کردار میں نہیں ہے۔ اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ اس کی نظر میں بہترین لوگ وہ ہیں جنہوں نے یا تو اس سے انتقام لیا یا وہ اسے معاف کر دیں، جیسا کہ اس نے مخلوق کے خلاف کسی قسم کی ناانصافی سے پاک اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی خواہش کی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 331-332 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ یہ بات واضح طور پر ظاہر ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی پر ظلم نہیں کیا لیکن آپ نے یہ خطبہ عاجزی کے ساتھ دیا اور مسلمانوں کو دوسروں کو نقصان پہنچانے سے بچنے کی تلقین کی۔

یہ واقعہ دوسروں کے لیے منفی جذبات رکھنے سے بچنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

سنن ابو داؤد نمبر 4860 میں موجود ایک حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو دوسروں کے بارے میں منفی بات کرنے سے منع فرمایا، کیونکہ اس سے لوگوں کے دلوں میں ان کے بارے میں برے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ خاندان، خاص طور پر ایشیائی کمیونٹی سے، وقت کے ساتھ ٹوٹ جاتے ہیں۔ یہ خاندان کے ارکان، جیسے والدین کی سب سے بڑی شکایت ہے۔ وہ حیران ہیں کہ ان کے بچے کیوں الگ ہو گئے ہیں حالانکہ وہ کبھی مضبوطی سے ایک ساتھ تھے۔

رشتہ داروں کے درمیان تعلقات کے ٹوٹنے کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ کسی نے ان کے رشتہ دار کے بارے میں منفی بات کی ہے۔ یہ اکثر خاندان کے کسی فرد کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک ماں اپنے دوسرے بچے سے اپنے بیٹے کے بارے میں منفی بات کرے گی۔ یہ دونوں رشتہ داروں کے درمیان دشمنی کا باعث بنتا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ دونوں کے درمیان دراڑ پیدا کر دیتا ہے۔ جو کبھی ایک شخص کی طرح تھے وہ ایک دوسرے کے لیے اجنبی بن جاتے ہیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔ بہت کم لوگوں کو چھوڑ کر، جب کسی شخص سے کسی دوسرے کے بارے میں کوئی منفی بات کہی جائے تو وہ اس سے متاثر ہو جائیں گے، خواہ وہ یہ نہ چاہتے ہوں۔ یہ دشمنی تب بھی ہوتی ہے جب کہ ابتدائی شخص جس نے کسی کے رشتہ دار کے بارے میں منفی بات کی ہو وہ رشتہ داروں کے درمیان پچر پیدا کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔ کچھ اکثر عادت سے ہٹ کر اس طرح کام کرتے ہیں اور تعلقات کو خراب کرنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، والدین اکثر یہ عادت اپناتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنے بچوں کے رشتے ٹوٹنے یا ٹوٹنے کی خواہش نہیں رکھتے۔

یہ رویہ لوگوں کی ذہنیت پر اتنا گہرا اثر ڈالتا ہے کہ اس سے ان رشتہ داروں پر بھی اثر پڑتا ہے جو ایک دوسرے کو بہت کم دیکھتے یا بات کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ، کوئی شخص اپنے رشتہ دار کے بارے میں منفی باتوں کا تذکرہ کرے گا، حالانکہ اس کا رشتہ دار بھی ان جیسے ملک میں نہیں رہتا۔ یہ رویہ ان کے دل میں دشمنی کو پیوست کر دیتا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ اپنے دور کے رشتہ دار کو ناپسند کرتے ہیں، حالانکہ وہ انہیں بمشکل جانتے ہیں۔

یہ مسئلہ اکثر اس وقت ہوتا ہے جب دو افراد دوسرے لوگوں کے سامنے دوسروں کے بارے میں منفی باتوں پر بحث کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، والدین اپنے بچوں کے سامنے اپنے رشتہ داروں ،کے بارے میں منفی باتیں کر سکتے ہیں۔ اگرچہ، وہ اپنے بچوں کو براہ راست نہیں بتا رہے ہیں کوئی بھی کم نہیں یہ اب بھی ان کے دلوں کو متاثر کرتا ہے .اگر کوئی ایک لمحے کے لیے واقعی غور کرے تو وہ سمجھ جائے گا کہ دوسروں کے تئیں ان کے بیمار جذبات کی اکثریت اس شخص کے کیے یا ان سے براہ راست کہنے کی وجہ سے نہیں تھی۔ زیادہ تر معاملات میں، یہ کسی تیسرے فریق کی وجہ سے ہوا ہے، جس نے ان سے اس شخص کے بارے میں کسی منفی بات کا ذکر کیا۔

،ایسے معاملات میں جہاں کوئی دوسرے کو کسی خطرے سے خبردار کرنے کی کوشش کر رہا ہو تو کسی دوسرے شخص کا منفی انداز میں ذکر کرنا بالکل قابل قبول ہے۔ اگر کوئی دوسرے کو سبق سکھانے کی کوشش کر رہا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلیں اور اس شخص کا نام لیے بغیر منفی بات کا ذکر کریں۔ اس خوبصورت ذہنیت کی ایک مثال صحیح بخاری نمبر 6979 میں موجود حدیث میں موجود ہے۔ کسی شخص کا نام لیے بغیر کسی منفی بات کا ذکر کرنا کسی کو سبق سکھانے کے لیے کافی ہے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، مسلمانوں کو اپنے رشتہ داروں یا دوسروں کے بارے میں، نجی یا عوامی طور پر منفی بات کرنے سے پہلے گہرائی سے غور کرنا چاہیے۔ دوسری صورت میں، وہ اچھی طرح سے تلاش کر سکتے ہیں، جیسے جیسے وقت گزرتا ہے، ان کے خاندان اور دوست ایک .دوسرے سے الگ اور جذباتی طور پر دور ہو جاتے ہیں

جو شخص دوسروں کے بارے میں منفی باتیں سنتا ہے اسے چاہیے کہ وہ بولنے والے کو غیبت سے باز رہنے کی تلقین کرے اور اپنے اعمال کے نتائج ان کے سامنے بیان کرے۔ انہیں کسی شخص کے بارے میں کہی گئی منفی باتوں پر توجہ مرکوز کرنے سے گریز کرنا چاہیے اور اس کے بجائے یاد رکھیں کہ ایک منفی خصوصیت کسی شخص کے پورے کردار کی وضاحت نہیں کرتی۔ انہیں چاہیے کہ جس شخص کے بارے میں منفی باتیں سنیں اس کے ساتھ اچھے کردار کا مظاہرہ کرتے رہیں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنے حقوق ادا کریں۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ دوسروں کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ اس طرح برتاؤ کرنے سے دوسروں کے بارے میں منفی باتیں کرنے والوں کی وجہ سے دل پر پڑنے والے منفی اثرات کو کم کیا جائے گا۔

اس کے علاوہ، زیر بحث اہم واقعہ دوسروں کے غلط کاموں کے خلاف بھی خبردار کرتا ہے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں خاص طور پر قیامت کے دن مصیبت کا باعث بنتا ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ دیوالیہ مسلمان وہ ہے جو بہت سے اعمال صالحہ جمع کرتا ہے جیسے کہ روزہ اور نماز، لیکن جس طرح وہ لوگوں سے بدسلوکی کرتا ہے ان کی نیکیاں ان کے متاثرین کو دی جائیں گی اور اگر ضرورت پڑی تو قیامت کے دن ان کے گناہوں کا کفارہ ادا کیا جائے گا۔ یہ انہیں جہنم میں پھینکنے کا باعث بنے گا۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو کامیابی حاصل کرنے کے لیے ایمان کے دونوں پہلوؤں کو پورا کرنا چاہیے۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرائض ہیں جیسے فرض نماز۔ دوسرا پہلو لوگوں کے حقوق ادا کرنا ہے جس میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں اعلان فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مسلمان اور مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے جسمانی اور زبانی نقصان کو کسی شخص کو کسی شخص اور اس کے مال سے دور نہ رکھے، خواہ وہ کسی بھی مذہب کا ہو۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ لامحدود معاف کرنے والا ہے، وہ ان لوگوں کو معاف کر دے گا جو اس سے سچے دل سے توبہ کرتے ہیں۔ لیکن وہ ان گناہوں کو معاف نہیں کرے گا جن میں دوسرے لوگ شامل ہوتے ہیں جب تک کہ شکار پہلے معاف نہ کر دے۔ چونکہ لوگ اتنے معاف کرنے والے نہیں ہیں، اس لیے ایک مسلمان کو ڈرنا چاہیے کہ جن پر انہوں نے ظلم کیا ہے وہ قیامت کے دن ان کی قیمتی نیکیاں لے کر ان سے بدلہ لیں گے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتا ہے، تب بھی وہ جہنم میں صرف اس لیے جا سکتا ہے کہ اس نے دوسروں پر ظلم کیا ہے۔

نماز اور روزے جیسے اعمال صالحہ کو جمع کرنے کا کوئی مطلب نہیں، صرف انہیں قیامت کے دن دوسروں کے حوالے کر دیا جائے۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حقوق ادا کرتے ہوئے اپنے اعمال صالحہ کو بڑھانے اور گناہوں کو کم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

ندامت کی اقسام

اپنے آخری عوامی خطبہ کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ زمین پر ایک عذاب کو برداشت کرنا آخرت میں ایک سکینڈل سے زیادہ آسان ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 332 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک اسکینڈل کسی بھی قسم کے افسوس یا ناکامی کا حوالہ دے سکتا ہے۔ مسلمانوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ پچھتاوے کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلی دنیوی چیزوں پر پشیمانی ہے جیسے شادی نہ کرنا یا اولاد نہ ہونا۔ دوسری قسم وہ پچھتاوے ہیں جو قبر میں اور قیامت کے دن ہوں گے، جیسے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اپنے وقت کا بہتر استعمال نہ کرنا۔ دنیاوی ندامتیں، خواہ وہ کچھ بھی ہوں، کبھی بھی مستقل نہیں ہوں گی کیونکہ وہ یا تو اس وقت ختم ہو جائیں گے جب کوئی اپنی خواہش پوری کر لیتا ہے، اپنا ارادہ بدل لیتا ہے یا مر جاتا ہے۔ وہ فطرت کے اعتبار سے عارضی ہوتے ہیں کیونکہ اس قسم کے افسوس کا زیادہ سے زیادہ وقت ان کی موت تک ہوتا ہے۔ اور وہ اتنے اہم نہیں ہیں کہ یہ پچھتاوے غم کا باعث تو بن سکتے ہیں لیکن سخت سزا یا عذاب نہیں۔ اس کے علاوہ یہ ندامتیں ختم ہو جائیں گی اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جنت میں پہنچ جائے۔

دوسری طرف آخرت کی پشیمانیاں دیرپا ہیں کیونکہ قبر اور قیامت کا وقت اس زمین پر انسان کی زندگی سے کہیں زیادہ طویل ہوگا۔ یہ اس وقت تک ختم نہیں ہوں گے جب تک کہ کوئی جنت میں داخل نہ ہو جائے جو ہو سکتا ہے یا بہت طویل عرصے کے بعد ہو کیونکہ آخرت کا ایک دن زمین پر ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ باب 22 الحج، آیت 47:

''اور یقیناً تمہارے رب کے نزدیک ایک دن ہزار سال کے برابر ہے جسے تم شمار کرتے ہو۔''

آخر میں، یہ پچھتاوے بہت اہم ہیں کیونکہ یہ آخرت میں سخت عذاب اور عذاب کا باعث بن سکتے ہیں۔

لہٰذا، ایک مسلمان کو اس پر غور کرنا چاہیے اور اس سے پہلے کہ وہ دنیا کے ندامتوں کو دور کرنے کی کوشش کرے، قبر میں اور قیامت کے دن ممکنہ ندامتوں کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے آپ پر رحم کرے۔ باب 89 الفجر، آیت 24:

"وہ کہے گا، "کاش میں نے اپنی زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا۔"

مولڈنگ زندگی

ایک خاص رات جب ان کی آخری بیماری شدت اختیار کر گئی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اردگرد موجود لوگوں سے پوچھا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھی ہے لیکن انہوں نے جواب دیا کہ وہ جماعت کی امامت کے لیے آپ کے انتظار میں ہیں۔ اس نے ان سے کہا کہ ایک بیسن میں پانی ڈالیں۔ اس کے بعد اس نے غسل کیا اور نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے اٹھنے کی کوشش کی لیکن بیماری کی وجہ سے وہ بے ہوش ہو گئے۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے پہلی بات یہ پوچھی کہ لوگوں نے نماز پڑھی ہے یا نہیں؟ لیکن اس کے گھر والوں نے، اللہ ان سے راضی، جواب دیا کہ لوگ ابھی تک اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ نماز باجماعت پڑھائیں۔ اس نے ایک بار پھر غسل کیا اور نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے اٹھنے کی کوشش کی لیکن طبیعت کی خرابی کی وجہ سے وہ پھر بے ہوش ہو گئے۔ اس کے دوبارہ ہونے کے بعد آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز باجماعت پڑھانے کا حکم دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 334-335 میں بحث کی گئی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اس سخت مشکل میں بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرض نماز کی ادائیگی سے پوری طرح متوجہ تھے۔

مسلمان اکثر یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی کو اپنی دنیاوی زندگی کے مطابق ڈھالنے کے بجائے اپنے عقیدے کے مطابق کیسے ڈھال سکتے ہیں۔ اس کو حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ عورتوں کے لیے فرض نمازیں ادا کرتے ہی اور مردوں کے لیے مساجد میں فرض نمازیں ادا کریں۔ جیسا کہ نماز قائم کرنا اسلام کا بنیادی رکن ہے جس کی نصیحت جامع ترمذی نمبر 2616 میں ایک حدیث میں آئی ہے کہ جب کوئی شخص اسے ادا کرتا ہے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے تو وہ اسے اپنے دنیوی کاموں کا اہتمام کرنے پر مجبور کرتا ہے تاکہ وہ اپنی فرض نمازوں کے ارد گرد فٹ ہو جائیں۔ جبکہ جب کوئی شخص اپنی فرض نمازیں دیر سے پڑھتا ہے یا مسجد کے بجائے گھر میں پڑھتا ہے تو فرض نمازوں کو اپنے دنیوی ٹائم ٹیبل کے گرد فٹ کرنا آسان ہوجاتا ہے جس کے نتیجے میں وہ اپنے ایمان کو اپنی دنیاوی زندگی میں ڈھالنے کا سبب بنتا ہے۔ صحیح رویہ غیر ضروری اور فضول سرگرمیوں میں ملوث ہونے سے بھی روکے گا، جیسے کہ شاپنگ سینٹرز کا غیر ضروری جانا، کیونکہ یہ اکثر

مسلمان کو وقت پر یا مسجد میں اپنی فرض نماز ادا کرنے سے روکتے ہیں۔ ان غیر ضروری چیزوں اور سرگرمیوں سے پرہیز کرنے سے انسان اپنی زندگی کو اپنے مذہب کے گرد ڈھال سکتا ہے۔

اس کے علاوہ فرض نمازوں کو وقت پر ادا کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین اعمال میں سے ایک ہے، سنن نسائی نمبر 611 میں موجود حدیث کے مطابق مسلمان کو اس عادت کو اپنانا چاہیے اور بغیر کسی معقول وجہ کے اپنی فرض نمازوں کو ملتوی نہیں کرنا چاہیے جو کہ بہت کم ہوتا ہے۔ اگر کوئی اپنی زندگی کو اپنے عقیدے کے مطابق ڈھالنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی فرض نمازیں وقت پر ادا کریں جیسے ہی وہ عورتوں کے لیے ہوں اور مرد انہیں مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کریں۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ اس مادی دنیا کی زیادتی سے پریشان ہوئے بغیر آخرت کی تیاری کو ترجیح دیں۔

فرض نمازوں کو قائم کرنے میں ان کو ان کی مکمل شرائط اور آداب کے ساتھ پورا کرنا ،مزید برآں بھی شامل ہے، جیسے کہ وقت پر ادا کرنا۔ فرض نمازوں کا قیام قرآن پاک میں اکثر دہرایا گیا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کا سب سے اہم عملی ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ، جیسا کہ روزانہ کی نمازیں تمام پھیلی ہوئی ہیں، یہ روزِ قیامت کی مستقل یاد دہانی کے طور پر کام کرتی ہیں اور عملی طور پر اس کی تیاری کرتی ہیں، کیونکہ فرض نماز کا ہر مرحلہ قیامت سے جڑا ہوا ہے۔ جب کوئی صحیح معنوں میں کھڑا ہوتا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح کھڑا ہوتا ہے۔ باب 83 المطففین، آیات 4-6:

" کیا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے، ایک عظیم دن کے لیے جس دن انسان رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے؟"

جب وہ جھکتے ہیں، تو یہ انہیں بہت سے لوگوں کی یاد دلاتا ہے جن پر قیامت کے دن تنقید کی جائے گی کہ انہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ نہ کیا۔ باب 77 المرسلات، آیت 48:

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رکوع کرو تو وہ رکوع نہیں کرتے۔

اس تنقید میں زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو عملی طور پر تسلیم نہ کرنا بھی شامل ہے۔ جب کوئی نماز میں سجدہ کرتا ہے تو یہ انہیں یاد دلاتا ہے کہ کس طرح لوگوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے کی دعوت دی جائے گی۔ لیکن وہ لوگ جنہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران اسے صحیح طریقے سے سجدہ نہیں کیا، جس میں ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اس کی اطاعت شامل ہے، وہ قیامت کے دن ایسا نہیں کر سکیں گے۔ باب 68 القلم، آیات 42-43:

"جس دن حالات سنگین ہو جائیں گے، انہیں سجدہ کرنے کی دعوت دی جائے گی، لیکن ایسا کرنے سے روکا جائے گا، ان کی نظریں جھکی ہوئی ہوں گی، ذلت ان پر چھائی ہوئی ہے، اور انہیں سجدے کی طرف بلایا جاتا تھا جب وہ ٹھیک تھے۔"

جب کوئی نماز میں گھٹنوں کے بل بیٹھتا ہے تو یہ انہیں یاد دلاتا ہے کہ وہ کس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے آخری فیصلے سے ڈرتے ہوئے اس مقام پر بیٹھے ہوں گے۔ باب 45 الجثیہ، آیت 28:

اور تم ہر امت کو گھٹنے ٹیکتے ہوئے دیکھو گے اور ہر قوم کو اس کے اعمال نامے کی طرف بلایا جائے گا کہ آج تمہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

جو ان عناصر کو ذہن میں رکھ کر نماز پڑھے گا وہ اپنی نماز کو صحیح طور پر قائم کرے گا۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ نماز کے درمیان خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ باب 29 العنکبوت، آیت 45:

‘‘...بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے’’

اس اطاعت میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو راضی کرنے کے طریقے سے عطا کی گئی ہیں جیسا کہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

ایک عملی رول ماڈل

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بیماری شدت اختیار کرگئی تو آپ نے ایک صحابی عبداللہ بن زمعہ کو حکم دیا کہ وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہو کہ وہ نماز باجماعت پڑھائیں۔ جب عبداللہ رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نہیں پا رہے تھے اور چونکہ وہ نماز میں تاخیر کی خواہش نہیں رکھتے تھے تو انہوں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ نماز کی امامت کریں۔ جب عمر رضی اللہ عنہ نے نماز شروع کی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی آواز سن کر اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ اور مسلمان ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی سے انکار نہیں کرتے۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ بعد میں، عمر رضی اللہ عنہ عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ پر تنقید کرتے، جیسا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے تھے، انہیں نماز کی امامت کا حکم دیا تھا، ورنہ وہ ایسا کبھی نہ کرتے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے معافی مانگی لیکن انہوں نے مزید کہا کہ چونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اس وقت مسجد سے غائب تھے، اس لیے وہ سمجھتے تھے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی نماز کی امامت کے لائق نہیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 332-333 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک اور موقع پر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جماعت میں تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز کی امامت سے پیچھے ہٹنے لگے لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے کہا کہ آپ جہاں ہیں وہیں ٹھہریں اور آپ کے پاس بائیں جانب بیٹھ گئے۔ چنانچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت فرمائی، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باقی لوگوں کی نماز پڑھائی۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 476-477 میں بحث کی گئی ہے۔

سب سے پہلے، یہ واقعات، بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح، واضح طور پر اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ، اسلام کے پہلے خلیفہ ہونے کے لیے مطلوبہ انتخاب تھے۔ اس کے علاوہ پہلا واقعہ اس طرح پیش آیا کہ اس میں یہ اشارہ بھی دیا گیا کہ اسلام کا دوسرا خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہونا چاہیے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ ان پاکیزہ ارواح کو قیادت کے لیے چنا گیا کیونکہ ان میں ایک اچھے رہنما کی صفات موجود تھیں۔ جن میں سے سب سے بڑی مثال پیش کر رہی ہے۔

مثال کے طور پر رہنمائی کرنے میں اسلام کی تعلیمات کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا شامل ہے تاکہ دوسرے اپنے عمل اور تقریر سے اس کی سچائی کو پہچانیں۔ تب ہی مسلمان اپنی آنے والی نسلوں کو قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی تعلیم دے سکتے ہیں تاکہ وہ اندھی تقلید کے بجائے ثبوتوں کے ذریعے اسلام کی حقانیت کو سمجھ سکیں۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ زندگی بھر اسلام کی تعلیمات پر قائم رہیں گے۔ یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ اکثر مسلمان والدین آنے والی نسل کو دنیاوی علم سکھانے میں کس قدر بے چین ہیں جو دنیاوی کامیابی کا باعث بنتے ہیں لیکن وہ اپنی دینی تعلیم کو نظر انداز کرتے ہیں اور اپنی دینی تعلیم کو دوسروں کے حوالے کر دیتے ہیں حالانکہ یہ ان کا فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کو براہ راست اسلام کی بنیادیں سکھائیں۔ گو کہ اگلی نسل کو دنیاوی علم حاصل کرنے کی ترغیب دینا قابل تعریف ہے، لیکن والدین کو بھی دینی علم کی تعلیم کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے۔ بغیر سمجھے قرآن پاک کی تلاوت سیکھنے کے لیے بچوں کو مساجد میں بھیجنا کافی اچھا نہیں ہے۔ ایک نوجوان کو ثبوت کی بنیاد پر اسلام قبول کرنے کی ضرورت ہے، نہ کہ اندھی تقلید کی، ورنہ وہ صرف وقت گزرنے کے ساتھ اسلام سے دور ہو جائیں گے کیونکہ وہ اسلام کو ثقافت کے ایک حصے کے طور پر دیکھیں گے جسے وقت کے ساتھ ساتھ رد کیا جا سکتا ہے۔ جب کوئی ثبوت کی بنیاد پر اسلام کو قبول کرے گا تو وہ سمجھے گا کہ اسلام ایک طرز زندگی ہے، جس کا اطلاق ہر حال میں ہونا چاہیے اور اس وقت لاگو ہونا چاہیے جب وہ ہر عطا کردہ نعمت کو استعمال کرے۔ یہ تب ہی ممکن ہے جب ان کے خاندان کے بزرگ انہیں اسلام کی حقانیت کے واضح دلائل اور دلائل سکھائیں گے۔ اور یہ تبھی ممکن ہے جب یہ بزرگ مثلاً والدین خود اسلامی تعلیمات کو سیکھ کر اس پر عمل کرتے ہوئے مثال کے طور پر رہنمائی کریں۔

تمام درد

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری بیماری شدت اختیار کرگئی تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ کی عیادت کے لیے تشریف لائے اور تسلی بخش اشارے سے آپ کو چھوا۔ اس نے محسوس کیا اور پھر تبصرہ کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت تیز بخار میں مبتلا ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ آپ کا بخار اس سے دوگنا ہے جتنا دوسرے لوگوں کو ہوتا ہے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اس صورت میں اسے اس کا دوگنا اجر دیا جائے گا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاق کیا۔ پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ ہر ایک مسلمان جو بیماری میں مبتلا ہو گا اس کے گناہ اس طرح دور ہو جائیں گے جیسے درخت اپنے پتے گراتا ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 340 میں بحث کی گئی ہے۔

امام بخاری کی کتاب ادب المفرد نمبر 492 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ مسلمان کو کسی قسم کی جسمانی دشواری کا سامنا نہیں کرنا ،پڑتا، خواہ اس کی جسامت کتنی ہی کیوں نہ ہو، جیسے کانٹا چبھنا، یا کسی قسم کی جذباتی مشکل جیسے کہ تناؤ، سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ختم کر دیا۔

اس سے مراد چھوٹے گناہ ہیں، کیونکہ بڑے گناہوں کے لیے مخلصانہ توبہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ نتیجہ اس وقت ہوتا ہے جب ایک مسلمان مشکل کے آغاز سے اپنی زندگی کے آخر تک صبر کرتا ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے، کیونکہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ابتدائی طور پر شکایت کر سکتے ہیں اور اس کے بعد صبر کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ یہ سچا صبر نہیں ہے، بلکہ یہ صرف قبولیت ہے، جو وقت گزرنے کے ساتھ قدرتی طور پر ہوتا ہے۔ سنن نسائی نمبر 1870 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ زندگی بھر صبر کا مظاہرہ کرنا ضروری ہے کیونکہ انسان بے صبری کا مظاہرہ کر کے اپنے اجر کو ختم کر سکتا ہے۔

ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ اس سے بہتر ہے کہ اس کے چھوٹے گناہوں کو ان مشکلات سے مٹا دیا جائے پھر ان کے پاس رہتے ہوئے قیامت تک پہنچ جائے۔ ایک مسلمان کو اپنے چھوٹے

گناہوں کو مٹانے کے لیے مسلسل توبہ اور عمل صالح کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور اگر ان کو کوئی جسمانی یا جذباتی مشکل پیش آئے تو ان کو صبر کرنا چاہیے کہ ان کے صغیرہ گناہوں کے مٹ جانے اور بے شمار ثواب حاصل کرنے کی امید رکھیں۔ باب 39 از زمر، آیت 10:

"بے شک، مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا [یعنی حد...]"

جو شخص ہر مشکل کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے گریز کرنا، قول و فعل کے ذریعے، اور اپنے عمل میں سچی توبہ کا اضافہ کرنا ہے، اس کے صغیرہ و کبیرہ دونوں گناہ مٹ جائیں گے۔ سچی توبہ میں پچھتاوا، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور ان لوگوں سے جن پر ظلم ہوا ہے، جب تک کہ یہ مزید مصیبت کا باعث نہ بنے، خلوص دل سے دوبارہ وہی یا اس سے ملتا جلتا گناہ نہ کرنے کا وعدہ کرنا اور اس میں اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہیں ان کی تلافی بھی شامل ہے۔

جس کو اس طریقے سے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور شکر گزاری کے ساتھ آسانی کے اوقات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والے طریقے سے عطا کی گئی ہیں، اسے دونوں جہانوں میں ہر حال میں سکون اور کامیابی ملے گی۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

سبحانہ وتعالیٰ کے بارے میں سوچنا

اپنی آخری بیماری کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ موت کے وقت صرف اللہ تعالیٰ کے بارے میں مثبت سوچنا چاہیے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 341 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 7405 میں موجود ایک طویل الٰہی حدیث میں اللہ تعالیٰ نے نصیحت کی ہے کہ وہ اپنے بندوں کے بارے میں ان کے تصور کے مطابق عمل کرتا ہے اور اس کے ساتھ سلوک کرتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اگر کوئی مسلمان اچھے خیالات رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بھلائی کی امید رکھتا ہے تو وہ اسے مایوس نہیں کرے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے بارے میں منفی خیالات رکھتا ہے، جیسے یہ یقین رکھنا کہ اسے معاف نہیں کیا جائے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کے عقیدہ کے مطابق عمل کر سکتا ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ عزوجل میں سچی امید جس کا یہ حدیث اشارہ کرتی ہے اور خواہش مند سوچ میں بہت فرق ہے۔ خواہش مندانہ سوچ یہ ہے کہ جب کوئی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس کے احکام کی تعمیل کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنے میں ناکام ہو جائے، اس طرح وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے جو اسے عطا کی گئی ہیں اور پھر بھی اللہ تعالیٰ سے ان دونوں کی مغفرت اور رحمت کی توقع رکھتا ہے۔ یہ سچی امید نہیں ہے، یہ محض خواہش مندانہ سوچ ہے۔ یہ ایک کسان کی طرح ہے جو کوئی بیج نہیں لگاتا، اپنی فصل کو پانی نہیں دیتا اور پھر بھی بڑی فصل کاٹنے کی امید رکھتا ہے۔ حقیقی امید وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے کوشش کرتا ہے اور جب بھی وہ پھسل جاتا ہے تو سچے دل سے توبہ کرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش کی امید رکھتا ہے۔ یہ ایک کسان کی طرح ہے جو بیج لگاتا ہے، اپنی فصل کو پانی دیتا ہے، فصل کو صحت مند رکھنے کے لیے کوشش کرتا ہے اور پھر بڑی فصل کی امید کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وضاحت کو جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود حدیث میں بیان فرمایا ہے۔

عام طور پر دیکھا جائے تو ایک مسلمان کو اپنی زندگی کے دوران اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنا چاہیے کیونکہ یہ ایسے گناہوں سے روکتا ہے جو امید سے برتر ہیں جو انسان کو نیک اعمال کرنے کی ترغیب دیتے ہیں خاص طور پر رضاکارانہ قسم۔ لیکن بیماری اور مشکل کے دور میں اور خاص طور پر موت کے وقت، مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید کے سوا کچھ نہیں ہونا چاہیے، خواہ اس نے اپنی زندگی اس کی نافرمانی میں ہی گزار دی ہو، جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 2877 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاص طور پر اس کا حکم دیا ہے۔

سادگی سے رہنا

آپ کی وفات کی رات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں لالٹین جلانے کے لیے تیل نہیں تھا جس کی وجہ سے آپ کی اہلیہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پڑوسی سے کچھ تیل ادھار لینا پڑا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں تک کہ حفاظت کے طور پر ایک یہودی آدمی کے پاس اپنا زرہ کچھ بمشکل رہن رکھا، کیونکہ ان کے خاندان کے پاس کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ اس پر امام صفی الرحمٰن کی کتاب مہربند نیکٹر صفحہ 477 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4118 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ سادگی ایمان کا حصہ ہے۔

اسلام مسلمانوں کو اپنی تمام دولت اور جائز خواہشات کو ترک کرنے کا درس نہیں دیتا بلکہ یہ ان کو اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں مثلاً خوراک، لباس، مکان اور کاروبار میں سادہ طرز زندگی اپنانے کا درس دیتا ہے تاکہ انہیں آخرت کی تیاری کے لیے مناسب وقت فراہم کیا جائے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنا شامل ہے۔ اس سادہ زندگی میں اس دنیا میں کوشش کرنا بھی شامل ہے تاکہ کسی کی ضرورتوں اور ان کے محتاجوں کی ضرورتوں کو بغیر زیادتی، فضول خرچی اور اسراف کے پورا کیا جا سکے۔ ایک سادہ زندگی پر جتنا زیادہ توجہ مرکوز کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کا استعمال کرنا اتنا ہی آسان ہو جاتا ہے۔ یہ دونوں جہانوں میں امن اور کامیابی کا باعث بنتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ جتنی سادہ زندگی گزاریں گے، وہ دنیاوی چیزوں پر اتنا ہی کم دباؤ ڈالیں گے اور اس لیے وہ آخرت کے لیے اتنا ہی زیادہ کوشش کر سکیں گے، جس سے ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل ہو گا۔ لیکن ایک شخص کی زندگی جتنی زیادہ پیچیدہ ہوگی، وہ اتنا ہی زیادہ دباؤ ڈالے گا، مشکلات کا سامنا کرے گا اور اپنی آخرت کے لیے کم کوشش کرے گا، کیونکہ دنیاوی چیزوں سے اس کی مصروفیات کبھی ختم ہوتی نظر نہیں آئیں گی۔ یہ رویہ انہیں ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل کرنے سے روک دے گا۔

سادگی دنیا میں آسودگی کی زندگی اور قیامت کے دن سیدھا حساب کتاب کا باعث بنتی ہے۔ جب کہ ایک پیچیدہ اور عیش و عشرت کی زندگی صرف ایک دباؤ والی زندگی اور قیامت کے دن سخت اور مشکل حساب کتاب کا باعث بنے گی۔ جتنا سخت احتساب ہو گا، اتنی ہی زیادہ سزا ملے گی۔ صحیح بخاری نمبر 103 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

خوبصورتی

اپنے آخری لمحات میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سادہ اور موٹے یمنی چادر اور اوپری لباس پہنے ہوئے تھے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 345 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1999 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ حسن کو پسند کرتا ہے۔

اسلام کسی مسلمان کو اپنے آپ کو سنوارنے میں توانائی، وقت اور پیسہ خرچ کرنے سے منع نہیں کرتا، کیونکہ یہ ان کے جسم کے حقوق کو پورا کرنا سمجھا جا سکتا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 5199 میں موجود حدیث میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن اہم چیز جو اس طرز عمل کو ناپسندیدہ یا حتیٰ کہ گناہ کے عمل سے الگ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی اپنے آپ کو سنوارتے وقت حد سے زیادہ، فضول خرچی یا اسراف کرے۔ اس کا تعین کرنے کا ایک اچھا طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنوارنے سے کبھی بھی اللہ تعالیٰ یا لوگوں کے لیے اپنے فرض کو پورا کرنے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے، جیسے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کیے بغیر پورا کرنا ممکن نہیں۔ اور نہ ہی اپنے آپ کو سنوارنا انہیں ان نعمتوں کو استعمال کرنے سے روکنا چاہئے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں۔ اور درحقیقت کسی کی جسمانی شکل کو درست کرنا تاکہ وہ صاف ستھرا اور ہوشیار نظر آئے، مہنگا نہیں ہے اور نہ ہی اس میں زیادہ وقت لگتا ہے۔

یہ خوبصورتی کا رویہ تمام چیزوں پر لاگو ہوتا ہے، جیسے کہ کسی کا گھر۔ جب تک کوئی اسراف اور فضول خرچی سے پرہیز کرتا ہے اور جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے استعمال کرتا رہتا ہے، وہ اعتدال کے ساتھ چیزوں کو اپنے لیے آسان بنانے کے لیے آزاد ہے۔

اس کے علاوہ یہ سمجھنا زیادہ ضروری ہے کہ حقیقی خوبصورتی جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے، اس کا تعلق اندرونی حسن یعنی کردار سے ہے۔ یہ خوبصورتی دونوں جہانوں میں قائم رہے گی جبکہ ظاہری خوبصورتی وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہو جائے گی۔ اس لیے اس حقیقی حسن کو ظاہری خوبصورتی پر حاصل کرنے کو اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے ترجیح دینی چاہیے تاکہ وہ اپنے کردار سے حسد جیسی بری خصلت کو ختم کر کے سخاوت جیسی اچھی خصوصیات کو اپنا لے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی میں مدد ملے گی، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق مقابلہ کرنے میں مدد ملے گی، اور لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں مدد ملے گی، جس میں دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا بھی شامل ہے جو لوگ ان کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے ہیں۔

الہی محبت

اپنے آخری لمحات میں فرشتہ جبرائیل علیہ السلام حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس فرشتہ موت کی اجازت طلب کی جو باہر انتظار کر رہا تھا۔ انہوں نے کہا کہ موت کے فرشتے نے اس سے پہلے کبھی کسی کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں مانگی اور نہ ہی اس کے بعد آئے گی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی۔ موت کے فرشتے نے تبصرہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا ہے کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کریں۔ پھر موت کے فرشتے نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک انتخاب پیش کیا کہ یا تو آپ کو اپنی روح قبض کرنے کی اجازت دیں یا اگر وہ حکم دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ دیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف دیکھا جنہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان سے ملنے کو ترس رہا ہے۔ پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موت کے فرشتے سے فرمایا کہ آگے بڑھو اور اس کی روح قبض کرو۔ اس پر ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 394-395 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مخلصانہ اطاعت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کی۔

صحیح مسلم نمبر 7432 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے محبت کرتا ہے جس میں درج ذیل صفات ہوں۔ پہلی صفت تقویٰ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے، اور لوگوں کے تئیں اپنے فرائض کو پورا کرتے ہیں، جیسا کہ اس دنیا میں اپنی ضرورتوں ضرورتوں اور ضرورتوں کے اضافی حصول کے لیے کوشش کرنا۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کا استعمال کریں جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں، جو دونوں جہانوں میں امن اور کامیابی کا باعث بنتی ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

مرکزی حدیث میں زیر بحث اگلی خصوصیت مخلوقات سے آزاد ہونا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو نبھانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ اسباب مثلاً اپنی جسمانی طاقت کو پوری طرح استعمال کرے۔ انہیں سستی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے اور لوگوں سے غیر ضروری چیزوں کی تلاش نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ عادت ان پر انحصار کا باعث بنتی ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ پر توکل کم ہوجاتا ہے۔ اس بات پر پختہ یقین رکھنا چاہیے کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے، جو کچھ بھی ان کا مقدر ہے وہ زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے ان کے لیے مختص کر دیا گیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ ایک مسلمان کو اپنے وسائل جیسے کہ اپنی جسمانی طاقت کو استعمال کرنے پر توجہ دینی چاہیے اور اس بات پر بھروسہ رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ انھیں وہی عطا کرے گا جو ان کے لیے بہتر ہے۔ مذہبی نقطہ نظر سے، کوئی شخص دوسروں پر غلط طور پر انحصار کر سکتا ہے جب وہ یہ مانے کہ کوئی شخص، جیسا کہ ایک مذہبی اور روحانی استاد، ان کی دعاؤں اور شفاعت سے دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے کافی ہے۔ یہ رویہ صرف سستی کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، جیسا کہ کسی کا ماننا ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق برتاؤ کرنے کے لیے آزاد ہیں اور پھر بھی اپنے روحانی استاد کے ذریعے دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کریں گے۔ ایک مسلمان کو اس گمراہی سے بچنا چاہیے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنا چاہیے ، جن کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت حاصل تھی، پھر بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کی خوشنودی کے لیے استعمال کرتے ہوئے خلوص نیت سے اطاعت گزاری کرتے رہے۔ یہی صحیح رویہ ہے جسے اپنانا چاہیے۔

زیر بحث مرکزی حدیث میں آخری خصوصیت گمنام ہونا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ مسلمان کو شہرت یا ناموری حاصل کرنے کے لیے دنیاوی یا دینی معاملات میں کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ یہ رویہ بہت سے گناہوں کا باعث بن سکتا ہے، جیسا کہ دکھاوا، جو کسی کے اجر کو تباہ کرنے کا باعث بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ شہرت حاصل کرنا دین کے لیے دو بھیڑیوں سے زیادہ تباہ کن ہے جنہیں بکریوں کے ریوڑ پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس کے بجائے، ایک مسلمان کو اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے کوشش کرنی چاہیے اور اگر وہ نمایاں ہو جائیں، تو انھیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کو برقرار رکھیں، لوگوں کو خوش کرنے کے لیے اس کی اطاعت میں کوئی تبدیلی کیے بغیر، کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں تباہی کا باعث ہے۔

آخری مشورہ

آخری الفاظ - 1

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری الفاظ کہے ہیں ان میں سے کچھ اپنے اختیار میں رہنے والوں جیسے خادموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی اہمیت پر تھے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 2698 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے ۔

صحیح بخاری نمبر 7376 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرے گا جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا۔

اسلام بہت سادہ مذہب ہے۔ اس کی بنیادی تعلیمات میں سے ایک یہ ہے کہ لوگ دوسروں کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کیسا سلوک کرے گا۔ مثال کے طور پر جو لوگ دوسروں کی غلطیوں کو درگزر کرنا اور معاف کرنا سیکھتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔ باب 24 النور، آیت 22:

‘‘اور وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا آپ پسند نہیں کریں گے کہ اللہ آپ کو معاف کر دے؟’’

جو لوگ فائدہ مند دنیاوی اور دینی معاملات میں دوسروں کی مدد کرتے ہیں جیسے کہ جذباتی یا مالی امداد اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں ان کی مدد کرے گا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4893 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ یہی حدیث نصیحت کرتی ہے کہ جو دوسروں کے عیب چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیب چھپاتا ہے۔

سیدھے الفاظ میں، اگر کوئی اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے ساتھ حسن سلوک اور احترام سے پیش آتا ہے، تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرے گا۔ اور جو لوگ دوسروں کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں ان کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ ایسا ہی سلوک کرے گا، خواہ وہ اس سے متصل واجبات کو پورا کرتے ہوں، جیسے فرض نماز۔ اس لیے کہ ایک مسلمان کو کامیابی حاصل کرنے کے لیے دونوں فرائض کو پورا کرنا چاہیے، یعنی اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے لیے فرائض۔

الٰہی رحمت حاصل کرنے کا ایک آسان طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جیسا کہ لوگ چاہتے ہیں۔ یہ تمام لوگوں کے لیے درست ہے، خواہ ان کا عقیدہ کچھ بھی ہو، اور درحقیقت تمام مخلوقات پر محیط ہے۔

آخر میں، یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے حسن سلوک کیا جائے گا، اگر وہ اس کی خاطر دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ اگر وہ اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے ایسا کرتے ہیں تو بلاشبہ ان تعلیمات میں مذکور اجر کو ضائع کر دیں گے۔ تمام عبادات اور اسلام کی بنیاد خود انسان کی نیت ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

آخری الفاظ - 2

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری کلمات کہے ہیں ان میں سے کچھ فرض نمازوں کے میں اس پر بحث ہوئی ہے سنن ابن ماجہ نمبر 2698 میں موجود ایک حدیث قیام کی اہمیت پر تھے۔
-

ان تمام چیزوں میں سے جن کی وہ نصیحت کر سکتا تھا، اس نے فرض نمازوں کا ذکر کرنے کا انتخاب کیا۔ اس سے ہی فرض نمازوں کو قائم کرنے کی اہمیت کا اندازہ ہو جانا چاہیے۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 2618 میں موجود حدیث کے مطابق نماز وہ چیز ہے جو کفر کو ایمان سے جدا کرتی ہے۔ مسلمان اللہ سے منقطع محسوس کرتے ہیں، حالانکہ وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اسے پکارتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان میں سے اکثر اپنی فرض نمازیں ادا کرنے میں ناکام رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے منقطع ہو گئے ہیں۔ مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ فرض نمازوں کا قیام وہ پہلی رکاوٹ ہے جو انہیں گمراہی سے بچاتی ہے۔ صرف ان لوگوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے جن کو وہ جانتے ہیں کہ کون گمراہ ہوئے اور اکثر اوقات ان کی گمراہی کا پہلا مرحلہ فرض نمازوں کو ان کے آداب و شرائط کے مطابق پورا نہ کرنا تھا۔ جب یہ رکاوٹ ختم ہو گئی تو گمراہی اور کبیرہ گناہوں کا ارتکاب آسان ہو گیا۔ باب 29 العنکبوت، آیت 45:

‘‘...بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے’’

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی فرض نمازوں کو صحیح طور پر قائم کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ارشادات پر عمل کریں اور اپنے کفیلوں مثلاً اپنے بچوں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دیں۔ بہتر یہ ہے کہ ان پر واجب ہونے سے پہلے ان کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ وہ اس عمر کو پہنچنے تک اس کے عادی ہو جائیں۔ سنن ابوداؤد نمبر 495 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

مسلمانوں کو اس فرض میں ناکامی پر لنگڑے بہانے نہیں بنانے چاہئیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی پر ایسا بوجھ نہیں ڈالتا جسے وہ پورا نہ کر سکے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286:

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

اس کے علاوہ، فرض نمازوں کو قائم کرنے میں صرف ان کو ادا نہیں کرنا، بلکہ ان کی مناسب شرائط اور آداب کے مطابق کرنا، بشمول وقت کی پابندی کرنا۔ ان نمازوں کو قائم کرنے کی اہمیت پر پورے قرآن میں زور دیا گیا ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ پر کسی کے ایمان کے تنقیدی اظہار کے طور پر کام کرتی ہیں۔ مزید یہ کہ روزانہ کی دعائیں جو دن بھر میں مختلف اوقات میں ہوتی ہیں، لوگوں کو قیامت کی یاد دلاتی ہیں اور عملی طور پر اس کی تیاری کرتی ہیں۔ فرض نماز کا ہر قدم قیامت کی حقیقت سے ہم آہنگ ہے۔ مثال کے طور پر، نماز میں کھڑے ہونے کا طریقہ اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ وہ اس اہم دن پر اللہ تعالیٰ کے سامنے کس طرح کھڑے ہوں گے۔ باب 83 المطففین، آیات 4-6:

" کیا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے، ایک عظیم دن کے لیے جس دن انسان رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے؟"

جب وہ نماز میں جھکتے ہیں، تو یہ ان لوگوں کی ایک پُرجوش یاد دہانی کے طور پر کام کرتا ہے جنہیں قیامت کے دن تنقید کا سامنا کرنا پڑے گا کیونکہ وہ زمین پر اپنی زندگی بھر اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ باب 77 المرسلات، آیت 48:

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رکوع کرو تو وہ رکوع نہیں کرتے۔

نماز کے دوران، جب کوئی سجدے میں جھکتا ہے، تو انہیں یاد دلایا جاتا ہے کہ جب قیامت کے دن سب کو اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرنے کے لیے بلایا جائے گا۔ تاہم، وہ لوگ جو اپنی پوری زندگی میں حقیقی طور پر اُس کے تابع ہونے میں ناکام رہے — ہر حال میں اُس کے احکام پر عمل کرتے ہوئے — اُس دن خود کو ایسا کرنے سے قاصر پائیں گے۔ باب 68 القلم، آیات 42-43:

"جس دن حالات سنگین ہو جائیں گے، انہیں سجدہ کرنے کی دعوت دی جائے گی، لیکن ایسا کرنے سے روکا جائے گا، ان کی نظریں جھکی ہوئی ہوں گی، ذلت ان پر چھائی ہوئی ہے، اور انہیں سجدے کی طرف بلایا جاتا تھا جب وہ ٹھیک تھے۔"

جب کوئی نماز میں گھٹنے ٹیکتا ہے، تو یہ اس بات کی ایک پُرجوش یاد دہانی کا کام کرتا ہے کہ وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے کس طرح کھڑا ہو گا، اپنے حتمی انجام کے بارے میں سوچ کر کانپتا ہے۔ باب 45 الجثیہ، آیت 28:

اور تم ہر امت کو گھٹنے ٹیکتے ہوئے دیکھو گے اور ہر قوم کو اس کے اعمال نامے کی طرف بلایا جائے گا کہ آج تمہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

نماز سوچ سمجھ کر ادا کرنا، ان عناصر کو ذہن میں رکھتے ہوئے، ان کو صحیح طریقے سے ادا کرنا ہے۔ یہ، بدلے میں، ان کی نمازوں کے درمیان کے لمحات میں، اللہ تعالیٰ کی حقیقی اطاعت کا باعث بنے گا۔ باب 29 العنکبوت، آیت 45:

’’...بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے‘‘

اس اطاعت میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو راضی کرنے کے طریقے سے عطا کی گئی ہیں جیسا کہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

اللہ کی عبادت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ اپنی بیماری سے پہلے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار یہ نصیحت فرمائی تھی کہ کسی بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک موت نہیں آئے گی جب تک کہ وہ جنت میں اپنا آرام گاہ نہ دیکھ لیں اور زندگی اور موت میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنے کو کہا جائے۔ صحیح بخاری نمبر 4428 میں موجود ایک حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ جو زہر انہیں خیبر میں برسوں پہلے دیا گیا تھا وہ انہیں تکلیف دے رہا تھا اور محسوس ہوا کہ وہ اس سے مر جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شہادت کا شرف بخشا۔

اپنے آخری لمحات کے دوران، اس نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور سب سے اعلیٰ صحابی یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور میں شامل ہونے کی خواہش کا اعلان کیا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر 63 برس تھی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 343 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس عارضی ٹھکانے سے ابدی آسودگی کی طرف ایک بلند ترین مقام پر پہنچا دیا، جو جنت کے سب سے اعلیٰ اور شاندار درجے پر ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 79:

’’امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو ایک قابل تعریف مقام پر اٹھائے گا۔ ‘‘

اور باب 93 عاد الدوحہ، آیات 4-5:

" اور آخرت تمہارے لیے پہلی زندگی سے بہتر ہے، اور تمہارا رب تمہیں دے گا اور تم راضی ہو جاؤ گے۔"

یہ اس کے بعد تھا جب وہ اپنا مشن پورا کر چکا تھا جو اللہ تعالیٰ نے اسے سونپا تھا۔ انہوں نے اپنی قوم کو مخلصانہ نصیحتیں کیں اور انہیں دونوں جہانوں میں بہترین کام کرنے کی ہدایت کی۔ اس نے انہیں تنبیہ کی تھی اور ان کو اس چیز سے روکا تھا جو انہیں یہاں زمین اور آخرت میں نقصان پہنچانے والی تھی۔ درود و سلام ہو اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم، محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم۔

ایک مثبت رویہ

جس دن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی ہر چیز تاریک ہوگئی۔ اس اہم نقصان کے باوجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ مصیبت زدہ مسلمانوں کو نصیحت کی کہ اپنے کھونے کی مصیبت کو یاد رکھیں کیونکہ یہ دنیا کی سب سے بڑی آفت تھی۔ امام محمد السلّابی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1985 میں بحث کی اس پر گئی ہے -

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ مثبت سوچ اپنائیں کیونکہ یہ مشکلات سے نمٹنے کے لیے ان کی مدد کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہیں۔ جب بھی کسی شخص کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اسے ہمیشہ ایک سچائی کو سمجھنا چاہیے کہ مشکل اس سے کہیں زیادہ خراب ہو سکتی تھی۔ اگر یہ دنیاوی مسئلہ تھا تو انہیں شکر گزار ہونا چاہئے کہ یہ ان کے ایمان کو متاثر کرنے والی مصیبت نہیں تھی۔ مشکل کے ساتھ آنے والے فوری غم پر غور کرنے کے بجائے انہیں انجام اور اس انعام پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صبر کا مظاہرہ کرنے والوں کے لیے منتظر ہے۔ جب کوئی شخص چند نعمتوں سے محروم ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ ان گنت نعمتوں کا ذکر کرے جو اس کے پاس موجود ہیں۔ ہر مشکل میں ایک مسلمان کو قرآن کریم کی آیت یاد رکھنی چاہیے جو مسلمانوں کو یاد دلاتی ہے کہ مشکلات اور آزمائشوں میں بہت سی پوشیدہ حکمتیں ہیں جن کا اس نے مشاہدہ نہیں کیا۔ لہٰذا وہ جس صورتحال کا سامنا کر رہے ہیں وہ اس صورتحال سے بہتر ہے جس کی ان کی خواہش تھی۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

"لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

آخر میں، ایک مسلمان کو ان حقائق اور دیگر چیزوں پر غور کرنا چاہیے تاکہ وہ ایک مثبت سوچ اپنائے جو مشکلات سے اس طرح نمٹنے کے لیے کلیدی عنصر ہے جو دونوں جہانوں میں بے شمار نعمتوں کا باعث ہے۔ یاد رکھیں، کپ آدھا خالی نہیں ہے بلکہ آدھا بھرا ہوا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خطاب

فرمانبردار رہنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد اہل مدینہ شدید اضطراب اور تذبذب کا شکار ہو گئے۔ ان کے شدید غم کی وجہ سے، ہر شخص نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر مختلف ردعمل کا اظہار کیا۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابتدا میں اس پر یقین کرنے سے انکار کر دیا اور دعویٰ کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے تھے اور واپس لوٹیں گے، جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی تھی اور نتیجتاً اپنی قوم کو چالیس دن کے لیے چھوڑ دیا تھا۔

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہنچے تو انہوں نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں لوگوں سے خطاب کیا۔ اس نے باب 3 علی عمران آیت 144 کی تلاوت کی:

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک رسول ہیں، ان سے پہلے اور بھی رسول گزر چکے ہیں، تو کیا اگر وہ مر جائیں یا مارے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے گا وہ اللہ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا، لیکن اللہ شکر گزاروں کو جزا دے گا۔"

اور پھر یہ فرمایا": اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو زندگی بخشی اور آپ کو اس وقت تک زندہ رکھا جب تک کہ وہ اللہ کے دین کو قائم نہ کر لیں، اللہ تعالیٰ کے احکامات کو واضح اور واضح کر دیا، اس کا پیغام پہنچایا اور اس کی راہ میں جہاد کیا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے پاس لے لیا اور جن کے بعد آپ کو کوئی نشانی نہیں چھوڑے گا، ان کے بعد کوئی درد نہیں چھوڑے گا۔ خداوند ، اللہ تعالی ، اور کبھی بھی مرجائے گا ، اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ سے دوچار ہیں بلند ، ان کی مدد کرنے والوں کی مدد کریں گے اور جو اللہ کی کتاب کی تعظیم کرتا ہے، وہ

ہمارے درمیان نور اور علاج ہے۔ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت دی۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کس چیز کو حلال سمجھتا ہے اور کس چیز کو حرام۔ ہم پروا نہیں کریں گے کہ مخلوق میں سے کون ہم پر نازل ہوتا ہے (یعنی ہم پر حملہ کرنے کے لیے)۔ ہم مخالفت کرنے والوں سے اسی طرح بھرپور طریقے سے لڑیں گے جس طرح ہم نے شانہ بشانہ جنگ لڑی تھی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے، جلد 4، صفحہ 348-349 میں بحث کی گئی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے خطاب کیا تو سب نے حق کو تسلیم کر لیا۔ عمر رضی اللہ عنہ کو چکر آیا اور وہ زمین پر گر پڑے اور آخرکار تسلیم کر لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات واقع ہو چکی ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرتِ نبوی، جلد 4، صفحہ 348-349، اور امام محمد السلّابی، عمر ابن الخطاب، ہز لائف اینڈ ٹائمز، جلد 1، صفحہ 139-141 میں بحث کی گئی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ - پہلے خلیفہ

حق کا ساتھ دینا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد اہل مدینہ شدید اضطراب اور تذبذب کا شکار ہو گئے۔ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے متفقہ طور پر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اسلام کا پہلا خلیفہ منتخب کرنے پر اتفاق کیا۔ صحیح بخاری نمبر 3667 اور 3668 میں موجود احادیث میں اس پر بحث ہوئی ہے ۔

اس واقعہ سے سیکھنے کا ایک اہم سبق یہ ہے کہ بھلائی کے معاملات میں دوسروں کا ساتھ دینے کی اہمیت ہے۔ اس اور دیگر احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو مشورہ دیا کہ وہ کسی اور کو اپنا خلیفہ منتخب کریں۔ درحقیقت اس نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا نام بھی رکھا۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لیے یہ بہترین موقع تھا کہ وہ بغیر کسی دلیل اور پریشانی کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے نمائندے کے طور پر اہم کردار ادا کریں۔ لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کردار کے لیے بہترین شخص کو مقرر کر کے صحیح کام کرنے اور مسلم قوم کی مدد کرنے کا انتخاب کیا۔ اسے اس بات کی فکر نہیں تھی کہ اگر اس نے کسی اور کا ساتھ دیا تو اس کا درجہ اور سماجی حیثیت کم ہو جائے گی یا اسے بھلا دیا جائے گا۔ درحقیقت، اس کی عزت اور سماجی حیثیت اس صحیح انتخاب کے بعد ہی بڑھی۔

بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اور یہاں تک کہ اسلامی ادارے بھی اس طرح کا برتاؤ نہیں کرتے۔ وہ اکثر کسی کی مدد کرنے کے بجائے صرف ان لوگوں کی حمایت کرتے ہیں جن کے ساتھ ان کا رشتہ ہے ۔ وہ ایسا برتاؤ کرتے ہیں کہ اگر وہ اچھی باتوں میں دوسروں کا ساتھ دیں گے تو ان کی سماجی حیثیت کم ہو جائے گی۔ کچھ اس سے بھی نیچے گر گئے ہیں اور برے کاموں میں اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کا ساتھ دیتے ہیں اور اچھے کام کرنے والے اجنبیوں کا ساتھ دینے میں ناکام رہتے ہیں۔ یہ ایک بڑی وجہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرہ کمزور ہوتا چلا گیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تعداد میں تھوڑے تھے لیکن کسی اور چیز کی پرواہ کیے بغیر ہمیشہ بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کا ساتھ دے کر اپنا فرض ادا کیا۔ مسلمانوں کو اپنا

رویہ بدلنا چاہیے اور ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیے اگر وہ دونوں جہانوں میں طاقت اور عزت چاہتے ہیں۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

مزید برآں، اگرچہ یہ واضح تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ، حتیٰ کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بھی پسندیدہ انتخاب تھے، پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واضح طور پر نامزد نہیں کیا۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات اور نیا لیڈر نامزد کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امتحان تھا۔ ایک امتحان یہ دیکھنے کے لیے کہ آیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قیادت کے لیے بحث اور جدوجہد کریں گے یا خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور سر تسلیم خم کریں گے اور بہترین شخص کو اس کردار کے لیے نامزد کریں گے۔ جیسا کہ تاریخ واضح طور پر ظاہر کرتی ہے، انہوں نے یہ امتحان اڑتے رنگوں کے ساتھ پاس کیا۔ اس لیے یہ ان کے لیے ایک امتحان تھا، اور مستقبل کے مسلمانوں کے لیے ایک سبق تھا کہ وہ ہمیشہ دوسروں کی بھلائی میں مدد کرنے کی کوشش کریں۔

اس کے علاوہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صراحت کے ساتھ مبعوث کیا گیا تھا تو مستقبل میں کچھ لوگ یہ دعویٰ کریں گے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ آپ کی تقرری سے کبھی متفق نہیں تھے اور انہوں نے اسے صرف اس لیے قبول کیا کہ انہیں ایسا کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس لیے صریح حکم سے گریز نے اس باطل عقیدہ کو روک دیا کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان واضح اشارے کے تحت اپنا لیڈر منتخب کرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اسلام کا پہلا خلیفہ ہونا چاہیے۔ اس سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ کے حق میں مزید اضافہ ہوا، جیسا کہ ان کی طرف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر اشارہ کیا تھا، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے آزادانہ طور پر مقرر کیا گیا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بات سے بے خبر تھے کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے۔ بعض نے مدینہ میں ان کی مسجد کا مشورہ دیا اور بعض نے مدینہ میں مرکزی قبرستان کا مشورہ دیا۔ یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی تھے جنہوں نے یہ اعلان کر کے ان کو متحد کیا کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی جگہ دفن ہیں جہاں ان کی وفات ہوئی تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے قبول کیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی مقام پر دفن کیا، جہاں آپ کی اہلیہ کا انتقال ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :عائشہ رضی اللہ عنہا سنن ابن ماجہ نمبر 1628 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

بلاشبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک جنت کے سب سے بڑے باغ میں ہے۔ اس لیے انسان کو غور کرنا چاہیے کہ جب وہ اپنی قبر میں اتریں گے تو انہیں جنت کے باغ میں رکھا جائے گا یا جہنم کے گڑھے میں، اور اس لیے اس کے مطابق کام کریں جو وہ چاہتے ہیں۔

جامع ترمذی نمبر 2460 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قبر یا تو جنت کا باغ ہے یا جہنم کا گڑھا ہے۔ یہ حدیث مزید بتاتی ہے کہ جب ایک کامیاب مومن کو ان کی قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ ان کے لیے کشادہ اور آرام دہ ہو جاتا ہے جب کہ گناہ گار کی قبر ان کے لیے انتہائی تنگ اور نقصان دہ ہو جاتی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ حقیقت میں ہر شخص اپنے اعمال کی صورت میں اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنے ساتھ جنت کا باغ یا جہنم کا گڑھا لے جاتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے، اس کے احکام کی تعمیل کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، تو یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کو ان طریقوں سے استعمال کرے گا جو انہیں اللہ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ اپنی قبر کو جنت کا باغ بنانے کے لیے درکار اعمال کی تیاری کریں۔ لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے ان نعمتوں کا

غلط استعمال کریں گے جو انہیں عطا کی گئی ہیں تو ان کے گناہ جہنم کے گڑھے کو پیدا کر دیں گے جس میں وہ قیامت تک آرام کریں گے۔

اس لیے مسلمانوں کو آج ہی عمل کرنا چاہیے اور اس تیاری میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ موت کا وقت معلوم نہیں اور اکثر اچانک آجاتا ہے۔ آنے والے کل تک تاخیر کرنا بے وقوفی ہے اور یہ صرف پچھتاوے کا باعث بنتا ہے۔ جس طرح انسان اس دنیا میں اپنے گھر کو سنوارنے میں بہت زیادہ توانائی اور وقت صرف کرتا ہے، جس گھر میں وہ صرف تھوڑے ہی عرصے کے لیے رہے گا، اسے اپنی قبر کو سنوارنے میں زیادہ محنت کرنی چاہیے، کیونکہ اس کا سفر ناگزیر ہے اور وہاں رہنا بہت طویل ہے۔ اور اگر کسی کو ان کی قبر میں تکلیف پہنچتی ہے تو اس کے بعد جو کچھ ہوتا ہے وہ بدتر ہوگا۔ سنن ابن ماجہ، نمبر 4267 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ کسی کو یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ لوگ اور دنیاوی چیزیں، جیسے کہ ان کا کاروبار، وہ اپنی توانائی کا زیادہ تر حصہ اس کے لیے وقف کرتے ہیں، جب وہ اپنی قبر پر پہنچیں گے تو انہیں چھوڑ دیں گے۔ ان کے ساتھ صرف ان کے اعمال ہوں گے، وہی اعمال جو یہ طے کریں گے کہ انہیں جنت کے باغ میں رکھا جائے گا یا جہنم کے گڑھے میں۔

آخر میں، کسی شخص کو یہ فرض کرنے میں دھوکہ نہیں دینا چاہیے کہ اس کا ایمان اس کے جنت کے باغ کو یقینی بنانے کے لیے کافی ہے۔ ایمان ایک باطنی کیفیت ہے جو ظاہری طور پر اپنے اعمال سے ظاہر ہوتی ہے۔ دلوں کے جاننے والے نے یہی حکم دیا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جو بھی نیک عمل کرے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم انہیں ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

اور سچی بات یہ ہے کہ جس طرح ایمان ایک درخت کی مانند ہے اسی طرح اس کی آبیاری اور پرورش عمل صالح سے ہونی چاہیے۔ اگر کوئی اپنے ایمان کے پودے کی پرورش کرنے میں ناکام رہتا ہے تو وہ اچھی طرح جان سکتے ہیں کہ وہ قبر تک پہنچنے سے پہلے ہی مرجھا جاتا ہے۔

اتحاد

متفقہ طور پر اسلام کے پہلے خلیفہ کے طور پر مقرر ہونے کے بعد، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے استعفی دینے کی کوشش کی کیونکہ وہ قیادت کی کوئی خواہش نہیں رکھتے تھے .انہوں نے کھلے عام یہ درخواست کی اور یہ علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے آگے بڑھ کر واضح کر دیا کہ کوئی بھی ان کا استعفیٰ نہیں چاہتا اور نہ ہی وہ ان کا استعفیٰ قبول کریں گے۔ انہوں نے اس بات کا اعادہ کیا کہ کس طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں تمام حالات میں سب سے آگے رکھا، جیسے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری بیماری کے دوران نماز باجماعت پڑھانا۔ اس کی تصدیق بہت سی احادیث سے ہوئی ہے، جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 682 میں موجود ہے۔ تمام صحابہ نے علی سے اتفاق کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اصرار کیا کہ وہ ان کی امامت کریں۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 212 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

برسوں بعد، اپنی خلافت کے دوران، علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ فرمائیں گے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو منتخب کرنے پر راضی کیا کہ وہ سب کو ان کے دین کی امامت کرائیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری بیماری کے دوران نماز باجماعت پڑھانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب پر اپنی رحمتیں نازل فرمائیں۔ ان کے دنیاوی معاملات میں بھی ان کی رہنمائی کرنے پر راضی تھے۔ اس پر امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 5 میں بحث ہوئی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سے اس طرح برتاؤ کیا جیسا کہ ان کی تربیت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیر کے معاملات میں متحد ہونے کے لیے کی تھی۔ مسلمانوں کو ان تعلیمات کو اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے والی چیزوں میں متحد ہو جائیں۔

صحیح مسلم نمبر 6541 میں موجود ایک حدیث میں معاشرے کے اندر اتحاد پیدا کرنے کے بعض پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے حسد نہ کرنے کی تلقین کی۔

یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص اس نعمت کو حاصل کرنے کی خواہش کرتا ہے جس کا کوئی دوسرا معنی رکھتا ہے، وہ اس نعمت سے محروم ہونے کی خواہش کرتا ہے۔ اور اس میں اس حقیقت کو ناپسند کرنا شامل ہے کہ مالک کو اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے یہ نعمت دی تھی۔ کچھ صرف یہ چاہتے ہیں کہ یہ ان کے دلوں میں پیدا ہو جائے بغیر ان کے عمل یا تقریر کے ذریعہ۔ اگر وہ اپنے خیالات اور احساسات کو ناپسند کرتے ہیں، تو امید ہے کہ وہ ان کی حسد کے لئے جوابدہ نہیں ہوں گے .بعض اپنے قول و فعل کے ذریعے دوسرے شخص سے نعمت چھیننے کی کوشش کرتے ہیں جو کہ بلا شبہ گناہ ہے۔ بدترین قسم وہ ہے جب کوئی شخص نعمت کو مالک سے دور کرنے کی کوشش کرے خواہ حسد کرنے والے کو نعمت نہ ملے۔

حسد تب ہی جائز ہے جب کوئی شخص اپنے جذبات پر عمل نہیں کرتا، اپنے جذبات کو ناپسند کرتا ہے اور اس کے بدلے اس جیسی نعمت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے بغیر اس کے کہ مالک اس کے پاس موجود نعمت سے محروم ہو۔ اگر چہ یہ قسم گناہ گار نہیں ہے پھر بھی یہ ناپسندیدہ ہے اگر حسد کسی دنیوی نعمت پر ہو اور صرف اس صورت میں قابل تعریف ہے جب اس میں دینی نعمت شامل ہو۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 1896 میں موجود ایک حدیث میں قابل تعریف قسم کی دو مثالیں بیان کی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ جب کوئی شخص اس شخص سے حسد کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے حلال مال حاصل کرتا ہے اور خرچ کرتا ہے۔ دوسرا وہ ہے جب کوئی شخص اس شخص سے حسد کرتا ہے جو اپنی حکمت اور علم کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔

حسد کی بری قسم، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، براہ راست اللہ تعالیٰ کے انتخاب کو چیلنج کرتا ہے۔ حسد کرنے والا ایسا برتاؤ کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کے بجائے کسی اور کو خاص نعمت دے کر غلطی کی ہو۔ اس لیے یہ کبیرہ گناہ ہے۔ درحقیقت جیسا کہ سنن ابوداؤد نمبر 4903 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

ایک غیرت مند مسلمان کو جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ لہٰذا ایک غیرت مند مسلمان کو چاہیے کہ وہ جس شخص سے حسد کرتے ہیں اس کے ساتھ حسن سلوک اور مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس احساس کو اپنے دل سے نکالنے کی کوشش کریں، جیسے کہ ان کی خوبیوں کی تعریف کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا یہاں تک کہ ان کی حسد ان سے محبت بن جائے۔ انہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق جس شخص سے وہ حسد کرتے ہیں اس کے حقوق ادا کرتے رہیں۔ انہیں اسلامی علم سیکھنا اور اس پر عمل کرنا چاہئے تاکہ یہ سمجھ سکیں کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو بہترین چیز عطا کرتا ہے اور اگر انہیں کوئی خاص دنیوی نعمت عطا نہیں کی گئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا نہ ہونا ہی بہتر ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

’’لیکن شاید تمہیں ایک چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔‘‘

ایک اور چیز جس کی نصیحت شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایک دوسرے سے نفرت نہیں کرنی چاہیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو صرف اسی صورت میں ناپسند کرنا چاہئے جب اللہ تعالیٰ اسے ناپسند کرے۔ اسے سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث میں ایمان کی تکمیل کا ایک پہلو بتایا گیا ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی خواہشات کے مطابق چیزوں یا لوگوں کو ناپسند نہ کرے۔ اگر کوئی اپنی خواہشات کے مطابق دوسرے کو ناپسند کرتا ہے تو اسے کبھی بھی اپنے قول و فعل پر اثر انداز نہیں ہونے دینا چاہیے کیونکہ یہ گناہ ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسرے کے ساتھ اسلام کی تعلیمات کے مطابق احترام اور مہربانی کے ساتھ سلوک کرتے ہوئے احساس کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ دوسرے لوگ بالکل ایسے نہیں جیسے وہ کامل نہیں ہیں۔ اور اگر دوسروں میں کوئی بری خصلت ہے تو وہ بھی بلاشبہ اچھی صفات کے مالک ہوں گے۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرے کہ وہ اپنی بُری خصلتوں کو چھوڑ دیں لیکن ان میں موجود اچھی صفات سے محبت کرتے رہیں۔ ایک مسلمان کو گناہوں کو ناپسند کرنا چاہیے لیکن انسان کو نہیں، جیسا کہ ایک شخص ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کر سکتا ہے۔ انہیں اسلام کی حدود میں گناہوں سے ناپسندیدگی کا اظہار کرنا چاہیے۔ انہیں بری باتوں کے خلاف نرمی سے دوسروں کو نصیحت کرنی چاہیے، کیونکہ سختی اکثر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے سے مزید دور کر دیتی ہے۔

اس موضوع پر ایک اور نکتہ بیان کرنا ضروری ہے۔ ایک مسلمان جو کسی خاص عالم کی پیروی کرتا ہے جو کسی مخصوص عقیدے کی حمایت کرتا ہے اسے متعصب کی طرح کام نہیں کرنا چاہئے اور اپنے عالم کو ہمیشہ حق پر یقین رکھنا چاہئے اس لئے ان لوگوں سے نفرت کرنا چاہئے جو ان کے علماء کی رائے کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ طرز عمل اللہ تعالیٰ کے لیے کسی چیز/کسی کو ناپسند کرنے والا نہیں ہے۔ جب تک علماء کے درمیان جائز اختلاف موجود ہے، کسی خاص عالم کی پیروی کرنے والے مسلمان کو اس کا احترام کرنا چاہئے اور دوسروں کو ناپسند نہیں کرنا چاہئے جو ان کے ماننے والے عالم سے مختلف ہوں۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایک دوسرے سے منہ نہ موڑنا چاہیے۔ اس کا مطلب ہے کہ انہیں دنیاوی مسائل پر دوسرے مسلمانوں سے تعلقات منقطع نہیں کرنے چاہئیں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کی حمایت سے انکار کر دینا چاہیے۔ صحیح بخاری نمبر 6077 میں موجود حدیث کے مطابق کسی مسلمان کے لیے کسی دنیاوی معاملے میں دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ تعلقات منقطع کرنا ناجائز ہے۔ درحقیقت کسی دنیوی مسئلہ میں ایک سال سے زیادہ عرصہ تک تعلقات منقطع کرنے والا دوسرے مسلمان کو قتل کرنے والے کی طرح سمجھا جاتا ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4915 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ دوسروں کے ساتھ تعلقات منقطع کرنا صرف ایمان کے معاملات میں جائز ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کو خلوص دل سے توبہ کرنے کی تلقین جاری رکھنی چاہئے اور صرف اس صورت میں ان کی صحبت سے گریز کرنا چاہئے جب وہ بہتر کے لئے تبدیل کرنے سے انکار کریں۔ جب بھی ان سے ایسا کرنے کی درخواست کی جائے تو انہیں حلال چیزوں پر ان کا ساتھ دینا چاہیے، کیونکہ یہ احسان مندی انہیں اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دے سکتی ہے۔

ایک اور بات جو زیر بحث مرکزی حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ اس حدیث میں دی گئی سابقہ نصیحت پر عمل کریں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسرے مسلمانوں کے تئیں اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کریں، جیسے کہ بھلائی کے کاموں میں دوسروں کی مدد کرنا اور برائیوں سے ڈرانا۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

صحیح بخاری نمبر 1240 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمانوں کے درج ذیل حقوق ادا کرنے چاہئیں :سلام کا جواب دینا، بیماروں کی عیادت کرنا، ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا اور چھینکنے والے کو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کا جواب دینا۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ وہ تمام حقوق سیکھے اور پورا کرے جو دوسرے لوگوں کے، خاص کر دوسرے مسلمانوں کے ان پر ہیں، کیونکہ ہر ایک سے پوچھا جائے گا کہ کیا اس نے قیامت کے دن دوسرے لوگوں کے حقوق ادا کیے؟ کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ سلوک کریں۔

ایک اور بات جو زیر بحث مرکزی حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر ظلم نہیں کرنا چاہیے، اسے چھوڑنا یا نفرت نہیں کرنی چاہیے۔ انسان کے گناہوں سے نفرت ہونی چاہیے لیکن گناہ گار ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ کسی بھی وقت صدق دل سے توبہ کر لے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4884 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے مسلمان کی تذلیل کرے گا اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل کرے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کو ذلت سے بچاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے گا۔

شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں مذکور منفی خصوصیات اس وقت پیدا ہو سکتی ہیں جب کوئی شخص غرور اختیار کر لے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث کے مطابق تکبر اس وقت ہوتا ہے جب انسان دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے۔ مغرور شخص خود کو کامل دیکھتا ہے جبکہ دوسروں کو نامکمل دیکھتا ہے۔ یہ انہیں دوسروں کے حقوق ادا کرنے سے روکتا ہے اور دوسروں کو ناپسند کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اور فخر انسان کو اس بات کی ترغیب دیتا

ہے کہ وہ سچائی کو مسترد کر دے جب وہ ان کے سامنے پیش کیا جائے، کیونکہ یہ ان کی طرف سے نہیں آیا اور ان کی خواہشات کے خلاف ہے۔

ایک اور بات جو اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ حقیقی تقویٰ کسی کی ظاہری شکل و صورت میں نہیں ہے جیسا کہ اسلامی لباس پہننا، بلکہ یہ ایک باطنی صفت ہے۔ یہ باطنی خصلت ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ کوئی شخص ان نعمتوں کا استعمال کرے جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں۔ اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 4094 میں موجود ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ جب روحانی قلب پاک ہوتا ہے تو سارا جسم پاک ہوجاتا ہے لیکن جب روحانی قلب فاسد ہوتا ہے تو سارا جسم فاسد ہوجاتا ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہری صورتوں مثلاً مال و دولت کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی نیتوں اور اعمال پر غور کرتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6542 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے باطنی تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرے تاکہ یہ ظاہری طور پر اس طرح ظاہر ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے ساتھ تعامل کرتے ہیں۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے بغض رکھنا گناہ ہے۔ اس نفرت کا اطلاق دنیاوی چیزوں پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر دوسروں کو ناپسند نہیں کرنا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور بغض رکھنا ایمان کی تکمیل کا ایک پہلو ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو ہر حال میں دوسروں کا احترام کرنا چاہیے اور اس شخص سے نفرت کیے بغیر صرف ان کے گناہوں کو ناپسند کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ، ان کی ناپسندیدگی انہیں کبھی بھی اسلام کی تعلیمات کے خلاف کام کرنے پر مجبور نہیں کرے گی، کیونکہ اس سے یہ ثابت ہو گا کہ ان کی نفرت ان کی اپنی خواہشات پر مبنی ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے۔ دنیاوی وجوہات کی بنا پر دوسروں کو حقیر سمجھنے کی اصل وجہ تکبر ہے۔ یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ ایک ایٹم کا فخر کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

اس کے بعد جو اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کی جان، مال اور آبرو سب مقدس ہیں۔ ایک مسلمان کو ان حقوق میں سے کسی کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں اعلان فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ غیر مسلموں سمیت دیگر لوگوں کو ان کی ضرر رساں باتوں اور افعال سے محفوظ نہ رکھے۔ اور سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کی برائیوں کو دور رکھے۔ ان حقوق کی خلاف ورزی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ ان کا شکار پہلے انہیں معاف نہ کر دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو قیامت کے دن انصاف قائم ہو گا جس کے تحت مظلوم کو ظالم کی نیکیاں ملیں گی اور اگر ضرورت پڑی تو مظلوم کے گناہ مظلوم کو ملیں گے۔ اس سے ظالم کو جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ یہ ایک فرد کے لیے بہت زیادہ برکتوں کا باعث بنے گا اور اس کے معاشرے میں اتحاد پیدا ہوگا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا پہلا خطبہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد اہل مدینہ شدید اضطراب اور تذبذب کا شکار ہو گئے۔ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے متفقہ طور پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اسلام کا پہلا خلیفہ منتخب کرنے پر اتفاق کیا۔ صحیح بخاری نمبر 3667 اور 3668 میں موجود احادیث میں اس پر بحث ہوئی ہے -

جس دن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھے جبکہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے لوگو، کل میں نے تم سے وہ باتیں کہی تھیں جو مناسب نہیں تھیں، میں نے اللہ کی کتاب میں نہیں پائی اور نہ ہی وہ بات ہے جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہو، لیکن میں نے سوچا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری رہنمائی کرتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ آپ میں سے آخری شخص ہوں گے جو اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے آخری کتاب میں چھوڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے اگر تم اس پر قائم رہو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس چیز کی طرف رہنمائی کرے گا جس کی رہنمائی اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بہترین صحابی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں کر دی ہے، جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوسرے نمبر پر تھے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو کسی قسم کی حسد کی علامت ظاہر کیے بغیر ان کی رہنمائی کرنے کے سب سے زیادہ لائق شخص کے ماتحت متحد ہونے کی ترغیب دی۔ اس کے عمل نے لوگوں کے لیے تقسیم اور فتنوں سے بچایا اور مسلمانوں کو ان آنے والی مشکلات کے لیے تقویت بخشی جن کا ان کا مقدر تھا۔ اس پر امام محمد السلّابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 143 میں بحث کی گئی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے خطبہ میں فرمایا" :اے لوگو، میں نے اقتدار سنبھالا ہے حالانکہ میں تم میں سے بہترین نہیں ہوں، اگر میں اچھا کروں تو میری مدد کرو، اگر میں غلطی کروں تو مجھے سیدھا کرو، ایمانداری وفاداری ہے، بے ایمانی دھوکہ ہے، تم میں سے کمزور وہ

ہے جو میری نظر میں طاقتور ہے جب تک کہ میں کمزوروں کو دور نہ کر سکوں جب تک کہ میں کمزوروں کو دور نہ کر سکوں۔ ان کا حق ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو کوئی بھی شخص اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی قوم پر انحطاط کا شکار نہیں ہوتا، جب تک کہ میں ان پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہوں، پھر مجھے آپ سے کسی اطاعت کی امید نہیں رکھنی چاہیے، یہ بات امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 355-356 میں گزر چکی ہے۔

یہ واقعہ مسلمانوں کو اس اہم عہدے کی یاد دلاتا ہے جس پر انہیں اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے، یعنی اسلام کے سفیر۔ مسلمانوں کے لیے اپنی صلاحیت کے مطابق اس فرض کو ادا کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اس کو حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو پورا کیا جائے، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کیا جائے اور اس کے انتخاب پر صبر کیا جائے۔ اسلام پوری دنیا میں پھیل گیا کیونکہ صالح پیشرو اس فرض کو بہت سنجیدگی سے لیتے تھے۔ جب انہوں نے فائدہ مند علم حاصل کیا اور اس پر عمل کیا تو بیرونی دنیا نے ان کے طرز عمل سے اسلام کی حقانیت کو پہچان لیا۔ جس کی وجہ سے بے شمار لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ بدقسمتی سے، آج بہت سے مسلمان اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اسلام کے بارے میں دوسروں کو ظاہر کرنا محض کسی کی ظاہری شکل ہے، جیسے داڑھی بڑھانا یا اسکارف پہننا۔ یہ اسلام کی نمائندگی کا صرف ایک پہلو ہے ۔ سب سے بڑا حصہ قرآن کریم اور ان کی روایات میں مذکور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات کو اپنانا ہے۔ صرف اس رویے سے بیرونی دنیا اسلام کی اصل فطرت کا مشاہدہ کرے گی۔ ایک مسلمان کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ اسلام کی تعلیمات کے مخالف خصوصیات کے حامل ہوتے ہوئے اسلامی شکل اختیار کرنا صرف بیرونی دنیا میں اسلام کی بے عزتی کا باعث بنتا ہے۔ وہ اس بے عزتی کے لیے جوابدہ ہوں گے کیونکہ وہ اس کی وجہ ہیں۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی باطنی تعلیمات کو اپناتے ہوئے اسلام کے حقیقی سفیر کے طور پر پیش آئے اور اسلام کی ظاہری شکل و صورت کو بھی اپنائے۔

اس کے علاوہ اس اہم عہدے کو مسلمانوں کو یاد دلانا چاہیے کہ ان کا احتساب کیا جائے گا اور سوال کیا جائے گا کہ آیا انہوں نے یہ کردار ادا کیا یا نہیں؟ جس طرح ایک بادشاہ اپنے سفارت کار اور نمائندے پر غضب ناک ہوتا ہے اگر وہ اپنی ذمہ داری ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس مسلمان سے ناراض ہوگا جو اسلام کے سفیر کی حیثیت سے اپنا فرض ادا کرنے میں ناکام رہے گا۔

مزید متعلقہ مسائل پر توجہ مرکوز کرنا

اسلام کے پہلے خلیفہ کے طور پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نامزدگی ہمیشہ سے بحث کا موضوع رہی ہے۔ صحیح رہنمائی کرنے والے علماء نے اکثر دو گروہوں :سنی اور شیعہ کو حق پر متحد کرنے کے لیے اسلام کے پہلے خلیفہ ہونے کے ان کے حق کے زبردست شواہد پر کثرت سے بحث کی ہے۔ اگرچہ یہ ایک مناسب مقصد ہے، لیکن عام مسلمان کو ان بحثوں یا اس سے ملتی جلتی دیگر بحثوں میں نہیں پڑنا چاہیے، جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف، کیونکہ یہ ایسے مسائل ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے نہیں پوچھے گا۔ یہ مسائل اللہ عزوجل اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 141:

"یہ ایک قوم ہے جو گزر چکی ہے، اس کے لیے اس کا نتیجہ ہے جو اس نے کمایا اور تمہیں وہی ملے گا جو تم نے کمایا، اور تم سے ان کے اعمال کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔"

ایک مسلمان کو اس بات پر پختہ یقین ہونا چاہیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صحیح ہدایت پر تھے اور اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی تھا۔ یہ بات قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات سے ثابت ہے۔ مثال کے طور پر، باب 9 توبہ، آیت 100:

”ایمان(اولین سے میں) والوں رہنے کے مدینہ(انصار اور) والے آنے سے مکہ(مہاجرین اور میں (اور وہ لوگ جنہوں نے حسن سلوک کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں اور اس نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔“

چونکہ قیامت کے دن ان مسائل کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا، اس لیے ایک مسلمان کو ان چیزوں پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے جن کے بارے میں قیامت کے دن پوچھا جائے گا۔ جب کوئی

مسلمان قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو پوری طرح سمجھ لے اور اس پر عمل کر لے تو کیا اسے دوسرے مسائل پر توجہ دینے کا حق ہے؟ جیسا کہ عملی طور پر کوئی بھی اس سطح تک نہیں پہنچا ہے، اس لیے اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ ان مسائل پر توجہ مرکوز کریں جو متعلقہ ہیں، یعنی وہ مسائل جو اس بات کا تعین کریں گے کہ وہ جنت میں جائیں گے یا جہنم میں۔

اس کے علاوہ جو شخص کسی صحابی رضی اللہ عنہ کو ناپسند کرتا ہے اسے کافر ہونے سے ڈرنا چاہیے جیسا کہ کافر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ناپسند کرتے ہیں، قرآن کریم کے مطابق۔ باب 48 الفتح، آیت 29:

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے خلاف سخت ہیں، آپس میں مہربان ہیں، آپ ان کو رکوع اور سجدہ کرتے ہوئے، اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی حاصل کرتے ہوئے دیکھتے ہیں، ان کی نشانی ان کے چہروں پر ہے، ان کے سجدے کے اثر سے ان کی نماز کا بیان ہے۔ انجیل میں ایک پودے کی طرح ہے جو اپنی شاخیں نکالتا ہے اور انہیں مضبوط کرتا ہے تو وہ مضبوطی سے بڑھتے ہیں اور بونے والوں کو خوش کرتے ہوئے اپنے ڈنڈوں پر کھڑے ہوتے ہیں تاکہ وہ ان)صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (سے کافروں کو غضبناک کر دے...

جو ان کو ناپسند کرتا ہے وہ قرآن پاک میں مذکور تین کامیاب گروہوں میں سے ہے اور اس لیے دونوں جہانوں میں برباد ہے۔ پہلا گروہ صحابہ کرام کا ہے جنہوں نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی، اللہ ان سے راضی ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 8:

”وہ غریب مہاجر جو اللہ کے فضل اور]اس کی [رضامندی کے طلب گار اور اللہ اور اس کے رسول کی حمایت کرنے والے اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے، یہ لوگ سچے ہیں۔“

دوسرا گروہ مدینہ سے آنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ ہیں۔ باب 59 الحشر، آیت 9:

’’وہ لوگ جو مدینہ میں آباد ہوئے اور ان سے پہلے ایمان لائے، وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جنہوں نے ان کی طرف ہجرت کی اور اپنے سینوں میں اس چیز کی کوئی کمی نہیں پاتے جو انہیں دی گئی ہے، لیکن اپنے آپ کو ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ وہ تنگدستی میں ہی کیوں نہ ہوں، اور جو بخل سے محفوظ رہا، وہی فلاح پانے والا ہے۔‘‘

آخری کامیاب گروہ وہ ہیں جو مکہ یا مدینہ کے صحابہ کے بارے میں کوئی منفی جذبات نہیں رکھتے اور ان کے خیر خواہ ہیں۔ باب 59 الحشر، آیت 10:

"جو لوگ ان کے بعد آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ایمان میں ہم سے پہلے تھے اور ہمارے دلوں میں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ہیں ان کے لیے کینہ نہ رکھ اے ہمارے رب، بے شک تو مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

جو بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو ناپسند کرتا ہے اور ان پر تنقید کرتا ہے وہ ان تینوں کامیاب گروہوں سے باہر ہے اور اس لیے دونوں جہانوں میں برباد ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عمدہ بیان

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چند اعلیٰ صفات درج ذیل ہیں جن کی تقلید کے لیے تمام مسلمانوں کو کوشش کرنی چاہیے۔ باب 33 الاحزاب، آیت 21:

”یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہے۔“

اور باب 3 علی عمران، آیت 31:

”کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔“

شمائل ترمذی کی ایک حدیث نمبر 215 میں درج ذیل خصوصیات کا ذکر ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ فکر مند نظر آتے تھے کیونکہ آپ نے زیادہ وقت آخرت اور اپنے پیروکاروں کی تقدیر پر غور کرنے میں صرف کیا تھا۔ وہ ہر وقت گہری سوچ میں ڈوبا رہتا تھا۔ اس کی وجہ سے وہ کبھی بھی مکمل طور پر پر سکون نظر نہیں آیا۔ جب وہ بولتا تھا تو صاف اور آہستہ بولتا تھا تاکہ اسے آسانی سے سمجھا جا سکے۔ اس نے اختصار کے ساتھ مطلب بولا، اس کے چند الفاظ میں علم کا ایک بحر ہے۔ درحقیقت یہ ان معجزات میں سے ایک تھا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 1167 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ تو خستہ مزاج تھے اور نہ ہی آپ نے دوسروں کی توہین اور تذلیل کی۔ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کا شکر ادا کرتے تھے، خواہ وہ چھوٹی ہی کیوں نہ ہوں۔ اس نے کبھی کھانے پر تنقید نہیں کی۔ دنیاوی چیزوں پر کبھی غصہ نہیں کیا۔ لیکن

جب اللہ تعالیٰ کی حدیں پار کی گئیں تو آپ کو سخت غصہ آیا لیکن اس کے باوجود آپ ہمیشہ عادل اور رحم دل رہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہنسی مسکراہٹ تھی۔

میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شمائل ترمذی نمبر 227 اس بات کی تصدیق کی ہے کہ آپ نے کبھی کبھی مذاق کیا لیکن ہمیشہ سچ کہا۔ بدقسمتی سے، کچھ مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ چھوٹے جھوٹ بولنا قابل قبول ہے جسے سفید جھوٹ کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ سچ نہیں ہے۔ ہر قسم کے جھوٹ سے بچنا چاہیے کیونکہ قرآن کریم نے جھوٹ بولنے والوں پر لعنت کی ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 61:

"اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجو۔"

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضور نبی اکرم نمبر 2315 کی حدیث میں ہے کہ درحقیقت جامع ترمذی نے مذاق میں جھوٹ بولنے والے پر تین لعنتیں فرمائی ہیں۔ اگر مذاق کرتے ہوئے جھوٹ بولنے کا یہ حال ہے تو کیا دوسروں کو دھوکہ دیتے ہوئے جھوٹ بولنے کے نتائج کا تصور کیا جا سکتا ہے؟ جو مذاق کرتے ہوئے بھی جھوٹ نہیں بولتا اسے جنت کے بیچوں بیچ قلعے کا وعدہ دیا گیا ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4800 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلیٰ کردار کا ایک حصہ آپ کا اللہ تعالیٰ کی عبادت کا جذبہ تھا۔ مثال کے طور پر صحیح مسلم نمبر 7124 میں موجود ایک حدیث میں بتایا گیا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو اس قدر نفلی نماز پڑھا کرتے تھے کہ آپ کے مبارک پاؤں سوج جاتے تھے۔ جب ان سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے سادگی سے جواب دیا کہ میں شکر گزار بندہ بننا چاہتا ہوں۔ حالانکہ مسلمانوں سے ایسی پرجوش عبادت کی توقع نہیں کی جاتی ہے، ہر شخص کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق کوشش کرنی چاہیے۔ یہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق جسمانی طاقت جیسی ہر نعمت کو استعمال کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عاجزی و انکساری بہت مشہور ہے۔ یہ سچی بندگی کی ایک کلیدی خصوصیت ہے اور اس کے برعکس، یعنی غرور، جہنم میں داخل ہونے کا سبب بنے گا، خواہ اس کے پاس ایک ذرہ برابر بھی ہو۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مبارک زندگی میں تواضع کا مظاہرہ کیا۔ مثال کے طور پر شمائل ترمذی کی ایک حدیث نمبر 315 میں یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ بیماروں کی عیادت کرتے تھے چاہے وہ غریب ہی کیوں نہ ہوں۔ اس نے جنازوں میں شرکت کی اور سب خاص کر غریبوں کی دعوت قبول کی۔ پوری تاریخ میں ان خصوصیات کو غرور رکھنے والوں نے ہمیشہ حقیر دیکھا ہے۔ لیکن اسلام مسلمانوں کو ان فرائض اور دوسروں کو پورا کرنے کا درس دیتا ہے کیونکہ یہ ان کے جنت میں داخل ہونے کا سبب بن سکتے ہیں۔ صحیح مسلم نمبر 2374 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

شمائل ترمذی کی ایک لمبی حدیث نمبر 319 میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عاجزی اور سادگی کو نمایاں کیا گیا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4118 میں موجود ایک حدیث کے مطابق سادگی ایمان کا حصہ ہے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر پر تھے تو آپ نے اپنے وقت کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ پہلا اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے وقف تھا۔ دوسرا اپنے گھر والوں کے حقوق ادا کرنے کے لیے وقف تھا۔ اور آخری حصہ اپنے لیے تھا مطلب آرام کے لیے۔ اس آخری حصے کو اس نے دو حصوں میں تقسیم کیا اور اس کا آدھا حصہ عام لوگوں اور ان کی ضروریات کے لیے وقف کر دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کیا خواہ وہ خود کو مشکل میں ڈالے۔ وہ ہمیشہ لوگوں سے ان کے علم کی سطح کے مطابق بات کرتے اور صرف ان چیزوں پر گفتگو کرتے جس سے لوگوں کو فائدہ ہو۔ جب بھی لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جمع ہوتے تو صرف فائدہ مند باتیں ہی ہوتی تھیں اور سب فضول باتوں سے اجتناب کرتے تھے۔ لوگ ان کی محفلوں سے ہمیشہ کچھ نیا سیکھتے چلے جاتے تھے جس سے انہیں فائدہ ہوتا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف وہ الفاظ کہے جو مفید اور ضروری تھے اور لغو اور فضول باتوں کو ناپسند کرتے تھے۔ جو بھی اس کی عیادت کرتا تھا اس نے سکون محسوس کیا اور خوش آمدید کہا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ سب کا احترام کیا اور دوسروں کو نقصان پہنچانے سے ہمیشہ گریز کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ دوسروں کے معاملات کے بارے میں فکر مند رہتے اور ان کے مسائل کو دور کرنے کی کوشش کرتے۔ انہوں نے اچھے کاموں کی تعریف کی اور ان کی حوصلہ افزائی کی۔ انہوں نے برائیوں کے منفی اثرات کو بیان کیا اور انہیں دور کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے بنی نوع انسان کے لیے ایک بہترین مثال قائم کرنے کے لیے حد سے زیادہ رویے اور سستی سے بچتے ہوئے درمیانی راستہ اختیار کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک بہترین شخص وہ تھا جو دوسروں کی بھلائی کا خواہاں تھا اور ان کی مدد میں کوشش کرتا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو یاد کرکے

اپنی گفتگو اور مجلس کا آغاز اور اختتام کیا۔ جب وہ کسی محفل میں جاتے تو جہاں جگہ ہوتی وہیں بیٹھ جاتے اور دوسروں کو کبھی تکلیف نہیں دیتے۔ لیکن وہ جہاں بھی بیٹھا وہ محفل کا مرکز و محور بن گیا۔ اس نے ہمیشہ ان کے حقوق ادا کیے جن کے ساتھ وہ ملاقات اور بیٹھتے تھے۔ ہر شخص کا عقیدہ تھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی سب سے زیادہ عزت کرتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف اس وقت گفتگو چھوڑتے تھے جب دوسرے شخص کی درخواست ان کے اطمینان کے مطابق پوری ہو جاتی تھی۔ وہ ہمیشہ دوسروں کی ضروریات پوری کرتا تھا۔ لوگوں سے ہمیشہ خوش اسلوبی سے پیش آتے۔ آپ کی نظر میں تمام لوگ برابر تھے جہاں تک ان کے حقوق کا تعلق تھا، آپ نے دنیاوی وجوہات کی بنا پر بعض کو دوسروں پر ترجیح نہیں دی۔ ان کی محفلیں فائدہ مند علم، حلم، صبر اور سچائی سے متعلق تھیں۔ سب عزت دار تھے اور ان محفلوں میں کسی کو شرمندگی نہیں ہوئی۔ اس نے دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا اور لوگوں کا نام لیے بغیر غلطیوں کی نشاندہی کی۔ کسی کو اپنی محفلوں میں زیادہ فضیلت صرف اس صورت میں نظر آتی تھی جب وہ اللہ تعالیٰ سے دوسروں سے زیادہ ڈرتے۔ نوجوانوں کو اس کی طرف سے شفقت اور محبت کا مظاہرہ کیا گیا۔ غریبوں کے ساتھ حسن سلوک کیا جاتا تھا اور ان کی ضروریات پوری کی جاتی تھیں۔ اجنبیوں اور مسافروں کا ہمیشہ خیال رکھا جاتا تھا۔

جامع ترمذی نمبر 2015 میں ایک حدیث ملتی ہے کہ صحابی انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے دس سال تک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی اور اس عرصے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ناراض نہیں ہوئے اگر وہ اپنے مقرر کردہ کام میں ناکام رہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ اور اہل ایمان کی والدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نصیحت فرمائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی ناشائستہ بات نہیں کی اور نہ ہی بد زبانی کی اور نہ ہی اونچی آواز میں بات کی۔ جب بھی وہ دوسروں سے ناراض ہوتا تو اس نے بدلہ نہیں لیا بلکہ معاف کر دیا اور نظر انداز کر دیا۔ اس کی تصدیق شمائل ترمذی نمبر میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ 330

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی عورت، بچے یا کسی مرد شہری کو نہیں مارا۔ اس نے صرف ایک بار اللہ کی خاطر لڑا، مرد سپاہیوں کے خلاف اپنے دفاع میں۔ صحیح مسلم نمبر 6050 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

شمائل ترمذی میں موجود ایک طویل حدیث نمبر 334 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض مبارک خصوصیات پر بحث کی گئی ہے۔ وہ لوگوں کے ساتھ ہمیشہ خوش اخلاق اور نرم مزاج تھے۔ وہ اکثر مسکراتا رہتا تھا۔ وہ بہت نرم طبیعت کے تھے۔ اس نے کبھی دوسروں سے سخت بات نہیں کی اور نہ ہی وہ سخت دل کے مالک تھے۔ اس نے کبھی بھی نازیبا الفاظ یا توہین آمیز الفاظ نہیں کہے۔ اس نے کبھی دوسروں کے عیب نہیں ڈھونڈے۔ اس نے کبھی چیزوں پر تنقید نہیں کی اور نہ ہی چیزوں کی تعریف کی۔ وہ کم ہی مذاق کرتا تھا لیکن حد سے تجاوز نہیں کرتا تھا۔ وہ کنجوس نہیں تھا۔ اگر وہ کسی کی خواہش سے متفق نہیں تھا تو اس نے انہیں بہتر انتخاب کی وضاحت کرتے ہوئے کبھی مایوس نہیں کیا۔ وہ تین چیزوں سے بالکل دور رہا :دوسروں سے جھگڑنے سے، غرور اور فضول باتوں سے۔ اس نے دوسروں کی بے عزتی یا توہین نہیں کی اور نہ ہی دوسروں کے عیب تلاش کیے اور صرف فائدہ مند چیزوں کی بات کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسروں کی بدسلوکی اور سختی پر ہمیشہ صبر کرتے رہے۔ جب وہ بول رہے تھے تو وہ لوگوں کو نہیں روکتا تھا۔

شمائل ترمذی کی ایک حدیث نمبر 335 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انتہائی فیاضی کا ذکر ہے۔ جب بھی کسی نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی مفید چیز مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی انکار نہیں کیا۔

وہ اس قدر سخی تھے کہ جیسا کہ شمائل ترمذی نمبر 337 میں ایک حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے کبھی بھی اگلے دن کے لیے اپنے لیے کوئی سامان ذخیرہ نہیں کیا جیسا کہ وہ ہمیشہ صدقہ کرتے تھے۔

اس کی سخاوت اس حد تک پہنچ گئی کہ جب اس کے پاس دوسروں کو دینے کے لیے کچھ نہ ہوتا تو وہ مانگنے والے کو مشورہ دیتے کہ وہ مقامی بازار سے کچھ لے لے اور سوداگر سے کہے کہ اس چیز کی قیمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد ادا کریں گے۔ اس کی تصدیق شمائل ترمذی نمبر 338 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ دوسروں کے احسانات اور تحائف کا بدلہ دیا۔ شمائل ترمذی کے نمبر 339 میں موجود ایک حدیث کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پھلوں کی ٹرے بطور تحفہ دی گئی۔ جواب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کو مٹھی بھر زیورات عطا فرمائے۔

جامع ترمذی نمبر 2472 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کوئی دہشت زدہ نہیں ہوا۔ اسے ایسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کہ تیس دن تک صرف چند لقمے کھانے کو مل سکے۔ درحقیقت مہینے گزر جاتے ہیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں کچھ نہیں پکتا تھا۔ وہ اور اس کا خاندان پانی اور کھجور کے پھلوں پر اپنا گزارہ کرتے تھے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 2567 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ کھانا نہ کھایا جائے۔ لیکن مسلمانوں کو سب سے پہلے اس کی قدر کرنی چاہیے جو ان کے پاس ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ اسراف، فضول خرچی اور اسراف سے بچ کر اسلام کی حدود میں مادی دنیا سے لطف اندوز ہوں۔

نتیجہ

جب کوئی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کا مشاہدہ کرے گا تو وہ واضح طور پر دیکھے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کے ہر قدم پر آزمائے گئے حالانکہ آپ اللہ تعالیٰ کی محبوب ترین مخلوق تھے۔ لہٰذا، آزمائش اور مشکل ایک لعنت یا بدحال زندگی کی علامت نہیں ہے۔ یہ درحقیقت ایک شخص کے لیے چمکنے کا ایک موقع ہے اور بہت زیادہ انعام جمع کرتا ہے۔ باب 39 از زمر، آیت 10:

مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا]یعنی حد[۔

جب بھی انہیں آزمائشوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اسے ذہن میں رکھنا چاہیے تاکہ وہ صبر اور شکر گزار رہیں، جیسا کہ اس نے کیا تھا۔

مزید برآں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسلسل مشکلات اور آزمائشوں کا سامنا کرنے کے باوجود ہر مرحلے میں آپ کے دل کو سکون ملا۔ یہ سکون اس لیے حاصل ہوا کہ اس نے جو نعمتیں عطا کی تھیں ان کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے استعمال کیا۔ باب 13 الرعد، آیت 28:

‘‘بلاشبہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔’’

باب 16 النحل آیت 97 اور:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

،لیکن جو اس کی تقلید میں ناکام رہتا ہے اسے تاریک اور گھٹن والی زندگی کے سوا کچھ نہیں ملے گا چاہے ان کے قدموں میں دنیا ہی کیوں نہ ہو۔ باب 20 طہٰ، آیت 124:

لیکن جو میری نصیحت سے روگردانی کرے گا یقیناً اس کی زندگی بدحالی ہوگی‘‘۔ ’’

لہٰذا اسلامی تعلیمات کے مطابق جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کا صحیح استعمال کرنا ذہنی سکون حاصل کرنے اور دکھی زندگی کے درمیان فرق ہے، خواہ کسی کو مشکلات یا آسانیوں کا سامنا ہو۔

اس کے علاوہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کی رضا کی طرف بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لیے وقف کر دی۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلیں، جو آپ کے انتقال کے بعد آپ کی تعلیمات پر ثابت قدم رہے۔ تمام مسلمان آخرت میں اس کی صحبت کے خواہاں ہیں لیکن وہ اسے صرف اس صورت میں حاصل کریں گے جب وہ اس کے راستے پر چلیں گے۔ ایک شخص اپنے ساتھی کے ساتھ ختم نہیں ہوگا جس نے ایک مخصوص راستے پر سفر کیا تھا اگر وہ مختلف راستے پر چلتے ہیں۔ اسی طرح اگر مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور راستے پر چلیں گے تو آخرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل نہیں ہوں گے۔ یہ ان کی بابرکت زندگی اور تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں سے کسی نے بھی محض اپنے قول سے عقیدہ کا اعلان نہیں کیا اور عملی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے گریز کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ رویہ انہیں آخرت میں آپ کے ساتھ

شامل ہونے سے روک دے گا۔ درحقیقت یہ دوسری قوموں کا رویہ تھا جو اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت کا دعویٰ تو کرتی ہیں لیکن عملی طور پر ان کی پیروی میں ناکام رہتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ آخرت میں اپنے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ شامل نہیں ہوں گے۔

نیز جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کو وسعت دینے سے دیکھا جائے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ انسان کا بامعنی، قیمتی اور بامقصد وجود کا واحد راستہ اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا کرنا ہے۔ باب 51 ذریات، آیت 56:

"اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔"

یہ صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص عملی طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے، ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو اس کو راضی کرتے ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ ایمان کا محض زبانی اعلان کرنا بغیر کسی جسمانی عمل کے اس کی تائید کرنا اس گلدان کی مانند ہے جو باہر سے خوبصورت نظر آتا ہے جب کہ اندر سے کھوکھلا ہوتا ہے۔ یہ اس زندگی میں بامعنی وجود کا باعث نہیں بنے گا، چاہے وہ آخرت میں جنت میں ہی کیوں نہ جائے۔ طبرانی کی المعجم الکبیر، حدیث 182، جلد 20 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جس میں متنبہ کیا گیا ہے کہ جنت میں انسان کو صرف وہی چیز پچھتائے گی جو زمین پر اپنی زندگی کے دوران وہ وقت ہے جب اس نے اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کیا۔ یعنی اپنی زندگی کے اوقات میں انہوں نے جو نعمتیں عطا کی تھیں ان کو صحیح طریقے سے استعمال کرکے تخلیق کا مقصد پورا نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے مسلمان، جو صرف بنیادی فرائض کی ادائیگی کرتے ہیں، پھر بھی اپنی زندگی میں ایک خلاء محسوس کرتے ہیں، ایک ایسا خلا جسے مکمل طور پر اور عملی طور پر اپنے مقصد کو قبول کرنے کے علاوہ کوئی چیز پوری نہیں کر سکتی۔

اس کے علاوہ، عام طور پر، لوگ خوش ہو جاتے ہیں جب وہ دنیاوی چیزیں، جیسے دوسروں سے مال و دولت کے وارث ہوتے ہیں۔ لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے لیے وراثت کے لیے مال نہیں چھوڑا۔ آپ نے بھی دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح علم کو پیچھے چھوڑ دیا۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 223 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر مسلمان اس کے حقیقی وارث بننا چاہتے ہیں تو انہیں اس وراثت میں سے حصہ لینا چاہیے۔

آخر میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی اس بات کا بہترین نمونہ ہے کہ کس طرح ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے لیے اپنے فرائض کو پورا کرنا چاہیے۔ وہ قرآن کریم کی عملی نمائندگی ہے۔

لہٰذا مسلمانوں کو اپنے فرائض کی صحیح ادائیگی کے لیے ان کی بابرکت زندگی کا مطالعہ اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔ اس کے بغیر کامیابی ممکن نہیں۔ باب 33 الاحزاب، آیت 21:

”یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہے۔“

اور باب 3 علی عمران، آیت 31:

”کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔“

اور باب 4 النساء آیت 80:

‘‘جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔’’

اور باب 59 الحشر، آیت 7:

‘‘اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔’’

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے اور اس کے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ان کی آل اور صحابہ کرام پر درود و سلام ہو۔

اچھے کردار پر 500 سے زیادہ مفت ای بکس

500+ FREE English Books & Audiobooks / كتب عربية / اردو کتب/ Buku Melayu / বাংলা বই / Libros En Español / Livres En Français / Libri Italiani / Deutsche Bücher / Livros Portugueses:

https://shaykhpod.com/books/

Backup Sites for eBooks: https://shaykhpodbooks.wordpress.com/books/
https://shaykhpodbooks.wixsite.com/books
https://shaykhpod.weebly.com
https://archive.org/details/@shaykhpod

YouTube: https://www.youtube.com/@ShaykhPod/playlists

AudioBooks, Blogs, Infographics & Podcasts: https://shaykhpod.com/

دیگر شیخ پوڈ میڈیا

آڈیو بکس: https://shaykhpod.com/books/#audio
روزانہ بلاگز: https://shaykhpod.com/blogs/
تصویریں: https://shaykhpod.com/pics/
جنرل پوڈکاسٹ: https://shaykhpod.com/general-podcasts/
PodWoman: https://shaykhpod.com/podwoman/
PodKid: https://shaykhpod.com/podkid/
اردو پوڈکاسٹ: https://shaykhpod.com/podkid/Podcast
Live https://shaykhpod.com/live/

ڈیلی بلاگز، ای بکس، تصویروں اور پوڈکاسٹوں کے لیے گمنام طور پر واٹس ایپ چینل کو فالو کریں:
https://whatsapp.com/channel/0029VaDDhdwJ93wYa8dgJY1t

ای میل کے ذریعے روزانہ بلاگز اور اپ ڈیٹس حاصل کرنے کے لیے سبسکرائب کریں:
http://shaykhpod.com/subscribe